







# کلیات

بترتیب جدید

مع مقدمه و فرهنگ

مولانا عبد الباقی آسی

LYTTON LIBRARY

Date.....

ALIGARH.

MUSLIM UNIVERSITY



عطیہ  
دام بابو سکریٹری

۱۳۵۷۳۱۳  
۲۲۲  
(۲۲۲ ک)



# فہرست مضامین کلیات میر تقی میر

صفحہ	نام مضمون	نمبر شمار	صفحہ	نام مضمون	نمبر شمار
۴۰۸	رباعیات مستزاد	۱۳	۳	مقدمہ	۱
۴۰۹	قطعات	۱۴	۱	دیوان اول غزلیات بترتیب	۲
۴۱۰	ترکیب بند	۱۵	۲۰۸	حروف تہجی	
۴۱۱	نعت و منقبت	۱۶	۲۰۹	دیوان دوم غزلیات بترتیب	۳
۴۱۸	نہفت بند	۱۷	۳۶۸	حروف تہجی	
۴۱۹	در حیات	۱۸	۳۶۹	دیوان سوم غزلیات بترتیب	۴
۴۵۵	ستایشہائے گوناگون	۱۹	۴۵۶	حروف تہجی	
۴۵۶	ثنوی در جشن ہولی و کتھدائی	۲۰	۴۵۷	دیوان چہارم غزلیات بترتیب	۵
۴۶۴	ثنوی در بیان ہولی	۲۱	۵۳۰	حروف تہجی	
۴۶۸	ثنوی در تعریف سنگ و گمرہ	۲۲	۵۳۱	دیوان پنجم غزلیات بترتیب	۶
۴۸۳	در تعریف مادہ سنگ	۲۳	۶۲۳	حروف تہجی	
۴۸۴	مرثیہ خروس کہ در خانہ فقیر بود	۲۴	۶۲۵	دیوان ششم غزلیات بترتیب	۷
۴۸۹	ثنوی در بیان بندہ	۲۵	۶۴۸	حروف تہجی	
۴۹۵	ہجوایات	۲۶	۶۷۹	فرویات	۸
۴۹۶	مخمس در ہجو لشکر	۲۷	۶۸۳	تقصیم	۹
۴۹۷	قطعہ در ہجو خواجہ سہراکے	۲۸	۶۸۵	ثلث	۱۰
۴۹۸	ثنوی در بیان مرغ بازار	۲۹	۶۸۸	مخمس	۱۱
۴۹۹	ثنوی در ہجو خانہ کبود	۳۰	۶۸۹	رباعیات	۱۲
۵۰۱			۶۹۳		
۵۰۴			۶۹۵		
۵۰۷			۷۰۸		

نمبر شمار	نام مضمون	صفحه	نمبر شمار	نام مضمون	صفحه
۳۱	مثنوی در سحر خانه خود که شب بیدار	۸۱۵	۴۲	مثنوی ساقی نامه	۸۸۳
	خراب شده بود	۸۱۶	۴۳	مثنویات جذبات عشق	۸۸۸
۳۲	مثنوی در زدمت برشکال که باران	۸۱۷	۴۴	مثنوی شعله عشق	۸۸۹
	در آن سال بسیار شده بود	۸۱۸	۴۵	مثنوی دریای عشق	۸۹۰
۳۳	مثنوی در سحر با اهل سنی به زبان د عالم	۸۱۹	۴۶	مثنوی عشقیه	۸۹۹
۳۴	مثنوی عاقل نام کسی که بسکال	۸۲۲	۴۷	مثنوی مملات عشق	۹۰۰
	انسه تمام داشت	۸۲۳	۴۸	مثنوی جوش عشق	۹۱۰
۳۵	مثنوی تنبیه الجبال	۸۲۴	۴۹	مثنوی اعجاز عشق	۹۱۱
۳۶	مثنوی از در نامه	۸۲۸	۵۰	بعض سوانحات میر	۹۱۷
۳۷	مثنوی در زدمت آئینه دار	۸۲۹	۵۱	مثنوی در شهر کا صاحب حال خود	۹۱۸
۳۸	مثنوی در سحر اکول	۸۳۰	۵۲	مثنوی در حال لشکر	۹۲۸
۳۹	مثنوی در بیان کذب	۸۳۳	۵۳	مثنوی ننگ نامه	۹۲۹
۴۰	واسوخت	۸۳۴	۵۴	مثنوی خواب خیال میر	۹۳۵
۴۱	مثنویات شکار نامه	۸۳۶	۵۵	مثنوی زدمت دنیا	۹۳۶
		۸۵۰			۹۴۳
		۸۵۱			۹۴۴
		۸۸۳			۹۴۴



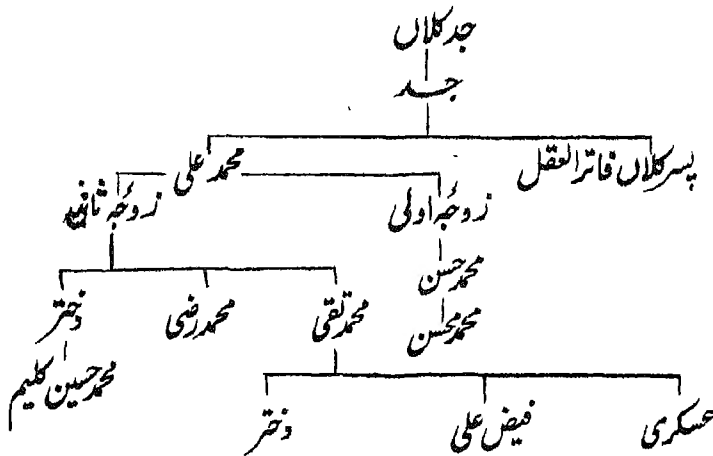
# مقدمہ ۳۲۲۲۶

## کلیات تیر

CHILCHIL 2002  
کے

از مصوٰر در دیوئی عبدالباری صاحب آسی

### شجرہ خاندان تیر



میر صاحب کے پروا دامہ اپنے قبیلہ کے حجاز سے ہندوستان پہونچے اور میر صاحب کے خود نوشتہ تذکرہ ذکر میر کے مطابق پہلے دکن میں ٹھہرے اور پھر کچھ مجبوریوں کی وجہ سے احمد آباد گجرات میں کر مقیم ہوئے۔ مگر آب و دانہ کی کشش وہاں سے اکبر آباد لے آئی اور اسی سرزمین میں پیوند خاک ہوئے ان کے دادا اکبر آباد میں فوجدار مقرر ہوئے اور پچاس برس کے سن میں وہ بھی رہنور و فاما ہوئے۔ دو لڑکے ان سے یادگار رہے ایک کو خلل داغ تھا۔ جن کو جوانی میں نصیب ہوئی لہذا ان کا ذکر قابل حذف ہے۔ دوسرے میر صاحب کے والد جن کا نام محمد علی۔ یا عبد اللہ تھا۔ اور علی شقی ان کے پرکا بخشا ہوا لقب تھا۔

سیادت میر | اردو کے تذکرہ نویسوں میں میر صاحب کی سیادت کے متعلق اختلافات چلے آتے ہیں لہذا اس پر جسبش سر شاہ محمد سلیمان صاحب بالقابہ نے جو کچھ بحث و تحقیق فرمائی ہے میں اسی کو

نقل کیے دیتا ہوں۔ اہل نظر اس سے نتیجہ نکال سکیں گے۔

”ان کے نسب کے متعلق آزاد نے لکھا ہے کہ یہ شرفائے اکبر آباد سے تھے۔ اپنے کو سید کہتے تھے لیکن ان کے زمانے میں کچھ لوگ اس دعوے پر حرف زن تھے۔ تذکرہ شورش میں ہے کہ خطاۃ سیادت ان کو شاعری کی درگاہ سے عطا ہوا۔ اور بحیات میں آزاد نے لکھا ہے کہ چند کم سن سال بزرگوں سے سنا گیا کہ میر کے والد نے ان کو مشنبہ کیا تھا کہ میر تخلص کرنے سے سید بن جائیں گے۔ اسکے بعد سودا کا ایک شعر آزاد نے نقل کیا ہے جو کلیات میں نہیں پایا جاتا اور وہ میر کی شرافت کی ہجو میں ہے۔

۵ بیٹھے تنور طبع کو جیب گرم کر کے میر کچھ شیر مال ساٹنے کچھ نان کچھ پیر

سودا کا ایک دوسرا شعر جو مشہور ہے اور جس میں میر ہی کے خاندان کی طرف اشارہ ہے

یہ ہے۔

۵ میری کے اب تو سارے مصالح ہیں بیٹا تو گدنا بنا اور آپ کو تھمیر

بلکسی شہرت یا نبیاد کے ذات پر حملہ کرنا ایک تعجب خیز بات تھی۔ زمانہ حال کے تمام نکتہ چین آزاد کے اس شبہ کرنے پر مضحکہ کرتے ہیں اور دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں کہ میر ہمیشہ اپنے کو سید کہتے تھے اور ذکر میر میں بھی اپنے کو میر لکھا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا لقب میر مشہور تھا۔ لکھنؤ میں ان کو سب سے یقین کرتے تھے اور خود میر نے اپنے کو برابر سید لکھا ہے۔

۵ پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں اس عاشقی میں عزت ساوات بھی گئی

لیکن مطبوعہ ذکر میر میں بھی میر نے اپنے کو سواے میر تقی لکھنے کے صاف طور پر سید ہونے کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ اپنے دادا یا پردادا کا نام ظاہر نہیں کیا ہے۔ اپنے والد کو بھی سید نہیں لکھا ہے۔ اور نہ اپنے بھائیوں میں سے کسی کو میر یا سید کے لقب سے یاد کیا ہے۔ بخلاف اس کے غیر ذیل کو مثلاً امان اللہ اکمل خاں اور سعادت علی خاں کو سید لکھا ہے۔ البتہ مولوی مسعود حسن رضوی کے نسخے میں حقیقت حال مصنف کے زیر عنوان اپنے متعلق یہ لکھا ہے کہ ”کسے فقیر و شاعر و متوکل و دانستہ بطریق نذر جہیز سے می فرستد۔ مولوی عبدالحق نے اپنے مقدمہ میں یہ لکھا ہے کہ میر صاحب نے ذکر میر میں ہر مقام پر اپنے والد کے نام کے ساتھ میر کا لفظ لکھا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ میر صاحب اپنے والد کو ہر جگہ میر علی متقی لکھتے ہیں اسی سے مولوی محمد عسکری نے بھی نقل کیا ہے لیکن ایسا لکھنا نہایت تعجب خیز ہے

۵ مقدمہ ذکر میر

کیونکہ ذکر میر میں برابر اپنے والد کو علی متقی - یا درویش یا عزیز مردہ کمر حوالہ دیا گیا ہے کسی جگہ میر علی متقی مجھے نہیں ملا صرف ایک جگہ میر محمد علی درج ہے - حقیقت میں علی متقی جب ان لقب تھا تو اسکے پہلے میر لکھنا ہرگز موزوں نہ ہوتا - نہ کوئی درویش صفت ہر گ خود اپنے کو ایسا کہلانا پسند کرتا - البتہ فضائیں کے عنوان جو چھپے ہیں ان میں میر علی متقی لکھا ہے - مگر مولوی عبدالحق نے اپنے مقدمہ میں خود تسلیم کیا ہے کہ یہ عنوان اصل میں موجود نہیں ہے اور وہ خود ان کے اضافہ کیے ہوئے ہیں مولوی مسعود حسن رضوی کے نسخہ میں بھی اس قسم کے عنوان موجود نہیں ہیں - اور نہ مولوی محمد شفیع کے نسخہ میں ہیں -

دوسرا دعویٰ دونوں صاحبوں نے یہ کیا ہے کہ اس کتاب میں میر نے اپنے والد کی زبانی اپنا نام میر محمد متقی لکھا ہے - اہل تو ان کے والد کی زبانی اس طرح پر خطاب کیا جانا مجھے نہیں ملا - دوم یہ کہ اگر ہو بھی تو تعجب خیرات ہوگی کہ ایک صوفی منش درویش اپنے دس سال کے بیٹے کو میر محمد متقی کہہ کر پکارے - یہ صحیح ہے کہ میر نے اپنے کو اور دوسروں کی زبانی بھی میر محمد متقی لکھا ہے - مگر واضح رہے کہ یہ کتاب انھوں نے ساٹھ سال کی عمر میں لکھی تھی جب وہ خود میر مشہور تھے - نہ تو وہ اقوال جو انھوں نے اپنے والد یا سید امان اللہ کے نقل کیے ہیں لفظ بلفظ اصلی ہو سکتے ہیں - نہ اس کی اُمید کی جاسکتی ہے کہ دس سال کی عمر میں جو کچھ انھوں نے کانوں سے سنا اُسے بحسنہ بعد کو قلمبند کیا - جب نخلص میر تھا تو میر صاحب مشہور ہو جانا مشکل نہ تھا - اور اگر حقیقت میں وہ سید نہ تھے اور سید بن بیٹھے تو ذکر میر میں اپنے کو میر لکھنا بھی کوئی غیر قابل قیاس بات نہیں ہو سکتی - لیکن اگر ذکر میر میں جیسا لکھا ہے صحیح ہے کہ میر دس سال کے تھے جب ان کے والد نے انتقال کیا تو یہ قصہ کہ ان کے والد نے ان کو متنبہ کیا تھا کہ میر نخلص کرنے سے سید بن جائیگی ناقابل یقین ہوگا تحقیق صرف یہاں تک ہے کہ میر اپنے کو سید ضرور کہتے تھے اور سید مشہور تھے اسی کے ساتھ کچھ لوگوں نے ہجو میں ان کی سیادت پر شبہ کیا - اب اتنے زمانے کے بعد کہ حقیقت میر سید تھے یا جیسا اکثر لوگوں نے اس زمانے میں کہا سید بن بیٹھے تھے مشکل ہے -

مندرجہ بالا خیالات اور فیصلوں سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مضمون نگار کو مولانا آزاد کے خیال یا ان کی بیان کی ہوئی روایت سے کہ میر صاحب سید نہ تھے ایک حد تک اتفاق ہے - پھر بھی مولانا آزاد ہی کا یہ جملہ کہ سیادت میں شبہ نہ کرنا چاہیے - اگر وہ سید نہ ہوتے تو خود کیوں کہتے - ان کے پہلے خیالات کی تردید کے لیے بہت کافی ہے - اس پر میر صاحب کا

بار بار اپنے آپ کو صید بنانا۔

سید نہ ہو دسے پھر تو کوئی چار ہو دسے	اے غیر میر مجھ کو گر جوتیاں نہ مار سے
بندہ ہو رُئل سے میں اُسی سیدام کا	کب افتد اہو مجھ سے کسی کی سوائے میر
سر رکھیے اُنکے پاؤں پہ جائے ادب کا یہ	سید ہیں میر صاحبِ درد ویش درد مند
ذلیل کیسے ہیں اُن کی ہے گو کہ ذاتِ بڑی	ذلیل ذات نہیں عشق میں کہ میر کو دیکھ
آگے بھی میر سید کرتے گئے ہیں ساکا	غیرت سے تنگ آئے غیروں سے لڑ رہے گئے
یاں پھر اگر آؤں گا سید نہ کہاؤں گا	دریہ سے ترے اب کے جاؤں گا تو جاؤں گا
ذاتِ بقیہ میں اُن کی یہی ذات ہو تو ہو	منکر نہیں ہے کوئی سیادت کا میر کی
ابنِ عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی	پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
سید خستہ خاکِ افتادہ	دستا عشق جانتے تھے کہ ہے یہ ولدِ ادہ
گوینا سید کے ہے کیا چار	دورِ بچہ اہل ارکھتی ہے میری شرافتِ اشتہار
ہے غلامی تمھاری اپنا کام	تمھارے سلطنت کی زبانی ہم بنی فاطمہ ہو ہم ہیں غلام

اتنی شہادتوں کے علاوہ یہ شہادت بھی ہے کہ جب خواجہ محمد باسط نے ان کو نائب امیرِ لاہور صمصام الدولہ کے سامنے بغرضِ ملازمت پیش کیا تو انھوں نے سوال کیا کہ ”اس پسر اڑکسیت“ اس پر انھوں نے جواب دیا کہ ”از میر محمد علی است“ مگر ان سب باتوں کے باوجود ہائے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اگر کہنے والا بیکند ہے کہ میر صاحبِ سیادت کے مدعی تھے اور یہ سب باتیں میر صاحبِ ہی کی بیان کی ہوئی ہیں ان پر اعتماد کیا ہو سکتا ہے۔

مگر ان اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ میر صاحبِ والدِ بزرگوار اُس وقت کے ایسے باکمال بزرگوں میں تھے کہ اُن کے لئے اور اُن کی دستِ بوسی کرنے کے بڑے بڑے لوگ آرزو مند رہتے تھے۔ اُن کے کمالِ روحانی کے متعلق میر صاحب نے اپنے تذکرہ ذکرِ میر میں کئی جگہ بیان کی ہیں۔ جن کا یہاں ذکر کرنا تطویل کا باعث ہو گا۔ مگر یہ بتادینا ضروری ہے کہ وہ شاہِ کلیم اللہ اکبر آبادی کے مرید تھے۔ اور بیرونِ شہر متصل عید گاہ سکونت گزین تھے۔

ولادتِ میر اس وقت تک میر صاحب کی سوانحِ میری کے متعلق جتنے مضمون نکلے ہیں اُن میں تاریخِ مرحوم کے اس مصرعِ تاریخ سے ۷۰ وادیلا مرد شہ شاعران تاریخ وفات ۱۲۲۵ھ



مطابق مسئلہ عمر قرار پائی ہے اور یہ صحیح بھی ہے۔ مگر اُن کے سنہ ولادت میں بڑے اختلافات ہیں اور ان میں بہت سے قیاسات سے کام لیا گیا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کی عمر اور اُن کی مدت حیات واقعی طور پر معلوم نہیں ہو سکی۔ مولانا آزاد مرحوم نے نواب برس جس کے روئے ۱۱۲۵ھ میں اور تذکرہ جہاں میں اسی برس عمر بتائی ہے جس کے روئے ۱۱۲۵ھ میں ولادت قرار پاتی ہے۔ اسی طرح مصحفی نے اپنا تذکرہ جو سنہ ۱۱۲۹ھ میں لکھا ہے اُن کی عمر اسی سے متجاوز بتائی ہے۔ اگر بارہ سو تو سے اسی نکال دیں تو سنہ ۱۱۲۹ھ سنہ ولادت مانا جاسکتا ہے۔ مگر ان سب پر جب ناقدانہ نگاہیں پڑیں تو قیاس صحت اور اصلیت سے زیادہ قریب ہو گیا ہے۔ چنانچہ مولوی عبدالحق نے روایت و درایت کو ملاتے ہوئے سنہ ۱۱۳۵ھ سنہ ولادت قرار دیا ہے۔ مگر اس پر بھی تنقید کی گئی اور سر شاہ سلیمان صاحب نے سنہ ۱۱۳۶ھ کو صحیح مانا ہے۔ مگر اب کہ واقعات صحیح طور پر معلوم ہو سکے ہیں ان قیاس آرائیوں کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

عالی جناب راجہ صاحب محمود آباد دام اقبالہ کی لائبریری میں میر صاحب کے ایک دیوان چہارم کا قلمی نسخہ موجود ہے جسکی خصوصیات یہ ہیں۔  
(۱) یہ دیوان خود میر صاحب مغفور و مرحوم نے اپنے شاگرد محمد حسن الخطاب بزرگ الدین احمد کو اپنے ہاتھ سے عنایت فرمایا۔

(۲) یہ دیوان میر حسن علی تجلی دادا میر مغفور کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ جو غالباً میر صاحب کے ایام سے لکھا گیا۔ اور جب میر صاحب نے دیکھا کیونکہ وہ اُن کے پاس نہ ہوتا تو وہ محمد حسن کو کیونکر دیتے۔

(۳) اس دیوان پر میر صاحب کے کچھ سوانح حیات ہیں جن سے بہت سی ایسی باتوں پر روشنی پڑتی ہے جو اب تک تذکرہ نویسوں کی نظر سے مخفی تھیں۔

(۴) اس پر بعض شاہانِ اودھ کی مہریں ہیں جن سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ شاہی کتب خانوں کی زینت رہ چکا ہے۔

(۵) اس دیوان میں کچھ غزلیں زیادہ ہیں۔ اور ایک شنوی بھی ہے جو اب تک کسی دوسرے دیوان میں نظر نہیں آئی۔

اس دیوان کے ٹائٹل کے صفحہ پر جو سادہ ہے محمد حسن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ

عبارت موجود ہے۔

”بروز جمعہ بستم شعبان المکرم وقت شام ۱۲۲۵ھ کینزار و دوصد و بست و پنج ہجری بود کہ میر محمد تقی صاحب میر تخلص صاحب این دیوان چہارم در شہر لکھنؤ در محلہ شہٹی بعد طے نہ عشرہ عمر بخوار رحمت ایزدی پیوستند۔ و بروز شنبہ بست و یکم ماہ مذکور سدہ الیہ وقت دوپہر در اکھارہ بھیم کہ قبرستان مشہور است نزد قبور اقربائے خویش مدفون شدند و چہار دیوان خود را کہ این دیوان چہارم ہم از انجملہ است بہ محسّر سطور محمد حسن الخاطب بہ زین الدین احمد تجاوز اللہ عن سیتانہ در حین حیات خویش کمال غمت بحل کردہ بخشیدند۔ خدائش بیامرزاد“

تاریخ وفات نثر میں لکھکر دو قطعہ تاریخ نظم بھی درج کر دیے ہیں جو ذیل میں درج ہیں۔

### قطعہ تاریخ نمبر ۱

مسلم وراثت و تاج سخن  
ستائندہ او بود باج سخن  
نو شتم برودہ سراج سخن  
۱۲۲۵ھ

محمد تقی مسیر شاعر کہ بود  
باقلیم معنی زار باب شعر  
زمرگش چوبے نوشند شہر سال

### (۲) تختہ حیدر

مرد و زونیا سو کئے عدم شد  
میر تقی استاد و رقم شد  
۱۲۲۶ھ

میر تقی استاد معنی شعر  
گشت چو اشعارش ہم بے سر

بارہ سو چھبیس میں پہلے مصرع کے اشارے گشت چو اشعارش ہم بے سر کے مطابق اشارہ کا الف نکالنے سے ۱۲۲۵ھ رہ جاتے ہیں۔ اس نسخہ کے ایک صفحہ پر نوادر الکملہ کی عبارت بھی درج ہے جو آگے چلکر حسب ضرورت نقل کی جائے گی مگر فی الحال سنہ ولادت کے تعین کے جھگڑے کو صاف کر دینا ہے کہ اس عبارت کے دیکھنے کے بعد ہم کو کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ میر صاحب نے ۹۰ برس کی عمر پائی اور ۱۲۲۵ھ میں سے جب فوتے منہا کر دیجئے تو سنہ ۱۲۳۵ھ باقی رہے اور یہی سنہ ولادت ہے۔ اور اسی کی ایک دوسری عبارت

سے بھی تائید ہوتی ہے جو اس کتاب کے ایک دوسرے صفحہ پر نوادر الکلام سے نقل کی گئی ہے کہ  
 دراد آخر یک ہزار و یک صد و سی و پنج ہجری ولادت واقع شدہ۔

**تربیت میر** | میر صاحب نے اپنی تعلیم و تربیت کے متعلق کوئی تفصیلی اور واضح بیان نہیں دیا۔  
 مگر کچھ واقعات ہیں جن سے پتہ چل جاتا ہے۔ ان کو ذرا پھیلا کر لکھنے کی ضرورت ہے۔

ہم اپنے مضمون میں بیان کر چکے ہیں کہ میر صاحب کے والد ایک باکمال صوفی تھے جسے  
 اکثر خرق عادات کی سی باتیں بھی سرزد ہوتی تھیں۔ چنانچہ ان واقعوں میں سے ایک واقعہ  
 یہ بھی ہے۔

ایک مرتبہ میر صاحب کے والد گھر میں مضطرب و سراسیمہ سے آئے۔ بڑھیا اما سے کہا  
 کہ کچھ کھانے کی چیز گھر میں ہو تو لاؤ۔ وہ بولی کہ گھر میں تو کوئی سامان نہیں ہے۔ بازار جاتی ہوں  
 وہاں سے سودا سلف لاؤں تو کچھ بچاؤں۔ بڑھیا کچھ آٹا وال وغیرہ لے کر بیٹی تو انھوں نے  
 کھانے کے تیار کرنے کے لیے جلدی چائی۔ بڑھیا بگڑ کر بولی کہ صاحب فقیر ہو تو فقیری  
 انذار سیکھو صبر کرو۔ درویشی کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ بڑھیا کا کہنا تیر کا کام کر گیا اس  
 سے تو کچھ نہ کہا۔ لیکن اُسٹھے آنسوؤں سے بھینکا ہوا روال اٹھایا۔ اور چلنے لگے۔ اما بیچاری  
 ڈر گئی۔ دوڑ کے ان سے لپٹ گئی۔ اور پوچھا کہاں چلے۔ بیٹھو۔ انھوں نے جواب دیا۔ کچھ سبج  
 نہیں۔ تم میرے لیے کھانا پکاؤ میں ذرا لاہور میں ایک درویش سے مل آؤں ابھی واپس آئوں  
 بڑھیا نے جتیرا سمجھایا بچھایا مگر وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا اب کیا ہو سکتا تھا۔ مجبور چپ مور سی  
 اور یہ چل کھڑے ہوئے۔ نہ پاس ساز و سامان۔ نہ زاد راہ۔ نہ روپیہ نہ پیسہ۔ مگر توکل پر اعتماد رکھا  
 لاہور پہنچ ہی گئے۔ جس درویش کی ملاقات کا شوق کھینچ کر لے گیا تھا۔ اس سے دریا راوی  
 کے کنارے پر ملاقات ہوئی۔ اور اس سے کچھ صحبت برآر نہ ہوئی تو یہ لپٹ کر دلی آئے۔  
 یہاں آکر میر قمر الدین منت خلف میر عبدالرشید عزت کے یہاں فرود کش ہوئے۔ یہ رائے رین  
 اور معتقدین کے ہجوم کو برداشت نہ کر سکے راتوں رات دلی سے چل کھڑے ہوئے۔ اور دو  
 تین روز کے سفر کے بعد بیانہ پہنچے۔ یہاں ایک نوجوان سید زاوے پران کی جاذبانہ نگاہ  
 نے ایسا اثر ڈالا کہ وہ آسیب زدوں کی طرح بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے یہ حالت  
 دیکھی تو ان کی منت ساجت کی کہ اس پر مہربانی فرمائیے۔ انھیں بھی کچھ رحم آگیا۔ تھوڑا سا  
 پانی لیا۔ اس پر کھڑکھڑم کیا۔ اس میں سے کچھ منہ پر چھڑکا کچھ پلایا۔ جوان کو ہوش آیا تو مودبانہ سامنے



می پرورد۔ چنانچہ روز و شب با او میاں دم و قرآن شریف بخدمت او میخواندم“  
 میر صاحب ان بزرگ کے سایہ عاطفت میں تقریباً تین سال تک رہے۔ جب ان کی عمر  
 دس برس کی ہوئی تو سید امان اللہ کو حکم قضا و قدر نے ان سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا۔ اسی لیے  
 قیاس چاہتا ہے کہ جب یہ سات برس کی عمر میں قرآن شریف پڑھتے تھے تو دس برس کی عمر میں  
 قرآن شریف کے علاوہ رسمی درسیات کی کتابیں بھی پڑھی ہونگی اور کچھ نہ کچھ سیکھ سکے ہونگے۔ اسکے  
 علاوہ چونکہ اپنے عم بزرگوار سید امان اللہ کے ساتھ اکثر کالین کی صحبت میں جاتے تھے اور انکی  
 باتیں سنتے اور یاد رکھتے تھے تو اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ ان کو کچھ ادراک شعور بھی حاصل ہو گیا ہوگا۔  
 پھر سید امان اللہ کی وفات کے بعد انھیں کچھ نہ کچھ وقت ایسا بھی ملا جس میں اپنے والد بزرگوار کا  
 فیض تربیت حاصل کیا۔ جیسا کہ ان کی خود نوشتہ سوانح عمری ذکر میر کی ان نصیحتوں سے معلوم ہوتا ہے  
 جو ان کے والد نے تلقین صبر کے لیے کیں۔ بلکہ انھیں سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ میر علی متقی  
 ان کو اس وقت ذی شعور سمجھتے تھے۔ چنانچہ میر صاحب کا بیان ہے کہ میں سید امان اللہ کی  
 بیوقت موت سے بہت رنجیدہ رہتا تھا تو میرے والد جھکو یہ کہہ کر سمجھاتے تھے۔  
 ”کہ اے پسر من ترا بسیار میخوانم۔ اما زین غم می کاہم کہ من نیز بر سر راہم۔ گاہ گفتم  
 کہ ماہ من نہ طفل ہالہ۔ الحمد للہ کہ وہ سالہ۔ چہ بہ کاشش افتادہ آخر درویش زادہ۔  
 دل قوی دار۔ خود را بخدا سپار۔“

مگر ان سب باتوں کے باوجود بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان کی تعلیم نامکمل تھی۔ اور وہ ابھی  
 درسیات رسمی تمام نہ کر چکے تھے کہ ان کے والد کے انتقال کے سبب سے ان کی جان پقیامت  
 گزر گئی۔ انھوں نے ذکر میر میں اس واقعہ فاجہ کو یوں بیان کیا ہے۔  
 وفات میر علی متقی | ایک روز میر علی متقی کو اپنے ہمیشہ زادہ محمد باعث کی عیادت کے لیے  
 بیرون شہر پناہ سے شہر کے محلہ عالم گنج تک پیادہ پا دھوپ میں جانا پڑا۔ دن بھر وہاں رہے  
 اور شام کو وہاں سے پلٹ کر اپنی مسجد میں نماز پڑھی۔ فراغت نماز کے بعد ستر استراحت پر دراز ہو گئے۔  
 اتنے میں میر صاحب پہنچے تو فرمایا کہ آج معلوم ہوتا ہے کہ دھوپ کی شدت اور گرمی نے نقصان  
 پہونچا یا ہے۔ سر میں درد بھی ہے اور پیٹ میں مصیبت ہے کہ بخار ہو جائے گا۔ اس وجہ سے شب کو  
 بغیر کچھ کھائے پئے سو گئے۔ صبح کو بہت تیز بخار ہو گیا۔ انکے قدیم معالج ابو الفتح نے علاج کیا  
 مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بخار ٹھہر گیا۔ اور روزانہ شام کو تیز ہونے لگا۔ ایک مہینہ کے بعد معالج

اس میچے پر پہنچے کہ بنجار ٹہریوں میں اثر کر گیا۔ جب مرض نے بہت زیادہ ترقی کی تو غذا بھی چھوٹ گئی۔ اور آخر کار مریض اور بیمار داروں کو اُمید شفا باقی نہ رہی۔ ایک روز میر صاحب اور ان کے بڑے بھائی محمد حسن کو بلایا اور فرمایا کہ میں ایک فقیر ہوں۔ میرے پاس روپیہ نہ پیسہ نہ سامان نہ جائداد۔ البتہ تین سو جلدیں کتابوں کی ہیں۔ لاؤ انھیں کو دونوں بھائیوں میں تقسیم کر دوں۔ محمد حسن نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں طالب علم ہوں اور کتابیں صرف میرے ہی کام آسکتی ہیں۔ محمد تقی سوائے اسکے کہ ضایع کر دے اور کیا کر گیا۔ انھوں نے مطلب سمجھ لیا۔ اور کہا خیر تم سمجھ گئے۔ یاد رکھو کہ اللہ غفور ہے اور غیور کی دوست رکھتا ہے۔ محمد تقی تمھارا دست نگر کبھی نہ ہوگا۔ زیادہ سناؤ گے تو اسکی سزا پاؤ گے۔ وہ تمھیں کیفر کردار کو پہنچا گیا اور سمجھ لو کہ اُسکے سامنے تمھارا چراغ ہرگز ہرگز جل نہیں سکتا ہے۔ اسکے بعد میر صاحب کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ میں بازار کے بنیوں کا تین سو روپیہ کا مقروض ہوں۔ جب تک وہ ادا نہ کر دے میری تہنید و تکفین نہ کرنا۔ میر صاحب نے کہا کہ ٹھکر کا اثاثہ تو صرف یہی کتابیں تھیں جو بھائی جان کی ملک میں آگئیں۔ اب ادائے قرض کی مجھ سے کیا سبیل ہوگی۔ انھوں نے کہا کہ گھبراؤ مت۔ خدا کار ساز ہے۔ ہنڈی راستہ میں ہے۔ روپیہ آتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ میرے سامنے ہی آجائے۔ مگر موت قریب تر ہے اور فرصت کم لہذا خدا حافظ۔

شفیق باپ کے انتقال کے بعد میر صاحب پر جو قیامت گزری اسکا اظہار دوسرے لوگوں کے لیے بھی سامانِ سوہانِ روح سے کم نہیں۔ ایک لاوارث مفلس غریب بچہ اور اُس پر قرض خواہوں کا تقاضہ۔ تنہائی۔ اسپر بھائی کی بے اعتنائی۔ غرض مصائب گوناگوں کا ایک سمندر تھا جو موجیں مار رہا تھا۔ مگر یہ اسکی مہمت تھی کہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا۔ ادا دہی کا منتظر رہا۔ اور آخر کار یہ سب ابتدائی مشکلات خدا نے حل کر دیں۔

سید امان اللہ کے انتقال کے وقت میر صاحب دس برس کے تھے۔ تو والد کے انتقال کے وقت دس مہینے زیادہ سے زیادہ اور گزر چکے ہوں گے۔ کیونکہ سید امان اللہ عید کے مہینے میں راہی عدم ہوئے اور والدِ رجب کے مہینے میں غلام باقی کو سدھارے۔ مگر میاں ایک ایسی گتھی پڑ جاتی ہے جو سلجھائے نہیں سلجھتی۔ میر صاحب سے میر صاحب کے والد مرحوم کی باتیں اور وصیتیں اور قرضداروں کا مطالبہ۔ میر صاحب کا رسوم موتے کو ادا کرنا۔ اور تمام معاملات کو طے کرنا۔ اسکے بعد اپنے بھائی کو خانہ داری کے

امور کا متکفل کر کے خود تلاش معاش میں پھرنا اپنی خودداری اور غیرت کو کام میں لانا اور کسی سے کوئی  
املاؤ نہ چاہنا۔ اور مزید برآں یہ کہ اپنے عسم مرحوم یعنی سید امان اللہ کے ساتھ اکثر درویشوں اور  
خدا رسیدوں کی صحبت میں جا کر فیض صحبت اٹھانا۔ یہ سب باتیں ایسی نہیں ہیں جو ایک دس  
بارہ برس کے بچے کے لیے موزوں ہوں۔ سر شاہ سلیمان صاحب کا خیال ہے کہ میر صاحب  
اپنی اس وقت کی عمر کا اندازہ صحیح نہیں کیا۔ میں بھی اسی کی تائید کرتا ہوں۔ ورنہ پھر ایک اور  
بھی قیامت پیدا ہوتی ہے کہ میر صاحب ذکر میر میں تحریر فرماتے ہیں۔

”خدا کے کہیم مرا شرمندہ احسان کسے نہ کرو۔ و دست نگریہ را در کہ سر بہ سر من  
داشت نساخت۔ نقل ماتم در ویش قسمت ساختم۔ کار را بہ لطف خداوندانہ ختم۔  
دم خود را بہ برادر خورد سپردہ بہ تلاش روزگار در اطراف شہر استخوان شکستم۔ لیکن طرے  
نہ بستم۔ یعنی چارہ کار در وطن نیا فتم۔ ناچار بغربت شتافتم۔ رنج را بہ خود پہلو کر کم  
شد اگر سفر اختیار کردم۔ بہ شاہجہاں آباد دہلی رسیدم۔ بسیار گردیدم شفیق نہ دیدم۔“

اس عبارت سے صریحی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ یہ رسوم دنیوی موتے کے ادا کرنے  
کے بعد ہی فوراً اکبر آباد سے چل کھڑے ہوئے۔ یا زیادہ سے زیادہ کچھ دنوں اپنے وطن  
مالوف میں سرگرم تلاش معاش رہے۔ اس کے بعد دہلی پہنچے۔ حالانکہ درایت و  
قیاس کبھی اس امر محال کے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے کہ ایک دس گیارہ برس کا  
بچہ اکبر آباد سے دہلی تک کا اس زمانہ میں سفر کرے کہ قافلے لٹتے تھے۔ راستے محفوظ  
و مصون نہ تھے۔ قدم قدم پر خون بہائے جاتے تھے۔ پھر یہ سب کچھ بھی ہو تو وقت  
ان کے اعزاء قریب نے کیونکر ان کو اس دور و دراز مسافت طے کرنے کی اجازت دی۔  
میرے اس بیان کی تائید اس تحریر سے بھی ہوتی ہے جو اس نسخہ کے ایک صفحہ  
پر لکھی ہے جس کا میں ابھی حوالہ دیکھا ہوں اور جو کسی کتاب نوادر الکلماء سے نقل کی گئی  
ہے۔ ”بعد واقعہ ہانکہ پدر بزرگوار بہ عمر مفیدہ ساگی در دہلی رفت۔“ سر نہ سہی تو یہ  
اپنے والد کے انتقال کے وقت تیرہ چودہ برس کے ضرور تھے۔ کیونکہ جب ان کا  
انتقال ہو گیا اور یہ ضروری رسوم سے فراغت حاصل کر چکے تو انھوں نے گھر کا کاروبار  
اپنے چھوٹے بھائی کو سونپا اور خود اکبر آباد یا نواح اکبر آباد میں دوڑھائی یا تین برس تک  
تلاش معاش میں پھرتے رہے۔ جب یہاں کوئی صورت نہ نکلی تو دلی کا رخ کیا۔ پھر اگر روتا

نوادر الکمل کو صحیح مانئے تو سترہ برس کی عمر بھی ممکن ہے۔

**دہلی کا پہلا سفر** | میر صاحب ذکر میر میں کہتے ہیں کہ ”بہ شاہجہاں آباد دہلی رسیدم لیساکر دیدم و شفقتی نہ دیدم“ اس عبارت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ پہلی مرتبہ دہلی جا کر یہ کہاں مقیم ہوئے۔ اتنا البتہ ہو کہ خواجہ محمد باسط نے جو امیر الامرا صمصام الدولہ کے بھتیجے تھے اُن سے ان سے کسی طرح ملاقات ہوئی اور اُنھوں نے مہربانی کر کے انھیں امیر الامرا کے حضور میں پیش کیا اور امیر الامرا نے خواجہ باسط سے پوچھا کہ یہ لڑکا کون ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ میر محمد علی کے صاحبزادے ہیں۔ امیر الامرا سمجھ گئے کہ میر محمد علی مرحوم ہو چکے ہیں۔ فوراً حکم دیا کہ ان کے مرحوم باپ کے بہت سے حقوق میر کے ذمہ ہیں۔ ایک روپیہ روزانہ ان کو میری سرکار سے دیا جایا کرے۔ میر صاحب نے عرض کیا کہ جب بندگان حضور نے اتنا کرم فرمایا ہے تو اتنی اور عنایت فرمائی جائے کہ میری اس عرضداشت پر دستخط فرما دیے جائیں۔ یہ کہہ کر جیب سے درخواست نکالی اور پیش کر دی۔ عیش پسند امرا کو تاہ قلم کا ہل زبان ہو اہی کرتے ہیں۔ اُنھوں نے ماننے کے لئے جواب دیا کہ ”وقت قلمدان نیست“ میر صاحب کو یہ سن کر سنہنسی آگئی۔ نواب نے متعجب ہو کر دیکھا اور پوچھا۔ کیوں بھئی کیا ہے۔ سنہنہ کیوں۔ انھوں نے بے باکانہ کہہ دیا کہ میں حضور کے اس فقرہ کا مطلب نہیں سمجھا کہ وقت قلمدان نیست۔ اگر آپ یہ فرماتے کہ دستخط کا وقت نہیں یا قلمدان بردار نہیں تو خیر ایک بات بھی تھی۔ مگر یہ تو عجیب انشاء ہے۔ قلمدان کوئی جاندار تو ہے نہیں وہ تو لکڑی ہے وقت اور غیر وقت کی پابندی اُس پر قائم نہیں ہوتی جس کو کرے فرما دیجیے وہ لا کر حاضر خدمت کر دے۔ بات محقول تھی سن کے نواب کو بھی سنہنسی آگئی اور اسی وقت دستخط کر کے عرضی حوالے کر دی یہیں سے اس نکتہ کو سمجھ لینا چاہیے کہ نہ خواجہ محمد باسط ایک بچے کی نواب کے سامنے پیش کرنے کی درخواست کرتے۔ نہ میر دس گیارہ برس کے ہو کر اُن کے اس فقرے پر اعتراض کر سکتے تھے۔ لامحالہ اُن کی عمر سترہ برس کی تھی۔ لیکن غالباً سترہواں برس شروع ہوا تھا۔ جس کا سبب آگے چل کر معلوم ہوگا مگر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ میر صاحب کی لیاقت علمی اتنی ضرور تھی کہ وہ فارسی کے فصیح و غیر فصیح صحیح و غیر صحیح جملوں کا اندازہ کر سکتے تھے۔ معاش کی طرف سے میر صاحب کو گو نہ اطمینان ہو گیا چنانچہ لکھتے ہیں: ”وہ روزیہ می یافتم۔ نان و نمک می خوردم و بوسری بردم“ مگر حیران نصیبی کسی حالت میں



پیچھا نہیں چھوڑتی۔ سچ ہر زمیں کہ رسیدیم آسمان پیدا است،، یہ اطمینان مستقل نہ رہ سکا۔ کوئی ایک ہی برس بعد شہنشاہ میں امیر الامرا مصمصام الدولہ مادر شاہ کے ہنگامہ و آشوب میں مار گئے اور یہ پھر بیکار اور پریشان روزگار ہو گئے۔

سر شاہ سلیمان صاحب نے دیباچہ ثنویات میر میں تحریر فرمایا ہے کہ میر صاحب دہلی چلے گئے اور سراج الدین علی خاں آرزو کے ساتھ رہنے لگے۔ میر صاحب کے بیان سے اسکا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ پہلی مرتبہ خدا جانے وہاں رہے یا اور کہیں۔ مگر وہ کسی کے مہمان نہ تھے بلکہ اُن کا روزنہ جو مقرر ہو گیا تھا اُسی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ جیسا کہ عبارت منقولہ بالا سے ظاہر ہے۔

اس انقلاب کے بعد وہ دہلی سے پھر کبر آباد چلے آئے۔ اور غالباً یہاں کچھ قیام بھی کیا۔ مگر اس وقت ان کے ساتھ کوئی عزیز و قرب و دست و حبيب محبت کے ساتھ نہیں آیا۔ خود کہتے ہیں کہ ”کسانیکہ پیش درویش خاکپائے مرا کھل بصری ساختند کیا را نظر م انداختند“ غرض کہ وطن میں اطمینان نصیب نہ ہوا۔ اور پھر دہلی کی طرف چلے اور اس مرتبہ اپنے سوتیلے بھائی محمد حسن کے خالو سراج الدین علی خاں آرزو کے ساتھ رہنے لگے۔

میر صاحب کا دہلی میں | میر صاحب کے والد کے انتقال کو اب عرصہ گزر چکا تھا۔ اور خیال دوسری مرتبہ قیام ہے کہ بھائیوں عزیزوں قریبوں کی وہ کاوشیں بھی باقی نہ رہی ہوئیں جو اس تازہ تازہ واقعہ کے بعد خانگی نزاع۔ ترکے وغیرہ کے جھگڑوں کی وجہ سے ہو کر رہی ہے۔ پھر آخر کیا ہو کہ ایک دم اغراض و اقربا توجداً ان لوگوں نے بھی ان سے آنکھیں پھیر لیں جو ان کے والد مرحوم کے جاں نثار تھے۔ اور جو کچھ بھی نہیں تو ان کو بڑے باپ کا بیٹا تو ضرور جانتے تھے۔ اگرچہ اُن کو ان کی امداد کرنا چاہیے تھی۔ مگر امداد نہ کرتے تو کم از کم ان کے دشمن تو نہ ہو جاتے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی آسانی سے سمجھ میں آنے والی نہیں کہ ان کے بھائی اگرچہ سوتیلے تھے۔ مگر وہ بھی آخر بزرگ زادے تھے حافظ تھے تعلیم یافتہ تھے یکبارگی انسانیت اور ہمدردی کو چھوڑ کر کیوں ان سے بگڑ بیٹھے۔ اور پھر بگڑے تو ایسے بگڑے کہ دلی تکان کا پیچھا نہ چھوڑا اور وہاں بھی اپنے خالو سراج الدین علی خاں آرزو کو یہ لکھ بھیجا کہ ”میر محمد تقی فتنہ روزگار است زینہار بہ تربیت او نہ باید پرداخت“ یہ ایک ایسی بات ہے جس پر امتداد دہانہ نے ایک نہایت تاریک پردہ ڈال دیا تھا۔ مگر مولوی عبدالسلام نے شعر الہند میں تذکرہ

بہارِ بخیزاں سے یہ عبارت نقل کر کے ایک حد تک اس رازِ سرِ بستہ کو ظاہر کیا ہے۔  
 ”شہرِ خلیش باہری تماشے کہ از عزیزانش بود و پرِ وہ عشق طبع میل خاطر داشت۔  
 آخر عشق او خاصیت مشک پیدا کردہ میخواست کہ بخیہ بہ چار سوئے رسوائی کند جس پر وہ  
 بہ جلوہ گری درآمد۔ از رنگ افشائے راز از وطن و اقربا باو لے بغل پر در وہ حسرت و حران  
 با خاطر ناشاد دست و گریہ بیان۔ قطع رشتہ بحسب وطن ساختہ از اکبر آباد بعد از خانہ بزداری با  
 بہ شہر کھنور سید و ہمیں جابلعد حسرت چنانکہ جلا وطنی و حرمان نصیبی از دیدار یار و دیا  
 جان بجاں آفریں داد۔ تا بقید رشتہ ک حیات بود طوقِ محبت و گمروں و سلسلہ دیوانگی  
 بپا داشت۔“

اس بیان کو مکمل طریقہ پر نہ بھی مانا جائے تو بھی کئی ایک مفید باتیں سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ (۱)  
 پہلی مرتبہ دہلی سے واپسی کے بعد میر صاحب کی عمر اتنی تھی کہ وہ تعلق خاطر اور عشق پیدا کر سکیں۔  
 (۲) ان کے بڑے بھائی کی ناراضی بیجا نہ تھی۔ (۳) سراج الدین علیخان آرزو جو ایک قیم  
 وضع کے بزرگ تھے اس آوارگی اور بد چلنی کو پسند کر سکتے تھے۔ اور اس حالت میں ان کی  
 تلخ نوائی نہ نصایح میر صاحب کے دل پر نشتر کا کام دے سکتی تھیں۔ اور یہ بات جدائی فیما بین  
 کا سبب ہو سکتی تھی۔ ”بہر حال میر صاحب دوبارہ دہلی پہنچے اور اپنے سوتیلے خالو کے  
 مکان پر مقیم ہوئے۔ اور اتنے دن رہے کہ شہر کے بعض کالمین سے انھوں نے کچھ کتابیں  
 پڑھیں اور اس قابل ہو گئے کہ کسی پڑھے لکھے آدمی کے مخاطب صحیح ہو سکیں۔  
 یہ تحصیل علوم میں مشغول تھے اور کو کسی جگہ ان کا سلسلہ معاش مستحکم نہ ہوا تھا کہ ان کے بھائی  
 حافظ میر محمد حسن کا خط اپنے خالو یا ماموں آرزو کے نام پہنچ گیا جس میں انکی شکایتیں تھیں اور  
 وہ اسکو پڑھ کر چراغ پا ہو گئے۔ اور ان پر متشددانہ تنبیہ کرنے لگے۔ عشق و محبت کا داغ۔  
 بے روزگاری۔ پریشان حالی۔ رنج و غربت۔ ان سب چیزوں نے لکڑی کے دل و دماغ پر ایک خاص  
 اثر کیا۔ اور آخر کار یہ مجنون ہو گئے۔ اور ان کو چاند میں ایک صورت نظر آنے لگی جسک انھوں  
 نے ذکرِ تیر میں بھی مفصل ذکر کیا ہے۔ اور شہنوی خواب و خیال میں بھی وہی افسانہ کہلا گیا ہے  
 مناسبتِ محل کے لحاظ سے ہم کچھ شعر نقل کر کے خود انھیں کی زبان سے آپ کو یہ لطیف  
 داستان سناتے ہیں۔

چلا اکبر آباد سے جس گھڑی	در و اہم پر چشمِ حسرت پڑی
--------------------------	---------------------------

بہت کھینچے یاں میں نے آزارِ سخت نچے رکتے رکتے جنوں ہو گیا لگی رہنے وحشت مجھے صبح و شام کہ کارِ جنوں آسمان تک بھنپا تو گو یا کہ بجلی سی دل پر پڑے ڈروں یاں تلک میں کجی غش کرے کئی آئے جس سے خور و خواب میں	بس از قطع رہ لائے دلی میں نجت جگر جو گرہوں سے خوں ہو گیا ہوا جط سے مجھ کو ربطِ تمام یہ وہم غلط کاریاں تک بھنپا نظرات کو چاند پر گر پڑے میر چارہ کا راکش کرے نظر آئے اک شکلِ متاب میں
---	--

احباب و اعزائے علاج معالجہ شروع کیا خصوصاً محرم الدین خاں کی بیوی نے جو میر صاحب سے  
قرابت قریبہ بھی رکھتی تھیں۔ جھاڑ بھونک تو نیکند سے بھی کمر لے اور اطباء سے بھی  
رجوع کی آخر کار ان کو صحت کاملہ ہو گئی۔

میر صاحب اور خان آرزو میں کشیدگی بڑھتی گئی۔ اور آخر کار ایک روز یہاں سے جد ہو گئے  
مولانا آزاد دہلوی نے آب حیات میں اس جدائی کو مذہبی رنگ دیدیا ہے۔ اور فرما گئے ہیں۔  
چونکہ خان آرزو حنفی مذہب تھے اور میر شیعہ اور نازک مزاج۔ اسی وجہ سے کسی مسئلہ پر یکسر  
الگ ہو گئے۔“ مولانا عبدالحق صاحب اور مولانا عبدالحق مولف گل رعنا اس کو قبول نہیں  
کرتے۔ سر شاہ سلیمان صاحب کو اس کا ایک حد تک یقین ہے۔ اور وہ فرماتے ہیں کوئی  
خاص وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس خیال کو بالفرض غلط قرار دیا جائے۔

ایک شیعہ اور ایک حنفی کے اختلاف مذہب اور اختلاف خیال سے انکار نہیں ایسا ہوتا  
رہا ہے اور ایسا ہو سکتا ہے۔ مگر اس جگہ پر چند شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ میر صاحب  
دہلی میں دوسری مرتبہ تقریباً ۱۱۵۸ھ ہجری میں پہونچے ہیں۔ اور تذکرہ نکات الشواہد ۱۱۶۵ھ  
میں لکھا ہے۔ جس میں جا بجا خان آرزو کا نہایت ادب سے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مزارِ مرقفہ  
موسمی خاں کے حال میں انھیں استاد و پیر و مرشد بندہ لکھا ہے۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ ایسا  
فاضل ہندوستان میں کوئی نہیں بلکہ ولایت میں بھی شبہ ہے۔ اب خان آرزو کے انتقال  
کو شبیحہ ۱۱۶۹ھ میں فوت ہوئے۔ ذکر میر کو شبیحہ ۱۱۷۸ھ میں وہ تصنیف ہونا شروع  
ہوئی اور ۱۱۹۸ھ میں مع لطائف وغیرہ ختم ہوئی۔ اب خیال کیجیے کہ ۱۱۵۳ھ سے گیارہ سو شریک میرضا  
خان آرزو کی کوئی شکایت نہیں کرتے۔ ۱۱۶۹ھ میں خان موصوف کا انتقال ہو جاتا ہے تو وہ

میں برس پہلے کا دکھڑا بیان کرتے ہیں۔ یہ ایسی بولبھبی ہے جو سمجھ میں نہیں آتی۔ دو باتیں ہیں یا تو وہ خان آرزو کی زندگی میں کوئی ایسی بات کہنا ہی نہ چاہتے تھے کہ وہ ناراض ہوں اور اُن کا راز ظاہر ہونے پر خان موصوف کوئی معقول جواب دیں یا پھر ادنیٰ ادنیٰ باتوں کو اُن کے انتقال کے بعد بڑھاپڑھاکر بیان کر دیا۔ یہ بات بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ خان آرزو اگر دراصل اس قدر اوجھے خیالات کے آدمی تھے تو انھوں نے اتنے طویل زمانے تک کہ میر صاحب نے تعلیم بھی حاصل کی کسی قابل بھی ہوئے۔ ملازم بھی ہو گئے۔ اپنے یہاں ٹھہرنے کی اجازت ہی کیوں دی۔ اور کیونکر اتنی بڑی مدت تک ضبط کیے رہے۔ اور کیوں اُن کی تعلیم و تربیت کے کفیل ہوئے۔ ان سب کو چھوڑ کر خان آرزو کے اخلاق و عادات کو بھیجے تو کوئی تذکرہ اُن کے معاصرین کا ایسا نہیں ملتا۔ جن میں اُن کے محاسن نہ شمار کرائے گئے ہوں۔ ایک فرد بھی ایسا نہیں کہ میر صاحب کی طرح اُن کی تنک باجی کا ذکر کرتا ہو۔ بہر حال یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ میر صاحب نے یہ واقعات سراسر غلط لکھے ہیں۔ مگر کچھ نہ کچھ خلطِ معیت ضرور ہوا۔ معلوم نہیں کب ان کے بھائی کا خط آیا لیکن اسباب کی بنا پر انھوں نے ایسا لکھا۔ اور کیوں خان موصوف بگڑے۔ اور کب جدائی ہوئی۔ پھر لطیف یہ کہ میر صاحب بھی باوجود ان شکایتوں اور حکایتوں کے لکھتے ہیں کہ اُن عزیز دنیا دار واقعی بود۔ نظر بر خصوصت ہمیشہ زادہ خود بدین اندشید، سبحان اللہ کیا دنیا داری ہے کہ وراسی بات پر ظاہر داری کو ترک کر کے اچھے پر کلنگ کا ٹیکا لگانے کو تیار ہو گئے۔ ان سب کے علاوہ اسی قلمی نسخے میں جسکا ہم نے ذکر کیا ہے نوادر الکمل سے جو عبارت نقل کی ہے۔ اُس میں یہ فقرے بھی ہیں۔

”بخانہ سراج الدین علی خاں آرزو اقامت و زمرہ تکمیل علوم عقلی و نقلی نمودہ۔ بعد

مرور دہور کہ جدائی فیما بین واقع شد۔ بہ رؤسائے عظام در خورد و بر خورد۔“

مرور دہور کے معنی سب جانتے ہیں مگر پھر بھی اس مدت طویل کی صراحت نہیں ہے۔ آرزو کے اس فقرے پر کہ یہ شبیہ تھے اور آرزو خفی ایک بات اور بھی غور کرنے کے قابل ہے۔ وہ یہ کہ میر صاحب کے اعزاء و اقربا و اجداد سنی المذہب تھے۔ سید امان اللہ ایک صوفی و سیح المشرب سنی تھی۔ اُن کے انتقال کو اس وقت تک کہ یہ دوبارہ دہلی گئے کوئی بڑا زمانہ نہیں گزرا تھا پھر مولانا آرزو کو یہ کہاں سے متحقق ہوا کہ یہ اس وقت شیعہ مذہب تھے۔ شاید انھیں اسباب

اور گرد و پیش پر نظر ڈالتے ہوئے سر شاہ سلیمان صاحب نے اوائل شاعری کو مستثنیٰ کرتے ہوئے ان کے مذہبی معتقدات کے بارے میں یہ فقرے لکھے ہیں۔ ”اسی کے ساتھ اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کم سے کم زمانہ عروج شاعری میں ان کا مذہب اہل تشیع کا تھا، یہ ایسے بھی صرف اسی قیاس پر مبنی ہے کہ میر صاحب کی لکھی ہوئی منفقتیں اور مرثیے وغیرہ موجود ہیں۔

**تکمیل تعلیم میر** | یہ لکھا جا چکا ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کا زمانہ سید امان اللہ کے وقت سے شروع ہوا۔ پھر کچھ مدت تک اپنے والد بزرگوار سے فیض تربیت حاصل کیا۔ تاہم کہ دہلی میں آئے تو ان کو انشائے فصیح اور غیر فصیح کا احساس تھا۔ مگر قیاس یہ چاہتا ہے کہ اول میں خود خان آزدونے ان کی تربیت کی طرف توجہ کی۔ جیسا کہ بقول میر ان کے بھائی کے خط سے واضح ہوتا ہے۔ کہ ”میر محمد تقی فتنہ روزگار است زینہار بہ تربیت او نہ باید پرداخت“ دوسرے خود میر صاحب کا اقرار موجود ہے وہ مذکرہ نکات الشعر ایسے ان کو استاد و پیر و مرشد لکھتے ہیں۔ مگر جب ذکر میر لکھی جاتی ہے تو ان کو یاد آتا ہے کہ میر جعفر پٹنے کے رہنے والے ان کے استاد تھے جو روزانہ ان کو پڑھانے آتے تھے۔ حالانکہ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی خاں زروہی کے یہاں آتے تھے۔ کیونکہ میر صاحب اس واقعہ کا اس طرح ذکر فرماتے ہیں کہ میں ایک روز بازار میں ایک کتاب کا جزیلے بیٹھا تھا۔ ایک جوان شخص میر جعفر اسطرف سے گزرا مجھے دیکھا۔ اور بیٹھ گیا۔ اور ازراہ قیافہ شناسی کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے تم علم کے شوقین ہو۔ اگر واقعی میرا خیال صحیح ہے تو میں تمہیں پڑھانے کے لیے آیا کروں۔ کیونکہ میں بھی علم دوست ہوں مگر کوئی ہم مذاق اور مخاطب صحیح نہیں ملتا۔ انھوں نے کہا کہ میں مستطیع نہیں ہوں کہ کچھ خدمت کر سکوں۔ **خدا اللہ یہ رحمت گوارا فرمائیے** تو غایت ہو گئی۔ انھوں نے جواب دیا مگر پھر بھی بغیر ناصیحتے کے کہیں آنا جانا دشوار ہے۔ میر صاحب بولے کہ اگرچہ کچھ میرے پاس بھی نہیں مگر خیر خدا مالک ہے۔ اس کے بعد وہ نہ معلوم کتنی مدت تک کبھی کبھی آتے رہے اور میر صاحب حتی الوسع خدمت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اپنے وطن غظیم آباد کو چلے گئے۔

غور طلب یہ ہے کہ اس قدر افلاس اور بیکاری کا زمانہ سوائے سراج الدین علیخان آزدو کے یہاں کے قیام کے اور کون سا ہو سکتا ہے۔ یہاں سے میر صاحب کے ایشار کا بھی پتہ چلتا ہے کہ یقینی وہ اُسی ناشتے وغیرہ میں سے جو ان کے لیے آتا تھا۔ اپنے شفیق اُسا کو بھی خدمت کرتے ہونگے۔ اور اگر یہ نہیں تو ایسی بکیسی کا اظہار ممکن نہ تھا۔ اور نہ زمانہ سلازمت کے بعد

اُن کو تعلیم کی ضرورت باقی رہی ہوگی۔ یہ امر بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ اُن کا زمانہ ملازمت اور فراغت معیشت اُن کی شاعری کے بعد شروع ہوا اور یہاں تک وہ نہ شاعری کا ذکر کرتے ہیں اور نہ خود شاعر ہونے کے مدعی ہیں۔ بہر حال تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ اُنھوں نے فارسی میں ایک ادیب کامل کا درجہ حاصل کیا۔ اور عربی میں مطول تک استفادہ و بہم پہنچانا خود اُن کی تحریر سے ظاہر ہے۔ ممکن ہے کہ اسکے علاوہ اور درسیات عربیہ پر بھی عبور حاصل کیا ہو۔ جیسا کہ اُن کے کلام کے بعض جملے اور الفاظ مستعمل پتہ دیتے ہیں۔

**ذوق شعر اور شاگردی** | اس بات میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ میر فطری ذوق شعر اور شاگردی شاعر پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے دل میں ذوق شعرازی تھا۔ اُن کے متعلق کئی بزرگوں کی پیشین گوئیاں تھیں کہ یہ بہترین شاعر ہونگے۔ چنانچہ پہلے اُنکے والد بزرگوار ہی کو بھیجے۔ میر صاحب فرماتے ہیں کہ ”ہر گاہ مراد بغل کشیدے۔ و بنظر شفقت رنگ کا ہی مرادیدے۔“ کہ اے سرمایہ جان! چہ آتشے است کہ در دولت نہان است۔ و چہ سوز لیت کہ ترا با جان است۔“

ایک مرتبہ سیدان اللہ کے ساتھ احسان اللہ درویش کے یہاں جاتے ہیں تو وہ فرماتے ہیں۔ ”اے بچہ ہنوز سوزن بال است۔“ اما چہیں معلوم میشود کہ اگر بخوبی پرہیزگار و بیک پروازانظر آسمان خواہد رفت۔“

اسی طرح خواجہ ناصر عندلیب نے خود میر صاحب سے فرمایا تھا۔ کہ ”اے میر تو میر مجلس خواہی شد۔“

ایک باخدا کی تعلیم و تربیت اور متفرق درویشوں کے فیض صحبت نے اُن کے دل میں سوز و گداز بھر دیا تھا۔ اُس کی تحریک کی ضرورت تھی جس کے لیے غیب سے یہ سامان ہوا کہ میر صاحب کی ایک شخص سید سعادت علی نامی امر و ہومی سے ملاقات ہوئی اُنھوں نے شعر و سخن کہنے کی ترغیب دی اور میر صاحب مشق سخن کرنے لگے۔ اور چند روز میں وہ ترقی کی کہ شعر کہنے والی ان کو نہ صرف خوش گو بلکہ مستند ماننے لگے۔

اس واقعے سے یہ دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ میر صاحب سید سعادت علی کے شاگرد ہو گئے۔ بلکہ واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب اس سے پہلے شاید فارسی میں شعر کہنے لگے تھے مگر چونکہ کلام فارسی میں کوئی خاص وزن نہ تھا۔ اور اسکے علاوہ ریختے کا رواج عام ہو رہا تھا۔ اسی

واسطے ان کے شیر نے ان کو اپنی زبان میں شعر کہنے کی ہدایت کی۔ رہی شاگردی یہ بالکل طے شدہ بات ہے۔ کہ گواہی ذاتی رنجشوں کی وجہ سے میر صاحب نے ذکر میر میں آرزو کو اپنا اُستاد نہیں بتایا ہے۔ مگر اس کی تصنیف سے بہت پہلے وہ اُن کی شاگردی کا اقرار کر چکے ہیں۔ علاوہ اس کے دوسرے شواہد بھی موجود ہیں جو میر صاحب کے معاصرین کے ہیں اور جن کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

میر حسن اپنے تذکرہ شراۓ اُردو میں لکھتے ہیں۔ ”برادرزادہ سراج الدین علی خاں آرزو و ہم از شاگردان اوست“ اسی طرح قائم اپنے تذکرہ مخزن نکات میں کہتے ہیں۔ ”محمد تقی المتخلص میر۔ اصل و منشائے وے دار الخلافت اکبر آباد اوست۔ در خدمت خان آرزو کہ خالو او بود۔“ لفظ ”انشاندوختہ“ یہاں تک تو کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مگر حکیم قدرت اللہ قاسم نے معلومات میں اضافہ کر کے اس راز کو فاش کرتے ہوئے ہمارے اس خیال کو یقین کا درجہ بخشد یا ہے۔ چنانچہ اپنے تذکرہ مجموعہ لغزین میر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ”پسر شوہر ہمشیرہ سخن پرواز بدیہہ گو سراج الدین علی خاں آرزو است۔ نسبت تلمذ ہم بجناب افاضات انتساب خان مشارالہ دارد۔ اما بنا بر نحو تے کہ در سرش جا گرفتہ ازیں امر کہ فی الحقیقت فخر و سہ است ابائے نکلی بیاں آرد“ یہیں سے یہ گمان بھی پیدا ہوتا ہے کہ مخزن نکات یعنی تذکرہ قائم ۱۱۷۷ھ میں لکھا گیا۔ اور تذکرہ شراۓ اُردو میر حسن کہ ۱۱۹۳ھ میں تمام ہوا یہاں تک میر کے متعلق ان دونوں معاصرین کو گمان بھی نہیں کہ وہ خان موصوف کی شاگردی سے منکر ہونگے یا منکر ہوئے اور نہ خود میر صاحب کو اس وقت تک کوئی انکار معلوم ہوتا ہے۔ مگر ذکر میر جو ۱۱۹۷ھ میں ختم ہوئی وہ ان دونوں تذکروں کے بعد کی تصنیف ہے۔ اور اسی میں انھوں نے خان آرزو کی شاگردی کو ختم کر کے اُن کی شکایت کی ہے۔ یہ خبر مشہور ہوئی ہے اور تذکرہ قاسم میں حکیم قدرت اللہ قاسم نے اس قضیہ نامرضیہ کو صاف بھی کر دیا۔ کیونکہ یہ تذکرہ ۱۱۹۷ھ میں تمام ہوا جب کہ میر صاحب زندہ و سلامت موجود تھے۔

**خان آرزو کا فیض صحبت** | میر صاحب کی مشق سخن بڑھی اور تمام خوش گویان شہر اُن کے کمال فن کے معرفت ہو گئے بلکہ یوں کہنے کے اُن کا ایک رنگ خاص قرار پا گیا۔ جس کے متعلق اُن کے کلام پر رائے دیتے ہوئے ہم ذرا تفصیل کے ساتھ بحث کریں گے۔ (اس وقت صرف اتنا کہنا ہے کہ جیسے وہ بیان و اظہار جذبات کے لحاظ سے اپنے

رنگ کے بلا شرکت غیر سے الگ ہیں۔ اسی صورت سے اُن کے یہاں الفاظ اور الفاظ میں بھی فارسی کی ترکیبیں اور فارسی کے اکثر الفاظ اس قسم کے ہیں کہ اردو شاعری کے شروع سے اس وقت تک کسی شاعر رخیہ گو کے یہاں نہیں ہیں۔ اور اگر کہیں ہیں تو وہ شاذ ہیں جو معدوم کا درجہ رکھتے ہیں۔ مثال کے لیے ذیل کے چند الفاظ و ترکیبات ملاحظہ ہوں۔

آش مال۔ استخوان شکنی۔ برغوش چیدہ۔ بز آویزی۔ بزگیری۔ بے تہ۔ بے ہیج۔ ترسل۔ جناغ۔ جینہ جینہ ابرو۔ خایہ گزک۔ ورونہ۔ دریائے لنگہ دار۔ ول زدہ۔ زنجیرہ۔ زرخ زن۔ زیادہ سری۔ سجادہ محرابی۔ سرشین۔ شیر خانہ۔ شیشہ جان۔ صورت باز۔ طفلان تر بازار۔ غنچہ پشانی۔ نعل مکمل۔ ماہ ماہ کہنا۔ نرگسی زن۔ یاد بود۔ پال و گویاں۔ اور اسی قسم کے بہت سے الفاظ انکی تصانیف اردو فارسی میں موجود ہیں۔ مگر آپ کو سنکر تعجب ہوگا کہ یہ سب وہ لفظ ہیں جو آرزو نے اپنے لغت چراغ ہدایت میں اس وعدے کے ساتھ لکھے ہیں۔

دیکھ داخل ہیج کتاب لغت مثل فرنگک جہانگیری و سروری و برہان قاطع وغیرہ نیست و سبب تالیف آنست کہ چون اکثر ہم مصروف مطالعہ و خواندن کتب جدیدہ و قدیمہ فارسی دیدم و معنی بعضے از الفاظ و اکثر اطلال و رکتب مذکورہ نیا فہم۔ ہر ہرچہ اطلاع دست بہم داویدہ اسناد آن از اشعار استادان و دریں نسخہ درج کردیم بعض کہ از محاورہ دانان بہ تحقیق پیوستہ و سند آن در اشعار بزرگان بہم نہ رسیدہ۔

پھر جب مشہور لغات اور بڑے بڑے محاورہ دانوں کے کلام میں بھی یہ الفاظ نہیں پھر صاحب کے یہاں انکے پائے جانے کو سوائے اسکے کہ خان آرزو کا فیض صحبت ہو اور کیا کہا جائے۔ اور کیا خیال کیا جاسکتا ہے۔ میں تو جب میر صاحب کی نشر فارسی یا نظم اردو کو دیکھتا ہوں تو خان آرزو کی کوششوں کی ایک مجسم تصویر نگاہ میں پھر جاتی ہے۔

ان تمام توجہات کا ماحصل یہ نکلتا ہے کہ میر صاحب مدت تک خان آرزو کے یہاں رہ کر سب کمال کرتے رہے۔ ایک روز یہ اتفاق ہوا کہ اُنھوں نے میر صاحب کو کھانے پر بلایا۔ اور انکی زبان سے کوئی بات نکل گئی جسکو یہ برداشت نہ کر سکے اور بغیر کھانا کھائے ہوئے گھر سے باہر چلے گئے۔ ارادہ تھا کہ جامع مسجد جائیں اور وقت گزاریں۔ مگر اتفاق سے راستہ بھول کر حوض قاضی پر جا نکلے۔ اور پانی لینے لگے۔ اتنے میں ایک شخص عظیم الشان نامی آگے بڑھا ان سے مل کر پوچھا کہ کیا جناب کا نام میر محمد تقی میر ہے۔ اُنھوں نے یہ چہا



کہ آپ نے کیونکہ پہچانا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کی حرکات مجنونانہ کی تو شہر بھر میں دھوم ہے۔ خیر گزارش یہ ہے کہ اعتماد الدولہ قمر الدین کے داماد آپ کی ملاقات کے بڑے مشتاق ہیں اگر میرے ساتھ تشریف لیجلیے تو ملاقات بھی ہو جائے گی۔ اور اس بہانے سے پیر سلام بھی ہو جائے گا۔ میر صاحب نے منظور کر لیا اور ساتھ ہو لیے۔ پونچے۔ علیم اللہ نے ملایا۔ رعایت خاں بڑے تپاک سے پیش آیا۔ اور زمرہ مصاحبین میں ملازم رکھ لیا۔ اور اب ذرا فراغت کے ساتھ زندگی گزرنے لگی۔

میر صاحب کی زندگی کا انقلابی دور تو اُس وقت شروع ہوا تھا جبکہ اُن کے والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اور وہ ایک حد تک بے یار و مددگار رہ گئے تھے۔ مگر اس مصاحبت کی ملازمت کو بھی دورنگی زمانہ کا سنگ بنیاد کہہ دیا جائے تو شاید غلط نہ ہو۔ یہیں سے اُنھیں زمانہ بوقلموں کے وہ وہ رنگ اور وہ سرد و گرم دیکھنے پڑے جنھوں نے ہمیشہ کیلئے اُن کے دل پر ایسا نقش عبرت بٹھا دیا جس سے زندگی اور زندگی کے عروج و علو و اوج اور عیش و عشرت کی اُن کی نگاہ میں ہوا کے جھونکوں اور بچوں کے گھر و ندوں سے زیادہ وقعت نہیں رہی۔ درویشیوں اور خدا پرستوں کی تربیت سے دل پہلے ہی گداز تھا۔ ان چیزوں نے اور بھی موم بنا دیا۔ وہی آج ہیں کہ محفل امرا میں میر مجلس ہیں۔ جملہ اسباب طرب اور سامان راحت کے مالک ہیں۔ وہی دوسرے دن ہیں کہ نان شبینہ کو محتاج ہیں نہ کوئی دوست ہے نہ پرسان حال۔ وہی جو بدلتوں سے امن و امان کا گوارہ بنی ہوئی تھی۔ روز کی خانہ جنگیوں اور طوائف الملوکی سے مرکز گردش و انقلاب ہو گئی۔

چور اُچکے سکھ مر ہے شاہ و گداسب خواہاں ہیں

چین سے ہیں جو کچھ نہیں رکھتے فقر بھی اک ملت یہاں

غرض کہ سکون اور راحت و عیش تو درکنار۔ زندگیوں۔ آبروؤں کے لالے پڑ گئے۔ یہ بھی اُسی انقلاب روزگار کے ساتھ صبح و شام کی دورنگیوں کا مطالعہ کرتے رہے۔ یعنی عافیت کے ساتھ چند ہی روز گزرے تھے کہ درانیوں کا حملہ ہوا۔ رعایت خاں کے ساتھ میر صاحب کو بھی جانا پڑا۔ محمد شاہ کا دور حیات ختم ہوا۔ احمد شاہ کو تخت پر بٹھایا گیا۔ جاوید خاں خواجہ سرا کا دور دورہ ہوا۔ مرہٹوں کی شورش ہوئی۔ سانپھر کے قریب مرہٹوں سے جنگ ہوئی۔ جس میں رعایت خاں کے ساتھ یہ بھی تھے

اور ہمیں سے خواجہ معین الدین اجیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سراپا انوار کی زیارت کو گئے وہاں سے دہلی واپس آئے تو پھر بیکار ہو گئے۔ چند سے تکلیف اٹھا کر نواب بہادر کی مصاحبت میں رہے۔ کچھ سانس اطمینان و راحت سے لیں۔ عربی کی تعلیم کی تکمیل کا خیال ہوا مطلقاً پر ہنا شروع کیا۔ ایک ایک پھر ہوا بدل گئی۔ صفدر جنگ نے نواب بہادر کو دغا سے مروا ڈالا۔ اور انکو پھر بیکاری سے سابقہ پڑا۔ مگر چونکہ اب مشہور ہو چکے تھے اس واسطے جلد ہی ایک صورت نکل آئی۔ نجم الدین سلام کے دربار سے مہازن دلیوان نے ان کو بلایا اور زمرہ متوسلین میں شامل کر لیا۔ کچھ دن پھر فراغت سے گزرے۔ اسے میں وزیر اور بادشاہ میں صفت آرائی ہوئی اور باقاعدہ جنگ شروع ہو گئی۔ یہ بغاوت اور عداوت کوئی چھ مہینے تک جاری رہی۔ میر صاحب چونکہ وزیر کے متوسلین میں سے تھے اس لیے سخت پریشان ہوئے اسی زمانہ میں شہادت ہمسایہ کے خوف سے خان آرزو کے یہاں سے بالکل علیحدہ ہو کر میر خاں انجام کی جوبلی میں جا رہے۔ مگر زمانہ جو پلٹا تو واقعات کو کہیں سے کہیں لے پہنچا۔ صفدر جنگ کا انتقال ہوا اور ان کی جگہ شجاع الدولہ صوبہ دارا ودھ بنائے گئے۔ خان آرزو اس اُسیدیر کے اسحاق خاں مرحوم کے بھائی جو ان کے مربی اور محسن ہیں وہیں ہیں اودھ پہنچے اور وہیں انتقال ہو گیا۔ بعد کو انکی وصیت کے مطابق لاش دہلی میں لائی گئی۔

میر صاحب کے عروج شاعری کا یہی زمانہ تھا۔ بڑے بڑے لوگ ان کے علم و خیالات اور ان کے اچھوتے جذبات کے قدروان پیدا ہو گئے تھے۔ دلی ان کے کمالات سے گونج رہی تھی۔ ہر شخص ان کی ملاقات کا شائق تھا۔ چنانچہ اسی دوران میں ایک روز راجہ گل کپور نے انھیں اپنے مکان پر بلایا۔ کچھ سنا سنا یا اور اپنا کلام اصلاح کے لیے پیش کیا میر صاحب کا دل دماغ بھلا ان مخرقات کے دیکھنے کی کب تاب لاسکتا تھا۔ انھوں نے دنیا داری بھی نہ بہتی۔ اور چپیں بر جبین ہو کر تمام کلام پر چھری پھیر دی۔ ایسی حالت میں کیا صحبت کر ہو سکتی تھی۔ نتیجہ یہی ہوا کہ وہی اتری اور پریشان حالی جو دامنگیر حال تھی دامن گیر رہی اور راجہ سے انھیں کوئی فائدہ نہ پہنچ سکا۔ اتنا ضرور ہوا کہ ان کے دربار سے راجہ ناگر مل تک پہنچ گئے۔ یہ اُس وقت دیوان خالصہ تھے۔ یہاں بھی میر صاحب کے کلام کی توہری حد تک تعریف ہوتی رہی۔ مگر بد قسمتی سے ان کے جو دو سنا سے متمتع ہونے کا ان کو ذرا بھی موقع نہ ملا۔ مگر اتنا ہوا کہ راجہ کے لڑکے نے خواجہ غالب کی سفارش سے میر صاحب کا کچھ

دراہم ضرور مقرر کر دیا جو ایک سال تک اُن کو ملتا رہا اور پھر خود راجہ نے بھی ایک سال کی تنخواہ دلوادی۔ اس سے کچھ نہ کچھ کام چل گیا اور اسکے بعد بھی میر صاحب وقتاً فوقتاً ان سے کچھ نہ کچھ متمتع ہوتے رہے۔ اس دوران میں راجہ ترقی کر کے نائب وزیر ہوئے۔ عہدۃ الملک خطاب پایا۔ مگر ہنوز میر صاحب کو کوئی فائدہ پہونچنے نہیں پایا تھا کہ ناگاہ نادشاہ درانی کا دوسرا حملہ شروع ہوا۔ راجہ ناگرمل کو بھی دلی چھوڑنا پڑی اور اپنے متعلقین و متوسلین کو لے کر سورج جاٹ کے قلعوں میں جا کر پناہ گزین ہو گئے۔ میر صاحب بھی ساتھ ساتھ تھے۔ دلی میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ نالیوں میں خون بہنے لگا۔ اور شہر کا شہر زیر و زبر ہو کر رہ گیا۔ اُدھر درانی دلی کو تاراج کر کے عالمگیر ثانی کو تخت سلطنت پر بٹھا کہ مہتمم کو زیر و زبر کرتا اکبر آباد پہونچا۔ اُدھر سردار جھنگو کی سرکردگی میں دکن کی فوج نے پھر دلی کو جو آنکھ بنا دیا دھوکے سے انتظام الدولہ اور عالمگیر ثانی کو بھی قتل کیا گیا۔ اور اسی دوران میں درانیوں اور دکنیوں میں جھڑپ ہو گئی۔ غریب دلی پھر لوٹی گئی۔ اور ابکی بار ایسی تباہ ہوئی جس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔ اُدھر میر صاحب راجہ ناگرمل سے معافی مانگ کر طرح طرح کی سختیاں اٹھاتے مہ متعلقین برساتا پہونچے اور وہاں سے کھیر گئے۔ یہاں بہادر سنگھ سپہ راہ کا کشن خزانچی صفدر جنگ نے ان کی بڑی دلہی کی اور بے انتہا اوسیت سے پیش آیا۔ مگر کھیر بھی اذیتیں اٹھانا پڑیں۔ کچھ عرصہ کے بعد جب دکنیوں اور درانیوں کی فیصلہ کن جنگ ہو چکی تو راجہ ناگرمل کھیر پہونچے۔ راجہ کے صاحبزادے رائے شن سنگھ نے میر صاحب کو بھلا دیا تھا اور کچھ دراہم بھی مقرر کر دیا تھا۔ مگر یہ بد دل تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے راجہ سے عرض کیا کہ اب تک حضور کا انتظار تھا۔ ورنہ مجھے یہاں رہنے کی تاب نہیں۔ اجازت عطا فرمائی جا کہ بندہ رخصت ہو۔ راجہ نے کہا کہ میر صاحب کچھ خیر ہے یہ آپ فرما کیا رہے ہیں۔ ایسے پر آشوب زمانے میں میں آپ کو جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسکے بعد تنخواہ مقرر کر دی اور کچھ زر نقد سے امداد بھی کی۔ مجبوراً ان کو پھر وہیں قیام کرنا پڑا۔ اور یہ قیام قریب قریب مستقل رہا۔ جب دکنیوں نے شکست فاش کھائی اور درانیوں کا پورا پورا تسلط ہو گیا۔ تو دلی میں ذرا پھر سکون و اطمینان کی لہر دوڑی اور کوئی خوف و خطر باقی نہ رہا۔ تمام سرداران قدیم کے پتہ پر فرمان بھیج کر عزت و احترام کے ساتھ اُن کو طلب کیا گیا۔ اسی دوران میں راجہ ناگرمل کے نام بھی پیام پہونچا۔ چنانچہ یہ دلی آئے اور میر صاحب کی بھی واپسی ہوئی

اس مرتبہ دلی کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ نہ وہ مکان نہ وہ مکین۔ نہ وہ محلے نہ بازار۔ ہر طرف وحشت ہر طرف ویرانی نہ دوست نہ آشنا۔ میر صاحب کے قلب پر بڑا گہرا اثر پڑا۔ اس بات کی طرف اُن کے بعض شعر بھی اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں اُنھیں	تھا کل ملک دماغ جنھیں تختِ تاج کا
دلی میں اب کے آکر اُن یاروں کو نہ دیکھا	کچھ وے گئے شتابی کچھ ہم بدیر آئے
۲۔ منزل نہ کر جہاں کو کہ ہم نے سفر سے آ	جس کا لیا سراغ سنا وے گزر گئے
شہاں کہ کھل جواہر تھی خاک یا اُن کی	اُنھیں کی آنکھوں میں پھرتی سلائیائیں کھیں

اسی دوران میں راجہ ناگر مل کو شجاع الدولہ کے پاس اس لیے بھیجا گیا کہ درانیوں سے وزیر الممالک کی صفائی ہو جائے۔ میر صاحب بھی اس سفر میں ساتھ رہے۔ سورج مل جاٹ کی بغاوت کی ابتدا ہوئی اور وہ اکبر آباد پر متصرف ہو گیا۔ خود بادشاہ کو اُسکی گوشمالی کے لیے جانا پڑا۔ سورج مل نے ناگر مل سے امداد چاہی کہ کسی طرح وہ اڑے آئے۔ اسی لیے ناگر مل کو اکبر آباد جانا پڑا۔ میر صاحب بھی اسی تقریب سے تیس برس کے بعد اپنے وطن مالوٹ پہنچے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر فاتحہ پڑھنے اور مہربانیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ مگر چونکہ زمانہ کی آب و ہوا کے ساتھ ساتھ اکبر آباد بھی بدل گیا تھا اس لیے کچھ جی نہ لگا۔ پھر بھی چار مہینے رہے۔ بعدہ پھر راجہ کے ساتھ ہی سوچ مل کے قلعوں میں واپس آ گئے۔

اسی طرح ایک مرتبہ اسکے بعد جب رگھوناتھ راؤ دکنی کی فوج نے ملک میں فتنہ و فساد پھیلارکھا تھا اور سورج مل جاٹ کے لڑکے جواہر سنگھ سے اُن کی آونیش کا خوف تھا۔ درانیوں کے جدید حملے کی خبریں اُڑ رہی تھیں تو ناگر مل کو پھر آگرے جانا پڑا میر صاحب ہمراہ رکاب تھے اس لیے وہ بھی دوبارہ وطن کی ہوا کھا آئے۔ مگر صرف پندرہ روز قیام کر کے واپس آ گئے۔

زمانہ بدلتا رہا۔ تازہ واقعات ہوتے رہے۔ مگر اس سانحے کو میر صاحب نے سانحہ عظیم لکھا ہے کہ سورج مل جاٹ کا لڑکا کسی معمولی آدمی کے ہاتھ سے اکبر آباد میں قتل ہو گیا۔ اسکے بھائی راؤ رتن سنگھ کو ریاست ملی وہ شرابی اور بدکردار تھا۔ کسی نے اُس کا بھی خاتمہ کر دیا اور پھر کھیری سنگھ اُسکے لڑکے کو گندی ملی اور سورج مل کا چوتھا لڑکا نول سنگھ سرپرست قرار پایا۔

اور جاٹوں کی شورش بیکانے پھر زور پکڑا۔ راجہ ناگرمل کو کامان جانا پڑا یہ ایک سرحدی مقام تھا۔ اور راجہ مادھو سنگھ کے لڑکے پر تھی نگہ کے قبضہ میں تھا۔ میر صاحب بھی راجہ کے ساتھ وہاں گئے اور کچھ دن قیام کرنا پڑا۔ راجہ نے میر صاحب کو بادشاہ سے صفائی کرانے کے لیے بھیجا۔ اور یہ حسام الدین خاں سے ملکر تمام معاملات طے کرائے۔ مگر راجہ پھر چھوٹے لڑکے کے کہنے سے دکنیوں سے جا ملا۔ میر صاحب کو بڑا رنج ہوا۔ اگرچہ یہ پھر بھی راجہ کے ساتھ رہے۔ مگر نہایت بشر مندہ اور بدول رہے۔ آخر دہلی آئے۔ متعلقین کو عرب سرائے میں چھوڑا اور آپ تلاش معاش میں گھومتے رہے۔ لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ نہایت پریشان تھے۔ لشکر میں ایک ایک کے سامنے ضرورتوں کا اظہار کیا کسی نے نہ سنی۔ بہزاد وقت وجہ الدین خاں برادر حسام الدولہ نے کچھ مقرر کیا جس سے خوش و ناخوش زندگی گزر رہی تھی۔

مگر با اینہم مصائب دلی میں ان کا دل زندہ تھا۔ وہ اپنے یہاں مشاعرے بھی کرتے تھے اور اس پابندی کے ساتھ کہ ہر جمعے کی پندرہ تاریخ اسی شغل کے لیے مخصوص تھی۔ اپنے خاص دوستوں سے اُن کی ہم جلسی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ ہنستے بولتے تھے بذلہ سخی کرتے تھے۔ باہم گپیں تک مارتے تھے۔ احباب سے ملنا جلنا۔ لوگوں کا ان کے پاس آنا۔ اور اُن کا دوسروں کے یہاں جانا جاری تھا۔ شہر میں جا بجا چٹارے اور مشاعرے کی محفلیں ہوتی تھیں وہ اُن میں شریک ہوتے تھے۔ خواجہ میر درد۔ میر سجاد۔ میر علی قلی کافر کے یہاں کی صحبت شعر خوانی کا اُنھوں نے خود پتہ دیا ہے اور عجب نہیں کہ میاں مصطفیٰ کے یہاں بھی کبھی تشریف لے جاتے ہوں۔

اُن کی شعر و شاعری کا عروج دہلی ہی میں شروع ہو چکا تھا۔ اور نہ صرف شروع ہوا تھا بلکہ وہ اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ لوگ اُن کے شعروں پر سر دھنتے تھے۔ جا بجا اُن کی غزلوں کی نقلیں لی جاتی تھیں۔ اسکی گواہی وہ خود دیتے اور فرماتے ہیں۔

۱۔ کس نے سن شعر میر یہ نہ کہا	۲۔ کیو پھر ہائے کیا کہا صاحب
۳۔ اگرچہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعر نہیں میر	۴۔ یہ میرے شعر نے روئے زمیں نام لیا
۵۔ یہ میر شتم کشتہ کسی وقت جواں تھا	۶۔ انداز سخن کا سبب شور و فغاں تھا
۷۔ جادو کی طبری پر چہ ابیات تھا اس کا	۸۔ منہ تکتے غزل پڑھتے عجب سحر بیاں تھا

جس راہ سے وہ ولزردہ ولی میں نکلتا انسرودہ نہ تھا ایسا کہ جوں آب زردہ خاک	ساتھ اس کے قیامت کا سا ہنگامہ وہ تھا آندھی تھا بلا تھا کوئی آشوب جہاں تھا
میر دریا ہے سنی شغز بانی اس کی ایک ہے عہد میں اپنے وہ پرگندہ مزاج مرثیے دل کے کئی کیمے دیے لوگوں کو	اللہ رے طبیعت کی روانی اس کی اپنی آنکھوں میں آیا کوئی ثانی اس کی شہر ولی میں ہے سب پاس نشانی اس کی
پھر ہی ہمیں کہ دلی ان کے کمالات کی جولانگاہ تھی بلکہ آنکھوں نے بیان کیا ہے کہ	سر سبز ملک ہند میں ایسا ہوا کہ میر سر سبز ہند ہی میں نہیں کچھ یہ رنجیتہ کچھ ہند ہی میں میر نہیں لوگ جیب چاک
دور تک رسوا ہوا ہوں شہروں شہروں ملک ملک لگوں لگوں شہروں شہروں قریہ قصبہ دیہہ دیار شہر ہمارے عالم کے ہر چار طرف کیا دوڑے ہیں	میرے شعر و شاعری کا تذکرہ گھر گھر ہے اب شعرو بیت و غزل پر اپنی ہنگامہ ہے گھر گھر آج کس وادی آبادی میں یہ حرف و سخن مشہور نہیں
ہر چند شعر میر کا دل مقصد نہ تھا ذوق سخن ہوا ہے اب تو بہت ہمیں بھی اشعار میر سب نے جن جن کے لکھ لیے ہیں	پر اس غزل کو ہم نے بھی سنکر لکھا رکھا لکھ لیس گے میر جی کے اشعار چیدہ چیدہ رکھینگے یاد ہم بھی کچھ بیتیں چیدہ چیدہ
امرا کی محفلوں میں ان کی غزلوں کی داد دی جاتی تھی۔ اور لوگ ان سے محفوظ ہوتے تھے۔ صوفیا کی خانقاہوں میں اہل دل کو ان پر وجد و حال آتا تھا۔	
مطرب سے غزل میر کی کل میں پڑھائی جس شعر پر سماع تھا کل خانقاہ میں	اللہ رے اثر سب کے تئیں رفتگی آئی وہ آج میں سنا تو ہے میر اکہا ہوا
مطرب نے پڑھی تھی غزل اکہ میر کی شب کو ہے مری ہر اک غزل پر اجتماع	مجلس میں بہت وجد کی حالت رہی سب کو خانقہ میں کرتے ہیں صوفی سماع
وجد میں رکھتا ہے اہل شعر کو	میرے شعر و شاعری کا استماع
ان اشعار کو میر کی تعلیمی شاعرانہ سمجھنا غلطی ہوگی۔ ذکر میر دیکھنے کے بعد فوراً یقین ہو جاتا ہے کہ عوام و خواص۔ امیر و فقیر۔ شاہ و گدا ہر ایک کے قرب کی وجہ میر کے لیے صرف شاعری تھی ورنہ اور کوئی چیز ایسی نہ تھی کہ وہ ان جگہوں میں رسائی حاصل کر سکتے۔ یہ اور بات ہے کہ اتنی	

قدردانی کے بعد بھی میر صاحب سمجھتے تھے کہ میرے کمال کی صحیح داد نہیں دی جاتی۔ اور جیسے  
جواہر میں ان کے مطابق کوئی خریدار نہیں ملتا۔ وہ سبھی داد کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسکو  
فن کی ایک توہین جانتے تھے۔ ذیل کے شعر دیکھیے۔

فکر کو نازک خیالوں کی کہاں پہونچے ہیں یار	دور نہ ہر مصرع میں یاں معشوق شورش و تنگ ہے
اس سرسری کچھ سن لیا پھر واہ واکر اٹھ گئے	شعریہ کم فہم سمجھے ہیں خیال تنگ ہے

ان کا احساس کمال بڑھ رہا تھا اور اسی احساس کی وجہ سے ان کی شاعرانہ نازک فراہمی کی حد  
یہاں تک پہونچی تھی کہ وہ معاصرین کو پیچ و پوچ ناقابل مہل گو وغیرہ سمجھی کچھ سمجھ کر اپنی غزلوں  
میں ان پر صاف صاف چوٹیں کرنے لگے تھے۔

کہاں عاجز سخن قادر سخن ہوں	ہمیں ہے شبہ یاروں کے سخن میں
کس کا ہے قماش ایسا گود بھرے ہیں سارے	دیکھو نہ جو لوگوں کے دیوان نکلتے ہیں
دعوے کو یار آگے مصیوب کر چکے ہیں	اس رینچے کو دور نہ ہم خوب کر چکے ہیں
خیروں نے رینچے کو دلوں رنجیتہ بنایا	جوان دنوں ہیں بالے لڑکوں کی بالیاں ہیں
بات بنا نا شکل سا ہے شعر بھی یاں کہتے ہیں	فکر بلند سے یاروں کو اک ایسی غزل کہہ لانے دو

اُستاد ماننا دوسری بات ہے اور ان باتوں کا تحمل دوسری شے۔ معاصرین ان کو مغرور  
کہنے لگے۔ میر صاحب نے یہ اور غضب کیا کہ ایک نظم اژدر نامے کے نام سے لکھ ڈالی اور تتم  
بالائے تتم یہ کہ سر مشاعرہ منانے بیٹھ گئے۔ اس میں تمام معاصر شعراء کو چھوٹے سانپوں کیوں  
اور دوسرے کپڑے کوڑوں سے تشبیہ دی ہے۔ اور اپنے آپ کو ایک اژدہ بتایا ہے۔ بھلا ٹھنڈے  
دل سے کون اس کو سن سکتا۔ چنانچہ محمد امان نثار نے سر مشاعرہ اس کے جواب میں غزل  
پڑھی اس کا مقطع یہ ہے۔

اجید کرار نے وہ زور بختا ہے نثار	ایک دم میں دو کردں اژدر کے کلمے چیر کر
----------------------------------	--

لوگوں نے یہ غزل منکر نثار کی خوب خوب تعریفیں کی۔ اور میر صاحب کو خفیف ہونا پڑا۔  
ایک تو فن شعر میں یہ خاص بات ہے کہ خوش گو کے لوگ خواہ مخواہ دشمن ہو جایا کرتے ہیں۔  
اس پر جب اس کی طرف سے کوئی خاص مظاہرہ ہو تو مخالفت دونی ہو جاتی ہے۔ یہی ہوا کہ میر صاحب  
کے مخالفین کی تعداد بڑھ گئی۔ بقانے بھی شاید اسی وجہ سے یہ شعر کہا۔

پگڑی اپنی سنبھال لے گا میر	اور سب تو نہیں یہ دلی ہے
----------------------------	--------------------------

## میر صاحب کی روانگی لکھنؤ

ہمعصروں کی مخالفت دہلی کی تباہی و بربادی میں معیشت کی فکر  
اجبار و اعزاز کی جدائی - آئے دن کی مصیبت نے میر صاحب کو

نہ صرف دل برداشتہ بلکہ عزت گزین اور صحیح معنی میں گوشہ نشین بنا دیا تھا۔

میر صاحب کو دیکھیے جو بنے اب بہت گھر سے کم نکلتے ہیں

کیا کہیں میر جی ہم تم سے معاش اپنی غرض غم کو کھایا کریں ہیں لو ہو پیا کرتے ہیں

ان کو سوائے شاعری کے کسی سے تعلق خاطر باقی نہ رہا تھا۔ بار بار ولی چھوڑنے کا ارادہ  
بھی کرتے تھے۔ مگر بے سود سامانی کے ہاتھوں مجبور تھے کرتے تو کیا کرتے اور جاتے تو  
کہاں جاتے۔

اس کو میر صاحب کی خوش قسمتی کہیے یا حسن اتفاق سے تبصر کیجیے کہ وزیر الممالک نواب  
آصف الدولہ بہادر کو کسی طرح سے اُن کا خیال آیا۔ اور نواب سالار جنگ خلف اسحاق خاں مولیٰ الدولہ  
اور اُن کے برادر خرد اسحاق خاں نجم الدولہ سے میر صاحب کا ذکر کیا۔ اور فرمایا اگر میر محمد تقی یہاں  
آجائیں تو اچھا ہے۔ یہ لوگ چونکہ خان آرزو کے مرلی اور قدردان تھے اور انھیں کی وجہ سے  
میر صاحب سے بھی تعلقات تھے۔ لہذا اس موقع کو میر صاحب کے لیے فال مبارک خیال کر کے  
زاد راہ سرکار سے لیکر ان کو خط لکھ دیا کہ صورت حال یہ ہے۔ فوراً لکھنؤ پہنچو۔ دلی کی  
خانہ جنگیوں، بدامنیوں نے میر صاحب کو مدتوں سے نہ صرف دلتنگ بلکہ برداشتہ خاطر بنا رکھا تھا۔  
اور وہ اگرچہ دلی کو جان سے پیارا جانتے تھے۔ مگر با انہم اُسکے چھوڑ دینے پر آمادہ نہیں تھے  
خط اور زاد راہ پاتے ہی رخصت اسے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں + کہتے اور فرخ آباد کی طرف  
سے قطع منازل کرتے ہوئے لکھنؤ پہنچے۔ ہر چند کہ فرخ آباد کے رئیس اعظم مظفر جنگ نے  
چند روز ٹھہرنے کے لیے ان سے اصرار بھی کیا۔ مگر انھوں نے منظور نہ کیا۔

لکھنؤ پہنچ کر نواب سالار جنگ خلف اسحاق خاں مرحوم کے یہاں فروکش ہوئے۔ اور  
وہ بڑی تواضع کے ساتھ پیش آئے۔ اور اسکے بعد موقع محل دیکھ کر وزیر الممالک کے حضور  
میں بھی عرض کر دیا کہ میر صاحب یہاں پہنچ چکے ہیں۔

اُس زمانے میں لکھنؤ میں مرغ بازی کا بڑا ہیر چا تھا۔ گلی کو چوں میں مرغوں کی پالیاں  
ہوتی تھیں۔ چنانچہ خود نواب کو بھی اس کا ایک ذوق تھا۔ اور اسی تقریب سے میر صاحب کو  
شرف باریابی نصیب ہوا۔ مرغ لڑ رہے تھے۔ وزیر الممالک نواب آصف الدولہ مصروف تماشا



تھے۔ میر صاحب بھی اس مجمع میں تھے۔ یکایک نواب کی نظر ان پر پڑی اور فوراً بشرے سے معلوم کر کے پوچھا کیا تم میر محمد تھی ہو۔ انھوں نے موڈ بانہ سلام کیا۔ نواب سرابا اخلاق سراسر تہذیب۔ بہہ تن محبت تھے۔ بغلیگر ہو گئے۔ اور اپنے نشستگاہ خاص تک لے گئے کچھ کلام سنایا۔ میر صاحب نے جی کھول کر داسخن دی۔ نواب نے ازراہ قدروانی ان سے بھی پڑھنے کے لیے کہا۔ انھوں نے بھی کچھ سنایا۔ نواب سالار جنگ نے اس وقت عرض کیا کہ اب میر صاحب حکم حاضر ہو گئے ہیں کوئی مناسب جگہ ان کے لیے تجویز کر دی جائے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ عنقریب کچھ مقرر کر کے اطلاع دی جائیگی۔ دو تین روز بعد پھر یہ طلب کیے گئے۔ اور انھوں نے ایک تفصیدہ مدحہ پیش کیا جس کا مطلع یہ بتایا جاتا ہے۔

ہوا کیے ہیں زبس شکوہ فلک تحریر سہ ہے ناند مشقی کے رنگ لوح ضمیر  
اسکے بعد بقول آزاد و سوریہ اور بقول میر لطف تین سوریہ یا ہوا مقرر ہو گئے۔ اور اب میر صاحب فارغ البالی کے ساتھ لکھنؤ میں رہنے لگے۔ یا با نفاذ دیگر اُن کو اپنے اظہار کمال کیلئے وہ وقت مل گیا جواب تک نہ مل سکا تھا۔

**لکھنؤ کا قیام** | میر صاحب کے بعض معاصرین میر صاحب سے پہلے لکھنؤ آچکے تھے۔ چنانچہ ان میں مرزا سودا اور میر سوز خاص طریقہ سے ذکر کے قابل ہیں۔ یہاں ان کو کمال کا سکہ اتنا میٹھ گیا تھا کہ خود نواب آصف الدولہ میر سوز کے شاگرد ہو گئے تھے میر صاحب کا ذکر خیر بھی ادبی مجلسوں اور علمی محفلوں میں برابر آتا رہا ہوگا۔ یہہ اور بات ہے کہ اہالیان لکھنؤ اُن کے روشناس نہ تھے مگر غائبانہ سب کے سب ان کے کمال کے معرفت تھے۔ یہاں ہونے پر اُن کی وہی قدر و منزلت ہوئی جو ہونا چاہیے تھی۔ اور اُسی طرح اُن کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا جس کی اُمید کی جاسکتی تھی۔ دربار آصفی میں ان کی بڑی عزت تھی۔ اور وزیر الممالک ان کو اتنا عزیز رکھتے تھے کہ سفر و حضر میں کہیں جدا نہ کرتے تھے۔ جشن شادی اور کھیل تماشوں کی محفلیں تک ان سے خالی نہ ہوتی تھیں۔ میر صاحب کے لکھے ہوئے شکار نامہ۔ ہونی نامہ۔ شہنوی کو خدائی آصف الدولہ وغیرہ اس کی گواہ ہیں۔ مگر بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ وہ اپنی گرفتہ مزاجی کے سبب دربار میں کم جاتے تھے۔ بلکہ یہ لطیفہ بھی لکھا گیا ہے کہ ایک مرتبہ میر صاحب غزل پڑھ رہے تھے نواب سُن رہے تھے۔ مگر اس حالت میں بھی نواب اپنی چھڑی سے مچھلیوں کے ساتھ کھیلتے جاتے تھے۔ میر صاحب غزل پڑھتے پڑھتے رک گئے۔ اور عرض کیا کہ جب حضور متوجہ

ہونگے تو عرض کروں گا۔ نواب نے جواب دیا کہ شعر خود متوجہ کر لیگا۔ میر صاحب نے غزل پڑھنا بند کر دی اور اپنے گھر چلے آئے۔ چند روز بعد نواب بازار سے گزرے تو میر صاحب کو کہیں دیکھا اور ارشاد فرمایا کہ میر صاحب اب آپ دربار میں تشریف نہیں لاتے۔ میر صاحب نے عذر گناہ بہتر از گناہ کی مصداق یہ جواب دیدیا کہ بازار میں باتیں کرنا شرف کا دستور نہیں ہے۔

نواب آصف الدولہ کے انتقال کے بعد بھی یہ دربار سے وابستہ تو رہے مگر صحبت درگزر ہونے کے باعث دربار کا آنا جانا بند تھا۔ ایک روز نواب سعادت علی خاں کی سواری چوک میں تحمین کی مسجد کے سامنے سے ہو کر گزری۔ عوام و خواص تعظیماً سر و قد کھڑے ہو گئے۔ مگر میر صاحب اس سے مس نہ ہوئے جیسے بیٹھے تھے بیٹھے رہے۔ انشاء اللہ تھے انھوں نے بتایا کہ یہ میر تھے۔ نواب کے حسن اخلاق کو دیکھئے کہ انھوں نے جاتے ہی میر صاحب کے لیے خلعت بکالی اور ایک ہزار روپیہ نقد روانہ کیا۔ مگر اتنا ضرور ہوا کہ ایک ملازم کے ہاتھ روانہ کیا گیا۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ میر صاحب نے اسکو واپس کر دیا۔ مگر بعد کو میر انشاء اللہ خاں انشاء گئے میر صاحب کو سمجھا یا بچھا یا۔ اور نواب کا عطیہ قبول کرنے پر مجبور کیا۔ کبھی کبھی یہ دربار جانے لگے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ وہ مشاعروں وغیرہ سے دست بردار ہو گئے۔ بلکہ وہ ادبی صحبتوں میں ہمیشہ شریک ہوتے رہے۔ اور لوگ ان کے کلام کو دل میں جگہ دیتے رہے۔ سب نے انکو استاد مانا۔ اور مسلک شاعری پیشوا جانا۔ مگر انسان طبعا اور فطرتاً ماضی پرست واقع ہوا ہے۔ میر صاحب اس قدر دانی کے باوجود بھی دہلی کو ہمیشہ لکھنؤ پر ترجیح دیتے تھے۔ اور برابر اسکو یاد کرتے رہتے تھے۔ ذیل کے اشعار ان کے اس کرب کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کے یہ خیال شاعرانہ نہیں بلکہ اس اشتیاق نے ان کو دعائیں مانگنے پر مجبور کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تعریف میں قصیدہ لکھتے ہوئے آخر میں کہتے ہیں۔

اگر می کرتے تنک بھی اعانت تری تو پھر	آجائے بختگی پر مایہ خیال خام
یعنی کہ دیکھوں حضرت دہلی کی پھر نواح	معلوم ہے سوائے ترے حاصل کلام
ہفت اقلیم ہر گلی ہے کہیں	دلی سے بھی دیار مونس ہے
دلی کے نہ تھے کوچے اور اق مصور تھے	جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی
ہر روز نیا ایک تماشا دیکھا	ہر کوچے میں سو جوان رعنا دیکھا
دلی تھی طلسمات کہ ہر جا کہ میسر	ان آنکھوں سے آہ ہم نے کیا کیا دیکھا

ایک جگہ نہایت درد انگیز لہجے میں ہوا کہ ہاتھوں دلی والوں کو پیام بھیجتے ہیں اور کہتے ہیں ۔

اے صبا گر شہر کے لوگوں میں ہو تیرا گزار  
خاکِ دہلی سے جد اہم کو کیا یکبارگی  
منصبِ بلبلِ خزانہ خانی تھا سو تو ہے اسیر  
شاہی زارِ غنیمت کا ہونہ ہووے اشعار

اس نظم میں ۳۲ شعر ہیں اور سب کے سب میں نہایت درد انگیز انداز میں اگلی صحبتوں کو یاد کیا گیا ہے۔ پھر یہی نہیں ہے بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ لکھنؤ سے ان کو ایک خاص تفرق تھا جیسا کہ ان شعروں سے معلوم ہوتا ہے۔

خدا رب دلی کا وہ چہرہ تر لکھنؤ سے تھا  
برسوں سے لکھنؤ میں اقامت ہے جھکولیک  
آبادِ جڑ لکھنؤ چندوں سے اب ہوا  
شکل ہے اس خرابے میں آدم کی بود و باش

اس تفرق کی وجہ کہیں ظاہر بھی ہو گئی ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ لکھنؤ میں میر سے کلام کے سمجھنے والے نہیں ہیں۔ اگر قدر دانی بھی ہوتی ہے تو وہ صرف تحسین ناشناس کا درجہ رکھتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

رہی نہ گفتہ مرے دل میں داستاں میری  
کس کس ادا سے رنجتے میں نے کسے ولے  
مربوط کیسے کیسے رنجتے ولے  
سمجھا نہ کوئی میری زباں اس دیار میں

بہت کچھ کہا ہے کر و میر بس  
جو اہر تو کیا کیا دکھا یا گیا  
متاع ہنر پھر کر لے چلو  
کہ اللہ بس اور باقی ہو بس  
خریدار لیکن نہ پایا گیا  
بہت لکھنؤ میں رہے گھر حلیو

گو لکھنؤ ویران ہو سہم اور آبادی میں جا  
کیا قدر ہے رنجتہ کی گویں  
مقسوم اپنا لائیں گے خلق خدا ملک خدا  
اس فن میں نظیری کا بدل تھا

غرض وہ آخر وقت تک لکھنؤ میں رہے مگر دلی کو کبھی نہ بھولے۔ اور جب دلی کو نہیں بھولے تو شاید لکھنؤ میں خوش بھی نہیں رہے۔

میر صاحب کے اخلاق و عادات  
میر صاحب کو ان کے تمام معاصرین جنہوں نے  
شرا کے تذکرے لکھے ہیں نہایت تنک مزاج

مغرور و متکبر لکھا ہے۔ اور مولانا آزاد دہلوی نے تو بحیات میں اس کے متعلق کچھ حکایات ایسی لکھی ہیں جن سے اُن کی بردماغی جنون و وحشت کی حد تک پہنچتی ہے۔ اگرچہ اس کی بعض تحقیقین نے مخالفت کی ہے۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ خود میر صاحب ہی کے کلام سے اس کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ فرماتے ہیں ۵

ہے نام مجلسوں میں مرا میر بے داغ	از سبکہ کم بردماغی نے پایا ہے اشتہار
میر کی گرمی تم سے آجیج ہے	کس سے ملتا ہے وہ داغ جلا
جیسی عزت مرے دیواں میں امیر کی ہوئی	وہی ہی اُن کی بھی ہوگی مرے دیوان کے بیچ
نازک مزاج آپ قیامت ہیں میر جی	جوں شیشہ میرے منہ نہ لگوں نشے میں ہوں
تری چال ٹیڑھی تری بات روکھی	تجھے میر سمجھا ہے یاں کم کسو نے
صحبت کسی سے رکھنے کا سکون تھا داغ	تھا میر بے داغ کو بھی کیا بلا داغ
باتیں کرے برتنکی دل کی پرکھاں	کرتا ہے اس داغ جلے کا وفادار داغ
دو حرف زیر لب کہے پھر ہو گیا خوش	یعنی کہ بات کرنے کا سکور ہا داغ
شیریں لبان جہاں کے نہیں چھوٹ جانتے	ہیں گو کہ میر صاحب و قبلہ کم اختلاط

اس کج خلقی۔ بیدماغی۔ نازک مزاجی۔ مغرور و متکبر کی کئی وجہیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ زمانے کے پے در پے مصائب۔ آئے دن کی مصیبت۔ فاقہ کشی۔ نامرادی نے اُن کو چڑھا دیا تھا۔ اور چونکہ وہ دنیا و اہل دنیا سے مایوس ہو گئے تھے۔ لہذا بغیر کسی رور و رعایت کے ہر شخص سے وہ باتیں کہہ دیتے تھے جو اُن کے جی میں آتی تھیں۔ اس میں کسی کو بری بھلی معلوم ہوتی تو وہ اُس کی پروا نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں ۵

کہنا جس سے جو کچھ ہو گا سا منے میر کہا ہو گا	بات نہ دل میں پھر گئی ہوگی منہ پر میرے آئی ہوئی
--	---

دوسرے اُن کو اپنے اوائل شباب میں جنون ہو چکا تھا۔ اور گو وہ علاج ہوئے پر اس سے صحتیاب ہو گئے تھے مگر پھر بھی کسی قدر اس کا اثر باقی تھا۔ جس نے اُن کو بردماغ مشہور کر دیا تھا تیسری سبب بڑی وجہ یہ ہے کہ اُن کو اپنے کمال کا احساس اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اور اس میں یہ امتیاز بھی باقی نہ رہا تھا کہ کم از کم اُن ہی لوگوں سے ایسی باتیں کریں جو شعرو سخن سے دلچسپی رکھتے ہوں۔ بلکہ برعکس اس کے وہ ہر شخص سے یکساں پیش آتے تھے۔ (چوتھے) وہ اُن ہاتھوں اور اُن گودوں کے پرورش یافتہ تھے۔ جن کے نزدیک ریا ایک جرم ہے

اور ممانعت اور توکل استغنا ایک خاص چیز ہے۔ دنیا اور اہل دنیا اُن کی نگاہ میں بے وقعت چھوٹے اور بڑے اُن کے نزدیک یکساں۔ بادشاہ اور فقیر ایک درجہ رکھنے والے ہیں۔ پھر اگر کوئی نہیں تو میر صاحب کیا اتنے بے لاگ اور صاف گو بھی نہ ہوتے کہ لوگ اُن کو مغرور سمجھ لیں۔ میر صاحب کے اخلاق و عادات پر نوا اور لکلا میں بڑی گہری روشنی ڈالی گئی ہے۔ جسکی یہ عبارت اُن بیان کے نسخے پر درج ہے جسکا میں ذکر کر چکا ہوں۔ میرے خیال میں اس عبارت کے دیکھنے پر انکے حالات آئینہ ہو جاتے ہیں اور ایک حد تک وہ اس جرم سے بھی بری ہو جاتے ہیں جو غرور و تکبر کی وجہ سے اُن پر لگایا جاتا ہے۔

”مروجہ مردے بود متوکل۔ سپاہی پیشہ۔ رقیق القلب۔ پابند وضع۔ جہان دیدہ۔ سر و گرم زانہ خدیوہ۔ سر آمد سخنوران ماضی و حال۔ ورنسخی سنجی بمثال۔ کم اختلاط۔ و باد و ستاں سرا یا ارتباط۔ سنجیدہ۔ از حرص و ہوائے دنیا آزاد۔ و کسے را کہ نیاز روے۔ ہرگز حملہ ہراں نیاوردے۔ کسے را بدی گفت۔ و بد نمی شنفت۔ استغنائے بیش از بیش۔ بہ تعظیم ہر کہ دمہ پیشا پیش۔“

یہ چیزیں ہمارے لیے باوی النظر میں نئی معلوم ہوتی ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ میر صاحب انسانیت کے بہتر جوہر سے آراستہ تھے یا وقایع نگار نے انکا صحیح حال بیان کرنے میں کوتاہی سے کام لیا۔ پھر بھی پابند وضع کم اختلاط۔ نبی شنفت۔ استغنائے بیش از بیش۔ ہمارے سامنے وہی مفہوم پیش کر دیتے ہیں۔ جسکے سبب تذکرے گواہ ہیں۔ اور یہی چند فقرے نہیں بلکہ مندرجہ بالا عبارت کا ہر لفظ اُن کے ایک حال اور ایک صفت پر پوری پوری روشنی ڈالتا ہے۔ جسکی اُن کے حالات اور اُن کی تصانیف سے پوری پوری تائید ہوتی ہے۔

غرض کہ جہاں میر صاحب نہایت خود دار۔ غمور۔ سنجیدہ۔ ظریف۔ دوست اور دوستوں کے قدردان تھے وہاں وہ ہر کس و ناکس سے اختلاط بھی نہ بڑھاتے تھے اور دیر آشنائی کے باعث مغرور معلوم ہوتے تھے۔ مگر اُن کے تذکرے اور دوسری تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے دوستوں کے لیے حاضر و غائب یکساں تھے۔ اور ہمیشہ اُن کے مداح رہتے تھے۔ معقول بات کے ماننے میں اُن کو کوئی دریغ نہ تھا۔ اسی سے وہ اپنے اس شعر کی زندہ مثال اور بولتی تصویر تھے۔

حرف و حکایت شکر و شکایت ہے اک وضع و طہیرہ پر  
میر کو جا کر ہم نے دیکھا ہے مرد معقول کوئی

اُن میں جیسے حسن پرستی کا مادہ و دعوت کیا گیا تھا۔ اسی طرح سے درویش مزاجی اور درویش پسندی اُنکی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ ذکر تہر اور فیض میر اسکی شاہد عادل ہیں۔ وہ اپنے اشعار میں اپنی ہمہ دانی کے زعم میں معاصرین پر چوٹیں کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے آپ کو نہایت بلند رتبہ شاعر مانا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ان کی منصف مزاجی۔ ان کی انسانیت۔ اُن کے انکسار نفس کے جو بھی کہیں کہیں نمایاں ہو گئے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ۵

نقصان ہو گا اس میں نہ ظاہر کہاں تلک	ہو ویں گے جس زمانے میں صاحب کمال ہم
مستعد دل پر سخن ہے آج کل	شعر ایسا فن سوکس قابل ہے میاں
اگلی عمر در بند فکر سخن	سو اس فن کو ایسا بُرا کر چیل

ان کے مزاج میں استغنا حد سے زیادہ تھا۔ وہ اپنی خود داری کے سامنے بڑی سے بڑی دولت کو ٹھوکر مار دیتے تھے۔ وہ امر کی مجالس میں اپنی شان اور اپنی آن بان کو کبھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے اور دم کے دم میں اس تاج دولت کو زمین پر ٹپک دیتے تھے جہاں ان کی عزت پر ذرا سا دھبہ لگتا تھا۔ ذکر تہر میں کئی واقعات اسی قسم کے درج ہیں۔ ان کی وضع سپاہیانہ تھی۔ اور اسی وجہ سے وہ ہر افتاد کو مردانہ برداشت کرتے تھے۔ وہ فقر و فاقے میں بسر کرنا پسند کرتے تھے مگر کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنا اُن کے لیے انتہائی مشکل کا سامنا تھا۔ اُن کا لباس۔ اُن کی قطع وضع سپاہیانہ تھی۔ مگر جیسے جیسے ان کا سن بڑھتا گیا۔ ویسے ہی دنیا سے نفرت بھی بڑھتی رہی۔ اور آخر کار وہ دنیا سے نہایت متفر ہو گئے تھے۔ اُن کے لیے یہ فیصلہ کرنا کہ وہ متکبر تھے کیطرف فیصلہ ہے۔ اُن کی مختصر تعریف یہ ہے کہ وہ انسان تھے اور کامل انسان۔

تذکروں سے یہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ میر صاحب کا ۱۲۲۵ھ میں لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ لیکن اسکے ماسوا تمام تر حالات تاریکی میں تھے۔ مگر نسخہ مذکور دیوان میر جلد چہارم قلمی سے وہ تمام باتیں معلوم ہو گئیں۔ جن سے اُن کے حالات کی تکمیل قرار واقعی ہوتی ہے۔ میر صاحب اپنی عمر کے حصہ آخر میں لکھنؤ کے محلہ شہٹی میں رہتے تھے گو یہ جگہ آج نہیں ہے اور اکثر لوگ اب اس سے بیخبر ہیں۔ مگر یہ محلہ تھا اور اس وقت میں کافی آبادی تھی۔ جان صاحب اپنے ایک شعر میں اس نام کو لائے ہیں ۵ جہاں جاتی ہے

**میر کی وفات**

مردوں کی شہسئی سی ہے لگ جاتی + یہ مجھ بڑھیا کا کاتا ہے جو انوں کا تماشا ہے + میں نے بعض سن رسیدہ حضرات سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اتنا پتہ چلا کہ یہ ایک محلہ تھا جو کوئٹہ کے جنوبی کنارے پر آباد تھا۔ میر صاحب کے بعد بھی عرصہ تک یہ آباد رہا۔ چنانچہ سنا ہے کہ میری کا مکان بھی اسی محلہ میں تھا۔ یہ ممکن ہے کہ میری اس تحقیق میں کمی ہو۔ مگر اس مقام کے ہونے میں شک نہیں۔ بہر حال میر صاحب آخر عمر میں یہیں رہتے تھے۔ اور اگرچہ بعض امراض مزمنہ اور ضعف بصر وغیرہ کی شکایت اُن کو پہلے ہی سے شروع ہو گئی تھی۔ تاہم نہ وہ محدود رکھے اور نہ مجبور۔ اپنے تمام فرایض زندگی آسانی سے ادا کرتے تھے۔ اور شعرو سخن میں بھی برابر حصہ لیتے تھے۔ کہ یکا یک آسمان نے نیا دور شروع کیا۔ تین برس اُن کے لیے تین حشر آفریں ہنگامے تھے جنکی وہ تاب نہ لاسکے۔ ایک سال میں اُنکی لڑکی کا انتقال ہوا اور دوسرے میں ایک لڑکے کا۔ اور تیسرے میں اُن کی اہلیہ کا۔ ان حوادث سے وہ نہایت ہست اور دل شکستہ ہو گئے۔ اُن کے ہوش و حواس میں ایک وارفتگی سی آگئی۔ اور ایک حد تک گوشہ نشین ہو گئے مشاعروں اور دوسری رنگین مجلسوں میں جانا چھوڑ دیا۔ اور جیسا کہ اوائل حال میں اُنھوں نے اپنی دہلی والی رنگین معاشرت کا ذکر تیر کے ان فقرات میں بیان کیا ہے کہ :-

”ہاں کاہ در محلہ رسیدم کہ در آنجا می ماندم۔ صحبت میداشتم۔ شعر میخواندم۔ عاشقانہ می رستم۔ شہا میگیرستم۔ عشق باخوش قدای می باختم۔ ایساں را بلند می انداختم۔ با سلسلہ سویاں می بودم۔ پرستش نکویاں می نمودم۔ اگر دے بے ایساں می نشستم تنہا بر تخت می شکستم۔ بزم می آراستم۔ خوابنازی خواستم۔ مہمانی می کروم۔ زندگانی میگردم۔“

اُن کا قریب قریب رد عمل ہو گیا۔ اور کیا عجب ہے کہ اس عالم میں وہ شعر و شاعری سے بھی دست کش ہو گئے ہوں۔ اور کچھ بھی نہیں تو وہ ذوق و شوق اور وہ ہنگامی غروش اُن میں رہ گیا ہو۔ جس کے وہ عمر بھر خوگر رہے۔ ذیل کے شعر اُنکے جذباتِ خزنہ اور شعر سے بیزاری کے آئینہ دار ہیں۔

اب شعر ہم پڑھیں ہیں تو وہ شد و مد نہیں  
اب شعر و شاعری کی طرف کم لگا و داغ  
اپنا رہے ہے اب تو ہمیں بیشتر خیال  
میر اب پیر ہوئے ترک خیالات کرو

لطف سخن بھی پیری میں رہتا نہیں ہے میر  
کر فکر اپنی طاقت فکری جو ہو ضعیف  
کس کو داغ شعر و سخن ضعف میں کہ میر  
بس بہت وقت کیا شعر کے فن میں ضائع

بہت ہرزہ گوئی کی یہاں میر صاحب

کرو وہاں کے کچھ منہ دکھانے کی باتیں  
وہ ایک مدت تک اسی عالم میں بسر کرتے رہے۔ انقباض فراج کے ساتھ ساتھ نظام  
صحت میں اختلال پیدا ہو گیا۔ عوارض مزمنہ نے ترقی شروع کی۔ دوسری قدیمی امیں حلیمیں  
تھے۔ اُن میں زیادتی نہیں لگی۔ چنانچہ وجع مفاصل اور دردِ قلب میں ترقی نہ ہوا شروع  
ہوئی۔ اور اواخر ماہ ربیع الآخر ہی میں اُنھوں نے امراض مہلک کی صورت اختیار کر لی۔ تمام  
شاہی طبیب اور مشہور معالج میر صاحب کے شناسا اور دوست تھے۔ علاج معالجے شروع  
کیے اور سب کی یہ رائے ہوئی کہ لگ کر اور جم کر علاج کرنا چاہیے۔ اور فی الحال ایسی وادینا  
چاہیے کہ قبض نہ رہنے پائے۔ اسکے بعد ایک تلبین دہی لکھی۔ اور اُس نے سم قاتل کا کام  
کیا۔ اطلاقِ لطن شروع ہو گیا۔ اور ایک ایک دن میں ڈیڑھ ڈیڑھ سو دست آگئے۔ آخر کار  
مرض موت سے جالما۔ اور ۲ شعبان المکرم ۱۲۲۵ھ وقت شام نوے سال عمر پوری کر کے  
دنیا کے فانی کو خیر باد کہا۔ اور ۲ شعبان ۱۲۲۵ھ روزِ شنبہ دوپہر کے وقت اکھاڑہ بھیم میں  
جو ایک مشہور قبرستان تھا اپنے اعزاء و اقربا کی قبروں کے پاس سپرد خاک کئے گئے۔ قریب  
قریب چار سو آدمیوں نے اُن کے جنازے کی نماز پڑھی اور بہت سے عقیدتمندوں نے غائبانہ  
اس فریضہ کو ادا کیا۔ اور بعض شعرا نے تاریخیں کہیں۔ جن میں سے دو تاریخیں ہم نقل کر چکے  
ہیں۔ اور نسخ کی تاریخ ۵ دویلا موشہ شاعران مشہور ہے۔

میر صاحب اگرچہ شعر و شاعری کی محفلوں کو مدت سے الوداع کہہ چکے تھے۔ مگر اُن کا  
ذوق سخن آخر وقت تک جاری تھا۔ اور کچھ نہ کچھ فرماتے ہی رہتے تھے۔ چنانچہ آخر وقت  
میں اُنھوں نے یہ شعر نظم کیا تھا

سازِ پیسج آمادہ ہے سب قافلے کی تیاری ہے  
مجھوں ہم سے پہلے گیا ہے اب کے ہماری باری ہے

میر بحیثیت شاعر  
کوئی نقاد کوئی محقق کوئی تذکرہ نویس۔ کوئی وجدان صحیح کا مالک ایسا  
نہیں ہے جس نے میر صاحب کی جناب میں ہدیہ عقیدت اور گلہائے  
تحسین و آفرین پیش کئے ہوں بندگانِ شعر نے خوشی کے ساتھ اُن کو خدا کے سخن مانا۔ اور اُن  
کی ہر صدائے المست پر لے کہا۔ شیفۃ گلشنِ بنجار میں انکو اشعر شعرا۔ میر حسن ا فصیح فصیحائے زمانہ  
قائم شمع انجمنِ عشقبازاں شفیق میر میدانِ سخنوری کہتے ہیں۔ اور اسی طرح ہر ایک شخص اُنکی



توصیف میں رطب اللسان ہے۔ مگر ہم ان سب سے زیادہ خود میر صاحب پر بھروسہ رکھتے ہیں وہ باکمال شاعر ہی نہیں۔ کامل نقاد بھی ہیں۔ انکی اپنے کلام کی باتہ جو رائے اور جو احساس ہے اُسکو جیسے پیش کیے دیتے ہیں۔ اسکے بعد دوسروں کی تنقید و تحسین۔ تقریظ و آفرین کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ انھوں نے بارہا اپنے کلام پر غائر نظر ڈالی۔ اور کچھ نہ کچھ کہہ گئے شیئے فراتے ہیں۔

مقتد کون نہیں میر کی استادی کا	ارنجیتہ رتبے کو پہونچایا ہوا اُس کا ہے
بات وہ ہے جو ہووے ابلی بات	انکتہ و انان رفتہ کی نہ کہو
تو بایل نہ ہو پھر گھر کی طرف	جو دیکھو مرے شعر تر کی طرف
جسکی لے دام سے تا گوش گل آواز ہے ایک	میر گم کردہ چین زمرہ پر واز ہے ایک
دُرت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں	پڑھتے پھریں گئے گلیوں میں ان رنجیتوں کو گ
چاہیے اہل سخن میر کو استاد گمیں	ارنجیتہ خوب ہی کہتا ہے جو انصاف کرو
سامنے ہونے کو صاحب فن کے قدرت چاہیے	ہو طرف مجھ پہلو ایں شاعر کا کلب عاجز سخن
چلو ملک میر کو سننے کہ موتی سے برقیابے	نہ رکھو کان نظم شاعران حال بر اتنے
مر احرف رشک کتاب ہے مری بات کھنے کا بجے	مری خلق محو کلام سب بچھوڑتے ہیں خوش کب
بہتر کیا ہے میں نے اس عیب کو نہر سے	دل کس طرح نہ کھینچیں شعار ریشختے کے
ہر طرف حرف ہے حکایت ہے	تربت میر پر ہیں اہل سخن
بخدا واجب الزیارت ہے	تو بھی تقریب فاتحہ سے چل
اول تو میں سندھوں پھر یہ مری زباں ہے	اس فن میں کوئی بے تہ کیا ہو مرا معارض
شاعری تو شعار ہے اپنا	انکتہ مشتاق و یار ہے اپنا
پاتے ہیں زور ہی لذت تری گفتار کے بیج	اس زمیں میں غزل اک اور بھی موزوں کر میر
میری غزل پڑھی تھی شب اک مضمہ خواں کطیف	مرغ چین نے زور ڈر لایا سبھوں کے تئیں
جادو تھا مرنے خامے کی گو یا کہ زباں میں	یک پرچہ اشار سے منہ باز دھے سبھوں کے
باتیں مری سُن تویم پھینک دو گھر کو	ہر چند ہے سخن کو تشبیہ دے لیکن
کچھ سحر تو نہیں ہے لیکن ہوا تو دیکھو	اشعار میر پر ہے اب ہائے کوئے ہر سو
زبان خلق کو کس طرح کوئی بند کرے	سخن ہی ہے جو کہتے ہیں شاعر ہے سحر

جو زمیں نکلی اُسے تا آسماں میں لے گیا	رنجیت کا ہے کو تھا اس تہ اعلیٰ میں میر
مجھے ہے یاد اس کشتی کا ہر بند	فنِ شاعر میں ہوں پہلوں میں میر
ہزار مدعی بھی مجھ کو وہ دلا نہ کریں	سخن کے ملک کا میں مستقل امیر میں میر
یہ بھی خیال سا کچھ خاطر میں آگیا ہے	اے میر شعر کہنا کیا ہے کمالِ انساں
دو چار شعر کہہ کر سب کو رہا گیا ہے	شاعر نہیں جو دیکھا تو ہے کوئی ساحر
عرصہ محشر کا عرصہ ہے مرے دیوان کا	ہر ورق ہر صفحے میں اک شعر شور انگیز ہے
ہوں ہزاروں دم الہی میر کے اک دم کے بیچ	رواق آبادی ملکِ سخن ہے اس ملک
شعر کے فن میں بے نظیر ہوئے	نہ ہوئے ہم نظیری سے یوں تو

**میر صاحب کے اصول شاعری** شاعر اور خصوصاً ایک کامل الفن اور ماہر شاعر کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اوپر کچھ ایسے قیود عائد کرے اور کچھ ایسے قواعد اور کیلے مقرر کر لے جو اسکے کلام کو دوسرے شعراء سے اچھا نہ بنا سکیں تو تمیز کر دیں۔ میر صاحب بھی چند باتوں کو پسند کرتے تھے اور چند کو ناپسند۔

(۱) اُن کا خیال ہے کہ شاعری اک فن شریف ہے۔ اور شریف ہی اس فن کو اختیار کرتے تھے۔ اجلاف کا اس کو جے میں گزر نہیں۔

کسب کرتے جنگی طبعیں تھیں لطیف	محبتیں جب تھیں تو یہ فنِ شریف
خارخس سے کیا یہ عرصہ صاف تھا	تھے میر درمیاں انصاف تھا
کچھ بتاتے بھی تھے سوا شراف کو	دخل اس فن میں نہ تھا اجلاف کو
ناگسوں سے مے نہ کرتے تھے سخن	تھے جو اُس ایام میں استادِ فن
یعنی جن کے ہوتے تھے ذہنِ سلیم	ہم ملک بھی تھی وہی رسمِ قدیم
اُن کے ہوتے رہبرِ راہِ سخن	پیار کرتے تھے اُھیں اُشا و فن
شاعری کا ہے کو تھا ان کا شمار	جلف و ادا زہار پاتے تھے نہ بار
شعر سے ہزاروں نڈانوں کو کیا	نکتہ پردازی سے اجلافوں کو کیا

(۲) شعر کے لیے علمی قابلیت اور معلومات فن کا ہونا از بس ضروری ہے۔ چنانچہ اسی بارہ میں شہنوی تنبیہ الجہال میں اُنھوں نے وزیرِ اصفہان اور ملالی کا قصہ بیان کیا ہے۔

۱۳ (۳) شعر میں زبان اور رد مزہ نہایت صاف ہو۔ روانی کو کسی صورت میں ہاتھ سے نہ دینا چاہیے۔ رکیک خیالات اور عوام کے جذبات و عادات یا گفتگو سے شعر کو کوئی لگاؤ نہ ہو۔ نکات الشعراء میں قدر کے متعلق فرماتے ہیں کہ ”زبان اور زبان لوطیاں می ماند“۔

۱۴ (۴) گفتگو رنجتے میں ہم سے نہ کر۔ یہ ہماری زبان ہے پیارے۔  
حسن تو ہے ہی کہ و لطف زبان بھی پیدا  
دیکھو تو کس روانی سے کہتے ہیں شعر میر  
دُرسے ہزار چند ہے اُنکے سخن میں آب

۱۵ (۵) شعر میں کوئی خاص انداز بیان اور کوئی نادر بات ہونا چاہیے۔  
کچھ ہوا سے مرغ قفس لطف نہ جاؤ اُس سے  
نوحہ یا نالہ ہر اک بات کا انداز ہے ایک

۱۶ (۶) میر شاعر بھی زور تھک کوئی  
دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب  
رفت سا پچیدار ہے ہر شعر  
ہے سخن میر کا عجب ڈھب کا  
شمر میرے ہیں سب خواص پسند  
پر تجھے گفتگو عوام سے ہے  
سمجھے انداز شعر کو میرے  
میر کا سا اگر کمال رکھے

۱۷ (۷) شعر میں وہی ترکیب فارسی لانا جائز ہے جو زبان پر بار نہ ہو۔ اس فرق کو غیر شاعر نہیں سمجھ سکتا۔ اور جو ترکیب زبان رنجتے سے مانوس نہ ہو اس کا استعمال محبوب ہے۔ اس بات کا سمجھنا بھی سلیقہ شاعری پر موقوف ہے۔

۱۸ (۸) متقدمین میں ایہام کا بڑا رواج تھا اور اب اس بات ذہ اس کو پسند نہیں کرتے۔ مگر جبکہ نہایت شستگی اور رفتگی سے اس کا استعمال کیا جائے۔ ایک جگہ میاں حسن اللہ کے ذکر میں نکات الشعراء میں کہا ہے ”ما ل باہام بود۔ ازیں جہت شعر او بے رتبہ ماند“۔  
کیا جانے دل کو کھینچیں ہیں کیوں شعر میر کے  
کچھ طرز ایسی بھی نہیں ایہام بھی نہیں

۱۹ (۹) تنافر سے کلام کو پاک کرنے کی کوشش ضروری ہے۔  
فہم حرفوں کے تنافر کا بھی یاروں کو نہیں  
اس یہ رکھتے ہیں تنفر سب مری صحت یہاں

۲۰ (۱۰) شاعر کو محاورے میں تصرف کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ میر سجاد کے اس شعر پر  
اُنھوں نے اعتراض کیا ہے۔

۲۱ (۱۱) میراجلا ہوا دل مرگاں کے کب ہے لائق  
اس آجے کو کیوں تم کانٹوں میں اٹیختے ہو  
(۱۲) جو طرز کلام اور انداز شعر کوئی میر صاحب نے خود اختیار کیا تھا وہ تمام

صنایع بدایع کا حاوی اور حامی تھا۔ تخیل۔ ترصیع۔ تشبیہ۔ صفائے گفتگو۔ فصاحت۔ بلاغت۔ ادبندی۔ خیال اُس میں سب پائی جاتی تھیں۔ اور یہی اُن کو پسند بھی تھا۔ اس لیے کہ زمانہ کی روش یہی تھی۔ مگر ان سب چیزوں سے صرف شعر کے خارجی پہلو پر روشنی پڑتی ہے داخلی اوصاف کے متعلق بھی اُن کے یہ خیال ہیں۔

(۱۰) شعر جذباتِ دل کا آئینہ ہونا چاہیے۔ اور جو کچھ کہہ جائے اُسے تاثیر و تاثر کے ساتھ روح و جسم کا سا قرب حاصل ہو۔ خواہ وہ استعارہ ہی کیوں نہ ہو۔

کیا تھا رنجِ تیرے پر وہ سخن کا	سو ٹھہرا ہے یہی اب فنِ بہارا
اس پردے میں غمِ دل کتنا ہے میرا	کیا شعر و شاعری ہے یا روشِ عارفِ عاشق
ابھ کو شاعر نہ کہ میر کہ صاحبِ میں نے	دروغِ غم کتنے کیے جمع سو دیوان کیا
بے سوزِ دل کنھوں نے کہا رنجِ تیرا تو کیا	گفتارِ خامِ پیشِ عزیزاں سند نہیں

(۱۱) شاعری کو صرف گل و بلبل کے افسانوں تک محدود نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ وہ اس سے بہت وسیع چیز ہے۔ اسی بنا پر اُنھوں نے تاہاں کی روش پر نکاتِ شعرا میں یہ کہہ کر اعتراض کیا ہے۔ ”ہر چند عرصہ سخن او میں در لفظ طہائے گل و بلبل تمام است۔ ابابار رنجِ تیر کی گفست“ یہ سب چیزیں وہ ہیں جن کا میر صاحب کے اشعار اور نکاتِ اشعار سے پتہ چلتا ہے مگر اُن کے کلام میں جو چیزیں پائی جاتی ہیں۔ اجمالی طور پر ہم انکو بیان کرتے ہیں۔

مقدمہ میں کی شاعری کے متعلق نقادین کی عام رائے ہے کہ وہ شاعری کے داخلی پہلو کے مقابلہ میں کبھی خارجی

پہلو کو نہیں لیتے۔ لباسِ زیور۔ حتیٰ کہ سراپا وغیرہ کی کوئی پروا نہیں۔ بلکہ اس کی جگہ جذباتِ عشقیہ۔ سوز و گداز۔ ناکامی کے بیان۔ محاکات۔ معاملہ بندہ وغیرہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ میر صاحب بھی انھیں لوگوں میں سے ہیں۔ وہ بھی حزن و الم کی ایک تصویر ہیں۔ برشتگی اور دروندانہ خیالات اُن کے رنگِ تغزل کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اور بلا مبالغہ اپنے معاصرین اپنے مقدمین۔ اپنے متاخرین سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور اتنے بڑھے ہوئے کہ اُن کے بعد کے بڑے بڑے بالکالوں نے اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کا ارادہ کیا اور سخت سے سخت کاوشوں اور کوششوں کے بعد بھی اُن تک نہ پہنچنے پر اپنی ناکامی کا نہایت ہمت شکن الفاظ میں اعتراف کیا جیسے (ذوق)

<p>نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب</p>	<p>ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا</p>
<p>یہ دیکھ کر قدرت کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسکی وجہ کیا ہے کہ وہ بغیر شرکتِ احد سے اس جذبہ حزنہ - اور اس وارداتِ قلبیہ کے مالک ہیں۔ اور اسکے جواب میں یہ بات بھی آسانی سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ قبولِ خاطر و لطفِ سخنِ خدا داد است + مگر ساتھ ساتھ اُنکی عاشقِ مزاجی اُنکی فطرتِ حسن پرست - اور اُن کے تلخ تجربات - اُنکی نامرادانہ زندگی - اُنکے انقلابِ انگیز ماحول کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جنگی وجہ سے یہی دردِ واشر - ترقی و شفق - حیران و ابھوسی - اضطراب و قلقِ نطرتِ نامین بن کر اُن کے تزل کا وہ نمایاں جوہر بن گئے کہ آج دیکھنے والوں کی سب سے پہلی نظر اسی خوبی پر پڑتی ہے۔ کوئی اسکو بہتر نشتر سے تعمیر کرتا ہے۔ اور کوئی کہتا ہے کہ وہ اسی کے لیے پیدا ہوئے تھے چنانچہ خود بھی کہتے ہیں ۵</p>	<p>یہ دیکھ کر قدرت کا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسکی وجہ کیا ہے کہ وہ بغیر شرکتِ احد سے اس جذبہ حزنہ - اور اس وارداتِ قلبیہ کے مالک ہیں۔ اور اسکے جواب میں یہ بات بھی آسانی سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ قبولِ خاطر و لطفِ سخنِ خدا داد است + مگر ساتھ ساتھ اُنکی عاشقِ مزاجی اُنکی فطرتِ حسن پرست - اور اُن کے تلخ تجربات - اُنکی نامرادانہ زندگی - اُنکے انقلابِ انگیز ماحول کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ جنگی وجہ سے یہی دردِ واشر - ترقی و شفق - حیران و ابھوسی - اضطراب و قلقِ نطرتِ نامین بن کر اُن کے تزل کا وہ نمایاں جوہر بن گئے کہ آج دیکھنے والوں کی سب سے پہلی نظر اسی خوبی پر پڑتی ہے۔ کوئی اسکو بہتر نشتر سے تعمیر کرتا ہے۔ اور کوئی کہتا ہے کہ وہ اسی کے لیے پیدا ہوئے تھے چنانچہ خود بھی کہتے ہیں ۵</p>
<p>پھر اگر زندگی کی واردات - عشق کے واقعات کو ایک سادہ اور پرکیز زبان میں نہ بیان کیا جائے تو اس کا دوسروں پر اس درجہ اثر پڑنا غیر ممکن ہے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں شاعر ہوا کیے ہیں جنہوں نے عمر بھر یہی رونا رویا - ہجر و فراق کے مصائب بیان کر کے دشتِ جنون بیاباں گردی - ناصح کی ملامت - رقیبوں کی شرارت کے نقشے کھینچتے رہے۔ مگر دنیا نے اُن کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا - کہ کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔ لامحالہ ضرورت ہوئی کہ اس چیز کو تجزیہ کر کے بتایا جائے جو تیر کے کلام میں پوشیدہ ہے۔ مگر دشواری اور بڑی دشواری یہ ہے کہ فنونِ لطیفہ خواہ وہ شاعری ہو - خواہ مصوری - خواہ موسیقی تجزیہ کے بار کی متحمل نہیں ہو سکتے۔ اور فنونِ لطیفہ کیا میں تو یہ کہتا ہوں کہ کوئی حسن نہ تجزیہ کا بار اٹھا سکتا ہے اور نہ کوئی عشقِ تجزیہ کا خواستگار ہو سکتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ تیر نے ایسے ہی موقع پر کہا ہو ۵</p>	<p>پھر اگر زندگی کی واردات - عشق کے واقعات کو ایک سادہ اور پرکیز زبان میں نہ بیان کیا جائے تو اس کا دوسروں پر اس درجہ اثر پڑنا غیر ممکن ہے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں شاعر ہوا کیے ہیں جنہوں نے عمر بھر یہی رونا رویا - ہجر و فراق کے مصائب بیان کر کے دشتِ جنون بیاباں گردی - ناصح کی ملامت - رقیبوں کی شرارت کے نقشے کھینچتے رہے۔ مگر دنیا نے اُن کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا - کہ کون ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔ لامحالہ ضرورت ہوئی کہ اس چیز کو تجزیہ کر کے بتایا جائے جو تیر کے کلام میں پوشیدہ ہے۔ مگر دشواری اور بڑی دشواری یہ ہے کہ فنونِ لطیفہ خواہ وہ شاعری ہو - خواہ مصوری - خواہ موسیقی تجزیہ کے بار کی متحمل نہیں ہو سکتے۔ اور فنونِ لطیفہ کیا میں تو یہ کہتا ہوں کہ کوئی حسن نہ تجزیہ کا بار اٹھا سکتا ہے اور نہ کوئی عشقِ تجزیہ کا خواستگار ہو سکتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ تیر نے ایسے ہی موقع پر کہا ہو ۵</p>
<p>کیا جانوں دل کو کھینچیں ہیں کیوں شہرِ میر کے</p>	<p>کچھ ایسی طرز بھی نہیں ایسا م بھی نہیں</p>
<p>پھر بھی جانتک غور کیا جاتا ہے اُن کے اچھیں جذبات میں کمی چیزیں شامل ہیں</p>	<p>اور ان کی شمولیت روح و جسم - آب و رنگ کی شمولیت ہے جس کا جد اکرن اور جد ہونا محال ہے ۵</p>
<p>یہ جو چشمِ پُر آب ہیں دونوں</p>	<p>ایک خانہ خراب ہیں دونوں</p>

✓ میں جو بولا تو بولے یہ آواز اُسی خانہ خراب کی سی ہے

میر کے یہ دو مشہور شعر ہیں۔ سنئے والا ان کو سن کر دل تھام کر ایک آہ تو ضرور ہی کر لیتا ہے اور جس قدر دل میں گداز ہوتا ہے اتنا ہی اثر لیتا ہے۔ مگر جب غور کیا جاتا ہے تو ان دونوں شعروں میں نہ تو کوئی نیا مضمون دکھائی دیتا ہے۔ نہ کوئی گہرا فلسفہ حیات ملتا ہے نہ جذباتِ عشقیہ کی کوئی اچھوتی تصویر نظر آتی ہے۔ نہ کوئی اخلاقی مسئلہ ہے۔ مگر اثر اتنا ہی ہوتا ہے جسطرح ہونا چاہیے۔ آخر ذوقِ سلیم کو ماننا پڑتا ہے کہ مجموعی حیثیت سے ان دونوں شعروں میں وہ سب باتیں ہیں جو دلوں پر تیر و نشتر کا کام کرتی ہیں اور ان کی تشریح و تجزیہ نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح میر کے بیشتر اشعار ہیں جو سوز و گداز۔ تاثیر و تاثر کے لحاظ سے ہمیشہ ہیں۔ گو تجزیہ اور تقسیم لطافت کی شمع ان کے سامنے گل ہو جاتی ہے۔ اور اس کوشش و جستجو کو ناکام واپس آنا پڑتا ہے۔ مگر غور کرنے پر ان کے مجموعہ کلام میں ان چیزوں کا پتہ چلتا ہے۔

- (۱) کیفیات حسن و عشق۔ وارداتِ محبت حقیقی و مجازی (۲) نفسیات۔ فلسفہ نفسیات۔
- (۳) ندرت بیان۔ اسلوب بیان (۴) آلام و مصائب کے تلخ تجربات اور اُن کے اظہار کی قدرت۔
- (۵) عاجزانہ یا عاشقانہ طنز و مزاح جو اکثر اشعار کی تہ میں موجود ہیں (۶) تخیل کی بلندی۔
- (۷) اکثر عام اور پیش پا افتادہ مضامین سے احتراز۔ (۸) زبان کی سادگی۔ سلاست۔
- (۹) رزمہ اور محاورات کی صفائی (۱۰) الفاظ میں موسیقیت اور ترنم کے ساتھ روانی۔
- (۱۱) آورد سے احتراز۔ آمد کی پابندی (۱۲) تلمیحات و تشبہات (۱۳) معلومات عامہ کی وسعت۔
- (۱۴) کہیں کہیں تناسب الفاظ جو ایہام کی حد تک پہنچتا ہے۔ (۱۵) فارسی ترکیبوں کا نہایت بر محل استعمال۔ (۱۶) بعض جگہ بدیع استعارے اور نازک تشبیہیں (۱۷) کہیں کہیں بلاکی سی متصوفانہ روش (۱۸) ایسی ظرافت جسکو زہر خند سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔
- (۱۹) بیباکی اور صاف گوئی (۲۰) نہایت دلکش اور رواں جبروں کا انتخاب۔
- (۲۱) دنیا کے سراپا زوال اور فانی ہونے کے عبرتناک مرتعے۔

یہی چیزیں ہیں جو ان کے کلام کے اجزاء ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ غزل کے موضوعِ قدیم کے پابند ہونے۔ معشوق کو اس کی قدیم صفات سے موصوف کرنے کے باوجود بھی میر کے یہاں یہ چیزیں روشن شاروں کی طرح اچھک رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم ان سب چیزوں

پر غلجہ غلجہ روشنی ڈال کر تیر کے بہت سے اشعار اپنے ثبوت دعویٰ کے لیے پیش کریں۔ مگر اول تو طوالت مضمون کا خوف ہے دوسرے تیر کا مکمل دیوان آپ کے سامنے ہے اس لیے اس طویل عمل کو گوارا کرنا بے معنی سی بات ہے۔ لہذا اس کے بعد اُنکے مختلف اصناف کلام پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

**غزلیات**۔ میر صاحب کی غزلیات کے چھ دیوان ہیں۔ اور بیشتر مرد و

مجموعی اُن کی تمام غزلیں سوز و گداز سے بھری ہوئی ہیں۔ اور یہ دیکھ کر کہ وہ اپنے تمام معاصرین بلکہ متقدمین سے بھی اس صنعت خاص میں بڑھے ہوئے ہیں۔ یہ کہنا کچھ بیجا نہیں کہ وہ صرف غزل گوئی کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ مگر اُن میں چھوٹی بحروں کی غزلیں نہایت بلند پایہ رکھتی ہیں۔ اور طویل بحروں کی غزلوں میں اکثر حشو اور بھرتی کے اشعار بھی ہیں۔ زمانہ کی عام روش نے مار و پستی۔ اور شیخ و زاہد کی ہجو و کیک سے اُن کی غزلوں کو بھی پاک نہیں رہنے دیا۔ اور اگر بالاستیعاب اُنکے دیوانوں کا مطالعہ کیا جائے تو ایسے اشعار کی اچھی خاصی تعداد نکل آئے گی۔ اور غالباً یہی دیکھ کر بعض صاف گو نقاد یہ کہنے پر مجبور ہو سکے ہیں کہ اُنکا بلند کلام نہایت بلند ہے۔ اور سب سے بڑا انتہا پست۔ پھر بھی مجموعی حیثیت سے وہ ہندوستان کے اکثر غزل گوؤں سے ممتاز ہیں۔ اور خواجہ میر درد کے سوائے دوسرے ان کا مقابل نہیں۔

**قصائد**۔ یوں تو میر ایک قادر الکلام شاعر تھے کون سی ایسی چیز ہے جو اُن کے یہاں نہیں اور کسی چیز میں اُن کی شاعری کے خط و خال نہیں پائے جاتے۔ مگر استاد ہونا اور بات ہے اور کسی چیز سے طبیعت کی مناسبت ہونا ہے دیگر۔ وہ قصیدہ کہنے پر قادر ضرور تھے۔ اور کوئی شک نہیں کہ اُن کو ایسے مواقع پیش آئے ہونگے جہاں اپنا زور طبیعت دکھانا ضروری ہوتا ہے۔ مگر اُن کی فطرت اور اُنکی افتاد طبیعت۔ اُنکے گرد و پیش سے یہ چیز بہت دور تھی۔ اور یقیناً وہ اس میں سودا یا ذوق کی طرح کامیاب نہیں کہے جاسکتے۔ اُن کے قصیدوں میں نہ زور ہے۔ نہ علو خیال ہے۔ نہ وہ باتیں ہیں جن کی بہتری پر قصیدہ کی بہتری کا انحصار ہے۔ استاد ہی استاد ہی ہے اور صرف استاد ہی سے کام نہیں چلتا۔

**رباعیات**۔ رباعیات کو کالمین نے فلسفیانہ اور حکیمانہ خیالات کے لیے مخصوص رکھا ہے۔ تصوف کے رموز و اسرار کو اسی میں ادا کیا گیا ہے۔ چنانچہ فارسی کے مشہور رباعی

کہنے والے حکیم عمر خیام - فرید الدین عطار - ابوسعید ابوالخیر - سجانی وغیرہم کے یہاں برابر یہی روش اور یہی انداز کار فرما ہے۔ مگر رنجیت گویوں نے اسکی زیادہ پابندی نہیں کی میر صاحب نے بھی سوسو رابعیاں کہیں۔ مگر اُن کے مصرف صحیح کے پابند نہ رہنے کی وجہ سے اُنکی رابعیاں اس درجہ پہنچ سکیں۔ البتہ خواجہ میر درد نے اُردو اور فارسی میں حسب قدر رابعیاں کہیں وہ اُسوقت کے لحاظ سے بہترین نمونہ ہیں۔ دور موجودہ میں اُردو میں چند رباعی کے کہنے والے ایسے پیدا ہوئے ہیں جنکے سامنے پچھلے لوگوں کی رابعیاں دیکھنے کو جی بھی نہیں چاہتا۔

**مخمس و مسدس ترکیب ترجیع بند** | مخمس - مسدس - ترجیع بند میں سے اکثر کو اُنھوں نے اپنے معقولات نہ ہی کے لیے مخصوص کیا ہے۔ چنانچہ ایک ہفت بند - ایک ترجیع بند - دس مخمس - تین مسدس میں صرف منقبت کہی گئی ہے۔ اور ایک مسدس میں نعت ہے۔ اور اس سے اُن کے خلوص عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ تین مخمس ایسے ہیں جن میں اپنی یاد دہی کی غزلوں کی تفسیر ہے۔ دو ترکیب بند عاشقانہ ہیں اور خوب ہیں کچھ مثلث ہیں جن میں بھی تفسیریں ہیں۔ اور چار مخمسات میں ہجویات ہیں جن کا ذکر ہجویات میں مناسب ہوگا۔

**واسوخت** | واسوخت کا میر صاحب کو موجد بتایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو۔ مگر اس قسم کی نظمیں بعض پہلے بھی کہی گئی تھیں۔ اور اُسکے نمونے اُردو فارسی میں موجود ہیں میر صاحب کے واسوختوں میں اُن کے متبعین کا ساز و رہنمائی ہے۔ مگر اَلْفَضْلُ لِمَتَقَدَّرَ کے بموجب وہ قابل مبارکباد ضرور ہیں کہ اُنھوں نے ایک ایسا راستہ نکالا جس پر متاخرین بڑی آسانی سے کام لے سکیں۔

**ہفت بند** - ممکن ہے کہ اُردو میں نئی چیز ہو۔ اسکو دیکھ کر ملاحتشم کاشی کا ہفت بند یاد آ جاتا ہے۔ پھر بھی میر صاحب کی کوشش رائگاں نہیں ہے۔ اور اگرچہ وہ منقبت کے لیے مخصوص رکھا گیا ہے مگر نہایت عمدہ ہے۔

**ثنویات** - غزل کے بعد سب سے زیادہ یہی چیز میر صاحب کے یہاں قابل ذکر ہے بعض محققین کا خیال ہے کہ وہ غزل کی طرح ثنوی کے اُستاد نہیں۔ بلکہ ثنوی میں اُن کا کوئی خاص درجہ نہیں یہ رائے پایہ تحقیق اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ سر شاہ سلیمان صاحب نے انتخاب ثنویات میر میں مولوی عبد السلام صاحب مصنف شعر اہند کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ”وہ ثنویات کے موجد اور عمدہ نمونہ ہیں۔ انھیں قدرتی انداز ہے۔ انھیں کی بدولت ثنوی کو ترقی ہوئی۔ میر حسن اور شوق کو



انھیں کا مقلد سمجھنا چاہیے۔ باوجود اسکے یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اکثر ثنویات جس میں کتب، ملی ہمیری اور مرغ وغیرہ کے قصے درج ہیں نہایت گری ہوئی ہیں۔ بعض ثنویوں میں ہندی کے ٹھیکھ اور ثقیل الفاظ ہیں۔ بعض میں محسّ قصے نظم ہیں۔

اسی طرح میر سے دوست مجنوں گو رکھپوری نے رسالہ ایوان جنوری ۱۹۳۷ء میں میر صاحب کی ثنویات کی بات یہ رائے دی ہے۔ ”غزل کے بعد میر اگر کسی صنف میں ممتاز ہو سکتے ہیں تو وہ ثنوی بالخصوص عشقیہ ثنوی ہے۔ اور وہ اس لیے کہ عشقیہ میں تغزل کا رنگ بڑی حد تک نباہا جاسکتا ہے۔“

میر سے نزدیک جیسے رائیں نہایت سرسری ہیں اُسی طرح میر حسن اور نواب مرزا شوق کو میر صاحب کا مقلد قرار دینا محلّ تامل ہے۔ کیونکہ میر صاحب کی عشقیہ ثنویاں نہایت صاف۔ رواں۔ آورو سے پاک و صاف ہیں۔ ان کے بیان کی سلاست اور روانی سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے قصہ اُکسی چیز کے بیان کا اہتمام نہیں کیا ہے۔ بلکہ بے تکلفانہ جو قلم سے نکلتا گیا اُس کو لکھتے چلے گئے۔ اسی واسطے اگر تجزیہ کیا جائے تو اکثر مواقع پر ان کے بیانوں میں کمی نہیں بلکہ ایک تشکی سی محسوس ہوتی ہے۔ بخلاف اسکے میر حسن نے اپنی تلاش اور جستجو سے ہر منظر اور ہر محل کے مطابق اُس محل کی ضروریات کو قصہ آجم کر کے بیان کیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اُنکی زبان کی گھلاوٹ اور روانی کہیں بھی اس بات کو ظاہر نہیں ہونے دیتی کہ یہاں آورو کا جال بچھا ہوا ہے۔ یہی حال شوق کا ہے کہ دہ زبان کی شستگی اور محاورات کے پھیر میں گم ہو جاتے ہیں۔ اور چونکہ واردات قلبی کو بھی نہایت ملائم الفاظ میں محاورات اور روزمرہ کا زیور پہنا کر لاتے ہیں۔ اس واسطے یہ نہیں چلتا کہ یہ آمد ہے یا آورد۔ بہر نوع میر صاحب کی عشقیہ ثنویاں نہایت صاف اور ان باتوں سے بری ہیں۔ اور پھر ثنوی کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں وہ بھی ان کے ہاتھ سے نہیں جاتیں۔ تسلسل کا سررشتہ نہایت مضبوط ہے۔ مبالغہ سے پاک اغراق اور غلو سے مُبرا ہیں۔ تشبیہیں کم ہیں۔ مگر جہاں کہیں ہیں وہ بہت بلند ہیں۔ پھر بھی اس بات سے انکار نہیں کہ وہ ثنوی کے موجد ہیں اور اُس قسم کے قصوں کو شاید آردو میں پہلے انھوں نے ہی نظم کیا ہے اگرچہ ان کے دور حیات ہی میں اس کی کثرت ہوئی اور اُنکے اکثر معاصرین نے ثنویاں لکھیں جبکہ بعد میر کی استاد ہی کے احترام کے سوائے کوئی خاص امتیازی شان ان میں باقی نہیں رہی۔

اب اُن شنویوں کو دیکھنا بھی نہایت ضروری ہے جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بہت گری ہوئی ہیں۔ سب سے پہلے یہ بات ملحوظ رہنا چاہیے کہ عشقیہ شنویاں جو اُردو میں شروع ہوئیں وہ صرف فارسی کا اتباع ہیں۔ اور یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے کہ فارسی میں بہتر سے بہتر رزمیہ اور نیمہ شنویاں ہیں جو شاعری کی داخلی اور خارجی خوبیوں سے بھری ہوئی ہیں مناظر کے نقشے۔ محاکات کی خوبیاں۔ زبان کی لطافت۔ بیان کی صفائی۔ سبھی کچھ اُن میں موجود ہے پھر اگر اُن کو دیکھتے ہوئے زبان اُردو میں بھی اس قسم کی چند شنویاں پیش کی گئیں تو کچھ زیادہ نئی بات نہیں۔ بخلاف اس کے ایسی چیزیں جن پر میر صاحب نے قلم اٹھایا ہے فارسی میں بھی بہت کم ہیں اُردو میں تو اُن سے پہلے ہونے کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ دنیا۔ جھوٹ۔ ہولی۔ اژدہ نامہ۔ تنبیہ الجہال۔ تعریف آغاز شید۔ نذرت آئینہ دار۔ کتے کے پالنے والے کی بھوپو کوں۔ مرغ بازی۔ غم نداری۔ بزمِ بخر۔ بوزنہ۔ موہنی بلی۔ کتے بلی کی دوستی۔ خروس وغیرہ۔ یہ سب نذرت سے خالی نہیں ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ شاعر کے لیے نہ ان میں بیان کی وسعت کی گنجائش ہے۔ نہ تخیل کی بلندی کا امکان ہے۔ نہ مناظر ہیں۔ نہ مراحل ہیں۔ نہ باغ ہے جس میں روشوں و رنگوں اور پھولوں کی تعریف کی جائے۔ نہ آجوبہ ہے۔ نہ ساتی و شراب ہے۔ نہ معنی و رباب ہے۔ پھر بھی اپنے زورِ بیان کی عظمت کو بہترین الفاظ۔ برجستہ محاورات کے بر محل استعمال سے قائم رکھنا اور وہ سب چیزیں جو بڑے قصوں کی شنویوں میں ہوتی ہیں اسی میں سے آنا کس قدر دشوار چیز ہے۔ پھر جب یہ سب چیزیں اُنکی اس قسم کی شنویوں میں موجود ہیں تو انکو نظر انداز کرنا زیادتی کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے۔

اب ذرا اُن شنویوں کو بھی دیکھیے جن میں اُن کو تفصیل کی گنجائش مل گئی ہے۔ اپنے گھر کا حال۔ برسات کی شکایت۔ وہ سفر جو برسات کے زمانہ میں کیا تھا اور جو تنگ نامے کے نام سے موسوم ہے۔ کتھدائی آصف الدولہ۔ دونوں شکار نامے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن میں مناظر۔ قدرت بیان۔ کثرت الفاظ۔ محاکات۔ حسن بیان۔ ربط و تسلسل وغیرہ اس حد تک ہیں کہ اُن کو دیکھ کر اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ شنوی کے بلا شرکت غیرے مالک ہیں۔ اور گو عشقیہ شنویوں میں اُن کے حریت بھی ہیں۔ مگر ان میں ان کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اور یہ ایسے شاہکار ادب ہیں جو زبان اُردو کے سرمایہ کے لیے باعثِ ناز ہیں۔

**مدحیات میر** | انہائے ملوک۔ امرا۔ اور اہل دول کی مدحیات میں میر صاحب کا رتبہ سودا سے زیادہ بلند نہیں ہے اور اسکی وجہ اُنکی فطری کبیدگی۔ افسردہ خاطر۔ استغنا۔ خودداری سے زیادہ نہیں۔ وہ خوشامد۔ دربارداری اور اُسکے تشیب و فراز سے یاد آتے ہی نہ تھے۔ یاد آتے تھے تو ان کا تھل اُنکی نازک دماغی سے ہونہ سکتا تھا۔ اسی وجہ سے اُن کو اس قسم کی مدحیات میں جو زیادہ تر قصیدوں سے وابستہ ہوتی ہیں۔ دوسرے حرفیوں کی طرح کامیابی تو نہ ہوئی۔ مگر اسکے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ ان کا اس چیز میں کوئی درجہ ہی نہیں۔ بلکہ بھنگی کلام۔ معلومات فن۔ تھکیل کی کارپردازی وغیرہ یہ تو سب کچھ ہے۔ اگر نہیں ہے تو شان نیاز مندی کا وہ جوش اور مدوح کی جاوید حمایت کا وہ خروش نہیں جو قصیدے کی جان اور قصیدہ نگار کی ارفع و اعلیٰ شان ہے۔

**ہجویات میر** | قبل اسکے کہ ہجویات پر کوئی غائر نگاہ ڈالی جائے۔ یہ معلوم کرنا ضروری ہے۔ کہ کسی ہجو کرنے والے کو ہجو کی ضرورت کئی وجہوں سے ہوتی ہے [یا ذاتی خواص کی بنا پر خواہ اُسکے وجوہات کچھ بھی کیوں نہ ہوں۔ یا کسی فعل کسی رسم کو قبیح سمجھنے پر۔ یا کسی دور کی سوسائٹی کی مختلف خرابیوں پر۔ یا کسی جماعت یا اس جماعت کے کسی فرد کے اخلاق و عادات کو بُرا جانے پر۔ یا فطرتاً اور طبعاً کسی شے سے تنفر کرنے اور اُسکو مکروہ سمجھنے پر۔ یا کسی شخص اور کسی چیز سے اذیت اُٹھانے پر۔ یا صفت مسخر اور تضحیک کی نیت سے۔ یا حکومت و ارکان حکومت کی خامیوں پر۔ یا مذہب اور رسم و رواج کے تعصب پر۔ غرض ایسی ہی چیزیں ہیں جو ہجو کی بانی ہوتی ہیں۔

ہجو میں طعن۔ طنز۔ تشبیہ۔ پھبتی۔ ظرافت۔ مسخر وغیرہ سبھی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور کبھی محض ایک چیز ہی پر پوری ہجو کا انحصار ہوتا ہے۔ اسی طرح ذاتیات کو بھی ہجو میں پورا دخل ہوتا ہے۔ مگر وہ ہجو بدترین ہجو ہے جس میں ذاتیات کے جھگڑوں کو بروئے کار لا یا گیا ہو۔ یا اس میں مذہبی تعصبات کو دخل دیا گیا ہو۔ یا فواحش سے زبان قلم کو آلودہ کیا گیا ہو۔ یہ بات سودا کے یہاں بہت زیادہ ہے۔ بخلاف اسکے میر صاحب کا دامن زیادہ تر ان الواث سے پاک صاف ہے۔ اُنھوں نے نہ کہیں مذہبیات کی طرف رُخ کیا ہے۔ اور نہ اختلاف مذہب کے سبب حرفیوں کو بُرا کہا ہے۔ نہ سودا کی طرح کسی کی ہوبیٹیوں کو گالیاں دیکر مسخر کیا ہے۔ بلکہ اُن کی تمام تر ہجویات کوئی نہ کوئی اصلاحی پہلو لیے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میرے نزدیک سب سے زیادہ ہجو بلا س رائے کی ہے جس میں میر صاحب کچھ نہ کچھ اپنی حدود مقررہ سے بڑھ گئے ہیں

مگر بھر بھی ہجو کا اصل نشا و ہوی شریف گردی کا نقشہ کھینچنا۔ اور کم مایہ کم پایہ لوگوں کا عروج دکھانا ہے۔ دوسری ہجو۔ ہجو لشکر میں سلطنت مغلیہ کے آخری دور کی اہتری۔ بے زری اور امر کی بے پرواہی کی ایک مکمل تصویر پیش کرنا۔ تیسری ہجو خواجہ سرا کے کو ایک خاص انداز میں لکھا گیا ہے۔ یعنی صرف ایک حکایت کہ کہ کنا میتہ تو فیضی پر دے میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ ہر یکے را ہر کارے ساختند۔ آدمی کو چاہیے کہ اپنے رتبے اور اپنے عہدے سے زیادہ باتیں نہ بنائے۔ شوقی ہجو مرغبازاں میں لکھنؤ کی سوسائٹی کی کمزوریاں اور خرابیاں بیان کی ہیں۔ اسی طرح اپنے گھر کی خدمت میں دو شنوایاں کہی ہیں۔ مگر اُن میں محاکات اور تفصیل کا کمال دکھایا ہے۔ انکو پڑھ کر آج تک میر صاحب کی مجبوری مندوری افلاس ادبار کی افسردہ تصویریں سامنے آ جاتی ہیں۔ برسات کی ہجو مناظر نگاری کا بہترین نمونہ ہے۔ ہجو ناہل میں اپنے آپ کو اپنے مقابل کے مقابلہ میں اعلیٰ و افضل ثابت کرنے کی مکمل کوشش اور اُسی کے ساتھ اُس کو حقیقی نا اہل ثابت کرنے کی سعی ہے۔ کتے پالنے والے کی شنوی ایک ناصحانہ کارنامہ ہے۔ تنبیہ الجھسال جاہلوں کے واسطے تازیانہ عبرت ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ فن نظم کا بڑا درجہ ہے۔ اور ہر عامی اسکو اختیار نہیں کر سکتا۔ از در نامہ میں اپنے معاصرین کو صرف شاعرانہ انداز میں بُرا کہہ کر اپنے آپ کو بُرا نہ دیا ہے۔ اور اسے مجرم صرف وہی نہیں ہیں بلکہ مہذبانہ پیرائے میں بہت سے نام آور بھی کر چکے ہیں۔ خدمت آئینہ دار سے ولی نفرت کا اظہار ہوتا ہے۔ میر صاحب کی وضع داری اور اجلافت و اشرف میں فرق کرنے کا انداز اس سے معلوم ہوتا ہے۔ شنوی خدمت کذب میں طنز و گنہایہ اور آپ بیتی داستان ہے۔ جس کو سنکر لطف آتا ہے۔ ہجو اکول کی بنا صرف تسخر اور مزاح پر ہے اس سے زیادہ نہیں۔

اُن کی ہجویات کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ الفاظ مناسب کو اس طرح سے صرف کرتے ہیں کہ نہ صرف نظم کا بلکہ ہجو کا زور چار چند ہو جاتا ہے۔ وہ اس فن میں معلومات کے دریا بہاتے چلے جاتے ہیں۔ اور بائیکہ ہجو سب سے بُری چیز ہے۔ مگر سب سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔

اُن کی ہجویات میں بے باکی۔ اور ادب و باشی کا کوئی نام و نشان نہیں۔ بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ایک جماندیرہ گرم و سرد زمانہ چشیدہ کچھ نصیحتیں کر رہا ہے۔ اور کہیں کہیں وہ اپنے انداز کلام میں ظرافت اور زہر خند کو بھی شامل کر لیتا ہے۔

اُن کی ہجویات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجو تو ضرور کر رہے ہیں۔ مگر دل کے بُرے نہیں۔ وہ زبان سے سب کچھ کہتے جاتے ہیں۔ مگر عداوت کے غبار سے ان کا دل پاک ہے۔

اُن کی ہجویات تہہ دہی ہیں کہ وہ بحرِ قنار زما نے کی روش سے تنگ آکر کچھ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ورنہ اُن کو کسی سے عداوت ذاتی نہیں۔ ہجویات میں اُن کا مقابلہ اُن کا معاصر سودا ہے۔ اور اسکو اس فن خاص میں اُن سے بہت آگے بتایا جاتا ہے۔ اگر بیباکی۔ شوخ طبعی۔ سخر۔ تلخ گوئی۔ فحاشی ہی کا نام ہجو ہے تو بیشک یہ خیال درست ہے۔ ورنہ اصل یہ ہے کہ میر طرز و تعویض کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ صرف ہجو ہی نہیں اُن کے نشین کلام میں بھی طنزیات اس درجہ کے ہیں کہ جبکہ کہیں جواب نہیں۔ اور ہجو تو طنز کی اتنی محتاج ہے کہ جتنی دوسری چیز کی نہیں۔ پھر ان کی ہجویات پر دوسروں کی ہجویات کو ترجیح دیدینا بے سوچے سمجھے ایک بات کہہ دینا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اُن کی طنزیات کہیں بھی حاسدانہ اور مخاصمانہ انداز کی نہیں ہیں۔ بلکہ ہر جگہ معلوم ہوتا ہے کہ طنز کرنے والا ایک پُر سوز دل رکھتا ہے۔ وہ جس آگ سے خود جلا ہے اس سے دوسرے کو بھی جلا نا چاہتا ہے اور بس۔

**تصانیف امیر** (۱) کلیات نظم اردو جس میں غزلیات کے چھ دیوان۔ شذایاں۔ تہمینیں۔ قطعات۔ رباعیات۔ ترکیب بند۔ ترجیع بند۔ واسوخت۔ قصاید۔ وغیرہ سمجھی چیزیں شامل ہیں۔ اور جن میں سے ہر صنف کلام کے متعلق علیحدہ علیحدہ اظہار خیال کیا گیا ہے۔

(۲) نکات الشعرا۔ یہ اردو کے قدیم شعراء کا تذکرہ ہے۔ جو فارسی زبان میں لکھا ہے۔ اور ریختہ گوئیوں کا سب سے پہلا تذکرہ ہونے کا اس کو شرف حاصل ہے۔ اگرچہ اس میں شعرا کے حالات بہت مختصر ہیں۔ مگر جو کچھ ہیں وہ بہت غنیمت ہیں۔ میر صاحب نے اس میں کہیں کہیں کسی شاعر پر اعتراض بھی کیے ہیں۔ اور بہت سی جگہ دل کھول کر داد بھی دی ہے۔ جس سے ہلکی سی تنقید کی جھلک دکھائی دے جاتی ہے۔ اس تذکرہ کی عبارت نہایت سلیس اور با محاورہ ہے۔ تصنیف ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۵۲ء

(۳) ذکرِ میر۔ یہ میر صاحب کے واقعات اور سوانح عمری کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ اس میں شاعرانہ حالات اور واقعات نہیں ہیں مگر پھر بھی تاریخی حیثیت سے نہایت کار آمد ہے۔ سلطنتِ مغلیہ کے آخری دور کی کمزوریوں اور شریف گروہوں کا عبرتناک مرقع ہے۔ اس کی فارسی عبارت بے انتہا چست ہے۔ کہیں کہیں مقفیٰ بھی ہے۔ مگر اس سے عام رو

کے مطابق مطلب و مقصد کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

(۴) فیض میر۔ یہ فارسی زبان میں ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جسے انھوں نے اپنے صاحبزادے فیض علی کے لیے لکھا۔ اس میں درویشوں کے پانچ قصے۔ اور میر صاحب کی عقیدت مندی کا بیان ہے۔ آخر میں کچھ غزل طیفے بھی تھے۔ مگر ان کو حذف کر کے مولوی مسعود حسن صاحب نے ادیب اردو لیکچرار یونیورسٹی لکھنؤ نے مع ترجمہ شائع کر دیا ہے۔

(۵) مجموعہ مرانی۔ اگرچہ مجھے اسکے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا لیکن اُس کا وجود یقینی تھا۔ معلوم ہوا کہ مولانا مسعود حسن صاحب رضوی ادیب کے کتب خانہ میں یہ موجود ہے اور ضخامت میں بھی اچھا خاصہ ہے لہذا میں نے ایک نظر اُس کو دیکھا۔ چونکہ پورے طور پر پڑھا نہیں اس لیے میں میر صاحب کی مرثیہ گوئی کے متعلق کوئی رائے نہیں رکھتا یہ مجموعہ ۱۲ پائیر صفحہ میں ہے۔

(۶) دیوان فارسی۔ یہ ہنوز مکمل طور پر طبع نہیں ہوا مگر میں نے مکمل دیوان قلمی دومرتبہ دیکھا۔ مقدمہ لکھنے کے بعد مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی کے کتب خانہ کا موجودہ نسخہ بھی نگاہ سے گزرایا۔ تقریباً دو سو صفحہ ۱۲ ۱/۲ پر ہے۔ میر صاحب کی فارسی شہر نہایت بہتر ہے۔ اگرچہ مادری زبان نہ ہونے کی وجہ سے فارسی کے بعض محاورات میں اُن سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ مگر اسکے باوجود بھی اُن کی طرز خاص۔ روانی۔ اور شگفتگی عبارت داد کے قابل ضرور ہے۔ اور کیا تعجب ہے اگر فارسی دیوان میں بھی وہی دلکشی وہی خاص ترکیبیں اور محاورات وہی سوز و گداز۔ وہی تیسر کی رنجیت گوئی کا انداز موجود ہو۔ اسی وجہ سے نہایت صفائی کے ساتھ یہ کہہ دینا چاہیے کہ وہ اگرچہ صرف میر کے انداز رنجیت گوئی سے کچھ گرا ہوا ہے لیکن دیکھنے والے کے لیے جاذب توجہ ضرور ثابت ہوتا ہے اور اسی لیے اگرچہ میر صاحب کو ہندوستان کے بعض مشاق فارسی گویوں کی صف اعلیٰ میں جگہ نہیں دی جاسکتی۔ پھر بھی وہ قابل ذکر ضرور ہیں گو میر صاحب اپنے کلام فارسی کو قابل اعتناء نہ جانتے تھے اور جانتے کیونکر۔ شاعری جذبات قلبیہ کے ہیجان کا نتیجہ ہے۔ مگر جب شعر صرف تعفن طبع کی نیت سے کہا جائے تو پھر اس کا کوئی خاص درجہ نہیں رہتا۔ میر صاحب نے بھی یہ دیوان خانہ پریمی کے لیے کہا تھا۔ چنانچہ مصحفی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے۔ ”دعویٰ شعر فارسی ندارد۔ مگر فارسیں ہم کم از رنجیت نیست۔ می گفت کہ سارے رنجیت موقوف کردہ بودم در آن حال دوترا شوق گفتہ تدوین کردم۔“ اگرچہ مصحفی کی رائے ان کے فارسی کلام کے بارہ میں سراسر ہماری تائید کرتی ہے۔

مگر جو اصل حقیقت اور قدر و قیمت ہے وہ میر صاحب کے اشعار سے معلوم کرنا چاہیے۔	
اے زانعام تو داشت غنیمت اسکان ما با کرم گر کار افتد جرم مارا نیست قدر دیدہ تر کے تسلی بخش عاشق می شود این نہ پنداری کہ مردن موجب سودست	آب در جودار و از لطف تو باغ جان ما یک پرکاه است کوه شاخ عصیان ما منع طوفان شود یارب سرشکان ما مرگ ہم یک منزل است از راه پایان ما
میر اگر این ست جوش گریہ در بحر ان یارب ابر خواہد برد آب از دیدہ گریان ما	
چرا شکند کز ازل بوده است	سرے با شکستن بسوئے مرا
بمردن تسلی شدم ورنہ میر نہایت نبود آرزوئے مرا	
زنی تا چشم برہم ہر رنگ کینہ میگیرد	مروت آشنائی نیست ہرگز خوش نگاہاں را
بایراں میر دم دہ یا نزوہ بنیم غنایت کن رہ آور دست میر اشعار تو اہل صفایاں را	
اشک گرم ہمہ درد است خدا را در یاب گرچہ موجود نہ گشتیم دے سہل گیر	از رہ دور دل میں قاصد زود آمدہ را این غلط کاری و ہم بہ نمود آمدہ را
از احکایت غم دل میتوان شنید یکرہ تو ہم برس ازو اے نسیم صبح غافل ز دل نشو کہ غنیمت شمر دہ اند	با خوب میکنیم بیان این مقالہ را من خود نیافتیم سبب غم لالہ را اہل نظر ملاحظہ کنیں رسالہ را
سینہ صاف ہائے من از گریہ ویرنیہ است	سیلہا جاروب کشی بودہ است این ویرانہ را
طالع آنکہ بہ پنج میر کہ عشق رسید اکیہ داری سراں کو چہ اگر خواہی رفت	سر ہر صید نہ بند نہ بہفتراک آنجا یادگار نیست ز ما ہم دل صد چاک آنجا
میر جائے کہ بہ نیران محبت میسوخت صبح دیدیم بجا ماندہ کف خاک آنجا	
شدہ تیغ بلند کشتہ شدیم سر کن اشعار ما تم دل میر	ماندیم روئے قاتل را بر بخوان واقعات مقبل را

بجج ماتیاں حرف من اثر دارو	بہ بزم عیش نہ اندکسے زبان مرا
راضف میر بخشیم کسے نمی آیم	لطفے است چو جاں جسم ناتوان
بخت دیدہ نناک ساغرے ناب	بہ بخش بار خدا یا شراب خواراں را
ز باز پرس قیامت چہ غم کہ بن باشد	وسیلہ سز زلفش سیاہ کاراں را
نحت دل ہر شب بد انا نم نمی دامن چہرا	ہر سحر سر در گرہ بیانم نمی دامن چہرا
باب لطفش نیستم لیکن چو از رہ میرسم	بر در او دیر سیمانم نمی دامن چہرا
چارہ من دلربایاں جلد میدانند لیک	کس نیگوید کہ میدانم نمی دامن چہرا
او غور حسن دارد ز ایں سبب پرداش نیست	منکہ ضبط خویش نتوانم نمی دامن چہرا
دستے شد میر مرثکا نم ز من برگشتہ است	خارجارش هست با جانم نمی دامن چہرا
دل کہ در سینہ می پیید مرا	این زماں از مرہ چکید مرا
دست ہر دم بہ تیغ بردن او	میر در خاک و خون کشید مرا
اگر کہ چو آفتاب بسرمی رسیدہ باش	اقتاد گاہ سایہ دیوار خویش را
جو رو جفاست کار تو دمن ز سادگی	موقوف رحم داشتہ ام کار خویش را
بود اسے ماست میسر بہ عیار پیشہ	کو بار بار فروخت خریدار خویش را
ماہ یک دید چمن از دور دل خوش میکنیم	بر نہ تابد منت گل گوشہ دستار ما
من خجاک رہ برابر گشتم ویکرہ نگفت	بود خاک افتادہ در سایہ دیوار ما
کاروان گریہ ایم و نیز اندل می رسم	نیست چہیزے میر غیر از درد و غم دربارا
بیا بہ طوف شہید نگاہ خواہاں را	بہ بی مروت چشم سیاہ خواہاں را
لک اگر ہمہ بر سرش می بردن	جگر سجا کہ نوید گناہ خواہاں را
عمر من بر در کسے بگزشت	کہ نیاید یکے بخج نہ نا



حیف در شوره زار عالم میر  
سبز ناگشتہ سوخت دانہ ما

ماکہ سیر عالمِ تنزیہِ عمر سے کردہ ایم  
خرمی معلوم شد لفظِ زبانِ دیگر است  
وست ایجا نمی آید بچشم تنگ ما  
ایں لفت جائے نمی بایند در فرنگ ما

میر صاحب کے وہ دو جوشاعر تھے | میر صاحب کی اُفتاد طبیعت - خود داری - عزت پسندی - استغنا کی وجہ سے کس کو گمان ہو سکتا ہے کہ اُن کے کچھ شاعر دوست بھی ہونگے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ وہ خود داری - خود پسندی - مگر اُن کی خود داری اور خود بینی نا اہلوں کے ساتھ تھی۔ وہ گردن بلندوں کے سامنے سر نیاز نہیں جھکاتے تھے۔ اور اُن سے ہمچشمی اور مساوات کا برتاؤ رکھتے تھے۔ جیسا کہ اُن کے اکثر واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر اپنے دوستوں کے ساتھ سراپا ارتباط اور سراپا اختلاط تھے۔ اور جب اُنکی دیر آشنائی ختم ہو کر دوستی و محبت کا رنگ بدلتی تھی۔ پھر اس میں کبھی فرق نہ آتا تھا۔ چنانچہ نجسم الدین علیخان سلام - خلف شرف الدین علیخان پیام اُن کے ہر وقت کے دمساز اور رفیق - حریفِ ظرفیت اور خالص دوست تھے۔ اُن کے ساتھ برابر مشقِ سخن سنجی بھی ہوتی تھی۔ اور گپیں بھی لڑائی جاتی تھیں (۲) خواجہ میر درد یہ بھی میر صاحب کے مخلص دوست تھے اور میر صاحب خود بھی ان سے خلوص برتتے تھے۔ ان کے یہاں جو ہر مینے کی پندرہ تاریخ کو مشاعرہ ہوتا تھا۔ میر صاحب اس میں برابر شریک ہوتے تھے۔ اور آخر میں انھیں کے ایسا سے یہ مشاعرہ میر صاحب کے مکان پر منعقد ہونے لگا تھا۔ (۳) میر سجاد - یہ اکبر آباد کے باشندے تھے مگر قیام ان کا بھی شاہجہاں آباد میں تھا۔ انکے یہاں بھی مشاعرہ ہوتا تھا اور میر صاحب التزاماً اس میں شریک ہوتے تھے۔ ان کے ساتھ میر صاحب کو اخلاص تھا۔ (۴) میر ولایت علیخان برادر محشم علیخان حشمت - (۵) اشرف علیخان فغان (۶) محمد اسماعیل بیاب (۷) انعام اللہ خاں یقین (۸) میاں شہاب الدین ثاقب (۹) سید عبدالولی عزت (۱۰) میر عبدالحی تاباں (۱۱) حسن علی شوق (۱۲) قائم چاند پوری - (۱۳) فضل علی دانا (۱۴) میر حسن (۱۵) ہدایت اللہ ہدایت (۱۶) محمد عارف عارف (۱۷) بیدار (۱۸) لڑیک چند بہار (۱۹) میر عبدالرسول نثار (۲۰) محمد امان اللہ غریب (۲۱) محمد حسن محسن - (۲۲) ضیاء الدین ضیاء (۲۳) میاں ابراہیم (۲۴) میر گھاسی میر علی نقی (ان کے یہاں بھی مشاعرہ ہوتا تھا)۔

میر صاحب کے شاگرد | میر ایسی طبیعت کے لوگوں کی شاگردی کو نباہنا بڑا مشکل کام ہے۔  
تھکر کا کلیجہ نولا دکا دل ہوا تو یہ صحبت برآ رہتی۔ اسی لیے بہت سے لوگ اُن کی تنک مزاجی سے  
عاجز آ کر دوسروں کے شاگرد ہو گئے۔ اور اب صحیح طور پر یہ نہیں چلتا کہ کتنے لوگ ایسے تھے  
جنکو اُنکے تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ پھر بھی سر شاہ سلیمان صاحب نے انتخاب ثنویات میر میں  
نام گناے ہیں۔ سخن۔ عشق۔ آرزو۔ آبرو۔ راسخ۔ تجلی۔ ان کے علاوہ۔ نثار۔ جگن۔ محمد۔ جنوں۔ شکیلا  
بھی اس زمرہ میں داخل ہوئے۔ مگر افسوس ہے کہ اتنے بڑے کامل الفن کو کوئی ایسا شاگرد  
نہ ملا جو ان کے نام کو زندہ رکھتا۔

میر صاحب کے حریف | (۱) خاکسار۔ اُنھوں نے سید الشعراء اپنے لیے خطاب تجویز کیا تھا۔  
جو غالباً تخلص تیسر کا جواب تھا۔ میر صاحب کے تذکرے نکات الشعراء کے جواب میں ایک تذکرہ لکھا  
تھا۔ جو ہمیشہ نایاب رہا اور اب بھی نایاب ہے۔ میر صاحب نے ان کے کلام پر اعتراض بھی کیا ہے  
اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اُن سے اُن کو ان سے ایک قسم کی مخالفت تھی۔ (۲) عاجزیہ بھی  
میر صاحب کے حریف تھے اور میر صاحب نے ان کے کلام پر اعتراض بھی کیا ہے (۳) بقا  
یہ میر و سودا دونوں کے حریف تھے اور دونوں استادوں کے کمالات فن کے قائل نہ تھے۔  
چنانچہ ایک مرتبہ میر صاحب کے لیے کہا

اور بستی نہیں یہ دلی ہے

اکڑی اپنی سنبھالیے گا میر

ایک مرتبہ یہ کہہ کر دونوں کو لے ڈالا

بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی  
اے بقا ہم نے جب زیارت کی  
ایک تو تو کہے ہے اک ہی ہی

میر و مرزا کی شعر خوانی نے  
کھول دیو ان دونوں صاحب کے  
کچھ نہ پایا سوائے اسکے سخن

ایک مرتبہ بقا نے یہ شعر کہا

ہلکڑے جو مرے دل کے بستے ہیں آج ہیں

سیلاب آ نکھوں کے رستے میں جڑے ہیں

اسکے بعد میر صاحب کا یہ شعر اُن کی نگاہ سے گزرا

سو کھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دو آہ

دے دن گئے کہ آنکھیں ندیاں سی بہتیاں تھیں

بقا نے سمجھا کہ تیسر نے میر سے یہاں سے سرقہ کیا ہے۔ اس پر جھنجھلا کر یہ قطعہ لکھ ڈالا۔

اے بقا تو بھی دعا دے جو دعا دینی ہو

میر نے گرترا مضمون دو آہ کا لیا

یا خدا میر کی آنکھوں کو رو آہ کر دے اور مینی کا یہ عالم ہو کہ تر مینی ہو سودا۔ اگرچہ میران کو اور یہ میر کو استاد فن جانتے تھے۔ پھر بھی دونوں کے دیوانوں میں ایسے شعر موجود ہیں جن میں ایک دوسرے پر چوٹیں کی گئی ہیں۔ ان لوگوں کے علاوہ بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں جنکے لیے میر صاحب کے قلم سے توصیفی جملے نکلے ہیں یا انکی مذمت کی گئی ہے مگر ہر ایک کو انتخاب کرنا فرصت چاہتا ہے۔

میر صاحب کے اخلاف و اعزا میر صاحب کے دو بیٹے تھے۔ ایک میر عسکری عرف میر کلوترن۔ مگر نساخ کا قول ہے کہ یہ زار تخلص کرتے تھے۔ دوسرے میر فیض علی فیض۔ جو اکثر مواقع پر میر صاحب کے ساتھ رہے۔ بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ ان میں بھی باپ ہی کی طرح عجب و تکبر پایا جاتا تھا۔

تذکرہ شمیم سخن کی روایت ہے کہ میر صاحب کی ایک لڑکی بھی شاعرہ تھیں اور بیگم تخلص کرتی تھیں۔ ان کے نام سے دو شعر بھی نقل کیے گئے ہیں۔ میر محمد رضی ان کے حقیقی اور محمد حسن اور محمد حسن ان کے سوتیلے بھائی تھے۔ خان آرزو ان کے سوتیلے ماموں یا خالو تھے۔ محمد حسین کلیم میر صاحب کے عزیز قریب اور بہنوئی تھے۔ یہ دلی کے باشندے اسحاق خاں شہید کے بھائی اور مرزا محمد علی کے متوسلین میں تھے۔ میر قمر الدین مینت وغیرہ بھی ان کے عزیز تھے۔ بھتیجی ان کے بھانجے اور داماد تھے۔ اور محمد حسن خود بقول میر صاحب ان کے برادر زاوے تھے۔ اور نہ معلوم کتنی ایسی ہی رشتہ داریاں ہونگی جنکی تفصیل لکھنا اور ڈھونڈنا بیکار ہے۔

## کلیات میر بصورت موجودہ

کلیات تیر کے ایڈیشن متعدد مرتبہ شائع ہو چکے ہیں۔ اور سب سے پہلا چھپا ہوا وہ نسخہ ہے جو کلکتہ فورٹ ولیم سے کاظم علی جوآن وغیرہ کی تصحیح و نظر ثانی کے بعد غالباً میر صاحب کی زندگی ہی میں شائع ہو گیا تھا۔ یا شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ یہ نسخہ دوسرے مطبوعہ نسخوں سے زیادہ صحیح ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے کہ اسکو مستعملیہ سمجھا جائے اس میں اکثر جگہ قبیح غلطیاں رہ گئی ہیں یہ نسخہ تصحیح کے وقت ہمارے پیش نظر تھا۔ اسکے علاوہ دوسرا وہ نسخہ جو نو کشور پریس ہی سے ۱۹۶۷ء میں بغیر حاشیہ کے چھپا تھا۔ اسکے بعد بھی جو اور ایڈیشن یہاں سے چھپے وہ بھی موجود

ان کے علاوہ دو قلمی قدیم نسخے جو مکمل تو نہ تھے مگر پھر بھی دونوں کو ملا کر بہت سا کام دے سکتے تھے۔ ان میں کا ایک نسخہ ۱۲۴۹ھ کا لکھا ہوا تھا۔ تیسرا ایک قلمی نسخہ جس میں صرف اول دوم دیوان ہے جو لکھنؤ محلہ نوبتہ میں لکھا گیا تھا یہ کہ مطبع ہند کے محفوظ نسخوں میں موجود ہے وہ بھی ہمیشہ نظر تھا ثنویات کا انتخاب جو سر شاہ سلیمان صاحب نے شائع کیا ہے۔ ان سب نسخوں سے مقابلہ اور تصحیح کر کے۔ ان کے علاوہ بھی دوسری جگہوں سے امداد حاصل کی گئی۔ اور اب سید کہ یہ کتاب ان تمام نسخوں سے بہتر ثابت ہوگی جواب تک کلیات میر کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ چونکہ قلمی نسخوں کی ترتیب مختلف تھی۔ اور مطبوعہ سب نسخوں کی ترتیب ایک تھی انہیں ایک خاص نقص یہ تھا کہ کوئی چیز ترتیب وار نہ تھی۔ کہیں عشقیہ قصہ ثنوی میں اور اسی کے ساتھ ہجو اسی کے بعد مدح وغیرہ۔ لہذا ہر چیز کا ایک سلسلہ علیحدہ قائم کر کے ہر ایک کے پہلے صفحہ میں ٹائٹل یا لوح کی ایک صورت قائم کر دی گئی۔

مطبوعہ نسخوں میں بعض چیزیں نامکمل تھیں ان کو قلمی نسخوں کی مدد سے مکمل کیا گیا۔ اور بعض چیزیں نئی زیادہ کی گئیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ترجیع بند و منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو صفحہ ۶۰ پر درج ہے اسکے اول کے سات بند اور بند ششم کے تین شعر کسی مطبوعہ نسخے میں نہیں ہیں۔ یہ ایک قلمی نسخے سے لیے گئے۔ اسی طرح دو ثنویاں جو درج ذیل ہیں کسی مطبوعہ نسخے میں نہیں ہیں یہ قلمی دستیاب ہوئیں۔ دو غزل جو دوسرے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہے قلمی نسخوں سے لی گئی۔

میر کے کلام میں بہت سے ایسے اردو الفاظ مستعمل ہوئے ہیں جو اب نہیں بولے جاتے اور نہ موجودہ لغات میں ملتے ہیں۔ انکو نہایت تحقیق سے لکھا گیا ہے۔ نیز فارسی کے اکثر مشکل محاورات جو دوسرے شعرا کے یہاں نہیں وہ کلام میر میں ملتے ہیں۔ ان سب کے لیے ایک فرنگ مرتب کر دی گئی ہے جو آخر میں شامل ہے۔

چونکہ یہ کلیات تقریباً گیارہ سو صفحات پر ختم ہوا ہے۔ اس لیے مضامین کی ایک فہرست بھی اول کتاب میں شامل کر دی گئی ہے جس سے کسی خاص مضمون کے نکالنے میں مدد ملتی ہے۔

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### شعری در ہجو شخصہ سچدیاں کہ دعویٰ ہمہ دانی داشت

اس چرخ بے مدار کے کیا کیا کروں گلے  
تینکا سا اُن نے جو رو جفا کرے کھا دیا  
اُس مجمع کمال کے گھر لے گیا بہ زور  
تو حید گر کہے تو وہ حق ہی بہت کرے  
مہر و علم صرف کا تھا ایک اس حرف  
یہ نکتے تم ہنسو ہو تو وہ رو کے ایک بار  
کرتا ہو بحث نحو میں جس دم وہ مانگیر  
موضوع اپنا چاتا منطق کو تس اُپر  
وصف خداقتا سکا بیاں کیجیے تو کیا  
فن بیاں میں کیسا ہے تشبیہ کس سے دوں  
پوچھو مجاز کی جو حقیقت ہو لا علاج  
اور لفظ بھی مزاج ہے نادان ہے مجاز  
پھر معنی پوچھو حکمت جو ایں مزاج کے  
اسکی دوائیں کتنی مقرر ہیں طب کے بیج  
اس کا ضاد کرتے ہیں دو چار دُرنگ  
ہریان معنی اس کا ہوا بر طرف جہاں

میرے جگر میں جیسے ستارے ہیں آبلے  
پھر تس پہ میرے رونے نے مجھ کو بہا دیا  
جس کو تمام فنوں میں گویا کہ تھا عبور  
ایسا کہے کہ بات تصوف میں ڈال دے  
پوچھو جو اسم آسمان سے تو بول اُٹھے کہ طرف  
کہنے لگے کہ اپنا یہ صیغہ نہیں ہے یار  
ہر نحو کا ہے لفظ فقط حرف یاد گیر  
محمول ابتداء ہی کو کہتا تھا بے خبر  
تجویز کرتا دیکھ کے مبطلوں کو سنا  
عالم کنایہ اس سے کیا ہے میں کیا کہوں  
کہنے لگے کہ رات سے بھیٹا ملا مزاج  
معنی کہے تو اسکے کہے قصہ دراز  
انواع یوں بیاں کرے اسکے علاج کے  
تقریض ایک ان میں ہے یعنی سیاہ کیج  
پھر استعارہ دیوں میں تھوڑا کہ جائے پک  
پھر وہ مجاز مرسل اسے صبر کر وہاں

اجالی معنی یہ کہے آخر کو یہ کہا  
 علم معانی سے جو کیا ایک دن سوال  
 لیکن مجاز عقلی کو نادان یاد رکھ  
 ہوا ب فصاحت اور بلاغت سوجانے سے  
 اک دن سوال علم توانی سے میں کیا  
 تم آب قافیہ نہ کر و لفظ خاک کا  
 لیکن مغائرہ ہو مقرر رویت میں  
 پھر شروصل و ہجر کے موزون تم کرو  
 دعویٰ بناؤں کیا ہے انھیں فنِ شعر کا  
 بے علم کرتا قافیہ تنگ اسکی جان پر  
 کہتا تھا ہائے ہائے مرے بند ہو گا کیا  
 پھر ترسبت سے انکی مجھے فائدہ بھلا  
 مرجائوں گا تو گورہ میری نہ آئیں گے  
 لیکن مجھے تو بخل نہیں ہے سنا عزیز  
 ایما اشارہ رہنے دے کہتا ہوں ب صریح  
 میں جو سنا ہے قافیہ ہے چھوٹے کاف سے  
 اور اس میں ایک لکتہ بھی کراہوں میں سیا  
 در نہ مرے ذہن کو جو اہر سے پر کرے  
 بارے وہ لکتہ یہ ہے لگا کہنے کہ خطاب  
 تصحیح صرف ہو چکی اب معنے اسکے سن  
 استادوں سے سنا تھا جو میں نہیں ہے یاد  
 ہر اک سے پوچھنے کو نہیں جانتا ہے جی  
 یہ کیمکے آپ ہی بولا کہ کہنے کا کیا حصول  
 اس شخص کا جو حدیث ہے کہ میرے یا  
 پیروید کر کہوں ہوں بنا بر میں احتیاط

تفصیل کرنے کا تو داغ اب نہیں رہا  
 کہنے لگا حقیقت عقلی تو ہے محال  
 یاں کون پوچھتا ہے دل اپنے کو شاد رکھ  
 یہ دونوں عیب شعر میں اپنے نہ کرنے دے  
 کہنے لگا کہ قید نہیں اس میں مطلقا  
 یا آتش اور باد کا زنجیر و تاک کا  
 آتا ہے یہ کچھ اپنے تو ذہن شریف میں  
 عرصہ ہوا وسیع جواب چاہو سو کہو  
 معنی جو قافیہ کے کوئی پوچھتا تھا آ  
 دے مارتا تھا ہاتھوں کو وہ اپنی رائے  
 ان احمقوں کے جینے کے پیچھے تو مر گیا  
 ٹوٹے سے بکتے بکتے انھوں کیلئے گلا  
 دو کوڑے آب کے بھی یہ ہرگز نہ لائینگے  
 سنیو تو گوش دل سے اگر ہے تجھے تیز  
 اول ہی لفظ کا نہیں ہے قافیہ صحیح  
 پس پڑھنا تو غلط ہوا اب سکا قاف سے  
 پھر بولا ہائے ہائے نہیں کوئی قدر دان  
 یہ فصل اگلوں ہوں میں مجھے سرا پر دھر  
 ہے ایک علم جفر میں بھی قافیہ کتاب  
 ورنہ لگے ہے ذہن میں ان معنیو کو گھٹن  
 اور اب جہاں کے بیج نہیں کوئی استاد  
 لائق نہیں جو پوچھے اب قافیہ روی  
 اس معنی کو کہے یہ مرے کیجیو قبول  
 ہر چند اس کو گورہ شتر جانے سب دیار  
 حریت غلط کا تانا ہو معنی سے اختلاط

یا پھل ہے وہ سنا کا جو گلتا ہے جھڑ میں  
 گر پوچھنا کوئی کہ کسے کہتے ہیں روی  
 پھر جا کے کھول جد کی اپنے کتاب  
 اغلب کہ اسے عزیز وہ جنگل کی ہے جڑی  
 اک دن بدیع میں جو اسے امتحان کیا  
 کمر جمع قلب مستوی و قلب بعض کو  
 حالانکہ تین صنعتیں کی جاتیاں بیاں  
 پوچھا جو اس سے معنی ایہام کے تئیں  
 یعنی تھا ایک قت میں اک پہلوان در  
 بہرام گوراسی ہی کو کہتے ہیں سب عوام  
 تجنیس کا سوال کیا اس سے ایک روز  
 نادان تو نے اسب تجنیس نہیں سنا  
 لاتے جہاں میں شعر میں تجنیس شاعراں  
 میں نے کہا کہ کہتے ہیں تم کو عروض داں  
 بولا کہ تیری عقل سے آتا ہے بس عجب  
 پھر میں کیا سوال بصدائے رُوحِ عجز  
 ان میں جو ہے گا فاصلہ مجھ کو بتائیے  
 بولا کہ تجھ کو عقل نہیں تاکجا کہوں  
 یہ تینوں رود خانے ہیں دہر سبط میں  
 پھر آپ ہی آپ بولا کہ اک اور فادہ سن  
 بحر طویل ایک ہے دریا بہت بڑا  
 تشیل اس کی ڈھونڈھنے اب جائیے کہاں  
 تشریح میں بھی ایک تھا وہ تلخ بے مثال  
 تاریخ داں تھا قطع نظر سب کمال کے  
 کہنے لگا تمہارے پیر کے عہد میں

یا کاہ خشک ہے جو آگے ہے پہاڑ میں  
 کتا روی غلط ہے مجھے یاد ہے روی  
 کتا مرے قیاس میں آتا ہے ہونہ ہو  
 ہوتی ہے جسکی بیل ہولوں اُپر پڑی  
 اک بار باز سامنے اُس نے وہاں کیا  
 کہنے لگا کہ عکس ہے اکثر کہاں ہے وہ  
 اور ایک سمجھا اُن کے تئیں ایسے ہی کہا  
 دینے لگا نشان مجھے اُن نام کے تئیں  
 دو انگلیوں سے اُن اُکھڑے تھے شاخ گور  
 در گور یہ تمام کہہ کہتے ہیں نام م  
 کہنے لگا اس اسب کہتے ہیں جو ہو پور  
 مشتق اسی سے جانے ہے جو ہے پھاگنا  
 مذکور ان سے ہو ہیں گھوڑوں کے وصف دا  
 بحر رمل کی مجھ سے حقیقت کدو بیاں  
 دریا کا ایک نام ہے پھر کیا کہوں سبب  
 بحر طویل بحر مدید اور بحرِ حشر  
 کابل سے لگے حیف ہے ناقص جو جائے  
 یوں تربیت میں تجھ سے کی میں کبتلک رہوں  
 ملتے ہیں رفتہ رفتہ سمجھی جا محیط میں  
 گر قابل اپنے ہونے کی دل میں ہے چھن  
 بحر خفیف ایک ہے پاس اُس کے آبنا  
 جہنا کے پاس جیسے ہے ہنیدن تھائے  
 ہر استخوان کو کہنے لگا نیم کی ہے جھال  
 کرتا سخن ضرور ہے نبیوں کے حال کے  
 تاریخ میں جو دیکھا تو عینی تھا ممد میں

کیا بارگی غصا اٹھے دجال کے اُپر  
 علم نجوم میں بھی بڑا تھا اُسے کہاں  
 اکدن کیا سوال شہانِ سلف سے میں  
 اُس نے کہا کہ خوب کہا طرفہ نقل ہے  
 امر دتھا ایک اُن نوں شیریں تھا اسکا نام  
 یہ سن کے مارا خسرو پرویز نے اُسے  
 ہے ماجرا یہی جو کہے کوئی کیا ہے کہ  
 از آب زر بہ خنجر شیر دیہ نقش بود  
 گنتا تھا خوب آپ کو علم حساب میں  
 کہتا تھا جفت پانچ کا ہوتا ہے کس شمار  
 پھر طرفہ ہے یہ کہتا اگر ہے نہ چار طاق  
 علمِ الفت میں عمر بھی اُسکی ہوئی تھی صرف  
 مثلاً کہا کہ نخل ہے کیا اسکو کربیاں  
 بولا کہ اک جزیرہ ہے سمتِ فرنگ کو  
 اب خاک سے تنگ کی واں ک نہال ہے  
 اسکے ثمر کو بعض تو کہتے ہیں تاڑ پھل  
 کہتا ہے کوئی کہ کا خرما ہے اسکا بیج  
 جس کی صدا سے گوشِ نثار بھر میں ہو کر  
 یہ کچھ لکھا ہے سارے نعت کی کتابوں میں  
 تحقیق اپنی یہ ہے کہ ہے نخلِ اصل حرف  
 وہ نخل کیا کہ جانور و چار پایہ ہے  
 سوداگر اس پہ بار کرتے ہیں چنار کو  
 سر کے میں اُسکے بالوں کا بھی کرتے ہیں چار  
 یہ کہہ کے آپ ہی بولا بان ریش اور شش  
 کرتا تھا شہ کمانی میں اپنے تئیں و خیل

پھر تراب سے مجھ کو علم نہیں ہے کہ ہیں کدھر  
 شاید کہ اس ستارے کا ہے کاجل و بال  
 پرویز کے اُنھوں میں خصوصاً سلف سے میں  
 رکھا ہے حافظہ میں اسے جسکو عقل ہے  
 یہ اسکی دشمنی میں ہوا یونہی تلخ کام  
 بیدم کیا ہے خنجر پر تیز سے اُسے  
 اور شہو زباں سے پڑھا اپنی سو ہے مہ  
 کہیں راسب بہ تیشہ فرما دی رسد  
 لیکن بیاں دہ کرتا نہیں جو کتاب میں  
 گرد دیکھے تو اسکو وہ ہووے ہزار بار  
 پس کیوں لکھا لغت میں غنا صر کو چار طاق  
 کرتا سوال اس سے جو جا کر میں ایک حرف  
 وہ در جواب اسکے وہیں کھول کر زباں  
 مارا تھا ان فرنگیوں نے اس نہنگ کو  
 شیر و لپنگ کا وہ سدا پائمال ہے  
 بے مزدوں کا جو فرقہ ہے کہتا ہمارے  
 اک کہتے ہیں فرنگ میں ہے ایک باد بیج  
 حد نہ سے جسکے ٹوٹ گئی کوہ کی کمر  
 زبردہ ضریری شرح وقایہ کے بابوں میں  
 تصحیف ہو گئے سے جو تہو ہے ح سے حرف  
 دم اتنی لمبی ہے کہ وہی سر کا سایہ ہے  
 اس پر بناتے ہیں گے رہوں میں منار کو  
 اس ہی کو کہتے ہیں گے مدائن میں سوسار  
 آہنا ہے جو کہ اپنے تئیں سے پیش کش  
 زارخ کہاں کو دیکھ کے کہتا کہ ہے یہ چیل



دعویٰ تھا علم تیر میں اس کو بہت بُرا  
 پھر دیکھ بھال اسکو وہ کہتا کہ مجھ کو بھی  
 جب سوکھتا ہے اسکی سلاخوں کا کہ تمیر  
 غرہ تھا ڈھولک اپنی بجائے یہ اور کبھو  
 اس پر لگا ٹکڑے سے پھر شتاب  
 آواز خوش کی اسکی گلو سوزی میں بول  
 لکڑی بھی پھینکتا تھا بہت خوب سج سے وہ  
 شاگرد اس کا پوچھتا اگر اس سے آن کر  
 اسکو اگر کہیں تو کہیں کیا وہ سر اٹھا  
 تھا گھوڑے کا بھی خوب مبصر وہ خرو لیک  
 گھوڑے کی آنکھ پر تھی رسوئی گنڈ تر  
 تشریف لائے ذات شریف اسجگہ کہیں  
 کہنے لگا کہ ایک نظر مجھ کو بھی دکھاؤ  
 اس گھوڑے کے سوار کے پھر جی میں آگیا  
 لاگا سٹیس سامنے اسکے پھر آؤنے  
 ہر چند آنکھیاں پھاڑ کے دیکھے یہ کہیں  
 یکچشم دیکھ کہنے لگا نوچ پوچ خلق  
 پھر اس نظر پہ طرفہ تو یہ ہے کہ روکے خوب  
 شوخی کرے ہے ابق ایام نابکار  
 جو جو ہوئے ہیں چرخ سے پھر پرتم ملام

پرے کے لیس ہاتھ میں ہوتا جو وہ کھڑا  
 معلوم کیا ہے خوب دیکھن یہ ہے وہی  
 چاکوں اُپر کھار بناتے ہیں لیس دیر  
 آتا جو کوئی ہاتھ میں لے اسکے رو برو  
 کتار دئی بھری ہے بہت اسیں داباب  
 گاتا تو باجتا تھا کلا جیسے پھوٹا ڈھول  
 ہوتا تھا کج بہت جو کھڑا ہوتا دھج سے وہ  
 مونڈھے اُپر لگاتے ہیں جو دازان کر  
 کہتا کڑک وہی ہے جو تجھ کو دیا جتا  
 ایک میر سے مہربان تھے گھوڑا تھا انکا ایک  
 رہتی تھی اس کمیت کی وہ حامل نظر  
 واں گھوڑوں کی رسوئی کی تھیں بائیں چپ  
 یہ چشم ہے خدا سے کہ اسکا اثر نہ پاؤ  
 کھلوانگا یا تھان سے وہ اسکی مندا  
 اور آنکھ اپنے گھوڑے کی اسکو دکھانے  
 اسکو تو بھوٹی آنکھوں سے پرچھتا نہیں  
 گھوڑے کے موتر ہے رسوئی کہے ہے خلق  
 کہنے لگا کہ تب تو جہانیں پری ہے ڈوب  
 ورنہ پیادے تجھے پھر یں ایسے ہوں سار  
 جیتا رہا تو سپر کر دل گانگے تمام

اپنی تو بدزبانی نہ تھی خاے کا شمار  
 پر یہ بھی ہے جریدہ عالم میں یادگار

عطیہ

دام بابو سکسینڈ

دام بابو سکسینڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## جنگنامہ

اب کے نواب رامپور آیا  
 آگے آتا تھا بہر سیر و شکار  
 گرد تھی فوج کی سپہر تلک  
 جمع افواں پسر تھے اس جاگہ  
 یہ نہ سمجھے وزیر کوہ و قار  
 یعنی تخریب ایک آن میں ہے  
 بے نی سے وہ پیش جنگی کر  
 دیکھ کر لوگ تھوڑے ٹوٹ پڑے  
 جتھے تلوار و نہیں فرنگی سے  
 تھا تھوڑا یہ شجاعت تھی  
 تھے تلنگے روہیلے مو جنگ  
 گورے کا لے جہاد کیا تھے  
 دیو کا بھی نہ ٹھہرے پاس جا  
 سہل سردار سمجھا یہ مرنا  
 توپ پر آن کر چلی تلوار

ناگماں اس طرف خدا لایا  
 بازی کیسر روہیلی ہے اس بار  
 جنگیا اور ایک تازہ فلک  
 لیک سارے تھے جنگ ناگہ  
 ہے تحمل سے رہ میں دیر گزار  
 روکشی ان کی کسر شان میں ہے  
 دانہ دے دے گرے ہراول پر  
 کچے پھوڑے کے رنگ پھوٹ پڑے  
 مرے مارے بہت کدھنکی سے  
 ساعت جنگ یا قیامت تھی  
 لو تھوں سے ہو گیا تھا عتنگ  
 دونوں مردم گیا سے کجا تھے  
 تھا انھوں کا جہاں ثبات پا  
 اللہ اللہ ترا جگر کرنا  
 جھیل کر زخم لڑ مواسر دار

صاحب اک اور اسکی جا آیا  
 جنگ مغلوبہ تھی گتھے باہم  
 صاحب انگریز کے گرے اکثر  
 تاک کر بارگھ پہلو سے ماری  
 لشکری سب سراں سمیت رہے  
 نقش پر نقش گر کے ڈھیر ہوئے  
 پیچھے سردار تھا بٹھانوں کا  
 خواب غفلت سے چونک ٹٹھا جاگا  
 مارے بھاگوں کو فوج نے ٹوٹا  
 غارت از بس کہ لشکری لائے  
 وہ جو بھاگا تھا سرکہ سے رئیس  
 ہوتے جو ہیں روہیلہ ظلم شعار  
 رانیور میں بھی آکے رہ نہ سکا  
 بھاگواں سے ہے لیکے کچھ اسباب  
 بی پناہ ان نے جا کے زیر کوہ  
 تھا پہاڑوں کے آگے جنگل بھی  
 وہاں روہیلے ہوئے اکٹھے سب  
 عجز کی راہ سے کیا پیغام  
 بندے رہتے ہیں باوجود خطا  
 لطف کر لے امیدواروں پر  
 ہم غلامی میں ہوتے ہیں حاضر  
 کہو صاحب کو ہر حضور سے حکم  
 کہ مجھے اپنے ہاتھ لے جاوے  
 ذات نواب ہے کرم سیرت  
 معرفت اپنے جا کے لاؤ اسے

لہ وہ جس خدا کا غضب نہ

جن نے ایسی ہلا کو چنوا یا  
 مرتے تھے دونوں اور کے رستم  
 تھک گئے لڑتے مرتے ہم بیکر  
 صف الٹ دی حریف کی ساری  
 سب جو کچھ ہوئے تھے کھیت ہرے  
 بھوکے مرتے کہ جی سے سیر ہوئے  
 دیکھا جانا جو ان نے جانوں کا  
 دست پاچہ ہوا گیا بھگا  
 مرگیوں میں سے بھی اک چھوٹا  
 نقشوں سے اشرفی لپیے پائے  
 بھاگایوں جیسے شیل سپ سنیں  
 لٹتے جاتے تھے شہر راہ گزار  
 وہ خدا گیر بات کہہ نہ سکا  
 کہ لگا آیا لشکر نواب  
 واں بھی تھا ساتھ کوہ کوہ انہوہ  
 وہیں ناکہ پہ تھا پہ جنگل بھی  
 بعد دو چار پنج روز و شب  
 ہم ہیں نواب کے سکینے غلام  
 تم سے صاحب امیدوار عطا  
 رحم کر لے گناہگاروں پر  
 اب نہ خدمت سے ہو ونگے تھر  
 موجب طوع وہ ہے دور سے حکم  
 پاؤں کتنے کے عاجز آبا دے  
 کہا صاحب کو تم بصد عزت  
 پاس خیمہ میں لا بٹھاؤ اسے

یا کہ خیمہ جُدا کر و استاد  
لایا صاحب چنانچہ خود جا کر  
سر میں اسکے خیال باطل تھا  
گفتگو میں کبھی ٹکا کر نے  
چاہتا تھا کہ آپ کو مارے  
رفقا کے تئیں نکال دیا  
اُٹھ گئے جو حرا زادے تھے  
عاقبت اس کو بازہر کر بھیجا  
جمع تھے لوگ سو ریشاں ہیں  
جنگ نے صبح کے تئیں ہے نہ شام  
غالباً صبح آج کل ہووے  
لے کے اب ملک مال سب اب  
سال تار تار کا تھا مجھ کو خیال  
کاسے سخن گستر و جہاں استاد

ہم اُسے وقت پر کریں گے یاد  
پاس کرنا ہے تا لفر چاکر  
آپ بھی وہ جوان جاہل تھا  
ہوا موجود مارنے مرنے  
بارے ہتھیار چھین گئے ساوے  
رنجہ کر ٹھلوؤں کو ٹال دیا  
ہو چکے دل میں جوارادے تھے  
کہا پلٹن سے لکھنؤ لے جا  
رہ گئے ہیں سو عجبر کیشاں ہیں  
آشتی کے ہیں اب پیام و سلام  
بر طرف جنگلی تھل ہووے  
راہ لیتے ہیں لکھنؤ کی شباب  
لطف کے رو سے کی ملک کے مقال  
فتح نواب سے کر اب ل شاد

۱۱ ۶۹

۱۲ ۷۰

میر کوئی غنڈل کہو اب تم  
لذتِ شعر میں رہو خود گرم

بیمِ مثنوی تمام ہوئی

## غزل

(یہ غزل ایک قلمی نسخے تحریر شدہ ۱۲۴۹ھ میں موجود ہے)

<p>سو تو ہم لوگ اُس کے اُس نہ پاس جب تلک یار تھا نہ حرف شناس ہم دسے رہتے ہیں گو کہ پاس ہی پاس وہ ہم ہے پر نہیں کہیں ہے قیاس جمع اک دم رہے نہ میرے حواس جیتا کب تک رہے گا کوئی نہ اس گھر ہمارا ہے داں جہاں ہو ہر اس کیونکہ نکلے گی میرے دل کی بھر اس</p>	<p>گر دسر پھر کے کرتے پیروں پاس خط پہ خط بھیجتا تھا لکھو اکر دل نہ باہم سنے تو تجسراں ہے عرش و دل میں رہے مگر برسوں ہے چلا جب سے وہ پریشاں ربط نا اُسید ہی بھی حد رکھتی ہے جز خدا ہم کسو سے ڈرتے نہیں میں تو حیران کار ہوں بیوشش</p>
---	--

میر و شمس کا دل ہے بے طاقت  
چلتا پھرتا ہے پر اُداس اُداس

## غزل دوم غیر مطبوعہ

<p>یہی جینے نہیں دیتے دلدادگان کو بہت دور بھیجا فرستادگان کو نہ ہو عجب کیوں برہمن زادگان کو کیا پائے گیران نے آزادگان کو</p>	<p>رہے عمر بھر دیکھتے سادگان کو خبر قاصدوں کو نہیں اپنی شاید عجب سادگوں میں ہے فتقوں کی بنی نہال اور سرواں کے حیران کھڑے ہیں</p>
--	--

رہے زید دیوار ہم پیر بریدوں  
نہ پوچھا کبھی خاک افتادگان کو

مجھے فخر ہے کہ ساہا سال کی محنت اور کاوش کے بعد کلام افصح الفصحای میر تقی میر  
بترتیب جدید ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے میر کا کلیات اب تک عام  
طریقے سے نہایت لاپرواہی کے ساتھ غلطیوں کی نذر ہوتا رہا ہے لیکن اس مرتبہ  
خصوصیت کے ساتھ متعدد قلمی اور سابقہ مطبوعہ نسخوں سے اسکی تصحیح کا پورا  
اتہام کیا گیا جسکو مصدور مولوی عبدالپاری آسی اور جناب مولیٰ سید حفیظ علی صاحب  
فاضل دیوبند نے نہایت غور اور امعان نظر کے ساتھ اصل پر نظر ثانی کر کے  
کئی کئی مرتبہ کاپیوں اور پروفوں کو دیکھ کر صحیح کیا اور بعد کو آسی صاحب نے  
اس پر فرہنگ اور مقدمہ کا اضافہ فرمایا۔ اس میں جو حواشی دیے گئے ہیں

وہ بھی میر کے کلام کے توازن کے لیے بہت موزوں ہیں امید ہے کہ مبصرین و  
ماہرین کی نگاہوں میں یہ مطبع کی گراں بہا خدمت درجہ قبول پائیگی اور شائقین اسکی  
قدردانی فرما کر مطبع کو ایسی دوسری اہم خدمات ادبی و علمی کے لیے آمادہ فرمائینگے

المشاہد  
مینجمر نو لکچور پریس صیغہ بکڈ پو لکھنؤ

# دیوانِ اول

میر تقی میر دہلوی

# الحسن الحسن الرہم

غزل

خورشید میں بھی اُس ہی کا ذرہ ظہور تھا  
پیدا ہر ایک نالے سے شور نشور تھا  
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا  
یک شعلہ برقی خس من صد کوہ طور تھا  
کیا شمع کیا پتنگ ہر اک لے حضور تھا  
اُس رند کی بھی رات گزری جو غور تھا  
اُس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا  
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا  
میں بھی کبھو کسو کا سر پر غور تھا

تھا مستعار حسن سے اُس کے جو نور تھا  
ہنگامہ گرم کن جو دل ناصبور تھا  
پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں  
آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اسے کلیم  
مجلس میں رات ایک ترے پر تو بے بغیر  
منعم کے پاس قائم و سنجاب تھا تو کیا  
ہم خاک میں لے تو لے لیکن اسے سپہر  
کل پاؤں ایک کا سر پر جو آگیا  
کنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے نصیر

تھا وہ تو رشک حور بہشتی ہیں میں تیر  
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی تصور تھا

انکھیں تو کہیں تھیں دل غمیدہ کہیں تھا  
انکھوں کے تلے اپنے تو وہ ماہ جبین تھا  
ہونٹھوں پہ مرے جب نفس باز پس تھا  
جو درد و الم تھا سو کے تو کہ وہیں تھا  
گل میسے لکھنؤ میں ہی قطعہ زمیں تھا  
جن لوگوں کے گل ملک یہ سب زیرِ نگیں تھا

کیا میں بھی پریشانی خاطر سے قریں تھا  
کس رات نظر کی ہے سوئے چٹک ابجم  
آیا تو سہی وہ کوئی دم کے لئے لیکن  
اب کوفت سے، ہجراں کی جہاں تن پہ رکھا تھا  
جانا نہیں کچھ جز غزل آ کر کے جہاں میں  
نام آج کوئی یاں نہیں لیتا ہر آنکھوں کا

مسجد میں امام آج ہوا آکے کہاں سے  
کل تک تو یہی میسر خرابات لاشیں تھا

لے گزری۔۔۔ بردن فعلوں اب مترک سے کیونکہ اس طرح صرت گزری۔۔۔ رہ جاتا ہے۔



<p>یاد دہ ہے وہ کسو چشم کی گریبان کا حسن کیا صبح کے پھر چہرہ نورانی کا حسن زنا رہے تب سچ سلیمانی کا سیر کر تو بھی یہ مجموعہ پریشانی کا تنگ احوال ہے اس یوسف زندانی کا ہے بڑا حیف ہیں اپنی بھی نادانی کا ہم نے سزا مار کیا کاغذ افشانی کا نقش کا سا ہو سماں میری بھی حیرانی کا</p>	<p>نکاح پر چشمہ جو کوئی جوش زناں پانی کا لطف اگر یہ ہے بتان صندل پستانی کا کفر کچھ چاہئے اسلام کی رونق کیلئے درہبی حال کی ہو سائے سر دیواں میں جان گھبراتی ہے اندوہ سے تن میں کیا گیا کھیل لڑکوں کا سمجھتے تھے محبت کے تئیں وہ بھی جانے ہے امور کے لکھا ہو مکتوب اُس کا منہ دیکھ رہا ہوں سو وہی کھوں میں</p>
<p>جست پرستی کو تو اسلام نہیں کہتے ہیں مستقد کون ہو میرا ایسی مسلمان کی کا</p>	<p>جامہ مستی عشق اپنا مگر کم گھیر تھا دیر میں کبے گیا میں خالق سے اب کی بار</p>
<p>دامن ترکا مرے دریا ہی کار سا پھیر تھا راہ سے میخانہ کی اس راہ میں کچھ پھیر تھا</p>	<p>بلبلوں نے کیا گل افشاں میر کا مرقد کیا دور سے آیا نظر تو پھولوں کا اک ڈھیر تھا</p>
<p>چھوڑا وفا کو اُن نے مروت کو کیا ہوا آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا کچھ پیش آیا واقعہ رحمت کو کیا ہوا معلوم بھی ہوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا سے چشم جوش اشک ندامت کو کیا ہوا کے کشتہ ستم تری غیرت کو کیا ہوا</p>	<p>اس عہد میں اہی محبت کو کیا ہوا جنت وار وعدہ دیدار مرچے کب تک تظلم آہ بھلا مرگ کے تئیں اُس کے گئے پر ایسی گئی دل سے ہمنشیں بخشش نے مجھ کو ابر کرم کی کیا جھل جاتا ہے پار تیغ بکف غیر کی طرف</p>
<p>تھی صعب عاشقی کی بدایت ہی میر پر کیا جانے کہ حال نہایت کو کیا ہوا</p>	<p>سیر کر تو بھی الخ فی زمانہ اس کو یوں کہا جائیگا کہ کسی استاد کا شعر جو سواد دیدہ حل کردم نوشم نامہ سو تو کہ تا نکام خواندن چشم من فند برے تو۔ مزار غالب (آٹھویں تصویر سیر نامہ پر چھپی ہوئی ہے)</p>
<p>سے مزار عبد القی بیگ نائل شاگرد مزارا لہجہ حوض کوثر پہ جا بھکتا ہے ہر سیرتہ شراب خانے کا۔</p>	

<p>کہ ہمسایاں پر رحم کیا کلی نے یہ سن کر تبتسم کیا کیا خاک و خشتِ سرم کیا پلک تک گیا تو تلام کیا</p>	<p>شبِ حشر میں کم قلم کیا کہا میں نے کتنا ہو گل کا ثبات زمانہ نے مجھ جبر کش کو ندان جلد ہی میں یک قطرہ خوں ہو رشک</p>
<p>دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا یعنی رات بہت تھکے جا گئے صبح ہوئی آرام کیا ہم سے جو پہلے کہہ بھیجا سو مرنے کا پیغام کیا چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبت بنام کیا بانے ٹیڑھے ترچھے تیکے سب کا نتیجہ کو امام کیا کوسوں اُس کی اور گئے پر سجدہ ہر ہر گام کیا کوچے کے اس کے باشندوں نے سب کہیں سے سلام کیا جبتہ آخر قہر کر تا، ٹوپی، مستی میں انعام کیا انکھ موندے پر اُن نے گو دیدار کو اپنے عام کیا رات کو رو رو صبح کیا۔ یا دن کو جوں توں شام کیا رُخ سے گل کو مول لیا۔ قامت سے سرو غلام کیا بھولے اُس کے قول و قسم پر ہائے خیال خام کیا استغنا کی چو گنی اُن نے جوں جوں میں ابرام کیا سحر کیا، اعجاز کیا، جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا</p>	<p>اُٹھی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوائے کام کیا عہدِ جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند حرف نہیں جاں بخشی میں اُس کی غولی اپنی قسمت کی ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہو مختاری کی سائے رندو باش جہاں کے تجھ سے سجود میں تہمتیں سرد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی کس کا کعبہ کیسا قبلہ، کون حرم ہو، کیا احرام شیخ جو ہے مسجد میں ننگا۔ رات کو تھا میخانہ میں کاش اب برقع منھ سے اٹھا دے، ورنہ پھر کیا حال یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو دخل جو ہو سوتا ہے صبح چین میں اُس کو کہیں تکلیف ہوا لے آئی تھی ساعیسیں دونوں اُس کے ہاتھ میں لا کر چھوڑ دے کام ہوئے ہیں سارے ضائعِ سعادت کی کاجت سے ایسے آہوئے نرم خوردہ کی وحشت کھوئی مشکل تھی</p>
<p>میرے دین و مذہب اب پوچھتے کیا ہو اُن نے تو قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا، کب کا ترکِ اسلام کیا</p>	<p>چمن میں گل نے جو گل دعویٰ جمال کیا فلک نے آہ تری رہ میں ہم کو پیدا کر</p>
<p>جہاں یار نے منھ اُس کا خوب لال کیا برنگ سبزہ نورستہ پائمال کیا</p>	<p>لہ مرزا غالب بھائی؟ ہاں دل میں پھر گریے اُن شور اٹھایا غالب آہ جو قطرہ نہ کھلا تھا سو طوفاں کھلا۔</p>

<p>سواُس کی تیغ نے جھگڑا ہی انفصال کیا نہ کہہ کہ نیند میں ہو تو یہ کیا خیال کیا چمن کو یُن قدم نے ترے نہال کیا کسو نے حشر کو ہم سے اگر سوال کیا</p>	<p>رہی تھی دم کی کشاکش گلے میں کچھ باقی مری اب آنکھیں نہیں کھلتیں ضعف ہے ہدم بہارِ رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو جواب نامہ سیاہی کا اپنی ہو وہ زلف</p>
<p>لگا نہ دل کو کہیں کیا مٹنا نہیں تو نے جو کچھ کہ میت کا اس عاشق نے حال کیا</p>	
<p>وابستہ ترے موکا پریشان رہے گا اُس دم تنیں مجھ میں بھی اگر جان رہے گا پر آپ کوئی رات ہی مہمان رہے گا تا حشر مرے سر پہ یہ احسان رہے گا محشر تنیں خالی نہ یہ میدان رہے گا تا حشر جہاں میں مراد یوان رہے گا</p>	<p>دیکھے گا جو تجھے رو کو سو حیران رہے گا  وعدہ تو کیا اُس سے دم صبح کا لیکن منعم نے بنا ظلم کی رکھ ٹھہر تو بنایا چھوٹوں کہیں ایذا سے لگا ایک ہی جلا چمٹے رہیں گے دشتِ محبت میں سر و تیغ جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز</p>
<p>دل دینے کی ایسی حرکت اُن نے نہیں کی جب تک بچے گا میت پریشان رہے گا</p>	
<p>ہم خاک کے آسودوں کو آرام نہ آیا آیا جو بخود صبح تو میں شام نہ آیا کس جان کو یہ مرگ کا پیغام نہ آیا وہ رشکِ مہِ عید لبِ بام نہ آیا مجنوں کی طرف ناقہ کوئی گام نہ آیا پھر جیتے جی اس راہ وہ بدنام نہ آیا</p>	<p>تا گور کے اوپر وہ گل اندام نہ آیا بے ہوش سے عشق ہوں کیا میرا بھروسہ کس دل سے ترا تیرنگہ پار نہ گزرا دیکھا نہ اُسے دُور سے بھی منتظروں نے سویار بیاہاں میں گیس محلِ لیلی اب کے جو ترے کوچے سے جاؤں گا کوئی نہ</p>
<p>لے خون ہو آنکھوں سے ہما ٹپک ہوا داغ اپنا تو یہ دل میت کس کو کام نہ آیا</p>	
<p>لے جان میرے تھی سے پہلے اور یہ تھی کے معاصرین کے یہاں بصورتِ تذکیر بھی پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ مرزا رفیع سودا کے اس شعر میں سے شیشے سے جو کوہ کن لے سسر کو پیکا - شیریں کا یہ صُن کے جان تن سے بھٹکا مگر اب بالاتفاق دہلی اور لکھنؤ کے نفسا میں ٹونٹ لولا جاتا ہے۔ اسی سے متعجبی کا شعر اسی انداز کا ہے۔ مریض عشق سے گراب کے سنبھل جاؤں گا - تو میں دوچار برس کو کہیں ٹل جاؤں گا</p>	

<p>کل اُس پہ یہیں شور ہے پھر فوج گری کا چلتا نہیں کچھ آگے ترے کپکپی کا اسباب کٹا راہ میں یاں ہر سہری کا اب سنگ مداوا ہو اس آشفٹ سہری کا انصاف طلب ہے تری بیدادگری کا آئینہ کو لپکا ہے پریشان نظری کا مقدور نہ دیکھا کبھو بے بال و پری کا ٹکڑا ہے بڑا اشک عقیق جگرنی کا تھا دست نگر پنجبڑ مرگاں کی تری کا آفاق کی اس کارگر شیشہ گری کا</p>	<p>جس سر کو غور آج ہو یاں تاج وری کا شرمندہ ترے رخ سے ہو رخسار پری کا آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت زندہاں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی ہر زخم جگر داور محشر سے ہمارا اپنی تو جہاں آنکھ لڑی چپ رہیں دیکھو صد موسم گل ہم کو تہ بال ہی گزرتے اس رنگ سے چمکے ہے پاک پر کہ کئے تو کل سیر کیا ہم نے سمندر کو بھی جا کر لے سائیں بھی آہستہ کہ نازک ہو بہت کام</p>
---	---

ملک میر جگر سوختہ کی جلد خبر لے  
کیا یار بھروسہ ہے چراغ سحری کا

<p>مٹھ کا ہی کرے ہو جس تس کا شام سے کچھ بجھا سار ہتا ہوں تھے جڑے مینچوں کے تیور لیک داع آنکھوں سے کھلے ہیں بے بحر کم ظرف ہے بسانِ حباب فیض اے ابرا چشم تر سے اٹھا</p>	<p>حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا دل ہوا ہے چراغِ مفلس کا مشیخ میخانہ سے ٹھہلا کھٹکا ہاتھ دستہ ہوا ہے نرگس کا قلعہ کا لیس اب ہوا تو جس کا آج دامن وسیع ہو اس کا</p>
---	--

تاب کس کو جو حال میر مٹنے  
حال ہی اور کچھ ہو مجلس کا

<p>دہ اکے وش سے کھولے ہوئے بال ہو گیا انجھاؤ پڑ گیا جو ہمیں اُس کے عشق میں کیا امتداد مدتِ حبراں بیاں کروں</p>	<p>سنبیل چین کا مُفت میں پامال ہو گیا دل ساعزیزِ جان کا جنجال ہو گیا ساعت ہوئی قیامت و مہ سال ہو گیا</p>
--	--

لے سفری یعنی مسافر۔

سٹہ۔ کھسکا۔ قافیہ معمولہ۔

<p>دعویٰ کیا تھا گل نے ترے رُخ سے باغ میں سیل لگی صبا کی سو منہ لال ہو گیا</p>	<p>قامت خمیدہ رنگ شکستہ بدن نزار تیرا تو میتِ نعم میں عجب حال ہو گیا</p>
<p>بیتاب جی کو دیکھا دل کو کباب دیکھا پودا ستم کا جس نے اس باغ میں لگایا دل کا نہیں ٹھکانا۔ بابت جگر کی گم ہے آباد جس میں تجھ کو دیکھا تھا ایک مدت</p>	<p>جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا اپنے کئے کا اُن نے منہ شتاب دیکھا تیرے بلا کشوں کا ہم نے حساب دیکھا اس دل کی مملکت کو اب ہم خراب دیکھا</p>
<p>لیتے ہی نام اُس کا سوتے سے چونک گئے ہو ہے خیر متیر صاحب، کچھ تم نے خواب دیکھا</p>	
<p>دل بہم پہنچا بدن میں ترے سارا تن جلا سرسخی ہو ہو جو دکھلاتی ہو اس مجلس میں داغ بدرساں اب آخر چھالنی مجھ پر یہ آگ کب تلک دھون لگائے جو کیوں کی ہی ہو گرمی اُس آتش کے پرکالے سے لکھے چشم تب ہو جو منت سے تو کیا و شرب نشینی باغ کی سوکتے ہی آنسوؤں کے نور آنکھوں کا گیا شعلہ افشانی نہیں یہ کچھ نئی اس آہ سے</p>	<p>آپڑی یہ ایسی چنگاری کہ پیرا ہن جلا ہو سکے تو شمع سال دیجے رگ گردن جلا ورنہ پہلے تھا مرا جوں ماہ تو دکن جلا بیٹھے بیٹھے در پہ تیرے تو مرا آسن جلا جب کوئی میری طرح سے دیوے سب تن سن جلا کاٹ اپنی رات کو خار و خس کلن جلا جُھڑ ہی جاتے ہیں دے جس وقت سب روغن جلا دول لگی ہو ایسی ایسی بھی کہ سارا بن جلا</p>
<p>آگ سی اک دل میں سلگے ہو کبھو بھڑکی تو متیر دیگی میری ہڈیوں کا ڈھیر جوں ایندھن جلا</p>	
<p>۱۷۔ لا اعلم ۷ دعویٰ کیا تھا گل نے کل اُس کے رنگ دلو کا ۶ دھولیں صبا نے ماریں، شبنم نے منہ پہ تھوکا۔ ۱۲۔ ایسا ہی ایک اور شعر جو ۷ جن میں گل نے جو کل دعویٰ بجالایا ۶ صبا نے مار طمانچہ منہ اُس کا لال کیا۔ ۱۷۔ حسرت موبانی ۷ عشق بتاں کو جی کا جہاں کر لیا ہے ۶ حسرت یہ تو نے اپنا کیا حال کر لیا ہے۔ ۱۷۔ فی زمانہ ۷ اب ہم نے خواب دیکھا ۷ کہیں گے۔</p>	
<p>۱۷۔ احسان لینے کی مذمت میں کسی استاد کا یہ شعر بھی بہت خوب ہو ۷ دیوار بار منت مزدور سے ہو خم ۶ اوی خانماں خراب احسان اٹھائیے یا یہ شعر ذوق دہلی کا ۷ نہ پکڑیں دامن الیاس کو داب بلا میں ہم ۶ کہ بدتر دُوب مرے سے ہو جینا اس سہاے کا ۷ جوں ایندھن ۷ قدما کے یہاں اکثر اس قسم کی ترکیبیں ملتی ہیں مگر زیادہ حال کے فصحا کے نزدیک مختلف قیہ ہیں ۱۲</p>	

حال دل مست کا دورہ کرے پہلے ماہ سنا انابلد ہو کے رہے عشق میں پہنچوں تو کہیں اکوئی ان طوروں سے گزری ہے تیرے نعم میں ہری	شب کو القصہ عجیب قصہ جانکاہ سنا ہمروہ خضر کو یاں کہتے ہیں گمراہ سنا گاہ تو نے نہ سنا حال مرا گاہ سنا
--	--

خواب غفلت میں ہیں یاں سب توجہ نہ جاگا تیر  
بیخود بکھا انھیں میں جنھیں آگاہ سنا

جب جنوں سے ہیں تو مثل تھا بستر تھا چمن میں جوں بلبل یک بگم کو وفا نہ کی گویا اُن نے پہچان کر ہمیں مارا شہر میں جو نظر پڑا اُس کا اب تو دل کو نہ تاب ہو نہ قرار جا بھنسا دامن زلف میں آخر یوں نگہ کی قدم ہوئے جیسے	اپنی زنجیر پا ہی کا گل تھا نالہ سر پایہ تو گل تھا سوسم گل صفیر بلبل تھا منہ نہ کرنا ادھر تیرا گل تھا کشتہ ناز یا تغافل تھا یادِ آیام جب سچ گل تھا دل نہایت ہی بے تامل تھا عمر اک رہ رہ و سر پہل تھا
--	--

خوب دریافت جو کیا ہم نے  
وقت خوش تیر نکست گل تھا

آگے جمال یار کے معذور ہو گیا ایک چشم غنڈھے کے دیکھے ہو کسے راہ قسمت تو دیکھ شمع کو جب لہرائی تب پہنچا قریب مرگ کے وہ صید ناقبول دیکھا یہ ناد و نوش کہ نیش فراق سے اُس ماہ چار دہ کا چھے عشق کیونکہ آہ شاید کسو کے دل کو لگی اُس گلی میں چوٹ	گل اک چمن میں دیدہ بے نور ہو گیا جوں زخم تیری دُوری میں ناسور ہو گیا دروازہ شہرہ خزانے کا معمور ہو گیا جو تیرے صید گاہ سے تاک دور ہو گیا سینہ تمام خزانہ زبور ہو گیا اب تو تمام شہر میں مشہور ہو گیا میری بغل میں شیشہ دل چور ہو گیا
---	--

دیکھا جو میں نے یار تو وہ میر ہی نہیں  
تیرے نعم فراق میں رہنور ہو گیا

لے یعنی میں نے جنھیں آگاہ سنا۔

<p>پتھر تلے کا ہاتھ ہی اپنا نکالتا خود شید اپنی تیغ و سپر ہی سنبھالتا پھر تاتھا جن دنوں میں تو گیندیں اٹھالتا خسر سے سنگ سینہ کو کس طور ٹالتا</p>	<p>فریاد ہاتھ تیشہ پر ٹک رہ کے ڈالتا بلکرا اگر وہ شوق تو سنیو کہ رہ گیا یہ سر بھی سے گوسے ہی میدان عشق کا بن کر بھوٹے بنتی نہ تھی کوہن کے تین</p>
<p>چھاتی سے ایک بار لگا ماجوہ تو میر برسوں یہ زخم سینے کا ہم کو نہ سالتا</p>	
<p>برقع سے گر نکلا کیں چہرہ ترا متاب سا دیکھو نہ جھکے ہے پڑا وہ ہونٹھ لعل ناب سا میں شوق کی افراط سے تیاب ہیں سب سا اب عیش روز وصل کا ہی جی میں ہوا اب سا سباب سارا لے گیا آیا تھا یک سیلاب سا اب سجدے ہی میں گرے ہے قد جو ہوا اب سا اب دیدہ تر کو جو تم دیکھو تو ہے گرد اب سا داعظ کو مارے خون کے کل لگ گیا جلاب سا</p>	<p>گل شرم سے بہ جائیگا گلشن میں ہو کر آب سا گلبرگ کا یہ رنگ ہی مر جاں کا ایسا ڈھنگ سا وہ مایہ جاں تو کہیں پیدا نہیں جوں کیما دل تاب ہی لایا نہ ٹک تا یاد رہتا ہمنشیں سناٹے میں جان کے ہوش و حواس و دم نہ تھا ہم مگرشی سے مدقوں مسجد سے بچ کر پلے تھی عشق کی وہ ابتدا جو موج سی اٹھی بھو بسکہ جو ہم مست آگئے سو بار مسجد سے اٹھا</p>
<p>رکھ ہاتھ دل پر میر کے دریافت کر کیا حال؟ بہتا ہے اکثر یہ جواں کچھ ان دنوں تیاب سا</p>	
<p>ٹکلا ہی نہ جی ورنہ کاٹنا سا نکل جاتا میں ضبط نہ کرتا تو سب سے سیریل جاتا ایک دم میں زمانہ کا یاں رنگ بدل جاتا پرکش میں ہماری ہی دن شر کا دھل جاتا واں رستم اگر آتا تو دیکھ کے ٹل جاتا لنگھوں کو غزالوں کی پانوں تلے مل جاتا</p>	<p>مرہتے جو گلشن تو سارا یہ ٹھل جاتا پیدا ہو کہ پنہاں تھی آتش نفسی سیری میں گریہ خونی کو روکے ہی رہا۔ ورنہ بن پوچھے کرم سے وہ جو بخش نہ دیتا تو ستادہ جہاں میں تھا۔ میدان محبت میں وہ سیر کا دادی کے مائل نہ ہوا۔ ورنہ</p>
<p>لے سیر۔ اب بالاتفاق تاثرٹ بولا جاتا ہے لیکن تیسرے پہلے اور تیسرے کے زمانے میں نہ تو بھی بولا جاتا تھا جیسا کہ ذیل کے اشعار سے جہاں خود میر کا ایک شعر ہے ملا جو خاک ہیں گرس طرح کا عالم یاں : نکل کے شہر سے ٹک سیر کر مزاروں کا مزار فیض السودا کا شعر ہے بسکہ پوچھوں ہوں میں اپنی چشم خون آلود کو : جامہ کا ہر ایک تختہ سیر ہو گھزار کا</p>	

میں

بیابان و لوہاں یوں میں کاہے کو تلف ہوتا اس سیم بدن کو بھی کب تاب تعب اتنی	یا قوتی ترے لب کی ملتی تو سنبھل جاتا وہ چاندنی میں شب کی ہوتا تو پھل جاتا
مارا گیا تب گزرا بوسے سے ترے لب کے کیا میر بھی لڑکا تھا باتوں میں بہل جاتا	
سُنیو جب وہ بکھو سوار ہوا اُس فریبندہ کو نہ سمجھے آہ نالہ ہم خاک روں کا آخر مر چلے بے قرار ہو کر ہم	تا بہ روح الامیں شکار ہو ہم نے جانا کہ ہم سے یار ہو خاطر عرش کا غبار ہو اب تو تیرے تئیں قرار ہو
وہ جو خجبر کیف نظر آیا میر سو جان سے نثار ہوا	
مانند شمع مجلس شب اشکیار پایا احوال خوش انھوں کا ہم نرم میں جوتے چیتے جو ضعف ہو کر زخم رسا سے اُس کے شہر دل ایک دت اُبڑا لبسا غموں میں اتنا نہ تجھ سے ملتے نے دل کو کھوکھوتے کیا اعتبار یاں کا پھر اُس کو خواہ دیکھا	القصہ میر کو ہم بے اختیار پایا افسوس ہو کہ ہم نے واں کا نہ بار پایا سینے کو چاک دیکھا دل کو فگار پایا آخر اُجاڑ دینا اُس کا قرار پایا جیسا کیا تھا ہم نے ویسا ہی یار پایا جس نے جہاں میں اگر تجھ اعتبار پایا
اُہوں کے شعلے جس جا اٹھتے تھے میر کے شب واں جا کے صبح دیکھا مشیت غبار پایا	
مارا زمیں میں گاڑا۔ تب اُس کو جبر آیا اُس گل زمیں سے اب تک اُگتے ہیں مہر جس جا یکساں ہے قتل گہ اور اُس کی گلی تو مجھ کو پوچے سے اور پتھر ہوتے ہیں یہ صنم تو تا چرخ نالہ پہنچا لیکن اثر نہ دیکھا تیرا ہی منہ تنگے ہے کیا جانے کہ نو خط	اس دل نے ہم کو آخروں خاک میں ملایا ستی میں تھکتے جس پر تیرا پڑا ہے سایا رواں خاک میں میں لوٹا یاں لو ہو میں نہایا اب کس طرح اطاعت اُن کی کروں خدایا کرنے سے اب دعا کے میں ہاتھ ہے اٹھایا کیا باغ سبز تو نے آسینہ کو دکھایا

۱۰ مرزا غالب دہلوی سے مدفن عاشق سے مل گئی ہے جو کوسوں تک حنا پر کس قدر یارب ہلاکتِ حسرت پاہوس تھا



تیری مسوں پر گرچہ سبزے نے زہر کھایا  
جی کے تئیں بھی کھو یا لیکن اُسے نہ پایا  
اک روگ میں بسا ہا جی کو کہاں لگایا  
بارے وہ شہوخ اپنی خاطر میں کچھ نہ لایا  
مانند شمع مجھ کو کاہے کے تئیں جلایا

شادابی و لطافت ہرگز ہوئی نہ اُس میں  
آخر کو مر گئے ہیں اُس کی ہی جستجو میں  
لگتی نہیں ہو دارو، ہیں سب طبیب حیراں  
کہہ بیچ اُس کے منہ کو جی میں ڈرا یہاں تو  
ہونا تھا مجلس آرا اگر غیبر کا بختے تو

تھی یہ کہاں کی یاری امینہ رو کہ تو نے  
دیکھا جو میر کو تو بے ایچ منہ بنایا

القصر رفتہ رفتہ دشمن ہوا ہو جاں کا  
خوں ہو گیا جگر میں اب ان گلستاں کا  
چاروبکش مگر ہے خورشید اس کے ہاں کا  
یاں ہم چلے قفس میں بسن حال آشیان کا  
پیوند ہو زمین کا۔ شیوہ اس آسماں کا  
ہوتا نہیں ہو آخر کام اُن کے امتحاں کا  
اب کرتے ہیں نشانہ ہر میرے استخاں کا  
وہ قصد کب کرے ہو اس صید نالواں کا  
حوال کیا کہوں میں اس مجلسِ رویاں کا  
سید سپر وہ پیارا ہے گا امامِ بانکا  
طاعتِ بتوں برس کی سجدہ اسلستاں کا  
اُس روز سے جہاں میں خورشید پھر نہ جھانکا  
ہو کون سی جگہ کا کس شہر کا۔ کہاں کا  
سرفقت بیچتے ہیں یہ کچھ چلن ہو ان کا  
اباش خانہ جنگ اُس خوش حشیم پدیاں کا

شکوہ کروں میں کب تک اُس اپنے مہرباں کا  
گر یہ پے رنگ آیا، قید قفس سے شاید  
لے جھاڑو تو کراہی آتا ہے صبح ہوتے  
دی آگ رنگ گل نے واں اس صبا چمن کو  
ہر صبح میرے سر پر اک حادثہ نیا ہے  
ان صیدا فگنوں کا کیا ہو شکار کوئی قطعہ  
تب تو مجھے کیا تھا تیروں سے صید اپنا  
فترک جس کا اکثر لوہو میں تر ہے ہے  
کم فرصتی جہاں کے مجمع کی کچھ نہ پوچھو  
سجدہ گریں ہیں سُنکڑا و باش سارے اُس کے  
ناحق شناسی ہے یہ زاہد نہ کر برابر  
جس دن کہ اُس کے منہ سے برق اٹھیں گانوں  
ناحق یہ ظلم کرنا انصاف کر پیارے  
سوداوی ہو تو رکھتے بازارِ عشق میں پا  
ننگو گالی ایک چشمک اتنا سلوک تو ہو

لے رہے ہے۔ اب متروک ہے۔ اس کی بجائے رہتا ہے "نصیح ہے۔

"مجلسِ رواں" دنیا کو مجلسِ رواں کہنا، نہایت لطیف ہو کیونکہ یہاں کی ہر چیز سفری اور ہر شے گزراں ہے۔

لے لے قافیہ معمولہ

یاروئے یار لایا اپنی تو یوں ہی گزری قطع کیا ذکرِ مصفیراں، یارانِ شاد ماں کا  
قیدِ قفس میں ہیں تو خدمت ہے نالگی کی گلشن میں تھے تو ہم کو منصبِ تھارو خواں کا

پوچھو تو میر سے کیا کوئی نظر پڑا ہے  
چہرہ اتر رہا ہے کچھ آج اُس جواں کا

ہمارے آگے ترا جب کسوں نے نام لیا  
قسم جو کھائیے تو طالعِ زلیخا کی  
خراب کہتے تھے مسجد کے آگے میخانے  
وہ کج روش نہ ملا راستی میں مجھ سے بھی  
مزا دکھا دیں گے بیرجمی کا تری ضیاء  
مرے سلیقے سے میری بھی محبت میں  
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا  
عزیزِ مصر کا بھی صاحبِ اکِ غلام لیا  
نگاہِ مست نے ساقی کی انتقام لیا  
نہ سیدھی طرح سے اُن نے مرا سلام لیا  
گرا اضطرابِ اسیری نے زبردِ ام لیا  
تامِ عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

اگرچہ گوشہ گزین ہوں میں شاعرِ دلِ میر  
یہ میرے شور نے روئے زینِ تام لیا

شعر

سیر کے قابلِ ہر دلِ صدا پارہ اس چکر کا  
سب کھلا باغِ جہاں الّا یہ حسیرانِ دُخفا  
بوئے خوں سے جی رکا جانا ہوا بادِ بہار  
کیونکہ نقاشِ ازل نے نقشِ ابرو کا کیا  
رہ گزریلِ حوادث کا ہو بے بسِ یادِ دم  
بسِ طیب اٹھ جامری بالیں سے متِ دورِ دم  
نالہ کش ہیں عہدِ پیری میں بھی تیرے در پہ ہم  
جو ترے کوچہ میں آیا۔ پھر وہیں گاڑا اُسے  
خوں سے میرے ہونی یکدم خوشی تم کو تو لیک  
بختِ دل سے جوں چھڑی بھوں کی گوندھی ہوئے  
گورِ خجوں سے بخادیں گے کہیں ہم بے نو

جس کے ہر فکرے میں ہو پیوستِ پکیاں تیر کا  
جس کو دل سمجھے تھے ہم سو غنیمتِ تھا تصویر کا  
ہو گیا ہے چاکِ دل شاید کسو دُکھ میر کا  
کام ہے اک تیرے منہ پر کھینچنا شمشیر کا  
اس خرابے میں نہ کرنا قصدِ تمِ تقصیر کا  
کام جاں آخر ہوا اب فائدہ تدبیر کا  
قدِ خمِ گشتہ ہمارا حلقہ ہے زنجیر کا  
تشنہ خوں میں تو ہوں اس خاکِ دُکھیر کا  
سفت میں جاتا رہا جی ایک بے تقصیر کا  
فائدہ کچھ اسے جگر اس آہ بے تاشیر کا  
عجب ہی ہم میں جو چھوڑیں ڈھیر اپنے پیر کا

کس طرح سے مانے یارو کہ یہ عاشقِ نہیں  
رنگ اڑا جاتا ہو نگ چہر تو دیکھو میر کا

شب درد و غم سے عرصہ مر جی تیرنگ تھا کثرت میں درد و غم کے نہ نکلی کوئی پیش لایا مرے مزار پر اُس کو یہ جذبِ عشق دیکھا ہو صید کہ میں تری صید کا جگر دل سے مرے لگانہ ترا دل نہ راجحیت	آیا شبِ فراق تھی یا روزِ جنگ تھا کوچہ جگر کے زخم کا شاید کہ تنگ تھا جس بیوفا کو نام سے بھی سیرِ تنگ تھا با آنکھ چھن رہا تھا یہ ذوقِ خدا تھا یہ شیشہ ایک عمر سے مشتاقِ سنگ تھا
---	---

مت کر عجب جو میرے غم میں مر گیا  
جینے کا اس مرض کے کوئی بھی دھنک تھا

دل میں بھرا ز بس کہ خیالِ شراب تھا موجیں کرے ہو بحرِ جاں میں ابھی تو تو اگتے تھے دستِ بلبیل و دامنِ گل بہم ہلک دیکھ آنکھیں کھول کے اُن دم کی حیرتیں	مانندِ آئینہ کے مرے گھر میں آب تھا جانے گا بعدِ مرگ کہ عالمِ جہاں تھا صحرا چمن، نمونہ، یوم الحساب تھا جس دم یہ سوچے گی کہ یہ عالم بھی خواب تھا
--	---

دل جو نہ تھا تو راتِ زخود رفتگی میں میرے  
کہ انتظارِ دو گاہ مجھے اضطراب تھا

کیا طرح ہے آشنا کا ہے۔ گے نا آشنا پائمال صد جفا ناحق نہ ہو ای عند لیب کون سے یہ بحرِ خوبی کی پریشاں زلف ہو بلبلیں پائیز میں کہتی تھیں ہوتا کاشکے کو گل و لالہ کہاں سنبل سن ہم نستر کیا کروں کس سے کہوں اتنا ہی بیگانہ ہو یا جس کی میں چاہی و سلطنت اُن نے یہ مجھ سے کہا یوں سُنا جا ہو کہ کرتا ہے سفر کا غمِ جزم شعرِ صائب کا مناسب ہو ہماری اُور سے	یا لو بیگانے ہی رہے، ہو جئے یا آشنا سبزہ بیگانہ بھی تھا اس چمن کا آشنا آئی ہو آنکھوں میں میرے موج دیا آشنا یک مژدہ رنگِ سب زاری اس چمن کا آشنا خاک سے یکساں ہوئے ہیں ہائے کیا کیا آشنا سائے عالم میں نہیں پاتے کسی کا آشنا ہم تو کہتے گر میاں ہم سے وہ ہوتا آشنا ساتھ اب بیگانہ وضعوں کے ہمارا آشنا سامنے اُس کے ٹرے گر یہ کوئی جا آشنا
--	---

لے آئی ہو آنکھوں میں میرے موجِ دریا آشنا۔ یعنی میری نظر کو موجِ دریا آشنا معلوم ہوئی ہے۔  
لے مزا غائب ہوئی ہے سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں، خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پہناں ہو گئیں۔  
لے یوں سُنا جا ہے، بجائے یوں سُنا جاتا ہو۔ کے متروک ہو۔

فرق باشد جان ما از آشنا تا آشنا	آنا، بجاں ماہر ہم و تا بہ منزل دیگران
دائع ہو تا باں علیہ الرحمہ کا چھاتی پر میسر ہو نجات اُس کو بچارا ہم سے بھی تھا آشنا	
فرق نکلا بہت جو باں کیا ایک عالم کا روشناس کیا شوق نے ہم کو بیجو اس کیا قیس کی آبرو کا پاس کیا ضعف نے ہم کو موٹاس کیا کیا پتنے نے التماس کیا	گل کو محبوب ہم قیاس کیا دل نے ہم کو مثال آئینہ کچھ نہیں سو جھتا ہیں اُس بن عشق میں ہم ہوئے نہ دیولے دور سے چرخ کے مکمل نہ سکے صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی
ایسے وحشی کہاں ہیں اے محبوباں میسر کو تم عبت اُداس کیا	
اک مہینچہ اتار کے عمامہ لے گیا میں ساتھ زیر خاک بھی ہنگامہ لے گیا وہ مرغ نامہ بر جو مرا نامہ لے گیا	مفت آبروے زاہر علامہ لے گیا دائع فرق و حسرت وصل آرزوے شوق پہنچا نہ پہنچا آہ کیا، سو گیا غریب
اُس زانہن کے دھنگوں دیوے خدا پناہ اک مرتبہ جو میسر تھی کا جامہ لے گیا	
<p>لے تا باں مرحوم کا نام میر عبدالحی تھا۔ رضوی سید تھے۔ دہلی ان کی زاد بوم تھی۔ ایسے حسین و جمیل تھے کہ لوگ ان کو یوسف ثانی کہتے تھے۔ ان کے تلمذ شاعری میں اختلاف ہے۔ شیخ حاتم نے ان کو اپنا شاگرد بتایا جو شیعہ نے گلشنِ بہار میں سودا کا شاگرد بیان کیا ہے۔ خود ان کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ محمد علی حسرت کے شاگرد تھے۔ اداکل جوانی سے میخواری کی عادت قبضہ پیدا ہو کر طبیعتِ ثمانیہ بن گئی تھی اور اسی نے ان کی بندرتی کو خراب کیا بلکہ اسی میں ان کی جان گئی۔ مگر مرنے سے سات آٹھ روز پہلے شراب سے یک لخت توبہ کر لی اور اپنے دوستوں اور ملّا قاتیوں کو رقعہ لکھ کر ترکِ مینوشی سے خبردار کر دیا تھا اور اپنا گواہ بنا لیا تھا۔ نہایت خوشگو شاعر تھے۔ مرزا مظہر جان جاناں کے مرید تھے۔ افسوس کہ عالمِ شباب میں انتقال کیا۔</p> <p>۱۱۲۰ء تک زندہ تھے۔ بان کا ایک مختصر دیوان چھپ گیا ہے ۱۲ اسی</p> <p>۱۱۲۰ء باس کیا۔ یعنی سو نکھا۔ باس کرنا اب متروک ہے۔</p>	

<p>غافل نہ رہ کہ قافلہ اک بار جائے گا  کب درمیاں سے وعدہ دیدار جائے گا  بیچارہ کیونکہ تاسر دیوار جائے گا  جو کھاکے تیرے ہاتھ کی توار جائے گا  زلف سیہ کا اُس کے اگر تار جائے گا  لے کارواں مرے تئیں بازار جائے گا  اب جان ہی کے ساتھ یہ آزار جائے گا  کیا حال ہوگا پاس سے جب یار جائے گا</p>	<p>اے تو کہ یاں سے عاقبت کار جائے گا  موتوف حشر پر ہو سوتی بھی وہ نہیں  چھوٹا جو میں قفس سے تو سب نے مجھے کہا  دیگی نہ چین لذتِ زخم اُس شکار کو  آفتے گی اک بلا ترے سر سن لے اے صبا  باہر نہ آتا چاہ سے یوسف جو جانتا  تدبیر میرے عشق کی کیا فائدہ طلبیب  آئے بن اُس کے حال ہوا جائے ہر غیر</p>
<p>کو چہ میں اُس کے رہنے سے باز آؤں نہ میر  اک دن تجھے وہ جان سے بھی مار جائے گا</p>	
<p>قافلہ جاتا رہا میں صبح ہوتے سو گیا  جو ہماری خاک پر سے ہو کے گزرا رو گیا  کھپ گیا وہ راہ و اس راہ ہو کر جو گیا  ایک عالم جستجو میں جی کو اپنے کھو گیا</p>	<p>کیا کموں کیسا ستم غفلت سے مجھ پر ہو گیا  بیکسی مدت تلک برساکی اپنی گور پر  کچھ خطر ناکی طریق عشق میں نہاں نہیں  مدا جو ہو سو وہ پایا نہیں جاتا کہیں</p>
<p>میر ہر یک موج میں ہو زلف ہی کا سادہ  جب سے وہ دریا پہ آکر بال اپنے دھو گیا</p>	
<p>خاک افتادہ ہوں میں بھی اک فقیر اللہ کا  عند ہی جا ہو چلا اُس کے دل بدخواہ کا  میکدہ سارے کا سارا صرف ہے اللہ کا  ظلم ہے اک خلق پر آشوب اُن کی آہ کا  شوق ہی باقی رہا ہم کو دل آگاہ کا  اس سے پایا جائے ہو سرشتہ جی کی چاہ کا  عرصہ محشر نمونہ اُس کی بازی گاہ کا</p>	<p>مست ہوؤ دشمن اے فلک مجھ پانمال راہ کا  سیکڑوں طرحیں نکالیں یار کے آنے کی لیک  گر کوئی پیر مغاں مجھ کو کرے تو دیکھے پھر  کاش تیرے غم رسیدوں کو بلا دین حشر میں  جو سنا ہشیار اس میخانہ میں تھا بے خبر  باندہ مت روئے کا تار لے ناقبات فہم شیم  شیخ مت کر ذکر ہر ساعت قیامت کا کہ ہو</p>
<p>۱۔ مومن خاں ہوں ہلوی سے ہم نکالیں گے مومن ای موج ہوا بل تیرے پاؤں کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہونگے  ۲۔ صفحہ ۱۲ سطر ۱۲ دیکھئے کہ موج دیا کو وہاں بھی زلف سے تشبیہ دی ہے۔ ۳۔ عذری جا ہو چلا یعنی عذری چلا جاتا ہو۔ ۴۔ آہی</p>	

<p>شہر میں کس ٹنٹھ سے اک سمانے تیرے کہ شوخ بھائیوں سے بھر رہا ہے سارا چہرہ ماہ کا</p>	<p>شہر میں کس ٹنٹھ سے اک سمانے تیرے کہ شوخ بھائیوں سے بھر رہا ہے سارا چہرہ ماہ کا</p>
<p>مرفر دلائی نہیں ہمت مری ہراک کے پاس ہوں گدا کے آستان میں مہر حضرت شاہ کا</p>	<p>مرفر دلائی نہیں ہمت مری ہراک کے پاس ہوں گدا کے آستان میں مہر حضرت شاہ کا</p>
<p>ایسی گلی اک شہر اسلام نہیں رکھتا آزار نہ دے اپنے کافلوں کے تئیں احوال ناکامی صد حسرت خوش لگتی نہیں ورنہ ہو خشک تو بہتر ہے، وہ ہاتھ بیماراں میں بن اُس کے ہم آغوشی بیتاب نہیں ابھی میں وارھی تری واعظ مسجد ہی میں منڈواتا وہ مفلس اُن آنکھوں سے کیونکر کے بسر آوے کیا بات کروں اُس سے مل جائے جو وہ میں تو</p>	<p>جس کو چے میں وہ بت صد بدنام نہیں رکھتا آغاز مرے غم کا انجام نہیں رکھتا اب جی سے گزر جا نا کچھ کام نہیں رکھتا مانندے نرسس جو جام نہیں رکھتا دت سے بغل میں دل آرام نہیں رکھتا پر کیا کروں ساتھ اپنے حجام نہیں رکھتا جو اپنی گرہ میں اک بادام نہیں رکھتا اس ناکسی سے روئے دشنام نہیں رکھتا</p>
<p>یوں تو رہ و رسم اُس کو اس شہر میں سب سے اک میسر ہی سے خط و پیغام نہیں رکھتا</p>	<p>یوں تو رہ و رسم اُس کو اس شہر میں سب سے اک میسر ہی سے خط و پیغام نہیں رکھتا</p>
<p>خوبی کا اس کی بسکہ طلبگار ہو گیا کس کو نہیں ہو شوق ترا پر نہ اس قدر میں نو دمیدہ بال چمن زاو طیر تھا ٹھہرا گیا نہ ہو کے حریف اُس کی چشم کا ہو اُس کی حرف زیر لہجی کا بھوں میں فکر تو وہ متاع ہو کر پڑی جس کی تھہر آجھ کیا کہئے آہ عشق میں خوبی نصیب کی آنکھوں پر لگا ہی پھرے ہو تھکائے ساتھ</p>	<p>گل باغ میں گلے کا مرے ہار ہو گیا میں تو اسی خیال میں بیمار ہو گیا پر گھر سے اٹھ چلا سو گرفتار ہو گیا سینہ کو تو تیسرے نگہ پار ہو گیا کیا بات تھی کہ جس کا یہ بستا رہو گیا وہ جی کو بیچ کر بھی خریدار ہو گیا دلدار اپنا تھا سو دل آزار ہو گیا کچھ ان دنوں میں غیر بہت بار ہو گیا</p>
<p>کب ہو اُس سے بات کرنے کا مجھ کو مہر نا کردہ جرم میں تو گنگار ہو گیا</p>	<p>کب ہو اُس سے بات کرنے کا مجھ کو مہر نا کردہ جرم میں تو گنگار ہو گیا</p>
<p>تیر جو اُس کمان سے نکلا نکلی تھی تیغ بے دریغ اسکی</p>	<p>جگر مرغ جان سے نکلا میں ہی اک امتحان سے نکلا</p>

<p>اب تو میری زبان سے نکلا بس تو نہ آسمان سے نکلا نہ کعبہ و کان سے نکلا تنگنائے جہان سے نکلا جو کوئی اس مکان سے نکلا شہد پانی ہو شان سے نکلا</p>	<p>گو کئے سُر کہ سوزِ دل جوں شمع آگے اے نالہ ہے خدا کا نالوں چشم و دل سے جو نکلا ہجران میں مر گیا جو اسیرِ قیدِ حیات دل سے مت جا کہ حیف اُس کا وقت اُس کی شیریں لبی کی حسرت میں</p>
<p>راٹوں کو روتے روتے ہی جوں شمع گل گیا تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی تل گیا میں وہ نہال تھا کہ آگا اور جل گیا لفزش بڑی ہوئی تھی و لیکن سنجل گیا چل اب کہ دختِ تاک کا جو بن تو ڈھل گیا یاں کو نسا ستمزدہ مائی میں ل گیا</p>	<p>گرمی سے میں تو آتشِ غم کی پگھل گیا ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر گرمی عشق مانع نشو و نما ہوئی مستی میں چھوڑ دیر کو کعبہ چلا تھا میں ساقی لٹے میں تجھ سے لندھا نشیہ شراب ہر ذرہ خاک تیری گلی کی ہے بمعیتِ راد</p>
<p>ہوا نہ گور گڑھا ان ستم کے ماروں کا کہ روزگار کے سرِ خون ہو ہزاروں کا نیکل کے شہرے تک سیر کر مزاروں کا بھلا نہیں ہے بہت ٹوٹنا بھی تاروں کا خسل پذیر ہوا ہے دلع یاروں کا جو کوئی مانگے گا نامہ سیاہ کاروں کا نہ ٹھور ہے نہ ٹھکانا ہے ہوشیاروں کا تک ایک دیکھنے چل ملک ان گواروں کا</p>	<p>سنا ہو حال ترے کشتگاں بچاروں کا ہزار رنگ کھلے گل چمن کے ہیں شاہد لا ہے خاک میں کس کس طرح کا عالم یاں عرقِ فشان سے اُس زلف کی ہر اماں ہوں علج کرتے ہیں سودائے عشق کا میرے تربی ہی زلف کو محشر میں ہم دکھادیں گے ہنگامہ مست کے مارے ترے خراب میں شوخ کریں ہیں دعویٰ خوش چہمی آہوانِ دشت</p>
<p>لہ تہر نفی سے جواب دہ سیاہی کا اپنی ہو وہ زلف پاکوئے محشر میں ہم سے اگر سوال کیا۔۔۔ شہد کا چھتہ</p>	

تڑپ کے مرنے سے دل کے کہ مغفرت ہو اُسے  
تڑپ کے خسر من گل پر کبھی گر اے بجلی  
تھیں تو زہد و دروغ پر بہت ہو اپنے غرور

اُسے ہے گرد کی جانالہ گور سے اُس کی  
غبارِ مہر بھی عاشقِ ہر زواروں کا

دل سمجھا نہ محبت کو کچھ اُن نے کیا یہ خیال کیا  
خوں ہو بہ سب آپھی گیا جو عشقِ حسن و جمال کیا

آنکھیں کفک سے اُس کی لگا کر خاکِ برابر ہم بھی ہوئے  
ہندی کے رنگ اُن پائوں نے تو بہتوں کو پامال کیا

یوں بچکے ہے فلکِ ایدھر سے نازکنان جو جانے تو  
خاک سے سبزہ میری آگاہ کر اُن نے جھکو نہال کیا

اگے جواب سے اُن لوگوں کے بارے معافی اپنی ہوئی  
ہم بھی فقیر ہوئے تھے لیکن ہم نے ترک سوال کیا

احال نہیں ہے عشق سے مجھ میں کس سے میرا حال کسوں  
آپ ہی چاہ کر اُس ظالم کو یہ اپنا میں حال کیا

خانہ خراب ہو جو اس دل کی چاہ کا  
موتا ہوں میں تو ہائے رے صرغہ نگاہ کا  
کشتہ ہوں یار میں تو ترے گھر کی آہ کا  
قصہ یہ کچھ ہوا دل غفراں پسند کا  
جاتا رہے نہ جان کسویں گناہ کا  
احوال کچھ نہ پوچھے اس روسیہ کا  
ہو گا کمیں میں ہاتھ کسوداد خواہ کا

گزرا بنائے چرخ سے نالہ بچاہ کا  
ہنگھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں  
صد خانماں خراب ہیں ہر ہر قدم پہ دفن  
اک قطرہ خون ہو کے پلک سے ٹپک پڑا  
تلوار مارنا تو تھیں کھنپیل ہر دے  
پیشام و خوار و زار و نزار و شکستہ حال  
ظالم زمیں سے لوٹا دامن اٹھا کے چل

لے مرزا داغ دہلوی سے صبر لے زاہدِ نافہم نے میخواروں کا پوچھنے والا بھی دیکھا ہو گنگہ گاروں کا  
لے آپھی کے بجائے اب فہمِ آپ ہی بولتے ہیں۔

لے تذکرہ میر میں پہلا مصرع اس طرح ملتا ہے۔ ظالم زمیں سے لوٹا دامن اٹھا کے پہن گروہ صبح نہیں ہے۔



اے تاج شہ نہ سر کو فرو لاؤں تیرے پاں ہے معتقد فقیر نہ کی کلاہ کا

بیمار تو نہ ہووے جسے جب تلک کہ تیر  
سوئے نہ دے گا شور تری آہ آہ کا

دل سے شوق رخ نکو نہ گیا  
ہر قدم پر تھی اُس کی منزل لیک  
سب کے ہوش و صبر و تاب تو اں  
دل میں کتنے مسوئے تھے و لے

جھا نکم تا نکم کبھو نہ گیا  
سکر سودائے جستجو نہ گیا  
لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا  
ایک پیش اُس کے رد و نہ گیا

سجھ گرداں ہی میر ہم تو رہے  
دست کوتاہ تا سب نہ گیا

گل و نیل ہزار میں دیکھا  
جل گیا دل سفید ہیں آنکھیں  
آبلے کا بھی ہونا دامنگیر  
تیرہ عالم ہوا یہ روز سیاہ

ایک بجھ کو ہزار میں دیکھا  
یہ تو کچھ انتظار میں دیکھا  
تیرے کوچے کے غار میں دیکھا  
اپنے دل کے غبار میں دیکھا

جن بلاؤں کو میر سنتے تھے  
اُن کو اس روزگار میں دیکھا

کئی دن سلوک و دلع کا مرے درپے دل زار تھا  
کبھو درد تھا، کبھو داغ تھا، کبھو زخم تھا، کبھو وار تھا

دم صبح بزم خوش جہاں شبِ غم سے کم نہ تھے مہرباں  
کہ چراغ تھا سو تو دودھ تھا، جو پتنگ تھا سو غبار تھا  
دلِ خسہ جو لہو ہو گیا تو بھلا ہوا کہ کہاں تلک

کبھو سوزِ سینہ سے داغ تھا، کبھو درد و غم سے نگار تھا  
دلِ مضطرب گزر گویا شبِ وصل اپنی ہی فکر میں  
نہ دماغ تھا نہ فراغ تھا، نہ شکیب تھا نہ مستی ار تھا

جو نگاہ کی بھی پلک اٹھا تو ہمارے دل سے لہو بہا  
کہ وہیں وہ نادک بے خطا، کسو کے کلیجے کے پار تھا  
اے مسودہ! یہاں بھی منہ ہو بہو۔

یہ تمھاری اندلوں دوشتاں مژہ جس کے غم میں ہر خوشچکان  
وہی آفتِ دل عاشقاں کو وقتِ ہم سے بھی یار تھا  
نہیں تازہ دل کی شکستگی یہی درد تھا یہی خستگی  
اُسے جبے ذوقِ شکار تھا اسے زخم سے سروکار تھا

کبھو جائے گی جو اُدھر صبا۔ تو یہ کہیو اُس سے کہ بے وفا  
مگر ایک مہرِ شکستہ پا ترے باغِ تازہ میں خار تھا

مہر کی تجھ سے توقع تھی سنگم نکلا  
داع ہوں رشکِ محبت کہ اتنا بیتاب  
جینے جی آہ ترے کوچے سے کوئی نہ پھرا  
دل کی آبادی کی اس حدِ خرابی کہ نہ پوچھ  
اشکِ تر، قطرہِ خون، نختِ جگر، بارہِ دل  
کنج کاوی جو کی سینے کی غم ہجرال نے

موم سمجھے تھے ترے دل کو سو پتھر نکلا  
کس کی تسکیں کے لئے گھرے تو باہر نکلا  
جو ستم دیدہ رہا جا کے سومر کر نکلا  
جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر نکلا  
قطع ایک سے ایک عدو آنکھ سے بہ کر نکلا  
اس دینے میں سے اقسامِ جواہر نکلا

ہم نے جانا تھا لکھے گا تو کوئی حرفِ پیر  
پر ترانہ تو اک شوق کا دستِ نکلا

رہے خیال تنک ہم بھی روسیا ہوں کا  
نہیں ستارے یہ سورخ پڑ گئے ہیں تمام  
گلی میں اُس کی پچھے کپڑوں پر سکت جا  
تمام زلف کے کوچے ہیں بارہنج اُس کے  
اسی جو غولی سے لائے تجھے قیامت میں  
تمام عمر رہیں خاکِ زیرِ پا اُس کے  
کہاں سے تہ کریں پیدا یہ ناظمانِ حال  
حساب کا ہے کاروزِ شمار میں مجھ سے

لگے ہو خون بہت کرنے بیگنا ہوں کا  
فلکِ حرلین ہوا تھا ہماری آہوں کا  
لیاس فقر ہے واں فخرِ بادشاہوں کا  
تجھی کو آفے دلا چلنا ایسی راہوں کا  
تو حرفِ کن لے کیا گوشِ ادخواہوں کا  
جو زور کچھ چلے ہم عجزِ دستگاہوں کا  
کہ پوچ بانی ہی ہی کام ان جلاہوں کا  
شمار ہی نہیں ہو کچھ مرے گناہوں کا

تری جو آنکھیں ہیں تلوار کے تل بھی ادھر  
فریبِ خوردہ ہو تو مہرِ کن نگاہوں کا

لے اسی اندازِ بیان کا ایک مہرِ محضی کا سہ مصحفی ہم تو سمجھتے تھے کہ ہو گا کوئی زخمِ دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا ۱۲۔

اے کبک پھر بحال بھی آیا نہ جائے گا  
سکر ہمارے تیغ کا سایا نہ جائے گا  
جاویں گے ایسے کھوج بھی پایا نہ جائے گا  
تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا  
دیوانِ حشر میں اُسے لایا نہ جائے گا  
پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائے گا  
آئندہ ہم سے آپ میں آیا نہ جائے گا  
سنگِ گرانِ عشق اٹھایا نہ جائے گا

اُس کا خرام دیکھ کے جسا یا نہ جائے گا  
ہم کشتگانِ عشق ہیں ابرو و چشمِ یار  
ہم رہروانِ راہِ فنا ہیں بربکِ عمر  
پھوٹا ساری رات جو پکتا رہیگا دل  
اپنے شہیدِ ناز سے بس ہاتھ اٹھا کہ پھر  
اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ہی جاگ  
ہم بخودانِ محفل تصویر اب رگئے  
گو ابیتوں کو ٹال دے آگے سے کوہِ لہن

یاد اُس کی اتنی خوب نہیں میسرِ بارِ آ  
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

ہر کام پہ جس میں سر نہ ہوگا  
اتنا بھی تو بے خبر نہ ہوگا  
دیکھے گا کہ ہونٹہ تر نہ ہوگا  
روئے دل یارِ ادھر نہ ہوگا  
ٹکڑے ٹکڑے جگر نہ ہوگا  
محنتِ زردوں کے جگر نہ ہوگا  
اس سے کبھو بہرہ نہ ہوگا  
قحبہ ہے یہ اس سے گھر نہ ہوگا  
نالے میں مرے اثر نہ ہوگا

ایسا ترا رہ گزرنہ ہوگا  
کیا اُن نے نشے میں جھکو مارا  
دھوکا ہی تمام بجز دُنیا  
آئی جو شکستِ آئینہ پر  
دشمنوں سے کسی کا اتنا ظالم  
اب دل کے تئیں دیا تو سمجھا  
دُنیا کی نہ کر تو خواستِ نگاری  
آخانہ خرابی اپنی مت کر  
ہو اس سے جہاں سیاہ نہ بھی

پھر نوہ گری کہاں جہاں ہیں  
ما تم زدہ میسر اگر نہ ہوگا

یا روزِ آٹھ کے سر کو پھرایا تو کیا ہوا  
میں نے اُسے ہزار جتایا تو کیا ہوا  
دل دیکے اُس کے ہاتھ بکایا تو کیا ہوا  
اُس کا مزاج مہر پہ آیا تو کیا ہوا

نغم اُس کو ساری رات سنایا تو کیا ہوا  
اُن نے تو مجھ کو جھوٹے بھی پوچھا نہ ایکبار  
خواہاں نہیں وہ کیوں ہو میں اپنی طرف سے یوں  
اب سچی کر سپر کہ میرے موئے گئے

دل دھائے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا ظالم اک اور تیسر لگایا تو کیا ہوا ظاہر جہاں سے ہاتھ اٹھایا تو کیا ہوا ناصح جو قوت نے جسامہ سلایا تو کیا ہوا	مست رنجہ کر کسی کو کہ اپنے تو اعتقاد میں صید نا تو اس بھی تجھے کیا رو نگا یاد کیا کیا دعائیں مانگی ہیں خلوت میں شیخ وہ فکر کر کہ چاک جگر بادے التیام
جیتے تو میسر اُن نے مجھے دانع ہی رکھا پھر گور پر چراغ حبس لایا تو کیا ہوا	
چھوڑ لذت کے تئیں لے تو فقیری کا مزا تا تو جانے کہ یہ ہوتا ہے اسیری کا مزا	گر چہ سردارِ مزل کا چو امیری کا مزا اے کہ آزاد ہے ٹک چکھ ٹک مرغِ کباب
ہم تو گمراہ جوانی کے مزلوں پر ہیں میسر حضرتِ خضرؑ کو از رانی ہو پیری کا مزا	
رات کو سینہ بہت کوٹا گیا دل نہ اُس کے ہاتھ سے چھوٹا گیا اب کہاں وہ اُس نے ٹوٹا گیا یہ نگر تھو مرتبہ ٹوٹا گیا	دل جو تھا اک آبلہ پھوٹا گیا طائرِ رنگِ حنا کی سی طسج میں نہ کہتا تھا کہ منہ کر دل کی اور دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
میسر کس کو اب دماغ گفتگو عمر گزری ریختہ چھوٹا گیا	
ہر گلی شہر کی بھیاں کوچہ رسوائی تھا صبرِ مہم عجب مولس تنہائی تھا نرگس اک دیدہ حیران تماشائی تھا	یادِ ایام کی بھیاں ترکِ شکیبائی تھا اتنی گزری جو ترے بھجیں سوا کے سبب تیرے جلوہ کا مگر دھتھا سحرِ گلشن میں
یہی زلفوں کی تری بات تھی یا کمال کی میسر کو خوب کیا سیر تو سودائی تھا	
دشمن کے بھی دشمن پر ایسا نہ ہوا ہوگا وہ تجھ کھٹ رنگیں کا مارا نہ ہوا ہوگا ان ظلم رسیدوں پر کیا کیا نہ ہوا ہوگا	اے دوست کوئی مجھ سا رسوا نہ ہوا ہوگا اب اشکِ حنائی سے جو تر نہ کرے ٹرگاں ٹک گورِ غریباں کی کر سیر کہ دنیا میں
لے دل پرست آدہ کہ جگرِ اکبر است - بڑا ہزاراں کو بہ کدل ہزار است - کعبہ بنگاہِ ظلیل آدہ بہت بڑا دل گزر گاہِ جلیل اکبر است	

<p>دل گم جو ہوا ہوگا پسدا نہ ہوا ہوگا اک شہر نہیں یاں جو صحرانہ ہوا ہوگا ہو فست نہ کہ دنیا میں بریانہ ہوا ہوگا اک قطرہ نہ دیکھا جو دریائہ ہوا ہوگا</p>	<p>ہے قاعدہ کلی یہ کوئے محبت میں اس کہنہ خرابے میں آبادی نہ کر منع آنکھوں سے تری ہم کو جو چشم کہ اب ہونے جز مرتبہ کل کو حاصل کرے ہے آخر</p>
<p>صد نشتر مرگاں کے لگنے سے نہ کلانوں لگے تجھے مہیسر ایسا سودا نہ ہوا ہوگا</p>	
<p>اس جنس کا بھال ہم نے خریدار نہ پایا عالم ہے سبھی یار کہاں یار نہ پایا کب ہم نے ترے ہاتھ سے آزار نہ پایا یاں ہم نے پرکھ بھی بیکار نہ پایا تجسس میں تری ہم نے کھجور بار نہ پایا کس دل کے ترا تیسرنگہ بار نہ پایا اس بارغ میں ہم نے کل بیچار نہ پایا جامہ میں مرے یاروں نے اک تار نہ پایا پر سیر ہو اس شخص کا دیدار نہ پایا</p>	<p>عالم میں کوئی دل کا طلب گار نہ پایا حق ڈھونڈنے کا آپ کو آتا نہیں در نہ غیروں ہی کے ہاتھوں میں ہے دستگیریں جاتی ہے نظر خس پہ کہ چشم پریدن تصویر کے مانند لگے در ہی سے غزری سورخ ہے سینے میں ہر اک شخص کے تجھ سے مربوط ہیں تجھ سے بھی یہی ناکس نا اہل ہم بعد جنوں تجھ میں نہ محسوس تھا یعنی آئینہ بھی حیرت محبت کی ہوئے ہم</p>
<p>وہ چینج کے شمشیر ستم رہ گیا جو مہیسر خوں ریزی کا بھال کوئی سزاوار نہ پایا</p>	
<p>کبھی اس راہ سے نکلا تو تجھے گھور گیا نکھ اس وقت کھلی قافلہ جب دور گیا جی گیا پر نہ ہمارا سہر پر شور گیا ہم نے جانا تھا کہ بس اتو نہ ماسور گیا اتو بے طاقتی سے دل کا بھی تقدیر گیا شمع کے چہرہ رخصت اسے تو اب نور گیا</p>	<p>کیا مرے آنے پہ تو اسے بت مغرور گیا لے گیا صبح کے نزدیک تجھے خوابے والے گورے نالے نہیں اٹھتے تو نے اگتی ہے چشم خوں بستہ سے کل ات لو پھر ٹرکا نا تو اں ہم ہیں کہ ہیں خاک کلی کی اسکے لے کہیں منہ پہ نقاب پہنے کہی غیرت صبح</p>
<p>مالہ مہیسر نہیں رات سے سنے ہم لوگ کیا ترے کوچہ سے اسی شہوخ وہ رنجور گیا</p>	

<p>خواہ مجھ سے لڑ گیا اب خواہ مجھ سے مل گیا اپنے ہی دل کو نہ ہو وادہ تو کیا حاصل نسیم دل سے آنکھوں میں لہو آتا ہے شاید رات کو قیس کا کیا کیا گیا اودھر دل دیں ہوش و صبر</p>	<p>کیا کہوں ای ہمنشیں میں تجھ سے حاصل دل گیا گوچین میں غنچہ پتر مردہ تجھ سے حاصل گیا لشکس میں بیقراری کی یہ پھوڑا چل گیا جس طرف صحرا سے لیلیٰ کا چہلا چل گیا</p>
<p>ریشک کی جاگہ ہے مرگ اس کشتہ حسرت کی میر نفس کے ہمراہ جس کی گورتاک قاتل گیا</p>	
<p>تا بہت دور انتظار کیا دشمنی ہم سے کی زمانے نے یہ تو ہم کا کارخانہ ہے ایک ناولٹ نے اس کی شرکات کے صدر گج جاں کو تاب بے باہم ہم فقیروں سے بے ادائی گیا</p>	<p>دل نے اب زور بے قرار کیا کہ جفا کار تجھ سا یا رکیا یہاں وہی ہے جو اعتبار کیا طائر سدرہ تک شکار کیا تیری زلفوں کا ایک تار کیا آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا</p>
<p>مخت کا فر تھا جن نے پہلے میر نذہب عشق اختیار کیا</p>	
<p>شب تھا نالائ غزیر کوئی تھا تھی تمہارے ستم کی تاب اس تک شب کو اس کا خیال تھا دل میں چاہ بیجا نہ تھی زلیخا کی</p>	<p>مرغ خوش خواں غزیر کوئی تھا صبر جو یاں غزیر کوئی تھا گھر میں مہاں غزیر کوئی تھا ماہ کنساں غزیر کوئی تھا</p>
<p>اب تو اس کی گلی میں خواہی لیک میسر بیجاں غزیر کوئی تھا</p>	
<p>پھوٹا کئے پیالے لٹھتا پھرا قرا با حکمت ہو کچھ جو گردوں یکساں پھرا کرے ہر باہم ہوا کریں ہیں دن رات نیچے اوپر ان صحبتوں میں آخر جانیں ہی جاتیاں ہیں ہر چند نالوں ہیں پر آگیا جو جی میں</p>	<p>ستی میں میری تھایاں اک شور اور شرابا چلتا نہیں وگر نہ شام و سحر عرابا یہ نرم مشائے لونڈے ہیں محل و خواہا لے عشق کو ہے صرف نے حسن کو محسا با دیں گے ملازمین سے تیسرا ملک قلابا</p>

سوکھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دو آبا خورشید لے رہا ہے اک روز آفتابا پھیلا تھا اس طرح کا کاہیکو یاں خرابا	دل و دن گئے کہ آنکھیں دریا سی بہتیاں تھیں منہ دھوئے وقت اُس کے اکثر دکھالی ہے اب شہر ہر طرف سے میدان ہو گیا ہے
---	--

دل لفتلی کی اپنی ہجراں میں شرح کیا دل  
چھاتی تو میسر میری جل کر ہوئی ہوتا با

دکھ اب فراق کا ہم سے سہا نہیں جاتا ہوئی ہوا اتنی تری ٹکس لطف کی حیراں نہیں گزرتی گھڑی کوئی مجھ خراب پر آہ ستم چھ آج گلی میں بڑی نہیں مجھ پر	پھر اس پہ ظلم یہ ہے کچھ کہا نہیں جاتا کہ موج جھکے مطلق بہا نہیں جاتا کہ جس میں غم سے ترے جی ڈہا نہیں جاتا کہ کے خون میں میں بھاں نہا نہیں جاتا
--	---

خراب مجھ کو کیا اضطراب دل نے میسر  
کہ ٹک بھی اس لئے اُس بن رہا نہیں جاتا

سمجھے تھے میسر ہم کہ یہ ناسور کم ہوا آئے رنگ ابر عرق ناک تم ادھر تجھ بن شراب پی کے ہوئے سب ترے خراب کافر ہمارے دل کی نہ پوچھ اپنے عشق میں خانہ خراب کس کا کیا تیری چشم لے تلوار کس کے خون میں سر ڈوب ہو تری آئی نظر جو گور سلیمان کی ایک روز کالے سر کشاں جہاں میں کھنچا تھا یہی تو سر	پھر ان دلوں میں دیدہ خونبار نم ہوا حیران ہوں کہ آج کدھر کو کرم ہوا ساقی بغیر تیرے انھیں جام سم ہوا بیت احرام تھا سو وہ بیت الضم ہوا تھا کون یوں جسے تو نصیب ایک دم ہوا یہ کس اجل رسیدہ کے گھر پر ستم ہوا کوچے پر اُس مزار کے تھا یہ رقم ہوا پایان کار مور کے خاک مدم ہوا
---	---

لے بقار اللہ تقا اکبر آبادی کا دو آبلے کے متعلق یہ شعر جو یہ سیلاب آنکھوں کے بہتے ہیں خراب ہیں پاؤں کے جوتے دل کے بے دوا ہیں  
بقار کا خیال تھا کہ اسی شعر سے دو آبلے کا لفظ لیکر تیرے شعر کہا ہے وہ دن گئے کہ آنکھیں دریا سی بہتیاں تھیں سوکھا اٹم  
پنا پنچہ اسی بنا پر انھوں نے یہ قطعہ کہا ہے تیرے گزرا مسنون دو آبلے کا لیا پاؤں تقا تو بھی دعا و سجد دعا دینی ہو پاؤں تقا تیر کی آنکھوں کو دوا کر کے  
دو بڑی کا یہ عالم ہو کہ تیرنی ہو تیر و دو آبلے بقا کی برابر ہو کہ ہو کر تو چاہا پنچہ ایک موقع پر کہا ہے کہ پڑی ہو بھلائے کا تیر کا بستی نہیں یہ دلی آواز  
ایک اور موقع پر کہا ہے تیر و مزار کی شہر خزان لے لے لے کہ علم میں صوم الیٰ تعنی پھول دیوان دونوں صوبے پاؤں تقا ہم نے جب یارت کی  
کچھ نہ پایا سولے اس کے سخن پاؤں تو تو کہہ جاؤ کہ ہی ہی مستفاد از گل رعنا

<p>افسوس کی بھی چشمِ مٹی اُن سے خلافتِ عقل قطعہ اہلِ جہاں ہیں سائے ترے جیسے جی تلک</p>	<p>بارِ علاقہ سے تو بحثِ پشتِ خم ہوا پوچھیں گے بھی نہ بات جہاں تو عدم ہوا</p>
<p>کیا کیا عزیز دوست ملے مہینہ خاک میں نادان یہاں کسو کا کسو کو بھی غم ہوا</p>	
<p>دل و دماغ ہر اب کس کو زندگانی کا اگرچہ عمر کے دس دن یہ لب ہے خاموش سبک ہو آئے جو منہ دل رکھ نماز کو شیخ ہزار جان سے قربان بے پری کے ہیں پھرے ہی کھینچے ہی تلوار مجھ پہ ہرم تو</p>	<p>جو کوئی دم ہے تو افسوس ہے جوانی کا نخن رہیگا سدا میری کم زبانی کا رہا ہے کون سا اب وقت سرگرمی کا خیال بھی کبھو گزرا نہ پریشانی کا کہ صید ہوں میں تری دشمنی جانی کا</p>
<p>مرد کر کے وہیں جس طرح میں بیٹھ گیا کے تو مہینہ بھی اک بلبلا تھا پانی کا</p>	
<p>موا میں سجدہ میں پر نقش میرا بار رہا جنوں میں ابھی مجھے اپنے دل کا غم ہی چھپ بشر ہو وہ پہ کھلا جسے اُس کا دامِ زلف کبھو نہ آنکھوں میں آیا وہ شوقِ خواب کی طرح شرابِ عیش میسر ہوئی جسے اک شب بتاں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا وہ دل کہ شام و سحر جیسے پتکا پھوڑا تھا تمام عمر گئی اُس پہ ہاتھ رکھتے ہیں ستم میں غم میں سرا انجام اُس کا کیا کئے بہا تو خون ہوا آنکھوں کی راہ بہ نکلا سو اُس کو ہم سے فراموش کاریوں کیلئے</p>	<p>اس آستان پہ مری خاک سے غبار رہا خبر لی جبکہ نہ جامے میں ایک تار رہا سر رہ اُس کی فرشتے ہی کا شکار رہا تمام عمر نہیں اُس کا منتظر رہا پھر اُس کو روزِ قیامت تلک خمار رہا وہ دل کہ جس کا خدائی میں اختیار رہا وہ دل کہ جس سے ہمیشہ جگر فگار رہا وہ دردناک علی الرغمِ ہمیتِ سر رہا ہزاروں حسرتیں تھیں تسکینِ جی کو مار رہا رہا جو سینہ سوزاں میں داغدار رہا کہ اُس سے قطرہ خوں بھی نہ یادگار رہا</p>
<p>گلی میں اُس کی گیا سو گیا نہ بولا پھر میں مہینہ بھی کہ اُس کو بہت پکار رہا</p>	
<p>لے لے گئے کا استعمال بردن نعلن اب متروک ہو۔</p>	



<p>جیتے جی کو چہ دلدار سے جایا نہ گیا          کاو کاو مژدہ یار و دل زار و تزار گئے          وہ توکل دیر تلک دیکھتا ایدھر کو رہا          گرم رو راہ قفا کا نہیں ہو سکتا پتنگ          پاس ناموس محبت تھا کہ فرما دے پاس          خاک تک کو چہ دلدار کی چھائی ہم نے          آتش تیز جدائی میں یکایک اُس بن          مہ نے آسانے شب یاد دلایا تھا اُسے</p>	<p>اُس کی دیوار کا سرے سایا نہ گیا          گنم گئے ایسے شتابی کہ چھڑایا نہ گیا          ہم سے ہی حال تباہ اپنا دکھایا نہ گیا          اس سے تو شمع منط سر بھی کٹایا نہ گیا          بیستوں سامنے سے اپنے اکھٹایا نہ گیا          جستجو کی یہ دل گم شدہ پایا نہ گیا          دل جلا یوں کہ تنک جی بھی جلایا نہ گیا          پھر وہ تا صبح مرے جی سے بھلایا نہ گیا</p>
<p>دیر شمشیر ستم تر پنا کیسا!          سر بھی تسلیم محبت میں ہلایا نہ گیا</p>	
<p>جی میں آتا ہے کہ کچھ اور بھی موزوں کیجے          دل کے تئیں آتش ہجر اس سے بچایا نہ گیا          دل میں رہ دل میں کہ معمار قضا سے ابتک          کبھو عاشق کے ترے جبے سے ناخن کا خراش          کیا تنک حوصلہ تخی دیدہ دل اپنی آہ          دل جو دیدار کا قاتل کے بہت بھوکا تھا          میں تو تھا صید زبوں صید کہ عشق کے پیچ</p>	<p>دردِ دل ایک غزل میں تو سنایا نہ گیا          گھر جلا سامنے پر ہم سے بھجایا نہ گیا          ایسا مطبوع رکاں کوئی بنایا نہ گیا          خطِ تفت دیر کے مانند مٹایا نہ گیا          ایک دم راز محبت کا چھپایا نہ گیا          اُس ستم کشتہ سے اک زخم بھی کھایا نہ گیا          آپ کو خاک میں بھی خوب ملایا نہ گیا</p>
<p>شہرِ دل آہ عجب جلتی تھی پر اس کے گلے          ایسا اجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا</p>	
<p>آج رہتی نہیں خاتے کی زباں کھٹے مٹا          گل میں اُس کی سی جو بو آئی تو آیا نہ گیا          آہ جو نکلی سرِ مٹھ سے تو افلاک کے پاس          گل نے ہر چند کہا بلع میں رہ پر اُس بن</p>	<p>حرف کا طول بھی جو مجھ سے گھٹایا نہ گیا          ہم کو بن دوش ہوا بلع سے لایا نہ گیا          اُس کے آشوب کے عہدے سے بر آیا نہ گیا          جی جو اچھا تو کسو طرح لگایا نہ گیا</p>

سر نشین رہ میخانہ ہوں میں کیا جانوں حیف ہے جو جلی وہ اس وقت میں پہنچا جس وقت خطر راہ محبت کہیں جوں حرف مٹے خونِ آشوب سے غوغائے قیامت کیلئے	رسم مسجد کے تیس شیخ کہ آیا نہ گیا اُن کے حال اشاروں سے بتایا نہ گیا جس سے اُس طرف کو قاصد بھی چلایا نہ گیا خونِ خوابِ سدہ عشاق جگایا نہ گیا
---	--

میر مت عذر گریباں کے بچھے رہنے کا کر  
زخمِ دل چاک جگر بھتا کہ سلایا نہ گیا

ادھر اگر شکار اقلن ہمارا گریباں سے رہا کو تھ تو پھر ہر گئے جوں شمع اُس مجلس میں جلے بلا جس چشم کو کتے ہیں مردم ہوار و نے سے راز دوستی ناش بہت چاہا تھا ابر ترے لیکن چمن میں ہم بھی زنجیری ہے میں کیا تھا ریختہ پردہ سخن کا	مشتبک کر گیا ہے تن ہمارا ہمارے ہاتھ میں دہن ہمارا سبھوں پر حال ہی روشن ہمارا وہ جو عین بلا مسکن ہمارا ہمارا گریہ تھا دشمن ہمارا نہ منت کش ہوا گلشن ہمارا سنا ہو گا کبھو شیون ہمارا سو ٹھہرا ہی یہی لب ہمارا
---	--

نہ بیکے میکدے میں میر کیونکر  
گرونتو جا ہی پیرا ہن ہمارا

گلیوں میں اب تلک تو مذکور ہے ہمارا مقصود کو تو دیکھیں کب تک پہنچے ہیں ہم کیا آرزو تھی جس سے سب چشم ہو گئے ہیں تیں آہ عشق بازی جو پڑ عجب کچھانی تا چند پشت پا پر شرم و حیا سے آنکھیں بے طاقتی کریں تو تم بھی معاف کھیں	افسانہ محبت مشہور ہے ہمارا بالفعل اب ارادہ تا گور ہے ہمارا بہر زخم تنو جگہ سے ناسور ہے ہمارا کچی پڑیں میں نروں گھر دور ہے ہمارا احوال کچھ بھی تم کو منظور ہے ہمارا کیا کیجے کہ دل بھی مجبور ہے ہمارا
--	---

ہیں مشت خاک لیکن جو کچھ ہیں میر میر ہیں  
مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا

لے چلا یا نہ گیا، بجائے سمجھا نہ گیا۔ فی زمانہ متروک ہے۔

<p>سحر کہ عید میں دور سبوتا تھا غلط تھا آپ سے غافل گزرنا چمن کی وضع نے ہم کو کیا داغ گل و آئینہ کیا خورشید و مہ کیا کرو گے یاد باتیں تو کہو گے جہاں پُر ہے فسانے سے ہمارے مگر دیوانہ تھا گل بھی کسو کا کہیں کیا بال تیرے کھل گئے تھے</p>	<p>پراپنے جام میں تجھ بن لہو تھا نہ سمجھے ہم کہ اس قالب میں تو تھا کہ ہر غنچہ دل پر آرزو تھا جدھر دیکھا تدھر تیرا ہی رو تھا کہ کوئی رفتہ سبیا کو تھا داغ عشق ہم کو بھی کبھو تھا کہ پیرا ہن میں سو جاگہ رفو تھا کہ جھونکا باؤ کا کچھ مشک بو تھا</p>
<p>نہ دیکھا میرا آوارہ کو لیکن غبار اک ناتواں سا کو بکھو تھا</p>	
<p>راہ دور عشق سے رونا ہے کیا فانے میں صبح کے اک شو ہے سبز ہوتی ہی نہیں یہ سبز میں یہ نشان عشق ہیں جاتے نہیں</p>	<p>آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا تخم خواہش دل میں تو ہوتا ہے کیا داغ چھاتی کے عبرت ہوتا ہے کیا</p>
<p>میرت یوسف ہو یہ وقت عزیز میر اس کو رانیکاں کھوتا ہے کیا</p>	
<p>رونا تک کہ تھنبا تو غم بیکراں سہا پہلو میں اک گرہ سی تہ خاک ساتھ ہے آنکھوں نے رازداری محبت کی خوب کی آئے تھے اک امید پہ تیری گلی میں ہم</p>	<p>دس دن رہے جہان میں ہم سودا دہا شاید کہ مر گئے یہ بھی خاطر میں کچھ رہا انسو جو آئے آئے رہے تو کہو ہوسا سو آہ اس طرح چلے لو ہو میں ہم رہا</p>
<p>کس کس طرح سے میر نے کاٹا ہر عمر کو اب آخر آخر آن کے یہ ریختہ کیا</p>	
<p>بیکسا نہ جی گرفتاری سے شبنون میں رہا پنچہ گل کی طرح دیوانگی میں ہاتھ کو</p>	<p>ایک دل غمخوار رکھتے تھے سو گلشن میں رہا گر نکالا میں گریباں سے تو دامن میں رہا</p>

اس شعر اس طرح بھی شہور ہو سہ ابتدائے عشق ہو رونا ہو کیا ان کو صحیح اسی طرح ہی جیسا کہ نقل ہوا۔

<p>رشتہ الفت تمامی عمر گردن میں رہا سر سے لیکر پاؤں تک میں غرقِ آہن میں رہا اب یہ دعویٰ حشر تک شیخ و برہن میں رہا ڈر نہیں ان چوٹوں کا روزِ روشن میں رہا</p>	<p>شمع ساں جلتے رہے لیکن نہ توڑا یا رے ڈرے اُس شمشیرِ زن کے جو ہر اکینہ ساں ہم نہ کہتے تھے کہ مست دیر و حرم کی راہ چل در پہ دل ہی ہے اس چہرے کے خال سیاہ</p>
<p>آہ کس انداز سے گزرا بیاباں سے کہ میسر جی ہر اک نخچیر کا اُس صیدِ افکن میں رہا</p>	
<p>اُس خانماں خراب نے آنکھوں میں گھر کیا ہم کو تو روزِ گار نے بے بال و پر کیا آخر انھیں دواؤں نے ہم کو ضرر کیا میں صحبتِ شراب سے آگے سفر کیا سُن لیجئے کہ ہم ہی نے سینہ سپر کیا اس نیم کشتہ نے بھی قیامت جگر کیا ذوقِ خبر ہی نے تو ہمیں بے خبر کیا سُن کر جسے خضر نے سفر سے حذر کیا دار و پلا کے شیخ کو آدم سے خر کیا کیا جائے جنوں نے ارادہ کدھر کیا اک حرف نیم گفتہ نے دل پر اثر کیا</p>	<p>غمزے نے اُس کے چوری میں دل کی ہنر کیا رنگ اڑ چلا چمن میں گلوں کا تو کیا نسیم نافع جو تھیں مزاج کو اولِ سو عشق میں کیا جانوں بزمِ عیش کہ ساقی کی چشم دیکھ جس دم کہ تیغِ عشق پہنچی بواہوس کہاں دل زخمی ہو کے تجھ تین پہنچا تو کم نہیں ہے کون آپ میں جو ملے تجھ سے مست ناز وہ دشتِ خوفناک رہا ہے مرا وطن کچھ کم نہیں ہیں شعبہ بازوؤں سے میگاں ہیں چاروں طرف خیمے کھڑے گرد باد کے لکنت تری زبان کی ہے سحر جس سے شوخ</p>
<p>بے شرم محض ہے وہ گنہگار جن نے میسر ابرِ کرم کے سامنے دامان تر کیا</p>	
<p>بس گیا میں جان سے اب اُس سے یہ جانا گیا شمع تک ہم نے تو دیکھا تھا کہ پروانا گیا دیدہ تر ساتھ لے مجلس سے یہ جانا گیا مذہب گزریں کہ وہ گلزار کا جانا گیا</p>	<p>ناکسی سے پاس سے یار کا آنا گیا کچھ نہ دیکھا پھر بجز اک شعلہ پُر بیچ و تاب ایک ہی چشمک تھی فرصتِ صحبتِ اجاب کی گل کھلے صد رنگ تو کیا بے پری سے ایسی نیم</p>
<p>دور تجھ سے میرے ایسا لقب کھینچا کہ شوخ کل جو میں دیکھا اُسے مطلق نہ پہچانا گیا</p>	

<p>سب کہیں گے یہ کہ کیا اک نیم جاں مارا گیا          ورمیں بیچارہ تو اسے مہرباں مارا گیا          دل غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا          وہ سہرا پا آرزو آخر جواں مارا گیا</p>	<p>ہاتھ سے تیرے اگر میں ناواں مارا گیا          یک نگہ سے بیش کچھ نقصان آیا اسکے تنیں          وصل و ہجراں سی جو دو منزل ہیں عشق کی          دل نے سر کھینچا دیا بر عشق میں ایو ہا ہوس</p>
<p>کب نیا ز عشق ناز حسن سے پھٹنے ہو ہاتھ          آخر آخر مہیں سر بر آستان مارا گیا</p>	
<p>بکس کے سر اور کم خسریاں ہوگا          نہوں گا تو اندوہ بیار ہوگا          قیامت کو کس کس سے خودار ہوگا          ملے گا تو صورت سے بنیر ہوگا          کبھو تو قیامت طر حدار ہوگا          یہ دیوار کا سایہ دیوار ہوگا</p>	<p>حجرت کا جب زور بازار ہوگا          نہ خالی رہے گی مری جاگہ گر میں          یہ منصور کا خون ناحق کہ حق تھا          محب شیخ جی کی ہر شکل و مثال          کھنچے عہد خط میں بھی دل تیری جانب          زمیں گیر ہو عجز سے تو کہ اک دن</p>
<p>بہ چوچہ اپنی مجلس میں ہی مہیں بھیجاں          جو ہوگا تو جیسے گنگار ہوگا</p>	
<p>ہو آتا ہے جب نہیں آتا          جب آتا ہے تب نہیں آتا          سو وہ مدت اب نہیں آتا          گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا          بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا          پر سخن تا بلب نہیں آتا</p>	<p>شک نکھوں میں کب نہیں آتا          ہوش جانا نہیں ہا نہیں          صبر تھا ایک مونس ہجراں          دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش          عشق کو حوصلہ ہر شرط اور نہ قطعہ          جی میں کیا کیا ہو اپنے ہی ہم</p>
<p>دور بیٹھا عبا ر مہیں اس سے          عشق بن یہ ادب نہیں آتا</p>	
<p>جیتا ہوں تو تجھی میں یہ دل لگا رہے گا          زخم دل و نمک میں کب تک مزا رہے گا          جی جائے گا ہمارا اک دم کو یار ہے گا</p>	<p>کب تک تو امتحاں میں مجھ سے جدا رہے گا          یہاں ہجر اور ہم میں بگڑی ہو کب کی صحت          تو برسوں میں لے ہو یہاں فکر یہ ہے ہے</p>

حافل نہ رہیو ہرگز نادان داغِ دل سے  
مرنے پر اپنے مت جاسا لک طلب میں اسکی  
عمر عزیز ساری دل ہی کے غم میں گزری  
دیدار کا تو وعدہ محشر میں دیکھ کر کے

بھٹکے گا جب یہ شعلہ تب گھر جلا رہے گا  
گو سر کو کھور سہیگا پر اس کو پار ہے گا  
بیمار عاشقی یہ کس دن بھلا رہے گا  
بیمار غم میں تیرے تب تک تو کیا رہے گا

کیا ہے جو اٹھ گیا ہے پر بستہ دفا ہے  
قید حیات میں ہو تو میسر آ رہے گا

جو یہ دل ہے تو کیا سر انجام ہوگا  
مراجی تو آنکھوں میں آیا یہ سنتے  
نہ ہوگا وہ دیکھا جسے کہک تو نے  
نہ نکلا کر اتنا بھی بے پردہ گھر سے

تہ خاک بھی خاک آرام ہوگا  
کہ دیدار بھی ایک دن عام ہوگا  
وہ اک بانغ کا سر اندام ہوگا  
ہست اس میں ظالم تو بدنام ہوگا

ہزاروں کی بھال لگ گئیں چپ سے بچھیر  
تو اسی ماہ کس شب لب بام ہوگا

جگر چاکی ناکامی دُنیا ہے آخر  
نہیں آئے جو میسر کچھ کام ہوگا

خواب میں تو نظر جمال پڑا  
وہ نہانے لگا تو سایہ زلف  
میں نے تو سر دیا پر اسے جلا د  
شیخ قلاش ہو جوئے میں نہ لاؤ

پر مرے جی ہی کے خیال پڑا  
بحر میں تو کہے کہ جمال پڑا  
کس کی گردن پہ یہ وبال پڑا  
بجھاں ہمارا ہے ہے مال پڑا

خوبرو اب نہیں ہیں گندم گوں  
میسر ہندوستان میں کال پڑا

لہ نہ پوچھ خواب زلیخانے کیا خیال لیا  
رہ طلب میں گرے ہوتے سر کے بھل ہم بھی  
رہوں ہوں برسوں سے ہوش پر بھول نہ

کہ کاروان کا کنعاں کے جی نکال لیا  
شکستہ پائی نے اپنی ہمیں سنبھال لیا  
گلے میں ہاتھ مرا پیار سے نہ ڈال لیا

بتاں کی میسر ستم وہ نگاہ ہے جس نے  
خدا کے واسطے بھی خلق کا وبال لیا

<p>اُس شمع کھم نہا کانت انتظار کھینچا ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا میں نے جو ہاتھ کھینچا ان نے کٹا کھینچا آنکھوں کو دیکھ اُس نئی آخر خمار کھینچا گر شانے تو نے اُس کی زلفوں کا تار کھینچا پر میں نے بھی بغل میں بے اختیار کھینچا</p>	<p>نقاش دیکھ تو میں کیا نقش یار کھینچا رسم قلم و عشق مست پوچھ کچھ کہ ناحق تھا بد شراب ساتی کتنا کہ رات جو سے مستی میں شکل ساری نقاش سے کھینچی جی کھینچ رہے ہیں اور دھرم عالم کا ہو گا بلوا تھے شرب کئے کسائے تیغ کشیدہ کھ میں</p>
<p>پھرتا ہو میر تو جو پھلاٹے ہوئے گریباں کس کس ستم زدے نے داماں یار کھینچا</p>	
<p>ہمکتا ہو نہٹ جو پھول سی دارو سے میخاننا مرے دیوان پن تک ہی رہا معمور ویرانا کہ ای بیمار میرے تجھ پہ جلد آساں ہو مر جانا</p>	<p>یہ حسرت ہے مروں اس میں لے لبر نہ پیمان نہ دے زنجیر کے غل میں نہ دے جرگے نزالوں کے مرا سر نزع میں زانو پہ رکھ کر یوں لگا کئے</p>
<p>نہو کیوں رنج نہ بے سورش و کیفیت و معنی گیا ہو میر دیوانہ رہا سو دوا سو ستانا</p>	
<p>اب کے شرط و فاجا لایا سارے عالم میں میں دکھا لایا ایک عالم کے سر بلا لایا</p>	<p>بار بار گور دل جھٹکا لایا قدر رکھتی نہ تھی متاع دل دل کہ اک قطرہ غل نہیں آویش</p>
<p>۱۷ ستودا۔ یعنی مرزا رفیع المتخلص بہ ستودا، جو میر صاحب کے مشہور معاصر۔ شاہ حاتم کے شاگرد۔ اور دلی کے قائم باشندے تھے، ایک ضخیم کلیات جس میں سب قسم کا کلام موجود ہے اور جو اب مطبع ہذا میں نہایت اہتمام سے بہ ترتیب جدید چھاپا گیا ہے، ان سے یادگار ہو۔ میر صاحب ان کو طراز بر دست شاعر مانتے ہیں چنانچہ نکات اشعار میں ان کے متعلق یہ رائے لکھی ہو ”جو انیسویں خوش خلق و خوش گویا، یار باش شگفتہ روز، مولد ادشا بہمان آباد است، نوکر پیشہ و غزل و غزل قصیدہ و غنوی و قطعہ و محسن در باغی ہمد را خوب می گوید۔ مراد شعرائے ہندی او مست۔ بسیار خوش گویا است۔ ہر شعر مش طرح لطیف رستہ۔ در حین ہندی الفاظ گل معنی دہستہ و ستہ۔ ہر مصرع جہتہ اش ارادہ و بندہ پیش فکر عایش طبع عالی تر منہ شاعر رنجہ چنانچہ ملک الشعرائی رنجہ اور اشاید“ مرزا ستودا دہلی کی طوائف الملوک کے زمانہ میں لکھنے چلے آئے اور یہاں کے حکمرانوں کے دیواری شعور میں منسلک ہے اور پھر میر بھگت پور سے نکلے چنانچہ ۱۹۵۰ء مطابق ۱۷۰۰ء میں یہیں انتقال کیا اور یہیں مدفون ہوئے۔</p>	

<p>اُس کو یہ ناتواں اٹھالایا دل مجھے اُس نگلی میں لیجا کر ابتدا ہی میں مر گئے سب یار</p>	<p>سب پہ جس بارے گرائی کی دل مجھے اُس نگلی میں لیجا کر ابتدا ہی میں مر گئے سب یار</p>
<p>بتو جاتے ہیں بتکرے سے میر پھر ملیں گے اگر حسد الایا</p>	<p>بتو جاتے ہیں بتکرے سے میر پھر ملیں گے اگر حسد الایا</p>
<p>ہو جو زخمی کسو برہنہ زدنِ شرکاں کا ڈول ڈالا ہر مری آنکھوں کے اُٹے چوٹاں کا اُن نے سوئے میں ڈوپٹے سے جو تھکھوٹھاں کا اب تو یہ رنگ ہے اس دیدہ اشک افشاں کا اُنے فردوس بھی چل کر نہ ادھر کو جھانکا قاعدہ ہے یہی مدت سے ہمارے ہاں کا رہزن دیں ہر کوئی دزد کوئی ایماں کا</p>	<p>کیا عجب پل میں اگر ترک ہو اُس سے جاں کا اُسٹے پلکوں کے گرے پڑتے ہیں لاکھوں تیر جلوہ ماہ نہ ابر تنک بھول گیا ہو لگتا ہے ٹپکنے جو پلک ماروں ہوں ساکن کو کوئی کب سے تماشے کا دماغ اُسٹے گیا ایک تو اک مرے کو آبیٹھے ہے کارِ اسلام ہے مشکل ترے خال و خط سے</p>
<p>چارہ عشق بجز مرگ نہیں کچھ ای میر اُس مرض میں ہر عیبت فکر تھیں دریاں کا</p>	<p>چارہ عشق بجز مرگ نہیں کچھ ای میر اُس مرض میں ہر عیبت فکر تھیں دریاں کا</p>
<p>کھڑا مرا جگر ہے کوسنگ سخت کا ب دیکھئے تو وہاں نہیں سیاہ درخت کا نڈ کو رکھیا ہے اب بگر لخت لخت کا تھا کل تلمک دماغ تھیں تلج و تخت کا</p>	<p>ہر دم طرف ہو ویسے مزاج کزخت کا سبز ان تازہ روکی جہاں جلوہ گاہ تھی جوں برگ ہائے لالہ پریشان ہو گیا دلی میں آج بھی کچھ بھی بانی نہیں تھیں</p>
<p>حاکم یہ سے میں جو برابر ہوا ہوں میر سایہ پڑا ہے مجھ پہ کسو تیرہ بخت کا</p>	<p>حاکم یہ سے میں جو برابر ہوا ہوں میر سایہ پڑا ہے مجھ پہ کسو تیرہ بخت کا</p>
<p>وٹل دن جو ہے یہ جملت سو بھیاں دہار ہیگا خورشید کا نکلنا کیونکر چھپا رہیگا</p>	<p>ہم عشق میں نہ جانا غم ہی سدا رہیگا برقع اُسٹے پہ اُس کے ہو گا جہان روشن</p>
<p>لے حافظ سے آسمان بار امانت تو انت کشید : قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند لے دلی کی طالیف الملوکی کی طون اشارہ کیا ہو۔ لے میر صاحب کا دہ شعر بھی د ہو کر مضمون کا خوب ہو جو صفحہ ۲۹ سطر ۱۰ پر درج ہو۔</p>	



اک دہم سی رہی ہو اپنی نمود تن میں  
 مذکور یار ہم سے مت ہمنشیں کیسا کر  
 دل ہی کے غم میں گزری اپنی تو عمر ساری  
 اُس گل بغیر جیسے ابر بہار عاشق  
 دانستہ ہے تغافل غم کینا اس سے حاصل  
 اب جھمکی اُس کی تم نے دیکھی کبھو جو یار  
 آتے ہوا بتو آد پھر ہم میں کیا رہیگا  
 دل جو بجا نہیں ہو پھر اس میں جا رہیگا  
 بیمار عاشقی یہ کس دن بھلا رہیگا  
 نالاں جدا رہیگا، روتا جدا رہیگا  
 تم درد دل کو گے وہ سر جھکا رہیگا  
 برسوں تک اسی میں پھر دل سدا رہیگا

کس کس کو میر نے کہہ کر دیا ہو پس  
 وہ ایک ہو مفتن یوں ہی چما رہیگا

بھلا ہو گا کچھ اک حوال اس سے یا بُرا ہوگا  
 تفحص فائدہ ناصح تدارک تجھ سے کیا ہوگا  
 کسو کو شوق یار بیش اس سے اور کیا ہوگا  
 دکانیں حسن کی آگے ترے تختہ ہوئی ہوں گی  
 معیشت ہم فقیروں کی سی انوار ماں سے کر  
 خیال اس بیو کا ہمنشیں اتنا نہیں اچھا  
 قیامت کر کے اب تیر جس کو کرتی ہو خلقت  
 عجب کیا ہو ہلاک عشق ہیں فرہاد و مجنوں کے  
 نہ ہو کیوں غیرت گلزار وہ کو چہ خدا جائے  
 بہت ہمسائے اس گلشن کے زنجیری ہا ہوں میں  
 نہیں جز عرش جاگہ راہ میں لینے کو دم اس کے  
 مال اپنا ترے غم میں خدا جائے کہ کیا ہوگا  
 وہی پاوے گا میرا درد دل جس کا لگا ہوگا  
 قلم ہاتھ آگئی ہوگی تو سو سو خط لکھا ہوگا  
 جو تو بازار میں ہوگا تو یوسف کب بچا ہوگا  
 کوئی گالی بھی دے تو کہہ بھلا بھلا ہوگا  
 گماں کتھے تھے ہم بھی یہ کہ ہم سے آشنا ہوگا  
 وہ اُس کو چہ میں ایک آشوب شاید ہوا ہوگا  
 محبت روگ ہو کوئی کہ کم اُس سے جیا ہوگا  
 لہو اُس خاک پر کن کن غزریوں کا گرا ہوگا  
 کبھو تم نے بھی میرا شور نالوں کا سنا ہوگا  
 نفس سے تن کے مزاج روح میر جب رہا ہوگا

کہیں ہیں میر کو مارا گیا شب اس کے کوچے میں  
 کہیں وحشت میں شاید بیٹھے بیٹھے اٹھ گیا ہوگا

یہاں نام یار کس کا درد زباں نہ پایا  
 وضع کشیدہ اُس کی رکھتی ہو داغ سب کو  
 پایا نہ یوں کہ کرے اُس کی طوط اشارت  
 یہ دل کہ خون ہوئے برجانہ تھا دگر نہ  
 پر مطلقا کہیں ہم اُس کا نشان نہ پایا  
 نیو تا کسو سے ہم وہ ابرو کہاں نہ پایا  
 یوں تو جہاں میں ہم نے اُسکو کہاں نہ پایا  
 وہ کونسی جگہ تھی اُس کو جہاں نہ پایا

لے میر سے عمر گزشتہ ساری دل ہی کے غم میں گزری + بیمار عاشقی یہ کس دن بھلا رہیگا۔

<p>لیکن کمر کو اُس کی ہم درمیاں نہ پایا جوش جہاں سے ہم وہ آستان نہ پایا</p>	<p>فتنے کی گرچہ باعث آفاق میں دہی تھی محررم سجدہ آخر جانا پڑا جہاں سے</p>
<p>ایسی ہو میر کی بھی مدت سے رونی صورت بھرے پہ اُس کے کس دن آنسو داں نہ پایا</p>	
<p>بھر شب نہ لطف تھا نہ وہ مجلس میں نور تھا کھیا کیا عسزینہ خلع بدن ہائے گر گئے کیونکر تو میری آنکھ سے ہو دل تلک گیا شاید نشے میں اُس سے یہ سفاکیاں ہوئیں</p>	<p>نور تھا اس روئے دل فروزی کا سب میں ظہور تھا تشریف تم کو یہاں تیں لاتا ضرور تھا یہ بحر موج خیز تو عسر العیور تھا رضعی جو اُس کے ہاتھ کا نکلا سو چور تھا</p>
<p>جیتے جی پاس ہو کے نہ نکلا کسو کے میر وہ دور گرد باد یہ عشق دور بہت</p>	
<p>روئے نہ ہم کبھو ملک دامن پیکر کسوکا اب رہ گیا ہے آنا میر کبھو کسوکا اُس کی گلی میں جا کر کس اتیش کو کا کچھ ٹوٹ سا چلا ہو پانی چین کے جو کا تب فکر میں کر دوں گا رخصت کس بھی رو کا بھر موتیوں کی لڑ پرائے کبھو نہ تھو کا ہر گل ہے اس چین میں ساغر بھرا ہو کا سب ہم سے سیکھتے ہیں انداز گفتگو کا مت کھول بیج ظالم اُس لطف مشکبو کا</p>	<p>ہے حال جائے گریہ جان پر آرزو کا جاتی نہیں اٹھائی اپنے پہ یہ نشوونما اس آستان سے کس دن پر شور سر نہ پکا شاید کہ منہ گئی ہو قمری کی چشم گریاں اپنے تڑپنے کی تو تدبیر پہلے کر لوں دانستوں کی نظم اُس کی سنسنے میں جان دی یہ عیش گہ نہیں ہو یہاں رنگا در کچھ ہو بلبل غزل سرائی آگے ہمارے مت کر گلیاں بھری پڑی ہیں ایو یار زخمیوں سے</p>
<p>دے پہلی تقائیں ساری فریب نکلیں دینا نہ تھا دل اس کو میں میر آہ جو کا</p>	
<p>دل کے تلو ٹکڑے مرے پر سہمی نالاں کیجا آہ ثابت بھی نہ نکلا یہ گریباں کیجا کہ جہاں مارے گئے کتنے مسلمان کیجا جمع ہم نے بھی کیا ہو سرد ساماں کیجا</p>	<p>میں بھی دنیا میں ہوں اُن تالہ پریشاں کیجا پند گوئیوں نے بہت سینے کی تدبیریں کیں تیرا کوچہ ہے ستمگار وہ کامنبر جاگہ سکر باندھا ہو کفن عشق میں تیرے یعنی</p>

۱۵۔ ہر جہان میں ہر جگہ

اُس کے کوپے میں ہر صد گنچ شہید ال کچا  
ہو جی ابراہیم باباں میں گریاں کچا

ایسی کوہ میں نہیں ہے تیرے جاناں یلگا

ستم شریک ترا یار ہے زمانے کا  
 کہیں خیال نہیں کھیل کمال آنے کا  
 سفر تو ہم کو ہو دیش جی سجانے کا  
 سُرناغ کیجیو نہ پھر تو نشان پانے کا  
 جگر میں برق کے کاٹا بچھ اُشیانے کا  
 سمجھ بھی شوخ ہی تو ہے بہانے کا  
 شہید ہوں میں تری تیغ کے لگانے کا

شریف مگر رہا ہو تمام عمر اے شیخ  
یہ میسر اب جو گدا ہے شراب خانے کا

شام سے تا صبح دم بالیں پہ سر کیجائے تھا  
 ررنہ مجنوں ایک خاک افتادہ دیرانہ تھا  
 اب وہ دل گویا کہ اک ملت کا نام خانہ تھا  
 دا ہوئیں مڑگاں کہ سبزہ سبزہ بیگانہ تھا  
 اے دل صد چاک کس کی زلف کا تو شانہ تھا  
 یاد رہ باز بیا بیاں یا درِ میخانہ تھا  
 یا سڑی یا خیطی یا مجنون یا دیوانہ تھا  
 ہاتھ اُس کا جو مرے لوہوں گستاخانہ تھا  
 یہ نہ سمجھا وہ کہ واقع میں بھی کچھ تھا یا نہ تھا

۱۔ حکیم مومن خاں مومن دہلوی سے ہزار لطف ہیں جو ہر قسم میں جاں کیلئے : ستم شریک ہوا کون آسمان کیلئے۔  
۲۔ مجھ آشیانے کا۔ میرے آشیانے کا۔ کی جگہ اب متروک ہو۔  
۳۔ مزار غالب دہلوی سے نظر لگے نہ کہیں اُس کے زور بازو کو، یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں۔

صبح ہوتے وہ بنا گوش آج یاد آیا مجھے شب فزون بزم کا باعث ہوا تھا حزن و غم رات اُس کی چشم سیکوں خواب میں کبھی تھی میں رحم کچھ بیدار کیا شاید کہ اس بے رحم نے	جو گرا دامن پہ آسنو گوہر یک دانہ تھا شمع کا جلوہ عیار دیدہ پروانہ تھا صبح سوتے سے اٹھا تو سامنے پیمانہ تھا گوش اُس کا شب ادھر تھا آخر افسانہ تھا
---	---

میر بھی کیا مست طالع تھا شراب عشق کا  
لب پہ عاشق کے ہمیشہ نعرہ مستانہ تھا

پیغامِ غم جگر کا گلزار تک پہنچا اس آنکھ کے مانند رنگا جس کو کھا دے جو نقش پا ہی غربت حیران کر اُس کی لبریز شکوہ تھے ہم لیکن حضور میرے بے چشمِ خم رسیدہ پانی چو اذ کوئی یہ سخت سبز و کچھو بلغ زمانہ میں سے مستوریِ خوب رویِ دولوں جمع ہوویں قطع یوسف کر لیکے ناکل پھر گل سے لیکے تاج	نالہ مرا چین کی دیوار تک پہنچا کام اپنا اُس کے غم میں دیدار تک پہنچا آوارہ ہو وطن سے جو یار تک پہنچا کارِ شکایت اپنا گفتار تک پہنچا وقتِ اخیر اُس کے بیمار تک پہنچا بزمِ مدہ گل بھی اپنی دستار تک پہنچا غوی کا کام کسکی اظہار تک پہنچا یہ حسن کس کو لیکر بازار تک پہنچا
--	--

افسوس میرے جو ہونے شہید کے  
پھر کام اُن کا اُس کی تلوار تک پہنچا

اُس کا خیال چشم سے شربِ غم اب بے گیا کن نمیدوں اب تو سوتی تھی چشمِ گریہ ناک آوے جو سطلے میں تو سن لو کہ راہ سے نے دل رہا بجا ہی نہ صبر جو اس دہوش میرے حضور شمع نے گریہ جو سر کیا احوال اس شکارِ زبوں کا ہی جائے رحم	قسمے کہ عشق جی سے مرے تابے گیا مترگاں تو کھول شہ کو سیلابے گیا داعظ کو ایک جامِ مے نابے گیا آیا جو سیلِ عشق سب اسبابے گیا رویا میں اُس قدر کہ مجھے آجے گیا جس ناتواں کو مفت نہ قصابے گیا
---	---

منہ کی جھلک سے یار کے بے ہوش ہو گئے  
شب ہم کو میرے بزم تو جنتا بے گیا

ان مصطفیٰ بمعنی میثاقہ بدست۔

<p>ایک دن یوں ہی جی سے جائے گا  کسو دن آپ میں بھی آئے گا  جہنم کیسے ڈھونڈا بھی تو نہ پائے گا  کوئی دن اور باؤ کھائے گا  یعنی پردے میں غم منائے گا  اپنے تئیں خاک میں ملائے گا  خوبے ہاتھ اُسے لگائے گا  قلعہ کعبہ و دیر سے بھی جائے گا</p>	<p>کب تلک یہ ستم اٹھائے گا  شکلِ تصویر بخود ہی کب تک  سب سے مل چل کہ حادثے سے پھر  نہ موئے ہم اسیری میں تو نسیم  کہنے گا اُس سے قصہ مجنوں  اُس کے پابوس کی توقع پر  اُس کے پانوں کو جا لگی ہو حنا  شرکتِ شیخ و برہمن سے میسر</p>
<p>اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدی مسجد  کسی دیرانے میں بنائے گا</p>	
<p>لے یار مرے سلمہ اللہ تعالا  ہر دم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا  مسجد میں ہی کیا شیخ، پیالا نہ نوالا  جس دشت میں بھوتا ہو مر پانوں کا چھالا  یہ دیر ہے زہاد نہو خسانہ خالا  دھاں چادر جنتاب ہو مٹھی کا سا جالا  تلوار کے لڑنے کو مرے کیجئے حوالا  رستم نے مری تیغ کا حملہ نہ سنبھالا</p>	<p>دل پہنچا ہلاکی کو نہ ٹھکھنچ کسالا  کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باش  سمور شرابوں سے کبابوں سے سیر  گزرے ہو لہو دھاں سر ہر خار سے اب تک  گر قصدا دھڑکا ہو تو ٹنگ بیکھ کے آنا  جس گھر میں ترے جلو سے ہو چاندنی کا فرش  دشمن نہ کہ ورت سے مرے سامنے ہو جو قلعہ  ناموس مجھے صافی طینت کی ہو در نہ</p>
<p>دیکھ ہو مجھے دیدہ پر خشم سے وہ میسر  میرے ہی نصیبوں میں تھا یہ زہر کا پیالا</p>	
<p>اک وقت میں یہ دیدہ بھی طوفانِ روچکا  پچھتا نا یوں ہی سا ہو جو ہونا تھا ہو چکا</p>	<p>بل میں جہاں کو دیکھتے میرے ڈبو چکا  افسوس میرے مردے پر اتنا نہ کر کہ اب</p>
<p>لے کیجئے بجائے کیجئے اور ہر جو بجائے ہو جو اور اسی قسم کے صیف اب متردک ہیں زمانہ مرزا غالب ہم ہمکا استعمال میں تھے چنانچہ  اُن کے یہاں ایسے الفاظ کا اس طرح استعمال ہوا ہے مثلاً  وہ طلق اُسے زلف نہیں ہیں او خدا! رکھو مجھ سے دعویٰ و استغنیٰ کی شرم بھلائی اسکے کیجئے لیجئے روزِ نعلن اب بھی استعمال ہوتے ہیں :-</p>	

<p>آنکھیں اگر یہی ہیں تو بھرنے نہ سوچا جھپکی لگی کہ دور یہ آخر ہی ہو چکا اس سرزمین میں ختم محبت ہیں ہو چکا میں پنجب مرثہ کے سمندر بلوچکا</p>	<p>لگتی نہیں پلک سے پلک انتظار میں اک چٹک پیالہ ہے ساتی بہارِ عمر ممکن نہیں کہ گل کرے ویسی شگفتگی پایا نہ دل بہایا ہوا سبیل اشک کا</p>
<p>ہر صبح حادثے سے یہ کہتا ہے آسمان دے جامِ خونِ میسر کو گر مُنہ دہ دھو چکا</p>	
<p>ہے ختم اس آبلے پر سیر و سفر ہمارا اُن بھیبوں نے بانٹا باہم جگر ہمارا کیا جانے کہ اُس بنڈل ہی کہ ہمارا اس دشت میں نہیں ہی پیدا اثر ہمارا قصہ ہی کوئی دم کو ہے مختصر ہمارا خون ایک دن گر گیا اس خاک پر ہمارا اس ن ہی کو کسے تھا اکثر پد ہمارا جوں ابر روئے ہو گا جس دم گزر ہمارا بالیدہ خاکِ ہ سے ہی یہ شجر ہمارا دامن سے باندھ دامن ہی ابر تر ہمارا تھنتنا نہیں ہو رزاد و دود پھر ہمارا</p>	<p>دیر و حرم سے گزرتے ابل ہی گھر ہمارا پلوں سے تیری ہم کو کیا چشم داشت سخی دنیا و دیں کی جانب میلان ہو تو کسے ہیں تیرے آئینے کی مثال ہم نہ پوچھو جوں صبح اب کہاں ہو طول سخن کی فزیت کوچے میں اُس کے جا کر بیٹا نہیں بھر آنا ہو تیرہ روز اپنا لڑکوں کی ددتی سو سیلاب ہر طرے آئیں گے بادیہ میں نشود نما ہو اپنی جوں گرد باد الوطی لیوں دور سے کھڑے ہو کیا معتبر ہو دنا جب پاس رات پہنا آتا ہی یاد اُس کا</p>
<p>اس کارواں سر میں کیا میسر بار کھولیں یہاں کوچ لگ رہا ہو شام و سحر ہمارا</p>	
<p>دم کے جانے کا نہایت غم رہا خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا قطرہ خوں تھا مرثہ پر جم رہا اُس میں مجنوں کا دلے ماتم رہا تھا حرم میں لیک نامحرم رہا عمر بھر بچاں کام دل برہم رہا</p>	<p>غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا حسن تھا تیرا بہت عالم فریب دل نہ پہنچا گوشہ داماں تلک سننے ہیں لیلیٰ کے خیمہ کو سیاہ جامہ احرام زام پر نہ جا زلفیں کھولے تو تو لک آیا نظر</p>

<p>اپنے حق میں اب حیواں سہم رہا ایک مدت تک وہ کاغذ غم رہا</p>	<p>اُس کے لبے تلخ ہم صنتے رہے میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی</p>
<p>صبح پیری شام ہونے آئی میسر تو نہ چیتا بچھاں بہت دن کم رہا</p>	
<p>دیکھتے ہی آنکھوں میں گھر کر گیا عمر کو اس طور بسر کر گیا بچھاں سے وہ بیچارہ سفر کر گیا سرسری سی ایک نظر کر گیا نالہ شب سب کو خبر کر گیا اپنے جگر سے تو گزر کر گیا</p>	<p>چوری میں دل کی وہ ہنر کر گیا دیر میں میں خاک بسر ہی رہا دل نہیں ہے منزل سینہ میں اب حیف جو وہ نسخہ دل کے اوپر کس کو میسر حال سے تھی آگئی گو نہ چلاتا مژدہ تیسر نگاہ</p>
<p>مجلس آفاق میں پر دانہ ماں میسر بھی شام اپنی سحر کر گیا</p>	
<p>یہاں شرم سے عرق میں ڈب آفتاب نکلا یہ جاگنا ہمارا دیکھا تو خواب نکلا گل کا وہ روئے خداں چشم پر آب نکلا اک حشر ہے جو گھر سے وہ بے حجاب نکلا اس صید نا تو اس کا کیا جی شتاب نکلا گویا غبارِ دل کا پڑھت کتاب نکلا اُس گل میں کیا رہیگا جن کا گلاب نکلا نامے کے نامے ہی میں سب بیچ و تاب نکلا قاصدِ موات اب اُس کے سنہ سے جواب نکلا</p>	<p>وہاں وہ تو گھر سے لپنے پی کر شہر اب نکلا آیا جو دقو میں درپیش عالم مرگ دیکھا جو اس پڑے گلشن میں ہم تو آخر پرے ہی میں چلا جا خورشید تو ہو بہتر کچھ دیر ہی لگی نادل کو تو تیسرے لگتے ہر حرفِ غم نے میرے مجلس کے تنیں رلایا روئے عرقِ فشاں گولس پونچھ گرم مت ہو مطلق نہ اعتنا کی احوال پر ہمارے شانِ تغافل اپنے نو خط کی کیا نکھیں ہم</p>
<p>کس کی نگہ کی گردش تھی میسر رو مسجد محراب میں سے زاہد مست و خراب نکلا</p>	
<p>اک ابر دھاں سے اٹھ کر بے اختیار رویا مرغِ چمن نے سمجھا میں تو ہزار رویا</p>	<p>دامانِ کوہ میں جو میں دھاڑ مار رویا پڑتا نہ تھا بھروسہ عہدِ وفا گل پر</p>

<p>مانند ابرہہ میں زار زار رویا دل کھول کر نہ غم میں ایک بار رویا</p>	<p>ہر گل زمیں پہاں کی رونے ہی کی جگہ تھی تھی مصلحت کہ رگ کمر ہجراں میں جان دیکھے</p>
<p>یہ کون شکوفہ سا چمن زار میں لایا جب جس نہ رہا ہم کو تو دیدار دکھایا سوار نکالا اسے اور اس کو چھپایا کوچہ میں ترے آن کے لوہو میں نہایا رحمت ہو مرے یار بہت در سے آیا بے بال و پری نے بھی ہیں خاک اڑایا رہتا ہے مرا موجب وحشت مرا سایا یا ایسے گئے یہاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا رکھیو تو مری شرم ٹہر چاہے میں خدا یا بہتوں کے تکیں باؤ کا رخ اُن نے بتایا</p>	<p>اک عجز عشق اس کا اسباب صدام تھا کل مہر سے بہت میں ہو کر دُچار رویا</p>
<p>یہ کون شکوفہ سا چمن زار میں لایا جب جس نہ رہا ہم کو تو دیدار دکھایا سوار نکالا اسے اور اس کو چھپایا کوچہ میں ترے آن کے لوہو میں نہایا رحمت ہو مرے یار بہت در سے آیا بے بال و پری نے بھی ہیں خاک اڑایا رہتا ہے مرا موجب وحشت مرا سایا یا ایسے گئے یہاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا رکھیو تو مری شرم ٹہر چاہے میں خدا یا بہتوں کے تکیں باؤ کا رخ اُن نے بتایا</p>	<p>اُس چہرہ کی خوبی سے عجب گل کو جتایا وہ آنکھ رخسار دم باز پس آیا کچھ ماہ میں اس میں نہ تفاوت ہوا ظاہر اک عمر مجھے خاک میں ملتے ہوئے گزری سمجھا تو بچے مر کے نزدیک پس از دیر یہ باغ رہا ہم سے دے جان سکے ہم میں صید زمیدہ ہوں بیابان جنوں کا یا قافلہ در قافلہ ان رستوں میں تھے لوگ رو میں نے رکھا ہے در ترسا بچکاں پر طالائیں کچھ مجھ کو نینگ آج اڑاتے</p>
<p>ایسے بت بے مہر سے ملتا ہے کوئی بھی دل مہر کو بھاری تھا جو پتھر سے لگایا</p>	<p>ایسے بت بے مہر سے ملتا ہے کوئی بھی دل مہر کو بھاری تھا جو پتھر سے لگایا</p>
<p>کچھ مزاج اندلوں مکر تھا رات دن ہم تھے اور بستر تھا در نہ ہر جا جہان دیگر تھا یہ ہمارا بھی ناز پرور تھا دل اُس آنکھ رو کا پتھر تھا کب سے یہ بوجھ میرے سر پر تھا جب تلک عہد دیدہ تر تھا در نہ ہر اک قدم پھیل گھر تھا رہ تھی کہ یوں مقدر تھا</p>	<p>دل جو زیر غبار اکشر تھا اُسے تکیہ کیا تو تھا لیکن سر سہری تم جہان سے گزے دل کی کچھ قدر کرتے رہو تم بعد اک عمر جو ہوا معلوم بار سجدہ ادا کیا نہ تیغ کیوں نہ ابر سیہ سفید ہوا اب خرابا ہوا جہان آباد بے زری کا نگر گلہ غافل</p>



<p>وقتِ رحلت کے کس نے زرتھا اک ازاں جلد اب کندرتھا ساتھ موردِ ملحِ نالشرکتھا چاہیے جس قدر میسر تھا ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا کیا کردں میں سخن سے خوگر تھا</p>	<p>اتنے منعم جہان میں گزے صاحبِ جاہ و شوکت اقبال تھی یہ سب کائنات زیرِ نگیں لعل و یاقوت ہم زرو گوہر آخر کار جب جہاں سے گیا غیبِ طولِ کلامِ مست کر یو</p>
<p>خوش رہا جب تلک رہا جیتا میتِ معلوم ہے قلند تھا</p>	
<p>بوسہ بھی لیں تو کیا ہے ایمان ہے ہمارا دورِ روزِ دل ہمارا نہان ہے ہمارا اس ساری بستی میں گھر ویران ہے ہمارا یوں مارنا تو پیارے آسان ہے ہمارا ان غلِ گرفتگان پر احسان ہے ہمارا کیا کوچہ کوچہ پھرنا عنوان ہے ہمارا کتے ہیں صید جو ہے بیجان ہے ہمارا دیوانِ حشر گویا دیوان ہے ہمارا یک قطرہ خون یہ دل طوفان ہے ہمارا روح القدس اک لونی دربان ہے ہمارا گھر کا مشیر کتنا نادان ہے ہمارا</p>	<p>تیرا رخِ مخطوطِ قرآن ہے ہمارا گر ہے یہ بقراری تو رہ چکا بغل میں ہیں اس خراب دل سے مشہورِ شہرِ خواں مشکل بہت ہو ہمسایہ کوئی ہاتھ آنا دریں و خضر و عیسیٰ قاتل سے ہم چھٹائے ہم وہ ہیں سن رکھو تم مر جائیں گے کیجا ہیں صید گد کے تیری صیاد کیا نہ دھڑکے کرتے ہیں باتیں کس کس ہنگامہ کی یہ زاہد ماہیتِ دو عالم کھاتی پھر رہے غوطے کیا خاندان کا اپنے بچھ سے کہیں تقدس کرتا ہے کام وہ دل جو عقل میں نہ آئے</p>
<p>بخیر زمین دل کی ہے میتِ ملک اپنی بزدلِ داغِ سینہ فہری فرمان ہے ہمارا</p>	
<p>کون سے درد و ستم کا یہ طرفدار نہ تھا آئینہ تھا یہ دے قابلِ دیدار نہ تھا تیرے کوچے میں مگر سایہ دیوار نہ تھا طائرِ جانِ قفسِ تن کا گرفتار نہ تھا</p>	<p>کب مصیبت زدہ دل مائلِ آزار نہ تھا آدمِ خاکی سے عالم کو جلا ہے ورنہ دھوپ میں جلتی ہیں غربتِ وطنوں کی لاشیں صدِ گلستانِ تہِ اک بال تھے اس کے جینک</p>

حیف سمجھا ہی نہ وہ قاتل ناداں ورنہ  
عشق کا جذب ہوا باعث سودا ورنہ  
نرم تر موم سے بھی ہم کو کوئی دیتی قضا  
بے گنہ مارے قابل یہ گنہگار نہ تھا  
یوسف مصر زلیخا کا خریدار نہ تھا  
سنگ بھاتی کا تو یہ دل ہیں درکار نہ تھا

رات حیران ہوں کچھ چپ ہی مجھے لگ گئی میر  
درو پہناں تھے بہت پر لب اظہار نہ تھا

جی اپنا میں نے تیرے لئے خوار ہو دیا  
بریطافتی سکون نہیں رکھتی ہونہنشین  
اٹھے ابراس حیرن میں تہ ہوگا گل اسید  
آخر کو جستجو نے تری مجھ کو کھو دیا  
رونے نے ہر گھڑی کے مجھے توڑ دیا  
یہاں تخم یاس اشک کو میں بھر کھو دیا

پوچھا جو میں نے در و محبت سے میر کو  
رکھ ہاتھ اُن نے دل پہ ٹکال پئے ہو دیا

خط منہ پہ آئے جاناں خولی پہ جان دیگا  
سائے رئیس اعضا ہیں معرض تلف میں  
پائے پر آبلہ سے میں گرم شدہ گیا ہوں  
داع اور سینے میں کچھ بڑی عشق بچھیں  
نالہ ہمارا ہر شب گزرتے ہے آسمان سے  
مست رنم سے ہمارے پیائے حنا لگاؤ  
ناچار عاشقوں کو خصم سے پان دیگا  
یہ عشق بے محابا کس کو امان دیگا  
ہر خار باد یہ کامیسرا نشان دیگا  
دل کو جگر کو کس کو اب درمیان دیگا  
فسر یاد پر ہماری کس دن توکان دیگا  
با بوس پر تھکے سر تن جو ان دیگا

گھر چشم کا ڈبو مست دل کے گئے پہ رو رو  
کیا میر ہاتھ سے تو یہ بھی مکان دیگا

ہوتا ہے یہاں جہاں میں ہر روز شب تماشا  
ہر چند شور و محشر اب بھی ہو در پہ لیکن  
بھڑکی ہے آتش غم منظور ہو جو تجھ کو  
دیکھا جو خوب تو ہے دنیا عجب تماشا  
نکلے گا یار گھر سے ہو دیگا جب تماشا  
چلنے کا عاشقوں کے آدیکھ اب تماشا

طالع جو میر خوار و محبوب کو خوش آئی  
پر غم یہ ہے مخالف دیکھیں گے سب تماشا

سہ تیر صاحب کا ایک شعر ارد بھی ایسے ہی انداز کا ہے۔

ملک نہیں کہ گل کرے دلی شگفتگی ؛ اس سرزین میں تخم محبت میں بوچکا

<p>آج دیکھا تو باغ بن دیکھا عاشقوں کا جلا وطن دیکھا مدتوں تک جگر نے چمن دیکھا داع دل دیکھے بس چمن دیکھا اس نیکیلے کا بانجھن دیکھا</p>	<p>کل چمن میں گل و سمن دیکھا کیا ہو گلشن میں جو قفس میں نہیں ذوق پیکان تیر میں تیرے گھر کے گھر جلتے تھے پڑے تیرے ایک چشمک دو صد سنان مژہ</p>
<p>حسرت اُس کی جگہ تھی خوابیدہ میتیر کا کھول کر کفن دیکھا</p>	<p>جدا جو پہلو سے وہ دبیر بیگانہ ہوا جہاں کو فتنہ سے خالی کبھو نہیں پایا خلش نہیں کسو خواہش کی رات شاید ہم اپنے دل کی چلے دل ہی میں لئے بھیاں</p>
<p>طیش کے بھیاں تیں دل نے کہ دردِ شانہ ہوا ہمارے وقت میں تو آفتِ زمانہ ہوا سر شک یاس کے پردے میں دلِ روانہ ہوا نہرا رحمتِ سرِ حرف اس سے دانہ ہوا</p>	<p>کھلا نشے میں جو پگڑی کا بیج اُس کی میتیر سمندِ ناز پہ ایک اور تازیانہ ہوا</p>
<p>رُو آشیان طائرِ رنگ پریدہ تھا بیچارہ گریہ ناک گریباں دریدہ تھا جو خار خشک تھا سو وہ طوفانِ سیدہ تھا مرگ اُس شکار گہ کا شکارِ سیدہ تھا ہر نالہ میری جان کو تیغ کشیدہ تھا بھیاں پھل ہر اک درخت کا حلقِ بڑہ تھا</p>	<p>کیا دن تھے وہ کہ بھیاں بھی دلِ رمیدہ تھا قاصد جو وصال آیا تو شرمندہ میں ہوا اک وقت ہم کو تھا سر گریہ کہ شہت میں جس صید گاہِ عشق میں یاروں کا جی گیا مت پوچھ کس طرح سے کٹی راتِ ہجر کی حاصل نہ پوچھ گلشنِ مشہد کا بلہوس</p>
<p>دل بیکرا گریہ خویش تھارات میتیر آیا نظر تو بسلِ درخونِ طسیدہ تھا</p>	<p>کثرتِ داع سے دلِ رشکِ گلستانِ ہوا جی تو ایسے کئی صدے کئے تجھ پر لسیکن آہ میں کب کی کہ سرمایہٴ دوزخ نہ ہوئی</p>
<p>میرا دلخواہ جو کچھ تھا وہ کبھو بھیاں نہ ہوا حیف یہ ہو کہ تنک تو بھی پشیاں نہ ہوا کوئسا اشک مرا منسجِ طوفاں نہ ہوا</p>	<p>لے مرگ۔ اب نصحا اس کی تائیت کو مرج سبھتے ہیں۔</p>

<p>گو توجہ سے زمانے کی جہاں میں مجھ کو شکر صد شکر کہ میں ذلت و خواری کے سبب برقِ مست خوشی کی اور اپنی بیاں کر صحبت دل بے رحم گیا شیخ لئے زیرِ زمین</p>	<p>جاہ و ثروت کا میسر سرِ سا ماں نہ ہوا کسی عنوان میں ہم چشمِ عزیزاں نہ ہوا شکر کر یہ کہ مرادِ جہاں دلِ سوزاں نہ ہوا مر گیا پر یہ کہن کبیر مسلمان نہ ہوا</p>
<p>کون سی رات زمانے میں گئی جس میں میر</p>	<p>سینہ چاک سے میں دست و گریباں نہ ہوا</p>
<p>تیرے قدم سے جا لگے جس پہ مرا ہر سر رگا سنگ مجھے بجاں قبول اس کے عوض ہزار بار کس کی ہوا کہاں کا گل ہم تو نفس میں ہل سیر کن نے بدی ہے اتنی دیر موسمِ گل میں سا قیا فصل خزاں تلک تو میں اتنا نہ تھا خراب گرد جان بلب رسیدہ سے اتنا ہی کہنے پاؤں ہم بوسے کتاب سوختہ آتی ہو کچھ دماغ میں</p>	<p>گو کہ مرے ہی خون کی دست گرفتہ ہو حنا نا بجا یہ اضطراب دل نہ ہواستم ہوا سیرِ چین کی روز و شب مجھ کو مبارکے صبا وی بھی ہے دو آتشہ زور ہی سرد ہی ہوا مجھ کو جنوں ہو گیا موسمِ گل میں کیا ہلا جاوے اگر تو یار تک کہیو ہماری بھی دعا ہو دے نہ ہوئے ای نسیم رات کسی دل جلا</p>
<p>میں تو کہا تھا تیرے تئیں آؤ سمجھ نہ ظلم کر</p>	<p>آخر کار بیوفا جی ہی گیا نہ مہیت کا</p>
<p>قابو خزاں سو ضعف کا گلشن میں بن گیا برگشتہ بخت دیکھ کہ قاصدِ سفر سے میں خاطر نشان ای صیدِ فلک ہو گی کب تری یادش بخیر درشت میں مانند عنکبوت مارا تھا کس لباس میں عریانی نے مجھے آئی اگر بہار تو اب ہم کو کیا صبا</p>	<p>دوش ہوا پہ رنگِ گل یا سمن گیا بھجھا تھا اُس کے پاس سویرے وطن گیا تیروں کے مارے میرا کلیجہ تو چھین گیا دامن کے اپنے تار جو خاویں پہ تن گیا جس سے تیرِ زمین بھی میں بے گفن گیا ہم سے تو آشتیاں بھی گیا اور چمن گیا</p>
<p>سبز ملک ہند میں ایسا ہوا کہ میر</p>	<p>یہ ریختہ لکھا ہوا تیرا دکن گیا</p>
<p>لختِ جگر تو اپنے اک لختِ روچکا تھا دامن میں آج دیکھا پھر لخت میں نے آیا</p>	<p>شکِ فقط کا جھمکا آنکھوں سے لگتا تھا مکڑا کوئی حب گز کا پلکوں میں رہ گیا تھا</p>

<p>در نہ گلا یہ میرا جوں طوق میں پھنسا تھا کل زخم دل نہایت دل کو مرے لگا تھا میں بھی کسوز مانے اس کام میں بلا تھا پر تو نے یوں نہ جانا اے بے وفا کہ کیا تھا میں سوز دل کو اپنے مجلس میں کہتا تھا سینے پہ تجھ کو اس کا مذکور نقش پا تھا اس دن کے واسطے میں کیا خاک میں ملا تھا مذکور اُس کا اُس کے کوچے میں جا بجا تھا بیدرد کہتے بولے ہاں اُس کو کیا ہوا تھا احوال تھا کسی کا کچھ میں بھی سُن لیا تھا</p>	<p>اس قیدِ حبیبے میں چھوٹا جتوں کی دولت مشتِ نمک کی خاطر اس واسطے ہوں حیراں اگر وہ بادِ مت دے ہر آن عرضِ وحشت بن کچھ کے سنا ہے عالم سے میں نے کیا کیا روتی ہے شمع اتنا ہر شب کہ کچھ نہ پوچھو سرمہ کر ہوا تھا میں خاک اس گلی میں سو بخت تیرہ سے ہوں پامالی صبا میں یہ سرگزشت میری افسانہ جو ہوئی ہے سُن کر کسی سے وہ بھی کہنے لگا تھا کچھ کچھ کہنے لگا کہ جانے میری بلا عزیزاں</p>
<p>آنکھیں مری کھلیں جب جی میں کرا گیا تب دیکھے سے اُس کو در نہ میرا بھی جی جلا تھا</p>	<p>سہر دورِ فلک بھی دیکھوں اپنے روبرو ٹوٹا کہاں آئے میرے تجھ سے مجھ کو خود نما اتنے کہہ چلا لاک میں تیری جو تھا سرشتہ جانوں کا طاوت تھی جن میں سر و گویا اشکِ قمری سے خطر کر تو نہ لگ چل اے صبا اُس لہجے اتنا</p>
<p>کہ سنگِ محنت سے پائے خیم دستِ سبوتوٹا ہوایوں اتفاق آئینہ میرے روبرو ٹوٹا گریباں سے مرے ہر اک تراٹا نکا رفوٹوٹا اُدھر آنکھیں مندیں اُس کی کہ ایہ آج جو ٹوٹا بلا آوے گی تیرے سر جو اُس کا ایک موٹوٹا</p>	<p>وہ بکیں کیا کرے کر توڑی دل ہی کی لہریں نہیٹ بیجا ترا دل میرے آوازِ آرزو ٹوٹا</p>
<p>عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا چاکِ فقس سے باغ کی دیوار دیکھنا میری طرف بھی دیدہ خوبار دیکھنا لاگا ہی میرے یاؤں میں آخار دیکھنا</p>	<p>آنکھوں میں جی مرا ہی ادھر یاد دیکھنا کیسا چین کہ ہم سے اسیر دل کو منع ہو آنکھیں چرائیو نہ ٹک ابر بہار سے اے ہمسفر نہ آبلے کو پہنچے چشمِ تر</p>
<p>لے میرے ثانی تذکرہ تیر میں اس طرح ہے: ۶۔ بحسن اتفاق آئینہ تیرے روبرو ٹوٹا۔ لکھنے کلکتہ میں اسی طرح ہے اور نسخہ کشوری طبع اول میں بجا میرے تیرے ہے: ۱۲۔ لے لانا بمعنی لگنا اب متروک ہے: ۱۲۔ اسی</p>	

ہونا نہ چار چشم دل اس ظلم پیشیت  
 صیاد دل ہو داغ جدائی سے رشک باغ  
 گرز مزید ہی ہو کوئی دین تو ہم صغیر  
 بلبل ہمارے گل پہ نہ گسٹخ کو نظر  
 شاید ہماری خاک سے کچھ ہو بھی اوسیم  
 ہشیار زینہار خمیر دار دیکھنا  
 تجھ کو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا  
 اس فصل ہی میں ہم کو گرفتار دیکھنا  
 ہو جائیگا گلے کا کہیں ہار دیکھنا  
 غراب کر کے کو چہرہ دلداد دیکھنا

اُس خوش نگہ کے عشق سے پر ہیز ہو میر  
 جانا ہو لیکے جی ہی یہ آزار دیکھنا

غلط ہے عشق میں ای بملہوس اندیشہ راحت کا  
 زمین اک صفحہ تصویر بیہوشاں سے مانا ہے  
 جہاں جلوے سے اس تجوے کے یکسر لبالب ہے  
 ہنوز آوارہ لیلیٰ ہے جان رنستہ محبوں کی  
 حرلیت بے جگر ہو صبر و بردہ کل کی صحبت میں  
 نگاہ یاس بھی اس صید افکن پر غنیمت ہو  
 خرابی دل کی اُس حد ہو کہ یہ سمجھا نہیں جاتا  
 نگاہ مست نے اُس کی لٹائیں خالقہ ساری  
 رواج اس ملک میں ہو درد و داغ درج و کلفت کا  
 یہ مجلس حب ہے اچھا نہیں کچھ رنگ صحبت کا  
 نظر پیدا کر اقل پھر تماشا دیکھتہ قدرت کا  
 موئے پر بھی رہا ہوتا نہیں وابستہ الفت کا  
 نیاز و ناز کا جھگڑا کرو تھا ایک جرأت کا  
 نہایت تنگ ہے ای صید بسمل وقت فرصت کا  
 کہ آبادی بھی یہاں تھی یا کہ ویرانہ تھامت کا  
 پڑا ہو برہم اب تک کارخانہ زہد و طاعت کا

قدم ٹک دیکھ کر رکھ میر سر دل سے نکالے گا  
 پلک سے شمع ترکا نٹا ہے صحرائے محبت کا

جو اس شور سے میر روتا رہیگا  
 میں وہ رونیوالا جہاں سے چلا ہوا  
 مجھے کام رونے سے اکثر ہو ناصح  
 بس اس گرہ آنکھیں تر کیا نہیں ہیں  
 مرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہو  
 تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے  
 تو ہمسایہ کا ہے کو سوتا رہیگا  
 جسے ابر ہر سال روتا رہیگا  
 تو کب تک مگر منہ کو دھوتا رہیگا  
 کہاں تک جہاں گوڈ بوٹا رہیگا  
 جس کے بھی جو ہوش کھوتا رہیگا  
 ہمیں کچھ کے گا تو ہوتا رہیگا

بس ای میر مرزاں سے پوچھ آنسوؤں کو  
 تو کب تک یہ مولیٰ پروتا رہیگا

نئے طرزوں سے میخانے میں رنگے جھلکتا تھا نرے اس خاک اڑانے کی دھمکتے ای مری حشت	گلابی روتی تھی وہاں جام مہنس مہنس کر جھلکتا تھا کلیجہ رنگ صحر کا بھی دس دس گز جھلکتا تھا
اُنکی تسبیح اُس کی نزع میں کب مہنس کے دل سے اُسی کے نام کی سمن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا	
بچھ سے ہر آن مرے پاس کا آنا ہی گیا چشم بن اشک ہوئی یا نہوئی یکساں ہو بر مجنوں میں خرد مند کوئی جانہ سکا ہم اسیر دل کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم	کیا گلہ کیجے غرض اب وہ زمانا ہی گیا خاک میں جب وہ ملا سوتی کا دانا ہی گیا عاقبت سر کو قدم کر یہ دوانا ہی گیا عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا
اجی گیا میسر کا اس لیت و لعل میں لیکن نہ گیا ظلم ہی تیرا نہ ہسنا ہی گیا	
دل عشق کا ہمیشہ حریت نسرد سفا اک گرد راہ تھا پہ محل تمام راہ دل کی شاکستگی نے ڈرائے دکھا ہیں مانند حوت صفحہ ہستی سے اٹھ گیا تھا پشتہ رنگ بادیہ اک وقت کارواں گزری مدام اُس کی جو اناں ہست میں	اب جس جگہ کہ دلع ہے بھال آگے درد تھا کس کا نغبار تھا کہ یہ دُنبالہ گرد تھا وہاں ہیں جہیں پر آئی کہ بھال رنگہ رو تھا دل بھی مرا جسریہ عالم میں نسرد تھا یہ گرد باد کوئی بیاباں نور تھا پیر مٹاں بھی طسرنہ کوئی پیر مرد تھا
عاشق ہیں ہم تو میسر کے بھی ضبط عشق کے دل جل گیا تھا اور نفس لبج سرد تھا	
گئے قیدی ہو ہم آواز جب صیاد آٹوٹا مرا رنگ اڑ گیا جس وقت سنگ محبت آگے مرا وعدہ ہی آپہنچا ترے آنے کے وعدہ تک	یہ ویراں آشیانے دیکھنے کو ایک میں چھوٹا بقل سے گر پڑا مینا و سنا غر جو پر بھوٹا ہوا میں موت سے تنجار ہاڑی شموخ تو چھوٹا
کف جانان سے کیا اسکاں رہائی میسر کوئی ہو اچھنچا ہی جو اُس کے ہاتھ سے رنگ خنا چھوٹا	
جمع اٹھا تھا رخ سے مرے بدگمان کا مست مانیو کہ ہو گا یہ بے درد اہل دیں	دیکھا تو اور رنگ ہو سارے جہان کا گر آدے شیخ پہن کے جامہ قرآن کا

لے ذوق دہری سے جھوٹ ہی جانوں کلام اُس دشمن ایان کا : پہن کر جامہ بھی وہ آئے اگر قرآن کا

<p>ہے اس میں اُس میں فرق زمین آسمان کا اس سوئے میں صریح ہو نقصان جان کا دشمن ہیں میری جان کے یہ جی تو تان کا مت پوچھ کچھ سلوک مرے بد زبان کا گلگشت سرسری نہیں اس گلستان کا مرغ چمن نشاں ہے کسو خوش زبان کا</p>	<p>خوبی کو اُس کے چہرہ کی کیا پہنچ آفتاب ابلہ ہے وہ جو ہوئے خسردار گلزخان کچھ اور گالتے ہیں جو رقیب اُس کے روبرو نشکین اُس کی تب ہوئی جب چپ بچے لگی یہاں بلب اور گل پہ تو عبرت آنکھ کھول قطع گل یادگار چہرہ خوبیاں ہے بے خبر</p>
<p>تو برسوں میں کے ہوں گا میں مہر یہاں کچھ کا کچھ ہے حال ابھی اُس جوان کا</p>	
<p>مغاں مجھ مست بن پھر خندہ ساغر نہ ہوئے گا کیا ہے غل مرا پامال یہ سرخی نہ چھوئے گی</p>	<p>مغاں مجھ مست بن پھر خندہ ساغر نہ ہوئے گا کیا ہے غل مرا پامال یہ سرخی نہ چھوئے گی</p>
<p>کوئی رہتا ہے جی بے جی ترے کوچے کے آنے سے تبھی آسودہ ہوگا مہر جب جی کو کھوئے گا</p>	
<p>مجنم خانہ ہی یہاں اس شیخ تو نے کیوں نہ بنوایا جلایا بات کہتے وہاں ہیں مرنے کو نہ سہرا</p>	<p>مجھے زہنار خوش آتا نہیں کعبہ کا ہمسایا زہے اے عشق کی نیرنگ ساری غیر کو اُن نے</p>
<p>بھری ہو گئی نیرے درد دل میں میری ایسی تو کہ کہتے روبرو اُس شوخ کے قاصد کا منہ آیا</p>	
<p>ننگ ہو نام رہائی تری صیادی کا دل جلانا نہیں دیکھا کسی فریادی کا مر گیا قیس جو تھا خانہ خدا دادی کا رو بہ ویرانی ہو اس کعبہ کی آبادی کا</p>	<p>نقش بیٹھے ہو کہاں خواہش آزادی کا داد دے ورنہ ابھی جان پھیلوں میں شہر کی سی رہی رونق اُسی کے جیتے جی شیخ کیا صورتیں رہتی تھیں بھلا جب بختاؤ پر</p>
<p>ریختہ ترے کو پہنچایا ہوا اس کا ہے معتقد کون نہیں پیپر کی استاد کی کا</p>	
<p>غرض اُس شوخ نے بھی کام کیا تو نے گلشن میں کیوں خرام کیا آستان پر ترے مستام کیا</p>	<p>کام پل میں مرا تمام کیا سرو و شمشاد خاک میں مل گئے سعی طوف حرم نہ کی ہرگز قطع</p>



<p>تیرے کوچے کے رہنے والوں نے اُس کے اختیار پنے میرے تئیں حال بد میں مرے بتنگ اگر ہو گیا دل مرا تب جب دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے کوئی عاشق نظر نہیں آتا</p>	<p>یہیں سے کعبہ کو سلام کیا خادم و بندہ و عن سلام کیا آپ کو سب میں نیک نام کیا دروغے قطعہ پیام کیا کام عشاق کا تمام کیا ٹوپی والوں نے قتل عام کیا</p>
<p>عشق خواں کو میر میں اپنا قبلہ و کعبہ و امام کیا</p>	
<p>رات پیسا ستھا میرے لوہو کا شعلہ آہ جوں توں اب مجھ کو ہر مرے یار کے مسوں کا رشک بوسہ دینا مجھے نہ کر موقوف شور قفل کی ہوتی تھی مانع عطر آگین ہے باد صبح مگر ایک دو ہوں تو سحر چشم کہوں میر ہر چند میں نے چاہا ایک</p>	<p>ہوں روانہ ترے سگ کو کا فلک ہے اپنے ہر بن مو کا کشتہ ہوں سبزو لب جو کا بے وظیفہ ہی دغا گو کا ریش قاضی پر رات میں تنہو کا کھل گیا پچ زلف خوشبو کا کارخانہ ہو دھاں تو جادو کا نہ چھپا عشق طفل بد خو کا</p>
<p>نام اُس کا لیا ادھر ادھر اڑ گیا رنگ ہی مرے رو کا</p>	
<p>آیا تھا خالقمہ میں وہ نور دیدگاں کا آخر کو خاک ہونا در پیش ہو سچوں کو جو خار دشت میں ہو سو چشم ابلہ سے</p>	<p>نہ کر گیا مصطفیٰ عزت گزیدگاں کا ملک دیکھ سُنھ کدھر ہو قامت چیدگاں کا دیکھا ہوا ہو تیری محنت کشیدگاں کا</p>
<p>۱۔ پیام سے مراد شرف الدین علی بن ابی طالب اکبر آبادی ہیں جس قطعہ کو تیر صاحب نے پیش کیا ہو وہ قطعہ انھیں کا ہو یہ عہد محمد شاہ بادشاہین زندہ تھے فارسی کے شعر خوب کہتے تھے۔ اردو کے بعض شعریہ دیتے ہیں کہ ریختہ کے بھی استاد ہوں گے! میر نے لکھا ہو کہ میں نے ان کو کئی بار دیکھا۔ انکا ریختہ کا دیوان بھی تھا۔ انکی عبارت یہ ہو "شاعر قرار داد شاعران نازی عہد خود بود و صاحب دیوان ریختہ نیز از خاک پاک اکبر آباد است۔ بند اکثر ملاقات کردم چنانکہ بانجم الدین علی سلام کہ نطف الصدوق دوست فقیر اخلاص دلہیت ہمیشہ اتفاق بانجم شستن و ذکر شکر کردن و گپ دہن می افتد۔ ۱۲۔ آتشی</p>	

اب زیر خاک ہنا مشکل ہو کشاں کو	آرام کھو چلا تو ان آرمیدگاں کا
تیر بلا کا ہر دم اب میری نشان	پتھر جگر ہے اُس کے آفت سیدگاں کا
صحرا میں سیل اشک مرا جا بجا پھرا	مجنوں بھی اُس کی موج میں مدت بہا پھرا
طالع جو غوب تھے نہ ہوا جاہ کچھ نصیب	سر پر مرے کروڑ برس تک ہما پھرا
آنکھیں برنگ نقش قدم ہو گئیں سفید	نامے کے انتظار میں قاصد بھلا پھرا
ٹک بھی نہ مڑے میری طرف تو نے کی نگاہ	اک عمر تیرے پیچھے میں ظالم لگا پھرا
دیر و حرم میں کیونکہ قدم رکھ سکے گا میر	ایدھر تو اُس سے بُت پھرے اودھر خدا پھرا
کس شام سے اٹھا تھا مرے دل میں دوسا	سو ہو چلا ہوں پیشتر از صبح سہر دسا
بیٹھا ہوں جوں غبار ضعیف اب گرد میں	پھرتا رہا ہوں گلیوں میں آوارہ گرد سا
قصہ طریقی عشق کیا سب سے بعد قیس	لیکن ہوا نہ ایک بھی اُس رہ نور دسا
حاضر یران بیزنگی کس گھڑی نہیں	معتشوق کچھ ہمارا ہے عاشق نبرد سا
کیا میری ہی جو تیرے در پہ تھا کھڑا	نمناک چشم و خشک لب و رنگ زرد سا
ترے عشق میں آگے سودا ہوا تھا	پر اتنا بھی ظالم نہ رسوا ہوا تھا
خزاں التفات اس پہ کرتی بجائتی	یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا
کماں تھا تو اس طر آئے سے میرے	گلی میں تری کل تماشا ہوا تھا
گریباں سے تب ہاتھ اٹھایا تھا میں نے	مری اور دامان صحران ہوا تھا
زسے طالع اکی میر ان نے یہ پوچھا	کماں تھا تو اتنا تک مجھے کیا ہوا تھا
آہ کی میں دل حیران و خفا کو سونپا	میں نے یہ غنچہ تصویر صبا کو سونپا
تیرے کوچے میں مری خاک بھی پال ہوئی	تھا وہ بید رو مجھے جن نے وفا کو سونپا
ابو جانا ہی ہو کعبہ کو تو بتخانے سے	جلد پھر پہنچو اے میر خدا کو سونپا

<p>جگر پہ زخم ہے اُس کی زباں درازی کا  دہی ہے اب بھی اُسے شوق ترک تازی کا  اُتار لیتے ہیں عمامہ ہنس تازی کا  اگر خیال تمہیں ہوئے نیزہ بازی کا  نہیں ہے تم کو سلیقہ زمانہ سازی کا  رہے ہو خوف مجھے دھال کی بے نیازی کا  طریق چھوڑ دیا تم نے دل فوازی کا  دلوں میں نقش ہو میری سخن طرازی کا</p>	<p>گلہ نہیں ہو ہمیں اپنی جاں گدازی کا  سند ناز نے اُس کے جہاں کیا پال  ستم ہیں تھر ہیں لونڈے شراب خانے کے  اُلٹ پلٹ مری او سحر کی کیا ہے کم  بتاؤ ہم سے کوئی آن تم سے کیا بگڑی  خدا کو کام تو سونپے ہیں میں سب لیکن  چلو ہو راہ موافق کسے مخالف کے  کسو کی بات نے آگے مرے پیا رنگ</p>
<p>بسان خاک ہو پامال راہ خلق ازمیر  رکھے ہو دل میں اگر قصد سرفرازی کا</p>	
<p>اُن چشم سیاہوں نے بہتوں کو سلا رکھا  گل پھول کو ہو اُن نے پردہ سانا رکھا  گرمی نے ہمیں دل کی آغوش کو ملا رکھا  دل جس کسو کا پایا چٹ اُن نے اڑا رکھا  میں دیدہ و دانستہ کس راہ میں پار رکھا  رخساروں کو گو تو نے برق سے چھپا رکھا  جھکے سے دکھا دے کر عالم کو نگا رکھا  سو چھاتی کے زخموں نے کی دیر فرا رکھا  میں طاق بلند اوپر جینے کو بھٹا رکھا</p>	<p>کیا کہنے کہ خواں نے اب ہم میں ہو کیا رکھا  جلوہ ہو اُسی کا سب گلشن میں زمانے کے  جوں برگ خزاں دیدہ سب زرد ہوئے ہم تو  کہنے جو تمیز اُس کو کچھ اچھے بُرے کی ہو  تھی مسلکِ الفت کی مشہور خطر ناکی  خورشید و قمر پیارے رہتے ہیں چھپے کوئی  چشمک ہو نہیں تازے شیوہ یہ اُسی کے ہیں  لگنے کے لئے دل کے چہر کا تھا ناک میں نے  کشتے کو اس ابرو کے کیا میل ہو ہستی کی</p>
<p>قطعی ہو دلیل ازمیر اُس تیغ کی بے آبی  رحم اُن نے مرے حق میں مطلق نہ روا رکھا</p>	
<p>جب یہ کہتا ہوں تو کہتا ہے کہ ہوں ہو جائیگا  قتل کرتے کرتے تیرے سین جنوں ہو جائیگا</p>	<p>کام میرا بھی ترے غم میں کہوں ہو جائیگا  خون کم کر اب کہ کشتوں کے تو پستے لگ گئے</p>
<p>لے میل یعنی خواہش اب بالاتفاق مذکور جیسا کہ آتش کے اس شعر میں ہے  اس گل سے عرض حال کی حسرت ہی رہ گئی : کاشٹے پڑے زباں میں جو میل بیاں ہوا ۱۲ اسی</p>	

<p>ورنہ آہوئے حرم، صیدِ زبوں ہو جائیگا جوں جبابِ بادہ سا غرِ سرنگوں ہو جائیگا</p>	<p>اس شکار اندازِ خونیں کا نہیں آیا مزاج بزمِ عشرت میں ملاست ہم نگوں بختوں کے تئیں</p>
<p>کیا کہوں میں میں اس عاشقِ ستم محبوب کو طور پر اس کے کسودن کوئی خوں ہو جائیگا</p>	
<p>دل جو عقدہ تھا سحتِ دانہ ہوا دل سے اک داغ ہی جدا نہ ہوا عشق میں تیرے ہم پہ کیا نہ ہوا بھاس بکھو اپنا مدعا نہ ہوا</p>	<p>سینہ دشنوں سے چاک تانہ ہوا سب گئے ہوش و صبر و تاب تو اس ظلم و جور و جفا ستم بیدا ہم کو ناکام ہی جہاں میں رہے</p>
<p>میں افسوس وہ کہ جو کوئی اس کے دروازے کا گدا نہ ہوا</p>	
<p>دیکھنا وہ دل میں جگہ کر گیا پیر بن غنیمت کو نہ کر گیا کوئی گھڑی گو کہ تو رہ کر گیا</p>	<p>یارِ عجب طرح نگہ کر گیا تنگ قبائی کا سماں یار کی جانا ہی اس بزم سے آیا تو کیا</p>
<p>وصفِ خط و خال میں جو باں کے میسر نامہ اعمال سیہ کر گیا</p>	
<p>اس یاد نے ہمیں تو دیا سا بچھا دیا اس فتنہ زمانہ کو ناحق جگا دیا بے طاقتی نے دل کی وہ پردہ اٹھا دیا پانی کے بلبلی کی طسوج سے مٹا دیا دونوں کو مع کے میں گلے سے ملا دیا یاروں کو اس فسانے نے آخر ملا دیا مشتِ غبار لیکے صبا نے اڑا دیا آخر گدا از عشق نے ہم کو بہا دیا ہم کو دل شکستہ قضا نے دلا دیا اس طور دل سی چیز کو میں نے لگا دیا</p>	<p>ہے سحر نے سوزشِ دل کو مٹا دیا بھبھی نہ بادِ صبح کہ اگر اٹھا دیا پوشیدہ راہِ عشق چلا جائے تھا سو آج میں موجِ خیزدہ میں ہم کو قضا نے آہ تھی لاگ اس کی تیغ کو ہم سے عشق نے سب شورِ باد میں کو لئے سر میں مر گئے آوارگانِ عشق کا پوچھا جو میں نشان بجز ابدن کے جتنے تھے پانی ہو بہ گئے کیا کچھ نہ تھا ازل میں طالعِ جو تیرے گویا محاسبہ مجھے دینا تھا عشق کا</p>

<p>جلوے کو جس نے ماہ کے جی سے بھلا دیا دل جو دیا تھا سو تو دیا سرحدِ ادا شاید جگر بھی آتشِ غم نے جلا دیا دردِ سخن نے میرے سبھوں کو مڑا دیا</p>	<p>مَدت رہی گی یاد ترے چہرے کی جھلک ہم نے تو سادگی سے کیا جی کا بھی نہیں بوئے کباب سوختہ آئی دماغ میں تکلیفِ دردِ دل کی عبرتِ ہنشین نے لی</p>
<p>اُن نے تو تیغِ کھینچی تھی پر جی چلا کے میسر ہم نے بھی ایک دم میں تماشا دکھا دیا</p>	
<p><b>روایتِ بائے موحده</b></p>	
<p>سو جاتے ہیں لیکن بختِ کنار ہر شب اُس آفتابِ رد کو یہ روزگار ہر شب رہتی ہیں باز آنکھیں چندیں ہزار ہر شب کرتا ہے ماہ میرے گھر سے گزار ہر شب رہتا ہے آسماں پر تیرے غبار ہر شب اک آہ میرے دل کی ہوتی ہے پار ہر شب روٹی ہے شمعِ تب سے بے اختیار ہر شب</p>	<p>رکھتا ہے ہم سے وعدہ ملنے کا یار ہر شب مدت ہوئی کہ اب تو ہم سے جدا رکھے ہے دیکھیں ہیں راہ کس کی یارب کہ انقروں کا دھوکے ترے کسودن میں جان دے ہو گنا دل کی کدورت اپنے اک شب بیاں ہوئی تھی کس کے لگا ہے تازہ تیر نگاہ اُس کا مجلسِ یں میں نے اپنا سوزِ جگر کہا تھا</p>
<p>ایوس وصل اُس کے کیا سادہ مردماں ہیں گزرے ہو میسر اُن کو امیدوار ہر شب</p>	
<p>ٹپکا کرے ہو آنکھوں سے خونِ نابِ روز و شب اُتے تھے آنکھوں سے چلے سیلابِ روز و شب رہتا تھا باس وہ دُورِ نایابِ روز و شب رکھتا ہے شاد بے خور و بے خوابِ روز و شب رگڑا ہے سرِ میانِ محرابِ روز و شب بیٹھے ہی رہتے تھے ہم احبابِ روز و شب</p>	<p>اب نہ نہیں کر آنکھیں تھیں پر آبِ روز و شب اک وقت رونے کا تھا ہمیں بھی خیال سا اُس کیلئے نہ پھرتے تھے ہم خاک چھاتے قدرت تو دیکھ عشق کی مجھ سے ضعیف کو سجدہ اُس آستان کا نہیں یوں ہوا نصیب اب رسمِ ربط اٹھ ہی گئی ورنہ پیش ازیں</p>
<p>دل کس کے رو و سوسے لگایا ہے میسر پاتے ہیں اُس جوان کو بیتابِ روز و شب</p>	

<p>پڑتی رہی ہے زور سے شبنم تمام شب چھاتی ہی میں رہا ہو مرادم تمام شب رودنی ہو یوں تو شمع بھی کم تمام شب یا دل کا حال رہتا ہے درہم تمام شب</p>	<p>رویا کئے ہیں غم سے ترے ہم تمام شب رکنے سے دل کے آج بچا ہوں تو اب جیا یہ اتصال اشک جگر سوز کا کہاں شکوہ عیث ہو میسر کہ کرہتے ہیں سارے دن</p>
<p>گزارا کسے جہاں میں خوشی سے تمام روز کس کی کٹی زماں میں بے غم تمام شب</p>	
<p>تو کون قمریوں کے جوتا دہن میں اب اک نام کو رہی ہے عقیقہ یمن میں اب رودنی ہو کجاں تلک کہ بھرا ہو لکن میں اب آتا ہے ہر مسام سے میرے کفن میں اب</p>	<p>ہوتا نہ پائے سرد جو جوئے چمن میں اب اس پر لہو کے پیاسے ہیں تیرے لبوں کو رشک شب سوز دل کہا تھا میں مجلس میں شمع سے دل لیکیا تھا زیریں میں صبر راہوا</p>
<p>دریا میں قطرہ قطرہ ہے اب گھر کمیں ہو میسر موج زن ترے ہر اک سخن میں اب</p>	
<p>ایک گردش میں تری چشم سیر کے سب خراب ای رگ گل دیکھو کھاتی ہے جو تو بیچ و تاب کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے ہو جواب پر لب صہبا نکالے اڑ چلے رنگ شراب تلک تو رہ پیری چلی آتی ہے ای عید شباب فزع ہوتا تیغ سے یا آگ میں ہوتا کباب جز جواب صاف اُس سے کب کوئی لایا جواب جامے پر گردش آفے اور میخانہ خسراب ہوں میں ایچ خواں شناسانی کو مجھ سے کیا حساب مفت میں جاتی رہیگی تیری موتی کی سی اب</p>	<p>کس کی مسجد کیسے بتانے کہاں کے شیخ و شاہ تو کہاں اُس کی کمر کیدھر نکر لیا اضطراب موند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے تو ہو اور دنیا ہو ساقی میں ہوں مستی ہو دلام ہو ملاحظت تیرے باعث شور پر سچہ سے نک کب تھی یہ بے جراتی شایان آہوئے حرم کیا ہو رنگ رفتہ کیا قاصد ہو جس کو خط دیا وائے اس جینے پر ای مستی کہ دور جہنم میں چوب حرفی بن الفت بے میں نہیں پہچانتا مست ڈھلک فرگاں سے اب تو ای سرشک آبدار</p>
<p>کچھ نہیں بحر جہاں کی موج پر مت بھول میسر دور سے دریا نظر آتا ہے لیکن ہے سَراب</p>	
<p>یہ شعر تذکرہ تہذیب میں اس طرح ہے: مت ڈھلک فرگاں سے میرے ای سرشک آبدار، مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی اب</p>	

<p>دیکھ خورشید تجھ کو اور محبوب آئی کسناں سے بادِ مصر وے بن عصا شیخ یک قدم نہ رکھے اس لئے عشق میں نے چھوڑا تھا پی ہوئے تو لہو پیا ہوں میں</p>	<p>عرقِ شرم میں گیا ہے ڈوب نہ گئی تا بکلبسہ یعقوب راہ چلتا نہیں یہ خربے چوب تو بھی کہنے لگا بُرا کیا خوب محتسب آنکھوں پر ہر کچھ آشوب</p>
<p>میرے شاعر بھی زور کوئی تھا دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب</p>	
<h2 style="text-align: center;">رولف تارا</h2>	
<p>روزانہ لہو یار سے یارب ہو ملاقات نئے بخت کی یاری ہو نہ کچھ جذب ہو کامل دوری میں کروں نالہ و فریاد کہاں تک جاتی ہو عشق بھی کبھو آتے ہیں بخود بھی</p>	<p>کیا فکر کروں میں کہ کسوٹھ جب ہو ملاقات وہ آجھی ملے تو ملے پھر جب ہو ملاقات اک بار تو اُس شوخ سے یارب ہو ملاقات کچھ لطف اُٹھے بارے اگر اب ہو ملاقات</p>
<p>وحشتِ ہر بہت سمیت کو مل آئیے چل کر کیا جائے پھر یہاں سے گئے کب ہو ملاقات</p>	
<p>سب ہوئے نادم پہلے تدبیر ہو جاناں سمیت تنگ ہو جاو بیگا عرصہ خفتگانِ خاک پر بلغ کر دکھلائیں گے دامانِ دشتِ حشر کو قیس فریاد اور دامنِ عاقبت جی سے گئے</p>	<p>تیر تو نکلا مرے سینے سے لیکن جاں سمیت گر ہمیں زیرِ زمیں سونپا دلِ نالائ سمیت ہم بھی دھال آئے اگر مرگانِ خونِ افشاں سمیت سب کو مارا عشق نے مجھ خانہاں میں سمیت</p>
<p>اٹھ گیا پردہ نصیحت گر کے لگ پڑنے سے میر بچھا ڈالا میں گریباں رات کو داماں سمیت</p>	
<p>پلکوں پہ تھے پارہِ جگر رات اک دن تو وفا بھی کرتے وعدہ کھڑے سے اٹھائیں ان نے زلفیں تو پاس نہیں ہوا تو روتے</p>	<p>ہم آنکھوں میں لے گئے بسرِ رات گریزی ہے اُمید دارِ ہسرات جانا بھی نہ ہم گئی کدِ ہسرات رہ رہ گئی ہے پہرِ ہسرات</p>

<p>رواٹھتے تھے بیٹھ دو پہر رات عاشق کی بھی بچاں گئی گزرت رات گزری ہیں ساری بے خبر رات آیا جو سخن زبان پر رات لے شام سے تادم سحر رات کھلتی نہیں آتی پھر نظر رات کاٹی ہے جدائی کی مگر رات اُس کی گئے ہوتے ہم تو مر رات پہنچا تھا ہم وہ اپنے گھر رات سوئے سے اٹھا جو چونک کر رات ہر چہند کہ تب تھی اک پہر رات</p>	<p>کیا دن تھے کہ خون تھا جگر میں وہاں تم تو بناتے ہی رہے زلف ساتی کے جو آنے کی خبر تھی کیا سوز جگر کہوں میں اہدم صحبت یہ رہی کہ شمع روکی کھلتی ہو جب آنکھ شب کو بچہ بن دن وصل کا یوں کٹا کہ تو کل تھی شرب وصل اک ادا پر جاگے تھے ہمارے بخت خفتہ کرنے لگا پشت چشم نازک تھی صبح جو منہ کو کھول دیتا</p>
<p>پیر زلفوں میں منہ چھپا کے پوچھا اب ہو دیگی میر کس قدر رات</p> <p>میلوس ہوں میں بھی کہ ہوں بیارِ محبت مر جائے تبھی چھوٹے گرفتارِ محبت تھا دشمنِ حسانی مرا اقرارِ محبت لیکن نہ لا کوئی خریدارِ محبت زہنار جو کرتا ہو تو اظہارِ محبت ٹک سیر تو کر آج تو بازارِ محبت آیا یہی ہے ساعنبرِ شرارِ محبت یہ گریہ ہی ہے آبِ رخ کارِ محبت</p>	<p>جیتا ہی نہیں ہو جسے آزارِ محبت امکان نہیں جیتے جی ہو قید سے آزاد تقصیر نہ خواہاں کی نہ جلا د کا کچھ جرم ہر جنس کے خواہاں ملے بازارِ جہاں میں اس راز کو رکھ جی ہی میں تاجی بچے تیرا ہر نقش قدم پر ترے سر پہیچے ہیں عاشق کچھ مست میں ہم دیدہ پر خون جگر سے بیکار نہ رہ عشق میں تو رونے سے ہرگز</p>
<p>مجھ سا ہی ہو جنوں بھی یہ کب ملے ہو عاقل ہر سر نہیں ادا میر سزاوارِ محبت</p>	<p>جی میں ہر یاد رخ و زلفِ سیدہ فام بہت دستِ صیاد تلک بھی نہیں پہنچا جیتا</p>
<p>رونا آتا ہے مجھے ہر سحر و شام بہت بیقرار سی نے لیا مجھ کو تیرا دم بہت</p>	<p>جی میں ہر یاد رخ و زلفِ سیدہ فام بہت دستِ صیاد تلک بھی نہیں پہنچا جیتا</p>

پہنچتا



<p>ایک دو چشمک ادھر گردش ساغکہ دما دل خراشی و جگر چاکی دھون افشانی</p>	<p>سر چڑھی رہتی ہو گردش ایام بہت ہوں تو ناکام یہ کہتے ہیں مجھ کو کام بہت</p>
<p>پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودہ غالباً زیرِ زمین میسر ہو آرام بہت</p>	
<p>کیا کہیں اپنی اُس کی شب کی بات اب تو چپ لگ گئی ہے جیت سے نکتہ دانان رستہ کی نہ کہو کس کا روئے سخن نہیں ہے ادھر ظلم ہے قیامت ہے کہتے ہیں آگے تھا بتوں میں رحم</p>	<p>کہتے ہوئے جو کچھ بھی ڈھب کی بات پھر کھلے گی زبان جب کی بات بات وہ ہو جو ہوئے اب کی بات ہے نظر میں ہمارے سب کی بات غصے میں اُس کے زیر لب کی بات ہے خدا جائے یہ کب کی بات</p>
<p>گو کہ آتش زباں تھے آگے میسر اب کی کئے گئی وہ تب کی بات</p>	
<p>ہر صدم کروں ہوں الحاح یا انابت مرے حساب طاقت ہے ضعف مجھے ظالم</p>	<p>تو بھی مری دُعا سے ملتی نہیں اجابت الائق نہیں ہے تیرے یہ کونسی ہو بابت</p>
<p>کیا گیا لکھا ہے میں نے وہ میسر کیا ہے گا گم ہووے نامہ بر سے یارب مری کتابت</p>	
<p><b>رولیت تلے ہندی</b></p>	
<p>نہ پایا دل ہوا روزِ سیہ سے جس کا جالٹ پٹ تو کن نیندوں پڑا سوتا تھا دروازہ کو موند کشت چٹیل لگتی ہیں دل پر بلبلوں کے باغباں تو جو</p>	<p>کسو کی زلف ڈھونڈی ہو ہو کا کل کو سب لٹ لٹ میں چو کھٹ پر تری کرتا رہا سر کو ٹپک کھٹ کھٹ چمن میں توڑتا ہوں ہر سر کلبوں کے تئیں چٹ چٹ</p>
<p>ترسے ہجرال کی بیماری میں میسر ناواں کو قرب ہوا ہے خواب سونا آہ اس کروٹ سے اس کروٹ</p>	
<p>ملہ ملا غالب سے سخن میں خامہ غالب کی آتش افشانی پڑیقین ہو ہم کو بھی لیکن اس میں دم کیا ہے۔ ملہ خط لکھ کے ادبھی میں پڑا بیچ و تاب میں پڑ کیا جانے لکھ یا لکھ کیا اضطراب میں آؤں سلسلہ چٹیل یعنی جو میں تخفیف داد اب نہ کر کے</p>	

## ردیفِ حیم

آئے ہیں میرے منہ کو بنائے جفا سے آج واشد ہوئی نہ دل کو فقیروں کے بھی لے جینے میں اختیار نہیں ورنہ ہمنشین ساتی تک ایک سو ہم گل کی طرف بھی دیکھ	شاید بگڑ گئی ہو کچھ اس بیوفا سے آج کھلتی نہیں گروہ یہ کسو کی دعا سے آج ہم چاہتے ہیں موت تو اپنی خدا سے آج بڑکا پڑے ہو رنگ چمن میں ہوا سے آج
--	--

تھا جی میں اس سے ملنے تو کیا لیا نہ کہتے تیر  
پر کچھ کہا گیا نہ غم دل حیا سے آج

## ردیفِ حیم فارسی

کاش اٹھیں ہم بھی گنہگاروں کے پنج جی سدا ان ابروؤں ہی میں رہا چشم ہو تو آئینہ خسانہ ہے دہر ہیں غناصر کی یہ صورت بازیاں جسے لے نکلا ہو تو یہ جنسِ حسن عاشقی و بے کسی و رفسلی جو نہ شک اس ماہ بن جھکے ہے شب اس کے آتشناک رخساروں بغیر بیٹھنا غیروں میں کب ہے ننگ یار	ہوں جو رحمت کے سزاواروں کے پنج کی بسر ہم عمر تلو اوروں کے پنج منہ نظر آتا ہے دیواروں کے پنج شعید کیا گیا ہیں ان چاروں کے پنج پڑ گئی ہے دھوم بازاروں کے پنج جی رہا کب ایسے آزاروں کے پنج وہ چمک کا ہے کوہِ تاروں کے پنج لوٹے یوں کب تک انکاروں کے پنج پھول گل ہونے ہی میں خاروں کے پنج
---	---

یار و مست اس کا فریب مہر کساؤ  
میتیر بھی تھے اس کے ہی یاروں کے پنج

فائدہ مصرعیں یوسف رہے زندان کے پنج تو نہ تھا مردن دشوار میں عاشق کی آہ چشم بد دور کہ کچھ رنگ ہے اب گریہ پر حال گلزارِ زمانہ کا ہے جیسے کہ شفق تاک کی چھانوں میں جوں مست پڑی ہوتی ہیں	بھیج دے کیوں دزلیں سے کنگان کے پنج حسرتیں کتنی گرہ تھیں رقیق اکبان کے پنج خون جھکے ہے پڑا دیدہ گریان کے پنج رنگ کچھ اور ہی ہو جائے ہر اکبان کے پنج اینڈ تی ہیں نگہیں سایہ فزگاں کے پنج
--	--

<p>عاقبت ان نے ہمیں زہر دیا پان کے بیج سر تو ٹک ڈال کے دیکھ اپنے گیان کے بیج</p>	<p>جی لیا بوسہ رخسارِ مخطوط دے کر دعویٰ خوش دہنی اُس سے اسی منہ پر گل</p>
<p>کان رکھ رکھ کے بہت درد دل میں کو تم سنئے تو ہو پہ کہیں درد نہ ہو کان کے بیج</p>	
<p>دن بھر جانیں کے عشاق کے اک رات کے بیج جائے رہتے ہیں ہزاروں کے اک بات کے بیج سمجھ اک ہاتھ میں ہو جامِ پرگت کے بیج ہو سیا ہی مژہ میں وہ نگہ گھات کے بیج کرتے ہیں ایسی معیشت تو مساوات کے بیج پند گو یوں ہی نگراب خلل اوقات کے بیج ایک دل غمزہ ہو سو بھی ہوا فات کے بیج</p>	<p>کر نہ تاخیر تو اک شب کی ملاقات کے بیج حرف زن مت ہو کسی سے تو کہ آفتِ شہر سیری طاعت کو قبول آہ کہاں تک ہو گا سرمیکیں چشم پہ اُس شوخ کے زہار نہ جا بیٹھیں ہم اُس کے سگ کو کے برابر کیونکر تابِ طاقت کو تو رخصت ہوئے مدت گزری زندگی کسے بھروسے پہ محبت میں کروں</p>
<p>اب تک میں کتلیہ ہے خرابات کے بیج باز خواہ خوں ہو میرا گو اسی بستی کے بیج</p>	<p>اب تک میں کتلیہ ہے خرابات کے بیج باز خواہ خوں ہو میرا گو اسی بستی کے بیج</p>
<p>ابنِ ملک میں کتلیہ ہے خرابات کے بیج ابنِ ملک میں کتلیہ ہے خرابات کے بیج</p>	<p>ابنِ ملک میں کتلیہ ہے خرابات کے بیج ابنِ ملک میں کتلیہ ہے خرابات کے بیج</p>
<p>ابنِ ملک میں کتلیہ ہے خرابات کے بیج ابنِ ملک میں کتلیہ ہے خرابات کے بیج</p>	<p>ابنِ ملک میں کتلیہ ہے خرابات کے بیج ابنِ ملک میں کتلیہ ہے خرابات کے بیج</p>
<h2 style="text-align: center;">ردیفِ حلی</h2>	
<p>رہنے لگا ہے دل کو اب آزار ہے طرح کنے لگا ہے منہ سے ستمگار ہے طرح رہنے لگے ہوا تھ میں تلوار ہے طرح بیٹھے ہیں آکے طالبِ دیدار ہے طرح</p>	<p>ہوئے لگا لگا از غم یار ہے طرح اب کچھ طرح نہیں ہو کہ غم غم ہے ہوشاد جاں برتھا ہے ہاتھ سے ہو گا نہ اب کوئی فتنہ اٹھیکا در نہ نکل گھر سے تو شباب</p>
<p style="text-align: center;">لو ہو میں شور بور ہے دامنِ حبیب میر بچہ ہے آج دیدہ خونبار ہے طرح</p>	

<p>کرتا ہے چرخ مجھ سے نئے یار ایک طرح مارے گئے ہیں سب یگنہگار ایک طرح کس سے ہوا اچار وہ عیار ایک طرح پر ہم بھی ہو گئے ہیں گرفتار ایک طرح کرتے مکاں ہی اب ہر بازار ایک طرح آتا نہیں نظر وہ طرح دار ایک طرح ممکن نہیں گر نہ ہو دیدار ایک طرح</p>	<p>خاطر کسے ہی جمع وہ ہر بار ایک طرح میں اور قیس کو وہ کن اب جو زباں پہ ہیں منظور اُس کو پرے میں ہیں بے حجابیاں سب طرحیں اس کی اپنی نظر میں کیا کہیں گھر اُس کے جا کے آتے ہیں پامال ہو گئے ہم گہ گل ہو گاہ رنگ گئے باغ کی ہے بو تیرنگ حسن دوست کر آنکھیں آشنا</p>
--	---

ہر طرح تو ذلیل ہی رکھتا ہے میر کو  
ہوتا ہے عاشقی میں کوئی خوار ایک طرح

## ردیفِ دلِ مہملہ

<p>یا بگولا جو کوئی سر کھینچے ہے صحرانورد اک نہاد وادیِ محنوں سے اٹھ جلتی ہو گرد مینہ برسا ہو کہیں شاید ہوا آتی ہو سرد مل گیا اُس پر زین کو غیب سے اک پیر مرد</p>	<p>کیا ہو یہ جو گاہے آجاتی ہو اندھی کوئی نرد شوق میں یہ محملِ لیلیٰ کے ہو کر بیقرار وجہ دم سردی نہیں میں جانتا رنے کے بعد باز رکھا باطنِ پیر مغاں نے شیخ کو</p>
---	---

ایک شب پہلو کیا تھا گرم اُن نے تیرے ساتھ  
رات کو رہتا ہو اکثر میر کے پہلو میں درد

<p>ابھریں گے عشقِ دل سے ترے راز میرے بعد کھینچے گا کون پھر یہ ترے ناز میرے بعد ہر شب کریں گے زندگیِ ناساز میرے بعد اغلب کہ میری آنکھیں رہیں باز میرے بعد مُنہ دیکھو پھر کریں گے ہم آواز میرے بعد صحنِ چمن میں اسے پر پرواز میرے بعد</p>	<p>آوے گی میری قبر سے آواز میرے بعد جینا مرا تو تجھ کو غنیمت ہے نا سمجھ شمعِ مزار اور یہ سوزِ جگر مرا حسرت ہو اُس کے دیکھنے کی دل میں بے قیاں کرتا ہوں میں جو نالے سرا انجامِ باغ میں بن گل موا ہی میں تو پہ تو جا کے لوٹیو</p>
---	---

بیٹھا ہوں میرے روتے کو اپنے میں مستعد  
پیدا نہ ہوں گے مجھ سے بھی جانبا ز میرے بعد

<p>نہ پڑھا خط کو یا پڑھا قاصد کوئی پہنچا نہ خط مرا اُس تک سہ نوشت زبوں سے زربخاک گر پڑا خط تو تجھ پہ حرف نہیں یہ تو رونا ہمیشہ ہے مجھ کو اب غرض خامشی ہی بہتر ہے شب کتابت کے وقت گریں کنہ قصہ لکھا کروں تلکے ہے طاسبات اُس کا کوچہ تو باد پر ہے برات جس کا جواب</p>	<p>آئیں کار کیا کہا قاصد میرے طالع ہیں نارسا قاصد راہ کھوٹی نہ کہ تو جا قاصد یہ بھی میرا ہی تھا لکھا قاصد پھر کبھو پھر کبھو بھلا قاصد کیا کہوں تجھ سے ماجرا قاصد جو لکھا تھا سو بہ گیا قاصد بھیجا کب تک کروں نیا قاصد جو گیا سو وہیں رہا قاصد اُس کو گزرے ہیں سالہا قاصد</p>
---	--

نامہ میر کو اڑاتا ہے  
کاغذ باد گر گیا قاصد

<p>ہوں رہز میں تیرے ہر نقش پا پر شاہد طوف حرم میں بھی میں بھولا نہ تجھ کو اویں شرمندہ اثر کچھ باطن مرا نہیں ہے نالے میں اپنے پنہاں میں بھی ہوں ساتھ تیرے</p>	<p>اڑتی ہے خاک میری باد صبا ہے شاہد آتا تھا یاد تو ہی میرا خدا ہے شاہد وقت سحر ہے شاہد دست دعا ہے شاہد شاہد ہے گردِ محفل، شورِ دراز ہے شاہد</p>
--	---

ایدا ہو میر پر جو وہ  
بائے یہ کہہ کہ تیری خاطر میں کیا ہے شاہد

<p>اے گل نو دمیدہ کے مانند ہم اُمید وفا پہ تیری ہوئے خاک کو میری سیر کر کے پھرا سراٹھالے ہی ہو گئے پامال نہ کئے رات ہجر کی جو نہ ہو ہم گرفتارِ حال ہیں اپنے دل تڑپتا ہے اشکِ خوں میں</p>	<p>ہے تو کس آفریدہ کے مانند غنیچہ دیر چیدہ کے مانند وہ غزالِ رنیدہ کے مانند سبزہ نو دمیدہ کے مانند نالہ تیغ کشیدہ کے مانند طائر پر بریدہ کے مانند حبیبِ غزلِ طیدہ کے مانند</p>
--	--

تجھ سے یوسف کو کیونکہ نسبت دس	تب شنیدہ ہو دیدہ کے مانند
میر صاحب بھی اسکے ہاں تھے لیک	بندہ زر خسیدہ کے مانند
چمن کی صبح کوئی دم کو شام ہے صیاد مرا تو کام انھیں میں تمام ہے صیاد بچے تو ہر رگ گل تار دام ہے صیاد چمن میں اور تو کیا مجھ کو کام ہے صیاد	قفس تو یہاں سے گئے پر دام ہے صیاد بہست ہیں ہاتھ ہی تیرے فکر قفس کی فکر چمن میں میں نہیں ایسا پھنسا کہ یوں چھوڑوں یہی گلوں کو تنگ دیکھوں اتنی مہلت ہو
ابھی کہ وحشی ہو اس کشمکش کے بیچ ہو میر	خدا ہی اُس کا ہے جو تیرا رام ہے صیاد
رکھ کے تیشہ کئے ہے یا استاد جان کے ساتھ ہر دل ناشاد بس ہے دیکھا نہ عالم ایجاد زندگانی کی کچھ بھی ہے بنیاد کس خرابے میں ہم ہوئے آباد نہ سونو گے یہ نالہ وفسر یاد خاک کس دل جلے کی کی برباد غرض آتا ہو پھر خدا ہی یاد نالے اپنے سے اپنی ہے فریاد بانع ہے گھر ترا تو اے صیاد اپنی قید حیات کے آزاد جانا سو جائے ار سکی ہو معتاد یوں ہی تصدیق کھینچے ہو ہزار	میرے سنگ مزار پر فریاد ہم سے بن مرگ کیا جدا ہو لال موند آنکھیں سفر عدم کا کر نکدہ تقسیم میں نہ رہ سہم خاک بھی سر پہ ڈالنے کو نہیں سنتے ہو ملک سنو کہ پھر مجھ بعد لگتی ہے کچھ سموم سی تو نسیم بھولا جا ہے غم بتاں میں جی تیرے قید قفس کا کیا شکوہ ہر طرف ہیں اسیر ہم آواز ہم کو مرنایہ ہو کہ کب ہوں گے ایسا وہ شوخ ہو کہ اٹھتی صبح نہیں صورت پذیر نقش اس کا

لے فریاد۔ یا کوہ کن ایک سنگ تراش کا نام جو شیریں عشق و شہد کا عاشق تھا۔ جس نے شیریں کے لئے ایک نہر دودھ لائے کی پہاڑ  
میں گود دی تھی اور جس پر دیزے فریب ڈیکر اُس کو ہلاک کر دیا۔ اس کے قصے کو شیریں خسرو نظامی وغیرہ میں بیان  
کیا ہے۔ ۱۲۔ اسی عہد تہذیب صاحب بھی اُس کی بزم میں تھے۔ جیسے کوئی فقیر ہوتا ہو۔

<p>خوب سے خاک سے بزرگوں کی پر مروت کہاں کی ہو اسی تیر</p>	<p>قلعہ چاہتا تو مرے تئیں امداد تو ہی مجھ دل جلے کو کر ارشاد</p>
<p>نامرادی ہو جس پہ پردانہ وہ جلاتا پھرے چراغ مراد</p>	
<p>ردیف رائے مکملہ</p>	
<p>اے آہ پھر اثر تو ہے بر چھپی کی چوٹ پر دیکھا وہی کہ آنسوؤں میں چو پڑا جگر ای اشتیاق سیہ چمن تیری کیا خبر یہ جی بھی یوں ہی جائیگا رہتا ہو تو کدھر وے مشکفام زلفیں پریشاں ہو میں اگر روتے ہی مجھ کو گزرتے ہے کیا شام کیا سحر میں نے جو آنکھیں کھول کے دیکھیں سو کھینچم تر ہر سمت کو ہے نشہ لبی کامری خط</p>	<p>اودھرتلک ہی چرخ کے مشکل ہو ملک گزر دھڑکا تھا دل طہیڈن شب سو کج صبح ہم تو اسیر کنج قفس ہو کے مر چلے ہیت عیب کر جو دھوئندوں میں اسکو کہ مدی آئی ہی بوجھو تو بلا اپنے سر صبا جاتی نہیں ہے دل سے تری یاد زلف رو کیا جانوں کس کے تئیں لب خنداں کے ہر خلق ایریل ٹک سنبھل کے قدم بادے میں کھ</p>
<p>کرتا ہے کون منع کہ سچ اپنی تو نہ دیکھ لیکن کبھی تو مہیے کے کر حال پر نظر</p>	
<p>پھر دیکھنا ادھر کو آنکھیں ملا ملا کر کہتے تھاک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر حسرت ہے اُس کو مارا آخر لٹا لٹا کر رکھا ہمیں تو اُن نے آنکھیں دکھا دکھا کر گوڈر کیا گریاں سار اسلا سلا کر پھبتا ہو اُس کو کرنا باتیں چبا چبا کر اُس شعلہ خوتے ہم کو مارا جلا جلا کر</p>	<p>غیروں سے دے اٹھا سے ہم ستر چھا چھا کر ہر گام سترہ تھی بتجانے کی محبت نچرگہ میں تجھ سے جو نیم کشتہ چھوٹا اک لطف کی نگہ بھی ہم نے نہ جا ہی اس ناصح مرے جنوں سے آگہ نہ تھا کہ ناحق اک رنگ بیاں ہی اسکا لہجہ کن جانش جوش معصوم کا ہی اکبار کچھ گئے ہم</p>
<p>لہ یعنی پھر اثر لینی ہے نہ چو پڑا۔ یعنی ٹپک پڑا۔ چونا یعنی ٹپکنا۔ تہ ہم نکالینگے سن اکیچ صبا لیکر اسکی فوج کے اگال پٹیا بونگے (دومن)</p>	

اس حرف ناشنوت صحبت بگڑی جاہ	ہر چند لاتے ہیں ہم باتیں بنا بنا کر
میں منع میسر تجھ کو کرتا نہ تھا ہمیشہ کھوئی نہ جان تو نے دل کو لگا لگا کر	
نہ ہو ہرزہ در اتنا خموشی اسے جبریں تر نہونا ہی بھلا تھا سامنے اس چشم گریاں کے سدا ہو خار خار باغباں گل کا جہاں مانع ہر اسے امتحان لیکن نہ سمجھے تو تو کیا کرے سیہ کردوں گا گلشن دو دل سے باغباں میں بھی کیا داغوں سے رشک بلغاں صد آفریں الفت قدم تیرے چھوئے تھے جن نے اب ہاتھ دس کر	نہیں اس قافلے میں اہل دل ضبط نفس بہتر نظر ای بر تر آچھی نہ آوے گا بریں بہتر سمجھ ای عند لب اس باغ سے کنج قفس بہتر شہادت گاہ میں پیکل سب اپنے بلہوں بہتر جلا آتش میں میرے آشتیاں کے خار خوش بہتر یہ سینہ ہم کو بھی ایسا ہی تھا در کار لب بہتر مرے حق میں نہونا ہی تھا یہاں تک دستر بختر
محبت پوچھے ہو مجھ سے میسر میں صحر کو جاتا ہوں خرابی ہو یہ دل رکھا ہو جو تو نے تو لبں بہتر	
دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آئے مجھے قرار ساقی تو ایک بار تو توبہ مری منہ ترا کیا زمرہ کروں ہوں خوشی تجھ سے مصفیہ کس دھبے راہ عشق چلوں ہو پیر مجھے کوچے کی اس کے راہ نہ بتلائی بعد مرگ اسے پائے خم کی گردش ساغر ہو دستگیر	اسے انتظار تجھ کو کسی کا ہوا انتظار توبہ کروں جو پھر توبہ توبہ ہزار بار آیا جو میں چین میں تو جاتی رہا ہمار پھوٹیں کہیں نہ آئے لوٹیں کہیں نہ خار دل میں صبار کئے تھی مری خاک غبار مر ہوں درد سر ہو کہاں تک مرا خار
وسعت جہاں کی چھوڑ جو آرام چاہے میسر آسودگی رکھے ہو بہت گوشہ مزار	
یہ عشق بے اجل کش ہو لبس دل اب توکل کر سفر ہستی کا میت کر سرسری جوں بادِ اہر و سن اسے بید روچیں غارت گلشن مبارک ہو نہ وعدہ تیرے آئے کا نہ کچھ اُمید طالع سے یہ کیا جانوں کہ کیوں نے نگارنے سے کہا میں	اگرچہ جان جاتی ہو حلی لیکن تغافل کر یہ سب خاک آدمی تھے ہر قدم پر نکتل کر پہ ٹک گوش مروت جانب فریاد لبیل کر دل بیتاب کو کس منہ سے کہنے تک تحمل کر مگر یہ جانتا ہوں سینہ گھراتا ہو پھر چل کر



مرے پاس اُس کی خاک پاؤں بیماری میں کھاتا تجلی جلوہ ہیں کچھ بامِ دُور غم خانہ کے میرے تری خاموشی سے قمری ہوا شو جنوں سوا	نہ آیا سر مرا بالیں یہ دودھ جو گیا ڈھل کر وہ رشک ماہ آیا ہمنشیں بس اب پال کر ہلاکت کی گردن کو بھی ظالم بنے میں نعل کر
گداز عاشقی کا مہر کے شہر نے کر آیا تھا جو دیکھا شمع مجلس کو تو پانی ہو گئی گھل کر	
کہ رحم تک بکنگ ستم مجھ پر جفا کار اس قدر بھاگے مری صورت سے وہ عاشق میں اُسکی شکل پر منزل پہنچنا اک طرف نے صبر ہے ہر سکوں ہے جائے ہزل میں ترے آدر گزر کر بے وف جز کشمکش ہوئے تو کیا عالم سے ہم کو فائدہ غیر اور بغل گیری تری عید اور ہم سے بھاگنا	یک سینہ خنجر سیکڑوں اک جان و آزار اس قدر میں اُس کا خواہاں بھیاں تلک وہ مجھ سے بیزار اس قدر یکسے قدم میں آئے پھر راہ پر خسار اس قدر کہ رحم تک اپنے آپ پر مت ہو دل آزار اس قدر یہ بے فضا ہے اک قفس ہم ہیں گرفتار اس قدر ہم یار ہوں یوں غمزے خوش ہوئیں غبار اس قدر
طاقت نہیں ہر بات کی کہتا تھا لغوہ مارے کیا جانتا تھا مہر ہو جاوے گا بچار اس قدر	
قیامت تھا سماں اُس خوشگلیں پر نہ دیکھا آخر اُس آسینہ رو کو گئے دن عجز و نالہ کے کہ اب ہے ہوا ہے ہاتھ گلہ ستہ ہمارا خدا جانے کہ کیا خواہش ہر جی کو پر افشانی قفس ہی کی بہت ہو جگر میں اپنے باقی روئے تر وے کبھو جو آنکھ سے چلتے ہیں آنسو	کہ تلواریں چلیں ابرو کی چیں پر نظر سے بھی نگاہ واپس پر دماغ نالہ سپرخ ہفتین پر کہ داغ خون بہت ہوا شیں پر نظر اپنی نہیں ہے مہر و کیں پر کہ پرواز چمن قابل نہیں پر اگرچہ کچھ نہیں اسے ہمنشیں پر تو بھٹ کر جاتا ہے پانی سنہیں پر نہر
قدم دشتِ محبت میں نہ رکھ مہر کہ سر جاتا ہے گامِ اولیں پر	
۱۔ مرزا غالب دہلوی؟ ۲۔ ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا! یا الہی یہ ماحسبہ کیا ہے۔	

دل دماغ و جگر یہ سب اک بار  
 کیوں نہ ہو ضعف غالب اعضا پر  
 گل پژمردہ کا نہیں ممتون  
 مست نکل گھسے ہم بھی ماضی ہیں  
 سیکڑوں حرف ہیں گرہ دل میں  
 سیر کر دشتِ عشق کا گلشن  
 روزِ محشر ہے راتِ ہجران کی  
 بحشتِ نالہ بھی کیجیو بلب  
 چاکِ دل پر ہیں چشمِ صدِ خواب  
 شکر کر دماغِ دل کا اے غافل  
 گو غل ہو گئی قصبہ سی  
 ہر سحرِ لگ چلی تو ہو تو نسیم  
 شِ احسانے ہزار نکلیں گے  
 واجبِ القتل اس قدر تو ہوں  
 یہ تو آیا نہ سامنے مسکے  
 آ زیارت کو قبہِ عاشق پر  
 نکلتے ہو میری خاک سے نرگس  
 معیر صاحبِ زمانہ نازک ہو  
 سہل سی زندگی یہ کام تئیں  
 چار دن کا ہے جملہ یہ سب  
 کوئی ایسا گستاخ اور نہیں  
 وہاں جہاں خاک کے برابر ہے  
 یہی درخواستِ بایں دل کی ہے  
 در مسجدِ طہمت نہ ہو تم

کام آئے فراق میں اسے یار  
 مر گئے ہیں قشون کے سردار  
 ہم اسیروں کا گوشہ دستار  
 دیکھ لیں گے کبھو سب بازار  
 پر کہاں پائے لبِ اظہار  
 غنچے ہو ہو رہے ہیں سو سو خار  
 ایسی ہم زندگی ہے ہیں بیزار  
 پہلے پیدا تو کر لبِ گفستار  
 کیا کروں یک انار و صد بیمار  
 کس کو دیتے ہیں دیدہ بیدار  
 عاشقوں کا ہو طولِ حرفِ شعار  
 مسیت ناز تک ہمشیار  
 جو گیا اُس کی زلف کا اک تار  
 کہ مجھے دیکھ کر کہے ہے پکار  
 لاؤ میری میاں سپر تلوار  
 اک طرح کا ہو بچاں بھی جو تیار  
 یعنی اب تک ہو حسرتِ دیدار  
 دونوں ہاتھوں سے تھامے دستار  
 اپنے اوپر نہ کیجے دشوار  
 سب سے رکھے سلوک ہی ناچار  
 یہ کہ کیجے ستم کسی پر بار  
 قدرِ ہفت آسمانِ طکم شعار  
 نہیں روزہ نماز کچھ درکار  
 کہ رہو بیٹھ خستہ خمار

لے یہ مصرع نکاتِ التہجد میں اس طرح لکھا ہے۔ ع۔ لکھیں نہ ہو نفعِ ضعفِ اعضا پر۔

ایک ہونا نہ در پہلے آزار	جی میں آدے سو بچو پیارے
حاصل دو جہان ہر اک حرف	ہو مری جان آگے تم مختار
<p>جلا ہی پڑا ہوا ہمارا تو گھر بار  نگاہیں شرر ریز پلکیں جگر بار  کہ ہوا اس تن نازک آدھ نظر بار  چپک جائیں باہم سے نعلِ شکر بار  سجنا تھا اس کی طوٹ ہم کو ہر بار  کہ جبہ ہوا اک بار و عمامہ سر بار  نہایت کو لایا عجب پیسہ بار  نگاہی سے ہوا سدا وہاں تو در بار  کہ دیکھ سے آیا تر ابر گسر بار  کتابیں رکھیں ساتھ گو ایک خبر بار</p>	<p>لبوں پر ہے ہر لحظہ آہ شرر بار  ہو میں کس تہدید کے پاس یکجا  کہو کوئی دیکھے اسے سیر کو نہ کر  حلاوت سے اپنی جو آگاہ ہو تو  سبک کر دیا دل کی بڑھاتی تے  گدھا سالہا پھرتا ہوا شیخ ہر سو  مرے نخل ماتم پہ ہوا سنگ بار  ہمیں بار اس در پہ کثرت سے کیا ہو  یہ آنکھیں گئیں ایسی ہو کر در افتلا  کب اس عمر میں آدمی شیخ ہوگا</p>
جہاں میسر رہنے کی جاگہ نہیں ہے	چلا جائے یہاں سے اسبابِ گریہ
<p>جائے رہیں گے ہم بھی گریبان بھاڑ کر  پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اُجاڑ کر  تسکین دے کہ بیٹھ رہوں پاؤں گاڑ کر  آئے ہیں آج دور سے ہم تجھ کو مناڑ کر  تنے کو جو دکھائے ہر بل میں پہاڑ کر  کچھ ڈھیر کر چکے ہیں یہ آگے اکھاڑ کر</p>	<p>غصے سے اٹھ چلے ہو جو دامن کو جھاڑ کر  دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے  یار بے ہ طلب میں کوئی کب تلک پھر سے  منظور ہونہ پاس ہمارا تو حیف ہے  غالب کہ دیوے قوتِ دل اس ضعیف کو  بکلیتے کام دل کے کچھ اب اہل ریش سے</p>
اس فن کے پہلو افزوں سے نشتی رہی ہر میسر	بہتوں کو ہم نے زیر کیا ہے پچھاڑ کر
جائے ہیں جی سے کس قدر آزار دیکھ کر	مرتے ہیں تیرے زکس بیمار دیکھ کر
پھر مر گئے ترے تئیں اک بار دیکھ کر	افسوس دے کہ منتظر اک عمر تک ہے

<p>قاصد تو کہیو ملک کہ حبس کار دیکھ کر کرو ملک ایک وعدہ دیدار دیکھ کر حیران رہ گئے ہیں یہ اسرار دیکھ کر آتا ہے جی بھر اوردو یو ار دیکھ کر رکھ ملک قدم زمیں پر ستم گار دیکھ کر چھینتا ہو مجھ کو دور سے اب یار دیکھ کر</p>	<p>ناخواندہ خط شوق لگے چاک کرنے تو کوئی جو دم رہا ہو سو آنکھوں میں ہو پھر آب دیکھیں جدھر وہ رشک پری پیش چشم ہو جاتا ہے آسمان لئے کوچے سے یار کے تیرے خرام ناز پہ جاتے ہیں جی حیلے طالع نے چشم پوشی کی بھیاں تک کہ ہنسی</p>
<p>جی میں تھا اُس سے ملے تو کیا کیا نہ کہنے میر پر جب ملے تو رہ گئے ناچار دیکھ کر</p>	
<p>ٹھہری ہے آرسی بھی دانتوں زمیں بیکر کر مرتے ہیں خاک رہ سے گورے رگڑ رگڑ کر پایا پھل اُس سے آخر کیا سحر نے اکر کر کھویا ہمیں نے اُس کو ہر لحظہ بانوں پڑ کر مشہور ہو گئیں جو بیٹھا ہو گھر میں گڑ کر آدھا نہیں رہا ہوں بچہ سے تو میں بچہ کر بنت العنک کے اپنا سب کچھ گیا گھسٹ کر بتا ہو ایک گھر بھیاں سو صورتیں بگڑ کر یا قوت سے رکھے ہیں جوں سوتیوں کو خڑ کر آیا بھونہ بھیاں ملک غیروں سے یار لڑ کر</p>	<p>دیکھ اُس کو ہنسنے سبک دم سے گئے اکھڑ کر کیا کیا نیاز طینت اور ناز پیشہ سچہ میں قد کش چمن کے اپنی خوبی کو یوں چلے ہیں وہ سر چڑھا ہو اتنا اپنی فروتنی سے پائے ثبات بھی ہو لازم آوری کو لازم دوری میں دلبروں کی لکٹی ہو کیونکہ سب کی اب کیسا زہد و تقویٰ داروہو اور ہم ہیں دیکھو نہ چشم کم سے معمورہ جہاں کو اُس پشت لب کے اوپر دالے عرق کے یوں ہیں تاسا زنگاری اپنے طالع کی کیا کہیں ہم</p>
<p>اپنے مزاج میں بھی ہو مسکند نہایت پھر مرے ہی اٹھیں گے بیٹھیں گے ہم جواڑ کر</p>	
<p>پر ہو سکے جو پیارے دل میں بھی ملک جگہ کر رکھی ہیں جاننا زیں اہل و سرع نے تہ کر ہو ہو گئے ہیں ٹیلے سارے مکان ڈھ کر</p>	<p>کستا ہو کون تجھ کو بھیاں یہ نہ کر تو وہ کر وہ تنگ پوش کن دامن کشاں گیا تھا کیا قصر دل کی تم سے ویرانی نقل کرے</p>
<p>میر صاحب ہی کا دور شعر ہے کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا ہے یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا۔ اسی ہی میر صاحب کا ایک اور شعر ہے کہتے تھے اُس سے ملے تو کیا کیا نہ کہنے لیک ہ وہ لگیا تو سامنے اُس کے نہ آئی بات۔</p>	

<p>آنے لگا ہوا ہو رخصت پر تو بہ کر یہاں کی تو صبح دیکھی اک آدھ رات رہ کر یہ دل خیز ہوا ہے کیا کیا جھائیں سر کر اسرار عاشقی کا پچھتائے یار کہہ کر گر ہو سکے تو زاہد اس وقت میں گنہ کر</p>	<p>ہم اپنی آنکھیں کب تک یہ نگ عشق دیکھیں رنگ شکستہ اپنا بے لطف بھی نہیں ہو برسوں عذاب دیکھے قرونِ لقب اٹھائے ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا طاعت کوئی کرے ہے جب ابر زور جھومو</p>
<p>کیوں تو نے آخر آخر اس وقت منہ دکھایا وی جان مہینے جو صہرت اک نگہ کر</p>	
<p>حال ہے اور قال ہے کچھ اور دوم میں عاشق کا حال ہے کچھ اور ہر جگہ یہاں خیال ہے کچھ اور اُس کے گیسو کا بال ہے کچھ اور عاشقوں کا وصال ہے کچھ اور اُس پہ بھی احتمال ہے کچھ اور کبک کی چالِ فحال ہے کچھ اور</p>	<p>شیخ کا اب کمال ہے کچھ اور وعدے برسوں کے کن نے دیکھے ہیں سہل مت بوجھ یہ طلسم جہاں تورگ جاں سمجھتی ہوگی نسیم نہ ملیں گو کہ حبس میں مرجائیں کو ز پشتی پشیم کی مت جاؤ اس میں اس میں بڑا تفاوت ہے</p>
<p>میسر تلوار چلتی ہو تو چلے خوش خراموں کی چال ہو کچھ اور</p>	
<p>ضبط گریہ سے پڑ گئے ماسور ترم خورشید ہو گیا کافور دولتِ حسن پر نہ ہو منور گر اٹھے ہو غبارِ خاطر مور</p>	<p>دل جو اپنا ہوا تھا زخمی چور صبح اُس سر دھس کے آگے ہم ضعیفوں کو پائمال نہ کر عرش پر بیٹھتا ہے کتے ہیں</p>
<p>شکوہ آبلہ ابھی سے میسر ہے پیارے ہنوز دلی دور</p>	
<p>غیرت سے رہ گئے ہم یکسو کباب ہو کر گل بہ گیا جن میں جلستِ آب ہو کر دیکھا کیا نہ کر تو مسرتِ خواب ہو کر</p>	<p>غیرتوں سے مل چلے تم مستِ شراب ہو کر اُس روئے آنکشیں سے برقع سرک گیا تھا کل رات منگ گئیں تھیں بہتوں کی آنکھیں غش سے</p>

<p>نکلے ہے صبح وہ بھی اب بے نقاب ہو کر نکلا ہے چشم تر سے وہ خون ناب ہو کر شکر خدا کہ نکلا وہاں سے خراب ہو کر</p>	<p>پردہ رہے گا کیونکر خورشیدِ خاوری کا یکہ قطرہ آب میں نے اس دور میں پایا ہے آہیٹھتا تھا صوفی ہر صبح میگردے میں</p>
<p>شرم و حیا کہاں تک ہیں مہیر کوئی دن کے اب تو ملا کر و تم تک بے حجاب ہو کر خاطر سے ہی مجھ مست کی تائیدِ دورِ جام کر نالہ کو ذکرِ صبح کر گریہ کو دردِ شام کر محبس میں اپنی نقلِ خوش زنجیر کا بادام کر ناموس سے آدرگزر بے ننگ ہو کر نام کر</p>	<p>ہو آدمی اگر پسرِ ترک گردشِ ایام کر وینا اگر بے صدف نہ نوئے میں یا گڑھ میں تو مست جنوں ہر روز شبِ شہرہ ہو شہر و شہت میں جنتی ہو ذلتِ خلق میں اتنی ہو عزتِ عشق میں</p>
<p>مرہ کہیں بھی پسر جا گشتہ پھر ناتا کج ظالم کسو کا سن کہا، کوئی گھڑی آرام کر ہاتھ سے جائے گا سرِ شہتہ کا آخر کار یار و دشمن ہو گیا جان سے مارِ آخر کار سر کو کھینچے گا فلک تک یہ غبارِ آخر کار آنکھوں سے جاتی رہے گی یہ بہارِ آخر کار</p>	<p>رہنے کا پاس نہیں ایک بھی تارِ آخر کار لوحِ تربت پہ مری پہلے یہ لکھیو کہ اسے مشتِ خاک اپنی جو پالیاں ہیں بھیاں اس پہ بجا چشم وادیکھکے اس باغ میں کیجو نرس</p>
<p>اقل کارِ محبت کو بہت سہل ہو مہیر جی سے جاتا ہو لے صبر و قرارِ آخر کار</p>	
<p>موتی گویا جڑے ہیں مینے پر ایک دم کے لہو نہرِ مینے پر سنگ باراں ہو آہستہ مینے پر کیا رفو کم ہوا ہے سینے پر</p>	<p>خط میں ہے کیا سماں پسینے پر کوئی ہوتا ہو دلِ طیش سے بُرا دل سے میرے شکستیں کبھی ہیں چاک سینہ سے کھل گئے ٹانگے</p>
<p>جو ردِ لبر سے کیا ہوں آزرده مہیر اس چار دن کے جینے پر</p>	
<p>لہ پردہ رہنا۔ مراد عجیب چھپا رہنا۔ شرم رہنا۔ بات رہنا۔ نہ بے برق لکھنی نامِ عالم میں رہے بات خدایا رہ جائے + پردہ خاک میں چھپ جاؤں تو پردہ رہ جائے</p>	

	<p>دستہ دایع و فوجِ غم لیکر آہ چلتی ہے یہاں علم لیکر یعنی آگے چلیں گے دم لیکر غم دُوری چلے ہیں ہم لیکر دایع یاس آہوئے حرم لیکر رہ گئے ہاتھ میں قلم لیکر جائیگا جان بھی یہ غم لیکر ہم بھی آئے ہیں لبِ رقم لیکر</p>	<p>ہم بھی پھرتے ہیں یک چشم لیکر دست کش نالہ پیش رو گر لیکر مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے اُس کے اوپر کہ دل سے تھانز لیکر بارہا صید گہ سے اُس کے گئے ضعف یہاں تک کھنچا کہ پھور لیکر دل کیب انتفا کری ہو عشق شوق اگر ہو ہی تو ادا قاصد</p>
	<p>میر صاحب ہی چوکے اور بدھند ورنہ دینا تھا دل قلم لیکر</p>	
<p>نی</p>	<p>بگلا شکار ہو دسے تو لگتے ہیں ہاتھ پر سیراب ترے ہونیکو کافی ہے چشم تر مجھ کو تھا دستِ عیب پکڑی تری کمر</p>	<p>دارھی سفید شیخ کی تو مت نظر میں کر ایا بر خشک مغز سمندر کا منہ نہ دیکھ آخر عدم سے کچھ بھی نہ اُکھڑا مرا میاں</p>
	<p>سونا تھا بچہ تو نشے میں جورات کو سو بار میر نے تری اٹھا اٹھ کے لی خبر</p>	
	<p>زخم پر پڑ گیا مرے پا پر کہیں دیکھا تھا جھکو دریا پر ابر جھوما ہی جاؤ صحرا پر جی ہی ایسا چلا نہ صبا پر رات پرے ہیں چشمِ بینا پر کہ مصیبت پڑی تھا بنا پر سنگِ باراں ہوا ہی مینا پر</p>	<p>بشت پاماری بسکہ دنیا پر ڈوبے اُچھلے ہو آفتابِ ہنوز گردے ہوں آؤ شیخِ شہر دل پر غول تو تھا گلابی شہر یہاں جہاں ہیں کہ شہر کو آج فرست عیش اپنی یوں گزری طہر م تاک سے کہو چکا</p>
	<p>میر کیا بات اُس کے ہونٹھوں کی جینا دو بھر ہوا مسیحا پر</p>	
<p>اچان اتنے کیوں ہوئے جاتے ہو جان کر</p>		<p>جھوٹے ہی پوچھتے نہیں تاکِ حالِ ان کر</p>

دے لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھوئے جھکے دکھاکے باعث ہنگامہ ہی رہے کتے نہ تھے کہ جان سے جاتے رہیں گے ہم کم گو جو ہم ہوئے تو ستم کچھ نہ ہو گیا ہم دے ہیں جن کے خون تری راہ سے گل تاکشتہ و فاجعہ جانے تمام حلق ناز و عتاب خشم کہاں تک اٹھائیے	پیدا کئے تھے چرخ لے جو خاک چھان کر پر غصہ در پہ آئے نہ تم بات مان کر اچھا نہیں ہے آئے نہ ہمیں امتحان کر اچھی نہیں یہ بات مت اتنی زبان کر مت کر خراب ہم کو تو اوروں میں سان کر تربت پہ میری خون سے میرے نشان کر یار پہ کبھو تو ہم پہ آئے مہربان کر
--	---

افسانے ماومن کے سنیں میرے کب تک  
چل اب کہ سو دیں منہ پہ دوٹے کوٹان کر

آزار دیکھے کیا کیا ان پلوں سے اٹک کر سرو و تندر و دونوں پھر آپ میں نہ آئے کب آنکھ کھول دیکھا تیرے تئیں مہمان حاصل بجز کدورت اس خاک اس کیا ہے یہ مشت خاک کہی انسان ہی ہو روکش دل کام چاہتا ہو اب اس کے کیسو دے ٹٹک منہ سے اس کے دیشب برقع سر کیا تھا دھولا چکے تھے لکر کل و نڈے میکے کے کل رقص شیخ مطلق دل کو لگانے میرے	جی لیکن یہ کانٹے دل میں کھٹک کھٹک کر گلزار میں چلا تھا وہ شوخ ملک ملک کر ناچار مر گئے ہم سب کو پٹک پٹک کر خوش وہ کہ اٹھ گئے ہیں اٹان جھٹک جھٹک کر ورنہ اٹھائی کن نے اس آسمان کی ٹکر وہاں مر گئے ہیں کتنے برسوں اٹک اٹک کر جاتی رہی نظر سے کتاب سی چھٹک کر پرسہ گراں ہو واعظ جاتا رہا شٹک کر آیا وہ حسیہ شرعی کتنا مشک مشک کر
---	--

منزل کی میر اس کی کبابہ تجھے نکلی  
یہاں خفتر سے ہزاروں مر مر گئے بھٹک کر

## رولیف رائے مندی

آشوب دیکھ چشم تری سر پہ ہیں جوڑ لاکھوں جتن کے نہوا ضبط کر یہ لیک زخم دروں سے میرے نہ ٹکے بے خبر نہ	پلوں کی صف سے بھیڑیں گے منہ کو موڑ سننے ہی نام آنکھ سے آنسو گرے کرور اب ضبط کر یہ سے ہو ادھر سی کو سب بخور
--	--



<p>گری سے بڑھ کال کی پروا ہو کیا ہیں بلبل کی اور چشمِ مروت سے دیکھ ٹک کچھ کو ہن ہی سے نہیں تازہ ہوا یہ کام برسوں رہی ہو جان کے ٹکڑے کی بھل ٹوڑ بید رویوں چمن میں کسو پھول کو نہ توڑ بہتیرے عاشقی میں ہوئے سر کو پھوڑ پھوڑ</p>	<p>بریطاقتی سے مٹے گئے چھوٹے پران ظالم خیال دیکھنے کا اُس کے ابلے چھوڑ</p>
<p>روایتِ نئے معجمہ</p>	
<p>ہوتا نہیں ہو بابِ اجابت کا وا ہنوز دن رات کو کھنچا ہے قیامت کا اور میں خط کاڑھ لاکے تم تو منہ ابھی چلے غنیچے چمن چمن کھلے اس باغِ دہر میں احوالِ نامہ بر سے مرا سُن کے کہہ اٹھا غنیچہ نہ بوجھ دل ہو سی مجھ سے زار کا توڑا تھا کس کا شیشہ دل تو نے سنگدل چلو میں اُس کے میرا ہوتا سو پی چکا</p>	<p>بسل پڑی ہے پیرخ پہ میری دعا ہنوز پھرتا ہوں منہ پہ خاک لے جا بجا ہنوز ہوتی نہیں ہماری تنہا صفا ہنوز دل ہی مرا ہے جو نہیں ہوتا ہو وا ہنوز جیتا ہے وہ ستمزدہ بھور کیا ہنوز کھلتا نہیں جو سعی سے تیری صبا ہنوز ہو دل خراش کو چے میں تیرے صدا ہنوز اُڑتا نہیں ہو طائرِ رنگِ حنا ہنوز</p>
<p>بے بال و پر اسیر ہوں کنجِ نفس میں میسر جالی نہیں ہو سکر چمن کی ہوا ہنوز</p>	
<p>ضبط کرتا نہیں کنارہ ہنوز آتش دل نہیں بجھی شاید اشک جھمکا ہو جب نہ نکلا تھا لب پہ آئی ہو جان کیپ کی ہو</p>	<p>ہے گریبان پارہ پارہ ہنوز قطرہ اشک ہو شمارہ ہنوز چرخ پر صبح کا ستارہ ہنوز اُس کے موقوف یک شاعر ہنوز</p>
<p>عمر گزری دوائیں کرتے میسر دردِ دل کا ہوا نہ چارہ ہنوز</p>	
<p>مر گیا میں پہ مرے باقی ہیں آثار ہنوز دل بھی پُر دلِ چمن ہو پر اسے کیا کیجے</p>	<p>تراں سب کے لہو سے درو دیوار ہنوز جی سے جاتی ہی نہیں حسرتِ دیدار ہنوز</p>

<p>لہو برسا رہے ہیں دیدہ خونبار ہنوز  یہ ہوا کوئی بھی اس درد کا بیمار ہنوز  تو نہیں چھوڑتا اس طرز کی رفتار ہنوز  ہیں غم دل کی اسیری میں گرفتار ہنوز  ڈوبا ہی جائے ہو لوہو میں سرخار ہنوز  جیتا مرنے کو رہا ہے یہ گنہگار ہنوز  باز آتے نہیں پر تیرے ہوا دار ہنوز  کوئی دیتا ہے سنا دیسی کو آزار ہنوز  میان سے نکلی پڑے ہو تری تلوار ہنوز  ہے تجھے کوئی گھڑی قوت گرفتار ہنوز  درد دل کیوں نہیں کرتا ہو تو اظہار ہنوز  کیا کہوں تجھے کو سمجھ اس نہیں یہ ہنوز</p>	<p>بہ گئے عمر ہوئی ابر بہاری کو ولے  بد نہ لیجائیو پوچھوں ہوں کبھی یہ طبیب  بار ہا چل چکی تلوار تری چال پہ شوخ  ایک دن بال فشاں ٹپکے تھے خوش ہو کر  کوئی تو آبلہ پا دشت جنوں سے گزرا  منتظر قتل کے دیکھ کا ہوں اپنے یعنی  اڑ گئے خاک ہو کتے ہی ترے کوچے سے  ایک بھی زخم کی جاجس کے نہ ہوتی کہیں  ٹپک تو انصاف کراؤ دشمن جانِ عاشق  میرے کو ضعف میں دیکھ کہا کچھ کہئے  ابھی اک دم میں زباں چلتے سے بجاتی ہو  آنسو بھرا لے بہت حزن سے یہ کہنے لگا</p>
<p>دل میں میرے ہو گرہ حسرت دیدار ہنوز</p>	<p>آنکھوں میں آن رہا جی جو نکلتا ہی نہیں</p>
<p>ہو چکے حشر میں بھرتا ہوں جگر چاک ہنوز  دامن دیدہ گریاں ہے مرا پاک ہنوز  منہ کے تئیں بھیرے ہی لبتا ہوں سیال ہنوز</p>	<p>بھٹک پوچھا بھی نہ یہ کون ہو تمناک ہنوز  اشک کی لغزش مستانہ بہت کیجو نظر  بھر نظر دیکھنے پاتا نہیں میں رخ میں بھی</p>
<p>بعد مرنے کے بھی آرام نہیں میرے</p>	<p>اُس کے کوچے میں ہو پاں مری خاک ہنوز</p>
<p>ہیں فرہ دستور سابق ہی پر میرے غم ہنوز  شیعہ رکھتی ہو ہماری گور پر ماتم ہنوز  قد ترا چوگاں رہا ہو کس طرح سے غم ہنوز  پر نہیں جاتا کسی کے دیکھنے کا غم ہنوز</p>	<p>ہو چکا خونِ جگر روزا نہیں کچھ کم ہنوز  دل جلوں پر روتے ہیں جن کو ہو کچھ سوز جگر  وضع کیساں اس مائے بین میں رہتی کہیں  آ رہا ہے جی مرا آنکھوں میں اک پل اور پل</p>
<p>وہ جو عالم اُس کے اوپر تھا سو خطائے کھو گیا  بتلا ہو اس بلا میں تمیز اک عالم ہنوز</p>	<p>وہ جو عالم اُس کے اوپر تھا سو خطائے کھو گیا  بتلا ہو اس بلا میں تمیز اک عالم ہنوز</p>

## روایتِ حسینؑ

<p>اس ملک میں ہماری ہو یہ چشمِ تر ہی بس اک برگِ گل گرا نہ جہاں تھا مرا نفس سیلابِ موجِ ماسے تو ٹھہرے ہو کوئی خس تنہا پھروں ہوں دشت میں جوں نالہِ حرس روتا ہوں جب میں سامنے اسکے ٹوٹے تپنس کتا ہوں ایک میں تو سنا تا ہے مجھ کو دِل</p>	<p>اے ابر تر تو اور کسی سمت کو برس حرماں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی کل صبا مشرکوں بھی بہ گنیں مرے روتے سے چشم کی مجھوں کا دل ہوں محلِ لیلیٰ سے ہوں جدا اے گریہ اُس کے دل میں اثرِ خوب ہی کیا اُس کی زباں کے عہد سے کیونکر نکل سکوں</p>
<p>حیراں ہوں مہرِ نزع میں اب کیا کروں بھلا احوالِ دل بہت ہو مجھے فرصتِ یک نفس</p>	
<p>آکے ڈوبی جاتی ہے کشتی مری ساحل کے پاس گردِ کچھ گسٹخ آتی ہے چلی محمل کے پاس کاشتکے مجھ کو نہ لے جا دیں مرے قاتل کے پاس اس طرح تڑپا نہیں جاتا کسو بسل کے پاس نکلی ہے بیدرد شاید ہو کسو گھال کے پاس</p>	<p>کیونکہ نکلا جائے بحرِ غم سے مجھ بے دل کے پاس ہو پریشاں دشت میں کس کا غیبِ انا تو اں گرم ہو گا حشر کو ہنگامہ دعویٰ بہت دور اس سے جوں ہوا دل پر بلا ہے مضطرب بوسے خوں آتی ہو بادِ صبح گاہی سے مجھے</p>
<p>آہ تالے مت کیا کر اس قدر بیتاب ہو اے شمشکِ مہرِ ظالم ہے جگر بھی دل کے پاس</p>	
<p>آہ افسوس صد ہزار افسوس نہ رہا وہیں روگوار افسوس یہی آتا ہے بار بار افسوس یہ توقع تھی تجھ سے یار افسوس یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس میرے تیرے تھا یہ قرار افسوس</p>	<p>مر گیا میں ملا نہ یار افسوس ہم تو ملتے تھے جب اہا ہا ہا یوں گنوا تا ہے دل کوئی مجھ کو قتل کر تو ہمیں کرے کاغوشی رخصتِ سیرِ بلخ تک نہ ہوئی خوب بد عہد تو نہ مل لیکن</p>
<p>خاک پر مہرِ تیری ہوتا دلے نہ ہوا اتنا افسوس دار افسوس</p>	

## رولیت شین معجمہ

ہر جزو و مد سے دست و بغل اٹھتے ہیں خروش  
ابر دئے کچ ہے موج کوئی چشم ہے حباب  
ان مغنچوں کے کوپے ہی سے میں کیا سلام  
حیرت سے ہووے پر تو مہ نور آئندہ  
کل ہم نے سیر باغ میں دل ہاتھ سے دیا  
جاتا رہا نگاہ سے جوں موسم بہار  
شب اس دل گرفتہ کو دا کر بندہ رہے  
آئی صدا کہ یاد کرو دور رفتہ کو  
جمشید جس نے وضع کیا جام - کیا ہوا  
خمر لالہ اس کے جام سے پائے نہیں نشان

کس کا ہو راز بحر میں یارب کہ لے لے ہیں جوش  
موتی کسی کی بات ہو سپی کسی کا گوش  
کیا مجھ کو طوف کعبے میں زندہ و درخوش  
تو چاندنی میں نکلے اگر ہو سفید پوش  
آج اس بغیر داغ جگر میں سیاہ پوش  
بیٹھے تھے شیر خانہ میں ہم کتنے ہرزہ گوش  
عبت بھی ہے فرد نکلی جمع تیز پوش  
وے بھتیں کہاں گئیں کید حرفے ناؤ نوش  
ہے کو کنار اس کی جگہ اب سب بدوش

۱۔ اک سادہ گل فروش کا ایک سادہ رول کا ۔ ۵۲ شیر خانہ شراب خانہ ۔

۵۲ جمشید جم جمشاد سب جمشیدوں ۔ یہ سب ایک معنی میں آتے ہیں اور ان سب سے مراد شاہ جمشید بن ویکان بن تھورس بن ایران بن ہوشنگ بن آدم ہو ۔ تاریخ قدیم کی روایات کی یہ وجہ اس لئے سات سو سال تمام ایران پر حکومت کی یہاں تک کہ ضحاک برادر شاد بن عادلوانی نے جھڑپ کے آئین کا پیرو اور مخالف مذہب مروجہ تھا تھوڑے کیا ۔ اور جمشید غالب ہوا جمشید سیستان کی طرف بھاگ گیا ۔ اور کورنگ شاہ کی دفتر کو اپنے عقد میں لا کر رہنے لگا ۔ اجداد ستم آہی کی دولا سے پائیں کے بعد ضحاک کے ہاتھ سے مارا گیا ۔ نہایت عادل نیکدل امیر بادشاہ تھا ۔ کہا جاتا ہے کہ شہروں کی آبادی کے طریقے ۔ آداب حرب ۔ سلاح وغیرہ کا وہ موجد تھا اور مہبوط آدم کے دؤنہر چار سو اسی سال بعد اس کی حکومت کا زمانہ تھا ۔ ترکیب شراب بھی اسی کے زمانے میں دریافت ہوئی ۔ واضح ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی جم کہا جاتا ہے مگر آپ کا زمانہ جمشید سے دؤنہر اور کچھ سال بعد کا ہے لہذا جہاں کہیں دیو و دد اور حاتم وغیرہ کے ساتھ جم کا لفظ آئے وہاں حضرت سلیمان علیہ السلام سے مراد ہوگی اور جم سے بعض جگہ سکندر بھی مراد ہو ۔ جام جم سے مراد یہ ہے کہ زمانہ جمشید میں جام ایجاد ہوا ۔ اور جمشید دوسری چیز تھا کہ اس کو ریاضی اور ہیئت کی روستے خطوط وغیرہ کھینچ کر تیار کیا گیا تھا ۔ جس سے احوال عالم معلوم ہوتا تھا ۔ ۱۲۔ آہی (مستفا و از کتب تاریخ و لغت)

جھوٹے ہے بید جائے جوانانِ مے گسار	بالائے خم ہے خشت سر پیرے فروش
میر اس غزل کو خوب کہا تھا ضمیر	پراسے زبان دراز بہت ہو چکی خموش
دل تو افکار ہے جگر ہے ریش	اک مصیبت ہے میرے تئیں درپیش
پان تو لیتا جانقیسروں کے	برگ سبز ست تحفہ درویش
فکر کر زادِ آخرت کا بھی	میر اگر تو ہے عاقبت اندیش
روایت صادقہ	
شیخ ہو دشمن زنِ رقا ص	کیوں نہ القاص لا یحب القاص
روایت ضاد معجمہ	
سال میں ابر بہاری تجھ سے اکباری ہو فیض	چشمِ نر دیدہ سے عاشق کی سدا جاری ہو فیض
روایت طائے مہملہ	
سب سے آئینہ نمط رکھتے ہیں خواباں اختلاط	ہوتے ہیں یہ لوگ بھی کتنے پریشاں اختلاط
تنگ آیا ہوں میں رشکِ تنگ پوشی سے تری	اس تن نازک سے یہ جائے کو چسپاں اختلاط
روایت طائے معجمہ	
غیر مجھ کو جو کہتے ہیں محفوظ	انجھ سے ملتے ہیں رہتے ہیں محفوظ
<p>لے ضمیر سے مراد شیخ مداری ہیں جنکا تخلص ضمیر تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے اپنا ابتدائی کلام ولی محمد بنظر اکبر آبادی کو دکھایا بعد ازاں میر محمدی بیدار کے شاگرد ہوئے ترکی کے معاصرین میں تھے یہ دوشعر انھیں کے ہیں۔</p> <p>چشم بد دور جدھر آپ گزر سب کچھ گاہ : ایک عالم کے تئیں زیرِ دوبر کیجے گاہ</p> <p>وہ ابھی تو نوگل آرزو وہ ہنوز تازہ بہار ہے : نہ کچھ اپنے ہی سے اُسے خبر نہ حساسے کچھ سرور کا رہا</p> <p>لے قصہ گو قصہ گو کو دوست نہیں رکھتا۔</p>	

## ردیف عین مہملہ

سب پر روشن ہے کہ شب مجلس میں جب آئی ہر جمع | اس بھبھوکے سے کو بیٹھا دیکھ جلجالی ہے شمع

## ردیف غین معجمہ

ہم اور تیری گلی سے سفر دروغ دروغ | کہاں دماغ ہمیں اس قدر دروغ دروغ  
تم اور ہم سے محبت تمہیں خلافت خلافت | ہم اور اُلفت خوب دگر دروغ دروغ  
غلط غلط کہ رہیں تم سے ہم تنک غافل | تم اور پوچھو ہماری خبر دروغ دروغ  
فروغ کچھ نہیں دعویٰ کو صبح صادق کے | شب فراق کو کب ہے سحر دروغ دروغ

کسو کے کہنے سے مت بدگماں ہو میرے دوست  
وہ اور اُس کو کسو پر نظر دروغ دروغ

شیخ سچ خوب ہے بہشت کا باغ | جائیں گے گردنا کرے گا دماغ

## ردیف

آج کل کا ہے کو بتلاتے ہو گستاخی معاف | راستی یہ ہو کہ وعدے ہیں تمہارے سب خلاف  
آہ برچی سی گئی تھی تیسری سی دل کی طپش | ہجر کی شب مجھ پہ گزری غیرت روزِ مصاف  
ایک دن میں نے لکھا تھا اُس کو اپنا درِ دل | کج تک جاتا نہیں سینے سے خاے کے شگاف  
پانوں پر سے اپنے میرا سر اٹھانے مت جھک | تیغ باندھی ہو میاں تم نے کمر میں غشِ غلاف  
صفِ اُلت جا عاشقوں کی گرتے ابرو بلبھیں | ایک دم تلوار کے چلنے میں ہووے ملکِ صاف  
شیخ مت روکش ہوستوں کا تو اس جتنے اُپر | رہنے استیجے کو ڈھیلا تیری ٹل جاتی ہو ناف

عشق کے بازار میں سودا نہ لیجو تو تو میرے  
سر کو جبے ہاں بیچ چکے ہیں تو یہ ہو دستِ لاف

عالم بے تیرے عہد میں بیدا کی طرف | ہر خون گرفتہ جائے ہے جلا کی طرف  
کن نے لیا ہو تم سے پچھلکہ کہ داد دو | ملک کان ہی رکھا کرو فریاد کی طرف  
ہر تار زلف تیرے سر دوس ہو ترا | کرتا ہے کون طسره شمشاد کی طرف

ہم نے تو پر فشان نہ جانی کہ ایک بار	پر واز کی چین سے سو صیاد کی طن
حیران کار عشق ہو شیریں کا نقش میر	کچھ یوں ہی دیکھنا نہیں فرما دی طن
تو مائل نہ ہو پھر گہری طن ہر اک ہو سو اس فتنہ گری طن دھواں سا ہو کچھ اس نگر کی طن اک آشوب ہو اس گہر کی طن بھاری طرف سے سحر کی طن کرے کون شمس و قمر کی طن قلعہ ہوا تھا مری چشم تر کی طن نہیں دیکھتے ہم جگر کی طن رکے ہو یہ دارو ضرر کی طن نہیں میل خاطر سفر کی طن	جو دیکھو مرے شعر تر کی طن کوئی داد دل آہ کس سے کرے رجت نے شاید کہ دی دل پر لگ لگیں ہیں ہزاروں ہی آنکھیں ادھر بہت رنگ ملتا ہو دیکھو کبھی بخود کس کو اس تاب رخ نے رکھا نہ سمجھا گیا ابر کیسا دھیس کر ٹپکتا ہے پلوں سے خون متصل مناسب نہیں حال عاشق سے صبر کے منزل دلکش دھسریں
رک جاں کب آئی ہو آنکھوں میں میر	گئے ہیں مزاج اس لمر کی طن
ردیف قاف	
شیخ کیا جانے تو کہ کیا ہے عشق سچے ہیں شاعران خدا ہے عشق	درد ہی خود ہی خود دوا ہے عشق تو نہ ہوئے تو نظر کل اٹھ جائے
ردیف کاف تازی	
چھاتی پہ بعد مرگ بھی دل جم ہو زیر خاک آتش فتنگی طبع بہت کم ہو زیر خاک مت اضطراب کر یو کہ عالم ہو زیر خاک	بے چین مجھ کو چاہتا ہر دم ہو زیر خاک آسودگی جو چاہے تو مرنے پہ دل کو رکھ تنہا تو اپنی گور میں رہنے پہ بعد مرگ
لے ہماری طن سے دیکھو۔ یعنی ہماری خاطر سے یا ہمارے کئے سے دیکھو۔	

رویا تھا نزع میں میں اُسے یاد کر بہت اب تک مری ہر ایک شہزہ تم ہے زیرِ خاک

کیا آسماں پہ کھینچے کوئی میرا آپ کو  
جانا جہاں سے سب کو مستلم ہے زیرِ خاک

آشوبِ نالہ اب تو پہنچا ہے لامکاں تک  
اب کارِ داسے غزیراں پہنچی ہوا خواں تک  
سوزِ دروں ہمارا آتا نہیں زباں تک  
بانع و بہار ہی ہو جائے نظر جہاں تک  
انصاف کر کہ کوئی دیکھے ستم کہاں تک  
ہیں سنگِ اہ اپنے کتنے یہاں وہاں تک  
پہنچا کبھو نہ جبہ اُس سنگِ آستان تک  
دشوار ہے ہمارا آنا پھر کشیاں تک

اب وہ نہیں کہ شورشِ رہتی تھی آسمان تک  
بہ بھی گیا بدن کا سب ہو کے گوشت پانی  
تصویر کی سہی شمعیں خاموش جلتے ہیں ہم  
ردتے پھرے ہیں لوہا کو عمر اس گلی میں  
آنکھیں چور و تے ردتے جاتی رہیں بجا ہو  
بے لطف تیرے کیونکر تجھ تک پہنچ سکیں ہم  
ہم بے نصیب رہ کر تو قہر سے کیوں نہ بھڑکیں  
مانندِ طیفِ ہر آٹھ جہاں گئے ہم

تن کام میں ہمارے دیتا نہیں وہی کچھ  
حاضر ہیں میرے تم تو اپنی طرفتِ جان تک

سو کھا نہیں لوہو در و دیوار سے اب تک  
صحبت نہ ہوئی تھی کسی نوخوار سے اب تک  
زہنار و فافا ہو نہ سکی یار سے اب تک  
مارا نہیں اُن نے کوئی تلوار سے اب تک  
پر دل نہیں خسانی نعم دیدار سے اب تک  
واقف نہ ہوا کوئی اس اسرار سے اب تک  
اک دوسرا اٹھتا ہو چمن زار سے اب تک  
پوچھا نہیں اُن نے تو ہمیں پیار سے اب تک  
یوں نالہ کسو مرغِ گرفتار سے اب تک  
جاتا نہیں اندھیرے سرکار سے اب تک  
سو کوفت نہیں جاتی ہو رخسار سے اب تک  
ہیں میرے حرجی آوارہ پر دیدار سے اب تک

سے بعد مرے مرگ کے آثار سے اب تک  
رنگینیِ عشق اُس کی لے پر ہوئی معلوم  
کب سے عمل ہے جفتِ اول کا دل زار  
ابر وہی کی جنبش نے یہ تھکائے گئے ہیں  
وعدہ بھی قیامت کا بھلا کوئی ہو وعدہ  
مدت ہوئی گھٹ گھٹ کے ہیں شہر میں مرتے  
برسوں ہوئے دل سوختہ بلبل کو موئے لیک  
کیا جائے ہوتے ہیں سخنِ لطف کے کیسے  
اس بلاغ میں اغلب ہو کہ سرزد نہ ہوا ہو  
خط آئے ہے دن ہی سیہ تم سے ہمارا  
نکلا تھا کہیں وہ گلِ نازک شبِ مہ میں  
دیکھا تھا کہیں سایہ ترے قد کا چمن میں

لے پر دیدار - اسیب زدہ جس پر پری کا سایہ ہو -



<p>جس کی لے دام سے ناگوش گل آواز ہو ایک نوحہ یا نالہ ہر اک بات کا انداز ہو ایک ورنہ تا باغِ قفس سے مری پرواز ہو ایک سب کی آواز کے پرے میں سخن ساز ہو ایک</p>	<p>میر گم کردہ چین زمزمہ پرداز ہے ایک کچھ ہوا و مرغِ قفس لطف نہ جائے اس سے نا توانی سے نہیں بالِ فشانی کا دماغ گوش کو ہوش کی ٹمک کھول کے سن شورِ جہاں</p>
<p>چاہے جس شکل سے تمثالِ صفت اُس میں در آ عالمِ آئینہ کے مانند در باز ہے ایک</p>	
<p>کر جاؤں گا سفر ہی میں دُنیا سے تب تک یہ مجملہ تمام ہی ہے آج شبِ تلک کھینچوں ہوں ایک ناز ہی اسکا میں اب تک القصد اب کہا کروں تجھ سے میں کب تک</p>	<p>بائیں پہ میری آنکھ کا تو گھر ہے جب تک اتنا دن اور دل سے طیش کر لیں کاوشیں نقاش کیونکہ کھینچ چکا تو شبِ بیدار شب کو تہ اور قصہ مری جہاں کا دراز</p>
<p>باقی یہ داستان ہو اور کل کی رات ہے گر جانِ میری میر نہ اپنے لب تک</p>	
<p>دوری رہ ہے راہِ بر نزدیک کتے ہیں دل سے ہر جگہ نزدیک تجھ سے سب کچھ ہے جیتم تر نزدیک دیکھو خط جا کے نامہ بر نزدیک ہم جو تم سے تھے بیشتر نزدیک اُوں یکبار بے نصیبِ نزدیک جی سے جانے کا ہو سفرِ نزدیک پوچھ کچھ حال بیٹھ کر نزدیک</p>	<p>شوق ہے تو ہے اُس کا گھر نزدیک آہ کرنے میں دم کو سادھے رہ ڈوبیں دریا و کوہِ دشہ و دشت حرفِ دوری ہو گرچہ انشالیک دور اب بیٹھتے ہیں تجالس میں خبر آتی ہے سو بھی دور سے یہاں توشتِ آخرت کا فکّر رہے دور پھرنے کا ہم سے وقت ہو کیا</p>
<p>مر بھی رہ میرے شبِ بہت دیا ہو مری جان اب تم سے نزدیک</p>	
<p>کہ پہنچا سمیعِ ساں داغِ جبِ گرتک خزف سے لیکے دیکھا درِ تریک اُسے پھر خاک ہی پایا حُسر تک</p>	<p>کہیں پہنچو جو مجھ بے پاؤں سر تک کچھ اپنی آنکھ میں یہاں کا نہ آیا جسے شبِ آگ سا دیکھا سکتے</p>

سلا سورا آری فرمادی سے آنکھوں میں آری رات + ہو کیو جو آری ہے عالمِ میں رہی

سلا جملہ مجازہ حصہ چھوڑا جھیللا۔ عوام اسکو مجھدا کہتے ہیں

<p>کہ انجم رہتے ہیں ہر شب ادھر تک گیا یہ ہاتھ کب اُس کی کمر تک پر و بال اپنے ایسے ہی تھے یر تک ولے آیا نہ وہ ٹک ٹک سے یر تک کہاں طاقت کہ اب پھر جائیں یر تک تو آتا ہے جگر فرغانہ یر تک اگر وہ جائیں گے جیتے تھر تک</p>	<p>ترا منہ جاند سا دیکھا ہے شاید جب آیا آہ تب اپنے ہی سر پر ہم آد ازل کو سیراب کی مبارک کھنچی کیا کیا حسرت ابی زیر دیوار گلی تک تیری لایا تھا ہمیں شوق یہی دردِ جدائی ہو جو اس شب دکھائی دیں گے ہم میت کے رنگوں</p>
<p>کہاں پھر شور و شیون جب گیا میسر یہ ہنگامہ ہے اُس ہی نوحہ گر تک</p>	<p>دست دیا مارے وقتِ بمل تک کعبہ پہنچا تو کیا ہوا اے شیخ درپے نعل اُس کے جیسے جس بجھ گئے ہم چہرے سے باہر</p>
<p>ہاتھ پہنچا نہ پائے قاتل تک سعی کر ٹک پہنچ کسی دل تک میں بھی نالائ ہوں ساتھ نعل تک کہیو ابے بادِ شمع محفل تک</p>	<p>نہ گیا میسر اپنی نشتی سے ایک بھی تختہ پارہ ساحل تک</p>
<p>طوفاں ہو میرے اشکِ ندامت یہاں تک میرے قفس کو لے تو چلو باغبان تک پہنچے نہ ہونے کا شے ہم آشیاں تک آتا ہو ایک عمر میں میری آزاں تک</p>	<p>جائے ہیں لے خر ابلے کمرِ سیل آسمان تک شاید کہ دیوے رخصتِ گلشن ہو بے قرار قیدِ قفس سے چھوٹ کے دیکھا جہلا ہوا اتنا ہوں ناتواں کہ در دل سے اب گلہ</p>
<p>میں ترکِ عشق کر کے ہوا گوشہ گیر ہوتا پھرس خراب جہاں میں کہاں تک</p>	<p>کب بستر میں ازل کو تیرے سخن تک آزادگی یہ چھوڑ قفس ہم نجا سکے تردستیاں ہوں دستِ گریبان ہاتھ مارا گیا خرامِ بتاں پر سفر میں میسر</p>
<p>رُسوا نیاں گئی ہیں عقیقِ بہن تک حُسنِ سلوکِ ضعف سے سخنِ بہن تک زیرِ زمیں بھی پہنچیں گے چاکِ کفن تک اے کبک کتا جاوید اُس کے وطن تک</p>	<p>کب بستر میں ازل کو تیرے سخن تک آزادگی یہ چھوڑ قفس ہم نجا سکے تردستیاں ہوں دستِ گریبان ہاتھ مارا گیا خرامِ بتاں پر سفر میں میسر</p>

## ردیف کاف فارسی

جب سے خط ہو سیاہ خال کے تھانگ  
بات اہل کی چلی ہی جاتی ہے  
بن جو کچھ بن سکے جوانی میں  
عشق کا شور کوئی چپستا ہے  
اس ذقن میں بھی سبزی ہو خط کی  
کس طرح ان سے کوئی گرم لے  
چلی جاتی ہو حسب قدر بلند  
نقرہ باطل تھا طور پر اپنے  
میں نے کیا اس غزل کو سہل کیا  
تسے لٹتی ہے ہند چاروں دانگ  
ہے مگر غوج بن عشق کی ٹانگ  
رات تو تھوڑی ہے بہت ہے سانگ  
نالہ عندلیب ہے گل بانگ  
دیکھو جید صبر کوئی پڑی ہو بھانگ  
سیم تن پھلے جاتے ہیں جوں سانگ  
دور تک اس پہاڑ کی ہو ڈانگ  
ورنہ جاتے یہ دُور ہم بھی پھلانگ  
قافیہ ہی تھے اس کے اوٹ پٹانگ

میں بندوں سے کام کب نکلا  
انگنا ہے جو کچھ خدا سے مانگ

## ردیف لام

فصل خزاں میں سیر جو کی ہم نے جائے گل  
اللہ سے عندلیب کی آواز دل خراش  
مقدور تک شراب سے رکھ آنکھوں میں رنگ  
یہ دیکھ سینہ داغ سے شک چین ہو بھیاں  
بلبل نہزار جی سے خریدار اس کی ہو  
نکلا ہو ایسی خاک سے کس سادہ رو کی یہ  
باسے سر شاک سرخ کے داغوں سے رات کو  
چھانی چین کی خاک تھانقش پائے گل  
جی ہی نکل گیا جو کہا اُن نے ہائے گل  
یہ چٹک پیالہ ہو ساقی ہو اے گل  
بلبل ستم ہوا نہ جو تو نے بھی کھائے گل  
اچھ کفر و دش کر یو سمجھ کر بھائے گل  
قابل درود بھیجنے کے ہے صفائے گل  
بستر پر اپنے سونے تھے ہم بھی بچھائے گل

لے عوج بن عشق ایک طویل القامت آدمی کا نام جو زمانہ حضرت آدم علیہ السلام میں پیدا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک زندہ رہا۔  
اس کی عمر تین ہزار برس کی ہوئی۔ کہتے ہیں کہ طوفان نوح میں لاپتہ ہو کر ایک کھوکھلی میں پناہ لی اور اس کے ٹخنے پر مارا۔ اُکو  
سند سے دھمکایا۔ اہل لبت کہتے ہیں کہ اُس کے باپ کا نام عوج (بالضم) ہو عشق جو عام طور پر شہور ہو یہ غلط ہے اسی (دوسرے) آنداز

اعذیب صلح کریں جنگ ہو چکی  
لے آؤ زباں دراز تو سب کچھ سوائے گل

گلچیں سمجھ کے چنیو کہ گلشن میں  
خجست جگر پڑے ہیں نہیں برگہائے گل

گل کی بجا بھی جانی دیکھی وفائے بلبل  
کریں جذب الفت گلچیں نے گل چمن میں  
کھٹکے ہیں خار ہو کر ہر شب دل چمن میں  
کیونگیوں کی راہیں طو کر کے مر گیا ہو  
آئی بہار و گلشن گل سے بھرا ہے لیکن  
پیغام بے غرض بھی سننے نہیں ہیں خراباں

یہ دلخوش نالے ہر شب کے میسر  
کر دیں گے بے نمک ہی شورِ نوائے بلبل

کیسا چمن اسیری میں کس کو ادھر خیال  
مشکل ہو مٹ گئے ہوئے نقشوں کی پھر نو  
مو کو عبت ہو تاب کلی یوں ہی تنگ ہو  
رخسار پر ہمارے ڈھلنے کو اشک کے

کس کو دماغ شعرو سخن ضعف میں کہ میسر  
اپنا رہے ہے اب تو ہمیں بیشتر خیال

سیر کر غنڈ لیب کا احوال  
تپِ غم تو گئی طیب دے  
سبزہ تو رستہ رنگدار کا ہوں  
کیوں نہ دیکھوں چمن کو حسرت کے  
سرد مہری کی بسکہ گلروئے  
ہجر کی شب کو بھیاں تیں تڑپا  
ہم تو سہ گز لے کجروی تیری  
دیدہ تر پہ شب کھا تھا میسر

ہیں پریشان چمن میں کچھ پروبال  
پھر نہ آیا کبھو مزاج بحال  
سراٹھایا کہ ہو گیا پامال  
آشیاں تھا مرا بھی بھیاں پرال  
اوڑھی ابر بہار نے بھی شال  
کہ ہوا صبح ہوتے میرا وصال  
نہ نبھے گی پر اسے فلک یہ چال  
کہ ابر ہے مرا رد مال

<p>اے رشک حور آدمیوں کی سی چال چل جلد اس نگار خانہ سے کشتی چل یہ بوجھ تیرے ساتھ جو اس کو ڈال چل کافر ہوں اس میں ہوئے اگر ایک بال چل</p>	<p>جانیں ہیں فرش رہ تری ست ہال ہال چل اک آن میں بدلتی ہو صورت جہاں کی سناک بہر طبعی بدن ہو و بال جال آوارہ میرے ہونیکا باعث دہ زلف ہے</p>
<p>دنیا ہے میرے حادۂ گاہ مقرر یہاں سے تو اپنا پانوں شتابی نکال چل</p>	<p>شرط یہ ابر میں ہم میں ہو کہ وہیں گے کل آج آوارہ ہواے بال سیران قفس</p>
<p>صبح گئے اٹھتے ہی عالم کو ڈوبو دیں گے کل یہ گل و باغ و خیابان نہ ہو دیں گے کل</p>	<p>وعدہ وصل رہا ہو شک مندہ یہ میر بخت خوابیدہ جو ٹپک جاتے سو دیں گے کل</p>
<p>لگتا نہیں ہو دل کا خریدار آج کل اچھا ہے رہ سکو جو خبر دار آج کل مارا پڑے گا کوئی طلبگار آج کل برسوں ہوئی کہاں تیں امی یار آج کل اک نگ پر ہو دیدہ خوبا آج کل پڑتی نہیں ہو جی کو جفا کار آج کل آباد ہے سو خساد خمار آج کل لاوے گی اک بلاتری رفتار آج کل تو جا رہے ہیں جبہ و دستار آج کل ہر اک کو شہر میں ہے یہ آزار آج کل</p>	<p>مندا ہے خستہ کا بازار آج کل اس مہلت دو روزہ بین خطرے نہ رہیں اوباشوں ہی کے گھر بچے پائے لگے ہیں روز لے کی رات داخل آیا م کیا نہیں گلزار ہو رہا ہو مری دم سے کوئی یار تا شام اپنا کام کھینچے کیونکہ دیکھئے کعبہ تلک تو سننے ہیں ویرانہ و خراب ٹھوکر دلوں کو لگنے لگی ہے خرام میں ایسا ہی مغجول ہیں جو آنا ہو شیخ جی جیران میں ہی حال کی تدبیر میں نہیں</p>
<p>اچھا نہیں ہو میر کا احوال اندلوں غالب کہ ہو چکے گا یہ بیمار آج کل</p>	<p>اگر دم یاد کر ہم کو رہے تم میں بھی اکثر دل بھلا تم نقد دل لیکر ہیں دشمن کنواب تو</p>
<p>مٹل مشہور ہو یہ تو کہ ہو دنیا میں دلبر دل کبھو کچھ ہم بھی کر لیں گے حساب و نشان تو</p>	<p></p>

رہنا نہیں ہے کوئی گھڑی تو یا زل  
آزاد دل ستمزدہ دل بیقرار دل

### ردیفِ میم

کیا کہوں کیا رکھتے تھے تجھ سے تری بہارِ چشم  
ہجر میں پاتا نہیں گریہ کے سرشت کو میں  
گوئیانا سور زخمِ دل تھی یہ ای ہمنشیں  
سیکڑوں ہوشِ شنی تولادیں کچھ تابِ گاہ  
جورم کیا غیروں کا طالعِ چشم پوشی کرتے ہیں  
دیکھ کر احوال میرا مندلے ہو یا چشم

روز و شب دار ہے سے پیدا ہو کسیرِ آثارِ شوق  
ہو کسوں نظرِ گی کا رخسارِ دیوارِ چشم

کیا بلبلِ اسیر ہے بے بالِ دیر کہ ہم  
خورشیدِ صبح نکلے ہو اس نور سے کہ تو  
جیتے ہیں تو دکھادیں گے دُعا کو عندِ لب  
یتیم ہو بطشتِ آہ یہ ہم ہیں شنی  
تلوارِ تم لگاتے ہو ہم ہیں گے دم بخود  
اس جستوں اور خرابی تو کیا کہیں

جیتے ہیں اور روتے ہیں بختِ جگر ہے ملتیر  
کرتے سنا ہے یوں کوئی قیہ جب کہ ہم

اے تو ہو طبعیاں تدبیر گر کر دم  
رنکِ شکستہ میرا بے لطف بھی نہیں ہے  
تھی چشمِ داشت تجھ کو ای دلبراں یہ تم سے  
اُس بزمِ خوش و محرم نا آشنا ہیں سارے  
ہو پیچدار از لبسِ راہ وصالِ دہجراں  
یہ ظلم ہے تو ہم بھی اس زندگی سے گزرتے  
روئے سخن کمانِ تکِ عیروں کی اور آخر

الیا نہ ہو کہ بیستے جی کا ضرر کر دم  
ایک دھ رات کو تو یہاں بھی تھر کر دم  
دل کو مرے اُٹا کر آنکھوں میں گھر کر دم  
کس کو کہوں کہ وہاں تک میری خبر کر دم  
ان دو ہی منزلوں میں برسوں سفر کر دم  
سو گند ہے تھیں اب جو در گزر کر دم  
ہم بھی تو آدمی ہیں شکِ منہ ادھر کر دم

<p>ہو عاشقوں میں اُس کے تو آؤ میر صاحب قطعہ گردن کو اپنی موسے باریک تر کرو تم</p>	<p>کیا لطف ہو وگرنہ جس دم وہ منہ کھینچے سینہ سپر کریں ہم قطع نظر کرو تم</p>
<p>جانا کہ شغل رکھتے ہو تیر و کہاں ہو تم ہم اپنی چاک جب کو سی بہتے یا نہیں اب دیکھتے ہیں خوب تو وہ بات ہی نہیں تنکے بھی تم ٹھہرتے کہیں دیکھے ہیں تنک جاؤ نہ دل سے منظر تن میں ہو جا یہی قصہ مرسلو گے تو جاتی رہے گی نیند کھل جائیں گی پھر آنکھیں جو مر جائیگا کوئی جتنے تھے کل تم آج نہیں پاتے اتنا ہم</p>	<p>پر مل چلا کر وہ بھی کسوختہ جاں سے تم پچھائے میں پانوں نیکو آگ کہاں سے تم کیا کیا وگرنہ کہتے تھے اپنی زباں سے تم چشم و فارقہ نہ خسان جہاں سے تم پچھتاؤ گے اٹھو گے اگر اس مکان سے تم آرام چشم مت رکھو اس استاں سے تم آتے نہیں ہو باز مرے استحاں سے تم ہر دم چلے ہی جاتے ہو اب رماں سے تم</p>
<p>رہتے نہیں ہو بن کے میر اس گلی میں رہا کچھ راہ بھی نکالو سگٹ پاسباں سے تم</p>	<p>نزدیک اپنے کب کے ہوئے ہیں ہلاک ہم جوں ابر تر لے اٹھے دامن کو باک ہم مشاق پر فشانی ہیں اک مشت خاک ہم رکھتے ہیں دل چلے یہ ہم سب تباک ہم گلشن میں ایندڑے ہیں پڑے زیر تاک ہم مانند ابر جب اٹھے تب گریہ ناک ہم</p>
<p>موت ہوئی کہ چاک قفس ہی سے آؤ میر دکھلا رہے ہیں گل کو دل چاک چاک ہم</p>	<p>کرتے نہیں ہیں دوری سے اس کی پاک ہم بیٹھے ہم اپنے طور پستوں میں جب اٹھے آہستہ آہستہ کہ اطراف باغ کے شمع و چراغ و شعلہ و آتش شرار و برق مستی میں ہم کو ہوش نہیں نشائیں کا جوں برق تیرے کو چہ سہنتے نہیں گئے</p>
<p>گئے گزرے ہیں آخر ایسے کیا ہم رہے ہیں دیر سے سر کو جھٹکا ہم رہیں بے لطفیاں ہی بھیاں تو با ہم</p>	<p>نہ پھر رکھیں گے تیری رہ میں یا ہم کھینچے گی کب وہ تیغ ناز یا رب نہ جانا یہ کہتے ہیں کسے پیار</p>

لہ پٹے میں پاؤں ڈالنا کسی کے مسالہ میں خواہ مخواہ دخل دینا۔

بنے کیا خال و زلف و خط سے دیکھیں  
مرض ہی عشق کا بیڈول ہے کچھ  
کہیں پیوند ہوں یا رب زمیں کے  
ہوس سخی عشق کرنے میں ولیکن  
کب آگے کوئی مرنا سہتا کسی پر  
تعارف کیا رہا اہل پسمن سے  
ہوئے ہیں کتنے یہ کانس فرام  
بہت کرتے ہیں اپنی سی دوا ہم  
پھریں گے اُس سے یوں کبتک جدا ہم  
بہت نادوم ہوئے دل کو لگا ہم  
جہاں میں کر گئے رسم وفا ہم  
ہوئے اک عمر کے پیچھے رہا ہم

ہوا جس کے لئے اُس کو نہ دیکھا  
نہ سمجھے مہیش کا کچھ مدعا ہم

اگر راہ میں اُس کی رکھا ہو کام  
دہن یا رکھ دیکھ چپ لگ گئی  
مجھے دیکھ منہ پر پریشاں کی زلف  
سرشام سے رہتی ہیں کاہشیں  
قیامت ہی بیاں چشم دل سے رہی  
نہ دیکھے جہاں کوئی آنکھوں کی اور  
گئے گزرتے حضرت علیہ السلام  
سخن بیاں ہوا تنہم حاصل کلام  
غرض یہ کہ جاتو ہوئی اتو شام  
ہمیں شوق اُس ماہ کا ہی تمام  
چلے بس تو وہاں جا کے کرے قیام  
نہ لیوے کوئی جس جگہ دل کا نام

جہاں میر زیر و زبر ہو گیا  
خراں ہوا تنھا وہ محنت خراں

گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم  
کام کیا آتے ہیں گے معلومات  
اگر بتاں اس منت درجنا ہم پر  
سر نہ آلودہ منت رکھا کر چشم  
ہے نمک سود سب تن مجسروح  
خوف ہم کو نہیں جنوں سے کچھ  
استال پر ترے ہی گزری سسر  
لیک لگ چلنے میں بلا ہیں ہم  
یہ تو سمجھے ہی نہ کیا ہیں ہم  
عاقبت بندہ خدا ہیں ہم  
ویکھ اس وضع سے خفا ہیں ہم  
تیرے کشتوں میں میرزا ہیں ہم  
یوں تو مجنوں کے بھی چچا ہیں ہم  
اسی دروازے کے گدا ہیں ہم

کوئی خواہاں نہیں ہمارا میر  
گو کیا جنس ناروا ہیں ہم



<p>حذر کہ آہ جگر تفتگاں بلا ہے گرم ہزار حیف کہ درگیر صحبت اُس سے نہیں کہاں ہو تیغ و سپر آفتاب کی بارے نہ اتنی دار و پی ظالم کہ اس نما میں ہوں</p>	<p>ہمیشہ آگ ہی برسی ہو یہاں ہوا ہو گرم جگر کی آگ نے ہنگامہ کر رکھا ہو گرم وہ سرد مہر ہمارا بھی اب ہوا ہو گرم مزاج گرم ہو پھر اور یہ ہوا ہو گرم</p>
<p>کرتے ہیں گفتگو سحر اُٹھ کر صبا سے ہم ہوتا نہ دل کا تابیہ سراسر انجام عشق میں چھوٹا نہ اُس کا دیکھنا ہم سے کس طرح داغوں ہی سے بھری رہی چھاتی تمام عمر غافل نہ اپنی دیدہ درائی سے ہم کو جان دو چار دن تو اور بھی آ تو کر اہستہ</p>	<p>گیا جہان سے خورشید سال اگر چہ تیر ولیک مجلس دُنیا میں اُس کی جا ہو گرم لڑنے لگے ہیں ہجر میں اُس کے ہوا سے ہم لگتے ہی جی کے مر گئے ہوتے بلا سے ہم پایان کار مارے گئے اس ادا سے ہم یہ پھول گل چنا کئے باغ و فضا سے ہم سب دیکھتے ہیں پر نہیں کہتے حیا سے ہم اب ہو چکے ہیں روز کی تیری جفا سے ہم</p>
<p>آئینے کی مثال پس از صد شکست میتر کھینچا بغل میں یار کو دست دعا سے ہم</p>	

### ردیف لون

<p>بیکلی بے خودی کچھ آج نہیں درد اگر یہ ہو تو مجھے بس ہے ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن</p>	<p>ایک مدت وہ مزاج نہیں اب دوا کی بھی احتیاج نہیں مرض عشق کا علاج نہیں</p>
<p>شہر خوبی کو خوب دیکھا ہے جنس دل کا کہیں بولج نہیں</p>	
<p>وحشت میں ہوں بلا گردادی یہ اپنی آؤں ہنس کر کھجو بلایا تو برسوں تک رُ لایا</p>	<p>مجنوں کی محنتیں سب میں خاک میں ملاؤں اُس کی ستم ظریفی کس کے تمہیں دکھاؤں</p>

۱۔ صحبت درگیر ہونا فارسی محاورہ درگیر شدن صحبت کا ترجمہ جو یعنی صحبت کا قایم رہنا اور نبھنا۔  
محسن تاثیر ۲۔ دیدہ تا بستم خیال اُس پر یے شیخ رشد + تا بکل این درگرم صحبت درگیر شد

<p>فریادی ہوں تو ٹپکے لو ہو مری زباں سے          پوچھو نہ دل کے غم کو ایسا نہ ہو دے یاراں          اک دم تو چونک بھی پڑ شور و فغاں سے میرے          از غولیش رفتہ ہر دم فکر وصال میں ہوں          عریاں تنی کی شوخی وحشت میں کیا بلا تھی          اگلے خطوں نے میرے مطلق اثر نہ بخشا          دل لہنگی نے مارا مجھ کو کہاں شرہ دے</p>	<p>نالے کو بلباؤں کے خاطر میں بھی نہ لاؤں          مانند روضہ خواں کے مجلس کے تئیں ملاؤں          اے بخت خفتہ کب تک تیرے تئیں جگاؤں          کتنا میں کھویا جاؤں یا رب کہ تجھ کو پاؤں          تہ گرد کی نہ بیٹھی تاتن کے تئیں چھ پاؤں          قاصد کے بدلے اب کے جادو مگر چلاؤں          اک قطرہ آب تائیں اس آگ کو بجھاؤں</p>
---	---

اسودگی تو معلوم اور میر جینے جی بھیاں  
 آرام تب ہی پاؤں جب جی سے ہاتھ اٹھاؤں

<p>سوزش دل سے مفت گلتے ہیں          اس طرح دل گیا کہ اب تک ہم          بھری آتی ہیں آج یوں آنکھیں          دم آخر سے بیٹھ جا مت جا          تیرے بخود جو ہیں سو کیا چلتیں          فتنہ در سر بتان حشر خرم          نظر اٹھتی نہیں کہ جب خواں          اس سر زلف کا خیال نہ چھوڑ          تھے جو اغیار سنگ سینے کے          شمع رو سووم کے بنے ہیں مگر</p>	<p>دارغ جیسے چراغ جلتے ہیں          بیٹھے روتے ہیں ہاتھ ملتے ہیں          جیسے دریا کہیں اُبلتے ہیں          صبر کر ٹک کہ ہم بھی جلتے ہیں          ایسے ڈوبے کہیں اچھلتے ہیں          ہائے رے کس ٹھسکے جلتے ہیں          سوتے سے اٹھ کے اٹھتے ہیں          سانپ کے سر ہی بھیاں کھلتے ہیں          اب تو کچھ ہم کو دیکھ ملتے ہیں          گرم ٹک ملتے تو پگھلتے ہیں</p>
--	--

میر صاحب کو دیکھئے جو بنے  
 اب بہت گھر سے کم نکلتے ہیں

<p>آیا کمال نقص مرے دل کی تاب میں          دوزخ یا ہی سینہ مرا سوز عشق سے          مت کر نگاہ خشم ہی موت ہے مری          بیدار شور حشر نے سب کو کیا دے</p>	<p>جاتا ہے جی چلا ہی مرا اضطراب میں          اس دل جلیے ہو کر کہ سببوں عذاب میں          ساقی نہ زہر دے تو مجھے تو شراب میں          ہیں خون خفتہ اُس کے شہید کو خواب میں</p>
--	---

دل لیکے رو بھی ٹک نہیں دیتے کہیں گے کیا جا کر درِ طیب پہ بھی میں گرا ولے عیش و خوشی ہر شیب میں ہو گو پہ وہ کہاں دیں عمرِ خضر موسمِ پیری میں تو نہ لے آنکھ تھے جو حضرت مہر اس طرف کہیں حضرت سونو تو میں بھی تعلق کروں کہیں	خو یاں بہ معاملہ یوم الحساب میں جز آہ اُن نے کچھ نہ کیا میرے باب میں لذت جو ہو جوانی کے رنج و عتاب میں مرا ہی اس سے خوب ہو عہدِ شباب میں میں نے کیا سوال یہ انہی جناب میں فرمائے لاگے روکے یہ اُس کے جواب میں
--	--

تو جان لیک تجھ سے بھی اے جو کل تھے یہاں  
ہیں آج صرف خاک جاں خراب میں

بے رُو و زلفِ یار ہو رُوئے سے کام بھیاں آوازہ ہی جاں میں ہمارا سنا کرو وصفِ دہن سے اس کے نہ آگے قلم چلے غالبؔ یہ ہو کہ موسمِ خط و ہاں قریب ہو مست کھا فریبِ عجزِ سزیاں حال کا کوئی ہو نہ دستِ بسرِ شہرِ حسن میں	دامن ہو منہ پہ ابرِ منطِ صبح و شام بھیاں عشق کے طورِ زیست ہو اپنی نام بھیاں یعنی کیا ہو خامہ نے خستہ کلام بھیاں آنے لگا ہو متصل اُس کا پیغام بھیاں پہناں گئے ہیں خاک میں یارِ دلِ نام بھیاں شاید نہیں ہو رہم جوابِ سلام بھیاں
--	--

نا کام رہنے ہی کا تمہیں غم ہے آج میر  
بہتوں کے کام ہو گئے ہیں کل تمام بھیاں

نہ گیا خیالِ زلفِ سیہ جفا شعاراں نہ کہا تھا اے رفوگرِ پٹائے ہو گو ڈھیلے ہوئی عیدِ رب نے پہننے طربِ خوشی کے جاتے خطرِ عظیم میں ہیں مری آہ و اشک سے سب کہیں خاک کو کو اُس کی تو صبا زِ وجوہِ شبن رکھے تاجِ زر کو سر پر چینِ زمانہ میں گل نہیں تجھ کو چشمِ عبرت یہ نمود میں ہو در نہ	نہ ہوا کہ صبح ہوئے تبتیرہ روزِ نگاراں نہ سیا گیا نہ آخرِ دل چاک بقصرِ اراں نہ ہوا کہ ہم بھی بدلیں یہ لباسِ سوگواراں کہ جہاں رہ چکا پھر ہو یہی ہو بادِ باراں کہ بھرے ہیں اُس زمین میں جگرِ بزرگواراں نہ شگفتہ ہو تو اتنا کہ خزاں ہو یہ بہاراں کہ گئے ہیں خاک میں مل گئی تجھ سے تاجداراں
---	--

لا اے علم سے صاف تھا اُس میں جب تک جواب صاف تھا اب تو خط آنے لگا شاید کہ خط آنے لگا۔

لے حکماء کے نزدیک غنقا صفت ایسی چیز کا نام ہو جس کا وجود نہ ہو اور کہ وہ ایک جالور ہو ایک غلط خیال مشہور ہو گیا ہے درم  
لے لا اے علم سے صاف تھا اُس میں جب تک جواب صاف تھا اب تو خط آنے لگا شاید کہ خط آنے لگا۔

تو جہاں سے دل اٹھا بھیان نہیں ہم درمنہا کسی نے بھی یوں نہ پوچھا ہو کر خاکِ جانِ خاراں

یہ سنا تھا میر ہم نے کہ فسادِ خواب لائے  
تری سرگزشت سن کر گئے اور خواب یاراں

اُس کے کوچے سے جو اٹھ اہلِ وفا جاتے ہیں  
متصل روئے ہی ہے تو کبھی آتشِ دل  
وقتِ خوش آکا جو ہمزم ہیں تیرے ہم تو  
جائگی طاقِ پا آہ تو کرنے کا کیسا  
ایک بیمارِ جدائی ہوں میں ابھی تس پر  
غیر کی تیغِ زباں سے تری مجلس میں تو ہم  
عرضِ وحشت نہ دیا کرتو بگولے اتنی  
تا نظر کام کرے رو قبضہ جاتے ہیں  
ایک دو آنسو تو اور آگ لگا جاتے ہیں  
در دیوار کو احوال سنا جاتے ہیں  
اب تو ہم حال کبھو تم کو دکھا جاتے ہیں  
پوچھنے والے جدا جان کو دکھا جاتے ہیں  
اُن کے روز ایک نیازِ خم اٹھا جاتے ہیں  
اپنی دادی یہ کبھو یا بھی آ جاتے ہیں

میر صاحب بھی ترے کوچے میں شہلے ہیں لیک  
جیسے درِ یوزہ گری کرنے لگا جاتے ہیں

کہیو قاصدِ جوہِ پوچھے ہیں کیا کرتے ہیں  
عشقِ آتش بھی جو دیوے تو نہ دم باریں ہم  
جائے ہی نہ مرضِ دل تو نہیں اس کا علاج  
اُس کے کوچے میں نہ شورِ قیامت کا ذکر  
بے بسی سے تو تری بزم میں ہم بہرے بنے  
رخِ صفتِ جنبشِ لبِ عشق کی جہت سے نہیں  
تو بری شیشے سے نازک ہے نہ گردِ دعویٰ ہر  
تجھ سے لگ جاکے یہ یوں جاتے رہیں مجھ سے حیف  
فرصتِ خواب نہیں ذکرِ بجاں میں ہم کو  
جلسِ حال میں موزوں حرکتِ شیشے کی دیکھ  
یہ زمانہ نہیں ایسا کہ کوئی زلیست کرے  
محض ناکارہ بھی مت جان ہیں تو کہ نہیں

جان و ایمان و محبت کو دعا کرتے ہیں  
شمعِ تصویر میں خاموش جلا کرتے ہیں  
اپنے مقدور تلک ہم تو دعا کرتے ہیں  
شیخِ بھان ایسے تو ہنگامی ہوا کرتے ہیں  
نیک و بد کوئی کہ بیٹھے سنا کرتے ہیں  
متریں گزری کہ ہم حُی ہی با کرتے ہیں  
دل میں تپھر کے انھوں کے جونا کرتے ہیں  
دیدہ و دل سے نہ جانا کہ دعا کرتے ہیں  
رات دن رام کہانی سی کہا کرتے ہیں  
غیر شرعی بھی دمِ قہص مزا کرتے ہیں  
چاہتے ہیں جو بُرا اپنا بھلا کرتے ہیں  
ایسے ناکام بھی بیکار پھر کرتے ہیں

لہ میر صاحب بھی اُس کی بزم میں تھے۔ جیسے کوئی فقیر ہوتا ہے۔ عہ اپنی دادی یہ آنا اپنی خند پڑا۔

تجہ بن اس جان مصیبت دہمیدہ پیہم  
کچھ نہیں کرتے تو افسوس کیا کرتے ہیں

کیا کہیں تیر جی اہم تیرے معاش اپنی عرض  
غم کو کھایا کریں ہیں وہ پیا کرتے ہیں

مستوجبِ ملامت و جور و جفا ہوں  
آتے ہیں مجھے خوب کے دونوں ہنر عشق  
اس گلشنِ دنیا میں شگفتہ نہ ہوا میں  
ہم چشم ہو ہر آبلہ پا کا مرا اشک  
دامن نہ جھٹک ہاتھ سے میرے کہ ستم گر  
دل خواہ جلا اب تو مجھے ای شیبِ ہجرال  
گو طاقت و آرام خور و خواب گئے سب  
اتنا ہی مجھے علم ہو کچھ میں بھی ہر چیز  
تب گرم سخن کہنے لگا ہوں میں کہ اک عمر

سینہ تو کیا افضل آئی سے سبھی جاگ  
ہو وقت دعا تیر کہ اب دل کو لگا ہوں

جنس گراں کو تجھ سے جو لوگ چاہتے ہیں  
اس میکدے میں ہم بھی مدت کو ہیں ولین  
ناموس دوستی سے گردن بندھی ہو اپنی  
سہل اس قدر نہیں ہو مشکل پسند میری

وے دن گئے کہ راتیں ناؤں کے کاٹتے تھے  
بیڈول تیر صاحب کچھ کراہتے ہیں

یہ ترک ہو کے خشن کج اگر کلاہ کریں  
تو بلہوس نہ کبھو چشم کو سیاہ کریں  
ہم اپنی اور سے یوں کیا نگاہ کریں  
سیاہ گردیں زمانے کو ہم جو آہ کریں  
ہزار سجدے ہر اک گام سر بہ راہ کریں  
نماز چھوڑ دیں اب کوئی اور گناہ کریں

تو بلہوس نہ کبھو چشم کو سیاہ کریں  
ہم اپنی اور سے یوں کیا نگاہ کریں  
سیاہ گردیں زمانے کو ہم جو آہ کریں  
ہزار سجدے ہر اک گام سر بہ راہ کریں  
نماز چھوڑ دیں اب کوئی اور گناہ کریں

ہمیشہ کون تکلف ہو خوب دلیوں کا  
اگر اٹھیں گے اسی حال سے تو کہو تو  
بڑی بلا ہیں ستم کشہ محبت ہم  
گزارناز سے ایدھر بھی گاہ گاہ کریں  
جو روزِ حشر تجھی کو نہ عذر خواہ کریں  
جو تیغِ بر سے تو سر کو نہ کچھ پناہ کریں

اگر چہل ہیں پر دیدنی ہیں ہم بھی تمیر  
ادھر کو یا ر تامل سے گزنگاہ کریں

راضی ہوں گو کہ بعد از صلہ ماہ دیکھوں  
جی انتظار کش ہوا آنکھوں میں بندر پر  
آنکھیں جو کھل ہی ہیں مرنیکے بعد میری  
پلہ جاہ جس میں دیکھا تھا تجھ کو بستے  
دیکھوں تو چاند اب کا گزرتے ہو تجھ کو کیسا  
چشمِ ودل و جگر یہ سائے ہو پر لیاں  
آنکھیں تو تو نے دی ہیں جو جہم بخش عالم  
منہا ہو یا تار شاہراہ کی ہوں زباں پر  
دیکھوں ہوں اٹھا اٹھا کر عیس کو تو یہ کہو

اکثر نہیں تو تجھ کو میں گاہ گاہ دیکھوں  
آجائے کہ کبتک میں تیری راہ دیکھوں  
حسرت یہ بھی کہ اُس کو میں اک نگاہ دیکھوں  
کن آنکھوں سے اب چڑا اس گھر کو آہ دیکھوں  
دل ہو کہ تیرے منہ پر بے مہر ماہ دیکھوں  
کس کس کی تیرے غم میں حالتِ تباہ دیکھوں  
کیا تیری حسرت آگے اپنے گناہ دیکھوں  
قطع اس مجھلے کو چل کریں خواہ خواہ دیکھوں  
ہوتا ہو قتل کیونکر یہ بے گناہ دیکھوں

ہوں میں نگاہ بسمل گو اک شرہ تھی نصرت  
تا تمیر روئے قاتل تا قتل گاہ دیکھوں

مشہور ہیں دلوں کی مرے بقیہ اریاں  
چہرہ پہ جیسے زخم ہو ناخن کا ہر خراش  
سو بار ہم نے گل کو کہی پر چمن کے بیج  
کشتے کی اُس کے خاک بھری جسم زار پر  
تربت سے عاشقوں کے نہ اٹھا کبھو غبار  
اب بس کس اپنی خواہش مردہ کو روئے  
پڑھتے پھر رہے گلیوں میں ان بختوں کو گ  
کیا جانتے تھے ایسے دن آجائیں گے شتاب  
گل نے ہزار رنگ سخن سر کیا دے

جاتی ہیں لامکاں کو دلِ شب کی زاریاں  
اب دیدنی ہوئی ہیں مری دستکاریاں  
بھر دی ہیں اب چشم سے انوں کو کیا ریاں  
خالی نہیں ہیں لطف سے لو ہو کی دھاریاں  
جی سے گئے وئے نہ گئیں راز داریاں  
تھی ہم کو اس سے سیکڑوں استیواریاں  
مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں  
روتے گزرتیاں ہیں ہیں باتیں ساریاں  
دل سے گئیں نہ باتیں تری پیاریاں

جاوے بھول عمد کو فرہاد و قیس کے گرہنچیں ہم شکستہ دلوں کی بھی باریاں

بچ جاتا ایک رات جو کٹ جاتی اور میسر  
کاٹیں تھیں کوہکن نے بہت راتیں بھاریاں

گر کچھ ہو درد آئینہ یوں چرخِ زشت میں رہتا ہے سوزِ عشق سے دوزخ میں دوزِ شب  
آسودہ کیونکہ ہوں میں کہ مانسہ گردِ باد کب تک خراب سعیِ طوافِ حرم رہوں  
ماقم کے ہوں زمینِ چرخ میں تو کیا عجب سرست ہم ہیں آنکھوں کے دیکھے سے پار کے  
ان صورتوں کو صرغ کرے خاکِ فشت میں لیجائے گا یہ سوختہ دل کیا بہشت میں  
آوارگی تمام ہو میری سرشت میں دل کو اٹھا کے بیٹھ رہوں گا کشت میں  
ہوتا ہے نیل چرخ کی اس بہشت میں کب یہ شہرِ دوزخِ زشت میں

نامے کو چاک کر کے کرے نامہ بر کو قتل  
کیا یہ لکھا تھا میسر مری سرنوشت میں

درد و اندوہ میں ٹھہرا جو رہا میں ہی ہوں بد کہا میں نے رقیبوں کو تو تقصیر ہوئی  
اپنے کوچے میں فغاں جس کی سنو ہو ہر رات خار کو جن نے لڑی موتی کی کر دھسلا یا  
لطف آنے کا ہو کیا بس نہیں اب تابِ جفا اس ادا کو تو ٹاک اک میر کر انصاف کرو  
میں یہ کتنا تھا کہ دل جن نے لیا کون ہے وہ جب کہا میں نے کہ تو ہی ہے تو پھر کہنے لگا  
سننے ہی ہنس کے ٹاک اک سوچو کیا تو ہی تھا میسر آوارہ عالم جو سنا ہے تو نے  
رنگِ روجس کے کبھی منہ نہ چڑھا میں ہی ہوں کیوں ہے جھٹو بھی بھلا سب میں بُرائیں ہی ہوں  
وہ جگر سوختہ و سینہ جبلا میں ہی ہوں اس بیابان میں وہ آبلہ پائیں ہی ہوں  
اتنا عالم ہے بھرا جب آؤ نہ کیا میں ہی ہوں قطعہ وہ بُرا ہے گا بھلا دوستو یا میں ہی ہوں  
یک بیک بول اٹھا اس طرف آئیں ہی ہوں کیا کرے گا تو مرا دیکھوں تو جا میں ہی ہوں  
جن نے شب و کے سب احوال کہا میں ہی ہوں خاک آلودہ وہ اے باو صبا میں ہی ہوں

کام کو لئے مانگتا دیدار بھیک  
میسر وہ جان سے بیزار گدا میں تھا پہلے

نکلے ہے جس حسن کسی کا روان میں جاتا ہے اک ہجومِ غمِ عشق جی کے ساتھ  
یہ وہ نہیں متاع کہ ہو ہر دکان میں ہنگامہ لے چلے ہیں ہم اُس بھی جہان میں

یار ب کوئی تو واسطہ سرگشتگی کا ہی  
ہم اُس سے آہ سوزِ دل اپنا نہ کہہ سکے  
غم کھینچنے کو کچھ تو توانائی چاہئے  
غافل نہ رہیو ہم سے کہ ہم نے نہیں ہے  
وہ دن گئے کہ آتشِ غم دل میں تھی نہال  
دل نذرِ دیدہ پیشکشِ ای باعثِ حیات  
کھینچا نہ کر تو تیغ کہ اکُن نہیں ہیں ہم

اک عشق بھر رہا ہے تمام آسمان میں  
تھے آتشِ دروں سے پھوڑ زبان میں  
سو بھیاں دل میں تباہ طاقتِ حیران میں  
ہوتا ہوا بتو حالِ عجب ایک آن میں  
سوزش ہے جواب تو ہر اک استخوان میں  
سچ کہہ کہ جو لگے ہو ترا کس مکان میں  
ظالم قبا حتمیں ہیں بہت امتحان میں

بھاڑا ہزار جا سے گریبانِ صبرِ میر  
کیا کہہ گئی نسیم سحرِ گل کے کان میں

زباں رکھ غنچہ سا اپنے دہن میں  
نہ کھول اے یار میرا گور میں منہ  
رکھا کہ ہاتھ دل پر آہ کرتے  
جلے دل کی مصیبت اپنی سن کر  
نہ تجھ بن ہوش میں ہم آئے ساقی  
خرد مندی ہوئی زنجیرِ ورنہ  
کماں کے شمع و پروانے گئے مر  
کمال عاجز سخن قادر سخن ہوں

بندھی مٹھی چلا جا اس چمن میں  
کہ حسرت ہو مری جاگہ کفن میں  
نہیں رہتا چراغ ایسی پون میں  
لگی ہے اک سائے تن بدن میں  
مسافر ہی رہے اکشر وطن میں  
گزرتی خوب تھی دیوانہ پن میں  
بہت آتش بجاں تھے اس چمن میں  
بہیں ہو شبہ یاروں کے سخن میں

گدازِ عشق میں یہ بھی گیا میر  
یہی دھوکا سا جوابِ پیر میں

جن کیلئے اپنے تو یوں جان نکلتے ہیں  
کیا تیر ستم اُس کے سینے میں بھی ٹوٹے تھے  
مت سہل ہمیں جالو پھرتا ہو فلکِ سول  
کس کا ہو قماش ایسا گود بھرے ہیں سائے  
کہ لو ہو پیکتا ہو کہ لختِ دل آنکھوں سے  
کرے تو گلہ کس سے جیسی تھی ہمیں خواہش

اس راہ میں دے جیسے انجان نکلتے ہیں  
جس زخم کو چیروں ہوں سپکان نکلتے ہیں  
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں  
دیکھو نہ جو لوگوں کے دیوان نکلتے ہیں  
یا ٹکڑے جگر ہی کے ہر آن نکلتے ہیں  
اب دیسے ہی یہ اپنے ارمان نکلتے ہیں



<p>جاگے سے بھی جاتے ہو منہ سے بھی سخن ہو کر قطعہ سو کا ہو کو اپنی توجہ کی سی پھیری ہو</p>	<p>دو حرف نہیں ہیں جو شایان نہ کھلتے ہیں برسوں میں کھجوا یدھر ہم آن نہ کھلتے ہیں</p>
<p>ان آئینہ رویوں کے کیا میر بھی عاشق ہیں جب گھسے نہ کھلتے ہیں حیران نہ کھلتے ہیں</p>	<p>تو گلی میں اُس کی جا آوے اسی صبا نہ چنناں ترے تیر ناز و جو یہ ہدف ہوئے ہیں ظالم</p>
<p>کہ گڑے ہوئے پھر اگھر میں دل چاک نہ مندناں مگر آہنی تو ہے ہیں جسگر نیاز مندناں یہی ہیں شکا و خستہ یہی غم سیریں کندناں نہیں دیکھ برق تو نے دم خندہ اُس کو دندناں وے مفت اس آئینہ کو نہیں لیے خود پسندناں کے کہتے ہیں نہ جاناد دل شاد و رنے خندناں</p>	<p>کبھو زلفت سے بتاں کی نہ ہوا رہا میں ہرگز تبھی کو نہ کوند اتنا تو زمین سے جائے مل مل ہیں صفا کیا دل اتنا کہ دکھائی دیوے منہ بھی کھلیں آنکھیں میں جو دیکھا سو غم اور شہم گریاں</p>
<p>تو زبول شکار تو تھا وے میر تنگدہ میں ترے خوش ہیں خانی کف پائے صید بندناں</p>	<p>کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہیں نہیں گرتا ہو ابر و دعوی دریا دلی عبث</p>
<p>اس غم کہہ میں آہ دل خوش کہیں نہیں دامن نہیں مرا تو تری آستین نہیں ہر چند اے مسیح وے باتیں رہیں نہیں کہتا ہوں جس طرح سے کہے ہو نہیں نہیں ماند ماہ نو کے مرے اب جبیں نہیں بھڑکا نہ ہم کو شیخ یہ آتش یہیں نہیں</p>	<p>آگے تو لعل نو خط خواہاں کے دم نہ مار یہ درد اُس کے کیونکہ کروں دل نشیں کہ آؤ باتھا کیا ہو صرف سجود در بہستاں گھر گھر ہو ملک عشق میں وزخ کی تاب تپ</p>
<p>فکر بلند سے میں کیا آسماں اسے ہر اک سے میر خوب ہو یہ وہ نہیں نہیں</p>	<p>وعدے کو یار آگے معیوب کر چکے ہیں مرنے سے تم ہمارے خاطر نچت رکھو</p>
<p>اس ریتے کو ورنہ ہم خوب کر چکے ہیں اس کام کا بھی ہم کچھ املوب کر چکے ہیں اس کام کو ہم آخر محبوب کر چکے ہیں ہم اس طرح کے کتنے آشوب کر چکے ہیں کس کس کے ہم حوالے مکتوب کر چکے ہیں</p>	<p>حسن کلام کھینچے کیونکہ نہ دامن دل ہنگامہ قیامت تازہ نہیں جو ہو گا زنگ پریدہ قاصد بادِ سحر کہو تر</p>

تنگا نہیں رہا ہے کیا اب تار کر لیے آگے ہی ہم تو گھر کو جا رہے کر چکے ہیں

کیا جانے کہ کیا ہو اسی طرح ہر جہت کی  
سو بار ہم تو اُس کو محبوب کر چکے ہیں

جو صبر ہی نہیں اُسے ایمان ہی نہیں  
وہ ترک صید پیشہ مرا قصد کیا کرے  
خال و خطا ایسے فتنے نگاہیں یہ آفتیں  
ہیں جزو خاک ہم تو غبارِ ضعیف سے  
دیکھی ہو جس نے صورت و لکش وہ ایک آن  
خورشید و ماہ و گل سبھی اودھرتے ہیں دیکھ  
یکساں ہو تیرے آگے جو دل اور آرسی  
سجدہ اُس آستان کا جس کو ہوا نصیب

ہو گر شریف مگر مسلمان ہی نہیں  
دبے اپنے سون میں سر جان ہی نہیں  
کچھ اک بلا وہ زلف پر لیٹاں ہی نہیں  
سر کھینچے کا ہم کئے سامان ہی نہیں  
پھر صبر اُس سے ہو سکے امکان ہی نہیں  
س چہرہ کا آئینہ حیران ہی نہیں  
کیا خوب زشت کی بچو پہچان ہی نہیں  
وہ اپنے اعتقاد میں انسان ہی نہیں

کیا تھکا بھی جنوں تھا کہ جامع میں تیرے تیر  
سب کچھ بچا ہو ایک گریبان ہی نہیں

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہیں  
عجز و نیاز اپنا اپنی طرف ہے سارا  
صورت پذیر ہم بن ہرگز نہیں وہی منور  
عشق اُن کی عقل کو ہو چوسا سوا ہا سے  
اپنی ہی سیر کرتے ہم جلوہ گر ہو کر تھر  
یار بکسے ہو ناقدہ ہر غنیہ اس چمن کا  
یہ ظالم بے نہایت دشوار تر کہ خواب  
کیا جانے داب صحبت از خویش نہ تنگناں کا

اپنے سوائے کس کو موجود جانتے ہیں  
اس مشیت خاک کو ہم سجدہ جانتے ہیں  
اہل نظر ہمیں کو معبود جانتے ہیں  
ما چیز جانتے ہیں نابود جانتے ہیں  
اس رمز کو ولیکن معدود جانتے ہیں  
راہ وفا کو ہم تو مسدود جانتے ہیں  
بد و ضعیبوں کو اپنی محمود جانتے ہیں  
مجلس میں شیخ صاحب کچھ کو دہنتے ہیں

مگر کبھی ہاتھ آوے تو میر مفت ہو وہ  
جی کے زبیاں کو بھی ہم سود جانتے ہیں

تلوار غرقِ غم ہو آنکھیں گلابیاں ہیں  
جب لے نقاب نہ پرتب ید کر کہ کیا کیا

دیکھیں تو تیری کب تک یہ بدشرابیاں ہیں  
در پردہ شوخیاں ہیں پھر بے محابیاں ہیں

چاہے آج ہوں میں ہفت آسمان کے اوپر  
جی بھرے دل ہے آج سر بھی گرا پڑے ہو  
دل کے مزاج میں بھی کتنی فشاںیاں ہیں  
خانہ خراب تجھ بن کیا کیا خرابیاں ہیں

نہاں میری سمت ہو خواں فلک پہ ہرگز  
خالی یہ ہر دم کی دونوں رکابیاں ہیں

سُن گوشتِ دل سے اب تو سمجھ بیخبر کہیں  
اب فائدہ مُرغ سے بلیل کے باغیاں  
عاشق ترے ہوئے تو ستم کچھ نہ ہو گیا  
کچھ کچھ کہوں گا روز یہ کہتا تھا دل میں  
سوکل ملا مجھے وہ بیاباں کی سمت کو  
لگ چل کے میں بزرگ صبا یہ اُسے کہا  
آشفۃ جا بجا جو پھرے ہو تو دشت میں  
خوں بستہ اپنی کھولِ نرہ پوچھتا بھی گر  
آسودگی سی جنس کو کرتا ہو کون بوخت  
موتی سے تیرے اشک ہیں غلطانِ سو طوف  
ملا کے یہ دشت گردی و کبتاک یہ خستگی  
کہنے لگا وہ ہو کے پر آشفۃ یک بیک  
آوار گونگانگ ہو سُننا نصیحتیں  
لُغۃن جا کو بھول گیا ہوں یہ یہ یاد  
بیٹھے اگرچہ نقشِ ترا تو بھی دل اٹھا

مذکور ہو چکا ہے مراحل ہر کہیں  
اطرافِ باغ ہونگے پڑی مشقت ہر کہیں  
منا پڑا ہو ہم کو خدا سے تو ڈر کہیں  
آشفۃ طبعِ مسکرو پایا اگر کہیں  
جاتا تھا اضطرابِ دہ سا آدھ کہیں  
ای خانماں خراب تر بھی ہو گھر کہیں  
جاگہ نہیں آج شہر میں تجھ کو مگر کہیں  
رکھ ٹک تو اپنے حال کو مدِ نظر کہیں  
جانے آج نفع کوئی بھی جی کا ضرر کہیں  
یا قوت کے سے ٹکڑے ہیں نختِ جگر کہیں  
اس زندگی سے کچھ تجھے حاصل بھی نہ کہیں  
مسکن کرے ہو دہر میں مجھ سا بشر کہیں  
میت کہیو ایسی بات تو بارِ دگر کہیں  
کہتا تھا ایک روز یہ اہلِ نظر کہیں  
کرتا ہو جائے باش کوئی رہ گزر کہیں

کتنے ہی آئے لیے سر پر خیال پر  
ایسے گئے کہ کچھ نہیں اُن کا اثر کہیں

اب کچھ ہمارے حال پہ تم کو نظر نہیں  
یعنی تمھاری ہم سے دی تکھیں نہیں رہیں

اس بزم کے چراغ بجھے تھے جو یادِ میر  
اُن کے فروغِ باغ میں گل نہیں کہیں

ہر دم جگر دں میں کچھ کانٹے سے کھٹکتے ہیں  
پلوں سے ترے شائقِ ام سر جو پٹکتے ہیں

وے ہاتھ سے دامن کو اب تک بھی جھٹکتے ہیں  
آنسو مرے پلکوں سے تار کے جھٹکتے ہیں  
یہاں حضرت خضرؑ اچھی مدت سے جھٹکتے ہیں  
وہاں میان سے وہ لے کر یہاں یا رٹکتے ہیں  
دشوار ہی ہوتا ہے دل جن کے اٹکتے ہیں

میں بھاڑ گریباں کو درویش ہوا آخر  
یاد آوے کہ جب شب کو وہ چہرہ ہتابی  
کی راہبری میری صحرا سے محبت میں  
جلتے نہ کوئی دیکھا اُس تیغ کے منہ اوپر  
کیا تم کو اچھنچھا ہے سختی کا محبت میں

اوپر جانناں سے چاہے ہو ابھی مقصد  
برسوں سے پڑے ہم تو ابھی مٹھتے ہیں

پیر ایک جیکہ سازی ہو اُس دست گاہ میں  
نگار و فن تمام کیا ایک آہ میں  
اک قطرہ خون بھی نہ گرا صید گاہ میں  
القصد ایک عمر سے ہم ہیں گے راہ میں  
بہتوں کے خستے چاک ہو کر خانقاہ میں  
سکر کی جا ہوئے تری چشم سیاہ میں

سب خوبیاں ہیں شیخ مشیخت بناہ میں  
نامد شمع ہم نے حضور اپنے یار کے  
میں صید جو ہوا تو ندامت لے ہوئی  
بہنے نہیں کہیں کہ نہیں وہاں اٹھ چلے  
نکلنا تھا آستین سے کل منہجے کا ہاتھ  
بخت سید تو دیکھو کہ ہم خاک میں لے

بیٹھے تھے میر بار کے دیدار کو سو ہم  
اینا یہ حال گر کے اٹھ کے اک نگاہ میں

کہا کہ ایسے تو میں مفت مار لایا ہوں  
کہ سے پانوں تک دل ہی بار لایا ہوں  
پہ نوح کے سے تو طوفان نہار لایا ہوں  
دل اُس سے دم کیلے مستعار لایا ہوں  
کہ دل کو تجھ تئیں بے اختیار لایا ہوں  
ترے گلے کے لئے میں یہ بار لایا ہوں

کیا جو عرض کہ دل سا شکار لایا ہوں  
کہے تو نخل صنوبر ہوں اس جہن میں ہیں  
جہاں میں گریہ نہ پہنچا بہم مجھے دلخواہ  
نہ تنگ کر اسے ای فکر و دگر کار کہ میں  
پھر اختیار ہو آگے ترا یہ ہے مجبور  
یہ جی جو میرے گلے کا ہی بار تو ہی لے

چلا نہ اٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو میر  
ابھی تو اُس کی گلی سے بکار لایا ہوں

بھلا ہوا کہ تری سب بُرائیاں دیکھیں  
ہزاروں آتی ہوئی چار پائیاں دیکھیں

جفا میں دیکھ لیاں بہو نائیاں دیکھیں  
تری گلی سے سدا سے کشندہ عالم

گیا نظر سے جو وہ گرم طفل آتش باز  
ترے وصال کے ہم شوق میں ہو آوارہ  
ہمیشہ مائل آئینہ ہی سجھے یا یا  
شہاں کہ محل جو اہر تھی خاک یا جنگلی

ہم اپنے چہرے پہ اڑتی ہوائیاں دیکھیں  
عزیز دوست سبھوں کی جدائیاں دیکھیں  
جو دیکھیں ہم نے یہی خودنائیاں دیکھیں  
انھیں کی آنکھوں میں پھرتی لائیاں دیکھیں

بنی نہ اپنی تو اُس جنگجو سے ہرگز میر  
لڑائیں جیسے ہم انھیں لڑائیاں دیکھیں

خوش قداں جب سوار ہوتے ہیں  
تیرے بالوں کے وصف میں میر  
آؤ یاد بتاں پہ بھول نہ جاؤ  
دیکھ لیویں گے غیر کو تجھ پاس  
صدقے ہو لیویں ایک دم تیرے  
ہفت اقلیم ہر گلی ہو لیں  
رفتہ رفتہ یہ طفل خوش ظاہر

سرو قمری شکار ہوتے ہیں  
شعر سب یہ چیدار ہوتے ہیں  
یہ نعت اقل شعار ہوتے ہیں  
صحبتوں میں بھی لار ہوتے ہیں  
پھر تو تجھ پر نثار ہوتے ہیں  
دلی سے بھی دیار ہوتے ہیں  
فتنہ روزگار ہوتے ہیں

اُس کے نزدیک کچھ نہیں ہوتا  
میر جی یوں ہی خوار ہوتے ہیں

وے جو حسن و جمال رکھتے ہیں  
شب جو وہ مہ کھو ہو ہویاں  
ان لبوں کا جواب نہ ہو لعل  
گل ترے روزگار خوبی میں  
دہن تنگ کے ترے مشتاق  
خاک آدم ہی ہو تمام زمین  
یہ جو سر پھینچتے قیامت ہو  
اہل دل چشم سب تری جانب

سارے تیرا خیال رکھتے ہیں  
مدتوں یا رسال رکھتے ہیں  
ہم تجھی سے سوال رکھتے ہیں  
منہ طمانچوں سے لال رکھتے ہیں  
آرزو سے محال رکھتے ہیں  
پانوں کو ہم سنبھال رکھتے ہیں  
دل کو ہم پائمال رکھتے ہیں  
آئینہ کی مثال رکھتے ہیں

گفتگو ناقصوں سے ہی ورنہ  
میر جی بھی کمال رکھتے ہیں

اس میں حیراں ہوں بہت کس کس کا میں ماتم کروں  
اتنے بھی آنسو بہم پہنچیں کہ ترگاں خم کروں  
شیخ اگر کہے سے آوے گفت گو درم کروں  
جو میں اپنے ایسے زخمِ سینہ کو مرہم کروں  
یا ادھر ہوں یا ادھر اکب تک شمار دم کروں  
وہ طرح ڈھونڈوں ہوں جس میں بٹ پتھ سے کم کروں

صبر و طاقت کو کڑھوں یا خوش دلی کا غم کروں  
موسمِ حیرت ہو دل بھبر کر تو رونا مل چکا  
ہوں یہ مست سہ زلفِ صنم مغذور رکھ  
ریزہ الماس یا مشیتِ نمک ہے کیا بُرا  
گرچہ کس گنتی میں ہوں پر ایک دم مجھ تک تو آ  
بس بہت رسوا ہوا میں اب نہیں مفتِ رُکچہ

گو دھواں اٹھنے لگا دل سے مرے پر تیج و تاب  
میتِ اس برقعِ ربطِ زلفِ خمِ درخ کروں

رگِ ابرتھا تار تار گریباں  
کہ سینہ ہر قرب جوار گریباں  
خزاں ہو چلی ہو بہار گریباں  
نہ رکھا مری سر پہ بار گریباں  
کہاں ہو گا یارب مزار گریباں  
کہ آخر ہوا روزگار گریباں

کیا میں نے رو کر نشانِ گریباں  
کہیں دستِ جالاکِ ناخنِ لاسے  
نشانِ اشکِ غنیمتِ کڑاٹے چلے ہیں  
جنوں تیری منت ہو مجھ پر کہ تو نے  
زیارت کروں دلِ سخنستہ جگر کی  
کہیں جائے یہ دردِ امن بھی جلدی

پھروں میں عریانِ دامن کا غم ہو  
نہ باقی رہے خارِ خارِ گریباں

طالعوں نے صبح کر دکھلایاں  
رہ گئے آنسو تو آنکھیں آئیاں  
جوں ہماری ہوتی ہیں پھلایاں  
عاشقوں میں بر پھیاں چلوا ئیاں  
ڈالیاں ٹوٹی ہوئیں مرھایاں  
آنکھیں تاروں نے بہت جھمکایاں  
دل میں شکلیں سیکڑوں ٹھہرایاں

بارہا وعدوں کی راتیں آئیاں  
عشق میں ایذا میں رہے پائیاں  
ظلِ حق ہم کو بھی وہ ہی چاہئے  
اُس مرزہ بر تم زدہ نے بارہا  
نو نہال آگے ترے ہیں جیسے ہوں  
ایک بھی چٹنٹ اُس مہ کی سی کی  
ایک نے صورت نہ پکڑی پیش یار

۱۔ مرزا غالب دہلوی سے فرغت کس قدر ہوتی مجھے نشوونما مرحمت سے ؟ ہم گر صلیح کرتے پارہائے دل نکلاں پر  
۲۔ صیف ہائے جمع مونث کو فی زمانہ اس طرح استعمال کرنا متروک ہے۔

<p>ہر جگہ ہر بار مایں کھائیاں اُن نے باتیں ہی ہیں تھائیاں ماہ کے چہرہ پہ ہیں سب جھائیاں دل نے آخر خفتیں دلوائیاں ناز تانے چسندے پروائیاں گل کی شاخیں لپی ہیں لڑائیاں</p>	<p>روہت اپنی اس گلی میں کم نہیں بوسہ لینے کا کیا جس دم سوال روکشی کو اُس کے منہ بھی چاہی مضطرب ہو کر کیا سب میں سبک چل چین میں یہ بھی ہو کوئی روش شوق قامت میں تری ای لو نہال</p>
<p>پاس مجھ کو بھی نہیں ہو میسر اب دور پہنچی ہیں مری رسوائیاں</p>	
<p>اب ہم نے بھی کسو سے آنکھیں لڑائیاں ہیں دو چار دل کی باتیں اب منہ پر آئیاں ہیں ابرو کی جنبش ادھر تلواریں کھائیاں ہیں راز نہان حق میں کیا خود نہائیاں ہیں</p>	<p>دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں ملک سن کہ سو برس کی ناموس خامشی کھو ہم دے ہیں خوں گرفتہ ظالم جنھوں نے تیری آئینہ ہو کے صورت معنی سے ہو لبالب</p>
<p>کہتے ہیں میسر ہم پر یا سر گراں ہو نہاد یا بتکدے میں ہم نے دھولیں لگائیاں ہیں</p>	
<p>اک گم ہے دل میں ہی جو شعلہ فشاں ہوں میں ورنہ وہی خلوتی راز نہاں ہوں صد رنگ مری موج ہی طبع رواں ہوں میں شانہ صفت سایہ و رقت بتاں ہوں میں باعث آشفتنکی طبع جہاں ہوا میں صد سخن آغشتہ بھول زبیر زباں ہوں اس باغ خزان دیدہ میں ہیں بے خزاں ہوں ورپے ننو۔ اس وقت خدا جانے کہاں ہوں اس پر بھی تری خاطر نازک پگراں ہوں</p>	<p>میں کون ہوں ای ہمنفساں سوختہ جان ہوں لایا ہے مرا شوق مجھے پرے سے باہر جلوہ ہے تجھی سے لب دریائے سخن پر پتھر ہو مرا پتھر خورشید میں ہر صبح دیکھا ہے مجھے جن نے سودیوانہ ہو میرا تکلیف نہ کر آہ مجھے جنبش لب کی ہوں زرد و غم تازہ نہالان چین سے رکھتی ہے مجھے خواہش دل بلکہ پریشاں اک وہم نہیں بیش مری ہستی موہوم</p>
<p>خوشباشی و تنزیہ و تقدس تھی مجھے میسر اسباب پڑے یوں کہ کئی روز سے یہاں ہیں</p>	

<p>نہ پوچھو جو کچھ رنگ ہم دیکھتے ہیں ہمیں آگے آگے کے قدم دیکھتے ہیں ان آنکھوں سے کیا کیا ستم دیکھتے ہیں ابھی اور بھی کوئی دم دیکھتے ہیں گے کاغذ و گے قلم دیکھتے ہیں اب اس طور کے لوگ کم دیکھتے ہیں</p>	<p>اب آنکھوں میں خوں مسموم دیکھتے ہیں جو بے اختیاری ہی ہو تو قاصد گئے داغ رہتا ہو دل گے جگر خوں اگر جان آنکھوں میں اس بن ہو تو ہم لکھیں حال کیا اس کو حیرت ہم تو وفا پیشگی قیس تک تھی بھی کچھ کچھ</p>	
<p>کہا ننگ بھلا روڈ کے صاب صاحب اب آنکھوں کے گرد اک دم دیکھتے ہیں</p>		
<p>وہ کوئی اور ہیں جو اعتبار پاتے ہیں ہنوز وہاں تو دل داغدار پاتے ہیں کہ جی کو کھو کے دل بیقرار پاتے ہیں میسر و خضر بھی ہاں کم ہی بار پاتے ہیں قطعہ نغزل مشت نشان مزار پاتے ہیں کسی کا بھی کہیں مشت غبار پاتے ہیں</p>	<p>بہت ہی اپنے تئیں ہم تو خوار پاتے ہیں تری گلی میں میں رویا تھا دل جلا بخش نہو وین شیفہ کیوں اضطراب پر عاشق گلہ عبث ہو تری آستانہ بوسی کا تڑپ ہو قیس کے دل میں تیراں سے وگر نہ خاک ہوئے کتنے ہی محبت میں</p>	
<p>نشانی آوے اجل میر جاوے یہ رونا کہ میرے شور سے تصدیق یار پاتے ہیں</p>		
<p>محتسب کو کباب کرتا ہوں بچہ کو کیسا خراب کرتا ہوں قشنگی پر عتاب کرتا ہوں اب تئیں آب آب کرتا ہوں</p>	<p>عام حکم شراب کرتا ہوں ملک تو کہہ اے بنا کی ہستی تو کوئی بھتی ہو یہ بھڑک میں عبث سرتلاک آب تیغ میں ہوں غرق</p>	
<p>جی میں پھرتا ہو میر وہ میرے جاگتا ہوں کہ خواب کرتا ہوں</p>		
<p>گو رقیباں کچھ اور گاتے ہیں آج لوہو میں ہم نہاتے ہیں ہم بھی اب کوئی دم میں آتے ہیں</p>	<p>ہم تو مطرب پسر کے جاتے ہیں خاک میں لوٹے تھے کل تجھ بن اے عدم ہونے والو تم تو چلو</p>	



ایک کہتا ہوں میں تو منہ پر قیوب	تیری بشتی سے سو سناتے ہیں
بیدہ و دل شتاب گم ہوں میر	سر پہ آفت ہمیشہ لاتے ہیں
آتا ہر دل میں حال بد اپنا بھلا کہوں پروانہ پھر نہ شمع کی خاطر جلا کرے مت کر خرام سر پہ اٹھالے گا خلق کو دل اور دیدہ باعثِ ایذا و نور عین آوے سموم جائے صبا باغ سے سدا	پھر آجھی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں گر بزم میں یہ اپنا ترا ماجرا کہوں بیٹھا اگر گلی میں ترا نقشیں پا کہوں کس کے تئیں بُرا کہوں کس کو بھلا کہوں گر شمع اپنے سوز جگر کا میں جا کہوں
جاتا ہوں میر دشتِ جنوں کو میں اب یہ کہہ	مجنوں کہیں ملے تو تری بھی دعا کہوں
مرے آگے نہ شاعر نام پادیں پری سمجھے تھے وہم و گماں سے مزاج اپنا عیور از لبس پڑا ہو پھرے ہو شیخ مجلس ہی میں قصاں نظر اے ابر اب مت آ مبادا قدم بوسی تلک مختار ہیں سیر نہ آیا وہ تو کیا ہم نیم جاں بھی چلے ہو تو تو اے جان الم ناک	قیامت کو مگر عرصے میں آویں کہا نیک اور ہم اب دل چلاویں ترے نعم میں کسے خاطر میں لاویں ادھر آنکھ لے تو ہم بھی نچاویں کہیں میری بھی آنکھیں ڈبڈباویں زیادہ لگ چلیں تو سر میں کھاویں نظم بغیر اُس کے ملے دنیا سے جاویں ٹاک اک ہ جا کہ ہم بخصت ہو آویں
چلا مقدور سے غم میر آگے	نہیں بھٹ جائے یار ہم ساویں
مثال سایہ محبت میں جاں اپنا ہوں سر شبک سرخ کو جاتا ہوں جو پئے ہر دم اگرچہ نشہ ہوں سب میں فم جہاں میں لکھا مری نمود نے مجھ کو کیا برابر خاک ہوئی ہو زندگی دشوار مشکل آساں کر	تمہارے ساتھ گرفتار حال اپنا ہوں لہو کا پیا ساعلی الا تعال اپنا ہوں برنگِ موعرقِ انفعال اپنا ہوں میں نقشِ پا کی طرح پا کمال اپنا ہوں پھر دوں چلوں تو ہوں تیں وبال اپنا ہوں

ترا ہے دہم کہ یہ ناتواں ہو جائے میں  
وکر نہ میں نہیں اب اک خیال اپنا ہوں

بلا ہوئی ہو مری گو کہ طبع روشن میسر  
ہوں آفتاب ولیکن زوال اپنا ہوں

کھو دیں ہیں نیند میری مصیبت بیانیاں  
کیا آگ دیکھنے طور کو کی ترک سرکشی  
صحبت رکھا کیا وہ سفید و ضلال سے  
ہم سے تو کینے ہی کی ادائیں چلی گئیں  
تلوار کے تلے ہی گیا عہد انبساط  
گالی سوائے مجمع سے سخن مت کیا کرو  
غیروں ہی کے سخن کی طرف گوش یار تھی  
یہ بیقراریاں نہ کبھو اُن نے دیکھیاں

تم بھی تو ایک رات سو یہ کہا نیاں  
اُس شعلہ کی دہی میں شرارت کی بانیاں  
دل ہی میں غول ہوا لیں مری کتوانیاں  
بے لطفیاں یہی یہی نامہ سر بیانیاں  
مر مر کے ہم نے کاٹی ہیں اپنی جوانیاں  
اچھی لگی ہیں مجھ کو تری بد زبانیاں  
اس حرف ناشنوائے ہماری نہ مانیاں  
جاں کاہیاں ہماری بہت سہل جانیاں

مارا مجھے بھی سان کے غیروں میں ان ذمیر  
کیا خاک میں ملائیں مری جاں فشانیاں

تا پھو کچھ نہ خرقت طامات کے تئیں  
کیفایتیں اٹھی ہیں یہ کب خالقہ میں  
ظرب خرام ناز سے خواباں کے ہمنشین  
ہم جانتے ہیں یا کہ دل آشنا زدہ  
خوبی کو اُس کی ساعدہ سیمیں کی دیکھ کر  
اتنی بھی حرف ناشنوائی غیر کے لئے  
سید ہو یا چار ہو اس جاوفا ہے شرط  
آخر کے یہ سلوک ہم اب تیرے دیکھ کر

حسن قبول کیا ہو مناجات کے تئیں  
بدنام کر رکھا ہے خرابات کے تئیں  
ٹھوکر سے یہ اٹھاتے ہیں آفات کے تئیں  
کتنے سو کس سے عشق کے حالات کے تئیں  
صورت گردوں نے کھینچ رکھا ہات کے تئیں  
رکھ کان ٹک سنا بھی کر د بات کے تئیں  
کب عاشقی میں پوچھتے ہیں ذات کے تئیں  
کرتے ہیں یاد پہلی ملاقات کے تئیں

آنکھوں نے میسر صاحب و قبلہ ورم کیا  
حضرت ہکا کیا نہ کرو رات کے تئیں

سہ جامی سے بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی  
ہندی شاعر کہتا ہے۔ غزات بات پوچھے نہ کوئے  
کہ دریں راہِ ظلال ابن ظلال چیزے نیست  
ہر کو کچھ سوہرا ہوئے۔

نہ اک یعقوب رویا اس الم میں کوں کب تک دم آنکھوں میں ہو میرے	کنواں اندھا ہوا یوسف کے غم میں نظر آوے ہی گا اب کوئی دم میں
دیا عاشق نے جی تو حیب کیا ہے یہی میتہ راک نہر ہوتا ہو ہم میں	
چاہتے ہیں یہ بتاں ہم پہ کہ بیدار کریں ایک دم پر ہو بنا تیری سو آیا کہ نہیں	کس کے ہوں کس سے کہیں کس کے فریاد کریں وہ کچھ اس زندگی میں کر کہ تجھے یاد کریں
کعبہ ہوتا ہو دوانوں کا مری گور سے دشت ہم تو راہب نہیں ہیں واقعہ رسم سجدہ	مجھ سے دوا درگزیں بھیاں تو سب آباد کریں ہیں کہ ہر شیخ حرم کچھ ہیں ارشاد کریں
ریختہ خوب ہی کہتا ہو جو انصاف کریں چاہتے اہل سخن میتہ راک کو استاد کریں	
ہجران کی کوفت کھینچے بیم سے ہو چلا ہیں جو میں رہیں گی جاری گلشن میں ایک شبت	سر مار مار یعنی اب ہم بھی سو چلے ہیں سایہ میں ہر شجر کے ہم زور رو چلے ہیں
بریز اشک آنکھیں ہر بات میں رہا کیں پچھتاوے نہ کیونکر جی اس طرح ہو دیگر	رور کے کام اپنے سب ہم ڈلو چلے ہیں یہ گوہر گرامی ہم مفت کھو چلے ہیں
قطع طاق مشکل ہو عشق کا نہایت وے متیر جانتے ہیں اس آہ جو چلے ہیں	
جبے درد دل کا کہنا میں دل میں ٹھانتا ہوں شاید نکل بھی آوے دل گم جو ہو گیا ہے	کہتا ہے بن سنے ہی میں خوب جانتا ہوں اُس کی گلی میں بیٹھائیں خاک چھانتا ہوں
اس درد سر کا لٹکا سکر لگا ہو میرے سو سر کا ہوئے صندل میں میرا نانا ہوں	
ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھئے کیا ہو کیا نہیں لوئے گل اور رنگ گل دونوں میں دلکش نسیم	تم تو کرد ہو صاحبی بندہ دلچھ رہا نہیں لیک بقد ر یک نگاہ دیکھئے تو وفا نہیں
شکوہ کردوں ہوں بخت کا آئینہ غصہ نہو بتا لے مرزا غالیج دہوی سے زہے کرشمہ کیوں دے رکھا ہو	مجھ کو خدا نخواستہ تم سے تو کچھ گلا نہیں لیک بقد ر یک نگاہ دیکھئے تو وفا نہیں
لے مرزا غالیج دہوی سے زہے کرشمہ کیوں دے رکھا ہو ہم کو زہب و کہ بن کے ہی ہیں سب خبر ہے کیا کہئے۔ لے مرزا غالیج دہوی سے زہے کرشمہ کیوں دے رکھا ہو ہم کو زہب و کہ بن کے ہی ہیں سب خبر ہے کیا کہئے۔	

نالے کیا نہ کر سنا نوے مرے پہ عندلیب چشم سفید و اشک سرخ آہ دل خیز ہر پھیلاں ایک فقط جو سادگی تسبیہ بلائے جاں ہو تو آج ہوائے ملک عشق تجربہ کی ہر میں بہت ہوئے زمانہ کچھ سے کچھ چھوٹے ہو دل لگا مرا	بات میں بات عجیب ہو میں نے تجھے کہا نہیں شیشہ نہیں ہو مجھ نہیں ابر نہیں ہوا نہیں عشوہ کرشمہ کچھ نہیں آن نہیں ادا نہیں کر کے دوائے درد دل کوئی بھی پھر حبیب نہیں شورخ کسی ہی آن میں تجھ سے تو میں جدا نہیں
---	---

ناز بتاں اٹھا چکا دیر کو میسر ترک کر  
کچھ میں جا کے رہ میاں تیرے مگر خدا نہیں

خوبرو سب کی جان ہوتے ہیں گوش دیوار تک تو جانا لے کبھو آتے ہیں آپ میں تجھ بن دشت کے پھولے مقبروں پہ نہ جا غمزہ چشم خوش و ستان زمین کیا رہا ہے مشاعر میں اب	آرزوئے جہان ہوتے ہیں اس میں گل کو بھی کان ہوتے ہیں گھر میں ہم میسمان ہوتے ہیں روضے سب گلستان ہوتے ہیں فتنہ کسمان ہوتے ہیں لوگ کچھ جمع آن ہوتے ہیں
--	--

میسر و مرزا رفیع و خواجہ میسر  
کہتے یہ اک جوان ہوتے ہیں

۱۔ اعلان فون بعد عطوفت و امانت اب قصداً جاری نہیں رکھتے۔ ۲۔ یعنی مرزا رفیع سودا  
۳۔ خواجہ میر یعنی حضرت خواجہ میر درد دہلوی جو میر تقی میر کے معاصر ہی نہیں بلکہ خاص کرم فراتھے اور آپ ہی کے والد ماجد خواجہ بہر  
عندلیب تیر صاحب کو مدعا دی تھی کہ تیر تو میر مجلس خواہی شد۔ یہ غالباً اسی مشاعرہ کا ذکر ہے جو خواجہ میر درد کے مکان پر  
منعقد ہوا تھا اور جو انھوں نے خوشی سے تیر صاحب کے یہاں منتقل کر دیا تھا اور میر صاحب بھی اس کو مدتوں نباہتے رہے۔  
خواجہ میر درد اردو اور فارسی کے زبردست استاد اور نہایت مستند تھے۔ تیر صاحب اپنے تذکرے میں ان کے متعلق  
رأے لکھی ہے۔ "شاعر زور آور ریختہ۔ در کمال علاقگی دار ستہ خلق متواضع۔ آشنائے دست شعر فارسی اہم میگوید۔ اب بیشتر باقی  
گری بازار دست مشربا دست۔ غرض از آشنائی مطلب دست متوطن شاہ جہان آباد۔ بزرگ بزرگ اوہ جوان صلح  
از روشی بہرہ دانی دارد فقیر بخدمت او بندگی خاص است" الخ۔ عمر بھر دہلی میں رہے انتقال بھی دہلی ہی میں ہوا۔ ولادت  
۱۲۴۰ھ اور سنہ وفات ۱۲۹۹ھ عریض۔ آپ کی تصانیف قریب گیارہ بارہ کے ہیں۔ اسی

<p>یہ جرم ہے تو ایسے گنہگار بہت ہیں دل پر ابھی جراحت نوکار بہت ہیں دل زینہار دیکھ سب در بہت ہیں فراموشی کے بان سے تو پھر بار بہت ہیں</p>	<p>تجھ عشق میں تو مرنے کو تیار بہت ہیں اک زخم کو میں ریزہ الماس سے چیرا کچھ اکھڑیاں ہی اسکی نہیں اک بلا کہ بس بیگانہ غور قریب سو دسواں کچھ نہ کر</p>
<p>کوئی تو زمرہ کرے میرے آسائے خواہ یوں تو نفس میں اور گرفتار بہت ہیں</p>	
<p>نہ چوب گل نے دم مارا نہ چھڑیاں بید کی لمبیاں نفاں پرناز کرتا ہوں کہ بل بے تیری ہتھ لمبیاں سبھی معشوق اگر بوجھ کوئی مصری کی ہیں لمبیاں بریاں ہیں دکھا مجھ کو بالوں کے تلے لمبیاں کہ بلبل سر ٹپکتی ہو نہیں منہ کھولتیں لمبیاں نگاہیں کہے کہ گر بڑتی ہو بجلی کی بھی اچھیلیاں نہ دیکھی ہوئی تو نے حضور یہ ظلمات میں گلیاں</p>	<p>جنوں میرے کی باتیں دشت اور گلشن میں حب چلیاں گریباں شور محشر کا اڑایا دھجیاں کر کر تفاوت کچھ نہیں شیریں و شکر اور یوسف میں ترے غم نے جو رطل سے آنکھیں غزالوں کی چمن کو آج مارا ہو میاں تک رشک گلروں نے مری آہ سحر کی بر چھیاں سختی کے تر پھوں پر صنم کی زلفت میں کو چہ ہو سہر بستہ ہر اک مو پر</p>
<p>ودانہ ہو گیا تو مہر آخر ریختہ کہ کہہ نہ کہتا تھا میں اتو ظالم کہ یہ باتیں نہیں چلیاں</p>	
<p>کہ موئے قسید میں دیوار بدلیار چمن یہ بھی تختہ کبھو ہووے گا سزا دار چمن تختے زردان سے ہم بھی تو خریدار چمن عاشق زار چمن مرغا گرفتار چمن کس تسمیدہ کی شرکاں ہیں رخسار چمن عاقبت نالہ کشاں بھی تو ہیں درکار چمن گل میں کیا ہو جو ہوا ہو تو طلبگار چمن سڑ ہی ہو گئی دھاں گرمی بازار چمن</p>	<p>ایسے محروم گئے ہم نو گرفتار چمن بہینہ پر دناغ کا احوال میں پوچھوں ہوسیم باغیاں باغ اجاڑے ہی اگر دینا تھا وے گنہگار ہیں کہ جنھیں کہتے ہیں خون ٹپکے ہو پڑا نوک سے ہر اک کی ہنوز باغیاں ہم سے خستہ نہ پیش آیا کہ کم نہیں ہو دل پر دناغ بھی ای مرزا امیر گل پر ایسی تو پڑی اوس خزاں میں کہیم</p>
<p>کیا جزا کٹھرتی ہو دیکھنے کل حشر کو میر دناغ ہر اک مرے دل پہ ہو غنڈار چمن</p>	
<p>سے آں جن میں غزال سی طلعہ</p>	

<p>شمع روشن کے منہ پہ نور نہیں یاد رہتی ترے حضور نہیں نظم تیرے نزدیک کچھ یہ دور نہیں ایسا جینا ہمیں ضرور نہیں</p>	<p>بزم میں جو ترا ظہور نہیں کتنی باتیں بنا کے لاؤں لیک فکر مت کر ہمارے جینے کا پھر جنس کے چوتھے سا ہی جان بخش</p>
<p>عام ہو بار کی تجلی میری خاص موسیٰ و کوہ طور نہیں</p>	
<p>ہم دل جلوں کی خاک جہاں میں کدھر نہیں جب آنکھتے ہیں تو سنے ہیں کہ گھر نہیں اب کون سا رہا ہے کہ ان میں ہی تر نہیں کم گوشہ چمن سے ترا رہنر نہیں</p>	<p>دامن پر تیرے گرد کا کیونکر اثر نہیں اتنا رقیب خانہ بر انداز سے سلوک دامان وجیب دیدہ و مرگان دانتیں ہر نقش پا ہے شوخ ترا رشک یا سمن</p>
<p>اتنا ہی میرے کوچے میں ہوتا جو میری جہاں کیا جانے کدھر کو گیا کچھ خبر نہیں</p>	
<p>مانند جام خالی گل سب جاہیاں ہیں زخم بدن ہمارے لفسیدہ ماہیاں ہیں دھل و سفیدیاں ہیں کھیاں دسیاہیاں ہیں جستہ وہ شوخ آنکھیں ہیں سرسپاہیاں ہیں دہ کار و داں گنہ ہیں بچاں بیگناہیاں ہیں مازک مزاجیاں ہیں بلک کلاہیاں ہیں</p>	<p>ساقی کے بلع برج کچھ کم ننگا ہیاں ہیں تیغ جھائے خوباں بے آب تھی کہ ہدم مسجد سے میکدے پر کاش ابرو درجے جس کی نظر پڑی ہو ان نے مجھے بھی دیکھا غالب تو یہ ہو زاہر حمت سے دور ہو یہ ناز و سرگرائی اللہ سے کہ ہر دم</p>
<p>شاہدوں میں کس کو اہل محلہ سے میں محضر پہ غلوں کے میرے سب کی گواہیاں ہیں</p>	
<p>ولے کم ہیں بہت دے لوگ جن کو یار کہتے ہیں نہ تھا اس دور میں آیا جسے ہشیار کہتے ہیں وہ میں ہی ہوں کہ جس کو عافیت یار کہتے ہیں جسے میرے وطن میں کبک خوش قرار کہتے ہیں غلط اور کوچ نامعقول بعضے یار کہتے ہیں</p>	<p>کچھ بھی یار اپنا یوں تو ہم ہر بار کہتے ہیں جہاں کے مصطفیٰ میں مست طالع ہی نظر آئے سمجھ کر ذکر کر آسودگی کا مجھ سے اسے ناصح مسافر ہو مے جی اس کا خراں دیکھ کر تجھ کو معاذ اللہ دخل کفر ہو اسلام میں کیوں ہو</p>

علم کو کب ہے وجہ تسمیہ لازم سمجھ دیکھو  
تری آنکھوں کو آؤں دیکھنے میں تو عجب مت کر  
عجب ہوتے ہیں شاعر بھی میں اس فرقے کا عاشق ہو  
مرے ان کے اڑا لیکن نہ یہ سمجھیں تو بہتر ہو

سگ کو میسر میں اس شیر حق کا ہوں کہ جس کو سب  
نبی کا خویش و بھائی حیدر کرار کہتے ہیں

ایک پرواز کو بھی رخصت صیاد نہیں  
شیخ عزت تو تیرے خاک بھی پہنچا گی بہم  
دادے چھوڑوں میں صیاد سے اپنی لیکن  
کیوں ہو معذور بھی رکھ لوں تو سمجھوں شیخ

کیا کہوں میسر فراموش کیا ان نے مجھے  
میں تو قریب بھی کی پر تو اُسے یاد نہیں

آجائیں ہم نظر جو کوئی دم بہت ہو بھیاں  
یک لحظہ سینہ کو بی سے فرصت نہیں  
حاصل ہو کیا سوائے ترائی کے دہریں  
مائل بغیر ہونا تجھ ابرو کا عیب ہے  
ہم دہروان راہ فنا دیر رہ چکے  
اس بندے میں معنی کا کس سے کریں سوال  
عالم میں لوگ ملنے کی گوں اب نہیں رہو  
ویسا چمن سے سادہ نکلتا نہیں کوئی  
اعجازِ عیسوی سے نہیں بحث عشق میں  
میرے ہلاک کرنے کا غم ہے عبث تمہیں  
دل مت لگاؤ عرق آلود یار سے

ہملت ہیں لبانِ شمر کم بہت ہو بھیاں  
یعنی کہ دل کے جانیکا ماتم بہت ہو بھیاں  
اٹھ آسمان تلے سے کہ شبنم بہت ہو بھیاں  
تھی نہ ور یہ کہاں لے خم چم بہت ہو بھیاں  
دقہ لبانِ صبح کوئی دم بہت ہو بھیاں  
آدم نہیں ہو صورتِ آدم بہت ہو بھیاں  
ہر چند ایسا ویسا تو عالم بہت ہو بھیاں  
رنجینی ایک اور خم و چم بہت ہو بھیاں  
تیری ہی بات جان مجسم بہت ہو بھیاں  
تم شاد زندگانی کرو غم بہت ہو بھیاں  
آئینہ کو اٹھا کر میں غم بہت ہو بھیاں

شاید کہ کام صبح تک اپنا کھینچے نہ میسر  
احوال آج شام سے درہم بہت ہو بھیاں

اور مطلق اب دماغ اپنا وفا کرتا نہیں  
وہ سخن نشوونگ مسیرا کہا کرتا نہیں  
یہ سمجھ کر ہنشین اب میں دوا کرتا نہیں  
ورنہ کس شب آپ کو میں بد دعا کرتا نہیں  
گور بن کوئی صلا میں لب کو داکرتا نہیں  
مربع سیر آہنگ کو کوئی رہا کرتا نہیں  
ناز کو اس سے تو اک دم بھی جدا کرتا نہیں  
دل بھی بد کرتا ہو مجھ سے تو بھلا کرتا نہیں

آہ وہ عاشق ستم ترک جفا کرتا نہیں  
بات میں غیروں کو چپ کردوں ولیکن کیا کروں  
روز بدتر جیسے بیمار اجل ہو دل کا حال  
گو کیا باب اجابت ہجر میں تیغ اہوا  
بیکسان عشق اُس کے آہ کسکے پاس جائیں  
چھوٹا ممکن نہیں اپنا قفس کی قید سے  
چرخ کی بھی کج ادائی ہم ہی پہ جاتی چویش  
دیکھ اُسے بیدید ہوا آنکھوں سے کیا دیکھا بھلا

کیا کہوں پنچا کہاں تک میسر اپنا کافوق  
یہاں سے کس دن اک نیا قاصد بھلا کرتا نہیں

اب دل گرفتگی سے آزار کھینچتے ہیں  
وے بات بات میں اب تلوار کھینچتے ہیں  
ہم بیچ اپنے اُس کے دیوار کھینچتے ہیں  
تصدیق گھر میں بیٹھے ناچار کھینچتے ہیں  
حق جو کہے ہو اُس کو سچاں دار کھینچتے ہیں  
ناز اُس بلائی جاں کے سب بار کھینچتے ہیں

لیتے ہیں سانس یوں ہم جوں تار کھینچتے ہیں  
سینہ سپر کیا تھا جن کے لئے بلا سکا  
محلس میں تیری ہکو کب غیر خوش لگے ہے  
برہم قوتی ہے ہم کو چاروں طرف سے کھویا  
منصور کی حقیقت تم نے سنی ہی ہوگی  
شکوہ کروں تو کس سے کیا شیخ کیا برہمن

نادک سے میسر اُس کے دل بستگی تھی مجھ کو  
پریاں جگر سے میسر دُشوار کھینچتے ہیں

ماتا کیا خدا کی طرح ان بٹاں کو میں  
یہ کہہ رکھا ہو اپنی ہر اک مہرباں کو میں  
دیتا رہوں گا چرخِ مداہم سماں کو میں  
رکھنا نہ پڑے غریبوں اس میماں کو میں

سمجھا تاکت اپنی تو سود و زیان کو میں  
لا دیں اُسے بھی بعد سر میری لاش پر  
گردشِ فلک کی کیا ہو جو دورِ قلعہ میں ہو  
جی جاوے تو قبول ترا غم نہ جائیو

عاشق ہو یا مریض ہو پوچھو تو میسر  
پاتا ہوں زرد روز بہ روز اس جہاں میں

لے نہ جائیو۔ دُعا تیرے۔ غائب ہے بھی اسی طرح دُعا تیرے استعمال کیا ہو۔ تمہارے اُمیو اسے طرہ ہائے غم ہم آگے۔



کر نالہ کشی کب تیں اوقات گزاریں  
ہر دم کا بگڑنا تو کچھ اب چھوٹا ہو اُن سے  
دل میں جو کچھ جوش غم اٹھتا ہو تو تادیر  
کیا ظلم ہو اُس خونی عالم کی گلی میں  
جس جا کہ غصہ خار کے اب ڈھیر لگے ہیں  
کیونکر کہ رہو شرم مری شہر میں جب آہ  
وے ہو تھک کہ جو شور سیمائی کا جن کے  
منظور ہو کہتے سہرے شوریدہ کا دینا  
بالیں پر سر اک عمر سے ہو دستِ طلب کا  
ان لوگوں کے تو گرد نہ پھر سب ہیں لباسی

فریاد کریں کس سے کہاں جا کے پکاریں  
شاید کسی ناکام کا بھی کام سنواریں  
آنکھوں سے چلی جاتی ہیں مریا کی مہاریں  
جب ہم گئے دو چار نئی دیکھیں مزاریں  
یہاں ہم نے انھیں آنکھوں سے دیکھیں یہاں ہیں  
ناموس کہاں آتیں جو دریا پہ انداریں  
دم لیویں نہ دو چار کو تاجی سے نہاریں  
چڑھ جائے نظر کوئی تو یہ بوجھ اُتاریں  
جو ہو سو گدا کس نے جا ہاتھ پساریں  
تنگ گز بھی جو یہ پھاڑیں تو اک گونجی واریں

ناچار ہو نہ صحت جو منگنا بھی 'تو' بولا

ہیں کیا کروں جو میسر جی جاتے ہیں سہاریں

یوں ہی حیران و خفا جوں غمچہ تصویر ہوں  
اتنی باتیں مت بنا مجھ شیفہ سے نا صحا  
سرخ رہتی ہیں مری آنکھیں لہو سے سی شیخ  
لے فلک پر راہ مجھ کو نے زمیں پر رو بکھے  
جو مرے حصے میں آوے تیغِ جھمھر سل و کار د  
کھول کر دیوان میرا دیکھ قدرت مدعی

عمر گزری پر نہ جانا میں کہ کیوں دلگیر ہوں  
پند کے لائق نہیں میں قابلِ زنجیر ہوں  
مگر اگر ثابت ہو مجھ پر واجبِ تعزیر ہوں  
ایسے کس محروم کا میں شور بے تاثیر ہوں  
یہ فضولی ہو کہ میں ہی کشتہ شمشیر ہوں  
گرچہ ہوں میں نوجواں پر عیال پر ہوں

اس قدر بے ننگ غبطوں کو نصیحتِ شیخ جی

باز آؤ ورنہ اپنے نام کا میں مستحضر ہوں

کے ہو کو کہن کر فکر میری خستہ حالی میں  
میں وہ پڑ مردہ سبز ہوں کہ ہو کر خاکِ سرزد  
تو سوچ کہ رنگِ پاں ہو یہ کہ خونِ عشقِ بازارِ سج  
بُرا کہنا بھی میرا خوش نہ آیا اسکو تو ورنہ  
مرے استاد کو فردسِ عالی میں لے جا کہ

اکھی ٹکڑ کر تا ہوں تری درگاہِ عالی میں  
یکایک آگیا اس آسماں کی پانگہاں میں  
سخن رکھتے ہیں کتنے شخص تیری لب کی آلی میں  
تسلی پہ دل نا شاد ہوتا ایک گالی میں  
پڑھایا کچھ نہ غیر از عشق مجھ کو خود سالی میں

<p>ملا ہو نہر اسے دل اس شراب ترنگالی میں بکھر ہیں سنگریزے میں نے اس میناؤ خالی میں</p>	<p>لگاؤ چشم پر چشم بتاں پرست نظر رکھنا شراب خون بن تر پھونکے دل لبریز ہوتا ہو</p>
<p>خلاف ان اور خوبان کے سلیہ جی میں ہوتا ہو یہی تو تیسرے اک غولی ہو معشوق خیالی میں</p>	
<p>روز برسات کی ہوا ہو یہاں کہ کوئی دل جلا گڑا ہو یہاں آر سی کی طرح صفا ہو یہاں جان محضوں کا اور کیا ہو یہاں ایک لڑاں جملہ کر بلا ہو یہاں ہر طرف ظلم ہو رہا ہو یہاں سینہ کو بی ہو اتھریا ہو یہاں روز و شب طرفہ ماجرا ہو یہاں جائے رونے کی جا بجا ہو یہاں آج تک کوئی بھی سہا ہو یہاں بچھ سے آگے یہ کچھ ہوا ہو یہاں</p>	<p>آہ اور اشک ہی سدا ہو یہاں جس جگہ ہو زمین تفتہ کسبجہ گو کہ دور ت سے وہ نہ دیوے رو رند مفلس جگر میں آہ نہیں کیسے کیسے مکان ہیں ستھرے اک سکتا ہو ایک مرتا ہے صد تمنا شہید ہیں یکجا دیدنی ہو غرض یہ صحبت شوخ خانہ عاشقاں ہو جائے خوب کوہ و صحرا بھی کر نہ جائے باش ہر جنبش ہر مہمیت مستنا ہے</p>
<p>موت مجنوں کو بھی یہیں آئی کو کہن کل ہی مر گیا ہو یہاں</p>	
<p>یہیں آگے بہا ریں ہو گئی ہیں گریاں کی سی تاریں ہو گئی ہیں مزاریں ہی مزاریں ہو گئی ہیں کہ موجیں سب کٹا ریں ہو گئی ہیں</p>	<p>جہاں اب خار زاریں ہو گئی ہیں جنوں میں خشک ہو گئے گردن سنا جاتا ہو شہر عشق کے گرد اُسی دریا تے غولی کا ہو یہ شوق</p>
<p>انھیں گلیوں میں جب دتے تھے ہم تیسرے کئی دریا کی دھاریں ہو گئی ہیں</p>	
<p>یوں نہ کرنا تھا پاساں ہمیں کبھو پائے تبھی ہو بحال ہمیں</p>	<p>خوش نہ آئی تھاری چال ہیں حال کیا پوچھ پوچھ جاتے ہو</p>

<p>وہ دہاں وہ کمر ہی ہو مقصود اُس میر چارہ کی دُوری نے نظر آتے ہیں ہوتے جی کے وبال تنگی اس جا کی نقل کیا کرے صُرف للہ خم کے خم کرتے منجھے مال مست ہم درویش کبتاں اس تنگنا میں کھینچے رنج ترک سبزان شہر کرے اب</p>	<p>اور کچھ اب نہیں خیال ہمیں دل ہی دن میں کیا ہلال ہمیں حلقہ حلقہ بٹھارے بال ہمیں یہاں ہو واجب انتقال ہمیں نہ کیا چرخ نے کلال ہمیں کون کرتا ہے مشتمال ہمیں یہاں سے یارب تو ہی مال ہمیں بس بہت کر چکے نہال ہمیں</p>
<p>وجہ کیا ہے کہ میر منہ پہ ترے نظر آتا ہے کچھ ملال ہمیں</p>	
<p>زمانہ ہووے مسعد تو روزگار کریں دُعا نہ پہنچے چین تک ہم اب ہزار کریں نصیب اُس کے کہ جس کو تراشکار کریں یکاش ملنے نہ ملنے کا کچھ مترا کریں رہا ہو ایک مت جی سو کیا نشتار کریں یہ کہہ کہ آہ تراکت تک انتظار کریں سنان آہ دل شب کی ہم بھی پار کریں جو دشمنی نہ کرے وہ تو اُس کو پار کریں</p>	<p>نہ کیونکہ شیخ تو گل کو اختیار کریں گیا وہ زمزمہ صبح فصل گل بلبل تمام صید ستر تیر جمع ہیں لیکن تسلی تو ہو دل بقیہ رنخو باں سے ہیں تو نزع میں شرمندہ آؤاں کیا مرہی سہی بھی گئی عمر تیرے پیچھے پار کریں ہیں حادثے ہر روز وار آخر تو یہ قتل غیر ہو کیا کام ہنشیناں آج</p>
<p>ہوا ہوں خاک! اس واسطے کہ خواب میر گزار گور پہ میری بھی ایک بار کریں</p>	
<p>نہ گلے سے میرے اترا کبھو قطرہ آب تجھ بن کہ محلے کے محلے پڑے ہیں خسراب تجھ بن شب میخ ہو گئی ہو شبِ مہتاب تجھ بن یہی رونا جلنا گلنا یہی اضطراب تجھ بن مری جان پر رہا ہے غرض اک عذاب تجھ بن</p>	<p>یہ غلط کہ میں پیما ہوں قدح شراب تجھ بن یہی بستی عاشقوں کی کبھو میر کرنے چل تو میں ہو پیوں ہوں غم میں عوض شراب ساقی گئی عمر میری ساری جیسے جمع باد کے بیج سبھی آتشیں ہیں نالے سبھی زہر بری آہیں</p>

ترے غم کا شکر نعمت کروں کیا اور مہجور میں  
نہیں جیتے گی تو ممکن ہیں تجھے بغیر سونا  
نہوا کہ میں نہ کھایا جب گریہ کباب تجھ بن  
مگر آنکھ مر کے کیجے تیرے خاک خواب تجھ بن

برے حال ہو کے مرتاج و رنگ میسر کرتا  
یہ بھلا ہوا سنگر کہ مواسطاب تجھ بن

تکلیف بلوغ کن لے کی تجھے خوشی ہاں کہ تیں  
تیرا بھی اب ہا نہیں شرمندگی ہے جو  
آئے عدم سے ہستی میں پس پر نہیں قرار  
سنائے میں مانع کے کچھ اٹھتے ہیں نسیم  
اک گردش اور فلک کہ ہوا اٹھائے راہ سے  
تو اک رہاں پہ چکی نہیں بہتی عنذ لب  
دیتا ہے اک رنگ ترا گلستاں کے تیں  
گر پڑ کے برق پاؤں مرے آشیان کے تیں  
ہو ان مسافروں کا ارادہ کہاں کے تیں  
مرزع چین تجھ غوب متھا ہو نفاں کے تیں  
کنتاں کی اور راہ غلط کارواں کے تیں  
رکھتا ہو منہ میں غم پھول سوزیاں کے تیں

ہم تو ہوئے تجھ سے اس دن ہی نا امید  
جس دن سنا کہ ان نے ویا دل بتاں کے تیں

موتے سے سہتے جفا کاریاں  
ہماری تو گزری اسی طور عمر  
فرشتہ جہاں کام کرتا نہ بٹھا  
گیا جان سے اک جہاں لبیک شوق  
کہاں تک یہ تکلیف مالا لیا  
خط و کمال و زلف و انداز و ناز  
کیا درد و غم نے مجھے نا امید  
تری آشنائی سے ہی حد ہوئی  
کوئی ہم سے سیکھے وفا داریاں  
یہی نالہ کرنا یہی زاریاں  
مری آہ نے جھپٹیاں ماریاں  
نہ تجھ سے کہیں یہ دل آزاریاں  
ہوئیں مدتوں ناز و برداریاں  
ہوئیں دام رہ صد گرفتاریاں  
کہ مجنوں کو یہی تھیں بیماریاں  
بہت کی تھیں دنیا میں ہم بیماریاں

نہ بھائی ہماری تو قدرت نہیں

کچھ نہیں میرے تجھ سے ہی یہ خواہیاں

دن نہیں ات نہیں صبح نہیں شام نہیں  
مثل غنقا مجھے تم دور سے سن لو ورنہ  
وقت ملنے کا مگر داخل ایام نہیں  
ننگ ہستی ہوں مری جاؤ بجز نام نہیں

لے میر کا یہ شعر بھی ایسا ہی ہوسہ آوازہ ہی جہاں میں ہمارا سنا کر دے غنقا کی طرح زلیست اور اپنی بنام بھان

خطر راہِ وفا بلکہ بہت دور کھنچا پڑے  
عمر گزری کہ ہم نامہ و غم نہیں  
راز پوشی محبت کے تنیں چاہئے ضبط  
سو تو بیتابی دل بن تجھے آرام نہیں

بیقراری جو کوئی دیکھے ہو سو کہتا ہے  
کچھ تو ہے میسر کہ اک دم تجھے آرام نہیں

کیا ظلم کیا تعدی کیا جور کیا جفا نہیں  
دیکھا کہاں وہ نسخہ اک روگ میں بسا ہوا  
اک رنگ گل لڑھکنا یہاں بو نہیں کیا ہے  
ہو فرش عرش تک بھی قلب خیز کا اپنے  
شب نالہ آسماں تک جی سخت کر کے پہنچا  
روکش تو ہو ترا پر آئینے میں کہاں یہ  
ہو امر سہل چاہت لیکن نیا ہر شکل

ناز بتان سادہ ہے اللہ اللہ اور ہمیت  
ہم خطے مٹ گئے پر ان کے نہیں ہو جھانیں

آرزو میں ہزار رکھتے ہیں  
برق کم حوصلہ ہو ہم بھی تو  
غیر ہی موردِ عنایت ہے  
نہ نگہ نے پیام نے وعدہ  
ہم سے خوش زمزمہ کہاں لوین تو  
چوٹے دل کے ہیں بتاں مشہور

پھر بھی کرتے ہیں صاحبِ عشق  
ہیں جواں اختیار رکھتے ہیں

گزر جان سے اور در کچھ نہیں  
ہو اب کام دل جس پر موتوں تو  
ہوا مائل اس سرو کا دل مرا  
نہ کر اپنے محزول کا ہرگز سرائے  
رو عشق میں پھر خط کچھ نہیں  
وہ نالہ کہ جس میں اثر کچھ نہیں  
بجز جور جس سے شمر کچھ نہیں  
گئے گزرے بس اب خبر کچھ نہیں

<p>لہو اب جگر میں مگر کچھ نہیں مرا حال مد نظر کچھ نہیں یہ رونا بھلا کیا ہو گر کچھ نہیں</p>	<p>شری ہو چکی خشک شرکوں کی سب حیا سے نہیں پشت پا رہہ چشم کروں کیونکہ انکار عشق آہ میں</p>
<p>کمر اس کی رشک گج جاں ہو میر غرض اس سے باریک تر کچھ نہیں گوش گل سے لگتے تھے جا کے سودہ سہم نہیں وے اگر ہو دیں گے اس کے درمیاں تو ہم نہیں</p>	<p>نالہ قید نفس سے چھوٹ اب اک دم نہیں ہم پہ کھینچی تیغ تو غیروں کو ٹک لگنے نہ دے بت برہن کوئی نا محرم نہیں اللہ کا ہے حرم میں شیخ لیکن میسر وہ محرم نہیں</p>
<p>ہوئے ہیں دل جگر کی سامنے رستم ہیں یہ دونوں لکھوں کیا عشق کے حالات نا محرم ہیں یہ دونوں جراحت ہیں اگر ہے دونوں تو مریم ہیں یہ دونوں ہمارے دیدہ نم دیدہ کیا کچھ کم ہیں یہ دونوں اگر چہ آب حیواں ہیں و لیکن سم ہیں یہ دونوں ہمارے کشت دھن میں متفق باہم ہیں یہ دونوں چمن میں ہر درزی کے گل و شبنم ہیں یہ دونوں سم ہجراں میں چھاتی کے ہمارے جم ہیں یہ دونوں</p>	<p>تری ابرو تیغ تیز تو اہم ہیں یہ دونوں نہ کچھ کاغذ میں ہو تہ نے قلم کو دردنا لوں کا لہو آنکھوں سے بہتے وقت رکھ لیتا ہوں با حقوں کو چشمہ پہ دریا کے دیا اوپر نظر رکھئے لب جاں بخش اس کے مار ہی رکھتے ہیں عاشق نہیں ابرو ہی مائل جھک ہی ہو تیغ بھی ایدھر کھلے سینے کے داغوں پر ٹھہر رہتے ہیں کچھ آنسو بکھو دل رکنے لگتا ہو جگر گاہے تڑپتا ہے</p>
<p>خدا جانے کہ دنیا میں ملیں اس سے کہ عقبی میں مکاں تو میر صاحب شرہ عالم ہیں یہ دونوں</p>	<p>لب ترے لعل ناب ہیں دونوں رہنا آنکھوں کا رویے گبتک ہو تکلف نقاب دے رخصار تن کے معمورہ میں ہی دل و چشم کچھ نہ پوچھو کہ آتش غم سے سو جگہ اس کی آنکھیں پڑتی ہیں</p>
<p>پر تمامی عتاب ہیں دونوں پھوٹنے ہی کے باب ہیں دونوں کیا چھپیں آفتاب ہیں دونوں گھر تھے دو سو خراب ہیں دونوں جگر و دل کیا باب ہیں دونوں جیسے مست شراب ہیں دونوں</p>	<p>لب ترے لعل ناب ہیں دونوں رہنا آنکھوں کا رویے گبتک ہو تکلف نقاب دے رخصار تن کے معمورہ میں ہی دل و چشم کچھ نہ پوچھو کہ آتش غم سے سو جگہ اس کی آنکھیں پڑتی ہیں</p>

اب تو سرمست خواب ہیں دونوں  
دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں  
اُس کے لب ہی جواب ہیں دونوں

پانوں میں وہ لشفہ طلب کا نہیں  
ایک سب آگ ایک سب پانی  
بحشت کا ہیکو نعل و مرجاں سے

آگے دریا تھے دیدہ تر میسر  
اب جو دیکھو سراب ہیں دونوں

## ردیف واو

نکالا سے میرے جائے موخارِ منیلاں کو  
کہ گورستان سے گاؤں جدا ہم اہل ہجران کو  
بنایا ہی شجر کیا جائے کس مو پریشاں کو  
کیا دشوار نادانی سے ہم نے کار آساں کو  
کہ موتی آبِ حیاں جانتے ہیں آبِ انساں کو  
تاشا کر غبارِ انسانی خاکِ عزیزاں کو  
دمِ افسردہ کر دے منجرِ شجاستِ باران کو  
اس آبِ چشم کی پوششِ ذی آتش دی نیستاں کو  
ملا پانوں تلے جیتک نہ چشم صد غزالاں کو  
کہ جامِ خون دی ہو ہر سحرِ ریاپے سماں کو  
دہانِ زخمِ دل سمجھ جو دیکھا رے خنداں کو  
کیا ہو مضطرب ہر ذرہ گردِ بیا بیاں کو  
کہ مارا جائے بونظا ہر کرے اس از پنہاں کو  
ایک اک سنس میری روئے پر کہ دیکھتے یہ دنیاں کو  
چلا تو سوپ کر کس کے تین اس صیدِ بیجاں کو  
ملا یا خاک میں دانہ منطِ حسرتِ دہقان کو  
نہ دے برباد حسرتِ کشتہ سر در گریباں کو

فلک نے گر کیا رخصت مجھے سیرِ بیا بیاں کو  
وہ ظالم بھی تو سمجھے کہہ رکھا ہی ہم نے یاراں کو  
نہیں یہ بید مجنوں گردشِ گردوں گرداں نے  
ہوئے تھے چپے مر جاتے پر اپنا تو سخت حسرت  
کہیں نسل آدمی کی اٹھ نجاوے اس نہ مانے میں  
سمجھے کہ چشمِ عورت ہی تو آندھی اور بگولے سے  
ہوئے ابر میں گرمی نہیں جو تو نہ ہو ساقی  
جلیں ہیں کب کے ترگاں آنسوؤں کی گر جوئی تو  
غور ناز سے آنکھیں نہ کھولیں اُس جفا جوئے  
نہ سی چشمِ طمعِ خوانِ فلک پر خام دستی سے  
بے ناواقفِ شادی اگر ہم نرم عشرت میں  
نہیں ریگِ واں مجنوں کی دل کی سبقتاری نہ  
کسی کے واسطے رسوائے عالم ہو پہ چمی میں کہ  
گری پڑتی ہی بجلی تھی سے خرم گل پہ  
غور ناز قاتل کو لئے جاسے کوئی پوچھے  
وہ تخمِ سوختہ تھے ہم کہ سر سبزی نہ کی حاصل  
ہوا ہوں غنچہ پڑ مردہ آخر فصل کا سمجھ بن

لے ہوئے تھے جیسے یعنی جیسے ہی پیدا ہوئے تھے ۱۲

<p>گم واندوہ و بیتابی الم بریطاقتی حسراں بہت روئے جو ہم یہ استیں رکھ منہ پڑی بجلی</p>	<p>کہوں اے ہمیشیں تا چند نعم ہائے فراواں کو چشم کمر سے دیکھ اس یادگار چشم گریاں کو</p>
<p>مزاج اس وقت ہو اک مطیع تازہ پہ چھ مائل کہ بے فکر سخن بنتی نہیں ہرگز سنخداں کو</p>	
<p>نسیم مصر کب آئی سوادِ شہر کنعاں کو زبانِ نوحہ گر ہوں میں قضا نے کیا ملایا تھا کوئی کانٹا سرہ کا ہماری خاک پر بس ہو یہ کیا جانوں ہوا سینے میں کیا اس دل کو نالصح گل و سنبل ہیں نیز نگ قضا مت سرسری لڑ صدائے آہ جیتے تیر جی کے پار ہوئی ہے کریں بال ملک فریش رہ اس ساعت کہ محشر میں کیا سیر اس خرابے کا بہت اب چلے سورہے بہائے سہل پر دیتے ہیں کس محبوب کو کف سے</p>	<p>کہ سہم بھولی نہ یہاں سے لیکن گہما گہماں کو مری طینت میں یارب سو دہ دہما گہماں کو گل گلزار کیا درکار ہو گویہ غریباں کو سحر خوں بستہ تو دیکھا تھا میں نے اپنی شرکاں کو کہ بگڑی زلف و رخ کیا کیا بنالی اس گلستاں کو کسو سید روئے کھینچا کسو کو دل سے پیکاں کو لوٹو با کفن لاوین شہیدِ نازِ خوباں کو کسو دیوار کے سایہ میں منہ پر لیکے داماں کو قلم اس جرم پر کرنا ہے دستِ گل فروشاں کو</p>
<p>تری ہی جستجو میں گم ہوا ہو کہ کہاں کھویا جگر خوں گشتہ دل آزر دہ میسر اُس نہ دیر کی</p>	
<p>قد کیلچے ہو جسوقت تو ہو طرفہ ملا تو گر اپنی روش راہ چلا یار تو اچکبک بے گل نہیں بلبل تجھے بھی چین پہ بھییں خوش رہو بہت اچکبک تر تو بھی لیکن کیا جانے اچکبک مقصد تو کیاں ہو اس جیتے کو ابل کو اٹھا بیٹھیں گے ہم بھی منظر میں بدن کے بھی یک طرفہ مکان تھا تھے چاک گریبان گلستاں میں گلوں کے</p>	<p>کہتا ہو ترا سایہ پری سے کہ ہو کیا تو رہجا رنگا دیوار گلستاں سے لگا تو مرستہ ہیں ہم ایک طرف باغ میں یا تو انصاف ہو منہ تیرے ہی لیا ہو بھلا تو ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملا تو ہو تجھ کو قسم ظلم سے مت ہاتھ اٹھا تو افسوس کہ ملک دل میں ہمارے نہ رہا تو نکلا ہو مگر کھولے ہوئے بند قبا تو</p>
<p>بیہوشی سی آتی ہو تجھے اُس کی گلی میں کہ ہو سکے اچکبک تو اُس راہ نہ جا تو</p>	



خط لکھنے کوئی سادہ نہ اُس کو ملوں ہو چاہوں تو بھر کے کوئی اٹھالوں ابھی تھیں سرہ جو فور بخشنے ہو آنکھوں کو خلق کی جادیں نثار ہوئے کو ہم کس بساط پر ہم ان دنوں میں لگ نہیں پڑے ہیں صبحِ ثناء دل لیکے نوڈے دئی کے کب کا پچا گئے	ہم تو ہوں بدگمان جو قاصدِ رسول ہو کیسے ہی بھاری ہوئے آگے تو پھول ہو شاید کہ راہِ یار کی ہی خاک وصول ہو اک نیمجائیں نکھیں ہیں سوہ جب قبول ہو ورنہ دعا کریں تو جو چاہیں حصول ہو اب ان سے کھائی لی ہوئی ڈر کیا وصول ہو
---	--

نا کام اس لئے ہو کہ چاہو ہو سب بچاؤ  
تم بھی تو میسر صاحبِ قبلہ عجل ہو

کہتے ہو اتنا ادھر ہم کو شوق ہی شوق ہو نہیں معلوم خط سے نکلے ہو یوفائی شن آہ کس ڈھب سے رویے کم کم شیخ پر مغال کی خدمت میں سادگی دیکھ عشق میں سُکی بدگمانی سے جس سے تیرے آہ دوستی ایک سے بھی کچھ کو نہیں	اباں کو اعتماد ہی ہو اُس سے کیا دل نہاد ہی ہو اس قدر تو سواد ہی ہو شوق حد سے زیادہ ہی ہو دل سے اک اعتقاد ہی ہو خواہش جانِ شاد ہی ہو قصدِ شور و فساد ہی ہو اور سب سے عناد ہی ہو
---	---

نامِ ارادہ زلیست کرتا تھا  
میسر کا طور یاد ہے ہم کو

مباد کہنے پہ اُس بت کی طبع آئی ہو مرد نہ اتنی بھی کی بخت ناموافق نے ہنوز طفل ہو وہ ظلمِ پیشہ کیا جانے بوں سے تیرے تھا آگے ہی لعلِ سرخ زور خدا کرے کہ نصیب اپنے ہو نہ آزادی مڑے کو عشق کی ذلت کے جانتا ہو وہی اُس آنتاب سے تو فیض سب کو پہنچے ہے	پھر ایک بس ہو وہی گو اُدھر خدائی ہو کہ مدعی سے اُسے ایک دن لڑائی ہو لگاڑے تیغِ سلیقہ سے جو لگائی ہو قسم ہو میں نے اگر بات بھی چلائی ہو کہدھر کے ہو جے جو بڑی بال و پر رہائی ہو کسو کی جن نے کججولات مٹائی کھائی ہو یقین ہو کہ کچھ اپنی ہی نارسائی ہو
---	--

بیان کریے جو ایک اُس کی بے ادانی ہو  
دوا کے واسطے بھی مہر ٹک نہ پائی ہو  
اگر نصیب ترے کوچہ کی گدائی ہو  
غموں کی دل میں بھلا کب تلک سمائی ہو  
ترا بھی قصد اگر ترک پارسائی ہو

کبھو ہر چھپر کبھو گالی ہو کبھو چٹھک  
دیبا رخصت میں غالب کہ خستہ جانوں نے  
ہزار مرتبہ بہتر ہے بادشاہی سے  
جو کوئی دم ہو تو کوہو سپاہی کے رہجاول  
آنگن سے راہ تو ہو جائے رفتہ رفتہ شفیق

کہیں تو ہیں کہ عبرت میسر نے دیا جی کو  
خدا ہی جانے کہ کیا جی میں اُس کے آئی ہو

کیا جانے منہ سے نکلے نالہ کے کیا سماں ہو  
ایر اشک شوق اک دم نہا پر رواں ہو  
یا ہو صدا جس کی یا گرد کارواں ہو  
آسودہ وہ کسوکا جو خاک آستان ہو  
ای آہ صبح گاہی آشوب آسمان ہو  
مانندِ عندلیب کم کردہ آشیان ہو  
خاک چمن کے اوپر برگِ خزاں جہاں ہو  
گر پیرہن میں میرے میرا تجھے گماں ہو  
کہتے ہیں لوگ اکثر اس وقت تم کہاں ہو  
گرد و غبار صورت تیرا نہ درمیاں ہو  
اب تک بھی نیم جاں ہوں اگر قصد امتحاں ہو  
اتنے لئے کہ شاید اک باؤ گلشن ہو

ای چرخ مست حریفانِ اندوہ بیکساں ہو  
کبتنگ گرہ رہیگا سینہ میں دل کے مانند  
ہم دور ماندگاں کی منزل رساں مگر اب  
مسند نشین ہو گر عرصہ ہو تنگ اُس پر  
ناچند کوچہ گردی جیسے صبا میں پر  
گرد و قیر میرے تو آوارہ اس چمن میں  
یہ جان تو کہ ہواک آوارہ دست بردل  
کیا ہو جابِ سال بھیاں آدیکھ اپنی آنکھوں  
از غولیش رفتہ ہر دم ہستے ہیں ہم جو اس بن  
بتھرتے توڑ ڈالوں آئینہ کو ابھی میں  
اس تیغ زن سے کہیو قاصد مری طرف سے  
ہمسایہ اس چمن کے کتنے شکستہ پر ہیں

میسر اُس کو جان کر توبے شبہ ملیورہ پر  
صحرا میں جو ند مو بیٹھا کوئی جواں ہو

آرزو ہے کہ تم ادھر دیکھو  
آہ تم بھی تو اک نظر دیکھو  
جس طرح اوس سچل پر دیکھو  
ناخن شوق کا ہنر دیکھو

گرچہ کب دیکھتے ہو پر دیکھو  
عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہو  
یوں عرق جلوہ گر ہو اُس مگر پر  
ہر خراش جبیں جراحت ہو

تھے ہمیں آرزو لبِ خنداں رنگِ رفتہ بھی دل کو ٹھنپے ہو دل ہوا ہو طرفِ محبت کا پہنچے ہیں ہم قریبِ مرنے کے	سو عوض اُس کے چشم تر دیکھو ایک شب اور یہاں سحر دیکھو خون کے قطرے کا جگر دیکھو یعنی جالتے ہیں دور اگر دیکھو
---	---

لطفِ تجھ میں بھی ہیں ہزارں میسر  
دیدنی ہوں جو سوچ کر دیکھو

آرام ہو چکا مرے جسمِ نزار کو پانی پہ جیسے غنچہ لالہ پھرے بہا برسا تو میرے دیدہ خونبار کے حضو ہنستا ہی میں پھر دل ہر کچھ ہو اختیار آیا جہاں میں دست بھی ہو ڈھیں بیکر سو بار یوں تو غیر دس کر رہا ہوں ہنسنا سہ گشتگی سوائے نہ دیکھا جہاں میں کچھ کس کس کی خاکِ لب کی لالی ہو خاکِ لب اے وہ کوئی جو آج پئے ہو شرابِ عیش خواب کا کیا جگر جو کریں مجھ کو اپنا صید جیتے جی فکرِ خوب ہو در نہ یہ بد بلا	رکے خدا جہاں میں دل بیقرار کو دیکھا میں آنسوؤں میں دلِ داغدار کو پر اب تک انفعال ہو اب بہار کو پر کیا کروں میں دیدہ بڑا اختیار کو تجھ سے تو دشمنی ہی رہی میری یار کو کچھ منہ بنار ہو ہو ہاری ہی بار کو اک عمر خضر سیر کیا اس دیار کو جاتی ہو پھر نسیم اسی رہ گزار کو خاطر میں رکھو کل کے بھی لہجہ دھار کو پر جانتا ہو سب گویا تیرے شکار کو رکھے گا شتر تک نہ بٹلا ہزار کو
--	---

گر ساتھ لے گڑا تو دل مضربِ میسر  
آرام ہو چکا ترے مشتِ عیار کو

اچھی لگے ہو تجھ بن گلگشتِ بان کس کو بے سوز داغِ دل پر گر بھی جلے بجائے صدِ چشمِ داغِ دہاں دل پر گزریں وہ ہوں گلچینِ عیش ہوئے ہم بھی چین میں جا کر	صحبت رکھے گلوں سے اتنا داغ کس کو اچھا لگے ہو اپنا گھر بے چراغ کس کو دکھلا رہا ہو لالہ تو اپنا داغ کس کو آہ و فغاں سے اپنی لیکن فراغ کس کو
--	--

اُس کی بلا سے جو ہم اے میسر کم بھی ہوئیں  
ہم سے غریب کا ہو فکرِ سراغ کس کو

دن گزرتا ہو مجھے فکر ہی میں تاکیا ہو سب ہیں دیدار کے مشتاق پراسے غافل خاک حسرت زدگان پر تو گزربوسواس گر بہشت آئے تو آنکھوں میں مری چھپکی لگو شوق جاتا ہو ہمیں یار کے کوچے کو لئے ایک رونا ہی نہیں آہ و غم و نالہ و درد	رات جاتی ہو اسی غم میں کہ فردا کیا ہو حشر برپا ہو کہ فتنہ آٹھے آیا کیا ہو ان ستم کشوں سے اب عرض تننا کیا ہو جن نے دیکھا ہو تجھے محو تماش کیا ہو جائے معلوم ہو کیا جائے اُس جا کیا ہو ہجر میں زندگی کر نیکی تیں کیا کیا ہو
---	--

خاک میں لوٹوں کہ لوہوں میں بناؤں میں تیر  
یا ستنی ہو اُس کو مری پردا کیا ہو

دلہا کہاں ہو ہم سے جیسا کہ آگے تھا تو چالیں تمام بیڑھ باتیں فریب ہیں سب جاتے نہیں اٹھائے یہ شور ہر سحر کے آبر ایک دودم آپس میں رکھیں صحبت تقریب پر بھی تو تو پہلو ہتی کرے ہے تیرے دہن سے اُس کو نسبت ہو کچھ تو کہتے دل کیونکہ راست آئے دعوائے آشنائی ہر فرد یاں بھی ہو دفتر ہو تجھ گلے کا عالم ہو شوق کشہ خلقت ہو تیری فرستہ منہ کرے جس طرف کو سو ہی تری طرف ہو آتی بخود نہیں ہے باو بہار اب تک کم میری اور آنا کم آنکھ کا ملانا گفت و شنود اکثر میری تری ہے ہو	اوروں سے مل کے پیارے کچھ اور ہو گیا تو حاصل کہ اگر شکر لباب وہ نہیں رہا تو یا اب چین میں بلبل ہم ہی ہیں گے یا تو کڑھنے کو ہول میں آندھی رٹنے کو ہو ملا تو دن بار عید آئی کب کب گلے ملا تو گل گو کرے ہو دعویٰ خاطر میں کچھ نہ لا تو دریائے حسن وہ مہ کشتی بخت گدا تو ہو قہر جبکہ ہو گا حرفوں سے آشناتو جانوں کی آرزو تو آنکھوں کا مدعا تو پر کچھ نہیں ہو پیدا کیدھر ہو اے خدا تو دو گام تھا چمن میں ٹک ناز سے چلا تو کرنے سے یہ ادائیں ہو مدعا کہ جاتا تو نظام معاف رکھو میرا کہا سُناتا تو
---	--

کہہ سناچھ کے موئے کو ای میر رو میں کبتک  
جیسے چراغ مفلس اک دم میں جل بجھا تو

غولبی یہی نہیں ہے کہ انداز و ناز ہو سجدہ کا کیا مضائقہ محراب تیغ میں	مستشوق کا ہو حسن اگر دل نواز ہو پر یہ تو ہو کہ نقش پہ میری ناز ہو
---	--

<p>تا عشق میں ہوس میں تنہا تیار ہو وہ دل ہی کیسا ہو جو گرم گداز ہو مل بیٹھے جو اس سے تو شکوہ انداز ہو اگر چشم گر یہ ناک نہ انشائے راز ہو جو آنکھ میرے خونی کے پھر دہ باز ہو</p>	<p>اک دم تو ہم میں تیغ کو تو بیدار کھینچ نزدیک سوز سیدنے کے رکھ اپنے قلب کو ہو فرق ہی میں خیر نکر آرزو وصل جوں توں کی اس کی چاہ کا پڑا کیا ہوں جوں چشم بسلی نہ مندی آویگی نظر</p>
<p>ہم سے بہ غیر غمزہ کبھو کچھ بنا نہ میر خوش حال وہ فقیر کہ جو بے نیاز ہو</p>	
<p>پھر مر بھی جائے تو کسو کو خیر نہو ڈرتا ہوں کہ اب کہیں ٹکڑی جگو نہو آہ سحر میں میری کہاں تک اثر نہو بد نظر یہ ہے کہ کسی کی نظر نہو خیراں نہوئے کوئی تو اس طرز پر نہو اک دل رکھوں ہوس میں تو کہہ سکو کہ نہو کافر کا بھی گزارا الہی اوسر نہو جس میں بجاؤ نقش قدم چشم تر نہو ہاں ہاں کسو شہید محبت کا سر نہو تیرا گزارا کہ کسو نقش پر نہو زہنا کوئی صدے کو زیر و زبر نہو اُس راہ ہو کے جاؤں یہ صودت جبر نہو امکان کیا کہ خون مرے تاکر نہو جھگڑا بے حال کو جس کی خبر نہو ظالم جفا شعار ترا رہ گزر نہو</p>	<p>نالہ مرا اگر سبب شور و شر نہو دل پر ہوا سو آہ کے صدے پہ چکا بر بھی سی پار عرش در گزری عاقبت سمجھا ہوں تیری آنکھ چھپا کر نہو کھینچے ہو دل کو زلفت کا ہونگے سے گاہ سو دل کو بھی نہ کام چلے اس کے عشق میں جس راہ ہو کے آج میں پہنچا ہوں جگہ تک یگانہ دیکھی آنکھوں سے ایسی تمام راہ ہر اک قدم پہ لوگ ڈرانے لگے مجھے چلیو سنبھل کر سب یہ شہیدان عشق ہیں دہن کشاں ہی جا کہ طیش پر پیش ہوں مضطرب ہو اختیار کی وہ شکل دل میں ہیں لیکن محبت نگاہ جہاں کیے اس طرف خیراں ہوں میں کہ ایسی یہ شہد کوئی آتا ہے یہ قیاس میں اب تجھ کو دیکھ کر</p>
<p>اٹھ جائے رسم نالہ واہ و فغان سب اس تیرہ روز گار میں تو میر اگر نہو</p>	
<p>لہ جو چشم بسلی یعنی چشم بسلی کی مانند۔</p>	

اہم سے تو تم کو ضد سی پڑی ہو خواہ مخواہ رکلاتے ہو  
 آنکھ اٹھا کر جب دیکھے ہیں اوروں میں ہنستے جاتے ہو  
 جب ملنے کا سوال کروں ہوں زلفت و منہ دکھلاتے ہو  
 برسوں مجھ کو یوں ہی گزرے صبح و شام بتاتے ہو  
 بکھری رہی ہیں منہ پر زلفیں آنکھ نہیں کھل سکتی ہو  
 کیونکہ چہچہ میخواری شب جب ایسے رات کے ماتے ہو  
 سرودہ و بالا ہوتا ہو، در اہم بر اہم شاخ گل  
 ناز سے قد کش ہو کے چمن میں ایک بلا تم لاتے ہو  
 صبح سے یہاں پھر جان و دل پر روزِ قیامت بہتی ہو  
 رات کبھو آرہے ہو تو یہ دن اہم کو دکھلاتے ہو  
 جن نے تم کو نہ دیکھا ہو اُس سے آنکھیں بارود تم  
 ایک نگاہ مفلک کر تم تنو تنو فتنے اٹھاتے ہو  
 چشم تو ہے اک دید کی جا پر کب تکلیف کے لائق ہو  
 دل جو ہو دلچسپ مکاں تم اس میں کب کب آتے ہو  
 راحت پہنچی ٹک تم سے تو رنج اٹھایا برسوں تک  
 سہماتے ہو جو کبھو تو بھیجا بھی کھا جاتے ہو

ہو کے گدائے کوئے محبت زور صدا یہ نکالی ہے  
 اب تو میسر جی راتوں کو تم ہر در پر چلاتے ہو

<p>وہی جائے جو حیا کشتہ و فاکشتہ ہو          کام لے یار سے جو جذبہ سار رکھتا ہو          عشق کو نفع نہ بیتابی کرے ہو نہ شکیب          میں نے آئینہ صفت درد نہ کیا بند غرض          ہائے اس زخمی شمشیر محبت کا جگر          اُس کی تشبیہ تو دیتے ہیں یا شاعر لیک          آوے ہر پہلے قدم سر ہی کا جانا درپیش</p>	<p>اور رسوائی کا اندیشہ جدا رکھتا ہو          یا کوئی آئینہ سادست دعا رکھتا ہو          کرے تدبیر کہ جو درد دوا رکھتا ہو          اُسکو مشکل ہو جو آنکھوں میں حیا رکھتا ہو          درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہو          سیب کچھ اُس فتن آگے جو مزار رکھتا ہو          دیکھتا ہو جو رنج و عشق میں پار رکھتا ہو</p>
--	---

<p>کہئے اُس سے جو کوئی اپنا کہا رکھتا ہو زخمِ ہی یار کا چھاتی سہ لگا رکھتا ہو ظلم کی تازہ جو ہر روز بست رکھتا ہو دلوں تک دل عاشق کو لگا رکھتا ہو</p>	<p>ایسے تو حال کے کہنے سے بھلی خاموشی کیا کرے وصل سے مایوس دل آزرہ جو کب تلک اُس کے اسیرانِ بلا خانہ خراب ایک دم کھولے زلفوں کی گندوں کو تئیں</p>
<p>کل ہوا مہتاب ہوا آئینہ ہوا خورشید ہوا میر اپنا محبوب وہی ہے جو ادا رکھتا ہو</p>	<p>مست پوچھو کچھ اپنی باتیں کیسے تو تم کو نہ امت ہو قد قامت پر کچھ ہے تمہارا لیکن قہر قیامت ہو رابطا خلاص اور دیدہ دل بھی دنیا میں ایک ہوتا ہو لگ پڑتے ہو جس سے تس سے تم بھی کوئی ملامت ہو آج سحر ہوتے ہی کچھ خورشید ترے منہ آن چڑھا روک سکے ہو کون اُسے سر جس کے ایسی شامت ہو چاہ کا دعویٰ سب کرتے ہیں مانے کیونکر بے آثار اشک کی سرخی زردی منہ کی عشق کی کچھ تو علامت ہو سر و گل اچھے ہیں دونوں رونق ہیں گلزار کی لیک چاہئے رُو اُس کا سارو ہو، قامت و لیسا قامت ہو مل بیٹھے اُس نائی کے سے کوئی گھڑی جو زاہد تو جتنے بال ہیں سارے سر میں دیسے ہی اُسکی جامت ہو ہو جو ارادہ یہاں رہنے کا رہ سکے تو رہے آپ ہم تو چلے جاتے ہیں ہر دم کس کو قصیدِ اقامت ہو کس مدت سے دُوری میں تیری خاک سے برابر ہوں کر لے رنجہ قدم ٹک مجھ تک جو کچھ پاس قدامت ہو منہ پر اُس کی تیغِ ستم کے سیدھا جانا ٹھہرا ہے جینا پھر کھدار و مرزا اس طور میں ہو ٹک یا امت ہو شور و غوغا راتوں کے ہمایہ تمہارے کیا رُویں ایسے فتنے گئے انھیں کے میر جی تم جو سلامت ہو</p>

جنسِ تقویٰ کے تئیں صرف بے حجام کرو  
حے کی تعظیم کرو سیشہ کا اگرام کرو  
آپ کو منجھوں کے متابل و شنام کرو  
دین و دل پیشکش سادہ خود کام کرو  
پر فشانی کرو اور ساقی سے ابرام کرو  
خاطر جمع حے شام سے یہ کام کرو  
خدمتِ بادہ گساراں ہو سر انجام کرو  
سیرین مستوں کی تقلید سے انعام کرو  
پاس جوش گل و دل گرمی آیام کرو  
ہاتھ میں جام کو لو آپ کو بدنام کرو  
ایک تو صبح گلستان میں بھی شام کرو

شیخ جی آؤ مصلیٰ گرو حجام کرو  
فرشِ مستان کرو سجادہ بے تہ کے تئیں  
دامین پاک کو آلودہ رکھو باد سے  
نیک نامی و تفاوت کو دُعا جلد کہو  
ننگ ناموس سے اب گزرو جوانوں کی طرح  
خوب اگر جرعت سے، نوش نہیں کر سکتے  
اٹھ کھڑے ہو جو جھکے گردن مینا شراب  
مضطرب آکر جو کرے چنگ نوازی تو تم  
خکی اتنی بھی تو لازم نہیں اس موسم میں  
سایہ گل میں لب جو بگلابی رکھو  
آہ تا چند رہو خالق و مسجد میں

رات تو ساری گئی سنتے پریشاں کوئی  
میسر جی کوئی کھڑی تم بھی تو آرام کرو

ہم فراموش ہوؤں کو بھی کبھو یاد کرو  
نہ کرو ایسا کہ پھر میرے تئیں یاد کرو  
مرگ مجنوں پہ کرھو ماتم نہ یاد کرو  
تانا بدنام کہیں چنگل صیت یاد کرو  
کوئی روشن کرو آنکھیں کوئی دلشاد کرو  
آخر کار محبت کو ٹک اک یاد کرو

کون کہتا ہے نہ غیروں پہ تم امداد کرو  
ہیں یہاں مجھ سے وفا پیشہ نہ بیداد کرو  
ایسے ہم پیشہ کہاں ہوتے ہیں غمزدگ  
اے اسیران تہ دام نہ تڑپو اتنا  
گو کہ حیرانی دیدار ہو ای آہ و شکر  
کیا ہوا ہو ابھی تو ہستی ہی کو بھولے ہو

اول عشق ہی میں میسر جی تم رونے لگے  
خاک ابھی منہ کو لو نالہ و فریاد کرو

لے اس شعر کے قوافی میں ایلٹائے چلی ہو۔ مگر قدیم سے قدیم نسخوں میں بھی اسی طرح ملتا ہو۔ ممکن ہو کہ یہ تصحیح سے ہوا  
رہ گیا ہو اور مصرع ثانی میں بجائے جام خام ہو۔ واللہ اعلم۔  
۱۔ سودا دہلوی سے سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات پڑ ہوئے کو سحر آئی ہو ظالم کہیں مر بھی  
۲۔ مرزا غالب دہلوی سے تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و رادہ ہو پڑ مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو



<p>دل صاف ہو تو جلوہ گریار کیوں نہو عالم تمام اُس کا گرفتار کیوں نہو مستغنیانہ توجو کرے پہلے ہی سلوک رحمت غضب میں نسبت برق و سحاب دشمن تو اک طرف کہ سبب شکا ہر پیمان آیات حق ہیں سارے یہ ذرات کائنات ہر دم کی تازہ مرگ جدائی ستنگا ہوں موئے سفید ہم کو کئے ہو کہ غافلاں</p>	<p>آئینہ ہو تو قابل دیدار کیوں نہو وہ ناز پیشہ ایک سے عیار کیوں نہو عاشق کو فکر عاقبت کار کیوں نہو جس کو شعور ہو تو گنہگار کیوں نہو درکاشگانِ رخنہ دیوار کیوں نہو انکار تجھ کو ہوئے سوا قرار کیوں نہو ہونا جو کچھ ہو آہ سو یکبار کیوں نہو اب صبح ہوئی آئی ہے بیدار کیوں نہو</p>
---	---

نزدیک اپنے ہم نے تو سب گر رکھا ہوں  
پھر میرا اس میں مردنِ دشوار کیوں نہو

<p>عاشق ہوئے تو گو غم بسیار کیوں نہو کامل ہوا اشتیاق تو اتنا نہیں ہر دور گلگشت کا بھی لطفِ دل خوش ہے ہر نیم مخصوص دل ہے کیا مرضِ عشق جاں گداز آوے جو کوئی آئینہ بازار دہر میں مقصود درد دل ہے نہ اسلام ہو نہ کفر شاید کہ آوے پرکشش احوال کو کچھو</p>	<p>ناسورِ چشم ہو مژہ خونبار کیوں نہو حشرِ درگاہ وعدہ دیدار کیوں نہو پیشِ نظر و گرنہ چین زار کیوں نہو اس کا شائس کو اور کچھ ازار کیوں نہو بارے متلِ دل کا خبر دیدار کیوں نہو پھر ہر گلے میں سجہ و زنا کیوں نہو عاشق بھلا سا ہو تو بیمار کیوں نہو</p>
--	---

ملواری کے ملے بھی ہیں آنکھیں تری اُدھر  
تو اس ستم کا میرا سزاوار کیوں نہو

<p>ایسا ہے ماہ، گو کہ وہ سب فکر کیوں نہو کھویا ہمارے ہاتھ سے آئینہ نے اُسے حقِ برطون ہے منکر دیدار پار کے گیسوئے مشکبو کو اسے ضد ہے کھولنا صورت تو تیری صفی خاطر نقش ہے صافی شست ہے غرضِ عشق تیر سے</p>	<p>ویسا ہی بھول فرض کیا جو کیوں نہو ایسا جو پائے آپ کو مغرور کیوں نہو جو شخص ہوئے آنکھوں سے مغرور کیوں نہو پھر زخمِ دل نگاروں کا ناسور کیوں نہو ظاہر میں اب ہزار تو مستور کیوں نہو سینہ کسو کا خسانہ زبور کیوں نہو</p>
---	--

<p>آوارگی ہماری بھی مذکور کیوں نہ ہو زخمی جو اُس کے ہاتھ کا ہو چور کیوں نہ ہو افسانہ عشق کا ہی یہ مشہور کیوں نہ ہو</p>	<p>مجنوں جو دشت گرد تھا ہم شہر گرد ہیں تلوار کھینچتا ہے وہ اکثر لٹے کے پنج خالی نہیں غزل کوئی دیوان سے مرے</p>
<p>مجھ کو تو یہ قبول ہوا عشق میں کہ مہر پاس اُس کے جب گیا تو کہا "دور کیوں نہ ہو"</p>	
<p>کچھ ہم نے کی ہے ایسی ہی تفصیر کیوں نہ ہو انداز اس نگاہ کا پھر سیر کیوں نہ ہو کنعاں ہی کی طرف کو یہ شبگیر کیوں نہ ہو پھر منہ ترانہ دیکھتے تصویر کیوں نہ ہو وحشت دلا کہاں تئیں زنجیر کیوں نہ ہو غنجہ بھی کوئی خاطر دلگیر کیوں نہ ہو</p>	<p>ہر دم وہ شوخ دستِ ہمشیر کیوں نہ ہو اب تو جگر کو ہم نے بلا کا ہفت کیا جاتا تو ہے کہیں کو تو ای کاروانِ مصر حیراں ہیں اتقدر کہ اگر اب کی جائے تو نے تو رفتہ رفتہ کیا ہم کو ننگِ خلق جو گل کسو شگفتہ طبیعت کا ہے نشان</p>
<p>ہوئے ہزار دشت اُسے تو بھی بار ہے اغیار تیرے ساتھ جو ہوں مہر کیوں نہ ہو</p>	
<p>لیکن ہیں دور تر ہیں سایہ دیوار کو جلد اٹھاؤ میرے دروازہ سے اس بیمار کو سیکڑے میں دہر کے مشکل ہو ٹاک شیار کو ورنہ کیا ہے بیستوں دیکھا ہے میں کسار کو پانوں میں گڑا کر نہیں چھنے کی فرصتِ خار کو</p>	<p>دیکھتا ہوں دھوپ ہی میں جلنے کے آثار کو بابِ صحت ہے وگرنہ کون کہتا ہے طبیب وے جو ستِ بخودی ہیں عیش کرتے ہیں ام نقشِ شیریں یادگار کوہ کن ہے اس میں جو کس قدر کج ہیں میرے تار دامن کو کہ اب</p>
<p>ہر عیارِ مہر اُس کی رہز میں اک طرف کیا ہوا دامن کشاں آتے بھی بھاں تک یار کو</p>	
<p>کوئی تو چاہتے ہی بھی نیاز کرنے کو جو دیکھو اُس کی شرہ نیم باز کرنے کو کہ آہ جانے تھی پا کے دراز کرنے کو دماغ چاہتے ہر اک سے ساز کرنے کو پکارے آپ اجل احتراز کرنے کو</p>	<p>جو میں ہوں تو کرو ترک ناز کرنے کو نہ دیکھو غنچہ زکس کی اور کھلتے میں نہ سوئے نیند بھر اس تنگنا میں تانہ مو جو بیدار بھی ہو تو بن چکی اپنی وہ گرم ناز ہو تو تعلق پر ترحم کر</p>

جو آنسو آویں تو پی جا کہ تار ہے پردہ  
سمندِ ناز سے تیرے بہت ہی عرصہ تنگ  
بسانِ زرہی مرا جسمِ ناز سارا زرد  
ہنوز لڑکے ہو تم قدر میری کیا جانو  
اگر چہ گل بھی نمود اُس کے رنگ کرتا ہر

بلا ہے چشم ترا فشانے راز کرتے کو  
تنگ تو ترک کر اس ترکِ ناز کرتے کو  
اثرِ تمام ہے دل کے گداز کرتے کو  
شعور چاہئے ہے امتحانِ ناز کرتے کو  
ولیک چاہئے ہے منہ بھی ناز کرتے کو

زیادہ حد سے تھی تابوتِ میسر پر کثرت  
ہو نہ وقتِ مساعد نماز کرنے کو

کرتے بیاں جو ہوتے خریدار ایک دو  
قیدِ حیاتِ قید کوئی سخت ہو کہ روز  
کس کس پہ اُس کو ہوئے نظر بھیاں ہر ایک  
تو تو دو چار ہو کے گیا کب کا بھیاں ہنوز  
اب روئے تیغِ زن کی تمھارے تو کیا چلی  
نک چشم میں بھی مسر کا دُنبالہ سیٹھنچتے

دیکھا کریں ہیں ساتھ ترے یار ایک دو  
مر رہتے ہیں گے اُس کے گرفتار ایک دو  
جی دیں ہیں اس کی چشم کے بیمار ایک دو  
گزریں ہیں اپنی جان سے ناچار ایک دو  
کرے ہو جس کا لگتے ہی وار ایک دو  
اس مست کے بھی ہاتھ میں تلوار ایک دو

کیا کیا غریزہ دوست نے میسرِ خاک میں  
کچھ اس گلی میں ہم ہی نہیں خوار ایک دو

حالِ دلِ میسر کا اہلِ وفا مست پوچھو  
صبح سے اور بھی پاتا ہوں اُسے شام کو تنہ  
استخوانِ توڑی مری اس کی گلی کے سگتے  
ہوشِ صبر و خرد دین و حواسِ دلِ مہتاب  
اشتعالِ ک کی محبت نے کہ در بست بھنکا  
وقتِ قتلِ آرزوے دل جو لگے پوچھنے لوگ

اس ستم کشتہ پہ جو گزری جفا مست پوچھو  
کام کرتی ہو جو کچھ میری دعا مست پوچھو  
جس خرابی سے میں ہاں ات رہا مست پوچھو  
اُس کے ایک لے میں کیا کیا نہ گیا مست پوچھو  
شہرِ دل کیا کہوں کس طور جلا مست پوچھو  
میں اشارت کی اُدھر اُن نے کہا مست پوچھو

خواہ مارا انھیں نے میسر کو خواہ آپ مو  
جائے دو یار جو ہونا تھا ہوا مست پوچھو

نالہِ شب نے کیا ہے جو اثرِ مست پوچھو  
پوچھتے کیا ہو مرے دل کا تم احوال کہ ہے

لکڑے لکڑے ہو جاتا ہو جگرِ مست پوچھو  
جیسے بیمار اجلِ روزِ بسترِ مست پوچھو

یعنی ہے دور کا درپیش سفر مت پوچھو  
دل گم کردہ کی کچھ خبیث خبر مت پوچھو  
ہو دے منہ میں جنھوں کو شہدائے کرامت پوچھو  
اپنے ناحق میں ہیں سب اور ہنر مت پوچھو

مرنے میں بند زباں ہونا اشارت ہو ندیم  
کیا پھرے وہ وطن آوارہ گیا اب سو ہی  
لذت زہرِ غمِ فرقتِ دلدار اس سے  
دل خراشی و جگر چاکی و سینہ کا وی

جوں توں کر حال دل اکبار تو میں عرض کیا

میتیر صاحب جی بس اب بار دیگر مت پوچھو

جی اسی جانے ہے آہ مت پوچھو  
گم رہاں یوں یہ راہ مت پوچھو  
ہو یہی رو سیاہ مت پوچھو  
پھر گئی ہے سپاہ مت پوچھو  
میرے اعمال آہ مت پوچھو  
بخشد و اب گناہ مت پوچھو

اس کی طسیر زنگاہ مت پوچھو  
کہیں پہنچو گے بے رہی میں بھی  
نو گرفتار دایم زلف اس کا  
ہیں گی برگشتہ دے صفِ مہرگاں  
تھا گرم پر اسی کے شربِ دمام  
تم بھی اگر مالکانِ روزِ حسرت

میتیر عاشق کو کچھ کہے ہی بنے

خواہ وہ پوچھو خواہ مت پوچھو

ایک دم چھوڑ دو یوں ہی مجھ اب مت پوچھو  
گزری آرات کی صحبت بھی مجھ اب مت پوچھو  
حشر تھی داخلِ خستہ ام اب مت پوچھو  
دن گیا ہجر کا جس دھماکے کی نسبت پوچھو

محرماتِ بیدی کا میری سبب مت پوچھو  
گریہ شمع کا اور ہمنفساں میں تھا حریف  
سر پر شور سے میسر نہ کر دو کوئی سوال  
لب پہ نشیونِ مرہ پر خونِ دنگہ میں اک یاس

میتیر صاحب جی یہ طرز ہو اس کی تو کہوں

موجبِ آزر دگی کا وجہ غضب مت پوچھو

کیا آفت آگئی مرے اس دل کی تاب کو  
بہتر تھا ورنہ ابر تو تھمتاج آب کو  
آنکھیں لگا کے اُن سے میں سوئوں خواب کو  
قاصد مرا خراب پھرے ہے جواب کو  
پیتا ہوں رکھ کے آنکھوں جامِ شراب کو

فرصت نہیں تنگ بھی کہیں اضطراب کو  
میری ہی چشمِ ترکی کرامات ہے یہ سب  
گزری ہے شربِ خیال میں خواب کے جاگنے  
خطا گیا پر اس کا تعنِ فل نہ کم ہوا  
تیور میں جس کے دیکھے ہیں ساتی خمار کے

<p>اب تو نقاب منہ پر لے ظالم کہ شب ہوئی شرمندہ سارے دن تو کیا آفتاب کو</p>	<p>اب تو نقاب منہ پر لے ظالم کہ شب ہوئی شرمندہ سارے دن تو کیا آفتاب کو</p>
<p>کتنے سے تیر اور بھی ہوتا ہو مضطرب سمجھاؤں کہ تک اس دل خانہ خراب کو</p>	<p>کتنے سے تیر اور بھی ہوتا ہو مضطرب سمجھاؤں کہ تک اس دل خانہ خراب کو</p>
<p>عشق کیسا جس میں اتنی رو سیاہی بھی نہ ہو ٹنک تری جانب سے جیتک غم خواہی بھی نہ ہو ناز بیجا بھی نہ ہوئے کم نگاہی بھی نہ ہو جس کا میں کشتہ ہوں میں اس کو سیاہی بھی نہ ہو راستی ہم سے نہیں تو کج کلاہی بھی نہ ہو</p>	<p>کیا ہو گردِ بنامی و حالتِ تباہی بھی نہ ہو لطف کیا آزرده ہو کر آپ سے ملنے کے بیچ چاہتا ہو جی کہ ہم تو ایک جا رہنا ملیں جمع تر کال ہو کوئی دیکھو جا کر کہیں ناز برداری تری کرتے تھے ایک استبد پر</p>
<p>یہ دعا کی تھی تجھے کن نے کہ بہرِ تزل میسر محضرِ غنیمت پر تیرے اک گواہی بھی نہ ہو</p>	<p>یہ دعا کی تھی تجھے کن نے کہ بہرِ تزل میسر محضرِ غنیمت پر تیرے اک گواہی بھی نہ ہو</p>
<p>اب کارِ شوق اپنا پہنچا ہو بھیاں تلک تو کوئی پر شکستہ ٹک گلستاں تلک تو معاوم ہو پہنچنا اب کارواں تلک تو سو جایو نہ پیارے اس داستاں تلک تو پہنچوں غبار ہو کر میں سہاں تلک تو ہوئی تھیں سانی اُس آستاں تلک تو</p>	<p>آجرت میں نامہ کی ہم دیتے ہیں جاں تلک تو آغشتہ میرے خوں سے اوی کاش جا کے پہنچے واماندگی نے مارا اثنائے رہ میں ہم کو افسانہ غم کا لب تک آیا ہو مدتوں میں آوارہ خاک میری ہو کس دستِ درالہی اوی کاش خاک ہی ہم تہتے کہ تیرا سین</p>
<p>ردیف ہائے ہوز</p>	<p>ردیف ہائے ہوز</p>
<p>ہم بیگنہ اُس کے ہیں گنہگار ہمیشہ درپیش ہو بھیاں مردانِ دشوار ہمیشہ رہتی ہے اودھر ہی نگہ یار ہمیشہ بک جاتے ہیں باتوں میں خریدار ہمیشہ دنیا میں رہے دیدہ خوں بار ہمیشہ رہتی جو اسے حسرت دیدار ہمیشہ سردہ ہو غرض عشق کا بازار ہمیشہ</p>	<p>سو ظلم کے رہتے ہیں سزاوار ہمیشہ ایک آن گزر جائے تو کہنے میں کچھ آئے دشمن کو نہ کیوں شربِ اُم آئے میسر یوسف کے کٹی آن کے تیرے سر بازار ہو دامنِ کلچین چمنِ جیب ہمارا جو بن ترے دیکھے موادِ فرخ میں ہو پنی جیتا ہو تو بیطاعتی و بخود دی ہو تیر</p>

دل میں اسکی نمایاں ہو مری آنکھیں میں خوش بستہ  
پس دیوار گلشنِ نالہ کش ہو کوئی پر بستہ  
جو تو گھر سے کھینچ لے تو رکھو پاؤں آہستہ  
بھلا میں روؤں دو دریا تبسم کر تو یک بستہ  
سر اپا دل کی صورت جس کی ہو وہ کیا ہوا رستہ  
پرطاؤس سینہ ہو تمامی دستِ گلہ ستہ

جگر ہو کو ترستے ہیں سچ کہتا ہوں دل خستہ  
چمن میں دل خراش آواز آتی ہو چلی شاید  
ترستے کوچے میں کیسے عاشقوں کے خارِ مرگاں ہیں  
مرے آگے نہیں ہنستا تو اک صلح کرتا ہوں  
تعجب ہو مجھے یہ سر کو آزاد کہتے ہیں  
تیری گلکشت کی خاطر بنا ہو باغِ داغوں سے

بجا ہو گرفتار پر محبت سے پھینکے گلاہ اپنی  
کہ جو اس زمیں میں مہینے کی مہلج جیتے

وہ نک چھڑ کے ہو مزا ہے یہ  
اب جو ہیں خاک انتہا ہے یہ  
ایک دودم میں پھر ہوا ہے یہ  
دل سے اپنے نہیں رگلا ہے یہ  
یوں نہیں جانتا کہ کیا ہے یہ  
ہر گھڑی ہم سے کیا ادا ہے یہ  
آن بیٹھو تو خوش نما ہے یہ  
ہو تو مردہ سا پر بلا ہے یہ  
کیا اکوں ریچھنے کی جا ہے یہ  
نہ کسا یہ کہ آشنا ہے یہ  
اک لگا چک کہ مدعا ہے یہ

ہم ہیں مجروح باجس ہے یہ  
اگ تھے ابتدائے عشق میں ہم  
بود آدم نمودِ شبِ بنم ہے  
شکر اس کی جفا کا ہو نہ سکا  
شور سے اپنے حشر ہے پردہ  
بس ہوا ناز ہو چکا اغاض  
نقشیں اٹھتی ہیں آج یاروکی  
دیکھ بیدم مجھے لگا کہنے  
میں تو چپ ہوں نہ ہونٹہ چاڑھو  
ہے رے بیگانگی کھو آن لے  
تیغ پر ہاتھ د مہدم کب تک

مہینے کو کیوں نہ مغنم جانے  
انگے لوگوں میں اک رہا ہو یہ

شیخ کیوں مست ہوا ہو تو کہاں ہو شیشہ  
ہر پلک پر مری اشکوں کی رواں ہو شیشہ  
ریش قاضی کے سب پینہ دہاں ہو شیشہ  
نشہ مے بلد و سنگ نشاں ہو شیشہ

دل پر خوش ہے یہاں بچہ کو کہاں ہو شیشہ  
شیشہ بازی تو تنگ دیکھنے آنکھوں کی  
رو سفیدی ہے نقاب رخ شورستی  
منزل ہستی کو پہنچے ہے آنکھیں سے عالم

درمیاں حلقہ مستان کے شب اسکی جاتھی  
جا کے یو جھا جو میں یہ کار گہ میں ناس قطع  
کنے لائے کہ کدھر پھرتا ہو ہکا اڑست  
دل ہی سارے تھے پہ آن وقت میں جگر کے گداز  
دور ساغریں مگر سپہ منغاں ہو شیشہ  
دل کی صورت کا بھی اڑ شیشہ گراں ہو شیشہ  
ہر طرح کا جو تو دیکھے ہو کہ یہاں ہو شیشہ  
شکل شیشہ کی بنائی ہے کہاں ہو شیشہ

جھک گیا دیکھ کے میں میرے سے مجلس میں  
چشم بد دور طر حدار جواں ہے شیشہ

جی چاہے مل کسو سے یا سب سے تو جدا رہ  
کل بنے تکلفی میں لطف اس بدن کا دیکھا  
عاشق غیور جی دی اور اس طرف دیکھو  
پہنچیں گے آگے دیکھیں کس دہ جہ کو ابھی تو  
کھینچا کرے ہو ہر دم کیانچ بلہوس پر  
مستطہ محبت تھا کوہ کن و گرنہ  
ہرشت خاک یہاں کی چاہی ہو اک نائل  
شاید کہ سر بلندی ہو دو نصیب تیرے  
اُس خطا سب نے کچھ رویت نہ رکھی تیری  
حد سے زیادہ داعظ یہ کو دنا اچھلنا  
میں تو ہیں دہم دونوں کیا ہو خیال تجھ کو  
جیسے خیال مفلس جاتا ہو تلو جگہ تو  
دوڑے بہت ولیکن مطلب کو کون پہنچا

پر ہو سکے تو پیار سے ٹک دل کا اشارہ  
نکل نہ کر قبا سے اڑ گل بس اب ڈھپارہ  
وہ آنکھ جو چھپا دی تو تو بھی ٹھک کھنچا رہ  
اُس ماہ چار آدھ کا سن دن ہو پاک بارہ  
اس ناسزائے خوگ اتنا نہ سر چڑھا رہ  
یہ بوجھ کس سے اٹھتا ایک اڑ ایک گیارہ  
بن سوچے راہ مت چل ہر کام پر کھڑا رہ  
جوں گرد راہ سب کے پائوں سے تو لگا رہ  
کیا ایسی زندگانی جا خضر زہر کھارہ  
کا ہے کو جاتے ہیں ہم انحر اس اب بندھا رہ  
جھاڑ آستین نجم سے ہاتھ آپے اٹھا رہ  
مجھ بینو کے بھی گھر ایک آدھ رات آ رہ  
آئندہ تو بھی ہنسا ہو کر شکستہ پارہ

جب ہوش میں تو آیا او دھری جاتے پایا  
اس سے تو میرے چند ہی اُس کو چہی میں چارہ

اب حال نیا اس کو ہو دل خواہ  
مر جاؤ کوئی برد انہیں ہے  
پیر منغاں سے بے اعتقادی  
نکتے ہیں اُس کے تو منہ لکھ گکا  
کیا پوچھتے ہو الحمد للہ  
کتنا ہے مغرور اللہ اللہ  
استغفر اللہ استغفر اللہ  
ہو یوں ہی یارب جوں ہی یہ افواہ

<p>اب مر رہی گایاں بندہ درگاہ ہو خضر دل میں کیسا ہی گمراہ کسکو کسوسے ہوتی نہیں جاہ اچھا رجھایا اسے مہربان آہ اس بے وفا سے نے رسم نے آہ گردن میں اسکی ہر گاہ دلی گاہ ہر گز نہ پہنچا یہ دست کوتاہ آگاہ سارے اس کی ہیں آگاہ کیا روز کیا غور کیا رات کیا ماہ</p>	<p>حضرت سے اُسکے جانا کہاں ہے سب عقل کھوے ہو راہ محبت مجرم ہوتے ہم دل دیکے در نہ کیا کیا نہ رکھیں تم نے پچائیں گزرتے ہو دیکھیں کیونکر تیری تھی خواہش دل رکھنا حامل اس پر کتنا شہ رگ سے اقرب ہو ماسوا کیا جو مہر کیسے جلوسے ہیں اس کے شانیں میں اسکی</p>
<p>ظاہر کہ باطن اول کہ آخر اللہ اللہ اللہ اللہ</p>	
<p>زمین میکدہ یکدست ہے گی آبِ زہ ہم اضطراب دہ اور تو حجابِ زہ اجل رسیدہ جفا دیدہ اضطرابِ زہ پناہ لیتے ہیں سایہ کی آفتابِ زہ</p>	<p>جو ہوشیار ہو سو آج ہو شرابِ زہ بنے یہ کیونکہ لی تو ہی یا ہیں سمجھیں گمراہ جس کو لامت جہاں میں ہی ہوں جد ہوں رخ سوتری زلف میں کیوں دل جائے</p>
<p>لگانہ ایک بھی میر اس کی بیت ابرو کو اگرچہ شعر تھے سب میرے انتخابِ زہ</p>	
<p>ناحق ہماری جان لی اچھے ہو داہ داہ گنتھواں تو تخت دل سے نکلتی ہو میری آہ ہوئے لگا طلوع ہی خورشیدِ رؤسیاہ برچی سی لاگ جاہر جگر میں تری نگاہ ای ضمیر میں نے اُس کے لی ہو تری پناہ انسو کی بوند جس سے ٹپکتی تھی گاہ گاہ</p>	<p>جز جرم عشق کوئی بھی ثابت کیا گناہ اب کیسا چاک چاک ہو دل اس کو ہجر میں شام شب وصال ہوئی یہاں کہ اس طر گزر ایں اس سلوک سے دیکھا نگر مجھے بتا بیوں کو سوئے نہ دینا کہیں مجھے خوں بہتہ بارے رہنے لگی اب تو یہ مژدہ</p>
<p>ناحق اچھے پڑاؤ یہ مجھ سے طریق عشق جانا تھا میر میں تو چلا اپنی راہ راہ</p>	



<p>کچھ سنی سوختگاں تم خبر پروانہ اے جگر نفست گی بے اثر پروانہ بانوں پر شمع کے پالے ہیں سر پروانہ کس قدر داغ ہوا ستھا جگر پروانہ</p>	<p>کہتے ہیں اُڑ بھی گئے جل کے پر پروانہ سعی اتنی یہ ضروری ہو اٹھی بزمِ ننگ کس کنہ کا ہو پس از مرگ یہ عذر جانو آپڑا آگ میں اے شمع یہیں سو تو سمجھ</p>
<p>بزمِ دنیا کی تو دسوزی سنی ہوگی میسر کس طرح شام ہوئی یہاں سحر پروانہ</p>	
<p>تو بھی ہم غافلوں نے آگے کیا کیا کیا کچھ گھر کو آتش دی محبت نے جلا کیا کیا کچھ عشوہ و غمزہ و انداز و ادا کیا کیا کچھ شغل میں غم کے ترے ہم کیا کیا کیا کچھ چشمِ لطف و کرم و مہر و وفا کیا کیا کچھ ایک عالم نے غرض مجھ کو کسا کیا کیا کچھ واسطے تیرے سنائیں نے سنا کیا کیا کچھ مر گیا میں پر مرے جی میں رہا کیا کیا کچھ آہ عالم سے مرے ساتھ چلا کیا کیا کچھ دولتِ عشق سے ہم پاس بھی تھا کیا کیا کچھ خاک کن کن کی ہوئی صرف بنا کیا کیا کچھ مضطرب ہو کے آس پاس فی لکھا کیا کیا کچھ ہر سرِ حریف پہ وہ کہنے لگا کیا کیا کچھ</p>	<p>ہم سے کچھ آگے زمانے میں ہوا کیا کیا کچھ دل جگر جان بھہمنت ہوئے سینے میں کیا کہوں تجھ سے کہ کیا دیکھا ہو تجھ میں نے دل گیا، ہوش گیا، صبر گیا، جی بھی گیا آہ مبت پر چھو ستمگار کہ تجھ سے بھی ہیں نام ہیں خستہ و آوارہ و بدنام مرے طرفِ اصحبت ہو کہ گستاخ نہیں تو ایک مری حسرت دھل و غم ہجر و خیال رنج دوست ورودِ دل زخمِ جگر، کلفتِ غم، داغِ فراق چشمِ نمناکِ دل پر جگر صد پارہ تجھ کو کیا بننے بگڑنے سے مار کر کہ یہاں قبلہ و کعبہ خداوند و ملاذ و مشفق پر کہوں کیا رقمِ شوق کی اپنی تائیسر</p>
<p>ایک محروم چلے میتِ سر ہیں عالم سے ورنہ عالم کو زمانے دیا کیسا کیا کچھ</p>	
<p>جی ہی جاتے نظر آتے ہیں اس آزار کے ساتھ جیسے تصویر لگاوے کوئی دیوار کے ساتھ کون اس طرح موا حسرت دیدار کے ساتھ چشمِ مشتاق لگی جاے ہے طائر کے ساتھ</p>	<p>کیا موافق ہو دو عشق کے بیمار کے ساتھ ات مجلس میں تری ہم بھی کھڑے تھے چلے برگے پر بھی کھلی رہ گئیں آنکھیں اپنی شوق کا کام کھنچا دور کہ اب مہرِ مثال</p>

<p>راہ اُس شوخ کی عاشق سے نہیں ہو سکتی وہ دن ابالتے ہیں راتوں کو برسوں گننے فکرِ گل کیا ہو، عبا، اب کہ خزاں میں ہم نے کس نے ہر دم ہو لہو روئے کا، جہراں میں ضائع میری اُس شوخ سے صحبت ہو بعینہ دلیلی دیکھئے کس کو شہادت سے سرفراز کریں</p>	<p>جان جاتی ہے چلی خوبی رفتار کے ساتھ جن دنوں دیر رہا کرتے تھے ہم یار کے ساتھ دل کو ناچار لگا یا ہے نص و خار کے ساتھ دل کو اک ربط سا ہو دیدہ خونبار کے ساتھ جیسے بن جائے کسو سادے کو عیار کے ساتھ لاگ تو سب کو ہو اُس شوخ کی تلوار کے ساتھ</p>
--	--

بیگلی اُس کی نہ ظاہر تھی جو تو اسے بلبل  
دم کشِ مہیت رہی اُس لبِ گفتار کے ساتھ

### دلِ یارِ تھمائی

<p>دل کو تسکین نہیں اشکِ دام سے بھی ہمنشین کیا کہوں اس رشکِ تاباں بن کاش اے جانِ المناک کل جاوے تو آخر کار محبت میں نہ نکلا کچھ کام اے ہر غریب سے تا چند کہوں جی کی بات دوری کو چہ میں اے غیرتِ فردوسِ تری</p>	<p>اس زمانے میں گئی ہو برکتِ غم سے بھی صبحِ عید اپنی ہے بدتر شبِ ماتم سے بھی اب تو دیکھا نہیں جانا یہ تم ہم سے بھی سینہ چاک و دلِ تیر مردہ مژدہ غم سے بھی عشق کا راز تو کہتے نہیں محرم سے بھی کام گزرا ہے میرا گریہ آدم سے بھی</p>
--	--

ہمت اپنی ہی تھی یہ تیر کہ جوں مرغِ خیال  
اک پیر افشانی میں گزریے سرِ عالم سے بھی

<p>تابِ دل صرف جدائی ہو چکی چھوٹا کب ہو اسیرِ خوشِ زباں آگے ہو مسجد کے نکلے اٹھی راہ درمیاں ایسا نہیں اب اپنے ایک بوسہ مانگو لڑنے لگے بچ میں ہم ہی ہوں تو لطف کیا آج پھر تھابے حیاتِ تیر دھلا</p>	<p>یعنی طاقت آزمائی ہو چکی جیتے جی اپنی رہائی ہو چکی شیخِ سوابِ یار سانی ہو چکی میری اسکی اب صفائی ہو چکی اتنے ہی میں آشنائی ہو چکی رحم کر اب بے وفائی ہو چکی کل لڑائی سی لڑائی ہو چکی</p>
---	--

آخر بہاری خاک بھی برباد ہو گئی مدت ہوئی نہ خط ہو نہ پیغام ہو مگر	اُس کی ہوا میں ہم پہ تو بیداد ہو گئی اک سم بقی وفا کی برفاں ہو گئی
دل کس قدر شکستہ ہوا تھا کہ رات میر آئی جو بات لب پہ سو فریاد ہو گئی	
یہ چشم اُسنہ وار دھتھی کسو کی سحر پائے گل بخودی ہم کو آئی یہ گزشتہ جب تک رہا اس چین میں نہ ٹھہری ٹپک اک جان بلب رسیدہ جلایا شب اک شعلہ دل نے ہم کو نہ تھو تھو سے نازک میانان گلشن	نظر اس طرف بھی کبھو تھی کسو کی کہ اس سست پال میں بو تھی کسو کی ہرنگ حبس جستجو تھی کسو کی ہمیں مدعا گفتگو تھی کسو کی کہ اُس تند سرکش میں خو تھی کسو کی بہت تو کمر جیسے مو تھی کسو کی
ہم مرگ دشواری جان اُن نے مگر میر کو آرزو تھی کسو کی	
ہم نے بھی طبع آزمائی کی عمر نے ہم سے بے وفائی کی شب نہ آخر ہوئی جدائی کی نتیجہ ہیں شکستہ پائی کی آہ لے آہ نارائی کی ہم نے دیدار کی گدائی کی	ہے غزل میر یہ شفا کی اُس کے ایفاءے عہد تک نہ جو وصل کے دن کی آرزو ہی ہی اسی تقریب اُس گلی میں ہے دل میں اُس شوخ کرنے کی تاثیر کاسہ چشم لیکے جوں نر کس
زور و زرقچہ نہ تھا تو باری میر کس بھروسہ پہ آشنائی کی	
یہ بلا آسمان پر آئی ایک آفت جہان پر آئی یہ بلا جس جہان پر آئی طبع گرا امتحان پر آئی برق تھی آشیان پر آئی	آہ میری زبان پر آئی عالم جاں سے تو نہیں آیا پیری آفت ہر پھرتی گویا ہم بھی حاضر ہیں کھینچے کشمیر آتش رنگ گل ہو کیا کہنے

	طاقتِ دل بزرگِ نکتِ گل	پھیر اپنے مکان پر آئی
	ہو جہاں میر اور غم اس کا	جس سے عالم کی جان پرکئی
	بات شکوہ کی ہم نے گاہ نہ کی گلِ دآئینہ ماہِ وغور کن نے کعبے ستلو بار وہ گیا تو کیا واہ اگر عشق اس ستمگر نے	بلکہ دی جان اور آہ نہ کی چشمِ اُس چہرہ پر سیاہ نہ کی جس نے یہاں ایک دل میں آہ نہ کی جانفشانی پہ میری واہ نہ کی
	جس سے تھی چشمِ ہم کو کیا کیا میر اس طرت اُن نے اُس گاہ نہ کی	
	آخر کو گرد رکھا سجتا دہِ محرابی یہ بات سُجھاتی ہے اُن آنکھوں کی چربی اب بڑھ گئی ہیں میری اسبابِ کم اسبابی کیا اور نہ تھی جاگہ یہ آگ جو بھیاں دانی جی کھائی ہے میرا اس جنس کی نایابی جاتے نہیں آنکھوں سے لب یا کر غنابی کوہوں کی کمرنگ بھی جا پہنچی ہے میرابی ہو خاک سے آج اُن کی ہر صحن میں ہنابی	کل میر نے کیا کیا کی دیکھنے بینابی جاگا ہو کہیں وہ بھی شبِ متکب ہو ہو کیا شہر میں گنجائش مجھ بے سرو پا کو ہو دن رات مری چھاتی جلتی ہے تجبت میں سوملک پھر لیکن پائی نہ وفا اک جا خوں بستہ نہ کیوں بلکیں ہر لحظہ ہیں میری جنگل ہی ہر تنہا روز سے نہیں میرے تھے ماہ و شمال کل جوان کو ٹھونک جلوڑیں
	کل میر جو بھیاں آیا طور اس کا بہت بھایا وہ چشمِ کبی نش پر جامہ لگے میں آبی	
	ہمیں اُمید میر کل بھاگئی کہاں کا غبار آہ دل میں یہ تھا کیا پاسِ بلبل خزاں نے نہ کچھ ہوئی سامنے یوں تو ایک ایک کے جگر منہ تک آئے نہیں بولتے نہ ہمرہ کوئی ناکسی سے گیا	طرح اس میں مجنوں کی سب پاگئی مری خاکِ بدلی سی سب چھا گئی گل و برگِ سیدرد پھیلا گئی ہمیں سے وہ کچھ اکھ شہر پاگئی غرض ہم بھی کرتے ہیں کیا کیا گئی مری لاش تا گور تنہا گئی

<p>تپِ غم جگر کو مرے کھال گئی گئی گر نہ امرو ز منہ دال گئی</p>	<p>گھٹا شمع ساں کیوں سجاؤں چلا کوئی رہنے والی ہو جانِ عزیز</p>
<p>کئے دست و پا لگ جو میر آگیا وفا پیشہ مجلس اُسے پا لگئی</p>	
<p>ہم چھوڑی ہمارے کی کاش اُسکو ہوئے کیوں بھی ہم نے نہ رکھی مٹھ پر اسے ابرا ستیں بھی گرتے ہو پار دل کے اک نالہ حزیں بھی جاتا ہے در نہ غافل پھر دم تو دلیں بھی ریسا تھوں ساتھ اُس کے نکلی اک آفریں بھی آگے ہوا ہوا اب تک ایسا سم کہیں بھی آئینوں میں دلوں کے جوہر بھی پھر نہیں بھی ہیں برقِ خرمن گل رخسار آئیں بھی رجبِ راہ چلتے آزر دہ ہنمشیں بھی رخصت طلبے جاں بھئی ایمان اور دیں بھی</p>	<p>یکسو کٹا وہ روئی پرچیں نہیں جیہیں بھی آلتو تو تیرے دامن پونچھے ہو وقتِ گریہ کرتا نہیں عبث تو پارہ گلو فغاں سے ہوں احتضا رہیں میں آئینہ روستاب آ سینے سے تیر اُس کا جی کو تو لیستا نکلا ہر شب تری گلی میں عالم کی جان جباہو شوخی جلوہ اُس کی تسکین کیونکہ بختے گیسو ہی کچھ نہیں ہے سنبل کی آفت اُس کا تکلیف نالہ مرست کر او دردِ دل کہ ہوئے کس کس کا دل دکھیں یارب غم بتاں میں</p>
<p>زیر فلک جہاں تک اسودہ میسر ہوتے ایسا نظر نہ آیا اک قطعہ زمیں بھی</p>	
<p>جلا دھوپ میں بھیاں تلک ہم کہ تب کی مرے خوش نگہ کی نگاہ اک غضب کی ٹاک اک تو بھی تو سن کسی جاں بلب کی ضرورت ہو کیا شیخ دم اک وجب کی بہت دیکھتے ہیں تری راہ کب کی ہوئی شفق اب اُدھر رائے سب کی تری راہ میں اپنے پائے طلب کی یہ زور آوری دیکھو زاری شب کی گلابی شراب اور غزل اپنے ڈھب کی</p>	<p>گئی چھانوں اُس تیغ کی سر جب کی پڑی خسرو من گل پہ بجلی سی آخر کوئی بات نکلتے ہے دشوار منہ سے تو سٹلا جو رکھتا ہے خسرو دگر نہ یکایک بھی آسرو یہ دامنِ گال کے وایع وجہ گردل مخالف ہوئے ہیں بچے کیونکہ ڈھونڈ ہوں کہتو ہی گزری دل عرش سے گزرے ہے ضعف میں بھی عجب کچھ ہے گر میسر آدے میسر</p>

<p>لوں پھونک کر کے خاک مری سب اڑا گئی پر دل کی بیقراری مری جان کھا گئی منجھوں کو موت کیسی شتابی میں آگئی بھلی رہی تھی سو بھی تو سہینہ دکھا گئی</p>	<p>کیسے قدم سے اسکی گلی میں صبا گئی کچھ تھی طیش جگر کی تو بارے مزاج داں کس پاس جا کے بیٹھوں خرابی میں اس میں کون اس ہوا میں زخمی نہیں میری آہ کا</p>
<p>سودا جو اسکے سر سے کیا زلف بار کا تو تو بڑی ہی میسر سے بھلا گئی</p>	<p>خبر نہ تھی تجھے کیا میرے دل کی طاقت کی آنکھوں میں جو کہ ترے جو سجدہ بیٹہ میں اکٹھائی ننگ سمجھ تم نے بات کے کہتے رکھیں امید رہائی اسیر کا کل زلف</p>
<p>نگاہ چشم اُدھر تو نے کی قیامت کی نہیں ہو قدر نہراؤں برس کی طاعت کی وفا و مہر جو تھی رسم ایک مدت کی مری تو باتیں ہیں بخیر حرف الفت کی ہوا منائی اگر شیخ نے کرامت کی قد خمیدہ نے سو زین اشارت کی</p>	<p>رہے ہو کوئی خرابات چھوڑ مسجد میں سوال میں نے جو انجام زندگی سو کیا نہ میری قدر کی اس سنگدل نے تیر کھو نہرا حیف کہ پھرتے میں محبت کی</p>
<p>ہے سزا تجھ پہ یہ گستاخ نظر کرنے کی نامہ بر کیا چلی غمی ہم کو خبر کرنے کی کہہ تپنے کی بھی کچھ شام و سحر کرنے کی میں تو کھائی تھی قسم چشم کے تر کرنے کی طرز سیکھی ہو مری ٹھوڑے جگر کرنے کی دھن ہو نالہ کو کس دل میں اثر کرنے کی صورت اک یہ رہی ہو عمر بسر کرنے کی</p>	<p>فکر ہے ماہ کے جو شہر بدر کرنے کی کہہ حدیث آنے کی اسکے جو کیا شاہی مرگ کیا چلی جاتی ہو غمی ہی میں اپنی ایام ابھی برسات ہی کو دم تھا عالم کا دال پھول کچھ لیتے نہ نکلے تھے دل صد پارہ ان دنوں نکلے ہو آغوشہ بچوں اتوں کو عشق میں تیرے گزرتی نہیں بن سر چکے</p>
<p>کار دانی ہے جہاں عمر عزیز اپنی میسر رہ ہے در پیش سدا اسکو سفر کرنی</p>	<p>خرابی کچھ نہ ہو چھو ملکیت دل کی عمارت کی نگاہ مست سے خب چشم نے اسکی اشارت کی</p>
<p>غموں نے آجکل سنیو وہ آبادی سی غارت کی حلاوت ہو کی اور بنیاد مے خانہ کی غارت کی</p>	<p></p>

<p>پڑے تھے باغِ مینکِ مشت پر اودھر اشارت کی اُسی آتش کے پر کلے ذہن کی بھی شرارت کی گیا تھا سایہ سایہ بلع تک تس پر حرارت کی</p>	<p>سحر گرہ میں نے پوچھا گل سے حالِ زارِ بلبل کا جلایا جس تجلی جلوہ گرنے طور کو ہمد م نزاکت کیا کموں خورشید رو کی کل شبِ ہمد میں</p>
<p>ترسے کو چہ کے شوق طوف میں جیسے بگولا تھا بیاباں میں غبارِ سحر کی ہم نے زیارت کی</p>	
<p>سر پر مے کھڑی ہو شبِ شمع زورِ روئی منہ کی گئی جو لوئی تو کیا کرے گا کوئی رونے نے ہر گھڑی کے وہ بات ہی ڈبونی سوئے دیا نہ ہم کو ظالم نہ آپ سوئی غیروں پہ مہربانی یاروں سے کہینہ جوئی منہ میں زباں نہیں ہو اُس بد زبانی کوئی</p>	<p>میں نے جو بیکسانہ مجلس میں جان کھوئی آتی ہے شمع کو آگے ترے یہ کہہ کر بیطاقتی سے آگے کچھ پوچھتا بھی تھا سو بلبل کی بیکلی نے شبِ بے دماغ رکھا اُس نظم پیشہ کی یہ رسمِ قدیم ہے گی نوبت جو ہم سے گاہے آتی ہے گفت کوئی</p>
<p>اس مہ کے جلوہ سے کچھ تاہمیر یاد دیوے اب کی گھروں میں ہم نے سب چاندنی پر لہوئی</p>	
<p>کہ میری جان نے تن پر مرے گرائی کی جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی یہ تھوڑی منتیں ہیں مجھ پہ سخت جانی کی قسم ہے اپنی مجھے اُس گئی جوانی کی خدا کے واسطے صورت تو دیکھو مانی کی ہماری لاش کی شبِ خوب پاسبانی کی</p>	<p>الم سے یہاں میں میں مشتقِ ناوانی کی چمن کا نام سنا تھا ولے نہ دیکھا ہائے للائی خوب مری خوں میں خاکِ بسمل گاہ بتناگ ہوں میں ترے اختلاط سے پیری چلا ہے کھینچنے تصویر میرے بت کی آج تری گلی کے ہر اک سگ نے استخاں توڑے</p>
<p>رکھے ہیں میرے ترے سہ سے بیوفا خاطر تری جفا کے تغافل کی بدگمانی کی</p>	
<p>کیجئے کیا مہمیر صاحبِ بندگی بیچارگی دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا کیسا سگی حسنہ دیوار ہے یادِ دیدہ نظارگی</p>	<p>لا علاجی ہے جو رہتی ہے مجھے آوارگی کیسی کیسی صحتیں آنکھوں کے آگے سگتیں روئے گل پر روز و شب کس شوق کو رہتا ہوا</p>
<p>۱۔ زندگانی کرنا۔ فارسی کے محاورہ زندگانی کروں کا ترجمہ ہے۔ یعنی زندگی گزارنا</p>	

<p>لشکِ خویش آنکھ میں بھرا کر دینی جانا ہوں میں</p>	<p>مختص بہ کھتا ہے مجھ پر تہمتِ میخوارگی</p>
<p>لشکِ خویش آنکھ میں بھرا کر دینی جانا ہوں میں</p>	<p>لشکِ خویش آنکھ میں بھرا کر دینی جانا ہوں میں</p>
<p>کیسے اُس کو میں نے کیوں آنکھ جا لگائی تھا دل جو پتکا پھوڑا بساری اہم سے ذوقِ جراحت اس کا کس کو نہیں ہو لیکن دم بھی نہ لینے پایا پانی بھی پھر نہ مانگا تھا صیدِ ناتواں میں لیکن لہو سو میرے بالکس آج اُس کے سائے سلوک دیکھے</p>	<p>جو اپنے اچھے جی کو ایسی بلا لگائی دکھتا گیا دو چنداں جوں جوں دوا لگائی بخت سکے جسکے اُن نے تیغِ جفا لگائی جس شہنہ لب کو اُن نے تلوار آ لگائی پانوں پہ اُن نے اپنے بھر کر حنا لگائی کیا جانوں دشمنوں کے گل اُس پہ کیا لگائی</p>
<p>جو آنسو پی گیا میں آخر کو میت اُن نے</p>	<p>چھاتی جلا جگر میں اک آگ جا لگائی</p>
<p>دو دن سے کچھ بنی تھی سو بھر شب بگڑ گئی واشد کچھ آگے آہ سو ہوتی تھی دل کے تنیں گرمی نے دل کی ہجر میں اُس کے جلا دیا خطائے نکل کے نقشِ دلوں کے اٹھائے</p>	<p>صحبت ہماری یار سے بیڑ حب بگڑ گئی قلیمِ عاشقی کی ہوا اب بگڑ گئی شاید کہ احتیاط سے یہ تب بگڑ گئی صورتِ بتوں کی اچھی جو تھی سب بگڑ گئی</p>
<p>باہم سلوک تھا تو اٹھائے تھے نرم گرم</p>	<p>کاپے کو میسر کوئی دے جب بگڑ گئی</p>
<p>کچھ موج ہوا پچپاں اسے میسر آئی دلی کے نہ تھے کوچے اور اقی مصور تھے مغرور بہت تھے ہم آنسو کی سرایت پر گل بار کرے ہیگا اسبابِ سفر شاید</p>	<p>شاید کہ بہار آئی زنجیرِ نظر آئی جو شکلِ نظر آئی تصویرِ نظر آئی صبح کے ہونے کو تاثیرِ نظر آئی غنجہ کی طرح بلبِل دلیگرِ نظر آئی</p>
<p>اس کی تو دل آزاری پہ ہیج ہیجی یارو</p>	<p>کچھ تم کو ہماری بھی تقصیرِ نظر آئی</p>
<p>ہو گئی شہرِ شہرِ سوالی</p>	<p>ایک بیاباں بزمِ صحتِ جرس</p>



<p>اُس کی تصویر وہ ہر جانی دستِ قدرت یہ میں کہاں پائی</p>	<p>نہ کھنچے تجھ سے ایک جانِ نقاش سر رکھوں اُس کے پاؤں پر لیکن</p>
<p>میر حبیب کیا ہو دل سے میں تو کچھ ہو گیا ہوں سودا</p>	
<p>عید آئی یہاں ہمارے بریں جامہ ماتمی سیکڑوں طوفاں بغل میں ہو یہ مڑگاں ماتمی ہو قیامت شیخ جی اس کار گہ کی برہمی ہو پرستاروں میں تیری گرہ پری ہو آدمی وہ دم شمشیر تیرا یہ ہماری بسید می مر گئے تو مر گئے ہم اُسکے کیا ہوگی می</p>	<p>تو گلے ملتا نہیں ہم سے تو کیسی سحر می جی بھرا رہتا ہوا اب اٹھوں پہر مانند ابر حشر کو زیر و زبر ہو گا جہاں سچ ہے ولے تجھ سو محبوب آتش طبع اے ساتی نہیں سامنے ہو جائیں اے ظالم تو دونوں ہیں برے اُس قیامت جلوہ سے بہتیرے ہم سے جی اٹھیں</p>
<p>کچھ پریشانی سے جو سنبھل کی تو ابھی ہو کا میسر ایک جہاں برہم کرے زلفوں کی سکی دیر می</p>	
<p>اس دل کے تڑپنے نے کیا خانہ خرابی کی کیا نقل کروں خوبی اس چہرہ کتابی کی ہو مجلسِ مشتاقاں دھکان کب کتابی کی تہ دار نہیں ہوتی گفتارِ شرابی کی پُر زور ہے کیا داروِ عینے کی گلابی کی ہر شکل مرے دل کی سب شیشہِ حبابی کی</p>	<p>اب ضعفِ دھتتا ہو میثابی شتابی کی ان درس گہوں میں وہ آیا نہ نظرِ عام کو ٹھنٹے ہیں دل اک جانب سکتے ہیں جگرِ یلسو تغ اُس سب میگوں سے سب سنتے ہیں کس خاطر ایک بوکشی بلبیل ہو موجبِ ضدستی اب سوزِ محبت سے سائے جو پچھ پھولے ہیں</p>
<p>نشمِ وہ مرے ہمت سے یہاں حرف نہیں نکلا جوابات کہ میں نے کی سو میرِ حسابی کی</p>	
<p>بیقراری کو جانے تب کوئی صبرِ مرحوم تھا عجب کوئی بات کہتے ہیں تیری لب کوئی سوئے پایا تھا در نہ ب کوئی آہ و نال کرے نہ اب کوئی</p>	<p>مجھ سا بیتاب ہوئے جب کوئی ہاں خدا مغفرت کرے اُس کو جان دے گو مسیح پر اس سے بعد میرے ہی ہو گیا سنسان اُس کے کوہِ پیر میں حشر تھی مجھ تک</p>

<p>کہ تلفظ طرب کا سننے کے قطعہ</p>	<p>شخص ہو گا کہیں طرب کوئی</p>
<p>اور محضوں بھی ہم نے تھے دل میسر سا ہو سکے ہر کب کوئی</p>	
<p>دیوانگی کسو کی بھی دنجیر پانہ تھی ایسی گئی بہسار مگر آشنا نہ تھی دل تھا ہمارا آگے تو ماتم سرانہ تھی شرمندہ اثر تو ہماری عسائی تھی لیکن ہماری جان پر ایسی بلا نہ تھی لیکن کسو کے پاس متاع وفائہ تھی آنکھوں میں تیری دنجتر زکریا چاہ تھی مخلوق جب جہاں میں نسیم وضبانہ تھی</p>	<p>آگے ہمارے عہد سے وحشت کو جانہ تھی بیگانہ سالگے ہر چمن اب خزاں میں ہاؤ کب تھا یہ شور و نوہ ترا عشق جینے تھا وہ اور کوئی ہوگی سحر جب ہوئی قبول آگے بھی تیرے عشق سے پھینچو تو دروغ دیکھے دیا رحسن کے میں کارواں بہت آئی پری سی پردہ مینا سے جام تک اس وقت سے کیا ہو مجھے تو چراغ و قف</p>
<p>پڑ مرده اس قدر میں کہ ہر شبہ ہم کو میسر تن میں ہاے جان کبھو تھی بھی یا نہ تھی</p>	
<p>یار کے تیر جان لیجا بھی سانے سے مرے راجا بھی کس کا قصہ تھا ہاں سے جا بھی کیوں ہوا ہر شری را جا بھی</p>	<p>چھن گیا سینہ بھی کلیجا بھی کیوں تری موت آئی سبکی غریز حال کہ چپ ہا تو میں بولا کنے لاگانہ واہی باک اتنا قطعہ</p>
<p>میں کہا میسر جاں بلب ہر شوخ تو نے کوئی خبر کو بھیجا بھی</p>	
<p>ریشک سے جلتے ہیں یوسف کے خریدار کئی مر گئے ساتھ گے میرے تو گرفتار کئی اب گریباں میں مرے رہ گئے ہیں تار کئی ہر جگہ راہ عدم میں ملیں گے یار کئی جان واحد ہر مری اور ہیں آزار کئی</p>	<p>گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کئی کب تلک منع دکھا دینگے اسیری مجھ کو دیکھی چالاکیاں ہاتھوں کی میں جو اول تھیں خونِ تمنائی نہیں کرو تو جہاں سے تو سفر اضطراب و قلق وضعف میں کس طور جیوں</p>
<p>بعض شعراء نے متاع کو مذکر بھی لکھا ہے۔</p>	

کیوں نہ ہوں خستہ بھلا میں کہ ستم کے تیرے	تیرے میں پار کئی وار ہیں سو فار کئی
اپنے کوچے میں نکلیو تو سنبھالے دامن	یاد نگار مژدہ میسر ہیں یہاں غار کئی
میری پریش پہ تری طبع اگر آئے گی محو اُس کا نہیں ایسا کہ جو چیتے کا شتاب کتنے پیغام چین کو ہیں سودل میں ہیں گرہ ابرمت گورِ غریباں پہ برس غافل آہ	صورتِ حال تجھے ابھی نظر آوے گی اُس کے بخود کی بہت دیر خبر آوے گی کسودن ہم تیں بھی بادِ سحر آوے گی ان دل آزدوں کے جی میں بھی لہر آوے گی
میسر میں جیتوں میں آؤں گا اسی دن جبرِ دل	دل نہ تر پیچھے گا مرا چشم نہ بھر آوے گی
کیا کروں شرحِ خستہ جانی کی حال بد گفتنی نہیں میرا سب کو جانا ہو یوں تو پیرا صبر تشنہ لب مر گئے ترے عاشق بیت بکشی سمجھ کے کر بلبل	میں نے مرم کے زندگانی کی تم نے پوچھا تو مہربانی کی آتی ہو اک تری جوانی کی نہ لی ایک بوندِ بانی کی دھوم ہے میری خوش بانی کی
جس سے کھوئی تھی نیند میرے کل	ابستدا پھر وہی کہانی کی
یہ بازار جنوں منڈی ہو دیوانوں کی کیونکہ کہئے کہ اثرِ گریہ مجنوں کو نہ تھا یہ بگولہ تو نہیں دشتِ محبت میں سے خالقہ کا تو نہ کر قصدِ ٹک اسے خاہِ خراب سیلِ اشکوں سے ہو، مصرِ آہوں سے اڑی دل و دیں کیسے کہ اُس رہزنِ دلہا سے اب کتنے دل سوختے ہم جمع ہیں ای غیرتِ شمع سرگزشتیں نہ مری سن کہ اچھٹی ہو سینہ میکدے سے تو ابھی آیا ہو مسجد میں مہتیر	یہاں دکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی گردِ نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی جمع ہو خاکِ اڑی کتنی پریشانوں کی یہی اک رہ گئی ہے بستیِ مسلمانوں کی مجھ سے کیا کیا نہ خرابی ہوئی ویرانوں کی یہ پڑی ہے کہ خدا خیر کرے جہانوں کی کر قدم رنجہ کہ مجلس ہے یہ پروانوں کی خاصیت یہ ہو مری جان ان افسانوں کی ہو نہ لغزش کہیں مجلس ہو یہ بیگانوں کی

<p>اوکٹ لیکے آخر ادا کیا نکالی مناسب مرض کی دوا کیا نکالی نئی راہ کوئی صبا کیا نکالی یہ اک اپنے جی کی بلا کیا نکالی وفا کی ہماری جزا کیا نکالی نکلتے ہی تیغ جفا کیا نکالی</p>	<p>ملا غیسے جا جفا کیا نکالی طبیعوں نے تجوڑی مرگ عاشق نہیں اُس گزر گہ س آئی دھڑب دلا اُسکے گیسے کیوں لگ چلا تو رجھا ہی دیا واہ رے قدر دانی دم صبح جوں آفتاب آج ظالم</p>
<p>لگے در بدر امیر چلانے پھرتے گدا تو ہوئے پر صد کیا نکالی</p>	
<p>نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری خبر نہیں ہے تجھے آہ کارواں میری ہزار جائے گئی طبع بدگماں میری نہ کچھ خبر ہے نہ سب سے سبکی رہواں میری کہ ایک دوست ہو چاں آب پاسبان میری گئی یہ عمر سزیز آہ رایگان میری گئی ہو فکر پریشاں کہاں کہاں میری گئی گلوں کے نہ کانوں تلک فغاں میری نہ آستین ہوئی پاک دوستاں میری</p>	<p>رہی نہ گفتہ مر دل میں استاں میری برنگ صوت جس تجھ سے دور ہوں تنہا ترے نہ آج کے آنے میں صبح کے مجھ پاس وہ نقش پائے ہوں میں مٹ گیا ہو جو رہ میں شب اُس کے کوچہ میں جاتا ہوں اس توقع پر اسی سے دور رہا اصل مدعا جو حق ترے فراق میں جیسے خیال مفلس کا رہا میں در پس دیوار باغ مدت لیک ہوا ہوں گریہ خونیں کا جبے دامنگیر</p>
<p>دیا دکھائی مجھے تو اسی کا جلوہ میری پڑی جہان میں جا کر نظر جہاں میری</p>	
<p>اپنی جگہ بہار میں کچھ قفس رہی آئی اگرچہ دیر صدائے جرس رہی دیکھی نہیں ہو اُن ذری جویں جی رہی برسات اب کے شہر میں ساری برس رہی ہر زخم بھیاں ہو جیسے کلی ہو بخش رہی</p>	<p>اب کے بھی سیر بلع کی جی میں ہوس رہی میں پاشکستہ جانے سکا قافلے تلک لطف قبائے تنگ پگل کا بجا ہو ناز دن رات میری آنکھوں سے آنسو چل رہی خالی شگفتگی سے چراحت نہیں کوئی</p>
<p>۱۔ خیال مفلس کی ایک اور تشبیہ حیرت صفحہ ۱۳۱ سطر ۸۔</p>	

<p>دیوانگی کہاں کہ گریباں سے تنگ ہیں گردن مری ہر طوق میں گویا کہ پھنس ہی</p>	
<p>جوں صبح اس عین میں ہم کھل کھنس کر فرصت ہی جو میسر بھی ہو اک نفس ہی</p>	
<p>آج کل بقیہ رہیں ہم بھی آن میں کچھ ہیں آن میں کچھ ہیں منع گریہ نہ کر تو اسے نا صبح در پئے جان ہر قراول مرگ نالے کر یو سمجھ کے اے بلبل مدعی کو شراب ہم کو نہ ہر گر ز خود رفتہ ہیں تری نزدیک</p>	<p>بیٹھ جا چلنے ہار ہیں ہم بھی تحفہ روزگار ہیں ہم بھی اس میں بے اختیار ہیں ہم بھی کسو کے تو شکار ہیں ہم بھی یازع میں اک کنار ہیں ہم بھی عاقبت دوستدار ہیں ہم بھی بے تو یادگار ہیں ہم بھی</p>
<p>میسر نام اک جواں سنا ہوگا اسی عاشق کے یار ہیں ہم بھی</p>	
<p>اے عمر گزشتہ میں تری قدر نہ جانی پھوٹا تو نہ آیا نظر اک بوند بھی پانی نکلی ہے یہ کئی ہوس بال فشانہ لکنت سے اچھ جا کے اُسے بات آئی باقی ہو کسو موت پریشاں کی نشانی ہم جی سے ترے دست ہیں تو دشمن جانی کتب میں جو کم آتی یہ لیلیٰ تھی دوانی اے وہ اُس کی وفا پیشگی وہ اُس کی جوانی</p>	<p>غفلت میں گئی آہ مری ساری جوانی تھی ابلہ دل سے ہمیں کشنگی میں چشم دست سے ہیں اک مشت پر آوارہ چہن ہیں بھاتی ہو تجھے اک طلب بوسہ میں یہ آن یہ جان اگر بید مولہ کہیں دیکھے دیکھیں تو سسی کب تیں بھتی ہو یہ صحبت چمنوں بھی نہ رسوائے جہاں ہوتا وہ آپ اک شخص بھی سا تھا کہ وہ تجھ یہ تھا عاشق قطعہ</p>
<p>یہ کہہ کے جو رویا تو لگا کسے نہ کہہ میسر سنتا نہیں میں ظلم رسیدوں کی کہانی</p>	
<p>دود و بچن کے ہونے میں اک بات ہو گئی سوز لہیں ہی بناتے اُسے رات ہو گئی مسجد تو شیخ جی کی خیر ابات ہو گئی</p>	<p>دل بارے ہم سے اُس سے ملاقات ہو گئی کن کن مصیبتوں سے ہوئی صبح شام ہاجر گردش نگاہ مست کی موقوف ساقیا</p>

<p>آیا عمل میں بھیماں کہ مکافات ہو گئی پیر مغاں سے رات کرامات ہو گئی نومیدی و امید مسوات ہو گئی مستی میں اب تو قبلہ حاجات ہو گئی گویا کہ کوہ و دشت پہ پرست ہو گئی</p>	<p>ڈر ظلم سے کہ انکی جزا بس شتاب ہے خورشید سا پیالہ مے بے طلب دیا کتنا خلافت وعدہ ہوا ہو گا وہ کہ یہاں آشیخ گفتگوئے پریشاں پہ تو نہ جا ٹک شکر نکل کے مرا اگر یہ سیر کر</p>
<p>اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ہے اُس کے ردِ برد رنجش کی وجہ سے کیا بات ہو گئی</p>	
<p>کسو سے کام نہیں رکتی جنس آدم کی کہ بزم عیش جہاں کیا سمجھ کے برہم لگی کہ سیر و گشت نہیں رسم اہل ماقم کی رہی ہو بات مری جاں بلب لگی دم کی جفا جو ان نے بہت کی تو کچھ وفا کم کی کہ صبح عید بھی یہاں شام ہو محرم کی</p>	<p>بغیر دل کہ یہ قیمت ہے سائے عالم کی کوئی ہو محرم شوخی ترا تو میں پوچھوں ہمیں تو باغ کی تکلیف سے معاف نہ کھو تنگ تو لطف سو کچھ کہہ کہ جاں بلبوں میں گرنے کو تو کج و دل گنج اپنی گزری ہو گھرے ہیں رد و الم میں فساق کے ایسے</p>
<p>نفس میں میسر نہیں جوشِ داغ سینے پر ہوں نکالی ہو ہم نے بھی گل کے موسم کی</p>	
<p>سجدہ اس آستان کا کیا پھر وفات کی ناموس یوں ہی جائیگی آبِ حیات کی حملت نہ دی اجل نے یہیں ایک بات کی اب بات جا چکی ہو سبھی کائنات کی آہ سحر نے دل پہ عبتِ التفات کی دزدیدہ تیرے دیکھنے نے جہنم گھات کی اس جادو کا پہنچتی نہیں ہے نبات کی جو چال پڑتی ہے سودہ بازی نبات کی</p>	<p>نظم سے یہ راہ میں نے نکالی نجات کی نسبت تو دیتے ہیں ترے لب پر ایک دن صد حرف زہرِ خاک تیرے دل چلے گئے پھر تو ہی اس زمانے میں حیرت چپ نہیں پڑم دھڑاس کلی کے تئیں اشدن ہو کیا حور و پری فرشتہ لبشر بار ہی رکھا اُس لب شکر کے ہینگے جہاں اللہ شناس عرصہ ہو تنگ چال نکلتی نہیں ہو اور</p>
<p>برقع اٹھا تھا یار کے منہ سے سو میسر کل سنتے ہیں آفتاب نے جوں توں کی رات کی</p>	<p>نظم فراوانِ بیست و سیرِ باغ دو نظمے دماغ نہیں مندہ ہاے بیجا کا مرزا عابد</p>

<p>پڑ مردہ اس کلی کے تئیں بھی ہوا لگی          آج یہ آگ دل سے جسکو کو بھی جانی لگی          کوچہ میں تیرے زلف کے آئے صبا لگی          اس دل مریضِ غم کو نہ کوئی دوا لگی          دل کو کسو ستمزدہ کی بادِ عسا لگی          گریہ کی سنے کی ہیں تکلیف نالگی</p>	<p>اب دل کو آہ کرنی ہی صبح و مسالگی          کیونکر بجاؤں آتش سوزانِ عشق کو          دل کو گئے ہی یہاں سو بنی اب کہ ہر بحر          بیتابی و تشکیب و سفر حاصل کلام          ڈر مجھ نفس سے غیر کہ بھر جی ہی سے گیا          لگ جائے چپے کچھ کو تو تو کیوں عذیب</p>
<p>کشتہ کا اُس کے زخم نہ ظاہر ہوا کہ میسر          کس جائے اُس شہیدِ کریم جفا لگی</p>	
<p>اس ماہر و کے آگے کیا تاب مشتری کی          سیر اس جہاں کی رہد پرتے سہری کی          مت پوچھ اُن نے مجھ سے جو آدمی گری کی          سر پر ہمارے ابی منت ہو بے پری کی          مجنوں کے طالعوں نے شہرت میں ماور کی          یہ کشت خنک تو نے اگر چشمِ ہری کی          رکھے بنائے تازہ اس چرخِ اختر کی          ہم رنجہ خاطر دلی کیا خوب دہری کی</p>	<p>کس حُسن سے کہوں میں لگی خوش خری کی          رکھنا نہ تھا قدم یہاں جوں باد بے تامل          شہبہ بحال سگ میں اک عمر صرف کی ہے          پائے گل اُس جن میں چھوڑا گیا نہ ہم سے          پیشہ تو ایک ہی تھا اُس کا ہمارا لیکن          گریہ سے داغِ سینہ تازہ ہوئے ہیں سارے          یہ دور تو موافق ہو تا نہیں مگر اب          خوابِ تمھاری خوبی تاجند نقل کر رہے</p>
<p>ہم سے جو میسر آکر افلاک چرخ میں ہیں          ان خاک میں یلوں کی کاہیکو ہری کی</p>	
<p>یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے          شعلہ اک صبح یہاں سے اٹھتا ہے          کوئی ایسے مکاں سے اٹھتا ہے          شور اک آسماں سے اٹھتا ہے          ایک آشوب دھاں سے اٹھتا ہے</p>	<p>دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے          گور کس دل جلے کی ہو یہ نلک          خانہ دل سے زینہ سار نہ جا          نالہ سہ بھینچتا ہے جب میرا          لڑتی ہے اُس کی چشمِ شوخ جہاں</p>

لے طالع شہرہ رسواں مجنوں پیش است، درہ طشت من وادہر ووزیک بام اقدار لا اعلم - آئی

<p>دود کچھ آشیاں سے اٹھتا ہے جو ترے آستان سے اٹھتا ہے جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے</p>	<p>سُدد لے گھر کی بھی شعلہ آواز بیٹھے کون دے ہو پھر اُس کو یوں اُٹھے آہ اُس گلی سے ہم</p>
<p>عشق اک میسر بھاری پتھر ہو کب یہ تجھ ناتواں سے اٹھتا ہے</p>	
<p>سنا کر بے کہ یہ بھی اک سخن ہے اکہی چشم یا زخم کسمن ہے نپٹ آوارہ بوئے پیر من ہے کوئی دل داغ خون کو بہن ہے کہ ہر گل اس میں اک خونیں گفن ہے دل پر داغ بھی اپنا چمن ہے</p>	<p>کلی کہتے ہیں اُس کا سادہن ہے ٹپکتے درد ہیں آنسو کی جب آگ خبر سے پیر کنعاں کی کہ کچھ آج نہیں دامن میں لالہ بے ستوں کے شہادت گاہ ہے باغِ زمانہ کروں کیا حسرت گل کو وگرنہ</p>
<p>جو دے آرام ملک آوارگی میسر تو شامِ غربت اک صبحِ وطن ہو</p>	
<p>آئے جو ہم چمن میں ہو کر اسیر آئے آئے تو تم و لیکن وقتِ اخیر آئے کچھ دے گئے شبابی کچھ ہم بھی دیر آئے گل گر گئے عدم کو کھڑے نظر آئے دروازے جس کے ہم سے کتنے فقیر آئے ایک ادھ دن میں ہم تو جینے پیر آئے خینے ہو گلبنوں پر جب ہم صغیر آئے سر شیخ جی کے گویا مجلس میں پیر آئے قربان کہ دفا میں مانند تیر آئے</p>	<p>گلگشت کی ہوس تھی سو تو بغیر آئے فرصت میں کفینس کے کیا در دل سنو گے دلی میں اب کی آکر اُن یاروں کو نہ دیکھا کیا خوبی اس چمن کی موقوف ہو کسو پر شکوہ نہیں جو اُس کو پروانہ ہو ہماری عمر دراز کیونکر مختارِ خضر ہے یہاں نزدیک تھی قفس میں پرواز روح اپنی یوں بیٹھے بیٹھے ناگہ گردن لے لالائی قامت خمیدہ اُس کی جیسی کہاں تھی لیکن</p>
<p>بن جی دئے نہیں ہو امکان بھان سجانا بسل گہ جہاں میں اب ہم تو میسر آئے</p>	
<p>لے لپڑ آئے یعنی پہل کی مانند غور پیدا ہوئے۔</p>	



کہے نظر لگی تھی دروازہ حرم سے  
صورت گرا جل کا کیا ہاتھ تھا کہے تو  
سوزش گئی نہ دل کی رونے سے در و شب کے  
طاعت کا وقت گزرا مستی میں آنرز کی  
کڑھنے نہ روئے تو اوقات کیونکہ گزے  
مشہور ہو سماجت میری کہ تیغ برسی  
بات احتیاط سے کر ضائع نہ کر نفس کو  
کیا کیا تعب اٹھائے کیا کیا عذاب دیکھے  
ہستی میں ہم نے اگر آسودگی نہ دیکھی  
پامال کر کے ہم کو پچھتاؤ گے بہت تم

دل دہو مہر صاحب اس بد معاش کو تم  
خاطر تو جمع کر لو تک قول سے قسم سے  
کہ بل ہی باندھتے ہیں بیچ بگڑی کے بھی بالوں سے  
نسلی کرتے ہیں ناچار شاعر ان مہشالوں سے  
حقیقت عافیت کی اُس گلی کے بنے والوں سے  
جگر ٹکڑے ہوا جاتا ہے آخر شب کے نالوں سے  
کہ آمیزہ کو ربط خاص ہے صاحب جمالوں سے  
لے ہیں ہم بہت گلزار کے نازک نہالوں سے  
گتھانٹکے ہو تختِ دل مرا تیروں کر بھالوں سے  
کس سالی میں ملتا ہو کوئی بھی فرد سالوں سے

رہا ہونا نہیں امکان ان ترکیبِ دلوں سے  
بچے نسبت جو دیتے ہیں شرار و برق و شعلہ  
بلا کا شکر کر اسے دل کہ اب معلوم ہوتی ہے  
نہیں اہم نفس اب جی میں طاقت دوری گل کی  
نہیں خالی اثر سے تصفیہ دل کا محبت میں  
کہاں یہ قامتِ دلکش کہاں پاکیزگی ایسی  
ہدف اُس کا ہوئے مدت ہوئی سبب کو پراہنک  
ہوا پیرانہ سر عاشق ہو زائد مضحکہ سب کا

رگ گل کوئی کتنا ہو کوئی اور میسر مواس  
کمر اُس شوخ کی بندھتی نہیں ان خوش خیالوں سے

گئے جی سے چھوٹے بٹنوں کی جفا سے  
وہ اپنی ہی خوبی پر رہتا ہے نازاں  
کوئی ہم سے کھلتے ہیں بند اس قبلے

یہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے  
مرو یا جو کوئی اُس کی بلا سے  
یہ عقدے کھلیں گے کسو کی دعا سے

یہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے  
مرو یا جو کوئی اُس کی بلا سے  
یہ عقدے کھلیں گے کسو کی دعا سے

<p>کہ غافل چلا شیخ لطف ہوا سے کہ ورت مجھے ہو نہایت صبا سے مگر دیدہ تر ہیں لوہو کے سیا سے تعصب مجھے ہے عجب باسوا سے ہوا درد عشق آہ دونا دوا سے کہ بیٹھے ہیں یہ قافیہ کس ادا سے</p>	<p>پشیمان توبہ سے ہو گا عدم میں نہ رکھی مری خاک بھی اس گلی میں جگر سوئے شرکاں کھنچا جائے ہو کچھ اگر چشم ہو تو وہی عین حق ہے طیب سبک عقل ہرگز نہ سمجھا ہلک اے مدعی چشم انصاف وا کر</p>
<p>دل ساکنان باغ کے تجھ سے اٹک گئے ان دو ہی منزلوں میں بہت یا تھک گئے ہر چند نالہائے خرب عرش تک گئے سیلاب میر اشک کے آرد بھی بہک گئے بھر کر نگاہ تو نے جو کی دوہیں چھک گئے ب داغ کھاتے کھاتے کلیجے تو پک گئے</p>	<p>کیوں نے تیری چال جو بھی تھک گئے اندوہ وصل و ہجر نے عالم کھپا دیا مطلق اثر نہ اُس کے دل نرم میں کیا افراط گریہ سے ہوئیں آبادیاں خراب وے میگسا رطوبت جنھیں خم کشی کے تھے چنداے سپہر چھاتی ہماری جلا کرے</p>
<p>ہوند لیں آنکھیں ادھر سے تم نے پیائے دیکھے خاک میں تا چند ایسے لعل پائے دیکھے جو نکتے ہیں خون خفتہ کب تھکائے دیکھے رفتہ رفتہ پیش کیا آتا ہے بائے دیکھے ایک دن تو آن کر یہ جسم بے دیکھے چشم سے انصاف کی سینے ہمارے دیکھے دیدہ دل ہو گئے ہیں سب کنائے دیکھے اور منہ دھونے کے چھینٹوں سے ستائے دیکھے ہم تو ہمیں اس رہ کے خوابیدہ ہیں بے دیکھے</p>	<p>زندگی ہوتی ہو اپنی غم کے مارے دیکھئے لحنت دل کبت الہی چشم سے ٹپکا کریں ہو چکا روز بجز اب اس شہیدان وفا راہ دور عشق میں اب تو رکھا ہم نے قدم سینہ مجروح بھی قابل ہوا ہو سیر کے خنجر بیداد کو کیا دیکھئے ہو دمبدم ایک خوں ہو یہ گیا ورتے ہی دتے گئے شست مشو کا اُس کے پانی جمع ہو کر رہ بنا و گئے سوتے کے سوتے کارواں جاتا رہا</p>

<p>آخر میں تری آنکھوں کے ہم دیکھنے والے ہرگز نہ ہوا یہ کہ ہمیں پاس بلالے گزر جائے اگر آنکھ میں سر دل سے نکالے کرتے نہیں غیرت کے خدا کے بھی حوالے اب یہ وہ غنیمت نہیں جاتے منہا لے اب سستِ تلطف کو مرے سے اٹھالے اک لطف میں وہ مجھ سے تنگ روگے منالے دیکھیں گے اگر لوں ہی بھلا جان بھی جالے</p>	<p>کس طور ہمیں کوئی فریبندہ بٹھالے سوزِ ظلم اٹھائے تو کبھو دُور سے دیکھا اُس شمع کی سرتیزِ بلیک ہیں کہ وہ کانٹا عشق اُن کو ہو جو یار کو اپنے دمِ رفتن وے دن گئے جو ضبط کی طاقت تھی ہمیں بھی احوال بہت تنگ ہو اے کاشِ حجت دعوائے قیامت کا مرے خوف سے کیا کہتے ہیں حجابِ رخِ دلدار ہو ہستی</p>
<p>ہمیں اس سے نکل آہ کہ درختے ہیں میاں دا بیباک ہو وہ شمع کیسے مار نہ ڈالے</p>	
<p>کہ ہمراہ صبا طاک سیر کرتے پھر ہوا ہوتے وہ گرنہ ہم خدا سے گھر دل بے مدعا ہوتے خبر راہ ہوتے یا کسو کی خاک پاہوتے ہمیں تو شرم و امن گیر ہوتی ہو خدا ہوتے ترسے باشندگان ہم کاش سارے عیوفا ہوتے جو خاطر خواہ اپنے ہم ہوئے ہوتے تو کیا ہوتے</p>	<p>برنگِ بوئے گل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے سراپا آرزو ہونے لے بندہ کر دیا ہم کو فلک اے کاش ہم کو خاک ہی کہتا کہ اس میں ہم آئی کیسے ہوتے ہیں جنھیں ہو بندگی جو آہن تو ہو کس ناحید سے اے دیا عشق کیا جانوں اب ایسے ہیں کہ صانعِ کرم مزاج او پر ہم پہنچے</p>
<p>کہیں جو کچھ ملامت گرجا ہو ہمیں کیا جانے انھیں معلوم تب ہوتا کہ ویسے سے جدا ہوتے</p>	
<p>گل اک دل ہے جس میں تری چاہ ہو جہاں دیکھو اللہ اللہ ہو وہی جینے ہے جو آگاہ ہو کہ اب تک بھی یک ناتواں آہ ہو کہ ہر گام بچاں اک خطر گاہ ہو</p>	<p>چمن یا ریسرا ہوا خواہ ہے سراپا میں اُس کے نظر کر کے تم تری آہ کس سے خبر پائیے مرے لب پہ رکھ کان آواز سن گزر سے سیرتِ عشق کی راہ چل</p>
<p>لہ مرزا غالب دہلوی سے قیامت ہو کہ ہوتے مدعی کا ہمسفر غالب پڑ وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائی ہو مجھ سے لہ لا اعلم سے ہم خدا سے گرنہ ہوتا دل میں کوئی عرسا پڑ آرزوؤں سے ہماری ہم کو بندہ کر دیا</p>	

<p>بہت خطر بھی دل میں گمراہ ہے یہ منزل نہیں عجیب راہ ہے کہا میں نے کب یہ کہ تو ماہ ہے</p>	<p>کہم وادی عشق دکھلایے جہاں سے تو رخت اقامت کو باندھ یہ شرمندہ کر اپنے منہ سے مجھے</p>
<p>یہ وہ کارواں گاہ دلکش ہو میسر کہ پھر بیاں سے حسرت ہی ہمراہ ہو</p>	
<p>بوکھی کچھ دماغ میں گل کے خون بلبلی چراغ میں گل کے جلو سب سے کو داغ میں گل کے ہو نہیں ہر ایانے میں گل کے</p>	<p>دھبہ ہی تیرے زبانی گل کے جائے روغن دیا کرے ہے عشق دل تکی نہیں صبا ورنہ اس حدیقے کے عیش پرست جا</p>
<p>سیر کر میسر اس چمن کی شتاب ہر خزاں بھی سراغ میں گل کے</p>	
<p>جان کے دینے کو جگر چاہئے اشک سا پاکیزہ لہر چاہئے اٹھتے پلک ایک پر چاہئے اُس کے پرکھنے کو نظر چاہئے داغ بہ دل دست بسر چاہئے عیب بھی کرنے کو ہنر چاہئے</p>	<p>عشق میں نے خوف و خط چاہئے قابل آغوش ستم دیدگاں حال پہنچا ہے کہ اب ضعف ہے کم ہیں شناسائے زرد داغ دل عشق کے آثار ہیں او بلہوس شرط سلیقہ ہے ہر ایک امر میں</p>
<p>خوف قیامت کا یہی ہو کہ میسر ہم کو جیا بار دگر چاہئے</p>	
<p>یہ نمائش سراب کی سی ہے پنکھڑی لک گلاب کی سی ہے یہاں کی اوقات خواب کی سی ہے حالت اب اضطراب کی سی ہے بیت اک انتخاب کی سی ہے</p>	<p>ہستی اپنی جاب کی سی ہے ماز کی اس کے لب کی کیا کہئے پیشیم دل کھول اُس ہی عالم پہ بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں نقطہ خال سے ترا ابرو</p>
<p>۱۵۔ یسے گل کچھ غور پیدا ہو گیا ہے ۱۲</p>	

میں جو بولا کہا کہ یہ آواز آتشِ غم میں دل بھنا شاید دیکھئے ابر کی طرح اب کے	اُسی خادِ خراب کی سی ہے دیر سے بوکِ باب کی سی ہے میری چشم پر آب کی سی ہے
میر ان نیم بار آنکھوں میں ساری مستی شراب کی سی ہے	
شمع صفت جب کبھو مر جائیں گے تند نہو ہم تو مئے پھرتے ہیں کھل گئے رخسار اگر یار کے خالی نہ چھوڑیں گے ہم اپنی جگہ	ساتھ لئے داغ جگر جائیں گے کیا تری ان باتوں سو ڈر جائیں گے شمس و قمر جی سے اتر جائیں گے گر یہی رونا ہے تو بھر جائیں گے
راہ دم تیغ یہ ہو کیوں نہ میر جی پہ رکھیں گے تو گزر جائیں گے	
اب جو اک حسرت جوانی ہو ریشکِ یوسف ہو آہ وقتِ عزیز گریہ ہر وقت کا نہیں بڑھچ خاک تھی موجِ زن جہاں میں اور ہم قفسِ زادِ قیدی ہیں ورنہ اُس کی شمشیر تیز سے ہدم غم و رنجِ عالم نکویاں سے	عمر رفتہ کی یہ نشانی ہے عمر اک بارِ کاروانی ہے دل میں کوئی غم نہانی ہے ہم کو دھوکا یہ تھا گِیا پانی ہے تا چمن ایک پر فشانی ہے مر رہیں گے جو زندگانی ہے سب بھاری ہی مہربانی ہے
یہاں ہوئے میر تم برابر خاک وہاں وہی ناز و سہر گزانی ہو	
قیامت ہیں یہ چسپاں جامے والے وہ کالا چور ہے خالِ رُخ یار نہیں اٹھتا دل محزون کا ماتم کہاں تک دور بیٹھے بیٹھے کہئے دلا بازی نہ کر ان کیسوؤں سے	گلوں میں جن کی خاطر خستہ ڈالے کہ سو آنکھوں میں دل ہو تو چرالے خدا ہی اس مصیبت سے نکالے کبھو تو پاس ہنس کو بھی بلا لے نہیں آساں کھلانے سانپ کالے

<p>بغل میں دشمن اپنے ہمنے پاس ابھی زخم جگر سارے ہیں اُٹے پڑے ہیں اب تو چینی ہی کے لالے</p>	<p>طپش نے دل جگر کی مار ڈالا نہ مہکے ہوئے گل اے کاش یک چند کسے قیدِ قفس میں یادِ گل کی</p>
<p>ستایا میسرِ نعم کش کو کنھوں نے کہ پھر اب عیش تک جاتے ہیں نالے</p>	
<p>بس ہم نہ بُرا مانے تو کون بُرا مانے دل کی تو سمجھ لیجے گر چشم کھامانے کیا کیا نہ لکھیں ہم تو جو یار کھامانے پردہ تو سخن رسِ آہِ اس بات کو کیا مانے</p>	<p>اُٹلے اس خاطر تاخیر بھلا مانے سرمایہِ صداقت دیدار کی خواہش ہو مسدود ہی اس قاصد بہتر ہے رونا ملکِ حال شکستہ کی سنیے ہی ہر سب کچھ ہو</p>
<p>بے طاقتی دل نے سائل بھی کیا ہم کو یہ میسرِ فقرِ دل کی بھیاں کون صدامانے</p>	
<p>ایسے دیرانے کے اب سنے کو مدت چاہئے اس طرح خرچ لا حاصل کو دولت چاہئے آدمی ہووے کسی پیشے میں حرکت چاہئے سامنے ہووے کو صاحبِ بن کو قدرت چاہئے قرب و بعد اس جا برابر ہو محبت چاہئے یہاں صعوبت کھینچنے کو جی میں طاقت چاہئے</p>	<p>دل کے معویے کی مت کر فکر فرصت چاہئے عشق و میواری نیچے ہو کوئی درویشی کے بیج عاقبت فراہم کر کام اپنا کر گیس ہو طرف مجھ پہلو اس شاعر کا کب عاجز سخن عشق میں وصل و جدائی سے نہیں کچھ گفتگو نازکی کو عشق میں کیا دخل ہے اے بھروس</p>
<p>تنگ مت ہو ابتدائے عاشقی میں اس قدر خیریت ہو میسرِ صاحبِ دل سلامت چاہئے</p>	
<p>دکھلائی دے جہاں تک میدان ہو رہا ہے ہر اک کے یہاں سفر کا سامان ہو رہا ہے آئینہ دیکھ کر کچھ حیران ہو رہا ہے یعنی ہزار جی سے سربان ہو رہا ہے سزیتا نہ تھا کہ تیرے صید بجان ہو رہا ہے ایک دھ دھ دم کا عاشقِ مہمان ہو رہا ہے</p>	<p>بے یارِ شہرِ دل کا دیران ہو رہا ہے اس منزلِ جہان کے باشندے رفتی ہیں اچھا لگا ہے شاید آنکھوں میں یار اپنے گل دیکھ کر چمن میں تجھ کو کھلا ہی جا ہے حالِ زبون اپنا پوشیدہ کچھ نہ بھٹا تو ظالمِ ادھر کی سُدھ لے جو شمعِ صبح کا ہی</p>

قربان کہ محبت وہ جاہز جس میں ہر سو  
دشوار جان دینا آسان ہو رہا ہے

ہر شب گلی میں اُس کی روٹی ہے جو ہم تو  
اک روز میرے صاحب طوفان ہو رہا ہے

تیری گلی سے جب ہم غم سفر کریں گے  
آزردہ خاطر وہ سے کیا فائدہ سخن کا  
عذر گناہِ خوباں بدتر گنہ سے ہو گا  
سر جائیگا ولیکن آنکھیں اُدھر ہی ہونگی  
اپنی خبر بھی ہم کو اب دیر پہنچتی ہے  
گردل کی تابِ طاقت یہ ہو تو ہمنشین ہم  
یہ ظلم بے نہایت دیکھو تو غور و بویاں  
اپنے ہی جی میں آخر انصاف کر کہ کبتک

ہر ہر قدم کے اوپر پتھر جگر کریں گے  
تم حرف سر کر کے ہم گریہ سیر کریں گے  
کرتے ہوئے تلافی بے لطف کریں گے  
کیا تیری تیغ سے ہم قطع نظر کریں گے  
کیا جانے یار اُس کو کبتک خبر کریں گے  
شام غم جدائی کیونکر سحر کریں گے  
کتے ہیں جو ستم ہو ہم تجھ ہی پر کریں گے  
تو یہ ستم کرے گا ہم در گزر کریں گے

صناع طرفہ ہیں ہم عالم میں ریختے کے  
جو میرے جی لئے گا تو سب ہنس کر کریں گے

آنکھیں لڑا لڑا کر کبتک لگا رکھیں گے  
فکر دہن میں اُس کی کچھ بن نہ آئی آخر  
مشت نمک کو میں نے بیکار کم رکھا ہے  
سبز ان شہر اکثر درپے ہیں آبرو کے  
آنکھوں میں دلبروں کی مطلق نہیں مروت  
جینے ہیں جب تلک ہم آنکھیں بھی لڑتیاں میں  
اب چاند بھی لگا ہو تیرے سے جلوہ کہنے  
مرنگان و چشم دابر و سب ہیں ستم کی مائل

اس پرے ہی میں خوباں ہم کو سلا رکھیں گے  
اب یہ خیال ہم بھی دل سے اٹھا رکھیں گے  
چھاتی کے زخم میرے مدت مزا رکھیں گے  
اب زہر پاس اپنے ہم بھی منگا رکھیں گے  
یہ پاس آشنائی منظور کیا رکھیں گے  
دیکھیں تو جو خوبان کبتک روا رکھیں گے  
شبہائے ماہ چندے تجھ کو چھپا رکھیں گے  
ان آفتوں سے دل ہم کیونکر بچا رکھیں گے

دیوان میرے صاحب ہر یک کی آواز بغل میں  
دو چار شعر ان کے ہم بھی لکھا رکھیں گے

تجھ سے دُچار ہو گا جو کوئی راہ جاتے  
گردل کی بیقراری ہوتی یہی جواب ہو

پھر عمر چاہئے گی اُس کو کجاں آئے  
تو ہم ستم رسیدہ کا ہی کو جینے پاتے

<p>اب سعی چاہئے ہر بالیں سے سر اٹھاتے پر زبر تیغ اُس کی ہم ملک تو سر ملاتے کاسے کو خاک میں ہم اپنے تئیں ملاتے تھم جاتے ہیں کچھ آنسو انوں کو آتے آتے حال خراب مجلس ہم تیغ کو دکھاتے اگر کاش جان دیتے ہم بھی نہ لنگھاتے</p>	<p>وے دن گئے گئے ٹھکر جاتے تھو اُس گلی میں کب تھی ہمیں تمنا اضعف یہ کہ تڑپیں گر جانتے کہ یوں ہی برباد جائیں گے تو شاید کہ خون دل کا پہنچا ہے وقت آخر اس سمت کو پلٹتی تیری ننگہ تو ساقی جی دینا دلہی سے بہتر تھا صدمہ اب</p>
<p>شب کو تہ اور قصہ ان کا دراز ورنہ احوال متیر صاحب ہم تجھ کو سبباتے</p>	
<p>نہ نکلا کچھ عہدہ مور سے کہ فریاد میں ہے جرس شور سے قسم ہے تجھے ملک برس زور سے دھواں سا اٹھا کچھ لب گور سے ہوا اس گلی میں بستر چور سے</p>	<p>ہو عاجز کہ جسم اس قدر زور سے بہت دور کوئی رہا ہے مگر مری خاک تفتہ پر ای ابر تر ترے دل جلے کو رکھا جس گھڑی نہ پوچھو کہ بے اعتباری کی میں</p>
<p>جو ہو متیر بھی اس گلی میں صبا بہت پوچھیو تو مری اور سے</p>	
<p>یہاں سلیمان کے مقابل مور ہو چشم شیر اپنا چراغ گور ہو ایک عالم اُس کے اوپر ڈور ہو وائے وہ جس کا عصا کش کور ہو صبح کی بھی باد بادی چور ہو کیونکہ کہئے حق ہماری اور ہو</p>	<p>مت ہو مغرور ایک تجھ میں زور ہو مر گئے پر بھی ہے صولت فخر کی جب کاغذ باد کا ہے شوق اسے رہنما کی شیخ سے مت چشم رکھ لے ہی جاتی ہے زر گل کو اڑا دل کھینچے جاتے ہیں سائے اس طر</p>
<p>تھا بلا ہنگامہ آرا متیر بھی اب تلک گلیوں میں اُس کا شور ہو</p>	
<p>ملتی نا چار ہوا چاہے کس کا طلبگار ہوا چاہے</p>	<p>غیر اب یار ہوا چاہے جسکے تیل ڈھونڈیں میں وہ سب ہیں ہو</p>



<p>اس لئے بیمار ہوا چاہئے دل کو گرفتار ہوا چاہئے مرے کو تیار ہوا چاہئے جلدِ خسرو دار ہوا چاہئے دل کے خسرو ہوا چاہئے سایہ دیوار ہوا چاہئے آہ سبک بار ہوا چاہئے</p>	<p>سا کہ وہ ٹک آن کے پوچھے کبھو زلف کسی کی ہو کہ ہوا خاں و خط تین بند اُس کی ہوئی بلبوس مصطفیٰ بخودی ہو یہ جہاں مول ہو بازار کا ہستی کے یہ کچھ نہیں خورشید صفت سرکشی کر نہ تعلق کہ یہ منزل نہیں</p>
<p>گو سفری اب نہیں ظاہر میں میسر عاقبت کار ہوا چاہئے</p>	
<p>پامال ہو گئے تو نہ جانا کہ کیا ہوئے ہم آخر بہارِ قفس سے رہا ہوئے آدم کی قدر ہوتی ہو ظاہر جدا ہوئے گل وا ہوئے ہزار دے ہم نہ وا ہوئے</p>	<p>یہاں سرکشاں جو صاحبِ تاج دلوا ہوئے دیکھی نہ ایک چشمِ گل بھی چمن میں آہ بچھتاؤ گے بہت جو گئے ہم جہاں سے تجھ بن دماغ صحبتِ اہل چمن نہ تھا</p>
<p>سر دیگے میسر ہم نے فراغت کی عشق میں ذمہ ہمارے بوجھ تھا بائے ادا ہوئے</p>	
<p>اک نظر گل دیکھنے کے بھی ہمیں لالے پڑے رفتہ رفتہ دلبوں کے کان میں بالے پڑے ہر طرف تو ہیں گلی کو چوں میں متوالے پڑے میرے پاؤں میں تو پہلے ہی قدم چھپائے پڑے گھر میں ہمسایوں کو شب ہو کے پرنا لے پڑے روتے روتے بسکہ میری آنکھوں میں خالے پڑے</p>	<p>اس اسیری کے نہ کوئی اے صبا پالے پڑے حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش مت نگاہ مست کو تکلیف کرسا قی زیاد کیونکہ طے ہو دشتِ شوقِ آخر کو مانندِ بشرک جوش مارا اشکِ خونیں نے مرے دل سے لیں ہیں بعینہ ویسے جوں پر داکرے ہے عنکبوت</p>
<p>گر مجھوشی سے مری گریہ کی شب آنکھوں کی راہ گوشہ دامن میں میسر آتش کے پرکالے پڑے</p>	
<p>دل نے صدمے بڑے اٹھائے تھے کتے آنسو پلک تک آئے تھے</p>	<p>رنج کھینچے تھے دماغ کھائے تھے پاسِ ناموسِ عشق تھا در نہ</p>

<p>زخم چھاتی کے سب دکھائے تھے یہاں سمجھو سر و گل کے سائے تھے کس توقع پہ دل لگائے تھے سانس بھی ہم نہ لینے پائے تھے</p>	<p>دہی سمجھنا نہ در نہ ہم نے تو اب جہاں آفتاب میں ہم ہیں کچھ نہ سمجھے کہ تجھ سے یاروں نے فرصت زندگی سے مت پوچھو</p>
<p>میر صاحب مڑا گئے سب کو کل وے تشریف یہاں بھی لائے تھے</p>	
<p>نگاہیں اٹھ گئیں طوفان پر سے بڑی کلول ٹلی ہی جان پر سے اٹھالوں میں اُسے قرآن پر سے خدائی صدقے کی انسان پر سے</p>	<p>گرے بحیرہ بلا شرکان تر سے ہمیں غش آگیا تھا وہ بدن دیکھ لیا دل اُس مخطوط روئے میرا کہاں ہیں آدمی عالم میں پیدا</p>
<p>تفنگ اُس کی چلی آواز پر لیک گئی ہے میر گولی کان پر سے</p>	
<p>پر نہ اتنا بھی کہ ڈولے شہر کم روئے نخندہ صبح چین پر مثل شبنم روئے عید کے دن پہنے تو دس دن محرم روئے بہر جگہ برجی میں یوں آیا دما دم روئے مدتوں تک کیجئے غم مثل آدم روئے وادی بجنوں پہ بھی اے ابراک دم روئے</p>	<p>خوب ہی اے ابراک شب آؤ با ہم روئے وقت خوش دیکھنا نہ اکدم سے زیادہ دہریں شادی و غم میں جہاں کی ایک سے دس کا فرق دیکھا ماتم خانہ عالم کو ہم مانند ابر ہو جدا زدوس سے یعنی گلی سے یار کے اے یوں کرے مقرر اٹھے جب کہ سارے</p>
<p>عشق میں قریب گریہ کو نہیں درکار میر ایک مدت صبر ہی کا رکھیے ماتم روئے</p>	
<p>دو دو جگہ سے میرے یہ چھت سب سیاہ ہے ساقی جو تو بھی مل چلے تو واہ واہ ہے احوال پر ہمارے تمہیں کب نگاہ ہے دیکھا جو شیخ شہر عجب دستگاہ ہے یعنی کہ کام اس کا کچھ اب دبراہ ہے</p>	<p>نیلا نہیں سپہر تجھے اشتباہ ہے ابر و بہار و باد سمجھوں میں ہے اتفاق سے سے ایسی آنکھیں تمہاری نہیں لگیں کس کس طرح سے ہاتھ نچاتا ہر وعظ میں ہے روئے غنچ میر تری خاک راہ پر</p>

نہیں قید الفت میں گرفتاری کو کیا جانے  
وہ ہر اک مندرس نالہ مبارک مرغ گلشن کو  
ستم ہر تیری خوشے خشکیں پر ٹپک بھی دلجوئی  
گلہ اپنی جفا کا سن کے مت آزرده ہو ظالم

تکلف برطون بے مہر ہے یاری کو کیا جانے  
وہ اس ترکیب نوکی نالہ واری کو کیا جانے  
دل آزاری کی باتیں کر تو دلدری کو کیا جانے  
نہیں تہمت ہو تجھ پر تو جفاکاری کو کیا جانے

ترا ابرام اس کی سادگی پر میر میں پانا  
بھلا ایسا جو ناداں ہو وہ عیاری کو کیا جانے

جوش دل آئے بہم دیدہ گریان ہوئے  
کیا چھپیں شہر محبت میں ترے خانہ خراب  
کس نے لی رخصت پرواز پس از مرگ نسیم  
سبزہ دلالہ دگل ابرو ہوا ہے دے دے  
دعویٰ خوش دہنی گرچہ آئے تنہا لیکن  
جام غم بن نہیں ملتا ہو ہمیں صبح کو آب

کتنے اک شک ہوئے جمع کہ طوفان ہوئے  
گھر کے گھر ان کے ہیں اس سب میں مریان ہوئے  
مشت پر باغ میں آئی ہی پریشان ہوئے  
ساقی ہم توبہ کے کرنے سے پشیمان ہوئے  
دیکھ کر منہ کو ترے گل کے تئیں کان ہوئے  
جب اس چرخ سیکہ سہ کے مہمان ہوئے

اپنے جی ہی نے نہ چاہا کہ پیس آب حیات  
یوں تو ہم میسر اسی چشنے پہ بھیجاں ہوئے

یارب کوئی ہو عشق کا بیمار نہ ہوئے  
زنداں میں سچنے طوق پڑے قید میں مر جائے  
اس واسطے کانپوں ہوں کہ ہوا نہ پٹ سرد  
صد نالہ بجانگاہ ہیں وابستہ چمن سے  
پژدہ بہت ہو گل گلزار ہمارا  
مانگے ہو دُعا خلق تجھے دیکھ کے ظالم  
ہوں دوست جو کتا ہوں سن ای جان ک دشمن  
خواباں بُرے ہوتے ہیں اگرچہ ہیں نکو رو  
باندھے نہ پھرے خون پر اپنی تو کمر کو  
چلتا ہو رہ عشق ہی اس پر بھی چلے تو  
صحرائے محبت ہو قدم دیکھ کے رکھ میسر

مر جائے دے اس کو یہ آزار نہ ہوئے  
پر دام محبت میں گرفتار نہ ہوئے  
یہ باد کیلجے کے کہیں پار نہ ہوئے  
کوئی بال شکستہ پس دیوار نہ ہوئے  
شرمندہ یک گوشہ دستار نہ ہوئے  
یارب کسو کو اس سے سروکار نہ ہوئے  
بہتر تو تجھے ترک ہو تا خوار نہ ہوئے  
بے جرم کہیں ان کا گنہگار نہ ہوئے  
یہ جان سبک تن پترے بار نہ ہوئے  
پر ایک قدم حل کہیں زہار نہ ہوئے  
یسیر سر کو چہر و بازار نہ ہوئے

برقع کو اٹھا چہرے سے وہ بت اگر آئے اسی ناقہ لیلیٰ دو قدم راہ غلط کر ٹھک بعد مرے میرے طرفداروں کنو تو کیا ظف ہر گردون تنک حوصلہ کا جو ممکن نہیں آرام نے بیتابی جگر کی مت ممتحن بلغ ہوا غیبت گلزار کھلتے میں ترے منہ کھلی پھاٹے گریباں ہم آپ جاتے رہے ہیں ذوق خیر میں	اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آوے مجنون زخود رفتہ کبھو راہ پر آوے کوئی بھیجیو ظالم کہ تسلی تو کر آوے آشوب فغاں کے مرے عہد سہرا آوے قطعہ جیتک پلک پر کوئی ٹکڑا نظر آوے گل کیا کہ جسے آگے ترے بات کر آوے ہلنے میں ترے ہونٹوں کے گلبرگ تر آوے اگر جان بلب آمدہ رہ تاخیر آوے
--	---

کہتے ہیں ترے کوچے سے شیر آئے کئے ہو  
جب جانے وہ خانہ خراب اپنے گھر آئے

ہو جی میں غزل در غزل ای طبع یہ کئے جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آوے تلوار کا بھی مارا خدا رکھے ہو ظالم میخانہ وہ منظر ہو کہ ہر صبح جہاں شیخ کیا جانیں وہ مرغان گرفتار چین کو تو صبح قدم رنجہ کرے ٹک تو ہو ورنہ ہر سو سر تسلیم رکھے صید حرم میں	شاید کہ نظیر علی کے بھی عہد سہرا آوے اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے یہ تو ہو کوئی گورِ غریباں میں ہر آوے دیوار پہ خورشید کا مستی سے سر آوے جن تک کہ بعد ناز نسیم سحر آوے کس واسطے عاشق کی شبِ غم بسر آوے وہ صید فلک تیغ بکھتا کہ ہر آوے
--	---

۱۔ نظیری۔ مولانا نظیری نیشاپور کے رہنے والے تھے دہلی سے ہندوستان آئے خانخاناں کے مالدار کرم سے فیض پائے  
اور اسی وقت ان کو زبردست شہرت حال ہوئی۔ خانخاناں کی مدح میں نہایت پر زور تصانید لکھے اور ایک طویل قیام کے بعد  
حرین محرمین کی زیارت کو گئے اور بعد حج وغیرہ پھر ہندوستان آئے۔ ایک مرتبہ جہانگیر نے ایک عمارت کے کتبے کیلئے ان کو حکم دیا۔ انھوں  
نے ایک غزل کہی جس کا مطلع یہ ہے۔ اے خاک ات صندل ہر گشتہ سراں را بے باد اثر جاروب ہست تاجوراں را۔  
بادشاہ نے اس کے صلہ میں قریب تین ہزار بیگز زمین عنایت فرمائی۔ نظیری نہایت نیک طبیعت صوفی مشرب مذہب الاخلاق تھے  
آخر میں ان کا کلام بالکل صوفیانہ ہوتا تھا۔ آخر عمر میں احمد آباد گئے۔ اور قریب بارہ برس زندہ رہ کر سنہ ۱۰۲۳ھ میں انتقال کیا اور  
احمد آباد ہی میں تاج پورہ میں مدفون ہوئے۔ ان کی قبر پر ایک گنبد بنا ہوا ہے۔ ایک ضخیم کلیات اُن سے یادگار ہے میر تقی نے شا  
نکی کسی غزل کا کوئی مطلع لیکر یہ غزل کہی ہے۔ یا اُن کی سلاست بیان کی طرف اشارہ ہے۔

<p>اب تو ہی مگر اب کبھو اس اور در آوے اک جرم بدل در نہ یہ مندیل ہر آوے ہر عیب بڑا اُس میں جسے کچھ ہنر آوے کیونکہ کبھو میسر بلا کش ادھر آوے</p>	<p>دیواروں سے سرمارتے پھر نیکا گیا وقت واعظ نہیں کیفیت میخانہ سے آگاہ صانع ہیں سب خوار ازاں جملہ ہوں میں بھی اگر وہ کہ تو بیٹھا ہے سراسر پہ زہن سار</p>
<p>میت دشتِ محبت میں قدم رکھ کہ خطر کو ہر گام پہ اُس رہ میں سے حذر آوے</p>	
<p>تم نے حقوق دوستی کے سب ادا کئے برسوں میں پڑے ہو جنگلِ حلا کئے ہم جو چین میں برسوں گرفتہ رہا کئے جو اس مرض میں ہوتے بھلے ہم دوا کئے ہر چند بند بند بھی اُس کے جدا کئے اغیار و سیاہ ترے منہ لگا کئے صبح ان سے برسوں میں ہم ملا کئے تم لوگ غور و جو کئے بے وفا کئے</p>	<p>لگوائے پتھر اور بُرا بھی کہا کیے کھینچا تھا آہ شعلہ فشاں نے جگر سے سر غنجہ نے ساری طرزِ ہاری ہی اخذ کی تدبیر عشق میں بھی نہ کرتے قصور یار جوں نے نہ تیرے کشتے کے لب رہی فشاں کیا حرف دل نشیں ہو مرا جسے خط مدام پھر شامِ آشنائے کبھو نکلے گلزارِ خاں بے عیفات ہیگی خدا ہی کی اہ بیتاں</p>
<p>اب خاک سی اڑے ہو منہ اوپر و گر نہ میسر اس چشمِ گریہ ناک سے دریا بہا کئے</p>	
<p>پہرہ نلی کا یہ سائبانِ جل جاوے میں جس طرح کسو کا خانانِ جل جاوے بدن میں ٹک رہے تو آستخانِ جل جاوے بیان کرنے سے آگے زبانِ جل جاوے سنے تو بلبلِ نالاں کی جانِ جل جاوے خزاں میں برق گرے آشیانِ جل جاوے خیال یہ ہو مبادا دکانِ جل جاوے کہوں تو دستِ رز کی ... ن جل جاوے مبادا آہ کرے سب جہاں جل جاوے</p>	<p>کروں جو آہِ زمین و زمانِ جل جاوے دی آگِ دل کو محبت نے جب سے جلتا ہوں دوا پذیر نہیں اس طیبِ تب غم کی نہ آوے سوزِ جگر منہ پہ شمعِ سالِ کاش ہمارے نالے بھی آتش ہی کے ہیں پرکالے ہزار حیف کہ دلِ خار و خس سے باز نہ توئی متاعِ سینہ سب آتش ہے نائدہ کس کا نہ پوچھ کچھ لب تر سا بچے کی کیفیت نہ بول متیرے مظلومِ عشق ہے وہ غریب</p>

گزار خوش بنگا ہاں جس میں ہو میرا بیاہاں ہے  
کرتے ہو خندہ دندان تو میں بھی بوؤں گا  
چمن پر نوحہ وزاری سے کس گل کا یہ ماتم ہو  
ہر اک مٹرگاں پہ میرے اشک کے قطر و جھلکتے ہیں

کیا تھا جا بجا رنگیں لہو مجھ احسب میں رو کر  
گریباں میرے کا دیکھا مگر گلچیں کا داماں ہے

اپنا شعار پوچھو تو مہرباں وفا ہے  
بائیں پہ میری آکر ٹک دیکھ شوق دیدار  
بے اُس کے رک کے مرتے گرمی عشق میں تو  
شکوہ ہے رونے کا یہ بیگانگی سے تیسری  
مرت کر زمین دل میں تخم اُمید ضائع  
شرمندہ ہوتے ہیں گے خورشید و ماہ دونوں  
او شمع بزم عاشق روشن ہو یہ کہ تجھ بن  
جیتے ہی جی تلک ہیں سارے علاقے سو تو

صد سحر دیکھ قیمہ خط میری جی کا دیکھا  
قاصد نہیں چلا ہے جادو مگر چلا ہے

حرم کو جائے یا دیر میں بسر کرے  
کٹے ہے دیکھے یوں عمر کب تلک اپنی  
وہ سب ناز تو چلا ہے کیا جتنائے حال  
ہوا ہے دن تو جدائی کا سو قوت ہے شام  
جہان کا دید بجز ناظر نظر نہ نہیں  
جیون سے جاتے ہیں ناچار آہ کیا کیا لوگ

ستم اٹھانے کی طاقت نہیں ہو اب اُس کو  
جو دل میں آوے تو ٹک رحم میرے پر کرے

شہو چمن میں تری گل پیر مہنی ہے  
قرباں ترے ہر عضو پہ نازک بدنی ہے

عربانی آشفقہ کہاں جائے پس از برگ  
 سمجھے ہو نہ پردانہ نہ تھانے ہوزبان شمع  
 لیتا ہی نکلتا ہو مرا لخت جگر اشک  
 بلبل کی گفت خاک بھی اب ہوگی پرشیاں  
 کچھ تو ابھراے صورت شیریں کہ دکھاؤں  
 ہوں گرم سفر شام غریباں سو خوشی ہوں  
 ہر چند گدا ہوں میں ترے عشق میں لیکن قطعہ  
 ہر اشک مرا ہو در شہوار سے بہتر

کشتہ ہو ترا اور یہی بے کشتی ہے  
 وہ سوختنی ہے تو یہ گردن دلی ہے  
 آنسو نہیں گویا کہ یہ ہرے کی کنی ہے  
 جامے کا ترے رنگ ستمگر چینی ہے  
 فسر باد کے ذمہ بھی عجب کہ کنی ہے  
 اچھو صبح وطن تو تو مجھے بے وطنی ہے  
 ان بلہوسوں میں کوئی مجھ سا بھی غنی ہے  
 ہر لخت جگر رشک عقیق یمنی ہے

پکڑی ہو پیٹ میں طیش اور جگرے  
 شاید کہ مرے جی ہی پر اب آن بنی ہے

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے  
 زہر مارا اگر خستہ دلاں بیتوں جساؤ  
 غیر دل پہ اگر کھینچو گے شمشیر تو خوباں  
 جاگہ نہیں بچاں روئیے جس پر نہ بکھڑی ہو قطعہ  
 اس دشت میں ای راہ رواں ہر قدم اوپر

پر ہم جو نہ ہوں گے تو بہت یاد کرو گے  
 ٹھک پاس ہنرمندی فسر باد کرو گے  
 اک اور مری جان پسید او کرو گے  
 کچھ شور ہی شر پر تو مجھے یاد کرو گے  
 مانند جبریں نالہ و فسر یاد کرو گے

گرد بھوکے تم طرز کلام اس کی نظر کر  
 احوال سخن میں سر کو استاد کرو گے

خوش سراجام تھے دی جلد جو ہشیار ہوئے  
 جنس دل دونوں جہاں سبکی بہا تھی اس کا  
 عشق وہ ہو کہ جو تھے خلوتی منزل قدس  
 سیر گلزار مبارک ہو صبا کو ہم تو  
 اس ستمگار کے کوچہ کے ہوا داروں میں  
 وعدہ شمر تو موہوم نہ سمجھے ہم آہ

ہم تو اے ہمنفساں دیر بیدار ہوئے  
 یک نگہ مول ہوا تم نہ خبر بیدار ہوئے  
 دے بھی رسوائے سر کو چہ بازار ہوئے  
 ایک پرواز نہ کی تھی کہ گرفتار ہوئے  
 نام فردوس کا ہم لے کے گنہگار ہوئے  
 کس توقع پہ ترے طالب بیدار ہوئے

میر صاحب نے خدا جانے ہوئی کیا قصیر  
 جس سے اس ظلم نمایاں کے سزاوار ہوئے

ترا ہی ناتوانی جو کوئی عالم میں رسوا ہے  
 نیاز ناتواں کیا ناز سرِ قد سے بر آئے  
 ابھی اک عمر روزنا ہونے کھووا شک آنکھوں تم  
 کیا اسے سایہ دیوار تو نے مجھ سے روپناں  
 بھلے کو اپنے سب ڈرے ہیں یہ اپنا بُرا چاہو  
 رہو ٹک در ہی پسند دو کو جوں میں مجھے لڑکو  
 تو اتنی کامنہ دیکھا نہیں اُن نے کہ کیا ہو  
 مثل مشہور ہے یہ تو کہ دستِ زور بالا ہو  
 کر وچھ سو جھٹا اپنا تو بہت رہو کہ دنیا ہو  
 مرے اب صوب میں جلنے ہی کا آثار پیدا ہو  
 چلن اس دل کا تم دیکھو تو دنیا سے نرالا ہو  
 کرو گے تنگ اسے تم اور تو نزدیک صحرایہ  
 گلشنِ پیشِ کامل کا مجھ سے یوں لگا کتنے  
 تو اپنی فصد کر جلدی کہ تجھ کو میرا سودا ہو

گزار ابر اب بھی جب کبھو ایدھر کو ہوتا ہے  
 ہوا مذکور نام اُس کا کہ آنسو بہ چلے سہ پر  
 بجائے سینہ کوئی سنگ سے دل خون ہوتے ہیں  
 نہ کی نشو و نما کامل نہ کام اپنا کیا حاصل  
 ہلانا ابروؤں کا لے ہو زیر تیغِ عاشق کو  
 کہاں ہو رشک آبِ زندگی ہو تو کہ یہاں کھن  
 لگام نہ کو میرے دیکھ کر وہ نا سمجھ کتنے  
 پریشان گرد سا گاہے جو بجاتا ہو صحرا میں  
 ہمارے کام سائے دیدہ تر ہی ڈبوتا ہے  
 جو ہدم ایسے جاتے ہیں تو ماتم سخت ہوتا ہے  
 فلک کوئی بھی دل سے تخم کہ بیونت ہوتا ہے  
 پلک کا مارنا بر بھی کیجے میں چھوٹا ہے  
 ہر اک پاکیزہ گوہرِ نجی کا پتہ دھوتا ہے  
 جوانی کی ہر نیند اس کو اس غفلت سے سوتا ہے  
 اُسی کی جستجو میں خضر بھی اوقات کھوتا ہے

نہ رکھو کان نظمِ شاعران حال پر اتنے  
 چلو ٹک میرے کوسنے کہ موتی ہی پڑتا ہو

ہم تو اس کے ظلم سے ہدم چلے  
 ٹوٹے جوں لالہ سناں سے ایک پھول  
 جنبش ابرو تو دھان رہتی نہیں  
 خم جگر کے آیا آخر ہو گئے  
 دیکھتے بختِ زبوں کیا کیا دکھائے  
 بھاگنے پر بیٹھے تھے گویا غزال  
 مجھ سے ناشایستہ کیا دیکھا کہ میر  
 رہ سکے ہے تو تو رہ یہاں ہم چلے  
 ہم بے بھان سو داغ یک عالم چلے  
 لب تلک تلوار بھیں ہر دم چلے  
 اشکِ خونی کچھ مژہ پر جسم چلے  
 تم تو خواباں ہم سے ہو بر ہم چلے  
 تیسری آنکھیں دیکھتے ہی دم چلے  
 آتے آتے کچھ جو آنسو ہم چلے



غیر ہم کو ذبح کیا نے طاقت ہے نے یار ہے  
 اس کئے نے کر کے دلیسری صیبریم کو مارا ہے  
 بانغ کو تجھ بن اپنے بھائیں آتش دی ہے بہارا نے  
 ہر غنچہ اخگر ہر ہم کو ہر گل ایک انگار ہے  
 جب تجھ بن لگتا ہے تڑپنے جائے ہے نکلا ہاتھوں سے  
 ہے جو گرہ سینے میں اُس کو دل کئے یا پارا ہے  
 راہِ حدیث جو ملک بھی نکلی کون سکھائے ہم کو پھر  
 روئے سخن پر کس کو دے وہ شوخ بڑا عیارا ہے  
 کام اُس کا ہے خون افشانی ہر دم تیری فرقت میں  
 چشم کو میسری اگر دیکھ اب لو ہو کا قوارا ہے  
 بال کھلے وہ شب کو شاید بستر ناز پہ سوتا تھا  
 آئی نسیم صبح جو ایدھر پھیلا عنبر سارا ہے

کس دن دامن کھینچ کے اُن نے یار سے اپنا کام لیا مدت گزری دیکھتے ہم کو میسر بھی اک ناکار ہے	بندِ قبا کو خواہاں جس وقت واکریں گے رونا یہی ہے مجھ کو تیسری جفا سے ہر دم ہے دین سکر دینا گردن پہ اپنی خواہاں درویش ہیں ہم آخر دو اک نیکی کی نصرت آخر تو روزی آئے دو چار روز ہم بھی عالم مرے ہو تجھ پر آئی اگر قیامت دامانِ دشت سوکھا ابرو کی بے تہی سے لائی تری گلی تک آوارگی ہماری
--	---

احوال میسر کیونکر آخر ہو ایک شب میں  
 اک عمر ہم یہ قصہ تم سے کسا کریں گے

<p>اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے سو ہم اُن کے نشان تیر ہوئے ہو کے عاشق بہت حقیر ہوئے ان دنوں تم بہت شریر ہوئے گوشتے گوشتے میں اب گیر ہوئے لے جاؤں ہم نہ طفل شیر ہوئے یا سفیدی کی یا اسی ہوئے ہم جو پیدا ہوئے سو پیر ہوئے</p>	<p>ہم ہوئے اتم ہوئے کہ مہر ہوئے جن کی خاطر کی استخوان شکنی نہیں آتے کسو کی آنکھوں میں آگے یہ بے ادائیاں کب تھیں اپنے روتے ہی روتے صحرائے ایسی ہستی عدم میں داخل ہوئے ایک دم تھی نمود بود اپنی یعنی مانند صبحِ دُنبیا میں</p>
<p>مست مل اہلِ دُول کے لڑکوں سے مہر جی ان سے مل فقیر ہوئے</p>	
<p>جو میں ہر اک شرہ دیکھوں کہ یہ تر ہے کہ یہ غم ہے جیا کر حق صحبت کی کہ اس بکس کا ماتم ہے کسو کے گھر میں شادی ہے کہیں ہنگامہ غم ہے</p>	<p>توجہ تیری ہو حیرت مری آنکھوں پہ کیا گم ہے کہ ہے ہو مو پریشاں غم وفا تو تغیر تو ہے دورنگی دہر کی پیدا ہے یہاں سے دل اٹھا ہوا ہے</p>
<p>کہیں آشفنگاں سے مہر ہوئے ہو حاصل جو زلفیں اُس کی درہم ہیں مرا بھی کام پریم ہے</p>	
<p>درد بے اختیار اٹھتا ہے ناقواں اک غبار اٹھتا ہے</p>	<p>جب کہ پہلو سے یار اٹھتا ہے اب تلک بھی مزارِ محنوں کے</p>
<p>اے بگولا غبار کس کا مہر کہ جو ہو بقرار اٹھتا ہے</p>	
<p>سیکڑوں ہم غموں گزرتے ہیں وہ قاتل ایک ہے ہوں طریقے مختلف کہتے ہی منزل ایک ہے کام میں اپنے بھی وہ معبودِ ہل ایک ہے مختلف ہوں گو عبارات انکا محل ایک ہے دیدہ دُول الغرض دنوں کا محل ایک ہے ایک اگر جی سے گیا تو نیم بمل ایک ہے</p>	<p>کیا مرے سرِ درواں کا کوئی مائل ایک ہے راہ سب کو ہو خدا سے جان اگر پہنچا ہے تو اس مرے بُت نے سمجھوں کو حق سے توڑ اپنا کیا کیا عرب میں کیا عجم میں ایک بیلی کا ہو شور ایک سے جو خیر من غم دانہ اشک ایک سے اس شکارِ افکن کے کوچہ سے نہیں جاتا ہو ظلم</p>

چشم و ابرو ناز و خوبی زلف و کامل خال و خطا	دیکھنے کیا ہو بلائیں اتنی ہیں دل ایک ہے
کام کچھ دنیا کے آسانی میں ہو تو میسر کر	مردن دشوار بھی در پیش منزل ایک ہے
جبتک کڑی اٹھائی گئی ہم کڑے رہے اب کیا کریں نہ صبر ہو دل کو نہ جی میں تاب وہ گل کو خوب کہتی تھی میں اس کے روئے تئیں فراد و فیس ساتھ کے سب کے چل بے کس کے تئیں نصیب گل فاتح ہوئے برسوں تلک نہ آنکھ ملی ہم سے یار کی	ایک ایک سخت بات پہ برسوں اڑے رہے کل اس گلی میں آٹھ پہر غش پڑے رہے بلبل سے آج باغ میں جھگڑے پڑے رہے دیکھیں نباہ کیونکہ ہوا ب ہم چھڑے رہے ہم سے ہزاروں اس کی گلی میں گڑے رہے پھر گو کہ ہم بصورت طساہ اڑے رہے
یعنی کہ اپنے عشق کے حیران کار میسر دیوار کے سے نقش در ادھر کھڑے رہے	
شش جہت سے اس میں ظالم لوئے غم کی راہ ہو ایک بچھنے کا نہیں شرکاں تلک بوجھل ہیں ہم جوانوں کو بچھوڑا اس سے سب پکڑ گئے پا برہنہ خاک سر میں مو پریشاں سینہ چاک	تیرا کوچہ ہم سے تو کہہ کس کی بسمل گاہ ہے کاروان لخت دل ہر اشک کے ہمراہ ہے یہ دو سالہ دست رز کس قدر شتاء ہے حال میسر دیکھنے آتے ہی لٹواہ ہے
اس جنوں پر میسر کوئی بھی پھرے ہر شہر میں جادو صحرائے کمر سازش جو بچھ سے راہ ہے	
مشکل ہو ہونا روکش خسار کی جھلک کے مرتا ہو کیوں تو ناحق یاری برادری پر کہتے ہیں گور میں بھی ہیں تین روز بھاری لاتے نہیں نظر میں غلطانی گسر کو	ہم تو بشر ہیں اس جا پر جلتے ہیں ملاک کے دنیا کے سارے ناتے ہیں جیتے جی تلک کے جادوی کہ صراہی مائے ہوئے فلک کے ہم مقتقد ہیں اپنے آنسو ہی کی دھلک کے
کل اک مژہ بچھوڑے طوفان نوعِ رآیا فکر فشار میں ہوں میسر آج ہر پلاک کے	
تا چند ترے غم میں لیوں نہ رہا کیجے نے اب ہے جگر کاوی نے سینہ خراشی ہو	امید عبادت پر بیمار رہا کیجے کچھ جی میں یہ آئے ہو سیکار رہا کیجے

کیفیت چشماں اب معلوم ہوئی اُنکی	یہ مست ہیں دُخولی ہشیار رہا کیجے
دل جاؤ نواب جاؤ ہر دُخولی جگر ہوئے	اک جان ہو کس کس کو غمخوار رہا کیجے
ہو زلیست کوئی یہ بھی جو تمیر کر دے تو	ہر آن میں مرنے کو تیار رہا کیجے
طاقت نہیں ہو جی میں اب جگر رہا ہو	پھر دل ستم رسیدہ اک ظلم کر رہا ہے
مارا ہو کس کو ظالم اس بے سلیقگی سے	داسن تمام تیرا لو ہو میں بھر رہا ہے
پہنچا تھا تیغ کھینچے مجھ تک جو بول و دشمن	کیا مارتا ہے اس کو یہ ابھی مر رہا ہے
آنے لگا ہوا میرے خوش قد نے رات گزری	ہنگامہ قیامت اب صبح پر رہا ہے
چل ہنشیں کہ دیکھیں ادارہ میت کو ملک	خانہ خراب ہے بھی آج اپنے گھر رہا ہے
قرار دل کا یہ کاہیکو ڈھنگ تھا آگے	ہمارے چہرے کے اوپر بھی رنگ تھا آگے
اٹھائیں تیرے لئے بد زبانیاں اُن کی	جنھوں کی ہم کو خوشامد سے ننگ تھا آگے
ہماری آہوں سے سینہ پہ ہو گیا بازار	ہر ایک زخم کا کوچہ جوتنگ تھا آگے
رہا تھا شمع سے مجلس میں دوش کتنا فرق	کہ جل بجھے تھے یہ ہم پرستنگ تھا آگے
کیا خراب تغافل نے اس کے درنہ تمیر	ہر ایک بات پہ دشنام و سنگ تھا آگے
تجھ بن خراب خستہ زبوں خوار ہو گئے	کیا آرزو تھی ہم کو کہ بیمار ہو گئے
خوبی بخت دیکھ کہ خوبان بے وفا	بے ایج میرے در پہ آزار ہو گئے
ہم بھی سیر کی تھی چمن کی پرلے نسیم	اُٹھتے ہی آشیاں سو گز قرار ہو گئے
وہ تو گلے لگا ہوا سوتا تھا خواب میں	بخت اپنے سو گئے کہ جو بیدار ہو گئے
اپنی یگانگی ہی کیا کرتے ہیں بیاں	اغیار رو سیاہ بہت یار ہو گئے
لانی تھی شیخوں پر بھی خرابی تری نگاہ	بے طالعی سے اپنی وہ ہشیار ہو گئے
کیسے ہیں مے کہ جیتے ہیں صد سال ہمتو تمیر	اس چارون کی زلیست میں ہزار ہو گئے
سنگ آئے ہیں اُل س جی سے اٹھا بیٹھیں گے	بھوکوں مرنے ہیں کچھ اب یا بھی کھا بیٹھیں گے

<p>کسو دیرانے میں تکیہ ہی بنا بیٹھیں گے پہلے تلوار کے نیچے ہوں جب بیٹھیں گے ہم تو ایک آدھ گھڑی اٹھ کے جدا بیٹھیں گے وقت کے وقت یہ سب منہ کو بیٹھیں گے اب سہراہ دم صبح سے آ بیٹھیں گے گردنیں یار کسی روز گستا بیٹھیں گے دل کو اس زلفِ مسلسل سے لگا بیٹھیں گے</p>	<p>اب کے بگڑے گی اگر ان سے تو اس شہر سے جا مگر کہ گرم تو ٹانگ ہونے دو خونریزی کا ہوگا ایسا بھی کوئی روز کہ مجلس سے کھو جانہ اظہار محبت پہ ہوسنا کوں کی دیکھیں نہ غیرتِ خورشید کہاں جاتا ہے بھیڑ ٹالتی ہی نہیں آگے سے اُس ظالم کے کب تلک کلیوں میں سوائی سو پھرتے رہتے</p>
<p>شعلہ افشالِ اکرسی ہی رہی آہ تو مہر گھر کو ہم اپنے کسو رات جلا بیٹھیں گے</p>	
<p>شور سے جیسے بان جاتا ہے ہاتھ سے یہ مکان جاتا ہے مختب اک جہان جاتا ہے ایک عالم کا جان جاتا ہے غیر کی بات مان جاتا ہے کوئی اب یہ نشان جاتا ہے سوطِ ہی گمان جاتا ہے</p>	<p>نالہ تا آسمان جاتا ہے دل عجب جائے ہو لیکن مفت کیا خرابی ہے میکہ کی سہل جب سہراہ آئے ہو وہ شوخ اس سخنِ ناشنو سے کیا کئے عشق کے داغ کا عبث ہو علاج گودہ ہر جہائی آئے اپنی اور</p>
<p>مہر گو عمر طبعی کو پہنچا عشق میں جوں جواں جاتا ہے</p>	
<p>بھول تو ہم کو گئے ہو یہ تمھیں یاد ہے دشت میں قیس ہے کوہ میں فرہاد ہے ہم حرم میں بھی ہے تو ترے داماد ہے نا سحر ایسی ہی جو زاری دفر یاد ہے</p>	<p>مہر ہی جاوے گئے بہت سحر میں ناشاد ہے ہم سے دیوانے رہیں شہر میں سجانِ اند کچھ بھی نسبت نہ تھی جب دیر سے تبا کیا قلند دور اتنی تو نہیں شامِ اجلِ دوری میں</p>
<p>سہراہ دم صبح سے آ بیٹھیں گے گردنیں یار کسی روز گستا بیٹھیں گے</p>	
<p>روال دو دو دن تک جوں برتر ہے ہے</p>	<p>جب دے بیٹھتا ہوں تب کیا کسر ہے ہے</p>

<p>خورشید کے منہ اوپر اکثر سپر رہے ہے آنے میں اُس کے لیکن کس کو خبر رہے ہے اب اضطراب ہم کو دو دو پر رہے ہے پر جب وہ اٹھ چلے ہو ایک ادھر رہے ہے خون آجکل کس کو کا وہ شوخ کر رہے ہے تب سے ادھر ہی اکثر میری نظر رہے ہے برسوں سے وعدہ شب ہر صبح پر رہے ہے</p>	<p>اُو سحر کی میری برجھی کے دوسو سے اُگہ تو رہے اُس کی طرزہ و روش سے ان روزوں اتنی غفلت ابھی نہیں ادھر سے آب حیات کی سی ساری روش ہو اُسکی تلوار اب لگا ہے بیڈ دل پاس رکھنے درے کبھو جو آئے دیکھا ہو میں نے اُس کو آخر کہاں تک ہم اک روز ہو چکیں گے</p>
--	--

<p>میر اب بہار آئی صحرا میں جل جنوں کر کوئی بھی فصل گل میں تادان گھر رہے ہو</p>	
<p>تک گوش رکھو ایدھر ساتھ اُس کے کچھ خبر ہے کل اُس کو دیکھو تم نے تاج ہو نہ سر ہے جوئے چمن پہ سبزہ ترگان چشم تر ہے مدت ہوئی ہماری منت از زیر پر ہے پھر صبح ہونے تک تو قصہ ہی مختصر ہے لے اشک میں سرایت لے آہ میں اثر ہے مدت سے نقش پا کے مانند راہ پر ہے غافل جو بخیر ہیں کچھ اُن کو بھی خبر ہے دیکھیں تو اس جگہ کیا انصاف اُدگر ہے جوں تخیل خشک ہم کو لے سایہ لے ثمر ہے</p>	<p>نالے کا آج دل سے پھر لب تلک گزر ہے اے حُب جاہ دالو جو آج تاجور ہے اب کی ہوائے گل میں سیرابی ہو نہایت اے مصفیٰ بے گل کس کو دماغ نالہ شع اخیر شب ہوں سن سرگزشت میری اب رحم پر اُسی کے موقوف ہو کہ یہاں تو تو ہی زمام اپنی ناتے تڑا کہ محسوس ہم مست عشق و اعطافے بیج بھی نہیں ہیں اب پھر ہمارا اُس کا محشر میں ما جسر ہو آفت رسیدہ ہم کیا سر کھینچیں اس چمن میں</p>

<p>گر میر اس زمیں میں اور اک غزل تو موزوں ہو حرف زن قلم بھی اب سبب بھی ادھر ہو</p>	
<p>پھر جاہ جس کی مطاق ہو ہی نہیں ہنر ہے یہ کار گاہ ساری دکان شیشہ گر ہے جانا گیا اسی سے دل بھی کسو کا گھر ہے مجھ ناکہ کش کے تو اسے فریاد رس کو دھر ہے</p>	<p>اُو ہونڈ انبا یہ جو اس وقت میں سوز رہے ہر دم قدم کو اپنے رکھ احتیاط سے یہاں دُھاھا جنوں نے اُس کو ان پر خرابی آئی تجھ بن شکیب تک بے فائدہ ہوں نالان</p>

صید افگنو ہمارے دل کو جگر کو دیکھو اہل زمانہ رہتے اک طور پر نہیں ہیں کافی ہو ٹھہر قاتل محض یہ خوں کے میرے تیری گلی سے بچ کر کیوں مہر و مد نہ نکلیں	اک تیر کا ہدف ہو اک تیغ کا سپر ہے ہر آن مرتبے سے اپنے اٹھیں سسپر ہے پھر جس جگہ یہ جاوے اس جا ہی معتبر ہے ہر کوئی جانتا ہے اس راہ میں خطر ہے
---	--

وے دن گئے کہ آنسو نے تھے میرے اب تو  
آنکھوں میں لخت دل ہے یا پارہ جگر ہو

شبِ شمع پریتا کے آنے کو عشق ہے سار مار سنگ سے مردانہ جی دیا اٹھیو سمجھ کے جاوے کہ مانند گرد باد بس اسی سپر سے تیری تور و زو شرب بیٹھی جو تیغ یار تو سب بچھ کو کھیا گئی اک دم میں تولے پھونکے یاد و جہاں تیں	اس دل جلے کی تاب کے لانے کو عشق ہے فرہاد کے جہان سے جانے کو عشق ہے آوارگی سے تیری نمائے کو عشق ہے یہاں غم ستانے کو ہو جلانے کو عشق ہے اے سیرے تیرے زخم اٹھانے کو عشق ہے اے عشق تیرے اک لگانے کو عشق ہے
--	---

سودا ہو تب ہو میر کو تو کرے کچھ علاج  
اس تیرے دیکھنے کے دوانے کو عشق ہے

جب تے اُس بیو فائے بال رکھے ہاتھ کیا آوے وہ کمر ہے ہیج رہو راہِ خوفناک عشق پہنچے ہر اک نہ درد کو میرے ایسے زرد ویت ہو تو خیر ہے اب بحث ہو ناقصوں سے کاش فلک	صید بندوں نے جال ڈال رکھے یوں کوئی جی میں کچھ خیال رکھے چاہتے پانوں کو سنبھال رکھے وہ ہی جانے جو ایسا حال رکھے لئے اُس سے جو کوئی مال رکھے مجھ کو اس زمرہ سے نکال رکھے
--	---

سمجھ اندازِ شعر کو میرے  
میر کا سا اگر کمال رکھے

یہاں جو وہ نو نہال آتا ہے اس کے چلنے کی آن کا بے حال پرتو گزرا قفس ہی میں دیکھیں	جی میں کیا کیا خیال آتا ہے مدتوں میں بحال آتا ہے اب کی کیسا یہ سال آتا ہے
--	---

شیخ کی تو نماز پر مت جا	بوجھ سہر کا سا ڈال آتا ہے
آر سی کے بھی گھر میں شرم سے میسر	کم ہی وہ بے مثال آتا ہے
پیری میں کیا جوانی کے موسم کو روئے	اب صبح ہونے آئی ہو اک دم کو سوئے
رخصت اس کے مائے سے جب دیکھتے ہیں ہم	آتا ہے جی میں آنکھوں کو ان میں گڑوئے
اخلاص دل سے چاہئے سجدہ نماز میں	بیفائدہ ہو ورنہ جویوں وقت کھوئے
کس طور آنسوؤں میں نہاتے ہیں غم کشاں	اس آب گرم میں تو نہ انگلی ڈبوئے
مطلب کو تو پہنچے نہیں اندھے کے سے طور	ہم مارتے پھرے ہیں یوں نہیں پتھر ٹوئے
اب جان جسم خاک سے تنگ آگئی بہت	کبت تک اس ایک ٹوٹری مٹی کو دھوئے
آلودہ اس گلی کے جوہوں خاک سے تو میسر	آب حیات سے بھی نہ وہ پائوں دھوئے
شرب گئے تھے باغ میں ہم ظلم کے مائے ہوئے	جان کو اپنی گل جنت اب نگارے ہوئے
گور پر میری پس از مدت قدم رنجہ کیا	خاک میں مجھ کو ملا کر مہرباں بارے ہوئے
آستینیں رکھتے رکھتے دیدہ خوشبار پر	حلق لہلہ کی طرح لوہو کے قرارے ہوئے
وعدے ہیں سارے خلاف حرف ہیں یکسر فریب	تم لکھن میں کہاں سے ایسے عیارے ہوئے
پھرتے پھرتے عاقبت آنکھیں ہماری مندرگیں	سو گئے بیہوش تھے ہم راہ کے مارے ہوئے
پیار کرنے کا جو خواہاں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ	اُن سے بھی تو پوچھتے تم اتنی کیو پیارے ہوئے
تم جو ہم سے مل چلے ٹھٹھک شک سے لگے	مہرباں جتنے تھے اپنے مدعی سارے ہوئے
آج میرے خون پر اصرار ہو ہر دم ہے تمہیں	آج ہو کیا جانے تم کس کے سنگارے ہوئے
لیتے کروٹ اہل گئے جو کان کے موٹی ترے	شرم سے سر در گریباں صبح کو تارے ہوئے
استخوان ہی رہ گئے تھے بچاں ہم غوریز میسر	دانے پڑ کر نیچے اس شوخ کے آرے ہوئے
کرے کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے	زمیں سخت ہے آسمان دور ہے
جرس راہ میں جملہ تن شور ہے	مگر قافلے سے کوئی دور ہے
لے سدی سے دوستان منع کنند کہ چرا دل بتو دادم	باید اہل تو گفتن کہ چنیں خوب چرائی عہدے پہ بھلا کیوں نہ دادم



<p>سلیستہ ہمارا تو مشہور ہے بھروسے جس پر تو مغرور ہے کسو کا مگر خون منظور ہے اگر اگر پیشہ تو پھر چور ہے وہی بیستہ راری بدستور ہے مگر چشم خونبار ناسور ہے نہاں اس میں بھی شعلہ طور ہے</p>	<p>تم تائے دل کیلئے جان دی نہو کس طرح فکر انجام کار پلک کی سیاہی میں ہو وہ نگاہ دل اپنا نہایت ہو نازک مزاج کہیں جو تسلی ہوا ہو یہ دل نہ دیکھا کہ لو ہو تھنبا ہو کبھو تینک گرم تو سنگریزے کو دیکھا</p>
<p>بہت سعی کرتے تو مر رہے میر بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے</p>	
<p>پیشانی پہ دے فشقہ زنا رہن بیٹھے سب اٹھیلی مجلس جو کر کے سخن بیٹھے تہ گرد بیا باں کی بالائے بدن بیٹھے جوں مار سیہ کوئی کاڑھے ہو کھن بیٹھے سبزی ہے ہم اکثر بتے ہیں مگن بیٹھے شوریدہ سر اپنے کے ہم باندھ کفن بیٹھے</p>	<p>اب میر جی تو اچھے زندیق ہی بن بیٹھے آزودہ دل الفت ہم چپکے ہی بہتر ہیں عریان پھر کبتک ای کا شہدیں کر پیکان خدنگ اس کا یوں سینہ کاو دھڑکے جز خط کے خیال اس کے کچھ کام نہیں ہم کو شمشیر ستم اسکی اب گو کہ چلے ہر دم</p>
<p>بس ہو تو ادھر او دھڑوں پھر نے ندیں تھو ناچار ترے ہم یہ دیکھیں ہیں چلن بیٹھے</p>	
<p>ہر اک لخت جگر کے ساتھ سوز خم کن نکلے کہ مجلس میں جس کے انک کے پھر بھر کن نکلے ہمیں گرد سفے جلد بھی صبح وطن نکلے ہیں ضامن ہوں اگر ثابت بدن سے پیر کن نکلے</p>	<p>نہ تنہا داغ تو سینے پہ میرے اک چمن نکلے گماں کب تھا یہ پرانہ پر اتنا شمع روئیگی کہاں تک ناز برداری کروں شام غریباں کی جنوں ان شور شوں پر ہاتھ کی چال اکیاں لسی</p>
<p>حرم میں میر جتنا بستی پر ہے تو مائل خدا ہی ہو تو اتنا بتکدے میں برہن نکلے</p>	
<p>۱۷۹ یہ شعر قدیم مکتوب قلمی نسخوں میں ملتا ہے مجبوراً بحالہ رکھا گیا مکن ہے کہ دیکھا کے بجائے دیکھ ۱۷۹ آسی</p>	

اب تلک نیم جان ہے پیارے  
سو ترا آستان ہے پیارے  
یہ ہماری زبان ہے پیارے  
اب تلک مجھ میں جان ہے پیارے  
یہ ہمارا نشان ہے پیارے  
یہ وہی آسمان ہے پیارے  
قطعہ کیا اب اس کا بیان ہے پیارے  
کنج لب پر گمان ہے پیارے

قصہ گر امتحان ہے پیارے  
سجدہ کرنے میں کٹیں ہیں جہاں  
گفتگو ریتختے میں ہم سے نہ کر  
کام میں قتل کے مرے تن دے  
چھوڑ جاتے ہیں دل کو تیرے پاس  
شکلیں کیا کیا کیا ہیں جلی خاک  
جا چکا دل تو یہ یقینی ہے  
پر تبسم کے کرنے سے تیرے

میر عہد ابھی کوئی مرتا ہے  
جان ہے تو جہان ہے پیارے

ہو پٹھوں پہ جان آئی پر آہ دے نہ آئے  
یک قطرہ خون دل نے کیا کیا ستم اٹھائے  
آن کا نشان نیا یا خطر راہ میں سو پائے  
آتشو گرے کروڑوں پلکوں کے ٹک ہلائے  
گل جب چمن میں آئے زخم لینے سب دکھائے  
پھرتی ہیں دے نگاہیں پلکوں کے سائے  
سو گردش فلک نے سب خاک میں ملائے  
بگڑیں ہزار شکلیں تب پھول یہ بنائے  
تھا جی میں آہ کیا کیا پر کچھ نہ کہنے پائے  
خار و خس چمن سے ناچار دل لگائے  
بیدردی فلک نے وہ نقش سب مٹائے  
ٹھوکرے اُس نگہ کی آشوب پھر اٹھائے  
کیا حوصلہ کہ جس میں آزار یہ سمائے  
مجلس میں جب گئے ہم غیرت جی جلائے  
پھر گور پر ہماری بے قمع گو کہ آئے

کل وعدہ گاہ میں سے جوں توں کو ہم کولائے  
زخموں پہ زخم جھیلے داغوں پہ داغ کھائے  
اُس کی طرف کو ہم نے جب نامہ بر جلائے  
خوں بستہ جب تلک نکلیں دریا کے کھڑے تھے  
اس جنگجو کے زخمی اچھے نہ ہوتے دیکھے  
بڑھتیں نہیں پلک سے تا ہم تلک بھی پہنچیں  
پر کی بہار میں جو محبوب جلوہ گر تھے  
ہر قطعہ چمن پر ٹک گاڑ کر نظر کر  
یک حرف کی بھی مہلت ہم کو نہ دی اجل نے  
جھٹائی سیراہ اُن کی پائیز میں جنھوں نے  
اُسے بھی تجسّے تھا یا نہ تصویر کا سا عالم  
دست ہوئی تھی بیٹھے جوش و خروش دل کو  
اعجاز عشق ہی سے جیتے رہے دگر نہ  
دل گر میاں انھیں کی خیریں سو جب نہ تھیں  
جیتے تو تیرے ہر شب اس طرز عمر گزری

قبر عاشق پر مفسر روز آنا کیجے  
رات دارو پیچے غیروں میں بے لیت لعل  
ٹمک تھامے ہونٹھ کے ہلے سوجھان ہوتا ہر کام  
گوشہ چشم بتاں یا کنج لب اس وقت میں  
سیکھے غیروں کے ہاں چھپ چھپے علم تیر پھر  
رفتہ رفتہ قاصدوں رفتگی اس سے ہوتی  
نکلے ہر آنکھوں سے گوگرد و دھواں جلتے اشک

جو گیا ہو جان سے اُس کو بھی جانا کیجے  
یہاں سحر سر دیکھنے کا ہم سے بہانا کیجے  
اتنی اتنی بات جو ہووے تو مانا کیجے  
جا کہیں ہو تو دل اپنے کا ٹھکانا کیجے  
سائے عالم میں ہمارے تنہیں نشانا کیجے  
جی میں ہر آب کی مقرر اپنا جانا کیجے  
تا کجا تیری گلی میں خاک چھانا کیجے

آبشار آنے لگے آنسو کی پلکوں سے تو مہیر  
کب تک یہ آب چادر منہ پہ تانا کیجے

مہوشاں پوچھیں ٹمک ہجر میں گر جائے  
کام دل کا کچھ ٹھکانا ہی نہیں کیونکر بنے  
مضطرب اس آستان سے اٹھ کے کچھ پایا نہ رو  
بعد طوفانیں ہو جی زائرِ سرمد بھی

اب کو اس شہرِ ناپرساں سے کیدھر جائے  
آئیے تاجند و نا امیت پھر کر جائے  
منہ رہا ہر کیا جو پھر اب اس کے رہ جائے  
دشمن اسٹھ لڑ کو ہوں میں مستر جائے

شوق تھا جو یار کے کوچے ہمیں لایا تھا مہیر  
پانوں میں طاقت کہاں اتنی کہ اب گھر جائے

غالب کہ یہ دل خستہ شرب ہجر میں مر جائے  
ہے طرفہ مفتن نگہ اُس آئینہ رو کی  
نہ بُست کدہ ہے منزل مقصود نہ کعبہ  
ہر جہج تو خورشید ترے منہ پہ چڑھے ہے  
یا قوت کوئی ان کو کہے ہر کوئی گلبرگ  
ہم تازہ شہیدوں کو نہ آدیکھنے نازان  
گرے کو مرے دیکھ ٹمک اک شہر کے باہر  
مت بیٹھ بہت عشق کے آزرہ دلوں میں

یہ رات نہیں وہ کہانی میں گزر جائے  
ایک پل میں کرے سیکڑوں غل اور کر جائے  
جو کوئی تلاش می ہو تڑاہ کدہ ہر جائے  
ایسا نہ ہو یہ سادہ کہیں جی سے اتر جائے  
ٹمک ہونٹھ ہلا تو بھی کہ ایک بات ٹھہر جائے  
دامن کی ترے زہ کہیں ہو میں نہ بھر جائے  
اک سطح ہو پانی کا جہان تک کہ نظر جائے  
نالہ کسو مظلوم کا تا تیر نہ کر جائے

اس دھڑ سے تختہ جو کوئی پہنچے کنایے  
تو میرے وطن میرے بھی شاید یہ ہجر جائے

لے تلاش تری لغت پر بھی تلاش کرے دانا اور جولاشی کے معنی پر تلاش کرے ہر جگہ ہے تلاش

<p>ہم نے جانا تھا سخن ہونگے زباں پر کتنے میں نے اُس قطعہ صنّاع سے سر کھینچا ہر کشور عشق کو آباد نہ دیکھا ہم نے آہ نکلی ہے یہ کس کی ہوس سیر ہزار دیکھو پتھر مڑگاں کی ٹلک آتش دستی کب تلک یہ دل صد بارہ نظر میں رکھے عمر گزری کہ نہیں دودھ آدم سے کوئی</p>	<p>پرستلم ہاتھ جو آئی لکھ دفتر کتنے کہ ہر اک کوچے میں جس کے تھے ہنر کتنے ہر گلی کوچہ میں او جڑ پٹے تھے گھر کتنے آتے ہیں بارغ میں آوارہ ہو کر پر کتنے ہر سحر خاک میں ملتے ہیں دُر تر کتنے اس پر آنکھیں ہی سے رہتے ہیں لبر کتنے جس طرف دیکھے عرصہ میں میل بخر کتنے</p>
<p>تو بے بیچارہ گدا میسے تر کیا مذکور مل گئے خاک میں بچیاں صاحب افسر کتنے</p>	<p>آہ جس وقت سر اٹھاتی ہے ناز بردار لب ہے جاں جب سو اے شب بھر راست کہ تجھ کو</p>
<p>عرش پر بر چھیاں چلاتی ہے تیرے خط کی خبر کو پاتی ہے بات کچھ صبح کی بھی آتی ہے</p>	<p>چشم بد دور چشم تر میسر آنکھیں طوفان کو دکھاتی ہے</p>
<p>کیا ناز کرے ہو اب ہم میں کیا رہا ہے سارا پتھر اب تو دامن پر آ رہا ہے آیا ہوں جب بخود میں جی اس میں جا رہا ہے راز محبت اپنا کس سے چھپا رہا ہے سو سو غزال ہر سو آنکھیں لگا رہا ہے پھر چاہتے ہو کیا تم اب اک خدا رہا ہے خوبی کا در کسو کی منہ پر بھی دار رہا ہے کس سے وہ بیمرقت بھڑکنشا رہا ہے تو بھی کسو نگے سے اے گل جدا رہا ہے جینے کا اس سچ میں اب کیا مزار رہا ہے جینے سے متیسرے پہلے دل اٹھا رہا ہے</p>	<p>طاقت نہیں ہو دل میں نے جی بجا رہا ہے جیب اور آستین سے رونے کا کام گزرا اب چیت گر نہیں کچھ تازہ ہوا ہوں بیکل کا ہیکا پاس اب تو رسوائی دور پہنچی گرد رہ اُس کی یارب کس اور سے اٹھے گی بندے تو طرح دار وہیں طرح کش تھا ہے دیکھ اس دن کو ہر دم آج اُرسی کہ یوں ہی وے لطف کی نگاہیں پہلے فریب ہیں سب اتنا خزاں کرے ہو کب زرد رنگ پر بیاں رہتے ہیں دماغ اکثر ننان دنک کی خاطر اب چاہتا نہیں ہو بوسہ جو تیرے لب سے</p>

تڑپنا بھی دیکھنا نہ بسمل کا اپنے نہ پوچھو کہ احوال ناگفتہ بہ ہے دل زخم خوردہ کے اور اک لگائی ٹپک ابرو کو میری طرف کیجے مائل ہو افسوس تیرے آئینہ بھی بھال رہنائیں رکھیں میں نے عالم میں کیا کیا	میں کشتہ ہوں اندازِ قاتل کا اپنے مضبوط کے مارے ہو کر دل کا اپنے مداوا کیا خوب گھائل کا اپنے کبھو دل بھی رکھ لیجے مائل کا اپنے سخن ہو جنوں کے ادائل کا اپنے ہوں بندہ خیالاتِ باطل کا اپنے
مقام فنا واقعہ میں جو دیکھا اثر بھی نہ تھا گور منزل کا اپنے	
جب تک کہ ترا گزر نہ ہوئے لے تیغ و سپر کو تو جدھر ہو رونے کی ہے جاگہ آہ کرے بیمار رہے ہیں اس کی آنکھیں رکتی نہیں تیغِ نالہ ہرگز کر بے خبر اک نگہ سے ساتی خستے ترے موئے عنبریں کے	جسارہ مری گور پر نہ ہوئے خورشید کا منہ ادھر نہ ہوئے پھر دل میں ترے اثر نہ ہوئے دیکھو کسو کی نظر نہ ہوئے جب تک کہ جگر سپر نہ ہوئے لیکن کسو کو خبر نہ ہوئے کیونکر جنیں بسر گرنہ ہوئے
رکھ دیکھ کے راہِ عشق میں پائے یہاں میسر کسو کا سر نہ ہوئے	
رات گزری ہے مجھے نزع میں روتے روتے کھول کر آنکھ اڑا دیدہ جہاں کا غفل آکھیں سپر جائیں گی اب صبح کے ہوتے ہوتے خواب ہو جائیگا پھر جاگنا سوتے سوتے	
جسم گیا خوں کعبہ قاتل پہ ترا میسر ز بس اُن نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوئے دھوئے	
یعقوب کے نہ کلبہ احزاں تلک گئے بارے نسیم ضعف سے کل ہم اسیر بھی	سو کا رواں مص سے کعبہ تلک گئے ستاہے میں جی کے گلستان تلک گئے
لے دید تیرے زمانہ تک مختلف فیہ تھا۔ چنانچہ سودا کا شاعر تھا۔ چہرہ کو دیکھا اور جب خواب سے بکلیا ہو دید مقرر طلاق آئینہ کا اب مکتب مستعمل ہو۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ساہٹا۔ اب بغیر (د) کے بولا جاتا ہے اور نصحا اسی کو فصیح جانتے ہیں۔ آجھی	

<p>گر ہم جنوں کے مارے بیاہاں تہا گئے بلبل وہ چھہ انھیں یاراں تہا گئے سورفتہ رفتہ خار فیلان تہا گئے</p>	<p>رہنے نہ دیں گے دشت میں مجنوں کو چین سے کو موسم شباب کہاں گل کے دماغ کچھ آبلے دے تھے رہ آور عشق نے</p>
<p>پھاڑا تھا جیب پی کے خوشوق میں تمیر مستانہ چاک لوستے داماں تہا گئے</p>	
<p>اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے عیسائی دھڑکڑ کیا سبھی یکبار مر گئے سر کو پٹاک کے ہم پس دیوار مر گئے گویا متاع دل کے خریدار مر گئے تھا جن سے لطف زندگی دیوار مر گئے لگتے ہی اُس کے ہاتھ کی تلوار مر گئے جب جی ہوئے دباں تو ناچار مر گئے</p>	<p>جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے ہوتا نہیں ہو اُس لب فو خط پہ کوئی سبز یوں کانوں کان گل نے نہ جانا چمن ہیں آہ صد کارواں فنا ہو کوئی پوچھتا نہیں مجنوں نہ دشت میں ہو نہ فر باد کوہ میں افسوس دے شہید کہ جو قتل گاہ میں تھو سے دُچار ہوئیگی حسرت کے مبتلا</p>
<p>گھر نہ تمیر عشق میں اس سہل زلیست پر جب بس چلا نہ کچھ تو مرے یار مر گئے</p>	
<p>رنگیلی نپٹ اس جواں کی طرح ہے بھلا تو ہی کہہ یہ کہاں کی طرح ہے خراب و پریشاں یہاں کی طرح ہے</p>	<p>تمام اُس کے قدمیں سناں کی طرح ہے بڑے ہونا احوال گوئن کے میرے اڑی خاک گا ہے رہی گاہ دیراں</p>
<p>تعلق کرو میرا اس پر جو چاہو میری جان یہ کچھ جہاں کی طرح ہے</p>	
<p>نالوں نے میرے ہوش جس کے اڑائے لشتر نہ تو لگا دے تو میرا موپے</p>	<p>محل کے ساتھ اُس کے بہت شور میں گئے فصا و خوں فساد پہ ہو مجھ سے ان دنوں</p>
<p>صوت جس کی طرز بیاہاں میں ہائے تمیر تنہا چلا ہوں میں دل پر شور کو لئے</p>	
<p>اُلی اس بلائے ناگماں پر بھی بلا آوے بلا سے چاک ہی ہو جائے سینہ ٹکٹا آوے</p>	<p>کہاں تک غیر جاسوسی لینے کو لگا آوے رکا جاتا ہو جی اندر ہی اندر آج گری سے</p>

یہ جی صدقے کیا تھا پھر نہ آئے تن میں یا آئے  
 ہنسی وہ جائے میری اور رونایوں چلا آئے  
 وگرنہ برق جاکر آشیاں میرا جلا آئے  
 یہ بت سنگیں دلی اپنی نہ چھوڑیں گرجا آئے  
 تو زاہد پیر بالغ ہو بے تہ تجھ کو گیا آئے  
 یہ دولت خانہ ہو اُس کا وہ جب چاہی چلا آئے

ترا آنا ہی اب مرکوز ہے ہم کو دم آخر  
 یہ کسم آمد و رفت دیا عشق تازہ سے  
 اسیری نے چمن سے میرے دل گرمی کو دھوا آلا  
 امید رحم اُن سے سخت ناہمی ہو عاشق کی  
 یہ فن عشق ہو آئے اُس طینت میں جس کی ہو  
 ہمارے دل میں آنے سے تکلف غم کو بجا ہو

برنگ بولے غنچہ عمر اک ہی رنگ میں گزرتے  
 میسر تیر صاحب گر دل بے مدعا آئے

گو ننگ اُس کو آئے ہو عاشق کو نام سے  
 در دصفر ہو خوب ہیں جس میں صاف سے  
 ہو میسر کام میرے تیں اپنے کام سے  
 کیا میٹھوں کو اول ماہ صیام سے

پڑھتے نہیں نماز جنازہ پہ اُس کے میسر  
 دل میں غبار جس کے ہو خاک امام سے

اچنبھا ہو اگر چپکا رہوں مجھ پر عتاب آئے  
 بھرا ہو دل مرا جام لبالب کی طرح ساقی  
 بغل پروردہ طوفاں ہوں میں یہ موج ہو میری  
 وگر قفہ کہوں اپنا تو سنتے اُس کو خواب آئے  
 گلے لگے بے دلوں میں جو مینائے شراب آئے  
 بیاباں میں اگر روئیں تو شہر میں بھی آئے

لیٹا ہو دل سوزاں کو اپنے مہینے خط میں  
 اگلی نامہ بر کو اُس کے لیجانے کی تاب آئے

سماجت اتنی بھی سب کوئی خدا بھی ہو  
 کسو کے پاس اس آزار کی دوا بھی ہو  
 صنم کہہ میں تو ٹک آ کے دل لگا بھی ہو  
 لگے جو پھرتے ہیں ہم کچھ تو عدا بھی ہو  
 نگاہ غور سے کر مجھ میں کچھ رہا بھی ہو  
 جراحات اُس کو دکھانے کا کچھ مزا بھی ہو  
 ہر ایک بات کو آخر کچھ نہتا بھی ہو  
 کہیں ہجوم سے اندوہ غم کو جسا بھی ہو

حصول کام کا دل خواہ یہاں ہو ابھی ہو  
 موئے ہی جاتے ہیں ہم درد عشق سیارو  
 ادا سیاں تھیں مری خالقمہ میں قابل سیر  
 یہ کہنے کیونکہ کہ خواہاں سے کچھ نہیں مطلب  
 ترا ہو وہم کہ میں اپنے پیر بن میں ہوں  
 جو کھولوں سینہ مجروح تو ننگ چھڑکے  
 کہاں تلک شب روز آہ درد دل کہنے  
 ہوں تو دل میں ہمارے جگہ کرے لیکن

غم فراق ہو دُنبالہ گرد عیش وصال قبول کرے تری رہ میں جی کو کھو دینا جگر میں سوزن مڑگاں کے تئیں کدھپ گڑا	فقط مزا ہی نہیں عشق میں بلا بھی ہو جو کچھ بھی پائیے تجھ کو تو آشنا بھی ہو کسو کے زخم کو تو نے کبھو سیا بھی ہو
--	---

گزارشہر و فایں سمجھ کے کر محبوں  
کہ اس دیار میں بیشک پابھی ہے

بسکہ دیوانگی حال میں چالاک ہوئے سُر گر یا نوں پہ قاتل کے کٹائی گردن	سو گر بیان مرے ہاتھ سے بچاں چاک ہوئے اپنے ذمہ سے تو صد شکر کہ ہم پاک ہوئے
--	--

پائمالی سے فراغت ہی نہیں تیرا ہیں  
کوئے دلبر میں عبث آن کے ہم خاک ہیں

صیدا انگنوں سے ملنے کی تدبیر کریں گے فریاد اسیرانِ محبت نہیں بے ہیچ دیوانگی کی شورشیں دکھائیں گی بلبل وہ اس سے سرحد تو ہو گو کہ یہ سر جانو رسوائی عاشقی سے تسلی نہیں خواہاں یارِ بہہ بھی دن ہو نیگا جو مصر سے چل کر شبِ بکھی ہو زلف اُس کی بجز دامِ اسیری غصے میں تو ہو دیگی توجہ تیری ایدھر نکلانہ مناجاتیوں سے کام کچھ اپنا	اس دل کے تئیں پیشکش تیر کریں گے یہ نالے کسو دل میں بھی تاثیر کریں گے آتی ہو بہار اب ہمیں زنجیر کریں گے ہم حلق بریدہ ہی سے تقریر کریں گے مر جاویگا تو لغش کو تشہیر کریں گے کنعائ کی طرٹ قافلہ شب گریں گے کیا یار اب اس خواب کی تعبیر کریں گے ہر کام میں ہم جان کے تقصیر کریں گے اب کوئی خراباتی جواں پیر کریں گے
---	---

باریچہ نہیں میرے احوال کا لکھنا  
اس قصہ کو ہم کرتے ہی تحریر کریں گے

دل کی طرف کچھ آہ سے دل کا لگاؤ ہو اٹھتا نہیں ہو ہاتھ ترا تیغ جو رے بانغ نظر ہو چشم کی منظر کا سب یہاں	ٹکاپ بھی تو آئیے بچاں زور باؤ ہو ناحق کشی کہاں تئیں یہ کیا سمجھاؤ ہو ٹاک ٹھہر دیکھاں تو جانو کہ کیسا دکھاؤ ہو
---	---

لے ستودا دلوی ۵ سمجھ کے رکھو قدم دشتِ خار میں مجنوں  
راہِ غصے میں ترے ہم نے عجب لطف اٹھایا  
کہ اس نواح میں ستودا برہنہ پابھی ہو  
۱۲



<p>جو بن پڑے ہو ٹمک تو ہمارا ہی داؤ ہو چہرے پہ میرے چشم ہو یا کوئی گھاؤ ہو اب دل کی طرف لو ہو کا سارا بہاؤ ہو لاکھوں میں ایک دو کا کہیں کچھ بناؤ ہو پردہ رہا ہو کونسا اب کیا چھپاؤ ہو</p>	<p>تقریب ہم نے ڈالی ہو اُس سے جوئی کی اب ٹپکا کرے ہو آنکھ سے لوہو ہی روزِ شُب ضبطِ سرِ شکِ خوئیں سے جی کیونکہ شاد ہو اب سب کے روزگار کی صورت بگڑ گئی چھاتی کے میری سارے نمودار ہیں یہ زخم</p>
<p>عاشق کہیں جو ہو گئے تو جانو گئے قدرِ میر اب تو کسی کے چاہنے کا تم کو چاؤ ہے</p>	
<p>اٹھے ہو فتنہ ہر اک شوخِ ترقیا مست اُگے ہو سبزہ پڑ مردہ میری تربت خدا پناہ میں رکھے تہوں کی صحبت جو کوئی بات کہی بھی تو ادھی لکنت سخن کرو ہو عبث تم ہماری فرصت کہ ہم فقیر ہوئے ہیں انھیں کی دولت گراں وہ بار جو غما بیش اپنی طاقیت بنایا ہو گا جب اُس منہ کو بہت قدرت معاملت ہو انہیں دل کی بے مروت</p>	<p>جہاں میں روز ہو آشوب اُس کی تامت سوا ہوں ہو کے دل افسردہ بچِ کلفت جہاں ملے تہاں کا فرہی ہونا پڑتا ہے تسلی اُن نے نہ کی ایک دُسخن سے کبھو پلک کے مارے ہم تو نظر نہیں آتے امیرِ زادوں سے دلی کے مل نہ تا مقدور یہ جہل دیکھ کہ ان تجھے میں اٹھا لایا رہا نہ ہو گا بخود صانع ازل بھی تب وہ آنکھیں پھرے ہی لیتا ہے دیکھتے کیا ہو</p>
<p>جو سوچے ملک تو وہ مطلوب ہم ہی نکلتے میر خواب پھرتے تھے جس کی طلب میں مدت</p>	
<p>رقت ایک جانِ و بال ہو کوئی دم جو ہو تو عذاب ہے دل داغِ گشتہ کہا ہے جگرِ گداختِ آب ہے مری خلقِ محوِ کلام سب مجھے چھوڑتے ہیں خموش کب مرا حرفِ رشکِ کتاب ہے مری بات لکھنے کا ہے جو وہ لکھتا کچھ بھی تو نامہ بر کوئی رہتی منہ میں ترناں تری خاموشی سے نکلے ہے کہ جواب خط کا جواب ہے لے میری تیر دہوی سے مت مل اہلِ دُول کے لڑکوں سے تو تیر جی اُن سے مل فقیر ہوئے</p>	

رہے حال دل کا جو ایک سا تو رجوع کرتے کہیں بھلا  
 سو تو یہ کبھو ہمہ داغ ہو کبھو نسیم سوز کیا ہے  
 کہیں گے کہو تمہیں لوگ کیا یہی آرسی یہی تم سدا  
 نہ کسو کی تم کو ہے ٹک حیا نہ ہمارے منہ سے حجاب ہے  
 چلو میکدے میں بسر کریں کہ رہی ہو کچھ برکت وہیں  
 لبِ نازاں کا کیا ہے دمِ آب وصال کا شراب ہے  
 نہیں کھلتیں آنکھیں تمہاری ٹک کہ مال پر بھی نظر کرو  
 یہ جو وہم کی سی نمود ہو اسے خوب دیکھو تو خواب ہے  
 گئے وقت آتے ہیں ہاتھ کب ہوتے ہیں گنوا کے خراب سب  
 تجھے کرنا ہوئے سو کر تو اب کہ یہ عمر برق شتاب ہے  
 کبھو لطف سے نہ سخن کیا کبھو بات کہ نہ لگا لیا  
 یہی لحظہ لحظہ خطاب ہے وہی لمحہ لمحہ عتاب ہے  
 تو جہاں کے بحرِ عینق میں سر پر ہوا نہ بلبند کر  
 کہ یہ پنج روزہ جو بود ہو کسو موج پر کا حباب ہے  
 رکھو آرزوِ خام کی کرو گفت گو خطِ جام کی  
 کہ سیاہ کاروں سے حشرِ زین نہ حساب ہے نہ کتاب ہے

مرا شور سن کے جو لوگوں نے کیا پوچھنا تو کہے ہو کیا  
 جسے میسر کرتے ہیں صاحبو! یہ وہی تو خانہ خراب ہے

نس پہ یہ جان بلب آمدہ بھی محضوں ہو  
 چشمِ اعجازِ مرثہ سے بچھ افسوں ہو  
 اس ستم پر بھی مراد لہی کا ممنوں ہو  
 گردِ نناک پریشان شدہ جھنجھوں ہو  
 عکس گل آب میں تکلیف ہے گلگوں ہو  
 مصرعِ بالہ جگر کا دی ہے گو موزوں ہو  
 روشِ گرہِ غم حوصلہ ہاموں ہو

سینہ ہو چاک جگر پارہ ہو دل سب بھوں ہو  
 اُس سے آنکھوں کو ملا جی میں ہے کیونکر تاب  
 آہ یہ رسم وفا ہووے براقدا کہیں  
 کبھو اس دشت سے اٹھتا ہو جو ایک بزنک  
 کیونکہ بے بادہ لب جو پہ چین میں یہ ہے  
 پار بھی ہو نہ کیلجے کے تو پھر کیا بلیل  
 شہرِ کتنا جو کوئی ان میں سرشک افشاں ہو

خون ہر ایک رقم شوق سے ٹپکے تھا دلے وہ نہ سمجھا کہ مرے نامہ کا کیا مضمون ہو

مینہ کی بات پہ ہر وقت چھینچھلایا نہ کر  
سڑی ہو جھٹی ہے وہ شیفہ ہے جنہوں ہو

کنا ترے منہ پر تو نیٹ بے ادبی ہو  
اس دشت میں اوسیل سنہیل ہی قدم رکھ  
ہر اک سے کمانیند میں پر کوئی نہ سمجھا  
عزالت سے نکل پیچ کہ تیرے لئے تیار  
زادہ جو صفت تجھ میں ہو سوزن جلی ہو  
ہمت کو یہاں دفن مری تشنہ لبی ہو  
شاید کہ مرے حال کا قصہ عمر لی ہو  
کوئی ہفت گزی میخ کوئی دہ وجہ بنی ہو

اچھ نہ تو روز سیمہ سیر پہ لانا  
بیچارہ وہ اک نعرہ زن نیم شبی ہو

دوسونپ دودل کو میرا کوئی نشان ہے  
بیٹھا جگر سے اپنے کھینچوں ہول کو پر کیاں  
روشن ہو جھلکے مرنا پروالے کا دیکھن  
بھڑکے ہو آتش گل آبر تر تر مسم  
ہم زمزمہ تو ہو کے مجھ نالہ کش سے چپ رہ  
کس دور میں اٹھایا مجھ سینہ سوختہ کو  
ہوں میں چراغ کشتہ ہاوسحر کہاں ہو  
جینے کی اور سے تو خاطر مری نکساں ہو  
اچھ کچھ تو کہہ تو تیرے بھی تو زباں ہو  
گوشتے میں گلستاں کے میرا بھی آشیان ہو  
اچھ غنڈلیب گلشن تیرا لب و دہاں ہو  
پیوند ہو زمیں کا جیسا یہ آسماں ہو

پیرمغاں سعادت تیری جو ایسا آئے  
یہ مینہ سیکیشوں میں اک طرز کا جوان آئے

ہسائیہ چمن یہ نیٹ زار کون ہو  
مڑگاں بھی پھر گئیں تری بہا چشم دیکھ  
نالے جو آج سننے ہیں سوہی جگر خراش  
آیا نہ آشیانہ بلبل میں کام بھی  
نالان دمضطرب پس دیوار کون ہو  
دکھ درد میں سوائے خدا یا رکون ہو  
کیا جانے قفس میں گرفتار کون ہو  
مجھ سا تو خار باغ میں پیکار کون ہو

بازار دہر میں ہو عبت تیر عرض مہر  
یہاں ایسی جنس کا تو خسریا رکون ہو

<p>مجھ سموز بعد مرگ سے آگاہ کون ہے بیکس ہوں مضطرب ہوں مسافر ہو بیوٹن لبریز جس کے حسن سے مسجد ہو اور میر رکھیو قدم سنبھل کے کہ تو جانتا نہیں</p>	<p>شع مزار میسر بجز آہ کون ہے دوری راہ بن مرے ہمراہ کون ہے ایسا بتوں کے بیچ وہ اللہ کون ہے مانند نقش پایہ سہراہ کون ہے</p>
<p>ایسا اسیر خستہ جگر میں سنا نہیں ہر آہ میسر جس کی ہو جائگاہ کون ہے</p>	
<p>دیکھا کروں تجھی کو منظور ہو تو یہ ہے نزدیک تجھ سے سب کیا قتل کیا جلا تا رونے میں دن کی ہیں آہ و فغاں سوراہیں چاک جگر کو میرے بر جاے جو کہو تم کتا ہو کوئی عاشق کوئی کے ہو خبطی</p>	<p>آنکھیں نہ کھولوں تجھ بن مقدور ہو تو یہ ہو ہم غمزدوں سے ملنا اک دور ہو تو یہ ہو گر شغل ہے تو یہ ہے مذکور ہو تو یہ ہو گر زخم ہے تو یہ ہے ناسور ہو تو یہ ہو دنیا سے بھی نرالا رنجور ہو تو یہ ہو</p>
<p>کیا جانوں کیا کسل ہو واقع میں میرے تئیں دو چار روز سے جو مشہور ہو تو یہ ہے</p>	
<p>کوئی ہوا نہ روکش ٹاک میری چشم تر سے وحشت میری یار و خاطر نہ جمع رکھیو اب جوں سرشک ن ہو چھر کی چشم تر کہ دیدار خواہ اس کے کم ہوں تو شور کم ہو دلغ ایک ہو جلا بھی خون ایک ہو بہا بھی دل کس طرح نہ کھینچیں اشعار ریختہ کے انجام کار بلبل دیکھا ہم اپنی آنکھوں بیٹاقتی نے دل کی آغوش کو بار رکھا دلکش یہ منزل آخر دیکھا تو آہ نکلی</p>	<p>کیا کیا نہ ابر اگر بھیاں روز روز بر سے پھر آئے یا نہ آئے لو پر اٹھا جو گھر سے جو خاک میں ملے ہیں گر کر ترنی نظر سے ہر صبح اک قیامت اٹھتی ہو اسکو در سے اب بحث کیا ہو دل سے کیا گفتگو جگر سے بہتر کیا ہو میں نے اس عیب کو ہنر سے آوارہ تھے چین میں دو چار ٹوٹے پر سے آفت ہمارے جی کی آئی ہمارے گھر سے سب یار جا چکے تھے آئے جو ہم سفر سے</p>
<p>آوارہ میسر شاید وہاں خاک ہو گیا ہے اک گرد اٹھ چلے ہو گاہ اس کی رگہز سے</p>	
<p>وعدہ وعید پیاسے کچھ تو قرار ہوئے دل کی معاملت ہو کیا کوئی خوار ہوئے</p>	

نور اک سے نہ باندھے دیکھے نہ تو تڑپنا از بس لہو پیا ہو میں تیرے غم میں گلرو میں مست مر گیا ہوں کرتا عجبتے ساقی	کس آرزو پہ کوئی تیرا شکار ہوئے تیرے میری شاید حشر بہار ہوئے اگر سنگ شیشہ میرا سنگ مزار ہوئے
اے غیر تیرے تجھ کو گر جوتیاں نہ مارے سید نہ ہوئے پھر تو کوئی چمار ہوئے	
رہی نہ چنگی عالم میں دور خامی ہے نہ اٹھ تو گھر سے اگر چاہتا ہو ہوں مشہور	ہزار حیف کمینوں کا چرخ حامی ہو بگئیں جو بیٹھا ہو گڑ گڑ کر تو کیسا نامی ہو
ہوئی ہیں فکریں پریشان تیرے یاروں کی حواس خمسہ کرے جمع سو نظامی ہے	
انجام دل غم کش کوئی عشق میں کیا جانے وہاں آرسی ہر وہ ہو بھیاں سنگ ہر چھا آئے ناصح کو خبر کیا ہو لذت سے غم دل کی میں خطا جبیں اپنا یارو کسے دکھلاؤں بی طاعتی دل نے ہم کو نہ کیا رسوا اس مرتبہ ناسازی نبھتی ہو دلا کوئی	کیا جانے کیا ہوگا آخر کو خدا جانے گزرتے ہو جو کچھ ہم پر سو اس کی بلا جانے ہو حق بہ طوف اس کے چکے تو مزار جانے قسمت کے لکھے کے تئیں بھیاں کوں مٹا جانے ہر عشق مزار اسکو جو کوئی چھپا جانے کچھ خلق بھی پیدا کرتا خلق بھلا جانے
ایک بجائے یہ تیرے اس کے دروازہ کی مٹی بھی اس درو مجبوت کی جو کوئی دوا جانے	

۱۔ نظامی گنجہ (ایران) ۵۳۳ھ میں پیدا ہوئے (دوسرے ۵۹۹ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے پانچ شونیاں لکھیں جن میں  
خمس نظامی کے نام سے مشہور ہیں ان میں سے ہر ایک شہری کسی خاص فرمائش اور خاص محل پر لکھی گئی۔ چنانچہ خسرو شیرین طغرل ارسلان  
سلجوقی کے نام پر لکھی اور اس کے جائزہ میں چودہ گانوں ملے اور غزنو اسرار بہرام شاہ کے نام پر لکھی اور اس میں پانچ ہزار اشعار  
اور ایک قطار شتر خٹک مال متاع سے بھرے ہوئے پیش کئے۔ اس وقت ان کا سن تقریباً ۲۵ سال کا تھا۔ اسی طرح لیلی مجنوں  
منوچہر کے حکم سے ۵۸۴ھ میں تمام کی اسی طرح ہفت پیکر سلطان غیاث الدین کرہ سلطان علاء الدین آتسغری کی فرمائش سے  
اور سکندر نامہ کو اپنے شوق سے لکھا مگر ابو بکر لہو الدین کے نام موسوم کیا۔ میر تقی مرحوم نے اسی خمسہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور کہا ہے  
کہ ہمارے زمانہ میں یہ حال ہو کہ جو اس خمسہ جمع کرے وہی نظامی ہو۔ آج

<p>ہنستے ہو روتے دیکھ کر غم سے  مند گئی آنکھ ہو اندھیرا پاک  تم جو دل خواہ خلق ہو اہم کو  درہمی آنکھی مزا جوں میں  سب نے جانا کہیں یہ عاشق ہو  منست دیوں ہاتھ تو نہ کھو اہم کو  اکثر آلات جو اس سے ہوتے  دیکھو وہ پلکیں برچھیاں چلیاں  کوئی بیگانہ گر نہیں موجود  وجہ پردے کی پوچھتے بارے</p>	<p>چھڑ رکھی ہے تم نے کیا ہم سے  روشنی ہو سو بچاں مردم سے  دشمنی ہے تمام عالم سے  آخر ان کیسوان درہم سے  بہ گئے اشک دیدہ غم سے  کہیں پیدا بھی ہوتے ہیں ہم سے  آفتیں آئیں اس کے مقدم سے  تیغ نکلی اس ابروئے خم سے  منہ چھپانا یہ کیا ہو پھر ہم سے  ملنے اُس کے کسو جو محرم سے</p>
---	---

درپے خون میری نہ رہو  
ہو بھی جاتا ہے جرمِ آدم سے

<p>نالہ عجز نقص الفت ہے  عشق ہی گریہ ندامت ہے  تا دمِ مرگ غم خوشی کا نہیں  دل میں ناسور پھر جدھر چاہے  رونا آتا ہے دم بدم شاید  فتنے رہتے ہیں اُس کے سایہ میں  نہ تجھے رحم نے اُسے ٹک صبر  تو تو نادان ہے نیٹ نا صح  دل پہ جب میرے آکے یہ ٹھہرا  رنج و محنت سے باز کیونکہ رہا  کیا ہو پھر کوئی دم کو کیا جانو  تیرا شکوہ مجھے نہ میرا بخت  تجھ کو مسجد ہو مجھ کو میخانہ</p>	<p>رنج و محنت کمال راحت ہے  ورنہ عاشق کو چشمِ خفت ہے  دل آزرده گر سلامت ہے  ہر طرف کو چہ جس راحت ہے  کسو حسرت کی دل سے زحمت ہے  قد و قامت ترا قیامت ہے  دل پہ میرے عجب مصیبت ہے  کب موثر تیری نصیحت ہے  کہ مجھے خوش دلی اذیت ہے  وقت جاتا رہے تو حسرت ہے  دم غنیمت میاں جو فرصت ہے  چاہے یوں جو فی الحقیقت ہے  واعظا اپنی اپنی قسمت ہے</p>
---	--

ایسے ہنس مکھ کو شمع سے تشبیہ  
باطل السحر دیکھ بطل ہے  
ابر تر کے حضور بھوٹ بہا  
کیا ہوا گر غزل قصیدہ ہوئی  
ترتِ میسر پر ہیں اہل سخن قلعہ  
شمع مجلس کی رونی صورت ہو  
تیری آنکھوں کا سحر آفت ہو  
دیدہ تر کو میسر رحمت ہو  
عاقبت قصہ محبت ہو

تو بھی تقریب فاتحہ سے چل  
بخدا واجب الزیارت ہے

پھر اُس سے طرح کچھ جو دعویٰ سی ڈالی ہو  
سچ پوچھو تو کب ہریگا اُسکا سادہن غنچہ  
دیہی کو نہ کچھ پوچھو اک بھرت کا ہو گڑوا  
ہم قد خمیدہ سے آغوش ہوئے سائے  
عزت کی کوئی صورت دکھلائی نہیں دیتی  
دو گام کے چلنے میں پامال ہوا عالم  
ہیگی تو دو سالہ پر ہے دختِ برز آفت  
خونیزی میں ہمسوں کی جو خاک برابر ہیں  
جب سر چڑھے ہوں ایسے تب عشق کریں سو بھی  
ان مینجوں میں زار دیکھو سر زدہ مت آنا  
کیا تازہ کوئی گل نے اب شاخ نکالی ہو  
تشکیں کے لئے ہم نے اک بات بنالی ہو  
ترکیب کیا کئے سانچے میں کہ ڈھالی ہو  
پر فائدہ تجھ سے تو آغوش وہ خالی ہو  
چپ رہے تو چشمک ہو کچھ کئے تو گالی ہو  
کچھ ساری خدائی سے وہ چال نرالی ہو  
کیا پیر مفاں نے بھی اک چھو کر ی پالی ہو  
کب سر تو فرد لایا ہمت تری عالی ہو  
جوں توں یہ بلا سے فرسارِ مادی طالی ہو  
مندیل تری اب کے ہم نے تو بچائی ہو

کیا میسر روتا ہو پامالی دل ہی کو  
ان لونڈوں نے تو دلی سب پر پٹھالی ہو

نازِ جن وہی ہو بلبل سے گو خنزاں ہو  
گر اس جن میں وہ بھی اک ہی لبِ دہاں ہے  
ہنگام جلوہ اُس کے مشکل ہو ٹھہرے رہتا  
پتھ سے توڑنے کے قابل ہے اُرسی تو  
بانغ و بہار ہو وہ میں کشت زعفران ہوں  
ہر چند ضبط کر کے چھپتا ہو عشق کوئی  
ٹہنی جو زرد بھی ہو سو شاخ زعفران ہو  
لیکن سخن کا تجھ سے عنجے کو منہ کہاں ہو  
جتوں ہو دل کی آفت چشمک بلائے جاں ہو  
پر کیا کریں کہ پیارے منہ تیرا درمیاں ہو  
جو لطف اک ادھر ہو تو یہاں بھی کٹاں ہو  
گزلے ہو دل پہ کچھ چہر ہی زعمیاں ہو

اس فن میں کوئی بے تہ کیا ہو مرا معارض  
عالم میں آب و گل کا ٹھہراؤ کس طرح ہو  
چرخا رہیگا اس کا تاحشر میکشاں میں  
اول تو میں سندھوں پھر یہ مری زباں ہو  
گر خاک ہو اڑے ہو اور آب ہو رواں ہو  
خونریزی کی ہماری رنگین داستان ہو

از خویش رفتہ اس بن رہتا ہو میر اکثر  
کرتے ہو بات کس سے وہ آپ میں کہاں ہو

تیرا خرام دیکھے تو جاسے نہ ہل سکے  
اس دل جلے کی تاب کے لانے کو عشق ہو  
کہتا ہو کون تجھ کو کہ اے سینہ رک نہ جا  
گردہ پر کو اُس کو نکلنے دے ناز کی  
کیا اس غریب کو ہو سیر یہ ہمسایہ  
ہو جائے حیف بزم جہاں مل لے ای تنگ  
کس کو ہے آرزو کے افات فراق میں  
مت بر چشم کم سے مری چشم تر کو دیکھ

کیا جی تدر و کا جو تہ آگے چل سکے  
فانوس کی سی شمع جو پرے میں جل سکے  
آتنا تو ہو کہ آہ جگر سے نکل سکے  
حیث سے آفتاب کی پھرن ٹھل سکے  
جو اپنی بے و باغی سے نکھنی نہ جھل سکے  
اپنے آپ جو کوئی گھڑی ہاتھ مل سکے  
ایسا تو ہو کہ کوئی گھڑی جی سنبھل سکے  
چشمہ ہو یہ وہ جس سے کہ دریا اہل سکے

کہتا ہو وہ تو ایک کی دس میر کم سخن  
اُس کی زباں کے عہد سے کیونکر نکل سکے

تغیر قافیہ سے یہ طرحی غزل کہوں  
خورشید تیرے چہرہ کے آگے نہ آ سکے  
ہم گرم رو ہیں راہ فنا کے شر صفت  
غافل نہ رہو آہ ضعیفوں سے سرکشاں  
میرا جو بس چلے تو منادی کیا کروں  
تدبیر حبيب پارہ نہیں کرتی فائدہ  
اس کا کمال چرخ پہ سر پہنچتا نہیں  
یہ نغ ہے یہ طشت ہو یہ تو ہو لبوس  
اس رشک آفتاب کو دیکھ تو شرم ہو

تا جس میں زور کچھ تو طبیعت کا چل سکے  
اُس کو جگر بھی شہر ط ہو جو تال سکے  
ایسے نہ جائیں گے کہ کوئی کھوج پا سکے  
طاقت ہو اُس کو یہ کہ جہاں کو جلا سکے  
تنا اسے دل نہ کوئی کسو سے لگا سکے  
ناصر جگر کا چاک سلا جو سلا سکے  
اپنے تین جو خاک بین کوئی ملا سکے  
کھانا تجھے حرام ہے جو ذم کھا سکے  
ماہ فلک نہ شہرین منہ کو دکھا سکے



کیا دل فریب جائے ہو آفاق ہمنشیں ق دو دن کو بیاں جو آئے سو برون جائے  
مشرع ہو اس پہ مردن دشوار فتگاں یعنی جہاں سے دل کو نہ آساں ٹھاسکے

بدلوں کا اس غزل کے بھی میں قافیہ کو میر  
پھر فکر گو نہ عہد سے اُس کے برآسکے

کیا غم میں ویسے خاک قتادہ ہو سکے  
ہم ساری ساری رات ہو گریہ ناک لیک  
رونا تو ابر کا سا نہیں یار جانتے  
برسوں ہی منتظر سہرہ پر نہیں ہوئے  
دامن پکڑ کے یار کا جو ٹک نہ رو سکے  
ماند سمیع دلنوع جگر کا نہ دھو سکے  
اتنا تو رو پیے کہ جہاں کو ڈلو سکے  
اس قسم کا تو صبر کسو سے نہو سکے

رہتی ہو ساری رات مردم سے چل میر  
نالہ رہے تو کوئی محلے میں کسو سے

آتش کے شعلے سے ہمارے گزر گئے  
منزل نہ کر جہاں کو کہ ہم نے سفر سے آہ  
مشت نہک سو بھی تو کعبہ یاد کر ہمیں  
ناصح نہ روویں کیونکہ محبت کے جی کو ہم  
تلوار آپ کھینچنے حاضر ہے بیاں بھی سر  
کرویں گے آسمان وز میں ایک حشر کو  
یہ راہ و رسم دل شد گاں غفستنی نہیں  
روز و دل اسکی گلی تک تھے ہم بھی ساتھ

گر یک نگاہ یاس کی ٹپ سے سے رو دیا  
پھر ہم ادھر کو آئے میاں سے ادھر گئے

دن کو نہیں رہی چین نہ ہو خواب میر  
ہنگامہ میری نقش پہ تیری گلی میں ہو  
ٹک داد میری اہل محلہ سے چاہو  
طوفاں بجائے اشک ٹپکتے تھے چشم سے  
دو حرف اُس کے منہ کے تو کھڑے بھیو شباب  
میرنا پڑا ضرور ترے غم میں اب مجھے  
بیجا میں گے جنازہ کشاں بیاں کے کب مجھے  
تجھ بن خراب کرتے رہے ہیں یہ سب مجھے  
اسے ابر تر داغ تھا روئے کا جب مجھے  
قاصد چلا ہو چھوڑ کے تو جان بلب مجھے

بکھ ہے جواب جو میں کروں حشر کو سوال قطعہ  
غیر از خموش رہنے کے ہونٹھوں کے سوکھنے

پوچھا تھا راہ جاتے کہیں ان نے میرے کو  
آنا ہے اُس کی بات کا اب تک عجب مجھے

کاتب کہاں مانع جواب شکوہ ٹھکانے  
غیروں کا ساتھ موجب صد دہم ہوتاں  
بشرب خواب لباس جو عیاں تہی میں یہ  
اپنا یہ اعتقاد ہو تجھ جستجو میں یار قطعہ  
پھر یا نصیب یہ بھی ہو طالع کی یادری  
بس ہو یہ ایک حرف کہ مشتاق جانے  
اس امر میں خدا بھی کہے تو نہ مانے  
جب سوئے تو چادر مہتاب تانے  
لے اس سرے سے اُسے تک خاک چھانے  
مر جائیں ہم تو اس پہ بھی ہم کو نہ جانے

وئے ہو خاکِ خون میں خیریں کیا تھ میرے  
ایسے تو نیم کشتہ کو ان میں نہ سائے

مرے اس رُک کے مرجانے سے وہ غافل ہو کیا جانے  
گزرنا جان سے آساں بہت مشکل ہو کیا جانے  
کوئی سرسنگ سے مارو کسی کا واپس دم ہو  
وہ آئینے میں اپنے ناز برائے ہے کیا جانے  
نظر مطلق نہیں ہواں میں اس کو حال پر میرے  
مراد دل اُس کے غم میں گویا اس کا دل ہو کیا جانے  
جنونی خطی دیوانہ سڑی کوئی عشق کو سمجھے  
فلاطوں سے نہیں یہاں بخت وہ عاقل ہو کیا جانے  
ترپنا نقش پائے ناقہ پر جاتے ہو اک مجنوں  
بیاباں میں وہ لیلیٰ کا کدھر محمل ہو کیا جانے  
پرھایا اُس کو بہتیرا کہ مت لا رازِ دل منھ پر  
بچھل اشک کو دیکھا تو ناقابل ہو کیا جانے  
عرف ہونا مرا مشکل ہو میرے اس شمع کے فن سے  
یونہی سودا کبھو ہوتا ہو سو جاہل ہو کیا جانے

<p>آہ کرے کہ ٹاک ہوا ہو  دیکھے ہوتے ہوئے کیا ہو  جان میں کچھ بھی جو رہا ہو  کئے کچھ بھی تو دعا ہو  دیکھے ایک سال کیا ہو  دل گرفت تری بلا ہو  جانے وہ جس کا دل لگا ہو  شاید اس پر دین خدا ہو</p>	<p>کب تک جی رے کے خفا ہو  جی ٹھہر جائے یا ہوا ہو  کاہش دل کی کیجئے تدبیر  چپ کا باعث ہو بے ممتائی  لے کلی مارے ڈالتی ہو نسیم  مر گئے ہم تو مر گئے تو جئے  عشق کیا ہو درست ہی ناصح  پھر نہ شیطاں سجد آدم سے</p>
---	--

۱۰ سنارات ہم نے اک نالہ  
غالباً میت مر رہا ہو

<p>دن گزر جائیں ہیں پر بات چلی جاتی ہو  بارے ام ہمنشین اوقات چلی جاتی ہو  عمر کے حیف ہی کیا سات چلی جاتی ہو  اور دھاں بازی ہوئی بات چلی جاتی ہو  عمر بھر ایک ملاقات چلی جاتی ہو  شیخ کی ساری کرامات چلی جاتی ہو  مستوں سے لوگ ہی کتات چلی جاتی ہو  مرنے پر آیا ہے پر لات چلی جاتی ہو  مکرو طامات کی اک گھٹات چلی جاتی ہو</p>	<p>کچھ تو کہہ وصل کی پھر رات چلی جاتی ہو  رہ گئے گاہ تبسم پہ گئے بات ہی پر  ٹک تو وقف بھی کرائے گردشِ دریاں یہ جان  بھلاں تو آتی نہیں شطرنج زمانہ کی چال  روز آنے یہ نہیں نسبت عشقی موقوف  خرقہ منڈیل دردِ امست لئے جاتے ہیں  ہو موذن جو بڑا مرع مصلی اس کی  پالوں رکنا نہیں مسجد سے دم آخر بھی  ہر سحر درپے آرام سے آشامان ہے</p>
--	--

ایک ہم ہی سے تفاوت ہو سلوکوں میں تیر  
یوں تو اوروں کی مدارات چلی جاتی ہو

<p>کیا کیجے میری جان اگر مر نہ جائے  اس طفلِ ناسمجھ کو کہاں تک پڑھائے  اپنے تئیں تو دل سے ہمارے بھلائے  مر جائے کہیں کہ ٹک آرام پائے</p>	<p>منصف جو تو ہو کب تک یہ دکھ اٹھائے  اظہارِ رازِ عشق کئے بن رہے نہ اشک  تم نے جو اپنے دل سے بھلایا ہمیں تو کیا  فکرِ معاش یعنی غمِ زلیست تا بہ کے</p>
--	--

<p>جاتے ہیں کیسی کیسی لئے دل میں حسرتیں لوٹوں ہوں جیسے خاک چین پر سیاہی ہلکے دیکھنے کو جاں بلبوں کے بھی آئیے گل کو بھی میری خاک پہ ڈونہی لٹائیے</p>	<p>پہنچا تو ہوگا مجمع مبارک میں حالِ تیر اس پر بھی جی میں آئے تو دل کو لگائیے</p>
<p>نہیں دوسواں جی گنوانے کے میرے تفسیرِ حال پر مت جا دمِ آخر ہی کیا نہ آنا تھا اس کدورت کو ہم سمجھتے ہیں بس ہیں دو برگ گلِ قفس میں صبا مرنے پر بیٹھے ہیں سنو صاحب اب گریباں کہاں کہ اے نا صبح چشمِ بزمِ سہر جھپکی سے دلِ دینِ ہوش و صبر سب ہی گئے کب تو سوتا تھا گھر مرے آکر مرہ ابرو نگہ سے اسکی میرے قطعہ</p>	<p>ہائے رے ذوقِ دل لگانے کے اتفاقاقت ہیں زمانے کے اور بھی وقت تھے بہانے کے دھب ہیں یہ خاک میں ملانے کے نہیں بھوکے ہم آب و دانے کے بندے ہیں اپنے جی جھلانے کے چڑھ گیا ہاتھ اُس دوانے کے صدقے اس انکھڑیاں لڑانے کے آگے آگے تمہارے آنے کے جاگے طالعِ غریب خانے کے کشتہ ہیں اپنے دل لگانے کے</p>
<p>تیر و تلوار و سیل یکجا ہیں سارے اسباب مار جانے کے</p>	<p>کیم فستقِ گل جو کہیں کوئی نہ مانے تھے شہر میں اور رشکِ پری جتنے سیانے ہمراہِ جوانی گئے ہنگامے اٹھانے پیری میں جو باقی نہیں جائے میں تو کیا دور مرے ہی سے ہم نے کسلمندِ محبت ہو کس کو میتِ تری زلفوں کی اسیری ہلکے آنکھ بھی کھولی نہ زخود رفتہ لئے اُس کے لوہے کے تو ہے ہیں جگرِ اہلِ محبت</p>
<p>ایسے گئے ایامِ ہماراں کہ نہ جانے سب ہو گئے ہیں شورِ تراش کے دوانے اب ہم بھی نہیں رہے ہے ہیں زمانے پھٹنے لگے ہیں کپڑے جو ہوتے ہیں پائے اس درد میں کس کس کو کیا نفعِ خوانے شامہ کے نصیبوں میں تھے یوں ہاتھ بندھ جانے ہر چند کیا شورِ قیامت نے سر جانے رہتے ہیں ترے تیر ستم ہی کے نشانے</p>	<p>ایسے گئے ایامِ ہماراں کہ نہ جانے سب ہو گئے ہیں شورِ تراش کے دوانے اب ہم بھی نہیں رہے ہے ہیں زمانے پھٹنے لگے ہیں کپڑے جو ہوتے ہیں پائے اس درد میں کس کس کو کیا نفعِ خوانے شامہ کے نصیبوں میں تھے یوں ہاتھ بندھ جانے ہر چند کیا شورِ قیامت نے سر جانے رہتے ہیں ترے تیر ستم ہی کے نشانے</p>

ظاہر ہو کہ منہ پھیر لیا ہم سے خدا نے  
کن کن روشوں ہم کو بھرایا ہے ہوائے  
آئے بھی جو ہو تو مجھے مجلس سواٹھانے  
خاک اسکی سر راہ کی کوئی تبتیں بھانے  
آتے جو ہو ہر شام و سحر تیر لگانے  
کم جاتے جو اُس کو چہ میں پر ہم تھے دولے  
ہم جی سے گئے بر نہ گئے اُس کو بہانے

کا ہی کو یہ انداز تھا اعراض بتاں کا  
ان ہی چمنوں میں کہ جنھوں میں نہیں اب چھائی  
کب کب مری عزت کی لہو بیٹھو ہو گیا پس  
پایا جو نہ ہم نے دل گم گشتہ کو اپنے  
کچھ تم کو ہائے جگر وں پر بھی نظر ہے  
مجروح بدن سنگ سے طفلان کو نہوتے  
آنے میں فعلل ہی کیا عاقبت کار

قلیوں میں بہت ہمتوریشاں سے پھرے ہیں  
اوباش کسوروز لگا دیں گے ٹھکانے

بی طاقتی دل کو بھی مقدور ہوا ہے  
یہ قصہ تو اس شہر میں مشہور ہوا ہے  
افسانہ مرے حال کا مذکور ہوا ہے  
یہاں آج مرا شیشہ دل جو پر ہوا ہے  
یعقوب بجا آنکھوں سے معذور ہوا ہے  
یہ کائنات سر کاسہ طنبور ہوا ہے  
نزدیک مرے کب یہ سر دور ہوا ہے  
کیا ساتھ مرے اغوں کے محسور ہوا ہے  
اک شمع کا چہرہ ہے سو بے نور ہوا ہے

تن ہجر میں اس یار کے رنجور ہوا ہے  
بہنچا نہیں کیا سمع مبارک میں مر حال  
بیخوابی تری آنکھوں پر دیکھوں تھیں گہرا  
کل صبح ہی سستی میں سر راہ نہ آیا  
کیا سو بجھے اے جس کی ہو یوسف ہی نظر میں  
پر شور سے جو عشق معنی پسراں کے  
تلوار لے چھڑا تو ابائیں کاسنا میں  
خورشید کی محشر میں طیش ہو گی کہانتاک  
اے رشک سحر بزم میں لے منہ نقاب اب

اُس شوق کو ٹٹکے کچھ کہ چشم نگراں ہے  
جو زخم جگر کا مرے ناسور ہوا ہے

ہر سحر و فہر فہر باد نہایت کیجے  
اپنا شیوہ ہی نہیں یہ کہ نکات کیجے  
دودل ہو کے فلک تجھ میں میریت کیجے  
عوض جو رجھا ہم پر عنایت کیجے  
اس پر بھی جی میں آدے تو دل کو نکائیے آہیر

چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجے  
گو کہ سر خاک قدم پر ترے لئے اس میں  
ہم جگر سوختہ کے جی میں آدے تو ابھی  
عشق میں آپ کے کڑے نہ ہماری تو مگر  
سہ پہنچا تو ہنگام سمع کا مبارک میں حال میر

<p>مت چلا عشق کی رہ کی کہ کوئی چنانچہ</p>	<p>آج بھی گمراہ ہیں ہم کس کو ہدایت کیجے</p>
<p>کس کے کہنے کو ہو تاثیر کہ اک تیر ہی ہو</p>	<p>رمز و ایما و اشارات و کنایات کیجے</p>
<p>دل جو پُر بقرار رہتا ہے ترے بن دیکھے میں مکدر ہوں جبر یہ ہو کہ تیری خاطر دل دل کو مت بھول جانا میرے بعد دور میں چشم مست کے تیرے بسکہ تیرا ہوا بلا گرداں ہر گھڑی رنجش ایسی باتوں میں تجھ بن آئے ہیں تنگ جینے سے دل کو گواہ تھیں رکھو اب تم غیر مت کھا فریب خلق اس کا دلبر و دل چراتے ہو ہر دم</p>	<p>آج کل مجھ کو مار رہتا ہے آنکھوں پر اب غبار رہتا ہے روز بے اختیار رہتا ہے مجھ سے یہ یاد گار رہتا ہے فتنہ بھی ہوشیار رہتا ہے سر کو میرے دوار رہتا ہے کوئی اخلاص پیار رہتا ہے مرنے کا انتظار رہتا ہے کوئی یہ بعیت رار رہتا ہے کوئی دم میں وہ مار رہتا ہے یوں کہیں اعتبار رہتا ہے</p>
<p>کیوں نہ ہوئے عزیز دہا تیر</p>	<p>کس کے کوچے میں خوار رہتا ہے</p>
<p>دہر بھی میرے طرف مقتل ہے کثرت غم سے دم لگا رکھنے روز گتے ہیں چلنے کو خواہاں چھوڑ مت نقد وقت نسیم پر بند ہو تجھ سے یہ کھلا نہ کہجھو سینہ چاکی بھی کام رکھتی ہے ابھی ہاتھوں میں شوق کے تیرے ٹک گرہیاں میں سر کو ڈال کے دیکھ ہجر باعث ہو بد گمانی کا مر گیا کوہکن اسی غم میں</p>	<p>جو ہے سو کوئی دم کا فیصل ہے حضرت دل میں کج و نگل ہے لیکن اب تک تو روز اول ہے آج جو کچھ ہے سو کہاں کل ہے دل ہے یا خاشہ مقفل ہے یہی کر جب تلک معطل ہے دامن بادیہ کا آسپل ہے دل بھی کیا لوق و دق جنگل ہے غیرت عشق ہے تو کب کل ہے آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہار</p>

<p>دل کے نالوں کا ان پر دوں میں کچھ آہنگ ہے آنکھیں ہوں تو یہ چین آئینہ سینہ رنگ ہے بعد ازاں اسے کوہن سر ہر ترا اور سنگ ہے جن کے ہاتھوں سے قیامت پر بھی عرصہ ہے ناخلف سارے قبیلہ کا ہمارے رنگ ہے آہ بھی سر و گلستان شکست رنگ ہے دو قدم اُسکی گلی کی راہ سو فرسنگ ہے تجھ کو مجھ کو اتنی اتنی بات اوپر جنگ ہے پیش رفت آگے ہمارے کب یہ عذر رنگ ہے ورنہ ہر مصرع یہاں معشوق شوق و شنگ ہے شعر یہ کم فہم سمجھے ہیں خیال رنگ ہے</p>	<p>جانگد از اتنی کہاں آوازِ عود و چنگ ہے رُود و خال و زلف سے ہیں سنبل و سبزہ و گل ہے بیسٹوں کھوٹے سے کیا آخر ہو سب کا عشق ہے آہ ان خوش فاستوں کو کیونکہ بر میں لایے عشق میں وہ گھر ہو اپنا جس میں مجنوں یہ ایک ہے چشم کم سے دیکھ مت قمری تو اس خوش قد کو تک ہے ہم سے تو جا پا نہیں جاتا کہ بحیرہ دل میں وہاں ہے ایک بو سے پر لڑکی ہو صلح پر اسی زود و رخ ہے پانوں میں چوٹ آنے کے پیاسے بہانے جانے کو ہے فلک کو نازک خیالوں کی کہاں پہنچے ہیں یار قلم ہے سر سری کچھ سن لیا پھر واہ و اگر اٹھ گئے</p>
<p>صبر بھی کرتے بلا پر صبر حب جی بھو جب تب رونا ہی کرنا یہ بھی کوئی دھنگ ہے</p>	<p>نہجہ بکھت وہ جبے سفاک ہو گیا ہو جس سے اسے لگاؤں رد کھا ہی ہو ملے ہے</p>
<p>نماں ستمزدوں کا سب پاک ہو گیا ہو سینے میں جل کر از بس دل خاک ہو گیا ہو یہ جالوں ہوں کہ سینہ سب چاک ہو گیا ہو اس فاحشہ پہ سب کو امساک ہو گیا ہو اٹھ چل کہ آسمان تو کا واک ہو گیا ہو اب تو بہت وہ ہم سے بے باک ہو گیا ہو</p>	<p>نہجہ بکھت وہ جبے سفاک ہو گیا ہو جس سے اسے لگاؤں رد کھا ہی ہو ملے ہے کیا جانوں لذت درد اس کی جراثیم کی صحبت سے اس جہاں کی کوئی خلاص ہو گا دیوار کہنہ ہو یہ مست بیٹھ اس کے سایہ شرم و حیا کہاں کی ہر بات پر ہو شمشیر</p>
<p>زیر فلک بھلا تو رووے ہو آپ کو میر کس کس طرح کا عالم یاں خاک ہو گیا ہو</p>	<p>زیر فلک بھلا تو رووے ہو آپ کو میر کس کس طرح کا عالم یاں خاک ہو گیا ہو</p>
<p>دے بھی مے ابر زور آیا ہے بے طرح گھر میں چور آیا ہے</p>	<p>ساقی گھر چاروں اور آیا ہے غارت دل کرے ہو ابر سیاہ</p>
<p>آج تیری گلی سے ظالم میر لو ہو میں شور بوز آیا ہے</p>	<p>آج تیری گلی سے ظالم میر لو ہو میں شور بوز آیا ہے</p>

فقیہانہ آئے صدا کر چلے جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لئے کوئی ناامیدانہ کرنے نگاہ بہت آرزو تھی گلی کی تری دکھائی دے یوں کہ بخود کیا جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی قطعہ پرستش کی بھیاں کر لے بت تجھے جھڑے پھول جس لنگ گلبن سے یوں قطعہ نہ دیکھا غم دوستانہ شکر ہے گئی عمر در بند فکر غزل قطعہ	میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے سو اس عہد کو اب وفا کر چلے کہ مقدور تک تو دوا کر چلے ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے سو بھیاں سے لمو میں نہا کر چلے ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے حق بندگی ہم ادا کر چلے نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے چمن میں جہاں کے ہم آ کر چلے ہمیں دافع اپنا دکھا کر چلے سو اس فن کو ایسا بُرا کر چلے
---	--

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے تیر  
جہاں میں تم آئے تھے کیا کر چلے

اپنا سر شوریدہ تو وقتِ خم چوکان ہے  
آ بلہوس گر ذوق ہے یہ گو ہے یہ میدان ہے  
عالم مری تقلید سے خواہش تری کرنے لگا  
میں تو پشیمیاں ہو چکا لوگوں کو اب ارمان ہے  
ہر چند بیش از بیش ہے دعویٰ تو رونیکا تجھے  
پر دیدہ نمناک بھی اے ابر تر طوفان ہے  
اس بیدمی میں بھی کھجور دل بھر اُٹھے ہو دم ترا  
آٹک شتابی بے وفا اب تک تو مجھ میں جان ہے  
ہر لحظہ خنجر درمیاں ہر دم زباں زیر زباں  
وہ طور وہ اسلوب ہے یہ عہد یہ پیمان ہے

یہ ایک ہم ہیں جو ہوئے ایسے پشیمان کہ بس + ایک وہ ہیں کہ جھین چاہ کے ارمان ہوئے



اس آرزوئے وصل نے مشکل کیا جینا مرا  
ورنہ گزرتا جان سے اتنا نہیں آسان ہے

ابس بیوقاری ہو چکی گلیوں میں خواری ہو چکی  
اب پاس کر ٹک مٹیر کا دو چار دن ہمارا ہے

خوب تھے وہ دن کہ ہم تیرے گرفتاروں میں تھے  
غمز دوں، اندوہ گینوں، ظلم کے ماروں میں تھے  
دشمنی جانی ہے اب تو ہم سے غیروں کے لئے

اک سماں سا ہو گیا وہ بھی کہ ہم یاروں میں تھے  
مت بخت سے گزر قمری ہماری خاک پر  
ہم بھی اک سرد رواں کے ناز برداروں میں تھے  
مر گئے لیکن نہ دیکھا تو نے اودھسہ اکٹھا

آہ کیا کیا لوگ ظالم تیرے بیماروں میں تھے  
گرچہ جسم عشق غیروں پر بھی ثابت تھا ولے  
قتل کرنا تھا ہمیں ہم ہی گنہگاروں میں تھے

اک رہا مڑگاں کی صف میں ایک کے ٹکڑے ہوئے  
دل جگر جو مٹیر دونوں اپنے غمخواروں میں تھے

وہاں یہ عاجز مدام ہوتا ہے	جس جگہ دور جام ہوتا ہے
کیسا خط و پیام ہوتا ہے	ہم تو اک حرف کے نہیں ممنون
اک کرشمہ میں کام ہوتا ہے	تیغ ناکاموں پر نہ ہر دم کھینچ
روز ان کا بھی شام ہوتا ہے	پوچھ مت آہ عاشقوں کی معاش
اپنا کھانا حرام ہوتا ہے	زخم بن غم بن اور غصہ بن
جس پہ شب اختلام ہوتا ہے	شیخ کی سی ہی شکل ہے شیطان

مٹیر صاحب بھی اُس کے ہاں تھی پر  
جیسے کوئی غلام ہوتا ہے

لہ مٹیر صاحب بھی اُس کے ہاں تھے ایک پابندہ زنجیرہ کے مانند مٹیر

<p>وقتِ شکیبِ خوش کہ گیا در میان سے نکلا نہ حرفِ خیر کسو کی زبان سے کیا جانے یہ آگ ہے کس دودمان سے اس قصے کی کتاب میں اس داستان سے جوں برقِ ہم ٹپ کے گرو آشیان سے القصہ خوش گزرتی ہو اس بدگمان سے</p>	<p>بتیا بیوں میں تنگ ہم آئے ہیں جان سے ہم خامشوں کا ذکر تھا شبِ اسکی بزم میں آبِ خضر سے بھی نہ گئی سوزشِ جگر بجز عشقِ جنگِ دہر سے پڑھ کہ خوش ہیں ہم آنے کا اس جن میں سببِ بیکلی ہوئی اب چھوڑ یہ رکھی ہو کہ عاشق ہو تو کہیں</p>
---	--

داغوں سے جین جگر میں  
ان نے بھی گل چنے بہت اس گلستان سے

<p>اس گریباں ہی سے اب ہاتھ اٹھایا ہم نے سر پہ دیکھا نہ گل و سرو کا سایا ہم نے بسترِ خاک ہی میں اب تو بچھایا ہم نے ڈرتے ڈرتے ہی کچھ احوال سنایا ہم نے چار دن یہ بھی تماشا سا دکھایا ہم نے خوبی گل کا مزا خوب اڑایا ہم نے آہ کیا جانے دیا کس کا بچھایا ہم نے قیس و فرہاد کو پھر یاد دلایا ہم نے سو تہِ خاک بھی آرام نہ پایا ہم نے</p>	<p>چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے حسرتِ لطفِ عزیزانِ جین جی میں رہی جی میں تھا عرش پہ جا باندھے تکیہ لیکن بعد یک عمر کہیں تم کو جو تنہا پایا یہاں فقط رنجتہ ہی کہنے نہ آئے تھے ہم بارے کل باغ میں جا مرغِ جین سے ملکر تازگیِ داغ کی ہر شام کو بے ہیج نہیں دشت و کسار میں سر مار کے چند کچھ بن بے کلی سے دل بیتاب کی مرکز سے تھے</p>
---	---

پستیم تازہ ہوا اور کہ پائیز میں میسر  
دلِ خن و خار سے ناچار لگایا ہم نے

<p>پھرتے ہیں ہم بھی ہاتھ میں سر کو لے رہے اب تو نشے میں جاتے ہو زخمی کئے ہوئے پایاں کارِ عشق میں ہم مرتبے ہوئے ہوتا ہو کیا ہمارے گریباں سے ہوئے</p>	<p>ظالم کہیں تول کبھو وارو پئے ہوئے آؤ گے ہوش میں تو ٹھاک سدا بھی لیجؤ جی ڈوبتا ہے آس گہر تر کی یاد میں سی چاک دل کہ چشم سے ناصح لہو تھمے</p>
---	---

کافر ہوئے بتوں کی محبت میں میسر جی  
مسجد میں آج آئے تھے قشقہ بے ہوئے

کرو توکل کہ عاشقی میں نہ یوں کرو گے تو کیا کرو گے  
 الم جو یہ ہے تو درد مندو کہاں تلک تم دو اکرو گے  
 جگر میں طاقت کہاں ہو اتنی کہ درد و ہجرال ہو مٹ رہے  
 ہزار دل وعدے وصال کے تھے کوئی بھی جیتے وفا کرو گے  
 ہماں کی مسلح تمام حیرت نہیں ہو تیس پرنگہ کی نصرت  
 نظر پڑے گی لبانِ بسمل کبھو جو مڑگاں کو وا کرو گے  
 اخیر الفت ہی نہیں ہو کہ جل کے آفر ہوئے تینے  
 ہوا جو یہاں کی یہ ہو تو یار و غبار ہو کر اڑا کرو گے  
 بلا ہے ایسا طعیدن دل کہ صبر اس پر ہو مشکل  
 داغ اتنا کہاں رہے گا کہ دست بردل رہا کرو گے  
 عدم میں ہم کو یہ غم رہیگا کہ ادروں پر اب تم رہیگا  
 تمہیں تو لٹ ہو ستلے ہی کی کسو پر آخر جفا کرو گے  
 اگرچہ اب تو خفا ہو لیکن موئے گئے پر کبھو ہمارے  
 جو یاد ہم کو کرو گے پیارے تو ہاتھ اپنے ملا کرو گے  
 سحر کو محراب تیغ قاتل کبھو جو یار و ادھر ہو مائل  
 تو ایک سجدہ لبانِ بسمل مری طرف سے ادا کرو گے

غمِ محبت سے میر صاحب پرنگہاں میں فقیر ہو تم  
 جو وقت ہو گا کبھو مساعد تو میرے حق میں عاکرو گے

جو کہ ہو سوے باغ نکلتے ہے ہو جو اندھیر شہر میں خورشید جو بجاری ہی سے رہیگا شیخ دے ہو جنبش جو دھان کا خاک کا باد ہر حیر حادثہ مری خاطر	آوے اک دماغ نکلتے ہے دن کو لیکر چراغ نکلتے ہے اب تو لیکر چراغ نکلتے ہے جگر داغ داغ نکلتے ہے بھر کے خون کا ایلغ نکلتے ہے
---	---

سلہ چاغ بردزن براق سرخ عصا جس کو ہانڈی کھتے ہیں ۱۲

اُس گلی کی زمین تفتہ سے دل جلوں کا سراغ نکلتے ہے

شاید اُس زلف سے لگی ہو میسر  
باؤ میں اک دماغ نکلتے ہے

ہے خاک جیسے ریگِ رواں سب نہ آب ہے  
دریائے موجِ خمیز جہاں کا سراب ہے  
روز شمار میں بھی محاسب ہے گر کوئی  
تو لے حساب کچھ نہ کر آخر حساب ہے  
اس شہرِ دل کو تو بھی جو دیکھے تو اب کہے  
کیا جائے کہ بستی یہ کب کی خراب ہے  
منہ پر لئے نقاب تو اے ماہِ گیا چھے  
آشوبِ شہرِ حسن ترا آفتاب ہے  
کس رشکِ گل کی باغ میں زلفِ سیہ کھلی  
موج ہوا میں آج نیپٹ پہنچ و تاب ہے  
کیا ول مجھے بہشت میں لے جائے گنا بھلا  
جس کے سبب یہ جان پر میری عذاب ہے  
سن کان کھول کر کہ تنک جلد آنکھ کھول  
غافل یہ زندگانی فسانہ ہو خواب ہے  
رہ آشنائے لطفِ حقیقت کے بحر کا  
ہے رشکِ زلف و چشم جو موجِ حباب ہے

آتش ہے سوزِ سینہ ہمارا مگر کہ میسر  
نامے سے عاشقوں کے کبوترِ کباب ہے

کیا کیا بیٹھے بگڑ بگڑ تم پر ہم تم سے بنائے گئے  
اچپکے باتیں اٹھائے گئے سر کاٹے وہیں آئے گئے  
اٹھے نقابِ جہاں سے یارب جس سے تکلف پہنچ میں ہے  
جب نکلے اُس راہ سے ہو کر منہ تم ہم سے چپائے گئے

کب کب تم نے سچ نہیں مانیں جھوٹی باتیں غیروں کی  
 تم ہم کو یہ نہیں جلائے گئے وے تم کو وہیں لگائے گئے  
 صبح وہ آفت اُٹھ بیٹھا تھا تم نے نہ دیکھا صدا فسوس  
 کیا کیا فتنے سر جوڑے پلکوں کے سائے سائے گئے  
 اللہ سے یہ دیدہ درائی ہوں نہ ملدہ کیونکہ ہم  
 آنکھیں ہم سے ملائے گئے پھر خاک میں ہم کو ملائے گئے  
 آگ میں غم کی ہو کے گدازاں جسم ہوا سب پانی سا  
 یعنی بن آن شعلہ رخوں کے خوب ہی ہم بھی تائے گئے  
 ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی بھی حد ایک لآخر ہوتی ہے  
 کشتہ اُس کی تیغ ستم کے گورتیں کب لائے گئے  
 خنجر جو مل جاتا ہے گاہے آپ کو بھولا خوب نہیں  
 کھوئے گئے اُس راہ کے ورنہ کا ہی کو پھر پائے گئے

مرنے سے کیا تمیر جی صاحب ہم کو ہوش بخے کیا کرے  
 جی سے ہاتھ اٹھائے گئے پر اُس سے دل نہ اٹھائے گئے

ادھر سے ابر اُٹھ کر جو گیا ہے	ہماری خاک پر بھی رو گیا ہے
مصائب اور تھے پردل کا جانا	عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
مقامِ خانہ آفاق وہ ہے	کہ جو آیا ہے یہاں کچھ کھو گیا ہے
کچھ آؤ زلف کے کوچہ میں درپیش	مزاج اپنا ادھر اب تو گیا ہے

سرخائے میسر کے کوئی نہ بولو  
 ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہو

عمر بھر ہم رہتے شرابی سے	دل پر خون کی اک گلابی سے
جی ڈبا جائے ہو سحر سے آہ	رات گزرتے گی کس خرابی سے
کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہو	اُس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

لے سودا سودا کی جو بالیں پہ ہوا شور قیامت - خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے

دائع ہوں اُس کی بیجاابی سے	برقع اُٹھتے ہی چاند سا نکلا
کام تھے عشق میں بہت پر میسر	ہم ہی فانیع ہوئے شتابی سے
تا صبح دو صد نالہ سر انجام کریں گے دو شخص جہاں شکوہ ایام کریں گے وے لوگ ہی آخر تجھے بدنام کریں گے اک روز یہی دل میں ترے کام کریں گے	دن دوری چین میں جو ہم شام کریں گے ہوگا ستم و جور سے تیرے ہی کتایہ آمیزش بیجا ہو تجھے جن سے ہمیشہ نالوں سے مرے رات کے غافل نہ رہا کر
گر دل ہو یہی مضطرب الحال تو اسی میسر	ہم زیرِ نریں بھی بہت آرام کریں گے

# دیوان دوم

میر تقی میر دہلوی

# بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

<p>نکلے ہی جی ہی اس کے لئے کائنات کا ورنہ بناؤ ہوئے نہ دن اور رات کا صورت نہ پکڑے کام فلک کی ثبات کا کیا سہل ہی زمیں سے نکلنا نبات کا عیسیٰ و خضر کو ہی مزار کب وفات کا لکھنا نہ تو بھی ہو سکے اس کی صفات کا شمع حرم ہو یا کہ دیا سومات کا ہی دید چشم دل کے کھلے عین ذات کا مصحف کو کھول دیکھ ملک انداز بات کا مذکور و ذکر بھیاں نہیں صوم و صلوات کا</p>	<p>ہر ذی حیات کا ہی سبب جو حیات کا بکھرے ہو زلف اس رخ عالم فریب در پردہ و ہی معنی مقوم نہ ہوں اگر ہیں مشتعل خاک سے اجڑائے نو خطاں مستہلک اس کے عشق کے جانے ہیں قدر مرگ اشجار خامہ ہوویں جو آبِ سیمہ بھار اس کے فروغِ حق سے جھکے ہی سب میں نور بالذات ہی جہاں میں وہ موجود ہر جگہ ہر صفحے میں ہی محو کلام اپنا دس جگہ ہم مذہبوں میں صرف کرم سے ہی گفتگو</p>
--	--

کیا میرے بچے کو نامہ سیاہی کا منکر ہو  
ختمِ رسل سا شخص ہی ضامنِ نجات کا

<p>دیواں میں شعر گر نہیں نعتِ رسول کا ایسا وسیلہ ہی بھی خدا کے حصول کا محبوب ہی ملک کا فلک کا عقول کا مذہب کچھ اور ہو گا کسی بولِ فضول کا سرِ مہ کریں ہیں رہ کی تری خاکِ دھول کا ہی قصدِ سب کو تیری رضا کے حصول کا</p>	<p>جلوہ نہیں ہی نظم میں حسنِ قبول کا حق کی طلب ہی کچھ تو محمد پرست ہو مطلوب ہی زمان و مکانِ جہان سے احمد کو ہم نے جان رکھا ہی وہی احمد جن مردماں کو آنکھیں دیا ہو خدا نے مقصود ہی علیؑ کا ولی کا سبھی کا تو</p>
--	---

۱۱۱ راتِ ابراہیمؑ کا ذکر



<p>تھی گفتگوئے باغِ فدا کی ق دعویٰ جو حق شناسی کا رکھے سوا اس قدر</p>	<p>جائے ہو جس کو علمِ ہدیٰ کے اصول کا پھر جان بوجھ کر یہ تلفِ حق بتول کا</p>
<p>پروائے حشر کیا ہو تجھے میتِ مردہ ہو عندِ خواہ جسمِ جو وہ تجھ لول کا</p>	<p>جو معتقد نہیں ہو علیؑ کے کمال کا غزتِ علیؑ کی قدر علیؑ کی بہت ہو دور</p>
<p>ہر بال اس کے تن پہ ہو موجبِ دال کا موردِ ہو ذوالجلال کے عشرِ جلال کا جس جانے تھا لگاؤ گمان و خیال کا مخلوقِ آدمی نہ ہوا ایسی چال کا تھا مشورتِ شریکِ حق لایزال کا چھوڑا نہ نامِ کعبہ میں کفن و ضلال کا یہ جو دم نہ تو دیکھو کسو آسمان کا رذنا مجھے ہو حشر میں اُس کی ہی چال کا</p>	<p>کمال کا قدر علیؑ کی بہت ہو دور اُس جس کے قدم کب ملک ہو شخصیت ایسی کس کی تھی ختمِ رسل کے بعد توڑا بتوں کو دوشِ بنی پرستم کو رکھ راہِ خدا میں اُن نے دیا اپنے بھی تیں نسبت نہ بندگی کی ہوئی جس کی ہاں در</p>
<p>فکرِ نجات میں اولادِ کارِ علیؑ کی محمدؐ کی آل کا</p>	<p>فکرِ نجات میں اولادِ کارِ علیؑ کی محمدؐ کی آل کا</p>
<p>کب خضر و مسیحائے مرنے کا نرا جانا خاتمِ کوسلیماں کی انگشتِ پا جانا منہ صبح دکھا جانا پھر شام چھپا جانا جائے ہو خدا اس کو میں تجھ کو خدا جانا آخر وہ بُرا نکلا ہم جس کو بھلا جانا اس دشت میں سرگائے جو سیلِ جلا جانا اچھا نہیں چہرے پر لو ہو کا بہا جانا عاشق کے حقوق اگر ناتی بھی مٹا جانا جائے تو ہو پر ہم سے ملک کچھ ملا جانا اک نغمہ زباں تازہ ہر روز اُٹھا جانا اس راہ سے نکلے تو ہم کو بھی جگا جانا</p>	<p>لذت سے نہیں خالی جانوں کا لپکا جانا ہم جاہ و حشم بچاں کا کیا کہنے کہ کیا جانا یہ بھی ہو ادا کوئی خورشیدِ منطِ پایے کب بندگی میری ہی بندہ کرے گا کوئی تھا ناز بہت ہم کو دانست پر اپنی بھی گردن کشی کیا حاصل مانند بگولے کے اس گریہِ غمین کا ہو ضبط تو بہتر ہو یہ نقشِ دلوں پر سے جانے کا نہیں اس کو دھبے بیکھے کا ایدھر ایسا ہی تھا راتھا اُس شمع کی مجلس میں جانا ہم پھر محال سے اگر شورِ قیامت ہم سوتے ہی نہ رہ جائیں</p>

کیا پانی کے مول اگر مالک نے گمزیچا ہو میرے قے نسبت روح اور جسد کی سی جاتی ہو گزرجی پر اس وقت قیامت سی برسوں سے مری اس کی رہتی ہو یہی صحبت	ہو سخت گراں سستا یوسف کا بکا جانا کب آپ سے میں تجھ کو ای جان جدا جانا یاد آوے ہو جب تیرا یکبارگی آ جانا تینخ اُس کو اٹھانا تو سر مجھ کو جھکا جانا
--	--

کب میرے لیے فری ہے  
دل کو تو لگا بیٹھے لیکن نہ لگا جانا

پائے خطاب کیا کیا دیکھے عتاب کیا کیا کھٹے ہیں خاک ٹرا کر چوں گرد باد برسوں کچھ گل سے ہیں شگفتہ کچھ سرو سے ہیں قد کش انوار جرم میرے پھر بے شمار بے حد کک لک لک ہی ہو سینوں میں کچھ نہ پوچھو افراط شوق میں تو رو مت رہی نہ مطلق پھر پھر کیا ہو اگر منہ تک جگر ہمارے آشفٹہ اُس کے کیسو جیت ہوئے ہیں منہ پر	دل کو لگا کے ہم نے کھینچے عذاب کیا کیا گلیوں میں ہم ہوئے ہیں اس بن خراب کیا کیا اس کے خیال میں ہم دیکھے ہیں خواب کیا کیا روز حساب لیں گے مجھ سے حساب کیا کیا جل جل کے ہم ہوئے ہیں اس بن کباب کیا کیا کتے ہیں میرے منہ پر آب شیخ و شاب کیا کیا گزرے ہیں جان دل پھیل اضطراب کیا کیا تب سے ہمارے دل کو ہو چہرچ و تاب کیا کیا
--	--

کچھ سوچتا نہیں ہستی میں میری جی کو  
کرتے ہیں پوچ گوئی بی کر شراب کیا کیا

دامن وسیع تھا تو کاہیکو چشم تر سا شاید کباب کر کر کھایا کبوتران نے وحشی مزاج از بس ماؤں بادیہ ہیں جس ہاتھ میں رہا کی اُس کی گھر ہمیشہ سب پہنچ کی یہ باتیں ہیں شاعروں کی ورثہ طرز نگاہ اُس کی دل لے گئی سبھوں کے تم واقف طریق بے طاقتی نہیں ہو کچھ بھی معاش ہو یہ کی اُن نے ایک جنگ تک ترک عشق کرے لاغر بہت ہوئے ہم	رحمت خدا کی تجھ کو ای ابر زور برسا نامہ اڑا پھرے ہو اُس کی گلی میں پرہیا ان کے جنوں میں جنگل اپنا ہوا ہو گھر سا اُس ہاتھ مارنے کا سر پر بندھا ہو کر سا باریک اور نازک ہو کب ہو اُس کمر سا کیا مومن و برہن کیا گیسو اور تر سا یہاں راہ دو قدم ہو اب دور کا سفر سا جب مدتوں ہمارا جی دیکھنے کو تر سا آدھا نہیں باہر اجماع پنج و تر سا
--	---

<p>رہتا ہو عرض ہی میں اکثر پڑا گر سا</p>	<p>واعظ کو یہ جلن ہو شاید کہ فرہی سے</p>
<p>انداز سے ہو پیدا سب کچھ خبر ہو اس کو</p>	<p>گو مہینے سے بے سرو یا ظاہر ہو بیخبر سا</p>
<p>شکر خدا کہ حق محبت ادا ہوا جاتا ہو اب توجی ہی ہمارا چلا ہوا نکلے ہو کوئی لخت دل اب سچ چلا ہوا تصویر کی کلی کی طرح دل نہوا ہوا جاگہ سے دل گیا جو ہمارا بجا ہوا انجام کار مدعی کا مدعا ہوا جیسے کسو کا کوئی نگر ہو لٹا ہوا بیار دل بھلا نہ ہوا تو بھلا ہوا</p>	<p>تیغِ ستم سے اس کی مرا ستر جدا ہوا قاصد کو دے کے خط نہیں کچھ بھیجا ہوا وہ تو نہیں کہ اشک تھمے ہی نہ آنکھ سے حیران رنگِ باغ جہاں تھا بہت کا عالم کی بے فضائی سے تنگ گئے تھم درپے ہمارے جی کے ہوا غیر کے لئے اس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ چھوئے بدتر ہو زلیست مرگ سے حیران یار ہیں</p>
<p>کہتا تھا میرے حال کو جب تو تھا بھلا</p>	<p>کچھ ضبط کرتے کرتے ترا حال کیا ہوا</p>
<p>پہلے سلوک ایسے ہی تیرے تھے اب ہو کیا کرتے ہو قمرِ لطف کی جب کہ غضب ہو کیا مجلس میں جب خفیف کیا پھر ادب ہو کیا اس راہِ صعبِ عشق میں یار و لعب ہو کیا یہ بھی مقام ہائے اتماء طلب ہو کیا عالم تمام گروہ نہیں تو یہ سب ہو کیا گریہ ہی اپنے دن ہیں تو تاریک شب ہو کیا اپنا ہی ظرف تھا جو نہ پوچھا سبب ہو کیا ظاہر میں کیا کو ہو - سخنِ زیر لب ہو کیا</p>	<p>رفقار و طوطو طرز و روش کا یہ ڈھب ہو کیا ہم دل زدہ نہ رکھتے تھے تم سے یہ چشم داشت عزت بھی بعدِ ذلت بسیار چھپڑ ہو کیا آئے ہم آپ میں تو نہ پہچانے پھر گئے حیراں ہیں اس دہن کے عزیزانِ خور وہ ہیں آنکھیں جو ہو دیں تیری تو تو عین کر رکھے اس آفتاب بن نہیں کچھ سو جھتا ہمیں تم نے ہمیشہ جو دستم بے سبب کئے کیونکر تمھاری بات کرے کوئی اعتبار</p>
<p>اس مہِ بغیر مہینے کا مرنا عجیب ہوا</p>	<p>ہر چند مرگ عاشق مسکینِ عجب ہو کیا</p>
<p>آئی قیامت اُن نے جو پردا اٹھا دیا</p>	<p>بھکی دکھا کے پور کو جن نے جلا دیا</p>

<p>اس فتنے کو جگا کے پیشیاں ہوئی نسیم اب بھی دماغ رفتہ ہمارا ہر عرش پر جانی نہ قدر اس گہر شب چراغ کی تقصیر جان دینے میں ہم نے بھونہ کی گرمی چراغ کی سی نہیں وہ مزاج میں وہ آگ ہو رہا ہو خدا جانے غیر سے آنا کیا تھا فرش تری رہے ہم ہوں کاش اب گھٹتے گھٹتے جان میں طاقت نہیں رہی تنگی لگا ہو کرے دم اپنا بھی ہر گھڑی کی چشم تو نے باز کہ کھولا درِ ستم</p>	<p>کیا کیا عزیز لوگوں کو اس نے سلا دیا گو آسمان نے خاک میں ہم کو ملا دیا دل ریزہ خدوت کی طرح میں اٹھا دیا جب تیغ وہ بلند ہوئی سر بھکا دیا اب دل فسر دگی سے ہوں حبسے بچھا دیا میری طرف سے اُس کے تئیں کیا لگا دیا سو تو نے مار مار کے آکر بچھا دیا ٹک ٹک چلی صبا کہ دیا سا بڑھا دیا کڑھنے نے دل کے جی کو ہارے کھیا دیا کس مدعی خلق نے تجھ کو جگا دیا</p>
---	---

کیا کیا زیاں میرے کھینچے ہیں شقی میں  
دل ہاتھ سے دیا ہو جدا سر جدا دیا

<p>بہتوں کو آگے تھا یہی آزار عشق کا بے پردگی بھی چاہ کا ہوتا ہر لازمہ زندانی سیکڑوں مرے آگے رہا مجھے نظامانِ مرگ میں ہی ہوا ہوں مگر نیا منصور نے جو سر کو کٹایا تو کیا ہوا جانا وہی مسنا ہم حسرت جہاں سے پھر بعد میرے آج تلک سر نہیں بکا لگ جائے دل کہیں تو اُسے جی میں اپنے کو چھوٹا جو مرے قید عبارات میں پھنسا مشکل ہو عمر کا ٹپنی تلوار کے تیلے وہاں ترموں کے دعو کو دیکھا ہو نہیں قطع</p>	<p>جیتا رہا ہو کوئی بھی بیمار عشق کا کھلتا ہی ہو ندان یہ اسرار عشق کا چھوٹا نہ میں ہی تھا جو گنہگار عشق کا جی بیچے ہی پھرے ہو فریدار عشق کا ہر سر کہیں ہوا ہو سزاوار عشق کا ہوتا ہو جس کو بہت پیار عشق کا اک عمر سے کسا ہو بازار عشق کا رکھتا نہیں شگون کچھ اظہار عشق کا القصد کیا رہا ہو گرفتار عشق کا سر میں خیال گو کہ رکھیں یار عشق کا پورا جہاں لگا ہو کوئی وار عشق کا</p>
--	---

کھو ہی رہا نہ جان کو نا از مودہ کار  
ہوتا نہ میرے کاش طلبگار عشق کا

<p>رہے جہان میں تو دیر میں رہا نہ رہا دل ستم زدہ کس دقت اس میں جا نہ رہا پھر ایک دم میں وہ بے دید آشنا نہ رہا ہزار شکر کسوسے ہمیں گلا نہ رہا جراحت اس کو دکھانے کا اب مزا نہ رہا کہ جی سے ہاتھ اٹھا کر وہ اٹھ گیا نہ رہا جگر تمام ہوا خون و دل بجا نہ رہا لگائی ایسی کہ تسمہ بھی چہر لگا نہ رہا</p>	<p>ستم سے گو یہ ترسے کشتہ وفا نہ رہا کب اس کا نام لے لے غش نہ آگیا مجھ کو ملانا آنکھ کا ہر دم فریب تھا دیکھ سوئے تو ہم پہ دل پر کو خوب خالی کر ادھر کھلی مری چھائی ادھر نک چھڑا ہوا ہوں تنگ بہت کوئی دن میں سن لیجو ستم کا اس کے بہت میں نزار ہوں ممنون قطعہ اگرچہ رہ گئے تھے استخوان و پوست لے</p>
<p>حمیت اس کے تیس کتے ہیں چومیں تھی گیا جہاں سے یہ تیری گلی میں آ نہ رہا</p>	
<p>شاید ہمیں دکھا دیں گے دیدار نہا کا میخانے کے ہاں دیکھئے یہ نگ ہوا کا کیا ذکر ہو واعظ کے مصلی و رد کا ہر لحظہ نہ ہو ممتحن ار باب وفا کا معلوم تھا مدت سے ہمیں نفع دوا کا بالعکس اثر پاتے تھے ہم اپنی دوا کا حیرت زدہ ہوں یار کی میں شرم و حیا کا تب دیدہ تر سے بھی ہوا ایک جھڑکا جس خاک پہ ہوگا اثر اس کی کف پا کا</p>	<p>کرتے ہی نہیں ترک بناں طور جفا کا ہو ابر کی چادر شفقی جو رش سے گل کے بہتیری گرد و جنس کلاؤں کے پڑی ہو مر جائے گا باتوں میں کوئی غمزدہ یوں ہی تدبیر تھی تسلیں کیلئے لوگوں کی ورنہ ہاتھ آئینہ رویوں سے اٹھا بیٹھیں کیونکر آنکھ اس کی نہیں آئینہ کے سائے ہوتی برسوں سے تو یوں ہو کہ گھٹا جب آئینہ آئی آنکھ اس سے نہیں اٹھنے کی صاحب نظر کی</p>
<p>تلوار کے سایہ ہی میں کاتے ہو تو اچھے کس دل زدہ کو ہوئے ہو یہ ذوق فنا کا</p>	
<p>بچھ درد عاشقی کا اُسے بھی مزا لگا گر لائے اس آگ کا ٹکڑ ل کو جا لگا بھڑکا رکھا ہو لوگوں نے اس کو گال لگا میں اٹھ گیا کہ غیر ترسے کانوں آ لگا</p>	<p>رہتا ہو ہڈیوں سے مرے جو ہما لگا غافل نہ سوز عشق سے رہ پھر کباب ہو دیکھا ہمیں جہاں وہ تھاں آگ ہو گیا مہلت تنگ بھی ہو تو سخن کچھ اثر کرے</p>

<p>اب آج چشم ہی ہر ہمارا محیط خلق ہر چند اس کی تیغ ستم تھی بلند لیک مجلس میں اس کی بار نہ مجھ کو ملی کبھی بوسہ لبوں کا مانگتے ہی منہ بکھر گیا</p>	<p>دریا کو ہم نے کب کا کنا سے رکھا لگا وہ طور بد ہیں تو قیامت بھلا لگا دروازے ہی سے گر چہ بہت میں رہا لگا کیا اتنی سہری بات کا تم کو بُرا لگا</p>
<p>عالم کی سیر میر کی صحبت میں ہو گئی طالع سے میرے ہاتھ پہ دست پا لگا</p>	
<p>خط سے وہ زور صفائے حسن اب کم ہو گیا سینہ کو بی سنگ سے دل خون ہونے میں رہی ایک سا عالم نہیں رہتا اس عالم کے بیچ آنکھ کے لڑتے تری آشوب سا بریا ہوا اس لب جاں بخش کی حسرت نے مارا جان وقت تب تک تھا تو سجدہ سجدوں میں کفر تھا عشق ان شہری غزلوں کا جنوں کو اب کھنچا جی کھینچے جاتے ہیں فرط شوق سے آنکھوں کی آفر ہم نے جو کچھ اُس سے دیکھا سو خلاف چشمِ دشت</p>	<p>چاہ یوسف تھا ذوق سو چاہ رستم ہو گیا حق بجانب تھا ہمارے سخت ماتم ہو گیا اب جہاں کوئی نہیں بھیاں ایک عالم ہو گیا زلف کے درہم ہوئے اک جمع برہم ہو گیا اب حیوان عین طالع سے مرے سم ہو گیا فائدہ اب جبکہ متد محراب سا خم ہو گیا وحشت دل بڑھ گئی آرام جاں رم ہو گیا جن نے دیکھا ایک دم اس کو سولے دم ہو گیا پنا عسرا یل وہ جانِ نجم ہو گیا</p>
<p>کیا کہوں کیا طرحیں بدیں چاہ نے آخر کو کس تھا گرہ جو درد چھاتی میں سواب غم ہو گیا</p>	
<p>کیفی ہو کیوں تو ناز سے پھر گرم رہا معلوم تیرے چہرہ پر نور کا سا لطفت پوچھ اُس سے درد ہجر کو جس کا بہ ناز کی ہم پہ اپنا کون ہو اس معرکہ کے بیچ</p>	<p>برسوں سے صوفیوں کا مصلیٰ تو تہ ہوا بالفرض آسماں پہ گیا بھول رہا ہوا جاگہ سے اپنے عضو کوئی لے جگہ ہوا کس کی ترازو یار کا تیسیر بنگہ ہوا</p>
<p>ایسا فقیر ہونا بھلا کیا ضرور تھتا دونوں جہاں میں مسم عبت و سیر ہوا</p>	
<p>مجلس میں سن سپند کیا یکا پھل پڑا گل گوچن میں جاے سے اپنے نکل پڑا</p>	<p>لذکر میری سوختگی کا بھر چل پڑا پہنچے ہو کوئی اُس تن نازک کے لطفت</p>

<p>کہنے لگا کہ یوں ہی کوئی دن تو چل پڑا بالوں میں اور پیچ میں پکڑی کے بل پڑا ہلنے میں اُس پلکے کے نہایت خلل پڑا دیکھی جو اچھی سٹو تو یہ لڑکا چل پڑا</p>	<p>میں جو کہا اک سی سگے ہر دل کے بیچ بل کیوں نہ کھائیے کہ نگار بنے ابو وصال تھے اختلال اگر جو مزاجوں میں کہے ایک رہتا نہیں ہر آنکھ سے آنسو ترسے لئے</p>
<p>سر اُس کے پاؤں سے نہیں تھے ستم ہر سیر گر خوش غلات نیمچہ اُس کا اگل پڑا</p>	
<p>چہرہ تمام زرد زرد ناب سا ہوا کچھ اپنے پیرائے نون ناب سا ہوا اب نے لگ گئے ہیں تو تالاب سا ہوا خجست سے مرد عجب چمن آب سا ہوا حلقہ ہماری جہنم کا گرد آب سا ہوا ایسا زل کے شوق سے اطاب سا ہوا قد تو تراحمیدہ ہو محراب سا ہوا خط پشت لب سبز سیراب سا ہوا تک تک کراہیدے بے خواب سا ہوا</p>	<p>دل فرط اضطراب سے سیلاب ہوا شاید جگر گداختہ یک لخت ہو گیا وے دن گئے کہ اشک سے چہرہ کا وسا گیا اک دن کیا تھا یار سے قد ناز سے بلند کیا اور کوئی رہے کہ اب جوش اشک سے قصہ تو ختم تھا دلے طول کو کھینچا عامہ ہو مؤذن مسجد کہ باریح سر بات اب تو سن کہ جائے سخن میں ہو چل بلغم بھی سوتے سے اُٹھ کر کھجور کے گل</p>
<p>سمجھے تھے ہم تو میر کو عاشق اسی گھری جب سن کے تیرا نام وہ بیتاب سا ہوا</p>	
<p>خانہ خراب ہو جو آئینہ ساز کا کالی ہو اب جواب سلام نیاز کا اس کو دہی ہو شوق بھی ترک تاز کا پر و قمر کچھ نہیں ہو دل بے گداز کا کھلتا تو دیکھ اس شرہ نیم باز کا جی پر وبال سب ہو یہ عمر دراز کا کشتہ ہوں یار میں تو تے امتیاز کا انداز دیدنی ہو مرے دل نواز کا</p>	<p>دیکھ آری کو یار ہوا محو ناز کا ہوتا ہی کون دست بٹراں غور سے ہم تو سمند ناز کے پامال ہو چکے ہو کیسا اگر ان محبت میں قدر خاک اس لطف سے نہ چنچر نہ کس کھلا کھجو کو تاہ تھا فسانہ جو مرجاتے ہم شباب مارا نہ اپنے ہاتھ سے مجھ کو ہزار چین ہلتی ہو یوں پلک کہ گھڑی دل میں جاہو</p>

پھر میرے آج مسجد جامع کے تھے امام  
داع شراب بھولے تھے کل جانا کا

غم ابھی کیا محشر مشہور کا  
حق تو سب کچھ ہی ہو تو ناحق نہ بول  
بیچ سے کب کا گیا اب ذکر لب  
طرفہ آتش خیر سنگستان ہوں  
مرگے پر خاک ہو سب کبر و ناز  
ٹھیکرے کو قدر ہو اس کو نہیں  
ہو کھڑا وہ تو پری سی ہی کھڑی  
دیکھ اُسے کیونکر ملن بھیجی کہوں

شور سا ہو تو ولیکن دُور کا  
بات کہتے سر کٹا منصور کا  
اُس دل مرحوم کا مغفور کا  
مقتبس بھیاس سے ہی شعلہ طور کا  
مت جھکوسر گو کسو مغفور کا  
ٹوٹے جب کا سر مغفور کا  
منہ کھلے تو جیسے چہرہ حور کا  
آنکھ کے آگے یہ مہبتا نور کا

چشم بننے سے کبھور رہتی نہیں  
کچھ علاج ای میرے اس ناسور کا

نظر میں طور رکھ اس کم غما کا  
گلوں کے پیر بن ہیں چاک سارے  
پرستش اباسی بت کی ہو ہر سو  
بلا ہیں قادر انداز اس کی آنکھیں  
بجا ہو عمر سے اب ایک حسرت  
مداوا خاطر سے تھا و گرنہ  
لگا تھا روگ جب سے تبھی سے  
مروت چشم رکھنا سادگی ہو  
کہیں اُس زلف سے کیا لگ چلی ہو  
نجا تو دور صوفی خانقہ سے  
نجانو میرے کو ایسا ہی چپکا

بجھو سا کیا ہو عمر بے وفا کا  
کھلا تھا کیا کہیں بندش قبا کا  
رہا ہو گا کوئی بسندہ خدا کا  
کیا یکہ جنازہ جس کو تا کا  
گیا وہ شور سر کا زور پا کا  
ہدایت مرتبہ تھا انتہا کا  
شرع کوم تھا ہم کو دوا کا  
نہیں شیوہ یہ اپنے آشنا کا  
پڑے ہو پاؤں ٹیٹھب کچھ صبا کا  
ہیں تو پاس ہو ابرو ہوا کا  
نمونہ ہو یہ آشوب بلا کا

کرودن ہی سے نصرت در نہ شب کو  
نہ سونے دیگا شور اس بے لڑا کا



<p>وہ ترکِ مست کسو کی خبر نہیں رکھتا          بلا سے آنکھ جو پڑتی ہو اُس کی دس جاگہ          رہے نہ کیونکہ یہ دل باختہ سدا تنہا          جنھوں کے دم میں ہوتا شیر اور ہیں اُسے لوگ          کہیں ہیں اب کی بہت رنگ اڑ چلا گل کا          تو کوئی زور ہی نسخہ ہی ای منسجِ دل          خدا کی اُور سے ہو سب یہ اعتبار نہ          غلط ہو دعویٰ عشق اس فضول کا بے رب</p>	<p>کہ میں شکارِ زبوں ہوں جگہ نہیں رکھتا          ہمارا حال تو مگر نظر نہیں رکھتا          کہ کوئی آئے کہاں میں تو گھر نہیں رکھتا          ہمارا نالہ جائگاہِ اثر نہیں رکھتا          ہزار حیف کہ میں بالِ دہر نہیں رکھتا          کہ طمعِ عشق میں ہرگز ضرر نہیں رکھتا          جو خوب دیکھو تو میں کچھ ہنر نہیں رکھتا          جو کوئی خشک لب اور چشم تر نہیں رکھتا</p>
<p>جدا جدا پھرے ہو میرے کس خاطر          خیال ملنے کا اُس کے اگر نہیں رکھتا</p>	
<p>کیا میں جان سے وہ بھی جو ملک آتا تو کیا ہوتا          پھرا تھا دور اُس سے مدتوں میں کوہِ دھج میں          ہوئے آخر کو سارے کامِ ضائعِ ناشکیبی سے          دمِ بسمل ہمارے زیرِ لب کچھ کچھ کہا سب نے          کئے سے غیر کے وہ توڑ بیٹھا وہ ہیں یاروں سے          کھو مرگرم بازی اہدوں سے یہاں بھی آجاتا</p>	<p>قدم دو ساتھ میری نقش کے جاتا تو کیا ہوتا          بلا کر پاس اپنے جھک کو بٹھلاتا تو کیا ہوتا          کوئی دن اور تابِ حجبِ دل لاتا تو کیا ہوتا          جو وہ بے رحم بھی کچھ منہ سے فرماتا تو کیا ہوتا          کہنے جاتا اگر ملک چاہ کا ناسا تو کیا ہوتا          ہمیں یک چند اگر وہ اور بلاتا تو کیا ہوتا</p>
<p>گئے میرے کو کل قتل کرے اُس کے در پر سے          جو وہ بھی گھر سے باہر اپنے ملک آتا تو کیا ہوتا</p>	
<p>یعنی کہ فرطِ شوق سے جی بھی ادھر چلا          گیسوئے پیچدار جو منہ پر بھر چلا          کپڑے گلے کے سائے مگر خوں میں بھر چلا          آفتِ رسیدہ پھر وہ کوئی دم میں مر چلا          کس خانماں خراب کے ایسے تو گھر چلا          تیر مژہ اُس ابرو کساں کا اگر چلا          لطفِ ہوا سے شیخِ بہت بے خبر چلا</p>	<p>میں غش کیا جو خط لے ادھر نامہ بر چلا          سدہ لے گئی تری بھی کوئی زلفِ مشکبو          لڑکا ہی تھا نہ قاتلِ ناکردہ خوں ہنوز          ہر مایہ حیات گیا جس گئے سے تو          تیاری آج رات کہیں رہنے کی سی ہو          دیکھو گے کوئی گوشہ نشین ہو چکا غریب          بے م رہا بہار میں ساری ہزار حیف</p>

<p>ہم سے تکلف اُس کا چلا جائے ہو وہی قی کل راہ میں ملا تھا سو منہ ڈھانپ کر چلا</p>	<p>یہ چھٹیر دیکھ ہنس کے رُخ زرد پر مرے</p>
<p>کہتا ہی مچیر رنگ تو اب کچھ نکھر چلا</p>	<p>وہ شوخ ہم کو پاؤں تلے ہی ملا کیا</p>
<p>اس دل نے کس بلا میں ہمیں مبتلا کیا دل اُس سے دُور سینے میں اکثر جلا کیا کس دن نیا نہ قاصد ادھر سے چلا کیا دشمن عجب طرح کا بغل میں پلا کیا</p>	<p>چھاتی کبھونہ گھنٹی کی لگ کر گلے سے آہ کس وقت شرح حال سے فرصت ہمیں ہوئی ہم تو گمان دوستی رکھتے تھے پر یہ دل</p>
<p>کیا لطف ہے جسے جو بُرے حال کوئی مہر</p>	<p>جینے سے تو نے ہاتھ اٹھایا بھلا کیا</p>
<p>آنکھیں کھلیں تری تو یہ عالم ہو خواب سا بارے ہوا ہی اندنوں رفیع حجاب سا اب اس کو دیکھے تو ہو اک گھر خراب سا دل رہ گیا ہو سینے میں جل کر کباب سا بگڑا رہے ہو ساختہ مست شراب سا وہاں سے وگرنہ کب ہوا ہو جواب سا مشتاقی گریہ ابر ہو چشم پر آب سا سوزِ دروں سے جان پہ ہر اک عذاب سا رہتا ہو اب تو اکٹھ پسر اضطراب سا</p>	<p>اس موج خیز دہر میں تو ہو حباب سا برقع اٹھا کے دیکھے ہو مُنہ سے کبھو ادھر وہ دل کہ تیرے ہوتے ہے تھا بھر ابھرا دس روز آگے دیکھا تھا جیسا سو اب نہیں اس عمر میں یہ ہوش کہ کہنے کو نرم گرم ہو یہ فریبِ شوق کہ جاتے ہیں خط چیلے کیا سطر موج اشک روانی کے ساتھ ہو دورِ رخ ہوا ہو اجڑ میں اس کے ہاں ہیں مدت ہوئی کہ دل سے قرار و سکون گئے</p>
<p>مواج اب سا ہو ولیکن اڑے ہو خاک</p>	<p>ہو مچیر بحر بے تر ہستی سراب سا</p>
<p>برسوں ملے پر ہم سے مر نہ ہی سخن کا تھا اب تک نہ سوئے ہم جو اندیشہ کفن کا تھا اس مرنے کے بھی جی میں کیا شوقِ چمن کا تھا رونا ہمیں اول ہی اس تیرے چلن کا تھا ہر چند کہ ہر اک کا ڈھلکا ہوا منکا تھا</p>	<p>کب لطفِ زبانی کچھ اُس غنچہ دہن کا تھا اسبابِ نہیا تھے سب مرنے ہی کے لیکن بھیل کو سوا پایا کل پھولوں کی دکاں پر بیڈہ دل قدم تیرا پڑنا تھا لڑکپن میں مرغانِ قفس سارے تسبیح میں سننے گل کی</p>

<p>دریا میں کہیں شاید عکس اس کے بدن کا تھا معتشوق جو اپنا تھا باشندہ دکن کا تھا اس دن ہی انھیں دیکھے ماتھار ٹھنکا تھا</p>	<p>سب سطح ہر پانی کا آئینے کا ساتھ تھو تو گر نہیں ہم یوں ہی کچھ ریختہ کنے سے جھوٹیں نہیں تم جن م سچ نکلے تھے اک بیجا</p>
<p>رہ میسر غریبانہ جاتا تھا چسلا روتا ہر گام گلہ لب پر یار ان وطن کا تھا</p>	
<p>کوئی خاک سے ہو کیساں وہی ان کو ناز کرنا انھیں ناز کرتے رہتا انھیں جی نیاز کرنا نہوا مجھے میسر کبھو چشم باز کرنا مجھے چاہئے ہو جس سے ہمت احتراز کرنا ہوس اور عاشقی میں ٹک اک امتیاز کرنا انھیں بات ہو جو تھوڑی اسے بھی دراز کرنا</p>	<p>یہ روش ہو دلبروں کی نہ کسو سے ساز کرنا کوئی عاشقوں بتاں کی کرے نقل کیا معیشت رہیں بند میری آنکھیں شب روز ضعف ہی ہیں یہ بھی طرفہ ماجرا ہے کہ اسی کو چاہتا ہوں نہیں کچھ رہا تو لڑکا تھے پر ضرور ہر باب کوئی عاشقوں کی پھپھٹ انھوں نے اٹھائی تھی</p>
<p>ابھی میسر کھینچے نقشہ در دیر پر تھے ساجد انھیں اعتماد قابل انھوں کا ناز کرنا</p>	
<p>کیا جانے کہ میسر زمانے کو کیا ہوا ہاتھوں سے میں تھکے ہوئے جلا ہوا اچھا ہوا نہ دایع جگر کا لگا ہوا ہو شیخ شہریا کوئی جن ہی پڑھا ہوا دل کا لگاؤ کوئی رہا ہو چھا ہوا آنا نہیں ہے پھر کے ادھر کا گیا ہوا گر کوئی روتے بیٹھ گیا دل بھرا ہوا کیا جانے سر نوشت میں کیا ہو لکھا ہوا چھوٹے نے اس کے اس کا لگا یا بندھا ہوا دل جو کجا رہا نہ ہمارا بجا ہوا سو جا سے سامنے ہو گریاں بھٹا ہوا جب کچھ رہا نہ باغ میں تب میں رہا ہوا</p>	<p>ایک آن اس زمانے میں یہ دل نہ دا ہوا دکھلاتے کیا ہو دست خانی کا مجھ کو رنگ سوزش وہی تھی چھاتی میں مرنے تلک مرے سر ہی چڑھا ہے ہر اک بادہ خوار کے نظارہ کو گود دست رکھا مرے میں ولے از خویش رفتہ میں ہی نہیں اس کی اہیں یوں پھرا اٹھانے جانے گا ایڑہ دشت سے لیکر جواب خط کا نہ قاصد بھیسر کبھو گوپ میں ملے ہندی کے رنگوں فلک سے اٹھتے تعجب فراق کے جی سے کہاں تلک دامن سے منہ چھپائے جنوں کب با چھا دیکھانے ایک گل کو بھی چٹک نے نی میں ہا کر</p>

<p>برسوں ہوئے کہ ہم سے تودہ ہو لڑا ہوا بارے خدائے عز و جل ناخدا ہوا</p>	<p>کیا جانے ملاپ کسے کہتے ہیں لیگ بحر بلا سے کوئی نکلتا مرا جہاز</p>
<p>اس بحر میں ایک درغل تو بھی میسر کہہ دریا تھا تو تو تیری روانی کو کیا ہوا</p>	
<p>دیکھا پھر اُس کو خاک میں ہم نے ملا ہوا رہتا نہیں ہر ہاتھ ہمارا اٹھا ہوا کہنے لگا کہ آپ کو بھی اب نشا ہوا آتا ہے اُس کے پاس سے عاشق لٹا ہوا جاتا ہے دونوں آنکھوں سے یا بہا ہوا کیا جانے کہ دل کو مرے کیا بلا ہوا میں سادگی سے جانا کہ اب آشنا ہوا ایکوں کی عید ایکوں کے گھر میں دہا ہوا پایا تو ابرسا کہیں روتا کھڑا ہوا وہ آج میں سنا تو ہی میرا کہا ہوا دل خواہ بارے مدعی کا مدعا ہوا</p>	<p>اس کام و جان و دل سے جو کوئی جدا ہوا کہ ترک گرچہ بیٹھے ہیں پر جو وہی تلاش کھینچا بفل میں میں جو اُسے مست پاکے رات نے صبر ہو نہ ہوش ہے نے عقل جو نہ دین اٹھتا ہے میرے دل سے کبھو جوش سا تو پھر جوں صید نیم گشتہ تڑپتا ہے ایک سا خطا آئے پر جو گرم وہ پرکار مل چلا ہم تو لگے کناکے ہوئے غیبر ہمنار جوں برقِ نجم کو ہنستے نہ دیکھا کسوں نے آہ جس شعر پر سماع تھا کل خالقہ میں پایا مجھے رقیب نے اُس کی زیر تیغ</p>
<p>بیمار مرگ سا تو نہیں روز اب بشر دیکھا تھا ہم نے میسر کو کچھ تو بھلا ہوا</p>	
<p>گل لے کے کہنے کو منہ نہ ادھر ہم نے کیا بے مانع اتنے جو ہو ہم پہ مگر ہم نے کیا کیا کریں اس دلِ خستہ کو سپر ہم نے کیا سج تری دیکھ کراہی شوخ حذر ہم نے کیا کیا کہیں عمر کو اس طرح بسر ہم نے کیا رات کی سینہ خراشی میں ہنر ہم نے کیا دیکھتے دیکھتے ہی آنکھوں میں گھر ہم نے کیا آہ یوں کو چہ دبے سفر ہم نے کیا</p>	<p>کل دل آزرہ گلستاں سے گزر ہم نے کیا گر گئی خواب سے بیدار تھیں صبح کی باد سیدھی تلوار کے منہ پر ترے ہم آئے چلے نیچے ہاتھ میں مستی سے لہو سی آنکھیں پاؤں کے نیچے کی مٹی بھی نہ ہو گی ہم سی کھا گیا ناخن سر تیز جگر دل دونوں کام اُن ہونٹوں سے وہ لے جو کوئی ہسا ہوا جیسے حسرت لے جاتا ہے جہاں سے کوئی</p>

<p>بارے کل بھر گئے اس ظالم خونخوار سے ہم منصفی کیجئے تو کچھ کم نہ بگر ہم نے کیا</p>	<p>اس رُخِ دزلت کی بسیج ہو یہاں اکثر تیر ورد اپنا یہی اب شام و سحر ہم نے کیا</p>
<p>اس قدر آنکھیں چھپاتا ہی تو اسی مغرور کیا وصل و ہجرال سے نہیں ہو عشق میں کچھ گفتگو ہو خرابی اور آبادی کی عاقل کو تمہیں نہ اُٹھ نہیں سکتا ترے دے شکایت کیا مری سب ہیں یکساں جب فنا یکبارگی طاری ہوئی لطف کے حرفِ دستِ پہلے جوتھے بہرِ فریب دیکھ بستی آنکھ میری ہنس کے بولا کل وہ شوخ میں تو دیکھوں ہوں تمہارے ٹہنے کو تم نے دل لیا ابر ساروتا جو میں نکلا تو بولا طنز سے</p>	<p>لکھ نظر ایدھر نہیں کہ اس سے ہو منظور کیا لاگ دل کی چاہئے ہو یہاں قریب و دور کیا ہم دو آنے ہیں ہمیں دیران کیسا معمور کیا حال میں اپنے ہوں عاجز میں مجھے مقدر کیا ٹھیکر اس مرتبے میں کیا سسر فغفور کیا مدیں جاتی ہیں اُن باتوں کا اب مذکور کیا بہ نہیں اب تک ہوا ٹہنے کا ترے پاسور کیا تم مجھے رہتے ہو اکثر مجلسوں میں گھور کیا آر سی جا دیکھ گھر بیٹے ہو ٹہنے پر نور کیا</p>
<p>چشمِ مشکِ بالیں میرے کا جو باٹ کا روٹا ہوا سے کی سخت کرچی کو گیا اس جاسے وہ رنجور کیا</p>	<p>جوں ابرِ بوجھالیں کی نہایت ہی بھر رہا شبِ سیکدہ سے وار و مسجد ہوا تھا میں</p>
<p>رو نام اسنو گے کہ طوفان کر رہا پریشگر ہی کہ صبح تئیں بے خبر رہا رگِ رُک کے وہ ستمزدہ ناچار مر رہا برسوں سے اس کا آنا یہی صبح پر رہا لیکن مرا نہ گریہ شام و سحر رہا اس بن میں ہمیشہ وطن میں سفر رہا بچہ وجہ بھی کہ آپ کا منہ ہو اتر رہا ہو آبِ تیغ برسوں تری تا کر رہا</p>	<p>دل جس سے ایسا نہ پھر تو ہوا دوچار تسکینِ دل ہو تب کہ کبھو آ گیا بھی ہو اس زلفِ دلخ کو بھولے مجھے مدیں ہویں رہتے تو تھے مکاں پہ ملے آپ میں تھے اب چھپڑ یہ رکھی ہے کہ پوچھے ہی بار بار اکدم میں یہ عجب کہ مرے سر پہ چھپڑا</p>
<p>کاسے کو میں نے مہر کو چھڑا کہ ان لے آج یہ دردِ دل کہا کہ مجھے دردِ سر رہا</p>	<p>کاسے کو میں نے مہر کو چھڑا کہ ان لے آج یہ دردِ دل کہا کہ مجھے دردِ سر رہا</p>
<p>دل دفعۂ جنون کا مہیا سا ہو گیا دیکھی کہاں وہ زلف کہ سودا سا ہو گیا</p>	<p>دل دفعۂ جنون کا مہیا سا ہو گیا دیکھی کہاں وہ زلف کہ سودا سا ہو گیا</p>

<p>دیکھا تو ایک پل ہی میں دریا سا ہو گیا گل سوکھ تیرے ہجر میں کانٹا سا ہو گیا اب دل کو دیکھتے ہیں تو صحرا سا ہو گیا</p>	<p>ہلک جوش سا اٹھا تھا مگر دل سے رات کو بے رونقی باغ ہو چکا گل سے بھی پرے جلوہ ترا تھا جب نہیں باغ دہار تھا</p>
<p>کل تک تو ہم نے ہنستے چلے گئے تھے ہمیں منا بھی میسر جی کا تماشا سا ہو گیا</p>	
<p>من گدہ بلبل سے گل کا اور بھی جی رک گیا لگا لکھی یہ آگ ناگاہی کہ گھر بچھک گیا دیکھا اب پیری میں قد تیرا کھر کو جھک گیا شیخ آیا میکدے کی اور جب تب تنھک گیا</p>	<p>دل کی داشتہ کیلئے کل باغ میں میں تک گیا عشق کی سوزش نے دل میں کچھ بچھوڑا کیا کہیں ہم نہ کہتے تھے کہ غافل خاک ہو پیش از فنا خدمت معقول ہی سب بچھپے کرتے رہے</p>
<p>میسر اس قاضی کے لونڈے کے لئے آکر ہوا سب کو قضیہ اس کے جینے کا تھا بار چک گیا</p>	
<p>اس دہم کی نمود کا ہی اعتبار کیا گل کیسے باغ کہتے ہیں کس کو بہار کیا بھرا در کوئی اس کا کہے انتظار کیا لائے تھے ساتھ چاکل الیسا انار کیا ہم اس کی خاک اہم ہیں ہم غبار کیا کیا جانتے کہ دل کو یہ یہ خار کیا روتے ہیں ہم بھی بڑی زار زار کیا ہو برق پارہ یہ اسے آدے قرار کیا ہم جانتے نہیں ہیں کہ تیرا ہی ہمار کیا کشتوں کا اس کے فزیرا میں شمار کیا کم ہو گیا ہی باروں کا ذوق شکار کیا کنے کو اختیار ہے پر اختیار کیا</p>	<p>پھر تا ہی زندگی کے لئے آہ خوار کیا کیا جانیں ہم اسیر قفس زار و اسیر نہ نکھیں بزم گلش قدم ہو گئیں سفید سیکھی ہو طرح سینہ نگاری کی سب پری کیش کسو سے ایسی کدورت کے وہ شوق نے وہ نگہ چھپی ہو نہ بے پلکیں گڑ گئیں لیتا ہو ابراب نہیں اس ناچے سے آب عاشق کے دل سے رکھ نہ تسلی کی چشم دا صحبت رہی بگڑاتی ہی اس کینہ ور سے آہ مارا ہو ایک دو کو تو ہو مدعی کوئی مدت سے جگر جگر سیر تیر ہیں غزال پاتے ہیں اپنے حال میں محبوب کو ہم</p>
<p>آخر زمانہ سازی سے کھویا نہ دفتر میسر یہ اختیار تم نے کیا روزگار کیا</p>	

لے مرزا غالب دل میں ذوق وصل دیا دیا رنگ بانی نہیں گل اس گھر میں لگی ایسی کہ جوتھا بل گیا۔

<p>ہونٹھ پر رنگ پان ہو گویا اب تلک مجھ میں جان ہو گویا منہ میں جب تک زبان ہو گویا دیکھو تو ہر زبان ہو گویا چپ ہو یوں بے زبان ہو گویا میسکہ اک جہان ہو گویا نالہ صبح بان ہو گویا یہ زمین آسمان ہو گویا</p>	<p>غنجہ ہی وہ دہان ہو گویا میرے مڑے بھی وہ چوٹے ہو چاہے جیتے گزے اس کا نام سرسر کیوں ہو لیک وہ پرکار حیرت روئے گل سے مرغ چمن مسجد ایسی بھری بھری کب ہو جائے ہو شور سے فلک کی طرت بسکہ ہیں اس غزل میں شعر بلند</p>
---	---

وہی شور مزاج شیب میں ہو  
میر اب تک جوان ہو گویا

بالیں کی جاے ہر شب پھاں سنگ زیر تھا  
تمغ و سناں کے منہ پر اکثر مراحب گہ تھا  
یہ عمر ورنہ اس جا پر یوں ہی کا گزرتھا  
اپنے تو ناخنوں میں اس طور کا ہنرتھا  
نغمہ ہوا جو مجھ سے کیا عیب میں بشت تھا  
وہ جیسے برقِ خاطر میں جیسے ابرت تھا  
مرغ چمن اگرچہ یکشت بال و پر تھا  
ہوتا نہ رہتا تلک تو قصہ ہی مختصر تھا  
جو کشتہ اُس کی جانب دو گام پیشتر تھا  
تاسن کے سب کہیں یہ وہ مست و بیختر تھا  
کیا نقل کرے یار و دل کوئی گھر گھر تھا  
چاروں طرف سے جھل جھلکا دہر دہر تھا

ان سختیوں میں کس کا میلان خواب پر تھا  
آن ابرو و مژہ سے کب میرے جی میں ڈرتھا  
ان خوبصورتوں کا کچھ لطف کم ہو مجھ پر  
تیش سے کوہ کن کے کیا طے نہ کام نکلا  
عصمت کو اپنی وحاں تو روتے تلک بھر میں  
کل ہم وہ دونوں یکجسا ناگاہ ہو گئے تھے  
ہوش اڑ گئے بسبھوں کے شور سے اُس کے  
پھر آج یہ کہانی کل شب پہ رہ گئی ہو  
رشتک اس شہید کا ہو خضر و سیح کو بھی  
ہشیاری اس کی دیکھو کیفی ہو مجھ کو مارا  
صد رنگ ہو خرابی کچھ تو بھی رہ گیا ہو  
تھا وہ بھی اک زمانہ جب نالے آتشیں تھے

جب نالہ کش ہوا وہ تب تجا سیں رُلائیں  
تھا میر دل شکستہ یا کوئی نوحہ گزشتا

تمغ لے کر کیوں تو عاشق بر گیا  
زیر لب جب کچھ کہا وہ مر گیا

<p>دامن پاک اس کاغذ میں بھر گیا ہاتھ سے جس کے وہ سین بر گیا پھر نہ آیا جو کوئی اور ہر سر گیا آج تک وہ شمع کس کے گھر گیا کیا سنان و تیغ سے میں ڈر گیا</p>	<p>تڑپے زیر تیغ ہم بے ڈول آہ خاک ہو پچھڑے اگر سونا بھی پھر کیا بندھا ہے اس کے کپے میں ظلم خاندان کیا کیا ہوئے اس بن خراب ابرو و شرکاء ہی میں کاٹی ہو عمر</p>	
<p>کہتے ہیں ضائع کیا اپنے تئیں میتیر تو دانا تھا یہ کیا کر گیا</p>		
<p>اب ضبط کریں کب تک منہ تک تو جگر آیا سو آنکھوں میں جی آیا پروہ نہ نظر آیا دارو پیئے وہ کامسر کا ہے کو ادھر آیا کی مشق ستم تو نے پر خون نہ کر آیا جنش سے ترے لب کی یا قوت بھی تر آیا ٹاک چیتے تو ہم بوجھیں کیا لے کے خبر آیا اس نخل میں ماتم کے کیا خوب شمر آیا سج ایسی تری نکلی ہم کو بھی خطر آیا یوں اپنا زمانہ تو بن یار بسر آیا جس سے کہو وہ ملتا ایسا نہ ہنر آیا</p>	<p>جی رگ گئے اے ہمد دل خون ہو بھر آیا تھی چشم دم آخر وہ دیکھنے آوے گگا بے سدھ پڑے ہیں سائے سجادوں پہ اسلامی ہر خستہ ترا خواہاں یک زخم دگر کا مخف گلبرگ ہی کچھ تنہا پانی نہیں نخلت سے بالفعل تو ہر قاصد محو اس خط و گیسو کا تا بوقت پہ بھی میرے پتھر پڑے لے جاتے ہو حق بطرت اس کے یوں جس کے گیا ہو تو کیا کہئے کہ پتھر سے سہارے ہم گڑے صنعت گریاں ہم نے کیں سیکڑوں بھیاں لیکن</p>	
<p>در ہی کے تئیں تکتے پتھر اکٹیں آئیں تو وہ ظالم سنگیں دل کب میتیر کے گھر آیا</p>		
<p>کہ سحر نالہ کش ہو بلبل سا وہاں وہی ہو سو ہر تال سا یہ بھی پڑے سچ اب ہو کاکل سا یہاں چلا جائے ہو سلسل سا</p>	<p>یار ہو میتیر کا سگر گل سا یہاں کوئی اپنی جان دو دشوار سا دود و دل کو ہمارے ٹک دیکھو شوق ان اس کے لئے بالوں کا</p>	
<p>لے آزادِ معاصر ولی سے آئیں ہنار کی ساری آزادِ صنعتیں پر میتیر تیر سے صنعت گریاں ہتیری کیں لبک دیر لغ ہزار دریغ جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا جس سے یار بھی ملتا ہم سے ایسا نہ ہنر نہ آیا</p>		



<p>تم نے بھی کچھ کیا تغافل سا اس میں بھی تم کو ہو تامل سا مے کے کچھ محاسب کا منہ جھل سا خط ہوا شوق سے ترسل سا</p>	<p>کب تھی جرأت رقیب کی اتنی یک لنگہ ایک چشمک ایک سخن بائے مستوں نے ہوشیاری کی شرم آتی ہو پہنچے ادھر</p>
<p>اُدنی زنجیر پائے میسر مگر رات سُننے رہے ہیں ہم غل سا</p>	
<p>گل اشتیاق سے میرے گلے کا ہار ہوا جو تیر اس سے چلا سو جگر کے پار ہوا ادھر سے ابر جب آیا تب اشکبار ہوا انھوں کا طائر سدرہ نشیں تنکا رہا ہوا فریب تھا وہ کوئی دن جو ہم سے یار ہوا جگر تمام ہوا خون تب تیرا رہا ہوا</p>	<p>چمن میں جا کے جو میں گرم وصف یار ہوا تھکے ترکش ٹرگاں کی کیا کروں تعریف ہماری خاک پہ اک بیگسی برستی ہو کریں نہ کیونکہ یہ ٹرگاں بلند پروازی کبھو بھی اُس کو تیرے دل سے ملے پایا پھر بہت دنوں سے دروے میں اضطراب سا تھا</p>
<p>شکبہ میسر جو کرنا تو قدرہ جا ادھر کو جا کے عبث یہ حبیب خواہ ہوا</p>	
<p>اندرون میں جیسے باغ لگا شمع سے جیسے لیں چراغ لگا خوب باندھوں گا گرد باغ لگا ہاتھ گر گوشہ فراغ لگا</p>	<p>ایک دل کو ہزار داغ لگا اُس سے یوں گل نے رنگ پکڑا ہوا خوبی یک پیچ بند خواب کی پانوں دامن میں کھینچ لیں گے ہم</p>
<p>میسر اس بے نشان کو پایا جان کچھ ہمارا اگر سران لگا</p>	
<p>ہنس کے اس پرچے کو میرے ہی گلے بندھا گیا دیکھ کر کھو یا گیا مجھ کو ہر یک پایا گیا عکس اپنا آرسی میں دیکھ کر شہر مان گیا دیکھ کر اُس کو ملک سے بھی نہ بچاں ٹھہرا گیا ایک عالم دو شاں اس پیچ میں مارا گیا</p>	<p>تنہ کی اپنی صفت لکھتے جو کل وہ آگیا دست و پاؤں کرنے سے میرے کھلے اسرار عشق داغ مجھ ہی ہوں اس کا میں کہ میرے روبرو ہم بشر عاجز ثبات پا ہمارا کس قدر یار کے بالوں کا بندھنا تیرے ہر پگری کے ساتھ</p>

لے میری تیرے ادھر سے ابر جو اٹھ کر گیا ہو۔ ہماری خاک پر بھی رو گیا ہو۔ لے اندرون میں بھی دل باطن

ہم نہ جانا اختلاط اس طفل بازی کوش کا اپنی  
کیا کروں ناچار مرنے کو ہوا تیار میں  
جی کوئی لگتا ہو اُس کے اُٹھ گئے پرانے میں  
ہو گئے تحلیل سب اعضا مرے پا کر گداز  
گرم بارے آگیا تو ہم کو بھی ہسلا گیا  
دل کی روز و شب کی بیتابی سے جی گہرا گیا  
گل نے بہتیرا کہا ہم سے نہ ٹک ٹھہرا گیا  
رفتہ رفتہ ہجر کا اندوہ مجھ کو کھا گیا

یوں تو کہتا تھا کوئی ویسے کو باندھ ہو گئے  
پر وہ پھندا ناسا جو آیا میسر بھی پھندا لگیا

دل عشق میں خوں دیکھا آنکھوں کو گیا دیکھا  
مجرع ہو سب سینہ تس پر ہو نک پاشی  
یکبار بھی آنکھ اپنی اُس پر نہ پڑی مرنے  
کا ہش کا مری اب یہ کیا تجھ کو تعجب ہو  
آنکھیں لکھیں پھر تجھ بن کیا کیا نہ غزنیوں کی  
جی دیتے ہیں مرنے پر سب شہر محبت میں  
پہنمبر کنگناں نے دیکھا نہ کہ کیا دیکھا  
آنکھوں کے لڑانے کا ہی خوب مزا دیکھا  
نتو مرتبہ بالیں سے ہم کو اٹھا دیکھا  
بیاری دل والا کوئی بھی ہسلا دیکھا  
پر تو نے مروت سے ٹک اُن کو نہ جا دیکھا  
کچھ ساری خدائی سے یہ طور نیا دیکھا

اُسے دل کو گنوا یا ہو یا رنج اٹھایا ہو  
ای میسر تھے ہم نے تجھ آج خفا دیکھا

باگ جو وہ صنم ستم ایجاب آگیا  
پھوٹا تھا سر تو ہم نے بھی پر اس کو کیا کریں  
اپنا بھی قصہ تھا سب دیوارِ بان کا  
جو دستم اٹھانے ہی اُس کے پڑیں گے شخ  
دیکھنے سے آدمی کی روش میسر ہم تری  
گر سامنے سے ٹک وہ پری زاد آگیا  
دیکھنے سے طور اس کے خدا یاد آگیا  
جو چشمِ روزگار میں منہ ہاد آگیا  
توڑا ہی تھا قفس کو چیتا د آگیا  
مسجد میں گر وہ عاشق بے واد آگیا

دیکھیں سے آدمی کی روش میسر ہم تری  
گر سامنے سے ٹک وہ پری زاد آگیا

گرم مجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا  
برسوں یک بوسہ لب لپٹ گئے جاتے ہیں میں نے  
دیکھنے آئے دم ترع لے منہ پہ نقاب  
جب نہ تب مرنے کو تیار ہے عشق میں ہم  
ندگی ہوتے ہیں اک آن میں اب تو دلدار  
آگے لینے لگا آئے تھے یہ آنا کیا تھا  
رات آتے ہی کہا تم نے جو مانا کیا تھا  
آخری وقت مرے منہ کا چھپانا کیا تھا  
جی کے تئیں اپنے بھو ہم نے نہ جانا کیا تھا  
ہر جب ہم تھی یارب وہ زمانا کیا تھا

۱۔ طالع نہرت روائی محمد بن اسحاق بن دہرودیک بام اقام (لا اہم)  
۲۔ تم آگ لینے آئے تھے کیا آگے کیا پلے (ذوق)

ننگِ غمخواری تھا اگر دل کا لگانا کیا تھا	عزت و عشق کہاں جمع ہوئے ایہ دم
گر خطِ سبوت اس کے نہ تھیں تھی کچھ لاگ پھر بھلا میسر جی یہ نہ ہر کا کھانا کیا تھا	
دامن گل گریہِ خونیں سے سب افشاں ہوا پر ہر اک دردِ سخن سے میسر کے نالاں ہوا دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر سب ویراں ہوا جو شکار اس تیغ کے سایہ تلے بیجاں ہوا کس دلی الطبع کے گھر جا کے میں تہماں ہوا اب جو آنکھوں سے تجاؤز گر چلا طوفاں ہوا صورتِ احوال ساری دیکھ کر حیراں ہوا چہروں کو غارہ ہوا ہونٹوں کا رنگ پاں ہوا ابر کو دیکھو کہ جب آیا ادھر سرگیاں ہوا کلام تو مشکل نظر آتا تھا پر آساں ہوا	دارِ گلشن غزل خواں وہ جو کسبِ بیاں ہو طاہرانِ بانع کو تنہا بہت بختی کا دانع دل کی آبادی کو پہنچا اپنے گویا چشمِ زخم سبز بختی پر ہو اس کے طاہر سدرہ کو رشک خاک پر بھی دوڑتی ہو چشمِ ہر ماہِ چسبرخ تھا جگر میں جب تلک قطرہ ہی تھا خوں کا رشک اُس کے میرے بیچ میں آئینہ آیا تھا لیے دل لے خوں ہو عشقِ نوبل میں بھی کیا بدینے تم جو کل اس راہ نکلے برق سے ہنستے گئے جی سے جانا بن گیا اُس بن ہمیں پل مارتے
جب سے ناموس جنوں گردن بندھا تو جسے میسر جیبِ جاں وابستہ زنجیرِ تا داماں ہوا	
مستی کے ذوق میں ہیں آنکھیں بہت ہی خیرا قند و نبات کا بھی نکلا ہو خوب شیرا جاگہ سے اپنی جانا اپنا نہیں دھیرا انداز و ناز اپنے غمزہ اٹھائی گیرا شیریں کو اس جگہ پر ہوتا ہو شغیرا حیرانِ چشمِ عاشق دے ہو جیسے ہیرا پیرِ مٹاں مواسو اس کا بنا حطیرا ایسا گناہ مجھ سے وہ کیا ہوا کبیرا	آیا ہر ابر جب کا قبیلہ سے تیرا تیرا نجلت سے اُن لبوں کے پانی ہو بہ چلے ہیں مجنوں نے حوصلے سے دیوانگی نہیں کی اس راہزن سے مل کر دل کیونکہ کھونہ بیٹھیں کیا کم ہو لٹا کی صحرا سے عاشقی کی آئینے کو بھی دیکھو پر تلک ادھر بھی دیکھو نیت پہ سب بنا ہو یہاں مسجد اک بڑی تھی ہمراہ خوں تلک ہو تلک پانوں کے چھوئے
غیرت سے میرے صاحبِ سب جذب ہو گئے تھے نکلا نہ بوند لو ہو سینہ جوان کا چیرا	

<p>دیکھا نہ بد گمان ہمارا بھلا پھر          میں منہ پر اپنے خاک لے جا بجا پھر          سو بار اپنے منہ سے جگر تو گیا پھر          جوں یہ اس کے ساتھ ملک پھر لگا پھر          بیمار عشق گورے کو بار بار پھر          جو ایک دن نہ تیری گلی میں چلا پھر          چند سے وہ رشک نہ جو ہم سے جدا پھر          بارے وہ ربط و قوتی سب کا مزا پھر          میں جیسے ابر برسوں میں دل بھر پھر          تو دیکھو کہ باد یہ سارا بھا پھر          اس سے خدائی پھرتی ہو جس نہ پھر</p>	<p>یہاں اپنی مہکھیں پھر گئیں پر وہ نہ پھر          آیا نہ پھر وہ آمینہ رو ٹک نظر مجھے          کیا اور جی رندے کسو کا تیرے اجر میں          اللہ کے دلکشی کہیں دیکھا جو گرم ناز          سن لیجو ایک بار مسافر ہی ہو گیا          کہ وہ شکستہ پا ہمہ حسرت نہ کیونکہ چلے          طالع پھرے پھر پھر، قلب پھر گئے          پر بے تک اترنے کی اس وقت میں تلاش          آنسو گرا نہ راز محبت کا پاس کر          بے صرفہ رونے لگ گئے ہم بھی اگر کہو          بندہ ہی پھر کہاں کا جو صاحب ہو بے دماغ</p>
<p>کام اپنا اس جنوں میں ہم نے بھی کیس کو کیا          چشم کو پانی کیا سب دل کو سب لو ہو کیا          اس سبب گل کو چمن کے دیر میں نے بڑ کیا          خبر و اس کو کیا نسیکن بہت بد خو کیا          جیسے سوتے سوتے ایدھر سے ادھر پہلو کیا          تو نے مائل کیوں ادھر کو گوشہ ابرو کیا          مارے تلواروں کے ان نے بہتوں کو تو کیا          جن نے باش خواب کا برسوں مرا بازو کیا</p>	<p>پھرے کب تک شہر میں اب سوتے نحر ارد کیا          عشق نے کیا کیا نصرت یہاں کے ہیں اکبر کیا          نکمت خوش اس کے پنڈے کی سی آتی ہو مجھے          کام میں قدرت کے کچھ بولا نہیں جاتا ہو ہائے          جانا اس آرام گہ سے ہو بعینہ بس ہی          عزتی اسلام کے کیا کیا پھرے ہیں حیات پاک          وہ تو کش کا ابھی پر کیا ہو سسر گرم بیفا          ہاتھ پر رکھ ہاتھ اب وہ دو قدم چلتا نہیں</p>
<p>تجھ پر کوئی ای کام جاں دیکھا نہ یوں مڑا ہوا          دل مضطرب ایسا نہ تھا کیا جانے اب کیا ہو</p>	<p>عاشق ترے لاکھوں ہو مجھ سا نہ پھر پیدا ہوا          مدت ہوئی الفت گئے برسوں ہو طاقت گئے</p>

لہ محبت اس کے نہیں کہتے ہیں جوتیر میں تھی، گیا جہاں سے پتیری گلی میں آ رہا۔

کل صبح سیر باغ میں دل اور میرا رگ گیا وے دن گئے جو یہاں کھنکھاتا تھا دل سے خوش کتنوں کے دل بیجاں ہوئے کتنے نہ جانا کیا ہوئے مستی میں لغزش ہو گئی معذور رکھا چاہئے جوں حسن ہوا ک فتنہ گر تو عشق بھی ہو پردہ در فرہاد و مجنوں دون گئے ہم اور دامق یوں چلے	بلبل نہ بولا منہ سے کچھ گل ٹپکن مجھ سے داہرو اب لگ گئے رونے جہاں مل پاتے دریا ہو چلنے میں اس کے دو قدم ہنر کا مراک برپا ہو ای اہل مسجد اس طرف آیا ہوں میں، مسکا ہو وہ شہرہ عالم ہوا میں خلق میں رسوا ہو اس عارضے سے چاہ کے وہ کون سا اچھا ہو
--	---

یا مہر صاحب کے تئیں پھر اندنوں سودا ہو  
دن خط ہی درمیاں یا گیسوؤں کا پڑیاں

تمام روز جو کل میں پئے شراب پھرا اثر بن آہ کے وہ منہ ادھر نہ ہوتا تھا نہ لکھے خط کی نمط ہو گئیں سفید آنکھیں وہ رشک گنج ہی نایاب تھا بہت درنہ کسو سے حرف محبت کا فائدہ نہ ہوا لکھا تو دیکھ کہ قاصد پھرا جو مدت میں	لسان جام لے دیدہ پُر آب پھرا ہوا پھری ہو مگر کچھ کہ آفتاب پھرا تجھے بھی عشق ہو قاصد بھلا شتاب پھرا خرابہ کو تبا جس میں نہیں خراب پھرا بغل میں میں تو لے یہاں بہت کتاب پھرا جواب خط کا مرے صاف بے جواب پھرا
--	---

کہیں ٹھہرنے کی جا یہاں نہ دیکھی میں نے مہر  
چمن میں عالم امکاں کے جیسے آب پھرا

بے رنگ بے ثباتی یہ گلستاں بنایا اڑتی ہو خاک یارب شام و سحر جہاں میں اک رنگ پر نہ رہنا یہاں کا عجب نہیں ہو آئینے میں کہاں ہو ایسی صفائے تو سرگشتہ ایسی کس کی ہاتھ آگئی تھی مٹی نقش قدم سے اس کے گلشن کی طرح ڈالی ہونے پہ جمع اپنے پھولا بہت تنہا لیکن اس صحن پر یہ وسعت اللہ سے تیری صنعت دل ملک ادھر نہ آیا ایدھر سے کچھ نہ پایا	بلبل نے کیا سمجھ کر یہاں آشیاں بنایا کس کے غبار دل سے یہ خاک داں بنایا کیا کیا نہ رنگ لائے تب یہ جہاں بنایا جہوں سے راستوں کے وہ آستان بنایا جو چرخ زن قضا نے یہ آسمان بنایا گردہ اس کی لے کر سرور داں بنایا کیا غنچہ تنگ آیا جب وہ دہاں بنایا سغار نے قضا کے دل کیا مکاں بنایا کہنے کو ترک لے کر اک بانگ یہاں بنایا
--	--

دریوزہ کرتے گزری کلیوں میں عمر اپنی	درولیش کب ہوئے ہم تکیہ کہاں بنایا
وہ تو مٹا گیا تھا تربت بھی میسر جی کی	دو چار انیشیں رکھ کر پھر میں نشان بنایا
اُس کام جان و دل نے عالم کا جان مارا بلبل کا کنشیں دم دل کو لگا ہوا ہے خوں کچھ نہ تھا ہمارا مرکوز خاطر اس کو سرچشہ حسن کا وہ آیا نظر نہ مجھ کو صبر و حواس و دانش سب عشق کے زبوں میں کیا خون کا مزا ہو اسی عشق تجھ کو طالم ہم عاجزوں پر آکر یوں کوہِ غم گرا ہو کب جی بچے ہو یار و خوش رو و موہتا ہے	زلفوں کی درہمی سے برہم جان مارا ایسا کنھوں نے جیسے چھائی میں بان مارا لشہ اک ہیں بھی یوں درمیان مارا اس راہزن نے غافل کیا کاروان مارا میں کا و شہِ مرہ سے عالم کو چھان مارا ایک ایک دم میں تو نے سو سو جوان مارا جیسے زمیں کے اوپر ایک آسمان مارا گر قبضہ بچ گیا تو پھر شرم آن مارا
کہتے نہ تھے کہ صاحب اتنا گر گھانا کریے	اس غم نے میسر تم کو جی سے ندان مارا
یہ میسر ستم کشہ کس وقت جواں تھا جادو کی پٹری پرچہ ابیات تھا اس کا جس رام سے وہ دل زدہ دلی سے نکلتا فسردہ نہ تھا ایسا کہ ہوں آبِ زدہ خاک کس مرتبہ تھی حسرت دیدار مرے ساتھ مجنوں کو عبث دعوئے وحشت ہو گئی تھی غافل تھے ہم احوالِ دلِ حسرت سے اپنے بڑے کس زور سے نہ زاد نے خار شکنی کی	اندا ز سخن کا سبب شور و فغاں تھا منہ تکتے غزل پڑھتے عجب سحر بیاں تھا ساتھ اُس کے قیامت کا سا ہنگامہ وہاں تھا اندھی تھا، بلاتا تھا کوئی آتشِ جہاں تھا جو پھول مری خاک سے نکلا ہنگراں تھا جس دن کہ جنوں مجھ کو ہوا تھا دکھاں تھا وہ کنج اسی کنج خرابی میں نہاں تھا ہر چند کہ وہ بیکس و بیتاب و تواں تھا
گو میسر جہاں میں کنھوں نے تجھ کو نہ جانا	موجود نہ تھا تو تو کہاں نامِ نشان تھا
عشق کو پیچ میں یارب تو نہ لایا ہوتا	دل نہ تھا ایسی جگہ جس کی نہ سدھ لیجے ہو

عزت اسلام کی کچھ رکھ لی خدا نے ورنہ گھر کے آگے سے ترے نقش گئی عاشق کی جو ہو سو بیخود رفتار ہو تیرا اے شوخ اب تو صد چند ستم کرنے لگے تم اے کاش دل سے خوش طرح مکاں بھر بھی کمیں بنے ہیں دل پہ رکھتا ہوں کبھو سر سے کبھو روں ہوں کم کم اٹھتا وہ نقاب آہ کہ طاقت رہتی	زلزلت نے تیری تورقار بندھایا ہوتا اپنے دروازے تلک تو بھی تو آیا ہوتا اس روش سے نہ قدم تو نے اٹھایا ہوتا عشق اپنا نہ تمھیں میں نے جتایا ہوتا اس عمارت کو ٹک اک دیکھ لے لکھایا ہوتا ہاتھ پانوں کو نہ میں تیرے لگا یا ہوتا کاش یک بار ہمیں منہ نہ دکھایا ہوتا
---	--

میرؔ اظہار محبت میں گیا جی نہ ترا  
ہائے نادان بہت تو نے چھپایا ہوتا

اکٹ طالع دیکھ وہ ایدھر کو چل کر رہ گیا خواب میں کل پانوں اپنے دوست ملتا تھا ہم تو تھے سرگرم پاؤسی خدا نے خیر کی ہم بھی دنیا کی طلب میں سر کے بل ہوتے کھڑے کیا کہوں بیتابی شب ہو کہ ناچار اس بغیر کیا ہمیں کو یار کے فیض نے کھا کر دم لیا دو قدم ساتھ اس جہان جو کے چلا جاتا ہو جی اکٹھ کچھ اپنی ہی اُس کے سامنے ہوتی نہیں	رات جگر تھی چاند سا گھر سے نکل کر رہ گیا اکٹھ دشمن کل گئی سو ہاتھ مل کر رہ گیا نیمچہ کل خوش غلاف اُس کا اگل کر رہ گیا ہائے اپنا پانوں اس ہ میں بچل کر رہ گیا دل مرے سینے میں دودھ ہاتھ پھیل کر رہ گیا ایسے بہتیروں کو یہ اثر در نکل کر رہ گیا بھوس غیار تھا دیکھا نہ مل کر رہ گیا جن نے وہ خونخوار سج دیھی دل کر رہ گیا
--	--

ایک ڈھیری راکھ کی تھی صبح جائے میرؔ بر  
برسوں سے جلتا تھا شاید ات جل کر رہ گیا

طریق خوب ہو آپس میں آشنائی کا ہوا ہو کج نفس ہی کی بے پری میں خوب یہیں ہیں دیر و حرم اب تو یہ حقیقت ہو نہ پوچھ مندی لگانے کی خوبیاں اپنی نہیں جہان میں کس طرف گفتگو دلیسی کسو پہاڑ میں جوں کوہ کن سراب ماریں	نہ پیش آوے اگر حسلہ جدائی کا کہ برگی سال تلک لطف تھا رہائی کا دماغ کس کو ہو ہر در کی جہسائی کا جگر ہو خستہ ترے پیغم حسنائی کا یہ ایک قطرہ غول ہو طرست جدائی کا خیال ہم کو بھی ہو بخت آزمائی کا
--	---

<p>بجرا رہا نہ دل شیخ شورِ محشر سے رکھا ہی باز ہیں در بدر کے پھرنے سے لا کہیں تو دکھاویں گے عشق کا جھنگل نہ اُنس مجھ سے ہوا اُس کو میں ہزار کیا</p>	<p>چانچے جگر بھی چاہے ہی کچھ تھا منا اداوی کا سروں پہ اپنی ہو احسان شکستہ پانی کا بہت ہی خضر کو غسّہ ہو رہنمائی کا جگر میں داغ ہو اُس گل کی بیوفائی کا</p>
<p>جہاں سے پیسہ ہی کے ساتھ جانا تھا لیکن کوئی شریک نہیں ہو کسو کی آئی کا</p>	
<p>یہ رفتگی بھی ہوئی ہو جی ہی چلا گیا کیا کئے ایک عمر میں بے لب ہلے تھے کچھ ثابت ہو اس کے پہلو سے پہنچے ہو ہم کو بچ مالاں ہو غنڈ لیب گل آشفہ رفتہ سرو پڑھتا تھا میں تو سمجھ لے ہاتھ میں درود رکھنا نشان قبر کا میری نہ خوش کیب منصف ہو تو ہی شیخ کہ اس مست نازبن ہرگز بھی نہ سکر لگی آہ عشق میں کیوں میں کہا کہ منس کے نہ ختم پرچہ ترک آنسو تو ڈر سے پی کئے لیکن وہ قطرہ آب وقتِ اخیر کیا یہ ادا تھی کہ عشق سے میں</p>	<p>کل حال پیسہ دیکھ کے عشق مجھ کو آگیا سوبات پان کھاتے ہوئے وہ چلا گیا دیکھا نہ درد دل کے کہے سر جھکا گیا ہلک بیٹھ کر چمن میں وہ فتنہ اٹھا گیا صلواتیں مجھ کو آکے وہ ناحق سُنا گیا آپا سو اور خاک میں مجھ کو ملا گیا ہم آپ سے بھلا گئے مجھ سے رہا گیا مانند شمع داغ ہی سب ہم کو کھا گیا بے لطف اس کے ہونے میں راز اُٹھ گیا اک آگ تن بدن میں ہمارے لگا گیا جب آنکھ کھولی بالوں میں منہ کو چھپا گیا</p>
<p>کیا پوچھتے ہو داغ کیا مرگ مہر ہے مر کر وہ سینہ سوختہ چھاتی جلا گیا</p>	
<p>اس آگ نے بھڑک کر درست گھر جلایا یوسف عزیز دلہا مست بہت بکایا اس حشمِ روسیہ روزِ سیہ دکھایا دل کا لگاؤ یار دچھپتا نہیں چھپایا دہت ہوئی کہ ہم نے جینے سے ہاتھ اٹھایا ہنگامِ خلن عاشق سر پر جو نہ آیا</p>	<p>سوزِ دروں سے آخرِ حسرتِ دل کو پایا جی دے کے لیتے ایسے معشوق بے بدل کو زلزلتِ سیاہ اُس کی جاتی نہیں نظر سے نام اُس کا سن کے آنسو گری پڑے پلک سے تھا لطفِ زلیت جن سے ہے اب نہیں میر ہندی لگی تھی تیرے پانوں میں کیا پایے</p>



<p>رکھتا ہوں داغِ ہم کو قیامت کا اس کی سایا دانستہ باؤلا ہم اپنے تئیں بسایا انکھوں کے منہ گئے پر آرام سا تو پایا</p>	<p>یہ پیروی کسوسے کا ہے کوہ کے اور دیکھی نہ پیش جاتے ہرگز خردوری میں کستی تھی بیدار غمی اک شورِ مادمین میں</p>
<p>گل پھول سے بھی توجہ لیتا ہوں منہ کو پھیرے کھڑے سے کس کے تونے اور تھیرے دل لگایا</p>	
<p>شاعری تو شعار ہے اپنا دیر سے انتظار ہے اپنا اب یہی روزِ گار ہے اپنا اس میں کیا اختیار ہے اپنا شہرِ شہرِ اشتہار ہے اپنا سودوں کا غبار ہے اپنا</p>	<p>نکتہ مشتاق دیدار ہے اپنا بیخودی لے گئی کہاں ہم کو روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات دیکے دلِ ہم جو ہو گئے مجبور کچھ نہیں ہم مثالِ عقالیق جس کو تم آسمان کہتے ہو</p>
<p>صرف آزار میں نہ کرو خستہ اپنا ہی زار ہے اپنا</p>	
<p>ماہِ تمام یارو کیا ناتمام نکلا عشق کی طرح اپنا عیلت سے نام نکلا سودا انھوں کا آخر دیکھا تو خام نکلا اس عشقِ فتنہ گر سے وہ کس کا کام نکلا</p>	<p>روکش ہوا جو شبِ ہالائے بام نکلا ہو گوشہ گیرِ شہرت مد نظر اگر ہے تھا جن کو عاشقی میں دعوایِ پختہ منقزی نومید قیس پایا ناکام کوہ کن کو</p>
<p>کیونکر نہ مر رہے جو بیتاب ہیں اک آدھ دن تو گھر سے دل تھام تھام نکلا</p>	
<p>اب تو چپ بھی رہا نہیں جاتا اپنے ہاں سے دہا نہیں جاتا اب تم تک سہا نہیں جاتا تب تو اس سے بہا نہیں جاتا</p>	<p>کیا کہیں کچھ کہا نہیں جاتا نعم میں جاتی ہے عمرِ روزہ طاقتِ دل تک تعب پہنچے اُس دُرِ ترکا حیرتی ہے بحیرہ</p>
<p>کب تری رہ میں گھر کا لوہا لوہ میں آہنا نہیں جاتا</p>	

<p>مجھے سیدھیاں وہ سنانے لگا ستم کیسے کیسے اٹھانے لگا جگر آہ اُسنے تک تو آنے لگا موا جو کوئی وہ ٹھکانے لگا سو بھیاں جی ہی اب بھول جانے لگا سو آنکھیں وہ مجھ کو دکھانے لگا</p>	<p>بچی اُس کی جو میں جتانے لگا تخل نہ تھا جس کو ٹک سودہ میں رُند سے عشق میں کوئی یوں کب تلک پریشاں ہیں اس وقت میں نیک و بد کردوں یاد اُسے ہوں جو میں آپ میں پس از عمر اودھر گئی تھی نگاہ</p>
<p>ہمیں رہتے حائل علاقے بغیر کہیں میسر دل کو دلانے لگا</p>	
<p>مطلق نہیں ہم سے ساز تیرا جاتا نہیں اجتر از تیرا کہہ دیتے ہیں وہ ہی راز تیرا کید مسر ہو وہ امتیاز تیرا</p>	<p>اللہ سے غسر و رونا ز تیرا ہم سے کہ تجھی کو جانتے ہیں ل جن سے شراب تو پئے ہو کچھ عشق دہوس میں فرق بھی کر</p>
<p>کتے نہ تھے میسر مت کر ڈاکر دل ہو نہ گیب گدا از تیرا</p>	
<p>لے گا نیند بھر تب مجھ کو سونا کنائے بیٹھ کر ہاتھوں کو دھونا</p>	<p>نظر میں آئے گا جب جی کا کھونا مرا خون تجھ پہ ثابت ہی کرے گا</p>
<p>وصیرت میسر نے مجھ کو یہی کی کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا</p>	
<p>گل دستہ دستہ جس کو چراغی دیا کیا سہتا رہا جھائیں میں جب تک جیا کیا</p>	<p>اُس آستانِ داغ سے میں زریا کیا کیا بعد مرگ یاد کروں گا وفا سے تجھے</p>
<p>اب وہ جگر پیش سے تڑپتا ہو تشنہ لب دست تلک جو میسر کا لوہو پیا کیا</p>	
<p>تو کام مرا اچھا پردے میں چلا جانا بے پردہ جو وہ ہوتا تو کس سے رہا جانا ہم دیکھتے تھے کچھ کو تو تو منہ کو چھپا جانا</p>	<p>اسو مری آنکھوں میں ہر دم جو نہ آ جانا اصلح ہو حجاب اُس کا ہم شوق کے ماروں سے ظفلی کی ادا تیری جاتی نہیں یہ جی سے</p>

<p>صد شکر کہ داغِ دل افسردہ ہوا ورنہ          کہتے تو ہو یوں کہتے یوں کہتے جو وہ آتا          ان آنکھوں سے ہم پتی بر جا ہی جو میں بل کر          صحبت سگ و آہو کی یک عمر رہی باہم          گر عشق نہیں ہو تو یہ کیا ہو بھلا مجھ کو          جوں ابر نہ تھم سکتا آنکھوں کا مری جھکا</p>	<p>یہ شعلہ بھڑکتا تو گھر بار جلا جاتا          یہ کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی کہا جاتا          بادام کو کل یار و مجلس ہی میں کھا جاتا          وہ بھانگنا مجھ سے تو میں اسے کھا جاتا          جی خود بخود ای ہمدم کا ہیکو کھا جاتا          جوں برق اگر وہ بھی جھلکی سے دکھا جاتا</p>
<p>تکلیف نہ کی ہم نے اس خوشی کو مرنے کی          تھا میر تو ایسا بھی دل جی سے اٹھا جاتا</p>	
<p>بالقوہ ٹک دکھائیے چشم پر آب کا          جو کچھ نظر پڑے ہی حقیقت میں کچھ نہیں          دریا دلی تھیں ہو نہیں ہوئے کا سہ لیس          شاید کہ قلب یار بھی ٹک اس طرف پھر          یارے نقاب دن کو جو رکھتا ہی منہ پہ تو          تلوار بن نکلتے نہیں گھر سے ایک دم          یہ ہوش دیکھ آگے مرے ساتھ خیر کے          محنوں میں اور مجھ میں کرے کیوں فراقِ عشق          رو فرصتِ جوانی پہ جوں ابر بے خبر          وہاں سے تو نامہ بر کو ہی کیا جواب ملان          چکا کرے ہی زہر ہی صفت اس نگاہ سے</p>	<p>واس پلڑے روئے یک دم سحاب کا          عالم میں خوب دیکھو تو عالم ہی خواب کا          دیکھا ہی دائرگوں ہی پیالہ حباب کا          میں منتظر زمانے سے ہوں انقلاب کا          پردہ سارہ گیا کچھ اک آفتاب کا          نوحں کر رہو گے تم کسو خانہ خراب کا          رکھتا ہی پانوں مست ہو جیسے شراب کا          چھپتا نہیں مزا تو جلے سے کباب کا          انداز برق کا سا ہی غمِ شباب کا          میں سادگی سے لاگو ہوں خط کے جواب کا          وہ چشم گھر ہی غصہ و ناز و غتاب کا</p>
<p>لایق تھا یہ سمجھنے ہی کے مصراعِ قدِ یار          میں معتقد ہوں میر تیرے انتخاب کا</p>	
<p>خندہ دندانِ نما کرتا جو وہ کافر گیا          کیا گزر کوئے محبت میں ہنسی ہی کھیل ہی          کیا کوئی زیرِ فلک اونچا کرے منہ برقِ غم</p>	<p>گو ہر تریوں سرشک آنکھوں سے سب کی گر گیا          پانوں رکھا جس نے ٹک او دھر پھر اس کا سر گیا          ایک پتھر حادثے کا آ لگا سر چر گیا</p>
<p>لے کتا بیکم کا ایک شعر ہو، سہ مقابل ہو ترے لب اگر مری چا جاؤں، تری آنکھوں کی ہمتی کرے ہوا م کھا جاؤں          لے بردوش غیر دست نہاد از رکم - مارا چو دید لوز پارا بناد ساخت (قتیل)</p>	

ایک ناکسی سپاہی دکھنیوں میں گھر گیا بخت کی برکشتی سے آتے آتے پھر گیا یعنی لوہا تھا کڑا تیغ ستم کا گر گیا	نیزہ بازارِ مرثہ میں دل کی حالت کیا کہوں بعد مدت اس طرٹ لایا تھا اُس کو جذبِ عشق تیز دست اتنا نہیں وہ ظلم میں اب فرق ہو
سختِ اہم کو مہم کے مرجانے کا افسوس ہو تم نے دل پتھر کیا وہ جان سے آخر گیا	
چپکے ہی چپکے اُن نے ہمیں جاں بلب کیا ظالم نگاہ چشمِ ادھر کی غضب کیا ایسا ہی کچھ سلوک کیا اُن نے جب کیا بس منہ بچوں نے حد سے زیادہ ادب کیا القصہ اپنے روز کو ہم نے بھی شرب کیا کیا جانوں خون اُن نے مرا کس سبب کیا ہم جی سے اپنے جاچکے تم قصد تب کیا جس کی نگاہ پر ڈگئی اُن نے عجب کیا اک دن جدا نہ غیر سے ہم کو طلب کیا	اس بد زباں نے حرفِ سخن آہ کب کیا طاقت سے میرے دل کی خبر تجھ کو کیا نہ تھی یکساں کیا نہیں ہو ہیں خاک رہ سے آج عمامہ لے کے شیخ کہیں میکرے سے جا اُس رخ سے دل اٹھایا تو زلفوں میں جا پھنسا ظاہر ہوا نہ مجھ پہ کچھ اس ظلم کا سبب کچھ آگے آئے ہوتے جو منظورِ لطف تھا بچھڑے تمھارے اپنا عجب حال ہو گیا برسوں سے اپنے دل کی ہو دل میں کہیا رہے
کی زندگی سودہ کی موے اب سو اس طرح جو کام میرے جی نے کیا سو کدھب کیا	
سب درد ہو شدت کا اس دل ہی کو دل ڈالا کچھ چوٹیوں کو لے کر پاتوں تلے مل ڈالا کیا پکڑی کے بیچوں میں لے بالوں کو بل ڈالا اس دل کی خلش نے بھی کیا آہ خلل ڈالا	اب چھاتی کے جلنے نے کچھ طور بدل ڈالا ہم عاجز دلی کا کھونا مشکل نہیں ہو ایسا انکھیلی کی بھی اس کی دل تاب نہیں لانا تشویش سے اب خالی کس دن ہو مزاج اپنا
مجھ بہت کو کیا نسبت ام میرے مسائل سے منہ شیخ کا مسجد میں میں رک کے مسل ڈالا	
یونان کی طرح بستی یہ سب میں دہلور ہا احوال عاشقی کا مری گو گو مگر ہا کوچے میں اس کے جا کے ستم دیدہ جو ہا	طوفان میرے رونے سے آخر کو ہو رہا بہتوں نے چاہا کہنے یہ کوئی نہ کہہ سکا آخر موا ہی وہاں سے نکلتا سنا اُسے

<p>پایان کار آنکھوں کو اپنی میں رو رہا تباہی بھی دہی تھا دہی مردہ شور رہا رہتے تھے ہم تو دل ہی کو تو جی بھی کھو رہا</p>	<p>آنسو تھما نہ جب سے گیا وہ بنگاہ سے کیا بے شریک زندگی کی شیخ شہر سے باروں نے جل کے مرنے سے میر کیا خطا ہے</p>
<p>جب رات سر پٹنے نے تاشیر کچھ مچی ناچار مٹیر منڈ گری شی مار سو رہا</p>	<p>لعل پر کب دل مرا نائل ہوا لو لگیں آنکھیں اٹھائی دل نے چوٹ نا شکستہ سے گئی ناموس ففسر</p>
<p>اس لب خاموش کا قائل ہوا یہ تماشائی عبت گھائل ہوا عاقبت بوسے کا میں سائل ہوا اپنا ہونا بیچ میں حائل ہوا</p>	<p>ایک تھے ہم دے نہ ہوتے ہست اگر مٹیر ہم کس ذیل میں دیکھ اس کی کچھ ہوش اہل قدس کا زائل ہوا</p>
<p>کہ مجھ کو اس کی گلی کا خدا گدا کرتا تو تیرے جی میں مخالف نہ تھی جا کرتا دماغ کا شے اپنا بھی ٹک دفا کرتا کبھو جو آن بھکتا کوئی صدا کرتا جو کوئی اور بھی جھنوں کی کچھ دوا کرتا کبھو وہ یہاں تو مرے ہاتھ بھی لگا کرتا بھلا کسو سے جو کرتا تو تو بُرا کرتا کبھو کبھو جو یہ دریائے خوں چڑھا کرتا بشر دوع ربط میں اس کے جود جلا کرتا وگر نہ شام سے ہنگامہ ہی رہا کرتا فقیر تلکے سے کا ہی کو یوں اٹھا کرتا کبھو نسیم سے میں درد دل کہا کرتا خراب و خواہ کہاں تک بھلا پھرا کرتا ہلاک آپ کو کرتا نہ میں تو کیا کرتا</p>	<p>کوئی فقیر یہ امر کا ش کے دعا کرتا کبھو جو آن کے ہم سے بھی تو ملا کرتا چمن میں پھول گل ابے ہزار رنگ گلے فقیر بستی میں تھا تو ثرا زیاں کیا تھا علاج عشق نے ایسا کیا نہ تھا اس کا قہم کے چھوٹے سے استاد کی بھی ہوئی بدی نتیجہ ہو نیکی کا اس زمانے میں تلاطم آنکھ کے صد رنگ ہتے تھے تجھ بن کہاں سے مکی یہ آتش نہ مانتا تھا میں گلی سے پار کی اہم لے گئے سر پر شور خراب مجھ کو کیا دل کی لاگ نے در نہ گئے یہ تیرے نہ تھا ہمنفس کوئی اور گل کہیں کی خاک کوئی منہ پہ کب ملک ملتا موتے ہی رہتی تھی عزت مری محبت میں</p>

<p>ترے مزاج میں تابِ تعب تھی میر کہاں کس سے عشق نہ کرتا تو تو مجھ لا کرتا</p>	
<p>بندھارات آنسو کا کچھ تار سا کوئی ساد ہی اُس کو سادہ لے محبت ہی یا کوئی جی کا ہر روگ گل و سرو اپنے سبھی ہیں لے جو ایسا ہی تم اہم کو سمجھو ہو سہل فلک نے بہت اچھینچ آزار لیک مگر آنکھ تیری بھی چپ کی کہیں چمن ہو سے جو آنجن تجھ سے دھاں کھڑے منتظر ضعف جو آگیا دکھاؤں متاع و فاکب اُسے عجب کیا جو اس زلف کا سایہ دار</p>	<p>ہوا ابرِ رحمت گنہگار سا لگے ہی ہمیں تو وہیتار سا سدا میں تو رہتا ہوا بیمار سا نہ نکلا چمن میں کوئی یار سا ہمیں بھی یہ جینا ہی دشوار سا نہ پہنچا ہم اُس دل آزار سا ٹپکتا نہ چتون سے کچھ پیار سا لگے آنکھ میں سب کی گلِ خار سا گرا اُس کے در پر یو ازار سا لگا دھاں تو رہتا ہوا بازار سا پھرے راتوں کو بھی پریدار سا</p>
<p>نہیں میر متانہ صحبت کا باب مصاحب کرو کوئی ہشیار سا</p>	
<p>حیراں ہو لحظہ لحظہ طرزِ عجب عجب کا کہتے ہیں کوئی صورت بن معنی بھیاں نہیں ہو نسبتِ درست جس کی اس رد و موسے پائی افسوس ہو نہیں تو انصاف دوست در نہ سودائی ایک عالم اس کا بنا پھرے ہو مُنہ اس کے منہ کے اوپر شام و سحر کھول ہوں</p>	<p>جو رفتہ محبت واقف ہو اس کے ڈھب کا یہ وجہ ہو کہ عارف مُنہ دیکھتا ہو سب کا ہے درہم اور برہم حال اس کے روزِ دُھب کا شایانِ لطف دشمنِ شالیتہ میں غضب کا ہر چند عزالتی ہو وہ خال کینچ لب کا اب ہاتھ سے دیا ہو سرِ رشتہ میں ادب کا</p>
<p>کیا اُجکل سے اُس کی یہ بے تو جہی ہو مُنہ اُن نے اس طرف سے پھیرا ہو میر کب کا</p>	
<p>سیکڑوں سیکڑوں کا جان گیا و اے احوال اس جفاکش کا</p>	<p>پر یہ تیرا نہ امتحان گیا عاشق اپنا جسے دُجان گیا</p>
<p>لے ضعف بھی غش ۱۲ سہ پریدار آسیب زدہ ۱۲</p>	

<p>جی گیا پر نہ یہ نشان گیا آج سو سو طرف گمان گیا تب تو میں نے کہا سوان گیا ہاتھ سے جس کے یہ مکان گیا ایک میرا ہی یوں نہ جان گیا شوق میں برسوں خاک چھان گیا</p>	<p>دائع حراں ہو خاک میں بھی ہاتھ کل نہ آنے میں ایک بھیاں تیرے حرف نشنو کوئی اسے بھی ملا دل سے مت جا کہ پھر وہ بچتا یا پھرتے پھرتے تلاش میں اس کی اب جو عیسیٰ فلک پہ ہو وہ بھی قی</p>	
<p>کون جی سے بجائے گا ای میسر حیث یہ ہو کہ تو جوان گیا</p>		
<p>سوزِ دروں سے نامہ کباب ورق ہوا مڑا ہو جو کوئی اسے کہتے ہیں حق ہوا یہ شہر جب تمام لٹا تب نسق ہوا آتے ہی تیرے باغ میں گل کا فوق ہوا سو دیدہ اب گداختہ ہو کر شفق ہوا کس درد مند عشق کو یا رب قلع ہوا</p>	<p>ہنگام شہرِ غم جگر خامہ شوق ہوا بندہ خدا ہو پھر تو اگر گزرتے آپ سے دل میں رہا نہ کچھ تو کیا ہم نے ضبطِ شوق وہ رنگ نہ وہ روش وہ طرح سب گئی برباد برسوں تری گلی میں چمن ساز جو رہا لے کر زمیں سے تا فلک ک گیا ہو آہ</p>	
<p>اس نو ورق میں میسر جو تھا شرحِ بیست بیٹھا جو دے کے میں تو تراک سبق ہوا</p>		
<p>دل نے جگر کی اور اشارت کی بھیاں گرا پھر دید کی جگہ نہیں جو یہ مکان گرا اک تیر میں وہ مرنے بلند آسٹیاں گرا یعنی کہ اس کے درہی پہ میں ناتواں گرا جس سے کیا خیال کہ یہ آسمان گرا پتھر بھی وہاں کے جل گئے جا کر جہاں گرا</p>	<p>کل میں کہا وہ طور کا شعلہ کہاں گرا منظرِ خواب ہونے کو ہو چشمِ ترکا حیف روح القدس کو سہل کیا یا رے شکار پہنچا یا مجھ کو عجز نے مقصود دل کے تہیں شورِ آگ مری نہاٹے تجھ بن اٹھا تھارت کیا کم تھا شعلہ شوق کا شعلے سے طور کے</p>	
<p>دوبا خیال چاہ زرخداں میں اس کی میسر دانستہ کیوں کو میں بھلا یہ جواں گرا</p>		
<p>وہاں کام ہی رہا تجھے بھیاں کام ہو چکا</p>	<p>آتے ہی آتے تیرے یہ ناکام ہو چکا</p>	

میں اب تو خاص و عام میں بدنام ہو چکا  
شاید کہ سادگی کا وہ ہنگام ہو چکا  
ہم سے تو ترک نامہ و پیغام ہو چکا

موسم گیا وہ ترک محبت کا ناصحا  
یا خط پہلے ہی آتے تھے یا حرف ہی نہیں  
تا آشنائے حرف تھا وہ شوخ جب تبھی

ترپے ہی جب کہ سینے میں اچھلے اور دو دو ہاتھ  
گردل ہی ہر قسم سے تو آرام ہو چکا

اب رو کی تیغ دیکھ مہر عید کٹ گیا  
آلودگی جسم سے مائی میں اٹ گیا  
ہٹ دیکھ دیکھ تیری لالہ ناہمی ہٹ گیا  
مغموم ہم کو دیکھ کے دوڑا لپٹ گیا  
بی طور یوں سے اس کی لالہ تو پھٹ گیا  
اب کی یہ کام ہاتھ سے پیر سمٹ گیا  
سوں تو دو وطن تری لہو سے ہٹ گیا  
پھر ماہ چارہ کو جو دیکھا تو گھٹ گیا  
چل کر ادھر کو یا پھر ادھر اٹ گیا

سنبھل تھا اے گیسوؤں کے غم میں لٹ گیا  
عالم میں جاں کے فچھ کو تنہا تویں  
ظلم و جفا و جور پر اصرار اس قدر  
اب کوہ سماں نہیں ہے کہ وہ کام جان خلق  
و شوار سیتے ہیں گے جو بیٹھ بٹھ ہی جیب  
دامان و جیب ڈول ہوئے ٹکڑے ایک جا  
خاطر اگر جو جمع پریشانی بھی نیچے  
ملک ات اس کے منہ سے ہوا تھا مقابلہ  
کیا پوچھو ہو نصیب ہمارے الٹ گئے

بلبل کی اور گل کی جو صحبت کی تیر  
دل اپنا دلبروں کی طرف سے اُچٹ گیا

دل پر رکھا تھا ہاتھ سو منہ زرد ہو گیا  
خورشید اس کو دیکھتے ہی سرد ہو گیا  
یہاں خاک سی اڑادی فلک گرد ہو گیا  
اس دور میں کمال عجب مرد ہو گیا

سینے میں شوق تیر کے سب درد ہو گیا  
مکلا تھا آج صبح بہت گرم ہوئے  
بے پردہ اس کی شوخی قیامت ہو دیکھو  
کشتی ہر اک فقیر کی بھر دی شراب سے

دفتر لکھے ہیں منہ سے دل کے الم کے یہ  
یہاں اپنے طور و طرز میں وہ فرد ہو گیا

اس نقش و ہم آیا کیدھر خیال تیرا  
ہی دارن جان عالم تھوڑی کا حال تیرا  
کچھ بھی بھلا لگے ہی منہ لال لال تیرا

کیا تو نمود کس کی کیسا کمال تیرا  
کیا ہی جو ہو زرخ زن مہ پاس کا ستارا  
اس گل مغل بچہ وہ مرزا ہے اس کے آگے



<p>ہو کتاب کو بھی ایسا سال تیرا دیکھا نسیم نے بھی شاید جمال تیرا کیا جاتے رفتہ رفتہ کیا ہو مال تیرا اک دن زبان ہو گا ایک ایک بال تیرا سوچی کو خوش نہ آیا ہرگز ملال تیرا</p>	<p>تجھ روئے خوں نشان سے اکھری کیا بھلا ہوا اب صبح پاس گل کے ہو کر نہیں نکلتی پہلا قدم ہو انسان پا مال مرگ ہونا ہوگی جو چل سر مو پہاں نہیں ہیکلی تفصیل حال میری بھی باعث کدورت</p>
<p>کچھ زرد زرد چہرہ کچھ لائوئی بدن ہیں کیا عشق میں ہوا ہی ایسی تیرا حال تیرا</p>	
<p>اگرچہ آسمان تک شور جاوے ہم فقیروں کا دلوں میں کام کر جانا ہی جہاں جلوہ کے تیروں کا سر زنجیر زیر سر رکھے ہی ہم اسیروں کا شہید اک ہیں نہیں ان باندھنوں کے سرخ چیروں کا چمن میں غنچہ ہو آنا گلوں پر ہم صغیروں کا کوئی اب نام بھی لیتا نہیں ان ملک گیروں کا</p>	<p>فروما نہیں سنا ہے اب کے امیروں کا تبسم سحر ہو جب پان سے لب سرخ ہوں اس کے برکنا اس کے درباں پاس ہو شب کو بھی مشکل گئے بہتوں کے سر لڑکوں نے جو یہ باندھنوں باندھے قفص کے چاک سے کچھوں ہوں میں تنگ آتا ہوں ہلکے دیکھتے زیر نگیں تھا ملک سب جن کے</p>
<p>دل چپ کو تو ان پلکوں ہی نے سب چھان مارا تھا کیا مہمیں ان نے خالی یوں ہی ترکش اپنے تیروں کا</p>	
<p>ہوا وہ بے مروت بے وفا ہرگز نہ یار اپنا کہ مدت ہو گئی ہم کھینچتے ہیں انتظار اپنا کہ رنجش اس جگہ ہوئے جہاں ہوا اعتبار اپنا وے نکلا نہ خاطر خواہ رہنے سے غبار اپنا ہوا صحبت میں ان لڑکوں کے ضائع روزگار اپنا مگر شہر میں کم ہی جیسے عنقا اشتہار اپنا کھڑا بھی وہاں نہ جا کر ہوں اگر ہوا اختیار اپنا</p>	<p>ہوئیں رسوائیاں جس کیلئے جھوٹا دیار اپنا خدا جانے ہمیں اس بیخودی نے کس طرف بھینکا ذلیل اس کی گلی میں ہوں تو ہوں آرزو کی سی اگرچہ خاک آرائی دیدہ ترے بیاباں کی کسا بد وضع لوگوں نے جو دیکھارات کو ملتے کریں جو ترک عزت واسطے مشہور ہونے کے دل بے تاب دبے طاقت سے کچھ چلتا نہیں درنہ</p>
<p>۱۔ حسرت سہانی سے عشق بتاں کو جی کا بھال کر لیا ہو : حسرت یہ تو نے اپنا کیا حال کر لیا ہو۔ ۲۔ میر تقی میر سے : بیخودی نے گئی کہاں ہم کو : دیر سے انتظار ہو اپنا۔ ۳۔ میر تقی میر سے : ہم آپ کے سوالی کہاں گئے : مدت ہوئی کہ اپنا ہمیں انتظار ہو۔</p>	

<p>عجب ہم بے بصیرت ہیں کہاں کھولا ہو بار اگر نہو یوں سیکدہ مسجد سا پرواں ہوش جالتے ہیں سرا پا آرزو ہم لوگ ہیں کاہیکو رندوں میں</p>	<p>جہاں سے لوگ سب بختِ غر کر گئے ہیں بار اپنا ہوا ہر دونوں جاگہ ایک دوبار ہی گزار اپنا سہتے ہیں اب تلک جیتے وئے دل مار مار اپنا</p>
<p>کیا وہ بوجھ سب ہلکے ہوئے ہم پھر آخر کو مناسبتاً نہ جانا اس گلی میں بار بار اپنا</p>	
<p>رابطہ دل زلفت سے اس کی جو نہ چسپاں ہوتا ہاتھ واسن میں ترے بارے تھنہ جھلا کے نہ ہم میری زنجیر کی جھنکار نہ کوئی سنتا ہر سحر آئینہ رہتا ہر ترانہ تلکست وصل کے دن سے بدل کیونکہ شربِ ہجران ہو طور اپنے پہ جو ہم روتے تو پھر عالم میں دل میں کیا کیا تھا اگلے جو نہ جاتی یاس خاک پا ہو کے ترے قد کا چمن میں ہوتا</p>	<p>اس قدر حال ہمارا نہ پریشاں ہوتا اپنے جامے میں اگر آج گمبیاں ہوتا شورِ محبوں نہ اگر سلسلہ جنباں ہوتا دل کی تقلید نہ کرتا تو نہ حیراں ہوتا شاید اس طور میں ایام کا نقصاں ہوتا دیکھتے تھے کہ وہی لوح کا طوفاں ہوتا پہ نگر کا ہیکو اس طرح سے ویراں ہوتا سرو اتنا نہ اکر تا اگر انساں ہوتا</p>
<p>پھر بھی دیر کے لوگوں ہی کی ہی کہنے لگا کچھ خدا نکستی بھی کہتا جو مسلمان ہوتا</p>	
<p>جس پہ اس موج سی شمشیر کا اک وار کیا اگیا عشق میں جو پیش نشیب اور فراز کیا کروں جنس وفا پھیرے لئے جاتا ہوں اتفاق ایسے پڑے ہم تو منافق ٹھہرے ایسے آزار اٹھاتے ہیں کاہیں کب تھا دماغ جی ہی جاتے تھے ہیں عشق کے مشہور ہوئے دیکھتے اس ماہ کو جو کتنے پوچھنے گزرے نااہلِ بیدل ہر پریشاں بہت</p>	<p>کام اس شوق کے ڈوبے ہوئے کا پار کیا ہو کے میں خاک برابر اُسے ہوا رکھا بختِ بد نے نئے دل کا خریدار کیا چرخِ ناساز نے غیروں سے اُسے یار کیا کوقت نے دل کی توجہ سے بھی بیزار کیا کیا کیا ہم نے کہ اس راز کو اظہار کیا بڑھ گئی کاہش دل ایسی کہ بیمار کیا موسم گل نے مگر رختِ سفر بار کیا</p>
<p>پھر ایسا ہوا کہ زباں بند رکھا کرتے ہم صبح کے اوسنے نے ہم کو گرفتار کیا</p>	

	<p>سب یار آدم گری کر گیا نظر پھیری تو نے تو وہ مر گیا وہ کس خانہ آباد کے گھر گیا مجھے دیکھ کر محتضنہ ڈر گیا</p>	<p>شب رفتہ میں اس کے در پر گیا شکستہ دل عشق کی جان گیا ہوئے یار کیا کیا خراب اس بغیر کشنہ تھا لڑکا ہی نا کردہ عوں</p>	
	<p>بہت رفتہ بہتے ہو تم اس کے اب منزل آب کا میسر کیدھر گیا</p>		
<p>ایسی طیش سے دل کی کوئی جگر ہے گا جوں نقش پا ہمارا تا دیر اثر ہے گا اس طور لو ہو میں تو دامن کو بھر ہے گا پہنچی خبر ادھر کی دل بے خبر ہے گا کل کی سمجھو کل ہی کل تو اگر ہے گا ما تم میں دل کے شیون دود پھر ہے گا ایسا ہی جو وہ چہرہ پیش نظر ہے گا میرا یہ ڈھب دلوں میں کچھ راہ کر ہے گا</p>	<p>بے طاقتی میں تو تو ای میسر مر ہے گا کیا ہو جوراہ دل کی طے کرتے مر گئے ہم ست کر لڑکین اتنا خونریزی میں ہماری آگاہ پائی ہم نے کھوئے گئے سے یعنی ہی فردا کا سوچ تجھ کو کیا آج ہی پڑا ہو لوگوں کا پاس ہم کو مانے سکے ہو ورنہ پایان کار دیکھیں کیا ہوئے دل کی صورت اب رفتگی رویہ اپنا کیا ہے میں نے</p>		
	<p>ہم کوئی بیت جا کر اس ہی کے رہنیں گے وحشت زدہ کسودن گر میسر گھر ہے گا</p>		
<p>سختیاں جو میں بہت کھینچیں سودل پتھر ہوا خون اس کے رہ گزر کی خاک پر اکثر ہوا گرد اس کے جو پھر اس کو مرے چکر ہوا بھول خوش رنگ در اس کے فرش پر بچھکر ہوا کو لسا بیمار دل کا آج تک بہتر ہوا صورت خوش جن نے دیکھی اس کی ہوا دھڑکا ہوا گوہر خوش آب انداز سخن سے تر ہوا کام جو مجھ سے ہوا سو عقل سے باہر ہوا اس کی بے خوابی سے ہنگامہ مرے سر پر ہوا</p>	<p>پند گو مشفق عبث میرا نصیحت کر ہوا گاڑ کر مٹی میں رومے بچ کر گیا ہم ہی موبے اب اٹھا جاتا نہیں مجھ پاس پھر ٹک بیٹھ کر کب کھبا جاتا تھا یوں آنکھوں میں جیسا صبح تھا کیا سنی تم نے نہیں بد حالی فراد و قیس کون کرتا ہو طرے مجھ عاشق بیتاب کی جل گیا یا قوت اس کے لعل لب جب ابل گئے کیا کہوں اب کی جنوں میں گھر کا بھی رہنا گیا شب نہ کرتا شور اس کو چہ میں گریں جانتا</p>		

ہوئے یارب ان سیر و آنکھوں کا خانہ غراب | یک نظر کرتے ہی میرے دل میں اس کا نگہ

استخوان سب پوست سے سینے کے آتے ہیں نظر  
عشق میں ان نو خطوں کے میسر میں مسطر ہوا

ٹپکتی پلکوں سے رومال جس گھڑی سر کا  
کبھو تو دیر میں ہوں میں کبھو ہوں کعبہ میں  
غم فراق سے پھر سوکھ کر ہوا کا نشا  
اسیرِ جبرگے میں ہو جاؤں میں تو ہو جاؤں  
ہیں کہ جلنے سے سو گرہیں آگ میں ہی عیش  
قریب خط کا نکلتا ہوا سو خط موقوف  
بتا کے کعبہ کا رستہ آتے بھلاؤں راہ  
کسو سے مل چلے ملک وہ تو ہی بہت دیر  
شکستہ بانیِ دل بستی پر اب کی نہ جا  
تلاشِ دل نہیں کام آتی اس رخ میں گئے  
پھرے ہو خاک لے منہ پہ یا نند پہنے

نہ ترک عشق جو کرتا تو میسر کیا کرتا  
جفا کشی نہیں ہی کام ناز پرور کا

حلقہ ہوتی وہ زلفت کماں کو چھپا رکھا  
اس مہ سے دل کی لگائے ہی متصل ہی  
گڑوا دیا ہو مار کر اک دو کو تو کہوں  
ملک میں لگا تھا اس نکلی شوخ کے گلے  
کا ہیکو آئے چوٹ کوئی دل پہ شیخ کے  
ہم سر ہی جاتے عشق میں اکثر سنا گئے  
آزارِ دل نہیں ہی کسو دین میں دست  
کیا میں ہی محو چشمکِ انجم ہوں خلق کو  
کیا زہرِ چشم یار کو کوئی بیاں کرے

طاق بلند پر اسے سب نے اٹھا رکھا  
گو چرخ نے بصورتِ ظاہر جدا رکھا  
کب ان نے خون کر نہ کسو کا دبا رکھا  
چھاتی کے میرے زخموں نے بریل بزار رکھا  
اس ملبوس نے اپنے تئیں تو بچا رکھا  
اس راہِ خوفناک میں کیوں تم نے پار رکھا  
کیا جانوں ان بتوں نے ستم کیوں روا رکھا  
اس مہ نے ایک جھمکی دکھا کہ لگا رکھا  
جس کی طرف نگاہ کی اس کو سلا رکھا

ہر چند شعرِ میر کا دل معقد تھا پر اس غزل کو ہم نے بھی سن کر لکھا تھا	
میں جوانی میں سے پرست رہا در میخانہ میں مرے سر پر سر پہ پتھر جنوں میں کب نہ پڑے ہاتھ کھینچا سو پسر ہو کر جب آنسو پی پی گیا جو برسوں میں جب کہو تب بلند کئے اُسے	گردن شیشہ ہی میں دست رہا حال محدود وار بہت رہا یہ سب ثابت شکست رہا تب گنہ کرنے کا نہ دست رہا دل درونی میں آبِ خست رہا قد خواب کا سر و بست رہا
میر کے ہوش کے ہیں ہم عاشق فصل گل جب تلک تھی مست رہا	
چمن بھی ترا عاشق زار تھا گئی نیند شیون سے بلب کی رات قد یار کے آگے سر و چمن یہی جنس دل کی گراں نہ تھی بہت روئے ہم شبنم و گل کو دیکھ مجھے اسی دل چاک کیا شانہ سا	گل سرخ اک زرد رخسار تھا کہیں دل ہمارا گرفتار تھا کھڑا دور جیسے گنہگار تھا وے جب تلک تو خریدار تھا کہ چپاں ہمیں بھی کہیں پیار تھا کسو زلف سے کچھ سروکار تھا
گیا میر بھاس سے کرو گے جو یاد کہو گے کہ مسکین عجب یار تھا	
دل گیا مفت اور دکھ پایا مر گیا تس پہ سنگسار کیا یہ شب ہجر سر کرے ہی پری	ہو کے عاشق بہت میں پچھتایا نخل ماتم مرا یہ پھل لایا ہو سفیدی کا جس جگہ سایا
صحن میں میرے اگل ہناب کیوں شاگوفہ تو کھلنے کا لایا	
چاک کر سینہ دل میں پھینک دیا غم کو جیتار کے خدا ہی بتاں	کھینچے ایذا ہمیشہ کس کی بلا مر گئے ہم تو کرتے کرتے وفا

دل سے اک داغ ہی جدا نہ ہوا	سب گئے ہوش و صہر و تاب تو اس
<p>اٹھ گیا میرا سر وہ جو بالیں سے پھر مری جان مجھ میں کچھ نہ رہا</p>	
<p>اب کے مجھے بہار سے آگے جنوں ہوا سنیو کہ ایسی چال پر اک آدھ جنوں ہوا سیلاب آیا، آگے چلا، کیا شکوں ہوا روح الامیں کا نام شکارِ رزبوں ہوا گلبرگِ سادہ ہونٹھ جو تھا نیلکوں ہوا اس رہ میں نقشِ پاسبی مرا رہنمویں ہوا</p>	<p>اندوہ و غم کے جوش سے دل کے خوں ہوا اچھا نہیں ہو رفتن رنگیں بھی اس قدر جی میں تھا خوب جا کے خرابے میں رہے نچر گاہِ عشق میں افراطِ صید سے ہوں داغِ نازی کہ کیا تھا خیالِ بوس میں دور ہوں اگرچہ برا ہوں خاک سے</p>
<p>میسر آن نے سرگشت سنی ساری ات گویا افسانہ عاشقی کا ہماری فسون ہوا</p>	
<p>پیرہ رہا ہر کون سا ہم سے حجاب کیا برے ہو آج صبح سے چشم پر آب کیا وہ پاس ان بیٹھے کسو کے حساب کیا دل ہو اگر بجا تو یہ ہے اضطراب کیا محشر کو ہم سوال کریں تو جواب کیا اب وہاں آگے پہ پھڑکے دھبے غدا کیا ہو اب تکلف آگے جلتے گا کباب کیا گرداب کیسا، موج کہاں ہو حجاب کیا ای عمر برق جلوہ گئی تو ثناب کیا</p>	<p>منہ پر اس آفتاب کے ہو یہ نقاب کیا ای ابر تر پہ گریہ ہمارا ہے دیدنی دم گنتے گنتے اپنی کوئی جان کیوں نہ دو سوار اس کے کوپے تلک جاتے ہیں چلے بس اب نہ منہ کھلاؤ ہمارا ڈھکے رہو دورخ سو عاشقوں کو تو دورخ نہیں ہا ہم جل کر ایک اکھ کی ڈھیری بھی ہو گئے ہستی ہو اپنے طور پہ جو بحرِ جوش میں دیکھا پلک اٹھا کے تو پایا نہ کچھ اثر</p>
<p>ہر چند میر بستی کے لوگوں سے اور نفور پرہائے آدمی ہو وہ خانہ خراب کیا</p>	
<p>کھب گئی جی میں تھی بانجی ادا ہائے سے چشمِ دلبر ال کی ادا سنے ہو میرے بدزبان کی ادا</p>	<p>ای نیکلے یہ تھی کہاں کی ادا جادو کرتے ہیں اک نگاہ کے بیچ بات کہنے میں گالیاں بے اثر</p>

دل چلے جاتے ہیں خرام کے ساتھ	دیکھی چلنے میں ان بتاں کی ادا
خاک میں مل کے میرؔ	بے ادائی تھی آسماں کی ادا
<p>رہا میں تو عزت کا اعزاز کرتا          نہ ہوتا میں حسرت میں محتاج گریہ          نہ ٹھہرا میرے پاس دل در نہ ابتک          جو جانوں کہ دربر ہو ایسا وہ دشمن          تو تمکین سے کچھ نہ بولا وگر نہ          گلو گیر ہی ہو گئی یادہ گوئی</p>	<p>چلا عشق خواری کو ممتاز کرتا          جو کچھ آنسوؤں کو پس انداز کرتا          اُسے ایسا ہی میں تو جاننا کرتا          تو کا ہے کو الفت میں ساز کرتا          مسیحا صنم ترک اعجاز کرتا          رہا میں خموشی کو آواز کرتا</p>
زیارت گہ کبک تو ہو بلا سے	ملک آسمیہ کی خاک پر گزرتا
عید آئندہ تک ہے گا گلا	ہو چکی عید تو گلے نہ ملا ڈوبا لو ہو میں دیکھنا سر خار حیف کوئی بھی آبلہ نہ چھلا
میں تو افسردہ ہر چمن میں پھرا	غنیچہ بول مرا کہیں نہ کھلا
<p>یہ چوٹ کھائی ایسی دل پر کہ جی کنوایا          مدت میں وہ ہوا شبِ اہم بستر آ کے میرا          الجھاؤ پڑ گیا سو سب کچھ نہ اپنی اس کی          آئینہ رو ہمارا آیا نہ نزع میں بھی          اس بے مروتی کو کیا کہتے ہیں بتاؤ          وہ روئے خوب اب کی ہرگز گیا نہ دل سے          خلطہ ہمارا اس کا حیرت ہی کی جگہ آؤ          طرزِ نگہ سے اُس کی ہیوش کیا ہوں میں ہی          آنکھیں کھلیں تو دیکھا جو کچھ نہ دیکھنا تھا          باقی نہیں رہا کچھ کھٹے ہی کھٹے اہم میں</p>	<p>یعنی جدائی کا ہم صدمہ بڑا اٹھایا          خوابیدہ طالعوں نے اک خواب سا دکھایا          جھگڑے رہے بہت گزریے بہت قصا یا          وقتِ اخیر اُن نے کیا خوب نہ چھپایا          ہم مائے بھی گئے پر وہ نقش پر نہ آیا          جب گل کھلا چمن میں تب داغ ہم نے کھایا          ڈھونڈا جہاں ہم اُس کو دھال آپ کو ہی پایا          ان مست آنکھوں نے بہتیروں کو سلا یا          خوابِ عدم سے ہم کو کھٹے کے تئیں جگا یا          بیماری دلی نے چنگا بہت بنایا</p>

تو نے کہ پاؤں سے دل باہر نہیں کھا ہو	اعتیارِ پن یہ کن نے تیرے حسیں سکھایا
کس دن ملائمت کی اس بے مہر سے	سختی کھینچے نہ کیونکر تھپ سے دل لگایا
سمندر کا میں کیوں احساں سہوں گا	مرے آنسو نہیں اُن پر ہوں گا
نہ تو آوے نہ جاوے بے قراری	یوں ہی اک دن سنا میں مر رہوں گا
ترے نعم کے ہیں غلام سب کھا غم	کئی کیا ہوگی جو اک میں نہ ہوں گا
اگر جیتا رہا میں میرا ہی یار	تو شب کو موبو قصہ کہوں گا
رکھتا تھا ہاتھ میں سرشت بہت سینے کا	رو گیا دیکھ رفو چاک مرے سینے کا
اسی طیش لو ہو پئے میرا تو جھوٹ کے	کس سے یہ قاعدہ سیکھا ہو پئے کا
اس میں حیران ہوں کس کس کا کھاتھ سے کر	بدگمانی کا تغافل کا ترے کینے کا
مہر کی نبض پہ رکھ ہاتھ لگا کئے طبیب	کج کی رات یہ بیمار نہیں جینے کا
عشق سے دل یہ تازہ داغ جبلا	اس سیہ خانہ میں چسرج جلا
مہر کی گرمی تم سے چسرج آو	کس سے ملتا ہے یہ داغ جبلا
روایت البار	
اندوہ سے ہوئی نہ رہائی تمام شب	مجھ دل زدہ کو نیند نہ آئی تمام شب
جب میں شروع قصہ کیا آنکھیں کھول دیں	یعنی تھی مجھ کو چشم نمائی تمام شب
پیشک چلی گئی تھی ستاروں کی صبح تک	کی آسمان نے دیدہ درائی تمام شب
بخت سیہ نے دیر میں کل یادری سے کی	تھی دشمنوں سے اُس کو لڑائی تمام شب
بیٹھے ہی گزری وعدے کی شب نہ پھرا	ایذا عجب طرح کی اٹھائی تمام شب
سناہٹ سے دل سے گزر جائیں سو کہاں	بلبل نے گو کی نالہ سرائی تمام شب
تارے سے میری ہلکوں پتھرے برشت کے	دیتے ہے ہیں مہر دکھائی تمام شب



داع ہوں جلتا ہوں دل بے طور اب زخم دل غائر ہو پہنچا تا جگر	دیکھئے کیا گل کھلے ہو اور اب تم لگے کرتے ہماری غور اب
شعر پڑھتے پھرتے ہیں سب میرے اس قلمرو میں ہواں کا دور اب	
وہ جو کشش تھی اس کی طرف سے کہاں اب اتنا بھی منہ چھپانا خط آئے پہ جب کیا پھول اس چمن کے دیکھتے کیا کیا جھڑے ہیں جن و ملک میں و فلک سب نکل گئے نکلی تھی اُس کی تیغ ہوئے خوش نصیب لوگ زردی رنگ ہو نیم پوشیدہ پر دیل پیش از دم سحر ہوا رونا لہو کا دھیس نالاں ہوئے کہ یاد ہمیں سب کو دے گئے	تیر و کہاں ہو ہاتھ میں سینہ نشاں ہو اب لڑکا نہیں ہو نام خدا تو جواں ہو اب سیل بہار آنکھوں سے میری رواں ہو اب بارِ گران و عشق و دل ناتواں ہو اب گردن جھکائے میں تو سنایہ اماں ہو اب دل میں جو کچھ ہو منہ سے الے عیاں ہو اب پھولے ہو جیسے ساجھ دی بیاں سماں ہو اب گلشن میں عندلیب ہماری زباں ہو اب
برسوں ہوئے گئے اُسے پر بھولتا نہیں یادش بخیر مہر رہے خوش جہاں ہو اب	
شبِ نیم سے کچھ نہیں ہو گل و پاسن میں اب لو سدھ شباب فاختہ گر یہ ناک کی سوزش بہت ہو دل میں تو آنسو کو پی نہ جا تھا گوش زد کہ گوروں میں لگ لگاتے ہو آگ جی ڈوب جائے دیکھیں جہاں بھر نظر ادھر لبشنگان عشق کے ہیں کام کے وہ لعل تب قیس جنگلوں کے تئیں آگ دے گیا سُن سوزِ دل کو میرے بہت رولی رات شمع	دیکھ اس کو بھر بھرا ہے سب کے دہن میں اب آیا نہیں ہو دیر سے جوئے چمن میں اب کرتا ہو کام آگ کا ایسی جلن میں اب یہاں دل بھرے ہوئے کے سبب ہو فلن میں اب تم کہتے ہو نہیں مرے چاہ و ذن میں اب کیا اب کو جو ہووے عقیق یمن میں اب ہم بھر چلے ہیں رونے سے اب سارے بن میں اب بیرون بزم لائے ہیں بھسکے رلکن میں اب
دیکھو تو کس روانی سے کہتے ہیں شعر میرے دُور سے ہزار چند ہواں کے سخن میں اب	
جیسا مزاج آگے تھا میرا سوکھ ہو اب	ہر روز دل کو سوز ہو ہر شب لب ہو اب

سُدا کچھ سنبھالتے ہی وہ مختصر در ہو گیا دُوری سے اس کی آہ عجب حال میں ہیں لوگ طاقت کہ جس سے تابِ جفا تھی سو ہو چکی دریا چلا ہو آج تو بوس و کنار کا جاں بخشیاں جو پیشتر از خط کیا کئے رنجش کی وجہ آگے تو ہوتی بھی تھی کوئی لے چاہ وہ اُسے ہو نہ مجھ کو ہو وہ دماغ	سہر آن بید ماعنی دہر دم غضب ہو اب کچھ تھی جو پاس نہ کرے تو عجب ہو اب ستھوڑی سی کوفت میں بھی بہت تعب ہو اب گر جی چلائے کوئی دوانا تو ڈھب ہو اب اُن ہی لبوں سے خلقِ خدا لب ہو اب رو پوش ہم سے پار جو بے سبب ہو اب جانا مرا ادھر کو بشرطِ طلب ہو اب
--	--

جاتا ہوں دن کو لے تو کتنا ہو دن کو میر  
جو شب کو جائے تو کہے ہو کہ شب ہو اب

عشاق کے تئیں ہو عجز و نیاز واجب یوں سرفرو نہ لائے ناداں کوئی و گرنہ ناسازی طبیعت ایسی پھر اُس کے اوپر لڑکا نہیں رہا تو جو کم تمیز ہو دے	ہو فرض عینِ رونا دل کا گداز واجب رہتا سجد میں ہو جیسے نماز واجب ہو ہر کسو سے مجھ کو ناپار ساز واجب عشق و ہوس میں اب ہو کچھ امتیاز واجب
--	---

صرفہ نہیں ہو مطلق جانِ عزیز کا بھی  
اے میر تجھ سے ظالم ہو احتراز واجب

تابوت پر بھی میرے نہ آیا وہ بے نقاب اس آفتابِ حسن کے جلوے کی کس کو تاب اس عمر برقِ جلوہ کی فرصت بہت ہو کم غفلت سے ہو غرور تجھے ورنہ ہو بھی کچھ اس موجِ خیز و ہرنے کس کے اُٹھائے ناز یہ بستیاں اُجڑے کہیں بستیاں بھی ہیں بیتا بیاں بھری ہیں مگر کوٹ کوٹ کر لٹک دل کے نسخے ہی کو کیا کر مطالعہ	میں اُٹھ گیا ولے نہ اُٹھا بیچ سے حجاب آنکھیں اُدھر کئے سے بھرتا ہو وہیں آب جو کام پیش آوے تجھے اس میں ہو شتاب یہاں وہ سماں ہو جیسے کہ دیکھے کوئی خواب کچھ بھی ہوا نہ خوب کلد گوشہ حباب دل ہو گیا خراب جہاں پھر رہا خراب خرقے میں جیسے برقِ ہماے ہو اضطراب اس درس گہ میں حرفِ ہمارا ہو اک کتاب
---	--

لہ نظری سے توبہ حسین چہ کردی کہ ہاکنی نظری ۔ بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

مجنوں نے ریگ باد سے دل کے غم گئے کاش اس کے روبرو نہ کریں مجھ کو حشر میں شاید کہ ہم کو بوسہ بہ پیغام دست نے ہو ان بھوؤں میں خال کا نقطہ دلیل فہم	ہم کیا کریں کہ غم ہیں ہائے توبہ حساب کتنے مرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب پھرتا ہو بیچ میں تو بہت سا غر شراب کی ہو سمجھ کے بیت کسوئے یہ انتخاب
--	--

گزرے ہو پتھر لڑتے دن رات آگ میں  
ہو سوز دل سے زندگی اپنی ہمیں عذاب

جو کہو تم سو ہو بجا صاحب سادہ ذہنی میں نیکنہ چیں تھے ہم نہ دیا رحم ٹک بٹوں کے تئیں بندگی ایک اپنی کیا کم ہو مہر افزا ہو منہ تمھارا ہی خط کے پھٹنے کا تم سے کیا شکوہ پھر گئیں آنکھیں تم نہ آن پھرے شوق رخ یاد لب انغم دیدار بھول جانا نہیں غلام کا خوب	ہم بڑے ہی سہی بھلا صاحب اب تو ہیں حرف آشنا صاحب کیا کیا ہائے یہ خدا صاحب اور کچھ تم سے کیے کیا صاحب کچھ غضب تو نہیں ہوا صاحب اپنے طالع کا یہ لکھا صاحب دیکھا تم کو بھی واہ وا صاحب جی میں کیا کیا مرے رہا صاحب یاد خاطر رہے مرا صاحب
---	--

کس نے سن شعر میری نہ کہا  
کیوں پھر ہائے کیا گما صاحب

عجب صحبت ہو کیونکر صبح اپنی شام کر لے اب ہزاروں خواہش مردہ نے سر دل سے نکالا ہو بلا آشوب تھا گو جان پر آغاز اُلفت میں بہت کی یا صغیر کوئی آئے مشہور کا فر ہم زباں خامہ کے ہلتے ہی ہزاروں اشک گئے ہیں کہاں تک کام ناکام اس جفا جو کے لئے مرے	جہاں ٹک آن بیٹھے ہم آرام کر لے اب قیامت جی پہ ہو دیدار کو ٹک عام کر لے اب ہوا سو تو ہوا اندیشہ انجام کر لے اب وظیفہ کوئی دن اپنا خدا کا نام کر لے اب حقیقت اپنے دل کی آہ کیا اقام کر لے اب اگر تلوار ہاتھ آئے تو اپنا کام کر لے اب
--	---

فسادِ شلخ در شلخ اس نہالِ حسن کے غم کا  
کہاں امی پتھر بے برگ و لہو اقام کر لے اب

برقع میں کیا پھپھیں دے ہو دیں جنھوں کی یہ تاب  
اُنکل ہمیں کو اُن نے آخر ہدف بنایا ہے  
کچھ قدر میں نہ جانی غفلت سے رنگاں کی  
اُن بن ہی کے سبب ہیں اس لالچی سے سائے  
اس بحرِ حسن کے تئیں دیکھا ہو آب میں کیسا  
اچرچ ہو یہ کہ مطلق کوئی نہیں ہو خواہاں  
سچی چشم یہ رُکے گا پلکوں سے گریہ لیکن  
تو بھی تو مختلط ہو سہرے ہیں ہم سے ساقی  
نکلی ہیں ابلی کلیاں اس رنگ سے چمن میں  
کیا لعل کہو کے اے میرِ چت چڑھے ہیں  
چہرے پہ تیرے ہر دم بہتا رہے ہو خوناب

### روایتِ التار

دیر کچھ کھینچتی تو کہتے بھی ملاقات کی بات  
گفتگو شاہِ دوسے سے ہی نہ غیبت نہ گلہ  
سُن کے آواز سب یار ہوئے ہم خاموش  
مُنہ ادھر اور سخن زیرِ لبی غیبر کے ساتھ  
اس لئے شیخ ہو چکا کہ پڑے شہر میں شور  
یہ کس آشفقت کی جمعیتِ دل تھی منظور  
گفتگو و صفوں سے اس ماہ کے کر لے اے میر  
کاہش افزا ہو کروں اُس کی اگر ذات کی بات

ہم تم سے چشم رکھتے تھے دلہ اریاں بہت  
دیکھیں تو کیا دکھائے یہ افراطِ اشتیاق  
جب تک لمبے جلے سے جھائیں تھیں اٹھ سکیں  
آزار میں تو عشق کے جاتا ہو بھول جی  
سو التفات کم ہو دل آزاریاں بہت  
لگتی ہیں تیری آنکھیں ہیں پیاریاں بہت  
کرنے لگے ہو اب تو ستم گاریاں بہت  
یوں تو ہوئیں تھیں یا ہیں بیماریاں بہت

شکوہ خراب ہونے کا کیا چاہنے میں میر  
ایسی تو ای عزیز ہیں یہاں خواریاں بہت

شور و شر سے میرے اک فتنہ رہا کرتا تھا رات  
سینہ چاکی اپنی میں بیٹھا کیسا کرتا تھا رات  
ہر گلی میں اک فقیر اس کو دعا کرتا تھا رات  
میں کہا کرتا غم دل وہ سنا کرتا تھا رات  
زرد رخ پر لالہ گول آنسو بہا کرتا تھا رات  
وہ سخن نشو و جوٹک میرا کہا کرتا تھا رات  
جوں چراغ و قف دل کاسب جلا کرتا تھا رات  
میں بھی ہر ہر بیت پر اس کے بکا کرتا تھا رات

یاد ایامی کہ ہنگامہ رہا کرتا تھا رات  
کام کیا تھا جیب دامن سے مجھے پیش از جنوں  
جن دنوں کھینچا تھا سر اس بادشاہ حسن نے  
اب جہاں کچھ بات چھڑی سوچ لایا پیش ازین  
ہجر میں کیا کیا سے دیکھے ہیں ان آنکھوں سے میں  
کیا کموں پھر کیسے کیسے دن دکھاتا سا لما  
دیکھنے والے ترے دیکھے میں بے در شک شمع  
بعد میرے اس غزل پر بھی بہت ویر کے لوگ

دیکھ خالی جا کہیں گے برسوں اہل روزگار  
میر اکشر دل کا قصہ یہاں کہا کرتا تھا رات

گویا وفا ہو عہد میں اس کے کبھو کی بات  
گر سبز بھی ہوا ہوں تو جیسے کسو کی بات  
کہنے جہاں کہوں یہ تو ہے روہی کی بات  
گلزار میں چلی تھی کہیں اس کے روہی کی بات  
کیا اعتبار رکھتی ہے اس پوچ گو کی بات  
چل بھی پڑی ہو بات تو اس تند خو کی بات

کیا پوچھتے ہو آہ مرے جگ جو کی بات  
اس بانع میں نہ آئی نظر خسرو مری  
آئینہ پانی پانی رہا اس کے سامنے  
سر گل نے پھر جھکا کر اٹھایا نہ شرم سے  
حرم میں مہ کے کہنے سے واعظ کے ہفتور  
ہم سوختوں میں آتش سرکش کا ذکر کیا

کیا کوئی زلف یار سے حرف و سخن کرے  
رکھتی ہے میر طول بہت اس کے مو کی بات

پر منہ پہ آہی جاتی ہے بے اختیار بات  
آپس میں یوں تو ہوتی ہے یار و ہزار بات  
اس تھوڑے سن و سال میں یہ پیچیدہ بات  
پاؤں کی سائے شہر میں جب اشتہار بات  
گلاب آدمی کی جنس کرے ہے پکار بات

سنتا نہیں اگرچہ ہمارا نگار بات  
بلبل کے بولنے سے ہے کیوں بے دماغ گل  
منہ تک ہو جو ہو وہ فریبندہ حرم زن  
بوسہ چپکے لب کا کہ تب کچھ نہیں مزا  
ہر کس کی صوت انکرا صوت واعظ

شہری سے کر سکے ہو کہیں بھی گنوار بات جھک جھک کے جیسے کرتے ہیں دوچار یار بات کرتی جو خوشچاکاں مرے لب سے گزار بات کچھ رفتہ رفتہ پاہی رہے گی قرار بات	اُہو کو اُس کی چشم سخن گو سے مت ملا یوں بارِ گل سے ابھی اچکے ہیں نہالِ بانغ آزردہ دل کو حرف پہ لانے کا لطف کیسا مرجاں کوئی کے ہو کوئی ان لبوں کو لعل
---	---

یوں چپکے چپکے میسر تلف ہو گا کب تلک  
کچھ ہووے بھر کر اس سے بھی کر ایک یار بات

پیر ہم سے تو تھی نہ کبھو منہ پر آئی بات تس بھلی تو چھپی نہیں رہتی بنائی بات رفتار کی جو تیری صبا نے چلائی بات وہ آگیا تو سامنے اُس کے نہ آئی بات وہاں تو نے کچھ کہا کہ ادھر ہم لپائی بات پوشیدہ کب رہی کسی کی اڑائی بات کچھ روسیہ رقیب نے شاپد لگائی بات یہ شور ہو کہ دیتی نہیں کچھ سنائی بات سو مجھ سے ہی سخن نہیں میں جو بتائی بات جاتی نہیں ہو مجھ سے کسی اٹھائی بات	ہوتی ہو گرچہ کہنے سے یار و پرانی بات جانے نہ تجھ کو جو یہ تصنع تو اُس سے کر لگ کر تدرورہ گئے دیوارِ بانغ سے کہتے تھے اُس سے لیے تو کیا کیا نہ کیے لیک اب تو ہوئے ہیں ہم بھی ترے ڈھب آشنا بلبل کے بولنے میں سب انداز ہیں مرے بھر کا تھارات دیکھ کے وہ شعلہ خوب مجھے عالم سیاہ خانہ ہو کس کا کہ روز و شب اک دن کہا تھا یہ کہ خموشی میں ہر دستار اب مجھ ضعیف و زار کو مست کچھ کہل کر د
--	--

خط لکھتے لکھتے میسر نے دفتر کے رواں  
افراطِ اشتیاق نے آخر بڑھائی بات

سر بھی اس کا کھپ گیا آخر کو جہاں افسر سمیت رکھیں گے مجھ تلخ کامِ غم کو چشمِ تر سمیت بیٹھ جائے گا یہ ماتمِ خانہ بامِ دور سمیت گر پڑا بیخود ہو و اعظِ جمعہ کو منبر سمیت عرش کو سر پر اٹھالیوں گے ہم تختِ سمیت وہ کمر کوئی میں بھر لی ہم نے کل خنجر سمیت خاک میں ملتا ہوا بتک اپنے مال و زر سمیت	ہو زبان زد جو سکندر ہو چکا لشکر سمیت چشمے آبِ شور کے نکلا کریں گے وہاں جہاں ہم اُٹھے روئے تولی گردوں نے پھر راہِ گریز مستی میں شرم گنہ سے میں جو رو یا ڈاڑھ مار بعث اپنا خاک سے ہو گا جو اس شورش کے ساتھ کب تلک یوں لو ہو پیتی ہاتھ اٹھا کر جان سے گنجِ قاروں کا سا پھان کس کے کئے تھا سو تو تیر
---	--

کہتے تھے کہ یہ کہتے وہ کہتے جو یا اگنا سب کہنے کی باتیں میں کچھ بھی نہ کہا جاتا ۱۱

کوفت گزے ہو فراق پار میں جی پر بہت  
جیسے رہ پڑتا ہو دشمن کا کہیں لشکر بہت  
عشق تیرا کام ہو تو ہو بغل پر در بہت  
مدعی پُرچاک سے اس کی پڑ گیا ہو در بہت  
ان گئی کوچوں میں ہم نے کھائے ہیں پتھر بہت  
اگر تو نے دیکھی ہو غلطی گوہر بہت  
رہ گئے ہیں مجھ سے کوئے پار میں مگر بہت  
اب عنایت پار کی رہتی ہو کچھ ایدھر بہت

دیکھے کب ہو وصال اب تو لگے ہو در بہت  
دل کی ویسی ہے خرابی کثرت اندوہ سے  
ہنہشیں جا بیٹھ محنت کش کوئی دل چاہئے  
بس نہیں مجھ نا تو اس کا ہائے جو کچھ کر سکوں  
سخت کر جی کیونکہ یکبارگی کریں ہم ترک شہر  
دیکھ روئے زرد پر بھی میرے آنسو کی دھلک  
ہمنفس کیا مجھ کو تو رویا کرے ہو روز و شب  
کم مجھی سے بولنا کم آنکھ مجھ پر کھولنا

کیا سبب ہو اب یہاں پر جو کوئی پاتا نہیں  
مستہ صاحب آگے تو رہتے تھے اپنے گھر بہت

جلے کو اور تو آنا جلا مت  
ہمارا آہ تم کا ٹو گلا مت  
نہ وہ اب ریلے صاحب لا مت  
نہ چاہت کی چھپی ہم سے لا مت

علامت گر نہ مجھ کو کر علامت  
گلے مل عید قرباں کو سمجھوں کے  
تری نا آشنائی کے ہیں بندے  
بہت بولنے نے رسوا کر دکھایا

کھو تلوار وہ مینے ہو اسی میر  
لڑی قسمت تو سر کو تک علامت

### ردیف جیم فارسی

صبح کی باد نے کیا چھونک دیا کان کے بیچ  
اک خلافت آیا نہ ہست دو مسلمان کے بیچ  
وہ تفت دس کج ہو حضرت انسان کے بیچ  
ہو نہ اک طرح کی نسبت سگ در بان کے بیچ  
ویسی ہی ان کی بھی ہوگی سر دیوان کے بیچ  
پکڑی ابھی ہو مری اب تو بیابان کے بیچ  
رہنے پڑ جائیں گے واعظ ترے ایمان کے بیچ

اک سا تو جو ہوا اسی گل تر آن کے بیچ  
ہم نہ کہتے تھے کہیں زلف کہیں رخ نہ دکھا  
باوجود ملکیت نہ ملک میں پایا  
پاسباں سے ترے کیا دور جو ہماز رقیب  
جیسی عزت مہ دیوان کی امیروں میں ہوئی  
ساتھ ہی اس سرعیاں کی یہ وحشت کرنا  
ہے پھر پلکیں اگر کھب گئیں جی میں تو وہیں

کہا کہوں غولی خطا دیکھ ہوئی بسند آواز  
گھر میں آئینہ کے کب تک تھیں نازاں دیکھوں  
سسر گویا کہ دیا اُن نے مجھے پان کے پنج  
کبھو تو آؤ مرے دیدہ حیران کے پنج

میر زانی کا کب ای میر جلا عشق میں کام  
کچھ لقب کھینچنے کو تاب تو ہو جان کے پنج

عشق میں ای طلیب ہاں ٹک سوچ  
بے تامل ادائے کیں مست کر  
سرسری مست جہاں سے جا غافل  
پھیل اتنا پڑا ہو کیوں بھیاں تو  
ہونٹھ اپنا ہلانہ سمجھے بن  
گل درنگ و بہار پردے ہیں  
پائے جاں درمیاں ہو بھیاں ٹک سوچ  
قتل میں میسر مہرباں ٹک سوچ  
پانوں تیسرا پڑے جہاں ٹک سوچ  
یار اگلے گئے کہاں ٹک سوچ  
یعنی جب کھولے تو زباں ٹک سوچ  
ہر عیاں میں ہو وہ نہاں ٹک سوچ

فائدہ سسر جھکے کا شیب میں میر  
پیری سے آگے ای جواں ٹک سوچ

دل کھو گیا ہوں میں نہیں دیوانہ پن کے پنج  
کیا جانے دل میں چاؤ تھے کیا کیا دم و سال  
کنتاں سے جا کے مصر میں یوسف ہوا عزیز  
شن ای جنوں کہ مجھ میں نہیں کچھ سولے دم  
سسر ہنر مند ہی میں نہیں کچھ پیر یختہ  
ستھرائی اور ناز کی گلبرگ کی درست  
بلبل خموش دلالہ دگل دونوں سُرخ و زرد  
کل ہم بھی سیر باغ میں تھے ساتھ یاد کے  
یا ساتھ غیر کے ہو تھیں ویسی بات چیت  
یا پاس میرے لگتی ای چپ ایسی آن کر  
تم بھی تو دیکھو زلفِ شکن و شکن کے پنج  
مہجور اس کا تھا ہمہ حسرت کفن کے پنج  
غرت کسوی ہوتی نہیں ہو وطن کے پنج  
تار ایک رہ گیا ہو یہی پیر ہن کے پنج  
ہو دھوم میسر شرعی سائے دھن کے پنج  
پرو لسی بو کہاں جو ہو اس بدن کے پنج  
شمشاد محو بیکلی اک لستن کے پنج  
دیکھا تو اور رنگ ہو سائے چمن کے پنج  
سو سو طرح کے لطف ہیں اک اک سخن کے پنج  
گویا زباں نہیں ہو تھاسے دہن کے پنج

قرارد و قیس و میر  
یوں ہی گئے ہیں سب کی رہی من کی من کے پنج

جھوٹ ہر چند نہیں یار کی گفتار کے پنج  
دیر لیکن ہو قیامت ابھی دیدار کے پنج



خونے بچنے کو چلے آتے ہیں بازار کے بیچ  
جان ہو ورنہ کب اس کے گسو پیار کے بیچ  
بال جو اور گھر سے لگے دستار کے بیچ  
زندگی کی نہیں امید اس بازار کے بیچ  
جنس یہ بکیتی نہیں آپ کی سرکار کے بیچ  
میں نے موتی سے پروستے ہیں ہر خار کے بیچ  
خوبی عاشق کی نہیں عشق کے انہار کے بیچ

کس کی خوبی کے طلبگار ہیں عزت طلباں  
خضر و عیسیٰ کے تئیں نام کو جیتا سن لو  
اگلے کیا بیچ تمھارے نہ تھے بس عاشق کو  
عشق ہو جس کو ترا اس سے تو رکھ دل کو جمع  
ہم بھی اب ترک وفا ہی کریں گے کیا کرے  
دیدنی دشت جنوں ہو کہ پھپھولے پا کے  
پروہ اٹھتا ہو تو پھر جان پر آنتی ہو

اس زمیں میں غزل اک اور بھی موزوں کر میر  
باتے ہیں زور ہی لذت تری گفتار کے بیچ

جی لئے اُن نے ہزاروں کیوں پیار کے بیچ  
اور رہ جائے تری ایک ہی تلوار کے بیچ  
جی ہی دینا پڑے ہو عشق کے اقرار کے بیچ  
یہی ہنکار سی ہو مرنے گفتار کے بیچ  
حیث میں اپنی نکالی ہو اسی ہار کے بیچ  
لطف نکلے ہیں ہزاروں تری رفتار کے بیچ  
موسم رفتہ بھی پھر آپ ہو گلزار کے بیچ  
کن لے گاڑی ہیں نگاہیں تے رخسار کے بیچ  
یہ جگر داری تھی کس خود کے سزاوار کے بیچ  
والے تسبیح کے ہیں رشتہ زنا کے بیچ

آتی ہو خون کی بو دوستی یار کے بیچ  
حیف وہ کشتہ کہ سو رنج سے کف تجھ تک  
گرچہ چھپتی نہیں ہو چاہ پہرہ منکر پاک  
نالہ شب آئے قفس سے تو گل لباس پہ نہ جسا  
انس کرتا تو ہو وہ مجھ کو خرد بانستہ جان  
چال کیا کبک کی اک بات چلی آتی ہے  
تو جو جاتا ہو چین میں تو تماشے کے لئے  
دایع چپک نہ اس افراط سے تھے کھڑے پر  
گھٹے شمشیر زنی سے کف نازک میں ہیں  
تو بہ صد بار کہ مستی میں پرو ڈالے ہیں

حلقہ کیسے خوباں پہ نہ کر چشم کو دا  
میر امرت نہیں ہوتا دہن بار کے بیچ

## روایت عالی حلی

ہر گام پر تلف ہوئے آب رواں کی طرح  
چھٹی لگے ہو سب کو مرے بد زباں کی طرح

آنے کی اپنے کیا کہیں اس گلستاں کی طرح  
کیا میں ہی چھڑ چھڑ کے کھاتا ہوں گالیاں

اب تازہ یہ نکالی ہو تم نے کہاں کی طرح  
سیکھی ہو عندلیب نے ہم سے فغاں کی طرح  
کچھ اور ہو گئے جو کسوختہ جاں کی طرح  
نکتے ہیں ساری عیش میں ہر ہنس کاں کی طرح  
میری غزل پڑھی تھی شاید فضا خواں کی طرح  
ملتی تھی سرو باغ میں کچھ اس جواں کی طرح  
ڈالی جن میں ہم نے اگر آشیاں کی طرح

آگے تو بے طرح نہ کبھو کہتے تھے ہمیں  
یہ شور دل خراش کب اٹھتا تھا باغ میں  
کرتے تو ہوسم پہ نہیں رہنے کے حواس  
نقشہ آہی دل کا مرے کون لے گیا  
مرغ چمن نے زور رلایا سبھوں کے تئیں  
لگ کر گلے سے اُس کے بہت میں بکا کیا  
جو کچھ نہیں تو بجلی سے ہی بھول پڑ گیا

یہ باتیں رنگ رنگ ہماری ہیں ورنہ میسر  
آجاتی ہو کلی میں کبھو اس رہاں کی طرح

بھرنہ آویں کیونکہ آنکھیں میری پانے کی طرح  
اُس کی آمد میں ہو ساری گھل گل آنے کی طرح  
سیکھ لی تاروں نے اُس کی آنکھ جھکانے کی طرح  
کوئی تو بتلاؤ اُس کے دام میں لانے کی طرح  
اس سحر میں کتنی ہو اس میرے دیوانے کی طرح  
عشق نے مدت بیکھاں ڈالی ہو در اسے کی طرح  
ہو دل صد چاک میں بھی نہ سب شانے کی طرح  
دیدنی ہو درد مندوں کی بھی مرجانے کی طرح  
ڈھونڈ کر اک کارٹھے اب اس کے بھی پانے کی طرح  
ایسے دیوانے کو سمجھاتے ہیں سمجھانے کی طرح

دور گردوں سے ہوئی کچھ اور میخانے کی طرح  
آسکتا ہو کبھو ہنستا تو ہو بارغ وہسار  
چشمکبا بخم میں اتنی دل کشی آگے نہ تھی  
ہم گرفتاروں سے وحشت ہی کرے ہو وہ غزال  
ایک دن دیکھا جو اُن نے بید کو تو کہہ اٹھا  
آج کچھ شہر وفا کی کیا خرابی ہو نہی  
بیچ سا کچھ ہو کہ زلف و خط سے ایسا ہو بناؤ  
کس طرح جی سے گزر جاتے ہیں آنکھیں موند کر  
ہو اگر ذوق وصال اس کا تو جی کھو بیٹھے  
یوں بھی سر چڑھتا ہو ای صاحب کوئی مجھ سے کہ ہے

جان کا صدمہ نہیں ہو کچھ تجھے کڑھنے میں میسر  
غم کوئی کھاتا ہو میری جان غم کھانے کی طرح

## رولین خاں معجم

یہ تیرے دونوں لبوں کا بھی کیا ہی رنگ ہے شوخ

اگرچہ لعل بدخشاں میں رنگٹا ہنگا ہو شوخ

لے مولا حالی کی نصیحت بڑی طرح ناصح : اور اک پس ملا دیا پس میں

کبھو تو نیو چلا کر ستم کھنچیں کب تک سکھائیں کن لے تھے آہ ایسی اچلیاں بغیر بادہ تو یوں گرم آکے کب ملت جگر میں کس کے ترے ہاتھ سے نہیں سوراخ صنم فراق میں میں تیرے کچھ تو کر رہت خیال چاہ کے سر رشتے کا تجھے کب ہو ابھی تو آنے میں عرصہ ہے کچھ قیامت کے	کماں کے طور سے تو سخت خانہ جنگ ہو شوخ کہ برق پر تری شوخی سے کام تنگ ہو شوخ نشہ ہو زور تجھے اُس کی یہ ترنگ ہو شوخ ملک تنگ تو ترا زخمی خدنگ ہو شوخ پہ کیا کروں کہ مرا ہاتھ زیر سنگ ہو شوخ ترے تو ہاتھ میں شام و سحر تنگ ہو شوخ قد بلند کو کھینچ اپنے کیسا درنگ ہو شوخ
--	---

برآز مہیتر سے کس طرح تیری صحبت ہو  
تجھے تو نام سے اُس خستہ جاں کی تنگ ہو شوخ

## روایت دال

رہے بغیر تیرے ای رشک ماہ تا چند اب دیکھنے میں پیائے ٹک تو بڑھاعت خط سے جو ہو گرفتہ وہ مہ نہیں نکلتا عمر سبز ساری منت ہی کرتے گزری یہاں ناز و سرکشی سے کیا دیکھتا نہیں ہو جب مہ ادھر سے نکلا جانا وہ گھر سے نکلا	آنکھوں میں یوں ہمارے عالم سیاہ تا چند کو تاہ تر پلک سے ایدھر نگاہ تا چند مانند چشم اختر ہم دیکھیں راہ تا چند بے جرم آہ رہے یوں عذر خواہ تا چند بچ اس چمن میں ٹھہری گل کی کلاہ تا چند رکھتا ہے داغ دیکھیں یہ اشتباہ تا چند
--	--

ایذا بھی کھنچ چکے گر جو ہفتے عشرے کی ہو  
اس طرح مرتے رہے ای مہیتر آہ تا چند

تجھ بن ای نو بہار کے مانند پہنچی شاید جگر تک آتش عشق کو دماغ اُس کی رہ سے اٹھنے کا کوئی نکلے کلی تو لالہ کی سرو کو دیکھ محش کیا ہم نے ہار کر شب گئے پڑے اُس کے	چاک ہو دل انار کے مانند اشک ہیں سب شرار کے مانند بیٹھے اب ہم غبار کے مانند اس دل داغ دار کے مانند تھا چمن میں وہ یار کے مانند ہم بھی بھولوں کے ہار کے مانند
---	--

برق تڑپی بہت دے نہ ہوئی  
اُن نے پھینچی تھی صید گہ میں تیغ  
س دل بے تسرار کے مانند  
ق برق ابر بہار کے مانند  
ہم بھی دُبلے شکار کے مانند  
تو بھی مجھ دل نگار کے مانند  
زخم کھا بیٹھو جگر پرست

اُس کی سرتیز ہر پلک ہر پیر  
نہجسہ آبدار کے مانند

آواز ہماری سے نہ رک ہم ہیں وصال یاد  
ہر آن وہ انداز ہو جس میں کہ کہے جی  
کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری  
کیفیتیں عطار کے لوندے میں بہت تھیں  
کیا جاے کسی بوس لب یار کی لذت  
جی بھول گیا دیکھ کے چہرہ وہ کتابی  
سب غلطی رہی بازی طفلانہ کی یکسو  
کہنے تو گئے بھول کے ہم دیر کا رستہ  
اُس کی بہت ہم بھی فقیروں کی صدا یاد  
اُس مختصر عروج کو کیا کیا ہوا یاد  
اپنی بھی وفا یاد ہو اُس کی بھی جفا یاد  
اس نسخے کی کوئی نہ رہی حیف دوا یاد  
جب تک جنیں گے ہم کو رہے گادہ مزا یاد  
ہم عصر کے علامہ تھے پر کچھ نہ رہا یاد  
وہ یاد فراموش تھے ہم کو نہ کیا یاد  
اُٹا تھا دے راہ میں ہر گام خدا یاد

اک لطف کے شرمندہ نہیں یہ ہم اس سے  
گو بھیاں سے گئے اُن نے بہت ہم کو کیا یاد

سیر کر کے نہ لی تو نے تو خبر صیاد  
پھر میں گے لوندے تھیں چمن میں بادے ساتھ  
رہے گی ایسی ہی گزری ہوں اس سال  
چمن کی یاد کی آتے خبر نہ اتنی رہی  
شکستہ بالی کو چاہے تو ہم سے ضامن کے  
ہوانہ وا در گلزار اپنے ڈھب سے کھو  
سنا ہی بھڑکی ہوا کچی بہت ہی آتش گل  
اُڑا کے مرے پر کالہ جگر صیاد  
موتے گئے بھی شربتِ بال و پر صیاد  
تو دیکھو کہ رہے ہم تفس میں مر صیاد  
کہ میں کدھڑ ہوں کدھڑ تفس کدھڑ صیاد  
شکار موسم گل میں ہمیں نہ کر صیاد  
کھلا سو منہ پہ ہمارے تفس کدھڑ صیاد  
چمن میں اپنے بھی ہیں خار خوش گھر صیاد

اُس عطار کے لوندے سے دوا لیتے ہیں

۱۲ موتے گئے یعنی مرے اور چلے جاتے پر بھی

۱۳ مہم کیا سادہ ہیں بیمار ہو جس کے سبب

۱۴ گو بھیاں سے گئے یعنی بھیاں سے چلے جاتے پر

گلی بہت رہیں چاکِ نفسِ تم کھیں لیک	پڑا نہ ایسی کوئی پھول گلِ نظرِ صیاد
اسیرِ سحرِ غامی نہ ہوتے اگر زباں رہتی	ہوئی ہماری یہ خوشِ خوالی سحرِ صیاد
لڑکے پھر آئے ڈر گئے شاید سب پریشانِ دلی میں شبِ گزری کچھ خبر ہوئی تو نہ ہوتے خبر ہیں مکانِ دسرا و جا خالی آنکھ آئینہ رو چمپاتے ہیں لوہو آنکھوں میں اب نہیں آتا اب کہیں جنگلوں میں ملتے نہیں بیگلی بھی نفس میں ہی دشوار	بگڑے مجھے چھ سنور گئے شاید بالِ اُس کے بکھر گئے شاید صوفیاں بے خبر گئے شاید یار سب کوچ کر گئے شاید دل کو لے کر مکر گئے شاید زخمِ ابل کے بھر گئے شاید حضرتِ خضر مر گئے شاید کام سے بال و پر گئے شاید
شورِ بازار سے نہیں اُٹھتا	راستہ کو میسر گھر گئے شاید
بہی تھی کچھ اک اُس سے مدتِ بعد جسِ دلی کے حالات میں کیا کہوں موا کو کہن بے ستوں کھود کر لگا آگ پانی کو دوڑے ہو تو کے کو ہمارے کب اُن نے سنا سخن کی نہ تکلیف ہم سے کرو	سو پھر بگڑی پہلی ہی صحبت کے بعد قیامت تھی ایک ایک ساعت کے بعد یہ راحت ہوئی ایسی محبت کے بعد یہ گرمی تری اس شرارت کے بعد کوئی بات مانی سو منت کے بعد لوٹیکے ہو اب شکایت کے بعد
نظرِ میر نے کیسی حسرت کی	بہت روئے ہم اُس کی خصلت کے بعد
روایتِ سائےِ حلالہ	
رفقار میں یہ شوخیِ رحمِ ای جواںِ زیں پر	لاتا ہوا تازہ آفت تو ہر زماںِ زیں پر
لے لائے گل و گلچیں کا گلہ بلبلِ خوشِ لہجہ نہ کرو تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث	

آنکھیں لگی رہیں گی بڑوں وہیں سبھوں کی  
میں مشتِ خاک یارب بارِ گرانِ غم تھا  
آنکھیں ہیں بچھ رہی ہیں لوگوں کی تیری امیں  
خاک سیہ سے یکساں ہر ایک ہو گئے تو  
چشمے کہیں ہیں جو شانِ جوئی کہیں ہیں جاری  
آئانہ تھا فروسہ جن کا کل آسماں سے  
جو کوئی بچھاں سے گزرا کیا آپ نے نہ گزرا  
پھر بھی اٹھالی سر پر تم نے زمین سب آکر  
کچھ بھی مناسبت ہے یہاں عجز وہاں تکبر  
پست و بلند یہاں کا ہے اور ہی طرف سے  
قصرِ جہاں تو ہم نے دیکھا نہیں جو کہئے  
یہاں خاک سے انھوں کی لوگوں نے گھر بنائے

کیا سر جھکا سہ ہو تیرا اس غزل کو سن کر  
بارے نظر کرو دکھ ای مہرباں نہیں پر

کیا کیا نہ ہم نے کھینچے آزار تیری خاطر  
غیروں کی بے داغی بیتابی چھاتی داغی  
کیا جانئے کہ ہے تو کیا جنس بیش قیمت  
اکبار تو نے اگر خاطر نہ رکھی میسری  
میں کیا کہ آہ کا فربہ دس کے اکابروں نے  
گودیل دھسک ہی جائے آنکھیں ابل ہی دیں  
ایک آن تیری ابرو ایدھر جھکی نہ پائی  
کیا چیز ہے تو بیائے مفلس ہیں دلغ تیرے

مجھ سے دو چار ہونا پھر آہ بن نہ آیا  
دی جان میری نے ناچار تیری خاطر

ای صبا گر شہر کے لوگوں میں ہو تیرا گزار  
کیوہم صحرا نوردوں کا تمامی حال گزار

خاکِ دہلی سے جدا ہم کو کیا یکبارگی  
منصبِ بلبل غزلخوانی تھا سو تو ہو اسیر  
طاؤرِ خوش زمزمہ کنجِ قفس میں ہی خموش چنان  
برگِ گل سے بھی کیا نہ ایک تلک ہم کو یاد  
بے خلش کیونکر نہ ہو گرم سخن گلزار میں  
بلبلِ خوش لہجہ کے جانے پہ گو غوغائیاں  
طاؤرانِ خوش لب لہجہ نہیں رہتے چھپے  
شہر کے کیا ایک دو کوچوں میں تھی شہرت رہی  
کیا کہوں سوئے چمن ہوتا جو میں سرگرم گشت  
شورِ سن سن کر غزل خوانی کا میرے ہر صنفیر  
خوشنوائی کا جنھیں دعویٰ تھا رہا تے تموش  
بعضوں کو رشکِ قبولِ خاطر و لطف سخن  
ایک کے ہونٹھوں کے اوپر آفریں اُستاد تھا  
رابط کا دعویٰ تھا جن کو کہتے تھے مخلص ہیں ہم  
نقل کرتے کیا یہ صحبت منعقد جب ہوتی بزم  
بندگی ہو خدمتِ عالی میں ہم کو دیر سے  
سو نہ خطِ ان کا نہ کوئی پرچہ پہنچا مجھے تلک  
رفتہ رفتہ ہو گئیں آنکھیں مری دونوں سفید  
کھٹے گرد و حرتِ لطفِ آمیز بعد از چند روز  
سو تو یک نہ نوشتہ کاغذ بھی نہ آیا میرے پاس  
خط کتابت سے یہ کہتے تھے نہ بھولیں گے تجھے  
جب گیا میں یاد سے تب کس کا گھر کا ہے کا پاس  
اب بیا بیاں دیاں ہوں مرا شور و فغاں  
ہو مثلِ مشہور یہ عمرِ سفسہ کو تاہ ہو  
اک پر افشانی میں بھی ہو یہ وطنِ گلزار سا

آسماں کو تھی کدورت سو نکالایوں غبار  
شاعری زارغ و زرخن کا کیوں ہوئے ایشمار  
چھپے چڑیاں کریں ہیں صحنِ گلشن میں ہزار  
نابرہ و پیغامِ پیمائش بے مراتب در کنار  
میں قفس میں ہوں کہ میر تھادوں میں خار خار  
طرحِ غوغا کی چمن میں ڈالیں پر کیا اعتبار  
شور سے ان کے بھرے ہیں قریب و شہر و دیار  
شہروں شہروں ملکوں ملکوں کی انھوں کا اشتہار  
پھول گل جب کھلنے لگتے خوش زین ہوتی ہمار  
غنجہ ہوا آتے ہو ہوتا آبِ رنگِ شاخسار  
جن کو میں کرتا محاطِ بطن کو ہوتا افتخار  
بعضوں کا سینہ فگار و بعضوں کا دل داغ دار  
ایک کہتے تھے رفیعِ دل ہو اپنا استوار  
جاتے ہیں ذاتِ سامی ہی کو ہم سب خاکسار  
بیٹھ کر کہتے تھے منہ پر میرے بعضے بعضے یار  
کر رہی ہو جان اپنی ہم نے حضرت پر تیار  
واہ واہی رابطہ رحمت ہو یہ اخلاق و پیار  
بسکہ نامے کا کیا یاروں کے میں نے انتظار  
تو بھی ہوتا اس دل بیتاب و طاقت کو قرار  
اُن ہم آوازوں سے جن کا میں کیا ربطِ آشکار  
آویں گے گھر بار کی تیرے جس کو بار بار  
آفریں صد آفریں ای مردمانِ روزگار  
گو چمن میں خوش کی تم نے میری جائے نالہ زار  
طالعِ برگشتہ بھی کرتے ہیں اب ابداد کا  
سامعوں کی چھاتیاں نالوں سے ہوئیں گی فگار

<p>ممنہ پر آویں گے سخن آلودہ خونِ جگر لب لے کر تاسخی ہیں نوچ کال شکوے بھرے چپ بھلی گو تلخ کامی کھینچی اس میں پڑے آج سے کچھ بے حسابی جو رکن مردم نہیں بس قلم رکھ ہاتھ سے جانے بھی ہے یہ حرفِ تیر</p>	<p>کیونکہ یارانِ زماں سے چاک ہو دلِ جہاں تار لیک ہو اظہارِ ہر ناکس سے اپنا تنگے عار بیتِ سجشی طبعِ نازک پر ہو اپنی ناگوار اُن سے اہلِ دل سدا کھینچے ہیں رنجِ بیشمار کاہ کے چاہے نہیں کسار ہوتے بیوقار</p>
---	---

کام کے جو لوگ صاحبِ فن ہیں سو محمود ہیں  
بے تہی کرتے رہیں گے حاسدانِ نابکار

<p>آغشتہ خونِ دل سے سخن تھے زبان پر کچھ ہو رہے گا عشقِ وہوس میں بھی امتیاز یہ دلبری کے فنِ فریب اتنی عمر میں محتاج کر خدا نہ نکالے کہ جوں ہلال دیکھا نہ ہم نے چھوٹ میں یا قوت کی کھجو کیا رہروانِ راہِ محبت ہیں طرفہ لوگ پہنچانہ اس کی داد کو مجلس میں کوئی رات یہ چشمِ شوق طرفہ جگہ ہو دکھاؤ کی بزاز کے کو دیکھ کے خرقہ بہت پھٹے</p>	<p>رکھے نہ تم نے کان ٹک اس داستان پر آیا ہو اب میزاجِ ترا امتحان پر جھنجھلا ہٹا بٹو آف ہو اس کے سیان پر تشہیر کون شہر میں ہو پارہ نان پر تھا جو سماں لبوں کے ترے رنگِ پان پر انغاض کرتے جاتے ہیں جی کے زیاں پر مارا بہت پتنگ نے سرِ شمع دان پر ٹھہرو بقدر یکِ ثرہ تم اس مکان پر بیٹھا وہ اس قماش سے اگر دکان پر</p>
---	---

موزوں کرو کچھ اور بھی شاید کہ مہیتِ جی  
رہجائے کوئی بات کسو کی زبان پر

<p>کیا کیا نہ لوگ کھیلے جاتے ہیں جان پر کچھ ان دنوں اشارہ ابرو ہیں سبز تیز تھوڑے میں دور کھینچے ہو کیا آدمِ آپ کو کس پر تھے بید مانگ کہ ابرو بہت ہو خم کس رنگِ راہِ پائے نگاہیں سے نو چلا چرچا سا کر دیا ہو مرے شورِ عشق نے پلی پی کر اپنا لو ہو رہیں گو کہ اہم ضعیف</p>	<p>اطفالِ شہر لائے ہیں آفتِ جہان پر کیا تم نے پھر رکھی ہو یہ تلوار سان پر اس مشیتِ خاک کا ہو دماغِ آسمان پر کچھ زور سا پڑا ہو کہیں اس کمان پر ہونے لگے ہیں خونِ قدم کے نشان پر مذکور اب بھی ہو یہ ہر اک کی زبان پر جوں ریختی نہیں ہو انھوں کے تو کان پر</p>
--	---



<p>یہ وہم ہے کہ اور کا ہو میرے تئیں خیال کیفیتیں ہزار ہیں اُس کام جاں کے پیچ</p>	<p>تو مار ڈالیو نہ مجھے اِس گمان پر دیتے ہیں لوگ جان تو ایک ایک آن پر</p>
<p>دامن میں آج میسر کے دامن شراب ہو تھا اعتماد ہم کو بہت اس جوان پر</p>	
<p>مست آنکھ ہمیں دیکھ کے یوں مار دیا کر آئینے کی مشور پریشاں نظری ہو سو بار کہا غیر سے صحبت نہیں اچھی کیوں آنکھوں میں سرے کا تو دنبالہ لکھے ہو</p>	<p>غمرے ہیں بلا ان کو نہ سزا کر دیا کر تو سادہ ہی ایسوں کو نہ دیدار دیا کر اس جہت کو مجلس میں نہ تو بار دیا کر مست ہاتھ میں ان ستوں کے تلوار دیا کر</p>
<p>کچھ خوب نہیں اتنا ستانا بھی کسو کا ہو میسر فقیر اس کو نہ آزار دیا کر</p>	
<p>طاقت نہیں ہو جان میں کڑھنا تعب اور ہر چیز چپ ہوں لیک مرا حال ہو عجب آنکھ اس کی اُس طرح سے نہیں پڑتی ٹاک ادھر کیا کیسے حال دل کا جدائی کی رات میں دل لے چکے دکھا کے رُخ خوب کو تبھی اس دل لگے کے روگ کو نسبت مرفوع کیا طور اگلے تیرے ملتے نہیں اس طرح سے ٹک کیا بات تیری اے ہم عیاری و فریب</p>	<p>بے لطفیاں کرو ہو یہ پس پر غصہ ہے اور احوال پر سی تو نہ کرے تو عجب ہے اور اب خوب نکھتے ہیں تو چتون کا ڈھب ہے اور گزری ہو کب کہانی کے سے یہ شرب ہے اور اب سُنہ چھپا جو بیٹھے یہ حسن طلب ہے اور اپنا یہ جلتے رہنا ہے کچھ اور تب ہے اور وہ اور کچھ تھا ہم سے تو پیار ہے اب ہے اور آنکھیں کہیں ہیں اور سخن زیر لب ہے اور</p>
<p>اسباب مرگ کے تو مہیا ہیں سائے میسر شاید کہ زندگانی کا اپنی سبب ہے اور</p>	
<p>آہمنشیں کسو کے مست عشق کی ہوس کر فرصت اس چمن کی کل روکے میں جو پوچھا ہم موم سے ناتواں تھے سو ہو چکے ہیں کب کے</p>	<p>جاتی ہیں یوں ہی ناداں جانیں ترس ترس کر چٹک کی ایک گل نے میری طرف کو ہنس کر نکلے ہو تم پیارے کس پر گمر کو کس کر</p>
<p>اے حیر نفی حیر دہوی سے کہا میں نے کتنا ہو گل کاشیات و کلی نے یسُن کر جستم کیا</p>	

<p>مت چھیڑا برمجھ کو یوں ہی برس برس کر اس دام میں موئے ہیں بہتیرے سپہ بھنس کر پگڑی میں بال اپنے نکلا جو وہ گھر سے کر ٹکڑے گلے کے اپنے ناحق نہ اچریں کر دیوارِ باغ کو تو ہارسے درِ قفس کر</p>	<p>جی رُک گیا کہیں تو پھر ہو گیا اندھیرا کیا ایک تنگ میں ہی ہوں اُس زلفِ شیریں سے اک جمع کے سرا پر روزِ سیاہ لایا اس قافلہ میں کوئی دل آشنا نہیں ہے عتیاد اگر اجازت گلشت کی نہیں تنگ</p>
<p>بے بس آؤ تھیں بھین رہتا نہیں دل اس کا تنگ تو بھی آؤ ستم جو جو رستم کو بس کر</p>	<p>آئی ہے اس کے کوچے سے ہو کر صبا کچھ اور اندبیر دوستوں کی تجھے نفع کیا کرے مستانِ عشق و اہلِ خرابات میں ہو فرق کیا نسبت اُس کے قامتِ دلکش سے سرو کو مانجا جو آری نے بہت آپ کو تو کیا اُس کی زیادہ کوئی سے دلِ داغ ہو گیا اس طور سے تمھارے تو مرتے نہیں ہیں ہم صورت پرست ہوتے نہیں معنی آشنا</p>
<p>کیا سر میں خاک ڈالتی ہے اب ہوا کچھ اور بیماری اور کچھ ہو کریں ہیں دوا کچھ اور میخوارگی کچھ اور ہے یہ نشہ تھا کچھ اور انداز اُس کا اور کچھ اس کی ادا کچھ اور خسار کے ہے سطح کے اس کے صفا کچھ اور شکوہ کیا جب اس سے تیراں ہے کیا کچھ اور اب دلسلے ہمارے نکالو بھنا کچھ اور ہو عشق سے تہوں کے مرا دعا کچھ اور</p>	<p>مہنے پہ جان دیتے ہیں وارفتگانِ عشق ہو تھیں راہِ درسم دیارِ وفا کچھ اور</p>
<p>جی لگ رہا ہے خار و خسِ آشیاں کی اور منہ کر کے بھی نہ سوئے کبھی جہاں کی اور</p>	<p>جھکی ہے جب سے برقِ سحر گلستاں کی اور وہ کیا یہ دل لگی ہے فنا میں کہ رفتگان</p>
<p>لے گھر سنا۔ گھنٹوں بولتے ہیں لیکن دہلی اور اکبر آباد میں اس کی بجائے اُرسا برائے ہملہ اور نیزہ رائے ثقلید اب تک بولتے ہیں۔ تہذیب کی زبان پر بھی اُرسا ہوگا۔ غالباً یہ تحریف گھنٹی کا تب کی ہو۔ نظیر اکبر آبادی کا یہ شعر اس کی سند ہو سکتا ہے۔</p>	
<p>پہنے پھر ہیں شوخ کڑے اور ہنسلیاں پھولوں کی پگڑیوں میں ہیں شاخیں اُرس لیاں</p>	<p>رہ ذکرِ عید گاہِ اکبر آباد (کلیاتِ نظیر شہباز) ایک اور جگہ بھی یہی لفظ اسی تہذیب کے ساتھ آچکا ہے۔ اسی</p>

رہ جاتے ہیں گے دیکھا گل اُس دہاں کی اور  
دیکھا نہ کر غضب سے کسوختہ جاں کی اور  
جئے چمن میں دیکھ ٹلک آب رواں کی اور  
لاوے اسی کو کھینچ کسو ناتواں کی اور  
رہتے ہیں کان سب کے اُسی بدزباں کی اور  
اب دیکھتا نہیں ہو کوئی اس مہکاں کی اور  
جاتا ہے اکثر اُپ غبار آسمان کی اور

رنگِ سخن تو دیکھ کہ حیرت سے باغ میں  
آنکھیں سی کھل ہی جائیں گی جو مر گیا کوئی  
کیا بے خبر ہے رفتن رنگین عمر سے  
یہاں تابِ سعی کس کو مگر جذبِ عشق کا  
یارب ہو کیا مزا سخن تلخ یار میں  
یا دل وہ دیدنی تھی جگہ یا کہ تجھ بغیر  
آیا کے تندرِ خاطر ہو زیرِ خاک

کیا حال ہو گیا ہے تیرے غم میں  
دیکھا گیا نہ ہم سے تو ٹلک اُس جواں کی اور

مگر اور تھے تب ہوئے ہوا ب اور  
تیرے دل ہو کچھ انداز کچھ  
طرح پان کھانے کی تھی کچھ جب اور  
تکلف نہیں اس میں تھے تیرے تب اور  
اٹھاویں گے تیرے ستم ہی کب اور

نئے طور سیکھے نکالے ڈھب اور  
ادا کچھ ہے انداز کچھ ناز کچھ  
لب سرخ کر ٹلک دکھاتے نہیں  
نہ گرمی نہ جوشش نہ اب وہ تپاک  
زمانہ مرا کیونکہ یکساں رہے

جدا اتفاقاً رہا ایک  
وگرنے ملے یوں تو اُس سے سب اور

تصدیق کھینچی ہم نے یہ کام اختیار کر  
پر دم بخود ہی رہتے ہیں ہم جی کو مار کر  
کافر کو بھی نہ اس سے الہی دوچار کر  
ای ترک صید پیش ہیں بھی شکار کر  
کس طرحی کو ہم نہ لگا بیٹھیں ہار کر  
بیٹھا تو روزِ حشر تائیں انتظار کر  
گل سب چلے ہیں رختِ سفر اپنا بار کر  
ہم اور ابیر آج اُٹھے ہیں قرار کر  
یہ پھول گل بھی زور رہے ہیں بہار کر

آخر دکھائی عشق نے چھاتی نگار کر  
اس باعثِ حیات سے کیا کیا ہیں ہم آہشیں  
ٹلک سامنے ہوا کہ نہ ایمان نہ دین و دل  
جاشوق پر نہ جاتن زار و تزار پر  
وہ سخت باز داؤ میں آتا نہیں ہے ہائے  
ہم آپ گئے تو گئے پرسانِ نقش  
کن آنکھوں دیکھیں رنگِ خزاں کے بلوغ سے  
چل تھل بھریں نہ جب تین دم تبتیں نہ لیں  
اک صبح میری چھاتی کے داغوں کو دیکھ تو

مرتے ہیں میرے سب پہ نہ اس سبکی کے ساتھ  
ماتم میں تیرے کوئی نہ رویا پکار کر

جنوں میں اب کی کام آئی نہ کچھ تدبیر بھی آخر  
اگر ساکت ہیں ہم حیرت سے پر ہیں دیکھنے قابل  
یہ کیا یک یوں نہیں ہوتے ہیں پیارے جان کے لاگو  
کلیچہ چین گیا پر جان سختی کش بدن میں ہر  
نہ دیکھی ایک شہد اپنے دل کی اس گلستاں میں  
سر و کار آہ کب تک مہمہ و کاغذ سے یوں بھٹے

پھرے ہو باؤلا سا پیچھے ان شہری غزالوں کے  
بیاباں مرگ ہو گا اس چلن سے میرے بھی آخر

رہ جاؤں چپ نہ کیونکہ براجی میں مان کر  
کتے ہیں چلتے وقت ملاقات ہو ضرور  
کیا لطف تھا کہ میکہ کی لپٹ بام پر  
آیا نہ چل کے یہاں تیں وہ باعث حیات  
ایسے ہی تیر دست ہوں نیری میں تو پھر  
پیرے مروئی کہ نگہ کا مضائقہ  
رنگین گور کرنی شہیدوں کی رسم ہو  
رکھتا تھا وقت قتل مرا امتیاز باے  
تم تیغ جو رچنے کے کیا سوچ میں گئے  
وے فن گئے کہ طاقت دل کا تھا اعتماد

اس گوہر مراد کو پایا نہ ہم نے میرے  
پایان کار مر گئے یوں خاک چھان کر

مجھ کو قفس میں سنبھل دریاں کی کیا خبر  
رہتا ہو ایک لہنہ انھیں جن کو ہر شناخت  
ملک پوچھتے جو آن نکلتا کوئی ادھر

کہہ اور سیم صبح گلستاں کی کیا خبر  
ہو زاہدوں کو مستی و فاس کی کیا خبر  
اب بعد مرگ قہن بایاں کی کیا خبر

بر باد جائے یہاں کوئی دولت تو کیا عجب	آئی جو تم کو ملک سلیمان کی کیا بسر
آیا ہو ایک شہر غریباں سے تازہ تو	میسر اُس جوان حال پریشاں کی کیا خبر
اب تنگ ہوں بہت میں مت اور دشمنی کر جب تک تنگاتے کچھ اتنا نہ جی رے کے تھا قہقہہ نہیں سنا کیا یوسف ہی کا جو تو نے ناسازی و خشونت جنگل ہی چاہتی ہو کچھ آج اشکِ خونیں میں نے نہیں چھپائے کس مردنی کو اُس بن بھاتی ہو زندگانی حرفِ غلط کو سن کر درپے نہ خوں کے ہونا دن رات کڑھتے کڑھتے میں بھی بہت کما ہوں رہتی ہو سو بھگتی رہتا نہیں ہے کوئی	لاگو ہو میرے جی کا اتنی ہی دوستی کر پچھتائے ہم نہایت سینے کے چاک ہی کر اب بھائیوں سے چندے تو گر گدہ آشتی کر شہروں میں ہم نہ دیکھا بالیدہ ہوتے کیشکر رہ رہ گیا ہوں برسوں لوہو کو اپنے پی کر بس جی چکا بہت میں اب کیا کروں گا جی کر جو کچھ کیا ہو میں نے پہلے اُس سے ہی کر جو بچھ سے ہو سکے سوا اب تو بھی مت کی کر تو بھی جو بھیاں رہے تو نہ نارست بدی کر
تھی جب تلک جوانی رنج و لقب اٹھائے	اب کیا ہو میسر جی میں ترکِ ستگری کر
<b>روایت نئے مجسم</b>	
اُس شوخ نے سنا نہیں نام صبا ہنوز عاشق کے اُس کو گر یہ خونیں کا درد کیا کیا جانے وہ کہ گزری ہو یاروں کے جی پر کیا برسوں میں نامہ برس مرا نام جو سنا گھگھیا تے رات کے شیئیں باچیں تو پھٹ گئیں کیا کیا کرے ہر جھتیں قاصد سے لیتے خط	غنجہ ہو وہ لگی نہیں اُس کو ہوا ہنوز اُس کو نہیں ہو آنکھ سے جس کی گرا ہنوز مطلق کسو سے اُس کا نہیں دل لگا ہنوز کہنے لگا کہ زندہ ہو وہ تنگ کیا ہنوز ناواقعت قبول ہو لیکن دُعا ہنوز حالانکہ وہ ہوا نہیں حرف آشنا ہنوز

۱۷ یہی، دراصل صحیح ہے۔ اس طرح کا استعمال اب درست نہیں۔ اسی قیاس پر سیح کی جگہ تسبی یا سجد کی جگہ مسیت

یا پلید کی جگہ پلید درست نہیں۔ وغیرہ۔ اسی

۱۸ یہ لکھتے ہیں مہل اکثر جگہ بولا جاتا ہے ۱۲

<p>سو بار ایک دم میں گیا ڈوب ڈوب جی خطے ہر بیوفائی حسن اس کے آئینہ سو عقدے فرط شوق سے پیش آئے دل کو بھیاں</p>	<p>پر جسیرِ غم کی پانی نہ کچھ انتہا ہنوز ہم سادگی سے رکھتے ہیں چشم وفا ہنوز وہاں بند اس قبا کے نہیں ہوتے وا ہنوز</p>
<p>یہاں میسر ہم پہنچ ہی گئے مرگ کے قریب وہاں دلبروں کو ہی وہی قصد جفا ہنوز</p>	
<p>ہر میرے لوہور نے کا آثار سا ہنوز کب تک بھینچے گی صبح قیامت کی شام کو مدت ہوئی کہ خون جگر میں نہیں ولے سایہ سا لگیا تھا نظر اس کا ایک دن بروں سے گل چین میں نکلتے ہیں رنگ رنگ دیکھا تھا خانہ باغ میں پھرتے لے کہیں</p>	<p>کوچہ کوئی کوئی ہو چین زار سا ہنوز عرصے میں میں کھڑا ہوں گنہگار سا ہنوز جاتا ہو آنسوؤں کا چلا تار سا ہنوز بسوت میں بھڑپاں پری دار سا ہنوز نکلا نہیں ہو ایک رنج یار سا ہنوز گل حیرتی ہو صورت دیوار سا ہنوز</p>
<p>مدت سے ترکِ عشق کیا میتھے دلے زار و زبوں و زرد ہو بیمار سا ہنوز</p>	
<p>کب تک بھلا بتاؤ گے یوں صبح شام روز وہ سرکشی سے گو متوجہ نہ ہو ادھر کہ رنج بھینچے کو گئے کہ ہلاک کو منظور بندگی نہیں میری تو کیا کروں</p>	<p>آؤ کہیں کہ رہتی ہیں رفتہ تمام روز ہم عاجزانہ کرتے ہیں اس کو سلام روز پہنچے ہو ہم کو اس ستیا اک پیام روز حاضر ہو اپنی اُور سے یوں تو غلام روز</p>
<p>بروں ہوئے کہ رات کو ٹک بیٹھتے نہیں رہتے ہیں تم کو میسر جی کیا ایسے کام روز</p>	
<h2 style="text-align: center;">رولیت سین</h2>	
<p>گئے جس دم سے ہم اُس تندو پاس قیامت ہو نہ اسی سلائیہ جان رُلا یا ہم نے پیروں رات اس کو کہیں اک دور کی سی کچھ تھی نسبت</p>	<p>رہے غنچہ ستم ہی کے گلو پاس نہ ہوئے وقت مر نیکی بھی تو پاس کہا یہ قصہ غم جس کو پاس رکھا تھا آئینے کو اُس کے رو پاس</p>

<p>تھے ہم جب نہ تب دیکھیں عدو پاس نہ کچھ میرا کیا تو نے کبھو پاس</p>	<p>دل و چشم مروت کیوں نہ خوں ہو یہی گالی یہی جھڑکی یہی چھیڑ</p>
<p>چل اب اسی میسر بس اس سر قد بن بہت رویا چمن کے آب جو پاس</p>	
<p>اوجھی ٹانگ آن کھڑا ہو جو گنہگار کے پاس پوچھنے ورنہ بھی آتے ہیں بیمار کے پاس بیٹھے بھی تو بیٹھا مردم ہشیار کے پاس گئے جو ایک و افسون ہوں دہار کے پاس یہ جو اک خال بڑا ہے رخسار کے پاس یہ بلا نکلی نئی زلف شکنار کے پاس یوں ہی مرے گا قفس کی کبھو دیوار کے پاس ٹانگ کبھو بیٹھو کسو طالب دیدار کے پاس تریت پانی ہی تم نے کسو عیار کے پاس خط نمودار ہے یوں لعل شکر بار کے پاس یوں تو تسبیح بھی ہم رکھتے ہیں زنار کے پاس ابھی تسبیح دھری تھی تری دستار کے پاس اتنی مدت میں نہ پہنچا کوئی خطیار کے پاس</p>	<p>جب بٹھا دیں مجھے جلا دجھا کار کے پاس درد مندوں سے تمہیں دور پھرا کرتے ہو کچھ چشم مست اپنی سے صحبت نہ رکھا کرتی خندہ و چشمک حرف و سخن زیر لبی وانع ہونا نظر آتا ہو دلوں کا احسار خط نمودار ہوئے اور بھی دل ٹوٹ گئے در گلزار پہ جانے کے نصیب اپنے کہاں کیا رکھا کرتے ہو آئینے سے صحبت ہر دم دل کو یوں لیتے ہو کھٹکا نہیں ہونے پاتا مورچہ جیسے لگے تنگ شکر کو اگر جس طرح کفر بندھا ہے گلے اسلام کہاں ہم نہ کہتے تھے نہ مل میچوں سے اسی زاہد مار سائی بھی نوشتے کی مرے دور کھنچی</p>
<p>اختلاط ایک تمہیں میسر ہی غم کش سے نہیں جب تب یوں تو نظر آتے ہو دو چار کے پاس</p>	
<p>رہتی ہو اسی ہی دھری خود نما کے پاس ہو آہنیں جگر سو کرے بے وفائے پاس زنہار یہ کھڑے نہیں ہوتے دوا کے پاس ہوتی گلابی ایسے کسو میزرا کے پاس آتا نہیں ہو جا کے کوئی پھر خدا کے پاس بیگانے ہی سے ہم ہے اس آشنا کے پاس</p>	<p>عزت نہیں ہو دل کی کچھ اس دگر با کے پاس پہروں شبوں کو غم میں ترے جاتے ہے راہ و روش رکھیں ہیں جدا درد مند عشق گیا جانے قدر غنچہ دل باغباں پر جو دیر سے حرم کو گئے سو دہیں موعے کیا جانے کہ کہتے ہیں کس کو یگانگی</p>

	میسر اس دل گرفتہ کے بھان تو ملی نہ داد عقدہ یہ لیک جاؤں گا مشک کشا کے پاس	
یا اب پھٹک نہیں ہو کبیراُن کے آس پاس ہم تو کیا ہو عشق میں دور از قیاس پاس مایہ نہیں ہو کچھ فلک بے سپاس پاس رکھتا ہو کون آتش سوز زندہ گھاس پاس بیچیں گے اب یہ جنس کو دل شناس پاس ہشیار رہ یہ عاریتی ہو لباس پاس		رہتے تھے ہم وے اٹھ پہر یا تو پاس پاس نالوگ بدگماں نہ ہوں آئے نہ اس کی اور گر ہی پڑے جو دیکھے ہو تنکا بھی گر کہیں شیخ ان لبوں کے بوسے کو اس ایش سے بھمک تم نے تو قدر کی ہو متاعِ وفا کی خوب آلودہ کر نہ مستی سے جامہ کو جسم کے
	دستی ہو میسر ربط ہو اُس سے خلافِ عقل بیٹھے سو جا کے کیا کوئی ایسے اداس پاس	

## رولیت شین

رہتی ایک آدھ دن بہار اسی کاش اس پہ دا ہوتیں ایک بار اسی کاش رکھتے میرے بھی نعم شمار اسی کاش اس پہ کی ہوتی میں شمار اسی کاش شعر ہوتا ترا شعار اسی کاش نہ بناویں مری مزار اسی کاش اس سے ہوتے نہ ہم دو چار اسی کاش ملتی بھان جلے گور دار اسی کاش چل پڑے بات پیش یار اسی کاش	کل کو ہوتا صبا قرار اسی کاش یہ جو دو آنکھ مند گئیں میری کن نے اپنی مصیبتیں نہ گئیں جان آخر تو جانے والی تھی اس میں راہ سخن نکلتی تھی خاک کٹ بھی وہ تو دیوے کا برباد شش جہت اب تو تنگ ہو ہم پر مرتے بھی تو ترے ہی کوچے میں ان لبوں کی کلی سے دل ہو بھرا
--	--

لے یہ شعر ایک قلبی نسخے میں اس طرح لکھا ہوا ملتا ہے

مرتے بھی تو ترے ہی کوچے میں | وہیں کرتے مری مزار اسی کاش

اور مزار واسے قافیہ کا دوسرا شعر قدیم قلبی نسخے میں نہیں ملتا۔ آئی



<p>بے اہل میسر اب پڑا مرنا عشق کرتے نہ اختیار اس کا شش</p>	
<p>ایک جان و صد تمنا یک دل ہزار خواہش مدت سے ہو ہمیں بھی سیر بہار خواہش رکھتی ہو ہم کو اتنا بے اختیار خواہش کیا کیا رکھیں ہیں اس کے امیدوار خواہش رکھتا ہو یار ہی کی سارا دیار خواہش شیوہ ہی تہمت افن و شعار خواہش دریا کو ہو یہ کس کا بوس و کنار خواہش عاشق کی ایک پائے کیونکر قرار خواہش انکار کرتے کب تک یوں بار بار خواہش</p>	<p>کیا کہنے کیا رکھیں ہیں ہم تجھ سے یار خواہش لے ہاتھ میں قفس ٹمک صیاد چل چمن تک لے کچھ گندہ ہو دل کا سننے جرم جہنم اس میں حالانکہ عمر ساری مایوس گزری تیں پر غیرت دوستی کی کس سے ہو جے دشمن ہم ہر روز کیونکر خالی ہوں آرزو سے اٹھتی ہو موج ہر اک آغوش ہی کی صورت صد رنگ جلوہ گر ہو ہر جا وہ غیرت گل لیکبار بر نہ آئی اس سے امید دل کی</p>
<p>کرتے ہیں سب تمنا پر میسر جی نہ اتنی رکھنے کی مار تم کو پایاں کار خواہش</p>	
<p>کیا جانے کہ کیا ہو یارو خدا کی خواہش رکھتے ہیں یار جی میں اس کی جفا کی خواہش پھر پوچھتے ہو ہنسکر مجھ لے تو کی خواہش کیا کر یہ بھان نہیں ہو جنس وفا کی خواہش رہتی ہو اس مرض میں بیکر غذا کی خواہش کرتا ہو کوئی ظالم ایسی بلا کی خواہش</p>	<p>مطلق نہیں ادھر ہو اس دلربا کی خواہش دیکھیں تو تیغ اس کی اب کس کے سر چڑھے ہو لعل خموش اپنے دیکھو ہو آرسی میں کیا اقلیم حسن سے ہم دل پھیلے چلے ہیں خون جگر ہی کھانا آغاز عشق میں ہو وہ شوخ دشمن جاں ای دل تو اس کا خواہاں</p>
<p>میرے بھی حق میں کر ٹمک ہاتھوں کو میسر اونچا رکھتا ہو اہل دل سے ہر اک دعا کی خواہش</p>	
<p>خوبی رہا کرے ہو مری جان کیا ہمیش مجھ پاس تو مندی ہی کلی سا رہا ہمیش آپس میں ورنہ رحم تھی مہر وفا ہمیش تھوڑی بہت چلی ہی گئی ہو دوا ہمیش</p>	<p>ہم پر روا جو رکھتے ہو جو روجفا ہمیش کس اعتبار دل کے تئیں گل کہیں ہر لوگ کچھ عہد میں ہمارے محبت ہوئی ہو تنگ فرصت مرض سے دل کے ہیں کب ہوئی تنگ</p>

اب عید جی بغیر ملے اُس کے ہی دہا رہتا تھا جو ہمارے گلے ہی لگا ہمیش  
ہم تو جو رفتنی ہیں ملے ہی رہیں تو خوب رہتا نہیں ہی کوئی بغیر از خدا ہمیش

واقف نہیں ہوں میرے تو پر تمام شب  
کرتا ہی شور آن کر اک بے نوا ہمیش

## رولف طائے مہملہ

عشق کی رہ نہ چل خبر ہی شرط  
دعوتِ عشق یوں نہیں صادق  
خامی جاتی ہی کوئی گھر بیٹھے  
قصہ حج ہی تو شیخ کو لے چل  
قلب یعنی کہ دل عجب زر ہی  
حق کے دینے کو چاہئے ہی کیسا  
اول گام ترک سر ہی شرط  
زردی رنگ و چشم تر ہی شرط  
پنختہ کاری کے تئیں سفر ہی شرط  
کعبہ جانے کو یہ بھی خر ہی شرط  
اُس کی نقادی کو نظر ہی شرط  
یہاں نہ اسباب نے ہنر ہی شرط

دل کا دینا ہی سہل کیا ہی میر  
عاشقی کرنے کو جگر ہی شرط

کرتے نہیں ہیں اُس سے نیا کچھ ہم اختلاط  
ٹمک گرم میں یوں تو مجھی سے ملے خنک  
ایسا نہ ہو کہ شیخ دغا دیوے ہمنشیں  
بیگانگی مجھی سے چلی جاتی ہی خصوص  
ہوتا تھا گلے لوگوں میں بھی باہم اختلاط  
اوروں سے تو وہی ہی اُسے ہر دم اختلاط  
ابلیس سے کرے ہی کوئی آدم اختلاط  
رکھتا ہی یوں تو یار سے اک عالم اختلاط

کس طور اتفاق پڑی صحبت اُس سے دیر  
ہی میر بے دماغ قیامت کم اختلاط

## رولف عین

تیرے ہوتے شام کو گر زم میں آجائے شمع  
ہو خجل ایسی کہ منہ اپنا نہ پھر دکھلائے شمع

لے سقویٰ تہ تابہ دکان خانہ درگروی کج ہرگز ای خام آدمی نشوی

گر ہی یہاں کا ہو ڈھب تو حیف مجلسِ دے شمع سرکٹانے کو گلی میں جمع ہیں رگ ہاے شمع کھا چلا ہو جیسے اک ہی داغ ستر پایا ہے شمع	کیا جلے جاتے ہیں تجھ سے سب سے دیکھتے کس کے تئیں ہوتا ہو قطعِ زندگانی کا یہ شوق کچھ نہیں مجھ میں درون کی جلن سے اس طرح
داغ ہو کر جان دی ان نے تھکے واسطے مشتِ خاکِ مہیر پر سو تم نہ لیکر آئے شمع	
یعنی اُس آتش کے پرکالے سے شرابی ہو شمع جوشِ نعم سے آپ ہی اپنے تئیں کھاتی ہو شمع زنگ رو کو بزم میں ہر چند جھمکاتی ہو شمع اس بھبھوکے سے جو گھٹتی ہو سو بھجھکتی ہو شمع	اُس کے ہوتے بزم میں فالوس میں کی ہو شمع ہر زماں جاتی ہو گھٹتی سامنے تیرے کھڑی بیٹھے اُس رہ کے کسو کو دیکھتا ہو کب کوئی باد سے جنبش میں کچھ رہتی نہیں ہو متصل
چھوڑتی ہو لطف کیا افسردگی خاطر کی مہیر آگے اس کے چہرہ روشن کے بچھ جاتی ہو شمع	
کڑھئے کب تک نہ ہو بلا سے نفع ہو رہیگا بس اب خدا سے نفع ڈھونڈو تم یار و آشنا سے نفع پہنچے ہو تیرے دستِ پیا سے نفع	عشق میں کچھ نہیں دوا سے نفع کب تلک ان بتوں سے چشم ہے میں تو غیر از ضرر نہ دیکھا کچھ مفتنم جاں کر کسو کے تئیں
اب فقیروں سے کہہ حقیقتِ دل مہیر شاید کہ ہو دعا سے نفع	
<b>رولیفِ غین</b>	
باقی نہیں ہو چھاتی میں اپنی تو جاے داغ اس عشقِ خانہ سوز نے کیا کیا دکھائے داغ ہم اُس گلی میں جب گئے تیرے واس سے لائے داغ بہتیرے ایسے چھاتی پہ ہم نے جلاے داغ سو بار اُس کے کرتے سے مجھے دھلاے داغ مقدور تک تو چھاتی کے ہم نے چھپاے داغ	اب اس کے نعم سے جو کوئی چاہے سو کھائے داغ چشم و دل و دماغ و جگر سب کو رو رہے جی جل گیا تقربِ انعبار دیکھ کر کیا لالہ ایک داغ پہ پھولے ہو باغ میں کیا شیخ کے درع میں تردد ہی ہم نے آپ آخر کو روے کار سے پردہ اٹھے گا کیا

دل کی گرہ میں غنچہ لالہ کے رنگ میسر  
سوزِ دروں سے کچھ نہیں ہو اب سوائے داغ

## ردیف قار

جاتا ہو صید آپسے اس دام کی طرف  
کرتا ہو کون عاشق بدنام کی طرف  
مدت ہوئی کہ چھوٹی ہو آرام کی طرف  
رہتی ہو چشمِ ماہ ترے بام کی طرف  
وے دیکھتے نہیں سحرِ شام کی طرف  
ٹک دیکھ شیخِ موحی کے بھرے جام کی طرف  
لیکن نظر نہیں ہو تجھے کام کی طرف  
میلان طبع کب ہو کسو خام کی طرف

میلانِ دل ہو زلفِ سیہ فام کی طرف  
دل اپنا عدلِ دادِ محشر سے جمع ہو  
اس پہلوئے فگار کو بستر سے کام کیا  
یک شب نظر پڑا تھا کہیں تو سوابِ مدام  
آنکھیں جنھوں کی زلفِ درخِ یار سے لگیں  
جوں چشمِ یارِ بزم میں اگلا پڑے ہو آج  
خارا شکافِ وسینہ خراشِ ایک سے نہیں  
دل پاک ہے ہیں جن کے انھیں سے ہیں ہو شوق

دیکھی ہو جب سے اُس بتِ کافر کی شکل میسر  
جاتا نہیں ہو جی تنکِ اسلام کی طرف

## ردیف قاف

اک جھکی میں کہاں پھر صبر و قرارِ عاشق  
تو بھی تو ایک شب ہو شمعِ مزارِ عاشق  
جوں موج ہو لبالب تجھ سے کنارِ عاشق  
گر چاہنے میں ہوتا کچھ اختیارِ عاشق  
بشکل کہ جی سے جاوے پھر خارِ عاشق  
گزنے ہو کس طرح سے لیل و نہارِ عاشق  
دل بستھے تو رہے بھی کچھ اعتبارِ عاشق  
جاتا دکھائی دیوے رنج و خارِ عاشق  
دنیا سے ہو نرالا کچھ کار و بارِ عاشق

ایرِ رشکِ برق تجھ سے مشکل ہو کارِ عاشق  
خاکِ سیہ سے یکساں تیرے لئے ہوا ہوں  
ای بھر حسن ہوئے یہ آگِ سرد ٹک تب  
دل خواہ کوئی دلبر ملتا تو دل کو دیتے  
پلکوں کی اُس کی کاوشِ ہر دم جب ایسی ہوئے  
کیا جانے محو ہو اپنے ہی رد و مو کا  
خواری کا اپنی موجب ہو اضطرابِ ہر دم  
ہنکھوں تلے سے سر کی وہ چشمِ مست ٹک تو  
کیا بوجھ بھاری سے میں ناکام کاٹتا ہوں

اس پردے میں غم دل کتا ہو میرا  
کیا شعر و شاعری ہو یارو شعار عاشق

جان کا روگ ہو بلا ہو عشق  
سائے عالم میں بھر رہا ہو عشق  
یعنی اپنا ہی مبتلا ہو عشق  
کہیں بندہ کہیں خدا ہو عشق  
کسو صورت میں ہو بھلا ہو عشق  
مدعی ہو یہ مدعا ہو عشق  
جس کسی کو کہیں لہوا ہو عشق  
تو کے جنس ناروا ہو عشق

کیا کہوں تم سے میں کہ کیا ہو عشق  
عشق ہی عشق ہو جہاں دیکھو  
عشق معشوق عشق عاشق ہو  
عشق ہو طرہ و طور عشق کے تین  
گر پرستش خدا کی ثابت کی  
دلکش ایسا کہاں ہو دشمن جاں  
ہو ہمارے بھی طور کا عاشق  
کوئی خواہاں نہیں محبت کا

میر جی زرد ہوتے جاتے ہو  
کیا کہیں تم نے بھی کیا ہو عشق

## روایت کا ف (تازی)

جاتی نہیں ہو اشک کے رنار کی ڈھلک  
لٹے پھریں ہیں خاک میں کس کیلئے فلک  
ہم ناتوان عشق تمھارے کہاں تنک  
ٹک مل گئی تھی آگے مرے وہ پھری پلک

دیکھی تھی تیرے کان کے موتی کی اک جھپک  
یار اک اشتیاق نکلتا ہو چسپال سے  
طاقت ہو جس کے دل میں وہ دو چار دن ہے  
برسوں ہوئے کہ جان سے جاتی نہیں خلش

آئی نہ ہاتھ میر کی سیت پر کل نساں  
تا بوقت پر تھی اس کے نیٹ کثرت ملک

پاس جاتا ہوں تو کتا ہو کہ بیٹھو دور ملک  
اس فسانے کے تئیں ہونے تو دو مشہور ملک  
دیکھو تم بھیاں کا خدا کے واسطے دستور ملک  
عشق کرنے کو کسو کے چاہئے مقدور ملک  
حوصلے سے بات کرتا کا شے منصور ملک

عزت اپنی اب نہیں ہو یار کو منظور ملک  
حال میرا شہر میں کتے رہیں گے لوگ دیر  
پشت پامائے ہیں شاہی پر گدائے کوئے عشق  
چاہئے کا مجھ سے بے قدرت کا کیا ہو اعتبار  
حق تو سب کچھ تھا ہی ناحق جان دی کس واسطے

اس روایت کا ف غزل دوم کا مطلع دیکھئے

مُنکرِ حسنِ بتاں کیونکر نہ ہوئے شیخِ میسر  
حقِ ہر اُس کی اُردہ آنکھوں سے ہو معذور تلک

پھر کہیں کیا دل لگایا میسر جو ہو زرد رو  
منہ پر آیا تھا ترے دو چار دن سے نور تلک

حال آنکہ کام پہنچ گیا کب کا جاں تلک  
اس رشتکِ مہ کے دل میں نہ مطلق کیا اثر  
جو آرزو کی اُس سے سو دل میں ہی خوں ہوئی  
کھینچا کئے وہ دور بہت آپ کو سدا  
بلبلِ قفس میں اس لبِ دلچہ پہ یہ فغاں  
پچھتائے اٹھ کے گھر سے کہ جوں نو دمیڈ پر  
آئی نہیں ہو تو بھی شکایتِ زباں تلک  
ہر چنڈ پہنچی میری دُعا آسماں تلک  
نومید یوں بسر کرے کوئی کہاں تلک  
ہمسائے ہم موائے آئے نہ یہاں تلک  
آواز ایک ہو رہی ہو گلستاں تلک  
جانا بنا نہ آپ کو پھر آشتیاں تلک

ہم صحبتی یار کو ہو اعتبارِ شرط  
اپنی پہنچ تو میسر نہیں پاساں تلک

ہم بے کسوں کا کون ہو ہجرِ ال میں غمِ شریک  
دمِ رُک کے دو ہیں کہیو اگر مر نہ جائے وہ  
خوں ہوتے ہوتے ہو چکے آخر کہاں تلک  
دل تنگ ہو جئے تو نہ ملے کسو کے ساتھ  
تمنائی ایک ہو سو ہو اس کے تم شریک  
ہو میرے حال کا جو کوئی ایک دم شریک  
اب دل جگر کہیں نہیں ہیں تیرے ام شریک  
ہوتے ہیں ایسے وقت میں یہ لوگ کم شریک

شاید کہ سرِ لُشت میں مرنا ہو گھٹ کے میسر  
کاغذ نہ محرمِ غم دل سے قلمِ شریک

چلی ہو باغ کی صبا کیا خاک  
ہی خبار اس کے خط سے دل میں بہت  
ہم گرے اس کے در ہی پر مر کر  
خاک ہی میں ملائے رختے ہو  
سب موصِ ابتداءِ عشق ہی میں  
خاک پر ہی سدا جبینِ نیاز  
دل جلا کوئی ہو گیا کیا خاک  
باہم اب ہو یگی صفا کیا خاک  
اور کوئی کرے وفا کیا خاک  
ہو کوئی تم سے آشنا کیا خاک  
ہو دے معلوم انتہا کیا خاک  
اور کوئی ہو چہ سا کیا خاک

تربتِ میسر پر چلے تم دیر  
اتنی مدت میں دھماں رہا کیا خاک

اجکل سے کچھ نہ طوفاں زاہر چشم گرینہ ناک  
یوں نہ روو تو نہ روو ورنہ روو پیار سے  
دل سے آگے ٹمک قدم رکھو تو پھر بھی دلبرو  
بے گداز دل نہیں اسکان رونا اس قدر  
سو جتنا اپنا کرے کچھ ابر تو ہو مصلحت  
سہر ہو رونے سے میرے گوشہ گوشہ دشت کا

موجزن برسوں سے ہو دریا ہو چشم گرینہ ناک  
ہر قدم اس دشت میں پیدا ہو چشم گرینہ ناک  
سیر قابل دیدنی اک جا ہو چشم گرینہ ناک  
تہ کو پہنچو خوب تو پردا ہو چشم گرینہ ناک  
جوشِ نعم سے جیسے نابینا ہو چشم گرینہ ناک  
باعث آبادی صحرا ہو چشم گرینہ ناک

دے حناے پامری آنکھوں ہی میں پھرتی ہے میر  
یعنی ہر دم اُس کی زیرِ پا ہو چشم گرینہ ناک

سو غوچکاں گلہ ہیں بس مری زباں تک  
ملنے میں میرے گاہے ٹمک تن دیا نہ اُس نے  
ہر جید میں نے سر پر اس رہ کی خاک ڈالی  
ان ہڈیوں کا جلنا کوئی ہمارے پوچھو  
اُس کی گلی کے سگے کی ہو موافقت میں  
ابر بہار نے شبِ دل کو بہت حبلا یا  
اُس مہ کے گوش تک تو ہرگز نہیں پہنچی  
قیدِ قفس میں مرناب شوق کا ہو ملنے  
ہونا جہاں کا اپنی آنکھوں میں ہو نہ ہونا

جی زندہ گیا ہو ظالم اب رحم کر کہاں تک  
حاضر رہا ہوں میں تو اپنی طرف سے جاں تک  
لیکن نہ پہنچیں آنکھیں اس پاؤں کے نشان تک  
لاتا نہیں ہی منہ وہ اب میری استخاں تک  
اس راہ سے بھی پہنچیں شاید کہ پاساں تک  
تھا برق کا چمکنا خاشاکِ آشیاں تک  
گو آہ بے سرایت جاتی ہو آسماں تک  
پہنچیں گے مشقت پر بھی اگر یہ گلستاں تک  
آتا نظر نہیں کچھ جافے نظر جہاں تک

جاتی ہیں خط کے پیچھے جوں ہر آنکھیں میری  
اب کارِ شوق میرا پہنچا ہو میری جہاں تک

لیا چیرہ دستی سے گر میری سر تک  
مجھے نیند کیسی کہ مانندِ انجم  
اٹھا پاس بے اختیاری سے سب کا  
دلع اور دل ہیں سرا سیمہ دونوں  
بلا شور ہنگامہ ہو دل زدوں کا  
نہ دے ماریں جو کھٹ سے سر کو تو کیو

نہ پہنچا کبھو ہاتھ اُس کی کم تک  
کھلی رہتی ہیں میری آنکھیں سحر تک  
بکا بیٹھے کرتے ہیں دو دو پہر تک  
سر زخم شاید کہ پہنچا جلتی تک  
قیامت کہیں جائے ہو اُس گھر تک  
رسانی ہوا چاہئے اُس کے در تک

محبت میں جی سے گئے میت کو  
خبر گفتنی ہو یہ ہر بے خبر تک

## روایت کا ف فارسی

حالانکہ رفتنی ہیں سب اس کارواں کے لوگ  
مرنے پہ جی ہی دیتے ہیں اس خاندان کے لوگ  
انہیں جسم جاں کے سارے دوائے ہیں یہاں کے لوگ  
اب کیا رہا ہو اٹھ گئے سب اس مکان کے لوگ  
ہوتے ہیں فتنہ ساز یہی درمیاں کے لوگ  
کم آشنا ہیں طور سے اس کام جاں کے لوگ  
جو محرم روش ہیں کچھ اس بدگماں کے لوگ  
خوش اعتقاد کتنے ہیں ہندوستان کے لوگ  
کس درجہ سیر چشم ہیں کوئے بتاں کے لوگ  
یہ عشق پیشگاہ ہیں الٹی کہاں کے لوگ

غافل ہیں ایسے سوتے ہیں گویا جہاں کے لوگ  
مجنون و کوہ کن نہ تلف عشق میں ہوئے  
کیونکر کہیں کہ شہر وفا میں جنوں نہیں  
برونق تھی دل میں جب تیں لستے تھے دلہاں  
لوہم میں اور آپ میں مت دے کسی کو دخل  
مرتے ہیں اس کے واسطے یوں تو بہت وے  
پتے کو اس جن کے نہیں دیکھتے ہیں گرم  
بہت چیز کیا کہ جن کو خدا مانتے ہیں سب  
فردوس کو بھی آنکھ اٹھا دیکھتے نہیں  
کیا سہل جی سے ہاتھ اٹھا بیٹھے ہیں ہائے

منہ تلکتے ہی رہے ہیں سدا مجلسوں کے بیچ  
گویا کہ میسر محو ہیں میری زباں کے لوگ

اکسائے تن بدن میں مے پھکے ہی ہو آگ  
پراس بغیر اپنے تو بھائی لگی ہو آگ  
سرگام راہ عشق میں گویا دہی ہو آگ  
کیسے نگر کو آہ محبت ستر دی ہو آگ  
پانی ہو دل ہمارا کبھو تو کبھی ہو آگ  
ہم مشت خس کا حکم رکھیں وہ پری ہو آگ  
ماہی کی زلیست آب سمندر کا جی ہو آگ  
کیا آج کل سے عشق کی یارو جلی ہو آگ  
جب تب ہماری گود میں اب تو بھری ہو آگ

کیا عشق خانہ سوز کے دل میں چھپی ہو آگ  
گلشن بھرا ہو لالہ و گل سے اگرچہ سب  
پاؤں میں پڑ گئے ہیں پھپھو لے مرے تمام  
جل جل گئے سب عمارت دل خاک ہو گئی  
اب گرم و سرد دہرے یکساں نہیں ہو حال  
کیونکر نہ اطمع آتشیں اس کی ہمیں جلا سے  
کب لگ سکے ہو عشق جہاں سوز کو ہوس  
روز ازل سے آتے ہیں ہوتے جگر کباب  
نکالے سے نہ گرتے تھے آگے جگر کے تخت



یاد رہی ہمیشہ جلتی ہی رہتی ہیں چھپائیاں	یہ کیسی عاشقوں کے دلوں میں رکھی ہو آگ
افسردگی سوختے جاناں ہو قہر میں	دامن کو ٹپک ہلا کہ دلوں کی بجھی ہو آگ
کچھ اور صبح دم سے ہوا ہو ہوا کا رنگ ظاہر ہو میرے منہ سے مرے مدعا کا رنگ ہوتا نہیں ہو سرخ تو ایسا حنا کا رنگ ہوتا ہو زرد بیشتر اہل فنا کا رنگ کس مرتبے میں شوخ ہو اسکی قبا کا رنگ اب زرد سب ہوا ہوں یہ ہوا تھا کا رنگ گرمی پہ ہو دلیل بہت اس دوا کا رنگ کیا اُس کا طرحن لکھوں کیا ادا کا رنگ کیا دیکھتے نہیں ہیں سب اس بے وفا کا رنگ	ہو آگ کا سا نالہ کا ہاش فرا کا رنگ دیکھے ادھر تو مجھ سے نہ یوں آنکھ وہ چھپائے کس بیگنہ کے خون میں ترا پڑ گیا ہو پاؤں بے گہ شکستہ رنگی غور شید کیا عجب گل پیرین نہ چاک کریں کیونکہ رشک سے رہتا تھا ابتدائے محبت میں منہ سفید داروئے لعل گوں نہ پیو میسر ز اہو تم خوبی ہو اس کی چیز تحریر سے بروں پوچھیں ہیں وجہ گریہ خونیں جو مجھ سے لوگ
مقدور تک نہ گزرے مرے خون سے یار میر	نعیموں سے کیا گلہ ہو یہ ہو آشنا کا رنگ
بہت اُس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ تکلف ہو بچاں جو چھپاتے ہیں لوگ ہماتے نہیں ہی بتاتے ہیں لوگ کبھو آپ میں ہم کو پاتے ہیں لوگ ہمیں کو نشانہ بناتے ہیں لوگ قیامت اذیت اٹھاتے ہیں لوگ	روِ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ مظاہر سب اُس کے ہیں ظاہر ہو وہ عجب کی جگہ ہو کہ اُس کی جگہ رہے ہم تو کھوئے گئے سے سدا اس ابرو کماں پر جو قرباں ہیں ہم نہ سویا کوئی شور شب سے مرے
اُن آنکھوں کے بیمار ہیں میں	بجا دیکھنے ہم کو آتے ہیں لوگ
ردیف لام	
یار اگر ہو اہل تو ہو کام سہل	مار بھی آسان ہو دشنام سہل

کیا نکلتا ہے کسو کا نام سہل  
کن نے پایا آہ بھیاں آرام سہل  
کیا نکلا ہوں میں ہوا بادام سہل

جوں نگیں میں کی جگر کا دی بہت  
جان دی یاروں نے تباہ کھیں نگیں  
مدھی ہو چشم شورش یار کا

تم نے دیکھا ہوگا پکین میسر کا  
ہم کو تو آیا نظر وہ خام سہل

دیکھی بے ستون میں زور آزمائیے دل  
وے راہ کب دکھائی بے رہنمائیے دل  
کیا خاک میں ملی ہے میری صفائیے دل  
آئینہ ساں جنھیں ہے کچھ آشنائیے دل  
گزرے ہے شاق مجھ پر جیسی جدائیے دل  
آتی نہیں نظر کچھ مجھ کو رہائیے دل

پوشیدہ کیا ہے جو قدرت نمائیے دل  
ہو تیرہ یہ بیاباں گرد و غبار سے سب  
اندو غم سے اکثر رہتا ہوں میں مگر  
پیش آئے کوئی صورت نہ موٹے نہیں ہے  
مر تو نہیں گیا میں پر جی ہی جانتا ہے  
اس دامن گد میں اس کی سارے فریب ہی ہیں

گر رنگ ہو چلا ہے درو بھی تو ہوا ہے  
کہہ میسر اس چین میں کس سے لگائیے دل

اب جو کھلا سو جیسے گل بے بہار دل  
اب آہنی ہو جی پہ رہا درکنار دل  
یہاں چاہئے ہے دل سو کہاں میرے یار دل  
رہتا ہے کس اُمید پہ امید وار دل  
ناچار اپنے رہتے ہیں جو مار مار دل  
مدت سے ہے لال کے زیرِ غبار دل  
کھینچتا ہے اس کی اور کو بے اختیار دل  
ہو آدمی صنوبر اگر لاشے بار دل  
رکھتی نہیں ہے برق ہی کچھ بے قرار دل  
تسکین ان کی ہو نہ جولیوں ہزار دل  
یوں باغ حسن میں بھی ہیں رنگیں انار دل  
چھاتی ہے داغ، ٹکڑے جگر کے نگار دل

مدت تو دا ہوا ہی نہیں غنچہ وار دل  
ہو غم میں یاد کس کو فراموش نگار دل  
دشوار ہو ثبات بہت ہجر یار میں  
وہ کونسی امید بر آئی ہے عشق میں  
ظالم بہت ضرور ہے ان بیگسوں کا پاس  
تم پر تو صاف میری کدورت کھلی ہے آج  
مالِ ادھر کے ہوتے میں مجبور ہیں سبھی  
حد ہیگی دلبری کی کبھی اور غیرت چین  
داخل یہ اضطراب تنگ بیوں میں ہے  
کیا گرسنہ ہیں چشمِ دل اب کے یہ دلبراں  
جوں سیب ہیں دقن کے چین زار حسن میں  
ہم سے جو عشق کشتہ جئیں تو عجیب ہے میسر

<p>کہاں تک خاک میں میں تو گیا مل ہوا ہر رنگ میں جو اب شامل ملے تو ہم سے تو سب سے جدا مل سحر کیا جانے کیا ہو شب ہو حال کسو تو طرح ہم سے بھی بھلا مل بحمد اللہ کھلا اعتدال مل نہ بھیاں طالع رسائے جذبِ کامل لایم چاہئے تھا بھیاں کا عامل</p>	<p>بہت مدت گئی ہو اب تک آمل ملک اُس بیرنگ کے نیرنگ تو دیکھ نہیں بھاتا ترا مجلس کا ملنا غنیمت جان فرصت آج کے دن اگرچہ ہم نہیں ملنے کے لائق لیا زاہد نے جامِ بادہ کف پر وہی پہنچے تو پہنچے آپ ہم تک ہوا دلِ تعشق کی سختی سے ویراں</p>
--	---

پس از مدت سفر سے آئے ہیں میر  
گئیں وہ اگلی باتیں تو اسی جاں

بھی

### رولیفِ مہم

<p>عشق کی محسوس چھک ہے ہیں ہم پردوں میں کھٹک ہے ہیں ہم عمر طے کرتے تھک ہے ہیں ہم دامنِ دل جھٹک ہے ہیں ہم ایک مد سے پاک ہے ہیں ہم اُس سخن پر اٹک ہے ہیں ہم کس کی یوں راہ تک ہے ہیں ہم دیر سے سر پٹک ہے ہیں ہم سو کئی دن سرک ہے ہیں ہم پوچھتے کیا ہو پاک ہے ہیں ہم</p>	<p>کچھ نہ پوچھو بہک ہے ہیں ہم سو کھ غم سے ہوئے ہیں کائنات سے وقفہ مرگ اب ضروری ہے کیونکہ گردِ علاقہ بیٹھ سکے کون پہنچے ہر بات کی تہ کو اُن نے دینے کہا تھا بوسہ لب نقشِ پا سے رہی ہیں کھل آنکھیں دستِ دیگی کب اُس کی پا بوسی بیڈھب اس پاس ایک شب تھے گئے خام دستی نے ہائے دانغ کیا</p>
--	--

میر شاید لیں اس کی زلف سے کام  
برسوں سے تو لٹک رہے ہیں ہم

نیکے پردے سے کیا خدا معلوم

ہو تیرے دل بتوں کا کیا معلوم

لہ رنگ بے رنگی جیوا ہو دلے با آہر رنگ میں شامل ہو بھیاں (میر)

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے علم سب کو ہو یہ کہ سب تو ہو گرچہ تو ہی ہو سب جگہ لیکن عشق جانا سہتا مار رکھے گا ان سپہ چشم دلبروں سے ہیں طرز کینے کی کوئی چھپتی ہو عشق ہو ای طیب جی کاروگ	سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم پھر ہو اللہ کیسا نا معلوم اہم کو تیری نہیں ہو چا معلوم ابتدا میں تھی انتہا معلوم تھی وفا چشم سو وفا معلوم مدعی کا ہے مدعا معلوم لطف کر ہو جو کچھ دوا معلوم
--	--

دل بجا ہو تو میرے کچھ کھلے  
کڑھنے پیچنے میں اشتہا معلوم

مجھے تو درد سے اک لٹس ہو وفا کی قسم کل اُن نے تیغ رکھی درمیاں کہ قطع ہو اب حنا لگی ترے ہاتھوں سے میں گیا پیسا فقیر ہونے نے سب اعتبار کھویا ہو قدم تلے ہی رہا اُس کے یہ سر پر شور سروں پہ ہاتھ کبھو تیغ پر کبھو اس کا	یہی سب ہو جو کھائی ہو میں دوا کی قسم قسم جو بیچ میں آئی سو اُس ادا کی قسم جگر اتنا ہو جوں مجھ کو تیرے پاکی قسم قسم جو کھاؤں تو کہتے ہیں کیا لدا کی قسم جو کھائیے تو مرے طالع رسا کی قسم کچھ ایک قسم نہیں میرے آشنا کی قسم
---	--

جدال دیر کے رہیاں نے کہاں تک میر  
اٹھو حرم کو چلو اب تمہیں خدا کی قسم

اب سوکھی ہی جاتی ہو سب کشت ہوس ظالم صیاد بہار اب کی سب لونٹوں کا کیا میں ہی کس طور کوئی تجھ سے مقصود کرے حاصل کیوں سر چڑھے ہو ناحق ہم بخت سیا ہوں جوں ابر میں روتا تھا جوں برق تو نہنتا تھا	ای ابر تر اگر ملک ایدھر بھی برس ظالم ملک باغ تلکے چل میرا بھی قفس ظالم نئے رحم ترے جی میں نے دل میں ترس ظالم مست پیچ میں پگڑی کے بالوں کو گھس ظالم صحبت نہ رہی یوں ہی ایک آدھ برس ظالم
---	--

۱۔ حیر صاحب کی کئی شعراں قسم کے گزر چکے ہیں۔ منجملہ اُن کے ایک یہ شعر ہے۔

اک جمع کے سرادپر رذر سیاہ لایا ؛ پگڑی میں بال اپنے نکلا جو دہ گھس کر

کیا کھولے ہوئے محل بھیاں گرم حکایت ہو  
مطلق نہیں گنجائش اب حوصلے میں اپنے  
سرشتہ آہستی کو ہم دیکھ کے ہاتھوں سے  
چل رہا میں کچھ کننا مانستہ جس ظالم  
آزار کوئی کھینچے یوں کب تئیں بس ظالم  
کچھ ٹوٹے ہی جاتے ہیں اب تار نفس ظالم

ناچند رہے گا تو یوں داغ غم اس مہ کا  
چھاتی تو گئی تیری ای میسر بھلس ظالم

محرم سے کسو رو برو ہوں کاشکے اب ہم  
تدبیریں کریں اپنے تن زار و زبوں کی  
تو لاگو نہ ہو جی کا تونا چار ہیں ورنہ  
یک سلسلہ ہو قیس کا فریاد کا اپنا  
کس دن نہ ملائیسے تو گرم غلی الرغم  
مجمع میں قیامت کے اک آشوب سا ہوگا  
کیا معرفت اس سے ہوئی یاروں کو نہ سمجھے  
کہ نوح لیا منہ کو گئے کوٹ لی چھاتی  
آغاز محبت میں تمامی ہوئی اپنی

تربت سے ہماری نہ اٹھی گرد بھی ای میسر  
ہی سے گئے لیکن نہ کیا ترک ادب ہم

مشتاق ان لبوں کے ہیں سب مرد و زن تمام  
اب چھپڑیے جہاں وہیں گویا ہو درو سب  
آیا تھا گرم صید وہ جید صبر سے دشت میں  
آوارہ گرد باد سے تھے ہم یہ سہریں  
کیا لطف تن چھپا ہو مرے تنگ پوش کا  
اس کا ر دست بستہ پہ رکھیا نہ مدعی  
اک گل زمیں نہ وقفے کے قابل نظر پڑی

دست لکھے گئے نہ ہوا پر سخن تمام  
پھوڑا سا ہو گیا ہی ترے غم میں تن تمام  
دیکھا ادھر ہی گرتے ہیں اب تک ہرن تمام  
کیا خاک میں ملا ہو یہ دیوانہ پن تمام  
اگلا پڑے ہو جائے سے اُس کا بدن تمام  
کیونکر نہ کام اپنا کرے کو کُن تمام  
دیکھا بزنک آب رواں یہ چمن تمام

عشق بن یہ ادب نہیں آتا

لہ میر تقی میر سے دُر بیٹھا غبار تیر اس سے

نیکے ہیں گل کے رنگ گلستاں میں خاک سے  
تہ صاحبوں کی آئی نکل سیکرے گئے  
یہ دے ہیں اس کے عشق کے خونیں گفنِ تمام  
میں خاک میں ملا نہ کروں کس طرح سفر  
گردی تھے اہل صومدہ کے پیرِ زنِ تمام  
مجھ سے غبار رکھتے ہیں اہل وطنِ تمام

کچھ ہند ہی میں میسر نہیں لوگ جیب چاک  
ہو میرے رنجیتوں کا دوانہ دکنِ تمام

بختِ سیہ کی نقل کریں کس سے چالِ ہم  
کیونکر نہ اس چین میں ہوں تنہ نڈھالِ ہم  
ہند سی لگی قدم سے ہوئے پائمالِ ہم  
یا زلفت و خط کو دیکھتے ہیں خالِ خالِ ہم  
گزنے ہو جی میں کہ وہ دہن گاہ وہ کمر  
کیا جاتیں لوگ کہتے ہیں کیا کیا خیالِ ہم  
جاتی نہیں اٹھائی یہ اب سرگراںیاں  
مقدور تک تو اپنے گئے ٹال ٹالِ ہم  
لو ہو کہاں ہو گریہِ خونیں سے تن کے پہنچ  
کرتے ہیں منہ کو اپنے تانچوں سے لالِ ہم  
وہ تو ہی ہو کہ مرتے ہیں سب تیرے طور پر  
حورو پری کو جان کے کب ہیں دوالِ ہم  
گزرے ہو بسکہ اُس کی جدائی دلوں پہ شاق  
منہ لودج لودج لے ہیں علی الا اتصالِ ہم  
منظورِ سجدہ ہو ہمیں اُس آفتاب کا  
نظاہر ہوا تمہیں بھی ہمارے دم اور ہوش  
مطلق جہاں میں رہنے کو جی چاہتا نہیں  
نقصان ہو گا اُس میں نہ ظاہر کہاں تلک  
آئے نہ پھر تمھارے گئے تلک بحالِ ہم  
اب تم بغیر اتنے ہوئے ہیں وبالِ ہم  
ہو دیں گے جن نے لے کے صاب کمالِ ہم

تھا کب گماں ملے گا وہ دامنِ سوارِ میسر  
کل راہ جاتے مفت ہوئے پائمالِ ہم

کون کتنا ہو منہ کو کھو لو تم  
حکمِ آبِ رواں رکھے ہو حسنِ  
کاشکے پردے ہی میں بولو تم  
بہتے دریا میں ہاتھ دھو لو تم  
دلِ عجب ہو متاعِ جو لو تم  
تھوڑی تو دور ساتھ ہو لو تم  
کیا کسرا ہیں ہم اپنی جنس کو لیک  
جانا کیا ہو اب جہاں سے ہیں

لے نظیرِ اکبر آبادی سے بن تختہِ گلِ آخرش اس خاکِ چین سے  
نکلا مرے قاتل کے شہیدوں کا رسالہ

<p>چمکے ہی ہو رہو نہ بولو تم ہاتھ نول میں مرے ڈبو لو تم دل جہاں پاؤ اب پرو لو تم آہ کب تک یہ موتی رو لو تم</p>	<p>جب میسر ہو بوسہ اُس لب کا بچہ مرجاں کا پھر دھرا ہی ہے دست دے ہو کے پلک سے میل آتے ہیں متصل پہلے آلتو</p>
<p>رات گزری ہو سب ترپتے میسر آنکھ لگ جائے تک تو سولو تم</p>	
<p>بچے ہیں خدا ہی کی قدرت سے ہم پڑے ہیں کھٹالی میں مدت سے ہم خفا رہتے ہیں اپنی صورت سے ہم کہ روکش ہوئے ہیں قیامت سے ہم گدہ رکھتے ہیں صبر و طاقت سے ہم مناتے رہے رات منت سے ہم نہ اُس کا لیا نام غیرت سے ہم اُسے دیکھ رہتے ہیں حسرت سے ہم یہ رنگ اپنا دیکھا مروت سے ہم</p>	<p>موتے جاتے تھے فرط الفت سے ہم ترش رو بہت ہو وہ زر گر پسر نہیں دیکھتے صبح اب آر سی جو دیکھو وہ قامت تو معلوم ہو نہ تک لاسکا تاب جلوے کی دل نہ مانی کوئی اُن نے پھر روٹھ کر خدا سے بھی شب کو دغا مانتے رکھا جس کو آنکھوں میں اک عمر اب بھری آنکھیں لوہوتے رہنے لگیں</p>
<p>نہ مل میسر اب کے امیروں سے لو ہوئے ہیں فقیران کی دولت سے ہم</p>	
<p>یہ درد اب کہیں گے کوشا نہ ہیں سے ہم فریادی ہوں گے کل کے لہو کو جیس سے ہم مدت لے رہے ترے دامانِ زیر سے ہم کب تجھ سے دل اٹھاتے ہیں تیری نہیں سے ہم دیکھی عجب سفید تری آستین سے ہم دکھلایا صید کہ میں لیا رد یس سے ہم یہ بات روز کہتے رہے ہمنشین سے ہم سونا لیا ہو گو د میں بھر کر وہیں سے ہم</p>	<p>کب تک رہیں گے پہلو لگائے زیر سے ہم تلواریں کتنی کھائی ہیں سجدہ میں اس طرح نہ اک تک یہ سر جو نہ پہنچا تو یا نصیب ہوتا ہو شوق وصل کا انکار سے زیاد چھابے جو پیش دستی کرے نور ماہ پر یہ شوق صید ہوئے کا دیکھو کہ آپ کو تکلیف درد دل کی نکر تنگ ہوں گے لوگ اڑتی ہو خاک شہر کی گلیوں میں اب جہاں</p>

آوارہ گردی اپنی کھینچی میسٹر طویل پر  
اب چاہیں گے دعا کسو عزت نشیں سے ہم

## ردیف نون

چکے تم سنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہیں  
لوگ جو کچھ انھیں کہتے ہیں بجا کہتے ہیں  
درد جہاں کاہ جو ہوا اس کو دوا کہتے ہیں  
پہلی قیمت کے تئیں مشک بہا کہتے ہیں

مدعی مجھ کو کھڑے صاف برا کہتے ہیں  
دیکھے غوہاں کے بجا دل نہیں رہتا ہرگز  
عشق کے شہر کی بھی رسم کے ہیں کہتے ہم  
جی اگر زلفوں کے سونے میں ترے دن تو بولیں

حسن تو ہر ہی کرو لطفِ زبان بھی پیدا  
میسٹر کو دیکھو کہ سب لوگ بھلا کہتے ہیں

جن کے نشان تھے قیلوں پر ان کا نشان نہیں  
کیا شرح سوزِ عشق کروں میں زباں نہیں  
مشفق کوئی نہیں ہو کوئی مہرباں نہیں  
پھر آپ خوب دیکھئے تو درمیاں نہیں  
جسمِ ضعیف و زار میں اب میرے جاں نہیں  
شور اُس بلائے جاں کہاں میں کہاں نہیں

کیا کیا جہاں اثر تھا اسوا ب دھاا یہیاں نہیں  
بختِ بنی کہانی بنی مشنوی ہوئی  
اپنا ہی ہاتھ سر پہ رہا اپنے ہاں سدا  
ہنگامہ و فساد کی باعث ہو وہ کمر  
جی ہی نکلی گیا جو گیا یار پاس سے  
ہر عشق ہی سے چار طرٹ بحث و گفتگو

اس عہد کو نہ جانے اگلا سا عہد میسر  
وہ دور اب نہیں وہ زمین آسمان نہیں

وہی اک جنس ہو اس کارواں میں  
ملا کچھ سحر ہو اُس کی زباں میں  
ہیں سب جاتے ہیں ہندوستان میں  
جدا تھی شان اُس کی ہر زماں میں  
کوئی کیا شاخ نکلی ہو کہاں میں  
بلا کینہ ہو اپنے مہرباں میں  
رہا ہو پھول پڑتا گلستاں میں

نہ نکلا دوسرا ویسا جہاں میں  
کیا منہ بند سب کا بات کہتے  
اگر وہ بت نہ جانے تو نہ جانے  
نیا آنا فنا اُس کو دیکھ  
کھینچی رہتی ہو اُس ابرو سے خم سے  
جبیں پر چین رہتی ہو ہمیشہ  
نیا ہو کیا شکوفہ یہ کہ اکثر



کوئی بجلی کا ٹکڑا اب تلک بھی	پڑا ہوگا ہمارے آشیاں میں
پھرے ہو چھاننا ہی خاک اڑی تیر ہوس کیا ہو مزاج آسمان میں	
نہیں بتحال لعل دلریا میں غریبا نہ کوئی شب روز کر بھیاں اٹھاتے ہاتھ کیوں نو مید ہو کر کے ہو ہر کوئی اللہ میرا کفن میں ہی نہ پنا وہ بدن دیکھ ادھر جانے کو آندھی تو ہو لیکن بلا تہ دار بحسب عشق نکلا لے برسوں وہی بیگانہ ہو وہ	اگر پہنچا بہم آب بقا میں ہمیشہ کون رہتا ہو سرا میں اگر پاتے اثر کچھ ہم دعا میں عجب نسبت ہو بتیں خدا میں کھینچے لو ہو میں ہتیر کے جائیں سبکپائی سی ہو باد صبا میں نہ ہم نے انتہائی ابتدا میں ہنر ہو یہ ہمارے آشنا میں
اگرچہ خشک ہیں جیسے پر کاہ اڑے ہیں میرے حریفین نہیں	
مر مر گئے نظر کر اُس کے برہنہ تن میں گل پھول سے کب اُس بن لگتی ہیں اپنی آنکھیں اب لعل تو خط اُس کے کم بختے ہیں ہمت یوسف عزیز دلہا جا مصر میں ہوا تھا دیرو حرم سے تو تو ٹلک گرم ناز نکلا	کلرے آتے اُن نے جب پہنچے ہم کفن میں لائی ہمار ہم کو زور آوری چمن میں قوت کہاں رہی ہو یا قوتی کمن میں پاکیزہ گوہروں کی عزت نہیں وطن میں ہنگامہ ہو رہا ہو اب شیخ و برہن میں
لے جانہ کی جمع جائیں تیر کے زمانے میں درست تھی اب جائے بولی جاتی ہو اور اس طرح اس کا صرف قافیہ میں درست نہیں۔ میر حسن کے یہاں بھی ایک شعر شنوی میں ایسے ہی انداز سے قافیہ کو استعمال کیا ہو۔	
لئے بیلیے ہاتھ میں مانیں لگیں باغ کو دیکھنے بھالیں لے انتہا نہ لی۔ یعنی تھاہ نہ لی۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہو کہ انتہا لینے سے بگڑ کر تھاہ لینا ہوتا ہے تیر کے یہاں اور جگہ بھی اس محاورے کا اسی طرح استعمال ہوا ہے۔ ۱۲۔ آس	

آجائے تہ میں تو جیسے کہ آندھی آئی | کیا وحشتیں اٹھائیں ہم نے دولہے پن میں

ہیں گھاؤ دل پر اپنے تیغِ زباں سے سب کی | اس

تب دروہو ہمارے اگر میسر ہر سخن میں

کن نے لے لے بال دکھلائے ترے مانی کے تیں | آن لے جو اس طول سے کھینچا پریشانی کے تیں

کشتہ انداز کس کا تھا نہ جانا وہ جواں | لے رہے تھے کچھ لک اک نعش قربانی کے تیں

چشمِ کم سے اشکِ خونیں کو نہ دیکھو زینہار | دھونڈتے ہیں مردم اس باقوت سیلانی کے تیں

طائرانِ خوش معاش اس بارے کے ہم تھے گھو | اب ترستے ہیں نفس میں اک پرافشانی کے تیں

ہو جہان تنگ سے جانا بعینہ اس طرح | قتل کرنے لے چلیں ہیں جیسے زندانی کے تیں

یہ کہاں بنتِ العنوب اٹھتی ہیں کیفیتیں | ہو ٹھوس کیا اس کز نسبت ایسی مستانی کے تیں

دل جو پانی ہو تو آئینہ ہو روئے یار کا | خانہ آبادی سمجھ اس خانہ دیرانی کے تیں

فہم میں میرے نہ آیا پردہ در ہو طفلِ اشک | روؤں کیا ای ہمنشین میں اپنی نادانی کے تیں

کچھ نظر میں نے نہ کی جی کے زباں پر اپنی ہائے | دوست میں رکھے گیا اس دشمن جانی کے تیں

جب جلی چھالی بہت تر اشکِ افشاں ہو نہ میسر

کیا جو چھڑکا اس دکھتی آگ پر پانی کے تیں

جانا ادھر سے میرے آویسا ادھر کے تیں | بیماروں میں جیسے بدلتے ہیں گھر کے تیں

کسبِ ناخونوں سے چہرہ بچے اس صفا سے ہوں | رجھواڑ تم نہیں ہو جو دیکھو ہنر کے تیں

خستہ کو اس نگر کے طبیبوں سے کام کیا | ہمد تم مجھے دکھا کسو صاحبِ نظر کے تیں

خردوس ہو نصیبِ پدر آدمی تھا خوب | دل کو دیا نہ آن لے کسو خوش پس کے تیں

ٹنگ دل کی بے قراری میں جاتے ہیں جی جلی | ہر دم تپش سراپے میسرے جگر کے تیں

تم دل سے جو گئے سو خرابی بہت رہی | پھر بھی بساؤ اگر اس آجڑے نگر کے تیں

اللہ ری ناز کی نہیں آتی خیال میں | کس کس طرح سے باندھتے ہیں اس مگر کے تیں

حالت یہ ہو کہ بیخبری دم بدم ہو یہاں | دے اب تلک بھی نہیں ٹنگ خبر کے تیں

موت ہوئی کہ اپنی خبر کچھ ہمیں نہیں

کیا جائے کہ ہم کدھر کے تیں

کسکوں اول بخود تو دیر میں آتا ہوں میں | پھر جو یاد آتا ہو وہ چپکا سا رہ جاتا ہوں میں

<p>بوریا پوشوں ہی میں وہ شعلہ خویا ہوں میں جا کے لڑکوں میں دکھائیے دل بھلاتا ہوں میں دیکھئے پر ان کے تلواریں بکھڑا کھاتا ہوں میں یعنی اس ننگ عدم ہستی سے شرماتا ہوں میں کیوں تم اکتاتے ہو اتنا آجکل جاتا ہوں میں جلوہ دیدار کی اب تاب کب لاتا ہوں میں دور اس سے آہ کیسا کیسا گھبراتا ہوں میں</p>	<p>دائع ہوں کیونکہ میں درویش بار و جبے تب اجر میں اُس طفل بازی کوش کے رہتا ہوں ہوں گر سنہ چشم میں دیدار خوباں کا بہت آب سب ہوتا ہوں پا کر آپ کو جیسے حباب ایک جاگہ کب ٹھہرنے دے ہو مجھ کو روزگار ہو کمال عشق پر بے طاقتی دل کی دہل آسمان معلوم ہوتا ہو درے کچھ آگیا</p>
--	---

پس چلے تو راہ اُدھر کی میں نہ جاؤں لیک میر  
دل مر رہتا نہیں ہر چند سمجھاتا ہوں میں

<p>نامے کا اُس کے گھر سے اب نام بھی نہیں ملنا انھوں کا صبح نہیں شام بھی نہیں اُس کام جاں کو تجھ سے تو کچھ کام بھی نہیں دن رات ہم کو ایک دم آرام بھی نہیں</p>	<p>مدت ہوئی کہ پیچ میں پیغام بھی نہیں ایام حشر کر لیے بسر کس امید پر پروا اُسے ہو کا ہے کو ناکام گر مرد روویں اس اضطراب دلی کو کہاں تلک</p>
--	---

کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میر کے  
کچھ طرازیے بھی نہیں ایہام بھی نہیں

<p>کیا لہو اپنا پیا تب یہ ہنس آیا ہمیں آنکھیں جوں ہونڈیں عجب عالم نظر آیا ہمیں خط نکلنے سے جو نامہ پیشتر آیا ہمیں کچھ گئے گزرتے سے سمجھا وہ پسر آیا ہمیں غش ترے کوچے میں ہر گام پر آیا ہمیں دیکھ کر خونخوار سج اس کی نظر آیا ہمیں</p>	<p>دم بدم اس ڈھبے رونا دیر گرایا ہمیں گرچہ عالم جلوہ گاہ یار یوں بھی تھا ولے ہم تبھی سمجھے تھے اب اس سادگی پر خزاں پاس آنا یک طرف مطلق نہیں اب اس کے پاس تجھ تک اس بی طاقتی میں کیا پہنچا ہوا تھا صبح نکلا تھا پشتر تلوار جوں خورشید لے</p>
---	---

کر چلا نیخود غم زلف دراز دلبراں  
دور کا ایسا میر پیش اب سفر آیا ہمیں

<p>جیسے ماہی ہو مجھے سیر و سفر پانی میں گتھی مہتاب سے اٹھتی تھی لہر پانی میں</p>	<p>اشک کے جوش سے ہوں شام و سحر پانی میں شب نہاتا تھا جودہ رشک قمر پانی میں</p>
--	--

جیسے جھگے ہی پڑا گوہر ترپانی میں  
گرچہ مرجاں کی طرح تھا یہ شجر پانی میں  
جوں کشفِ جسم چھپا زیرِ سیر پانی میں  
خوب کرے تامل تو اثر پانی میں  
گرچہ لڑکا سا تھا اس لڑکا گھر پانی میں  
کچھ نہ معلوم ہوا ہائے اثر پانی میں  
غود پھر لکڑی ہو ڈوبے نہ اگر پانی میں  
پھول رہتا ہی بہت تازہ و تر پانی میں  
مجھ کو لیجا کے ڈبو دیوں مگر پانی میں  
سیکڑوں کرتے ہیں پیر اک ہنر پانی میں  
رفنے سے دُور ہی مگر نحت جگر پانی میں  
بوند پانی کی نہیں آتی نظر پانی میں

وہ گھر آنکھ سے جاوے تو تھکے آنسو میسر  
تتا روپا ہوں کہ ہوں تباہ مگر پانی میں

گرچہ ہوتے ہیں بہت غوت و خطر پانی میں  
دل اچنبھا ہو کہ ہی سوختہ تر پانی میں  
یہ گوارائی نہیں پاتے ہیں ہر پانی میں  
آہ بالوں کو پراگندہ نہ کر پانی میں  
جوں سمک گو کہ مرے دو ہیں پر پانی میں  
رہتے ہیں روز و شبِ شام و سحر پانی میں  
اب تو گرداب سے آتے ہیں نظر پانی میں  
پاؤں رکھتے ہی نہیں بارِ در پانی میں

خوڑا گریہ سے ہوا میسر تباہ اپنا جہاز  
ستحہ پارے گئے کیا جانوں کہ صبر پانی میں

کہ مل جاتا ہو ان جوؤں کا پانی بحرِ رحمت میں

ساتھ اس حسن کے دیتا تھا دکھائی وہ بدن  
رونے سے بھی نہ ہوا سبز درختِ خواہش  
موج گریہ کی وہ شمشیر ہی جس کے ڈر سے  
بیٹھنے سے کسو دل صاف سے سرست تو چڑھے  
آتشِ عشق نے راون کو جلا کر مارا  
جوششِ اشک میں شبِ ل بھی گیا سینے  
بردباری ہی میں کچھ قدر ہو گوجی ہو فنا  
چشمِ تر ہی میں ہے کاش وہ مڑے خوش رنگ  
روڈل تو آتشِ دل شمعِ نبط بجبتی نہیں  
گریہ زار میں بیتابی دلِ طرفہ نہیں  
برگ گل جوں گزر آئے آتے ہیں چلے  
محو کر آپ کو یوں ہستی میں اُس کی جیسے

جوششِ اشک سے ہوں آٹھ پر پانی میں  
ضبط گریہ نے جلایا ہو درونہ سارا  
آبِ شمشیر قیامت ہو برندہ اس کی  
طبع دریا جو ہو آشفقتہ تو پھر طوفاں ہو  
غرق آبِ اشک سے ہوں بیک اڑا جاتا ہوں  
مردم دیدہ تر مردم آبی ہیں مگر  
ہمیت آنکھوں کی نہیں وہ رہی توڑتے  
گریہ شب سے بہت آنکھ ڈسے ہو میری

کھا کر اشکِ انشاں چشمِ فرست غیرِ فرست میں

سبھالے سدھ کہاں میری فروتا نہیں ہرگز  
گئے دن متصل جانی کے اسکی اور اٹھ اٹھ کر  
تخل ہو سکا جب تک بن میں تاب طاقت تھی  
عجب کیا ہی جو یاران چین کو ہم نہ پہچانیں  
سلاتا تیغ خوں میں گرنے میرے تو قیامت تھی  
کوئی عمامہ لے بھاگنا کھنوں نے پیرن بھاڑا  
ملا تیوری پڑھائے تو لگا برو بھی خم کرنے

قدم پر رکھ قدم اس کے بہت مشکل ہو جانا  
سر آمد ہو گیا ہی میر فن ہر والفت میں

کس کے جاؤں انہی کیا دوا پیدا کروں  
لو ہو رتنا ہوں میں ہر اک حرف خط پر ہر ماں  
چال اپنی چھوڑتا ہر گز نہیں وہ خوش خرام  
منصحت ہی میری خاموشی ہی میں ہی ہنسنس  
دل پریشانی بھگتے ہی بھگتے گل کے رنگ  
ایک چٹنگ ہی چلی جاتی ہو گل کی میری اور  
خوار تو آخر کیا ہو گلیوں میں تو نے بیٹھے  
خاک اڑانا اشک افشاں آن نکلوں میں تو پھر  
کبے جانے سے نہیں کچھ شیخ مجھ کو اتنا شوق

اب کی ہمت صرف کر جو اس سے جی اپنے مرا  
پھر دُعا ای میر مست کر یو اگر ایسا کروں

کیا کو قیں اٹھائیں ہجر اں کے دردِ عم میں  
گو قیں منہ کو نوچے فرہاد سر کو چیرے  
اہل نظر کسو کو ہوتی ہی محرمیت  
کلفت میں گزری ساری مدت تو زندگی کی  
کرتے ہیں میر بل کر واعظ سے جس دم کا  
تڑپا نہار نوبت دل ایک ایک دم میں  
یہ کیا عجب ہو ایسے ہوتے ہیں لوگ ہم میں  
آنکھوں کے اندھے ہم تو مدت ہے حرم میں  
آسودگی کا منہ اب دیکھیں گے ہم عدم میں  
کیا یہ بھی آگئے ہیں اس پوچھ گئے دم میں

اس سے آنکھیں لگیں تو خواب کہاں  
برق میں ایسے اضطراب کہاں  
ابھی مکتوب کا جواب کہاں  
ہم نہ ہو دیں تو پھر حجاب کہاں  
مجھ بلا نوش کو شراب کہاں  
یہ جہنم میں ہو عذاب کہاں  
چلتے ہیں اس طرح کباب کہاں  
عاشقوں کو سر کتاب کہاں

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں  
بیگلی دل ہی کی تماشائی  
خط کے آئے پر کچھ کہے تو کہے  
ہستی اپنی ہاڑیج میں پیدا  
گر یہ شب سے سرخ ہیں آنکھیں  
عشق ہو عاشقوں کے چلنے کو  
داع رہنا دل و جسگر کا دیکھ  
محو ہیں اس کتابی چہرے کے

عشق کا گھر ہو میرے آباد  
ایسے پھر خانماں خراب کہاں

اب دو تو جام خالی ہی دو میں نشے میں ہوں  
جام شراب پر نہ کرو میں نشے میں ہوں  
جو چاہو تم بھی مجھ کو کو میں نشے میں ہوں  
یا تھوڑی دور ساتھ چلو میں نشے میں ہوں  
تم سرگراں تو مجھ سے نہ ہو میں نشے میں ہوں  
چلتا ہوں میں بھی تنگ تو ہو میں نشے میں ہوں

یار دے مجھے معاف رکھو میں نشے میں ہوں  
ایک ایک فرط دور میں یوں ہی مجھے بھی دو  
مستی سے درہی ہو مری گفتگو کے بیچ  
یا ہاتھوں ہاتھ لو مجھے مانند جام سے  
معذور ہوں جو پاؤں مرا بے طرح پڑے  
بھاگی نماز جمعہ تو جاتی نہیں ہو کچھ

نانک مزاج آپ قیامت ہیں میرے جی  
جوں شیشہ میرے منہ نہ لگو میں نشے میں ہوں

ایک رہتا ایک کھوتے عشق میں  
بھر رہے تھے خوب روتے عشق میں  
برسوں کاٹے ہم نے سوتے عشق میں  
داع دل پر کے تو دھوتے عشق میں

کاشکے دل دو تو ہوتے عشق میں  
پاس ظاہر شک نہ کرتے شب تو ہم  
خواب میں دیکھا اُسی کو ایک ات  
کاش پی جایا ہی کرتے اشک کو

دیکھیں ہیں کیا کیا ڈھلکے اشک میرے  
بیٹھے موتی سے پروتے عشق میں

کرتے ہیں جو کہ جی میں ٹھانے ہیں  
خوبرو کس کی بات مانے ہیں

<p>پر مجھے یہ بھی خوب جانے ہیں ضعفِ بے طاقتی بہانے ہیں وہی جلنے جو خاک چھانے ہیں وہی نہ ہم ہیں نہ وہ زمانے ہیں اب مرے عہد میں فسانے ہیں عشق میں جن کے جی ٹھکانے ہیں شاعروں کے یہ شاخسانے ہیں</p>	<p>میں تو خواب کو جانتا ہی ہوں جاہیں اُس گلی میں گر رہنا پوچھ اہلِ طرب سے شوق اپنا اب تو افسردگی ہی ہر آن قیس و فرہاد کے وہ عشق کے شور دل پریشاں ہوں میں تو خوش دے لوگ مشک و سنبل کہاں وہ زلف کہاں</p>
<p>پگڑی جامے بکے جس کے لئے بازاروں میں آدمی ایک نہیں اُس کے ہوا داروں میں لوگ اچھے تھے بہت یار کے بیماروں میں دشمنی آئے جسے دیکھتے ہی یاروں میں الغرض ایک ہو وہ شوخِ ستمگاہوں میں اُن نے ہم کو نہ گنا اپنے گرفتاروں میں شعبدے لاکھوں طرح کے ہیں انھیں چاروں میں جا اچھتے ہیں گریبان کے دو تاروں میں ناکس اک نکلے ہمیں خوں کے سزاواروں میں</p>	<p>عشق کرتے ہیں اُس پری رو سے میر صاحب بھی کیا دوائے ہیں آپ اُس جنس کے ہیں ہم بھی خریداروں میں بارغِ فردوس کا ہو رشک وہ کوچہ لیکن ایک کے بھی وہ بُرے حال میں آیا نہ کبھو دوستی کس سے ہوئی آنکھ کہاں جلے لڑی ہائے ہاتھ جہاں چوٹ پڑی دوہی کیا کشاکش جس کے لئے یہ ہو شمار دم یہ کیسی کیسی ہو غنا صر میں بھی صورت بازی ہشفوا ہاتھ مرے باندھو کہ ابلی ہر دم حسبِ مت سبھوں نے کھائے تھے تیغ کے زخم</p>
<p>اضطرابِ قلق و ضعف ہیں گر میر میری زندگی ہو چکی تو اپنی ان آزاروں میں بہت پرہیز کر ہم سے ہمیں بیمار کرتے ہیں بھری مجلس میں بیٹھے عشق کا اقرار کرتے ہیں محلے کے ہمیں اب لوگ یوں ہی خوار کرتے ہیں</p>	<p>اضطرابِ قلق و ضعف ہیں گر میر میری زندگی ہو چکی تو اپنی ان آزاروں میں امیدِ دل دہی تھی جن سے آزار کرتے ہیں کوئی ہم سا بھی اپنی جان کا دشمن کہیں ہو گا تشاں دیں ہیں جہاں اس کا وہ ہرجائی نہیں ملتا</p>
<p>لے آزار کرنا۔ یعنی ستانا۔ اب متروک ہو اور اس کی بجائے آزار دینا یا آزار پہنچانا بولتے ہیں۔ ۱۲۰</p>	

حجابِ ناکسی سے مر گئے روپوش کب تک ہوں  
پچھپا لیتا ہی مجھ سے چاند سامنے وہ خدا جانے  
الف کی رمز اگر سمجھا اٹھا دل بحثِ علمی سے  
بہت ہی تیز آبِ جدولِ شمشیرِ خواب کا  
انوکھا تو کہ یہاں فکرِ اقامت سمجھ کو ہی ورنہ

بلا آفت ہی کچھ دل پر کہ ایسا رنگ ہو اُن کا  
کسو بے مہر کے تئیں مہر شاید پیار کرتے ہیں

کرتا نہیں قصور ہمارے ہلاک میں  
گرمی نہیں ہے ہم سے وہ ای رشکِ آفتاب  
اس ڈھنگ سے ہلا کہ بجا دل نہیں رہے  
ایک جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے

کئے لطافت اُس تنِ نازک کی مہر کیا  
شاید یہ لطف ہو گا کسو جانِ پاک میں

محلِ نشیں ہیں کتنے خدامِ یار میں یہاں  
سنِ شورِ کلِ فقس میں دلِ داغِ سب ہو اہی  
کب و کبھی ہو میرے رونے میں ابرِ تجھ سے  
تم تو گئے دکھا کر ٹک برق کے سے بھگے  
ہم مر گئے و لیکن سوزِ دروں دہی ہے  
ہجران کی گھڑی ہے سو سو برس تعب سے

جن راتوں مہر ہم کو رونے کا مشغلہ تھا  
رہتا تھا بحرِ اعظم سو تو کنار میں یہاں

آج ہمارے گھر آیا تو کیا ہے یہاں جو تار کریں  
خاک ہوئے برباد ہوئے یا مال ہوئے سب محو ہوئے  
زردیِ رخِ رونا ہر دم کا شاہدِ دو جب ایسے ہوں  
بانغ میں اب جاتے ہیں تو صرف اپنا چپ میں ہے

الاکینچ بگل میں پیچہ کو دیر تلک ہم سار کریں  
اور شدائدِ عشق کی ہ کے کیسے ہم ہوا کریں  
چاہت کا انصاف کر دتم کیونکر ہم انکار کریں  
خوبی بیاں کرتیری ہم کیا گل کو گلے کا ہا کریں



لیوہ اپنا بے پروائی نو میدی سے ٹھہرا ہو  
 بچہ تو فقیر ہیں خاک برابر آبیٹھے تو لطف کیا  
 پتیا پتا گلشن کا تو حال ہمارا جانے ہے  
 کیا ان خوش ظاہر لوگوں سے ہم یہ توقع رکھتے تھے

میسر جی ہیں گے ایک جوالے کیا ہم نے دروہیں  
 کچھ بھی جو سن پاویں یہ تو مجلس میں بتا کر کریں

گر کوئی اعمی کے کچھ پر کہاں وہ تو کہاں  
 گل کو کیا نسبت ہو تجھ سے میں ناؤں زینہار  
 عشق لاتا ہو بروے کار مجنوں سا کبھو  
 دیکھیاں کجیاں کمال کی بھی خم محراب کے  
 سنبل آچھی آپ پہنچ و تاب یوں کھایا کرے  
 آگے یہ آنکھیں گلے کی بار ہی رہتی تھیں روز

میسر بیچ کتا تھا جنت ہو نصیب اس کے تئیں  
 حور کا چہرہ کہاں اس کا رخ نیکو کہاں

بیگانہ وضع برسوں اس شہر میں رہا ہوں  
 پوچھائے ہیں مجھ سے گلبرگ لب کو تیرے  
 اب کار شوق دیکھوں پہنچے مرا کہاں تک  
 تجھ سے متاع خوش کا کیونکر نہ ہوں معترف  
 گل پھول کوئی کب تک جھڑ جھڑکے گرتے دیکھے  
 کیا کیا کیا تامل اس فکر میں کیا کھل  
 ہوتا ہو گرم کیا تو ای افتابِ خوبی

۱۔ میر تقی میر سے پتیا پتا بونا بونا حال ہمارا جانے ہو جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہو  
 ۲۔ نسخہ قدیم مطبوعہ کلکتہ میں بھی شیعری طرح ہو اور ایک قلمی نسخے میں پہلا مصرع اس طرح ہو۔ عر  
 گو کوئی اعمی کے کچھ جو کہاں وہ تو کہاں

پیری سے جھلٹے جھلٹے پہنچا ہوں خاک تک میں وہ سرکشی کہاں ہو اب تو بہت دا

مجھ کو بلا دی وحشت ای مہیتر دور اس سے

جاگتے جب اٹھا ہوں شوب سا اٹھا ہوں

کیا جانے کہ مر کو گیا کچھ خبر نہیں

مر جانا آنکھیں موندے یہ کچھ ہنر نہیں

کیا ای شب فراق بھی کو سحر نہیں

دامن ہمارا ابر کی مانند تر نہیں

شالیستہ پردین گلزار پر نہیں

خط لیکیا کہ راہ میں پھر نامہ بر نہیں

مطلق کسو کو حال پہ میرے نظر نہیں

راتوں کو گرہی ہو بکا تو جگر نہیں

کوچے میں تیرے میسر کا مطلق اثر نہیں

ہو عاشقی کے بیج ستم دکھنا ہی لطف

کب شب ہوئی زمانے میں جو پھر ہوا نہ روز

ہر چند ہم کو مستوں سے صحبت ہے ہو لیک

گلکشت اپنے طور پہ ہو سو تو خوب بھیاں

کیا ہو بے حرفن گزر دوستی سے آہ

آنکھیں تمام خلق کی رہتی ہیں اس کی اور

کہتے ہیں سب کہ خون ہی ہوتا ہوا شکوہ

جاگر شراب خانے میں رہتا نہیں تو پھر  
یہ کیا کہ مہیتر جمعہ ہی کی رات گھر نہیں

ہم لوگ تیرے اوپر شو جی سے مرے ہیں

ہر لحظہ اس کے جلوے پیش نظر ہے ہیں

شالیستہ پردین دو چار پرے ہیں

اب یہ کہیں کہیں جو دیوار و درے ہیں

جوں چشمہ یوں ہی تیروں ہم چشم ترے ہیں

صدے جنوں کے کیا ہم بے درد سرے ہیں

ہم دور اس سے بیدم دو دو پہرے ہیں

ہم بھیاں مسافرانہ آکر اترے ہیں

ہم بچے پھوٹے کے اب مانند بھرے ہیں

رحمت ہو ہم کو ہم بھی کیا بے خبرے ہیں

وسو اس کیا ہو ہم تو جی سے گزرے ہیں

کہتے ہیں بعدیت مہیتر اپنے گھرے ہیں

گو جان کر تجھے سب تعبیر کر رہے ہیں

کھنچتا چلا ہو اب تو تصدیق کو تصور

نکلے ہوس جواب بھی ہو دار ہی قفس سے

کل دیکھتے ہمارے لستے تھے ہر برابر

کیا آج ڈبڈبائی دیکھو ہو تم یہ آنکھیں

نے غم ہو ہم کو بھیاں کائے فکر کچھ ہو ہاں کا

پاس ایک دن بھی اپنا اُن نے نہیں کیا ہو

کیا یہ سرے فانی ہو جاے باش اپنی

ایسا نہ ہو کہ چھڑے لیکار پھوٹ بیٹے

اس میکہ میں جس جا ہشیار چاہے تھے

گورا و عشق میں ہو شمشیر کے دم اوپر

پہل ہشن بنے تو ایک آدھ بیت سنے

<p>جی چاہتا ہو جا کے کسو اور مر رہیں تا حال کی خرابی سے ہم بے خبر رہیں دو تین آکے لوٹے مسافر اتر رہیں جیسے چراغِ آخر شب تاسحر رہیں لوگ آویں دیکھنے کو بہت ہم جو گھر رہیں یارِ بقیہ کے چھوٹنے تک بال و پر رہیں جب تک رہیں یہ چاہئے پیشِ نظر رہیں کل کی بھی دیکھ لیوں گے کل ہم اگر رہیں</p>	<p>پہلے قیدیوں سے کبتیں ہم تنگ تر رہیں تو آہِ کاش ہم کو سکر کی حالت ہے مدام رہتے ہیں یوں حواس پریشاں کہ جون کہیں وعدہ تو جب ہو صبح کا تب ہم بھی جاں لب آوارگی کی سب ہیں یہ خانہ خرابیاں ہم نے بھی نذر کی ہو کہ پھر بے چین کے گرد ان دلبروں کی آنکھ نہیں جائے اعتماد نزد کی فکر آج نہیں مقتضائے عقل</p>
<p>دیوانے کو جو خط لکھوں بتلاؤ کیل لکھوں کعبہ لکھوں کہ قبلہ اُسے یا خدای لکھوں اس درد مندِ عشق کی میں کیا دوا لکھوں مجنوں کو اُس کے حاشیہ پر میں دعا لکھوں</p>	<p>دل کو لکھوں ہوں آہ وہ کیا مدعا لکھوں کیا کیا لقب میں شوق کے عالم میں یاد کے جیراں ہو میرے حال میں کہنے کا طبیب وحشت زدوں کو نامہ لکھوں ہوں کس طرح</p>
<p>جی کے اُلٹنے کا اُسے کیا ماجرا لکھوں جیسے ہوا اس کی ابروئے خمدار درمیاں آیا جہاں کہیں قدم یار درمیاں</p>	<p>کچھ رو برو ہوئے پہ جو بٹھے تو بٹھے میر حلق رہتی ہو میرے خلق کے تلوار درمیاں برپا ہوا ہجوم سے یک حشر تازہ وہاں</p>
<p>۱۔ حالتِ بخودی و بخیری کو غنیمت جاننے اور اُسی میں عمر گزرنے کے اور شعر بھی دیکھئے ۲۔ مزا غالب ہوئی ۳۔ موت غرض نشاط ہو کس رو سیاہ کو ۴۔ اک گونہ بخودی مجھے دن رات چاہئے ملاو حالی پانی پتی ۵۔ لی ہوش میں نے کی جو ساقی ہے اجازت ۶۔ فرمایا خیر وار کہ نازک ہو زمانہ عمر ختام ۷۔ خواہم کہ بیلے خودی برآرم نفسی ۸۔ مخور دن و دست بودم زین سبب است ۹۔ میر تقی میر کا ایک در شعر اسی مضمون کا گزر چکا ہے فردا کا سوچ بچہ کو کیا آج ہی پڑا ہے ۱۰۔ کل کی سمجھو کل ہی کل تو اگر رہے گا</p>	

یوں رہیے آہ کب تئیں دیوار درمیاں  
 دیکھی نہ ہم نے وہ کمر اک بار درمیاں  
 آتما نہ کاشل وعدہ دیدار درمیاں  
 کوئی نہیں ہو غول کا سزاوار درمیاں  
 حاجت نہیں جو آئے یہ تکرار درمیاں  
 ٹھہرے قشون کیا نہیں سردار درمیاں  
 جو بک نہیں گئے ہیں خریدار درمیاں  
 بیدا ہو یہ قطعہ گلزار درمیاں  
 مارا گیا عبث یہ گنگار درمیاں  
 کئے بھی جو رہا ہو کوئی تار درمیاں

اس کام جاں میں ہم میں ہوا ہو حجاب چشم  
 سو بار اس سے فتنے جہاں میں اُٹھے ولے  
 کیا کئے آہ جی کو قیامت ہو انتظار  
 رکھ دی ہو کتنے روزوں سے تلوار پارے  
 ثابت ہو سائے خلق کے اوپر کہ تو ہو ایک  
 آیا کئے دماغ کے اعضا میں یہ فتور  
 بازار میں دکھائی ہو کب ان نے جنسِ حسن  
 دیکھیں چمن جو سینہ پر دامن سے بڑھیں  
 کھینچنے نہ پائی اُس کی تو تلوار بھڑپیں  
 ابھی جنوں کے پنج گر پیاں کا ذکر کیا

کتنے دلوں سے تیرے سنا  
 شاید نہیں ہو اب وہ گرفتار درمیاں

ایک عالم میں ہیں ہم وہ پہ جہاں تہے ہیں  
 پیش کچھ آؤ ہم اس کو چہ میں جا تہے ہیں  
 بابت بوسہ ہیں پر سب کو چا تہے ہیں  
 وحش و طیر آنکھیں ادھر ہی کو لگا تہے ہیں  
 سیکڑوں آن کے یوسف سے بکا تہے ہیں  
 گریہ غنیں سے لوہو میں نہا تہے ہیں  
 جیسے گردان کبوتر یہیں آ تہے ہیں  
 ہر سحر صحبت دوشیں کو بھلا تہے ہیں

اتفاق ایسا ہو کڑھتے ہی سدا تہے ہیں  
 برسی تلوار کہ حائل ہوئے ہیں سیل بلا  
 کام آتا ہو میسر کسے ان ہونٹھوں سے  
 دشت میں گرد رہ اس کی اٹھی ہو جیدھر  
 کیا تری گرمی بازار کہیں غولی کی  
 بسترِ خاک پہ اُس کی تو ہو اپنا لیکن  
 کیوں اڑاتے ہو بلایا ہمیں کب کب ہم آپ  
 حق تلف کن ہیں بتاں یاد دلاؤں کہنگ

یاد میں اُس کی قد و قامت دلکش کے میسر  
 اپنے سر ایک قیامت نئی لا رہے ہیں

کام آئے فراق میں اویار  
 مر گئے اس قشون کے سردار

لہ میر تقی میر سے دل دماغ اور جگر پر سب اک بار  
 کیوں نہ ہونے صنعت اعضا پر

<p>دل کہاں وقت کہاں عمر کہاں یاد کہاں بیکل ایسا ہی رہا شب تو یہ بیمار کہاں اب یہی جس بہت ہو یہ خریدار کہاں ایسا پہنچے ہی ہم پھر کوئی غم خوار کہاں جی میں کیا کیا ہو مرے پر لب انظار کہاں سجہ سجادہ کہاں جب نہ دستار کہاں زخم تیغ اُس کے اٹھانیکا منہ دار کہاں بانع شاداب جہاں میں گل بے خار کہاں اب جو ڈھونڈو تو گریبان میں کی تار کہاں پانچ اٹھاتا ہی جفا سے وہ شہکار کہاں</p>	<p>بانع کو سبز ہوا اب سر گلزار کہاں تم تو لب آنے کو پھر کہہ چلے ہو گل لیکن دل کی خواہش ہو کسو کو تو کمی دلی نہیں خاک بھیاں چھانتے ہی کیوں نہ پھر دل کیلئے دم زدن مصلحت وقت نہیں ای ہدم شیخ کے آنے ہی کی دیر ہی بیخانہ میں پھر ہم سے ناکس تو بہت پھرنے ہیں ہی دیو و تو نے بھی گردِ رخ سرخ نکالا خط سبز خبط نے عقل کے سرستے کے گم سارے گو کہ گردن تئیں بھیاں کوئی لہو میں پیٹھے</p>
<p>ڈوبا لوہو میں پڑا تھا ہلکی پیکر میر یہ نہ جانا کہ لگی نظم کی تلوار کہاں</p>	
<p>اس تو تلو کہیں تو نے مجھے منہ پر نہ لایا ایک میں سب رہا محفوظ تو تجھ کو نہ بھایا ایک میں چشم جہاں شوب سے دریا بہایا ایک میں دانستہ اپنی جان سے دل کو اٹھایا ایک میں کیا مجرم عشق بتاں بھیاں ہوں خدا یا ایک میں جوں ابر ساری خلقت پر ہوں تو چھایا ایک میں دل کو جو میرے چوٹ تھی طاقت نہ لایا ایک میں دیکھا نہ سرو و گل کا بھیاں ٹمک نہ پایا ایک میں میں کشتی ٹھہرا جو ہوں کیا دل لگایا ایک میں</p>	<p>اب مجھ سے تجھ کو سونے تجھ سانہ پایا ایک میں عالم کی میں نے سیر کی مجھ کو جو خوش آیا سو تو یہ جوش غم ہوتے بھی ہیں یوں برتر روتے بھی ہیں تھا سب کو دعویٰ عشق کا لیکن ٹھہر کوئی بھی ہیں طالبِ صورت سبھی مجھ پرستم کیوں اس قدر بھلی سی یوں چکے بہت پر بات کہتے ہو چکے سورنگ ہ ظاہر ہوا کوئی نہ جاگہ سے گیا اس گلستاں سے منفعت یوں نہراؤں کو ہوئی رسم کن ہے دوستی ہوتی بھی ہو الفت ہم</p>
<p>جن جن نے دیکھا تھا اسے بخود ہوا جینا بھی پھر پر میرے جیتے جی بخود ہرگز نہ آیا ایک میں</p>	
<p>یہ جوش دل میں کبھو آگیا تو طوفاں ہیں نم اہل صومعہ سے پوچھو دے مسلمان ہیں</p>	<p>اگرچہ اب کی اہم ای ابر خشک بڑھاں ہیں صنم پرستی میں ای راہبیاں نہ کی نقصیر</p>

بتان شہر ہاے تو دین دایاں ہیں  
ہم اپنے دل ہی کے ٹکڑوں کے بدلے ہیں  
ہماری آنکھ سے ظاہر ہو یہ کہ حیراں ہیں  
کہ زخم سینہ ہاے سبھی نمایاں ہیں  
کہ رنگ روپ سب کچھ ولیک بیجاں ہیں  
کہ ایسے لوگ پیارے عسزیز ہماں ہیں

کریں انھوں پہ بھلا کس طرح نظر گستاخ  
چمن میں جا کے بھر دو تم گلوں سے جیب کنار  
رہیں ہیں دیکھ جو تصویر سے ترے منہ کو  
رہا ہی کون سا پردہ ترے ستم کا شوخ  
شبیبہ شکل سے ہی حال ضبط عشق کے بیچ  
بنے تو عزت عشاق میں نہ کر تقصیر

جو ابر و شرت میں برے تو ہم آزادیں خاک

وہ پیر آب ہو ہم بھیاں کے میر سا ماں ہیں

عاشقی میں بلائیں کیا کیا ہیں  
حسن کیا کیا ادا میں کیا کیا ہیں  
ایسی ویسی پنائیں کیا کیا ہیں  
اس چمن میں ہوا میں کیا کیا ہیں  
چپکے چپکے دھائیں کیا کیا ہیں

خو کر کیا کیا جفائیں کیا کیا ہیں  
خو برو ہی فقط نہیں وہ شوخ  
فکر تعمیر دل کسو کو نہیں  
کہ نسیم صبا ہو گاہ سوم  
شور ہو ترک شیش کا لیکن

منظر دیدہ قصہ دل اور میسر  
شہر تن میں بھی جائیں کیا کیا ہیں

پلاکے پلاکے آشنا ہی نہیں  
غم دل کو کچھ انتہا ہی نہیں  
کچھ اس روگ بھی بدوا ہی نہیں  
کہیں آرسی کو حیا ہی نہیں  
نہیں ہی تو رسم وفا ہی نہیں  
گل ترکی آب و ہوا ہی نہیں

فراق آنکھ لگنے کی جا ہی نہیں  
گلہ عشق کا بد و خلقت سے ہو  
محبت جہاں کی تھاں ہو چکی  
دکھایا کئے یار اس رخ کا سطح  
وہ کیا کچھ نہیں حسن کے شہر میں  
چمن محو اس رے خوش کا ہو سب

نہیں دیر اگر میسر کہہ تو ہے

ہم اے کوئی کیا خدا ہی نہیں

بد وضع بھیاں کے لڑکے کیا خوش معاملے ہیں  
کرتے ہیں جو وفا میں ان ہی کے حوصلے ہیں

دل لیکے کیسے کیسے جھگڑے مجاہد لے ہیں  
گھبرائے لگمتیاں ہیں رک رک کرتے تن میں جانیں

<p>ہر بات جائزہ ہو ہر بیت پر صلے ہیں اطراف کے یہ بے تہ اب تم سے آئے ہیں اس گشتہ مستم کو تم سے بہت گلے ہیں جو شیشہِ حبابی سب دل پر کبے ہیں یہاں مشکلیں ہیں ایسی یہاں یہ مسالے ہیں چلنے کو یہاں سے اکثر تیار قافلے ہیں</p>	<p>کیا قدر تھی سخن کی جب یہاں بھی صحبتیں تھیں جب کچھ تھی جہت مجھ سے تب کس سے ملے تھے تم تھا واجبِ الترحم مظلومِ عشق تھا میں سوزِ دروں سے کیونکر میں لگ میں نہ لوٹوں میں جی سنبھالتا ہوں وہ ہنس کے مالتا ہو اندیشہ زاد رہ کا رکھے تو ہو مناسب</p>
<p>پانچوں حواس گم ہیں ہر اک کے اس میں کیا میسر جی ہی تنہا ان وزوں وہ دے ہیں</p>	
<p>بہت اُس نے ڈھونڈا نہ پایا ہمیں ہوا ہو کے تو کہ سایا ہمیں ان آنکھوں نے کیا کیا دکھایا ہمیں نہیں تو اٹھالے خدایا ہمیں یہ کیا روگ یا رب لگایا ہمیں وئے خاریوں سے اٹھایا ہمیں حسینوں کا ملنا ہے بھایا ہمیں بہت دوستوں نے جتایا ہمیں</p>	<p>محبت نے کھویا کھپایا ہمیں پسرا کرتے ہیں دھوپ میں جلتے ہم گئے تر ہیں گاہ خوں بستہ تھیں بٹھا اُس کی خاطر میں نقشِ وفا ملے ڈالے ہو دل کوئی عشق میں ہوئی اُس گلی میں تو مٹی عزیز جوانی دوانی سنا کیا نہیں نہ سمجھی گئی دشمنی عشق کی</p>
<p>کوئی دم کل آئے تھے مجلس میں میسر بہت اس غزل پر رُلا یا ہمیں</p>	
<p>رہا دیکھ اپنا پرایا ہمیں کبھو آپ میں تم نے پایا ہمیں نہ اس بن تنک صبر آیا ہمیں انہیں نے کنا سے لگایا ہمیں یہ کیا تم نے سمجھا ہو آیا ہمیں سب اس دل نے آہ کھایا ہمیں جلا وہ بھی جن نے جلایا ہمیں</p>	<p>جنوں نے تماشا بنایا ہمیں سدا ہم تو کھوئے گئے سے ہے یہی تادمِ مرگ بیتاب تھے شب آنکھوں سے دریا سا بہتا رہا ہمارا نہیں تم کو کچھ پاس رنج لگی سے جو شمعِ پاک گئی جلیں پیش و پس جیسے شمع و تپنگ</p>

ازل میں طاکیانہ عالم کے تئیں قضا نے یہی دل دلایا ہمیں

رہا تو اکثر الم ناک میسر  
ترا طور کچھ خوش نہ آیا ہمیں

کیا عیش مجنوں پہ چل ہو میاں  
قند کا کون اس قدر مائل ہو میاں  
ہم نے یہ مانا کہ واعظ ہو ملک  
چشمِ تر کی خیر جاری ہو سدا  
مرنے کے پیچھے تو راحت ہی ہو لیک  
دل کی پامالی ستم ہو ہم سے  
آج کیا فردائے محشر کا ہر اس  
دل تڑپتا ہی نہیں کیا جانے  
چاہئے پیش از نماز آنکھیں بھلیں  
رنگ بے رنگی جدا تو ہے دے  
سامنے سے ٹک ٹلے تو دق نہ ہو  
دل لگے امنے جہاں میں کس لئے  
بے تہی دریائے ہستی کی نہ پوچھ  
چشمِ حق میں سے کرد ٹکب تم نظر  
درومندی ہی تو ہو جو کچھ کہ ہے  
برسوں ہم روتے پھرے ہیں برسے  
کہنہ سالی میں ہو جیسے خرد سال  
کیا دل مجروح و محزون کا گلہ  
دیکھ کر مہنہ ہی خرم دل کو رکھ  
ستعدوں پر سخن ہو آج کل

کی زیارت میسر کی ہم نے بھی کل  
لا ابلل سا ہو پر کامل ہو میاں

لے اے بیانِ سل ہو ہر نگ لایک ہونا  
لے غنیمت جان فرصت آج کے دن  
لے اے غنیمت جان فرصت آج کے دن  
لے اے غنیمت جان فرصت آج کے دن



لذت سے درد کی جو کوئی آشنا نہیں  
ہر آن کیا عوض ہو دُعا کا بدی دے  
روئے سخن جو ہو تو مرا چشم دل کی اور  
تلوار ہی کھنچا کی ترے ہوتے بزم میں  
مل دیکھے ایسے دلبر ہر جانی سے کوئی  
ہو تم جو میرے حیرتی فرط شوق وصل  
آئینے پر سے ٹک نہیں اُٹھتی تری نظر  
رنگ اور بو تو دلکش و دل چسپ ہیں کمال  
تیرے ستم کا تیری ہدف کب تلک رہوں  
ان نے تو آنکھیں موند لیاں ہیں دھڑک رہاں

اُٹھتے ہو میرے دیر سے تو کعبہ چل رہو  
مغموم کا ہے کوہ کوہ و تھارے خدا نہیں؟

کیا کہیں آتش ہجران سے گلے جاتے ہیں  
گوہر گوش کسو کا نہیں جی سے جاتا  
یہی مسدود ہو کچھ راہ و فنا در نہ ہم  
بار حرام و گل داغ نہیں اپنے ساتھ  
حیرت عشق میں تصویر سے رفتہ ہی رہے  
ہجر کی گوشت جو کھینچے ہیں انھیں سے پوچھو  
یاد قد میں ترے آنکھوں سے ہیں جو نہیں  
دیکھیں پیش آئے ہو کیا عشق میں اترو جوں سیل

پر غباری جہاں سے نہیں سدھ میر ہیں  
گرد آتی ہو کہ مٹی میں رلے جاتے ہیں

کیا کہیں پایا نہیں جانا ہو کچھ تم کیا ہو میاں  
تم کھو گئے دنیا سے تم ہو اور اب دنیا ہو میاں

ہے نہیں دیر اگر میر کعبہ تو ہو  
ہمارے کوئی کیا خدا ہی نہیں؟ (میر)

دلی ہو آخر نہ ہنگامہ کہیں برپا ہو میاں  
کون مڑا ہو جسے ہو کون، ناپیدا ہو میاں  
تب تلک ہی لطف ہو جب تک کچھ پردا ہو میاں  
درمیاں آئے اگر تلوار تو پرچا ہو میاں  
پاٹ دامن کا پخڑوں کوئی تو دریا ہو میاں  
یا گریباں کوہ کلا یا دامن صحرا ہو میاں  
جب گلی کوچوں میں گئی اس طرح رسوا ہو میاں

مست خانی پانوں سے چل کر کہیں جبا کرو  
دل جہاں کھویا گیا کھویا گیا، پھر دیکھے  
دل کو لے کر صاف یوں آنکھیں ملاتا ہو کوئی  
ایک جنبش میں ترے ابرو کی ٹل جاتی ہو بھیڑ  
برسوں تک چھایا رہا ہو چشم تر پر ابرسا  
شہر میں تو موسم گل میں نہیں لگتا ہو جی  
مدعی عشق تو ہیں غمناک شہر لیک

گفتگو اتنی پریشاں حال کی یہ درہمی  
میتیر کچھ دل تنگ ہو ایسا نہ ہو سودا ہو میاں

اس آتش خاموش کا ہو شور جہاں میں  
یہ جنس نکلتی نہیں ہر اک کی دکاں میں  
جادو تھا مرے خائے کی گویا کہ زباں میں  
ٹھہر دو کوئی دم آن کے اس ٹٹے مکاں میں  
ملتی تھی طرح اس کی بہت مڑواں میں  
چرچا ہو یہی شہر کے اب پیرو جواں میں

معلوم نہیں کیا ہو لب سیرخ بتاں میں  
یوسف کے تئیں دیکھ نہ کیوں بند ہوں بازار  
یک پرچہ اشعار سے منہ باندھے بھوکے  
یہ دل جو شکستہ ہو سوبے لطف نہیں ہو  
میں لگے کے گلے خوب ہی رویا لب جو پر  
کیا قہر ہوا دل جو دیا لڑکوں کو میں نے

وے یاسمن تازہ شگفتہ میں کہاں میتیر  
پائے گئے لطف اس کے جواؤں کے نشان میں

## رولیت واو

کاہیکو یوں کھڑے ہو وحشی سے بیٹھ جاؤ  
پہر چند اپنے منہ کو برقع میں تم چھپاؤ  
تم گھنٹے گھنٹے مجھ کو اس پہلے پر نہ لاؤ  
مست کر کے شوخ چشمی آشوب سا اٹھاؤ  
پھر لطف کیا جو اگر آدھا بھی تم نہ پاؤ  
اس جادوگر کو یارو پھر بھی تنگ دکھاؤ

اتنا کہا نہ ہم سے تم نے کبھو کہ آؤ  
یہ چاند کے سے ٹکڑے چھپتے نہیں چھپائے  
دو چار تیر یارو اس سے بھلی ہو دوری  
ہو شرم آنکھ میں تو بھاری جہاز سے ہو  
اب آتے ہو تو آؤ ہر لحظہ جی گھٹے ہو  
تھی سحر یا جگہ تھی ہم آپ کو تھے بھولے

	<p>ماے گئے سو گئے جی پھر پھر آتے ہیں کیا آئندہ مہتر صاحب دل مت کہیں لگاؤ</p>	
<p>نہ اٹل آرسی کارہ سرا پا درد ہوگا تو یہ پیشہ عشق کا ہر خاک چھنوائیگا صحرا کی غبار اٹھنے لگے گاتیری اس نازل طبیعت علاقہ دل کا لکھوائے گا دفتر ہاتھ سے تیرے</p>	<p>نہو گچین باغ حسن ظالم زرد ہوگا تو ہزار اربے و فاجول گل چن پر درد ہوگا تو لسان گرد باد آخر بیا باں گرد ہوگا تو بزد کے جریڈوں میں قلم سا فرد ہوگا تو</p>	
	<p>نہ اک دم صبح تک بھی آنکھ لگنے دیگا دل جلنا یہی پھر میرے سر گرم آہ سرد ہوگا تو</p>	
<p>برہم زدہ شہر ہی جہاں تو اپنی بھی نظر میں ٹھہرے جاں تو رہتی نہیں شمع ساں زباں تو دیران پڑا ہی یہ مکاں تو ہونے دوائے ابھی جواں تو صحبت کالے بھی ہو دہاں تو پھرتا ہی خراب آسماں تو سو جائے ٹکاس کا پاسباں تو</p>	<p>سب حال سے بے خبر ہیں بیاں تو اس تن پہ نثار کرتے لیکن بر باد نہ دے کہیں سرا سر کیا اُس کے گئے ہر ذکر دل کا کیا کیا نہ عسزیز خوار ہونگے غنیے لگے منہ تھکائے لیکن کیا اس سے رکھیں اُمید بہبود یہ طالع نارسا بھی جاگیں</p>	
	<p>مت تربت میرے کو مٹاؤ رہنے دو غریب کا نشاں تو</p>	
<p>کس قدر معذور ہو اللہ تو کس کی میت کے گیا ہمراہ تو حال سے میرے نہیں آگاہ تو یوں فلک پر کیوں نہ جا آہ تو آہ ٹاک تو دیکھ کر چل راہ تو کر جہنم و جور خاطر خواہ تو آنکھ میں آئے نہ دو دو ماہ تو</p>	<p>لمفت ہوتا نہیں ہو گاہ تو مجھ سے کتنے جان سے جاتے رہے بخودی رہتی ہو اب اکثر مجھے اُس کے دل میں کام کرنا کام ہو فرش ہیں آنکھیں ہی تیری راہ میں جی تلک تو منہ نہ موڑیں تجھ سے ہم کا ہریش دل بھی دو چنداں کیوں ہو</p>	

دل دہی کیا کی ہو یوں ہی چلے  
اے نہ سے تو آفریں تو واہ تو

میر تو تو عاشقی میں کھپ گیا  
مست کسی کو چند روز اب چاہ تو

اب میری سے بچیں تو دیکھیں گے گلشن کبھو  
ہم بھی ایک امید پر اس امید گہ میں ہیں پڑے  
بند پایا جیب میں یا سکر مارا تنگ ہو  
یار کی برگشتہ شرگاں سے نہ دل کو جمع رکھ  
جان کوئی کیوں نہ دو اُس میروت کے لئے  
ہوں تو نالائ زبیر دیوار چین پر ضعف سے

دل مکران جامہ زیبوں کو دیا ہر میر نے  
اس طرح پھرتے نہ تھے دے چاک پیرا ہن کبھو

گل برگ سے ہو نازک غولیا پا تو دیکھو  
ہر بات پر خشونت طس ز جفا تو دیکھو  
سایہ میں ہر پلک کے خوابیدہ ہو قیامت  
بلبل بھی گل گئے پر مر کر چین سے نکلی  
طنزیں عبث کر دہو غمش پہنے پر ہمارے  
ہونا پڑے ہو دشمن ہر گام اپنی جاں کا  
پیری میں مول لیں ہیں منعم حویلیوں کو  
دوبے ہو کشتی میری سحر عیق غم میں  
کے جو ہم تو اُن نے آنکھوں میں ہم کو رکھا  
ہو اس چین میں وہ گل صد رنگ محو جلوہ

اشعار میر پر ہر اب ہائے دے ہر سو  
کچھ سحر تو نہیں ہو لیکن ہوا تو دیکھو

ہد زباں ہو جسے خوش اسلوب ہو  
بے نقابی اُس کی ہو ہم پرستم  
کیا کہیں جو کچھ کہ ہو تم خوب ہو  
لائیے سُنہ پر تو وہ محبوب ہو

<p>دوستی با ہم جہاں معیوب ہو گاہ باشد تم کو بھی مطلوب ہو جان کا خواہاں اگر محبوب ہو کیا مزاج عشق میں مرغوب ہو</p>	<p>ایسا شہسب حسن ہی ہے تازہ رسم مطلب عمدہ ہے دل لے تو رکھو چاہئے ہے اور کچھ عاشق کو کیا لو ہو پینا جہاں کھانا دیکھئے</p>
<p>جو کو ہو سو محاسن عقل کے مستحکم صاحب تم بگر مجذب ہو</p>	
<p>درمیاں تو ہو سامنے گل ہو لئے تساہل ہوئے تغافل ہو جیسے پر پیچ کوئی کاکل ہو کس بھروسے پہ ٹک تحمل ہو رہ گیا ہوں چراغ سا گل ہو داغ بھی ہو تو کوئی بالکل ہو لکھنے بیٹھوں تو خط ترسل ہو جبکہ قلقل سے شیشہ کی قل ہو بوئے گل ہو صغیر بلبل ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر گل ہو</p>	<p>منعقد کاش مجلس گل ہو گرمیاں متصل رہیں با ہم اب دھواں یوں جگر سے اٹھتا ہو نہ تو طالع نہ جذب پھر دل کو لگتے چل اے نسیم باغ کہ میں ادھ جلا لالہ ساں رہا تو کیا طول رکھتا ہے درد دل میرا ہو جو مجھ بادہ کش کے عرس میں تو دیر رہنے کی جا نہیں یہ چمن مجھ دوانے کی مستی ملا زنجیر</p>
<p>مناکشت ہو رہا ہے حال مستحکم کاش ٹک یار کو تامل ہو</p>	
<p>ابھی کیا جانیے یہاں کیا سماں ہو خدا جانے ملاپاس سے کہاں ہو وہیں شاید کہ اُس کا آستان ہو اگر ہر مومرے تن پر زباں ہو تھاری کس طرح خاطر نشان ہو خدائی میں اگر ایسا مکان ہو تمنائے دل و آرام جاں ہو</p>	<p>نہ میسر باعث شور و فغاں ہو یہی مشہور عالم ہیں دو عالم جہاں سجدے میں ہم نے بخش کیا تھا نہ ہوئے وصف اُن بانوں کا جھ سے جگر تو چمن گیا تیروں کے مائے نہ دل سے جا خدا کی تجھ کو سو گند تم اے نازک نساں ہو وہ کہ سب کے</p>

لے غالب ہوئی جلتا ہے کیوں نہ ہم اکابر جل گئے : اے ناتواں نفس شعلہ بار حیف

پلے ٹک لب کہ اُس نے مار ڈالا  
سنا ہی چاہ کا دعویٰ تمہارا  
کنارہ یوں کیا جاتا نہیں پھر  
کے کچھ کوئی گرجی کی اماں ہو  
کہو جو کچھ کہ چاہا ہو مہرباں ہو  
اگر پاسے محبت درمیاں ہو

ہوئے اہم پیر سو ساکت ہیں اب تیر  
تمہاری بات کیا ہو تم جواں ہو

برسوں میں کبھو ایدھر تم ناز سے آتے ہو  
آتے ہو کبھو یہاں تو اہم لطف نہیں پاتے  
رہتے ہو تم آنکھوں میں پھرتے ہو تمہیں دل میں  
ایسی ہی زباں ہو تو کیا عمدہ برا ہوں گے  
خوش کرنے سے ٹکالیے ناخوش ہی کھا کر یے  
اک خلق تلاشی ہو تم ہاتھ نہیں لگتے  
مدت سے تمہارا کلبیدھر کو تہ دل سے  
کچھ عزت کفر آخر ای دیر کے باشندو  
آوارہ اُسے پھرتے پھر برسوں گزرتے ہیں

دل کھول کے مل چلے جو میر سے ملنا ہو  
آنکھیں بھی دکھاتے ہو پھر منہ بھی چھپاتے ہو

ہر صبح شام تو پئے ایذائے تیر ہو  
ہو کوئی بادشاہ کوئی بھیاں وزیر ہو  
جنت کی منت ان کے دماغوں کے کائے  
کیا یوں ہی آتے تھے ہو بیٹھیں کا عشق بیٹھے  
چھائی قفس میں داغ سے ہو کیوں رشک باغ  
یہاں برگ گل اڑاتے ہیں پر کالہ جگر  
اُس کے خیال خط میں کے یہاں داغ حزن  
زہنار اپنی آنکھ میں آتا نہیں وہ صید  
ہوتے ہیں میکہ کے جواں شیخ جی بُرے

ایسا نہ ہو کہ کام ہی اس کا اخیر ہو  
اپنی بلا سے بیٹھ رہے جب فقیر ہو  
خاکِ اس کی جن کے کفن کا عبیر ہو  
سو کھے جگر کا خون تو رواں جوئے شیر ہو  
جوش بہار تھا کہ اہم آئے اسیر ہو  
جا عند لب تو نہ مری اہم صغیر ہو  
کرتی ہے بے مزہ جو قلم کی صریر ہو  
پھوٹا دوسرا جس کے جگر میں نہ تیر ہو  
پھر در گزریہ کرتے نہیں گو کہ پیر ہو

کس طرح آہ خاکِ نلت سے میں اکھوں  
حد سے زیادہ جُور و ستم خوشنما نہیں  
دم بھر نہ ٹھہرتے دل میں نہ اکھوں میں کپ پل  
ایسا ہی اس کے گھر کو بھی آباد دیکھو  
تسکین دل کے واسطے ہر کم بغل کے پاس

یک وقت خاص حق میں مرے کچھ دعا کرد

تم بھی تو میرے صاحبِ قبلہ فقیر ہو

سو تب تلک کہ مجھ کو ہجرال سے تیرے خو ہو  
اے عشق بے محابا دنیا ہو اور تو ہو  
ہر بات پر کہاں تک آپس میں گفتگو ہو  
جور و سیاہ یہ بھی تھاں آگے روبرو ہو  
نشاہد کلی تجھے بھی اُس گل کی آرزو ہو  
کہو اگر تفادات اس میں بقدر مو ہو  
آئی ہو اے صبا تو ایسی جو مشکبو ہو  
نقشِ حصیر تن پر ایسے ہیں جوں اتو ہو  
ممکن نہیں کہ شیشہ ٹوٹا ہوا رفو ہو

ہلک لطف سے ملا کر گو بھر کبھو کبھو ہو  
کیا کیا جوان ہم نے دنیا سے جاتے دیکھے  
اپنے کو گے کچھ تو اہم چپکے ہو رہیں گے  
کیا ہو جوابِ ظالم پرستش کے روز کہو  
پُر خوں ہمارے دل سے کتنی ہی تو مشابہ  
خط اُس کے پشت لب کا ساکت کر گیا مجھ کو  
کھولے تھے بال کن نے ہنگام صبح اپنے  
درویشی سے بھی اپنی نکلے ہو میرزا لی  
مت الیام چاہے پھر دل شکستگان سے

کتنے ہو کا پتا ہوں جوں بید عاشقی سے

تم بھی تو میرے صاحبِ کتنے خُلاں گو ہو

جی میں ہم نے یہ کیا ہو اب مقرر ہو سو ہو  
ایک دن تو لوٹ پڑ اے دیدہ تر ہو سو ہو  
یہ فضولی ہو فقیر ہی میں میر ہو سو ہو  
تیر باراں ہو کہ برسے تیغ یکسر ہو سو ہو  
پھر تو خواری بیو قاری بندہ پرودہ ہو سو ہو  
داد لیجے اپنی اس ظالم سے اڑ کر ہو سو ہو  
سر منڈا کر اہم بھی ہو تے ہیں قلندر ہو سو ہو

رکھے گردن کو تری تیغِ رستم پر ہو سو ہو  
قطرہ قطرہ اشکباری تا کجا پیشِ سحاب  
بند میں ناز و نعم ہی کے رہے کیونکر فقیر  
آگے کو پچے سے ترے جاتا ہوں کب جوں ابرِ شب  
صاحبی کیسی جو تم کو بھی کوئی تم سا ملا  
کب تلک فریاد کرتے یوں پھر اب قصد ہو  
بال تیرے سر کے آگے تو جیوں کے ہیں بال

لے کاش اُس کے روبرو نہ کریں مجھ کو حشر میں ؛ کتنے سرے سوال ہیں جبکہ انہیں جواب (میر تقی میر)

سختیاں دیکھیں تو ہم سے چند کچھوٹا ہو عشق  
دل کو ہم نے بھی کیا ہو اب تو پتھر ہو سو ہو

کہتے ہیں ٹھہرا ہو تیرا اور غیروں کا بگاڑ  
ہیں شریک ای میرے ہم بھی تیرے ہنر ہو سو ہو

ظالم ہو میری جان پہ نا آشنا نہ ہو  
کرتی ہو عشق بازی کو بے مایگی و بال  
ہجر بتاں میں طبع پر گندہ ہی رہی  
آزار کھینچنے کے ربے عاشقوں سے پوچھ  
کھینچا ہو آدمی نے بہت دور آپ کو  
رکجائے دم گر آہ نہ کر لے جہاں کے بچ  
طرز سخن تو دیکھ ٹک اس بد معاش کی  
شکوہ سیاہ چشمی کا سن ہم سے یہ کہا

بے رحمی اتنی عیب نہیں بے دانا نہ ہو  
کیا کھیلے وہ جو جسے کچھ آسرا نہ ہو  
کافر بھی اپنے یار سے یار ب جدا نہ ہو  
کیا جائے وہ کہ جس کا کہیں دل لگانہ ہو  
اس پرے میں خیال تو کر ٹک خدا نہ ہو  
اس تنگنائے میں کریں کیا جو ہوا نہ ہو  
دل داغ کس طرح سے ہمارا بھلا نہ ہو  
سیر نہیں لگانے کا میں تم خفا نہ ہو

جی میں تو ہو کہ دیکھئے ادارہ میر کو  
لیکن خدا ہی جاتے وہ گھر میں ہو یا نہ ہو

خدا کرے کہ بتوں سے نہ آشنائی ہو  
بدن ناہی ہر آئینہ لوح تربت کا  
بدی نوشتے کی تحریر کیا کروں اپنے  
فرو نہ آئے سر اس کا طوان کعبہ سے  
ہماری چاہ نہ یوسف ہی پر ہو کچھ ہو قونا  
گلی میں اس کی رہا چلے جو کوئی سو رہا  
لسب سوال نہ اک بوسے کیلئے کھولوں  
زمانہ یار نہیں اپنے بخت سے اتنا  
جفا و جور و ستم اس کے آپ ہی سہئے  
ہزار موسم گل تو گئے اسیری میں

کہ پھر موتے ہی بنے ہو اگر جدائی ہو  
نظر جسے ہو اُسے خاک خود نمائی ہو  
کہ نامہ پہنچے تو پھر کاغذ ہوائی ہو  
نصیب بس کو ترے در کی جہہ سائی ہو  
نہیں ہو وہ تو کوئی اور اس کا بھائی ہو  
وہی تو جائے ہو وہاں جس کو کوئی آئی ہو  
ہزار مہر و محبت میں بے نوائی ہو  
کہ مدعی سے اُسے ایک دن لڑائی ہو  
جو اپنے حوصلہ میں کچھ بھی ابد سمانی ہو  
دکھائی دے ہو موتے ہی پر اب رہائی ہو

چلتے و انتہوں سے اس کے ہوں ہو رُکش میر  
عجب نہیں ہو کہ بجلی کی جگ ہنسائی ہو



وہ چاند سا چونکے تو رفع حجاب ہو  
اس پر بھی وہ کہے ہوا بھی ملک خراب ہو  
میں کان کھولے رکھتا ہوں تیرے شتاب ہو  
گل بہ چلے ہیں شرم سے اُس مہ کی آب ہو  
وہاں کس طرح سے دیکھیں ہمارا حساب ہو  
یہ کاروان جاتے ہیں تم سست خواب ہو  
جب نامہ بر ہلاک ہو تب کچھ جواب ہو  
جب لیوں جام ہاتھ میں آفتاب ہو  
اس بھر موج خیز میں تم تو حجاب ہو  
تو ہو فے چاندنی ہو گلانی شراب ہو  
جب اس طرح سے جل کے درون کیا ہو

اگے وہ بان یار کے خط پہنچے سب تہیر  
پہلی جو بات اس کی کہیں تو کتاب ہو

آخر ہوئی کہانی مری تم بھی سو رہو  
اس گوہر گرامی سے اب ہاتھ دھو رہو  
ہلک انگلیوں کو خون میں میرے ڈلو رہو  
کتنے دنوں میں آئے ہو ہاں ات تو رہو  
ٹھہرے تو ٹھہرے دل بھی مرا نکلتے جو رہو  
ملنے ہوئے سمجھ کے کہا کر رہو رہو

خطرہ بہت ہے تہیر رو صعب عشق میں  
ایسا نہ ہو کہیں کہ دل دویں کو کھو رہو

پر ہی ہمارے کئے کی سزا کو  
لب لبستہ بیٹھے رہتے جو ہو مُدعا کو  
کیا جانوں جا کے حق میں کس کے کیا کو  
اس میں مجھے بُرا کہو کوئی بھلا کو

ناچند انتظار قیامت شتاب ہو  
احوال کی خرابی مری پہنچی اس سے  
یہاں آنکھیں مندے دیر نہیں لگتی یہاں  
پھولوں کے عکس سے نہیں جپے چین میں رنگ  
یہاں جرم گنتے انگلیوں کے خط بھی شکے  
غفلت ہے اپنی عمر سے تم کو ہزار حیف  
شان تغافل اُس کی لکھی اہم سے کب گئی  
لطف شراب ابر سے ہے سو نصیب کو  
ہستی پر ایک دم کی تھیں جوش اس قدر  
جی چاہتا ہے عیش کرس ایک رات ہم  
پر بیچ و تاب دو در دل اپنا ہے جیسے زلف

سب سرگزشت سن چکے اب چپکے ہو رہو  
جوش محیط عشق میں کیا جی سے گفتگو  
فندق تو ہے یہ بھی تماشے کا رنگ ہے  
اتنا سیاہ خانہ عاشق سے ننگ کیا  
ٹھہراؤ تم کو شوخی سے جوں بزن ملک نہیں  
آنکھوں اب تجھ سے ہو کے رہا جاوے کس طرح

لا ابق نہیں تمہیں کہ میں نا سزا کو  
چپکے رہے بھی چین نہیں تب کہے یوں  
پیغام بر تو یار دستہ میں کروں ملے  
اب نیکے بد پر عشق میں مجھ کو نظر نہیں

اس پر بھی یا نصیب جو تم بے وفا کو  
اب یہ سن کے کہنے لگے ہیں دُعا کو  
کیا کہنے گر کے کوئی یہ ماجر کو  
میرا کو جو حال تو اس سے جدا کو  
دیکھو مجھے تو خطبلی دوانہ سزا کو

سرخاک آستان پہ تمھارے رہا دام  
برسوں تلک تو گھر میں بلا گالیاں دیاں  
صحبت ہماری اس کی جو کو گفتمی نہیں  
یار و خصوصیت تو ہے اپنی اس کے ساتھ  
آشفتمو جو اس پر لپٹاں خراب حال

کب شرح شوق ہو سکے پر تو بھی میر جی  
خط تم نے جو لکھا ہے کیا کیا لکھا کو

اُس کے بیٹھے پاؤ تو سب بات کر دو  
متصل ہو سکے تو ہم سے ملاقات کر دو  
کہ چلو میکہ تک تم کو کرامات کر دو  
اتنی چپ بھی نہیں ہو غریبی بات کر دو

مت سگ یار سے دعوے مساوات کر دو  
صحبت آخر ہو ہماری نہ کر دو پھر افسوس  
دیدنی ہو یہ ہوا شیخ جی سے کوئی کے  
تم تو تصویر ہوئے دیکھ کے کچھ آئینہ

بس بہت وقت کیا شعر کے فن میں علاج  
میر اب پیر ہوئے ترک خیالات کر دو

محل پھول دیکھنے کو بھی ٹمک اٹھ چلا کر دو  
تم بند بند کیوں نہ ہمارا جدا کر دو  
آنکھیں ادھر سے موند نہ اپنی لیا کر دو  
یوسف کا شور دور ہی سے تم سنا کر دو  
غصہ ہی ہم پہ کاشکے اکشر رہا کر دو  
کتا ہوں اس کے لئے کی کچھ تم دُعا کر دو  
سر نہ لگا کے اور نہیں مت خفا کر دو  
وعدہ کے تئیں وصال کے تم بھی وفا کر دو  
تم بھی حقوق دوستی کے کچھ ادا کر دو  
تم کون چاہتا ہو کسو پر جفا کر دو

جوں غنچہ میر اتنے نہ بیٹھے رہا کر دو  
جوں نے نہ زار و نالہ سے ہم ایک دم رہیں  
سو تے کے سوتے یوں ہی نہ رہ جائیں ہم کھبو  
سو دے میں اُس کے بک گئے ایسے کئی ہزار  
ہوتے ہو میدان تو دیکھو ہو ٹاک ادھر  
یہ اضطراب کچھ کہ اب دشمنوں سے بھی  
دم رکتے ہیں سیاہی مڑ گاں ہی دیکھ کر  
پورا کریں ہیں وعدہ کو اپنے ہم آجکل  
دشمن ہیں اپنے جی کے تمھارے لئے ہوئے  
اپنا چلے تو آج بھی ستم سب اٹھائے

ہر چند ساٹھ جان کے ہو عشق میر لیک  
اس دروِ لا علاج کی کچھ تو دوا کر دو

لا میری اور یارب آج ایک خوش کمر کو  
بے طاقتی میں شب کی پوچھو نہ ضبط میرا  
پھولا پھلانا اب تک ہرگز درختِ خواہش  
ہر روز گار میرا ایسا سیہ کہ یارو  
ہر چند ہر سخن کو تشبیہ دے لیکن  
نزدیک ہو کہ جاویں ہم آپس اب آؤ

لبِ میسر ابر ولیسا بر سائے کر اندھیری  
جیسا کہ روتے ہم نے دیکھا ہر چشم تر کو

مجلس میں بہت دھدکی حالت رہی سب کو  
در و لشیوں کے پیرا ہن صد چاک قصب کو  
دیکھو تو ہو آئینہ میں تم جنبش لب کو  
پہنچا یا ہے آدم تئیں واعظ کے نسب کو  
جاگہ نہیں بھان ورنہ کہیں اس کے غضب کو  
بچھو لو چھو نہ اُس شوخ کی بخش کے سبب کو  
یوں تھپتھپے کوئی کب تئیں اس رنج و قوب کو  
بچھو ہم نے تو یا یا نہیں اب تک تھے ڈھب کو

ہو گا کسو دیوار کے سایہ میں پڑا میسر  
کیا ربطِ محبت سے اس آرام طلب کو

کہ افشاں کیجے خون اپنے سے اس کے دامن میں کو  
کبھو در تک آباے ہائے دل کی تسکین کو  
بہت پی پی گیا دُش سے ترے میں اشکِ خونیں کو  
دکھا دیوں گے ہم محشر میں اسکے دستِ رنگین کو  
دکھایا ہم نے گر حیرہ ترا صورت گر چیں کو  
محبت ہو گئی تھی کوہن سے نقشِ شیریں کو  
سراپا کباب ہی مارا کرے اس خشتِ سیمیں کو

مسطربے پڑھی تھی غزل اک میسر کی شب کو  
پھرتے ہیں چنانچہ لئے خدام سہلاتے  
کیا وجہ کہیں خوں شدنِ دل کی پیایے  
برہ سوں تئیں جب ہم نے تردد کے ہیں تب  
ہر دم کو بھی راہِ دل یار میں بارے  
کیا ہم سے گنہگار ہیں یہ سب جو موتے ہیں  
دل دینے سے اس طرح کے جی کا شکے دیتے  
حیرت ہو کہ ہر مدعی معرفت اک خلق

ملا یارب کہیں اس صیدا فگن ہر بسر گیں کو  
گئے دے سابلے سارے خصوصیت رہی پیایے  
سے جالتے نہیں لہر اب لہو کے گھونٹ یہ مجھ سے  
نہ نکھیں یار کو محض ہائے خونِ ناحق کا  
بخیر حیرت نہ بن آئے گی کوئی شکل پھر اس سے  
ابھر کر سنگ کے تختے سے پھر دیکھا کیا آؤ دھر  
ہم اُس کے چاند سے منہ کے ہیں عاشقِ مئے کیا ہم کو

ہوئے کیا کیا مقدس لوگ آوارہ ترے نظم میں  
بہت مدت ہوئی صحرا سے جنوں کی خبر آئے  
لے تسبیح ہاتھوں میں جو تو باتیں بناتا ہو  
سبک پا کر دکھا پٹو بخ تو نے اہل تمکین کو  
نہیں معلوم پیش آیا ہو کیا اس پیر میں کو  
نہیں دیکھا ہو واعظ تو نے اس غارتگر دیں کو

کیا کوچے سے تیرے اٹھ کے مہیر آشفٹہ سر شاید  
پڑا دیکھا تھا میں نے رہ میں اس گنگنا لیں کو

کیا چہرے خدا نے دیے ان خوش پسروں کو  
آنکھوں سے ہوئی خانہ خرابی دل امی کاش  
پرواز گلستاں کے تو شائستہ نہ بکلی  
سب ابرقہ سی ہیں یہ جو زیر فلک ہیں  
زہر ترے دل کی توجہ نہ ہو ایدھر  
پیرا ہن صد چاک سلاتے ہیں مرا لوگ  
جوں اشک جہاں جاتے رہیں گے تو گئے  
اس بانع کے ہر گل سے چمک جاتی ہیں انھیں  
آداب جنوں چاہئے ہم سے کوئی سیکھے

دینا تھا تنک رحم بھی بیدا گردوں کو  
کر لیتے تھی بندہ ہم ان دونوں دروں کو  
پروانہ منظر آگ ہم اب دس گے پروں کو  
موتدا ہو کہاں عشق نے ان جانوروں کو  
آگے ترے ہم کارٹر رکھیں گو جگروں کو  
تہ سے نہیں مطلق خبر ان بے خبروں کو  
دیکھا کرو تنک آن کے ہم میدہ تروں کو  
مشکل بنی ہو آن کے صاحب نظروں کو  
دیکھا ہو بہت یاروں نے آشفٹہ سروں کو

اندیشہ کی جاگہ ہو بہت مہیر جی مرنا  
در پیش عجب راہ ہو ہم تو سفروں کو

عنایت ازلی سے جو دل ملا مجھ کو  
تنک شراب ضعیف الدماغ ہوں ساقی  
پڑا ہے کوئی مردہ سا کب تلک خاموش  
جنوں میں سخت ہو اس لفت علاؤ دل  
فلک کی چرخ زنی برسوں ہو تو مجھ سا ہو  
رہا تھا خون تیں ہمرہ سو آگہی خون ہر چیف  
درستی جیب کی اتنی نہیں ہوا زنا صبح  
ہوا ہوں خاک پیر دل کی دہی ہو ناصانی

محفل شکر ہو آتا نہیں گلا مجھ کو  
دم سحرے پر زور مست پلا مجھ کو  
ہلا کہیں لب جاں بخش کو جلا مجھ کو  
خوش آگیا ہو نہایت یہ سلسلا مجھ کو  
سمجھ سمجھ کے تنک خاک میں ملا مجھ کو  
رفیق تجھ سا ملے گا کہاں دلا مجھ کو  
بنے تو سینہ صد چاک دے سلا مجھ کو  
ابھی اس آئینہ کی کرنی ہو جلا مجھ کو

مگر کہ مردن دشوار میسر سہل ہے۔ شوخ !  
 ہلاک کرتا جو تیسرا مسالہ مانجھ کو  
 ہوتی کچھ عشق کی غیت بھی اگر بلبل کو لہٹ  
 میں نے سراپا دھنا تھا تبھی اس شوخ نے جب  
 مستی اُن آنکھوں سے نکلے ہو اگر دیکھو خوب  
 جیسے ہوتی ہو کتاب ایک رق بن ناقص  
 نسبت نام اسی طور ہو جسے سہل کو  
 ایک لحظہ ہی میں بل سارے نکل جاتے میسر  
 پہنچ اُس زلف کے دینے تھے دکھا سنبل کو

یوں کب ہوا ہو پیارے پاس اپنے تم بلا لو  
 اب جو نصیب میں ہے سو دیکھ لوں گا میں کبھی  
 جنبش بھی اُس کے آگے ہو ٹھوں کو ہو تو کہو  
 دونوں ہی میں شرب کے ہو گا مکان ہو کا  
 نام خدا ستم میں تم نامور تو ہو ہی  
 زلف اور خال و خط کا سودا نہیں ہے اچھا  
 یاران رفتہ ایسے کیا دور تر گئے ہیں  
 بازاری سارے ہی کہتے ہیں راز بیٹھے  
 یوں رفتہ اور ہیچو کب تک رہا کر فگے  
 تم اب بھی میسر صاحب اپنے تئیں سنہالو

## زلف ہائے ہونہ

یاد جب آتی ہے وہ زلف سیاہ  
 گھل گیا منہ اب تو اس محبوب کا  
 شرم کرنی تھی مرا سر کاٹ کر  
 یار کا وہ ناز اپنا یہ نسیاز  
 دین میں اس کا سر بے رحم کے  
 سانپ سا چھاتی پہ پھر جاتا ہو آہ  
 کچھ سخن کی بھی نکل آوے گی راہ  
 سو تو اُن نے اور ٹیڑھی کی کلاہ  
 دیکھتے ہوتا ہے کیونکر یوں بناہ  
 اجراک رکھتا ہے خون بے گناہ

پتھر دل سے سینہ کو بی میں نے کی  
مولے چک مجھ کو آنکھیں موند کر  
لذت دنیا سے کیا بسرہ ہمیں  
روٹھ کر کیا آپ ملنے میں لطف  
ضبط بہتیرا ہی کرتے ہیں ولے  
اُس کے روکے رفتہ ہی آئے ہیں یہاں  
دیکھ رہتے دھوتے اُس بختار کے

دل کے ماتم میں مری چھاتی سراہ  
دیکھ تو قیمت ہو میری اک نگاہ  
پاس ہو زندگی ولے ہو ضعف باہ  
ہوئے وہ بھی تو کبھو ٹک عذر خواہ  
آہ اک سنہ سے نکل جاتی ہو گاہ  
آج سے تو کچھ نہیں یہ جی کی چاہ  
دایہ منہ دھوتے جو کہتی ماہ ماہ

شیخ تو نے خوب سمجھا میرے  
واہ وا ای بے حقیقت واہ واہ

ظالم یہ کیا نکالی رفتار رفتہ رفتہ  
ہر آن ہم کو تجھ بن ایک برس ہوئی ہو  
کیا گئے کیونکہ جانیں بے پڑا جاتیاں ہیں  
یہ ہی سلوک اُس کے اکثر چلے گئے تو  
پامال ہوں کہ اس میں ہوں خاک سے برابر  
چاہت میں دخل مت دے زہنا رازد کو  
خاطر نہ جمع رکھو ان پلکوں کی خلش سے  
تھے ایک ہم دے دونوں سوا اتحاد کیسا

اس چال پر چلے گی تلوار رفتہ رفتہ  
کیا آگیا زمانہ اسے یار رفتہ رفتہ  
اس معنی کا بھی ہوگا اظہار رفتہ رفتہ  
بیٹھیں گے اپنے گھر ہم ناچار رفتہ رفتہ  
اب ہو گیا ہے سب کچھ ہموار رفتہ رفتہ  
کڑے ہو دل کی خواہش بیمار رفتہ رفتہ  
سردل سے کاڑھتے ہیں خار رفتہ رفتہ  
ہر بات پر اب آئی تکرار رفتہ رفتہ

گر بتکدے میں جانا ایسا ہے میسر حیرتی  
تو تار سب ہوگا زتار رفتہ رفتہ

پیدا نہیں جہاں میں قید جہاں سے رستہ  
ظالم بھلی نہیں ہو برہم زنی مڑگاں  
پائے خنای اُس کے ہاتھوں ہی پرکھے ہیں  
شہر چین سے کچھ کم دشت جنوں نہیں ہو

مانند برق ہیں یہاں دے لوگ بستہ بستہ  
مر جائے گا کسودن یوں کوئی سینہ خستہ  
پر اُس کو خوش نہ آیا یہ کار دست بستہ  
یہاں گل ہیں ستہ رستہ دھان مرغ دستہ دستہ

معمار کا وہ لڑکا پتھر ہو اس کی خاطر  
کیوں خاک میں ملا تو ای میسر دل شکستہ

ہلک پاس آ کے کیسے صرفے سے میں کشیدہ  
اب خاک تو ہماری سب سبز ہو چلی ہے  
یوسف سے کوئی کیونکر اس ماہ کو ملائے  
بندے کے دردِ دل کو کوئی نہیں پہنچتا  
کیا دوسو سو ہے مجھ کو عزت جینے کا یہاں  
ہم کاڑھ کر جگر بھی آگے تمھارے رکھا  
سایہ سے اپنے وحشت ہم کو رہی ہمیشہ  
منصور کی نظر تھی جو دار کی طرف سو

گویا کہ ہیں یہ لڑکے سپر زمانہ دیدہ  
کب منہ ادھر کرے گا وہ آہو رسیدہ  
ہر فرق رات دن کا از دیدہ تاشنیدہ  
ہر ایک بے حقیقت یہاں ہے خدا رسیدہ  
نکلانہ میرے دل سے یہ خارِ ناخلیدہ  
پھر یا انیسب اس پر تم جو ہوئے کبیدہ  
جوں آفتاب ہم بھی کیسے ہے جربیدہ  
پھل وہ درخت لایا آخر سرِ بریدہ

ذوقِ سخن ہوا ہے اب تو بہت ہیں بھی  
لکھ لیں گے میسر جی کے کچھ شعرِ حیدر

پھرتی ہیں اُس کی آنکھیں آنکھوں سے ہمیشہ  
تسلیع ایک دن ہوئے تو کوئی کہنے  
اک اُس مغل بچے کو وعدہ وفا نہ کرنا  
کب تک وفا کرے گا یہ جو صلہ ہمارا  
اس جسمِ خاکی سے ہم مٹی میں لٹے ہیں  
آئندہ دروندہ باؤس سرِ کبوتر

رہتا ہے اب دیدہ یہاں تانگلے ہمیشہ  
ترپے جگر ہمیشہ تھپاتی جلے ہمیشہ  
کچھ جا کہیں تو کرتا آئے بے ہمیشہ  
دل پیسے دردِ اکثر غم جی ملے ہمیشہ  
یوں خاک میں کہاں تک کوئی ہے ہمیشہ  
قاصدِ نیا ادھر کو کب تک چلے ہمیشہ

مسجد میں چل کے ملے جمعہ کے دن بنے تو  
ہوئے ہیں میسر صاحبِ حیاں دن چلے ہمیشہ

لطف کیا ہر کسو کی چاہ کے ساتھ  
وقت کڑھنے کے ہاتھ دل پر رکھ  
عشق میں ترک سر کے ہی بنے  
ہو اگر چند آسمان پہ و سنے  
سفری وہ جو مہ ہوا تا دیر  
جاذبہ توان آنکھوں کا دیکھ  
میسر سے تم برس ہی رہتے ہو

چاہ وہ ہے جو ہو نباہ کے ساتھ  
جان جاتی ہے نہ آہ کے ساتھ  
مشورت تو بھی کر کلاہ کے ساتھ  
نسبت اُس مہ کو کیا ہر ماہ کے ساتھ  
چشمِ اپنی تھی گردِ راہ کے ساتھ  
جی چھپے جاتے ہیں نگاہ کے ساتھ  
کیا شراستہ از خیر خواہ کے ساتھ

کچھ طبیعت جو مخالف ہیں انہوں سے جا سمجھ  
ایک فتنہ ہے وہ اس کو آہ مت لڑکا سمجھ  
گرچہ خوش ظاہر ہیں یہ پران کوست اچھا سمجھ  
آشیاں اس پانے میں لیل نے باندھا کیا سمجھ  
کھانے ہی کو دوڑتا ہے اب مجھے حلوا سمجھ  
دو قدم آگے نہ آیا مجھ کو وہ ترسا سمجھ

ہم سے کیوں الجھا کر ہے آسمان سمجھ  
یار کی ان بھولی باتوں پر نہ جا ای ہمنشین  
خوبرو عشاق سے بد پیش آتے ہیں کبھی  
باغباں بے رحم، گل بے دید، موسم بی وفا  
میں جو نرمی کی تو دونا سر چڑھا وہ بدعاش  
دور سے دیکھی جو بد حالی وہیں سے مل گیا

میتیر کی عتاریاں معلوم لڑکوں کو نہیں  
کرتے ہیں کیا کیا ادائیں اس کو ساداسا سمجھ

ہر مزا جوں میں اپنے سودا کچھ  
پھیلتا سا چپلا یہ دریا کچھ  
شور ہے میرے سر میں کیا کچھ  
کم تھا شیا نہیں یہ پردا کچھ  
آپے تو گیا نہ سمجھا کچھ  
گو نہ ہو اُس کو میری پردا کچھ  
آنکھ میں آئی یہ نہ دنیا کچھ  
زنگ صحبت نہیں ہے اچھا کچھ  
اپنے نزدیک تو نہ ٹھہرا کچھ

کھینچتا ہے دلوں کو صحر کچھ  
دل نہیں جمع چشم تر سے اب  
شہر میں حشر کیوں نہ برپا ہو  
دیسے ظاہر کا لطف ہے چھپنا  
خلق کی کیا سمجھ میں وہ آیا  
یاس سے مجھ کو بھی ہو استغنا  
کچھ نہ دیکھا تھا ہم نے پر تو بھی  
اب تو بگڑے ہی جاتے مرغِ باں  
کچھ کہو دور ہے بہت وہ شلوخ

وصل اُس کا خدا نصیب کرت

میتیر دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ

صورت اک اعتبار سا ہے کچھ  
دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ  
کنے کو اختیار سا ہے کچھ  
آنکھوں میں سو غبار سا ہے کچھ  
دوش پر اپنے بار سا ہے کچھ  
اور حقون میں پیار سا ہے کچھ

بود نقش و نگار سا ہے کچھ  
یہ جو ہمت جسے کہیں ہیں عمر  
منہ نہ ہم جبروں کا کھلواؤ  
منتظر اُس کی گرد راہ کے تھے  
ضعف پیری میں زندگانی بھی  
کیا ہے دیکھو ہو جو ادھر ہر دم



اُس کی برہم زنی مڑگاں سے  
دل میں اب خار خار سا ہو کچھ

جیسے عنقا کہاں ہیں ہم اے مہر  
شہروں میں اشتہار سا ہو کچھ

آجے کہنے میں رہا ہو غم سے گرا حوال کچھ  
بے زری سے داغ ہیں لیکن لبوں پر مہر ہو  
کام کو مشکل دل پُر آرزو نے کر دیا  
دل ترا آیا کسو کے تہ تیغ میں جو سدھ گئی  
ماہ سے ماہی تلک اس داغ میں ہیں مبتلا  
ایک ن کج نفس میں ہم کہیں رہ جائیں گے

کیا اُس آتش باز کے نوٹ سے کا انا شوق مہر  
یہ چلی ہو دیکھ کر اُس کو تمہاری رال کچھ

اب تو صبا چمن سے آتی نہیں ادھر کچھ  
ذوقِ خبر میں ہم تو بہوش ہو گئے تھے  
یہ طشتِ دنیج ہو اب یہ میں ہوں اور یہ تو  
وے دن گئے کہ بے غم کوئی گھڑی کے بھی  
ان اُجڑی بستیوں میں دیوار و درہیں کیا کیا  
واعظانہ ہو معارضِ نیک بدرجہاں میں  
آنکھوں میں سیری عالم سارا سیاہ ہو اب  
ہم نے تو ناخنوں سے منہ سارا نوح ڈالا  
تلوار کے تلے ہی کاٹی ہو عمر ساری

ہم تک نہیں پہنچتی گل کی خبر عطر کچھ  
کیا جانے کب وہ آیا ہم کو نہیں خبر کچھ  
ہو ساتھ میرے ظالم دعویٰ تھے اگر کچھ  
تھمتے نہیں ہیں اُنسو اب تو پہر پہر کچھ  
آنا رجن کے ہیں یہ اُن کا نہیں اتر کچھ  
جو ہو سکے تو غافل اپنا ہی فکر کچھ  
مجھ کو بغیر اُس کے آتا نہیں نظر کچھ  
اب کوہ کن دکھاے رکھتا ہو گر ہنر کچھ  
اب روئے خم سے اُس کے ہم کو نہیں بڑھ کچھ

کہ شیفۃ ہیں سو کے گہ باؤں میں رو کے  
اعوالِ مہر جی کا ہو شام کچھ سحر کچھ

## روایتِ الیاء

ہم سے دیکھا کہ محبت نے ادا کیا کیا کی  
ایک دل قطرہ غولِ تہ پہ جفا کیا کیا کی

کس کو لاگی کہ نہ لو ہو میں ڈبایا اس کو  
جان کے ساتھ ہی آخر مرضِ عشق گس  
اُس نے چھوڑی نہ طرفِ جور و جفا کی ہرگز  
سجدہ اک صبح ترے در کا کروں اس خاطر  
اگ سی چھکتی ہی دنِ اُت رہا کی تن میں

میر نے ہوتھوں سے اُس کے نہ اٹھایا جی کو  
خلق اُس کے تئیں یہ سن کے کہا کیا کیا کی

کچھ کروں مگر مجھ دوانے کی  
دل کا اُس کچ لپے دے ہیں نشان  
وہ جو پھرتا ہو مجھ سے دور ہی دور  
تیز یوں ہی نہ تھی شبِ آتش شوق  
خضر اُس خطِ سبز پر تو مَوا  
دل صد چاک بابِ زلف ہو لیک  
کسو کم ظرف نے لگائی آہ  
ورنہ اے شیخِ شہرِ واجب تھی

دھوم ہو پھر بہار آنے کی  
بات لگتی تو ہر ٹھکانے کی  
ہو یہ تقریبِ جی کے جانے کی  
تھی خیر گرم اُس کے آنے کی  
دھن ہو اب اپنے زہر کھانے کی  
باد سی بندہ رہی ہو شانے کی  
تجھ سے میخانے کے جلالے کی  
جامِ داری شرابِ خالے کی

جو ہو سو پائمال غم ہو میر  
چال بے ڈول ہو زمانے کی

میر دریا ہو سنے شعرِ زبانی اُس کی  
خاطرِ بادِ یہ سے دیر میں جاوے گی کہیں  
ایک ہے عہد میں اپنے وہ پراگندہ منزل  
منہ تو بوجھار کا دیکھا ہی برستے تم نے  
بات کی طرز کو دیکھو تو کوئی جباو تھا  
کر کے تعوید رکھیں اُسکو بہت بھاتی ہو  
اُس کا وہ عجزِ تنہا را یہ غسرِ درِ خوبی  
بچھ لکھا ہو تجھے ہر برگ پہ اے رشکِ بہار

اللہ اللہ بے طبیعت کی روانی اُس کی  
خاک مانند بگولے کے اڑانی اُس کی  
اپنی آنکھوں میں نہ آیا کوئی ثانی اُس کی  
اسی انداز سے تھی اشکِ فشانِ اُس کی  
پر ملی خاک میں کیا سحرِ بیانی اُس کی  
وہ نظرِ پائوں پہ وہ باتِ جوانی اُس کی  
منتیں اُس نے بہت کیں پہ نہ مانی اُس کی  
رقعہ داریں ہیں یہ اوراقِ خزانِ اُس کی

سو گئے تم نہ سنی آہ کہانی اُس کی  
شہر دلی میں ہو سب پاس نشانی اُس کی  
کیا عوض چاہ کا تھا خصوصی جانی اُس کی  
درد مندی میں گئی ساری جوانی اُس کی

سرگزشت اپنی کس اندوہ سے شب بکھتا تھا  
مرثیے دل کے کئی کہہ کے دئے لوگوں کو  
سیان سے نکلی ہی پڑتی تھی تمھاری تلوار  
آہلے کی سی طرح ٹپس لگی پھوٹ بھی

اب گئے اُس کے جزا فوس نہیں کچھ حال  
حیف مدحیف کہ کچھ قدر نہ جانی اس کی

اس تختے نے ہو اب کی قیامت بہار کی  
خواہش ہو اپنے جی میں بھی بوس و کنار کی  
دل میں چبھا کی رات کو جوں نوک خار کی  
دیکھوں تو گرد کب اٹھے اُس رہ گزار کی  
سنہ سے نکل ہی جاتی ہو اک بات پیار کی  
رکھتا تھا ایک جان سو تجھ پر نثار کی  
نازک بہت ہو طبع مرے دل شکار کی  
ہم کچھ نہ سمجھے راہ و روش اپنے یار کی

کی سیر ہم نے سینہ یکسر فگار کی  
دریائے حسن یار تلاطم کرے کہیں  
اپنا بھی جی اسیر تھا آواز عندلیب  
آنکھیں غبار لائیں مری انتظار میں  
مقدور تک تو ضبط کروں پہ کیا کروں  
اب گرد سر پہروں ترے ہوں میں فقیر محض  
کیا صید کی تڑپ کو اٹھائے دماغ یار  
رکھتا نہیں طریق وفا میں کبھو قدم

کیا جانوں چشم ترے آدھ دل پہ کیا ہوا  
کس کو خبر جو میرے سندر کے پار کی

سر ہمارے ہیں گوے میداں کی  
تھی تو اضع ضرور تھاں کی  
ترجہی پلکیں تری بھویں بانگی  
منت اٹھتی نہیں ہو درباں کی  
بات بگڑی لب گریباں کی  
دشمنی میرے دین و ایماں کی

پٹہ بازی سے چرخ گرداں کی  
جی کیا اُس کے تیسرے ہمراہ  
ہیں لئے آبروے خنجر و تیغ  
پھوڑ ڈالیں گے سر ہی اُس درپر  
سردامن سے گفتگو کرے  
اُس بت شوخ کی ہو طینت میں

آدمی سے ملک کو کیا نسبت  
شان ارفع ہو میر انساں کی

لہ پٹہ بازی چرخ ۔ پٹہ بازی فن معروف کا نام ہو۔

مارا خراب کر کر تعذیر کیا نکالی  
صفے پڑ کے میں نے تصویر کیا نکالی  
بات اور بھی بنائی تقریر کیا نکالی  
نہوں نیزی کو ہماری شمشیر کیا نکالی  
آزار کے مناسب تدبیر کیا نکالی  
اب کی جنوں میں ہم نے زنجیر کیا نکالی

رکھا گندہ دنا کا تعصیر کیا نکالی  
رہتی ہو چیت چڑھی ہی نہ ات تیری ہوتی  
چپ بھی مری جتنائی اس سے مخالفوں نے  
بس تھی ہیں تو تیری ابرو کی ایک جنبش  
کی اس طلیب جاں نے تجوین مرگ عاشق  
دل بندہ ہمارا مویج ہولے گل سے

نامہ پہ لوہو رو رو خط کھینچ ڈالے سارے  
یہ مسکریٹھے بیٹھے تحریر کیا نکالی

کیا کہئے آج صبح عجب کچھ ہوا چلی  
کیا ہو جو اس چین میں یہ ایسی چلا چلی  
ہندی لکھ کی آگ دلوں میں لگا چلی  
تلوار اس کی چال پہ کیا ایک جا چلی

جی رشک سے گئے جو ادھر کو صبا چلی  
کیا رنگ بو و بادِ سحر سب میں گرم راہ  
تو دو قدم جو راہ چلا گرم اے نگار  
فتنہ ہو اس سے شہر میں برپا ہزار جا

یہ جو رو جو رکش تھے کہاں لگے عشق میں  
تجھ سے جفا و مہر سے رسم و نا چلی

کیا ہی مست شراب ہو وہ بھی  
دور مجھ سے کباب ہو وہ بھی  
ایک حاضر جواب ہو وہ بھی  
دیکھئے تو سراب ہو وہ بھی  
قاصد پر شتاب ہو وہ بھی  
زلف پر پیچ و تاب ہو وہ بھی

آج کچھ بے حجاب ہو وہ بھی  
میں بھی جلتا نہیں جدا دل سے  
سائل بوسہ سب گئے محروم  
وہم جس کو محیط سمجھا ہو  
کم نہیں کچھ صبا سے اشک گرم  
حسن سے دو دل نہیں خالی

خانہ آباد کہے میں تھا میرے  
کیا خدائی خراب ہو وہ بھی

اس لوٹے دامن کو پاس آ کے اٹھانا بھی  
پھر چال کدھب چلنا ٹھوکر نہ لگانا بھی  
کیا مژدہ کو چھیپانا بھی کچھ جھکی دکھانا بھی

دزدیدہ نگہ کرنا پھر آنکھ ملانا بھی  
پامالی عاشق کو منظور رکھے جانا  
برقع کو اٹھا دینا پر آدھے ہی پھر سے

دیکھ آنکھیں مری نیچی اک مارنا پتھر بھی	ظاہر میں ستانا بھی پرے میں جتنا بھی
صہجت ہو یہ ویسی ہی اور جان کی آسائش	ہما تھ آن کے سونا بھی پھر منہ کو چھپانا بھی
<p>یار بن تلخ زندگانی تھی سر سے اُس کے ہوا گئی کبھو ملطف پر اُس کے ہنشین مت جا ہاتھ آتا جو تو تو کس ہوتا شعب میں فائدہ تامل کا میر قصے سے سب کی گتیں بندیں عاشقی جی ہی لے گئی آخر اُس رُخ آتشیں کی شرم سے آ پھر سخن نشنوی ہو ویسی ہی کوئے قاتل سچ کے نکلا خضر</p>	<p>دوستی مدعی جانی تھی عمر بربادیوں ہی جانی تھی کبھو ہم پر بھی ہربانی تھی بیرون ملک ہم نے خاک چھانی تھی سو چنا تب تھا جب جوانی تھی کچھ عجب طور کی کمائی تھی یہ بلا کوئی ناگمانی تھی شعب مجلس میں پانی پانی تھی رات ایک دھبات مانی تھی اسی میں اس کی زندگانی تھی</p>
نظر پر بھی تھا میر کے اک رنگ	کفنی پہنی سو زعفرانی تھی
<p>وہ رابطہ نہیں وہ محبت نہیں رہی دیکھا تو مثل اشک نظر سے گرا دیا زندہ صے سے جی کے کس کو رہا ہو دماغ حروف تھی تاب جی میں جب تین سچ و لقب کھنچے منعم اہل کا طول یہ کس جینے کے لئے دیوانگی سے اپنی ہو اب ساری بات خبط</p>	<p>اس بے وفا کو ہم سے کچھ الفت نہیں رہی اب سیری اُس کی آنکھ میں عزت نہیں رہی دم لینے کی بھی ہم کو تو فرصت نہیں رہی وہ جسم اب نہیں ہو وہ قدرت نہیں رہی جتنی گئی اب اتنی تو مدت نہیں رہی افراط اشتیاق سے وہ مت نہیں رہی</p>
پیدا کہاں ہیں ایسے پرانہ طبع لوگ	افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی
<p>عشق میں فلت ہوئی خفت ہوئی تمہت ہوئی زلفت کس اس بے دید کا تو متصل پڑتا تھا صبح</p>	<p>آخر آخر جان دی یاروں نے یہ صحبت ہوئی دن چڑھے کہا جانوں آئینے کی کیا صورت ہوئی</p>

روح سینہ پر مرے سونیزہ خطی لگے  
 کھولتے ہی آنکھیں پھر بھیاں موندنی ہکوڑیں  
 پاؤں میرا کلبہ احزاں میں اب رہتا نہیں  
 مر گیا آوارہ ہو کر میں تو خیسے گردِ باد  
 شاد و خوش طالع کوئی ہو گا کسو کو چاہ کر  
 دل کا جانا آجکل تازہ ہوا ہو تو کساں  
 شوقِ دل ہم ناتوانوں کا لکھا جاتا ہو کب  
 کیا کفِ دست ایک میداں تھا بیا باں عشق کا  
 یوں تو ہم عاجز ترین خلقِ عالم ہیں ولے  
 گوشِ زد چٹ پٹ ہی مرنا عشق میں اپنا ہوا  
 بے زباں جو کہتے ہیں مجھ کو سوچ رہے جاں کے  
 ہم نہ کہتے تھے کہ نقشِ اس کا نہیں نقاشِ ہل  
 اس غزل پر شام سے تو صوفیوں کو وجد تھا

غسٹگی اس دل شکستہ کی اسی بابت ہوئی  
 دید کیا کوئی کرے وہ کس قدر مہلت ہوئی  
 رفتہ رفتہ اس طرف جانے کی مجھ کو لت ہوئی  
 پر جسے یہ واقعہ پہنچا اُسے وحشت ہوئی  
 میں تو کلفت میں رہا جب مجھے اُلفت ہوئی  
 گزے اس بھی سانچے کو ہمیشہ مدت ہوئی  
 اُس تلک آج بھی پہنچنے کی اگر طاقت ہوئی  
 جان سے جب اس میں گزرتے ہیں راحت ہوئی  
 دیکھو قدرتِ خدا کی گراہیں قدرت ہوئی  
 کس کو اس بیماری کا کماہ سے فرصت ہوئی  
 معرکہ میں حشر کے گربات کی رخصت ہوئی  
 چاند سارا لگ گیا تب نیم رخ صورت ہوئی  
 پھر نہیں معلوم کچھ مجلس کی کیا حالت ہوئی

کم کسو کو میسر کی میت کی ہاتھ آئی نماز  
 نقش پر اُس بے سرو پا کی بلا کثرت ہوئی

قوت کو پیرانہ سر دلی میں چیرانی ہوئی  
 باو لے سے جب تلک بکتے تھے سب کہتے تھے پیار  
 لو ہو پانی ایک دونوں لے کیا میرا ندان  
 کیا چھپا کچھ رہ گیا ہو مدائے خطِ شوق  
 آنکھ اٹھا کر ٹاک جو دیکھا گھر کے گھر بھلا دے  
 مرتبہ واجب کا سمجھے آدمی ممکن نہیں  
 چاہ کر اس بے وفا کو آخراپنی جان دی  
 بنبل اس غیبی سے گل ہو سیمائی یار  
 فیضِ مست یاد بتاں کو رات کا سا ذکر جان  
 غنچہ گل ہو گلابی پھول ہو جامِ شرب

بچی جو آئے سفر سے خوب مہمانی ہوئی  
 عقل کی باتیں کیاں کیا ہم نادانی ہوئی  
 یعنی دل لو ہو ہوا سب سب پانی ہوئی  
 رقعہ دار اب اشکِ غنیمت سے توافشانی ہوئی  
 اک نگہ میں سیکڑوں کی خانہ ویرانی ہوئی  
 فہم سودائی ہوا بچاں عقل دیوانی ہوئی  
 دوستی اُس کی ہماری دشمن جانی ہوئی  
 تو عبت اور بے حقیقت غنچہ پیشانی ہوئی  
 یہ صنم گوئی ہماری کیا خدا خوانی ہوئی  
 توڑنے تو توڑی توبہ اب پشیمانی ہوئی

اچٹم ہوتے ہوتے ترکچہ سب بھری رہنے لگی  
دل تڑپتا تھا نہایت جان نے تشکیں کی  
اب ہوئی خطرے کی جاگہ کشتی طوفانی ہوئی  
بارے اپنی ایسی مشکل کی بھی آسانی ہوئی

جب سے دیکھا اس کو ہم نے جی ڈبا جاتا ہو میر  
اس خرابی کی یہ چٹم روسیہ بانی ہوئی

ہتوں سے آنکھ کیوں میں نے لڑائی  
نرا دھوکا ہی ہو دریا سے ہستی  
بگڑتی ہی گئی صورت ہماری  
نہ نکلا ایک شب اس راہ وہ ماہ  
کہا تھا میں نہ دیکھوں غیب کی اور  
نہ ملے خاک میں کہ کیونکہ پیارے  
جفا اُس کی نہ پہنچی انتہا کو  
گلے اُس مہ نے لگ کر ایک درات  
نہ تھا جب درمیاں آئینہ تب تک  
نظر اُس کی پڑی چہرہ پر اپنے

طرف رہو مجھ سے اب ساری خدائی  
نہیں کچھ تہ سے تجھ کو آشنائی  
گئے پر دل کے پھر کچھ بن نہ آئی  
بہت کی ہم نے طالع آزمائی  
سو تم نے آنکھ مجھ سے ہو چھپائی  
گزرتی ہو کڑی تیسری جدائی  
درعیسا عمر نے کی بے وفائی  
مہینوں تک مری چھاتی جلائی  
تھی اک صورت کہ ہو جائے صفائی  
تدبیروں سے آنکھ اب کب ملانی

بڑھائی کس قدر بات اُس کے قد کی

قیامت میر صاحب ہیں جو الی

مطر سے غول میر کی کل میں نے پڑھائی  
اس مطلع جاں سوز نے اُس کے لبوں پر  
خاطر کے علاقہ کے سبب جان کھپائی  
گو اُس رُخ متابی سے وہاں چاندنی چھلکی  
سہر بحر میں اشعار کے عہد کو کھویا  
بھیڑ میں ٹلے اس ابروئے خمدار کے ملتے  
دل اور جگر جل کے مرے دونوں ہوئے خاک

الندرسے اثر سب کے تئیں رفتگی آئی  
کیا کہنے کہ کیا صوفیوں کی چھاتی جلائی  
اس دل کے دھڑکنے سے عجب کفٹ اٹھائی  
یہاں رنگ شکستہ سے بھی چھپتی ہو ہوائی  
اس گوہرِ نایاب کی کچھ بات نہ پائی  
لاکھوں میں اُس اوباش نے تلوار جلائی  
کیا پوچھتے ہو عشق نے کیا آگ لگائی

لہ جوانی باہمت - دلیر جلالہ - ترقی تہذیبی - مطربہ - طبعی غزل - میر کی شب کو مجلس میں بہت وجد کا عالم رہا سب کو

بیتاب مجھے دیکھ کے کچھ بات بنائی  
اس بات کے تئیں جانتی ہر ساری خدائی  
اپنی سی جس نے کی بہت ہرزہ درائی  
بلبل نے مری طرز سخن صاف اڑائی  
یہ بات مری ضد سے تمہیں کن نے بتائی

قاصد کے تصنع نے کیا دل کے تئیں داغ  
چھکی ہو مری آنکھ لب لعل بتاں سے  
میں دیر پہنچ کے نہ کیا قصد حسرم پھر  
فریاد انھیں رنگوں ہو گلزار میں ہر صبح  
مجلس میں مرے ہوتے رہا کرتے ہو چپکے

گردش میں جو ہیں مہرِ مہ و مہر ستارے  
دن رات ہیں رہتی ہو یہ چشمِ نمائی

کلاہشیں کیا کیا اٹھا جاتا ہو جی  
پر وہ آتا ہو تو آ جاتا ہو جی  
کچھ بتا سا سا گھلا جاتا ہو جی  
یاد بھی لگتا ہو یا جاتا ہو جی  
جی ہمارا پھیر چلا جاتا ہو جی  
ہولے ہولے کوئی کھا جاتا ہو جی  
یعنی ساتھ اُس کے چلا جاتا ہو جی  
حیف ہو اس میں رہا جاتا ہو جی  
سو تو اب آپھی ڈھا جاتا ہو جی  
رات سے کیا کیا رکھا جاتا ہو جی

تجھ کے بیٹھے گھٹا جاتا ہو جی  
یوں تو مردے سے پڑے ہستے ہیں ہم  
ہائے اُس کے شربتِ لب سے جدا  
اب کی اُس کی راہ میں جو ہو سو ہو  
کیا کہیں تم سے کہ اُس شعلہ بغیر  
عشق آدم میں نہیں کچھ چھوڑتا  
اٹھ چلے پر اُس کے غش کرتے ہیں ہم  
انہیں پھر تا وہ مرتے وقت بھی  
رکتے تھے کیا کیا بنائیں پیشتر  
آساں شاید وہ کچھ آگیا

کلاشکے برقِ رہے اس مٹخ پہ میر  
منہ کھلے اُس کے چھپا جاتا ہو جی

کوئی دن ہی میں خاک سی سب اڑادی  
نہ خضر و بلد بچاں نہ رہبر نہ ہادی  
نہ مرنے کا نعم ہو نہ جینے کی شادی  
عجب آگ دل میں جل کر میں لگا دی  
یہ رسم کن آہ تم نے اٹھا دی  
پھرے ہم بگولے سے دادی بہ دادی

متاع دل اس عشق نے سب جلا دی  
دلیل اس بیاباں میں دل ہی ہو اپنا  
مزا جو میں یاس آگئی ہو ہمارے  
نہ پوچھو کہ چھاتی کے جلنے نے آخر  
وفا لوگ آپس میں کرتے تھے آگے  
جدا ان غزالانِ شہری سے ہو کر

لہ زندہ نے جی کے خاکسین بگولہ دیا ہم گویا کہ آساں بہت آگیا در سے۔ (میر)



<p>ہوا یہ سبب اپنے مرنے کا بادی طیب محبت نے کیسی دوا دی ہیں زیر دیوار سے خانہ جادی</p>	<p>صبا اس طرف کو چلی جل گئے ہم وہ نسخہ جو دیکھا بڑھا روگ دل کا لے قصر جنت میں پیرمغاں کو</p>
<p>نہ ہو عشق کا شور تا میرے ہرگز چلے بس تو شہروں میں کرے منادی</p>	<p>صبح ہو کوئی آہ کر لیجے چشم گل بانغ میں مندی جاوے</p>
<p>آسماں کو سیاہ کر لیجے جو بنے اک نگاہ کر لیجے</p>	<p>ابر رحمت ہو خوش میں جو ہے یعنی ساقی گناہ کر لیجے</p>
<p>چشم بیمار کے دیکھ آنے کی رخصت دیجے موسم گل ہے جب تک مجھے حملت دیجے کس کو لے مرے میاں اور کسے تہمت دیجے اتنی ای ضعف محبت ہمیں طاقت دیجے</p>	<p>یک نثرہ ای دم آخر مجھے فرصت دیجے نو گرفتار ہوں اس بانغ کا رحم ای بنیاد اپنے ہی دل کا گنہ ہو جو جلاتا ہو تجھے چھوٹے ہیں قید قفس سے تو چمن تک پہنچے</p>
<p>مر گیا میرے نہ آیا ترے جی میں ای شوق اپنے محنت زدہ کو بھی کبھی راحت دیجے</p>	<p>گرناز سے وہ سر پر لے تیغ آنے پہنچے جیتے رہیں گے کیونکر تمام ای طبیب ناداں لائق ترے نہیں ہو فصلی غیب لیکن ہر چند بہر خواباں سر مسجدوں میں مانے</p>
<p>منزل کو عاشق اپنے مقصد کی جان پہنچے بیمار ایسے تش پر مطلق دوا نہ پہنچے وہ باز کیونکر آوے جب تک سزا نہ پہنچے پر ان کے دامنوں تک ست دُعا نہ پہنچے کیا حال ہوئے اُس کا جس کو ہوا نہ پہنچے خط اس طرف نہ جائے قاصد کو کیا نہ پہنچے</p>	<p>بن آہ دل کا رگنا بیجا نہیں ہمارا اپنے سخن کی اُس سے کس طور راہ نکالے</p>
<p>وہ میر شاہ خوبی پھر قدر دور اس کی درویش بے نوا کی اُس تک صدانہ پہنچے</p>	<p>اک شور ہو رہا ہے خونریزی میں ہمارے رغم اُس کے ہاتھ کے جو سینہ پہ ہیں نمایاں</p>
<p>حیرت سے ہم تو چپ ہیں کچھ تم بھی بولو پیارے چھاتی لگے رہیں گے زیر زمیں بھی سارے</p>	<p></p>

<p>پائے کہاں گلوں نے یہ مکھڑے پیارے پیارے جوش و خروش یہ تھے تب ہم لگے کناں یہ ناز و خویاں بندے ہیں ہم تھا چشمکِ نی میں شب کو یوں ہی نہیں ہیں تارے جی سے گئے ہم آخر ان حسرتوں کے مارے آرام و صبر دونوں مت ہوئی سدا ہم برسوں رعد آسا بیتاب ہو چکے جوں ابر کس کے آگے دامن کوئی پسائے</p>	<p>ہیں بد مزاج خواہاں پر کس قدر ہیں دلکش بیٹھیں ہیں روئے کو تو دریا ہی روا نہیں ہیں لاتے نہیں ہو مطلق سرمہ و خداسے کوئی تو ماہ پارہ اس بھی رواق میں ہر لگ کر گلے نہ سوئے اس منہ پہ منہ نہ رکھا بیتابی ہر دلوں کو بخوابی ہر شبوں کو آفاق میں جو ہوتے اہل کرم تو سستے جل بکھے اب تو بہتر مانند برقِ خاطف</p>
<p>ہم نے تو عاشقی میں کھویا ہر جان کو بھی صدقے ہیں میرے جی کے دے ڈھونڈتے ہیں وارے</p>	
<p>کیا کہہ کے تجھ کو روویں یہ کیا کیا پیارے تو نے تو عاشقوں کا لوہو پیا پیارے گو چاک سینہ تو نے میرا سیا پیارے ترپے بہت پہ تو نے کب لیا پیارے</p>	<p>میرے ایک دم نہ اُس بن تو تو جیا پیارے زنجینِ ہم تو تجھ کو ایسا نہ جانتے تھے دل کے تو زخم کا کچھ ہوتا نہیں تدارک اس دام گاہ میں ہم جوں صیدِ نیم بسمل</p>
<p>ہو داغ میرے تجھ بن مر بھی گیا ولے تو آیا نہ گور پر تک لے کر دیا پیارے</p>	
<p>پھر جو دیکھا تو کچھ نہیں پیارے پلکیں تو ہو میں تر رہیں پیارے آنکھیں تو پانی ہو بہیں پیارے جہاں پہنچا رہا وہیں پیارے</p>	<p>سیر کی ہم نے ہر کہیں پیارے خشاک سال و فاقہ میں اک مدت یک نظر دیکھنے کی حسرت میں پہنچی ہر ضعف سے یہ اب حالت</p>
<p>تجھ گلی میں رہے ہر میرے مگر دیکھیں ہیں جب نہ تب نہیں پیارے</p>	
<p>پسند اُس کی ہو وہ جس طرح پسند کرے خدا کسو کو نہ ہم سا بھی درد مند کرے پکڑ کے تیغ وہ اپنی اگر بلند کرے</p>	<p>اسیرِ زلف کرے قیدی کند کرے ہمیشہ چشمِ ہر منہاک ہاتھ دل پر ہو بڑوں بڑوں کو جھکاتے ہی سر نے اُس دم</p>

اچھلنے کو دے کو ترک اگر پسند کرے  
ہزار رنگ یہ فرقت گو چھیند کرے  
کہ جو کوئی تجھے دیکھے سوریش خند کرے  
کبھو خرام سے رستے کے رستے بند کرے  
ہزار بیچ کرے لاکھ لاکھ فند کرے

سخن یہی ہے جو کہتے ہیں شعر میسر ہے  
ربان خلق کو کس طور کوئی بند کرے

گاڑ دیوں کاش مجھ کو بیچ میں دے کرے ترے  
دیکھنے والے ہیں ہم تو رنگ احمر کے ترے  
یاد ہیں سب کے تئیں وہ چہچہے پرے کے ترے  
ڈھونڈنے والے جو ہیں ای شوخ اکثر کے ترے  
ولے تو گر ہیں یہی اطوار دلبر کے ترے  
صبح اٹھتے ہیں بچے جو پھول بستر کے ترے  
ہم دماغ آشفتمند ہیں زلف معبر کے ترے  
اب ٹھہرتے ہی نہیں ہیں پاؤں سر کے ترے  
یوں تو اگر گل ہیں ہزاروں شنار کے ترے  
خضر کو سننے ہیں سب جس طرح منجر کے ترے

نوح کا طوفان ہماری کب نظر چڑھتا ہے  
بوش ہم دیکھے ہیں کیا کیا دیدہ تر کے ترے

طاہر تو پاس بیٹھے ہیں پر ہیں بہت پرے  
پتھر کے دل جگر ہوں تو کوئی وفا کرے  
انصاف کر کہ یوں کوئی دن کب تلک بھرے  
گویا کہ آسمان بہت اگیا ورے  
اس ریشخند کو بھی سمجھ ٹک تو مسخرے  
جنگل پرے تھے سوکھے سودہ بھی ہئے ہرے

ابیان دل کے بھی جانے کو کرے مجلس میں  
نہ مجھ کو راہ سے لے جائے مکر دنیا کا  
سولے اس کے بڑی اڑھی میں ہو کیا ریشخ  
دکھائے آنکھ کبھو زلف کھولے منہ پہ کبھو  
اگرچہ سادہ ہے لیکن ربودن دل کو

انے والے کس طرح گھر کے ترے  
کھانے اپنی آنکھوں میں لگیں  
ہی گو کہ بلبل تو ہو چپ  
ہم حیران ہیں  
کھانے کھانے کھانے  
ہیں تو گل سے بھی اڑنا نہال  
ستے یہ تہیر طبلہ کیوں نہ ہو کیا کام ہو  
جی میں وہ طاقت کہاں جو ہجر میں سنہلے رہیں  
دماغ پیسے سے جو ہیں بلبل کے دل پر کس کے ہیں  
کوئی آب زندگی پیتا ہے یہ زہر اب چھوڑ

مست سہل سمجھو ایسے ہیں ہم کیا وے دھرے  
سنجی بہت ہے پاس و مراعات عشق میں  
خالی کروں ہوں روئے راتوں کو دل کے تئیں  
زندہ مرنے جی کے خاک میں ہم کو ملا دیا  
داڑھی کو تیری دیکھ کے سننے میں لڑکے شیخ  
جل تھل فقط نہیں مرے رونے سے بھر گئے

جی کو بچا رکھیں گے تو جانیں گے عشق میں  
ہر چند میسر صاحب قبلہ ہیں منکر سے

بوکے کھلائے جاتے ہو نزاکت ہے سے  
یار بے پروا و مسر اور میں بے اختیار  
سختی کھینچی کو کہن نے قیس نے بچ و قرب  
شور اٹھتا ہو جو ہوتے جلوہ گر ہونا ز سے  
غافلہ والے ہی کچھ تہتا نہیں الفت میں خوار  
عشق میں افسوس سا افسوس اپنا کر چلے

ریچھنے ہی کے جو قابل یار کی ترکیب میسر  
واہ داری چشم و ابرو قد و قامت ہے سے

دہی شورش ہوے پر بھی ہو ایک سا کھینچاں میرے  
عزیزانِ قلم میں اپنے پوسفت گم گشتہ کے ہرم  
تمھاری دشمنی ہم دوستوں سے لانا بیت ہو  
لب و لہجہ غزل خوانی کا کس کو آج کل ایسا  
نظر مت بے پوری پر کر کہ آنسوئے جہاں پھر ہوں  
کہان تک نہ کو دیاروں سے یوں مارا کرے کوئی  
بھے پامال کر گیاں کیا ہو خاک سے تو بھی  
خزاں کی باؤ سے حضرت میں گلشن کے لطاؤں قفا  
کہا میں شوق میں طفلان نہ بازار کے کیسا کیا  
زمین سر پر اٹھالی کہ کس نے رفتار رنگیں سے

سخن کیا میسر کرے حسرت و اندوہ حراں سے  
بیاں حاجت نہیں حالات ہیں سارے عیاں میرے

بہار آئی ہو غنچے گل کے نیکلے ہیں گلابی سے  
گردوں ہوں ہر قدم پرین ڈبا جاتا ہو جی ہرم  
نہ ٹھہری ایک بھی چشمک لبان برق آنکھوں میں  
نہال سبز چھوٹے ہیں گلستاں میں شرابی سے  
پہنچتا ہوں کھجور پرتے مو اس خرابی سے  
کلیجہ جل گیا اے عمر میری تو شتابی سے

قیامت ہو رہے گی ایک دن اس بے حجابی سے  
کروں کیا تم تو لڑنے لگتے ہو حرفِ شتابی سے  
کہ سر ڈالے غریب آتا تھا نط کی بے جوابی سے

مبادا کارواں جاتا ہے تو صبح سوتا ہے  
بہت ڈرتا ہوں میں ایسی تیری دیر غولی سے

آئے ہیں پھسکے یارو اب کی خدا کے ہاں سے  
جی کچھ اچٹ گیا ہو اب نالہ و فغاں سے  
رکھتی ہو چھڑ میری خاشاکِ آشیان سے  
تو تو نہ بول ظالم بول آتی ہو دہاں سے  
حیران ہوں یہ شوخی آئی کھیں کہاں سے  
دلچسپ کا ہیکو ہیں اس بیوفا جواں سے  
دھوکے تھے ہاتھ میں نے اس دن ہی بجاں سے  
ہر اک سے حال دل کا مدت کہا زبان سے

اتنی بھی بد مزاجی ہر لحظہ میں نہ کر  
الچھاؤ ہو زین سے جھگڑا ہو آسمان سے

گفتار اُس کی کہ سکر رقرار ناز سے  
دیکھ کبھو ادھر شترہ نیم باز سے  
سرخ کاکٹے ہو زبان دراز سے  
اس طور پھر لے کب تبیں بے پروا ساز سے  
کرتے کسو کو ذبح بھی تو امتیاز سے  
کچھ جلتے جلتے ہو گئے ہیں ہم گداز سے

شاید کہ آج رات کو تھے میگردہ میں تیر  
کھیلے تھا ایک مہینچہ ہر نماز سے

اثبات ہوا جرمِ محبت کا اسی سے  
پرچھ پہ جو ہو جائے ہی پوچھو مہرجی سے

بھل آتے ہو گھر سے چاند سے یہ کیا طرح پڑی  
یہ جھگڑا تنگ کر میں رکھا روزِ شکاری پر  
بہت رویا نوشتے پر میں اپنے دیکھ قاصد کو

کبے میں جاں بلب تھے ہم دوریِ بتاں سے  
تصویر کے سے طائر خاموش رہتے ہیں ہم  
جب کووندی ہو بجلی تب جانبِ گلستاں  
کیا خوبی اُس کے منہ کی اور غنچہ نقل کرے  
آنکھوں ہی میں ہے ہو دل سے نہیں گئے ہو  
سبز ان باغِ سائے دیکھے ہوئے ہیں اپنے  
کی نشست و شو بدن کی جس دن بہت سی اُن نے  
خاموشی ہی میں ہم نے دیکھی ہو مصلحت اب

کرتا ہو کب سلوک وہ اہل نیاز سے  
یوں کب ہائے آنسو پھیں ہیں کہ تو نے شونخ  
خاموش رہ سکے نہ تو بڑھ کر بھی کچھ نہ کہہ  
اب جا کسو دخت کے سیالے میں بیٹھے  
یہ کیا کہ دشمنوں میں مجھے ساننے لگے  
مانند شمع ٹپکے ہی پڑتے ہیں اب توا شک

مناہوت مرادیر اٹھا اس کی گلی سے  
تم چھڑتے ہو بزم میں تجھ کو تنہا سنی سے

دریا بھی نظر آئے اسی خشک لبی سے  
پھرتے ہیں پڑے دلی کے لونڈ جو پری سے  
اس کو چھوئے جاتے ہوئے دیکھا کے جی سے  
سوتے نہیں بیچائے مری نالہ کشی سے  
اب ہم بھی لڑا بیٹھتے ہیں آنکھ کسی سے  
اب دم تو لگے رکنے ہماری خفگی سے  
اگتائے لگے ہنفساں تم تو ابھی سے  
فریاد ہو اس قوم کی فریاد رسی سے  
عالم ہو سیہ خانہ مری نوہ گری سے

آتش بجکر اُس درنا یا ہے سب ہیں  
گر ٹھہرے ملک آگے انھوں کے تعجب ہو  
نکلا جو کوئی دھاس سے تو پھر مری کے نکلا  
ہمسایے مجھے رات کو ردیا ہی کرے ہیں  
تم نے تو ادھر دیکھنے کی کھائی ہو سو گند  
چھاتی کہیں پھٹ جائے کہ ملک ل بھی ہو اکھا  
اس شوخ کا تمکین سے آنا ہو قیامت  
مالاں مجھے دیکھے ہیں بتاں تپہ ہیں خوش  
تالو سے زبان رات کو مطلق نہیں لگتی

بے رحم وہ تجھ پاس لگا بیٹھنے جب دیر  
اب ہم میسر سے دل اپنے اٹھائے تھے بھی

مانا ہو حضور اس کے چراغ سحری سے  
لگتا ہو ترے سایہ کو بھی تنگ پری سے  
مائے گئے ہیں لوگ بہت بے خبری سے  
کب عہدہ برآئی ہوئی اس عشوہ گری سے  
کیا اور ہو رسوا کوئی آشفتمہ مری سے  
تب ٹکڑے نکلتے ہیں عقیق جگری سے

کیا خور ہو طرف یار کے روشن گری سے  
میزان چن ہو دیں برابر ترے کیونکر  
ہشیار کہ ہو راہ محبت کی خطرناک  
ایک آن میں رعنائیاں تیری تو ہیں سو سو  
زنجیر تو پاؤں میں لگی رہنے ہمارے  
جب لب ترے یاد آتے ہیں آنکھوں سے ہماری

عشق آنکھوں کے نیچے کے کیا میسر چھپے ہو  
پیدا ہو محبت تری شرکاں کی تری سے

کاہش تجھے جو ہو وہی ہوتی ہو شام سے  
سو جھانڈ ہم کو دیر تلک چشم دام سے  
برسے ہو چشم ابر بڑی دھوم دھام سے  
رہتا ہو ہم کو عشق میں کام اپنے کام سے

برسوں ہوئے گئے ہوئے اس مہ کو بام سے  
ترپے اسیر ہوتے جو ہم اک اٹھا غبار  
دنبال ہر نگاہ ہو صد کاروان اشک  
محو اُس دہان تنگ کے ہیں کوئی کچھ کہو

لے میر تقی میر دہلوی سے کار دل اس مہ تمام سے ہو  
کاہش اک روز مجھ کو شام سے ہو

یوسف کے پیچھے خوار زلیخا عہٹ ہوئی  
لڑکے ہزار جھولی میں پتھر لئے ہیں ساتھ  
وہ ناز سے چلا کہیں تو شہر ہو چسکی  
جھک جھک سلام کرنے سے کسش ہوا وہ اور  
وہ دن گئے کہ رات کو یک جا معاش تھی  
سرگرم جلوہ بدر ہو ہر چند شب کو لیک

کب صاحبی ہے ہر مل ایسے غلام سے  
مجنوں پھرا ہو کا ہیو اس ازدحام سے  
پھر بحث آپڑے گی اسی کے خرام سے  
ہو بیٹھے نا اُمید جواب سلام سے  
آتا ہو اب تو تنگ ہے میرے نام سے  
کب جی لگیں ہیں اپنے کسو نام تمام سے

دل اور عرش دونوں پہ گویا ہو اُن کی سیر  
کرتے ہیں باتیں میر جی کس کس مقام سے

وہ کہاں دھوم جو دیکھی گئی چشم تر سے  
ہو برا فردختہ وہ بت جو حرمِ احمر سے  
وہ بکچھ اچھا نہیں برہم زدنِ قرگاں کا  
تھا نوشتے میں کہ یوں سوکھ لے مرے اُس بن  
یوں تو دن گزری زبان ہم بھی تیاں بکتے ہیں  
سیر کرنے جو چلے ہو کبھو وہ فتنہ خرام  
عشق کے کوچہ میں پھر پاؤں نہیں کھنے کے ہم  
مہر کی اُس سے توقع غلطی اپنی تھی  
کوچہ یار ہو کیا طفسر بلا خیز مقام

اُپر کیا کیا اُٹھے ہنگامے سے کیا کیا پر سے  
اُگ نکلے ہو تماشہ کے تئیں پتھر سے  
کاٹ ڈالے گا گلا اپنا کوئی خنجر سے  
استخاں تن پہ نمودار ہیں سب مسطر سے  
بات کو طول نہیں دیتے خدا کے ڈر سے  
شہر میں شور قیامت اُٹھے ہو ہر گھر سے  
ابھی ٹل جاتی ہو کل ل یہ اگر سر پر سے  
کہیں دل داری ہوئی بھی ہو کسو دلبر سے  
آتے ہیں فتنہ و آشوب چلے اودھر سے

ساتھ سونا جو گیا اُس کا بہت دل تڑپا  
برسوں پھر میر یہ پہلو نہ لگے بستر سے

مراد دل پیر مرشد ہو مجھے ہو اعتقاد اس سے  
بلا انداز ہو اُس کا قیامت ناز ہو اُس کا  
نزاکت جیسی ہو دلیا ہی دل بھی سخت ہو اُس کا  
کسے ہیں بند اُن نے کیسے کس درویش سے ملے  
بھلا یوں گھٹ کے مرے کب تلک دل خوں ہوا سارا  
لگے ہی ایک دیتے ہیں ہمت بات کی کیسی

فراموش آپ کو کرنا محبت میں ہو یاد اس سے  
اُٹھے فتنے ہزار اس سے ہو لاکھوں فساد اس سے  
اگر یہ شیشہ جاں ہو پر ہتر ہو جہاد اس سے  
جو ایسے سخت عقیدوں کی طلب کیے تو شاد اس سے  
جو کوئی داد گر ہوئے تو کر لے جا کے داد اس سے  
ہوا ہو دشمنوں کو کچھ قیامت اتحاد اس سے

پہنچ کر تہ کو ہم تو محض محرومی ہی پاتے ہیں  
لے ہی میان سے رہتا ہو کوئی یہ نہیں کہتا  
مرا و دل کو پہنچا ہو گا کوئی نامراد اس سے  
نکلا ہو کہاں کا تو نے اظالم عناد اس سے  
ادھر تو بے کس ہے ہر مہر اور گلتا ہو چو پینے  
کہاں تک اتنا ہنسنا اٹھ گیا ہو اعتماد اس سے

بڑا کیا مانے اب چھٹے یا اس کی گالی سے  
کلی بی رنگ مر جھاتی نظر آتی ہو ظاہر ہو  
بھری آنکھیں کسو کی پونچھتے جو استیں کہتے  
جو مر رہے بھی تنگ آکر تو پروا کچھ نہ ہو اس کو  
جہاں رونے لگے ٹکے دماغی وہ لگا کرنے  
دماغ حرف لعل نابے برگ گل سے ہو تم کو  
ریاضات محبت نے رکھا ہو ہم میں کیا باقی  
ہم اس راہِ حوادث میں لبانِ سبزہ واقع ہیں  
سرھانے رکھ کے پتھر خاک پر ہم بے لواز سونے  
کھجوریں عین دہن میں جگر سے آہ کرتا ہوں

کے غم اس دہن کا ہو گئے فکر اس کمر کی ہو  
کے سو گیا کوئی ہیں مہر صاحب کچھ خیالی سے

کھینچنے جہاں تو تیغِ جلادت کے واسطے  
سجدہ کوئی کرے تو دریا پر کرے  
آئے نہ تم تو در پس دیوار مجھ تلک  
خوش طالعی صبح تو اس منہ پہ ہو سفید  
وصاں میں بھی ہوں مدام شہادت کے واسطے  
ہو جائے پاک شرطِ عبادت کے واسطے  
کھینچنے ہیں لوگ رنجِ عیادت کے واسطے  
پھرتا ہو مہر بھی اس ہی سعادت کے واسطے

ہو مہر پیر لیک سے مہیکہ مدام  
جاتا ہو مہر چوں کی ارادت کے واسطے

دیوانگی میں گاہ ہنسے گاہ رو چکے  
افراطِ اشتیاق میں کھئے نہ اپنا حال  
کہتا ہو مہر سا بھنہ ہی سے کج دردِ دل  
وحشت بہت تھی طاقتِ دل ہاے کھو چکے  
دیکھے ہیں سوچ کر کے تو اب ہم کبھی ہو چکے  
ایسی کہانی گرچہ نندھی ہو تو سوچکے



بہو دی جو یہ ہو تو ہم آپ میں اب آپ کے  
تم ہیں کہتے رہتے یہ اور محل تازہ کھلا  
ایک بوسہ دے نہ منہ برسوں لگایا داہ وا  
یہاں تلک آئے ہیں جتنا مکث کرتے ہو کرو

کیا تھیں یہاں سے چلے جاتے ہو تم بھی جا چکے  
زخم بھی ہم نے اٹھائے دل بھی ہم کھا چکے  
اب تو تک بولو جزا ہم اس عمل کی پا چکے  
اب تو جانا جان سے ناچار ہم ٹھہرا چکے

اب چین میں جا سکتے ہیں تو جی لگتا نہیں

پھول گل سے میسر اُس بن دل بہت بہلا چکے

خوبی کی اپنی جنت کیسی ہی ڈینگیں ہانکے  
یک ایک بات اوپر ہیں پیچ و تاب سو سو  
سر کو اُس آستان پر رکھتے رہیں تو بہتر  
گردش سے روسیہ کی کیا کیا بلائیں آئیں  
مشتاق ہم جو ایسے سو ہم ہی تے ہو پردا  
ہو پر غبارِ عالم جانا ہی یہاں سے اچھا  
کل بان میں گئے تھے روئے چین چین ہم  
جاناں کی روئے آنکھیں جس تس کی لگے ہی ہیں

اُس کی گلی کا ساکن ہرگز ادھر نہ بھانکے  
رہتے نہیں ہیں سیدھے یونڈے ٹیڑھے بانکے  
اُٹھے جو اُس کے در سے تو ہو جئے کہاں کے  
جائے ہی کے ہیں چین سے اس آسمان کے  
جب اس طرف سے نکلے تب منہ کو اپنے ڈھانکے  
اس خاک ان میں ہر کیا کوئی خاک پھانکے  
کچھ سرو میں جو پائے انداز اس جواں کے  
رفتہ ہیں لوگ سارے ان پاؤں کے نشاں کے

خیمہ زدہ کش رہے ہو او میسر شوق سے تو

سیسے کے زخم کے کہہ کیونکر رہیں گے ٹانکے

دل خوں ہوا ہمارا ٹکڑے ہوئے جگر کے  
چشمے کہیں ہیں جوشاں جوئیں کہیں ہیں جاری  
رہنے کی اپنا جا تو لئے دیر ہو نہ لعبہ  
اس شعر و شاعری پر اپنی بندھی نہ ہم سے  
دُنیا میں ہو لبیر یا روستاے کاسا  
وے یہ ہی چھائیاں ہیں زخموں سے جو بھری ہیں  
تہ بہ خودی کی اپنی کیا کچھ دھری ہو  
اُس آستان کی دوری اس دل کی ناصبوری  
خاک ایسی عاشقی میں ٹھکرے بھی گئے کل

دیکھا نہ تم نے ایدھر صرفہ سے اک نظر کے  
اتار اب تلک ہیں یاروں کی چشم تر کے  
اُٹھے جو اُس کے در سے تو ہو جئے کہہ کر کے  
محو خیال شاعریوں ہی ہیں اُس کمر کے  
یہ رہروان ہستی عازم ہیں سب سفر کے  
کیا ہو جو بلہوس نے دو چار کھائے چر کے  
ہم بے خبر ہوئے ہیں پہنچے کسو خیر کے  
کیا کہیے آہ غم سے گھر کے ہوئے نہ در کے  
پاؤں کئے سے اُس کے پر میسر جی نہ سر کے

کتنے روزوں سے نہ مہونے کے ہیں نے کھلنے لگے  
ہائے کس خوبی سے آوارہ رہا ہو مجبور  
عزم ہو جزم کہ اب کی حرکت شہر سے کر  
آہ کیا سہل گزر جاتے ہیں جی سے عاشق  
جمع کرتے ہو جو کیسوئے پریشاں کو مگر  
کاہے کو آنکھ چھپاتے ہو یہی ہو گر چال  
ہاتھ چڑھ جائیو ای شیخ کسو کے نہ کہنہو  
خاک سے چرخ تلک اب تو رکا جاتا ہے  
لے بھی ای غیرت خورشید کہیں منہ پہ نقاب

لالہ و گل ہی کے مصروف رہو تم شب روز  
سید ہر تم مگر میسر جی سید ہو گلستانے کے

اس بارغ بے ثبات میں کیا دل صبا لگے  
حرص و ہوس سے باز ہے دل تو خوب ہو  
تلخ اب تو اپنے جی کو بھی لگتی ہو بات درں  
کس کو خبر ہو گشتی تباہوں کے حال کی  
ایسے لگے پھرے ہیں بہت سایہ کی روش  
وہ بھی جن فروز تو بلبل ہو سامنے  
پس جائیں یار آنکھ تری سرمہ پر پڑے  
بن ہڈیوں ہماری ہما کچھ نہ کھائے گا  
خط مست رکھو کہ اس میں بہت ہیں قباحتیں  
مقصود کے خیال میں بہتوں نے چھانی خاک

کیا کیا نہال دیکھتے بیٹھاں پاؤں آگے  
ہو تھر اس کلی کے تئیں گر ہوا لگے  
جیسے کسو کے زخم پہ تیر اک دوا لگے  
تختہ مگر کتائے کوئی بہ کے جا لگے  
جانے دے ایسی حور پری سے بلا لگے  
گل ایسے منہ کے آگے بھلا کیا بھلا لگے  
دل خوں ہو تیرے پاؤں میں پھر کر حنائے  
ٹلک چاشنی عشق کا اُس کو مزا لگے  
کئے تھکائے منہ پہ تو تم کو برا لگے  
عالم تمام وہم ہو بیٹھاں ہاتھ کیا لگے

سب چاہتے ہیں دیر رہے میسر دل زندہ  
یار کسو تو دوست کی اُس کو دعا لگے

لہ لالہ غن ہو دل اور خاک کو بھاگ لگے پڑ ای تری منصفی کو آگ لگے

اس لئے دیکھ رہے ہو کہ مجھے آگ لگے  
باؤں سے لگے تے ہندی کو کچھ بھاگ لگے  
لب دریا کے تئیں کیوں ہیں یوں بھاگ لگے  
گو قیامت کو مرے منہ سے ہوں وُناگ لگے

لڑکے دلی کے ترے ہاتھ میں کب آئے تھے  
پچھے ایک ایک کے سو سو پھریں ہیں ڈاگ لگے

عاشق بے حال دونوں ہاتھ سے دل تھام لے  
عشق جو چاہے تو مرے سے بھی اپنا کام لے  
دل سی آفت ہو بغل میں جس کے کیا آرام لے  
آج یہ بیمار دیکھیں کس طرح سے شام لے  
چاہتی ہی تو بھی میرے ہاتھ سے اک جام لے  
یہ شکارِ مرضِ طرب ہو دم نہ زیرِ دام لے  
آئے ہیں تیرے کئے ہم جامہٴ احرام لے  
آئے ہو گویا کہ مجھ پر قاضی کا اعلام لے

ہمنشیں کہہ مت نبوں کی تیر کو تسبیح ہو  
کام کیا اس ذکر سے اُن کو خدا کا نام لے

چلتے اُس کو پے سے ہم پر سینکڑوں پتھر چلے  
چال دھیمی اُس کی ایسی ہو کہ جوں اگلے چلے  
جنش اُن پلکوں کو ہوتی ہو کہ جوں خنجر چلے  
راہ تکتے تکتے اُس کی ہم تو آخر مر چلے  
لوٹتے دامن کی اپنی زہ لہو میں بھر چلے  
گھر کے گھر بھیاں بیٹھے جاتے ہیں تم اٹھ کر گھر چلے  
کچھ نہیں رہتا ہو وہاں جس راہ ہو لشکر چلے

غیر کو دیکھے ہو گرنی سے نہ کچھ لاگ لگے  
آنکھ ہر ایک کی دوڑے ہو کفک پر تیرے  
ہو نہ دیوانہ جو اُس گوہرِ خوش آب کا تو  
اب تو اُن گیسوؤں کی یاد میں میں محو ہوا

کب تلک احوال یہ جب کوئی تیرا نام لے  
نالوا نی سے اگر مجھ میں نہیں ہو جی تو کیا  
پہلوئے عاشق نہ بستر سے لگے تو ہو بجا  
اب دل نالاں پھر اُس زلفِ سیہ میں جا چکا  
شلخ گل تیری طرف جھکتی ہو اسی سستِ ناز  
دل کی آسائش نہیں امکانِ زلفِ یار میں  
عزت اسی پر مفاں کچھ حاجیوں کی ہو ضرور  
کیا بلا مفتی کا لونڈا سر چڑھا ہو ان دنوں

سختیاں کھینچیں سو کھینچیں پھر بھی جو اٹھ کر چلے  
مارگیری سے زمانے کی نہ دل کو جمع رکھ  
کیونکہ اُن کا کوئی وارفتہ بھلا ٹھہرا ہے  
اب جو وہ سرمایہٴ جاں بھیاں تلک آیا تو کیا  
میں نہ کہتا تھا دم بسمل مرے مت آئیو  
چھوڑ جانا جاں بلب ہم کو کہاں کا ہو سلوک  
صاف سارا شہر اُس انبوہ خط میں لٹ گیا

اسلہ میر تقی تیر دہلوی سے ہاے آگے ترا جب کسی نے نام لیا  
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

پاؤں میں مارا ہر تیشہ میں نے راہِ عشق میں  
لائے تھے جا کر ابھی تو اس گلی میں سے پکار  
چکے چکے مہر جی تم اٹھ کے پھر کیدھر چلے

یا پہلے وہ نگاہیں جن سے کہ چاہ نکلے  
کیونکر نہ چکے چکے یوں جان سے گزریے  
زردی رنگ و رونا دونوں دلیلِ کشتن  
اگر کام جاں ہو تو بھی کیا ریچھ کا بچساؤ واہ  
خوبی و دل کشی میں صد چند ہو تو اس سے  
یہاں مہر تھی و فدا تھی دھماں جو تھے ستم تھے  
غیروں سے تو کہ ہر اچھی بُری سب اپنی  
رکتے تو ہو مگر پر اس گھڑی سے ڈر یو

اک خلقِ مہر کے اب ہوتی ہو آستان پر  
دردِ شیں نکلے ہو کیوں جو بادشاہ نکلے

جیسے اندوہ محرمِ عشق کب تک دل سے  
دین و مذہب عاشقوں کا قابلِ پرستش نہیں  
یہ نہیں میں جانتا نسبت ہو کیا آپس میں لیک  
ہائے کس حسرت سے شبنم نے سحر رو کر کہا  
مردمانِ شہرِ خوبی پر کریں کیا دل کو عرض  
کل جو ہم کو یاد آیا باغ میں مستِ دیار کا  
جمع کر خاطر مری جینے سے مجھ کو خوب ہے  
گرچہ سب ہیں گے تہیائے طریقِ نیستی ق  
ہر قدم پر جی سے جانا ہر دم او پر ہے دی

عید سی ہو جائے اپنے ہاں لگے جو تو گلے  
یہ ادھر سجدہ کریں ابرو جدھر اُس کے ہلے  
آنکھیں ہو جاتی ہیں ٹھنڈی اُس کے تلووں سے  
خوش رہو اے ساکنانِ باغِ اب تو ہم چلے  
ایسی جنسِ ناروا کو مفت کوئی ٹھانے  
خوب روئے ہر نہالِ سبز کے سایے تلے  
جی بچا تب جانے جب سے یہ کلول ٹلے  
طی بہت دشوار کی یہ رہزیم نے ولے  
لمحہ لمحہ آگے تھے کیا کیا قیامت مر چلے

لے میر تقی میر دہلوی سے چلا نہ اٹھ کے دہریں پھر تو چکے چکے تہیر پڑا ابھی تو اُس کی گلی سے پکار لایا ہوں  
نہ خواجہ میر درد سے ہم جانتے نہیں ہیں اور درد کیا ہو کعبہ پڑ جیدھر پڑے وہ ابرو و دھڑکنا کرنا

جلنے کو ملے ہیں سب کے اندرونے لیک میر  
جب کسو کی اس وتیرہ سے کہیں چھاتی جلے

الفت سے محبت سے مل بیٹھنا کیا جانے  
اس راہ میں پیش آئے کیا ہم کو خدا جانے  
صورت ہے جو کچھ دل کی سوتیری بلا جانے  
جو زخم جگر اپنے جوں غنچہ چھپا جانے  
جب آگ کوئی گھر کو اس طور لگا جانے  
اس دردِ محبت کی جو کوئی دوا جانے  
کیا جانے ہوس پیشہ چکے تو مزا جانے  
تب جانے جب کوئی اس سے ستا جانے  
کردار وہی اچھا تو جس کو بھلا جانے

بے ہرود و ناہی وہ کیا رسم و نا جانے  
دل دھڑکے ہو جاتے کچھ بتھانے سے کہیہ کو  
ہر محورِ رخ اپنا تو آئینہ میں ہر ساعت  
کچھ اس کی بندھی مٹھی اس باغ میں گزے ہو  
کیا سینے کے جلنے کو ہنس ہنس کر اڑاتا ہو  
میں مٹی بھی لہجہ دار دروازہ کی اس کے تو  
اپنے تئیں بھی کھانا خالی نہیں لذت سے  
یوں شہر میں بتیرے آزار و ہندسے ہیں  
کیا جانو رکھو روزے یا دارو ہیو شب کو

آگاہ نہیں انساں اچھی فوٹے سے  
کیا چاہئے ہو پسر جو طالع کا لکھا جانے

اتیں کھو دیا ہے تری جستجوتے  
ہمیں جی سے مارا تری رزوتے  
رکھی دھوم شہر میں اس گفتاوتے  
ہمیں تو نہیں تیرے لپٹاؤں چھوتے  
دوانہ کیا تھا مجھے تیری بوتے  
جراحت جگر کے لگے دکھنے دوتے  
بڑائی تیری کی سے اس خوبوتے  
پڑے ہینکے اس کے نعل کج موتے

اتنی کہاں منہ چھپایا ہو تولے  
جو غواہش نہ ہوتی تو کاہش نہ ہوتی  
نہ بھائیں تجھے میری باتیں و گزے  
رقیبوں سے سر جوڑ بیٹھو ہو کیونکر  
پھر اس سال سے پھول سوکھا نہ تیرے  
مداد نہ کرنا تھا مشفق ہمارا  
کڑھایا کسو کو کھپایا کسو کو  
وہ کہتے تھے کہ آتشور جس کا جہاں ہیں

تری چال طیر سی تری بات روٹی  
تجھے میرے سمجھا ہو پیاں کم کسوتے

جیسے چراغ کوئی کتاب میں جلاوے  
کھویا گیا نہیں میں ایسا جو کوئی پاوے

ویسا ہے یہ جو یوسف شب تیری ہوتے آئے  
کیا رفتگی سے میری تم گفتگو کرو ہو

دیکھیں ابھی محبت کیا کیا ہیں دکھاوے  
عاشق جو رہ گزریں آنکھوں کے تئیں بچھاوے  
یارب زمیں پھٹے تو یہ روسیہ سماوے  
تا دل کسو سے اپنا کوئی نہ یہاں لگاوے  
کیا ان سے ہاتھ اٹھاؤں گو اس میں جان جاوے  
کیا جان جس کی خاطر شہر مندگی اٹھاوے

چھاتی کے دانے یکسر آنکھوں سے کھل رہے ہیں  
ہیں پاؤں اس کے نازک گل برگ سے بجا ہر  
یوں خاک منہ پہ مل کر کبتک پھرا کر دوں میں  
اگر کاش قصہ میرا ہر سند کو سنادیں  
ترک بتاں کا مجھ سے لیتے ہیں قول یوں ہی  
عاشق کو مر گئے ہی بنتی ہو عاشقی میں

جی میں بگڑ رہا ہوں تب میرے چپ ہو بیٹھا  
چھٹو ابھی تو کیا کیا باتیں بنا کے لائے

یا ابر کوئی آدے اور آکے برس جاوے  
دل کیا کرے جو ایسے نگاہیں پھنس جاوے  
ممکن نہیں اب ان تک آواز جس جاوے  
یہ ماریسیہ یار و ناگاہ نہ ڈس جاوے  
یوں آگے ہو مسجد کے ہر عرصہ جاوے  
جب پیر ہن گل بھی اس غلی سے چس جاوے

یا بادہ گلگوں کی خاطر سے ہوس جاوے  
شورش کدہ عالم کہنے ہی کی جسا گہ تھی  
دل تو ہر عمت نالایا ران گزشتہ بن  
اُس زلف سے لگ چلنا اک سانپ کھلاتا ہو  
میخانے میں آئے تو معلوم ہو کیفیت  
چولی جہاں سے سسکی پھر آنکھیں وہیں چکیں

ہر پیر عجب کوئی درویش برشتہ دل  
بات اُس کی سنو تم تو چھاتی بھی مجلس جاوے

مبادا عشق کی گرمی جگر میرا جلا دیوے  
کوئی کاش اس گلی میں ہم کو اکٹھے بنا دیوے  
کوئی اس تیغ برکت کو گلے میرے ملا دیوے  
کسو سے دل لگے اس کا تو وہ اس کی خزا دیوے  
بدی کو بھی نہایت ہو تمہیں نیکی خدا دلا دیوے  
کہاں سے کوئی تازہ دل اسے ہر روز لاف مر حلے  
کوئی کیا راہ کی بات اس جفا جو کو بتا دے  
مبادا اس آتشیں غم کو مخالف کچھ لگا دیوے  
ہمس درویش سے مل چل کہ کچھ کو کچھ دہ کرنا

دروئے کو کوئی آہوں سے یوں کب تک ہوا دیوے  
کہاں تک یوں پڑے بستر پہ رہے دور جانا سے  
ہوئے برسوں کہ وہ ظالم ہے جو مجھ پہ کچھ پڑھا  
وفا کی مزد میں اہم پر جفا و جور کیا کہنے  
کہیں کچھ تو بُرا مانو بھلا انصاف تو کریے  
صنوبر آدمی ہو تو سراپا بار دل لاوے  
بہت گمراہ ہو وہ شوخ لگتا ہے کس کے کس کے  
جگر سب جل گیا لیکن زباں الہی نہیں اپنی  
کوئی بھی میرے دل لائیں سے یوں دور پھرتا ہو

اُس شوخ شکر کو کیا کوئی بھلا چاہے  
 کبے گئے کیا کوئی مقصد کو پہنچتا ہو  
 سورنگ کی جب غوی پاتے ہو اسی گل میں  
 ہم عجز سے پہنچے ہیں مقصد کی منزل کو  
 ہو سکتی ہیں بندہ پلکیں کیں رونے کی  
 جب نے زبان چھوڑی تیرا ہیکہ صرفہ ہو  
 دل جائے ہو جو دے شبنم نے کہا گل سے  
 خطر رسم زمانہ تھی ہم نے بھی لکھا اس کو  
 رنگ گل دبو گئے گل ہوتے ہیں ہوا دونوں

جو چاہنے والے کا ہر طور بُرا چاہے  
 کیا سعی سے ہوتا ہو جب تک خدا چاہے  
 پھر اُس سے کوئی اُس بن کچھ چاہے تو کیا چاہے  
 کہ خاک میں لجاوے جو اُس سے ملا چاہے  
 تنکوں سے کئے ہو کب دیا جو بہا چاہے  
 بے صرفہ کے کیوں نہ جو کچھ کہہ چاہے  
 اب ہم تو چلے یہاں سکرہ تو جو رہا چاہے  
 تہ دل کی لکھے کیونکر عاشق جو لکھا چاہے  
 کیا قافلہ جاتا ہو جو تو بھی چلا چاہے

ہم پیسہ ترا مرنا کیا چاہتے تھے لیکن  
 رہتا ہو کب بن کچھ کہہ چاہے

دُوری میں اُس کی گور کنارے ہم آ رہے  
 اُس آفتابِ حسن کے ہم داغِ شرم ہیں  
 اب جس کے حسنِ خلق پہ بھولے پھر ہیں لوگ  
 مجردِ حق ہم ہوئے تو نمک پاشیاں رہیں  
 مرغِ انِ باغ سے نہ ہوئی میری دم کشی  
 چھاتی رُکی رہے ہو جو کرتے نہیں ہیں آہ  
 کشتے ہیں ہم تو ذوقِ شہیدانِ عشق کے  
 گاہے کراہتا ہو گئے چپ ہو، گاہے مست

جی رات دن جنھوں کے کھپیں ان میں کیا ہے  
 ایسے نادر پر بھی وہ مُسنہ کو چھپا ہے  
 اس بے وفا سے ہم بھی بہت آشنا ہے  
 ایسی معاش ہوئے جہاں کیا مزہ ہے  
 نالہ کو سُن کے دقتِ سحر دم ہی کھا ہے  
 یہاں لطف تب تلک ہی ہو جتنا کہ ہوا ہے  
 تیغِ ستم کو دیر گلے سے لگا ہے  
 ممکن نہیں مرلیضِ محبت بھلا ہے

آئے کبھو جو وہاں سے تو یہاں رہتے تھے اُو اس  
 آخر کو پیسہ اُس کی گلی ہی میں جا رہے

بے عمر دیدہ ہاے ستم دیدہ تر رہے  
 مرنے بھی نذر کی ہو پھریں گے چمن کے گرد  
 ویسا ہی یہ کہتے تیرے واسطے اے مایہ حیات  
 کیا رفتگی سنے بھی اپنے ہائے وہ حافر نہ ہو سکا

آخر کو پھوٹ پھوٹ پہ تھر تھر رہے  
 آنے تئیں بہار کے گریباں دیر رہے  
 کیا کیا عزیز اپنے تئیں مار رہے  
 ہم اشتیاقِ کش تو بہت محتضر رہے

ماہم زدوں کے حلقے میں جوں نوحہ گر ہے  
جیب و کنار گریہِ غنیمت سے بھر ہے  
غالب ہی یہ کہ دیر ہمارا اثر ہے  
جوں قافلہ لٹا کہیں آکر اتر ہے  
کس خانماں خراب کے دے جا کے گھر ہے  
دروازے ہی کی اور کہاں تک نظر ہے  
یہ چال ہو تو اپنی کسے پھر خبر ہے

مرغانِ باغ رہتے ہیں اب گھیر یوں مجھے  
آغوشِ اُس سے خالی رہی شربِ قوتِ ساحر  
نقشِ قدم کے طور ترے ہم ہیں پا کمال  
اب صبر و ہوشِ عقل کی میرے یہ معاش  
لاکھوں ہمارے دیکھتے گھر بار سے گئے  
آتا کبھو تو ناز سے دکھلائی دے بھی جا  
رکھنا تھا بے پاؤں کا کھوتا ہو سر ہوش

کیا بد بلا ہو لاگ بھی دل کی کہ میسر جی  
دامنِ سوار لڑکوں کے ہو کر نقر ہے

سویوں رہے کہ جیسے کوئی میہاں رہے  
تم اس خیال میں ہو کہ نام و نشان رہے  
کیا کیجے اب کہ رازِ محبت نہاں رہے  
تیغ اپنے اُس کے کبتیں لویں درمیاں رہے  
جوں شمع کیا کروں جو نہ میری زباں رہے  
سیلابِ میری آنکھوں کے تیک رواں رہے  
اب تک تو ہم عزیز رہے ہیں جہاں رہے  
چکر میں درنہ کا ہیکو یوں آسمان رہے  
کس بد توں رکھا جو تنک مہرباں رہے  
تم چاہو ہو کہ ایک سا ہی میہاں سماں رہے  
اس معرکہ میں کھیت بہت خستہ جاں رہے  
جوں صبح ایک دم ہی ہے ہم جو میہاں رہے

یہاں ہم برائے بیتِ جو بے خانماں ہے  
تھا ملک جن کے زیرِ نیکی صاف مٹ گئے  
آنسو چلے ہی آئے لگے منہ متصل  
ہم جب نظر پڑیں تو وہ ابرو کو خم کرے  
کوئی بھی اپنے سر کو کٹاتا ہی یوں دے  
یہ دونوں چشمے خون سے بھر دوں تو خوب ہے  
دیکھیں تو مصر حسن میں کیا خواریاں ٹھنچیں  
مقصود گم کیا ہو تب ایسا ہی اضطراب  
کیا اپنی اُن کی تم سے بیاں کیجے معاش  
کہ شام اُس کے موتے ہو کہ روتے اُس کے صبح  
کیا نذر تیغِ عشق کو سرِ سبز میں کیسا  
اس تنگنائے دہر میں تنگیِ نفس نے کی

اک قافلے سے گرد ہاری نہ ٹنک اٹھی  
حیرت ہو میسر اپنے تئیں ہم کہاں ہے

ایک سے تم ہم نقر سے اکثر صحبت رکھتے تھے  
اور نہ تھی تو فنیق تمہیں تو بوسے کی ہمت رکھتے تھے



آگے خط سے دماغ تمھارا عرش پہ تھا سوئے ہی تم  
 پاؤں زمیں پر رکھتے تھے تو خدا پہ منت رکھتے تھے  
 اب تو ہم ہو چکے ہیں ٹمک تیرے ابرو خم ہوئے  
 کیا کیا رنج اٹھاتے تھے جب جی میں طاقت رکھتے تھے  
 چاہ کے سائے دیوانے پر آپ کے اکثر بگڑ گئے  
 عاشق اس کے سیر کے ہم سب سے جدی مت رکھتے تھے  
 ہم تو سزائے تیغ ہی تھے پر ظلم بے حد کیا معنی  
 اور بھی تجھ سے آگے ظالم اچھی صورت رکھتے تھے  
 کج غزال اک رہبر ہو کر لایا تربت محسنوں پر  
 قصد زیارت رکھتے تھے ہم جب وحشت رکھتے تھے  
 کس دن ہم نے سر نہ چڑھا کر ساغرِ محو کو نوش کیا  
 دور میں اپنے دخترِ رز کی ہم اک حرمت رکھتے تھے  
 کو کہن و مجنون و دامن کس کس کے لیں نام غرض  
 جی ہی سے جاتے آگے منے دے لوگ اُلفت رکھتے تھے  
 چشم جہاں تک جاتی تھی گل دیکھتے تھے ہم سرخ و زرد  
 پھول چین کے کسی کے منہ سے ایسی نخلت رکھتے تھے  
 کام کرے کیا سعی و کوشش مطلب بھیاں نے پیدا ہوتا  
 دست و پا بہ تیرے ماے جب تک قدرت رکھتے تھے  
 چتون کے کبڑھتے ایسے، چٹمک کے تھے کب یہ ڈول  
 ہائے وے دن جن بدوزوں تم کچھ بھی مروت رکھتے تھے  
 لعل سے جب دل تھے یہ ہمارے مر جاں سے تھے اشکِ چشم  
 کیا کیا کچھ پاس اپنے ہم بھی عشق کی دولت رکھتے تھے  
 کل کہتے ہیں اس بستی میں میر جی مشتاقانہ موئے  
 تجھ سے کیا ہی جان کے دشمن وے بھی محبت رکھتے تھے  
 مجنوں و کو کہن کو آزار ایسے ہی تھے یہ جان سے لے سب بیمار ایسے ہی تھے

۱۲ سے پہلے عاشق اس کے سیر کے۔ یعنی اس کے عاشقوں کو دیکھا

اس دلفروز کے بھی رخسار ایسے ہی تھے  
بس ایسے شکرے نہیں درکار ایسے ہی تھے  
یہ دل جگر ہمارے غمخوار ایسے ہی تھے  
یہ دیدہ نہیں کیسا خونبار ایسے ہی تھے  
اگلے زمانہ میں بھی کیا یار ایسے ہی تھے  
ہم بے حقیقتوں کے کردار ایسے ہی تھے  
کچھ اس ستم زدہ کے آثار ایسے ہی تھے

سمس و قمر کے دیکھ جی اُس میں جا رہے ہو  
دامن کے پاٹ سائے تختے ہوئے چمن کے  
لوہو نہ کیوں رُلائے اُن کا گداز ہونا  
ہر دم جراحت آسا کب ہتے تھے ٹپکتے  
آزار دہ دلوں کا جیسا کہ تو ہو ظالم  
ہو جائے کیوں نہ دوزخ باغِ زمانہ ہم پر  
دیوار سے پٹک سر میں جو مو تو بولا

اک حرف کا بھی اُن کو دفتر ہو کر دکھانا  
کیا کئے مہیر جی کے بستار ایسے ہی تھے

اس خصم جاں کے در پر تکیہ بنا کے بیٹھے  
وقتِ اخیر اچھا منہ کو چھپا کے بیٹھے  
یعنی کہ عاشقی میں ہم گھر جلا کے بیٹھے  
مسجد کے آگے آخر قشقہ لگا کے بیٹھے  
بازاری سبے کانیں اپنی بڑھا کے بیٹھے  
مجلس سے اٹھ گیا وہ ٹک ہم جو آ کے بیٹھے  
یوں چاہئے کہ سر کو ہر دم جھکا کے بیٹھے  
مسند پر ناز کی جو تیوری چڑھا کے بیٹھے  
خار و خشک ہی کیوں برسوں بچھا کے بیٹھے

اب ہم فقیر جی سے دل کو اٹھا کے بیٹھے  
مرتے ہوئے بھی ہم کو صورت نہ آ دکھائی  
عزت نشیں ہوئے جب دل دماغ ہو گیا تب  
جو کفر جانتے تھے عشقِ بتاں کو وہ ہی  
شورِ مٹاغِ خوبی اس شوخ کا بلا تھا  
کیا اپنی ادر اُس کی اب نقل کرے صحبت  
کیا جانے تیغ اُس کی کب ہو بلند عاشق  
پھولوں کی تیج پر سے جوئے دماغ اُٹھے  
کیا غم اُسے زیں پر بے برگ ساز کوئی

وادیِ قیس سے پھر آئے نہ مہتر صاحب  
مرشد کے ڈھیر پر وے شاید کہ جا کے بیٹھے

جو چاہیں سولیوں کہیں لوگ اپنی جگہ بیٹھے  
وے جوش کہاں اب ہم مدت ہوئی دہ بیٹھے  
پیرا ہن اگر پہنے تو اُس پہ بھی تہ بیٹھے  
کیا ناز سے یہاں کوئی کج کر کے کلمہ بیٹھے  
بیحوصلہ تھے ہم جو اس راز کو کہ بیٹھے

ہر جنبش لب مشکل جب اُن کے وہ بیٹھے  
جی ڈوب گئے اپنے اندوہ کے دریا میں  
کیا رنگ میں شوخی ہو اُس کے تن نازک کی  
سرگل نے اٹھایا تھا اس باغ میں سودیکھا  
مرنے موئے پر چاہتِ ظاہر نہ کی اگلوں نے

سہ میر تقی میر دہوی سے کیا تن نازک ہو جاں کو بھی حسد جس تن پہاڑی کیا بدن کا رنگ ہو نہ جسکی پیرا ہن پہاڑ

کیا جانے کہ ایدھر کا کب قصد کرے گا وہ  
پامال ہوئے ہم تو اس سے سر رہ بیٹھے

جو ہاتھ چڑھا اُس کے دل خوں ہی کیا اس کا  
اُس پنچہ زنجیں کی اسی مہمیز نہ کہہ بیٹھے

اب سمجھ آئی مرتباً سمجھے  
اس قدر جی میں ہو دعا اُس کے  
کچھ سمجھتے نہیں ہمارا حال  
غلط اپنا کہ اُس جفا جو کو  
نکتہ داں بھی خدائے تم کو کیا  
لکھے دستِ کتابیں کیں تصنیف  
مگر کیا خود کے تئیں خدا سمجھے  
کہ دعا کرے تو دعا سمجھے  
تم سے بھی ایبتاں خدا سمجھے  
سادگی سے ہم آشنا سمجھے  
پر ہمارا نہ دعا سمجھے  
پر نہ طالع کا ہم لکھا سمجھے

مہمیز صاحب کا ہر سخن ہو رمز  
بے تحقیقت ہو شیخ کیا سمجھے

اب اپنے قدرِ راست کو خم دیکھتے ہیں ہائے  
سننے تھے کہ جاتی ہو ترے دیکھنے سے جاں  
کیا روتے ہیں یارانِ گزشتہ کے لئے ہم  
کچھ عشق کی آتش کی لپٹ پہنچی ہمیں زور  
دل چاک ہو جاں مانج جگر خوں ہو ہمارا  
ہستی کے تئیں ہوتے عدم دیکھتے ہیں ہائے  
اب جان چلی جاتی ہو ہم دیکھتے ہیں ہائے  
جب راہ میں کچھ نقش قدم دیکھتے ہیں ہائے  
سب تن بدن اپنے کو بھسم دیکھتے ہیں ہائے  
ان آنکھوں سے انوارِ ستم دیکھتے ہیں ہائے

یالوس نہ کس طور جہاں سے رہیں ہم مہمیز  
اب تاب بہت جان میں کم دیکھتے ہیں ہائے

جاگنا تھا ہم کو سو بیدار ہوتے رہ گئے  
بوئے گل پیش از سرِ گلزار سے خصلت ہوئی  
کارواں جاتا رہا ہم ہائے سوتے رہ گئے  
ہم ستم کش رو برو اس کے ہوتے رہ گئے

جی دئے بن وہ درِ مقصود کب پایا گیا  
بے جگر تھے مہمیز صاحب جان کھوتے رہ گئے

اگل گئے بوئے گئے گلشن ہوئے برسم گئے  
انستے رہتے تھے جو اس گلزار میں شام و سحر  
کیسے کیسے ہائے اپنے دیکھتے موسم گئے  
دیدہ ترساتھ لے وے لوگ جوں شبنم گئے  
کوئی دن میں دیکھو وہاں گئے کیا ہم گئے  
اگر ہوا اس بانگ کی ہو یہ تو اری بلبل نہ بھول

لو ہو روتے جوں شفق پورب گئے پیچھے گئے  
 نے جس سے چس گئی نے ابروؤں سے خم گئے  
 کچھ سبب تو ہو جو آنسو آتے آتے ختم گئے  
 پراٹھے جو ہم یہاں سے وہاں تک یکدم گئے  
 اٹھ کے جس کے ہاں گئے دل کالے ماتم گئے  
 سو بھی تو دیکھا گریباں چاکِ ثرگاں خم گئے  
 آن بیٹھے ناؤں کو تو یہاں نکلیں سے جم گئے

کیا کم اُس خورشید رو کی جستجو یاروں نے کی  
 جی گیا یہاں بے مانگی سے انھوں کی دُرِھا  
 شاید اب ٹکڑوں نے دل کے قصد آنکھوں کا کیا  
 گرچہ ہستی سے عدم تک اک مسافت تھی بعید  
 کیا معاش اس غم کہہ میں ہم نے دس دن کی ہم  
 سبزہ و گل خوش نشینی اس چمن کی جن کو تھی  
 مردم دنیا بھی ہوتے ہیں سمجھ کس مرتبہ

رابط صاحب خانہ نے مطلق بہم پہنچا نہ تیر  
 مدتوں سے ہم حرم میں تھے یہ ناختم گئے

سو ہی بات آئی اٹھے اُس پس سے جاں سے گئے  
 آپ میں آئے کجواب ہم تو ہماں سے گئے  
 دیکھئے کیا گل کے گا اب گلستاں سے گئے  
 کوہ بھی نالاں ہے جب ہم بیاباں سے گئے  
 صوفیاں دیں گئے سب شیخ ایماں سے گئے  
 اب قیامت ہو کہ سائے حرفِ تراں سے گئے

ہم نہ کہتے تھے رہے گا ہم میں کیا یہاں سے گئے  
 کیا بخود رہنا ہمارا کچھ رکھے ہو اعتبار  
 جب تلک ہنا بنا دل تنگ غنچے سے رہے  
 کیا غزالوں ہی کو ہم بن وحشت بسیار ہو  
 لائی آفت خانقاہ و مسجد اوپر وہ نگاہ  
 دور کر خط کو کیا چہرہ کتابی ان نے صاف

جی تو اُس کی زلف میں دل کا کل پچاں میں تیر  
 جا بھی نکلے اس کئے تو ہم پریشاں سے گئے

ایک دن تہ کر بساطِ ناز جایا چاہئے  
 دلِ خس و خاشاک گلشن سے لگایا چاہئے  
 اینٹ کی خاطر سے مسجد کو ڈھایا چاہئے  
 سر پر اک دیوار ہی کا منسکی سایا چاہئے  
 مستِ ناز ایدھر اُسے کجبار لایا چاہئے  
 اپنے ہوتے ابھی موسمِ گل کا آیا چاہئے

دلِ کتاب اُس بزمِ عشرت سے اٹھایا چاہئے  
 یہ قیامت اور جی پر کل گئی پائیزیں  
 خانہ ساز دیں جو ہو واعظِ سو یہ خانہ خراب  
 کام کیا بالِ ہما سے چترشہ سے کیا غرض  
 القاف پر خانقہ والے بہت مغرور ہیں  
 کیا ریلوں ہی میں پڑے ہئے گا سایہ کی روش

لے مولانا جامی سے حدیث چتر مرصع ہر قافلہ گوے کہ سایہ دار غرباں ہیں مغیلان است

یہ ستم تازہ کہ اپنی ناکسی پر کر نظر  
جی نہیں رہتا ہو ٹک چار ہم کو اس کی اور  
گاہ برق پوش ہو کہ سو پر اگندہ کرو

وہ بھی تو ٹک دست و تیغ اپنے کی جانے قدر گھر

انہم سائے ایک دن اس کو دکھایا چاہئے

انکھڑیوں کو اس کی خاطر خواہ کیونکر دیکھے  
گرچہ زردی رنگ کی بھی بھر ہی ہے ہر دے  
اب کی گل ہم بے پروں کے اور چٹک ن ہو زور  
آتے ہو جب جان بھال آنکھوں میں آتی ہو آہ  
اشک پر سرخی ابھی سے ہو تو آگے ہنشیں  
دیرو کعبہ سے بھی ٹک جھکی نہ چشم شوخ یار  
مرے یوں صید گہ کی کج میں تو احسن کیا  
برسوں گزے خاک ملتے منہ پر آئینہ کے طور

دیدنی ہو وجد کرنا میر کا بازار میں

یہاں تماشا بھی کسودن تو مقدر دیکھے

اگر داب وار یار ترے صدقہ جائے  
سرمار مار بیٹھے تلف جی ہو کب تک  
سو شکل سے ہم آئے گئے تیری بزم میں  
آئے ہیں تنگ جان سے قید حیات میں  
کنے لگا کہ طیارے بہت ہوئے ہو تم  
ہو غم جزم ترک تجرد کا گر بنے

دریا کا پھیر پائے تیرا نہ پائے  
ٹک اٹھ کے اب نصیب کو بھی آزمائے  
طنز اکمانہ تو نے کھولیوں کہ آئے  
اس بند سے ہاتھ تیرا بچھڑا ہے  
دو چار سیدھی سیدھی تھیں بھی سنائے  
کیا اس جہان مفلسے دل کو لگائے

تا شیر ہو دعا کو فقیروں کی میر جی

ٹک آپ بھی ہائے لئے ہاتھ اٹھائے

ٹک ٹھہرنے دے تجھے شوخی تو کچھ ٹھہرائے  
ساکن دیرو حرم دونوں تلاشی ہیں ترے  
پیکر نازک کو تیرے کیونکہ بر میں لائے  
تو خدا جانے کہاں ہو کیونکہ تجھ کو پائے

دور ہی سے ہوش کھودیتی ہو اُس کی بوجے خوش  
ان دنوں رنگ در کچھ ہو اس دل پر خون کا  
جی ہی کھپ جاتا ہو طنز آمیز ایسے لطف سے  
دل کے دیراں کرنے میں بیدا کی ہو تو نے ہائے  
آپ میں ہے تو اُس کے پاس بھی ٹک جائیے  
حق میں میرے آپ ہی کچھ سوچ کر فرمائیے  
ہنس کے جب کہتا ہو سب میں آئیے جی آئیے  
خوش عمارت ایسے گھر کو اس طرح سے ڈھائیے

رات دن زخماں اُس کے چہ چہ ہے تہہ میں پیر  
آفتاب ماہ سے دل کب تلک بہلائیے

پر نہیں جو اُس کے اُس در جائیے  
کچھ نہیں تو شعر ہی کی سن کر کر  
قصہ ہو کعبہ کا لیکن سوچ ہو  
خانماں آباد جو ہو سو خراب  
زندگانی حیف ہو مر جائیے  
لے ہیں جو بھیاں تو کچھ کر جائیے  
کیا ہو سنہ جو اُس کے دیر جائیے  
کس کے اٹھ کر شہر میں گھر جائیے

ہم مرن اس قدر یہ کیا ہو میر  
عشق کر لے اور پھر ڈر جائیے

ان دلبروں کو دیکھ لیا بے وفا ہیں لے  
حالانکہ خصم جان ہیں پر دیکھے جو خوب  
اب حوصلہ کرے ہو ہمارا بھی تنگ بھیاں  
گل پھول اس چین کے چلو صبح دیکھ لیں  
کس دل میں خبر دیوں کی خالی نہیں جگہ  
ہر چند ان سے برسوں چھپا ہم ملا کے  
بے دید دے مروت و نا آشنا ہیں لے  
ہیں آرزو دلوں کی بھی یہ مدعا ہیں لے  
جائے بھی دو بتوں کے تئیں کیا خدا ہیں لے  
شبہم کے رنگ پھر کوئی دم میں ہوا ہیں لے  
منور اپنی خوبی کے اوپر بجا ہیں لے  
نظارہ ہر فے نہ ہم پہ ہوا یہ کہ کیا ہیں لے

کیا جالو میر صاحب قبلہ کے ڈھب کو تم  
خوبی مسلم ان کی ولے بد بلا ہیں لے

۱۔ میر تقی میر کے زمانے میں (یہ) کی کتابت دلیا کے ساتھ ہوتی تھی (یے) مگر اب رسم الخط بدل گئی اور (یہ) بہ یاد ہوا لکھتے ہیں۔ ہم نے قریب قریب بہت سی جگہ زمانہ حال کے رسم الخط کو ملحوظ رکھا ہے اور قدیم طرز کتابت کی تقلید نہیں کی مگر چونکہ یہ غزل ردیف یا میں لائی گئی ہے اس لئے قدیم رسم الخط کو مجبوراً قائم رکھا گیا۔

شوق ہم کو کھپائے جاتا ہو  
ہر کوئی اس مقام میں روز  
کھل گئی بات تھی سوا ایک لک پر  
یہاں پیتھن نکل گیا وہاں غیر  
روئے کیا دل و جگر کے تئیں  
کیا کیا ہو فلک کا میں کہ تجھے  
تہ جنھیں کچھ ہو ان کے تئیں ہر گام  
جائے غیرت ہو خاکدان جہاں  
دیکھ سیلاب اس بیاباں کا

وہ تو بگڑے ہوئے ہیں ہر دم

اپنی سی یہ بنائے جاتا ہو

کبھو میسر اس طرف اگر جو چھائی کوٹ جاتا ہو  
خوابی دل کی کیا انہوہ درد و غم سے پوچھو ہو  
شکست اس رنگ آئی بخود ہی عشق میں دل پر  
نہ یوں ہوئے کہ اٹھ جاؤں کہ ہو افسوس کی جاگ

انہیں کچھ عقل میں آتا کہ دیوانہ سا میسر اپنی  
کبھو آتا جو ہو کیدھر کو مائے روٹ جاتا ہو

چمن کو یاد کر مرعہ نفس فریاد کرتا ہو  
ہوا خانہ خراب آنکھوں کا اشکوں سے تیر جا ہو

ابھراؤ نقش شیریں بے ستوں اوپر تماشا کر  
کہ کارستانیاں تیرے لئے فریاد کرتا ہو

جب نیم سحر اوجھ جا ہو  
کیا اس کم آئینہ رو سے کہتے ہائے  
جب سے سمجھا کہ ہم چلاؤں  
وہ کھلے بال سوئے ہو شاید

ایک ستا ہٹا گزر جا ہو  
وہ زبان کر کے پھر کر جا ہو  
حال پرسی ٹک آ کے کر جا ہو  
رات کو جی مرا بھر جا ہو

دور اگر چہ گیا ہوں میں جی سے  
کب وطن میرے یہ خبر جا ہو  
وہ اگر چہ چڑھا رہا ایسا  
آنکھل جی سے مہ اتر جا ہو

جی نہیں مٹیر میں بدلو تو تندر  
بات کہتے ابھی وہ مرجا ہو

کچھ بات ہو کہ گل ترے رنگیں دہاں سا ہو  
یار رنگ لالہ شوخ ترے رنگ پاں سا ہو  
آیا ہو زیرِ زلف جو رخسار کا وہ سطح  
یہاں سانچے کے تئیں بھی سحر کا سماں سا ہو  
جو جی کی لاگ اور کچھ ای فاختہ ولے  
دیکھ نہ کوئی سروچمن اُس جواں سا ہو  
کیا جانئے کہ چھاتی جلتے ہو کہ دلیع دل  
ایک آگ سی لگی ہو کہیں کچھ دھواں سا ہو  
اُس کی گلی کی اور تو تہم سے گئے  
گو قامت خمیدہ ہمارا کہاں سا ہو  
جو ہو سواپنے فکر خرو بار میں ہو بھیاں  
سارا جہان راہ میں اک کارواں سا ہو  
کعبہ کی یہ بزرگی شرف سب بجا ہو لیک  
دلکش جو پوچھتے تو کب اس آمتاں سا ہو  
عاشق کی گور پر بھی کبھو تو چلا کرو  
کیا خاک دھاں رہا ہو یہی کچھ نشاں سا ہو

زورِ طبیعت اس کا مٹیں اشتیاق بھتا  
آیا نظر جو مٹیر تو کچھ ناتواں سا ہو

طیش سے رات کی جوں توں کی جی سنبھالا ہو  
نہیں ہو دل کوئی دشمن بغل میں پالا ہو  
حنا سے یار کا پہنچ نہیں ہو گل کے رنگ  
ہمائے اُن نے کلیجوں میں ہاتھ ڈالا ہو  
گیا ہو پیش لے اعجازِ عشق سے فرہاد  
وگر نہ خنس نے کہیں بھی پہاڑ ٹالا ہو  
سنا ہو گریہِ خونیں پہ یہ نہیں دیکھ  
لہو کا ہر گھڑی آنکھوں کے آگے نالا ہو  
رہے خیال نہ کیوں ایسے ماہِ طلعت کا  
اندھیرے گھر کا ہمائے وہی اُجالا ہو  
دلوں کو کہتے ہیں ہوتی ہو راہِ آپس میں  
طریقِ عشق بھی عالم سے کچھ نالا ہو

ہزار بار گھڑی بھر میں مٹیر مرتے ہیں  
آنکھوں نے زندگی کا دھب نیا نکالا ہو

چھاتی جلا کرے ہو سوزِ دروں بلا ہو  
اک آگ سی رہے ہو کیا جانئے کہ کیا ہو  
پیشہ ترا جفا ہے شیعو مرا وفا ہو  
میں اور تو ہیں دونوں مجبور طور اپنے  
روئے سخن ہو کید ہر اہل جہاں کا یارب  
سب متفق ہیں اس پر ہر ایک کا خدا ہو



کچھ بے سبب نہیں ہو خاطر مری پریشان  
حسن اُن بھی معنیوں کا تھا آپھی صورتوں میں  
شادی سے غم جہاں میں وہ چند ہم نے پایا  
ہو خصم جان عاشق وہ مجھ ناز لیکن  
ہو جائے یاس جس میں سو عاشقی ہو درد  
نایاب اس گھر کی کیا ہو تلاش آساں  
مشفق ملاذ و قبلہ کعبہ خدا پیہر  
ہو گرچہ طفل مکتبہ شوخ ابھی تو لیکن  
ماثیر عشق دیکھو وہ نامہ وہاں پہنچ کر

دل کا الم جدا ہو غم جان کا جُدا ہو  
اس مرتبے سے آگے کوئی چلے تو کیا ہو  
ہو عید ایک دن تو دس روز بھیاں دہا ہو  
ہر لمحہ بے ادائی یہ بھی تو اک ادا ہو  
ہر رنج کو شفا ہو ہر درد کو دوا ہو  
جی ڈوبتا ہو اُس کا جو تہ سے آشنا ہو  
جس خط میں شوق سے میں کیا کیا لکھا ہو  
جس سے ملا ہو اُس کا اُستاد ہو ملا ہو  
جوں کاغذ ہوائی ہر سو اڑا پھرا ہو

پھرتے ہو تیر صاحب رب جے جے تم  
شاید کہیں تمہارا دل ان دنوں لگا ہو

دل بیتاب آفت ہو بلا ہو  
ہمارا تو ہو اصل مدعا تو  
محبت کشتہ ہیں ہم بھیاں سو پاس  
حرم سے دیر اٹھ جانا نہیں عیب  
نہیں ملتا سخن اپنا کسو سے  
کوئی ہو دل کھینچے جاتے ہیں اودھر  
مروں میں اُس میں یارہ جاؤں جیتا  
صبا اودھر گل اودھر سرو اودھر  
تماشا کردنی ہو دارغ سینہ  
نہاروں اُن نے ایسی کی ادائیں  
جلکہ افسوس کی ہو بعد چندے  
جو چپکے ہوں کے چپکے ہو کیوں تم  
سخن گریے تو ہوئے حرف ن لیں  
کب اُس بیگانہ کو سمجھے عالم

جلکہ سب کھا گیا اب کیا رہا ہو  
خدا جانے ترا کیا مدعا ہو  
ہمارے درد کی بھی کچھ دوا ہو  
اگر بھیاں ہو خدا وہاں بھی خدا ہو  
ہماری گفتگو کا ڈھب جدا ہو  
فضولی ہو تجسس یہ کہ کیا ہو  
یہی شبوہ مرا مہر وفا ہو  
اُسی کی بارغ میں اب تو ہوا ہو  
یہ پھول اس تختہ میں تازہ کھلا ہو  
قیامت جیسے اک اس کی ادا ہو  
ابھی تو دل ہمارا بھی بجا ہو  
کہو جو کچھ تمہارا مدعا ہو  
بس اب منہ موند سلیں نے سنا ہو  
اگرچہ یار عالم آشنا ہو

نہ عالم میں ہونے عالم سے باہر | یہ سب عالم سے عالم ہی جدا ہے

لگائیں گرد سر پھرنے تو بولا

ستھارا مہتیر صاحب سر پھرا ہے

شور میں سر جنوں کا جس جا ہے | دخل عقل اس مقام میں کیا ہے  
دل میں پھرتے ہیں خال و خط و زلف | مجھ کو یک سر نہرا سودا ہے  
شور بازار میں ہے یوسف کا | وہ بھی آنکھ لے تو تماشا ہے  
بر چھیوں میں کہیں نہ بٹ جائے | دل صفوف قرہ میں تنہا ہے  
نظر کئے تھے وہ جنائی پا | آج پختہ تنہا ایک برپا ہے  
دل کھینچے جاتے ہیں اسی کی اور | سارے عالم کی وہ تمنا ہے  
برسوں رکھا ہے دیدہ تر پر | پاٹ دامن کا اپنے دریا ہے  
ٹھک گریباں میں سر کو ڈال کے دیکھ | دل بھی دامن وسیع صحرا ہے  
دل کشی اس کے قد کی سی معلوم | سرو بھی یوں جوان رعنا ہے

دست و پا گم کئے ہیں تو نے مہتیر  
تیری بے طاقتی سے پیدا ہے

کئی برسوں جگر کا ہی لہو اپنا پایا ہے | تب دل کے تئیں غور اندوہ کیا ہے  
ڈر کیوں نہ محلے میں ہے رونے سے سیر | سیلاب نے اس کوچے میں گھول لیا ہے  
افسوس ہے نشمرہ قدم جو رکھو بھیاں | اس راہ میں سریاروں کے گام دیا ہے  
کاہش ہے عجب تم کو مرے جینے کی خاطر | بیمار بھلا ایسا کوئی آگے گیا ہے

پلکوں سے رفو آن لے کیا چاکل مہتیر  
کس زخم کو کس ناز کی کے ساتھ سیا ہے

کس غم میں مجھ کو یارب یہ مبتلا کیا ہے | دل ساری رات جیسے کوئی ملا کیا ہے  
ان چار دن سے ہوں میں افسردہ کچھ وگرنہ | پھوڑا دل بغل میں برسوں جلا کیا ہے  
اس گل کی اور اپنا تب منہ کیا ہے میں نے | جب آشنا لبوں سے صل علا کیا ہے  
دل داغ کب نہ دیکھا جی بار کب نہ پایا | کیا کیا نہال خواہش پھولا پھلا کیا ہے  
مڑپا ہے ایسا ایسا جو غش رہا ہے مجھ کو | دل اک بغل میں جی کا دشمن پلا کیا ہے

کیا خاک میں ہیں کو ان نے نیا ملایا  
چلتا نہیں ہے دل پر کچھ اس کے بس ڈگر نہ  
ہم گو نہ ہوں جہاں میں آخر جہاں تو ہوگا  
ٹیسرے ہی چال گردوں اکثر چلا کیا ہے  
عرش آہ عاجزاں سے اکثر ملا کیا ہے  
تو نے بدی تو کی ہے ظالم بھلا کیا ہے

ہو منہ پہ پیسے کے کیا گردِ ملال تازہ  
یہ خاک میں ہمیشہ یوں ہی رلا کیا ہے

باریک وہ کر ہے ایسی کہ بال کیا ہے  
جو بیکلی ہو ایسی چاہت گلوں کی اتنی  
پہنچا ہم علاقہ ای غسزلتی کسو سے  
آغاز تو یہ ہے کچھ روتے ہیں خون ہرم  
پامال راہ اس کے کیا کیا عزیز دیکھے  
وہ سیم تن ہونے کا تو لطف تن پر اس کے  
سر گرم جلوہ اس کو دیکھے کوئی سو جانے  
میں بے نوا اڑا تھا بوت کو ان لبوں کے  
پر چپ ہی لگ گئی جب ان نے کہا کہ کوئی

کہ آپ میں نہیں ہو کہ منتظر کہیں ہو  
کچھ پیسے جی تمہارا ان روزوں حال کیا ہے

دل مرا مضطرب نہایت ہے  
منہ ادھر کر کھو نہ وہ سویا  
اب وہ مہ اور ایک مہ سے ملا  
ہر طرف بحث تجھ سے ہے ای عشق  
ایسے رنج و غنا میں ادھر سے  
دھر کا ہو گلہ کہ شکوہ چرخ  
مت مراعاتِ غیر رکھ منظور  
عاشق اب بڑھ گئے ہیں چھاٹو  
کب نے پیسے ملک داروں سے

رنج و حرم کی یہ بدایت ہے  
کیا دُعا شب کی بے سرایت ہے  
چند در چند یہ حکایت ہے  
شکر تیرا تری شکایت ہے  
پریش حال بھی عنایت ہے  
اُس ستم گم ہی سے کنایت ہے  
میرے حق میں یہی رعایت ہے  
اس میں سرکار کی کفایت ہے  
وہ گدائے شہر ولایت ہے

گرمی سے ابر کا اگر ہنگامہ سرد ہو  
مجنوں کو مجھ سے کیا ہو جنوں میں مناسبت  
کیا جائے کہ عشق میں غول ہو گیا کہ داغ  
واصل بحق ہوئے نہ جو ہم جانے مر گئے  
ملک نہیں کہ وصف علی کوئی کر سکے  
ٹھہرے نہ چرخ نیلی پر انجم کی چشم شونخ

کس سے جدا ہوئے ہیں کہ ایسے ہیں دروند  
منہ میسر جی کا آج نہایت ہی زرد ہو

جانے میں قتل گے سے ترا اختیار ہو  
ہم آپس گئے سو الہی کہاں گئے  
بس وعدہ وصال سے کم ہے مجھے فریب  
سرتابی اس سے طائر قدسی نہ کر سکے  
ماں نہیں ہو سرو ہی تنہا تری طرف  
پیوند میں زمیں کا ہوا اس گلی میں لپک  
کل سرو ناز باغ میں آیا لفظ مجھے  
اب دیکھ کر مسترار کیا گر وصال کا  
شب فکر خانہ سازی میں منعم ملاک ہیں

کب تک ستم کہو تو دلاسا بھی دیجئے  
بالفرض میسر ایسا ہی تقصیر وار ہو

جنوں کا عجب میرے مذکور ہو  
کو چشم خونبار کو چشم تم  
فلک پر جو مہر ہو روشن ہو یہ  
گدا شاہ دونوں ہیں دل باختہ

ہوانی دوانی ہو مشہور ہو  
خدا جانے کب کا یہ ناسور ہو  
کہ منہ سے ترے نسبت دور ہو  
عجب عشق بازی کا دستور ہو

۱۲ مطابق اصل

۱۳ بخودی یلگی کہاں ہم کو ۱۴ ویر سے انتظار ہو اپنا (تیر)

۱۵ پیری میں مول ہیں منعم ولیوں کو ۱۶ ڈھکتا پھر ہے ابھی اس پر بنا تو دیکھو

قیامت ہو گا جو رفع حجاب  
ہم اب ناواؤں کو زنا ہو من  
ستم میں ہمارے ستم کی تمہیں  
نیاز اپنا جس ستم میں ہے جہاں  
ہوا حال بندہ کا گو کچھ خراب  
گیا شاید اُس شمع رو کا خیال  
کہ اب مہیتر کے منہ پہ کچھ نور ہے

زلف ہی در ہم نہیں ابرو بھی پر خم اور ہے  
پیٹ لینا سر لئے دل کے شرور عشق تھا  
جوں کہ دریا کو دریا سے ہے نسبت دور کی  
رہتے رہتے منتظر آنکھوں میں جی آیا ندان

جی تو جانے کا ہیں اندوہ ہی ہو ایک مہیتر  
حشر کو اٹھنا پڑے گا پھر یہ اک غم اور ہے

رشتہ کیا ٹھہرے گا یہ جیسے کہ مونا زک ہے  
شاخ گل کا ہے کو اس لطف سے لپکے ہو کہیں  
چشم انصاف سے برقع کو اٹھا دیکھو لے  
لطف کیا دیوے تمہیں نقش حصیر درویش  
بیڑے کھاتا ہے تو آتا ہے نظر پان کا رنگ  
گل سمجھ کر نہ کہیں بیکلی کرنے لگیو

رکھے تا چند خیال اس سر پر شور کا مہیتر  
دل تو کا نپا ہی کرے ہے کہ سب مونا زک ہے

مستی میں جاو بیجا مد نظر کہاں ہے  
شب چند روز سے میں دیکھا نہیں وہ چہرہ  
سین تنوں کا ملنا چاہے ہے کچھ تمول  
جوں آرسی کرے ہو منہ دیکھنے کی باتیں

بے خود ہیں اُس کی آنکھیں اس کو خبر کہاں ہے  
کچھ سوچ کر منجہم باسے قمر کہاں ہے  
شاہد پرستیوں کو ہم پاس زر کہاں ہے  
دل کی توجہ اُس کی مہم ادھر کہاں ہے

یوں بھی کہا نہ اُن نے وہ چٹم تر کہاں ہو  
اور اس مرض کا کوئی اب چارہ گر کہاں ہو  
اقلیم عاشقی میں آباد گھر کہاں ہو  
سنا لیستہ پریدن بازو میں پر کہاں ہو  
کیا پیش آئے دیکھیں وقتِ سفر کہاں ہو

پانی ہو بہ گئے سب اجزا بدن کے لیکن  
نفسِ وسیع سب کو جیتے ہی موت آئی  
لے اس سر سے یارو آجری ہو اس سر تک  
اٹھنے کی اک ہوس ہو ہم کو نفس سے ورنہ  
پیرانہ سر چلے ہیں اٹھ کر اگلی سے اُس کے

جانا نہیں اگر وہ مسجد سے میکرے کو  
پھر پھر جمعہ کی شب دو دو پہر کہاں ہو

اس میں بھی جو سوچئے سخن ہو  
یہ شاخچہ بندی چمن ہو  
اس سنگ سے ہو کہ دل شکن ہو  
تحفہ ہم لوگوں کا چلن ہو  
کیا جانے جان ہو کہ تن ہو  
صد چاک گلوں کا پیرن ہو  
اپنا تو یہی دولہ پن ہو  
میدان کی خاک ہی کفن ہو

کیا کہنے کلی سا وہ دہن ہو  
اُس گل کو لگے ہو شاخ گل کب  
وابستگی مجھ سے شیشہ جاں کی  
کیا سہل گزرتی ہو جنوں سے  
لطف اُس کے بدن کا کچھ نہ پوچھو  
وے بندِ قبا کھلے تھے شاید  
گم دیر میں ہیں گئے حرم میں  
ہم کشتہ عشق ہیں ہمارا

اگر چہ کسے حال پر تر حرم  
وہ شہر غریب و بے وطن ہو

ہشیاری کے برابر کوئی نشا نہیں ہو  
یا آنکہ ایک دم وہ ہم سے جدا نہیں ہو  
تیرے سواے میرا کچھ مدعا نہیں ہو  
اس بے فضا نفس میں مطلق ہوا نہیں ہو  
اب چاہ کا کسو کے پردا رہا نہیں ہو  
اس درو عاشقی کی آیا دوا نہیں ہو

ہم مست بھی ہو دیکھا آخر نما نہیں ہو  
شوقِ وصال ہی میں جی کھپ گیا ہمارا  
ہر صبح اٹھ کے تجھ سے مانگوں ہوں میں بھی کو  
زیرِ فلک رکا ہو اب جی بہت ہمارا  
آنکھیں ہماری دیکھیں لوگوں نے اشک افشاں  
منہ جن نے میرا دیکھا ایک آہ دل سے کھینچی

۱۔ جا کر شہرِ بخانے میں رہتا نہیں تو پھر یہ کیا کہ میر جمعی کی رات گھر نہیں (حیر)

تھیں پیش از آشنائی کیا آشنا لگا ہیں  
 کرے جو ابتدا تو تا حشر حال کئے  
 اب آشنا ہوئے پر آنکھ آشنا نہیں ہو  
 عاشق کی گفتگو کو کچھ انتہا نہیں ہو  
 اتنا بھی سُنہ چھپانا کچھ خوشنما نہیں ہو  
 میں روؤں تم ہنسو ہو کیا جانو میرے صاحب  
 دل آپ کا کسوت شاید لگا نہیں ہو

کیا تن نازک ہو جاں کو بھی حسد میں تن پہ ہو  
 گرد جب اُٹھتی ہو اک سر سے رجاتے ہیں بیکہ  
 کثرت پیکاں سے تیرے ہو گئی ہیبت ہی اور  
 کون یوں ای ترک رعنا زینت فتراک تھا  
 سر اٹھانے کی نہیں ہو ہم کو فرصت عشق میں  
 نوحہ کر مجھ کو دکھلایا غم دل نے ندان  
 ہو چکا رہنا مریستی میں آخر کب تلک  
 خرم گل سے لگیں ہیں دور سے کوڑوں کے ڈھیر  
 وے پھری پلکیں الٹ دیتی ہیں صفت اک آن میں  
 کیا بدن کا رنگ ہو تہ جس کی پیراہن پہ ہو  
 وحشیانِ دشت کی آنکھ اس شکار انگن پہ ہو  
 اب شرفِ دل کو ہمارے پارے آہن پہ ہو  
 خوں سے گلکاری عجب لکین کے دامن پہ ہو  
 ہر دم اک تیغ جھائے تازہ یہاں گردن پہ ہو  
 شیون اب بقوت یاروں کے مرے شیون پہ ہو  
 ناکہ شب سے قیامت دزد مرد و زن پہ ہو  
 لو ہو روئے سے ہائے رنگ اک کلخن پہ ہو  
 اب لڑائی ہند میں سب اس بیہ پلٹن پہ ہو

تو تو کہتا ہو کہ میں نے اس طعن دیکھا نہیں

خونِ ناعق میرے کس کی پھر چٹون پہ ہو

یہ رات اجبر کی یہاں تک تو دکھ دکھاتی ہو  
 تپش کے دم ہی تئیں چہرے سے ہو غین گرمی  
 کہ شکل صبح مری سب کو بھول جاتی ہو  
 وگرنہ تیغ تری کب گلے لگاتی ہو  
 چمن کی یاد میں جب بیٹکی رُلّاتی ہو  
 ہوا ہو میرے روشن کہ کلجھی ہو شمع

زباں ہلانے میں پروا نہ کو صبلاتی ہو

یہ گلشن میں چمن پر اُن نے بلبل بچہ کو جادی ہو  
 نہیں ٹک بیٹھنے دیتے تم اپنی بزم میں ہم کو  
 مروتِ رحم ہتی تدت کی ہو تم نے اٹھا دی ہو  
 مری یہ بند چڑیا کی سی مولے نے چھڑا دی ہو  
 کہیں کیا اور بھی لکے لگانے کی منادی ہو  
 رہائی چنگل باز فلک سے مجھ کو مشکل تھی  
 اگلی میں اپنی قدغن کر رکھو آئے نہ پاؤں میں

دیا ہو دل الٹی ہم کو یا کوئی بلا دی ہو  
اڑا لیتی ہو مٹی بھی صبا اک چوہا دی ہو  
قیامت کی ہو جن نے آرسی ہو کھادی ہو  
خدا نے دیکھنے کی لت سی آنکھوں کو لگا دی ہو  
سلیم الطبع کو تو پاؤں کا ہر نقش ہادی ہو  
غرض چھاتی مری داغ جدائی نے جلا دی ہو  
ہزار انوس کیا بستی مجھ سے لٹا دی ہو  
ہیں جہاں نے گالی دی تھی ہم کو عادی ہو

پیش سے رنگ اڑا جائے قلق سے جان گھرائے  
درگزر پیش از صبح وادای باغبان مست کر  
کوئی صورت نہیں اس گھر سے اب تیرے نکلنے کی  
مجھے منظور کیا ہو زلف و خال و خط و خیال سے  
بجی ذہن اس اوی میں گمراہی کی ہو باعث  
لگا رہتا ہو سینے ہی سے بیٹھا ہوں کہ سوتا ہوں  
نہ چھوٹا دل میں کچھ اس کے پر غارتِ غم سے  
نہ کشتی ٹکٹ ہوئی گر فقیری ساتھ الفت کے

ہوئی ہو دل کی محویت سے یکیاں بھیاں غم و فخر

نہ ماتم مرنے کا ہو مہر نے چنے کی شادی ہو

وہ طبع تو نازک ہو کہانی یہ بڑی ہو  
یہ گاڑی مری راہ میں بے ڈول اڑی ہو  
دیکھو تو مری آنکھ کہاں جا کے لڑی ہو  
ہم جانتے ہیں ہم پہ جو یہ باڑھ چھڑی ہو  
اب بھیاں ہیں مہلت کوئی بل کوئی گھڑی ہو  
اک خواہش دل ساتھ مرے جفتی گڑی ہو  
لیلا کی بھی تصویر تو حیران گھڑی ہو  
ہر تار نگہ آنکھوں میں موتی کی لڑی ہو  
پست کہاں ہاتھ پر اب کتنی گڑی ہو  
اب ہاتھ مراد دیکھو تو پھولوں کا چھڑی ہو

کیا حال بیاں کر لے عجب سرج پڑی ہو  
کیا فکر کروں میں کہ ٹلے آگے سے گردوں  
ہو چشمک انجم طوط اس مہ کے اشارہ  
کیا اپنی شرریزی کہیں پلوں کی صف کی  
وے دن گئے جو پروں لگی رہتی تھیں انھیں  
ایسا نہ ہوا ہو گا کوئی واقعہ آگے  
کیا نقش میں مجھوں ہی کے تھی رفتگی عشق  
جاتے ہیں چلے متصل آنسو جو ہمارے  
کھینچتا ہی نہیں ہم سے قدم خم شدہ ہرگز  
گل کھائے ہیں فراط سے عشق میں اس کے

وہ زلف نہیں منعکس ویدہ تر مہر

اس بحر میں اشعار سے زنجیر پڑی ہو

ہر شاخِ قفل چمن میں بھیجک ہوئی گھڑی ہو  
کیا جانے کہ جی میں یہ کیسی گل گھڑی ہو  
کس فتنہ زبانی سے آنکھ اپنی جا لڑی ہو

کس فتنہ قد کی ایسی دھوم آنے کی پڑی ہو  
واشد ہوئی نہ بلبل اپنی ہمار میں بھی  
نادیدنی دکھائے کیونکر نہ عشق ہم کو



وے دن گئے کہ پہروں کرتے نہ ذکر اُس کا  
آتش سی پھاک رہی جو سائے بدن میں میرے  
کیا کچھ ہمیں کو اُس کی تنوار کھا گئی ہے  
اب نام یار اپنے لب پر گھڑی گھڑی ہو  
دل میں عجب طرح کی چنگاری آپڑی ہو  
ایسی ہی اک جڑی ہو اُس نے جہاں جڑی ہو  
کیا مہتیر سبز جھکاویں ہر کم بغل کے آگے

نام خدا انھوں کی عزت بہت بڑی ہو  
آنکھیں نہیں بھیجاں کھلتیں ایدھر کو نظر بھی ہو  
گو شکل ہوائی کی سرخچہ تیں کھینچا  
اس منزل بالکس کو منزل نہ سمجھئے شکا  
مجھ حال شکستہ کی تا چند یہ بے وقری  
یہ کیا ہو کہ منہ نوپے نے چاک کرے سینہ  
کریغض جو کچھ تجھ میں اے مہتیر سبز بھی ہو

کوفت سے جان لب پہ آئی ہو  
لکھتے رقعہ لکھتے گئے دفتر  
آرزو اُس بلسند و بالا کی  
دیدنی ہو شکستگی دل کی  
ہو تقصیر کہ لعل ہیں وے لب  
دل سے نزدیک اور اتنا دور  
بہستوں کیا ہو کوہ کن کیسا  
جس مرض میں کہ جان جاتی ہو  
یہاں ہوئے خاک کے برابر ہم  
ایسا مولیٰ ہو زندہ جسا وید

ہم نے کیا چوٹ دل پہ کھائی ہو  
شوق نے بات کیسا بڑھائی ہو  
کیا بلا میں سر پہ لائی ہو  
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہو  
یعنی اک بات سی بنائی ہو  
کس سے اُس کو کچھ آشنائی ہو  
عشق کی زور آزمائی ہو  
دلبروں ہی کی وہ جدائی ہو  
وہاں وہی نازِ خودغنائی ہو  
رفستہ یار تھا جب آئی ہو

مرگ مجنوں سے عقل گم ہو مہتیر  
کیا دوائے موت پائی ہو

اس شوخ سے ہمیں بھی اب یاری ہو گئی ہو  
شرم آنکھڑیوں میں جس کی عیاری ہو گئی ہو

روتا پھرا ہوں برسوں لو ہو چمن چمن میں  
 کوچے میں اُس کے یکسر گلکاری ہو گئی ہو  
 ایک جا الگ کے رہنا ہو نا تما می ورنہ  
 سب میں وہی حقیقت یہاں ساری ہو گئی ہو  
 جب خاک کے برابر ہم کو کیا فلک نے  
 طبع خشن میں تب کچھ ہمواری ہو گئی ہو  
 مطلق اثر نہ دیکھا مدت کی آہ وزاری  
 اب نالہ و فغاں سے ہزاری ہو گئی ہو  
 اُس سے دوچار ہونا آتا نہیں میسر  
 مرنے میں اس سے ہم کو ناچاری ہو گئی ہو  
 سر بار ذکر محشر کیا یار کے در اوپر  
 ایسی تو یہاں قیامت سو باری ہو گئی ہو  
 اندازِ شوخی اُس کے آتے نہیں سمجھ میں  
 کچھ اپنی بھی طبیعت یہاں عاری ہو گئی ہو  
 شاہی سے کم نہیں ہو درویشی اپنے ہاں تو  
 اب عیب کچھ جہاں میں ناداری ہو گئی ہو

ہم کو تو دردِ دل ہی اتمِ زرد کیوں ہو ایسے ؟  
 کیا امیرِ جی تھیں کچھ بیماری ہو گئی ہو  
 کہاں یارِ قیاس اب جو دنیا کرے ہو  
 یہ طفلانِ بازارِ جی کے ہیں گاہک  
 کبھو قدر داغِ عشق پیدا کرے ہو  
 وہی جانتا ہو جو سودا کرے ہو  
 وہ ہر بات کا ہم سے پردا کرے ہو  
 چھپائیں ہوں آنکھیں ہی ان نے تو کئے  
 کنارہ کوئی دن میں دریا کرے ہو  
 جو رونا ہو راتوں کو اپنا ہی تو  
 قیامت ہی ہر گام برپا کرے ہو  
 ٹھسک اُس کے چلنے کی دیکھو تو جانو

لہ فتنہ در سر بنانِ خشرِ حرام پڑا ہے کس ٹھک سے چلنے میں تیر

میں شوقِ پروازِ گلشن میں کیوں نا  
بنی صورتیں کیسی کیسی بگاڑیں  
خط افشاں کیا خونِ دل سے تو بولا  
اسیروں کی میاں کون پروا کرے ہو  
بسمجھے نہیں اہم فلک کیا کرے ہو  
بہت اب تو رنگین انشا کرے ہو

ہلاک آپ کو میری مت کر دوائے  
کوئی ذی شعور آہ ایسا کرے ہو

کیا پوچھتے ہو عاشقِ راتوں کو کیا کرے ہو  
دانستہ اپنے جی پر کیوں تو جفا کرے ہو  
فتنہ سپہر کیا کیا برپا کیا کرے ہو  
کس لیے سادہ رو کا حیرانِ حسن ہو یہ  
ہم طور عشق سے تو واقف نہیں ہیں لیکن  
کیا کتنے داغِ دل بے ٹکڑے جگر ہو سارا  
اُس بُت کی کیا شکایت آہِ دوش کی کر لیے  
گرم اگر ایک دن وہ سینے سے لگ گیا تھا  
کیا چال یہ نکالی ہو کر جو ان تم نے  
دشمن ہو یا ر جیسا درپے ہو خوں کے میرے  
سمجھا ہو یہ کہ مجھ کو خواہش ہو زندگی کی  
حالت میں غش کے کس کو خط لکھنے کی ہر فرصت  
سر کا ہو جب ہر برقع تب آپ سے گئے ہیں  
بیٹھے ہو یا ر اگر جس جا پہ ایک سباعت  
سورخ سینہ میرے رکھ ہاتھ بند مت کر  
کیا جانے کیا تمنا رکھتے ہیں یا ر سے ہم  
گل ہی کی اور ہم بھی آنکھیں لگا رکھیں گے  
کہ سرگزشت اُن نے سر باد کی نکالی

گاہے بگا کرے ہو گاہے دُعا کرے ہو  
اتنا بھی میرے پیارے کوئی کڑھا کرے ہو  
سو خواب میں کبھو تو مجھ سے ملا کرے ہو  
مرآتِ گاہ و بیگہ بھیچک رہا کرے ہو  
سینے میں جیسے کوئی دل کو ملا کرے ہو  
جانے وہی جو کوئی ظالم وفا کرے ہو  
پرفے میں بد سلو کی ہم سے خدا کرے ہو  
تب سے ہماری بھاتی ہر شب جلا کرے ہو  
اب جب چلو ہو دل کو ٹھوکر لگا کرے ہو  
ہو دوستی جہاں جہاں ہیں ہی ہوا کرے ہو  
کس ناز سے معلق میری دوا کرے ہو  
اب جب تب ادھر کو جی ہی چلا کرے ہو  
منہ کھولنے سے اس کے اب جی چمپا کرے ہو  
ہنگامہ قیامت جہاں سے اٹھا کرے ہو  
ان روزوں سے دل تک کسب ہوا کرے ہو  
اندوہ ایک جی کو اکشر رہا کرے ہو  
ایک آدھ دن جو موسم ابھی وفا کرے ہو  
مجنوں کا گاہے قصہ بیٹھا کہا کرے ہو

ایک آفتِ زماں ہو میری عشقِ پیشہ  
پرفے میں سائے مطلب اپنے ادا کرے ہو

ربط دل نو اُس بت بے مہر کینہ ور سے ہو  
 کیا کہوں میں آہ مجھ کو کام کس پتھر سے ہو  
 کس کو کہتے ہیں نہیں میں جانتا اسلام و کفر  
 دیر ہو یا کعبہ مطلب مجھ کو تیرے در سے ہو  
 کیوں نہ اے سید لہر دل کھینچے یہ موتے دراز  
 اصل زلفوں کی تیرے گیسوئے پیغمبر سے ہو  
 کاغذِ ابری پہ دردِ دل اُسے لکھ کر بھیجے  
 وہ بھی تو جانے کہ یہاں آشوبِ چشم تر سے ہو  
 کیا کہیں دل کچھ کھینچے جاتے ہیں اودھر ہر گڑھی  
 کام ہم بے طاقتوں کو عشق زور آور سے ہو  
 رحم بھی دینا تھا تھوڑا ہائے اس خوبی کے ساتھ  
 تجھ سے کیا کل گفت گو یہ داور محشر سے ہو  
 کیا کروں گا ابھی میں بے پر ہوس گلزار کی  
 لطفِ گلگشت اے نسیم صبحِ بال و پر سے ہو  
 مرنے کے اسباب پڑتے ہیں بہت عالم میں لیک  
 رشک اُس پر ہو کہ جس کی موت اس خیر سے ہو  
 ناز و خشم و بے دماغی اس طرف سب ہیں ولے  
 کچھ کسو بھی طور کی رنجش بھلا ایدھر سے ہو  
 دیکھ گل کو ٹھک کہ ہر یک سر چڑھا لیتا ہو یہاں  
 اس سے پیدا ہو کہ عزت اس چین میں نہ سے ہو  
 کانتا ہوں میں تو تیرے ابروؤں کے خم ہوئے  
 قشعر یہ کیا مجھے تلوار کے کچھ ڈر سے ہو

۱۔ عاشق ہم از اسلام خرابات ہم از کفر  
 ۲۔ قشعر یہ۔ جھرجھری۔ پھر ہری۔

شکے درپے چلے آتے تھے چشم زار سے  
 ہر نگہ کا ستار مانا رشتہ گوہر سے  
 بادِیے ہی میں پڑا پاتے ہیں جب تب تجھ کو ملیر  
 کیا خفا ای خانماں برباد کچھ تو گھر سے آ  
 کارِ دل اُس نہ تمام سے آ  
 تم نہیں فتنہ ساز سچ صاحب  
 بوسہ لے کر سرک گیا کل میں  
 کوئی تجھ سا بھی کاش تجھ کو لے  
 کب وہ معسر و زہم سے مل بیٹھا  
 خوش سر انجام ہے ہی میں جن کو  
 شعلہ میرے ہیں سب خواہش پسند  
 شیطنیت سے نہیں ہو خالی شیخ  
 سر جھکاؤں تو اور ٹیڑھے ہو  
 سہل ہے میرے کام سمجھنا کیا  
 سہل ہے میرے کام سمجھنا کیا

ہر تن اُس کا اک مقام سے آ  
 جل گیا دل مگر ایسی جو بلا نکلے آ  
 لخت دل قطرہ خوں ٹکڑے جگر ہو ہو کر  
 میں جو ہر سولگوں ہوں دیکھنے ہو کے مضطر  
 بار سائی دھری رہ جائے گی مسجد میں شیخ  
 گو کہ پروا کرے جوں ماہ شب ابروہ شوخ  
 بھیڑیں تلجباتی ہیں آگے سے اُس بڑکے لے  
 ہنسی آ سانسے اس کے کے سجدرہ ہی و  
 بد کہیں نالہ کشاں ہم ہیں کہ ہم سے ہر روز  
 جسے توں جلتی مرے مُنہ سے ہوا نکلے آ  
 کیا کہوں میں کہ مری آنکھوں سے کیا نکلے آ  
 آنسو ہر سیری نگہ ساتھ کھٹا نکلے آ  
 جو وہ اس راہ کبھو مستی میں آنکھ لے آ  
 کب چھپا رہتا ہے ہر چند چھپا نکلے آ  
 سیکڑوں میں سے وہ تلوار چلا نکلے آ  
 جی سمجھتا ہے جو اس بُت میں ادا نکلے آ  
 شور و ہنگامہ کا اک طور نیا نکلے آ

۱۔ حدیث مطلب مدعا زیر لپی است ۲۔ کہ اہل بزم عوام اندو گشتگو علی است (فیضی)  
 ۳۔ بھیڑیں میں اس ابروے خمدار کے لئے ۴۔ لاکھوں میں اس ادبش نے تلوار چلائی (تیسری)

دے ہو جو سر کوئی کچھ بھیاں سے بھی پانکے ہو  
ناز کرتی ہوئی اس راہ صبا نکلے ہو  
منہ سے ہر ایک کے سو بار دُعا نکلے ہو  
داع جو نکلے ہو چھاتی سے لگانکے ہو  
دل کی بیماری کی کس پاس دوانکے ہو  
اور گفتار سے کچھ پسار جڈانکے ہو

اجسے خالی نہیں عشق میں مارے جانا  
لگ چلے ہو مگر اس گیسوئے عنبر کو سے  
کیا ہو اقبال کہ اس دشمن جاں کے آتے  
سوز سینے کا بھی دل چسپ بلا ہو اپنا  
سارے دیکھے ہوئے ہیں دلی کے عطا طویب  
کیا فریندہ ہو رفتار ہو کینہ کی جدا

ویسا بیجا نہیں دل میر کا جو رہ نہ سکے  
چلتا پھرتا کبھو اُس پاس بھی جانکے ہو

پرے میں جسم ڈھک کر دیوار و در بنے ہو  
ہوتے ہیں ملتفت تو پھر خاک زربے ہو  
ہر زخم سینہ اُس دم یک چشم تر بنے ہو  
چہرہ ہی دھاں انھوں کا دودو پہر بنے ہو  
پانی گزہ جو ہوفے تو پھر گر بنے ہو  
زاہد انھوں کا جا کر آدم سے خرب بنے ہو  
عالم میں کام کس کا بے درد سر بنے ہو  
صحبت ہماری اُس کی ٹک بھی اگر بنے ہو  
بنتی ہو جس کسو کی یک طور پر بنے ہو  
تب کوئی ہمسا صاحب صاحب نظر بنے ہو

عبر سے دیکھ جس جا بھیاں کوئی گھر بنے ہو  
ہیں دل گداز جن کے کچھ چیز مال ہے ہیں  
شب جوش غم سے جس نم لگتا ہو دل تر پینے  
یہاں ہر گھڑی ہماری صورت بگڑتی ہو  
ٹک رک کے صاف طینت نکلے ہو اور کچھ ہو  
ہو شعبہ کے فن میں کیا دست میکشوں کا  
نکلے ہو صبح بھی بھیاں صندل ملے جبین کو  
سائے دکھوں کی ای دل ہو جائے گی تلافی  
ہر اک سے ڈھب جدا ہو سائے زمانہ کا بھی  
برسوں لگی رہی ہیں جب ہر دمہ کی آنکھیں

یاران ویر و کعبہ دونوں بلار ہے ہیں  
اب دیکھیں میر اپنا جانا کدھر بنے ہو

ہام شد دیوان دوم میر تقی میر

# دیوانِ سوم

میر تقی میر دہلوی

## بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا میں سرے دل کی خرابی ہوئی اے عشق دروغ ضبط تھا جب تئیں جاہت نہ ہوئی تھی ظاہر انتہا شوق کی دل کے جوہاں سے پوچھی	خاک ناجیز تھا میں سو مجھے انسان کیا تو نے کس خانہ مطبوع کو ویران کیا اشک نے بہ کے مرے چہرے پہ طوفان کیا اک کھڑا خاک کی اُن نے پریشان کیا
--	---

مجھ کو شاعر نہ کہو میرے صاحب میں نے  
درِ دہم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

دین و دل کے غم کو آسان نہ تو ان لے گیا خاکِ نوح میں لوٹ کر رہا نہ ہی اطفہ سرگزشتِ عشق کی تہ کو نہ پہنچایا کوئی عرصہ دشتِ قیامت باغ ہو جائیگا سب ذکرِ دل جانے کا وہ پرکینہ سن کہنے لگا یک جہاں مہر و وفا کی جنس بھی میرے کہنے	یا محبت کہہ کے یہ بارگراں میں لے گیا جان کو کیا جو سلامت نہیجاں میں لے گیا گر چہ پیشِ دوستاں یہ داستاں میں لے گیا اس طرح سے جو یہ خیمِ خوفشاں میں لے گیا یہ سنا تے ہو کسے کیا مہراں میں لے گیا لیکن اسکو پھیری لایا جہاں میں لے گیا
---	--

لرختہ کا ہے کو تھا اس رتبہ اعلیٰ میں میر  
جو زمین نکلی اُسے تا آسماں میں لے گیا

میرا ہی منقلدِ عمل تھا دل ٹوٹ گیا تو خون نہ نکلا تھیں سب کی نظریں اُسکی بھو دیں	مجنوں کے دماغ میں خلل تھا شیشہ یہ بہت ہی کم ثقل تھا انسانی ہمت یہ سخت ہر تبدل تھا
---	---



کیا قدر ہے ریختے کی گویں | اس فن میں نظیری کا بدل تھا

تھا نزع میں دست میسر دل پر  
شاید عزم کا یہی محل تھا

کرنا جنوں جہان میں بے نام و رنگ آیا  
شب شمع کو بھی چکی بجاس میں لگ گئی تھی  
فتنے فساد اٹھینکے گھر گھر میں خون ہو گئے  
ہر سر نہیں ہے شایاں شور قلندر کی کا  
چسپاں ہے اُس بدن سے پیرا ہن جری  
باتیں ہماری ساری بے ڈھنگیاں ہیں دسی  
اک جھج بڑکوں کا بھی لے لے کے تنگ آیا  
سرگرم شوق مردن جس دم تنگ آیا  
مگر شہر میں خبر آیاں وہ خانہ جنگ آیا  
کوئی شیخ شہر باندھے تھیں بیدار تنگ آیا  
اتنی بھی تنگ پوشی جی اب تو تنگ آیا  
بوڑھے ہوئے یہ ہکو اب تک نہ ڈھنگ آیا

بشرے کی اپنے روتق لے میسر عارشی ہے  
جب دل توخوں کیا تو جیسے یہ رنگ آیا

دل اگر کتنا ہوں تو کتنا ہے وہ یہ دل ہے کیا  
جاننا باطل کسو کو یہ قصور نہم ہے  
یاں کوئی دقت وقفہ کر کے قصد لگے کا کر  
تنگ ہے ہوں سکے سو ہم تنگ ہے ہل یکے  
وہ حقیقت ایک ہی ساری نہیں ہو سب میں تو  
چوتھیرے دل میں ایسی ہو کہ ہوں میں دم بخود  
کہتے ہیں ظاہر ہی ایک ہی لیلیٰ مفت اقلیم میں  
ہم تو سو سو بار مروتے ہیں ایک ایک آن میں  
شاخ پر گل یا نہال و دھڑکے جلتے ہیں ب

ایسے ناداں دلربا کے لئے کا حاصل ہے کیا  
حق اگر تجھے تو سب کچھ حق تو باطل ہے کیا  
کارواں گاہ جہان رفتنی منزل سے کیا  
دیدہ حیراں ہمارا دیدہ ہسل سے کیا  
آب ساہر زنگ میں یہ اور کچھ شامل ہے کیا  
وہ کشندہ یونہی کہتا ہے کہ تو گھائل ہے کیا  
اس عبارت کا نہیں معلوم کچھ محل ہے کیا  
عشق میں اس کے گزندہ جان سے شکل ہے کیا  
قامت و کفش کا اسکے سر دسی مائل ہے کیا

مرثیہ میرے بھی دل کا رقت آدر ہے بلا  
تخت شمر میر میں کیا جالوں درخشاں ہے کیا

ان دلیروں سے رابطہ کرنا ہے کام کیا  
لے کا مختصر کا شی ایران کا ایک مشہور مرثیہ گو تھا جس کا ہفت بند نہایت مقبول و مشہور ہو۔ دوسری صدی ہجری  
میں اشعار کیا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ جس کے مرثیہ چھپ چکے ہیں ۱۲

حسن و جمال و سیاہی اس کا خرم کیا  
عاشق کو لبر و دلف سے سلام و پیام کیا  
کیا جانیں سجدہ کہتے ہیں کہ سلام کیا  
دھچپ اس مقام میں حرف و کلام کیا  
مرات و ماہ و گل کا ہے اس جا مقام کیا  
پر منہ ٹھکے یہ اسکے سے ماہ تمام کیا  
کیا جانوں میں ہے ہوا ب صبح و شام کیا

حیرت ہے کھولیں چشم تماشا کہاں کہاں  
انکی اک نگاہ گرم جہاں اُن سے لگے  
شکر خدا کہ سر نہ فر دلائے ہم کہیں  
اس گنج لب پہ چکے ہوئے منہ کو کھینچے ہم  
جس جائے اُسکے چہرے سے کرتے ہیں گفتگو  
کتا ہے کون بدر میں نقصان کچھ رہا  
پہ جانوں ہوں کہ دل کو ہر اس دُور سے لاک

تسبیح تک تو میر نے رکھا کمال کے  
وقت نماز اب بھی ہونے تھے امام کیا

دور ہی دور پھرے پاس ہمارا نہ کیا  
ایک چشم بھی نہ کی ایک اشارہ نہ کیا  
منہ سننے کے تئیں ہم نے گوارا نہ کیا  
چند سے پھر ہی سے سر اور بھی مارا نہ کیا  
بہس کی سی طرح ہم نے کنارا نہ کیا  
ہم تو کچھ دوتی میں وارے کا سارا نہ کیا

جہاں یہ کیا تھی کہ ایدھر کو گزرا نہ کیا  
میں کو منظور نہ تھی ہم سے محبت کرنی  
بعد دشنام تھی بوسے کی توقع بھی ملے  
مر کے بے حوصلہ لوگوں میں کہا یا فساد  
جی رہے دوستے دریا سے غم عشق میں لیک  
نیم جاں صدے کی اُس پر تریاں کھانا سود

لے گیا سہمی بھی دروازے کی آنکھ میں میر  
پراٹھانے مرے درد کا چارا نہ کیا

لاو ہوا اشک خونی سے منہ پر بہائے گا  
کاوش کرے گی ٹٹک بھی تو نبھلا جائے گا  
بس بس کہیں ہیں اب بھی صاحب غم اُسے گا  
پھر بھی ملا تو خوب سا اُن کو رجھائے گا  
بیتاب دل بہت ہے یہ کیا تاب لائے گا  
علوم جی کی چال سے ہوتا ہے جانے گا  
باز رہیں یہ سانپ جو کوئی کھلے گا  
دکھ دست اگر بیسے سر و ساماں بھی پائے گا

وہ دل نہیں رہا ہے تب جو اٹھائے گا  
اب یہ نظر پڑے ہے کہ برکت نہ وہ مرہ  
کھینچا جو میں وہ ساعدہ ہیں تو کہ اٹھا  
رہے تو اُس کے طور یہ مجلس میں بیٹھے  
جلوسے سے اُسکے جل کے ہوا خاک سنگ و  
ہم رہ چکے جو ایسے ہی غم میں کھپائے  
مڑ کر لگی ہے بانوں میں زلف اُسکی بیدار  
اُڑتی رہے گی خاک جنوں کرتی تھی شہوت

ورپے ہے اب وہ سادہ تر اول پیریت  
دیکھیں تو میرے تیں کوئی بچا بچکا

وہ جو گلشن میں جلوہ ناک ہوا  
اُس کے دامن تلک نہ ہو بچا ہاتھ  
میں قدر تھا خبیث شیشہ شہر  
ڈریے اُس رشک غور کی گری

میر لکان ہو گیا تھا بہت

سود طلب ہی میں پھر لاک ہوا

کیا روئے ہمیں کو یوں اُن کر کے مارا  
تربت کا میری لوحہ آئینے سے کسے ہے  
بیگانہ جان اُن نے کیا چوٹ رات کو کی  
پہلے گلے لگایا پھر دست جو اٹھایا  
اُس شست عہد نے کیا کی تھی قسم بھی سے  
حاضر براق ہونا کا ہے کو چاہیے تھا

کہنے لگا کہ شب کو میرے تیں نشا تھا

مستانہ میر کو میں کیا جان کر کے مارا

گیا حسن خوبان بد راہ کا  
پشیاں ہوا دوستی کر کے میں  
جگر کی سپر پھوٹ جاسے لگی  
اسیری کا دیتا ہے مزدہ مجھے  
رہوں جا کے محضت پار میں  
کس ہو دم قتل کچھ تو کہتے  
عدم کو نہیں بل کے جاتے ہو لوگ  
نظر خواب میں اس کے نہہ پڑی  
گو نہیں اگر آنکھ تیری ہو میر

ہمیشہ رہے نام اللہ کا  
بہت مجھ کو ارمان تھا چاہ کا  
بلا توڑ ہے نادر آہ کا  
مرا زمرہ گاہ و بیگاہ کا  
یہی قصد ہے بندہ درگاہ کا  
جواب اسکو کیا میرے خونخوہ کا  
غم اس راہ میں کیا ہے ہراہ کا  
بہت خوب ہے دیکھنا وہ کا  
نشا کر اُس کی نظر گاہ کا

<p>کوئی دل کا بخار نکلے گا ہو کے آخر شکار نکلے گا دل کا تب کچھ غبار نکلے گا کسے سینے کے پار نکلے گا گھر سے کب اپنے یار نکلے گا ایک سیل ہمار نکلے گا</p>	<p>چشم سے خوں ہزار نکلے گا اُس کی محبت سے روح الیں آنندھیوں سے سیاہ ہوگا چرخ ہوئے رنجہ لاک تیر مژگاں کی ماز نور شدید کب تلک بھینچیں خون ہی آئے گا تو آنکھوں سے</p>
<p>عزیزت میر عشق میں کب تک ہو کے بے اختیار نکلے گا</p>	
<p>کیا ذکر یاں مسیح علیہ السلام کا کیا دیجیے جواب اجل کے پیام کا ممنون میں نہیں ہوں جواب سلام کا نویں ہی نام لے ہے کسونا تمام کا بجائے اُنہیں ہے کبھی یاں مقام کا جی کہ تھا مقام یہ خستہ کلام کا جلوہ ہی کچھ جدا ہے مرے صبح و شام کا جز عاشقِ گنتا نہیں ہے غلام کا</p>	<p>اعجازِ منہ تک ہے ترے لب کے کام کا رقمہ ہیں جو آدے ہے سوتیر میں بندھا کچھ سدھ نہ بھالتے ہی رکھی اُن نے پگڑی پھر شہدہ دیکھو بد رکا کہ تری زدکشی کرے نوبت ہی اپنی جب سے یہی کوچ کا ہوشور کنج لب اسکا دیکھ کے خاموش رہ گئے اُس رو دو مو کے محو کو کیا روزگار سے صاحب ہوا رڈ الو مجھے تم و گر نہ کچھ</p>
<p>کب اقتدا ہو مجھ سے کس کی سوائے میر بندہ ہوں دل سے میں اُسی سید امام کا</p>	
<p>مجھ پہ تو دا ہوا ہے طوفاں کا پنی زنجیر ہر گریباں کا ذکر یاں کیا ہو لعلِ مرجاں کا غم ہی رہتا ہے دین و دایاں کا کچھ ٹھکانا نہیں دل و جاں کا دق کیا ہے دل سسلاں کا نے نے ماتم میں اس کے منہ ڈھالکا</p>	<p>ہوں نشان کیوں نہ تیر خواہاں کا تھ نہ زنجیر ہو جنوں میں رہا چپکے دیکھو جھکتے دے لبِ شرج ایک رہن ہے اُسکی کافر زلف عمر آداری میں سب گزری کافر شال ہے خال و خط و زلف مر گیا میر نالہ کش بیسکس</p>

آیا کھویاں دن کو بھی یوں تو غضب آیا  
کیا گریہ سرشار مجھے بے سبب آیا  
ہم کو کبھی ملنے کا تو اس کے نہ دھب آیا  
کچھ دیکھتے اس کو مجھے ایسا ادب آیا  
یہ باتیں ہیں ایدھر کو مزاج اس کا کب آیا  
کس روز نگاہ اس کا مرے تا بلب آیا  
کیا فائدہ یاں چل کر اگر یا ر اب آیا  
وہ یاں سے گیا اٹھ کے مجھے موش جب آیا

جس خشم سے وہ شونخ چلا آج شب آیا  
اس نرگس مستانہ کو کر یا ذکر طہوں ہوں  
راہ اس سے ہوئی خلق کو گس طوہ سے بار  
کیا پوچھتے ہو دب کے سخن ہنہ سے نہ نکلا  
کہتے تو میں میلانِ طبیعت ہے اسے بھی  
خوں ہوتی رہی دل ہی میں آرزو کی میری  
جی آنکھوں میں آیا ہے جگر ٹھنڈی میرے  
آتے ہوئے اس کے تو ہوئی بخود ہی طاری

جاتا تھا چلا راہ عجب چال سے کل میرے  
دیکھا اُسے جس شخص نے اُس کو عجب آیا

اس چال کی جو کھوں کو اس وقت نہ جاتا تھا  
جاتا تھا چلا ہر دم جسامہ بھی پُرانا تھا  
اوقات ہے اک یہ بھی اک وہ بھی زمانا تھا  
اتنا بھی تھیں اگر یاں سر نہ اٹھانا تھا  
یاں گنج جو کچھ دیکھا سو کل وہ فسانا تھا  
یاں خاک میں ملنا تھا لوہو میں تنہا تھا  
اس عشق کے میدان میں میں ہی تو شنا تھا  
مرنا ترے عاشق کا مرنا کہ بہانا تھا  
پردے میں مجھے اپنا احوال سُنانا تھا

کیا کام کیا ہم نے دل یوں نہ لگانا تھا  
تھا جسم کا ترک اولی ایام میں پیری کے  
ہر آن تھی سرگوشی یا بات نہیں نکلتی  
یا مالی عزیزوں کی رکھنی تھی نظریں ٹک  
اک مجھ تماشا ہیں اک گرم ہیں قصہ کے  
کیونکر گھٹی سے اُسکی میں اٹھ کے چلا جاتا  
جو تیر چلا اُس کا سو میری طرف آیا  
جب تو نے نظر پھیری تب جان لی اُسکی  
کب اور غزل کہتا میں اس زین میں لیکن

کہتا تھا کسو سے کچھ تکتا تھا کسو کا مُنہ  
کل میرے کھڑا تھا یاں سج ہے کہ دوانا تھا

ہلک رنجہ قدم کر کر مجھ تک اُسے آتا تھا  
مُنہ یا رگو ہر صورت عاشق سے چھپاتا تھا  
لے صید خرم تجھ کو اک زخم تو کھاتا تھا  
اس چہرے کو لے خالق ایسا نہ بنانا تھا

سہل ایسا نہ تھا آخر جی سے مرا جانا تھا  
کیا سوئی پریشانی کیا پردے میں پہنانی  
لاوت سے نہ تھا خالی جانا تہ تیغ اُس کے  
کیا صورتیں بگڑی ہیں نشا قند کی ہجرائیں

برسوں میں گردوں نے جب خاک چھانا تھا  
کچھ ٹھوکر بھی تھی اسکی کچھ اس کا ٹھکانا تھا  
خوابیدہ مرے خوں کو ظالم نہ جگانا تھا  
جلوہ اسے یاں اپنا صدر رنگ دکھانا تھا

مت سہل ہیں سمجھو ہونچے تھے بہم تب ہم  
کیا ظلم کیا بجا مارا جیون سے اُن نے  
اے شور قیامت اب وعدہ سے قیامت ہی  
ہو باغ و بہار آیا نخل پھول کہیں پایا

کہتے نہ تھے ہم واں سے پھر آچکے جیتے تم  
میسر اس گلی میں تم کو زہنہ نہ جانا تھا

جد برسوں سینے سورہ یسوع کو دم کیا  
جانے کا دل کے سینے بہت غم الم کیا  
وہ رابطہ در رابطہ جو بہت سینے سے کیا  
مانند خامہ گو کہ مرا ستر قلم کیا  
سب تن بدنی اس رنگ نے اپنا ہم کیا  
اُن نے جو بید مانی سے ہر کوئی غم کیا

تد اس ہشتی رو سے یہ مخلص بہم کیا  
چہرے کو نورج لوج لیا کھائی کوٹلی  
مربوط اور لوگوں سے شاید کہ وی بٹے  
کیا کیا سخن زباں پر سے اُن کے بکے قتل  
کی تہنے تب درد نے کی سوزش غایت  
یاں اپنے جسم زار پہ تلوار سی لگی

اس زندگی سے مائے ہی جانا بھلا تھا میرا  
رحم اُن نے میرے حق میں کیا کیا ستم کیا

وہ دل کہ جس پہ اپنا بھروسہ تھا خوں ہوا  
آتے ہی اُس کے رفتن صبر و سکون ہوا  
اک گرد باد وشت مرا رہنموں ہوا  
بے اختیار رونے کا میرے شکوں ہوا

ایک جگہ کی فصل میں ہم کو جنوں ہوا  
تھہرا گیا ہو ٹھہرا بھی تو تھے بیاں کون  
تھا شوق طوف تر بیت مجنوں مجھے بہت  
سیلاب آگے آیا جلا جاتے دشت میں

جان اُس کی تیغ تیز سے رکھ کر درخت میرا  
صید حرم ندان شکا زربوں ہوا

ایک رت جی تھا بدن میں سو بھی گھبرانے لگا  
خون کرنے کا خیال اب کچھ اُسے نہ لگا  
ہو کوئی کوئی ان ہونٹھوں پہ مرجانے لگا  
یوں تو واضح نے کہا تھا دل نہ دیوانے لگا  
یہ تو المبت کہ سن کر لمن رم کھانے لگا

رات سے آنسو مری آنکھوں میں پھر کٹے لگا  
وہ لڑکپن سے نکل کر تیغ چمکانے لگا  
محل جان بخش اُسکے بھے پرشیدہ جوں آب حیات  
حیف میں اُسکے سخن پر ہلکت رکھا گوش کو  
چس و دم کے معتقد تم ہو گے شیخ شہر کے

چاندنی میں رات بیٹھا تھا سو مچھانے لگا  
یعنی وہ محشر حرام اب یا نوں پھیلانے لگا  
گوستارہ صبح کا بھی نہ نکھ جھپکانے لگا

مگر مٹا اُس گل نازک طبیعت سے نہ ہو  
عاشقوں کی پائمالی میں اسے اصرار ہے  
چشمک اس مہ کی سی دلکش دیدیں کی نہیں

کیونکر اس آئینہ رو سے میرے لیے بچاؤ  
وہ تو اپنے عکس سے بھی دیکھو نہ مانے لگا

سو بھی رستا ہوں یہ کہتا ہائے دل نے کیا کیا  
کیا کیا تنے کہ مجھ بیتاب سے پردا کیا  
اس طبیب بدستگوں نے کسے تئیں اچھا کیا  
عشق نے کیا کو چہ و بازار میں رسوا کیا

ضبط کرتے کرتے اب جوں کو میں نے وا کیا  
آنکھ پڑتی تھی تھا اے منہ پہ جب تک چین تھا  
گور سی اُسکو جھنکا فی عشق جسکے ہاں گیا  
دیکھ بھلی مجھ کو رستے بند ہو جاتے ہیں اب

لوگ دل دیتے سنے تھے میرے گزرا ہے ہی  
لیک اپنے طور پہ ان نے بھی اک سودا لیا

دل کے جانے کا بُرا ماتم ہوا  
اُٹھ گیا پردہ کہاں اودھم ہوا  
سب مرے نامے کا کاغذ ختم ہوا  
یاریاں تک آن کر کیا کم ہوا  
حشر کا ہنگامہ ہی برہم ہوا  
دونوں عالم کا عجب عالم ہوا

سینہ کو بی ہے پیش سے غم ہوا  
آنکھیں دوڑیں خلق جاودہ گری  
کیا لکھوں رو یا جو کھتے جو قلم  
ہم جو اُس بن خوار ہیں حد سے زیادہ  
اُگیا یوں ہی خراں وہ تو پھر  
درہمی سے برہمی سے دیکھو

جسم خاکی کا جہاں پردہ اٹھا  
ہم ہوئے وہ میر وہ سب ہم ہوا

ہر زمان ملتے تھے یا ہم سوزنا ہو گیا  
یاں ترے شتاق کا مڑنا بہ نہ ہو گیا  
پر اسے اب جھوڑیے جامہ پُرانا ہو گیا  
شہر میں پھر ہم کو مشکل منہ دکھانا ہو گیا  
ناگہاں اُس کی گلی سے اپنا جانا ہو گیا  
اتفاقاً اس طرف اپنا بھی آنا ہو گیا

ہجر کی ایک آن میں دل کا ٹھکانا ہو گیا  
داں نعل ہی تجھے کرتے گئے شام و سحر  
شعب میں بھی ہے لباس جسم کا طافش  
کہنے تو کہہ بیٹھے مہ ہتر سے روئے بارے  
صد سخن آئے تھے لب تک کہنے پاؤ ایک  
رہنے کے قابل تو ہرگز تھی نہ یہ حیرت سرے

<p>سیکڑوں انسوں دنوں کو پڑھتے تھے سیر بھی میر بٹھینا راتوں کو باہم اب فسانا ہو گیا</p>	<p>یاد خط میں اُس کے جی پھر آ کے گھبراتا رہا کیا قیامت آتی ہے پردہ ہوئے کیا جانیے قد موزوں یا کو کا خاطر سے جاتا ہی نہیں کل مکمل بنیا پل سے آجکل کی سچ نہیں آگ لکھا جاتی ہے خشک تر جو اسکے منہ پر ہے میری تیری چاہ منہ دیکھے کی ہے جوں آری سورگ کے ہم غشب کی ہے شعوری سے سیر لگ ہی اس کا رواں کے حرف نشو و نما</p>	<p>رات کا بھی کیا ہی منہ آیا تھا پر جاتا رہا مصلحت ہی ہوگی ہے وہ جو شرماتا رہا میں اسی منہ کو ساری عمر ڈولا تا رہا میں تو اس غمکش کو بیکل ہی سدا پاتا رہا میں تو جیسے شمع اپنے ہی تئیں کھاتا رہا آنکھ پھیری جس نظر ہی پھر کا ہے کانا تا رہا شیخ میں کچھ ہوش تھا بیخانے سے جاتا رہا راہ چلتے تو جبرس ہر گام چلاتا رہا</p>
<p>بیل نے بھی نہ طور گلوں کا بیاں کیا تلوار کے تلے بھی مرا امتحاں کیا اس سوئے میں صبح میں نقصان جاں کیا صورت نکالی خوب دے بدزباں کیا میں نے کسو کا کیا کیا اپنا زباں کیا آجاتے ہیں بغل میں اشارہ جہاں کیا</p>	<p>میں گستاں میں آ کے عبث آشیاں کیا پھر اُسکے ابرو اں کا خم د تا ب ہو دی دو کس کو دوس دینی جانی تھی دوستی گالی ہے حرف یا ر قلم نے قضا کی ہائے اس جنس خوش کے پیچھے کھیا میں جواں کیا لڑکے جہاں بھاد کے یک شہر کرتے ناز</p>	<p>میں منتظر جواب کا نامے کے مر گیا ناچار میر جان کو او دھرواں کیا</p>
<p>دنا تھی مہر تھی اخلاص تھا تلطف تھا جو خوب دیکھو تو ساری وہی حقیقت ہے اسیر عشق نہیں باز خواہ خوں رکھتے نہ پوچھو خوب ہے بد عہدیوں کی مشق اُسکو جہاں میں میر سے کاہیکو تھے ہی پیدا</p>	<p>کبھو مزاج میں اسکے ہمیں نصرف تھا چھپا ناچہرے کا عشاق سے تکلف تھا ہمارے قتل میں اسکو عبث تو قف تھا ہزاروں عہد کے پر وہی تخلص تھا سنا یہ واقعہ جن نے اسے تاسف تھا</p>	<p>کبھو مزاج میں اسکے ہمیں نصرف تھا چھپا ناچہرے کا عشاق سے تکلف تھا ہمارے قتل میں اسکو عبث تو قف تھا ہزاروں عہد کے پر وہی تخلص تھا سنا یہ واقعہ جن نے اسے تاسف تھا</p>



جنوں میں ساتھ تھا کل لڑکوں کا لشکر جہاں میں تھا  
تجلی جلوہ اس رشک قمر کا قرب تھا سمجھو  
گل میں اُسکے میری رات کیا آرام سے گزری  
غضب کچھ شور تھا سر میں بلا بے طاقتی جی میں  
چبھیں تھیں جی میں بے پلکیں لگن نہیں لکودو بھڑوں  
خیال چشم دروئے یار کا بھی طرفہ عالم ہے

جب دن میر تھے دیوانگی میں دشت گردی سے  
سرا در سایہ شکر ہوتے تھے تکیہ جہاں میں تھا

گل بھی ہے معشوق لیکن کب ہو اُس محبوبا  
اُسکے وعدے کی وفاتک وہ کوئی ہو دیکھا جو  
عشق سے کن نے مرے آگے کیا اُس شوخ کو  
بعد مردن یہ غزل مطربے جتنے گوش کی

عاقلانہ حرف زن ہو میر تو کر لے بیاں  
زیر لب کیا جانیے کہتا ہے کیا بخند و بسانا

کبھو وہ تو جہادھر کر رہے گا  
ہمارا ہے احوال حیرت کی جبا کہ

ہمیں عشق ہے تو اثر کر رہے گا  
جو دیکھے گا وہ بھی نظر کر رہے گا

میر کا صحبت میں اُسکے حرف سر کر رہے گیا  
خوبی اپنے طالع بد کی کہ شبہ رشک ماہ  
طنز و تعریف بتان بیوفا کے در جواب  
سرگزشت اپنی سبب ہے حیرتِ حجاب کی

میر کو کتنے دنوں سے رہتی تھی بے طاقتی  
رات دل تڑپا بہت شاید کہ مر کر رہ گیا

لے گوش کردن ہماری کا نادرہ ہے۔ اسی کا یہ ترجمہ ہے۔ ورنہ گوش کرنا اردو میں نہیں ہوتے۔

بھزار نے کیا گرمی بازار سے پایا  
بتیاب تہ تیغ ستم دیر رہا میں  
جانا فلک دوں نے کہ سہ سہ سوا میں  
اس رخ نے بہت صورتیں گو گوئی بجا میں  
مبت راہ سخن دے کہ پھر آپ ہی تو کہے گا  
ہر چند کہ تھی ترچھنے کی جائے ترے لب  
گردش میں رہا کرتے ہیں ہم دید میں آنکھ  
کس روز یہ اندوہ جگر سوز تھا آگے  
دن جی کے اُچھنے کی ہی جھگڑے میں کٹے ہی

کبریت نطا جن نے لیا عجب کوجھلایا  
جب تک نہ گئی جان مجھے صبر نہ آیا  
گر خاک تھے سبزہ کوئی پژمردہ آگیا  
اس قد نے قیامت کا سا شگامہ دکھایا  
کیوں ہیں محبت کی عبت کھنکھو دکھلایا  
پرگالیاں دیں اتنی آنکھوں سے کہ بھلایا  
آنکھوں نے تری خوب سماں ہکود دکھلایا  
کب شب لب و یارب بھی مری نہیں خدایا  
رات اُسکے خیالات سے رہتے ہیں قضایا

۲۱۰

کیا کیے دماغ اُس کا کہ گلگشت میں کل میر  
گل شاخوں سے جھک آئے تھے ہر منہ نہ لگایا

جب گل کے ہے اپنے تئیں یار کے روتا  
تحقیق کروں کس سے حقیقت کے لئے کو  
کیا دور ہے شربت پہ اگر قند کے تھوکے  
دم لاہ کریں شیخ رکھیں شعلے تو کیا ہے  
تعبیر جسے کرتے ہیں ہنگامہ محشر  
آرائش درویشی بھی اپنی نہیں بے لطف

تب آنکھوں تے میری اُترتا ہے ہوسا  
خضر آب اسے کہتا ہے آتش کے موسا  
ٹک جن نے ترے شربت ہی ان ہونٹوں کو چوسا  
ہونا مگر آسان ہے اسکے سگ کو سا  
وہ یار کے کوچے کا ہے کچھ شور غلوسا  
ہے بورے کا نقش مرے تن پہ اُتوسا

اب کی ہے حدیث اُس سے سخن کرنے کی میں نے  
کیا میرے بوسے کوئی ہے بے بندہ گوسا

اگر وہ ماہ کل گھر سے ملک ادھر آتا  
مرید پیر مغاں صدق سے نہ ہم ہوتے  
نہ پتھروں سے جو سر کو دوبارہ میں کرتا  
کسو ہنر سے تو ملتے تھے باہم اگلے لوگ

توڑک کے منہ تئیں کاہیکو شب جگرتا  
جو حق شناس کوئی اور بھی نظر آتا  
زمانہ غم کامرے کس طرح بسر آتا  
ہمیں بھی کاشکے ایسا کوئی ہنر آتا

شراب خانے میں شب مست ہو رہا شاید  
جو میر ہوش میں ہوتا تو اپنے گھر آتا

جو کوئی اُس کو چاہے ظاہر ہے حال اُسکا  
رکھ دیتے ہیں غلے پر خنجر نکال اُسکا  
یک نقد دل رکھے ہیں سو تو ہے مال اُسکا  
پکا خیال جی کا ایسا خیال اُسکا  
تار یک ہے جہاں پھر بیکو بال اُسکا  
سوداغ جان عاشق منہ پر ہے خال اُسکا  
گل سے جو دل لگا ہے اتر ہے حال اُسکا  
دیکھا کہیں چمن میں شاید جمال اُسکا

وہ کم نسا دل ہے شائق کمال اُسکا  
ہم کیا کریں علاقہ جس کو بہت ہو اس سے  
بس ہو تو دام کر بھی اُس پر تار کرے  
یہ جانتا تو اس سے سمجھاب میں نہ ہوتا  
اُن زلفوں سے نہ لگ کر حل لے نیم ظالم  
جس داغ سے کہ عالم ہے مبتلا میں  
مستانہ ساتھ میرے روئی پھر ہے بلبل  
میری طرح جھکے ہیں بخود مو سر و گل بھی

کیا تم کو پیار سے وہ اے میرے منہ لگا ہے  
پہلے ہی جو ہے تم تو کاٹھ ہو گال اُس کا

حال رکھا تھا کچھ بھی ہم میں عشق تے آخر مار رکھا  
اپنی طرف سے ہم نے اب تک اس ظالم سے پیار رکھا  
دل کو چاک چکر کو زخمی آنکھوں کو خونبار رکھا  
عزت والے کیا لوگوں کو گلیوں میں اُن سے خوار رکھا

زار رکھا بیجاں رکھا بیتاب رکھا بیمار رکھا  
سیلان اُس کا تھا کاہیکو جانب اُلفت کیشوں کے  
عشق بھی ہم میں ہائے تصرف کیسے کیسے کرتا ہے  
کیا پوچھو ہو دیں کے اکابر فاضل کا بل صابر رخ

کام اس سے اک طور پہ لیتے بیٹور اسکو ہونے نہ دیتے  
حیف ہے میرے سپردوں نے ہم سے نہ اسکو بابر رکھا

ہر چند چاہتا ہوں پر جی نہیں سنبھلتا  
وہ مہر گلے سے لگتا تو یوں جگر نہ جلتا  
ہوتا بڑا تماشا جو یار بھی نکلتا  
مہتاب میں تھمی کو دیکھا ہے یوں پگھلتا  
گل بھول سے کوئی دم اپنا ہو دل پہلتا  
جیسے ہو رو کوئی برسات میں اُہلتا

دل رات دن رہے ہے سینے میں عشق ملتا  
اب تو بدن میں سارے اک پھنک ہی آتش  
شب ماہ چار وہ تھا کس حسن سے نمایاں  
اے رشک شمع گویا تو موم کا بنا ہے  
تکلیف باغ بکھو یاروں نے کی وگرنہ  
رونے کا جوش ویسا آنکھوں کو ہے بچینہ

کرتا ہے دے سلوک اب جس سے کہ جان جلاے  
ہم میریوں نہ مرتے اس پر جو دل نہ جلتا

بھاری پتھر تھا چوم کر چھوڑا

بوسہ اُس بت کا لے کے منہ موڑا

	<p>دیکھ کر اُس کے پانوں کا توڑا جیسے پکتا رہے کوئی پھوڑا نہ لگے جس کو باؤ کا گھوڑا کو کہن نے تو سر بہت پھوڑا پھول گلچیں نے ہائے کیوں توڑا</p>	<p>ہو کے دیوانے ہم ہوئے زنجیر دل نے کیا کیا نہ رات در دویے گرم رفتن ہے کیا سمتِ عمر کیا کرے بخت مدعی تھے بلند دل ہی مرغِ چمن کا ٹوٹ گیا</p>	
	<p>ہے لبِ بامِ آفتابِ عمر اگر لے سو کیا ہے میرِ دن تھوڑا</p>		
	<p>پھر صبر بن اور کیا ہے چارا عنبر تو عسرقِ عرق ہے سارا گو یا نہیں اُن نے مج کو مارا کچھ پاس نہیں تھیں ہمارا بلبل نے بہت مجھے پکارا ہے پہلو سے ماہ میں ستارا آہوئے حرم ہیں یاں پکارا بلبل کا ہے باغ میں اجارا</p>	<p>ہے عشق میں صبرِ ناگوارا ان بالوں سے مشکِ مت جلی ہو یوں بات کرے ہے میرے خوش سے دیکھو ہو تو دور بھاگتے ہو تھا کس کو دماغِ باغ اس بن رخسار کے پاس وہ درگوش ہوتے ہیں فرشتے صیدِ اکبر پھولے مجھے دیکھ کر گلوں میں</p>	
	<p>جب جی سے گزر گئے ہم لے میر اُس کو چے میں تب ہوا گزارا</p>		
	<p>جوشِ غم سے جی جو بلا سویرا نہ ہوا آج یاں دیکھا گیا جو کچھ کل افسانہ ہوا شاہ جی کہیے کہہ دھرتی سے آپ کا آنا ہوا یار کے گونچے سے اپنا اس طرح جانا ہوا</p>	<p>دلِ عجب چرچے کی جاگہ ہفتی سودیرا نہ ہوا بزمِ عشرت پر جہاں کے گوشِ واکر جائے چشم دیریں جو میں گدا یا نہ گیا اودھر کہا کیا کہیں حسرت لیے جیسے جہاں کوئی جائے</p>	
	<p>میرِ تیراں جو رکیشوں کے جو کھائے بشار پھاتی اب چھلنی ہے میری ہے جگر بھانا ہوا</p>		
	<p>دل نہ اپنا ہے محبت میں نہ دلبر اپنا ہم کو سو کو س سے آتا ہے نظر بھرا اپنا</p>	<p>کیا کے حال کہیں دل زدہ جا کر اپنا دور تھی یار میں ہے حالِ دل ابرا اپنا</p>	

سہ حالی سے ہو عزمِ در شاہِ کعبہ سے پھر کر اپنا : آتا ہے دوری سے ہکو نظر اپنا +

<p>دل بھی جو شیشہ سُرعت ہے کدرا اپنا شوق سے دیکھیے منہ ہووے ہے کیدھر اپنا یہ بساط خشک و خار ہے بستر اپنا سختیاں کھینچے ہی دل ہو اتھرا اپنا شہر و قصبات میں مذکور ہے گھر گھر اپنا زنگوں گلابی گ کے ناخن ہے معطر اپنا زور چلتا کچھ اگر چاہ میں دل پر اپنا مثل آئینہ نہیں چھوڑتے ہم گھر اپنا لوہو اس خاک پر گرنا ہے مقرر اپنا</p>	<p>یک گھڑی صاف نہیں سمجھے ہوا یا رکھی ہر طرف آئینہ داری میں ہے اسکے روکے لب لبک کھ کے نہ اُس گل کے کچھ ہم سولے کس طرح حرف ہو ناصح کا موثر ہم میں کیسی رسوائی ہوئی عشق میں کیا نقل کرنا اُس گل تر کی تبا کے کہیں کھولے تھے بندہ تجھ سے بھر کے لگ لگنے نہ دیتے ہرگز پیش کچھ آؤ ہمیں ہم تو ہیں ہر صورت سے دل بہت کھینچتی ہے یار کے کویں کی زین</p>
<p>میر خط بھیجے برابر رنگ اڑا جاتا ہے کہ کہاں بیٹھے کدھر جاوے کبوتر اپنا</p>	
<p>دنبالہ گرد چشم سیاہ غزال تھا جی دیتے تک بھی سر میں اُسی کا خیال تھا بولاکہ ذوق اپنا ہمارا ہی مال تھا او دھر جو آب جو کے وہ مار کمال تھا ہر ناقص اپنے زعم میں ملے کمال تھا جب رونے بیٹھ جاتے تھے تب کمال تھا</p>	<p>کیا میر دل شکستہ بھی وحشی مثال تھا آخر کو خواب مرگ ہیں جاسے لے گئی میں جو کہا کہ دل کو تو تم نے سیرا دیا سرو اس طرف کو جیسے گتھکا تھا کھڑا کیا میرے روزگار کے اہل سخن کی بات کیا کیا ہوا میں دیدہ تر سے نظر پڑیں</p>
<p>کہتے تھے ہم تباہ ہے اب حال میر کا دیکھا نہ تم نے اُس میں بھلا کچھ بھی حال تھا</p>	
<p>کیا کروں گرنہ کروں چاک گریباں اپنا دشمن جانی ہو اب وہی جاناں اپنا مجھ کو پہناتے تھے رعنائی کا سا باں اپنا اب یہ طرفہ ہو کہ مجھ کرتے ہیں پنہاں اپنا تھا جنوں میں کبھی سروسے پریشاں اپنا کام ہو دیکھیے کس طور سے آسائیں اپنا خوش ہو اکتا ہو یہ حنائی ویراں اپنا</p>	<p>اُن نے کھینچا ہے مرے ہاتھ سے دامال اپنا بارہاں لب جان بخش سے دی جن نے ہمیں خلطے یاد آتے ہیں مے جبکہ بدلتے کپڑے کیا ہوئی ایک جہتی وہ کہ طرف تھے میرے جس طرح شاخ پر گندہ نظر آتے ہیں بید مشکلیں سیکڑوں چاہتیں ہیں آئیں پیش دل فقیری سے نہیں میر کسو کا ساز</p>

<p>لوٹا مارا ہے حسن والوں کا یار کے حلقہ حلقہ بالوں کا حال خوش اس کے خستہ حالوں کا کیا جواب ان مرے سوالوں کا</p>	<p>دل عجب شہر تھا خیالوں کا جی کو جنجال دل کو ہے الجھاؤ موسے دہرے مشکبوسے نسیم نہ کہا کچھ نہ آپھیرا نہ ملا</p>
<p>دم نہ لے اُس کی زلفوں کا مارا میسر کا ٹاپ ہے نہ کالوں کا</p>	
<p>کیا حال محبت کے آزار کشیدوں کا صد پارہ جگر بھی ہی ہم جامہ دریدوں کا جدول کے کنارے کی نوبادہ دمیدوں کا پایا نہ گیا چارہ کچھ اُس کے شہیدوں کا کیا طور ہی ہم اپنے سایہ سے رمیدوں کا رونی گئی بشر ہے پھر نور بھی دیدوں کا</p>	<p>احوال نہ پوچھو کچھ ہم ظلم رسیدوں کا دیوانگی عاشق نمی سمجھ نہ لباسی ہے عاشق ہے دل اپنا تو گلگشت گلستاں میں ناچار گئے مارے مفیدان محبت میں بیتے کے کھرکنے سے ہوتی ہی نہیں وحشت کیا کیا نہ گیا اُس بن صبر اور دماغ و دل</p>
<p>کرتے ہیں پس از مالے دل شاد گلے لگ کر سو میر وہ ملنا بھی اب ترک ہی عیدوں کا</p>	
<p>ہاتھ ملنا کام ہے اب عاشق بدنام کا سیر کے قابل ہے ہونا پہن میرے نام کا اس میں کچھ نقصان ہوتا تھا مگر ایام کا صبح تک جاتا نہیں ہی بیٹھ آیا شام کا</p>	<p>سطح جو ہاتھ نہیں تھا اُس کے رخ کلفام کا کچھ نہیں عنقا صفت بشرہ آفاق ہوں ہجر کی رایتیں پڑی چھوٹی جو تک ہوتیں کہیں روؤں یا درُفت میں اسکے تو پھر روتا ہوں</p>
<p>ما بکیسو اپنا کجا سوت کچھ الجھا ہے میر گم ہے سر زشتہ ہمارے خواب اور آرام کا</p>	
<p>خونبار میری آنکھوں سے کیا جانوں کیا گرا ناگاہ آ کے عشق نے مارا جلا گرا مشکل گزر طریق ہے یاں رہ گر اگر بیمار عشق رہتا ہے اکثر پڑا گرا ٹھوکر کہیں لگی کہ رہا سر پھرا گرا</p>	<p>کل رات رو کے صبح تلک میں رہا گرا اب شہر خوش عمارت دل کا ہو کیا خیال کیا طے ہو راہ عشق کی عاشق غریب ہے لازم پڑی ہے کسل دلی کو فتاویٰ ٹھہرے نہ اُسکی عشق کا سرشتہ و ضعیف</p>

دے مارنے کو تکیہ سے سر تک اٹھا تو کیا	بستر سے کب اٹھ ہے غم عشق کا گرا
پھرتا تھا میر عمر وہ یک عمر سے خراب	اب شکر ہے کہ بارے کسی در پہ جا گرا
چاہت کی طرح کش ہو کچھ بھی اثر نہ دیکھا خالی بدن جیون سے یاں ہو گئے ویکین کس دن سر تک غونی منہ پر نہ بہ کر آئے یاں شہر شہر بستی اوڑھ ہی ہوئے پائے اب کیا کریں کہ آیا آنکھوں میں جی ہمارا لاتے نہیں فردوس سرگز بتاں خدا سے	طرحیں بدل گئیں پر ان نے ادھر نہ دیکھا اس شورش نے ادھر کو بھر کر نظر نہ دیکھا کس شب یککے اوپر بخت جگہ نہ دیکھا اقسیم عاشقی میں بستا مگر نہ دیکھا افسوس پہلے بنے ملک سوچ کر نہ دیکھا آنکھوں سے اپنے تم نے ان کا گھر نہ دیکھا
سوچا نہ چاہ میں کچھ بر باد کر چکے دل	میر اندھے ہو رہے تھے اپنا بھی گھر نہ دیکھا
کیا ہے عشق جب سے میں نے اس ترک سپاہی کا اگر تم قطعہ شب سا لیے چہرہ چلے آئے ہو اسے عارفان شہر کو عرفان بھی اوندھا ہمیشہ التفات اسکی کسو کے بخت سے ہوگی برنگ کہ بائی شمع اس کا رنگ چھکے ہے طرہینکے عہد کے درویش اس سے اور کیا یارو	پھروں ہوں چور زخمی اسکے تیغ کم نگاہی کا قیامت شور ہو گا حشر کے دن رو سیاہی کا کہ ہر درویش ہے مارا ہو اشوق الہی کا نہیں شرمندہ میں تو اسکی لطف گاہ نگاہی کا دماغ سیر اسکو کب ہے میرے رنگ کا ہی کا کیا ہے لڑکوں نے دینا اٹھو کو تاج شاہی کا
خواب احوال کچھ بکنا پھر ہے دیرو مجھے میں	سخن کیا معتبر ہے میر سے واسی تباہی کا
دکھوں میں اپنی رات کو نوں ناب تھا سو تھا آکر کھڑا ہوا تھا بعد حسن جلوہ ناک سادن ہرے نہ بھاؤ نہیں ہم سوکھے اہل درد درویش کچھ گھٹا نہ بڑھا ملک شاہ سے کیا بھاری بھاری قافلے یاں سے چلے گئے بیہوش سے تہ تلاوت و سجادہ نماز	جی دل کے اضطراب سے بیتاب تھا سو تھا اپنی نظر میں وہ در نایاب تھا سو تھا سبزہ ہماری پلکوں کا سیراب تھا سو تھا خرقہ کلاہ پاس جو اسباب تھا سو تھا تجکو وہی خیال گراں خواب تھا سو تھا پر میل دل جو نمونے سے ناب تھا سو تھا

ہم خشک لب جو رتے رہے جوئیں ہر چلیں  
پر میر دشت عشق کا بے آب تھا سو تھا

### اردیف باے موحدہ

جا بٹھیں میکہ میں مسجد سے اٹھکے صاف اب  
یہ بیچ سے اٹھے گا کس طور اختلاف اب  
اُسکے مزاج میں ہو کچھ ہم سے انحراف اب  
بہتر ہے جو رکھتے تو اس سے ہیں مواف اب  
اپنے گنہ گامیں تو کرتا ہوں اعتراف اب  
سدا ہو گو رہنوں تو کیجیے طواف اب

ماہِ صیام آیا ہے قصد اعتکاف اب  
مسلم ہیں رفتہ رو کے کافر ہیں خستہ مو کے  
جو حرفت ہیں سو طیرھے خط میں لکھے ہیں شاید  
بجرم اٹھ کر گئے ہم پھرنے سے ساتھ تیرے  
گو لگ گیا گلے میں مت کھینچ تیغ مجھ پر  
کیا خاک میں ملا کر اپنے تئیں موا ہے

کھینچتے ہیں جانے تو میں کن کن کے میر دیکھیں  
لگتی ہے سرخ اُسکے دامن سے تئیں سجاؤں اب

گو یا کہ جان جسم میں سارے نہیں ہے اب  
وہ بیکلی تو جان کو بارے نہیں ہے اب  
کچھ موش ہم کو چھڑیوں کے مارے نہیں ہے اب  
وہ رنگ گئے کا سا پیراے نہیں ہے اب

طاقتِ تعب کی غم میں تمہارے نہیں ہے اب  
کل کچھ صبا ہوئی تھی گل افشاں نفس میں بھی  
چیتے تو لاگ ہلوں کی اس کے کہیں گے ہم  
زر دی چسپاں اب تو سفیدی کو کھینچ گئی

مسکن جہاں تھا دل زدہ مسکن کا ہم تو وہاں  
کل دیر میر میر بکارے نہیں ہے اب

اہا ہو اکساں سے کیئے فقیر صاحب  
اس عمر میں قیامت تم ہو شریر صاحب  
کیا لطف ہے جو آئے وقت اخیر صاحب  
ہیں دام زلف میں ہم اسکے اخیر صاحب

بولا جو ہو پریشاں آنکھلے میر صاحب  
ہر لحظہ اک شرارت ہر دم ہو یک اشارت  
بند ہے پہاں نوازش کیجے تو شبے ورنہ  
دل کا اُلجھنا اپنے ایسا نہیں کہ سلجے

فکر چکر رہے ہے اس دم غلام کو بھی  
جس دم لگو ہو کرنے تم مشق تیر صاحب

ہر دم بھری رہے ہے لہو سے چشم تیر  
نالوں سے شب کے میرے رکھتے تو ہیں خبر تیر

دل پر تو چوٹ تھی ہی زخمی ہوا جگر تیر  
حیف اُس سے حال میرا کہتا نہیں ہو کوئی



<p>آنکھیں لگا رہے ہیں اہل نظر اُدھر سب کل رات آگیا تودہ دکھ گیا بسر سب</p>	<p>بجلی سی اک تجلی آئی تھی آسماں سے اس ماہ بن تو اپنی دکھ میں بسر ہوئی تھی</p>
<p>تاب و توان و طاقت یہ کر گئے سفر سب بھیجا ہے میں نے اپنا اسباب پیشتر سب</p>	<p>کیا نعم کیا فراست ذوق و بصیر سماعت منزل کو مرگ کی تھا آؤ مجھے پہرین</p>
<p>دنیا میں حسن و خوبی میرا ایک عجیب شے ہے زندان و پارسایاں جس پر یہ نہیں نظر سب</p>	<p>شیون میں شب کے ٹوٹی زنجیر میرا صاحب سہم نہ کھینچے تو وہ تیغ کھینچ نہ سکتی</p>
<p>اب کیا مرے جنوں کی تدبیر میرا صاحب اپنا گناہ اپنی تقصیر میرا صاحب باد نسو گئے ہے جوں تیر میرا صاحب شاید کہ کچھ ہوئے ہیں اب میرا صاحب</p>	<p>کھینچتی نہیں کہاں اب ہم سے ہو اگل کی کب ہیں جوانی کے سے اشار شور اور</p>
<p>تم کس خیال میں ہو تصویر سے جو چپ ہو کرتے ہیں لوگ کیا کیا تقریر میرا صاحب</p>	<p>سب آتش سوزندہ دل سے ہے جگر آب پھرتی ہے اڑی خاک بھی شتاق کسو کی</p>
<p>بے صرفہ کرے صرف نہ کیوں ویدہ تر آب سرمار کے کرتا ہے پہاڑوں میں بسر آب نزدیک تر آب اسکو کرے غرق مگر آب کیا اپنے تئیں روؤں ادھر آگ ادھر آب اس تیش رخسار سے ہوتی ہے نظر آب جھلٹ سے تری ہونٹھوں کی ہیں ہندو شکر آب رہتی ہیں کوئی صورتیں یہ نقش ہیں بر آب برسوں تئیں چھڑکا کر و تم ان پر اگر آب آپنے کھلے بالوں سے زنجیر و لکر آب جاتا ہوں گلے چھاتی تک اودھ کو تر آب</p>	<p>کس طور سے بھر آنکھ کوئی یار کو دیکھے ہم ڈرتے شکر رنجی سے کہتے نہیں یہ بھی کس شکل سے اک رنگ پر رہنا ہو جہاں کا شعلے جو مرے دل سے اٹھیں ہیں سونہ بھیں استادہ ہو دور یا تو خطر ناکی بہت ہے شب روؤں ہوں ایسا کہ جدھر یار کا گھر تھا</p>
<p>اس دشت سے ہو میرا تر اکیونکہ گزرا تا زانو ترے گل ہے تری تابہ مگر آب</p>	<p></p>

پڑا ہے فسق خور و خواب میں اب  
جنوں میں اب کی نے دہن ہونے جب  
ہو ہے خواب لٹا اُس نے شب کا  
گدا کی لی ہے میں نے اُس کے در کی  
گلے گلے بن اُس کے اتنا روئے  
کہاں بل کھائے بال اُس کے کہاں یہ

رہا ہے کیا دل بیتاب میں اب  
کئی آنی بہت اسباب میں اب  
کبھو کہتا ہے وہ نہ خواب میں اب  
کے کیا بکھوئے میرے باب میں اب  
کہ ہم پیگے گلے تک آ ب میں اب  
عبث سنبھل ہو بیچ داب میں اب

بلا جبر چاہے میرے عشق کا میر  
یہی ہو ذکر شیخ و شاب میں اب

رویت تارے فوقانی

شعر کے پردے میں میں نے غم ستایا ہے بہت  
بے سبب آتا نہیں اب دیمدم عاشق کو خوش  
وادہی و کسار میں روتا ہوں ڈاڑھیں مار مار  
و انہیں ہوتا کسو سے دل گرفتہ عشق کا

مرنے نے دل کے میرے بھی اڑایا ہے بہت  
درد کھینچا ہے نہایت زنج اٹھایا ہے بہت  
دلبران شہر نے مجھ کو ستایا ہے بہت  
ظاہر اعلیں اسے رہنا خوش آیا ہے بہت

میر گم گشتہ کل لٹنا اتفاقی امر ہے  
جب کبھو پایا ہے خواہشمند پایا ہے بہت

عجب نہیں ہے بجا بنے جو میر چاہ کی ریت  
مت ان نمازیوں کو خانہ ساز دیں جانو  
غم زمانہ سے فارغ ہیں مایہ با تھکناں  
ہزار شانہ و مسواک و غسل شیخ کرے  
کسو کے بستر و سجاد و قصر سے کیا کام  
ہوئے ہیں سوکھ کے عاشق طنبور کے سے تار  
شوق سے ہیں درو دیوار درو شام و سحر  
کہا تھا پہنے بہت بولنا نہیں ہے خوب

منا نہیں ہے مگر یہ کہ جوگی کس کے میت  
کہ ایک اینٹ کی خاطر یہ ڈھکا پیگے میت  
قمار خانہ آفاق میں ہے ہار سی جیت  
ہمارے عندیے میں تو ہے وہ غیبت پلٹ  
ہماری گور کی بھی ڈھیر میں کہاں سے میت  
وقیف کبھو تو گاتے ہیں میٹھے لوری گیت  
ہو اسے لکھو اس رنگرز میں پل بھیت  
ہمارے یار کو سواب ہیں سے بات نہ جیت

لے تھے میر سے ہم کل کنار دریا پر  
فتیلہ مو وہ جگر سوختہ ہے جیسے آیت

گستاخ نہیں ہے کوئی گلی کے دہاں کی بات  
کیا جانے کہ مہر و وفا ہے کہاں کی بات  
پوچھو اگر زریں سے کہیں آسمان کی بات  
دل بولنے کی جا نہیں کیا اس مکان کی بات  
یوں چاہئے کہ بھول دیں ہو جہاں کی بات  
اپنی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتی یاں کی بات  
سیدھی کبھی سنی نہیں اس بد زبان کی بات  
پہاں رہے ہو کب کس کوئی ٹیڑھی بانکی بات

جب سے چلی جن میں ترے رنگ بانکی بات  
یاں شہ حسن میں تو کہیں ذکر بھی نہیں  
آخر شناس کو بھی خلل ہے دماغ کا  
ایسا خدا ہی جانتے کہ ہو عرش یا نہ ہو  
کیا لطف جو سناؤ اسے کہتے پھر اکرو  
لے شام سے جا نہیں ہے تا صبح ایک شور  
اور باش کس کو پوچھتے ہیں التفات سے  
ہر حرف میں ہے ایک کجی ہر سخن میں تیج

کہنے سے کچھ کہا ہی کیا زیر لب مجھے  
کیا پوچھتے ہو میرے مہرباں کی بات

ٹمک سوچ ہی ہزار ہیں دشمن ہزار دوست  
رم خوردہ وہ غزال بہت ہی شکار دوست  
دشمن ہو گئے ہیں دوستی سے تیری یار دوست  
مت جان سادگی سے کہ ہے روزگار دوست  
میں جانتا تھا ہو گا دل بمقرر دوست  
سو دشمنوں میں کیا ہی ہو سکے بھی چار دوست

مانند مرغ دوست نگہ بار بار دوست  
کھڑکے ہے بات بھی تو لگا بیٹھتا ہی چوٹ  
سب کو ہے دشمن مجھ میں جو تجھ میں ہی اختلاط  
بجھتے ہزار اُن نے بت کر دیے بجھاڑ  
یہ تو کچھ آگے دشمن جانی سے ہے چلا  
بیگانگی خلقی جہاں جاے خوف ہے

مجھ بیٹو کی یاد رہے میری صدا  
اس میکدے میں رہئے بہت ہو سیار دوست

وہی دیکھی نہ ایک جا صورت  
نہ کہا ہے یہ آشنا صورت  
تو بھی اپنی تو تک دکھا صورت  
آگے اس کے ہے کیا بلا صورت

سیر کی ہم نے اٹھ کے تا صورت  
مجھ لگانا تو درکنار اُن نے  
مجھ دکھاتی ہے آری ہر صبح  
خوب ہے چہرہ پری لیکن

قطعہ

آوے پیاری بنا بنا صورت  
تو بھی ٹھہر کے لا کوئی صورت پٹ پٹ چٹ

کب تک کوئی جیسے صورت ناز  
ایک دن تو یہ کہہ کہ ملنے کی

حلقے آنکھوں میں پڑ گئے منہ زرد  
ہو گئی میری تیری کیا صورت

وصل دہر نہ ٹک ہوا قسمت  
ایک بوسے پہ بھی نہ صلح ہوئی  
شیخ جنت مجھے مجھے دیدار  
پھول جن ہاتھوں سے تھوڑا کو دیے

کیا ازل میں نہ لوگوں کو  
تھی ہماری بھی میری کیا قسمت

زخم پھیلے داغ بھی کھائے بہت  
جب نہ تب جاگے تم جایا کئے  
دیر سے ہوئے حرم آیا نہ ٹک  
پھول گل شمس و قمر سارے ہی تھے  
اگر بکا اس شور سے شب کو ہے تو  
دہ جوں نکاح صبح جیسے آفتاب

میر سے پوچھا جو میں عاشق ہو تم  
ہو سکے کچھ چپکے سے شرمائے بہت

کوشش اپنی تھی عبث پر کی بہت  
کعبہ مقصود کو پہونچے نہ آئے  
سب ترے محو عائلے جان ہیں  
عرب رہا ہے دیر سے تڑپا نہیں  
کیوں نہیں دور میں ہم نزدیک مرگ  
وہ بچا ہے جب تپتے ہوتا ہے کیا  
کب مٹا حزن شگون وصل یار  
تھا قوی آخر نے ہم خاک میں  
آج درم کرتے تھے کچھ گفتگو

کیا کریں ہم چاہتا تھا جی بہت  
سہمی کی اسے شیخ مجھے بھی بہت  
آرزو اپنی جی ہے تو جی بہت  
عشق نے کیوں لگو ہلٹ ہی بہت  
دلکوار سکے ساتھ الفت تھی بہت  
جد کی لئے کی اپنی سی بہت  
یوں تو فال گوش بننے لی بہت  
آسمان سے یوں رہی گفتی بہت  
میر نے شاید نہ داد لی بہت

## روایت تہائے ہندی

کیا لڑکے دلی کے ہیں عیار اور نٹ کھٹ  
ہم عاشقوں کو مرتے کیا دیر کچھ لگے ہے  
دل ہے جدھر کو اور دھر کچھ آگ سی لگی تھی  
کلیوں کو تو نے چٹ چٹ اسے باغباں جو توڑا  
جی ہی ہٹے نہ میر تو اس کو کیا کروں میں  
دیتی ہے طول بلبل کیا نالہ و فغاں کو  
مروے نہ تھے ہم ایسے دریا پہ جب تھا کلیہ  
رک رک کے دل ہمارا بیتاب کیوں نہ ہووے

دل لیں ہن یوں کہ ہرگز ہوتی نہیں ہے آہٹ  
چٹ جن نے دل پہ کھائی وہ ہو گیا ہر چٹ پٹ  
اُس پہلو ہم جو لیٹے جل جل گئی ہے کروٹ  
بلبل کے دل جگر کو ظالم لگی ہے کیا چٹ  
ہر خند بٹھتا ہوں مجلس میں اس سے ہٹ ہٹ  
دل کے اُٹھنے سے ہے یہ عاشق کی پھٹ پٹ  
اس گھاٹ گاہ دہیکہ رہنے لگا ہے جھگھٹ  
کثرت سے دروغ کی رہتا ہے اس پہ بھر پٹ

شب میر سے لے ہم ایک و ہم رہ گیا ہے  
اس کے خیال میں اب تو گیا بہت لٹ

خدا جانے ہو دیکھی کیا نہایت  
سخن غم سے آغوشہ خوں ہو و لیکن  
نہیں یہ کنہگار ملنے کے قابل  
گیا آسماں پہ جو نالہ تو کیا ہے

اجل تو ہو دل کے مرض کی برایت  
نہیں لب مرے آتشائے شکایت  
کرم کرے تو ہر بانی عنایت  
نہیں یار کے دل میں کترا سیریت

ہیں عشق میں میر چپ لگ گئی ہو  
نہ شکر و شکایت نہ حرف و حکایت

## روایت تہائے مثلثہ

تری جستجو یار کی ہے عبث  
تو پیدا ہے لیکن ہویدہ نہیں

یہ کوشش گنہگار کی ہے عبث  
یہ قصد تلح ہموار کی ہے عبث

نہ ہاتھ آئی اسے میر کچھ وجہ ہے  
گرد میں نے دستار کی ہے عبث

## روایت جیم فارسی

حال کہنے کی کستے تاب اس زار کے بیچ  
حال رہتا ہی نہیں عشق کے آزار کے بیچ

لے میر تھی سہ چٹیں گئی ہیں دل پر بلبلوں کے باغباں تو جو : عین میں توڑا ہے ہر سحر کلیوں کے بیٹ چٹ چٹ +

<p>کہ تنک ٹھہرے ترے سائے دیوار کے بیچ          دانے سجے کے پرورشتہ زنا کے بیچ          یہ جو اک خال پڑا ہے ترے رخسار کے بیچ          کہ تامل کیے پایا اُسے گلزار کے بیچ          جنس لگ جاوے گی یہ بھی کوسر کار کے بیچ</p>	<p>آرزو مند ہے خورشید میسر ہے کہاں          کیا کہیں ہم کہ گلے ڈالے پھرین مستی میں          رشک خوبی کا اسی کے جگر میں سوداغ          مل گیا پھولوں میں اس رنگ کرتے ہوئے سیر          قدر تم کو نہ کر دوسیر سے متاع دل کی</p>
<p>گر دوسر زلفہ ہیں اے میر ہم اُس کشتے کے          رہ گیا یار کے جو ایک ہی تلوار کے بیچ</p>	
<p>اُسکی سی بونہ آئی گل ویا سمن کے بیچ          اے کاش وہ زبان ہو میرے دہن کے بیچ          سرنگی میں عمر گئی سب وطن کے بیچ          تو آگ لگ اٹھے گی ہمارے کفن کے بیچ          پاتے ہیں لطف جان کا ہم تیرے تن کے بیچ          چسپانی لباس سے پیارے بدن کے بیچ</p>	<p>کل لے گئے تھے یار ہیں بھی چمن کے بیچ          کشتہ ہوں میں تو شیریں زبانی یار کا          اس بھر میں رہا مجھے چکر بھنور کے طور          گر دل جلا بھنا بھی ہم ساتھ لے گئے          تنگی جانہ ظلم سے اے باعث حیات          نازک بہت ہیں تو کہیں افسردگی نہ آئے</p>
<p>ہے قہر وہ جو دیکھے نظر بھر کے جن نے میر          برہم کیا جہاں مرہ برہم زردن کے بیچ</p>	
<p>دانشہ جا پڑے ہے کوئی بھی بلا کے بیچ          مشہور ہے فقیر بھی اہل وفا کے بیچ          کوتاہی تم بھی ست کرو جو رجھا کے بیچ          بیٹھا گیانا مجھ سے تو ایسی ہوا کے بیچ          دیکھوں ہوں جسکو ہو وہ اُسی کی غما کے بیچ          بوئے وفانہ پائی کسو آشنا کے بیچ</p>	<p>جانانہ دل کو تھا ترے زلف رسا کے بیچ          فر باد و قیں جس سے مجھے چاہو پوچھ لو          آخر تو میں نے طول ویا بحث عشق کو          آئی جو لب پہ آہ تو میں اُٹھ کھڑا ہوا          اقبال دیکھ اُس ستم و ظلم و جور کا          دل اس چمن میں بہتوں سے میرا لگا وے</p>
<p>جوش و خروش میر کے جاتے رہے نہ سب          ہوتا ہے شور چاہنے کی ابتدا کے بیچ</p>	
<p>روایت حائے حطی</p>	
<p>کچھ آگئی تھی سر و چین میں کسو کی طرح</p>	<p>یاد آگیا تو بننے لگیں آنکھیں جو کی طرح</p>

چین جبین سے اُسکی اٹھانی تو کی طرح  
اب یہ نکالی تمنے نئی گفت گو کی طرح  
یہ منزل خراب ہوئی ہے کبھو کی طرح  
اس کشت میں ٹپری یہ ہماری نو کی طرح  
سرا بتو جھو جھو اسہے شکستہ سب کی طرح  
گو پھول دل میں آگے کچھ اسکے رو کی طرح  
دلت میں پانی یار کی یہ جستجو کی طرح  
کچھ ہوگی جلتی آگ میں تیند نو کی طرح  
نازک نظر ٹپری ہو بہت اس نو کی طرح

چسپاں قباوہ شوخ سدا غصے ہی رہا  
گالی لڑائی آگے تو تم جانتے نہ تھے  
ہم جانتے تھے تازہ بنائے جہانکو لیک  
سر سبز ہم ہوئے نہ تھے جو زرد ہو چلے  
وے دن کہاں کہ سبت سر انداز ہم میں تھے  
تسکین دل کی کب ہوئی میر حین کیے  
آخر کو اس کی راہ میں ہم آپ گم ہوئے  
کیا لوگ یوں ہی آتش سوز میں جا پڑے  
ڈرتا ہوں چاک دلوں سے پلکوں سے

دھوئے ہیں اشک خونی سے بہت دین کو میر  
طور نماز کیا ہے جو یہ ہے وضو کی طرح

### اروین دال مہلہ

بہت تر پاپا کیا جوں مرغ پر بند  
راہوں بیٹھ میں بھی کر کے گھر بند  
پڑا ہے ناگہم آ کر بند پر بند  
گھر کی ان نے عالم کی نظر بند  
بلند از بسکہ ہے دیوار و در بند  
تمام آہن ہے میرا اب جگر بند  
بندھا خاشاک سے سیلاب پر بند  
ہماری لب گزری ہے یہ شکر بند  
پھر اموںڈھے یہ ڈالے بیشتر بند  
رکھ اپنی چشم کو شام و سحر بند  
گریباں میں ہے وہ دست نذر بند

زمین پر میں جو پھینکا خط کو کر بند  
گرفت دل سے ناچاری ہو یعنی  
پھنسا دل زلف کا کل میں نہ پوچھو  
سب اُسکی چشم پر نیزنگ کے مو  
چمن میں کیونکہ ہم پہ بستہ جاویں  
بہت پیکان تیر یار ٹوٹے  
ہوئیں رونے کی ناز میری ملکیں  
کہا کیا جائے ان ہونٹھوں کے آگے  
کھلے بندوں نہ آیا یاں وہ اوباش  
یہی اوقات ہینگے وید کے میاں  
پیار ہوتا تھا چہرہ جس سے سواب

فن اشعار میں ہوں پہلو ایں میر  
مجھے ہے یاد اس کشتی کا ہر بند

ہماری بات کو اسے شمع نرم کر دیا  
ہمیں اس پر تو ہونا ہے اپنا اچھا یاد  
نہ درو مندی سے یہ راہ تم چلے در نہ  
ہزار فاختہ گردن میں حقوق پہنچے پھرے  
جہاں میں اتنے ہی شوب کیا سہیلے بس  
جن میں تھے ہیں بنا ہے سے ایو بلبل  
ثبات قصور و بام و خشت و گل کتنا  
چمن میں یار ہمیں لے گئے تھے دانہوں سے  
ہمیں تو مرنے کا طور اس کے خوش بہت آیا  
نظر نہ کرتے طرف صید کے دم سہل  
چلے نہ تیغ اگر ہم نگاہ غنجد کر س  
کب ان نے دل میں کر تھا ہمیں طعنت  
تمام رکھ بچاؤ میں اب تو پھر بس مرگ

زبان سرخ سرسبز دیتی ہے برباد  
کشش نہ دام کی کچھنی پوشش صیاد  
قدم قدم پہ بھی یاں جائے المہ و فریاد  
اسے خیال نہیں کچھ وہ سرو ہے آزاد  
ابھی پڑ گیا مرے خون بگینہ سے زیاد  
جگر خراش یہ تائے ہیں میرے نئے زیاد  
عمارت دل و رویش کی رکھو بنیاد  
ہمارے ساتھ یہی غم ہی ننا شاد  
طواف کرے جو میں غل ماتم فر باد  
یہ ظلم تازہ ہوا اس کشدے سے ایجاد  
ہماری اور نہ دیکھے خدا کرے جلا و  
دسی نہ چشم دہی یاں سے جا دی بیداد  
کہا کھولنے تو کیا عز اسمہ آسا و

اگرچہ گنج بھی ہے پر خیرے یاں بدست  
نہ پھر خیرے میں لے میرے خانماں برباد

عشق کو مہو پی گیا سب تن میں جو سودر و درد  
کب مے می شنب کو سحر ہے ایک مدحالی کے بیچ  
کاروان درکارواں یا سے چلے جاتے ہیں لوگ  
مرد و زن سب ہیں نہ پر درد و رخت تاک سے

بھول میری خاک سے نکلیں گے بھی سودر و درد  
جاتا ہوں صبح ہو تو ہا ہوں میں جب سر و درد  
ہر طرف اس خالوں میں دیکھتے ہیں گرد گرد  
یہ غلط فہمی ہے ہر زن زن کو یا ہر مرد و درد

دفتر اعمال میرا بھول جاویں میرے کاش  
ہے قیامت اس جرم کو جو رکھیں فرزد

بہت ہے تن درد پر درد و درد  
دہ بیمار گو تو نہ جانے مجھے

اٹھ گئی مری خاک سے زرد گرد  
مرانا نہ کھنے کو ہو سر و زرد

گزرتی ہے کیا میر دل پر ترے  
تو ہوتا ہے ہر لحظہ کچھ زرد و زرد



## ارویف رائے مہملہ

گرمی سے گفتگو کی کر لے قیاس جاں پر  
دیکھ اس کے خط کی خوبی لگ جاتی ہو چپ ایسی  
ہوں خاک جھکو اُسے نسبت حساب کیا ہو  
گھریاٹھ میں بنایا برہم نے یہ نہ جانا  
روئے ہیں دوست اکثر سن سگرزشت عاشق  
کیا بات میں تب اُسکی جاوے کسو سے بولا  
ترپے ہے دل ٹھہری بھرتو بہر و غش ہے

شعلہ ہو شمع ساں یاں ہر یک سخن زباں پر  
گو یا کہ مہر کی ہے اُن نے مرے وہاں پر  
میں گنتی میں نہیں ہوں وہ ہضم آسمان پر  
بجلی سے بھی پڑے گا پھول کے آشاں پر  
تو بھی تو گوش واکر ٹنگ میری داستاں پر  
ہونے لگے ہوں خوں جب تھوڑے گونیاں پر  
کیا جانوں آفت آئی کیا طاقت نتواں پر

سودا بنے جو اس سے تو میر منفعت ہے

اپنی نظر نہیں ہے پھر جان کی زیاں پر

میں مارا دل غموں نے کوٹ کر  
ابر سے آشوب ایسا کب اُٹھا  
کیا اُجاڑا اس نگر کو لوٹ کر  
خوب روئے دیدہ تر بھوٹ کر

کیوں گریباں کو پھروں پھا کر نہ میر  
دامن اُس کا تو گیا ہے چھوٹ کر

اے مرغ چمن صبح ہوئی زمر مرمر کر  
وہ آئینہ رو باغ کی پھولوں میں جو دیکھا  
ہے پیخری جھکو ترے دیکھے سے ساقی  
جسٹہ جائے سراپا میں نظر جاتی ہے اُسکے  
فر باد سے پھر یہ ہوئیں صنعتیں کیا کیا  
پڑنے لگے اُس شوخ کی ہوتا ہو وہ احوال  
معتشوق کا کیا وصل درے ایسا دھرا ہے  
کیا شب طرف اس جہرہ تاباں سے ہوا تھا

دم پھینچ تہ دل سے کوئی بکڑے جگر کر  
ہم رہ گئے حیران اسی منہ نظر کر  
ہر خطہ مری جان مجھے میری خبر کر  
آتا ہے مرے جی میں یہیں عمر بسر کر  
دل جاکے جگر کاوی میں کچھ تو بھی ہنر کر  
رہ جاوے ہے جیسے کہ کوئی بجلی سے ڈر کر  
ناشعہ تینکا بھی جو پہونچے ہے تو مر کر  
پھر چاند نظر ہی نہ چڑھا جی سے اتر کر

کسب اور کیا ہوتا غرض ریختے کے کاش

پچھتاے بہت میر ہم اس کام کو کر کر

لے نہ فرق تاہ قدم ہر جاکر می نگریم : کرشمہ دامن دلی کشد کہ جا اینجا است ۱۱ شعر مشہور

کس رنگ سے کرے ہے باتیں چاہیا کر  
مٹی میں اٹ گئے ہیں اس خاکداں میں آکر  
ناچار اب جہاں سے بیٹھے ہیں ہاتھ اٹھا کر  
مرنے مواپ ہرگز اودھ پھر نہ جا کر  
بیٹھو جو مجھ کئے تو پردے میں ہنہ چھپا کر  
ہم تو ہوئے پشیمان دل کے تئیں لگا کر

جب تک کام ہے ہوتا ہے پان کھا کر  
تھی جملہ تن لطافت عالم میں جاں کے ہم تو  
سعی و طلب بہت کی مطلب کے تئیں ہو چکے  
غیرت یہ تھی کہ آیا اس سے جو میں خفا ہو  
قدرت خدا کی سب میں خلق العذار کو  
ارمان ہے جنھوں کو دے اب کر محبت

میں میر ترک لیکر دنیا سے ہاتھ اٹھایا  
درویش تو بھی تو ہے حق میں مرے دعا کر

سو جی گئے تھے صدقے اس شوخ کے بدن پر  
تواریں چلتیاں ہیں اُسکے تو اب چلن پر  
کرتی ہے کیا تختہ لبس گل چمن پر  
تم جانیو نہ ہرگز میر سے دوانے بن پر  
یک نام یار بس ہے لکھنا مرے کفن پر  
لینے لگے لڑائی اب تو سخن سخن پر  
گردا گرد تک سی بیٹھے جس رنگ یاسن پر

پڑتی ہے آنکھ ہر دم جا کر صفائے تن پر  
نام خدا کالے کیا پائوں رفتہ رفتہ  
تو بھی تو ایک دن چل گلشن میں ساتھ میرے  
دل جو بجا نہیں ہو وحشی سائیں پھروں ہو  
درکار عاشقوں کو کیا ہے جواب نامہ  
تب ہی بھلے تھے جب تک حرف نشانہ تھے ہم  
گرد رخ اُسکے پیدا خط کا غبار یوں ہو

کس طرح میر جی کا ہم تو بکرنا مانیں  
کل تک تھے داغ مے کے سب بکے پیر بن پر

کھلے بند مرغ چمن سے ملا کر  
سودہ بھی گریباں میں منہ کو چھپا کر  
بکاڑا تجھے خوب صورت بنا کر  
جگر بھر گیا رات ہو بیٹھوں یا کر  
نہ پوچھا کبھو لطف سے تک بلا کر  
خجالت سے ہم رہ گئے سر جھکا کر  
بہت ہم تو چھپائے دل کو لگا کر

سحر گوش گل میں کہا میں نے جا کر  
لگا کئے فرصت ہے یاں یک نہم  
تناسب یہ اعصا کے اتنا بخت  
قیامت رہا اضطراب سکے غم میں  
اسی آرزو میں گئے ہم جہاں سے  
کھنچی تیغ اُسکی تو یاں نیم جاں تھے  
مبارک تمھیں میر ہو عشق کرنا

لے مومن سے ایک ہم ہیں جو ہوئے ایسے پشیمان کہ بس + ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے اراں ہو گئے

<p>لے گیا رنگ اُن کے دل سے تیر یار جو رہیں تو کچھ نہ تھی تقصیر یار ہاتھ میں سونے کی وہ زنجیر یار میان میں رہتی نہیں شمشیر یار</p>	<p>صاف غلطیوں میں ہے پھر یار کو تھی کی میرے طول عمر نے اُس گردن کی بانوں میں پھری ہوئی ہے کشیدہ جیسے تیغ آفتاب</p>
<p>میر میر تو ناز ہی بھینچا کیے کیونکہ کوئی کھینچے ہے تصویر یار</p>	
<p>میں اور یار اور مرا کا روبرو اور ہوتی ہے گردِ شہر کے روزِ کار اور صاحبِ میر سے جگہ دیا اعتبار اور اس پر ہے یک عذابِ شدید انتظار اور ہے میر سے حدِ بیشہ کا طورِ شکار اور سُکھ نکھین و نول لائیں مری اک غبار اور کچھ یہ نشہ ہی اور ہے اس کا خار اور ہوتا ہے ہاتھ رکھنے سے دل بقرار اور</p>	<p>نہ ہب سے میرے کیا تجھے تیرا یار اور چلتا ہے کامِ مرگ کا خوب کے دور میں بندے کو ان فقیروں میں گنیے رُشہ کے دل کو تو لاگ ہی ہے تگوں راہ کب تک بسل بسند کر کے تڑپنا نہ دیکھنا میں اُس کے گرد رہ کار ہا منتظر بہت دور و سرِ اجبِ عشق کا ہے گورتک ہے ساتھ کا ہیکو اس قرار سے تھا اضطرابِ خلق</p>
<p>کس کو فقیری میں سرِ دلِ حرف کا ہے میر کرتے ہیں اس دماغ پہ ہم انکسار اور</p>	
<p>یاں کون تھو کے ہے خند ہرزہ کوش پر تم بھی تو گوش رکھو جس کے خروش پر چشمہ ہماری چشم کا رہتا ہے جوش پر ہنگامہ ہے اُسی کے یہ لعلِ خموش پر رکھ ہاتھ راہِ ٹاک نہ چلا میرے دوش پر کس کو ہے یاں نگاہ کسو تو دوش پر لالا کے گل بچھیرے مرے قبرِ پوش پر</p>	<p>دعوائے ہے یونہی اسکا ترے حسنِ کوش پر شاید کسو میں اس میں بہت ہو گیا ہے بعد جیب و کنار سے تو بڑھاپانی دیکھئے اک شور ہے جو عالم کون و فساد میں ہے بارِ دوش جبکے لیے زندگی سو وہ جو ہے سو مست بادہ و ہم و خیال ہے مرغِ چین نے کیا حق صحبت ادا کیا</p>
<p>جب تک بہار رہتی ہے رہتا ہوسست تو عاشق ہیں میر ہم تو ترے عقل و ہوش پر</p>	

کیا جانیں گے کہ ہم بھی عاشق ہوئے کسو پر  
ہر کوئی چاہتا ہے سر نہ کرے نظر کا  
کر باغیاں حیا تک گل کو نہ ہاتھ میں مل  
حسرت سے دیکھتے ہیں پرواز مہصفراں  
حرف دشمن کرے ہے کس لطف سے برابر  
گو شوق سے ہو دل خوں مجھ کو ادب ہی تہ  
غصے سے تیغ اکثر اپنے رہی گلو پر  
ہونے لگے ہیں اب تو خون اسکی خاک کو پر  
دیتی ہے جان بل پھولوں کے رنگ بو پر  
شایستہ بھی ہمارے ایسے ہی تھے کچھو پر  
سلک گھر بھی صدتے کئے اسکی گفتگو پر  
میں رو کچھو نہ رکھا گستاخ اس کے رو پر

نہ راکھ سے مناسب آنکھیں پی سی جلتی  
ٹھہری نظر نہ جو کی میسر اس قلیلہ مو پر

### روایت زائے مجھ

ہے تند و تیز اسکی نگاہ اس طرف ہنوز  
سرکٹ کر ہم اس کے قدم کے تلے رکھا  
مدت سے مثل شب ہے مرا تیرہ روز نگار  
پتھر اگئیں ہیں آنکھیں مری نقش پاکے طور  
جسکی جہت سے مرنے کے نزدیک ہو پیچہ ہم  
آنکھیں ہماری منڈلیں ہیں جس بغیر یاں  
مارا ہے بیگناہ و گناہ اس طرف ہنوز  
طیڑھی ہو اسکی طرت کلاہ اس طرف ہنوز  
آتا نہیں وہ غیرت ماہ اس طرف ہنوز  
پڑتی نہیں ہر یار کی راہ اس طرف ہنوز  
پھرتا نہیں وہ آنکے واہ اس طرف ہنوز  
وہ دیکھتا بھی کہ نہیں آہ اس طرف ہنوز

برسوں سے میسر ماتم بنوں ہے دشت میں  
روتا ہے آگے ابر سیاہ اس طرف ہنوز

### روایت سین مہملہ

گلامت توڑ اپنا اسے جرس بس  
کچھو دل کی نہ نہننے پائے اس سے  
گل دگلزار سے کیا قیدیوں کو  
نہ ترساؤ یکا یک مار ڈالو  
بہت کم دیتے تھے بادل دکھائی  
کسو محبوب کے ہو گو رہ پر گل  
چمن کے غم میں سینہ داغ ہو میسر  
میں اس راہ میں فریادیں بس  
جہاں بولے لگا کہنے کہ بس بس  
ہمیں داغ دل و کینچ نفس بس  
کر دے کب تلک ہم پیر بس بس  
رہے ہم ہی تو روئے اس بس بس  
ہمارے خاک کو ہے خار خوش بس  
بہت نکلی ہماری بھی ہوں بس

<p>باجا</p>	<p>نہ شبے خوں دل و جگر ہے بس گر ہوس ہو اسی قدر ہے بس بس ہمیں تو یہی سفر ہے بس کبھو پوچھو جو تم خبر ہے بس</p>	<p>عشق میں غم نہ چٹم تر ہے بس رہ گئے تمہے نہوں سے نوح کے ہم اب سے جا کر کے پھر نہ آئے ہم چاہ میں ہم نہیں زیادہ طلب</p>
	<p>چٹم پوشی نہ کر فقیر ہے میر مہر کی آسکو اک نظر ہے بس</p>	
	<p>مری بخت آزمائی ہو چکی بس تو پھر اپنی رہائی ہو چکی بس بہت باہم لڑائی ہو چکی بس یہیں تک آشنائی ہو چکی بس غموں کی اب سائی ہو چکی بس فلک بس بے ادائی ہو چکی بس ہمارے ہاتھ آئی ہو چکی بس تری قدرت نمائی ہو چکی بس جہاں دے ٹک دکھائی ہو چکی بس</p>	<p>امیروں تک رسائی ہو چکی بس ہمارا اب کی بھی جو گزری نفس میں کہا تک اس سے قصہ قضیہ ہر شب نہ آیا وہ مرے جاتے جہاں سے لگا ہے حوصلہ بھی کرنے تنگی برا بر خاک کے تو کر دکھایا دنی کے پاس کچھ رہتی ہے دولت دکھا اُس بت کو پھر بھی یا خدا یا شر کی سہی ہے چٹم فرصت عمر</p>
	<p>گلے میں گیر دی کفنی ہے اب میر تمھاری میر زائی ہو چکی بس</p>	
	<p>روایت شین معجم</p>	
	<p>کتنے ہیں دیوار بھی رکھے ہے گوش اُس کی مستی دیکھ کر جاتا ہے ہوش قد و خد و گیسو و عمل خموش چاندنی سے ہو جو میرا قبر پوش اور کیا کرتے ہیں مفلس درد نوش گر نصیب دشمنان ہے درد گوش</p>	<p>اُس کے در پر شب نہ کر لے دل فروش پانوں پڑتا ہے کہیں آنکھیں کہیں کتنے یہ فتنے ہیں موجب شور کے مر گیا اس ماہ بن میں کیا عجب صافی سے چادر اپنی میں نے کی دوستوں کا درد دل طک گوش کر</p>
	<p>ایک لوطی ہو وہ ظالم سرفروش</p>	<p>جب تب لٹا ہے بازار میں میر</p>

طرح خوش باز خوش اس کی ادائوش ہمیں ناساز قبر اپنا کسو کا توں کے غم میں نالاں جب نہ تب ہوں کلی رکتی ہے گل ہے دل پریشاں ہمان تنگ کڑھنے ہی کی جبا تھی رہا پھولوں میں کرتا زمرہ میں	خوشا ہم جو نہ رکھے ہم کو ناخوش خرابی کی ہماری ہے ہوا خوش نہ راضی خلق مجھ سے نے خدا خوش کسو کی اس چمن میں گزرے کیا خوش کوئی دن میں تکلف سے رہا خوش مری اس باغ میں گزری سدا خوش
---	--

گیا اس شہر ہی سے میرا آخر  
تھاری طرز بد سے کچھ نہ تھا خوش

فکر میں مرگ کے ہوں سر در پیش کسکی آنکھیں پھریں ہیں نکھوئیں مستی بھی اہل ہوش کی ہے جنھیں کیا کردن نفل راہ ہستی میں	ہے عجب طور کا سفر در پیش وہ دم ہے مری نظر در پیش اوسے ہے عالم دگر در پیش مرحطے آئے کس قدر در پیش
--	---

کیا پتنگے کو شمع روئے میر  
اس کی شب کو بھی ہو سحر در پیش

ہوں تو دریا پر کیا ترک خروش مست رہتے ہیں ہم اپنے حال میں عاقبت تجھ کو لباس راہ راہ ہونہ آگے میرے جوں سون زباں	دل کی دل ہی میں کھپائے اپنے جوش عرض کرے حال پہنے کسے گوش لے گیا ہے راہ سے لے تنگ پوش ہو سکے تو گل کے زنگوں رہے گوش
--	---

میر تو طفلان تہ بازار میں  
لوکھو شاید ہو وہ دلفروش

رویت صاوملہ

ہے دل بتیا کا بھی ویسا قص	قص سب مل تم سدا ہو جیسا قص
---------------------------	----------------------------

رویت صاوملہ

آج رکھ آیا کر میں پیش قبض	سو ہی کھینچی مجھ پہ گھریں پیش قبض
---------------------------	-----------------------------------

ردیف طائے مہملہ	
شاید اس سادہ نے رکھا ہے خط شوق سے بات بڑھ گئی تھی بہت نامہ کب یار نے پڑھنا سارا ساقہ ہم بھی گئے ہیں دور ملک	کہ ہیں متصل لکھا ہے خط دفتر آسکے لکھیں ہیں کیا ہے خط نہ کہا یہ بھی آشنا ہے خط جب ادھر سے تیں چلا ہے خط
کچھ خلل راہ میں ہوا سے میر نامہ برکب سے لے گیا ہے خط	
اہم نہ سمجھے رابطہ ان نوخطوں کا غلط ہوتے ہیں بر خود غلط یہ ہو گیا یہ کیا غلط	
کہتے ہو کیا کیا لکھا ہے خط میں مجھ کو میر نے کب کہا کن نے یہ سب جھوٹ اقرار کیا غلط	
ردیف طائے مجملہ	
ہو وہ ہے تو ہے زندگانی سے خط نہیں وہ تو سب کچھ یہ بے لطف ہے	مزا عمر کا ہے جوانی سے خط نہ کھانے میں لذت نہ پانی سے خط
کہا درود دل رات کیا میر نے اٹھایا بہت اس کہانی سے خط	
ردیف عین مہملہ	
آگے جب اس تشیں رخسار کے اتی شمع ہے مری ہر اک غزل پر اجتماع ویدیں رکھتا ہے اہل فہم کو نیم بسمل چھوڑ دینا جسم کر کچھ ضرر عاید ہو میر سے ہی اور یاد دشمن ہو گیا اس کے سبب دل جگر خوں ہو کے زحمت ہو گئے	پانی پانی شرم مفرط سے ہوئی جاتی شمع خافقہ میں کرتے ہیں صوفی سماع میرے شعر و شاعری کا استماع اس شکار افکن کا ہے گا انصرع ورنہ اس سے سب کو پہنچا اتھاع ہے متاع دوستی بھی کیا متاع حسرت آلودہ ہو گیا اشک و دواع
میر و درود نہ کہہ ظالم بس اب ہو گیا ہے سامتوں کو تو صدراع	

## رویف غین مجہ

اب نہیں سینے میں میرے جاے داغ دل جلا آنکھیں چلیں جی جل گیا دل جگر جگر ہوئے ہیں دونوں ایک منفعل ہیں لالہ و شمع و سپر داغ	سوز و دل سے داغ ہے بالائے داغ غشش نے کیا کیا ہمیں دکھلائے داغ درمیان آیا ہے جب سے پائے داغ سمے بھی کیا عاشقی میں کھائے داغ
--	---

وہ نہیں اب میر جو چھاتی چلے  
کھا گیا سارے جگر کو بائے داغ

صحبت کسو سے رکھنے کا اسکو نہ تھا داغ باتیں کرے ہر شکی دل کی یہ کہاں وہ حرف زیر لب کہے پھر ہو گیا خوش کر فکر اپنی طاقت فکری جو مقصیت	تھا میر بے داغ کو بھی کیا بلا داغ کرتا ہے اس داغ جلے کا دفا داغ یعنی کہ بات کرنے کا کس کو ربا داغ اب شعر شاعری کی طرف کب لگا داغ
--	---

آتش زبانی شمع نہ مٹ میر کی بہت  
اب چاہیے موان ہیں جل گیا داغ

## رویف فائے

کیا پیام و سلام ہے موقوف حیرت حسن یا رے چپ ہیں روز و عدہ ہے ملنے کا لیکن وہ نہیں ہے کہ واو لے چھوڑیں پیش مرزاں دھرے رہے خجھر کہتے صاحب کچھ بلا لے تھے	رسم ظاہر تمام ہے موقوف سب سے حرف و کلام ہے موقوف صبح موقوف شام ہے موقوف اب ترجم یہ کام ہے موقوف آگے زلفوں کے دام ہے موقوف سو دقا غلام ہے موقوف
--	---

اقتدا میر ہم سے کس کی ہوئی  
اپنے اب ہاں امام ہے موقوف

## رویف قاف

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق دل لگا ہو تو جی جہاں سے اٹھا	حق شناسوں کا ہاں خدا ہے عشق موت کا نام پیار کا ہے عشق
--	--



<p>اور تدبیر کو نہیں کچھ دخل کیا دبا یا محیط میں غم کے عشق سے جانیں کوئی خالی کو کہن کیا پہاڑ کاٹے گا عشق ہے عشق کرنے والوں کو کون مقصد کو عشق بن پہنچا</p>	<p>عشق کے درد کی دوا ہے عشق سننے جانا تھا آشنا ہے عشق دل سے لے عرش تک بھرا ہے عشق پر دے میں زور آزا ہے عشق کیسا کیسا بہم کیا ہے عشق آرزو عشق مدعا ہے عشق</p>
<p>میرزا طرے ہے خواہاں پر عشق مت کر کہ بد بلا ہے عشق</p>	
<p>گر بادے میں جکھو صبا لے کے جائے شوق وصل وجدائی سے ہے میرا وہ کام جاں ہر چار اور اڑتی پھرے ہے ہماری خاک دیر و حرم میں ہکو پھرتا ہے دیر تک افسوس ایسے کوچے سے تم اکشنا نہیں درد اور آہ و نالہ کرے ہے دم حسرت</p>	<p>مجنوں کو میری اور سے کیوں غائے شوق معلوم کچھ ہوا نہ ہمیں یاں سوائے شوق سر سے لگتی نہ جی بھی گئے پر سوائے شوق پھر بھی ہمارے ساتھ وہی ہوا لے شوق کیا درد ناک ہے بھی کوئی ہے نوائے شوق یلمشت پر ہے مرغ گلستاں پہ لے شوق</p>
<p>کیا پوچھتے ہو شوق کہا تک ہو ہکو میر مرا نہ ہی اہل درد کا ہے انتہائے شوق</p>	
<p>ردیف کاف تازی</p>	
<p>ہر حید صرف غم ہیں لے دل جگر سے جاں تک کیا کوئی اُس کے رنگوں گل باغ میں کھلا ہو دو چار دن جو ہوں توڑ کر رکے کوئی کاٹے ان جلتی ہڈیوں کو شاید تمہا نہ کھاوے</p>	<p>لیکن کبھی شکایت آئی نہیں زباں تک شور آج بلبلیوں کا جاتا ہے آسمان تک ناچا رہا صبر کرتا عاشق سے ہو کہاں تک تب عشق کی ہماری پہنچی ہے استخوان تک</p>
<p>روئے جہاں جہاں ہم جوں ابر میرا س بن اب آب ہے ہر اسر جاوے نظر جہاں تک</p>	
<p>ردیف کاف فارسی</p>	
<p>قل گہ میں دست بوس اسکا کر میں فی الفور لوگ</p>	<p>ہم کھڑے تلوار کھاوین نقش ماریں اور لوگ</p>

کج روی ہم عاشقوں سے اسکی بس اب جاچکی  
نرجم تیغ یار غایر ہو کے پہونچا دل تلک  
جا کے دنیا سے تجھے یاد آؤں گا میں بھی بہت  
ایک تو ناساز پھر اس سے ملے بیطور لوگ  
حیف میرے حال پر کرتے نہیں غور لوگ  
بعد میرے کب اٹھاونگے ترے یہ جو لوگ

رسم دعادت ہے کہ ہر ایک وقت کا ہوتا ہے نہ کر  
میر بارے یاد کر رو دینگے کیا یہ دور لوگ

چاک دل ہے انار کے سے رنگ  
کام میں ہے ہوائے گل کی موج  
تاب ہی میں رہے ہے اسکی زلف  
کیا جو افسردگی کے ساتھ کھلا  
برق ابر بہار نے بھی سیلے  
کنج پتھر گہ میں ہیں مامون  
عمر کا بھی ٹس رنگ جاتا ہے  
برگ گل میں نہ دل کشی ہوگی

چشم پر خوں نگار کے سے رنگ  
تیغ خونریز یا رکے سے رنگ  
انہی سچیدار کے سے رنگ  
دل گل بے بہار کے سے رنگ  
اب دل بیتار کے سے رنگ  
ہم بھی لاغر شکار کے سے رنگ  
اہلن روزگار کے سے رنگ  
کھپ پائے نگار کے سے رنگ

اس بیاباں میں میر محو ہوئے  
ناتواں اک غبار کے سے رنگ

### روایت لام

اب کی ہزار رنگ گلستاں میں لے گل  
بلبل کو ناز کیوں نہ خیاباں گل پہ ہو  
کب تک خالی پانوں بن اسے یہ بیکلی  
ناچار ہو چمن میں تر ہے کہوں ہو را حب  
چلیے نعل میں لے کے گلانی کسو طرٹ  
پگڑی میں پھول رکھتے ہیں غما جان سہر  
بلبل کو کیا سے کوئی اڑ جاتے ہیں حواس  
سو یا نہ ہو بدن کی نزاکت سے ساری رات  
مصروف یار چاہیے مرغ چمن سا ہو

پیر اس بغیر اپنے تو جی کو نہ بھائے گل  
کنا جانے جی نے چھاتی پہ بھر کر نہ کھائے گل  
لگائے تلک چمن میں ہیں آنکھ پائے گل  
بلبل کسے ہے اور کوئی دن برائے گل  
داناں دلو کھینچے ہے ساتی ہوئے گل  
وارغ جنوں ہی سر پہ رہا یاں بجائے گل  
جب دروند کھتی ہو دم بھگے ہائے گل  
بستر پہ اسکے خواب کی کن بجھائے گل  
دل نہ رد دیدہ پیشش جان ندائے گل

<p>معلوم ہوتی آگے جو ہم کو دفائے گل ہے چاک شک جامہ سے اس کے قبائے گل بلبل نے اور کچھ نہیں دیکھا سوائے گل</p>	<p>ہم طرح آشیاں کی نہ گلشن میں ڈالتے چسپاں لباس ہوتے ہیں لیکن نہ استقدر کیا سمجھے لطف چہروں کے رنگ بہار کا</p>
<p>تھا وصف آن لبون کا زبان قلم یہ میسر یا منہ میں عند لیب کے تھے برگہائے گل</p>	
<p>الہی غنجہ ہے پیر مروہ یاد دل رہے ہم جب تلک آئیں رہا دل کروں کیا دیکھتے ہی جہل کیا دل علم اپنا یہ دنیا سے اٹھا دل پسیر دل ہے قبلہ دل خدا دل کیا ہے اس بھی ٹر کے نے بڑا دل</p>	<p>نہ تلک واشد ہوئی جبے لگا دل نہ اس سے یاں میں آگیا حیف اٹھا یاد داغ لالہ نے چمن سے نہیں کم راست اقبال شہر سے ہمارا خاص مشرب عشق اس میں ہمارے منہ یہ طفل اشک دوڑا</p>
<p>سبھوں سے مہر بیکانے سے رہتے جو ہوتا اس سے کچھ بھی آشنا دل</p>	
<p>تر ہے برق خاطف اس طرف گزرا ہی لا حاصل گیا دست تھی بے یاں سے یہ کچھ کر گیا حاصل آئیں سے چاروانے لادلیوں جا بجا حاصل خودی سے کوئی نہ نکلتے تو اسے ہو دے خدا حاصل وہ مطلب ہو کم دیکھیں کب ہو مدعا حاصل اٹھا حسرت سے ہاتھ آخر ہیں یہ کچھ ہوا حاصل</p>	<p>نہ خوشہ یاں نہ دانہ یاں جلانا لگا س کیا حاصل سکندر رو کے مالک سات اقلیموں کا آخر کو بلا قحط مردت ہے کہ ہے محصول غلے پر نہ بھینچیں کیونکہ نقصاں ہم توقیدی ہیں تین کے عبارت خوب لکھی شاعری انشا طرازی کی بہت مصروف کشت و کار تھے فزع میں دنیا کے</p>
<p>پھر امت میسر سر اپنا گراں گوشوں کی مجلس میں مٹے کوئی تو کچھ کہئے بھی اس کہنے کا کیا حاصل</p>	
<p>روایت میم</p>	
<p>پڑنگ آگے ہیں تھارے ستم سے ہم پر کچھ نہ پوچھو سمجھے نہیں جاتے ہم سے ہم پیری میں اپنی آن لگے ہیں قدم سے ہم</p>	<p>جی کے تیں چھپاتے نہیں یونہی ہم سے ہم اپنے خیال ہی میں گزرتی ہے انی عمر زناہ پر سر ہے قامت خم کشہ کے سبب</p>

<p>بتخانے میں جو آئے ہیں جل کر حرم سے ہم اک چشمداشت رکھتے تھے ترکانِ ہم سے ہم اب کب تسلی ہوتے ہیں قول و قسم سے ہم بدنام ہیں جہان میں عشقِ صنم سے ہم جوں شیشہ پھیل پھوٹ پڑے آنکھ سے ہم</p>	<p>جوں چمک میر حاج کا ہے خوارِ جان ساز روتے بھی ان نے دیکھ کے سکو کیا نہ رحم بد عہدیاں ہی کرتے گئے اُسکو سالِ ماہ زنا ساز بندھا ہے گلے اپنے اب تو کفر لوگوں کو وصف کر نیسے بالیدگی ہوئی</p>
<p>ظہر میں رکھے ہے ایک سخن چار چار میر کیا کیا کہا کریں ہیں زبانِ قلم سے ہم</p>	<p>سر زبر پر ہیں دیر سے اے صغیر ہم کیا ظلم تھے لباس میں اس تنگ پوش کے</p>
<p>واقف نہیں ہواے جن سے اسیر ہم دلنشکی سے نکل گئے ہو کر فقیر ہم</p>	<p>دیکھ اُس کو راہ جاتے تو بجال ہو گئے اب دیکھیے بجال کب آتے ہیں میر ہم</p>
<p>تو یہی آج کل سدھارے ہم جاگے گور کے کتارے ہم شب کو رہتے ہیں گفنے تارے ہم انس رکھتے ہیں تم سے پیارے ہم دیکھیں گے کل جو ہونگے بارے ہم جیتے تم یہ قمار بارے ہم</p>	<p>جو رہے یوں ہیں غم کے مارے ہم مرتے رہتے تھے اسپریوں پر اب دن گزرتا ہے دم شمار میں سے مروت سے اپنی وحشت دور زندگی بار دوش آج ہے یاں جاچکی بازی یعنی مرتے ہیں</p>
<p>میر آؤ گے آپ میں بھی کبھو سخت شقاق ہیں تمہارے ہم</p>	<p>گئے عشق کی راہ سر کر قدم عجب راہ پر خوف و شغل گزر</p>
<p>بلا پر چلے آئے ہر ہر قدم اٹھایا گیا ہم سے مر مر قدم خدا جانے پڑتا تھا کیدھر قدم چلے ہوں گے یہ راہ جو بھر قدم کہ ہر گز نہ اُسکا ہوا تر قدم گئے ہو ہمارے قدم پر قدم</p>	<p>بہت مستی عشق پاغند تھی ہوا ہو گا خالی بدن جاں جب وہ عیار یوں چشم تر سے گیا جاگر کو ہے ان سر سے گزروں عشق</p>

<p>جو کچھ آوے سالک کے آگے ہے خیر ہیں سرکشی سرپنت دی سے کیا</p>	<p>رکھا ہم نے اب گھر سے باہر قدم رہے ضعف میں ہم تو سرور قدم</p>
<p>کہیں کیا گفت یا میں میرا بے چلیں ہم سروں پر گر دھر قدم</p>	
<p>میرا آج وہ بدست ہے ہشیار رہو تم جی جاے کسی کا کہ رہے نکو قسم ہے وہ مجھو جمال اپنے ہے پروانہیں سکو اس معنی کے اور اک سے حیرت ہی چھل یکبار ہوا دل کی تسلی کا وہ باغث ہو لطف اسی کا تو کوئی کام کو پہونچے</p>	<p>ہے بخبری اُس کو خبردار رہو تم مقدور ملک درپے آزار رہو تم خواہاں رہو تم اب کہ طلبکار رہو تم آئینہ نمط صورت دیوار رہو تم یہ کیا کہ اسی طور پر ہر بار رہو تم تسلی لگے ڈال کے زنا رہو تم</p>
<p>کیا میرا برے چال سے جینے کے چلے ہے بہتر ہے کہ اپنے تئیں اب مار رہو تم</p>	
<p>اکمک شباب جاتے ہیں ورنہ جہاں سے ہم ہر بات کے جواب میں گالی کہاں ملک وعدہ کرو تو سوچ لو مدت کو دل میں بھی اُلجھاؤ دل کا جس سے ہے جھنجھلا کے ان غیر لاویں ہماری خاک پر اس کینہ در کو بھی دریاں سنگدل نے خرواں ملک نہ کی</p>	<p>کچھ ہو رہے ہیں غم میں ترے نیم جاں سے ہم اب جاں بلب ہوئے ہیں تھاری زباں سے ہم یہ حال ہے تو دیر رہیں گے کہاں سے ہم جھگڑا کیا کریں ہیں زمین آسماں سے ہم یہ کہ مومن گے اپنے ہر اک مہرباں سے ہم سر مار مار صبح کی اس آستان سے ہم</p>
<p>جب اُس کی تیج رکھنے لگا اپنے پاس میر اُمید قطع کی تھی تبھی اس جواں سے ہم</p>	
<p>بیماری دلی سے زار و تزار ہیں ہم مارا تر پتے چھوڑا خراک سے نہ باندھا ہر دم جبین خراشی ہر آن سنین کاوی حور و قصور و غلمان نہم و نیم جنت بیحد و حصر گر دشن اپنی ہے عاشقی میں</p>	<p>اک مشت استخاں ہیں پر اپنے بار میں ہم بے چشم و رو کو کے شاید شکار ہیں ہم حیران عشق تو ہیں پر گرم کار میں ہم یہ کلمہ جہنم مشتاق یا رہیں ہم سوائے شہر و دیہ و دشت و دیار ہیں ہم</p>

<p>دیوار دور سے کدو بے اختیار میں ہم کیا جانے کہ کیسے دل کے بخار میں ہم عشق و جنوں کے اپنے ناموں میں ہم</p>	<p>اب سیل سیل آنسو آتے ہیں چشم تر سے روتے ہیں یوں کہ جیسے شربتِ ابر سے اب تو گلے بندھا ہے زنجیر و طوق ہونا</p>
<p>لیتا ہے میرِ عبرت کوئی جو دیکھتا ہے کیا یار کی گلی میں بے اعتبار میں ہم</p>	<p>ہر سر سخن پہ اب تو کرتے ہو گفتگو تم یاں آپ ہی آپ کر گم آپ میں ہوئے ہو چاہیں تو تم کو چاہیں دیکھیں تم کو دیکھیں حیرت زدہ کسی کی یہ آنکھ سی لگے ہے تھے تم بھبھو کے سے تو پر اب جلاسی دو نسبت تو ہمد گر ہے گو دور کی ہو نسبت</p>
<p>ان بد مزاجیوں کو چھوڑ دے بھی کبھی تم پیدا نہیں کہ کس کی کرتے ہو جستجو تم خدا ہنس دلوں کی تم ہوا نکھوئی آرزو تم مت بیٹھو آرسی کے ہر لحظہ رو برو تم سوزندہ آگ کی کیا سکھے ہو ساری جو تم ہم ہیں نواسے بلبل ہو گل کی رنگ بو تم</p>	<p>دیکھ اشکِ سرخ بولایہ رنگا در لائے ابنِ میرِ مٹھ پہ آنسو یا روتے ہو ہو تم</p>
<p>ردیف نون</p>	
<p>دل کے پہلو سے ہم آتش میں ہیں اور اب میں ہیں ہم بھی کہنے کے میں عالمِ اسباب میں ہیں قافلے چلتے کوتیار ہیں ہم خواب میں ہیں کشتیاں نکلیں سو کیا آن کے گرداب میں ہیں پاس اس طور کے بھی عشق کے آداب میں ہیں دل جلے یرو رخ سے ترے متاب میں ہیں</p>	<p>مختصری سانس بھریں ہیں جتنے ہیں کیا اب میں ہیں ساتھ اپنے نہیں اسبابِ مساعد مطلق غفلتِ دل سے ستم گزریں ہیں سو مت بوجھو عشق کے ہیں گے جو سرشتِ پرے ہیں ڈوبے دور کیا اس سے جو بیٹھے ہے غبارِ اپنا دور ہے فروغِ مہتاباں سے فراغِ کلی</p>
<p>ہم بھی اس شہر میں ان لوگوں سے ہیں خانہ خراب میر گھر بار جنھوں کے رہ سیلاب میں ہیں</p>	<p>کے تو ہمیشہ رنگِ تصرف کچھ دکھاؤں میں نہیں ہوں بے ادب تا کہ کل سے منہ لگاؤں میں</p>
<p>الگ بیٹھا خانا بندوں کو آنکھوں میں جاؤں میں جگر ہو مگر طے مگرے گرچہ کی اور جاؤں میں</p>	<p>لے میر تقی میر سے دور بیٹھا عبا ر میر اس سے عشق بن یہ ادب نہیں آتا</p>

کیا ہے اضطراب دل نے کیا بجھو سبک آخر  
وفا صد کا رواں رکھتا ہوں لیکن شہرہ خوبی میں  
مجھے سرور گریباں رہنے دو میں بے توقع ہوں  
بلا حسرت ہر یار بکام دل کیونکر کروں حاصل  
نہ روؤں حال پر کیونکر بلانا آشنا ہے وہ  
نہ اسے رشک بہار نکھیں اٹھاؤ پشت پاسے تو  
کہوں کیا صحبت اس سے چھڑی بکڑی ہی جاتی ہے  
نگاہ حسرت بت دیر سے جانے کی مانع ہے  
اسیر زلف کو اس بت کے کیا قید مسلمان

کہاں تک یار کے کوچے سے جا کر چھڑوں میں  
خردیاری نہیں مطلق کہاں جا کر بکاؤں میں  
کسو تپھر سے ٹپکوں ہوں ابھی جو سر اٹھاؤں میں  
گم رہا ہے شیریں پر کسو کے نہ ہر کھاؤں میں  
کہیں نکھ اُسکو ملتی ہے جو آنکھیں تک ملاؤں میں  
تھیں پیر اگر سر سوں ترے آگے جماؤں میں  
جو تک راہ سخن نکلے تو سو باتیں بناؤں میں  
مزاج ایسا بہت چاہا کہ سوئے کعبہ لاؤں میں  
تمنا ہے گلزار سے اپنا بندھاؤں میں

کہوں ہوں میر سے دل دے کہیں حاجی لگے تیرا  
جو ہو نقصان جان اُسکا تو کیونکر پھر مٹاؤں میں

روح کا خون جگر سب اب جگر میں تھوں کہاں  
دوست و دامن جیبتِ آغوش اپنے اس لائق نہ تھے  
عاشق و معشوق یاں آخر فسانے ہو گئے  
آگ برسی تیرہ عالم ہو گیا جادو سے پر  
سیر کی رنگیں بیاض باغ کی ہم نے بہت  
کوچہ ہر یک جائے دلکش عالم خاکی میں ہے  
ایک دم سے قیس کے جنگل بھوار ہوتا تھا کیا  
ماضی مشفق تو کہتا تھا کہ اس سے مت بڑے  
باد کے گھوڑے پہ تھے اس باغ کے ساکن سوار  
کھا گیا اندوہ مجھ کو دوستانِ رفتہ کا

نغم سے بانی ہو گئے کب کا بہ گیا میں ہوں کہاں  
پھول میں اس بلوغِ خوبی سے جو لوں تو لوں کہاں  
جائے گریہ ہے جہاں لیے کہاں مجنوں کہاں  
اُسکی چشم پر فسون کے سامنے افسوں کہاں  
سر و کامصرع کہاں وہ قامت موزوں کہاں  
پر کہیں لگتا نہیں جی ہائے میں دل دوں کہاں  
اب گئے پیر اُس کے دیسی رونق ہاموں کہاں  
پر سمجھتا ہے سہارا یہ دل مجنوں کہاں  
اب کہاں فریاد و شیریں خسرو گلگوں کہاں  
ڈھونڈھتا ہے جی بہت پر با نہیں پاؤں کہاں

تھا وہ قتنہ ملنے کے گوں کب کسی درویش کے  
کیا کہیں ہم میر صاحب سے ہوئے مفتوں کہاں

سوز و درد داغِ عالم سب جی کو گھیرے پھرتے ہیں

عشق نے خوار و ذلیل کیا ہم سر کو پھیرے پھرتے ہیں

اس سے مت بڑے یعنی اس سے نہ مل اس طرح سے بولنا اب سر و کمر نہ کر لڑا دلی دیشو میں اب بھی اسی طرح بولے ہیں اسی

<p>باس نہیں سبب بھی کیون دن میرے پھرتے ہیں ہم درویش طلب میں سکے ڈیرے ڈیرے پھرتے ہیں ہم کہتے ہیں تسلی دل کو ساتھ سویرے پھرتے ہیں جیسے خیالی پاس لیے تھیر چترے پھرتے ہیں سید جانو لے ادھر کے کس کے پھیرے پھرتے ہیں</p>	<p>ہر شب ہوں سرگشتہ و نالاس بن کوچہ و بزم میں دل شکریں ایک سپاہی زادے نے سمیٹے چھین لیا بخود اسکی زلف درخ کے کا ہے کو آپ میں پھر آئے نقش کسوکا درون سینہ گرم طلب ہیں ایسے رنگ برے اگر شمشیر سروں پر تھکھ موڑیں زہمار نہیں</p>
<p>جائے نگار آلودہ کہیں ساتھ کو میرے دیکھے تھے خینج تک اب بھی آنکھوں میں اسکی یادیں تیرے پھرتے ہیں</p>	
<p>جائیں یاں سے جو ہم اداس کہیں اوسوں بھتی نہیں ہے پیاس کہیں کوئی چھپتی ہو گل کی باس کہیں تکڑے ہو کر گیا لباس کہیں ہم جو ہوں اسکے پاس کہیں نہ ملا حیف حق شناس کہیں اس سے کوئی نہیں نرس کہیں جان کا بھی نہیں ہر اس کہیں</p>	<p>صح ہوتے نہیں جو اس کہیں دلی دوا شکستہ نہ نکلی بھڑ اس یا خوشبو بھی آئے ہے واس سے اس جنوں میں کہیں ہے سرخاک گرد سیرار کے پھریں پہروں سب جگہ لوگ حق و ناحق پر ہر طرف ہیں امید و ایریار عشق کا خود دست شیریں ہوں</p>
<p>عرش تک تو خیال پہونچے میرے وہم پھر ہے کہیں قیاس کہیں</p>	
<p>یار بن لگتا نہیں جی کا شکے ہم مر رہیں کیا کریں باوین کہاں بگڑ رہیں باہر رہیں تنگ آئے ہیں بہت طلب ہی ہو کر رہیں کیا جیسے وہ جسکے جی کو روگ یہ اکثر رہیں متصل تڑپے ہے کب تک ہاتھ دِل پر رہیں</p>	<p>جائیں تو جائیں کہاں جو گھر رہیں کیا گھر رہیں دل جو اکتاتا ہے یارب رہ نہیں سکتے کہیں وہ نہیں جو تیغ سے اُس کے گلا کٹو ایسے بید ماغی بیقرار سی بے کسی بے طاقتی مضطرب ہو ایک دودم تو تدارک بھی ہو کچھ</p>
<p>زندگی دو بھر ہونی ہے میرا آخر تاکجا دل جگر چلتے رہیں آنکھیں ہماری تر رہیں</p>	
<p>مریں بھی ہم تو نہ دیکھیں مروت انکو نہیں</p>	<p>کہاں کے لوگ ہیں خواباں محبت انکو نہیں</p>



خراب و خوار ہیں سلطان شکستہ حال امیر ہمارے دیدہ و دل سے ہی ہم پر کم تر تنگ پریمی و سرود و عوی ہے اس رخ و قد سے	کسو فقیر سے شاید کہ صحبت اٹکو نہیں کہ رونے کڑھنے سے یک لحظہ صحت اٹکو نہیں شکایت ایسی نہیں آویت اٹکو نہیں
چلا ہے تیغ بکف یار غیر کی جانب ہوئے ہیں میر تما شائی غیرت اٹکو نہیں	
ظلم و ستم کیا جو رو جفا کیا جو کچھ کہیے اٹھاتا ہوں حققت پھینچ کے جاتا ہوں رہتا نہیں دل پھرتا ہوں	
ہاے سبک ہوتا یہ میر افرط شوق سے مجلس میں وہ تو نہیں سنتا دل دے کر میں ہی باتیں بنتا ہوں	گھر سے اٹھ کر کونے میں بیٹھا بیت پڑھے دو باتیں کیں کس کس طور سے اپنے دل کو اُس بن میں بہلاتا ہوں
آئے کی میری فرصت کتنی دو دم دو پل ایک گھڑی رنجش کیوں کا ہے کو خوشونت غصہ کیا میں جاتا ہوں	قتل میں میرے یہ صحبت ہے عم غصے سے محبت کے لو ہو اپنا پیتا ہوں تلواریں اُس کی کھاتا ہوں
پھار کے خط کو گلے میں ڈالا شہر میں سب تشہیر کیا سامنے ہوں قاصد کے کیونکر اس سے میں شرتا ہوں	سرماروں ہوں ایدھر او دھرد در تلک جاتا ہوں نکل پاس نہیں پاتا جو اُس کو کیا کیا میں گھبراہتا ہوں
پہلے فریب لطف سے اُسکے کچھ نہ ہوا معلوم مجھے اب جو جاہ نے بدلیں طرحیں سرٹھتا ہوں پچھتا ہوں	
مجرم اس خاطر ہوتا ہوں بعضے بعضے شوخی کر عذر گناہ میں جا کر اُس کے پانوں کو ہاتھ لگاتا ہوں	
دیکھیے ان پلگوں کے اکثر میر ہوں بچو و تنگ آیا آپ کو پاتا ہوں تو چھری اُس وقت نہیں میں پاتا ہوں	

کبھو لے ہے سو وہ یوں کہ بھلا نہ کریں  
ہوئے یہ چاہ میں مشکل کہ جی گیا ہوتا  
ہمارے حرف پر نیاں ہی لطف رکھتے ہیں  
صفائے دل ہونے تک تو دیکھیں ہیں کیا کیا  
وبال میں نہ گرفتار ہوں کہیں مہ و مہر  
دل اب تو ہم سے ہے بدیا اگر ہے جیتے

کرے ہے آپ ہی شکایت کہ ہم کلا نہ کریں  
نہ رہتے جیتے اگر ہم مسا ہلا نہ کریں  
جنوں ہے بحث جوشت میں عاقلانہ کریں  
ہم ایسے آئینہ کو اپنے کیوں جلا نہ کریں  
خدا کرے تیرے رخ سے مفا ہلا نہ کریں  
کسو سے ہم بھی دلی بھر مولا نہ کریں

سخن کے ملک کا میں مستقل میر ہوں میر  
ہزار مدعی بھی مجھ کو وہ دلا نہ کریں

شعر میں نے کچھ کہے بالوں کے سکی یادیں  
سُرخ آنکھیں چشم سے کیوں نہ مجھ پر صبح کو  
یہ تصرف عشق کا ہے رب گنہ ظرف کیا  
عشق کی دیوانگی لائی ہمیں جنگل کی اور  
ویر لگتا ہے گلے تلوار پر وہ رکھ کے ہاتھ  
یہ بنا رہتی سی آتی ہے نظریاں کچھ مجھے

سو غزل پڑھتے پھرتے ہیں لوگ فیض آبادیں  
دیکھی یہ تاثیر شب کی خوشچاک فریادیں  
ایک عالم غم سایا خاطر ناشادیں  
در نہ ہم پھرتے بگولے سے نہ خاک بادیں  
خوبیاں بھی تو بہت ہیں اس ستم ایجادیں  
اچھی ہے تعمیر دل کی اس خراب آبادیں

میر ہم جہہ خراشوں سے کسو کا ذکر کیا  
دسے ہر ہم میں ہیں جو تھے تیشہ فرادیں

درویشوں سے تو اُن نے ضدیں نکالیاں ہیں  
جب سے سینہ تک ہیں کیا کیا خراش تاخن  
جب لگ گئے بھٹکنے رخسار یار و دونوں  
صبح چین کا جلوہ ہندی بتوں میں دیکھا  
درووالم ہی میں سب جاتے ہیں روز و شب  
خیروں نے رنجیت کو دوں رنجیت رہتا یا  
اجماع بلہوس کو رکھ رکھ لیا ہے آگے  
ان لگہ خوں کی قامت لیکے ہے یوں ہو میں  
وہ دزد دل نہیں تہ کیوں دیکھتے ہی عجب کو

ایدھر سے ہیں دعائیں اودھر سے گالیاں ہیں  
گو یا کہ ہم نے منہ پر تلوائیں کھالیاں ہیں  
تب مہرومہ نے اپنی آنکھیں چھپالیاں ہیں  
سندل جہری جبین ہے ہونٹھونکی لالیاں ہیں  
دن اشک ریزیاں ہیں شب زار نالیاں ہیں  
جوں ان دونوں میں باتے ٹر کوئی بالیاں ہیں  
مت جان ایسی بھٹیں جی دینے والیاں ہیں  
جس رنگ سے چلتی پھریوں کی ڈالیاں ہیں  
بلکیں جھکا لیاں ہیں آنکھیں چرالیاں ہیں

اُس آفتاب بن یاں اندھیر ہو رہا ہے	دن بھی سیاہ اپنے جوں راتیں کالیاں ہیں
چلتے ہیں یہ تو ٹھوکر لگتی ہے میسر دل کو	چالیں ہی دلبروں کی سب سے زلیاں ہیں
<p>زقنگاں میں جہاں کے ہم بھی ہیں شع ہی سر نہ دیکھی برباد ہم کو مجنوں کے عشق میں مت دیکھ جس چمن زار کا ہے تو گل تر نہیں مجنوں سے دل قوی لیکن بوسہ مت دے کسو کے در پہ نسیم گو شب اس در سے در بہروں پھریں وجہ بیگانگی نہیں معلوم مرگے مرگے نہیں تو نہیں اپنا شیوہ نہیں کچی یوں تو</p>	<p>ساتھ اس کا رداں کے ہم بھی ہیں کشتہ اپنی زباں کے ہم بھی ہیں ننگ اس خاندان کے ہم بھی ہیں بلبل اُس گلستاں کے ہم بھی ہیں یار اُس ناتواں کے ہم بھی ہیں خاک اس آستاں کے ہم بھی ہیں پاس تو پاساں کے ہم بھی ہیں تم جہاں کے ہو داں کے ہم بھی ہیں خاک سے منہ کوڑھانے ہم بھی ہیں یار جی ٹیڑھے بانے ہم بھی ہیں</p>
اس سرے کی ہے یار سالی میسر	معتقد اس جواں کے ہم بھی ہیں
<p>نئی گردش ہو اُس کی ہر زماں میں ہو اتن ضعف سے ایسا کہے تو کہا میں درد دل یلا گ اگلی متاع حسن یوسف سی کہاں اب بلائے جاں ہے وہ بڑ کا پر نیراد بہت نا آشناھے لوگ یاں سے</p>	<p>خلل سا ہے دماغ آسماں میں کہ اب جی نہی ہیں اس ناتواں میں پھپھوے پڑ گئے میری زباں میں تجسس کرتے ہیں ہر کار داں میں اسی کا شور ہے پیرو جواں میں چلے ہم چار دن رہ کر جہاں میں</p>
ترمی شور و ش بھی بیکل ہو مگر میسر	ملا دی پیس کر بجلی فغاں میں
<p>تبع کی نوبت کب پہونچے ہے اپنے جی کے غارتیں گزرے گرد میں ہو کر تو ایک نگاہ ضروری ہو</p>	<p>عاشق زار کو مار رکھے ہے ایک بار کی اشارت میں کچھ کچھ تیرے غم نے لکھا ہو اگر داں کی عمارت میں</p>

سو کھ کے میں تو عشق کے غم میں کس مثال حقیر ہوا  
ایک بگولا ساتھ مجھے بھی تربت تیس پہ لے آیا  
دل کو آگ اکدم میں دیدی اشک ہوئے چنگار سے  
تسخ جو تھا دیدار بتاں کا منکر ایسا تھا معذرا

خط و کتابت ایک طرف ہو ذکر لکھ لکھ بھیجے میر  
کہیے کچھ جو ہر سر قلم کی کوتاہی ہو سفارت میں

ترہی بلکیں چھتی نظریں بھی ہیں  
رہے پھرے وریا میں گرداب سے  
کہاں سے کہ مجنوں بھی ہم سا ہی تھا  
نہ بھو لونز اکت لچک ہی نہیں  
جھک سطح رخ کی سی اسکی کہاں  
دل و دلی دونوں اگر میں نہ رہا

یہ کانٹے کھٹکتے جگر میں بھی ہیں  
وطن میں بھی ہیں ہم سفر میں بھی ہیں  
غلط سے شواہب نظر میں بھی ہیں  
پتھری خنجر اسکی کمر میں بھی ہیں  
صفاء و ضیا تو گھر میں بھی ہیں  
یہ کچھ لطف اسل جڑے گھر میں بھی ہیں

چلو میر کے تو تجسس کے بعد  
کہ دے وحشی تو اپنے گھر میں بھی ہیں

نہ کر شوق کشتوں سے جانے کی باتیں  
سماجت جو کی بوس لب پر تو بولا  
زبانیں بدلتے ہیں ہر آن خوباں  
نظر جب کرو زیر لب کچھ کہے ہے  
سہی جائے گالی اگر دوستی ہو  
ہمیں دیر دیکھے سے کیا گفتگو ہے  
بگڑ بھی چکے یا رستے ہم تیارو  
کیا سیر کل میں نے دیوان مجنوں

نہیں آتیں کیا تجھ آئے کی باتیں  
نہیں خوب یہ مار کھانے کی باتیں  
یہ سب کچھ میں بگڑے زمانے کی باتیں  
کہو یا رستے آستانے کی باتیں  
بڑی بھی بھلی ہیں لگانے کی باتیں  
چلی جاتی ہیں یہ سینا نے کی باتیں  
کرد کچھ اب اس سے بنانے کی باتیں  
خوش آتیں بہت دوانے کی باتیں

بہت ہرزہ گولی کی یاں میر صاحب  
کرد و ہاں کے کچھ کچھ دکھانے کی باتیں

لے داغ سے لوگ کہتے ہیں بناد لی اُچڑ کر لکھنؤ + پر کہاں اسے داغ اس اُچڑے ہوئے گھر کا جواب

<p>خلل مدد و چین میں ہوں مگر زنجیر میں راہیں ہوتا ہر رنگ غنچہ قصیر میں کس سے اپنے چپکے ہنسنے کی کرول قمر میں عشق کی تو ہے جوانی ہو گئی گویا میں وہ شکر ہے مقرر اور بے تقصیر میں لکھی بس اس بے سرائت نالے کی تاثیر میں</p>	<p>کیا کروں سودا الی اسکی زلف کی تدبیر میں گل تو مجھ حیران کی خاطر بہت کرنا ہے لیک رو بردا اسکے گئے خاموش ہو جاتا ہوں کچھ نہ بدن میں دل کی گرمی نے نکا کھی ہو گئی ہو اگر خونریز کا اپنے سبب تو کچھ کھو بیدار معی شور شب سے یار کو دہنی ہوئی</p>
<p>کچھ نہیں پوچھا ہے مجھ سے جز حدیث رو یار کچھ بلبل کے نگاہوں باغ میں جب میسر میں</p>	<p>کچھ نہیں پوچھا ہے مجھ سے جز حدیث رو یار کچھ بلبل کے نگاہوں باغ میں جب میسر میں</p>
<p>ہم کچھ نفس میں ہیں دل سینوں میں جلتے ہیں کچھ دل بھی سنہلتے ہیں سرور سنہلتے ہیں اب دیدہ تر اکثر دریا سے اُبلتے ہیں افسوس ہاتھ کو اب بیاہی ملتے ہیں ہم اتنی سحر نہیں پوچھتے ہیں تب کوئی نہیں سمجھے کیا نعل اُگلتے ہیں جی لوگوں کے بے جا ناں کس طور پہلتے ہیں پتھر ہیں انھوں کے دل کا ہیکو پگھلتے ہیں</p>	<p>کہتے ہیں ہمارا آئی گل پھول نکلتے ہیں اب ایک سی ہیوشی رہتی نہیں سے ہکو وہ تو نہیں اک جھپٹا رونے کا ہوا گھٹے ان بانوں کو آنکھوں سے ہم ملتے رہے جیسا کیا کہتے کہ اعضا سب پانی ہوئے ہیں اپنے کرتے ہیں صفت جب ہم نعل لب جاناں کی گل پھول سے بھی اپنے دل تو نہیں لگتے ہاک ہیں نرم صدم کو نہ کہنے کے تنہیں درنہ</p>
<p>سے گرم سفر یاراں جو ہے سو سرور ہو چورہ سگورہ جاؤ اب میسر بھی جلتے ہیں</p>	<p>سے گرم سفر یاراں جو ہے سو سرور ہو چورہ سگورہ جاؤ اب میسر بھی جلتے ہیں</p>
<p>وے ہما سہل جو دیتے ہیں خیر یار نہیں دوستی رنگ نہیں عیب نہیں عار نہیں قدر کیا اپنی ہیں اس لیے تکرار نہیں کب گل ہیں ترے سب کچھ ہو پیار نہیں بد زبان تھے اس منہ پہ سزاوار نہیں تو کسی زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں کیا ہر زنجیر نہیں دام نہیں مار نہیں</p>	<p>دل عجب جنس گراں قدر ہے بازار نہیں کچھ تمھیں ملنے سے بیزار ہو میرے درنہ ایک دو بات کبھو ہم سے کہو یا نہ کہو مازدا نداد اعشوکہ و انعام و حیا صورت آئینہ میں دکھ کچھ تو کیا صورت ہے دل کے اُچھاؤ کو کیا تجھ سے کہوں تو صبح اُسکے کاسل کی پہلی کہو تم بوجھے میسر</p>

<p>چمکنا برق کا کرتا ہے کار تیغ اجسراں میں بھرے رہتے ہیں سارے بھول ہی جبکہ گریباں کہیں شام و سحر رو یا تھا مجنوں عشق لیلے میں خیال یار میں آگے ہے یک مہ یارہ یاں ہر دم رکھا عرصہ جنوں پر تنگ مشتاقوں کی دوری سے جہاں سے دیکھیے اک شعر شور انگیز نکلے ہے جو دیکھو تو نہیں یہ حال اپنا حصّہ سے خالی خرابی آگئی دیں میں گئی ملت اُسے دیکھے نکل آتا ہے گھر سے ہر گھڑی تنگے بدن باہر ستم کے تیرا کے میرے سینے میں بہت ٹوٹے</p>	<p>برسنایندھ کا دافل ہے اُس بن تیر باراں میں وہ کیا جانے کہ ٹکڑے ہیں ٹکڑے کے میرے دہاں میں ہنوز آشوب و نون وقت رہتا ہے بیا باں میں اگر بحر میں نہانی ہوں یہ نہیں دوسفستان میں کسے مارا ہے اُس تھپتے نے سنگھ ہو کے میداں میں قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں دک الماس کی سی عورتاں چشم حیراں میں سے سے اُسکے رخنے پر گئے لوگوں کے آیاں میں برایہ آپڑا ہے عیب اس آسائش جباں میں کیا جاتا ہے مشکل فرق بال در پکیاں میں</p>
---	--

لو اے ابر میں کیا میرا متنا باغ میں وہ تھا  
گرمی پڑتی ہے بجلی آج کچھ صحن گلستاں میں

<p>تھا شوق مجھے طالب دیدار ہوا میں جب دور گیا قافلہ تب چشم ہوئی باز اب پست و بلند ایک ہی جوں نقش قدم یا کب ناز سے شمشیر تھم آنے نہ کھینچی باز ارفا میں سر سودا تھا بھوں کو ہشیار تھے سب ام میں آئے نہ ہم آواز کیا چیتنے کا فائدہ جو شب میں چیتا تم اپنی کہو عشق میں کیا پوچھو میری اُس نرگس مستانہ کو دیکھیے ہوئے برسوں</p>	<p>سو آئینہ سا صورت دیا رہوا میں کیا پوچھتے ہو دیر خیر ہوا میں یا مال ہوا خوب تو ہموار ہوا میں کب ذوق سے مرنے کو نہ تیار ہوا میں پر زنج کے جی ایک خسریدار ہوا میں تھی رفتگی سی مجھ کو گر فہار ہوا میں سوئے کا سماں آیا تو بیدار ہوا میں غظمت گئی رسوائی ہوئی خواہ ہوا میں افراط سے اندوہ کی بیسار ہوا میں</p>
---	---

رہتا ہوں سد امرے کے نزدیک ہی اب میر  
اس جان کے دشمن سے بھلا یار ہوا میں

<p>جلا از بس تمہارے طور سے اے جانہ زیبا ہوں سرخ و سفید کس کو خیال زلف میں اُس کے</p>	<p>بھروسہ کیا ہے میرا میں چراغ زہرا ہوں سنگ میں جو بکھر جاتا ہوں میں خاطر پریشان ہوں</p>
--	--

<p>و یا لڑکوں کو دل میں نے قیامت میں بھیجا داؤوں          ہرے انداز سے ظاہر ہے میں اس رو کا حیرانوں          ہرنگ ابر قبلہ آج میں شدت سے گریبانوں          ہلاہلوں قلندہ ہوں شوب ہوں فتنہ طوفانوں</p>	<p>کس ن سالی میں شاید بازیاں کا سیکو زیبا تھیں          کبھو خوشید و نہ کو دیکھ رہتا ہوں کبھو گل کو          کسو کی یاد رو میں اشک آنکھوں سے نہیں تھمتے          بجا جتنک نہیں کرتا ہوں تب تک خیر ہے ورنہ</p>
<p>بحال سنگ پھر کب تک کروں یوں سے کو چہ میں          خجالت کھینچتا ہوں میرا آخر میں بھی انساں ہوں</p>	
<p>جس سے دل آگ چشم آب ہو میاں          ہم میں اُس میں ابھی حجاب ہو میاں          حافیت ایک دن حساب ہو میاں          یاں عجب ایک انقلاب ہو میاں          دل کو اپنے تو پیچ و تاب ہو میاں          ناز نہ چشم ہے غتاب ہو میاں          کس کو اس بن شراب ہو میاں          جاگنا یہ نہیں ہے خواب ہو میاں          شاید او دھر سے اب جواب ہو میاں          جی کو بھی روز اضطراب ہو میاں</p>	<p>عشق وہ خان و ماں خراب ہو میاں          تن میں جتنک ہو جاں تکلف ہے          کسو نہیں میں کسو شمار میں یاں          گو دماغ و جگر کہاں وہ قلب          زلف بل کھار ہی ہو گو اُس کی          لطف و مہر و فادہ کیا جانے          لو ہو اپنا پیوں ہوں چپکا ہوں          چشم وایاں کہ چشم نسیمل ہے          نقشہ سے کچھ بولتا نہیں قاصد          دل ہی اپنا نہیں فقط بے چین</p>
<p>چاہیے وہ کسے سو لکھ رکھیں          ہر سخن میں کتا کتاب ہو میاں</p>	
<p>کسو سے شہر میں کچھ اختلاط مجکو نہیں          اب اپنی جان کا کچھ احتیاط مجکو نہیں          دل و دماغ گنہ از صراط مجکو نہیں          س اپنے جینے سے کچھ انبساط مجکو نہیں</p>	<p>گر فتنہ دل ہوں سرارتباط مجکو نہیں          جہاں ہر تیغ بکف کوئی سادہ جا لکنا          کرے گا کون قیامت کو رسیاں بازی          جسے ہو مرگ سا پیش استحا کہ نوں کرے</p>
<p>ہوا ہوں فرط اذیت سے میں تو سن اویسر          تیز رنج و خیال نشاط مجکو نہیں</p>	
<p>خاک سی ٹھہر پر مرے اسوقت اڑ جاتی ہو میاں</p>	<p>بوش غم اٹھنے سے اک نہ بھی چلی آتی ہو میاں</p>

<p>سل تو پتھر کی نہیں خرمی چھاتی ہے میاں          آنکھ میری اس سبب سے شرماتی ہے میاں          شمع مجلس میں کھڑی اپنے تئیں کھاتی ہے میاں          ایک دو گلبرگ جب بادِ سحر لاتی ہے میاں          خوش نوا مرغ گلستاں رند باغاتی ہے میاں          جان میری تن میں کسی کسی گھبراتی ہے میاں          یہ کجی اس تیغ کی تو جو ہر ذاتی ہے میاں</p>	<p>پڑ گئے سوراخ دل کے غم میں سینے کو طے          میں حیا والا ہوا رسوائے عالم عشق میں          رشک اُسکے چہرہ پر نور کا ہے جاں گداز          آگ غیرت سے نفس کو دوں ہوں چاروں ورے          ہے حزن لایرین اس کا غم طغیور سا          کیا کہوں منہ تک جگر آتا ہے جب کرتا ہوں          اسکی ابرو ہے کشیدہ خم ہی رہتی ہیں سدا</p>
<p>نکات اس اوباش کی ہیں کیونکہ بریں میر ہم          ایک جھڑٹ نال کا اک نال کی گاتی ہے میاں</p>	<p>چنگاریاں گرے ہیں جب پلکیں ملتیاں ہیں          آنکھیں ملا کے اُس سے ٹک دیکھو حال دل کا          ہم تو بھی فصل گل میں چل ٹک تو پاش پھیں          نہ کہ روخت رز کا کیا شیخ رہ گزریں</p>
<p>روئے سے تب تو میرے پچھ آنکھیں چلتیاں ہیں          دے آنکھیاں جیوں کو اپنی تو ملتیاں ہیں          سر جوڑ جوڑ کیسے کلیاں نکلتیاں ہیں          اس سے ابھی ہماری باتیں ہی چلتیاں ہیں</p>	<p>دیکھیں تو میر کیا ہو بیوقوفی سے حالت          اب تو بدیر جا میں اپنی منبھلتیاں ہیں</p>
<p>جھلک سی مارتی ہے کچھ سیاہی داغِ محراب          کہوں کیا اتفاق ایسا بھی ہو جاتا ہے دنیا میں          ٹھہرنا برق سا اپنا ہے ہو چکنا ہی اس جا میں          تفاوت ہے مرے مجموعہ و عقدِ شریا میں          بعینہ راہ اندھا سا چلا اس کی منہا میں          لکھی تصویر تو زنجیر پہلے کھینچ لی پامیں</p>	<p>ہمارا آئی کھلے گل پھول شاید باغِ صحرا میں          نفاقِ مردان عاجز سے ہے زعمِ تکبر پر          نموداری ہماری بے کلی سے ایک چٹمک ہنسی          سخن و س باخیاں ہیں حج کس حسنِ لطافت سے          کنواں دیکھنا نہ کوئی غار میں شوق کے مارے          بہت تھا شور و خشت سر میں میرے توج نے میرے</p>
<p>جدائی کے عقب کھینچے نہیں ہیں میر راضی ہوں          جلاوین آگ میں یا منجھ پھینکیں قدر دریا میں</p>	<p>شہروں ملکوں میں جو یہ میر کہا ہے میاں          عالمِ آئینہ ہے جس کا وہ مصور بے مثل</p>
<p>دیدنی ہے یہ بہت کم نظر آتا ہے میاں          ہائے کیا صورتیں پردے میں بناتا ہے میاں</p>	<p></p>



قسمت اس نرم میں لائی کہ جہاں کا ساقی ہو کے عاشق ترے جان و دل دوں کھو بیٹھے حسن اک چیز ہے ہو دین کہ تو ہو ناصح بھگڑ اس حادثے کا کوہ گراں سنگ کو بھی	دے ہے مے سب کو ہمیں نہ رہتا ہے میاں جیسا کرتا ہے کوئی ویسا ہی پاتا ہے میاں ایسی شے سے کوئی بھی ہاتھ اٹھاتا ہے میاں چوں پرکاش اڑائے لیے جاتا ہے میاں
---	--

لیا پری خواں ہے جو راقوں کو جگا دے ہر صبح شام سے دل جگر و جان جلاتا ہے میاں
--

جائے ہے جی نجات کے غم میں نزع میں میری ایک دم ٹھہرو معل ہم چھاتیوں یہ جڑ کے پھرے ہے بہت جیب چاکی ہی جوں صبح پر کے تھی بیکی تقس میں بہت آپ میں ہم نہیں تو کیا ہے عجب	ایسی جنت گئی جسم میں م ابھی ہیں یہ زراک دم میں لپٹے خوں گشتہ دل کے نام میں کیا کیا جائے فرصت کم میں دیکھیے اب کے گل کے موسم میں دور اس سے رہا ہو کیا ہم میں
--	--

بیخودی پر نہ میر کی جاؤ تم نے دیکھا ہے اور عالم میں
--

✓ جس کا خواباں خیال لیتے ہیں کیا نظر گاہ ہے کہ شرم سے گل دیکھ اسے ہو ملک سے بھی نفرت کھول کر بال سادہ رو لڑ کے تین کھینچے ہیں جب یہ خوش ظاہر دہراں نقد دل کو عاشق کے	دل کلیجہ نکال لیتے ہیں سر گریباں میں ال لیتے ہیں ہم تو دل کو سنبھال لیتے ہیں خلق کا کیوں وبال لیتے ہیں ماہ و خور منہ پہ ڈھال لیتے ہیں جان کر اپنا مال لیتے ہیں
---	---

ہیں گدا میر بھی دے دو جہاں کر کے ایک ہی سوال لیتے ہیں
--

دور اس سے جی چکے ہیں ہم اس روز گاریں داغوں سے بھر گیا ہے مرا سینہ نگار کیا اعتبار طائر دل کی ترپ کا اب	ن آج کا بھی سا بچہ ہوا انتظار میں گل پھول تو روز زور کھلے اس بہار میں بلوچی سے ہے کچھ حرکت اس شکار میں
--	--

بوسہ لبوں کا مانگتے ہی تم بگڑ گئے  
دل پھیرے ہم سے خانہ مخمّر کے قریب  
اس بکھر حسنِ پاس نہ خنجر تھا کل نہ تیغ  
چلتا ہے ٹھک تو دیکھ کے چل پاؤں سے نفس  
کس کس ادا سے ریتختے میں نے کئے ولیک

ہنٹیری باتیں ہوتی ہیں اتھلاں پیار میں  
ٹھک پہونچتا ہی ہے شکنجہ لب یار میں  
میں جان دی ہے حسرت بوسہ کنار میں  
آنکھیں ہی کچھ گئی ہیں تری رگزار میں  
سمجھانہ کوئی میری زبان اس دیار میں

ترطیپے ہے متصل وہ کہاں ایسے روز و شب  
ہے فرق پیار برق و دل بقیار میں

کیسی وفا و الفت کھاتے عبت ہو تمہیں  
ساون تو ابکی ایسا برسا نہیں جو کہئے  
گھیر کے یوں لگے ہر سینے میں دل ترطیپے  
جا نکاہ ایسے نالے لوہے سے تو نہ ہوویں  
اب غری سے دیں ہیں ساری گدیں کھائی  
اے ابرہم بھی برسوں روتے پھرتے ہیں

مدت ہوئی اٹھاویں گئے یہ ساری رسمیں  
روتا رہا ہوں میں ہی دہرات اس برس میں  
جیسے استرازاہ بیتاب ہو نفس میں  
بیتاب لکسو کار کھا ہے کیا چرس میں  
پر عشق بھر رہا ہے ایک ایک میری سس میں  
دریا بندھے پڑے ہیں آدی کے خاروں میں

کیا میسر بس کر کے ہے اب زاری آہ شب کی  
دل آگیا ہے اس کا ظالم سو کے بس میں

روتے ہیں نالہ کش ہیں یارات دن جلے ہیں  
جوں دو دگر گزری سب تیغ و تاب ہی میں  
مزا ہے خاک ہونا ہو خاک اڑتے پھرنا  
کس دن چین میں یارب ہوگی صبا گل افشاں  
جب یاد آگئے ہیں پائے حنائی اُسکے  
تھا جو مزاج اپنا سو تو کہاں رہا ہے  
کچھ وہ جو کچھ رہا ہے ہم کانپتے ہیں ڈر سے  
اک شور ہی رہا ہے دیوانے پن میں اپنے  
پست و بلند دیکھیں کیا میسر پیش آئے

ہجران میں اُس کی ہم کو بہتیرے مشغلے ہیں  
اتنا ستانہ ظالم ہم بھی جلے بلے ہیں  
اس راہ میں ابھی تو درپیش مر حلے ہیں  
کتنے شکستہ پر ہم دیوار کے تلے ہیں  
افسوس سے تب اپنے ہم ہاتھ ہی ملے ہیں  
پر نسبت اگلی تو بھی ہم ان دنوں نھلے ہیں  
یاں جوں کمان گھر میں ہر وقت زلزلے ہیں  
زنجیر سے ملے ہیں گر کچھ بھی ہم ملے ہیں  
اس پشت میں ہم اب تو سیلاب چلے ہیں

لے لا اعلیٰ آہستہ خرام بلکہ خرام : زیرِ قدمت ہزار جان ست

	<p>لگی ہے آگ اک میرے جگر میں جدا رہتے ہیں ہم سے ایک گھر میں قیامت کلم ہوئی اس شور و شر میں رہے بر حیدرہ دامن اس سفر میں اثر ہوتا اگر آہ سحر میں کٹاری تو نہ تھی اُس کی کمر میں</p>	<p>شر سے اشک ہل جھٹم تیریں نگین عاشق و معشوق کے رنگ بلا ہنگامہ تھا کل اُسکے در پر بگولے کی روش و حشر زدہ ہم سہاں یاں سانچہ کا سا ہونہ جاتا لچکنے ہی نے ہم کو مار رکھا</p>
<p>رہا تھا دیکھ او دھیر پیر چلتے عجب اک نا اُسیدی بھی نظر میں</p>		
	<p>لگ اٹھتی آگ سب ارض و سما میں وگر نہ مصر سب ملتا بہا میں نہ کی تقصیر اُن نے تو جفا میں سر و دل کس کو ہے عشق خدا میں کھینچے لوہوں بہتیر کے جا میں سبک پائی نہ ہوتی گر صبا میں ہم اپنے محو ہیں ذوق فنا میں تم آ کر پوچھ لو شہر و فایاں قیامت آتی ہے اُسکی اداس میں وطن دل میں کیا ہو کس بلایاں</p>	<p>اثر ہوتا ہماری گرد و عبا میں نہ اٹھا ہائے ٹک یوسف کا مالک تصور اپنی ہی طول عمر کا تھا سرخ شقائق ہیں بند کپے سب گ کفن کیا عشق میں نے ہی اپنا پیام اُس گل کو اُسکے ہاتھ دیتے جیو خوش یا کوئی نا خوش ہیں کیا ہمیں فریاد و مجنوں جس سے چاہو سر پاپسی اداؤ ناز ہے یار بلا زلف سیاہ اُسکی ہے بزیج</p>
<p>ضعیف ذرا رنگی سے ہیں ہر چند لیکن میرا طے ہیں ہوا میں</p>		
	<p>خدا نہ ندے اُنکو جو سر کھچا میں ابھی دیکھیں اُنکھیں بہیں دکھائیں</p>	<p>نچیں جہم عاشق اگر دست پائیں چھیننے لگا خوں تو جائے شربک</p>
<p>۱۵ یہ شعر اسی بحر اور اسی ردیف و قافیہ کی غزل میں دیواں دم میں اس طرح دیکھا گیا ہے ۵ کفن میں ہی نہ پہنا وہ بدن دیکھ ۵ کھینچے لوہوں بہتیر دل کے جا میں ۵ اسی طرح مطلع کا پہلا مصرع اُس غزل میں دوسرا مصرع ہے اور شعر اس طرح ہے ۵ اٹھاتے ہاتھ کیوں نو مید ہو کر ۵ اگر پاتے اثر کچھ ہم دعا میں ۵ + ۱۲</p>		

<p>مرا جی ہی کرنے لگا سائیں سائیں ہم اپنے تئیں آدمی تو بنائیں جو ہو اختیار سی تو او دھرنہ جائیں طلب کرے بوسہ تو باتیں بنائیں کہاں اتنی طاقت کہ منت اٹھائیں فراموش کار اپنے کو تا دکھائیں</p>	<p>رہیں کس کو سانس ہی کہ اب ضعف سے خدا ساز تھا آذر بیت تراش چلایا رکی اور جاتا ہے جی جگر سوز ہیں اس کے لعل خموش ہیں بے نیازی نے بٹھلا دیا کہیں دیکھے وہ بید مجنوں کہ ہم</p>	
<p>کہیں مہر عشق مجازی ہے بد حقیقت ہو معلوم گر دل لگائیں</p>		
<p>بارے سب راز سے تو گزرتے مجھے پہنائیں بخودی آئی اچانک ترے آجائے میں سدھ بھی کچھ ہو نہ تھی جانے کے گھبرانے میں دیر کچھ اتنی قیامت کے نہیں آنے میں</p>	<p>ابھی ماہ رمضان دیکھا تھا پیالے میں جیسے بجلی کے چمکنے سے سو کی سدھ چلے وہ تو بالیں تیں آیا تھا ہمارے لیکن آج سنتے ہیں کہ فردا وہ قد آرا ہوگا</p>	
<p>حق جو چاہے تو بندھی بھی چلا جاؤں گا مصلحت دیکھی نہ میں ہاتھ کے پھیلانے میں</p>		
<p>سوراج پڑ گئے جگر عندلیب میں دیکھیں تو ہم بھی کیا ہے ہمارے نصیب میں ڈر ہر قدم ہے عشق کی راہ غریب میں اکثر جنھوں کا ہاتھ ہو دست طبیب میں</p>	<p>میں ناکش تھا صبح کو یاد حبیب میں سر راتے ہیں سنگ سے فراد کے سے رنگ جانے کو سوئے دوست سا فر ہوئے ہی ہم کیا رزق کال کے ہاتھ سے ہو گئے انکے پاؤں</p>	
<p>دل خستہ چشم بستہ و روز و شب گرد حیرت ہو ہم کو میر کے حال عجیب میں</p>		
<p>ہو تخت کچھ دماغ تو پھر بادشاہ ہیں ہم دل کباب پردے میں سرگرم راہ ہیں ہم کشتنی ہیں واقعی گرے گناہ ہیں مشرق آفتاب ہیں عشاق ماہ ہیں</p>	<p>ایوں ہی کے تو دل شدہ ہم رو سیاہ ہیں یاں جیسے شمع بزم اقامت نہ گریخاں کہنا نہ کچھ سمجھو کھڑے حسرت سے دیکھنا کہ مہربان ہو دور سے کہ آنکھیں پھیر لیں</p>	
<p>ہم بھی تو میر کشتہ نظر زنگاہ ہیں</p>	<p>آنکھیں ہمارے پاؤں تلے کیوں وہ ملیں</p>	

<p>میں جوں نسیم باد فروش چین نہیں اس رنگ ڈھنگ سے تو ہمارا سخن نہیں خاک رہ اسکا جس کا غیر کفن نہیں دل سے ہے جنگو راہ یہ انکا چلن نہیں صحبت رکھے جو تجھ سے یہ سکا دہن نہیں</p>	<p>محب کو داغ و صف گل یا سمن نہیں کنے لگا کہ لب سے ترے لعل خوب ہے پہونچا نہ ہو گا منزل مقصود کے تئیں ہم کو خرام ناز سے مت خاک میں ملا گل کام آدے ہے ترے منہ کے تار کے</p>
<p>کل جا کے ہمے میر کے ہاں یہ مناجواب مدت ہوئی کہ یاں تو وہ غربت وطن نہیں</p>	
<p>لگ گیا ڈھب تو اسی شوخ سے ڈھب کرتے ہیں روز کہتے ہیں شتم ترک ہم اب کرتے ہیں اور سب یاروں کا ہم لوگ تو سب کرتے ہیں اور ہم لوگ تو سب اہن کا ادب کرتے ہیں حال سن سن کے مرا لوگ عجب کرتے ہیں</p>	<p>ہجرتا چند ہم اب وصل طلب کرتے ہیں روز اک ظلم نیا کرتے ہیں یہ لبسہ اور لاگ ہے جی کے تئیں اپنے اسی یار سے ایک تم کبھو میر کو چاہو سو کہ چاہیں ہیں تمھیں ہوں جو بچال اس اعجوبہ عالم کے لیے</p>
<p>میر سے بحث یہ تھی کچھ جو نہ تھے حرف شناس اب سخن کرتے ہیں کوئی تو غضب کرتے ہیں</p>	
<p>جاتی رہے گی جان سی رہ گزرے یاں ہوتی نہیں نسلی دل اب خبر سے یاں سو تو نہیں ہو حرف شکایت ہنر سے یاں اب گ ہی بکنے لگی ہو جگر سے یاں برسات کی ہو اسے سد ختم تر سے یاں دیکھیں ہیں ہمے پھوٹے تھن نظر سے یاں</p>	<p>مدت ہوئی کہ کوئی نہ آیا دھر سے یاں وہ آپ چلے آئے تو شاید کہ جی رہے پوچھے کوئی تو سینہ خراشی دکھائیے آگے تو اشک پانی سے آجاتے تھے کبھو چپکا کر میں ہیں بلکوں سے بیفا صلہ شرک اے بت گزرنے چشم ہیں مردم نہ ان سے مل</p>
<p>راہ روشن کا ہو دے ٹھکانا تو کچھ نہیں کیا جانے میر آگے تھے کل کو صبر سے یاں</p>	
<p>کس خوش سلیقگی سے جگر خوں کروں ہوں میں بیٹھا آغوش سامنے ہوں ہوں کروں ہوں میں کا ہیکو چشم جانب گردوں کروں ہوں میں</p>	<p>مصرع کوئی کوئی کبھو موزوں کروں ہوں میں بات اپنے ڈھب کی کوئی کرے وہ تو کچھ کہوں اس بن نظر زین سے سی دنی ہے تو۔۔۔ کے</p>

اٹھتا ہے بیدار ہی ہر چند رات کو | افسانہ کہتے سیکڑوں افسوں کروں میں

کب بیدار ہی شہر سے دیتی ہے اٹھنے میسر  
یوں تو خیال وادی مجنوں کروں ہوں میں

ناچند وہ ستم کرے ہم درگزر کریں | اب جی میں ہے کہ شہر سے اسکے سفر کریں  
بے رو سے ایسی بات کہ کر نیک لطف کیا | دُہنہ کو پھر پھر لے ہم حرف سر کریں  
کبتک ہم انتظار میں ہر لحظہ بقرار | ٹھہرے کل نکل کے گلی میں نظر کریں  
فرہاد و قیس کو کہن و دشت گرد تھے | منہ نوچیں چھاتی کوٹیں ہی ہم ہر کریں  
سختی مسلم اس سے جدا رہنے میں دے | سرنگ سے نہ ماریں تو کیونکر بسر کریں  
وہ تو نہیں کہ دکھیں اس آئینہ رد کو صبح | ہم کس اُمید پر شب غم کو سحر کریں

لا دیں کہاں سے خون دل اتنا کہ میسر ہم  
جس وقت بات کرنے لگیں چشم تر کریں

تکیے میں اپنے دل کا ہم غم کیا کریں | درویش کہنے ماقم باہم کیا کریں ہیں  
جب نام دل کا کوئی لے بیٹھتا ہے ناگہ | منہ دیکھ ہر گرا نام کیا کریں ہیں  
سستوں کی بات کیا ہے جو کوئی اسے جاوے | ہم گفتگو نشے میں در ہم کیا کریں ہیں  
حکم فسانہ سازی پیدا کریں ہیں شب کو | افسوں ہم اسکے اور چوہم کیا کریں ہیں

کچھ حال میسر جی کے آتے نہیں سمجھ میں  
ہم بھی سلوک اُن سے اب کم کیا کریں ہیں

### رولف واو

قتل کیے پر غصہ کیا ہے لاش مری اٹھوائے دو | جان سلامت لیکر جاوے کعبہ میں تو سلام کریں  
اسکی گلی کی خاک سبھوں کے دامن ل کو کھینچے ہے | اسکی گز جی لے بھی گیا تو آتے ہیں مرجانے دو  
کرتے ہو تم بچی نظریں یہ بھی کوئی مروت ہے | برسوں پہرتے ہیں جدا ہم آنکھ سے آنکھ ملانے دو  
کیا کیا اپنے نوہوئیں گے دم میں مرینے دم میں چلیں | دل چاہیں میں رہ نہیں سکتا اسکو سوسے بکانے دو  
ابھی بہت ہو شور بہاراں ہم کو مت زنجیر کرو | دل کی ہوس کچھ ہم بھی نکالیں دھو میں ہکو بجانے دو  
عرصہ کتنا سارے جہاں کا وحشت پر جو آجاویں | پالوں تو ہم پھیلاویں گے پرفرصت ہکو پانے دو

<p>دل جو سمجھنا تھا سو سمجھا نا صبح کو سمجھا سے دو صبر کر دیکھ اور بھی صاحب طاقت جی میں نے دو</p>	<p>کیا جاتا ہے اس میں ہمارے سہم تو بیٹھے ہیں ضعف بہت ہو میرے تھیں کچھ سہمی گئی میں مت جاؤ</p>
<p>بات بنا مشکل سا ہو شعر سچھی یاں کہتے ہیں فکر بلند سے یاروں کو ایک ایسی غزل کہ لانے دو</p>	
<p>دانت سناہ بھکیں ہیں اسکے موتی کے سے دانے دو کب فسانہ پیر سے ہوئے یہ بازو کے پروانے دو کب عدا کی شب آئی جو ان نے کیے نہ بہانے دو دل سے اور حکر سے اپنے ہمیں رکھیں میں نشانے دو چار بہر جب منت کرے تب وہ باتیں مانے دو قسمت میں کیا خستہ دلون کے یہی لکھے تھے کھانے دو ایک مدت میں ہم نے بارے چوڑے یہ بچانے دو دیکھیں جہاں محراب میں ان نے طرح کیے پیمانے دو دیکھتے تباہ اسکے ہوئے میں اتویہ دیرانے دو</p>	<p>گردش میں بے دست آنکھیں میں جیسے بھرے پیمانے دو خوب نہیں اسے شمع کی غیرت ساتھ میں بیکانے دو ایسے بہانہ طلب ہے ہم بھی روز گزاری کرتے ہیں تیر شتم آتش میں جاں کا تاو دمسال میر ہونہ ہمیں کس کو دماغ رہا ہے یاں بصدیل سکی اٹھانے کا شم کھا دیں یا غصہ کھا دیں یوں وفات گزرتی ہو خال سیاہ عطر سیاہ ایمان و دل کے رہن سچے عشق کی صنعت مت پوچھو بچوں بچے بھوڑے چشم تباہ رونے سے تو بچو دین کھیں دل کو غموں نے خراب کیا</p>
<p>دشت دیکھو میں میر پھر دم لیکن ایک ادب کے ساتھ کو کہن و مجنوں بھی تھے اس ماجے میں دیوانے دو</p>	
<p>خوں کیا ہے مدتوں اس میں غم بسیار کو کیا غرور میر زانی ہے ہمارے یار کو دلچسپ ہے خورشید اسکے سایہ دیوار کو وجہ جام نے نہ پایا خرقہ دوستار کو سی لیا ہے تو کہنے میں نے لب اظهار کو کیا کروں آئینہ ساں میں حسرت دیدار کو</p>	<p>دوست رکھتا ہوں بہت اپنے دل تیار کو ہرز عزیزاں نہیں یوسف کو لکھتا یہ کبھی جب کہ بواہد میر سے بچلے ہے تو اک حسرت کے ساتھ بو جھ تو اچھا تھا پر آخر گرد رکھتے ہوئے خونچکاں شکوے ہیں دل سے تازیباں میری تصفیے سے دل میں میرے منہ نظر آتا ہو لیک</p>
<p>عاشقی وہ روگ ہے جس میں کہ ہو جاتی ہو یاں اچھے ہوتے کم سن ہو میر اس آزار کو</p>	
<p>یہ کیا روش ہے آؤ چلے ملک اور صحر کبھی ہوتی ہے کوئی کوئی پلک اب تو تر کبھی</p>	<p>تم بن چین کے گل نہیں چڑھتے نظر کبھی دریاسی آنکھیں متی ہی رہتی تھیں سو کہاں</p>

<p>جی جاتے ہے جو اپنے پہ ہوتی ہے مار مار آنکھیں سفید ہو چلی ہیں راہ دیکھتے مذت ہوئی ہے نامہ کنوثر کو لے گئے ہم جستجو میں آنکھی کیے دست و پا بھی گم</p>	<p>جاتے ہیں اس گلی میں کہاں ہم گھر کبھو یارب انھوں کا ہو گا ادھر بھی گزر کبھو آ جاتی ہے کچھ اڑتی سی ہم تک خبر کبھو افسوس ہے کہ آئے نہ وہ راہ پر کبھو</p>
<p>اس نظم کو تھارے دل کے نہایت نہیں ہو اس قصے کو کر دے بھی تم مختصر کر کبھو</p>	
<p>یہ سراسر مونے کی جاگہ نہیں بیدار رہو آپ تو ایسے بنے اب کہ جلے جی سب کا لاگ اگر دل کو نہیں لطف نہیں جینے کا گر چہ وہ گوہر تر ہاتھ نہیں لگتا لیک</p>	<p>ہم نے کر دی ہے خبر تم کو خبر دار رہو ہم کو کہتے ہیں کہ تم جی کے تئیں مار رہو اچھے سلجھے کسو کا کل کے گرفتار رہو دم میں دم جب تئیں ہے اسکے طلبگار رہو</p>
<p>سارے بازار جہاں کا ہو یہی مولے میر جان کو بیچ کے بھی دل کے خریدار رہو</p>	
<p>کرنا شعرا خوب ہے عجز و نسیب ز کو ہجران کی سرگزشت مری گفتنی نہیں جوں شمع سرسٹ ہے بیاں حال کا کیے حیران ہو رہو گے جو ہم ہو چکے کبھی جانکاہ و دلخروش ہیں سائے ترے سلوک صوفی کی پارسائی کی ہے خانقاہ میں دھوم</p>	<p>بے وقار جاتے ہیں دل بے گداز کو کیا کہیے تم سے قصہ دود و دراز کو لانا زباں پہ خوب نہیں دل کے راز کو دیکھا نہیں ہے مرتے کسو عشق باز کو دل ہمتو دیتے کاش کسی دلفراز کو لے چلیے گا کبھو ادھر اس مست ناز کو</p>
<p>ہے دور ادب سے تم ٹھڑے میں پاکشیدہوں مرت آئیو جنازے کی میرے نماز کو</p>	
<p>سراٹ کے ڈلوادیے انداز تو دیکھو کچھ سوچھ نہیں پڑتی تمھیں بے خبری سے اس بت سے نہیں جب تیجیت تو نہیں شب آنکھ مری لگنے نہیں زینتی ہا بل دل ایک ٹڑپنے میں پرے عرش کے پایا</p>	<p>ایاں ہے سب خلق جہاں ناز تو دیکھو ہلک ہویش کی آنکھوں کو کرو باز تو دیکھو یہ ڈول جو ہوتا ہے خسہ ساز تو دیکھو اس مرغ کی بیتابی آواز تو دیکھو اس طائر بے بال کی پرواز تو دیکھو</p>



تصویر سے چہرے یہ یہ پرواز تو دیکھو	کی زلف و خط و خال نے ایک اور قیامت
سب میر کو دیتے ہیں جگہ آنکھوں پہ اپنی	اس خاک رہ عشق کا اعزاز تو دیکھو
کب ہے ویسی مواجہہ کر لو جی ہے مرنے کو تو چلو مر لو یہ وبال اپنے کوئی سریر لو عمر کے دن کسی طرح بھر لو	اُرسی اُس کے سامنے دھر لو اُس کی تیغ ستم بلبند ہوئی درپے غول ہیں میرے خورد و کلاں کچھ طرح ہو کہ یہ طرح ہو حال
کیا بلا خیز جا ہے کو حیر عشق	تم بھی یاں میر مولیٰ کھر لو
تب کسی نا آشناے مہر سے الفت کرو عذر چاہو بدیر تک مدت تلک منت کرو نقش آسماں کھینچ رکھنے کی کوئی صورت کرو اپنی پرچھائیں سے بھی جوں خاموشی و حشمت کرو جوں ہی جانیٹھے لگا کھنے انھیں حصمت کرو کوہکن کے طور سے جی توڑ کر محنت کرو	کھینچنا رخ و قعب کا دوستاں عادت کرو روٹھ کر فنا نہیں شمع یوں کیوں نہ کوئی کب تک لے صورت نگراں حیراں پھروں بونے بار عش اگر ان نو خطاں شہر سے منظور ہے کچھ نہ پوچھو صحبت ویر و زہ کی کم فرصتی عشق میں کیا دخل ہے نازک فراجی سے نہیں
پہلے دیوانے ہوئے پھر پیر آخر ہو گئے	بہم نہ کہتے تھے کہ صاحب عاشقی تم مت کرو
وقف اولاد ہے وہ بانغ تو غم کا ہے کو چلتے پھرتے رہتے تب تیں ہم کا ہے کو رحم موقوف کیا ہے تو ستم کا ہے کو اپنے نزدیک ہیں دے دست قلم کا ہے کو مرتے اس خواری سے تو صید حرم کا ہے کو کھاتے ہو ویرہ در آئی سے قسم کا ہے کو رکھتے ہو ایسی جگہ تم تو قدم کا ہے کو	بہر فردوس ہو آدم کو الم کا ہے کو کہتے ہیں آویگا اید صر وہ قیامت رقتا رہ یہ بھی اک ڈھب ہے نہ ایذا نہ کسو کو رحمت نرگس آن آنکھوں کو جو لکھ گئے نابینا تھے اُسکی تیار سے گرجاں کو رکھتے نہ عزیز چشم پوشی کا مری جان نہیں لپکا ہے میری آنکھوں پہ رکھو پانڈوں تو ادھیں
لے جالبہ ساتی بیار بارہ کہ از دودہ جہم بہ راں پس رسد بہشت کہ میراث آدم است	

دلو کہتے ہیں کہ اس گنج ردا کا گھر ہے	اس خرابے میں کرے ہے وہ کرم کا ہے کو
شور نے نام خدا ان کی بلا سمجھنی	میر سہ کوئی عالم میں علم کا ہے کو
غریب شہر خوباں ہوں مرا کچھ حال مت پوچھو دل صد پارہ کو پیوند کرتا ہوں جدائی میں جگر جل کے ہوا ہے کو نامہ بیتاب تو بھی ہوں تعجب ہے کہ دل اس گنج سرگشتہ میں رہتا ہے	ہو اچی زلف و کاکل کے لیے جنجال مت پوچھو کرے ہے کہ نہ نسخہ وصل جوں حاصل مت پوچھو طیش سے دل کی میرے سر پہ جھال مت پوچھو خرابے جس سے یہ باتیں مال مال مت پوچھو
لگا جی اسکی زلفوں سے بہت ہم میر بھتیلائے	ہو اسے مدعی ایک ایک اپنا بال مت پوچھو
بارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو عشق پیچے کی طرح حسن گرفتاری ہے ہکودیا انکی شہروں ہی میں خوش آتی ہے وہ گراں خواب جو ہے ناز کا اپنے سو ہے	ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو لطف کیا سرو کے مانند اگر آزار رہو دشت میں قیس رہو کوہ میں فسر یاد رہو داد میدا درویش کو کہ فسر یاد رہو
میر مل کے بہت خوش ہوئے تھے پیالے	اس خرابے میں مری جان تم آ بار رہو
زلفوں کو میں چھو ا سوغے ہوئے کھڑے ہو منہ پھیر پھیر لو ہر بات میں ادھر سے نرمی مخالوں سے سختی موافقوں سے لجاؤ منہجوں سے تو ڈاڑھی ہو تبرک	یہ بات ایسی کیا ہے جس پر الجھ پڑے ہو یاں کس ستم زدہ سے آزر دہ ہو لڑے ہو داں موم سے بنے ہو یاں لہے سے کڑے ہو ہر چند شیخ صاحب تم پوڑھے یا بڑے ہو
ہوتے ہیں خاک رہ بھی لیکن نہ میر ایسے	رستے میں آدھے دھڑٹیک مٹی میں تم گرے ہو
زخموں پہ اپنے لون چھڑکتے رہا کرو کیا آنکھ بند کر کے مراقب ہوئے ہو تم موقوف ہرزہ گردی نہیں کچھ قلندری ہر چند اس متابع کی اب قدر کچھ نہیں	دل کو مزے سے بھی تو تنک آشاکرو جاتے ہیں کیسے کیسے سہیں چشم واکرو زنجیر سرائے کے زنجیر پا کرو پر جس کسو کے ساتھ رہو تم ذفا کرو

<p>تدبیر کو مزاج محبت میں دھل گیا          طفلی سے تم نے لطف و غضب مختلط کیا</p>	<p>جہاں کاہ اس مرض کی نہ کوئی دوا کرو          طمک ہر کو جہاں کرو غصہ جہاں کرو</p>
<p>بھیجے ہو میرے ہونے کے در کعبہ پر فقیر          اس رو سیہ کے باپیں بھی کچھ دعا کرو</p>	
<p>سر پہ عاشق کے نہ یہ روزیہ لایا کرو          تاب نہ کی تاب کب ہے ناز کی سے یار کو          گرچہ شان کفر ارفع ہے دے لے رہا ہاں          شوق سے دیدار کے بھی آنکھوں میں آگیا          کوہکن کی ہو قدم گاہ آخر اے اہل وفاق          فرق یار و غیر میں بھی اے تباں کچھ چاہیے</p>	<p>جی اُٹھتا ہے بہت مت باں سلجھایا کرو          چاندنی میں آفتابی کا گھر سا یا کرو          ایک دو ہم سوں کو بھی زنا رہا بندھو یا کرو          اس سہیں میں دیکھنے ہو بہت آ یا کرو          طوف کرنے بے ستوں کا بھی کبھی جا یا کرو          اتنی ہٹ دھرمی بھی کیا انصاف فرما یا کرو</p>
<p>کب میسر نس کے منہ کا دیکھنا آتا ہے میر          پھول گل سے اپنے دل کو تم بھی بہلا یا کرو</p>	
<p>کہتا ہے کون میر کہ بے اختیار رو          پایا گیا وہ گوہر نایاب سہل کب          کام آسکے لبت کے ہے فحشہ بنت العنسیہ کیا          سنتے نہیں کہے جو نہ کہیے تو دم زور کے          مشر ہے بے داعی یہ مطلق نہ بولنا          کرنا جگر ضرور ہے دل دادگاں کو بھی          اے غافلان دیر یہ کچھ راہ کی ہے بات          گردش میں جو کوئی ہو رکھے اس سے کیا آہ</p>	<p>ایسا تو رو کہ رونے یہ تیرے ہنسی نہ ہو          نکلا ہے اُسکو ڈھونڈھنے تو پہلے جان کھو          ہے اب زندگی بھی تو لیجائے مردہ شو          کچھ پوچھیے نہ قصہ چار ہے گو گو          ہم دین تمھیں دعا ہیں تم گالیاں تو دو          وہ بولتا نہیں تو تم آپ ہی سے چھڑ لو          چلنے کو قافلے ہیں یہاں تم رہے ہو سو          دن رات آپ ہی حیرت میں ہو آسمان تو</p>
<p>جب دیکھتے ہیں بانوں ہی دابو ہوا اسکے میر          کیوں ہوتے ہو ذلیل تم اتنا تو مت دبو</p>	
<p>رگھومت سر چڑھائے دلور کے گوندھے بالو</p>	<p>کھلانا کھیلنا مشکل بہت ہے ایسے کالوں کو</p>
<p>سہ میہ تھی سہ میں میر ترک لے کر دنیا سے ہاتھ اٹھایا : درویش تو بھی تو ہے حق میں مرے دعا کر          " " " اک وقت خاص حق میں مرے کچھ دعا کرو : تم بھی تو میر صاحب و قبلہ فقیر ہو</p>	

اتھی سبز ٹھیکو باغ خوبی کے تہا لوں کو  
 نہ ہم دو چار بیٹھے دل شکستے اپنے خالوں کو  
 تبرک کرتے ہیں کانٹے مرے پاؤں کے چھالوں کو  
 نہیں فسوس نکھیں بے حقیقت پھول دالوں کو  
 بہت آئینہ سے تو ربط ہو صاحب جمالوں کو  
 تفکر اس گھر کا کھا گیا نازک خیالوں کو  
 کبھو جنگل میں لے چلیے سگان شہری غزالوں کو

اڑا باغ نے ایسے سوکھے پتوں کی روش ہم کو  
 جہاں کچھ کھا کرتے ہیں اس کے عشق کے غم میں  
 نہ چشم کم سے مجھ درویش کی آوارگی دیکھو  
 کرے ہے جبہ بلب غش سو پاس حفس کی قیمت  
 دل عاشق کو رو کیا جانوں خوابا کیوں نہیں دیتے  
 یہی کچھ دہم سے ہر سہل کب آئے قیاس نہیں  
 نہ ایسی طرز دیدن ہو نہ ہر نوں کی یہ جیتوں ہے

کوئی بھی اس طرح سے اپنے جی پر کھیل جاتا ہو  
 مگر باز کچھ سمجھے میر عشق خور دسا لوں کو

جیسے مصاحب برکی ہوتی ہے کوئی باؤ  
 گر میری سرد آہوں کا واں ہو گیا جماؤ  
 خوں ہی ہوا کیے ہیں مے دل میں سائے چاؤ  
 ابروؤں سے جا کے کوئی پانی پیو تو آؤ  
 اس چشم بخرنوں کے کبھو دیکھیں چڑھاؤ  
 ٹک ٹکھو تو دکھاؤں تمھیں چھاتیوں کے گھاؤ  
 ان منظروں سے بھی ہے بہت دور تک گھاؤ  
 جب گئے ہیں ہم تو کہاں نے یاں سے جاؤ  
 افسوں کیا ہے شانے نے جو اس سے بناؤ

رہتا ہے پیش دیدہ تر آہ کا بھاؤ  
 برے گی برف عرصہ محشر میں دشت وشت  
 حاصل کوئی اُمید ہوئی ہو تو میں کہوں  
 آنکھوں کے آگے رونے سے میرے محیط ہو  
 رہتی تھی اشک خوبی میں ڈوبی سب آستین  
 اظہار درد اگرچہ بہت بے نمک ہے پر  
 آعاشقوں کی آنکھوں میں ٹک لے بدل قیب  
 صحبت جو اس سے رہتی ہے کیا نقل کرے ہائے  
 صد چاک اپنے دل سے تو بگڑا ہی کی وہ لطف

اس ہی زمیں میں میر غزل اور ایک لکھ  
 گو خوش نہ آوے سامعوں کو بات کا بڑھاؤ

ہم سینہ خستہ لوگوں سے بس آنکھ مٹ لگاؤ  
 یل مارتے ہی پیش نظر ہاتھی کا ڈباؤ  
 انہی نہ پار ہوئی نظر عاشقوں کی ناؤ  
 دل ہی کے اور پاتے ہیں سب لاہو کا بہاؤ  
 کاغذ کو شکل مار سراسر ہے پیچ تاؤ

سب کھا گئی جگر تری پلوں کی کاؤ کاؤ  
 آنکھوں کا جھڑ برسنے سے ہتھیا کے کم نہیں  
 کشتی چشم ڈوبی سی ہے بحر اشک میں  
 سینے کے اپنے زخم سے خاطر ہو جھج کیا  
 بیتابی دل نئی خامہ نے کیا لکھی

<p>تم کو ہمارے سر کی سوں تم ہاتھ مت اٹھاؤ دوتا وہی ہے جسکے تکیں کچھ بھی ہو د باؤ اک برگ گل نسیم ہماری طرف بھی لاؤ اسکی گلی کے خضر کو بھی راہ مت بتاؤ</p>	<p>ہر پہن جانیں جاتی ہیں پر تیغ جو ر سے سرتیجے ہو تو پاؤں ترا د میں ہم کبھی چاک نفس سے آنکھیں لگیں کب تلک میں غیرت کا عشق کی ہے طریقہ ہی کچھ جدا</p>
<p>طاہر ہے دیکھنے سے گنہ کیونکہ تیرے سب چھپتے ہیں میسر کوئی دلوں کے نہیں لگاؤ</p>	<p>اگر قصد ترک سر ہے کہو شرم مت کرو اچھی ہے اُسکی تیغ تو بانہ صو گے سے میسر</p>
<p>کہتے ہیں اپنی ٹوپی سے بھی مشورت کرو</p>	<p>مڑتا ہوں میں تو آگے مرے مت صفت کرو</p>
<p>آنکھ کا لگانا نہ ہو تو اشک کیوں خوب تاب ہو اب جو رونے بیٹھ جاؤں جھیل یا تالاب ہو مازا مشکل ہمارا تم کو جوں سیما ہو ہو نہ صحرائے مری گنجائش اسباب ہو دل ہمارا خون ہو سب چشم کیسرا آب ہو کشت زرد نا امیدان بھی تو طک سیراب ہو</p>	<p>دل کے میں ہوں تو کاہے کو کوئی بیتاب ہو وہ نہیں پھر کاؤ سا میں اشک ریزی سے کرد جلد تھینچے تیغ بیتابی کریں جو ہم تو پھر شہر میں زیر درختاں کیا رہوں میں برگ بند بے تصرف عشق کے ہوتا ہے ایسا حال کب لطف سے اسے ابر رحمت ایک دوبار میں دھر</p>
<p>بخت خفتہ سودیں پر طک چو نکتے سودیں کہ میسر ایک شب ہم دل زدوں سے وہ پری تجو اب ہو</p>	<p>آج ہمارا جی بیکل ہو تم بھی غفلت مت کریو ڈھیری رہے اک خاک کی تو کیا ایسے خاک ابر کی ایسی جان کہاں جو ہم میں رنج نہ دنیا ہاتھوں کو ہم کو تو مار عشق نے آخر پر یہ وصیت یا رو ہے میری طرف کی یا رو اس سے بات کوئی کہتے ہو کہو کہیے سو کیا اب چپکے دیکھو گو میں اس میں مرجاؤں</p>
<p>دل نہ رہے جو ہاتھ رکھے تو ساجات گت مت کریو جگنوڑ میں گاڑو گے تو نشان تیر بت مت کریو ایک ہی وار میں ہو چکے گا دوسری ضربت مت کریو زیر جہاں میں تم جو رہو تو کسو سے الفت مت کریو مانے نہ مانے وہ جانے پھر تم بھی منت مت کریو حکم کو قسم ہو حرف دشمن کی مجھ سے مروت مت کریو</p>	<p>ہوش نہیں اپنا تو ہمیں ٹک میسر آئے ہیں پیش کو جانے سے آئے ان کو ہمارے پیائے رخصت مت کریو سے نلہ پیار کے ساتھ</p>

## اردو لیت اس کے ہوتے

میں کیا کہوں جگر میں ہو میرے کم ہے کچھ  
پوشیدہ تو نہیں ہے کہ ہم ناتواں نہیں  
کیا اپنے دل و ہضم سے ہوں ہی دم بخود  
جب سے کھلی ہر گیس مست اس کی ظلم ہے

بلبل میں گل میں کیا نھکی انگلی ہے میر  
آمد شد نسیم سے دہم دم ہے کچھ

کہتے تو ہیں کہ ہم کو اس کی طلب نہیں کچھ  
اخلاص و ربط اس سے ہوتا تو شور اٹھاتے  
یاں اعتبار کرے جو کچھ وہی ہے ظاہر  
رکھ منہ کو گل کے منہ پر کیا غنجہ ہو کے سوئے  
دل خوں نہ ہو دے کیونکر کسیر و رائے الفت  
یہ حال بے سبب تو ہوتا نہیں ہے لیکن

گر عشق میرا سکا مارے کہیں نہ جاویں  
جلدی مزاج میں ہے اس سے سبب نہیں کچھ

رستے سے چاک دل کے ہوا گاہ  
رستی ہے خلق آہ شب سے تنگ  
آنکھ اس منہ پہ کس طرح کھولوں  
خط مراد کچھ دیکھ سکنے لگا  
میں مسلمان اُن بتوں سے ہمیں  
پلیس اس طرح روئے توئے گیس

میر کچھ سے قصد دیر کیا

جاؤ پیارے بھلا خیر ہمراہ

اے دھواں اس کی مری جان کے ساتھ  
بتابی دل بقی ہی گیا تیر اس کا  
جان ہی جائے گی آخر کو اس ارمان کے ساتھ  
سے گیا صاف مرے دل کو بھی پکان کے ساتھ

<p>دین و دل ہی کے رہا میرے وہ کافر درپے بکھر پر نہر پہ برسے ہے برابر ہی ابر سطر زلف آئی ہو اس رومے مخطط پہ نظر تیر اُس کا جو گزر دل سے چلا جی بھی چلا میں تو لڑکا نہیں جو بالے بناؤ مجھ کو خون مسلم کو تو واجب یہ بتا جانے ہیں</p>	<p>خصمی قاطبہ اس کو ہے مسلمان کے ساتھ پیش ہر اک سے کریم آتے ہیں احسان کے ساتھ یہ عبارت نئی لاحق ہوئی قرآن کے ساتھ رسم تعظیم سے ہو لیتے ہیں مہمان کے ساتھ یہ فریبنڈ لگی کرے کسو نادان کے ساتھ ہو جے کافر کہ اماں یاں نہیں ایمان کے ساتھ</p>
--	--

آدمیت سے تمھیں میرا ہو کیونکر ہو  
تنے صحبت نہیں رکھی کسو انسان کے ساتھ

<p>جائے دے مت اس قدر زلف مخطو قال دیکھ کیا مرے طول پریشانی کی حیرت، منہ نفس و این صحرائیں کیا وسعت ہے جو دل میں نہیں چشم و دل کا اس سے لگ جانا تو تھا جس طرح گرچہ اُس مہر کی جدائی میں مجھے برسوں ہوئے کب نظر میری ٹپے گی اُسکے رومے خوب پر</p>	<p>حال کچھ بھی تجھ میں ہے اے میرا پناہا حال دیکھ آ نکھیں تو دی ہیں خدانے اُسکے لپٹے بال دیکھ موند کر نکھیں گریباں میں بھی ٹک سٹوال دیکھ جی بھی ان باتوں میں الجھا اور یہ جنجال دیکھ لیکن اسے اختر شناس ابکا ہے کیسا سال دیکھ ہنشیں ٹک تو بھی مصحف کھول کر تو فال دیکھ</p>
---	---

ٹھو گریں دل کو لگی ہیں جب چلے ہے راہ تو  
یہ خرام ناز ہے ظالم تک اپنی چال دیکھ

<p>آ نکھیں جو ہوں تو عین ہے مقصود ہر جگہ واقع ہوشان بندگی سے قید قبلہ کیا موتن پہ ہم نہ سوختہ جانوں کی ہے نمود ہیں دلی لکھنؤ کے خوش نام خوب لیک پھرتی ہے اپنے ساتھ لگی متصل قنا شہرہ رکھے ہے تیری خیریت جہاں شیخ</p>	<p>بالذات ہے جہاں میں وہ موجود ہر جگہ سر ہر کہیں جھکا کہ ہے مسجود ہر جگہ ہے سوزش دروں سے بڑوں دود ہر جگہ راہ دفا دھر ہے مسدود ہر جگہ آپ رواں سے ہم ہوئے نابود ہر جگہ مجلس ہو یا کہ دشت اچھل کود ہر جگہ</p>
--	--

سوداے عاشقی میں توجی کا زیان ہے  
پھرتے ہیں میر ڈھونڈتے ہی سود ہر جگہ

<p>دے دن اب سالتے ہیں جن میں پھرے یار کے ساتھ</p>	<p>لطف سے حرف و سخن تھے نگہ پیار کے ساتھ</p>
---	--

۱۰

عشق تھا اُس کے گم سائے دیوار کے ساتھ  
تایہ جانیں کہ گیا میں غم دیوار کے ساتھ  
گردن اپنی ہے بندھی یار کی تلوار کے ساتھ  
لطف سے بات کوئی کرتے ہیں یار کے ساتھ  
کون صحبت رکھے ہے خوں کے نزار کے ساتھ

رو بہ پس یار کے کوچہ سے جو خورشید گیا  
دستے نرس کے رکھیں گور بہ سیری دُنرات  
واں کھنچی میان سے یاں سر کو بھکا یاں نے  
عشق کے زار سے بولا نہ خشونت سے کرو  
تمت عشق سے آبادی بھی وادی ہے ہیں

اب خوشامد انھیں کی آٹھ پہر کرتے ہیں  
گفتگو میر کو جن لوگوں سے تھی عار کے ساتھ

مری ترسیت ہے ہر بانی کے ساتھ  
یہ کم لطف ہے ناتوانی کے ساتھ  
دوا جیسے پیتے ہیں بانی کے ساتھ  
لیکن قیامت روانی کے ساتھ  
کہ جوں رفتگی ہو جوانی کے ساتھ  
ہو اکب ہے اس گل فشانی کے ساتھ

نہ باتیں کرو سر گرائی کے ساتھ  
نہ اٹھ کر دیر یار سے جا سکے  
فرد و رد آتسو پیے کچھ ہوا  
کے میں نے اشعار سرخس میں  
شابی گئی اس روشن فصل گل  
بکھیرے ہے جوں تخت دل ہ صبح

جلال جی بہت قصہ و میر  
بلا سوڑ تھا اُس کہانی کے ساتھ

خناج سے جیتے امن جوں جس آب دیدہ  
جانا نہیں کہہا کچھ جوں گنگ خواب دیدہ  
گر ہو نہ اشک افشاں خانہ خراب دیدہ  
ہے جیسے کہتے ویسے دلت کا باب دیدہ

کلب تک رسینگے یار بہ ہر دم ہم آید  
اس حور سے شبنم کا ملتا گیا سوچ ہوں  
راز محبت اپنا رسوا نہ اس قدر ہو  
جب کچھ لوگ رہا ہے در کھٹرن اسی کے

دوزخ میں میر ہوں میں یار بہشت رو بن  
جاں سے ستم رسیدہ دل سے عذاب دیدہ

نہ تیر روئے ترکش یوں چلا بیٹھ  
دعاے صبح سے اب ہاتھ اٹھا بیٹھ  
کبھو تو ٹھہرے اٹھ کر یاس آ بیٹھ  
ہائے دُڈھے سے موڑھا لگا بیٹھ

ادھر مت کر نگاہ تیز جا بیٹھ  
شر ہو تا تو کب کا ہو بھی چکتا  
پھرے گا ہم سے کبتک دوزخ عالم  
نہ کر دیوار کا مجلس میں تکیہ



<p>بہت پھرے ہیں طرہ طرہ زمین تلاش اپنی نہ کم تھی جو وہ ملتا</p>	<p>انھیں دوسیدھی لکھی سنا بیٹھ بہت میں دیکھ کر آخر رہا بیٹھ</p>
<p>مخالفت سے نہ مل بیٹھا کراتنا کہیں لے میر صاحب کو جہا بیٹھ</p>	<p>کیا کریں بھی نظر کرنے سے غصہ کھائے وہ کس طرح تڑپے ہے کیا کیا جی کھٹا جاتا ہو ہائے</p>
<p>اور مجلس میں جو رہے دیکھ تو شرمائے وہ ساتھ اسکے دل لگا ہو جس کسو کا واسے وہ منتیں کرے تو یا تک ٹھہرے چکر آئے وہ مختلط ہو جائے سمجھے جو کچھ تو ہائے وہ بیخبرائے کاش بالیں بر مرے آجائے وہ لو ہو پی جاوے ہمارا ہم کو اب جو پاسے وہ</p>	<p>کے تعلق سے لڑکوں کے دل کو کبت لک بہلائے وہ میر کو داشت نہیں ہے مقصد آس کا اور ہے</p>
<p>ار و لیت یائے تھمائی</p>	<p>تدبیر غم دل کی بستی میں نہ ٹھہرائی خواہش ہو جسے دل کی دوا در سے سرکھی</p>
<p>جنگل میں نکل آئے کچھ دال بھی نہ بنی میں نے تو اسی دل سے قصد بہت بائی عاشق کشی ہے جب سے ہو عشق کی سنوئی عالم کو تمام اس میں کس طرح ہے گنجائی مفلوک ہوئے اب ہم کر خرچ یہ بالائی وہ زلف بنی دیکھی سب بن گئے سودائی ہر لحظہ ہے خود رائی ہر اک ہے رعنائی جیتا نہ رہا اب تک مجنوں ہی کو موت آئی</p>	<p>بے پروہ نہ ہونا تھا اسرار محبت کو گھر دل کا بہت چھوٹا یہ جاے تعجب ہو گھر بار لٹا یا جب تب وہ سہی قد آیا خوبی سے ندان اس کی سب تیں یاں بگڑیں کیا عمدہ برائی ہو اس گل کی دورگی سے عاشق کی جسے ہو دے کچھ قدر نہیں پیدا</p>
<p>آزار بہت کھینچے اب میر تو گل ہو کھینچی نہ گئی ہم سے ہر ایک کی مرزائی</p>	<p>آہ و فغاں کے طور سے میرے لوگ مجھے پہچان گئے خاک میں آخر ساتھ ہی میرے سب میرے ارمان گئے</p>
<p>شور کیا جو اسکی گلی میں رات کو ہیں سب جان گئے عمد میں سکی یاری کے خوں دل میں تو نہیں کیا کیا چائے</p>	<p></p>

موت جو آئے سر پر انساں دست و پاگم کرتا ہے  
ملت عمر دور روزہ کتنی کرے فصولی کا ہے پر  
باتھ لگا وہ گوہر مقصد جیسا ہے معلوم نہیں  
کہیئے سلوک انھوں کے کیا کیا پھیر تاج کی ہے نئی  
دیکھتے ہی شمشیر بکف کچھ آج اُسے اوسان گئے  
آئے جو ہیں دنیا میں ہمتو جیسے کہیں مہمان گئے  
محو طلب الٰہ طلب سب خاک بھی یاں کی چٹان گئے  
بکھلے تھے اس سے سوہ جان کے بھی انجان گئے

میر نظر کی دل کی طرف کی عرش کی جانب فکر بہت  
بھی جو طلب مطلوب کی ہمو گیدھر کب صحر دھیان گئے

سوز و درد سے آگ لگی ہے سارے بدن میں تب سہی ہے  
طاقت دل کی تمام ہوئی ہے جس کی چال کٹھن سہی ہے  
سینے کے زخم نمایاں رہتے چاک کئے سو پردہ دور  
دست سے یہ رنخے پڑے تھے چھاتی بھٹی میں اب سہی ہے  
پرسش حال کبھو کرتے ہیں ناز و چشم اشارت سے  
اُن کی عنایت حال پہ میرے کیا پوچھو ہو غضب سہی ہے  
گو دین میرے رکھ دیتا ہے پانوں حنائی دے بنے کو  
یوں پا مال جو میں ہوتا ہوں مجھ کو بھی تو دب سہی ہے  
لطف کہاں وہ بات کیے پر پھول سے جھڑنے لگا دیں  
سُرخ کلی بھی گل کی اگرچہ یار کے نعل لب سہی ہے  
خانہ خراب ہوں خواہش دل کا آہ نہایت اُس کو نہیں  
جان لبوں پر آئی ہے پر تو بھی گرم طلب سہی ہے  
تم کہتے ہو بوسہ طلب تھے شاید شوخی کرتے ہوں  
میر تو چپ تصویر سے تھے یہ بات انھوں کے عجب سہی ہے

کیسے نخس دنوں میں یارب میں نے اُس سے محبت کی  
دھیم رہی ہے سر پر میرے رنج و غتاب و کلفت کی  
میں تو سر و شاخ گل کی قطع ہی کا دیوانہ تھا  
یار نے قد قامت دکھلا کر سر پر میرے قیامت کی  
نست میں جو کچھ کہہ رہا ہوں دیتے ہیں وہی انساں کو

غم و غصہ ہی ہم کو ملا ہے خوبی اپنی قسمت کی  
 خلوت یا رہے عالم عالم ایک نہیں ہے ہم کو بار  
 در پر جا کر لکھتے ہیں خوب ہماری عزت کی  
 اک گردن سے سو حق باندھے کیا کیا کرے ہوں جاو دا  
 مدت اس پر ایک نفس جوں صبح ہماری فرصت کی  
 شیوہ اُس کا مہر و غضب ہے ناز و خشم و ستم وے سب  
 کوئی نگاہ لطف اگر کی اُن نے ہم سے مروت کی  
 بے پردائی درویشی کی تھوڑی تھوڑی تب آئی  
 جبکہ فقیری کے اوپر میں خرچ بڑی سی دولت کی  
 ناز و خشم کا رتبہ کیسا ہٹ کس اعلیٰ درجہ میں  
 بات ہماری ایک نہ مانی برسوں ہم نے منت کی  
 دھن پور بچھم سے لوگ آکر مجھ کو دیکھیں ہیں  
 حیف کہ پروا تم کو نہیں ہے مطلق میری صحبت کی  
 دوستی یاری الفت باہم عہد میں اس کے رسم نہیں  
 یہ جانے ہیں مہر و وفا اک بات ہے گویا مدت کی

اب حسرت آنکھوں میں اُس کی نو میدانہ پھرتا تھا  
 میر نے شاید خواہش دل کی آج کوئی پھر رخصت کی

کیسے ناز و بخت سے ہم اپنے یار کو دیکھا ہے  
 نوگل جیسے جلوہ کرے اس رشک بہار کو دیکھا ہے  
 چال زمانے کی ہے نظر میں شام و سحر کس کو ہے قیام  
 نو وار و ہم یاں کے مہین پر لیل و نہار کو دیکھا ہے  
 ایک نہ آیا دید میں اپنے دلکش و لچپ اُس کے رنگ  
 ان آنکھوں سے اس گلشن میں یوں تہنہ زار کو دیکھا ہے  
 قدر کفر اسلام سے زاید جانی سحر و فری سے  
 بکتے کہیں بازار میں تو نے گہ زنا ر کو دیکھا ہے

قلب و دماغ و جگر کے گئے پر ضعف ہے جی کے غائب  
کیا جانے یہ قلعی ان نے کس سردار کو دیکھا ہے  
باؤ سے بھی گریٹا کھڑکے چوٹ چلے ہے ظالم سنی  
ہم نے دام گھول میں اُس کے ذوق شکار کو دیکھا ہے

جمع کر دوں میر سے تم بھی بتیابی قتی دل کو بہت  
اچھے کچھ آثار نہ تھے میں اُس بیمار کو دیکھا ہے

تصویر چیں کی رو بردار کے ذلیل ہے  
یاں پاس قطر آب اگر ہے سبیل ہے  
دونوں کی ناراضی کے اوپر دلیل ہے  
سر پر ہمارے سایہ فلک اب کر ل ہے  
دنیا کی قدر کیا کہ مستاع قلیل ہے  
پل مارنے میں پیش نظر ایک جھیل ہے  
کانوں میں جو فسانہ اصحاب فیل ہے  
تو مصحف مجید میں صبر جمیل ہے  
کریے جہاں نگاہ ہی قال و قیل ہے  
کچھ شامت عمل سے ثباتیں ڈھیل ہے

ناز و اد کے ساتھ وہ دبیر شکیل ہے  
ہم خاک مٹھ کوئل کے نہ جوں سی پھر  
جنگل میں خضر و کعبے کا ہونا مری طرح  
آگے جنوں سے چھانوں میں تھے سروگل کی ہم  
کچھ چیز و مال ہو تو خریدار ہو کوئی  
کیا روڈ لاشک تے ہیں لکھوئے سبیل  
آتے نہیں نظر میں مرے ہاتھی کے سوار  
ہو صبر اس جو یوسف ثانی کے بے جمال  
شکر و گلہ سے عشق کے لبریز ہے جہاں  
ہم دیر سے ہیں منتظر قد کشی یار

جب دیکھتے ہیں میر تمھیں بیدار ہو  
کا ہے کو ناز عشق میں صاحب زخیل ہے

دور سے دیکھ لیا اسکو تو جی مار رہے  
چار دن کہنے کو اس سوخ سے ہم بار رہے  
جان بتیاب رہے دل کو اک زار رہے  
ہم جو صورت سے تھے آئینے کی بزار رہے

برسوں گزرے ہیں بے کبتیں یوں پیار رہے  
وہ مودت کہ جو قلبی ہو اسے سو معلوم  
مرگ کے حال جدائی میں جہیں یوں کبتک  
وجہ یہ تھی کہ ترے ساتھ لڑی نہ کبھ اسکی

دین و دنیا کا زباں کار کہو ہکو میر

وہ جہاں داؤ تختیں ہی میں ہم ہار رہے

سب لوگوں میں ہیں لاگیاں محض فقیر ہے

اب تک تو بھی اچھی اب دیکھیے پیری ہے

بکھلے تو کہیں لڑکے دھیری ہے یہ دھیری ہے  
اک بوند قطعی ہو کی اب چھاتی جو چیری ہے  
گلگشت گلستاں کا ہے شوق اسیری ہے  
نے رحم سے خاطر میں نے عذر پذیریری ہے  
اب کرے نخلص تو شایستہ ضمیری ہے

کیا دھیر بندھے اسکی جو عشق کا رسوا ہو  
خون عشق کی گرمی سے سوکھا جسکے دل میں  
ہم طائر بے پر ہیں دے جنگو ہزاراں میں  
اس دلبزد بطن سے خوش گزرے ہے عاشق کی  
ہم مرثیہ دل ہی کا اکشر کہا کرتے ہیں

کیا اہل دل سے ہے لے میر مجھے نسبت  
یاں عجز و فقری ہے واں تازا میری ہے

گھنڈا اول ب ہو ایسا جیسے بچھا دیا ہے  
دل ہے جدھر وہ پہلو سارا جلا دیا ہے  
جو صاف یوں قضا نے ہم کو مٹا دیا ہے  
کیا رنگ دوستی نے جی کو لگا دیا ہے  
کتنوں کا در نہ خوں کر اُن نے دیا دیا ہے  
پردہ جو رہ گیا تھا وہ بھی اٹھا دیا ہے  
ان شکریں لبوں نے ہم کو بچھا دیا ہے  
جوں کا غد ہوئی اُن نے اڑا دیا ہے  
داں تیغ اٹھائی اُن نے یاں چھکا دیا ہے  
رہ رہ کے ہم جلے تو ہم کو مڑا دیا ہے  
بارے فقیری نے تو آرام سا دیا ہے  
ہم وحشیوں کے قابل رہنے کے با دیا ہے  
دل ہم کو بھی خدا نے دردا شاد دیا ہے  
خطا مانوشتہ ہو کو او دھیر سے لا دیا ہے

سوز دروں نے آخر جی ہی کھیا دیا ہے  
اب نیند کیونکہ آدے گرمی نے عاشقی کی  
حرف غلط تھے کیا ہم صفحہ پذیرنگی کے  
کڑھتے ہمیشہ رہنا ہم کو بغیر اُس کے  
اچرچ ہے یہ کہ ہے وہ میرا چراغ تربت  
آنکھوں کی کچھ حیا بھی سو منو دلیاں دھیر سے  
ہم دل زدہ رہے ہیں انواع تلخ سُنستے  
جب طول میں دیا ہے نامہ کو شوق کے تب  
مرنے ہی کا مہیا اپنے رہا کیا ہوں  
کیا بے نمک ہوا ہے پروانہ راگھ جیل کر  
تھے جوں چراغ مفلس مضطر نہ ترک تھا جب  
شہروں کے تنگ کوچے کا ہیکو گوں ہیں اپنے  
نادر دمند بلبل نالاں ہے بے تہی سے  
کیا نامہ بر ہمارا ہے صاف بے پروا

عالم شکا رہے وہ اس سن میں میر اُسکو  
بھٹک جانے مارنے کا کن نے بتا دیا ہے

انکھت گل سے آشنا نہ ہوئے  
حیف بندہ سے ہو خدا نہ ہوئے

ہم چین میں گئے تھے وانہ ہوئے  
سرکسو سے فرو نہیں آتا

<p>عاشق اُسکے ہوئے سو کیا نہ ہوئے موسم گل میں ہم رہا نہ ہوئے</p>	<p>خوار و ذلیل دے رویت کیسا کیسا قفس سے سر مارا</p>
<p>میں نہ گردن کٹائی جب تک میر عشق کے مجھ سے حق ادا نہ ہوئے</p>	
<p>دل پنا تو بھجا سا دیا ہے جان چراغ منظر ہے تنے کہا دل چاہے تو بیٹھوں کیا جانے کیدھر ہے تم پوچھو تو اور کہیں کیا نسبت کل کی بہتر ہے جی بکھلے کیا اُسکا ہم پر رحم کہاں وہ پھر ہے سمجھے نہ سمجھے کوئی اسے یہ پہاڑ کی آخر کمر ہے</p>	<p>دیکھیے کیا ہوسا بچہ ملک احوال ہمارا تر ہے خاطر اپنی اتنی پریشیاں آنکھیں پھر پریشیاں بن حیراں تا ب تو اں کا حال وہی ہے آج تنگ ہم جیتے ہیں اُس بہر صنم کی خاطر سختی سی سختی کھینچے ہم سرنہ بڑے کے چڑھیے ہمیں ہرگز زیاں دوسری کا</p>
<p>جیسے ملا اُس اُمید رو سے خوش کی اُن نے تہ لوثی پانی بھی دے ہو پھینک سبھو کو میر فقیر قلندر ہے</p>	
<p>طوفان سا شہروں میں ہے اک شور دریا پر بھی ہے لیکن نظر اعلیٰ نمط پر دے میں دنیا پر بھی ہے جو کمرت ہمسر ہوئی اب جلف و ادنیٰ پر بھی ہے ہم خرچ رہ کیونکر نہوں پیدا ہی پیدا پر بھی ہے</p>	<p>اُس شوب چشم چشمہ زا اب کوہ و صحرا پر بھی ہے گو چشم بندی شیخ کی ہوا آخرت کے واسطے نے دست مزد بندگی نے قدر سرفراز گندگی تنگ اُن کر گم ہو گئے مقصود جو مقصود تھا</p>
<p>ہیں خوبیاں ہی خوبیاں وحشی طبیعت میر میں پیر اُنس کم ہم سے دلیل اب کی یہ سودا پر بھی ہے</p>	
<p>آخر کو روئے روئے پریشیاں ہو بہ گئے جل پھر کے لوگ ہاں کے نہیں سارے رہ گئے کیا کیا مکان دیکھتے ناگاہ ڈہہ گئے ناچار ظلم و جور و ستم اُن کے سہ گئے</p>	<p>آنکھوں سے راہ عشق کی ہم جوں نگہ گئے اس عرصہ سے گیا ہو کہیں کوئی تو کہیں کیا کیا ہوئے ہیں اہل زماں ڈھیر خاک کے ان دلبروں سے کیا کہیں مظلوم عشق ہم</p>
<p>تسبیحیں ڈھیں حرقے مصلے پٹھے جلے کیا جانے خانقاہ میں کیا میر کر گئے</p>	
<p>میر کیوں رہتے ہیں اکثر انہی اگر نہیں بنی کسو سے جو بنے</p>	
<p>۱۰۔ میں نہ گردن کٹائی اب سطرچ نہیں بولتے بلکہ میں نے گردن نہ کٹائی بولیں گے ۱۱۔</p>	

دل کو جوڑ دھونڈھو سو کیا کر سکنے  
کر ہی چکتے ہیں جو کچھ دل میں ہے  
ہو رہے ہیں ڈھیریاں سو سو تھپتھپ

خون ہو کر بہ گیا مدت ہوئی  
ہے تو کل جی سے ہم درویش ہیں  
عالم خاکی بھی بسمل گاہ سے

اُس شکار افکن کے ہم بھی صید میں  
خاک و خوں میں لوٹے چھاتی چھتی

اچھے ہوتے نہیں جگر خستے  
ہم نہ مرجائیں نہبتے ہی نہبتے  
لکھتے کاغذ کے دستے کے دستے  
کنیاں پھنستی چولیاں چتے  
اس سے باغ و بہار ہیں رستے  
بک گئے آہ ہم بھی کیا تہستے

ہم پر رہتے ہو کیا کر سکتے  
نہنتے کھینچا نہ کیجیے تلوار  
شرق لکھتے قلم جو ہاتھ آئی  
سیر قابل ہیں تنگ پوش اب کے  
رنگ لیتی ہے سب ہو اس کا  
اک نگہ کر کے اُن نے مول لیا

میر جنگل پڑے ہیں آج جہاں  
لوگ کیا کیا نہیں تھے کل تہستے

ہر چند کہ گل شگفتہ پیشانی ہے  
لڑکوں سے ملاقات ہی دانی ہے  
خوبی سے ترے چہرہ کی جراتی ہے  
کاغذ جو لکھے ہو اب سو افشانی ہے  
دل سوختگی، عذاب روحانی ہے  
سو برسوں میں کائنات مریانی ہے

سب شرم جبین یار سے پانی ہے  
سمجھے نہ کہ بازیم اطفال ہوئے  
جوں آئینہ سامنے کھڑا ہوں یعنی  
خط لکھتے جو خوفناک تھے ہم اُن نے کہا  
دورخ میں ہوں حلتی جو رہے ہو چھاتی  
منت کی بہت تو اُن نے دورخ کے

کل سیل سا جوشاں جوادھر آیا میر  
سب بولے کہ یہ فقیر سیلانی ہے

ہے وہ ہی بات جس میں ہو بہ بھی  
چار دن کی ہے چاندنی یہ بھی  
ہے جلالت زمانے کی وہ بھی  
زور بیٹھی ہی یار کی گہ بھی

جی کے گلے کی میر کچھ کہ بھی  
حسن اے رشک نہ نہیں رہتا  
شور شیریں تو ہے جہاں میں نے  
سکے بچے سے دل نکل نہ سکا

ختم

اس زمیں گرد میرے ہر سانہیں  
آسمان پر اگر چہ ہے ہر بھی  
کیا کہوں اُس کی زلف بن روو  
میں پر اگندہ دل گیا ہر بھی

مضطرب ہو جو ہمیں کے میر  
بچر کے بولا کہ بس کہیں رہ بھی

کہیں آگ آہ سوز نہ نہ چھاتی میں لگا دو  
بہت روئے ہمارے دیدہ تراب نہیں کھینچتے  
تمہارے پائوں گھر جانے کو غم کے نہیں کھینچتے  
ویل گری ہے حضور ملتا ہے جنگل میں  
گئے ہی جی کے فیصل ہو نیا روز کا جھگڑا  
مڑائی ہی رہی روزوں میں باہم بیدار ہے

خبر ہوتے ہی ہوتے دل جگر دونوں جلا دو  
متاع اب دیدہ ہو کوئی اس کو ہوا دو  
تم آؤ تو تمہیں نکھوں یہ سر پر اپنے جا دو  
پھر ہے اب بھی بھولا کہ نہیں بتا دو  
کہیں وہ تنہا کھینچے بھی کہ بندہ سر جھکا دو  
گلے سے اُسکی ہم کو عید اب شاید ملا دو

ہو اس میر جو اس بت سے سائل ہو لب کا  
لگا کئے غرافت سے کہ شہ صاحب خدا کو

تیر جوڑے وہ ماہ آتا ہے  
صل کو سر پر رکھیں سبھی لکین  
اپنا اپنا ہے ذائقہ ہم کو  
آنش عشق جس کے دل کو لگی  
دیکھنا ہے تو ہے ہمسرہ وہ  
میری تو ہے پلک سے چھوٹی نگاہ

ہم کو تیر ماہ جاتا ہے  
اب دماغ اپنا کب کھاتا ہے  
پوستہ کنج لب ہی بھاتا ہے  
شیخ ساں آپ ہی کو کھاتا ہے  
ہم سے آنکھوں کو لب ملاتا ہے  
اور وہ اُس پہنچ چھپاتا ہے

میر صنلع ہے لمو اُس سے  
دیکھو باتیں تو کیا بناتا ہے

شائستہ غم و ستم یار ہم ہوئے  
کی سخن جو متاع بنت ازل کے بیج  
جی کھینچ گیا سیر نفس کی غور کی آد  
پامال یوں کیا کہ برابر میں خاک کے

عاشق کہاں ہوئے کہ گنگار ہم ہوئے  
جست اورے کے نہ خریدار ہم ہوئے  
تھی چوٹ اپنے دس یوگر فار ہم ہوئے  
کیا ظلم ہو گیا بو طلبگار ہم ہوئے

سے حافظہ آسمان بار انت تو است کشیدہ قمر نہ نال نہ ہر من دیوانہ روزند



ہونا نہیں ہے بخیر سہری کا کمال خوب  
وصل اُس طبیب زاد یکا جی چاہتا رہا

افسوس ہے کہ دیر خبر دار ہم ہوئے  
آخر اس آرزو ہی میں بیمار ہم ہوئے

پھل ہے یہ میر عشق کا اس نو بہار کے  
آخر جو کشتِ دغوں کے سزاوار ہم ہوئے

کسی میں اُن لبوں کی جانفرائی  
تعارف کیا رہا اہلِ جن سے  
کہاں کا بیستوں فرہاد کیسا  
جفا اٹھتی دفا جو عمر کرتی  
کہیں سو کیا کہیں سر پہ ہمارے  
گیا اُس ترک کی آند کو سن جی  
موافق ظلم ہو تو تو پھر جہاں ہیں  
بقبر از چہرہ مستانی یار  
گنتی طعنے ہو دل کی آری تو  
فراق یار کو آساں نہ سمجھو  
پھر آنا کہے سے اپنا نہ ہوگا

یہ بات اک بیخودی میں منہ پہ آئی  
ہوئی اک غم میں اپنی رہائی  
یہ بھٹی سب عشق کی زور آزمائی  
سو کی اُس رفتنی نے بیوفائی  
قیامت شامت اعمال لائی  
تھی ہم سے نہ اک دم بھی ادائی  
مثل ہو میری تیری آشنائی  
ہمارے منہ پہ چھوئے ہو ہوئی  
ہوئی صد خیزد انس کی خود نمائی  
کہ جان و تن کی شکل ہو جدائی  
ابا کے گھر کی ہم نے راہ پائی

ہوئے ہیں دو دہل سے میر کے تنگ  
پھر اس جوئی نے یاں دھوئی لگائی

ہوں خاک پا جو اُس کی سر کوئی سرخڑھاوے  
ان دو ہی صورتوں میں شکل اب نباہ کی ہے  
اُس مہر بغیر عالم آنکھوں میں سب یہ ہے  
کچھ زخم کھل چلے ہیں کچھ داغ کھل چلے ہیں  
جوں لیلیٰ اور مجنوں تا نقش کچھ رہے یاں  
یہ طرح وار لڑکے دیں بیٹھے تب اُس کو  
ہم جس زمیں پہ آئے واں آسماں یہی تھا  
نقب شکے حال میر الیتا ہے موند آنکھیں

منہ پھرے وہ تو بہکو پھر کون منہ لگاوے  
یا صبر ہم کو آوے یا رحم اُس کو آوے  
دیکھیں تو عشق کیا کیا ہو سہیں کھاوے  
اکلی مہار دیکھیں کیا کیا شکوئے لاوے  
اُس کی مری بھی صورت یکجا کوئی بناوے  
جب جی سے کوئی اپنے سر طرح دل اٹھاوے  
یا رب جو کوئی جاوے تو پس طرٹ کھاوے  
مچلے سے میں کہوں کیا سوتا ہو تو جگاوے

طاعت کا محتب ہے جب ڈھنڈ نہیں ہوتا ہے  
چھوڑے نماز واجب مگر میرا وقت پاوے

مرا دامن بنے تو باندھ دو گل کے گریباں سے  
رہے دس دن جو اپنی عمر کے یاں ہم سوہاں سے  
شرارے تب تو نکلے ہیں ہماری چشم گریاں سے  
نہ و کبھی ہے اس کے خط سے نے زلف پریشاں سے  
جنوں اس دشت میں ہمے کیا ہو کیسے سماں سے  
رہی شرمندگی ہی عمر بھر مجھ کو دل و جاں سے

بہار آئی کمال موت مجھے اب کے گلستاں سے  
نہ ٹلک واشد ہوئی دل کو نہ جی کی لاگ کچھ پائی  
غم بھراں نے شاید آگ دی اس ناہ بن دل کو  
سبب شفقہ طبعی کا ہماری رہتے ہیں دونوں  
ادھر زنجیر کا غل ہے اُدھر ہنگامہ لڑکوں کا  
محبت میں کسو کی رنج و محنت سے گئے دونوں

خدا جانتے کہ دل کس خانہ آباداں کو دے بیٹھے  
کھڑے تھے میر صاحب گھر کے دروازے پر حیراں

رات دن ہم امید دار رہے  
جھکتے ہی دل کو خار خار رہے  
دل کو اپنے اگر قرار رہے  
اس جفا پیشہ کے شکار رہے  
چاہیے یوں کہ ہوشیار رہے  
رہے اپنا جو اختیار رہے

برسوں تک جی کو مار مار رہے  
موسم گل تلک رہے گا کون  
وصل یا ہجر کچھ ٹھہر جاوے  
خوشنوا کیسے کیسے طائر قدس  
اسکی آنکھوں کی مٹی سے عاشق  
دل لگے پر رہا نہیں جاتا

کم ہے کیا لذت ہم آغوشی  
سب مزے میر در کنار رہے

تو میاں مجنوں بیاباں سے گئے  
مارے جی کے ساتھ سب سائے گئے  
مارے حسرت کے ہی ہم جانے گئے  
شیخ صاحب دین و ایماں سے گئے

یوں جنوں کرتے جو ہم یاں سے گئے  
مر گئے دم کب تک رکتے رہیں  
کیا بدن دیکھا جی چولی سے ہلے  
جانب مسجد بھی وہ کافرنہ گاہ

پت میں آئے کسو کی زلف کے  
میر اس رستے پریشاں سے گئے

اے تو خط ایک دن ہے جھگڑا ہمارے تیرے  
سبزی بہت لگی ہے منھ سے پیارے تیرے

<p>کیا حال یاں رہا ہے ظلموں کے مارے تیرے کچھ تو اثر کیا ہے جی میں بھی بارے تیرے یاروں کی ہیں نظر میں یہ رنگ سارے تیرے</p>	<p>حیران حال عاشق ہو گی اجل پہنچ کر ہر بار دیکھے ہے تو ایدھر ہی آہِ شب نے باغِ دہمار و نکست گل بھول سب ہی تو ہے</p>
<p>الما س میر تجھ کو کیا عشق نے دیا ہے نخت جگر گرے ہیں جوں لعل یارے تیرے</p>	
<p>اک ایک کو نہیں پھر غیرت سے دیکھ سکتے اب وہ نہیں کہ دھڑ دھڑاتے ہیں لہر کتے کانٹے سے اپنے دل میں رہتے ہیں کچھ کھٹکتے اب دل جگر ہمارے پھوڑے سے ہیں لپکتے و ترک مست جیسے ہوں راہ میں بھٹکتے چہروں کے رنگ بننے دیکھے ہیں کیا بھٹکتے جاتے ہیں ہم جس سے اس فافلہ میں بکتے نوادگانِ خوبی جوں شاخ گل چٹکتے</p>	<p>دودیدہ ترا ہے جو یار کو ہیں سکتے حرکت دلوں کی اپنے تیرے ہی سے ہے پلوں کی اُسکی جنبش جاتی نہیں تیرے ہوتا تھا گاہ گاہ ہے محسوس درو آگے پڑتی ہیں ایدھر اودھر دے شوق آنکھیں السی شعلوں کی ڈانک گویا لعلوں تلے دھرے ہیں یوں بات راہ کی تو مستنا نہیں ہے کوئی جاگہ سے لے گئے ہیں نازاں جبا گئے ہیں</p>
<p>اس حسن سے کہاں ہے غلطانی موتیوں کی جس خوبصورتی سے میرا شک ہیں ڈھلکتے</p>	
<p>عجب مرحلہ بہکو درپیش ہے میں سے یہ پیدا تم کیش ہے وہ خوشرو تو ہے پر بد اندیش ہے لیکن خطیشت لب تیش ہے</p>	<p>غم مرگ سے دل بگریش ہے ہم سے اُسے شوق تیر و کماں ولا اُس کے ظاہر یہ مت جائیو ہمت خوب ہے لعل نوشین یار</p>
<p>ہمیں کیا جو ہے میر بہوش سا خدا جانے یہ کیا ہے درویش ہے</p>	
<p>کیا قیامت کا قیامت شور ہے پر نہ پوچھا ان نے وہ بھی زور ہے عاقبت دیکھا تو خاک گور ہے کیا سمجھ کر خلق اسپر زور ہے</p>	<p>گوش ہراک کا اُسی کی اور ہے پوچھنا اس نا تو اں کا خوب تھا ضندل درد سر سر و وفا رشتہ اُلفت تو نازک ہے بہت</p>

ناکسی سے میر اس کو پے کے بیچ  
اس طرح بکھے ہے جیسے چور ہے

لے زمین سے تا فلک فریاد و زاری کیجیے  
مر گئے ہم کب تلک تیمار داری کیجیے  
جی میں ہے آگے ترے کچھ دشکاری کیجیے  
کیجیے کیا غم سے یوں ماتم گزاری کیجیے  
چشمہ چشمہ خون دل آنکھوں سے جاری کیجیے  
صرف کیجیے عمر تو اس جاے ساری کیجیے  
عشق میں جوں کو کہن کچھ بردباری کیجیے  
پر کھو تو آئے حاضر ہماری کیجیے

شب اگر دلخواہ اپنی بقیراری کیجیے  
ایک دن ہو تو کریں احوال گیری دلی آہ  
نو چپے ناخن سے منہ یا چاک کرے سب جگر  
جانیے اس شہر ہی سے اب گریباں بھاڑ کر  
یوں بے کنتک کہ بے لعل لب اس سے ہر طرف  
کنج لب اس شوخ کا بھی ترچھنے کی جائے ہر  
کوہ غم سر پر اٹھالیجے نہ کہئے منہ سے کچھ  
گر چہ جی کب چاہتا ہے آپ کا آنے کو یاں

آشنا ہو اس سے ہم مر گئے آئندہ میر  
جیتے رہے تو کسو سے اب نہ یاری کیجیے

پر یہ کہانہ ظالم اس کی نہیں سہی ہے  
گر کوئی بات دل کی بلبس سے میں کہی ہے  
باقی ہے وقت کتنا فرصت کہاں رہی ہے  
کشکول بازگوں ہے یا افسر شہی ہے  
عمر دراز کی سب تقصیر و کوتاہی ہے  
جاتا نہیں ہے سمجھایہ باؤ کیا بھی ہے  
ہو جائے یا جس سے سوچ یہ بھی ہے  
چڑھنا ہمارے منہ پہ دریا کی بے تھی ہے

صد گو نہ عاشقی میں ہم لے بھاسہی ہے  
کرتی پھری ہے رسوا سارے چمن میں مجھ کو  
ہے صبح کا ساعرہ پیری کا اسمیں کیا ہے  
دردیش جب ہوئے ہم تب ہے ہمیں برابر  
جیتے رہے بہت ہم جو یہ ستم اٹھائے  
رونے میں نسل ہے ہونٹھول یہ آہ میری  
آزار عاشقی میں کاہنکی پھر تو قہ  
ردا ہمیں نظر کر رہن کیے کنتارا

جلاہٹ اس طرح کی جو میر کس سے ہوئے

بادرنہ ہو تو دیکھو یہ ہو نہ ہو دہی ستم

فسوس ہے کہ آکریوں نینہ بک نہ بہت  
مشرکوں ہمہ زون میں جاتی رہی نظرت  
بے سے ہے عشق اپنے دیور و در سے

کل جوش غم میں آلوٹھکے نہ چشم تر سے  
کیا ہے نمود مردم جو کہئے دیکھو یہ تم  
ہم ساسکت خاطر اس بستی میں نہ ہو گما

کیا کام نکلے گا اب ٹکڑے ہوئے جگر سے  
دیکھیں تو منہ دکھا دے وہ کام جاں کدھر سے  
اُس کی خبر لے گی اک آدھ بے خبر سے  
بس ہو چکی تو تع اب نالہ سحر سے  
منہ دیکھنے کو تیرا تاج بند کوئی تر سے

مسلم اگلی سی توحید اُت الم کشی میں  
آئینہ دار اُسی کے پاتے ہیں شش جہت کو  
ست رنج کھینچ مل کر ہشیا مردماں سے  
جب گوش زد ہوا اسکے تب بیدار غ ہو وہ  
اے رشک مہ کبھو تو آچاند سا نکل کر

چاہت بری بلا ہے کل میر ناکش بھی  
ہمراہ نے سواراں دوڑے پھرے نفرت سے

جوں ہم جلا کریں میں بھلا جلتے کب ہیں بے  
جلتے ہیں درو مند بہ جلتے کدھب ہیں بے  
کتا ہے جب وہ طنز سے ہکو عجب ہیں بے  
ایسے جگر کے جلنے کے بارے سبب ہیں بے  
ان کو غریب کوئی نہ سمجھے غضب ہیں بے  
رکھے خدا سلامت اُنھوں کو کہ اب ہیں بے

برق و شرار و شعلہ و پروانہ سب ہیں بے  
لے موئے سر سے تاخن پاتک بھری ہے آگ  
ہوتا ہے دل کا حال عجب غم سے اس گھڑی  
آتی ہے گرم باد سب اُس کی اور سے  
غربت پہ مہرباں ہوئے میری سو یہ کہا  
فراد و قیس لے گئے کہتے ہیں اب یہ لوگ

سید میں میر صاحب و درویش و درو مند  
سر رکھیے اُن کے پاؤں پہ جاے اب ہیں

اس عشق و محبت نے کیا خانہ خرابی کی  
چھاتی ہوئی ہے میری دوکان کبابی کی  
تم دیکھو نہ کچھ بولو کیا بات شرابی کی  
پر زور تھی تھے کتنی غنچہ کی گلابی کی

خوش طرح مکاں دل کے ٹھکانے میں نشانی کی  
سکے ہے دل یدھر کو بہتا ہے جگر آدھ  
وہ گرس متانہ باتیں کرے سے درہم  
بے سدھ ہوئے ہم آئی اک بوچھلکساں سے

رونے سے دل شب کے ترمیر کے کپڑے ہیں  
پر قدر نہیں اس کو اس جامہ آبی کی

وہ جو بے رواسط طرف ملک کرے  
جب تلک دوری سے کوئی ہو کرے  
ایک اگر عاشق قلندر ہو کرے  
کاش انصاف اپنے بلیں تو کرے

کوئی ساحر اُس کو کچھ جادو کرے  
دور سے ملک ملقت ہوتے رہو  
دم میں ہو آئینہ عالم سیاہ  
کس سے تیری چاہیے داد ستم

غنچہ پیشانی چمن میں رہا  
لوہو پانی ایک کر دیتا ہے عشق  
بید ماغ عشق گل کیا ہو کرے  
پانی کر دے چشم دل کو ہو کرے

اب جنوں میں میر سوئے دشت جا  
کار و دشت کے تئیں کیسو کرے

حدیث زلف دراز ان کی منہ کی بات بڑی  
کبھو جو گالی ہمیں دیتے ہو کر و موقوف  
کبھو کے دن میں بڑے یاں کبھو کی رات بڑی  
تھھاری بس ہیں یہی ہم پہ اتفاقات بڑی

ذخیل ذات نہیں عشق میں کہ مہر کر دیکھ  
ذلیل کیسے ہیں ان کی ہے گو کہ ذات بڑی

ہے تما شا حسن و خط حیرت بھی ہے  
تا دم آخر نہیں بولے ہیں ہم  
ہے وہ فتنہ ہم حریت و ہم ظریف  
تج نے اُس کی ہمیں قسمت کیا  
والسیم صبح سے ہوتا ہے گل  
جی ہی دینے کا نہیں کڑھنا فقط  
یعنی خط تو خوب ہے صورت بھی ہے  
کچھ کہیں گے بارے اب خصت بھی ہے  
مارے گالی ہے پھر منت بھی ہے  
خوش نصیبی ہے تو پر قسمت بھی ہے  
تج کو اسے مرغ چمن غیرت بھی ہے  
اسکے در سے جانے کی حسرت بھی ہے

دور سے باتیں کرے ہے یوں ہی یا ر  
میر عا حب سے انھیں صحبت بھی ہے

چلے ہم اگر تم کو اکراہ ہے  
نہ افسر ہے نے در دوسرے گلہ  
جہاں لگ چلے گل سے ہم داغ ہیں  
غم عشق ہے ناگہانی بلا  
چراغان گل سے ہے کیا روشنی  
محبت ہے دریا میں جاؤ دہنا  
کلی سا ہے کہتے ہیں منہ یار کا  
نہ کی کو تہی بت پرستی میں کچھ  
گیا میر کے جی کی شکر وہ سوخ  
فقیروں کی اللہ اللہ ہے  
کہ یاں جیسا سردیا سردا ہے  
اگر چہ صبا بھی ہوا خواہ ہے  
جہاں دل لگا کر ٹھہنا جاگاہ ہے  
نکستار کو کی قد نگاہ ہے  
کوئیں میں بھی گزرا یہی چاہ ہے  
نہیں متبرک کچھ یہ انواہ ہے  
خدا اس عقیدے سے اکاہ ہے  
لگا کہنے سب کو یہی راہ ہے

کتنا جی عاشق بیتاب کامر جاتا ہے  
شوق کیا جانے لیے مجھ کو کدھر جاتا ہے  
اب کوئی پل میں یہ سیلاب اتر جاتا ہے  
آگے سے آنکھوں کے وہ باغ نظر جاتا ہے  
سارا زنجیر دامن بھی تو کھسک جاتا ہے  
ٹھک ہوا لگتی ہے اُس کو تو اچھر جاتا ہے  
نامہ برمجہ سے کبوتر بھی چسپور جاتا ہے  
عاشق اک آن ہی میں جی سے گزر جاتا ہے

یار کا جور و ستم کام ہی کر جاتا ہے  
جیسے گرداب ہر گردش مری ہر چارٹن  
جوشش اشک میں ٹھک ٹھک رہتی نظر  
زرد رخسار پہ کیوں شکست آدے گل رنگ  
زہ گرمیاں کی ہی خوناب سے تر ہوتی ہیں  
واغظ شہر تنگ آب ہے مانند حباب  
کیا لکھوں نجات کی برنگی نابوں سے مرے  
آن اُس دلبشریں کی چھری شہد کی ہے

ہر سحر بھیجے اُس ادبش کے خورشید ای میسر  
وہ حال تلوار سے جیسے نغمہ جاتا ہے

پر چوٹ ہی رہے ہے اس رو سیاہ کو بھی  
غمرہ نے درغلنا شاید سپاہ کو بھی  
منزل نہ پہنچے ہم تو طے کر کے راہ کو بھی  
ٹھک دیکھو اس شکست طرف کلاہ کو بھی  
کاوش رہے ہے جی سے اس کی نگاہ کو بھی  
پہلے تو پوچھتے ہیں ظالم گناہ کو بھی  
پامال یوں نہ ہوتے دیکھا گیا کو بھی  
منظور رکھیے کچھ تو بارے نباہ کو بھی

ٹھوکر لگا کے چلا اس رشک ماہ کو بھی  
اُس شاہ حسن کے کچھ فرکان کچھ ہے ہیں  
کی عمر صرف ساری پرگم ہے مطلب اپنا  
سر پھوڑنا ہمارا اُس طے کے پر نہ دیکھو  
کرتی نہیں غلط ہے مرکان یار دل میں  
خونریزی کے تو لاگو ہوتے نہیں یکا یک  
جوں خاک سے ہے یکساں میر انہماں قامت  
ہر خطہ پھیر لینا آنکھوں کا ہم سے کیا ہے

خواہش بہت جو ہو تو کاہش ہے جان دل کی  
کچھ کم کر ان دنوں میں اے میسر چاہ کو بھی

کہ تو دارو پی ہے رات کو ملکہ کینوں سے  
لگے رہتے ہیں داغ ہجر ہی اب بے سینوں سے  
مری چھاتی جلا کرتی ہے اب تھے مینوں سے  
چڑھی نیوری سے محبوبوں کی ادرار کی جنوں سے  
نہیں نکلے تھے گورے ہاتھ اسکے آستینوں سے

سنا جاتا ہے اے گھٹتے ترے مجلس نشینوں سے  
گئی گرم اختلاطی کب کی ان سحر آفرینوں سے  
گلے لگ کر نہ یک شب کا شہدہ سو گیا ہوتا  
خدا جانے ہے اپنا تو جگر کا نیا ہی کرتا ہے  
بہت کوتاہ دامن خرتے شیخوں کے پھٹے پائے

رہے جو خیال اُسکے تو کثرت سے ہاتھ آئے  
بزرگ برگ گل ساتھ ایک شادابی کے ہوا ہے  
بہت میں تخت دل رو یا مجھے اک خلق نے جانا

غزل ہی کی رویت و تانیہ کا رفتہ رہتا ہے  
نکلنا میرا مشکل ہے میرا ان زمینوں سے

میتابی جو دل ہر گھڑی اظہار کرے ہے  
کچھ میں بھی عجب جنس ہوں بازار جہاں میں  
ہے اشک سے بلبل کے بھرا چوچوں میں پانی  
اس چاہ نے دل ہی کو تو بیمار کیے ہیں  
آگے تو جو کچھ ہم نے کہا مان لیا اب  
زہنہار نہ جا پر درش و در زماں پر  
کیا عشق میں ہم اس کے ہوئے خاک برابر  
تصویر سے دروازے پر ہم اُسکے کھڑے ہیں

اب دیکھوں مجھے کس کا گرفتار کرے ہے  
سوزاز مجھے تیرے خسریہ ار کرے ہے  
گل باغ سے کیا رخت سفر بار کرے ہے  
یہ دوستی ہی ہے جو گرفتار کرے ہے  
ایک ایک سخن پر بھی دہن کرار کرے ہے  
مرنے کے لیے لوگوں کو تیار کرے ہے  
کب اپنے تئیں یوں کوئی ہوا کرے ہے  
انسان کو حیرانی بھی دیوار کرے ہے

کیونکر نہ ہو غم میرے آزار کے در پہ  
یہ جرم ہے اس کا کہ تجھیں پیار کرے ہے

دشمنوں کے رد پر دشنام ہے  
محور لطف یار ہے عالم تمام  
عشق کی ہے راہ کیا مشکل گزر  
گر کہا نا کا مارنے کو کبھی  
روز و شب چہر تار ہوں گے چہرے کے  
چین دن کو ہے نہ شب کو نیند کم

یہ بھی کوئی لطف ہے نگام ہے  
حسن کا بھی شہرہ جوش شام ہے  
سر کا جانا جس میں ہر اک گام ہے  
تو یہ کہتا ہے کہ تجھ کو کام ہے  
کیا کہوں کیا گردش ایام ہے  
اُس کی دوری میں کسے آرام ہے

ہر دم میں پوچھا تو یوں ا جان ہو

میرا ان لوگوں میں کس کا نام ہے

دل غلب نسخہ تصوف ہے  
ہم نہ سمجھے بڑا تافت ہے

لے لے کن تکیہ بر ملک دنیا و پشت  
ہم نہ سمجھے بڑا تافت ہے



یہ بھی دردِ شیش کا تصرف ہے  
خواب میں آدے تو لطف ہے  
واں دہی اب تاگ تکلف ہے  
عہد پر عہد ہے تخلف ہے

آپ ہی صرف عشق ہو جانا  
منہ ادھر کر کے وہ نہیں سوتا  
یاں تو تکلیف سی کھینچی تکلیف  
چھڑا اس شوخ نے رکھی ہم سے

مرگ کیا منزل مراد ہے میر  
یہ بھی اک راہ کا توقف ہے

دل کو ہمارے چین دے آکھو کیا جواب دے  
لوگوں کے پوچھنے کا کوئی کیا جواب دے  
جاتی ہے فصل گل کہیں ساقی شراب دے  
کر رحم مجھ پہ کاشکے یار اسکو آب دے  
کیا درویشاں کا کوئی حساب دے  
بیجاں ہے یہ رشتہ والا اس کو تاب دے

تسکین درد مندوں کو یارب شباب دے  
اسکا غضب سے ناس نہ لکھنا تو سہل ہے  
گل ہے بہار تب ہی جو آکھو نہیں بد نشہ  
وہ تیغ میری تشہ خوں ہو گئی ہے کند  
دو چار الم جو ہو دیں تو ہیں بابت بتاں  
آزنگہ کا سوت نہیں بندھتا ضعف سے

مرگ ان ترکو یار کے چہرے پہ کھول میر  
اس آبِ حیاتِ سبزے کو تک آفتاب دے

نہ جرات ہے نہ جذبہ ہے نہ یاری بخت بد سے ہے  
یہی بے طاقتی خوں گشتہ دلی کو میرے کد سے ہے

جہاں شطرنج بازندہ فلک ہم تم میں سب مہرے  
بسانِ شاطر نو ذوق اسے مہروں کی زد سے ہے

سخن کرنے میں تعلق گوئی ہی نہیں کرتا  
پڑھے ہیں شعر کوئی ہم سو وہ بھی شد و دے ہے

ہو اسر سبز آگے یار کے سرو گلستاں کب  
کہ نسبت دور کی طوبے کو اس کے غل قد سے ہے

لکھا کب تک کریں اس سرزمین سے آپ ہی اب جاویں  
ہمیں ملنے کا شوق اس کے زیا وائے میر حد سے ہے

لے میرہ مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے ذمینی آگے چلیں گے دم لے کر +

مٹھ بھیر اگر ہو گئی اس تیغ کھنک سے  
کہدوں ہوں دعا بخنوں کو میں اپنی طرف سے  
سب کے لیے میں میرے در پہ میں صدف سے  
جی کیونکہ بچاؤں کو اس کی گف کی تھ سے  
ہم اپنے تئیں دور نہ کیوں کھینچیں شرت سے  
چنگاریاں گر گئی ہیں ہی پلکوں کی صف سے

کٹ کر گر گئے راہ میں شاق علف سے  
جاتا ہے کوئی دشت عرب کو جو گولا  
دریا تھا مگر آگ کا دریا ہے غم عشق  
دل اور حشر یہ تو جلے آتش غم میں  
شب کے سگ کو نے ہیں پاس بٹھایا  
پھاتی میں بھری آگ پر کیا جس نے شرف ذر

سے میر گدائی کر دل دروازے کی اس کے  
مانگوں ہیں ہی آٹھ پر شاہ نجف سے

خبر کیوں پوچھتے ہیں مجھ سے لڑکے اس دوانے کی  
نہ کی کچھ قدر اُن نے حیف اس آئینہ خانے کی  
دفاؤں میرے سودہ نہیں بابت دکھانے کی  
ہماری جان میں طاقت نہیں باتیں اٹھانے کی  
کہ پھر پائی نہ ہم نے راہ اپنے آشیانے کی  
سمجھ میں چال کچھ آتی نہیں اپنے زمانے کی  
عبیر اپنے کفن کی خاک ہو اُس آستانے کی

کہو کچھ میر کی دشت سے ان کلیوں میں آئیگی  
جہاں سے دل کو دیکھو تھنہ نظر جوں کا طاق آئے  
ہمیں لیتے ہو آنکھیں موند کر تو تم کہ جس انہی  
کہو ہوزیر لب کیا دیکھ کر ہم نا تو انوں کو  
بزرگ طاؤر نو پر ہوئے آوارہ ہم اٹھ کر  
عجب چوڑ بکھی ہے ہرزماں اُڑتا ہوزنگ اپنا  
اگر طالع کرے یاری تو میرے کر بلا حاکر

غزل اک اور بھی اس گل زمیں میں تصدی کیے  
ہوئی ہے اتو خواہر ہیں باتیں بنانے کی

طرح آتی ہے اس قد کو قیامت سر پہ لانے کی  
نئی یہ رسم ہم جاتے ہیں چھوڑے دل لگانے کی  
او کر کے جو تم کیا خوب ہم سے کھنک چھانے کی  
سیخ و خضر کو پہونچی بشارت زہر کھانے کی  
یسی اجرت ملی ہے کیا ہمارے خاک چھانے کی  
رکھی ہر سون ملک منت کبھو کی بات لانے کی  
نشان یاد نگاری ہے ہماری ناک اڑانے کی  
اکٹ لی ہے نئی یہ نیرنی پھاتی کے جلانے کی

سک ان پلکوں کو ہر ٹھوکر سے فتنے کو چمکانے کی  
کسو سے آنکھ کے لئے ہی اپنی جان دے بیٹھے  
جہاں ہم آئے چہرے پر کھیرے بال جا سولے  
سبیں جیگی ہیں اُس کی سبز خط کی ہر ایت سے  
جہاں اُسکے لیے غریب کر نو مید ہو نیٹھے  
ہوں کیا ایک بوسہ لب کا دیکر خوب رگڑایا  
گونا گونی اُٹھتا ہے کہ آدھی کوئی آتی ہے  
کرے سے دغ اُس کا عید کو سب کے گلے ملنا

لڑا کر آنکھیں اس ادبِ اش سے اک بل میں مر گزرا  
حکایت ہو تجب ہی میر جی کے مارے جانے کی

کہ صورتِ آسمان کی دیکھ کر میں نے زین کبھی  
طرح ترکیب ایسی ہنسنے اب تک تو نہیں دیکھی  
کروں ہوں شکر کے سجدے کہیں وہیں کبھی  
لگا کر بارہا اس شوخ سے تصویر چسپ دیکھی  
پچھے خرتے بہت جو چاک کی وہ آستیں دیکھی  
بلا حسرت کے ساتھ اُس کی نگاہ واپس دیکھی

کر یہ شکلِ سہیت آن کر ایسی نہیں دیکھی  
کبھو دیکھو گے تم جو وہ طرحِ اس طرف آیا  
نہ کیفیتِ دلکش اس قدر کا ہی کو ہوتا ہے  
کہاں وہ طرزِ کس اسکی کہاں چن چسپ اسکی  
گر یہاں بھاڑ ڈالیں دیکھ کر دامن کشاں اسکو  
ترے بیمار کے بالیں یہ جا کر ہم بہت روئے

نظر اُس کی حیات سے میرِ شستِ پابر اکثر ہے  
کنھوں نے کاہیکو اسکی سی چشمِ شیریں دیکھی

دلِ داغ ہو رہا ہے چمن کے بھاؤ سے  
یاں کھل رہے ہیں دیدہِ خونا رکھاؤ سے  
جب آسمان لٹکے کاغذ کے تاؤ سے  
دل کے گئے یہ دیتے ہیں جی کیسے جاؤ سے

دنِ فصلِ گل کے ابکی بھی جاتے ہیں باؤ سے  
پہونچے نہ باسِ گل کی ہمارے مشام میں  
نامہ مرے عمل کا بھی اسے کاش ساتھ جائے  
وارِ فکانِ عشق بھی کیا طرفہ لوگ ہیں

کہتے تو کیے بات کوئی دل کی میر سے  
پر جی بہت دُور ہے انھوں کے جواؤ سے

بھیچک کوئی رہ جائے کوئی جی سے گز جائے  
آغوشِ مری ایک شب اُس شوخ سے بھر جائے  
تم ٹھہرو کوئی دم تو مرا جی بھی ٹھہر جائے  
بجلی کے تڑپنے سے کوئی جیسے کہ ڈر جائے  
عاشق کو برا کہ کے منہ ہی منہ میں مگر جائے  
ڈرتا ہوں کہ وہ اور بھی آزر دہ نہ کر جائے  
آوارہ جو ہو عشق کا بیچارہ کہ بھر جائے  
یہ سیل جو اک زور سے آتا ہے اُتر جائے  
ان خانہ خرابوں کی کہو جن کے وہ گھر جائے

کیا چال نکالی ہے کہ جو نیچے سو مر جائے  
ما چند یہ خمیازہ کشی تنگ ہوں یا رب  
بیگناقتی دل سے مری جان ہے لب پر  
پڑتے نگہ یارِ مرا حال سے ویسا  
اُس آئینہِ روشخِ مفتن سے کہیں کیا  
ناکس کی تلافیِ ستم کون کرے ہے  
جاتا ہے جدھر منزلِ مقصود نہیں وہ  
رونے میں مرے سرنہ چڑھو صبر کرو ملک  
کیا ذکر مرا میں تو کہیں اُس سے ملوں ہوں

یاں جی ہی بکھرتا ہے صبا وہ جو بکھر جائے  
ہشیار سروں کے تیں سدہ اپنی بسجائے  
آنکھیں ہی لگی جاتی ہیں اس جاذب کو مہر  
آتی ہے بہت دیر جو اس منہ پہ نظر جائے

مسلمان بھی خدا لگتی نہیں کہتے قیامت ہے  
میانق رسم کے اک دور کی غناست ہے  
نہال قدی اس کے دلی ہی سوزدست ہے  
مقابل ہو گیا اس سے تو اس کی شامت ہے

سپے دار ڈپڑے پھرتے تھے کل تک میر کو چوں میں  
انھیں کو مسجد جامع کی دیکھی آج امامت ہے

کہ زندگی تو کریوں جب تک کہ بار آوے  
نہ جب تک میر سیر ستم شکار آوے  
خدا ہی جانے کہ اب بے تلک بہار آوے  
جب انتظار میں نکھوں ہی پر غبار آوے  
کہ نخل دار میں حلق بریدہ بار آوے  
کسو سے کہیے تو اسکو نہ اعتبار آوے

نہیں ہے چاہ بھلی اتنی بھی دعا کر میر  
کہ اب جو دیکھوں اُسے میں بہت نہ پیار ہے

آزاد ہو نہ بسل جاتے ہیں ہم جن سے  
دیکھیں بچھے ہے اپنی کسٹور اس جن سے  
اک آگ تک بچھی ہے اپنے بتن دن سے  
کیا نقش پا کو اس کے نسبت گل دین سے  
نہ کس گھر کی دوائی باب کو وطن سے  
نہ کس کی کپڑی سی نکلے ہے سخن سے  
کیا پتہ پانچ دیکھے اس زلف پر شکن سے

اس زلف کا ہر بال رگ جان ہے اپنی  
گردش میں جو دے آنکھ نشہ کی بھری کھین  
آنکھیں ہی لگی جاتی ہیں اس جاذب کو مہر  
آتی ہے بہت دیر جو اس منہ پہ نظر جائے

بتوں کے جرم و الفت پر ہمیں زجر ملا ہے  
کھڑا ہوتا نہیں وہ رہن دل پاس غاشق کے  
جھکی ہے شاخ پر گل ناز سے کیا سخن گلشن میں  
نکلتا ہے سحر خیز ہر دراز سے گھر پر سے

خدا کرے مرے دل کو تک کہ قمر آوے  
کمانیں اُس کی بھوؤں کی چڑھی ہی تہی ہیں  
ہیں تو ایک گھڑی گل غنیمت دیکھ رہے  
اٹھی بھی گردہ اُس کی کہیں تو لطف ہو کیا  
ہر ایک شے کا ہے مومن نہ جانے تھا منصور  
تھارے جو روں سے اب حال جائے عبرت ہے

بچے ہے جی کا رستہ آواز کے رکن سے  
جی غش کرے ہے اب تو رفتار دیکھ اُسکی  
گرد اُس کے اور کوئی گرمی سے دیکھتا ہے  
رنگیں خرامی کیا کیا ہیں بے کھینچ دن کو  
دنرات گاہ و بگاہ جب دیکھو میں غم میں  
دل سوختہ ہوں محبو کو کلیت جنت کمر  
دل کا اسیروں کا ہی میر جاتا ہے

آوارگی تو دیکھو کیدھر سے کیدھر آئے  
رہتے ہیں گھیرے مجھ کو کیا اپنے کیا پر لے  
عہدے سے اس بلا کے کب تا تو ال برائے  
رونے سے میرے کیا کیا ابر سیہ تر آئے

آہنیشیں بنے تو آج آں کئے بھی چلیے  
کہتے ہیں میر صاحبِ مدت میں کل گھر آئے

ایکوں کو جانیں ہے دنیا عجب جگہ ہے  
یا سطحِ رخِ جگہ ہے یا کج لب جگہ ہے  
دیکھا جہاں کو ہم نے کتنی کدھب جگہ ہے  
دار فغاں کو اسکے مجلس میں کب جگہ ہے

بارے ادھر کیا ہے منہ اُن نے میر اپنا  
ہو حرف زن سخن کی تیری بھی اب جگہ ہے

زندگانی اب تو کرنا شاق ہے  
اب حسابِ زندگی بیاق ہے  
یہ سیہ روشہ آفاق ہے  
قد و لکش اس کا بالا چاق ہے  
تھا نمودار آنکھ سے مشتاق ہے  
سطح کیا رخسار کا براق ہے  
بوسہ کنج دہن تریاق ہے  
بید صحرائی سا مجنوں قاق ہے

ست پڑا رہ دیر کے ٹکڑوں پہ میر  
اٹھ گئے کعبے چل خدا رزاق ہے

آسمان سے زمین نیوائی  
ہو گیا دن تمام رات آئی  
اسکے خاطر ہوئے ہیں سودائی

کعبے کے در پہ تھے ہم یادیر میں در آئے  
دیوانگی ہے میری اب کی کوئی تماشا  
پاک اب ہوئی ہے شستی ہلکو جو عشق سے بھی  
وسعت بیاں کروں کیا و اماں چشمِ ترکی

قصر و مکان و منزل ایکوں کو سب جگہ ہے  
اُس کے بدن میں ہر جا لکش ہے یوں دیکھیں  
پست و بلندیاں ہیں ارض و سما سے ظاہر  
دروازے سے لگے ہم تصویر سے ٹھہرے ہیں

دل کی بیماری سے طاقتِ طاق کو  
دم شماری سی ہے بچِ قلب سے  
اپنی عزت رکھتی ہو عالم ہی اور  
فرطِ تجلّت سے گرا جاتا ہے سرور  
دل زدہ کو اُسکے دیکھا نزع میں  
زنگ میں اُسکے بھک ہو برق کی  
گو خط اُس کے اشت لگا رہا ہو  
خشک کر دیتی ہے گرمی عشق کی

بات کیا آدمی کی بن آئی  
چرخِ زن اُسکے واسطے ہو مدام  
ماہ و نورِ شید و ابر و باد بھی

کیسے کیسے کیسے ترود جب اُسکو ترجیح سب کے اوپر دے حیرت آتی ہے اسکی باتیں دیکھ شکر کے سجدوں میں یہ واجب تھا سو تو اُس کی طبیعت سرکش رنگ رنگ اُسکو چیر پونچائی لطف حق نے کی عزت افزائی خود سری خود ستائی خود رانی یہ بھی کرتا سدا جبین سائی سر نہ لائے فرو کہ ٹمک لائی	
--	--

میرزا چیرشت خاک اللہ  
اُن نے یہ کبر یا کہاں پائی

دست بستہ کام ناخن کر گئے بتکدے سے تو چلے کعبے ولے کیا جو اڑتی سی مٹی لے نہیں گل مجلسوں کی مجلسیں برہم ہوئیں تھے لب جو پر جو گرم دید یا ر خانوادے ہو گئے کیا کیا خراب	سب خراشوں ہی سے جبے بھر گئے دس قدم ہم ول کو کر پتھر گئے ہم اسیروں کے تو بال و پر گئے لوگ دسے پل مارتے کی بھر گئے بزرے کے سے رنگ ترکاں تر گئے خانہ ساز دین کیسے مر گئے
---	--

دست افشاں پالے کو باں شوق ہیں  
صدمے سے میر بھی باہر گئے

تمام شد

# دیوان چہارم

میر تقی میر دہلوی

# بسم اللہ الرحمن الرحیم

## روایت الف

کرتا ہوں اللہ درویش یوں سدا کا  
 میں نے نکل جنوں سے مشق تندر کی  
 یارب ہر ہی جانب یتیم کیوں ہے عالم  
 کیا فقر میں گزر ہو چشم طبع سے بن  
 ابرو در جوش گل ہے چل خانقہ سے صوفی  
 لہم وحشیوں سے مدت مانوس جو رہے ہیں  
 آلودہ غوں سے ناخن ہیں شیر کے سے ہر سو  
 یہ دوسری صورتیں ہیں یا منعکس ہے عالم  
 کیا میں ہی جاں لب ہوں بیماری دلی سے  
 زلف سیاہ اس کی بستی ہے چت چٹھی ہی

غیرت سے تنگ آئے غیروں سے نرم بیٹے  
 آگے بھی میرے سید کرتے گئے ہیں سا کا

واجب کا ہونا ممکن مصدر صفت ثنا کا  
 سب درم درم تن میں زردی غم بھری ہو  
 بند اس قبا کا کھولیں کیا ناخن تختیوں  
 تاسازی طبیعت کیا ہے جو ان ہو سے پُر  
 قدرت سے اس کے لب پر نام لے سے خدا کا  
 خاک جسد ہے میری کس لکان زکاء خا کا  
 وابستہ ہے یہ عقدہ مشابہ کسود عا کا  
 و با ش وہ شکر لڑ کا ہی قبا لڑ کا



سگل پھول فصل گل میں صد رنگ ہیں شگفتہ  
عاشق کی چشم تر میں گود بستے آویں لیکن  
میں دل زدہ ہوں ابکی رنگینی ہوا کا  
پانوں کا دہروں کے چھپتا نہیں جھپکا

زوریں کش گن جواں کی کس سے کہاں گھنچے ہو  
تھا یکہ و جہاز امیر ان نے جسکو تانا کا

قصہ کہیں تو کیا کہیں ملنے کی رات کا  
جرات سے گر چہ زرد ہوں پرانتا ہے کون  
کیونکر بسر کرے غم و غصہ میں ہجر کے  
جاگر سے لے گیا نہیں اُس کا خرافہ ناز  
ڈرتا ہوں مالکان جزا پھلاتی دیکھ کر  
واعظا کسے سوچ ہے دے میفرودش سے  
بھڑکا کریں قریب پڑے کوئے یار میں  
ان ہونٹھوں کا حرفت ہونٹھیا میں گیا  
عالم کو حکیم کا باندھنا طلسم ہے

پہروں جواؤ اُن نے رکھا بات بات کا  
ٹنٹھ لال خبثت لک کر دوں پانچ سات کا  
خوگر جو ہو کسو کے کوئی اتفاقات کا  
ٹھہراؤ ہو سکا نہ قرار و ثبات کا  
کہنے لگیں نہ واہ رے زخم اس کے ہاتھ کا  
ہم ذکر بھی سنا نہیں صوم و صلوات کا  
کسکے تین داغ عقیق ہے سگات کا  
پردے میں رو سیاہ ہے آب حیات کا  
کچھ ہو تو اعتبار بھی ہو کائنات کا

گر یار میرا ہل ہے تو کام سہل ہے  
اندیشہ تجکو یہ نہیں ہے اپنی نجات کا

تجاہل تغافل تساہل کیا  
نہیں تباب لا تا دل زار اب  
زمین غزل ہلک سی ہو گئی  
جنوں تھا نہ بجائے نہ چپ رہ سکا  
نہ سوز و روں فصل گل میں چھپا  
ہیں شوق نے صاحبو کھو دیا

ہوا کام مشکل تو یہ گل کیا  
بہت ہم نے صبر و تحمل کیا  
یہ قطعہ نصرت میں بالکل کیا  
کہ زنجیر ٹوٹی تو میں غل کیا  
سرو سینہ سے داغ نے گل کیا  
غلاموں سے اُس کے تو سل کیا

حقیقت نہ میرا ہی سمجھی گئی  
شب و روز ہم نے تامل کیا

رفقہ عشق کیا ہوں میل بکا  
جا چکا ہوں جہان سے کب کا

لہ سگات غالباً سگ کی چہ ہے جو میر نے خود ایجا دکی ہے ۱۲

لوگ جب ذکر یار کرتے ہیں  
ست رہتا ہوں جیسے ہوش یا  
ہم تو ناکام ہی چلے یاں سے  
ورس کیسے جنوں کا تو مجنوں  
لعل کی بات کون سُنتا ہے

دیکھ رہتا ہوں دیر منہ سب کا  
میں بھی عاشق ہوں اپنے شرب کا  
تم کو ہوگا وصول مطلب کا  
اپنے آگے ہے طفل مکتب کا  
شور ہے زور یار کے لب کا

رُفت سا بیچارہ ہے ہر شعر  
ہے سخن میر کا عجب ڈھب کا

میں جو نظر سے اُسکی گیا تو وہ سرگرم کار اپنا  
کیا یاری کر دوں پھر ادہ کیا کیا اُن نے فریب کیے  
اتھ گلے میں اُن نے نہ ڈالا میں یہ گلا جا کا تو نکلا  
چھاتی پہ سانس پھر جاتا ہے یاد میں سکے بالو کی  
بات کے تلوار نکالے آنکھ لڑائے جی مارے  
ہم نے یار و فاداری میں کوتاہی تقصیر کی

کہنے لگا چپکا سا ہو کر بائے دریغ شکار اپنا  
جسکے لیے آوارہ ہوئے ہم چھوٹا مشہور دیار اپنا  
غم و غصہ سے دیکھی ہو گئی آپ ہی گلے کا بار اپنا  
جی میں لہر آدے ہے لیکن رہتا ہوں من مار اپنا  
کیونکہ جناد سے اس سے کوئی ربط محبت یار اپنا  
کیا رو میں چاہت کے اثر کو وہ نہ ہو ٹلک یار اپنا

رحم کیا کر لطف کیا کر پوچھ لیا کر آخر ہے

میر اپنا غمخوار اپنا پھر زار اپنا بیمار اپنا

اے کاش میرے سر پر اکبار وہ آجاتا  
تب تک ہی عمل ہے جب تک نہیں آتا وہ  
اک آگ لگا دی ہے چھاتی میں بدالی نے  
یالاگ کی دے باتیں یا ایسی ہی بیزاری  
کیا نوزہ بکتا ہے چہرہ کہ شب مہ میں  
اس شوق نے دل کے بھی کیا بات بڑھائی تھی  
یہ سہمی کا دسویں اُسکے لب خندان سے  
اب تو نہ وہ بھی طاقت گئی سب ل کی

تھراؤ سا ہو جاتا یوں جی نہ چسلا جاتا  
اس رستے نکلتا تو ہم سے نہ رہا جاتا  
وہ مہ گلے لگتا تو یوں دل نہ جلا جاتا  
وہ جو نہ لگا لیتا تو میں نہ لگا جاتا  
مٹھدھکھوے جو سو رہتا تو ماہ چھپا جاتا  
رقمہ اسے لکھتے تو طومار لکھ جاتا  
بس کچھ نہ چلا ورنہ پستے کو چب جاتا  
جو حال کبھو اپنا میں تم کو سُنا جاتا

وہو اس نہ کرتا تھا مر جانے سے بچاں میں

تھا میر تو ایسا بھی دل جیسے اٹھا جاتا

<p>پر بعد نماز اٹھ کر مینخانہ چلا جاتا یوسف بھی جو داں ہوتا تو اس پر بکا جاتا جی مفت مرا جاتا اس شوخ کا کیا جاتا سر کھینچا یہ شعلہ تو محبو حبلا جاتا تھے جمع قلم کا غد پر کچھ نہ لکھا جاتا کیا ہوتا یا یکا یک وہ سر پر مرے آ جاتا جو ہاتھ مرے چڑھتا تو پاں کو کھا جاتا کیوں کام بگڑ جاتا جو صبر کیا جاتا</p>	<p>مستانہ اگر چہ مین طاعت کو لگا جاتا بازار میں ہو جانا اس مہ کا تماشا تھا دیکھنا ادھر در نہ آتا نہ نظر پھر میں شب آو شرافشاں ہونٹھوں پھری میرے کیا شوق کی باتوں کی تحریر ہوئی مشکل آنکھیں مری کھلتیں تو اس بھری پر پڑتیں بزنے کا ہوا رکش خط رنج جاناں کے ہے شوق سیر و سہ بنامی و رسوائی</p>
<p>تھا میر بھی دیوانہ پر ساتھ ظرافت کے ہم سلسلہ داروں کی زنجیر ہلا جاتا</p>	
<p>اس زلف پر شکن نے مجھے مبتلا کیا میں جون چراغ گور اکسلا جلا کیا ہر روز خط شوق ادھر سے چلا کیا آنکھوں سے اُسکی رات جو تلوے ملا کیا</p>	<p>یہ دل نے کیا کیا کہ اسیر ہلا کیا گو بکیسی سے عشق کی آتش میں جل بجھا آیا نہ اسطرت سے جواب ایک حرف کا ڈرتا ہی میں رہا کہ پلک کوئی گزرتا جلا</p>
<p>بد حال ٹھنڈی سانپیں بھرا کبتلک کرے سر گرہ مرگ میر ہوا تو بھلا کیا</p>	
<p>یاں پھر اگر آؤں گا سید نہ کہاؤں گا بتخانہ میں جاؤں گا زنا ربند صلاؤں گا آئندہ کسو سے میں دل کو نہ لگاؤں گا کیا جانیے پاؤں گا یا اس کو نہ پاؤں گا</p>	<p>ور پر سے ترے ابے جاؤں گا تو جاؤں گا یہ نذر بدی ہے میں کہنے سے جو اٹھا ہوا آزار مہبت کھینچے یہ عہد کیا ہے اب سر گرہم طلب ہو کر کھویا سا گیا اب ہی</p>
<p>اگر میر ہوں چپکا سا پر طرفہ نہر و رہوں بگڑے گا نہ ٹھنک وہ تو سوبائیں سناؤں گا</p>	
<p>لڑ کا سا اُن دنوں تھا اُسکو شور کیا تھا عاشق اگر ہوئے تھے ناؤں غرور کیا تھا اب مرتبہ جو سمجھے وہ اتنا دور کیا تھا</p>	<p>دیوانگی میں مجنوں میرے حضور کیا تھا اگر دن کشی سے اپنی مارے گئے ہم آخر غم قرب بعد کا تھا جب تک نہ پہنچے جانا</p>

اے واسے یہ نہ سمجھے مارے پڑینگے ہمیں | انہارِ عشق کرنا ہم کو ضرور کیا تھا

مرتا تھا جسکی خاطر اُس کی طرف نہ دیکھا  
میسر ستم رسیدہ ظالم غیور کیا تھا

دل کو گل کہتے تھے دردِ غم سے مچھایا گیا | جی کو مہاں سنتے تھے مہاں سا آیا گیا  
عشق سے ہو حال جی میں کچھ تو کیئے دیکھو | ایک دن باتیں ہی کرتے کرتے سنایا گیا  
جستجو میں یہ نقب کھینچی کہ آخر ہو گئے | ہم تو کھو گئے بھی گئے لیکن نہ تو پایا گیا  
اک نگہ کرنے میں غارت کر دیا اے دلے ہم | دل جو ساری عمر کا اپنا تھا سہرا آیا گیا  
کیا تعجب ہے جو کوئی دل زدہ ناگہ مرے | اضطرابِ عشق میں جی تن سے گھلایا گیا  
ماہ کہتے تو کہا اُس کو خوش کہے حریف | شہر میں پھر ہے اپنا ٹھہ نہ دکھلایا گیا

جیسے پر بھائی دکھائی دے کے ہو جاتی ہو  
میسر بھی اُس کام جاگ دو ہیں تھا سا یا گیا

ہم سب عشق جسکے تھے وہ روٹھ کر گیا | دیکھ اُسکو بیدار غنہ سب اُتر گیا  
جاں بخشی اُسکے ہونٹوں کی سن بن زدگی | ایسا چھپا کہیں کہ کہا جائے مر گیا  
کہتے ہیں میسر کہ یہ گیا ترکِ عشق کر | راہِ دل شکستہ کہ صر وہ کہ صر گیا

شاید جگر حرارتِ عشقی سے جل گیا | کل دردِ دل کہا سو مرا منہ اُبل گیا  
بے یار حیف باغ میں دل تک بہل گیا | دے گل کو آگ چارِ برف میں نہ جل گیا  
اس آہورِ میدہ کی شوخی کہیں سو گیا | دکھلائی دے گیا تو پھلا واسا چھل گیا  
دن رات خوں کیا ہی کیے ہم جگر کو پھر | گر پھول گل سے کوئی گھڑی جی بہل گیا  
تو رہنے سے تو نہیں اُسکے بے حواس | اندیشہ یہ ہے طور ہی اس کا بدل گیا  
ہر چند میں نے شوق کو پہنا کیا ولے | اک آدھ حرفِ پیار کا منہ سے نکل گیا  
کرتے میں نہ رہا کہ نہ الفت کرتے ہیں | گر دل ضعیف اب کے ہمارا سنھل گیا  
چلتے گئے تھے راہِ طلب پر نزارِ شکر | پہلے قدم ہی پاؤں ہمارا پھل گیا  
میں وہ دلا تو آگے ہی تھا فطرتِ شوق سے | طور اس کا دیکھ اور بھی کچھ دل دہل گیا  
سرب نے بچا نے بہت خاک کی طرف | شاید کہ میسر جی کا دماغی خلل گیا

عشق رسوائی طلب نے مجھ کو سرگرداں کیا  
ہم سے تو جز مرگ کچھ تدبیر بن آئی نہیں  
داخل دیوانگی ہی تھی ہمارے عشقی  
شکر کیا اُس کی کریمگی کا ادا بندے سے ہو  
سج سی بھوویں جھکائیں برچھپائیں سے مرہ  
ایک ہی انداز نے اُس کا نربے مہر کے

کیا خرابی سر پہ لایا صومعہ دیراں کیا  
تم کو کیا تم نے درد عشق کا درماں کیا  
یعنی اُس سودے میں بننے جان نقصاں کیا  
ایسی اک ناپزیر مشقت خاک کو اٹھاں کیا  
نون کا مجھ بے سرو پا کے بلا ساں کیا  
ساکنان کعبہ کو بے دین و بے ایاں کیا

لکھنؤ دلی سے آیا ہوں رہتا ہے اُداس  
میر کو سرگشتگی نے بے دل و حیراں کیا

دل سنبھالے کہیں میں کس جو چلا جاتا تھا  
بید ماغی کا سماں دیکھنے کی کس کو تاب  
سوزش دل کے سبب مرگ نہ تھی عاشق کی  
ہلکا دے ہے حقیر ہی سے مجھے اب وہ بھی

ضعف اتنا تھا کہے بات ڈھلا جاتا تھا  
آنکھیں ملتا تھا جو وہ بھی ملا جاتا تھا  
اپنی غیرت میں وہ کچھ آپ ہی جلا جاتا تھا  
جس شکستے سے نہ جاگہ سے ہلا جاتا تھا

میر کو واقعہ کیا جانے کیا تھا ورنہ پیش  
کہ طرقت وشت کے جوں سیل پلا جاتا تھا

ترک لباس سے میرے نے کیا وہ رفتہ عنائی کا  
پاس سے اٹھ چلتا ہے وہ تو آپ میں رہتا نہیں  
حال نہ میرا دیکھے ہے نہ کہے سے تامل ہے اسکو  
ظاہر میں خورشید ہو اوہ نور میں پنہان ہے  
یاد میں اُسکی قامت کی میں لو ہو رو سو کھ گیا  
بعد مرگ چو راغ نہ لاوے گور پہ وہ عاشق کی آہ

جلاسہ کا دامن یا تو نہیں اُلجھا ہاتھ اچھلا کلائی کا  
یجاتا ہے جاسے مجھ کو جانا اُس ہرجانی کا  
کوہِ خود آرائی کا یا بیخود سے خود رانی کا  
خالی نہیں ہر حسن سے چھینا ایسے بھی پیدا کی کا  
آخر یہ خمیازہ طہینچا اُس خسرج بالائی کا  
جیتے جی بھی داغ ہی تھیں اُسکی بے پردائی کا

چشم و فاخوان زماں سے سادہ ہو سو رکھے میر  
قصہ ہے مشہور زمانہ پہلے دونوں بھائی کا

پھرے یہ وحشی سا گم گشتہ عشق کا تیرا  
درنج و درد کچھ کیوں ہی باں تو جی ہی گئے  
جہاں بھڑ ہے ترے شور حسن و خوبی سے

بھوں سے پائے ہیں بیگانہ آشنا تیرا  
ہوا ہے ایک نغمہ میں زیاں کیا تیرا  
لبوں پہ لوگوں کی ہے ذکر جا بجا تیرا

نگاہ ایک ادھر ایک تیغ تیز کی اور	سہارا خون ہی کرتا ہے مدعا تیرا
نظر کنھوں نے نہ کی حال میر برافسوں	غریب شہر وفا تھا وہ خاکیا تیرا
صورت شیریں کے آگے کام اپنا کر گیا	عشق میں کس حسن سے فریاد ظالم کر گیا
خانہ آبادی ہیں بھی دل کی یوں ہے آرزو	جیسے جلوے سے ترے گھر آرسی کا بھر گیا
میر سچائی کش تھا غافل پر خدا نے خیر کی	حاوے کا کیسا اُسکے سر پہ سے تپھر گیا
کیا عشق سو پھر مجھے غم رہا	مژہ نم رہیں حال در غم رہا
ضعیف و قوی دونوں رستے نہیں	نہ یاں ترال ٹھہر نہ رستم رہا
سحر جلوہ کیوں کر رہے گل ہو گیا	یہ اندیشہ ہر رات ہر دم رہا
ہوا غم مجھے خوں جگر میں نہیں	اگر آنسو آتے کوئی تھم رہا
رہی آتی آندھی سی سینے میں میر	بہت دن تڑپنے کا ادھم رہا
کے گیا مہینے گیا کر بلا گیا	جیسا گیا تھا ویسا ہی چل پھر کے آ گیا
دیکھا ہو کچھ اس آمد و شد میں تو میں کہوں	خود گم ہوا ہوں بات کی تہ اب جو یا گیا
پہرے گئے کے میر سے نہ ہوں آبدیدہ کیوں	مانند ابر و دیدہ تراب تو چھپا گیا
جاں سوز آہ و نالہ سمجھتا نہیں ہوں میں	ایک شعلہ میر سے دل سے اٹھا تھا جلا گیا
وہ جیسے بھاگتا ہی پھر اکسب و نازتے	جوں جوں نیاز کر کے میں اس سے لگا گیا
جو رہ سپردوں سے برا حال تھا بہت	میں شرم ناکسی سے زمیں میں سما گیا
وہ دیکھا جو زہ بے تہمت کے ساتھ اسے	پھر مجھ شکستہ پا سے نہ اکدم رہا گیا
بیٹھا تو بوریے کے تئیں سر پہ رکھکے میر	صفت کس دب سے ہم فقر کی اٹھا گیا
عشق کی ہر بیماری ہم کو دل اپنا سب درد ہوا	یہ نگ بدن میت کے رنگوں جیتے جی ہی نہ زرد ہوا
تب بھی نہ کھینچا تھا ہم نے آخر مر کر خاک ہوئے	اب جو غبار ضعیف اٹھا تھا پامالی میں گرد ہوا

<p>عشق کیا کیا آفتیں لاتا رہا مہر و مہگل پھول سب تھے پرہیز دل بہا کب عشق کی رہ کا دلیں منہ دکھاتا برسوں وہ خوشرو نہیں کچھ نہ میں سمجھا جنون عشق میں داغ تھا جو سر پہ میرے شمع ساں</p>	<p>آخر اب دوری میں جی جاتا رہا پہرہ پہرہ ہی وہ بھاتا رہا میں تو خود گم ہی اُسے پاتا رہا چاہہ کایوں کب تلک ناتا رہا دیرِ ناصح مجھ کو سمجھاتا رہا پاتوں تک مجھ کو وہی کھاتا رہا</p>
<p>کیسے کیسے رُک گئے ہیں میرے مدتوں منہ تک جگر آتا رہا</p>	<p>اوصافِ موسے شعریٰ ابھراؤ پڑ گیا جیتے جی یہ ملانہ رہا سورہا غریب کیا اُس کے دل جلے کی تہا میں دیر ہو فریاد پہلو ان محبت پہاڑ تھا گل رنگ رنگ شاخ پہ نکلا بہار میں یاں حادثے کی باؤ سے ہرک شجر ہجر</p>
<p>دانتوں کو سلک درجو کہا میں سوڑ گیا جو دل شکستہ ساتھ سے اس لکھ چھڑ گیا جیسے چرخِ صبح شبنامی نبڑ گیا بی طافتی جو دل نے بہت کی کھپڑ گیا آنکھیں سی کھل گئی ہیں جو مچھائے چھڑ گیا کیسا ہی پائدار تھا آخدا کھڑ گیا</p>	<p>شرادے سروہ ہووے اگر آدمی روشن وصف اُسکے قد کا میرے سنگر اکڑ گیا</p>
<p>کچھ ہمارا اسی میں دارا تھا جب کہ عہدِ جنوں ہمارا تھا سرور اور سنگِ خارا تھا گو کہ دشمنِ جہان سارا تھا جب تلک لطف کچھ تمہارا تھا آسمان کا بھی کیا ستارا تھا یاں کبھو اسکایوں گزارا تھا گشت تھا وید تھا نظارا تھا قتل کا تیغ سے اشارا تھا</p>	<p>جان اپنا جو ہم نے مارا تھا کون لیتا تھا نامِ مجنوں کا کوہِ سرِ باد سے کہیں آگے ہم تو تھے محوِ دستی اُس کے لطف سے پوچھتا تھا ہر کوئی آستان کی کسوٹی خاک ہوا پانوں چھاتی پہ میرے رکھ چلتا موسم گل میں ہم نہ چھوٹے حیف اُسکی ابرو جو تک جھکی ایدھر</p>

<p>عشق بازی میں کیا موکے ہیں میر آگے ہی جی اُنہوں نے ہارا تھا</p>	<p>خوب کیا چواہلِ کرم کے جو دکا کچھ نہ خیال کیا روندر کے جو رستے اُن نے ہکو پاؤں جنائی اپنے کیے نکلے ہو گر گھاس جلی بھی خاک سے الفت کشٹوں کی دل جو ہمارا خون ہوا تھا رنج و الم میں گزرتی تھیں</p>
<p>میر سدا بچال رہو ہو مہر و وفا سب کرتے ہیں تم نے عشق کیا سو صاحب کیا یہ اپنا حال کیا</p>	<p>ہم کوئے مٹاں میں تھے ماہِ رمضان آیا گو قدرِ صحبت میں تھی سہل مری لیکن رسم اُٹھ گئی دنیا سے اکبارِ مروت کی یہ نفع ہوا نقصاں چاہت میں کیا جی کا بلبل بھی تو مالاں تھی پر سارے گلستا نہیں طاہر کی بھی رہتی ہی پھر جان چن ہی میں</p>
<p>خلوت ہی رہا کی ہر مجلس میں تو یوں اُس کی ہوتا ہے جہاں کجا میں میر جہاں آیا</p>	<p>صدِ شکر کہ مستی میں جانا نہ کہاں آیا ستا جو بکا میں تو بجو بھی گراں آیا کیا لوگ زمیں پر ہیں کیسا یہ سماں آیا کی ایک نگہ اُن نے سوچی کا تیاں آیا اک آگ پھکی میں جب سرِ گرم فناں آیا گل آئے جہاں وہ بھی جو لبِ دہاں آیا</p>
<p>خون نہ بھرا دل چاہیے بیسگواں کام سے جاوے گا کام اپنے وہ کیا آیا جو کام ہمارے آدے گا آہ مکھیں لگی رہتی ہیں اکثر چاکِ قفس سے اسیروں کی بھونکا بادِ بہاری کا گلابِ گ کوئی یاں لاوے گا فتنے کتے جمع ہوئے ہیں زلف و خال و خد و قد کوئی نہ کوئی عہد میں میر سے سران میں سے اُٹھا دیگا عشق میں تیرے کیا کیا شکر یار گر جاتے ہیں یعنی غم کھاتے ہیں بہت ہم غم بھی ہکو کھاوے گا ایک نگہ کی امید بھی اسکی چشمِ شوخ سے ہکو نہیں</p>	



ایدھر اودھر دیکھے گا پر ہم سے آنکھ چھپا دے گا  
اب توجہ انی کا یہ نشہ ہے بیخود تج کو رکھے گا  
ہوش گیا پھر آوے گا تو دیر تلک پچھتاوے گا

دیر سے اس اندیشہ نے ناکام رکھا ہے میر  
پاؤں چھوئیں گے اُس کے ہم تو وہ بھی ہاتھ لگا دینگا

ہمارا آنی چلو چین میں ہوا کے اوپر بھی رنگ آیا  
نہاں تلک گل نہ ہووے غنچہ رہا مندے منہ تنگ آیا  
چلے ہیں مونڈھے پھٹی ہے کتنی چسی ہے چوٹی پھنسی ہو مہری  
قیامت اُس کی ہے تنگ پوشی ہمارا جی تو بہ تنگ آیا

وہی ہے رونا دی ہے کڑھنا وہی ہے سوزش جوانی کی سی  
بڑھایا آیا ہے عشق ہی میں یہ میر ہکو نہ ڈھنگ آیا

دل کو کہیں گئے دو میرے کیا کیا رنگ دکھاؤں گا  
چہرے سے خون ناب لہوں گا پھولوں سے گل کھاؤں گا  
عہد کیے جاؤں ہوں ابکی آخر مج کو غیرت ہے  
تو بھی منانے آوے گا تو ساتھ نہ تیرے آؤں گا  
گرچہ نصیحت سب ضایع ہے لیکن خاطر نا صبح کی  
دل دیوانہ کیا سمجھے گا اور بھی میں سمجھاؤں گا  
جھکے سلام کسو کو کرنا سجدہ ہی ہو جاتا ہے  
سر جاوے گا اس میں میرا سر نہ فرو میں لاؤں گا  
سر ہی سے سرواہ یہ سب ہے ہجر کی اُسکی کلفت میں  
سر کو کاٹ کے ہاتھ پہ رکھ کے آپ ہی ملنے جاؤں گا  
خاک لائٹھ خون آنکھوں میں چاک گریباں تامل میں  
صورت حال اب اپنی اس کے خاطر خواہ بناؤں گا

دل کے تیغ اس راہ میں کھو افسوس کنناں ب پھرنا  
بنی فنیق بقیق پھر ایسے میر کہاں میں پاؤں گا

<p>و لے اسکی نایابی نے جان مارا مرے سر سے میرا ہی دیوان مارا گیا سانجھ تو صبح پھر آن مارا اس انداز سے جیسے اک بان مارا</p>	<p>گرچہ جہاں میں نے سب پھان مارا قیامت کو جسے راندہ شاعری پر برہائی ہے اس صید انگن سے شکل لگا آتشیں نالہ شب اپنے دل کو</p>
<p>قیامت کا عرصہ ہو اسے میر درہم مرے شور و زاری نے میدان مارا</p>	
<p>گیا دل سوہم پرستم کر گیا مرے ہاتھ دونوں قلم کر گیا تن زار سیرا بختنم کر گیا کل اک ابر آیا کرم کر گیا بہت بار قول و قسم کر گیا قدر راست کو اپنے خم کر گیا</p>	<p>چکر خوں کیا چشم خم کر گیا ان آنکھوں کو ترس لکھا تھا کہیں شب اک شعلہ دل سے ہوا تھا بند مرے مزرع زرد پر شکریہ ہے نہ اک یار وعدہ وفا کر سکا فقیری میں تھا شیب بار گراں</p>
<p>لگاے شب و روز اب چھوڑ میر واج آنکھوں کا تو درم کر گیا</p>	
<p>ہا کام عشق تب تو عاشق کا نام نکلا ہم بظرف سے نکلے ساڈھ زہام نکلا جمیدھر سے ناز کرتا تو شخص نام نکلا بیجا ہوا دل اپنا جب وہ مقام نکلا</p>	<p>باری کیے کسو کا کا ہیکو نام نکلا لہگا سے سے جہاں میں بنے جنوں گناہ یابی خط سے نکلا نہ کبک اودھر جنگ مانہ میں تو بحث ہی عشق ہی کا</p>
<p>جانا تھا جھگڑے تو بختہ مخمر ہو گا دیکھا تو میر تیرا سودا بھی خام نکلا</p>	
<p>ظلم صریح عشق کی ادا دے ہوا کچھ ہوا سو خوش ہش فریاد دے ہوا</p>	<p>لے مجھے کچھ نہ اس ستم بکا دے ہوا شہرین کا حسن ایسا تھا جو فتنہ جانیں</p>
<p>خوش زمرہ بطوری ہوئے ہیں میر اسیر ہم پرستم یہ صبح کی فریاد دے ہوا</p>	
<p>نزار کیا بیمار کیا اس دل نے کیا آزار کیا داغ سے تن لکھنا کیا سب آنکھوں کو خونبار کیا</p>	

جرم ہے ہم الفت کشوں کا لگ پڑنے سے شوق ہوا چاہا ہئے کیا کیا تھا پر اپنا چاہا کچھ نہ ہوا پیش گئی کب پیش زمانہ طبع خوش پر کس کس کے	اب کہتے ہیں دل میں اپنے بٹنے اُسے کیوں پائیا عزت کھوئی کزالت کھینچی عشق نے خوار کیا اک گردش میں سپہ نے جیسے سطح زمیں ہموار کیا
ملا دی میری لے آہ نہ جا جا ہی ہی اس میں جا رہا ہے عشق کا اُس پیر کار کے میں نے لوگوں میں صرا کر کیا	
سینے کا سوز بہت بھڑکا جلاتن مارا صورت اُسکی مری کھینچی تھی گلے گلے ہوئے	جامہ زمیوں نے غضب آگ پہ دہن مارا سوجھا کار نے نقاش کو گردن مارا
دل ہی میں خون ہوئی وصل کی خواہش میر ہم نے آزادگی تجھ سے کیا من مارا	
پیری میں بے دماغ ہو بیٹھے پیرافسوں یہ بہک رہا کیا روداد کہیں ہم اپنی گرینہ ڈرا محبت کی	دانت تھکائے منہ میں کے ہیں اس معرور نے یوں کہا رونا سا کوئی روئے ہیں آنکھوں سے اک رو دہا
ہم مر اساجیری پر ہونہ سکے کا اٹال سے جو رو جھار ستم جو گزرے سب کچھ میں نے میسر ہا	
چاہت کیا اظہار کیا سو اپنا کام خراب ہوا ساری ساری راتیں جاگے عجز و نیاز و زاری کی کیا کیئے متاب میں شب کی وہ بھی ملگ بیٹھا تھا صبح جو آگے شام کو آئی ترک سے جگر خاک ہوئی	اس پر دے کے اٹھ جانے سے اُسکو تھپے حجاب تب جا کر ملنے کا اُسکے صبح کے ہوتے جواب ہوا تاب رخ اس مہ نے دیکھی سو درجے بیتاب ہوا صبح گل ترسانے ہو کر جوش شرم سے آب ہوا
مرتے نہ تھے ہم عشق کے روتے بے کفنی سے نمی میر دیر میر اس عالم میں مرنے کا اسباب ہوا	
تھا محبت سے کبھو ہم میں کبھو یہ غم میں تھا کیا ہوا پہلو سے دل کیا جانو کیا جانوں ہو نہیں	دل کا ہنگامہ قیامت خاک کے عالم میں تھا ایک قطرہ خوں جھلکتا صبح چشم نم میں تھا
میر گزرے دونوں یاں عید و محرم ایک سے اپنی دس دن جینے کے میل بنے ہی ماتم میں تھا	
وفا داری لے جی مارا ہمارا پھر بھی تیوری کبھو اُسکی نہ اتری	ناسی میں ہو گا کچھ دارا ہمارا غضب ہو کر نہ پیا رہا ہمارا

<p>کہ آنسو تھا جگر پارا ہمارا گیابے یارس یا را ہمارا</p>	<p>رہا افسوس آنکھیں تر ہوئیں تو نہ بارے یا درسی طالع نے کچھ کی</p>
<p>گنہ لب تک نہ آیا میر ہرگز نہ کھپا جی ہی میں غم سارا ہمارا</p>	
<p>رویف بائے موحدہ</p>	
<p>ہوا جودل توں خرابی آئی ہر ایک اعضا میں ہے فتور اب حواس گم ہیں دماغ گم ہے رہا سہا بھی گیا شعور اب میں گے غائب ہزار یوں تو نظر میں ہرگز نہ لاوے گا تو کرنیکے ضایع ہم آپ ہی کو تنگ ہو کر ترے حضور اب</p>	
<p>دجوب و امکاں میں کیا ہے نسبت کہ میر بندے کا پیش صاحب میں ہے ہونا ضرور کچھ تو مجھے بھی ہونا ہے کیا ضرور اب آنسو گتے ہیں اب تباب تباب حال دل ہو گیا خراب تباب جوں گیا موسم شباب تباب جیسے لڑکوں کو آئے خوب تباب آوے خط کا اگر جواب تباب ہے دل آزاری عتاب تباب</p>	<p>کیا گئی جان و دل سے تباب ہلکی دے پلکیں اور گئی رننے یوں صبا بھی سبک نہیں جاتی پیر ہو کر ہوا ہوں یوں غافل مرے ہیں ہو جواب نامہ وہی ہر بانی تو دریر میں ہے کبھو</p>
<p>ہاں قدم چاہئے رکھیں گن کر میرے ہے کوئی حساب تباب</p>	
<p>آتے ہیں شے ہم کبھی بیگار میں صاحب شبہ ہے ہم یارے دیدار میں صاحب معلوم نہیں ہوتے ہو گزدار میں صاحب سوال آؤں نکلے ہیں تار میں صاحب کیا کیا خبریں آتی ہیں اخبار میں صاحب</p>	<p>بیگار بھی درکار میں سرکار میں صاحب محرور نہ رہ جائیں تہیں بعد فنا بھی لیٹھا ہے ہوا رنگ مرا پاستے تمھارے دستا تھا سزاف بھی زیر کلا آگے ہے چار طرٹ شور مری خیر می کا</p>

<p>رشتہ ہے عجب سبب و زنا میں صاحب یا ہر سخن اب آوے ہو کر میں صاحب کب ایسا غلام آوے ہو بار میں صاحب جو ہر نہیں ہے اکلی تلوار میں صاحب</p>	<p>گو فہم نہ ہو کفر کی، اسلام کی نسبت یا گفتگو کا میری نہ کرتے تھے کبھی ذکر طالع سے زلیخا نے لیا مصر میں یوسف رکھتی ہے لکھا ساتھ مٹا دینے کا میرے</p>
<p>یہ عرض مری یاد رہے بندگی میں میر جی بچتے نہیں عشق کے اظہار میں صاحب</p>	
<p>زندگانی ہے درد سر ہے اب بیدار ہی بیشتر ہے اب گرم گو یار کی خبر ہے اب دل خدا جانے کدھر ہے اب</p>	<p>درد سر کا پہر پہر ہے اب وہ دماغ ضعیف ہی نہ رہا کیا ہمیں ہم تو ہو چلے ٹھنڈے کیا ہمیں حال خاطر اشفہ</p>
<p>عزلی میری جوں صبا اُس بن خاک بر سر ہے در بدر ہی اب</p>	
<p>دیدہ ترابر سا چھایا ہے اب اُس کے بالوں بھی بل کھایا ہے اب بخودی نے حال پہنچایا ہے اب رکتے رکتے جی بھی گھبراہٹ ہے اب دشمنوں نے اُسکو بہکایا ہے اب زندگی کا دل جو سر پایا ہے اب</p>	<p>جوشِ رونے کا مجھے آیا ہے اب ٹھہرے بانکے سیدھے سب ہو جائینگے ہوں بخود تو کوئی پہونچے مجھ تک کاشکے ہو جائے سینہ چاک چاک راہ پر وہ کیونکہ آوے مست ناز کیا جییں گے داغ ہو کر خوں ہوا</p>
<p>میر شاید کہے ہی میں رہ پڑے دیر سے تو یاں خدا لایا ہے اب</p>	
<p>نا اُسید اس زندگانی کرنے سے اکثر ہے اب وہ بت بہر اپنی اور سے پھرتے ہے اب میرے شعر و شاعری کا تذکرہ گھر گھر ہے اب کر دوا جو طبع میں آوے ترے بہتر ہے اب عالم اپنا دیکھے تو عالم دیگر ہے اب</p>	<p>کیا کریں تدبیر دل مقدور سے باہر ہے اب جن دنوں ہم کافروں سے ربط تھا دے ہوئے دور تک رسوا ہوا ہوں شہروں ملک ملک وہ طبیعت ہی نہیں ہو میری اسے شفق طبیب بخود اُس مست ادا و ناز بن رہتے ہیں ہم</p>

وہ سپاہی پیشہ لوگوں ہی میں رہتا ہے کھڑا	اگر و پیش اُس دشمن احباب کے لشکر ہے اب
گفتگو انسان سے محشر میں ہے یعنی کہ میر	سار اہنگامہ قیامت کامرے سر پر ہے اب
خلاف وعدہ بہت ہوئے ہو کوئی تو وعدہ وفا کر و اب ملا کے آسمان بکھیں دروغ کہنا کہاں تملک کچھ حیا کر و اب خیال رکھیے نہ سرکشی کا سُنو ہو صا حب کہ پیری آئی حمیدہ قامت بہت ہوا ہے جھکائے ہی سر پر با کر و اب	
کہاں ہے طاقت جو میر کا دل سب ان بلاؤں کی تاب لائے	اگر شے غمزدہ کو ناز سے ملک ہماری خاطر جدا کر و اب
مگر سے عہد سب قرار فریب ہے بلا کوئی وہ شکار فریب اک اداس کی ہے ہزار فریب	یار میرا بہت ہے یار فریب راہ رکھتے ہیں سکے دام سے صید عہدے سے نکلیں کس طرح عاشق
التفات زمانہ پر مست جا میر ویتا ہے روزگار فریب	
کوئی اپنا نہ یار ہے نہ جلیب	اس شکر کے ہم ہیں شہر غریب
سر رکھتے اس آستان پر میر	یاری کرتے اگر ہمارے نصیب
رویت تائے فوقانی	
جب سے آنکھیں لگی ہیں ہماری نیند نہیں آتی ہے رات تکتے راہ رہے ہیں دن کو آنکھوں میں جاتی ہے رات سخت ہیں کیا ایام جدائی دشواری سے کھٹتے ہیں دن دیواروں سے سر ماروں ہوں پتھر ہے چھاتی ہے رات جوں دن ہجر کے غم میں اُس کے شام دسھر ہم کرتے ہیں در نہ کسے دن خوش آتا ہے کسے تئیں بھاتی ہے رات	

رات کو جس میں چین سے سوویں سو تو اُس کی جدائی میں  
شیعِ نخط جلتے رہتے ہیں اور ہمیں کھاتی ہے رات

روز و شب کی اپنی معیشت نقل کریں کیا تم سے میر  
دن کو قیامت بھی یہ رنج ہے سر پہ بلا لاتی ہے رات

دیر کب رہنا ملے ہے یا نہیں مہلت بہت  
کم نہیں دیوانہ ہوتا بھی ہمارا دفتر  
گر یہ وزارتِ می سے روز و شب کے شکوے کچھ نہیں  
کیا دواع اس یار کے کوچہ سے ہم مشکل ہوئے  
بعد مرگ آنکھیں کھلی رہنے سے یہ جانا گیا  
منکے صنایع روز گاری اُسکی جی لایا نہ تاب  
آنکھیں جاتی ہیں مندی ضعفِ دلی سے مہدم  
دل گئے پر آجکل سے چپ نہیں مجھ کو لگی

دل میں جا کر تا ہے طور میر شایر دو شاں  
اُن نے صاحبِ دل کسو سے رکھی یہ صحبت بہت

چشمِ رہنے لگی پر آب بہت  
دیرو کہیں میں اُس کے خواہشمند  
دل کے دل ہی میں رہے ارمان  
ازا عاشقوں کا گر ہے تو آب  
کیسے بے پردہ کیونکہ عاشق ہیں  
شاید آدے کا خوب ناب بہت  
ہوتے پھرتے ہیں ہم حجاب بہت  
کم رہا موسمِ خباب بہت  
تو ہوا ہے تمہیں تو آب بہت  
ہم کو لوگوں سے ہر حجاب بہت

میر بخود ہیں اس جناب سے اب  
چاہئے سب کو اجتناب بہت

دل نے کام کیے ہیں صنایعِ دلبر ہے دلخواہ بہت  
قدر بہت ہی کم ہے دل کی پر دل میں ہے چاہ بہت  
راہ کی بات سُنی بھی ہے تو جانا حرفِ غریب اُس کو  
خوبی پر اپنی حُسن پر اپنے پھر تا ہے گمراہ بہت

حیرانی ہے کیونکہ ہووے نسبت اپنی اُس سے درست  
 بندہ تو ہے عاجز عاجز اُس کو غرور المٹ بہت  
 شوق کا خط طو مار ہوا تھا ہاتھ میں لے کر کھولا جب  
 کہنے لگا کیا کرے لکھے ہے اب تو نامہ سیاہ بہت  
 سب کہتے ہیں ردے توجہ ایدھر کرنے کہتا تھا  
 شایدیوں بھی ظاہر ہووے ہے تو سہی افواہ بہت  
 اب تو ہے پیری حضرت ہو کر ایک کنارے بیٹھے ہیں  
 جب تھی جوانی تب تو ہم بھی جاتے تھے درگاہ بہت

کیا گزری ہے جی بہ بھارے ہم سے تو کچھ میسر ہو  
 آنے لگی ہے دردِ عالم سے صاحب لبِ پردہ بہت

کرتا ہے گرچہ یاروں سے وہ طیر بھی بانکی بات  
 تھی بھر کی سی لہر کہ آئی چلی گئی  
 اب تو فنا و مہر کا مذکور رہی نہیں  
 مرغ اسیر کہتے تھے کس حسرتوں سے ہائے  
 پر کیا ہی دل کو لگتی ہے اُس بد زباں کی بات  
 پہونچی ہے اس سرے تیش طبع رواں کی بات  
 تم کس سمیں کی کہتے ہو یہ ہے کہاں کی بات  
 ہم بھی کبھی سنیں گے گلوں کے دہاں کی بات

شب باش اُن نے کہتے ہیں آنے کہا ہے میر  
 دن اچھے ہوں تو یہ بھی ہو اس مہرباں کی بات

### روین تائے مثلث

نہیں گر چوٹ دل پر گریہ و زاری کا کیا باعث  
 ہوئے تختے چمن کے پھیلتیاں عے عشق داغوں کا  
 رکیں کا ہیکو چشم تر کی خوبناری کا کیا باعث  
 ہمارا آنے سے آگے ایسی کلکاری کا کیا باعث

تماشہ ہے کہ اکثر نگہی زن رستے ہو ہم پر  
 ہمیں سے پوچھو تو پھر میر بیماری کا کیا باعث

دل ہمارا ہے بقرار عبث  
 تو گلے کا ہوا ہے ہار عبث  
 اب پیے خون روزگار عبث

عہد اُس کا غلط قرار عبث  
 ہم گلا کاٹتے ہی تھے اپنا  
 لوہورونے سے سب بچوڑ لیا



لوگ اُسکے ہوئے شکارِ عبث	آہ وہ کس قدر ہے مستغنی
میر تو آگے ہی مر رہے ہیں میر تیغ پھینچے پھرے ہے یارِ عبث	
رویفِ حیمِ عربی	
کوئی گھڑی تو پاس ہو یاں پھر دم صحت کیا ہو آج دنگلی سے رُکے ہے دم کیا نیلے صوت کیا ہے آج اُس ظالم پیرحم کی میری ایسی صحبت کیا ہے آج کوئے بادۂ فروشاں میں میری حرمت کیا ہے آج	حال بُرا ہے تمکو ہم سے اتنی غفلت کیا ہو آج سامنے ہو وہ اُٹینہ پر آنکھ نہیں کھل سکتی ہے فرقِ دین جٹے رہتے ہیں جیسے دل کی لاگ لگی شیشہ صراحی سا غر و مینا سب کل تک بھی حاضر ہے
میر گھڑے اک ساعت ہی میں غش تم کرنے لگتے ہو تاب نہیں کیا ضعف ہے دل میں جی بیطانت کیا ہو آج	
<p>ہم تو لبِ خوشترنگ کو اُس کے مانا بسلِ احمر آج اور غرور سے اُن نے ہم کو جانا کس کر تپھر آج عشق کے جو گزشتہ ہوئے ہم رفتہ رفتہ دوار ہوا پاتوں میں چکر ہوتا ہے یاں سر کو بھی ہے چکر آج عرش پہ دھونی لگانے کو تھے دو دھول سے کب تک ہم خاک پہ یاں کی درویشانہ ہم نے بچھا یا بستر آج جینے سے ہم غم کشتوں کی خاطر تم بھی خبیث کرو کل تک کام نہیں کھنچنے کا غش آتا ہے کشر آج ملکوں ملکوں شہروں شہروں قریہ قصبہ دہیہ و دیار شعرو بیت و غزل پر اپنے ہنگامہ ہے گھر گھر آج خط سے آگے مہر و وفا کا دعویٰ سب کچھ صادق تھا جامۂ مصحف گو پہنے وہ کون کرے ہے باور آج دیدہ دل بھی اُس کے جانب میل کئی رکھتے ہیں عشق میں ہم بکیں ہیں واقع یار نہیں بے یاور آج</p>	

عشق کیا ہو ہم نے کہیں تو عشق ہمارا جی مارے  
یونہیں نکو رو و لبہرا پناہم سے ہوا ہے بدتر آج  
رحم کی جاگہ کی ہے پیدا شاید اُس کے دل میں بھی  
دیکھ رہا ہے منہ کو ہمارے حال ہمارا سُن کر آج  
کل کہتے ہیں ہوگی قیامت کل کی کل میں لیکن دیکھ  
یاں تو قیامت عشق میں اس کے ہنگی اپنے سر پہ آج

کرتی ہے بوزلف منبر آئے ہو بخود سے پچھ  
بارے مزاج شریف تمہارا میر گیا کیدھر ہے آج

### روایۃ فارسی

اب کیسے لوگ آئے زمین آسمان کے بیچ  
بلبل بکارتی ہی رہی گستاخاں کے بیچ  
ہیئت کو اپنی موجوں میں ب رواں کے بیچ  
ہے جائے گیر عشق کی تب استخوان کے بیچ  
آیا نہیں یہ لفظ تو ہندی زباں کے بیچ  
بگڑی تھی رات اُس کے منگ پاساں کے بیچ  
آنے لگا ہے منہ نظر اس ستاں کے بیچ  
بجلی پڑی رہے ہے مرے آشاں کے بیچ

اُس دوسے برفروختہ ہی سے ڈرے ہے میر  
یہ آگ جاگے گی کسی دودماں کے بیچ

تایر ہے گی اہل و فاک ہنر کے بیچ  
ہے چوہ خشک بوجہ ہو کو اگر کے بیچ  
اسے کاش میری گور کریں رہگزار کے بیچ  
سر تا قدم ہے لطف ہی اُس خوشی کے بیچ  
اس دشتہ کی روش کہ جو ہو دے گھر کے بیچ

اُگے تو رسم دوستی کی تھی جہاں کے بیچ  
میں میدلخ عشق اٹھا سو چلا گیا  
تحریر چلنے کی ہے بود کیکھو نگاہ کر  
کیا میل ہو ہمارے پس از مرگ میری اور  
کیا جانوں لوگ کہتے ہیں کس کو سر و طلب  
طالع سے بنگہی کہ ہم اس مہ کئے گئے  
اتنی جبین رگڑی کہ سنگ آئینہ ہوا  
خوگر ہوئے ہیں عشق کی گرمی سے خار و س

صورت پھر سے نہ یارگی کیوں چشم تر کے بیچ  
خوش سیرتی ہے جس سے کہ ہوتا ہے اعتبار  
اُس کے سمند ناز کا پامال تو رہوں  
منہ اُس کا دیکھ رہے کہ رفت از ناز کو  
ہر دانہ سر مشک میں تار نگاہ ہے

کیا دل کو خوں کیا کہ تڑپنے لگا جب گر  
ایسا ہوا ہے قیمہ کہ اب ہے حساب پاک  
یکتاے روزگار ہیں ہم اس ہنر کے بیچ  
کہیے جو کچھ بھی باقی ہوا اپنے جگر کے بیچ

ہے اپنے خانوادے میں اپنا ہی نور میر  
بلبل بھی ایک ہی بولتا موتا ہے گھر کے بیچ

رنج کیا کیا ہم نے کھینچے دوستی یاری کے بیچ  
دوش و آغوش و گریباں دامن گلچیں سونے  
ایک کو اندیشہ کار ایک کو ہے فکر یار  
منظر تو رہتے رہتے پھر گئیں آنکھیں ندیاں  
جان کو قید عناصر سے نہیں ہے واری  
روتے ہی گزری ہیں ہے شب نشینی باغ کی  
یاد پڑتا ہے جوانی تھی کہ آئی رخت کی  
کیا ہوئی تقصیر اسکی باز برداری کے بیچ  
گفتگوانی کر رہی ہے خیمہ خنوباری کے بیچ  
لگ رہے ہیں لوگ غنچے کے تیار ی کے بیچ  
وہ نہ آیا دیکھنے ہم کو تو ہماری کے بیچ  
تنگ آئے ہیں بہت اس چار دیواری کے بیچ  
اوس سی پڑتی رہی ہے رات ہناری کے بیچ  
ہو گیا ہوں میں تو مست عشق ہناری کے بیچ

ایک ہو دیں جو زبان دل تو کچھ نکلتے بھی کام  
یوں اثر اسے میر کیا ہو گریہ دزاری کے بیچ

محل منعکس ہوئے ہیں بہت آبجو کے بیچ  
ستھراؤ کر دیا ہے تمٹائے وصل نے  
بحث آپڑی جو لب سے تھارے تو چپ رہو  
ہم ہیں قلندر اگر گردل سے دم بھریں  
جائے شراب بانی بھریں گے سبو کے بیچ  
گیلا کی عریز مر گئے اس آرزو کے بیچ  
کچھ بولنا نہیں تھیں اس گفتگو کے بیچ  
عالم کا آئینہ ہے سیہ ایک ہو کے بیچ

گل کی تو بوسے عشق نہیں آتا کسو کے تئیں  
ہے فرق میر پھول کے اور اسکی بو کے بیچ

### رویت حائے حلی

کیا ہم بیاں کسو سے کریں اپنی بانگی طرح  
جوں سبزہ چل چمن میں لب جو بہ نسیر کر  
نہو سقبت بے عمد ہو نہیں اس کا اعتماد  
اثبات بے ثباتی ہوا ہوتا آگے تو  
کی عشق نے خرابی سے اس خاندان کی طرح  
عمر عزیز جاتی ہے آپ رواں کی طرح  
کس خاندان خراب نے کسی آسمان کی طرح  
کیوں اس چمن میں ڈالتے ہم آشاں کی طرح

قد جو ہوا سہارا نصیدہ کہاں کی طرح  
ہم جان کر نکالی ہے جی کے زیاں کی طرح  
ہے اس مکان میں ساری ہی مکان کی طرح  
غصے میں ایسی ہی تھی مرے مہرباں کی طرح

اب کہتے ہیں بلا ہے شمشیر تیرگی  
نقصان جاں صریح تھا سوکھ میں عشق کے  
دل کو جو خوب دیکھا تو ہو کا مکان ہے  
اگل دیکھ آفتاب کو رویا ہوں دیر تک

جادے کا اپنی بھول طر حداری میردہ  
کچھ اور ہو گئی جو کسونا تو اں کی طرح

سکر کوئی پتھر سے مارے بھی تو مارے طرح  
یہی جی مارا کرو آئینہ بیائے طرح  
حیف ہے آتے نہیں ٹکڑے ہمارے طرح  
سیکسانہ مر گئے دے لوگ سائے طرح

مر گیا فریاد جیسے مرتے یار سے اس طرح  
ٹکڑے ٹکڑے کر دکھایا میں نے آنکھ اسیلے  
مست و بیخود ہر طرف پیروں پھر کرتے ہو کم  
عشق کی کہیے طرح کیا دامن و فریاد و فیس

جو عرق تحریک میں اُس رشک بہکے ٹھہر رہو  
میر کب ہووے ہیں گرم جلوہ تائے طرح

ہوتے ہیں ہم شتم زدہ بیمار ہر طرح  
اُس طرح حدار کے ہیں مگر قمار ہر طرح  
ایسی متاع جاتی ہے بازار ہر طرح  
ہم کشت دھوں کے پینے سزاوار ہر طرح

ہو چکے ہیں ہم کو عشق میں آزار ہر طرح  
مکسب و طرح ناز و اداس سے دل لگے  
یوسف کی اس نظیر سے دل کو نہ جمع رکھ  
جس طرح میں دکھائی دیا اُس سے لگ پڑے

چھپ لگ سنے بام دور سے گلی کوپے میں سے سیر  
میں دیکھ لوں ہوں یار کو اک بار ہر طرح

رؤیف خاٹے مجھ

ریش کا اُس کے تختہ ہے سینے کا گنگٹھ

ہے میرے جو سر رشک دامن کارنگ سُرخ

رؤیف وال مہملہ

اب میں ہوں جیسے دیر کا بیمار بد نمود  
یا نیر دیدہ جیسے ہوں آنجناب بد نمود

زردی عشق سے ہے تن زار بد نمود  
بے برگ بے نوال سے ہیں عشق میں تزلزل

ہر چند خوب تج کو بنا یا خدانے لیک  
ہیں خوشنما جو سہل میں ہم دے ترا  
اے ناز پیشہ کبر ہے بسیار بد نمود  
خونریزی میں ہماری ہے اصرار بد نمود

پوشیدہ رکھنا عشق کا اچھا تھا حیف میسر  
سمجھانہ میں کہ اس کا ہے اظہار بد نمود

کب سے ہے باغ کے پس دیوار باش و بود  
دنیا میں اپنے رستے کا کیا طور ہم نہیں  
مشکل کریں ہیں جیسے گرفتار باش و بود  
زنداں میں بن کریں ہیں گنہگار باش و بود

بے یار کس کا جینے کو جی چاہتا ہے میسر  
کرتے ہیں ہم ستمزدہ ناچار باش و بود

جاوے جدائی کا یہ آزار گاہ باشد  
امید دار اُسکے ملنے کے جیسے ہم ہیں  
گو قدر دل کی کم ہر چیز کام کی ہے  
کہتا ہوں سو کرے لیکن ریتوں ہوں تو  
کہتے تو ہیں گئے سو کب آئے کیا کریں  
غصے سے اپنے ابرو جو خم کرے ہر دم  
غیرت سے عشق کے ڈر کیا شیخ و گریہ  
وحشت پہ میری مت جا غیرت بہت ہو جا  
اچھا بھی ہو دے دل کا آزار گاہ باشد  
آنکھ نکلے ناز کرتا یاں یار گاہ باشد  
لے تو رکھیں تھیں بود کا رگاہ باشد  
اُدے کسو سخن پر ٹکرا گاہ باشد  
جو خواب مرگ سے ہوں بیدار گاہ باشد  
وہ اک نگاہی بیٹھے تلوار گاہ باشد  
تسلیم کا ہو رشتہ زنا گاہ باشد  
ہو بیٹھوں مرنے کو بھی تیار گاہ باشد

ہے ضبط عشق مشکل ہوتا نہیں کسو سے  
ڈر میر بھی ہو اس کا اظہار گاہ باشد

تن کو جس جاگہ سے چھپڑوں ہوں ہاں ہی درد درد  
ہاتھ لگتے دل کے ہو جاتا ہوں کچھ میں زرد زرد

اب تو وہ حسرت سے آہ و نالہ کرنا بھی گیا  
کوئی دم ہو ٹھوں تک آجاتا ہی گاہ سرور

اسکی دوری میں کڑھاکرتے ہیں ہم سب زیاد  
چھاتی بھٹ جاتی جو یوں رک کر نہ کرتا ترک حتم  
خوف کر عاشق کے سر تھکنے کی قطعی ہے دلیل  
کچھ بھی نزدیک اُسکے ٹھہرا ہو تو دیکھ بھر نظر  
جی گیا آخر ربا دل کو جو غم حد سے زیاد  
گزرے اُسکے عشق میں جی پرستم حد سے زیاد  
ہو جہاں شمشیر ابرو اس کی خیم حد سے زیاد  
قدر ہے عاشق کی ان آنکھوں میں کم حد سے زیاد

پاس اُسکے دم بخود بہروں تھے سطاقت کہاں  
بات کہتے میراب کرتے ہیں دم حد سے زیاد

بجنوں کہنے لگا کہ ہاں استاد  
مستوکل ہو کر خدا کو یاد  
کس سے جا کر کوئی کرے فریاد  
عمر افسوس کیا گئی برباد

شعر دیواں کے میرے کر کر یاد  
خود کو عشق بتاں میں بھول نہ جا  
سب طرف کرتے ہیں نکوایں کی  
وحشی اب گر دیاد سے ہم ہیں

چار دیواری عناصر میر  
خوب جاگہ سے پر ہے بے بنیاد

رویت ذال معجزہ

دردیشی کی جو سونہنگی ہے سو بھی ہے لذیذ  
انان و نہک ہے داغ کا بھی ایک شے لذیذ

رویت رائے مہملہ

ماں بیکل شگفتہ جیہیں یاں معاش کر  
گر کشتی لگ گئی ہو تو تو بھی غامش کر  
مست گل کے رنگ منہ کو دکھلا راز فاس کر  
پیشانی کو سلیقے سے دکھلا خراش کر

مست اس چین میں غنچہ روش بود و باش کر  
دل رکھ تو فی فلک کی زبردستی پر نہ جا  
ہے کیا تو جیسے بند ہے منہ کی جا چلا  
یونہیں ہے سینہ کو بی اگر چاہے دل کی داد

پھر تار ہے کیا تو میر  
کنچہ دل خراش لکھ بھی قلم اک تراش کر

اشد رے داغ کہ ہے آسمان پر  
کیا کیا بہاریں دکھی گئیں اس مکان پر  
بٹیکھے اگر تو جا کے تسمو آستان پر  
جو تھکوں ہزار رنگ کی رتی ہے جان پر  
آفت عجب طرح کی ہے سارے جہان پر  
پھر بھی میں نظر نہیں جی کے زبان پر

مرتے ہیں ہم تو آدم خاکی کی شان پر  
جبرکٹ تھا دل میں لالہ رخوں کے خیال سے  
عرضہ ہے تنگ صدر نشینوں پر شکر ہے  
آفات میں ہے مرے چین گل کے شوق سے  
اُس کام جاں کے جلوں کا میں ہی نہیں ہلاک  
جاتے تو میں پر خواہش ملی موت ہے نری

سردیں ہیں لوگ اُس کے قدم کے نشان پر  
سو سو جوان مرنے ہیں ایک ایک آن پر

تقدیس دل تو دیکھ ہوئی جسکو اس گراہ  
انداز و ناز اتنے اُس او باش کے ہیں سر

شوخی تو دیکھو آپ ہی کہا کو بیٹھو میر  
پوچھا کہاں تو بولے کہ میری زبان پر

ستم ساتم ہو گیا اس میں ہم پر  
سخن خوب نکال تھے زبان قلم پر  
رہے درمیاں تیغ و ابرو کے خم پر  
نہیں اعتماد اُن کے قول و قسم پر

بلیا صبر ہم نے جو اسکے ستم پر  
لکھا جو گیا اُسکو کیا نقل کہیے  
جھکے ملک جہر جھک گئے لوگ اُپر  
سخن زن ہوں ہر چند دست نہ تھیں

جنگر کو سرا میرا س رنج کش کے  
گیا دو قدم جو ہمارے قدم پر

چشم سیاہ ملا کر یو نہیں مجکو خاک سیاہ نہ کر  
چھائی پہ ہو جو کوہ الم کا تو بھی نالہ و آہ نہ کر  
عشق نہ کر زہار نہ کر و اللہ نہ کر باللہ نہ کر  
یا توں نہ رکھ سجاد سے یہ انکے اس جادے سے آہ نہ کر

جگو ہے سو گند خدا کی میری اور نگاہ نہ کر  
عشق و محبت یاری میں کیا لطف رکھے ہے کراہی  
ما ملک پناہ خدا سے بندے دل لگا اکل فت ہی  
گھاس ہے میخانے کی بہترین بچوں کے بھٹے

میر نہ ہم کہتے تھے تجھ سے حال نہیں کچھ رہنے کا  
جیاہ بلا سے جان و دل ہے آجانے دے چاہ نہ کر

آج ہوا کھکھوں میں آیا دروغم سے رورو کو  
سر سے ہیں محرابوں میں یوں جی ت کو اب کھو کر  
راہ چلو ہونا زکناں دامن کو لگا کر تم کھو کر  
اب شتر ہے تیغ ستم کی جلد لگا کر تو دو کر

کل سے دل کی کل بگڑی ہے جی مارا بے کل ہو کر  
ایک سو خلو ص دل سے آہ کیا نہ جوانی میں  
جیب پر وہ خاک ملوں کے حال سے کیا آکا ہی نہیں  
ایک تو ہم تو ہوتے نہیں ہیں سر بہتیرا مار چکے

جی ہی ملا جاتا ہے اپنا میر سماں یہ دیکھے سے  
آنکھیں ملنے اُٹھتے ہیں بستر سے دلچسپ سو کر

کا سے میر کچھ کہیں ہم مجکو عتاب کر کر  
واں مرغ نامہ بر کا کھا یا کتاب کر کر  
اس دل زد کو اُن نے مارا تیراب کر کر

یہ لطف اور پوچھا مجھ سے خطاب کر کر  
چھاتی علی ہے کیسی اڑتی جو یہ سُنی ہے  
خونریزی سے کچھ آگے تشہیر کر لیا تھا

گنتی میں تو نہ تھا میں پر کل نخل ہوا وہ  
مستی و بخودی میں آسودگی بہت تھی  
رد پوش ہی را وہ مرنے تک اپنے لیکن  
کچھ دوستی کا میری دل میں حساب کر کر  
یا یا نہ چین میں نے ترک شراب کر کر  
منہ پر نہ رکھا اسکے کچھ میں حساب کر کر

کیا جانیے کہ دل پر گزرتے ہیں میر کیا کیا  
گرتا ہے بات کوئی آنکھیں میرا بک کر کر

جدائی تاجدائی فرق ہے ملتے بھی ہیں آ کر  
اگر چہ چپ لگی ہے عاشقی سے جگو حیرت ہے  
جو جانوں تجھ میں بلبل تہ نہیں تو کیوں راز تیا  
فلک نے بارغ سے جوں غنچہ نرگس نکالا ہے  
فراق ایسا نہیں ہوتا کہ پھر آتے نہیں جا کر  
کبھی احوال پرستی تو کر دوں ہاتھ میں لا کر  
زباں کر بند سارے باغ میں جھک نہ سوا کر  
کہیں کیا جانوں کیا دیکھوں گا چشم بستہ کو داکر

سید بھولوں بھرے بازار میں سے ہیں مومن  
نکل کر گوشہ مسجد سے تو بھی میر سو داکر

اُس رفتہ پاس لے سکو لائے تھے لوگ جا کر  
سُن سُن کے درد دل کو بولا کہ جاتے ہیں ہم  
آگے زمیں کی تہ میں سے بہت تھے تو بھی  
میرے ہی نعل ہیں ان نے تینہ نہیں سلا یا  
دل ہاتھ سے گیا ہے لطف تھنا سے میر  
جو دم کوئی ہو تو کہنے میں بھی کچھ آوے  
پر حیف میں نہ دیکھا میں سے سر اٹھا کر  
تو اپنی یہ کہانی بیٹھا ہوا اکس کر  
سر پر زمین اٹھالی ہم بے تہوں نے آ کر  
سویا ہے اژدہا یہ بہتیرے بھسے کھا کر  
انسوس کھو چلا ہوں ایسے گھر کو پا کر  
باتیں کر دو ہو بگڑی منہ کو بنا بنا کر

اب تو پھر دہو بے غم تب میر جاٹیکے ہم  
اچھے رہو گے جب تم دل کو کہیں لگا کر

بزم میں منہ اوجھ کر میں کیونکر  
یوں بھی شکل تو دروں بھی شکل  
راز پوشی عشق سے منظور  
مست و بخود ہم اسکے در پہ گئے  
سورہا بال منہ پہ کھول کے وہ  
بہ فلک پر ہے دوز میں پر آہ  
اور بھی نظر کریں کیونکر  
سر ہٹائے گزر کریں کیونکر  
آنکھیں درو سے تر کریں کیونکر  
لوٹ آسکو نہہر کریں کیونکر  
ہم شب اپنی سحر کریں کیونکر  
ان کو زیر و زبر کریں کیونکر



دل نہیں دروند اپنا مسیر  
آہ نالے اثر کریں کیونکر

رویت رائے مجھ

پیدا ہے عشق کشتے کام کے نشاں ہنوز  
استادہ روئے خاک پہ ہے آسماں ہنوز  
جاسے ہی گرتے پڑتے بھی ہم ناتواں ہنوز  
اسے صبح پیری رہتی نہیں ہے زباں ہنوز  
ایک آدھ تو بھی مر رہے ہے نیجاں ہنوز  
قصہ ہمارے عشق کا ہے داستاں ہنوز

ہے زیر خاک لاشہ عاشق طیاں ہنوز  
گردش سے اُسکی خاک برابر ہوئی ہے خلق  
اُس تک پہنچنے کا نہیں ہے حال کچھ دسے  
پر وازہ جل کے خاک ہوا پھر اُٹھ اُکیا  
چندیں ہزار جانیں گئیں اس کی راہ میں  
میت ہوئی کہ خوار ہو گلیوں میں مر گئے

نحت جگر کے غم میں کہ تھا نعل پارہ مسیر  
رخسار زور و پر ہے مرے خوں رواں ہنوز

ہر دم نمی ہے میری گریباں درمی ہنوز  
آنکھوں ہی میں پھر ہے مری وہ بکری ہنوز  
وہی ہی ہے مژہ کی بعینہ تری ہنوز  
ہم دیکھتے ہیں جہاں کے تیس سرسری ہنوز  
جاتی نہیں ان آنکھوں سے جادوگری ہنوز  
ہوتی نہیں ہماری زراعت ہری ہنوز

دیوانگی کی ہے وہی زور آوری ہنوز  
سر سے گیا ہے سایہ لطف اُس کا دیر سے  
شونجی سے زار گریہ کے خوں چشم میں نہیں  
کب سے نگاہ کاڑے ہے یاں زہر آفتاب  
بہوت ہو گیا ہے جہاں اک نظر گئی  
ابگر م نے سعی بہت کی پہ کیا حصول

میت سے میر بیدل دوں دبروں میں ہو  
گرتا نہیں ہے اسکی کوئی دلبری ہنوز

نہ گیا دل سے روئے یار ہنوز  
دل کو آتا نہیں قرار ہنوز  
واں سے اُٹھتا ہو اک غبار ہنوز  
دل کو اسکا ہے اعتبار ہنوز  
عشق لاتا ہے مرد کا ہنوز

مگر یہ آتے ہیں گل ہزار ہنوز  
بے قراری میں ساری عمر گئی  
خاکِ مجنوں جہاں ہو صحرا میں  
کب سے ہے وہ خلات وعدہ کو  
قیس و فراد پر نہیں موقوف

برسوں گزرے ہیں اس کے لئے صحبت اس سے نہیں برا ہونور

عشق کرتے ہوئے تھے بخود میر  
اپنا ان کو ہے انتظار ہونور

وہ غلط سے محو ناز ہونور  
کیا ہواخوں ہوا کہ داغ ہوا  
سادگی دیکھ اُس جھاجو سے  
ایک دن داہوئی تھی اُس منہ پر

کچھ پیرا نہیں نسیا ہونور  
دل ہمارا نہیں گداز ہونور  
سم نہیں کرتے اقرار ہونور  
آر سی کی ہے چشم باز ہونور

مستبر کیا ہے میر کی طاعت  
رہن بادہ ہے جانماز ہونور

خاک ہو کر اڑیں میں یار ہونور  
نہ جگر میں ہے خوں نہ میں خون  
دل کا بیٹھا نہیں غبار ہونور  
درپے خوں ہے روزگار ہونور

دست ہر دل ہوں مدتوں سے میر  
دل ہے ویسا ہی بقیہ راز ہونور

دوستاں حسن دغوبی ہے کیا چیسر  
ٹھہری ہے جان سی بھی لئے کیا چیز

### رویف سین مہملہ

دست ہجریں کیا کرے بیاں یار کے پاس  
حق یہ ہے خواہش دل ہے تو مری آجانا  
دراسیری کا کھلا منہ پر ہمارے کیا تنگ  
آنا اس کا تو دم قتل ضروری ہے دے  
پایے یار اکیلا تو غم دل کہے  
منہ پہ ناخن کے خراشوں سے لگا دل بنے  
حال برسی بھی نہ کی آن کے بیمار کے پاس  
جبکہ خونریزی کو بٹھلا میں مجھے دا کے پاس  
مرسی رہے گا قفس کے درودیوار کے پاس  
کون آتا ہے کسو خوں کے نزار کے پاس  
سو تو بیٹھا ہی اُسے پاتے ہیں چار کے پاس  
چشمے نکلے ہیں نئے چشم جگر بار کے پاس  
میں تو تلوار سے اُس کے لیے بیٹھا میر

دہ کھڑا بھی نہ ہوا کے گنہگار کے پاس

کل باقہ جار باقہ دل بقیہ راز پاس  
گو یا کہ جار ہا کو سوزندہ نار پاس

<p>ٹھہرانہ پھر وہ صید فگن اس شکار پاس کرتے ہیں اپنی اور سے تو ہم سزار پاس رویائے میں تو ایک گھڑی اپنے یار پاس</p>	<p>کس جد و کد سے جیت ہے مجھ کو کیا شکار اُس محل بغیر بہروں ہیں بلبل سے نالہ کش خوشحال دے جو حال کہیں دیروں سے دیر</p>
<p>نکلانہ وہ سو ہو کے ہمارے مزار پاس بہ گیا خون ہو مجھ کو افسوس ایہ صراٹ کی نہیں نظر افسوس مجھ کو آئی نہ کچھ سہرا افسوس</p>	<p>اب نہیں ہوتی چشم ترا افسوس ویرانی ہے یہ خستہ حالی لیک عیب ہی عیب میرے ظاہر نہیں</p>
<p>میرا تیر بہت ہے دل کا حال یعنی ویراں پڑا ہے گھر افسوس روایت شین معجزہ</p>	
<p>منٹھ کرے ٹکڑا دھر ہارے کاش شعر ہو یار کا شمارے کاش موج ساں میری بھی کنارے کاش یوں ہی آوے مجھے قرارے کاش یار سے ہم سے ہوئے پیارے کاش ہوں گریبان تازا رے کاش</p>	<p>نکلے پردے سے رے یارے کاش کچھ وسیلہ نہیں جو اُس سے ملوں کہیں اُس کو کھن سے بھر جائے برق ساں ہو چکوں تڑپ کر میں اعتماد ہی نہیں ہے یار ہی غیر آوے سر رشتہ جنوں کچھ باقہ</p>
<p>میرا جنگل تمام بس جاوے بن پڑے مجھے روزگارے کاش</p>	
<p>کچھ اُس کی ہم نے پائی نہ رفتار کی روش سب اس گزرنے کی ہے سہ مار کی روش رستے ہیں اب گھر سے پڑے ہمار کی روش آئی نہ خوش ہیں تو یہ شکار کی روش کچھ آگئی تھی اس میں قد یار کی روش</p>	<p>اُس کا خیال آوے عیار کی روش کیا چل ہے گی زہر بھری روزگار کی وہ رفت و خیر گرم تو مدت سے ہو چکی جاتے ہیں رنگ دلوئے گل و آب جو چلے ماہل ہوا ہے سرو گلستاں کا دل بہت</p>

زندان میں جہان کی بہت ہیں خراب حال کرتے ہیں ہم معاش گنگار کی روش

یوں سر کھیرے عشق میں پھرتے نہیں ہیں پیر  
اظہار بھی کریں ہیں تو اظہار کی روش

رہتے ہیں بہت دل کے ہم آزار سے ناخوش

جانا جو مقرر ہے مراد ارفنا سے

ہمواری سے ہیں نرم و خشن ایک سے دونوں

سر رشته دل بند نہیں زلف و کمر میں

ہے عشق میں صحبت مرے خواب کی عجب کچھ

خوش رہتے ہیں احباب ہم ربط کی سے

اک بات تابھی لوگوں میں پھٹتے اسے کرنا  
ہم ہینگے بہت میر کے بتا رہے ناخوش

روایت صادق مہملہ

طاہر دل کی طیش سینے میں جانو تم بے لکڑھ

ان ہی رنگوں ہوتا ہے اس صید طرفہ دل کا نص

روایت صادق و مجملہ

کیا کہوں کیسا ہے دلیر خود غرض

خود ناخود رائے خود سر خود غرض

روایت طاہر مہملہ

دل لگے کے تیں جگر ہے شرط

بے خبرت رہو خبر ہے شرط

عشق کے دو گواہ دھیننی

زردی رنگ و چشم تر ہے شرط

دل لگانا بھی کھوتا ہے اسکو جگر ہو یا کھے شرط

نہ تو بہا تھا خون ہوا گے پہلے داہیں اڑے شرط

روایت طاہر و مجملہ

عشق ہمارا بھی مارے جو ہم ناداں ہیں کیا مخطوط

ایسی شے کا زیاں کھینچے تو دانا ہو گیا مخطوط

پانی منہ میں بھر آتا ہے اُسکے عشق لب دیکھے  
اب ہر تشنہ کام جدائی میر دگر نہ تھا مخطوط

### روایت عین مہملہ

ایک ہی گل کا ہفت کیا ہے میں نے سراپا جیسے شمع  
تلوؤں تک داغ گیا ہے سب جھکوکھا جیسے شمع

### روایت عین مجسمہ

ہم اے آگے چمن سے گئی بہار دریاغ  
دل جگر دونوں پر چلائے داغ  
دل جلے ہم نہیں رہے بیکار  
جل گئے دیکھ گری افسار  
احتیاط سراچی سے  
دریاغ درد صد افسوس صد سر دریاغ  
عشق نے کیا ہیں کھائے داغ  
زخم کاری اٹھائے کھائے داغ  
اے اس کوچے سے تو آئے داغ  
ہم نے سجادہ کے دھلائے داغ

دیکھے دامن کے پتھکے سے دیے  
میر نے گرتے چھپائے داغ

### روایت فار

آج ہمارا سر پھرتا ہے باتیں جتنی سب موقوف  
حرف و سخن جو بایکدگر رہتے تھے سواب موقوف  
کس کو داغ اب اُس سے رہایاں آٹھ میر کی منت کا  
ربط اخلاص سے دن گزرتے ہی غلطہ اس سے سب موقوف  
اُس کی گلی میں آمد و شد کی گھات ہی میں ہم رہتے تھے  
اب جو شکستہ پا ہونٹھے ڈھب کرنے کے بھٹ موقوف  
وہ جوان ہو تو کیا ہے شوق کمال کو پہونچا ہے  
وقفہ ہو گا تب ملتے ہیں ہم بھی کریں گے جب موقوف

حلقے پڑے ہیں چشم تیر میں سوئے تھے ایسے تم نہ رہے  
روا کر ہٹنا عشق میں اُسکے میر کر دے گے کب موقوف

لیکھیں ہوئی تھیں مری خوباب سے واقف	میں آگے نہ تھا دیدہ پر آب سے واقف
ہم اب بھی جنوں کے نہیں آداب سے واقف	تجھ تو بہت لڑکوں کے کھانے میں لیکن
اس عالم اسباب میں اسباب سے واقف	ہم تنگ خلایق یہ عجب ہے کہ نہیں ہیں
جوں دیدہ انجم نہیں ہیں خواب سے واقف	شب آنکھیں کھلی رہتی ہیں ہم منظروں کی

بل کھلے انھیں بالوں کے ہم جانتیں ہیں یا میر  
ہیں پیچ و غم درخ و تپ و تاب سے واقف

لکھا ہیں ہیں میری نظر کی طرف	نظر کیا کروں اسکے گھر کی طرف
نہیں کوئی کرتا ہنسر کی طرف	پھپھاتے ہیں مٹھایتا کال سے سب
نہ کوئی ہوا چشم تر کی طرف	بڑی دھوم سے ابرائے گئے
نہیں دیکھتے ہم جس کی طرف	نرہاد ہندروتے ہیں نکھوس خون

درا بخبر گر چہ بھراں میں میر  
رہے گوشش اسکے خبر کی طرف

### دو لیت قاف

لوگ بہت بوچھا کرتے ہیں کیا کیسے میاں کیا ہے عشق  
کچھ کہتے ہیں سرالہی کچھ کہتے ہیں خدا ہے عشق  
عشق کی شان اکثر ہے ارفع لیکن شائق مجاہد ہیں  
گم ساری ہے دماغ و دل میں گاہے سب جد ہے عشق  
کام ہے مشکل الفت کرنا اس گلشن کے نہالوں سے  
بوکش ہو کر سب وقت کا عشق نہ کرے تو سزا ہے عشق  
افت سے پرہیز کیا کر گفت اس میں قیامت ہے

یعنی درد و سوخ و تعب ہے آفت جان و بلا ہے عشق

میر خلافت مزاج محبت موجب تلمنی کشیدن ہے  
یار موافق لمجاوے تو لطف ہے چاہ مزاج ہے عشق

ہیں نین عشق کے بھی شکل بہت وفاق	دل کا مشاعرہ کراستہ کہ تھا لائق
ات آشنا ہے جیسے اس باغ میں شقائق	پھٹاتی جلوں آگے گلچنچا ہے بیشتر دل

ہے راستی کہ الیسا مشتق ہو اُس ہی سے  
جی سارے تن کا بھج کر آنکھوں میں آ کر ملا ہے

اگل میر خانی نے ضایع اپنے تئیں کیا ہے  
یہ کام تھا نہ اُن کی شائستگی کے لائق

نزدیک عاشقوں کے زہیں ہو قرار عشق  
مقبول شہر ہی نہیں جتنوں کھنکھار  
اور آسماں غبار سرِ رنگزار عشق  
ہے وحشیانِ دشت میں بھی اعتبار عشق  
للقصہ ہے خرابہ کہ نہ دیار عشق  
رومانہیں ہے کھول کے دل راز عشق

مارا پڑا ہے اُس ہی کرنے میں درنہ میر  
ہے دور گرد وادیِ دشت شکار عشق

### رویت کاف تازی

دشت تھی انہیں بھی دہی گھربار سے اب تک  
مرتے ہی سنا اُن کو جنہیں دل لگی کچھ تھی  
جب سے لگی ہیں آنکھیں تھلی راہ تنگے ہیں  
آیا تھا کبھو یا رسو مامول ہم اس کے  
بد عہد یوں میں وقت وفات اُن بھی پہونچا  
ہے قہر و غضب دیکھ طرف کشتے کے ظالم

کچھ رنج ولی میر جو انی میں کھنچا تھا  
زردی نہیں جاتی مرے رخسار سے اب تک

راہ پھول سایہ زہت سے اب تک  
لباب ہے وہ حسن معنی سے سارا  
نہ ایسا کھلا گل نزاکت سے اب تک  
نہ دیکھا کوئی ایسی صورت اب تک  
نہ رونق گئی کس کی دولت اب تک  
سخن کرتے ہیں ان کی ہمت اب تک  
سبب مرگ فرما د کا ہو گیا تھا  
نگوں ہے سریشہ خجلت سے اب تک

ہا تو بھی لب کو کہہ صلی کے دم کی  
عقیق لب اُسکے کھو دیکھے تھے میں  
گئی عمر ساری مجھے عجز کرتے  
نہ ہو گو جنوں میری کویران کی  
طبیعت ہے آشفہ وحشت سے اب تک  
چلی جائے سے بات دستک اب تک  
بھرا ہے دہن آپ حسرت اب تک  
نہ مانی کوئی اُن نے منک اب تک

### رویف کاف فارسی

اس رنگ سے جو رزوبوں زار میں ہم لوگ  
کیا اپنے تئیں پستی بلندی سے جاں کی  
مقصود تو حاصل ہو طلب شرط پڑی ہے  
خونریزی لڑکوں سے لڑا رہتے ہیں کہیں  
دل بھنس رہے ہیں دام میں زلفوں کے کوئی  
بانار کی بھی جنس یہ جی دیتے ہیں عاشق  
ان بیروں سے لڑکوں کے بھیسے میں اُسے  
جاتے ہیں چلے قافلے در قافلے اس راہ  
مارے ہی پڑیں کچھ کہیں عشاق تو شاید

گر تہی نظر میر کی ہو آنکھیں تو تک دیکھ  
کیا دل لڑکوں کا سادہ میں پرکار میں ہم لوگ  
کیا چلے جاتے ہیں جہان لوگ  
قہر سے بات بات پر گالی  
شہر میں گھر خراب ہے اپنا  
ایک گردش میں میں برابر خاک  
در دل اُن نے کب سنا میرا  
یاد سے بھی لچک لچک ہوا نہیں  
شوق میں تیرے چلے او دھر  
گمراہ تھے بہان سے لوگ  
جاں لب میں تری بدن سے لوگ  
آتے ہیں ان کے نشان سے لوگ  
کی جھگڑتے ہیں تھان سے لوگ  
گئے تھے بڑے تھکان سے لوگ  
ہیں ہی بڑے دھان بان سے لوگ  
ہم خمیدہ ہواں کسان سے لوگ



آؤمی اب نہیں جہاں میں میر  
ٹھکے اس بھی کاروان گونگ

### رویت لام

بیکل نے کل کہہ کہ بہت ہم نے کھائے گل  
رعنا جوان شہر کے رہتے ہیں گل بسر  
دل لوٹنے پر مرغ چین کے نہ کی نظر  
حیف آفتاب میں پس دیوار باغ ہیں  
لیکن نہ رار حیف نہ تھری ہوئے گل  
سر پہ ہمارے داغ جنوں ہیں جائے گل  
بیدرد گل فروش سید بھر کے لائے گل  
جوں سایہ واکسیدہ ہوئے ہم یائے گل

ہوئے گل و نوائے خوش عند لب میر

آئی چلی گئی یہی کچھ تھی دفائے گل

عشق کی چوٹیں پے درپے جو اٹھائی گئیں گھائل ہے دل

یوں بیدم ہے اب پہلو میں جوں صیدِ بسل ہے دل

خون ہوا ہے چاک ہوا ہے جلتے جلتے داغ ہوا

خواہش اس کو کیا ہے بارے کس کے لیے بیدل ہے دل

عشق کی بجلی آکے گری سوداغ ہوا ہے سرتاسر

کیا رو دے جوں ابر کوئی اس مزرع کا حاصل ہے دل

یوں تو گرہ سینے میں ہمارے درد و غم کی ہو کے رہا

کس سے فلا ہر کرتے جا کر کام بہت مشکل ہے دل

آنکھوں کی دیکھا دیکھی ہر گز دل کو اس سے نہ لگنا تھا

جیسی سزا پہونچا دے کوئی اب اس کے قابل ہے دل

عمر انساں راہ تو ہے تشویش سے طے ہوتی ہے ولے

دل کے تئیں پہونچے جو کوئی چین کی پھر منزل ہے دل

شد لب سے اس کے چکاچی کا صبر نہ کچھ نہ کیا

میر جو دیکھا اپنے حق میں کیا نہ ہر قاتل ہے دل

ہوا کا غد غمط گونگ تیرا زرد کیا حاصل

سواہی سے کسو کے گونگ اب گرو کیا حاصل

غم مضمون ناخاطر میں نہ دل میں دیکھا حاصل

اموئے صید زبوں ہم منتظر ہی خاک جی دیکھ

ملا ہے سوز سینہ میریوں ہو جائیگی جگر  
اگر دل سے اٹھے تیرے یہ آہ سرد کیا حاصل

دل تو گداز سب ہے کسکو کوئی کہے دل  
اس عشق میں نکالے میں نے بھی نام کیا کیا  
جوں ابرو روئیے کیا دل برق سا ہے پیکل  
دل گو کہ داغ و غم ہے بہتی ہو لاگ تجھے  
دل کے ثبات سے ہم نوید ہو رہے ہیں  
عاشق کہاں ہوئے ہم یا چوں جو اس کھوئے  
جاتا ہے کیا کھنچا دل دیکھ آسکو ناز کرتا  
ہم درو مند اپنا سوز دروں سے حید

نزدیک ہے کہ کیسے اب ہائے ہائے دل  
خانہ خراب در سو ابدین اور بیدل  
رکھے ہی رستے اکثر ہاتھ آسپہ جو ہے دل  
انصاف کر کہ جا کر دکھلاوین بھر کسے دل  
اب وہ سماں ہے خوں ہو خوار ہے دل  
اس مجھے میں از بس حیراں ہو کیا کرے دل  
آتا نہیں ہمیں خوش انداز ہے تھے دل  
یار ب ہمارے اور کس مرتبہ جلے دل

اے میرا سے سے نسبت کن حلقہ حلقہ موت

میتاب کچھ ہے گا ہے پرتاج ہے گئے دل

حال تو حال زار ہے تا حال  
بڑھتی ہے حال کی خرابی روز  
فختہ جانی نے ننگ خلق کیا  
حال نگر سخن میں کچھ نہ رہا  
حال سستی جوانی تھی سو گئی  
آنکھیں بجالی سے بھرتی نہیں

دل وہی بقرار ہے تا حال  
گرچہ کچھ روز گار ہے تا حال  
پر اسے مجھ سے غار ہے تا حال  
شعر میرا شعار ہے تا حال  
میرا اس کا شمار ہے تا حال  
شوق دیدار ہے تا حال

غم سے حال نہ تکر خون دل سوٹھا

چشم ترا شکبار ہے تا حال

لکھنچتا ہے اس طرف ہی کو بے اعتبار  
جھکا بھی تو کہ دل کسے کہتے ہیں دل ہے کیا  
آزردہ خاطر کا ہمارا نہ کر عجب  
واحد نسر دگی سے تری اس سخن میں ہے  
میرا اس کے اشتیاق ہم آنوشی میں پوچھ

دیوانہ دل بلا زہ دل بقرار دل  
آتا ہے جو زباں پتری بار بار دل  
اک عمر ہم رہا کیسے ہیں بار بار دل  
دل جو کھلا تو جیسے گل بے بار دل  
جاتا ہے اب تو ہی ہی رہا دکنار دل

ست کرو شور و فغاں سے طائرِ آزارِ دل  
اب دماغ اڑتا ہے باتوئیں کہ ہوں بیمارِ دل  
رنج و غم بھی کھینچنے کے دن تو یار دھو چکے  
اب نہیں جاتی اٹھائی کلفتِ بسیارِ دل

### ردیفِ مہم

شور سے طائرِ گلزار کے بیزار ہیں ہم  
دل اٹھاتا نہیں اپنا کہ گرفتار ہیں ہم  
ہم میں چین میں جی نہیں لگتا یار کدھر کو جاویں ہم  
راہ خرابے سے نکلی گھر کی بستی میں کیونکر جاویں ہم  
کیسی کیسی خرابی کھینچی دشت و در میں سر مارا  
خانہ خواب کہاں تک پھرے ایسا ہو گھر جاویں ہم  
عشق میں گام اول اپنے جی سے گزرنا پیش آیا  
اس میدان میں رکھ کے قدم کیا مرنے سے ڈجاویں ہم  
خواہ نماز خضوع سے ہو دے خواہ نیاز اکسویے دل  
وقت رہا ہے بہت کم اب تو ابے کچھ کر جاویں ہم  
کب تک میر فراق میں اُسکے لو ہو پی پی جیتے رہیں  
بس چلتا نہیں آہ کچھ اپنا در نہ ابھی مر جاویں ہم  
شاید ہم سے صدر رکھتے ہو آتے نہیں ہنک ابد صبر ہم  
سب سے گلی کوچوں میں ملو ہو پھرتے رہو ہو گھر گھر ہم  
کیا رکھیں یہ تم سے توقع خاک سے آگے اٹھاؤ گے  
راہ میں دیکھو افتادہ تو اور لگاؤ ٹھوکر تم  
اس سے زیادہ ہوتا نہ ہو گا دنیا میں بھی نچلا ہیں  
سونے کے نیچے رہتے ہو حال ہمارا سن کر تم  
لطف دہر و خشم و غضب ہم ہر صورت میں اضمی ہیں  
حق میں ہمارے کر گزرو بھی جو کچھ جانو بہتر تم  
رنگ ہمارا جیسا اب ہے کا ہے کو آگے ایسا تھا

باتوں میں منہدی اپنے لگا کر آفت لائے سر پر تم  
لوگ صنم کہتے تھے تم کو ان سمجھے تھے ہم خطوط  
سختی سے سختی کھینچی گئی یعنی ہکے پھر تم  
چپکے سے کچھ آجاتے ہو آنکھیں بھر بھر لاتے ہو  
منیر گزرتی کیا ہے دل پر کڑھا کر دہوا کر تم

پوشاک تنگ پہنے بارے کہاں چلے تم  
اس نازکی سے گزرے کسکے خیال میں نشیب  
کیا ظلم ہے کہ پھینچے شمشیر وہ کہے ہے  
کم پانی اس قدر ہے منزل ہے دور تہی  
اکثر بڑھال ہیں ہم پر یوں نہیں کہتا  
یہ جانتے نہ تھے ہم ایسے بے ہوئے ہو

قربانی اس کی ٹھہری برے طرح نہ چھوڑی  
تکے ہو میرا دھڑلہ آگے تلے تم

یارب اس محبوب کو پھر کل نظر دیکھیں گے ہم  
میں کہا دیکھو ادھر تک تم تو میں بھی جان دوں  
پاس ظاہر سے اسے تو دیکھنا دشوار ہے  
یوں نہ دینگے دل کوسمیں بدن زرد و ست کو  
کام کہتے میں سمجھتے تھے کبھی لیتے ہیں لوگ  
راہ کتے کتے اپنی آنکھیں بھی پھسل چلیں

شورش دیوانگی اسکی نہیں جائے گی لیک  
ایک دو دن میر کو زنجیر کر دیکھئے ہم

صبر کیا جاتا نہیں ہم سے رہ کے جدا نہ ستاؤ تم  
باتوں کا رکھنا گرچہ ادھر کو عاری ہے پر آؤ تم  
جسکے تئیں پردا ہو کسی کی آما جانا اس کا ہے  
نیک ہو یا بد حال ہمارا تم کو کیا ہے جاؤ تم

چپ ہیں کچھ جو نہیں کہتے ہم کارِ عشق کے حیراں ہیں

سوچو حال ہمارا ملک تو بات کی تہ کو پاؤ تم

میسر کو دشت پہلی قیامت واپسی تباہی بکٹے ہیں

حرف و حکایت کیا جنوں کی دل میں کچھ ت لاؤ تم

ظلم ہوئے ہیں کیا کیا ہم پر صبر کیا ہے کیا کیا ہم

آن گئے ہیں گورکنارے اُس کی گلی میں جا جا ہم

باہا ہی ہی کر گئے گا اس کا غرور و دچنداں ہے

گھگھیا لے کا اب کیا حاصل یونہی کرے ہیں باہا ہم

اب حیرت ہے کس کس جاگہ پنہ و مرہم رکھنے کی

قد تو کیا ہے سرد چراغاں داغ بدن پر کھا کھا ہم

سیر خیال جنوں کا کرے حرف کریں تاہم بر سب

پتھر آپ غلی کہ چوں میں ڈھیر کیے ہیں لا لا ہم

میسر فقیر ہوئے تو اک دن کیا کہتے ہیں بیٹے سے

غمر رہی ہے تھوڑی اسے اب کیونکر کاٹیں باہا ہم

کانیا کرے ہے جی سوکھڑا کے رہ گئے ہم

موسم گئے کہ گل سے مر جھا کے رہ گئے ہم

اس باغ سے گلی میں جا جا کے رہ گئے ہم

جوں سمع آپ ہی کو کھا کھا کے رہ گئے ہم

کہہ سکتے کچھ تو کہتے شرما کے رہ گئے ہم

ایک دھون سنو گئے سنا کے رہ گئے ہم

واشد ہوئی سوانی پیر مردگی سے بدر

یہ داغ دل کو لیکر آخسر کیا کنار

سوزِ دروں نے ہکوپر دے میں مار رکھا

حیرت سے عاشقی کی بوجھا تھا دوستوں نے

انے دے دل گئے پر جی بھی گیا ہمارا

یعنی کہ میسر برسوں بچھا کے رہ گئے ہم

کاش رکھتے کس طرف مرہم

اس ادا سے بہت ہوئے برہم

بیخودی سے گئے ہیں کید صرہم

یعنی ڈھونڈھا ہوا اس کو کھڑکھڑ ہم

حال زخم جگر سے ہے درہم

دلبوں کو جو بریں کھینچا ملک

آپ کو اب کہیں نہیں پاتے

دیر و کعبہ گئے ہیں ہم اکسہم

کہ کسے کون ہم کو ناہموار  
کوفت سی کوفت اپنے دل پر

اب نہ ہیں خاک سے برابر ہم  
چھاتی کوٹا کئے ہیں کنشر ہم

تجارت حیرت عشق سے گفت گو کو ہم  
اگر چہ وصل ہے پر ہیں طلب میں سرگرد  
اب اپنی جان سے ہیں تنگ دم کر کا بہت  
جلا کے خاک کرے وہ کہ رکھے دل غ کرے

مرید پیر خرابات یوں نہ ہوتے میر  
سمجھتے عارف اگر اور بھی کسو کو ہم

عشق بتوں سے اب نہ کریں گے عہد کیا ہے خدا سے ہم  
آجاویں جو یہ ہر جائی تو بھی نہ جاویں جا سے ہم  
گر یہ خونیں ٹنک بھی رہے تو خاک سی ٹنڈ پر اڑتی ہے  
شام و سحر رہتے ہیں یعنی اپنے لہو کے پیاسے ہم

اس کی نہ پوچھو دوری میں اُن نے پریش حال ہماری کی  
ہم کو دیکھو مارے گئے ہیں آکر پیاس و فاس سے ہم  
چکی کیا انواع اذیت عشق میں کھینچی جاتی ہے  
دل تو بھرا ہے اپنا تو بھی کچھ نہیں کہتے حیا سے ہم

کیا کیا عجز کریں ہیں لیکن پیش نہیں کچھ جانا میر  
سر رگڑے ہیں آنکھیں ملے ہیں اُس کے خالی پاس سے ہم

پاسیے یوں تھا گڑھی صحبت آپ ہی آگے بناتے تم  
رحلت کرنے سے آگے مجبور دیکھتے آتے جاتے تم  
چلتے کہا تا جاؤ سفر کو آؤ گے تو لیے گا

وعدہ وصل نہ ہوتا تو پھر کس کو جیتا پاتے تم  
کیا دن تھے دے دیکھتے تم کو نیچی نظر میں کر لیتا

شرما شرما لوگوں سے جب آنکھیں مجھ کو دکھاتے تم  
بستر پر میں مردہ سا تھا جان سی مجھ میں آجاتی  
کیا ہوتا جو رنجہ قدم کر میرے سرہانے آتے تم  
دل کے اوپر ہاتھ رکھے ہی شام سحر یاں گزرے ہے  
حال یہ تھا تو دل عاشق کا ہاتھ میں ٹپک تو لاتے تم  
ٹپک ہے اصل طہنت آدم چاہیے اسکو بجز کرے  
بات کی تہ کو کچھ پاتے تو اتنا سر نہ اٹھاتے تم

چہرہ زرد بجایا ہے سارا عشق میں غم کا مارا ہوں  
رنگ یہ دیکھا ہوتا تو دل میر کہیں نہ گھلتے تم

صبر بہت تھا ایک سیہ میں جا سے اپنی نہ جاتے ہم  
کس کس ناز سے دے آتے پر آنکھ نہ ان سے ملاتے ہم  
کعبہ سے کر نہ در آٹھے سو خرچ راہ لے وائے ہوئے  
ورنہ عتہ خانے میں جائز تار گلے سے بندھاتے ہم  
باقی مست بھی آدے چلا تو اُس سے منہ کو پھیر نہ لیں  
پھرتے ہیں سرستِ محبت سے ناخوردہ ماسے ہم  
ہائے جوانی وہ نہ گلے لگتا تو خشمِ عشقی سے  
نعلِ جڑے جا بٹے پھاتی پہ گل ہاتھوں پر کھاتے ہم  
عشق تو کارِ خوب ہے لیکن میر کہنے سے رنج بہت  
کاشکے عالمِ ہستی میں بے عشق و محبت آتے ہم

ارو لیف نوں

صفتِ دماغ سے کیا پوچھو ہوا ب تو ہم میں حال نہیں  
اتنا ہے کہ طیش سے دل کی سر پر وہ دھمال نہیں  
گاہے گاہے اس میں ہم نے منہ اس مہ کا دیکھا تھا  
جیسا سال کہ پر کا گزرا ویسا بھی یہ سال نہیں  
بالوں میں اُس کے دل اُلجھا تھا خوب ہوا جو تمام ہوا

یعنی گیا جب بیچ سے جی ہی تب پھر کچھ جنجال نہیں  
 ایسی متاع تلیل کے اوپر چشم نہ کھولیں اہل نظر  
 آنکھ میں آوے جو کچھ ہو دے دنیا اتنی مال نہیں  
 سرو چال کو سیر کیا تھا کبکب خسرا ماں دیکھ لیا  
 اُس کا سا انداز نہ پایا اُس کی سی یہ چال نہیں  
 دل تو ان میں پھنس جاتا ہے جی ڈوبے ہے دیکھ اُدھر  
 چاہ زرخ گو چاہ نہیں ہے بال اس کے گوجاں نہیں

کب تک دل کے مگرے جوڑوں میر جگر کے لختوں سے کسب نہیں ہے پارہ دوزی میں کوئی وصال نہیں	ہے وضع کشیدہ کا جو شور اسکی جہاں میں ہر طور میں ہم حرف و سخن لاگ سے دل کی کیا یاد نے بھی دستِ تطاول کو دیا طول خوش رنگ ہے کس مرتبہ انہار کا پانی
--	---

ردو مرے احوال پر جوں ابر بہت میر  
 بیطاقتی بجلی کی سی ہے آہ دغلاں میں

دل کے گئے بیدل کھلائے آگے دیکھیے کیا کیا ہوں  
 محزوں ہوویں مفتول ہوویں مجنوں ہوویں رسوا ہوں  
 عشق کی رہ میں پاؤں رکھا سو رہنے لگے کچھ رفتہ سے  
 آگے چل کر دیکھیں ہم اب گم ہوویں یا پیدا ہوں  
 خار و خس اُلجھے ہیں آپ ہی بحث اٹھوں سے کیا کہیں  
 موج زن اپنی طبع رواں سے جب ہم جیسے دریا ہوں  
 ہم بھی گئے جاگہ سے اپنی شوق میں اُس ہرجائی کے  
 عشق کا جذبہ کام کرے تو پھر ہم دردوں کیجیا ہوں  
 کوئی طرف یاں ایسی نہیں جو خالی ہو دے اس سے میر  
 یہ طرف ہے شور جبرس سے چار طرف ہم تنہا ہوں



اب ہجر یار میں ہیں کیا دل زدہ سفر میں  
سردم ہوا شکباری نو میدی ہے نظر میں  
سناٹا بنیں ہو دل میں خون ہو جگر میں  
برقش اس کے پا کا بیٹھانہ چشم تر میں

کچھ قدر غایت کی معلوم کی نہ گھر میں  
ہر لحظہ بیقاری ہر لحظہ آہ و زاری  
روتے ہی رہنا اکثر یہ جانتا ہے سو تو  
یہ بخت دیکھ گا ہے آتا ہے آنکھوں میں گھا

کیا راہ چلنے سے ہے اے میر دل مگر  
تو ہی نہیں مسافر ہے عمر بھی گزر رہی

یگوں کی صفت کو دیکھ کے بھڑکے سر گئیں  
ٹھوڑوں کی باگیں دست سے آج گئیں  
سرفوجیں جو دور سے تھری تھیں ٹھک گئیں  
لوگوں کے سینے پھٹ گئے جانیں بڑھ گئیں  
دل سے ہزار خواہشیں سر کو ٹپک گئیں  
چمکا جہاں تو برق سا آنکھیں جھلک گئیں  
جانیں بسان طائر بسمل بھست گئیں  
اب منتظر ہو آنکھیں مندریں بی تھک گئیں  
مجلس کی مجلس نظر اک کرتے چھک گئیں

غوبی رو چشم سے آنکھیں اٹک گئیں  
چلتے سمنڈاز کی شوخی کو اس کی دیکھ  
ترجہی نگاہیں بلیں بھوں اسکی پھر بھریں  
بجلی سا مرکب اس کو کڑک کر چمک گیا  
محبوب کا وصال نہ ہم کو ہوا نصیب  
سو قوت طور نور کا جھمکا تر انہیں  
وحشت سے بھر رہی تھی نگہ تر جان کے  
گرد رہ اسکی دیکھتے اپنے آنکھیں نہ حیف  
بھردی تھی چشم ساتی میں یار کہاں کی

کیا میر اس کی نوک پلک سے سخی کرے  
سریز چہریاں گڑتی جگر دل تلک گئیں

کم اتفاق پڑتے ہیں یہ اتفاق میں  
جی کو ہے اضطراب بہت اب خرق میں  
آیا قصور اپنے ہی کچھ اشتیاق میں  
بانی کی چار بوندیں میں کیا احراق میں  
میں نے کتابیں کھیں اٹھا گھر کے طاق میں  
بلنا بلا ہے موتی کا اُس کے بلاق میں

اہم سے اُسے نفاق ہوا وفاق میں  
شاید کہ جان و تن کی جدائی بھی جو قریب  
عازم ہو نچنے کے تھے دل و عرش تک  
احراق اپنے قلب کا رونے سے کب گیا  
تحصیل علم کرنے سے دیکھنا کچھ حصول  
مہ ناک میں بقول زباں عاشقوں کے ہو

اک نور گرم جلوہ فلک پر ہے ہر عہد  
کوئی تو ماہ پارہ ہے میر اس رواق میں

صبح ہوئی گلزار کے طائر دل کو اپنے مٹولیں ہیں  
 یاد میں اُس خود رو گل تر کے کیسے کیسے بولیں ہیں  
 باغ میں جو ہم دیوانے سے جاکلیں ہیں نالہ کناں  
 بچے جو ہو مرغ چمن کے ساتھ ہمارے بولیں ہیں  
 یار ہمارا اس کیا کچھ سینہ کشادہ ہم سے بلا  
 خون کریں ہیں جب دل کو دے بند قبا کے کھولیں ہیں  
 میٹھ جو برسے ہے شدت سے دیکھ اندھیری کیلہ ہے یہ  
 یعنی تنگ جو ہم آتے ہیں دل کو کھول کے رولیں ہیں  
 وہ دھوبی کا کم ملتا ہے میل دل اور دھری بہت  
 کوئی گئے اس سے ملنے میں تجھ کو کیا ہم دھولیں ہیں  
 سرو تو ہے سنجیدہ لیکن پیش مصروع قدر یار  
 ناموزوں ہی نکلے ہے جب دل میں اپنے تولیں ہیں  
 مرگ کا وقفہ اس رستے میں کیا ہے میر نکلتے ہو  
 ہمارے بازے اندر لاء کے ہیں ہم لوگ کوئی دم سوئیں ہیں

غزل میر کی کب پڑھائی نہیں	کہ حالت مجھے غش کی آئی نہیں
زباں سے ہماری ہے صیاد خوش	ہیں اب امید رانی نہیں
کتابت گئی کہ اُس شوخ نے	بنا اُس کے گلابی ٹوٹی نہیں
نیم آئی میرے نفس میں عبث	گلستاں سے دھول لائی نہیں
مری لگی اُس کے رو بہنا سے ہے	گل تر سے کچھ آشنائی نہیں
نوشے کی خوبی کھی کھی گئی	کتابت بھی اکیلے تنگ لائی نہیں
جدا رہتے برسوں ہوئے کیونکہ یہ	کنا یہ نہیں بے ادائی نہیں
نکلہ ہجر کا سن کے کہنے لگا	ہماری تمھاری جدائی نہیں

یہ طالبی میری ظاہر ہے اب  
 نہیں شب کہ اُس سے ٹرائی نہیں

یہ سر مانگ کا وقفہ ہے یعنی آگے چلیں گے دم لیکر + ۱۲

دل کی لاگ بڑی ہے ہوتی چمکے بھلے مر جاتے ہیں  
 آپ میں ہم سے بخود روزنہ پھر پھر بھی کیا کرتے ہیں  
 رنگ نہ بدے چہرہ کا کیونکر نکھیں بیٹھی جائیں نہ کیوں  
 کیسے کیسے غم کھاتے ہیں کیا کیا رنج اٹھاتے ہیں

جی بھی جائے ہے میر جو اپنا دیر کی جانب کیا کرے  
 یوں تو مزاج طرف کعبہ کے بہتیرا ہم لاتے ہیں

دل کی کچھ تقصیر نہیں ہے آنکھیں اُس سے لگ پڑیاں  
 ار رکھا سو اُن نے جب کو کس ظالم سے جا لڑیاں  
 ایک نگہ میں مر جاتا ہے عاشق کو چمک دل اُس کا  
 زہر بھری کیا کام آتی ہیں گووے آنکھیں ہوں بڑیاں  
 مقدسے داغ دل کے شاید دستِ قدرت کھولے گا  
 ناخن سے تدبیر کے میر سے کھلتی نہیں یہ گلجھڑیاں  
 محس تھے کیا دے وقت و ساعت جن میں لگا تھا دل اپنا  
 سال پہر ہے اب تو ہم کو ماہ برابر ہیں گھڑیاں

میر بلائے جان رہے ہیں دونوں فراق و وصل اُس کے  
 ہجر کی راتیں وہ بھاری تھیں ملنے کے دن کی یہ گھڑیاں

بھلا ہو کہ دل مضطرب بتاب نہیں	بہت ہی حال بُرا ہے اب نظر اب نہیں
جگر کا لو ہو جو بانی ہو یہ نکلتا ہے	سو ہو چکا کہ مری چشم اب پر اب نہیں
دیارِ سن میں دل کی نہیں خریداری	وفا تلخ ہے اچھی یہاں سے اب نہیں
حساب پاک ہو روز شمار میں تو عجب	گناہ اتنے ہیں میرے کہ کچھ حساب نہیں
گزر رہے عشق کی بیجاقتی سے مشکل آہ	دنوں کو چین نہیں ہو شوق کو خواب نہیں
جہاں کے باغ کا یہ عیش ہو کہ کس کے رنگ	ہمارے جام میں تو ہو ہی سب شراب نہیں

تلاش میر کی اب میکہ دل میں کاش کریں  
 کہ مسجدوں میں تو وہ خانماں خراب نہیں

۱۵ غالبؔ جانا ہوں مہاب طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی +

بٹھتے باتے نہیں ہم کہ اٹھا دیتے ہیں  
بارغ کے چاروں طرف لگا دیتے ہیں  
دل جگر دونوں کی گت جلا دیتے ہیں  
استخوان کے جلے کچھ تو مرادیتے ہیں  
سر طرف سیکڑوں پریش دے دیتے ہیں  
جی بھی ہم شریکے ماروں کو دے دیتے ہیں  
پاس سے کھولیں تو کھیں ہی نکھا دیتے ہیں  
خاک میں اکٹو فی الفور ملا دیتے ہیں

ہم کو کہنے کے تئیں نرم میں جا دیتے ہیں  
ان طیوروں میں بھی اگر آتی ہے صبا  
گرچہ ملتے ہیں خاک غیرت مہر یہ لڑکے  
دیر رہتا ہے ہمالاں پر غم گشتوں کے  
اس شہ حسن کا اقبال غلام کے تئیں  
دل جگر ہو گئے بیابان غم عشق جہاں  
کیونکہ اس آہ میں پار بھی ہے صاحب نظراں  
ملتے ہی انکھ ملی اُنسکی تو پر ہم بنے تہ

طرف ضائع میں اے میر ہمزوں ٹہلیاں  
بات جاتی ہے بجز بھی تو نہ دیتے ہیں

رنگ طہیدان کی شوخی سے منہ پر مسے لگے نہیں  
چوٹ کے اوپر چوٹ پرے ہوں ہی میرا سنگ نہیں  
ایک سال میں دو عالم دیں ہے گل کے تنگ نہیں  
بٹھا ہو کھڑے بانوں میں تو کچھ چلتے ہیں درنگ نہیں

جی بار بیتیابی دل نے اب کچھ اٹھا دھنگ نہیں  
وہ جو خرام ناز کرے ہر ٹھوکر دل کو گنتی ہے  
ہم بھی عالم افتور میں یہ ہے جو انکے کوئی فقر  
ہاتھ پر ہاتھ دھرے ہوئے کیا میر سلوڑا بی ہو

شعر میر بھی پڑھتا ہے تو اور کس کا لکھ نام  
کیونکر کہیے اس ناواں کو نام سے میرے تنگ نہیں

ہم جو دیکھیں میں تو وہ آنکھ چھپا لیتے ہیں  
آنکھ کے اب قافلہ رفتہ کو جالتے ہیں  
پھول سا ہفتوں میں ہم اکو اٹھا لیتے ہیں  
کیا در انداز بھی اک بات بنا لیتے ہیں  
یوں تو اس فرستے سے سب کو دعا لیتے ہیں  
انکھیں رخنوں سے دل و جان ہوا لیتے ہیں

وہ نہیں اب کہ فریبوں سے لگا لیتے ہیں  
کچھ تفاوت نہیں ہستی و عدم میں ہم بھی  
ناز کی اسے ری طالع کی کوئی سے کبھو  
صحبت آخر کو بڑھتی ہے سخن سازی سے  
ہم فقیروں کو کچھ آزار نہیں دیتے ہو  
چاک سینے کے ہمارے نہیں سینے اچھے

میر کیا سا دے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب  
اسی غطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

آنکھ چارہ جونی سے اب کیا کریں  
کہو تم سود دل کا عدا کریں

کہاں ہم کو پروا کہ پروا کریں  
موس دل کو ہو تو مٹنا کریں  
ہم آپ ہی میں کم لکھو پیدا کریں  
چلے جائیں جی ہم تاشا کریں  
قیامت کا ہنگامہ برپا کریں  
یہ بے حوصلہ ہم کو سو اکر کریں  
کہ بدنام ہوویں جو سودا کریں

کھستیاں میں ہم غنیمت ہیں دیر سے  
نہیں چاہتا جی کچھ آب سیر ہیں  
نخود جستجو میں نہ اُس کے رہے  
غضب یہ انداز رفتار عشق  
بلا شکر ہے سر میں ہم کب تک  
نکس دل کی مرغان کشن سے کیا  
کھپا عشق کا جوش دل میں بھلا

برے حال سکی گلی میں ہیں منیر  
جو اٹھ جائیں وال سے تو اٹھ کریں

وے اندھیری میں بھڑے جو کجوشد سے یاں  
بات کرنا رسم دعوت ہی نہیں انقت سے یاں  
شور و ہنگام سحر کا بند ہے مدت سے یاں  
مر گیا ہے عشق میں فریاد جس قد سے یاں  
لوگ جی دیتے چلے جاتے ہیں حیرت سے یاں  
بولیں کیا اہل نظر خاموش ہیں حسرت سے یاں  
اس پر رکتے ہیں تفریب مری صحبت سے یاں  
کام کچھ جلتا نہیں اس ٹھوڑی سی دولت سے یاں

ہجر میں روتا ہوں ہر شب میں اس رست سے یاں  
کستہ ریگنا نہ خواہیں مردمان شہر حسن  
اٹھ گئے ہیں جب سے ہم سنا پڑا ہی بلع سب  
سر کوئی پھوڑے محبت میں تو بارے اس طرح  
و کشن اس نرم کی ظاہر ہے تم دیکھو تو ہو  
مہورتوں سے خاکوں یہ عالم تصور ہے  
نعم حرفوں کے تناظر کا بھی یاروں کو نہیں  
روح روزہ عمر کرے عاشقی پا زار ہی

کہا سر جنگ و جدل ہو بہد ماغ عشق کو  
صلح کی ہے پھر نے ہفتاد و دولت سے یاں

دارغ فراق سے کیا پوچھو ہوا گ لگائی سینے میں  
چھاتی سے وہ مہ نہ لگا ملک اگر اس بھی سینے میں  
چاک ہوا دل ٹکڑے جگر ہے لوہور و گے آنکھوں سے  
عشق نے کیا کیا ظلم دکھائے دس دکن کے سن سینے میں  
گوندہ کے گویا پتی گل کی وہ ترکیب بنائی ہے  
رنگ بدن کا بت دیکھو جب چولی بھیگے سینے میں

اس صورت کا ناز نہ تھا کچھ دب چلتا تھا ہم سے بھی  
جب تک دیکھا اُن نے نہ تھا منہ خوب اپنا آکھنے میں  
لوگوں میں اسلام کے ہوتا شہرت اس رسوائی کی  
شیخ کو پھیرا گدھے چڑھا کر کئے اور دینے میں  
دل نہ ٹولیں کاٹکے اُس کا سردی مہر تو ظاہر ہے

باویں اس کو گرم مبادا یا رہا رہے کہنے میں  
میر نے کیا کیا ضبط کیا ہے شوق میں اشک خونیں کو  
کہتے جو تفسیر ہوئی ہو اپنا تو ہو پینے میں

اب ہونا کس ہی مردم ہیں ترے یاروں میں  
ہم جو عاشق ہیں سو ٹھہرے ہیں گہکاروں میں  
کوچہ یار تو ہے غیرت فردوس دے  
اومی ایک نہیں اس کے ہوا دلوں میں  
ہو کے بد حال محبت میں کھینچے آ کر کار  
لوگ اچھے تھے بہت یار کے پیاروں میں  
بھی گیا ایک دم سردی کے ساتھ اپنا  
ہم جو خوش زمرہ تھے اُس کے گزراؤں میں

اب در باز بیاں میں قدم رکھئے میر  
کب تک تنگ رہیں شہر کی دیواروں میں

عالم علم میں ایک تھے ہم دے حیف ہے اُن کو گیاں نہیں  
اب کہتے ہیں غلط کیسا جان نہیں پہچان نہیں  
کس امید پر ساکن ہووے کوئی غریب شہر اس کا

لطف نہیں اکرام نہیں انعام نہیں احسان نہیں  
ہائے لطافت جسم کی اُس کے مری گیا ہوں پوچھو مت

جب سے تن نازک وہ دیکھا تب سے مجھ میں جان نہیں  
کیا باتوں سے تسلی ہووے شکل عشق میری سب

یار سے کہنے کہتے ہیں پر کہنا کچھ آسان نہیں  
شام و سحر ہم سرزد وہ دامن سرگرمیاں رہتے ہیں

ہم کو خیال اُدھر ہی کا ہے اُن کو ادھر کا دھیان نہیں  
جان کے میں تو آپ بنا ہوں اُن لڑکوں میں دیوانہ

عقل سے بھی بہرہ ہے مجھ کو اتنا میں نادان نہیں  
 پاؤں کو دامنِ محشر میں ناچاری سے ہم کھینچیں گے  
 لائقِ اپنی وحشت کے اُس عرصہ کا میدان نہیں  
 چاہت میں اس مایہ جاں کے مرنے کے شایستہ ہوئے  
 جا بھی چکی ہے دل کی ہوس اب جینے کا ارمان نہیں

شور نہیں یاں مستنا کوئی میرِ قفس کے اسپروں کا  
 آگوش نہیں دیوارِ جن کے گل کے شاید کان نہیں

یوں ناکام رہیں گے کب تک جی میں ہے اک کام کریں  
 رسوا ہو کر بارے جاویں اُس کو بھی بدنام کریں  
 جس کو خدا دیتا ہے سب کچھ دے ہی سب کچھ دیتے ہیں  
 ٹوٹی لنگوٹی پاس اپنے ہم اس پر کیا انعام کریں  
 منہ کھولے تو روزِ روشن زلف بکھیرے رات ہے پھر  
 ان طوروں سے عاشق کیونکر صبح کو اپنی شام کریں  
 خط و کتابتِ حرف و حکایتِ صفحہ ورق میں آجاوے  
 دستے کے دستے کا غد ہو جو دل کا حال ارتقام کریں  
 فیخ پڑے محرابِ حرم میں پیروں دو گمانہ پڑھتے ہو  
 سجدہ ایک اس تیغِ تلے کا ان سے ہو تو سلام کریں  
 دل آسودہ ہو تو رہے ملک در پر ہم سو بار گئے  
 وہ سو نہی کہہ بیٹھے ہے باہر جاویں اب آرام کریں

میل گدا لی طبع کو اپنے کچھ بھی نہیں ہے ورنہ میر  
 دو عالم کو مانگ کے لاویں ہم جو تنگ اسرام کریں

پھر میں صورتِ احوال ہر یک کو دکھاتا تھا  
 خرابہ دلی کا وہ چند بہتر لکھنؤ سے تھا  
 مروت قحط ہے آنکھیں نہیں کوئی ملا تھا  
 وہیں میں کاش مر جاتا سرِ اسیمہ نہ آتا تھا

محبت دہمن جاں ہے جو میں معلوم یہ کرتا  
 تو کا ہیکو کسو سے میر اپنا دل لگاتا تھا

کس سے مشابہ کیجے اُس کو ماہ میں ویسا نور نہیں  
کیونکر کیے بہشتی رو ہے اس خوبی سے حمد نہیں  
شعر ہمارے عالم کے ہر چار طرف کیا دوڑے ہیں  
تس وادی آبادی میں یہ حرف و سخن مشہور نہیں  
ہم دیکھیں تو دیکھیں اسے پھر پرہیز بہتر ہے یعنی  
اور کریں نظارہ اُس کا ہم کو یہ منظور نہیں  
عزت اپنی تہدستی میں رکھ لی خدا نے ہزاروں شکر  
قدر ہے دست قدرت سے یاں حیف ہمیں مقدور نہیں

راہ دور عدم سے آئے بستی جان کے دنیا میں  
سویاں گھر او جڑ ہیں سارے اک منزل مہمور نہیں  
عشق و جنوں سے اگر چہ تن پر ضعف و شرافت ہو لیکن  
وحشت گو ہو عرصہ عشر مجنوں سے رنجور نہیں  
ہجراں میں بھی برسوں ہم نے میسر کیا ہے پاس وفا  
اب جو کچھ ٹک پاس بلا لے سکو وہ تو دور نہیں

### روایف واو

ویتی ہے طول بلبل کیا سوزش فغیاں کو  
میں تو نہیں پر اب تک متانہ غنچے ہو کر  
نالاں تو میں تجھی سے پر وہ اثر کہاں ہے  
کیا جانے کہ کیا کچھ پردے سے ہو و ظاہر  
اس چشم مرنج پر ہے وہ ابرو کے کشیدہ  
سیری نگاہ میں تو عدم سب ہیں شے ہی  
اک نالہ حوصلہ سے بس ہے دواغ جاں کو  
کتے ہیں مرغ گلشن سب میری مثال کو  
گو طائر گلستاں سیکھے مری زباں کو  
رہتے ہیں دیکھتے ہم ہر صبح آسماں کو  
جوں ترک مست رکھ لے سر کے تلے کہاں کو  
موجود بھی نہ جانا اس راہ سے جہاں کو

بعد از نماز تھے کل منجانے کے در او پر

کیا جانے میرا ہنجرہ اس کے کہاں کو

نہیں ہے تاب تنک تم بھی مت عتاب کرو  
تھارے عکس سے بھی عکس بجور شک سے ہم  
نہ گرم ہو کے بہت آگ ہو کے آب کرو  
نہ دیکھو آئینہ منہ سے مرے حجاب کرو



بھرا بھر کے مجھے کلیوں میں خراب کرو  
جو باتیں ہیں تو اب قرض کا حساب کرو  
نہ شب کو جاگتے رہنے کا اضطراب کرو  
دراز ٹھینو کسو میکے میں خواب کرو

خواب عشق تو سرگشتہ ہوں ہی میں تم بھی  
کہا تھا تم نے کہ ہر حرف پر ہے پورے لب  
ہوا ہے اہل مساجد پہ کام از بس تنگ  
خدا کریم ہے اُسکے کرم سے رکھ کر حشم

یہاں میں دیر نہیں لگتی آنکھیں منڈتے میر  
تھیں تو چاہیے ہر کام میں شتاب کرو

نرمی بھی کاش دیتا خالق ملک اسکی خو کو  
وے آنکھیں دیکھتی ہیں حسرت سے اسکے رو کو  
پاتے نہیں ہم اسکی کچھ طرز جستجو کو  
فرغ چمن نہ سمجھا انداز گفتگو کو

وہ گل سار دوسرا ہوں یا پیچیدار مو کو  
ان گیسوؤں کے حلقے ہیں چشم شوق عاشق  
دوم کی کشش سے کوشش معلوم تو ہے لیکن  
آلودہ خون دل سے صد حرف ٹھہر آئے

دل سیر دلبروں سے جا کر ہے کیا کیا  
کچھ انتہا نہیں ہے عاشق کی آرزو کو

جو صحن خانہ میں تو ہو درو دیوار عاشق ہو  
خرام ناز پر تیرے لٹا ٹھہر بار عاشق ہو  
مباد اس وجہ سے گل رو گلے کا بار عاشق ہو  
نہ مارے جان سے جب تک منت دار عاشق ہو  
نہ عاشق کہیے ان رنگوں نہ جو بیمار عاشق ہو  
وہی سے کام تجھے جو کوئی کمر کار عاشق ہو  
اگر وہ رشک یوسف آوے تو بازار عاشق ہو  
تجھے اے سیرے بریں جو زردار عاشق ہو

عجب گزرتی صورت کا نہ کوئی یار عاشق ہو  
تجھے اکبار اگر دیکھے کوئی بیجا ہو دل اس کا  
تری جھاتی سے لگنا ہار کا اچھا نہیں لگتا  
ہوا ہے خضرع بیرحم خونریزی بھی کرنے میں  
سرا ہے عشق میں زرد و زبون و زار ہی ہونا  
پڑے سایہ کسو کا تیرے بستر پر تو چوٹے  
نہیں بازار گرمی ایک دو خواہندہ پر اس کے  
غریبوں کی تو گپڑی جائے تک ہے آتر و تو

لگو ہوزار بار بار رونے چلتے بات چاہت کی  
کہیں ان روزوں تم بھی میر صاحب اس عاشق ہو

یا تج کو دل شکستوں سے اخلاص بیمار ہو  
ہم درد مند لوگوں کے بیمار وار ہو  
دینے میں دل کے اپنے جو کچھ اختیار ہو

تو وہ نہیں کسو کا تہ دل سے یار ہو  
کیا فکر میں ہوا نہی طرح داری ہی کی تم  
مصرف احتیاط رہا کرے رات دن

دل میں کد سے آندھی سی اُٹھنے لگی ہے اب کھاڑ ہر مر رہیں کہیں کیا زندگی ہے یہ اسے آہوان کعبہ نہ اینڈ و حرم کے گرد مُتھ سے لگے گلابی ہوا کچھ شگفتہ تو بہتی ہے تیز جہول تیغ جفا سے یار	نکلے گلے کی راہ تو رفع غبار ہو زلفیں تنک چھوئیں تو نہیں مار مار ہو کھاؤ کسو کی تیغ کسو کے شکار ہو تھوڑی شراب اور بھی پی جو بہار ہو یعنی کہ اک ہی دار گئے کام پار ہو
--	---

پھر یوں سے کہ قرار دار اسکو لائیے  
جو پھر پھر لڑا نہ کریں بے قرار ہو

دل اُس کے موت سے لگ کے پریشاں ہوا نہ تو صدر رنگ بحث رہتی ہے یاں ذہنی شور سے تیز دیک حق کے دین تو اسلام بن سے کفر کتنے دنوں کہا تھا دلا ضبط نالہ سکر	اس رو کا مثل آئینہ حمیراں ہوا نہ تو اسے عقلمند وائے کہ ناداں ہوا نہ تو اسے برہمن دروغ مسلمان ہوا نہ تو پھر شب کو ناشکیبے سے نالاں ہوا نہ تو
--	--

ہوتا ہے سر روئے سخن آدمی کے اور  
افسوس لے ستمزدہ انساں ہوا نہ تو

کیا کروں میں صبر کم کو اور بیخ بیش کو کھول آنکھیں صبح سے آگے کہ شیر اقتد کے عشق کے بیتاب کی آزاریں مت کر شباب دشمن اپنا میں تو فکر دوستی ہی میں رہا	نہ ہر دیویں کا شکے احباب اس درویش کو دیکھتے رہتے ہیں غافل وقت گرگ و میش کو جان دیتے دیر گنتی ہی نہیں دلریش کو اب رکھوں کیونکر سلامت جان عشق کش کو
--	--

غفلت سر سا بچوں سے شیرہ خلسے میں رہا  
کن نے دیکھا سجدوں میں پیر کا کریش کو

ناز کی کوئی یہ بھی ٹھسک ہے جی کا ہیکو کڑھاتے ہو  
آتے ہو حکمین سے ایسے جیسے کہیں کو جاتے ہو  
فیر کی ہمراہی کی عزت جی مارے ہے عاشق کا  
پاس کچھ جو آتے ہو تو ساتھ اک تھمہ لاتے ہو  
مست نہیں پرال ہیں بکھرے پیچ گلے میں بگڑی کے  
ساختم ایسے بگڑے رہے ہو تم جیسے مروتاتے ہو

پردہ ہم سے کر لیتے ہو جب آتے ہو مجلس میں  
آنکھیں سب سے ملاتے ہو کچھ ہم ہی سے شرارتے ہو

سوچ نہیں یہ فقیر ہے اپنا جیب دریدہ و دیوانا  
ٹھوکر لگتے دامن کو کس ناز سے تم یاں آتے ہو

رفتہ عشق کسو کا یار و راہ چلے ہے کس کے کسے  
کون رہا ہے آپ میں یاں تم کس کے تین بھالتے ہو

صبر بلا پر کرتے صاحب بیتابی کا حاصل کیا  
کوئی مقلب قلبوں کا ہے میر عبث گھبراتے ہو

آج ہمارا سرو کھتا ہے صندل کا بھی نام نہ لو  
رنگ اس کا کہیں یا نہ دے زہار اس سے کچھ کا تم لو

یاد آئے وہ کیا تر پے ہے کیا بیتابی کرتا ہے  
کوئی تسلی پھر ہوتا ہے جب تک دل کو تھام نہ لو

میر کہاں تک بخوابی وہ میں ہوں ملک جو سلا تانوں  
بس جو تمہارا کچھ بھی چلے تو ایک گھڑی آرام نہ لو

رہ رہ گئے بہر و خوار کینہ وار دونوں  
کیسے ہیں عاشقی کے حیران کار دونوں  
دامان و جیب میر سے ہیں تار تار دونوں  
ابرار و دیدار تر روستے ہیں تار و دونوں  
رستے نہیں ہیں یکساں لیل و نہار دونوں  
یہ کہ بیکلی سے ہیں بغیرار دونوں  
باغ و بہار ہیں اب جیب زکنا ر دونوں  
جو دل جگر ہوئے ہیں خون ایلار دونوں

کیا کیا بھک گئے ہیں رخسار یار دونوں  
تصویر قیس و لیلیٰ ملک ہاتھ لے کے بکھو  
دست جنوں نے اب کے کپڑوں کی چھیاں کیں  
پر سال کی سی بارش برسوں میں بھر ہوئی تھی  
دن ہیں بڑے کبھو کے راتیں بڑی کبھو کی  
دل اور برق ابر و فصل گل ایک سے ہیں  
خوش رنگ اشک خونیں گرتے رستے برابر  
اس شاخ گل سے قد کی کیا چوٹ لگ گئی ہو

چلتے جو اس کو دیکھا جی اپنے چھٹ گئے ہیں  
ہم اور میر یہاں ہیں بے اختیار دونوں

مار کھا بیتابی دل نے ہم سب غم کے ماروں کو

کام گئے ہیں شوق سے صنایع صبر نہ آیا یاروں کو

جی تو جلا احباب کا مجھ عشق میں اس شعلے کے پر  
 آؤ کہ نہیں در بستہ معنی مجھ پر اس مہر پارے کے  
 گرد و شل چشم سہ کاسہ سے جمع نہ رکھو خاطر تم  
 رو سی نہیں ہر بات کا ہر گز اپنے جاننا رو نکو  
 صلیح ملک دیکھا کر نے ہیں مخو پمکتا رو نکو  
 بھوکا پیاسا مار رکھا ہے تم سے ان ہزار رو نکو

کوہ کن و مجنون و دوا مق میر آئے تھے صحبت میں

مٹھ نہ لگایا ہم میں کنھوں نے ایسے ہرزہ کار رو نکو

جی رکھا رکنے سے پرے کچھ تو  
 جو نہ ہو دے نماز کرے نیاز  
 طالع و جذب و زاری و زور و زور  
 جینا کیا ہے جہان فانی کا  
 آسمان آگیا درے کچھ تو  
 آدمی چاہیے کرے کچھ تو  
 عشق میں چاہیے ارے کچھ تو  
 مرتے جاتے ہیں کچھ کے کچھ تو

اسے سہے نظر پڑے ہیں میر

اسکے اطوار سے ڈرے کچھ تو

رفیق زنگین مگرویاں سے کیا ٹھہراؤ ہو  
 قد جو خم پیری سے ہو تو سر کا دھننا ہی ہے  
 خون کے سیلاب میں ڈوبے ہو نکا کیا شمار  
 تھی وفا و مروت بابت دیا ر عشق کے  
 ساتھ ان کے چل تم شا کر لے حبکو جاؤ ہو  
 ہو چکا ہونا جو کچھ تھا اب عبث پہنچاؤ ہو  
 ملک ہے وہ جدول شمشیر تو ستھراؤ ہو  
 دیکھیں شہر حسن میں اس جنس کا کیا بھاؤ ہو

گر یہ خوشی سے ہیں رخسار میرے لعل تر

دیرہ خونبار یوں میں جیسے مٹھ پر ٹکھاؤ ہو

جی کی لاگ بلا ہے کوئی دل جینے سے اٹھا بیٹھو

ہو کے فقیر کلی میں کسوی رنج اٹھاؤ جا بیٹھو

کیا دیکھو ہو آگ کا پھپھا عشق اگر فی الواقع ہے

ایک دم اس بے چشم درد کی تیغ تلے بھی جا بیٹھو

ایکساں تھا وصل کا اس کے سچ پہ سوئے پھولوں کی

اب ہے زمانِ فراق بچھو نے خار و شک کے بچھا بیٹھو

کام کی صورت اپنی پیارے کیا بگڑی ہے کیا کہیے

آؤ کبھو مدت میں یاں تو اچھے مٹھ کو بنا بیٹھو

ٹیڑھی چال سے اُس کی خالٹ چپکے کھڑے کیا پھرتے ہو  
 سیدھی سیدھی دو چار اُس کو جرات کر کے سُنا بیٹھو  
 طرہی بھویں دشمن پہ کرو ہو عشق و ہوس میں تیز کرو  
 یعنی تیغ ستم ایک اُس کو چلتے پھرتے لگا بیٹھو  
 نکلا خط پشت لب اُس کا تھنہ دھیس مارنے لگے  
 سوچتے کیا ہو میرِ عبت اب زہر منگا کر کھا بیٹھو  
 صبر کہاں جو تم کو کہیے لگ کے گلے سے سو جاؤ  
 بولونہ بولو بیٹھونہ بیٹھو کھڑے کھڑے تک ہو جاؤ

بر سے ہے غربت سی غربت گور کے اوپر عاشق کی  
 ابر نہ منظر جو آؤ ادھر تو دیکھ کے تم بھی رو جاؤ  
 میر جہاں ہے مقام خانہ پیدا یہاں کا نہ پیدا ہے  
 آؤ یہاں تو داؤ تختیں اپنے تئیں بھی کھو جاؤ

### رولیت پائے ہوڑ

یار صد صیف کہ بیکانہ رہا اپنے ساتھ  
 اتحاد اتنا ہے اُس سے کہ ہیشہ ہر وصال  
 عہد یہ تھا کہ نہ بے وصل بدن سے جائے  
 رنج نے رنج بہت کھینچے ہو چکر ستم تک  
 دس گنا دُکھنے لگا زخم رکھے مرہم کے  
 آشنا یا نہ نہ کی کوئی ادا اپنے ساتھ  
 اپنے مطلوب کو ہے ربط سدا اپنے ساتھ  
 سو جدا ہوتا ہے کی جی نے دعا اپنے ساتھ  
 اک بلا میں ہے گرفتار بلا اپنے ساتھ  
 درد کا کام رہی کرتی دو اپنے ساتھ

وارو شہر میں یادشت میں ہم شوق طلب  
 ہرزہاں پھرتا ہے اے میر لگا اپنے ساتھ

گر می سے عاشقی کی آخر کو ہو رہا کچھ  
 آذر وہ دل ہزاروں مرتے ہی ہم سے ہیں  
 وارفتہ ہے گلستاں اس روئے چیمپی کا  
 وہ آرسی کے آگے پہروں ہے بے تکلف  
 بانی ہوا ہے کچھ تو میرا جگر جلا کچھ  
 بیمار می دلی کی شاید نہیں دوا کچھ  
 ہے فصل گل پہ گل کا اب وہ نہیں فرا کچھ  
 منہ سے ہمارے اُس کو آتی نہیں جیا کچھ

اچر ہے اس نگر سے جاتا نہیں دیا کچھ  
کیا جانوں کے جی میں ہر مسرت سے کیا کچھ  
آجائے ہے جہاں میں اُس کے لپ دیا کچھ  
اُن کی زباں میں کچھ ہے دل میں کچھ دیا کچھ  
کہیے نمود ہووے جو اس کے ماسو کچھ  
اُن نے کہا ہے کیا کیا میں نے اگر کہا کچھ

دل ہی کے غم میں گزرے دین جی عمر کے تھے  
ٹنڈھ کر بھی میری جانب سوتا نہیں کچھ وہ  
دل نے فقیر کا بھی ہاتھوں میں دل دی کر  
یاروں کی آہ و زاری ہووے قبول کیونکر  
ساری وہی حقیقت ملحوظ سب میں رکھے  
حرف و سخن کی اُس سے اپنی مجال کیا ہے

گفتگ یہ بدشیرانی پیری تو میری  
جانے کے ہو مہیا اب کر جلو بھلا کچھ

جان عزیز ابھی ہے مری آبرو کے ساتھ  
سر میکشوں کے پھوٹتے دیکھ سہو کے ساتھ  
اتما ہے اُس کا خون جگر آج کے ساتھ  
جاتے ہیں سب جہاں اُنکے رز کے ساتھ  
سو تیج و تاب رہتے ہیں ہر ایک مو کے ساتھ

حیرت طلب کو کام نہیں ہے کسو کے ساتھ  
یک رنگ آشنا ہیں خرابات ہی کے لوگ  
قمری کا لومہ پانی ہوا ایک عشق میں  
خالی نہیں ہے خواہش دل سے کوئی بشر  
دم میں ہر دم جہاں تیں گرم تلاش ہوں

کیا اضطراب عشق سے میں حرف زن ہوں میر  
ٹنڈھ تک جگر تو آنے لگا ٹنڈھ کے ساتھ

اُلجھاؤ تھا جو اُسکی زلفوں سے سو گیا نہ  
عقدہ ہمارے دل کا اُن سے بھی کچھ کھلا نہ  
انسوس ہے کہ موسم گل کا بہت رہا نہ  
حال اُس کا یہ خبر بھی درہم کر سے ہو یا نہ  
قطعہ لطیفہ بندہ شہر و غزل تلخ نہ  
احوال گیر کم ہو پہونچی بہم دوانہ  
پر فرط بخودی سے ہم تھے نہ دریا نہ  
ہیں شانہ گیر سے جو یہ رط کے نرم شانہ  
بے اُس کے بھول و گل سے جی ایک دم گمانہ  
معقول گو ہم اتنے وے ایسے ہرزہ چانہ

سرتو بہت گھیرا پر فائدہ کیا نہ  
وے زلفیں عقدہ عقدہ ہیں آفت زانہ  
خنیجے کے دل کی کچھ تھی و شد بہار آئی  
فرنا ہمارا اُس سے کہہ دیکھیں یا رجا کر  
کن رس بھی حیف اسکو تھا نہ کہا تو کیا کیا  
بیا ر عشق بیکس جتا رہے گا کیوں کر  
یوں درمیاں جن کے لینے تو گئے تھے ہکو  
چھو سکتے بھی نہیں ہیں ہم لپٹے بال شکہ  
دشت جن میں ہکو کل صبح بیشتر تھی  
صعبت بزر اپنی لوگوں سے کیونکہ ہوئے

اگر دے گئے ہیں جیسے از بیکہ استوں کے آئینہ ہو رہا ہے وہ سنگ آستانہ

ہے عینہ ابلتا سیلاب رود کا سا  
اے میر چشم تر ہے یا کوئی رود خانہ

انغم فوت سے بندے آزاد رہا  
خدا ہے تو کیا غم ہے دل شاد رہا

چاہ میں دل پر ظلم ستم ہے جو روح جفا ہو کیا کیا کچھ  
عاشق کے مرجانے کے اسباب بہت ہوتی ہیں  
عشق نے دیکر آگ یکا یک شہر تن کو بھونک دیا  
دل لیے کو فریقہ کے بہتیر کچھ ہے یار کئے  
کیا کیا دیدہ درانی سی ہم کرتے رہے اس عالم میں  
حسرت مول اندوہ جلدی خواہش کاوش فتنہ و فتنہ

کیا کیے جب میں نے کہا ہے میر ہے مغرور اپر تو  
اپنی زباں مت کھول تو ان نے اور کہا ہے کیا کیا کچھ

### رویت پائے تھانی

میں تو تنگ صبری سے رہ نہیں سکتا اک دم بھی  
جائے احرام آخرتہ کر دل کی اور توجہ کی  
دیکھ ہو اکو طائر گلشن کس حسرت سے کہتے تھے  
کیا کیا میں بیتاب رہا ہوں رنج و الم سے محبت  
پنہ دواغ کیا ہے کیا کیا اچھے ہوئے دے نہ  
گرم ہوا ہی ہو گا جو ہر سرچن کی کرستہ

فل جڑے سینے کو کوٹا چہرے بچے پر خاک ملی  
میر کیا ہے میں نے نہایت دل جانے کا نام بھی

نقد دل غفلت سے کھویا راہ کھوٹی کر گئے  
کیا کہیں ان نے جو پھیر اپنے در پر سے ہیں  
واعظا ناکس کی باتوں پر کوئی جاتا ہے میر  
کارواں جاتا رہا ہم خواب ہی میں مر گئے  
مر گئے غیرت سے ہم بھی رہ نہ آسکے کھر گئے  
اور مینجانے چلو تم کس آئے کہنے پر گئے

اے کاش کوئی جا کر کہہ دے یار سے بھی  
تا چند بیدار غمی کب تک سخن خوشن ہو  
یک معنی شگفتہ سوز نگ بندہ گئے ہیں  
کیا جیب آتیں ہی سیلاب خیر سے یاں  
باغ وفا سے سمنے پایا سو پھل یہ پایا  
راہ اسکی برسوں دیکھی آنکھیں غبار لائیں  
یاں کام جا چکا ہے اب اختیار سے بھی  
کوئی تو بات کرے یہ اخلاص کی سیار سے بھی  
الوان گل ہیں ہر سو اب کی بہار سے بھی  
وریا بہا کریں ہیں میرے کنار سے بھی  
سننے میں چاک تر ہے اب لار سے بھی  
نکلانہ کام اپنا اس انتظار سے بھی

جان و جہاں سے گزرا میں میر جکی خاطر  
بچکر نکلتے ہیں وے میرے مزار سے بھی

خوار چہ اپا کلیوں گلیوں سرار سے دیواروں سے  
کیا کیا اُن نے سلوک کیے ہیں شہر کے عزت داروں سے  
دور اس سے تو اپنے بھائی اگ لگی ہے گلستاں میں  
آنکھیں نہیں پڑتی ہیں گل پر سینکتی ہیں انگاروں سے  
شور کیا جو میں نے شاہ نگہ بتیابی سے دل کی بہت  
کھنے لگا جی تنگ آیا ان مہر و وفا کے ماروں سے  
وہ جو ماہ زمیں گرد اپنا دوپہری ہے ان روزوں  
شوق میں ہر شب حرف و سخن ہے ہکو ملک کے تاروں  
حرف شنو ساتھ اپنے نہیں ہیں ورنہ درآتے قافلہ ساں  
راہ میں باتیں کس کس ڈھب کی کرتے ہیں ہم یاروں سے  
خستہ ہوا اپنا کیسے ہی کوئی پھر بھی گلے سے لگاتے ہیں  
وحشت ایک تھیں کو دیکھی اپنے سینہ نگاروں سے  
داغ جگر داری ہیں ابھی کشتے ثبات دل کی میں  
ہم نہ گئے جاگہ سے ہر گز قیمہ ہوئے تلواروں سے  
حرف کی پہچان آسکو نہ تھی تو سادہ ہی کچھ اچھا تھا  
بات اگر مانے ہے کوئی سو سوا ب تکراروں سے  
کوہن و مجنوں یہ دونوں دشت و کوہ میں سر ماریں



<p>زور کش میں گئے عشق کے ہر بھی ہے بلا دھوم دل تر ہے کی کچھ نہیں اور کھیں میں کیا کیا حیف دل جاتے پر گئی جی کی حرم کسبہ کا نہ پایا بھید خسک نے ساتھ سب حیف ہوا</p>	<p>لشوق نہیں ملنے کا ہم کو میر ایسے آواروں سے ہم نے کھینچی کمان رستم بھی ایسا ہوتا نہیں ہے اور ہم بھی خواب کا سا ہویاں کا عالم بھی ورنہ غم کرتے سیتے ماتم بھی نہ ملا داں کا ایک حرم بھی ہوں تو یا راسکو دیتے تھے دم بھی</p>	<p>کھپ ہی جاتا ہے آدمی بے میر آفت جاں ہے عشق کا غم بھی لطف ہے کیا انواع تم جو اس کے کوئی بیان کرے گوش زد اک دن ہو ویں کہیں تو بے لطفی سے زبان کرے ہم تو چاہ کر اس پھر کو سخت نہ امت کھینچی ہے چاہ کرے اب وہ کوئی جو چاہت کا ارمان کرے سورے میں دل کے نفع جو چاہے خام طبع سودائی ہے دارا سار عشق میں کیسا جی کا بھی نقصان کرے حشر کے ہنگامے میں چاہیں داد عشق تو حسن نہیں کاشکے یاں وہ ظالم اپنے دل ہی میں دیوان کرے آتش خود غور سے دیے عمدہ بر آگیا عاشق ہو دل کو جلاوے منت رکھے جی مارے احسان کرے یمن عشق غم افزا سے کام نہایت مشکل ہے اب بھی نہیں نو میدی دل کو شاید عشق آسان کرے کہنے میں یہ بات آتی نہیں ہو سیر خدا کی قدرت کی موند کر آئیں میر اگر تو دل کی طرف ٹکھیان کرے بیدل ہوئے بیدیں ہوئے بوقریم ات گت ہوئے بے کس ہوئے بے بس ہوئے بے گل ہوئے بے گت ہوئے</p>
--	---	--

ہم عشق میں کیا کیا ہوئے اب آخر آخر ہو چکے  
 بے ست ہوئے بے ست ہوئے بخود ہوئے میت ہوئے  
 آفت جو کی کتا ہے جی حالت نہیں عزت نہیں  
 ہم بابت وقت ہوئے شائستہ کلفت ہوئے  
 مگر کوہ غم ایسا گراں ہم سے اٹھے پس دوستان  
 سوکھے سے ہم دینت ہوئے تنکے سے ہم پر بت ہوئے  
 کیا رویے قیدی ہیں اب رویت بھی بن گئی نہیں  
 بے پر ہوئے بے گھر ہوئے بے زر ہوئے بے بت ہوئے  
 آنکھیں بھرائیں جی زندہ کبھی سو کیا چکے سے تھے  
 جی چاہتا مطلق نہ تھا ناچار ہم رخصت ہوئے

بامست درگا ہوں میں شب کرتے تھے شاہد بازیاں  
 تسبیح لے کر ہاتھ میں یا منبر اب حضرت ہوئے  
 باغ میں سیر کھو ہم بھی کیا کرتے تھے  
 غیرت عشق کو وقت بلا تھی ہم کو  
 دل کی بیماری سے خاطر تو ہماری تھی جمع  
 جب تلک شرم رہی مانع سونوخی اُس کی  
 بالکل کفر جو انی میں بہت تھے ہم لوگ  
 آتش عشق جہاں سوز کی لپٹیں تھیں قہر  
 اب تو بیابانی دل نے ہمیں بھلا ہی دیا  
 اٹھ گئے پیر مرے کیے کو کہیں گے یاں میر  
 درود دل نہ تھے کہانی سی کہا کرتے تھے

حال نہیں ہے دل میں مطلق شور و فساد رسوائی ہے  
 یار گیا مجلس سے دیکھیں کس کس کی اب آئی ہے  
 سچ نہت کسر دم صبح ہے۔ اور اس کا قافیہ ات گت کے ساتھ اب نہ کرنا چاہیے۔ میر کے زمانہ میں  
 اسی طرح قافیہ کرنا جائز سمجھتے ہو گئے ۱۲

آنکھیں مل کر کھولیں اُن نے عالم میں آشوب اٹھایا  
 بال کھلے دکھلائی دیا سوہر کوئی سووائی ہے  
 ڈول بیاں کیا کوئی کرے اس وعدہ خلاف کی دیہی کا  
 ڈھال کے سانچے میں صانع نے وہ ترکیب بنائی ہے  
 نسبت کیا ان لوگوں سے ہم کو شہری ہیں دیوانے ہم  
 ہے فریاد اک آدم کو ہی مجنوں اک صحرائی ہے  
 ہے پتھر سا چھاتی میں میری کثرت غم کی حیرت سے  
 کیا کہیے پہلو سے دل کے سخت اذیت پائی ہے  
 باغ میں جا کر ہم جو رہے سوا در و داغ آشفتمہ ہوا  
 کیا کیا سر پہ ہمارے آکر بلبل شب چلائی ہے  
 کیسا کیسا عجز ہے اپنا کیسے خاک میں ملتے ہیں  
 کیا کیا ناز و غرور اس کو ہے کیا کیا بے پردائی ہے  
 نقشہ ہم غربت زدگان کا کہنے کے شایستہ نہیں  
 بے صبری کم پائی ہے پھر دوہائیں سے تنہائی ہے

بیشک چتوں نیچی نگاہیں چاہ کے تیری مشعل ہیں  
 میر عبت بگڑے ہے ہم سے آنکھ کہیں تو لگائی ہو

دنیا کی قدر کیا جو طلب کار ہو کوئی کیا ابر رحمت اب کی برتتا ہے لطف سے کیا ضعف تن میں ہی جگر و دل داغ بن ہم عاشقان زرد و زبون و نزار سے چپکے ہیں ہم تو حیرت حالات عشق سے کیساں ہوئے ہیں خاک سے پااں ہوئے ہم وہ رہ سکے ہے دل زدہ کچھ منتظر کھڑا ایک نسخہ عجیب ہے زرد کا طبیب کا کیا اضطراب دل کے میر عشق	کچھ چیز مال ہو تو خسریہ ار ہو کوئی طاعت گزریں جو ہو سو گنگار ہو کوئی پوچھے جو اس قشون میں سردار ہو کوئی منت کرادائیں ایسی کہ بنیاد ہو کوئی کرے بیاں جو واقف اسرار ہو کوئی کیا اور اس کی راہ میں ہوا رہ ہو کوئی حیرت سے اُس کے در پہ جو دیوار ہو کوئی کچھ غم نہیں ہے اُس کو جو بیمار ہو کوئی یہ حال مجھے وہ جو گرفتار ہو کوئی
--	--

میں نے ناخن بندی اپنی عشق میں کی ہے ابھی  
چاک کی چھاتی مری خیراج نے سی ہے ابھی  
شوق سے آنکھوں میں کوئی دم مرا جی ہے ابھی  
کوئی خوں ریز آن نے اپنی میان کی ہے ابھی  
صبح کو رسم صبحی سے تو بے لی ہے ابھی  
طرز میرے نالہ کی بیل نے شگھی ہے ابھی

زیر دیوار اُس کے کس امید پر تو میرے

ایک دوسے جان اس دروازے پر دی ہے ابھی

غم حراں کا کتبک تھیں شاو کرو تو بہتر ہے  
قیدیات سے بندے کو آزاد کرو تو بہتر ہے  
واد کرو تو بہتر ہے بیدار کرو تو بہتر ہے  
ظلم نمایاں اب کوئی جو ایجا کرو تو بہتر ہے

عشق میں دم مارا نہ کہو تم چیکے چیکے میرے کچے

لو ہو مٹھ سے ملکر اب فریاد کرو تو بہتر ہے

لے خاک کی کوئی چٹکی اکیر بنا دیں گے  
کیرہوں پہ گریں گے تو دے آگ جلا دیں گے  
مگر خضر نے گا تو ہم راہ بتا دیں گے  
گر حسن عمل کی واں لوگوں کو خبرا دیں گے  
دیکھیں گے چڑھی جدم ہم سر کو نوادیں گے  
جی جامہ اٹھا دیں گے گھر بار ٹا دیں گے

موشوق کی گرمی بھی اے میرے قیامت کو

چھاتی میں لگے تک سر تک آگ لگا دیں گے

صاحب ہی نے ہماری یہ بندہ پروری کی  
اسکی گلی کے رنگ نے کیا آدمی گرمی کی  
ہم دل شدوں کی اُن نے کیا خوب بیری کی

ان خنائی دست و پاسے دل لگی سی ہے ابھی  
ہاتھ دل پر زور سے اپنے نہ رکھا جاسیے  
ایک دم دکھلائی دیتا بھی تو مرتے آ کہیں  
دیکھیں اک دردم میں کیونکر تیغ اسکی ہو بند  
کس طرح ہوں مقتدر ہم اتفاق سے شیخ کے  
اگے کب کب اٹھتے تھے سناٹے سے انہیں

دیو سے ہکو بھول گئے ہو یاد کرو تو بہتر ہے  
پہونچا ہوں میں دوری سے مرنے کے نزدیک آخر تو  
جو کرے گا حق میں میرے خوبی جو میری سی ہی ہیں  
زخم و امن وار جگر سے جامہ گزاری ہو نہ لگی

عل اہل بصیرت سے کچھ دے ہی دکھا دینگے  
پانی کی سی بوندیں تھیں سب اشک میں جانا  
سرگشتہ سا پھر تارے کہتے ہیں بیا باں میں  
اے کاش قیامت میں دیویں اسی عاشق کو  
حاصل کرے ہونے کا ابرو کی کمان اسکی  
ایدھر نہیں آتا وہ آوے تو قصہ قمر

جنگل میں چشم کس سے بستی کی رہبری کی  
شب کے شور و سرگ کی نہ بے دماغی  
کرتے نہیں ہیں دل خوں اس رنگ سے کس کا

اچھی لگی نہ ہم کو خوش صورتی پری کی  
اس رنج میں تیں ہے اُمیدِ بہشتی کی  
اس خود نالے کیسی خود رانی خود سری کی  
جی ہی سے مارتی ہے آزادی بے پری کی  
بختِ سیہ نے بارے ان روزِ دلِ یوری کی  
پیسے دے بیرونی کی پھیرے گئے کھری کی

اللہ دے کیا تک ہے آدم کے حسن میں بھی  
ہے اپنی ہر روزی جا بگاہِ دلِ گدازاں  
رفارِ ناز کا ہے پامال ایک عالم  
اے کاش اب نہ چھوڑے صیادِ قیدیوں  
اس رشک نہ سے ہر شب ہر غیر سے لڑائی  
ٹھٹھ پچریاں ہی کی ہیں صراف کے لئے ہم سے

گزرے بسانِ حصرِ عالم سے بے تامل  
افسوس میر تم نے کیا سیرِ سرسری کی

اب کب گئی اٹھائی ہے زورِ ناتوانی  
ہم نے تو قدرِ دل کی افسوس کچھ نہ جانی  
مڑکھاں ہم زردن میں جاتی رہی جوانی  
بس اور کچھ نہ کہیو ہرگز مری زبانی  
آئینہ تو شہِ اسر ہو تا ہے پانی پانی  
چہرے کے رنگ اپنی چادر کی زعفرانی

اکثر کی بیدار غمی ہر دم کی سرگردانی  
تم دل کو دیتے ہو تو بیدلِ بچہ کے ہو جو  
عہدِ شباب کی تو فرصت تھی ایک چٹک  
حسرت سے دیکھ رہو اسے نامہ برِ منہ اس کا  
اس غیرتِ تمر کی بخت سے تابِ مرغ کی  
مرزائی فخر میں بھی دل سے گئی نہ میرے

یوں میر تو غم اپنا برسوں کہا کرینگے  
اب رات کم ہے سوؤ بس ہو چکی کہانی

چلوچھن میں جو دل کھلے تک ہم غمِ دل کھا کریں گے  
طیور ہی سے بھا کریں گے سگلوں کے آگے بھا کریں گے

قرارِ دل سے گیا ہے اب کی کہ رک کے ٹھہر میں نہ مریگا یوں  
بہار آئی جو اپنے جیتے تو سیر کرنے چلا کریں گے

ہلاک ہونا مقرر ہی ہے مرض سے دل کے یہ تم کڑھو ہو  
مزاجِ صاحب اگر ادھر ہے تو ہم بھی اپنی دوا کریں گے

برسے دل کا ہمارے گلنا گلنا غصے سے عاشقی کے  
بچی جبیں سے لگی میں اُس کی خراب و خستہ پھرا کریں گے

دصالِ خواہاں نہ کر جتنا کہ زہر شیریں لبی ہے اُن کی

خواب و رسوا ہوا کریں گے ہلاک دل کر جدا کریں گے  
 اگر وہ رشک بہار سمجھے کہ رنگ اپنا بھی ہے اب ایسا  
 ورق خزاں میں جو زرد ہوئے غم دل سیر لکھا کریں گے  
 غم محبت میں میرا ہم کو ہمیشہ جلتا ہمیشہ مرے  
 مصیبت ایسی داغ رفته کہاں تک ہم دعا کریں گے

سنو سگر نہشت اب ہاری زبانی  
 بہت قدیم باتیں کہ بائیکا کہنت  
 بہت مو پریشاں کھینچے اس کے غم میں  
 گیا بھول بھی شیب میں جو ہمارا  
 توقع نہیں یاں تک آئے کی آج سے  
 کریں ضبط کر یہ سے دل کی عمارت  
 ملاوتی ہے خاک میں دی کو  
 گرا دی گھر میری جی تھا ہمارا  
 وے عشق میں قدر سمجھنے نہ جانی

چلتے ہو تو چین کو چلیے کہتے ہیں بہاؤں ہے  
 رنگ ہو آؤں نیچے ہو جیسے شراب جواتے ہیں  
 عشق کے میدان اردن میں بھی فریاد ہو صحت بہت  
 دل ہو داغ جگہ کو کمرے کے آسوارے خون ہو  
 بات برسے میں بھول کھلے ہیں کم یاد و باراں  
 آگے ہو بخانے کے نکلو عہد بادہ گاراں  
 یعنی مصیبت ایسی اٹھانا کار کار گزاراں  
 لاہو پانی ایک کوسے یہ عشق لالہ عذراں

کو کہن و مجنوں کی خاطر دشت و کوہ میں ہم نہ گئے  
 عشق میں ہم کو میر نہایت پاس عزت داراں

ہم اس مرتبہ پھر بھی لشکر گئے  
 نظر اک سپاہی پس سے لڑی  
 ہم ہر ہندی کے سر گرم تھے  
 لاویری آنکھوں میں آنا نہیں  
 راجا کن میں نہیں تیسری  
 لقب ایسی گزری کہ مر مر گئے  
 قریب آسکے تلوار کر کر گئے  
 خدا جانے وہ لوگ کیدھر گئے  
 جگر کے مگر نہ غم سب بھر گئے  
 ہوا جوگی دے بھی باہر گئے

کب وعدہ کی رات وہ آئی جو اُس میں نہ لڑائی ہوئی  
 آخر اس ادبِ اش نے مارا رہتی نہیں ہے آئی ہوئی  
 چاہ میں اُس بے الفت کے گھبراہٹِ دل ہی کو تو نہیں  
 سارے حواسوں میں تہشتِ جان بھی ہے گھبرائی ہوئی  
 مگر چہ نظر ہے پشت پا پر لیکن تہہ قیامت ہے  
 گزرتی ہے دل میں ہمارے آنکھ اُسکی شرمائی ہوئی  
 جنگل جنگل شوق کے مارے ناقہ سوار پھر اکی ہے  
 مجنوں جو سحرائی ہوا تو لیلی بھی سودائی ہوئی  
 دردِ دل سوزِ ان محبتِ نوجو ہو تو عرش پر ہو  
 یعنی دورِ شبِ گھمگی جاکر عشق کی آگ لگائی ہوئی  
 جتن کی آغاز سے ظالمِ ترکِ مروت پیدا ہے  
 اہل نظر سے چھپتی نہیں ہے آنکھ کسو کی چھپائی ہوئی

میر کا حال نہ پوچھو کچھ تم کہنے رباط سے پیری میں  
 رقصِ کنناں بازارِ رنگ آئے عالم میں رسوائی ہوئی

پودھے جن میں پھولوں سے دیکھے بھرے تھے  
 وہ ہاتھ سو گیا ہے سرھانے دھڑے دھڑے  
 پھرتے ہیں جوں سپر بہت ہم درے درے  
 یہ کہہ کے کوئی ایسا کرے جو ارے ارے

موسم ہے نکلے شاخوں سے پتے ہرے ہرے  
 آگے کسو کے کیا کریں دستِ طمعِ دراز  
 کیا سمجھے اس کے رتبہ عالی کو اہل خاک  
 مرتا تھا میں تو باز رکھامنے سے مجھے

گشتِ سن میں آگ لگ رہی تھی رنگ گل سے میر  
 بیل پکاری دیکھ کے صاحبِ پرے پرے

ہزار سابقوں سے سابق ایک یاری ہے  
 ہمارا شود جنوں اب ہے اپنی باری ہے  
 اگر صد کوئی پہچانے شہِ ساری ہے  
 وگرنہ حال ہمارا تو اضطرابِ ساری ہے  
 سو خطرے میں نہیں خاطر میں تمھاری ہے

ہماری تیری صورت پر دوستداری ہے  
 گئی وہ نوبتِ مجنوں کہ نام با سبے تھا  
 کریں تو جا کے گدا یا نہ اس طرف آواز  
 ساfranِ روِ عشق میں شلیب سے چپ  
 عربی حال کی دلخواہ جو تمھارے تھی

ہیں ہی عشق میں جینے کا کچھ خیال نہیں | وگرنہ سبکے تئیں جان اپنی پیاری ہے

نگاہ غور سے کر میرے سارے عالم میں  
کہ ہر دے میں حقیقت وہی تو ساری ہے

نہ خاطر پرالم تیرے نہ دل پر کچھ ستم تیرے | محل رحم ہو ذیں کس طرح مظلوم ہم تیرے  
جو ٹھک بھی سایہ گستر ہو گا تو اس خشک مزاج پر | بہت ہم جو تجھے احسان دے ابیر کرم تیرے

انھیں کی طبع جاں اسے میرا مل ہوگی سنبھل کے  
نہیں دیکھے جنھوں نے کیسوے پر پیچ و خم تیرے

نثر

عشق میں کھوئے جاؤ گے تو بات کی تہ بھی پاؤ گے  
قدر ہمارے کچھ جانو گے دل کو کہیں جو لگاؤ گے

صبر کہاں بیابانی دل سے چین کہاں بخوابی سے  
سو سو بار گلی میں تکتے گھر سے باہر آؤ گے

شوق کمال کو پہونچا تو نہیں خط و کتابت حرف و سخن  
قاصد کے محتاج نہ ہو گے آپ ہی دہرے جاؤ گے

صنعت گریاں صاحب بندہ دل کی گلی کب پیش گئیں  
ایک نہیں وہ سننے کا تم باتیں بہت بناؤ گے

چاہ کئے درویش ہوئے تو آب و خورش کی فکر نہیں  
لو ہو پیو گے اپنا ہر دم غم فصتہ ہی کھاؤ گے

زنگ محبت کے ہیں کتنے کوئی تمھیں خوش آویگا  
خون کرو گے یا دل کو یا داغ جگر پہ چلاؤ گے

رہتے ہیں مبہوت الفت ہیں گم گشتہ کلفت میں  
بھولے بھولے آپ ہی پھرو گے کس کو راہ بتاؤ گے

اشک تو بانی سے ہیں لیکن جلتے جلتے آ دیں گے  
دل کی گلی حیران ہیں صاحب کس ڈھب کے بھاؤ گے

چاہت میر سبھی کرتے ہیں رنج و تعب میں رہتے ہیں  
تم جو ابھی بیتاب ہو ایسے جی سے ہاتھ اٹھاؤ گے



نصحت میں لگ گئے سے بھاتی جلا گیا ہے  
ہر کوئی اپنی نوبت دودن بجا گیا ہے  
کیا دیر میں پلک سے میری اٹھا گیا ہے  
عزت گزنیوں سے بھی کم ہی رہا گیا ہے  
عاشق کو تیرے غم میں کیا کیا کہا گیا ہے  
یہ بھی خیال سا کچھ خاطر میں آ گیا ہے

ابکی سفر کو ہم سے وہ مہم جدا گیا ہے  
فراد و قس گزرے اب شور ہے ہمارا  
صنعت و ماغ سے میں بھر کر نظر نہ دیکھا  
بیجا ہوئے بہت دل رفتار دیکھ اس کی  
رسوا خواب و غمش دل با حقہ محبت مانا  
اے میر شکر کنا کیا ہے کمالِ نساں

شاعر نہیں جو دیکھا تو تو ہے کوئی ساحر  
دو چار شعر ٹپھ کر سب کو رہا گیا ہے

کو سو کر یہ فراق اُس کا تو جی کو میرے کھپا گیا ہے  
دروں میں آگ آگ لگا گیا ہے بروں کو کیسے جلا گیا ہے  
اگرچہ مارا بگڑ کے مجھ کو ولیک بطف و کرم سے پھر بھی  
نشان میرے مزار کا وہ سر رہ اپنی بنا گیا ہے

غلام شوخی کے ہمرہ اُس کے ہزار جانیں چلی گئیں ہیں  
رکھا ہے رہ میں قدم جو اُن نے تو میر کس سے رہا گیا ہے

درد کیا جانے کیا خطاب کہے  
چین دیوے تو کوئی خواب کہے  
کرنا جو کچھ ہو سو شباب کہے  
نامہ برد اس کا کیا جواب کہے  
آتش شعلہ زن کو آپ کہے  
قہر ہے دل جو اضطراب کہے

جبر کر رہ جو وہ عتاب کہے  
عشق میں دل بہت ہو بے آرام کہے  
وقت یاں کم ہے چاہیے آدم کہے  
پھاڑ کر خط کو اُن نے پھینک دیا کہے  
سے برا فروختہ جو ختم سے وہ کہے  
ہے تو یک قطرہ خون ہی لیکن کہے

میرا ٹھٹھکے سے کہیے گیا  
کیا کرے جو خدا خراب کہے

قصہ ہمارا اُس کا یا روشنیدی ہے  
نقاش سے کہیں وہ دامن کشیدی ہے  
لے شمع یہ زباں تو ظالم بریدی ہے

افسانہ خواں کا لڑکا کیا کہیے دیدنی ہے  
اپنا تو دست کو تہ زہنک بھی ٹھک نہ پہونچا  
پروانہ مر مٹا ہے جل کر نہ کچھ کسا تو

حسرت سے عاشقی کی بری میں کیا کہیں ہم  
دنداں نہیں ہیں منہ میں وہ لب گزمینی ہے

ہے راحت میر صاحب کس کس کا حیف کھیے  
سر ہے گلندی ہے قد ہے خمیدنی ہے

حال رہا ہوں ہم میں کچھ تو حال کسو سے کہا جاوے  
آن رہی ہے آج دموں پر کل تک کیونکہ رہا جاوے

اُس کی گلی وہ ظلم کدہ ہے آنکھ کے جو کوئی وہاں  
گرد رہ عشق آلودہ تو لو ہو میں اپنے نہا جاوے

آنکھوں کی خوتا بہ نشانی دیکھیں میر کا تنگ یہ  
زرد ہارے زخاروں پر ہر دم خون بہا جاوے

عشق چھپا کر پھپھٹائے ہم سوکھ گئے رنجور ہوئے  
یعنی آنسو پی لی گئے سوزِ حسیب جگر نا سو رہوئے

ہم جو گئے سر مست محبت اُس ادب اش کے کوچے میں  
کھائیں کھڑی تلواریں اُس کی زخمی نشہ میں چور ہوئے

کوئی نہ ہم کو جانے تھا ہم ایسے تھے گناہ آگے  
بہین عشق سے رسوا ہو کر شرود میں مشہور ہوئے

کیا باطل ناچیز یہ لونڈے قدر پر اپنی تازاں میں  
قدرت حق کے کھیل تو دیکھو عاشق بمقدور ہوئے

سر عاشق کا کاٹ کے اُن کو سر بگریباں رہنا تھا  
سو تو پگڑی پھیر رکھی ہے اور بھی دے ضرور ہوئے

زرد و زبون و زار ہوئے ہیں لطف ہے کیا اس جینے کا  
مردے سے ہی برسوں کے ہم ہجر میں بے نور ہوئے

پاس ہی رہنا اکثر اس کے میر سب تھا جینے کا  
پہنچ گئے مرنے کے نزدیک اس سے جو تک رہوئے

جو بکثرت جی سے وفا میں ہے سو تو حاضر ہے  
یہ فرط شوق سے بکجو ملال خاطر ہے

وصال ہو دے تو قدرت نہا ہے قدرت کی  
نہ ہم کو قدر نہ قدرت خدا ہی قادر ہے

<p>غریب کہتے ہیں لوگ ان کو بھی یہ ناور ہے زبان خامہ لسان اس میں قاصر ہے</p>	<p>سافرانہ ملے تو کہا شہارت سے کوسباق سے تھریر طول شوق نہ ہو</p>
<p>بہم رکھا کرو شطرنج کی ہی بازی کاش نہ میسر بارے خاطر کا بار شاہ طر ہے</p>	<p>ہوتی نہیں تسلی دل گستاں سے بھی تا یہ گرفتہ واد ہو کہاں لے کے جبا ئے</p>
<p>تسکین نہیں ہے جان کو آبِ اں سے بھی آئے ہیں اس کی بھگی میں تنگ جاں سے بھی مشکل ہے اب ہر لکے کہنے زباں سے بھی اک اعتقاد رکھتا ہوں پیر مغاں سے بھی جھگڑا نہیں رہے ہے زمین آسماں سے بھی دریش یعنی میسر ہے جانا جہاں سے بھی</p>	<p>ہر چند دستِ بیج جو ناں ہوں میں و لے جھنجھلاہٹ اور غصے میں پھیراں یار کے دنیا سے درگزر رکھ گزر رکھ عجب ہے یہ</p>
<p>لشکر میں ہے تقییب اسی بات کے لیے کہتے ہیں لوگ کو حق ہے کل صبیح یاں سے بھی</p>	<p>عشق کیا ہے جب سے ہم نے دل کو کوئی ملتا ہے روز و راع لگا بھاتی سے وہ جو فوش پر کار گیا</p>
<p>اشک کی سُرخ زردی چہرہ کیا رنگ لیا ہے دل تڑپے سے جان کچے ہے سینہ سار جلتا ہے عشق کا مارا آوارہ جو گھر سے اپنے نکلتا ہے جی بھی سنہلتا ہے اسکا پیر بعد از دیر سنہلتا ہے یعنی آنکھ نہ لگنے پاوے قافلہ صبح کو چلتا ہے بل کر اسکو جلاتے کیا ہو آپ ہی جلتا بلتا ہے</p>	<p>گور غیر آراگہ اسکو دنیا میں پھر کوئی نہیں صنعتِ داعی جسکو ہو و عشق کے رخ و محنت سے شورِ جبرس شبگیر کا غافل تیاری کا تکیہ ہے بال نہیں عاشق کے من پر ہرین مو سے نکلا دود</p>
<p>میسر ستم کشہ کی ساجت ہے مشہور زمانہ کی جان دیے بن آگے سے اسے کہہ ظالم ملتا ہے</p>	<p>جب سے ستارہ صبح کا نکلتا ہے آنسو جھکا ہے آمد و رفت دم کے اوپر ہم نے بنا لے زلیست رکھی</p>
<p>دل تڑپا جو اس مہر و بن سر کو ہمارے دھمکا ہے دم سو ہوا ہے آئے نہ آئے کسکو بھر و ساد کم ہے ابر ہے باراں باور نہک نگ بدن میں جھمکا ہے دل اپنا تو زنجیری اس زلفِ خم و دم کا ہے کیا بھلیکا میسر کش وہ تو مارا خم کا ہے</p>	<p>کہہ صوفی چل مینا نے میں لطف نہیں بسجہ میں کیا امید رہائی رکھے ہم سارفتہ وارفستہ دل کی نہیں بیماری ایسی جس میں ہو امید ہی</p>

خواہش دل کی کس سے کہیئے محرم تو نا پیدا ہے  
چپ ہیں کچھ کہہ سکتے نہیں پر جی میں ہمارے کیا کیا ہے  
ہیں متوقع پیش اُس کے ہم جو گرے ہیں بستر پر  
رہنا اس بد حالی ہی سے اپنے حق میں اچھا ہے

میر جی کی بیماری دل کو کب سے ہم سب ملتے ہیں  
یو چھے کوئی مزاج کو اس کے ان روزوں میں کیسا ہے

صبر کیا جاتا نہیں ہم سے صفت بھی ہے بیابی ہے  
سہل نہیں ہے جی کا ڈھنکسی خانہ خسرابی ہے  
آگے ایسا کھرا کھرا ہے کو میں پھرتا تھا  
جب سے آنکھ لگی اُس مہ سے رنگ مرا متابی ہے  
کس سے سبب میں پوچھوں یا رب اپنی سندش سینہ کا  
چھاتی جو جلتی رہتی ہے ات گت آگ گویا بیابی ہے  
رنج و عن نے عشق کے مجبوراحت سے مایوس کیا  
دل کے تئیں بیابی ہے مری آنکھوں کو بخوابی ہے  
ابر کوئی رویا ہے شاید برسوں دادی لھیلے میں  
سیر کیا وہ قطعہ زمیں کا اب تک بھی سیرابی ہے  
شہر حسن عجب بستی ہے ڈھونڈھے پیدا مہر نہیں  
ہے تو شاع گراں قیمت پر اس کی بلانا یا بیابی ہے

دور بد روز و روا عاشق شاعر شافل کامل میر

گم کہے میں دیر میں گاہے کیا کافر حرابی ہے  
دل کی بات کہی نہیں جاتی چپکے رہنا ٹھانا ہے  
حال اگر ہے ایسا ہی تو جی سے جانا جانا ہے  
اُس کی نگاہ تیرے میرے دوش و بربران روزوں  
یعنی دل پہلو میں میرے تیرے تیرے تیرے تیرے  
دل جو ہے تو پانوں کو بھی دامن میں ہم کھینچ رکھیں

صبح سے لے کر ساغھ تک اودھر ہی آنا جانا ہے  
 سرخ کھو آنسو ہیں ہوتے زرد کھو ہے منہ میرا  
 کیا کیا رنگ محبت کے ہیں یہ بھی ایک زمانہ ہے  
 اس نو میدی بنیائیت پر کس مقدار کڑھا کرے  
 دو دم جیتے رہنا ہے تو قیامت تک مرجانا ہے  
 فرصت ہے یا کم رہنے کی بات نہیں کچھ کہنے کی  
 آنکھیں ٹھول کے کان جو کھو لو نرم جہاں فنا ہے  
 فائدہ ہو گا کیا مترتب ناصح ہرزہ درائی سے  
 کس کی نصیحت کون سنے ہے عاشق تو دیوانا ہے  
 تیغ تلے ہی اُس کے کیوں نہ گردن ڈال کے جاٹھیں  
 سر تو آخر کار ہیں بھی خاک کی اور جھکانا ہے

آنکھوں کی یہ مردم داری دل کو کسو دیر سے ہے	طرز نگہ طراری ساری
کلید پنج اگر دھتھہ یار کا آوے	ہماری جان بول پر سے شو گوش گئی
تو دل کہ قفل سب سے ہے کیا کھلاوے	کہ اس کے آنے کی سن گن کچھ باجی پاوے

بہار لوٹے ہیں میراب کی طائر آزاد	نیم کیا ہے دو گلبرگ اگر ادھر لائے
میں اُس کی جدائی میں تصدیق بہت پائی	اس رفتہ کی جاں بخشی تک آتے ہوئے اسکے
درویشی و کم پائی بے صبری و تنہائی	تھا صبر و سکون جب تک ہوتا تھا مجھے غش سا
رہتے ہی قدم مجھ میں پھر جان گئی آئی	اس میرے جواحت پر کل داور محشر بھی
بیابانی دل سر پر ایک اور بلا لائی	
ڈرتا ہوں کہے ریجھا کیا تیغ ستم کھائی	

اے میر کے دیں ہیں جب تک نہ نصیب ہو	کر شکر ملی ہے جو اس در کی جبین سانی
کیا کیا ہم نے رنج اٹھائے کیا کیا ہم بھی شکایت تھے	دو دن جوں توں جیتے رہے سو مرنے ہی کے مہیا تھے

عشق کیا سوا تیں بنائیں عین شمع شمع رہا  
 بتیں جو دے مشور ہوئیں تو شہر و شہروں سوا تھے  
 کیا بگڑی کو پھر کے رکھتے کیا سر پہ نہ ہوتا تھا  
 لطف نہیں اب کیا کہیں کچھ آگے ہم بھی کیا کیا تھے  
 اب کی وصال قرار دیا ہے خبر ہی کی سی حالت میں  
 ایک سیہ میں دل بیجا تھا تو بھی ہم وے کیجھا تھے

کیا ہوتا جو یاس اپنے اسے سر پہ جو دے آجائے  
 عاشق تھے دردیش تھے آخر بیکس بھی تھے تنہا تھے

دنگ کی اُس کے جو خبر گزرے	رفتہ وارفتہ اسکا مر گزرے
ایک بل بھی اُس سے آنسو پہچھے	روئے جھکو پہر پہر گزرے
جوئے خون نکھوں سے بے شاید	خون سے نیرت بھی دے گزرے
راہ جاناں سے پہ گزر مشکل	جان ہی سے کوئی مگر گزرے
مارے غیروں کو یا مرے عاشق	کچھ نہ کچھ چاہئے کہ مر گزرے
غنیچہ ہو شرم سے ان آنکھوں کے	اُن ترس اگر نظر گزرے

سر کا ہانا ہی ہر قدم ہے میر  
 کیا کوئی اس کی راہ پر گزرے

جب سے آنکھیں کھلی ہیں اپنی درد و رنج و غم دیکھے  
 ان ہی دیدہ نہدیدوں سے کیا کیا ہم نے تم دیکھے  
 سر جانے کی اور اپنے زہار نگاہ نہ کی ہم نے  
 اُٹھ کے اندھا دھند آئے چلے ہی اس ظالم کے قدم دیکھے  
 عالم ہیئت جموعی سے ایک عجیب مرقع ہے  
 ہر صفحہ میں ورق ہیں اُس کے دیکھے تو عالم دیکھے  
 زخم نہ ہو دیں کیونکر غائر چھاتی میں دل خستوں کے  
 تیز نگاہ یار جاگر پر گتے ہوئے پیہم دیکھے  
 یار کے در پر ذکر ہے کیا ہنگامہ روزِ محشر کا

<p>اب کو چے میں قیامت سے تو میر بہت اذہم دیکھے آنکھیں اس سے لگیں سو خواب گئی بچوں میں رہی خراب گئی اشک کی موتی کی سی آب گئی عمر افسوس کیا ستاب گئی</p>	<p>خواہش دل سے جی کی تاب گئی بھول سے بھی تھی خوب و خترناک مگر کڑا سکی گلی کی خاک میں غمت بوئے گل یا نوائے بلبل تھی</p>
<p>نمک حسن سبز سے اے میر ساری کیفیت شراب گئی</p>	
<p>یا رب اُس کا ستم سہا بھی جائے دیکھ رہے خدام ناز اُس کا درود دل طول سے کہے عاشق حیرت گل سے آج بچو ٹھٹھکا</p>	<p>پنچہ خورشید کا گہا بھی جائے پر کسو پا سے گر رہا بھی جائے رد برد اُس کے جو گہا بھی جائے بے بہتیرا رہ رہا بھی جائے</p>
<p>کیا کوئی اُس گلی میں آوے میر اوسے تو لوہو میں نہا بھی جائے</p>	
<p>اب ترک کر لباس تو کل ہی کر رہے اس وشت سے غبار سہارا نہ ٹھک اٹھا آئے سے اس طرف کے ترے میں نے غش کیا دونوں طرف سے دیدہ درائی نہیں ہو خوب جتنگ ہو خون دل میں جگر میں فرو ہوں نم رہنا گلی میں اُسکی نہ جیتے جی ہو سکا عاشق خراب حال ترے ہیں گرے پڑے</p>	<p>جب سے کلاہ سر پہ رکھی در بدر رہے سم خان خراب نہ جانا کہ عسر رہے شکوہ بھی اُس سے کیجئے جسکو خبر ہے اس جاہ کا ہے لطف جو آپس میں ڈر رہے تہ کچھ بھی جو نہ ہووے تو کیا چشم تر رہے ناچار ہو کے واں جو گئے اب سو مر رہے جوں لشکر شکستہ یریشاں اثر رہے</p>
<p>عیب آدمی کا ہے جو رہے اس دیار میں مطلق جہاں نہ میر رواج نہ رہے</p>	
<p>پہراب چلو چمن میں کھلے غنچے ٹرک گئے چندیں ہزار دیدہ گل رہ گئے کھلے بھڑکی تھی جبکہ آتش گل بھول پڑ گیا</p>	<p>شماخوں سمیت بھول نہالوں کے جھک گئے افسوس ہے چمن کی طرف تم ٹھک گئے اں و پر طیور چمن میر بھک گئے</p>

آج ہیں بیتابی سے ہی صبر کی دل سے رخصت تھی  
 چاروں اوزنگہ کرنے میں عالم عالم حسرت تھی  
 کس محنت سے محبت کی تھی کس خواری سے یاری کی  
 رنج ہی ساری عمر اٹھا یا کلفت تھی یا اُلفت تھی  
 بزمِ کیا عشق کی کہیے رسوائی سی رسوائی ہے  
 صحرا صحرا وحشت بھی بھی دنیا دنیا تہمت تھی  
 راہ کی کوئی ستانہ تھا یاں رستے میں مانند جبرس  
 شور سا کرتے جاتے تھے ہم بات کی کسک و طاقت تھی  
 عہد ہمارا تیرا ہے یہ جس میں گم ہے ہر دو فنا  
 اگلے زمانے میں تو ہیں لوگوں کی رسم و عادت تھی  
 خالی ہاتھ سیر و ایسے کا ہے کو تھے گر یہ کناں  
 جن روزوں و رویش ہوئے تھے پاس ہمارے دلت تھی  
 جوا اٹھتا ہے یاں سے بگو لاہم سا ہے آوارہ کوئی  
 اس دادی میں میسر گر گزشتہ کسو کی تربت تھی



# دیوان پنجم

از میر تقی میر دہلوی

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

دل رفته جمال ہے اس ذوالجلال کا ادراک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا حیرت سے عارفوں کو نہیں راہ معرفت ہے قسمت زمین و فلک سے غرض نمود	مستجمع جمیع صفات و کمالات کا اودھر نہیں گزرا رگمان و خیال کا حال اور کچھ ہے یاں انھوں کے حلق و قال کا جلوہ و گزیرہ نسب میں ہو اُس کے جمال کا
--	---

مرنے کا بھی خیال رہے میرا اگر تجھے  
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

ہے حرفِ خامہ دل زردہ حسین قبول کا رہ پیر دی میں اُسکی کہ گامِ نخست میں وہ مقتدائے خلق جہاں اب نہیں ہوا سر نہ کیا ہے وضع پے چشم اہل تقدس ہے متحد نبی و علی و وصی کی ذات دھو منجھ ہزار پانی سے سوار پڑھ درود	یعنی خیال سر میں ہے نعتِ رسول کا ظاہر اثر ہے مقصد دل کے وصول کا پہلے ہی تھا امام نفوس و عقول کا احمد کی رہ گزار کی خاک و در وصول کا یاں حسرت معتبر نہیں ہر بوالفضل کا تب نام لے تو اس چمکتاں کے پھول کا
---	--

حاصل ہے میر دوستی اہل بیت اگر  
تو غم ہے کیا نجات کے اپنی حصول کا

عشق تو بن رسوائی عالم باعث ہو رسولی کا ہر جو سیاہی جرمِ قہر میں اس کے سوا کچھ اور نہیں	میل دلی اس خود سر سے ہو پایا سو خدائی کا داغ ہے مہ کا آئینہ اس سطح رخ کی صفائی کا
---	--

نزع میں میر سے حاضر تھا پر نگہ نہ پڑا اس کی پری  
کوشش میں سرا را لیکن در پستی کو جانہ سکا  
رنگ سرا یا اس کا ہوائے آگے دل غول گئی تھی  
آہائیں نادامی سے ہم نے جی دینا ٹھہرایا ہے

داغ چلا ہوا ہیں جہاں سے بار کی بے پروائی کا  
تن پر زبان شکر ہے ہر مو اپنی شکستہ پائی کا  
اب ہر جگر یک تختِ خمر وہ اسکے رنگِ حنائی کا  
کیا کہیے اندیشہ بڑا تھا اس کی منہ دکھائی کا

فرقت میں ہی ہر صنفِ اسکا جوں عضو از جارتہ میر  
جو کشتہ ہے ظلم رسیدہ اسکے دردِ جدائی کا

دہد بہت بھاگو ہو ہے سیکھے فرقیِ خزانوں کا  
صورتِ گر کی پریشانی نے طول نہایت بھینچا ہے  
بہت کیا تھا پتھر میں سورج کیے ہیں درخشاں نے  
سرو لب جو لالہ دگلِ نسرینِ دمن میں شگوفہ ہی  
غنچہ ہوا ہے خارِ بیا باں بعد زیارت کرنے کے

وحشت کرنا شیوہ ہے کیا ابھی آنکھوں والوں کا  
ہم نے کیوں بتا کر کیا تھا اسکے لیے بالوں کا  
پھید جگر میں کر دینا یہ کام ہے مخروں نالوں کا  
دیکھو جدھر اک باغ لگا ہی اپنے رنگیں خیالوں کا  
یانی تبرک کرتے ہیں سب یا توں کے میر پھالوں کا

پہلے تارک کچھ ہوتا تو نفع بھی ہوتا سو تو میر  
کام ہے آخر عشق میں اسکے پیاروں بدحوالوں کا

اگر مہتا اُسے سیرِ عین میں ابکی پاؤں گکا  
مجھے گل اسکے آگے خوش نہیں آتا کچھ اسیر ہی  
بشارت لے صبا دیو اسیرانِ نفس کو بھی  
داغ ناز برداری نہیں ہے کم دماغی سے  
خشونت بدسلوکیِ خشمگینی کس لیے اتنی  
ابھی ہوں منتظر جاتی ہے چشمِ شوق ہر جانب

تو بلبلِ آشاں تیرا ہی میں پھولوں سے بھاؤنگا  
جو تو آرزوہ ہوتی ہے گلستاں میں نہ آؤنگا  
تسلی کو تجھاری سر پہ رکھ دو پھول لاؤنگا  
کہا تنگ ہر گھڑی کے روٹھے کو بہروں مناؤنگا  
نہ منہ کو پھیرے پھریاں نہ آؤنگا نہ جاؤنگا  
بلند اس تیغ کو ہونے تو دوسرے بھی جھکاؤنگا

بلا میں زیرِ سروں کاش افتادہ رویوں نہیں  
اٹھا سر خاک سے تو میر ہنگامے اٹھاؤنگا

رسوائے شہر ہے یاں حرفِ دشمن ہمارا  
دلِ خون ہو گیا تھا غم لکھتے سور ہے ہے  
ظلِ ریاض میں شبِ متاب کے نہیں محل  
میدانِ عشق میں تو قیمہ بدن ہوا ہے

کیا خاک میں ملا ہے افسوس فن ہمارا  
شنگرت کے قلم سا پر خونِ دہن ہمارا  
انگاریوں سے بھرا ہے اس بنِ عین ہمارا  
تہ کر کے خاک ہی میں رکھ دیں کفن ہمارا

<p>میر اُس کی آنکھیں دیکھیں بہنے سفر کو جاتے سین بلا ہوا ہے سواب وطن ہمارا</p>	
<p>ٹنھا اپنا بکھو وہ اُدھر کر رہے گا جو دہرے ہمایا تو دل جا چکا ہے ہر اک کام ہو قوت ہے وقت پر ہی نہوں کو خبر مر و ماں حال پر سے</p>	<p>ہمیں عشق ہے تو اثر کر رہے گا کسو روز آنکھوں میں گھر کر رہے گا دل خوں شدہ بھی جگر کر رہے گا مرانا لہ سب کو خبر کر رہے گا</p>
<p>میں شعر میں میر شمع ہو وہ دل اُس کا کوئی تو بھر کر رہے گا</p>	
<p>سخن شتاق ہے عالم ہمارا رہے ہم عالم مستی میں اکثر بہت ہی دور ہم سے بھاگتے ہو بکھر جاتے ہیں کچھ گیسو تھارے</p>	<p>غلیمت ہی جہاں میں دم ہمارا را کچھ اور ہی عالم ہمارا گرد ہو یا میں کچھ تو کم ہمارا ہوا ہے کام دل بزم ہمارا</p>
<p>رہتے رہتے ہیں دل پر تھکی میر ہمیں شاید کہ ہے سب غم ہمارا</p>	
<p>کیا پوچھو ہو کیا کہیے میاں دل نے بھی کیا کام کیا عشق کیا نا کام رہا آخر کو کام تمام کیا عجز کیا سو اس مفسد نے قدر ہماری یہ سمجھ کی تو رے چڑھائی غصہ کیا جب ہم نے بھک کے سلام کیا کہنے کی بھی لکھنے کی بھی ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے آخر دل کی بتابی سے خط بھیجا پیغام کیا عشق کی تہمت جب نہ ہوئی تھی کا ہیکو ایسی شہرت تھی شہر میں اب رسوا ہیں عینے بدنامی سے کام کیا رگستاں میں جا کے رہی یا نگستاں میں ہم جو گی رات ہوئی جس جاگہ ہم کو ہم نے دہیں بسر کیا خط و کتابت لکھنا اُس کو ترک کیا تھا اسی لیے</p>	

حسرت و سخن سے ٹپکا لو ہوا اب جو کچھ ارقام کیا  
تلخ اُس کا تو شہد و شکر ہے ذوق میں ہم ناکاموں کے  
لوگوں میں لیکن پوچھ کر یہ لطف بے ہنگام کیا  
جیسے کوئی جہاں سے جاوے رخصت اس حشر سے ہوئے

اس کو چے سے نکل کر ہم نے زوہہ قفا ہر گام کیا  
میر جو اُن نے منہ کو ادھر کر ہم سے کوئی بات کہی  
لطف کیا احسان کیا انعام کیا اکرام کیا

لاگت جی کی جس سے ہوشن ہے اپنی جان کا  
ایک جی اسے پھر ہون ایک ہے احسان کا  
یہ نثر لایا نہ دیکھا احسان نادان کا  
رشتہ کے قابل ہے جو کشتہ ہے اس میدان کا  
ہل گیا جو صبح کو گوہر کسی کے کان کا  
عرشہ عشرت ہے عرصہ میرے بھی دیوان کا  
زرد اس غم دیدہ کو آزار ہے یرقان کا  
اس کا لعل لب نہیں محتاج رنگ پان کا

عشق ہو حیوان کا یا انس ہو انسان کا  
عاشق و معشوق کی میں طرفہ صحبت تیر کی  
میں خرد کم عشق میں اس رٹ کے آخرو ہوا  
منا اسکے عشق میں خالی نہیں ہے حسن سے  
گر پڑینگے ڈٹ کر اکثر تارے چرخ سے  
ہر درق ہر صفحہ میں ایک شعر شور انگیز ہے  
کیا ملاوے آنکھ نرگس اسکی چشم سُرخ سے  
بات کرتے جائے ہے منہ تک مخاطب بھلاک

کیا کہوں سارا زمانہ کشتہ و مردہ ہے میر  
اس کے اک انداز کا اک ناز کا اک آن کا

جی کا جانا ٹھہر رہا ہے صبح گیا یا شام گیا  
دل نے ایسا کام کیا کچھ جس سے میں ناکام گیا  
خواب گئی ہے تاب گئی ہے چین گیا آرام گیا  
آج گیا یا کل جاوے گا صبح گیا یا شام گیا  
اب کیا ہے وہ عہد گیا وہ موسم وہ ہنگام گیا  
لطف گیا احسان گیا انعام گیا اکرام گیا  
اب جو قرار کیا ہے دل سے خط بھی گیا پیغام گیا  
تایید شہر سے ظالم کے عاشق وہ بدنام گیا

عشق ہمارے خیال پڑا ہے خواب گیا آرام گیا  
عشق کیا سودین گیا ایسا گیا اسلام گیا  
کس کس لبتی کل کو روئے ہجرال میں بیکل گیا  
آیا یاں سے جانا ہے تو جی کا چھپنا کیا حاصل گیا  
ہائے جوانی کیا کیا کہئے شور سروں میں تھکے تھکے  
گالی جھڑکی چشم و خشونت یہ تو سر و دست اکثر ہیں  
لکھنا کہنا ترک ہوا تھا آپس میں تو مدت سے  
نالہ میر سو ادیں ہم کہ ہوشیں شب سے نہیں آ

طوب مشہد کو کل جو جاؤں گا وصل میں رنگ اڑ گیا میرا پھانتا ہوں کسی گلی کی خاک اسکے در پر گئی ہے تاب توں	تیغ قاتل کو سر حلیہ صاؤں گا کیا جدائی کو منہ دکھاؤں گا دل کو اپنے کبھو تو پاؤں گا گھر تلک اپنے کیوں کہ جاؤں گا
لوٹنا ہے ہمار منہ کی نخط میر میں اس پر زہر کھاؤں گا	
خیال چھوڑ دے واعظ تو بیگناہی کا سیاہ بخت ہی میرے مجھے کفایتی	رکھے ہے شوق اگر رحمت الہی کا لیا ہے داغ نے دین مبعث سیاسی کا
کسو کے حسن کے شعلہ کے آگے اڑتا ہوں سلوک میر سنو میرے رنگ کا ہی کا	
ہر چاہر غبار ہمارا اڑا ہوا آہ سحر نے دل کی نہ کھولی گر بھی	تیری گلی میں لائی صبا تو بجا ہوا آخر نسیم سے بھی یہ غنچہ نہ دا ہوا
دسے میر اثر جو سوزش دل میں کھے ہیں نالے کیے جس نے بہت سے تو کیا ہوا	
پہلو سے اٹھ گیا ہے وہ نازیں ہمارا ہوں کیوں نہ سزا پنچے حرف غزل ہے یہ کیسا کیا جگر خوں آزار کیسے بھینچے حرف و سخن تھے اپنے یاد آستان جہاں میں کیا رائگاں تبوں کو دیکر ہوئے ہیں کافر نعت جگر بھی اپنا یا قوت ناسا ہے کیا خاک میں ملایا ہم کو سپردوں نے حالت ہے نزع کی یاں دکھ جاتے ہیں ہم	جز درد اب نہیں ہے پہلو نشیں ہمارا وے زرع سیر حاصل قطع زین ہمارا آساں نہیں ہوا دل اندو گئیں ہمارا مذکور بھی نہیں ہے یا اب کہیں ہمارا ارث پدر جواب تھا یہ کہنہ دیں ہمارا قطرہ سرشک کا ہے ورتیں ہمارا ٹھونڈھا نشان تربت پاتے نہیں ہمارا آنکھوں میں منتظر ہے دم واپس ہمارا
اک عمر روزی چٹکے سبب سے کی تھی پاتے ہیں میراں کو سرگردم کہیں ہمارا	
آج ہمارا دل تڑپے ہے کوئی ادھر سے آویگا	یا کہ نوشتہ آن ہاتھوں کا قاصد ہم تک لاویگا

ہم نہیں لکھتے اسلیے اسکو شوخ بہت سے وہ لڑکا رخ بہت کھینچے تھے ہم نے طاقت جی کی کام ہوئی اندھے سے ہم جاہ میں سکی گوانے واضح پتے ہیں عاشق ہوئے وہ بھی یا رت کچھ اس کے کہا جاوے عاشق کی دلجوئی کی بھی راہ و رسم سے واقف را آنکھیں نوید سے یہ دلبر کا سو رہیں سو بہتر ہے کیا صورت ہے کیا قامت ہی دست پا کیا ناز ہیں	خط کا کاغذ بادی کر گیا باد کا رخ بتلاوے گا اپنے کیے پر یاد ہے یہ بھی بہت پچتا دے گا سو جھٹا بھی نہ کر لے کیے کیا تو ہم کو سمجھاوے گا یعنی حال سننے کا دل سے ل چکی سے لگاوے گا ہو جو ایسا کم شدہ اپنا اسکو نہ تو پھر یاد ہے گا چشمک کرنا ایک آنکھوں کا سو سو فتنے جگاوے گا ایسے تیلے منہ دیکھو جو کوئی کلال بناوے گا
---	---

چتون بے ڈھب آنکھیں پھری ہیں پلوں سے بھی نظر چھوٹی عشق ابھی کیا جانئے ہم کو کیا کیا مہر دکھاوے گا
---

انے نکلیے یہ بھی کہاں کی ادا بات کہنے میں گالیاں سے ہے	کھپ گئی جی میں تیری بانی ادا دیکھو اس سر سے دزبان کی ادا
---	---

خاک میں مل کے میرے سر پہ سجھے بے ادائی تھی آسمان کی ادا
--

ربا میں تو عزت کا عسند از کرتا نہ بھلا مرے پاس دل و زہن اتیک تو نکمیں سے کچھ نہ بولا و گرنہ گلو گیر ہی ہو گئی یا وہ گوئی نہ حیرت میں محتاج رونے کا ہوتا	چلا عشق خواری کو مست از کرتا اُسے آپ سا ہی میں جاننا ز کرتا تو کا ہی کو الفت سے میں ساز کرتا ربا میں خموشی کو آواز کرتا جو کچھ آنسو آگے پس انداز کرتا
---	---

زیارت گم کہکب تو ہو بلا سے تک آمیز کی خاک پر ناز کرتا
--

شیخ حرم سے لڑکے چلا ہوں اب کعبہ میں نہ آؤں گا  
تا بختا نہ ہر قدم اوپر سجدہ کرتا بادل کا  
مہر پریش پیش صنم ہاتھوں سے قیس رہبان کے  
رشتہ سب سے تڑاؤں گا ز تار گلے سے بندھاؤں گا  
رو و دیر کے پانی سے یا آب چاہ سے اُس جا کے

واسطے طاعت کفر کے میں دونوں وقت نہاؤں گا  
 طائف رت کعبہ کا جو کوئی مجھ سے ہو بچھے گا  
 جانب دیر اُشارت کر کے راہ ادھر کی بھلاؤں گا  
 بیدین اب جو ہوا سو ہوا ہوں طوبہ حرم سے مجھ کو کیا  
 غیسرا ز سوئے صنم خانہ میں رونہ ادھر کو لاؤں گا

آگے مسافر میرے سرب میں اور عجم میں کہتے ہیں  
 اب شہروں میں ہندوستان کے کافر میرے کہاؤں گا  
 کیسی سچی جاوٹ لے کی آخر کار ہلاک کیا  
 ایسا پلید اُودہ دنیا خلق نہ آگے ہوا ہو گا  
 قدرت حق میں کیا قدرت جو غل سو کی فضولی کرے  
 آہ سے تھے رنجے پھاتی میں پھلنا انکا یہ سہل تھا  
 کیا کیا چرخ نے چکر مارے پس کے مجھ کو خاک کیا  
 شیخ شہر مہوا کہتے ہیں شہر خدا نے پاک کیا  
 اسکو کیا پر کالہ آتش مجھ کو خس خاشاک کیا  
 دودھ اتھڑ پ کر دل نے سینہ عاشق چاک کیا

تو گر ہونا خزن و بکاست میرے ہمارا تو نہیں نہیں  
 برسوں روئے کرٹھتے رہے تب ہم دل کو غناک کیا  
 بعد ہمارے اس فن کا جو کوئی ماہر ہو سکے گا  
 چشم تراشاوا ہو کہ تو دیکھا بھائی غنیمت ہے  
 درد انگلیں انداز کی باتیں اکثر ٹھٹھہ رو دیکھا  
 مت موندے آنکھوں کو غافل رہے کلک پھر سو دیکھا

جست و جو بھی اُس کی کرے جسکا نشان کچھ پیدا ہو  
 پانا اُس کا میرے مشکل جی تو یوں نہیں بھو دیکھا  
 رکھے تھا ہاتھ میں سر رشته جہت سینے کا  
 اے طیش لو ہو پیہ میرا جو تو جھوٹھ کے  
 رہ گیا دیکھ رفو چاک مرے سینے کا  
 کس سے یہ قاعدہ سیکھا ہے ہو پیہ کا

میر کی بغض پہ رکھ ہاتھ لگا کہنے طیب  
 آج کی رات یہ بیمار نہیں جینے کا  
 امید آئندہ تک رہے گا گلا  
 دُوبے لو ہو میں دیکھتے سرخار  
 ہو گئی عید تو گلے نہ ملا  
 میٹ کوئی بھی آبلہ نہ پھلا

میر افسردہ دل چین میں پھرا  
 فتنہ دل کہیں نہ اسکا کھلا



<p>سہل آگے آگے مروں دشوار ہو گیا وہ جان بچکے ہی خسریا رہو گیا میں چاؤں میں جینے سے بیزار ہو گیا ہجران میں کڑھتے کڑھتے ہی بیمار ہو گیا تھی دل کو میرے چوٹ کڑھتا رہو گیا پریش طسرد دیکھ کے ہشیا رہو گیا</p>	<p>ناگاہ جس کو عشق کا آزار ہو گیا ہے محسن کیا شاع کہ جسکو نظر بڑی سی برسوں تئیں جان میں کیونکر رہا ہے ہم بستری بن اسکی میں صاحب فرش نہیں ہم دام تھے سوچھٹ گئے سبام سے آٹھے اُس کی نگاہ مست کا کھایا ہی تھا قریب</p>
<p>کیا متقی تھا میر پر آئین عشق میں مجرم سا کشتِ دھوئیں کا سزاوار ہو گیا</p>	<p>سند رکامیں کیوں احساں ہو گیا ترے غم کے ہیں خواہاں سب کھا غم</p>
<p>نہیں کیا سیل اشک اس پر ہو گیا کی کیا ہوگی جو اک میں نہ ہو گیا</p>	<p>نہ وہ آوے نہ جاوے بقدراری کسو دن میر یونہیں مر ہو گیا</p>
<p>پھرتے پھرتے اُس کے لیے میں آخر دشت نور دہوا دیکھ آنکھیں وہ سرمہ آگین پھر دنیا لہ گر دہوا جیتے جی میت کے رنگوں لوگ مجھے اب پاتے ہیں جوش بہار عشق میں لہنی سرتاپا میں زرد ہوا گرم مزاج رہا نہیں اپنا دیسے اس کی ہجراں میں ہوتے ہوتے افسردہ دکھو گئے اک دن سرد ہوا</p>	<p>میر نہ اپنے دردِ دل کو مجھ سے کہا کر روزِ شب صبح جو گوشِ دل سے منا تھا دل میں میرے درد ہوا</p>
<p>تازہ کیا پیمان صنم سے دین گیا ایمان گیا گوش زدائے تھے نالے کسو شور گیا بچان گیا اس حد تک یہ کثرتِ ہرماں میرا سب کیا گیا جو طالبِ سراہ سے یا خاک بھی یاں کی چھان گیا اب سرخاک بھی ہو جاؤ تو میر سے کیا احسان گیا</p>	<p>عشقِ صمد میں جان چلی وہ جاہت کا اربان گیا میں جو گدایا نہ چلا یاد پر اُس کے نصفِ شب آگے عالمِ عین تھا اسکا اب عین عالم ہے وہ مطلبِ سرشتہ کم ہر کوشش کی کوتاہی نہیں خاک سے آدم کر دکھلایا یہ منت کیا کھوڑی ہے</p>

ترک بچہ سے عشق کیا تھا رختے کیا کیا میں تھے کئے	زفتہ زفتہ ہندستان سے شعر مرا ایران گیا
کیونکہ جہت ہو دل کو اُس سے میر مقام حیرت ہے	چاروں اور نہیں ہے کوئی یانیاں انہیں دھیان گیا
دل تڑپے سے جان بچھے ہے حال جگر کا کیا ہوگا	مجنوں مجنوں لوگ کسے ہیں مجنوں کس ہم سا ہوگا
دیرہ ترکو سمجھ کر اپنا ہم نے کیا کیا حفاظت کی	آہ نہ جانا روئے روئے یہ حشمہ دریا ہوگا
کیا جانیں آشفتمہ دلاں کچھ ان سے ہم کو بحث نہیں	وہ جانے گا حال ہمارا جس کا دل بیچا ہوگا
پاتوں خالی اُس کے لیے آنکھوں پر اپنے ہم لے رکھے	یہ دیکھا نہ رنگ کفک پر ہنگامہ کس بریا ہوگا
جاگہ سے بے تہ جاتے ہیں دعویٰ دسہی کرتے ہیں	اُن کو غم و رنا زرنہ ہوگا جن کو کچھ آتا ہوگا
رو بہ ہی اب لاہی چکے ہیں ہم سے قطع امید کرو	روگ لگا ہے عشق کا جس کو وہ اب کیا اچھا ہوگا
دل کی لاگ کہیں جو ہو تو میر چھپائے اُس کو رکھ	یعنی عشق ہوا ظاہر تو لوگوں میں رسوا ہوگا
جاذبہ میرا تھا کامل سو بندے کے وہ گھر آیا	شکر خدا کا کر پے کہاں تک عہد فراق بسر آیا
بجلی سادہ چمک گیا آنکھوں سے بھوویں ڈرے لگیں	ابر غلط خلقی سے اس بن جی بھی زندہ دل بھرا آیا
کل تھے سو سو رنگ پر ایسا شور طیور بلند نہ تھا	اس کے رنگ چمن میں کوئی شاید بھول نظر آیا
سیل بلا جوشاں تھا لیکن پانی پانی شرم سے تھا	ساحل دریا خشک ہی دیکھے سے میرے تر آیا

کیا ہی خوش پر کار ہے دلبر تو چہ کشتی گیسر اپنا  
کوئی زبردست اس سے لڑ کر عمدہ سے کب بر آیا

صنعتگر یاں بہتری کیں لیک دروغ ہنزار دروغ  
جس سے یار بھی ملتا ہم سے ایسا وہ نہ سہرا آیا

سیر پریشاں خاطر آ کر رات رہا بیتخانے میں  
راہ رہی کعبہ کی اودھریہ سودائی کدھر آیا

ہرگز نہ ایدھر آئیں گے خلق خدا ملک خدا  
جا کر کہیں کچھ پائیں گے خلق خدا ملک خدا  
جو ہے مقدر کھائیں گے خلق خدا ملک خدا  
مقسوم اپنا لائیں گے خلق خدا ملک خدا  
کیا غیر ازین ٹھہرائیں گے خلق خدا ملک خدا  
وہ بھی یہی فرمائیں گے خلق خدا ملک خدا

اب یاں سے ہم اٹھ جائیں گے خلق خدا ملک خدا  
مطلب اگر یاں گم ہوا اندیشہ کی جا کہ نہیں  
دل میں نہ جانے یہ کوئی ہم کھانیکو دیں ہر اچھیں  
گو کھنڈو دیراں ہوا ہم اور آبادی میں جا  
اب وی۔ پری گزری گئی ہم آجکل بے خانہاں  
اس لبتی سے اٹھ جائیں گے درویشوں کی کیا شوق

تو میر ہو دیکھا جہاں امر فضا کے تاباں  
روزی تجھے پہونچائیں گے خلق خدا ملک خدا

آسمان پر گیا ہے ماہ تو کیا  
یار ہووے نہ غدر خواہ تو کیا  
ایک شب کا ہے اشتباہ تو کیا  
وہ کرے مست یک نگاہ تو کیا  
ہووے کالا کوئی سیاہ تو کیا  
ہوئے دو چار رو براہ تو کیا  
مل گئے اُس نے گاہ گاہ تو کیا  
جمع باطل ہوں سو آنہ تو کیا

اُسکی سی جو چلے ہے راہ تو کیا  
لڑکے لہنا ہے آپ سے بے لطف  
کب رخ بدر روشن ایسا ہے  
بمخرد خانقہ میں میں گو مست  
اُسکے پرتیج گیسو کے آگے  
حسن دانے ہیں بگردش سائے  
دل رہے وصل جو دما رہے  
ایک اللہ کا بہت ہے نام

میر کیا ہے فقیر مستغنی  
آوے اُس پاس بادشاہ تو کیا

ہو کہ فقیر صبر مری گو رہ گیا

بتیا بیوں کے جور سے میں جبکہ مر گیا

جلتا ہوں میں سنوں کہ جہنم ٹھہر گیا ہجران میں اُسکے جی بھی گیا اوندہ رگیا	اسے آہ سردِ عمرِ عشرت میں تنج جھا مفلس سو مر گیا نہ ہوا وصل یا رکھا
تیری ہی رہ گزریں یہ جی جا رہا ہوں سینو کہ میر آج ہی نکل میں گز رگیا	
ہو کے عاشق بہت میں پھٹتا نخل تاتم مرا یہ پھیل لایا کیوں شگوفہ لے کھلنے کا آیا ہو سفیدی کا جس جگہ سایا	دل گیا مفت اور دکھ پایا مر گئے پر بھی سنگسار کیا صحن میں میرے اے گل متاب یہ شب بھر ہے کھڑی نہ رہے
جب سے بخود ہوا ہے اُسکو دیکھ آپ میں میر پھر نہیں آتا	
مرنا عاشق کا بہانا ہو گیا الفاظا اپنا آنا ہو گیا مجھ کو شکل منہ دکھانا ہو گیا اب سو وہ لڑکا سیانا ہو گیا یک بیک دل کا لگاتا ہو گیا الغرض دل کا ٹھکانا ہو گیا	بات کہتے جی کا جانا ہو گیا جائے بودن تو نہ تھی دنیا دل ماہ اسکو کہ کے سارے شہر میں کر رکھا تو نیک طفلی میں جسے اس بلا سے آہ میں غافل رہا کنج لب سے یار کے اچھا نہ ملک
رفتہ رفتہ اُس پری کے عشق میں میر سدا ادا دانا ہو گیا	
یاک ہوئی کشتی عالم کی آگے کن نے دم مارا باطل صفحہ رستی پر میں خط کھینچا تو قلم مارا مرا اُن نے دوزخ کو لیکن جکو کر کے ستم مارا زانوں کو درہم اُن نے کیا سونا لہ کو برہم مارا تو کہ اس کتے نے کیا دودھ کے صید حرم مارا خزنی کون سی جا کہ تھی یاں ایسا کیا رستم مارا اُس میداں کی خاک پہ بے جرات کر کے قدم مارا	عشق بلا پر شور و شر نے جب میداں میں جسم مارا بودن بود کی اپنی حقیقت لکھنے کے شائستہ نہ تھی غیر کے میرے مرجانے میں تفاوت ارض و سما کا ہر ان بالوں سے طلسم نہاں کا درخت تھا گو یا سب دور اُس قبلہ رو سے جکو جلد رقیب نے بار کھا کاٹ کے سر عاجز کا اُن نے اور بھی بیڑی پھیرا جس مضمحل رستم کی بھی راہ نہ نکلی میر کبھی

<p>چاہ میں جو رہم یہ کم نہ ہوا خاندہ کیا نماز مسجد کا بار بہراہ نقش جس دم تھا نہ گیا اس طرف کا خط لکھنا</p>	<p>عاشقی کی تو کچھ ستم نہ ہوا قد ہی محراب سا جو ختم نہ ہوا واے مرے میں میرے دم نہ ہوا ہاتھ جب تک مرا قلم نہ ہوا</p>
<p>کل تلک انگوں سے خوں کے دامن میں پاگ تھا کیا جنوں کو روؤں ترستی سے اسکی گل نمط رو جو آئی رونے کی مرگاں نہ ٹھہری ایک پل ایک ہی شمع شعلہ خوکے لایکے میں جل بھیا بادشاہ وقت تھا میں تخت تھا میرا داغ وہ حال تلوار اس جواں کے ساتھ لڑتی نہیں تنگ پوشی تنگ و رزی اسکی جی میں بھگ گئی بات ہے جی مارنا باز کچھ قتل عام ہے غنچہ دل داہوا نہ باغوں باغوں میں پھرا</p>	<p>بدلی میں ہے میر خوش اس سے دل کے جانے کا صفت غم نہ ہوا آج نو کشتہ کوئی کیا زینت فتر اک تھا لے گریباں سے زہد اس تک ایک ہی چاک تھا راہ میں اس رود کے گویا حسن و خاشاک تھا جبتلک پہونچے کوئی پروانہ عاشق خاک تھا جی کے چاروں اور اک جوش گل تریاک تھا وہ جفا آئیں بنلا میں لڑکا ہی بیباک تھا کیا ہی وہ محبوب شش تر کینے شش پوشاک تھا اب تو ہے صد چند اگر وہ چند وہ سفاک تھا اب بھی ہے دیا ہی جیسا پیشتر غناک تھا</p>
<p>جدا اس سیتن سے کیسا سونا بہت کی جستجو اس کی نہ پایا تماشا دیکھنے ہنستا چلا آ ہلکے زخم شاید ہیں نمک بند</p>	<p>ارک کیا اس درس گہ میں میر عقل و فہم کو کس کے تئیں اُن صورتوں میں مٹنی کا اورک تھا کہ مٹی کوڑے کا اب ہے بچھونا ہمیں درمیش ہے اب جی کا کھونا کرے ہے شیشہ بازی میرا رونا فرہ کچھ آنسوؤں کا ہے سلونا</p>
<p>سر مارنا پھر سے یا ہلکے سے جگر کرنا کہتے ہیں اُدھر منہ کردہ رات کو سوتا ہے</p>	<p>صفت میر نے مجھ پر بھی کی کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا اس عشق کی وادی میں ہر نوع بسر کرنا اے آو سحر گاہی ملک تو بھی اثر کرنا</p>

	دیواروں سے سر مارا تب رات سحر کی ہے اے صاحبِ نکلیں دل اب میری خبر کرنا	
دل کے خوں ہونے کا غم کیا اب سے تھا اسکی مقتولی کا ہم کو رشک ہے کون مل سکتا ہے اس ادا باش سے گرم ملنے والے دیکھے یا ر کے	سینہ کو بی سخت ماتم کب سے تھا وہ قدم جو کشتہ آگے سب سے تھا اختلاط اس سے ہمارے ڈھب سے تھا ایک ٹھنڈا ہو گیا اس تب سے تھا	
	چپ سی مجھ کو لگ گئی تھی تب سے میر شور ان شیریں لبوں کا جب سے تھا	
	عشق کیے پچھتائے ہم تو دل نہ کسو سے لگنا تھا جید حسرت ہو وہ مہ نکلا اُس راہ نہ ہکو جانا تھا	
غیرت کی اُس کی شکایت یا رعبت اب کرتے ہیں طور اس شوخ ستم پیشہ کا طفلی سے بگناہ تھا		
	بزم کی عیشِ شبِ کایاں دن ہوتے ہی یہ رنگ ہو شمع کی جاگہ دو دو تنک تھا خاکستر پر دانا تھا	
دخلِ مروتِ عشق میں تھا تو دروازے سے تھوڑی دور ہمہ نفس عاشق کی اُس ظالم کو بھی آنا تھا		
	طرفہ خیال کیا کرتا تھا عشقِ جنوں میں رذوقِ روتے روتے سنسنے لگا یہ میرِ عجب دیوانا تھا	
ناخن سے بلہوس کا گلا پوں ہی پھیل گیا دل جمع تھا جو غنچہ کی رنگوں خزاں میں تھا بیدل ہوئے یہ کرتے تدارک جو رہتا ہوش	لو ہو لگا کے وہ بھی شہیدوں میں مل گیا اے کیا کہوں بہار گلِ زخم کھل گیا ہم آپ ہی میں آئے نہیں جبے دل گیا	
دانا بن باغبان و کھنِ کفر و دش ہے یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے سنے وہ سرور و سوز نہ جوشِ فرخوس ہے اک شمع رہ گئی ہے سودہ بھی جنوس ہے یہ بھی لو لگا کے شہیدوں میں مل گیا	اے غالب! یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ لیا لطفِ خرام سانی و ذوقِ صدائے جنگ یا بھدرم جو دیکھیے آکر تو بزم میں واغِ فراقِ صحبتِ شب کی جسی ہوئی ۵۴ ذوق سے گل اس گہ کے زخم رسیدوں میں مل گیا	

<p>زوروں چڑھا تھا عشق میں فریاد مل گیا یعنی کہ ہستی تنگ عدم بھی خجمل گیا دل جاگئے ہے دم بدم اودھری ہل گیا</p>	<p>دیکھا نہیں پہاڑ گراں تنگ یا سبک شبنم کی سی نمود سے تھا میں عرق عرق غم کھینچتے ہلا نہیں جاگہ سے کیا کروں</p>
<p>کاشکے آہو شیم اپنا آنکھوں کو پانوں سے مل جاتا لاجھ کوئی کھینچتا سر تو عالم سارا میل جاتا سُن آواز اس شیر نر کی سیل بلا سے دہل جاتا چرخ پہ ہوتا وہ جو چھلا وہ خیل ملک کو پھل جاتا رستم سامنے ہو جاتا تو راہ بچا کر مل جاتا اُن انکلتے سوئے چین تو رنگ ہوا کا بدل جاتا</p>	<p>صدورت نہ دیکھی دسی کتا وہ جبیں کہیں میں میر اس تلاش میں چین و چگل گیا اکت خواہش برائی تاجی کا غبار نکل جاتا تش دل کی لپٹوں کا ہے یار کچھ عالم ہی جدا نعرہ کزنا عاشق کا ہے ساتھ اک ہیبت کے یعنی دل زمیں تو کیا ہیں اُنکا سہل تھارہ سے لیجانا کشتی زبردستوں کی اس سے پاک ہوئی تو کیا ہے غم سے ہو کر زرد سر اسر صورت ساری خزاں کی</p>
<p>دھلتے دھلتے ضعف سے آئے میر سوان نے منہ بھرا یا قوتی سے بوسہ لب کی جی شاید کہ سنبھل جاتا</p>	<p>دھلتے دھلتے ضعف سے آئے میر سوان نے منہ بھرا یا قوتی سے بوسہ لب کی جی شاید کہ سنبھل جاتا</p>
<p>کیسے رکتے تھے خفگی سے آخر کار جنوں ہوا جسم غم فرسودہ ہمارا زرد و زار و زبون ہوا</p>	<p>کیا کیا عشق میں رنج اٹھائے دل بنا سب جان ہوا سڑ پاپا ہے پہلو میں اب جب طاقت دل میں کچھ نہ رہی</p>
<p>جنگل میں میں رونے چلا تھا دل جو بھرا تھا میر بہت آیا سیل آگے سے چلا گیا بخت سے مجھ کو شکون ہوا</p>	<p>جنگل میں میں رونے چلا تھا دل جو بھرا تھا میر بہت آیا سیل آگے سے چلا گیا بخت سے مجھ کو شکون ہوا</p>
<p>تھا وہ بزدلہ زنجوں پہ میں زخم کھا گیا لشکر نے غم کے آن کے مارا چلا گیا جو کوئی اسکے کان لگا کچھ لگا گیا جیسے جیسے گراں کا ناہ جس سے جدا گیا دریائے گریہ جوش زماں تھا بہا گیا آخر کو رونا راتوں کا ہی دن دکھا گیا</p>	<p>آیا سو آب تیغ ہی محب کو چٹا گیا کیا شہر خوش عمارت دل سے ہو گفتگو موقوف یا غصہ جلانا مرا نہیں تنہائی بیکسی مری کدست تھی کہ میں کیا تم سے اپنے دل کی پریشانی میں کہوں روزانہ اب تو اپنے تئیں سو جھٹتا نہیں</p>
<p>سر زخمی بدی مری تو شستی ہو میر قاہد جو لے کے نامہ گیا سو بھلا گیا</p>	<p>سر زخمی بدی مری تو شستی ہو میر قاہد جو لے کے نامہ گیا سو بھلا گیا</p>

کچھ اندیشہ ہو نہیں ہے اپنے حال درہم کا  
روتے کڑھتے خاک میں ملتے جلتے رہے ہم دنیا میں  
کشتی ہماری عشق میں کیا تھی ہاتھ لاتے پاگ ہوئی  
عالم ہستی کیا عالم تھا غم دنیا و دیں کا نہ تھا  
یاں واجب ہے ہو کو مگدوم لیویں تو شمر دہ لیں  
چھاتی کوئی منہ نو چا سر سے ڈے مارا پتھر چھ

لڑکے شوخ بہت ہیں لیکن دیا مہر میں کوئی  
دھوم قیامت کی سی ہے ہنگامہ اس کے اودھم کا

کچھ نہیں جو کوئی بھی اس تازہ جن کا  
غریب ہے دل و ذہن نہت ہر کی اس کے  
جب زمرہ کرتی ہے صد چھتی ہوئی  
کب مشت تک سے ہوئی تسکین جرات

جو چاک گر بیان کہ دامن کی ہوزہ تک  
قربان کیا منہ سے چاک کفن کا

یہ توجہ دانی جوں توں کشتی ہے لٹنے کی تو کیے گا  
پاس ہمارا گو نہ کرو تم پاس ہی اب سے رہے گا

روایت بابائے موحّدہ  
کب سے صحبت بگڑی ہی ہے کیونکر کوئی بناوے اب

تازہ نیاز کا جھاگڑا ایسا پس کے کنے بجاوے اب  
سوچتے آتے ہیں جی میں پر بگڑی پر گل رکھے سے

کس کو داغ رہا ہے اس کے جو حرفِ خشن اٹھاوے اب  
تخن بلند ہوئی ہے اس کی قسمت ہوں گے زخم رسا

مرد اگر ہے صیدِ حرم تو کوئی جراحت کھاوے اب  
داغ سرو سینے کے میرے حسرت آگیں جیتم ہو کے

دیکھیں کیا کیا عشقِ شتم کش ہم لوگوں کو دکھاوے اب



	دم دوم گھبراہٹ ہو تو ہو سکتا ہے تدارک بھی جی کی چال سے پیدا ہے سو تین گھڑی میں جاوے اب
دل کے داغ بھی گل ہیں لیکن دل کی تسلی ہوتی نہیں کاشکے وہ گلبرگ ادھر سے باد اڑا کر لاوے اب	
	اُس کی کفک کی پامالی میں دل جو گیا تھا شاید میر یار ادھر ہو مائل ملک تو وہ رقتہ رقتہ آوے اب
دل خوں ہوا تھا یکسر بانی ہوا جگر سب یار ب کدھر گئے وہ جو آدمی روش تھے حرف و سخن سے مطلق یاں گفتگو نہیں ہے عالم کے لوگوں کا ہے تصویر کا سا عالم	خوں بستہ رہتیاں تھیں پلکیں سواہ ہیں سب ادھر دکھائی دے ہیں شہرودہ و نگر سب پیادے سوار ہم کو آئے نظر نفیر سب ظاہر کھلی ہیں آنکھیں لیکن میں بخیر سب
	میر اس خرابے میں کیا آباد ہووے کوئی دیوار و درگزرے ہیں میراں پڑے ہیں گھر سب
عشق و جنوں کی کیا اب تدبیر ہے مناسب دوری شعلہ خویاں آخر جلا رکھے گی جلدی نہ قتل میں کر پھپکا و یگا بہت تو رسوائے شہر ہونا عزت ہے عاشقی میں دل کی خرابی کے تو درپے ہے اے صنم تو شب اُسکو میں نے دیکھا سوتے بغل میں اپنے رحم آشنا کسو کو اس بستی میں نہ پایا ہے سرگزشت اپنی نہ نوشتنی ہی بہتر	نہ خیر ہے مناسب تعمیر ہے مناسب صحبت جو ایسی ہووے دگریرے مناسب خو تریری میں ہماری تاخیر ہے مناسب احوال کی ہمائے تشبیر ہے مناسب اس خانہ خدا کی تعمیر ہے مناسب اس خواب کی نہ کرنی تعمیر ہے مناسب اسلامیوں کی یاں کے تکفیر ہے مناسب گزر سی سو گزری کیا اب تحریر ہے مناسب
	دنیا میں کوئی پھر پھر آیا ہیں ہر صاحب اکبار تم کو مرنا ہی مقبر ہے مناسب
تاہم عشق نہیں ہے دل کو جی بھی بے طاقت ہے اب یعنی سفر ہے دور کا آگے اور اپنی رخصت ہے اب وصل میں کیا کیا معبتین رنگیں کس کس عیش میں دن گزرے	

تنہا بیٹھ رہے ہیں یک سو تجسیر میں یہ مصیبت ہے اب  
 جب سے بنائے صبح سستی دو دم پر یاں ٹھہرا ہے  
 کیا کیا کرے اس حلت میں کچھ بھی نہیں فرصت ہے اب  
 چور اچکے سکھ مرے شاہ و گدازِ خواہاں ہیں  
 چین میں ہیں جو کچھ نہیں رکھتے فقر ہی اک دولت ہے اب

پانوں پہ سر رکھنے کی جگہ رخصت دی تھی میرا ان نے  
 کیا بوجھ ہو سر پہ میرے منت سی منت ہے اب

ساوے جتنے نظر آتے ہیں دیکھو تو عیار ہیں سب  
 زرد و زار و زبوں جو ہم ہیں چاہت کے بیمار ہیں سب  
 سیل سے لگے عاشق ہوویں تو جوش و خروش بھر دیں  
 تہ پائی نہیں جاتی ان کی دریا سے تہ دار ہیں سب  
 ایک پریشاں طرفہ جماعت دیکھی چاہنے والوں کی  
 جینے کے خواہاں نہیں ہیں مرنے کو تیار ہیں سب  
 کیا کیا خواہشیں بکیں بے بس مشاق اس سے لکھتے ہیں  
 لیکن دیکھ کے رہ جاتے ہیں چپکے سے ناچار ہیں سب

فشت جھنوں کا پیشہ ہووے سیکڑوں ہوں تو ایک ہی ہیں  
 کوکھن و مجنون دو امتی میر ہمارے یار ہیں سب

کاوش سے ان پلوں کی رہتی ہے خلش جگر میں اب  
 سیدھی نظر جو اس کی نہیں ہے اس ہوا اپنی نظریں اب  
 موسم گل کا شاید آیا داغ جنوں کے سیاہ ہوئے  
 دل کھینچتا ہے جانب صحرا جی نہیں لگتا گھر میں اب  
 نقش نہیں پانی میں ابھرتا یہ تو کوئی اچنبھا ہے  
 صورت خوب اس کی ہے پھرتی اکثر چشم تریں اب  
 ایک جگہ پر جیسے بھونہ ہیں لیکن چپکڑ رہتا ہے  
 یعنی وطن دریا ہے اس میں چار طرف ہیں سفر میں اب

<p>حسرت نے ملنے کی آیا میرا تمہارا خون پیا تیغ و تبر اس ترک بچے ظالم کے نہیں ہر کمر میں لب</p>	
<p>باہم ہوئی ہے ترک ملاقات کیا سبب ہم تو تمہارے حسن کی حیرت میں خموش ہم تیرہ روز آپ سے تم بن سحر گئے اسکی نگاہ مست تو او دھرتی میں پڑی</p>	<p>اب کم بہت ہے ہم پہ غایات کیا سبب تم ہم سے کوئی کرتے نہیں بات کیا سبب آئے نہ تم ہمارے کئے رات کیا سبب مسجد جو ہو گئی ہے خرابیات کیا سبب</p>
<p>تھا مرتبہ ہمیشہ سگ یار کا بلند ہے میرے سلوک مساوات کیا سبب</p>	
<p>دل کے گئے بیکس کھلائے ایسا کہاں ہدم ہے اب کون ایسے محروم عمیں کا ہمارا دم محرم ہے اب</p>	
<p>سینہ زنی سے غمزدگی ہے سر دھنا ہے روتا ہے دل جو ہمارا خون ہوا ہے اس سے بلا ماتم ہے اب</p>	
<p>حسن کے حال کسو کے دل کا رونا ہی مجھ کو آتا تھا یعنی کبھی جو کڑھتا تھا میں وہ روتا ہر دم ہے اب</p>	
<p>زردی چہرہ تن کی نزا رہی بیماری پھر چاہت ہے دل میں غم ہے مرگاں کم ہیں حال بہت درہم ہے اب</p>	
<p>دیکھیں دن کتنے ہیں کیونکر راتیں کیونکر گزرتی ہیں یتابی ہے زیادہ زیادہ صبر بہت کم ہے اب</p>	
<p>عشق ہمارا آہ نہ پوچھو کیا کیا رنگ بدلتا ہے خون ہوا دل داغ ہوا پھر درد ہوا پھر غم ہے اب</p>	
<p>ملنے والو پھر ملے گا ہے وہ عالم دیگر میں میر فقیر کو سکر ہے یعنی مستی کا عالم ہے اب</p>	
<p>رویت تائے فوقانی</p>	
<p>دل کی تہ کی کسی نہیں جاتی نازک ہیں اسرار بہت انچھہ ہیں تو عشق کے وہی لیکن ہے بتا بہت</p>	

کافر مسلم دونوں ہوئے پر نسبت اس سے کچھ نہ ہوئی  
بہت لیے تسبیح پھرے ہم بہت اسے زنا زار بہت

ہجرتے جی ہی مارا ہمارا کیا کیئے کیا مشکل ہے  
اس سے جدار مہنا ہوتا ہے جس سے ہمیں ہے بیمار بہت

مُنہ کی زردی تن کی تراری چشم تر پر چھائی ہے  
عشق میں اُس کے معنی ہم نے کھینچے ہیں زار بہت

کہہ کے قافلِ اُن نے کیا تھا لیکن تقصیر اپنی ہے  
کام کھینچا جو تیغ تک اُس کی ہم نے کیا اصرار بہت

حرف و سخن اب تنگ ہوا ہے ان لوگوں کے ساتھ اپنے  
مُنہ کرنے سے جن کی طرف آتی تھی ہم کو عار بہت

رات سے شہر اس بستی میں سر کے اُٹھ جانے کی ہے  
جنگل میں جو جلد لسا جا مٹا پد تھا بیمار بہت

باد صبا نے اہلِ سخن میں اس چہرے کی چلائی بات  
اس لب و لہجے پر بلبل کو اُسکے آگے نہ آئی بات

دورِ تلک قاصد کے پیچھے کچھ کہتا میں جاتا تھا  
شوقِ شمشکسِ ظالم نے کیا رفتہ رفتہ بڑھائی بات

آگ ہو آتے ہی میرے لال آنکھیں گر گھوڑ رہا  
کیا جانوں سرگوشی میں کیا غیر نے اُس سے لگائی بات

عمل کو نسبت ان مونٹوں سے دنیا سب کا قصع تھا  
کچھ بن آئی جب نہ کسو سے تب یہ ایک بنائی بات

غیر سے کچھ کچھ کہتا تھا سوسانے سے میرا یاس  
پھیر لیا مٹھ میڑی طرف سے یعنی مجھ سے پھپھائی بات

زرد ہیں چہرے سوکھ گئے ہیں یعنی ہیں بیمار بہت  
عشق کی گرمی دل کو پہونچی کہتے ہی آزار بہت

نالہ دزاری سے عاشق کے کیا ابر بہاری طرف ہوگا

<p>دل ہے نالال حد سے زیادہ آنکھیں ہیں خوبا رہبت برسوں ہوئے اب ہم لوگوں سے آنکھ اٹھو مکی نہیں ملتی برسوں تک آپس میں رہا ہے اپنے جھون کے پیار بہت</p>	
<p>ارض و سما کی پستی بندی اب تو ہم کو برا بر ہے یعنی نشیب و فراز جو دیکھے طبع ہوئی ہموار بہت</p>	
<p>سو غیروں میں ہو عاشق تو ایک اسی سے شراویں اس مستی میں آنکھیں اُس کی رہتی ہیں ہشیار بہت</p>	
<p>کم ہے ہمیں امید بھی کی اتنی نزاری پر اس کے پچھلے دنوں دیکھا تھا ہم نے عاشق تھے بیمار بہت</p>	
<p>میرزا ایسا ہو دے کہیں پردے ہی پردہ مار مرے ہو رگلتا ہے اس سے ہم کو ہے وہ ظاہر دار بہت</p>	
<p>چپکے کھڑا کھڑے ہوتا ہوں ساری ہے الفت کی بات تج نے اُس کی کیا ہے قسمت یہ بھی ہے قسمت کی بات</p>	
<p>جان مسافر ہو جائے گی لب پر ہے موقوف آہ سب کچھ کہیو جاتے ہوئے تم مت کہیو نصحت کی بات</p>	
<p>کہہ کے فسانہ عشق و وفا کا لوگ محبت کرتے تھے اب وہ نازکمانی اُن کی گو یا ہے مدت کی بات</p>	
<p>درد و غم کی گرفتاری سے مہلت ہو تو کچھ کہیے حرف زدن اشارہ شکاری یہ سب ہر فرصت کی بات</p>	
<p>کیس کو ڈباغ جو اب رہا ہے صنعت سے اب خاموش ہے پہروں کی بنا نصیحت اگر سے میر یہ ہے طاقت کی بات</p>	
<p>دل کو میرے ہے صہرا بہت تاب لے لے تم ہو بیچ و تاب بہت عمر جاتی رہی شباب بہت ناز و خشم و جفا عتاب بہت</p>	<p>چشم رہتی ہے اب پر اب بہت دیکھیے رفتہ رفتہ کیا ہو و سہ دیر افسوس کرتے رہیے گما مہر و لطف و کرم غایت ہم</p>

<p>وے مقدس ہیں میں خراب بہت ہائے ہم سے ہے حجاب بہت شیخ صاحب ہیں کچھ کباب بہت ہم ہی کرتے ہیں حساب بہت عالی رتبہ ہے وہ جناب بہت</p>	<p>بے تفاوت ہو فرق آپس میں پشتِ پا پر ہے چشمِ شمعِ آستی دخترِ زر سے رہتے ہیں محشور آدیں محشور کیوں پائے حساب والِ تکاپی دعا پوختی نہیں</p>
<p>گل کے دیکھے کاغش کیا ہی نہ میر منہ پہ چھڑ کا مرے گلاب بہت</p>	
<p>ہوئی جس کے لگی کار آمدہ بیکار یا قسمت نگہ تیز آنے سوید ہرن کی دوبار یا قسمت کے ہیں یونہی قسمت آن کیا کیا دار یا قسمت گری اس منہ میں سر پر وہی دیوار یا قسمت نصیب اپنے کہ سوکھی چشمِ دریا یا قسمت ہیں تھے در نہ مینا نے کے تکیہ دار یا قسمت</p>	<p>اچلتی سی لگی اپنے تو وہ تلوار یا قسمت ہوئے جب سو جواں کیا توقع سی ہوئی کہ ہو پڑا سایہ نہ اُس کی تیغِ خوں آلودہ کا سر پر رہا تھازیرِ دیوار اُس کے میں برسات میں جا کر موئے ہم تشہ لب دیدار کے حالانکہ گریاں تھے در مسجد پہ ہو کر مینا نیٹھے ہیں یا ہادی</p>
<p>نصیبوں میں ہے جتنے عیش وہ بھی میر جیتے ہیں جیسے ہیں ہم بھی جو مرے کو تھے تیار یا قسمت</p>	
<p>روایت شاعری</p>	
<p>مہر کی رکھ کر توقع جی کھپا یا ہے عبث بٹیکھے بٹیکھے ناگماں یہ رخ اٹھا یا ہے عبث اُن نے بے لطفی سے منہ پھانسا یا ہے عبث لطفِ کرمِ رہے عشق کے اب آیا ہے عبث کیا جو تربتِ بری اب بھول یا ہے عبث میر دل آزر وہ کو کس نے تیا یا عبث</p>	<p>دل کو اُس بے مہر سے ہم نے گھلایا ہو عبث دیکھ کر اُس کو کھڑے سو جی سے ہم عاشق ہوئے اپنی تو بگڑی ہے کوئی کام کی صورت نہیں جی کے جاتے وہ جو فو خط آتا تو بات بھی تھی تب تو خاتہِ باغ سے اپنے نہ پوچھی بات بھی ازدن بننا ہے اے یوں نہیں کتا بھو</p>
<p>روایت جیم عربی</p>	
<p>کس تازہ مقتل پہ کشدے تیرے ہوا ہے گزار آج زہ دامن کی بھری ہے لہو سے کس کو تو نے مار آج</p>	

کل تک ہم نے تم کو رکھا تھا سو پردے میں کلی کے رنگ  
 صبح شگفتہ گل جو ہوئے تم سب نے کیا نظار آج  
 کوئی نہیں شاہانِ سلف میں خالی پڑے ہیں دونوں عراق  
 یعنی خود گم اسکندر ہے ناپیدا ہے دار آج  
 چشمِ مشتاق اُس لبِ درخ سے لمحہ لمحہ اٹھتی نہیں  
 کیا ہی لگے ہے اچھا اُس کا کھٹرا پیارا پیارا آج  
 اب جو نسیمِ مطہر آئی شاید بالِ کھلے اُس کے  
 شہر کی ساری گلیاں ہو گئیں گویا عنبر سارا آج  
 کل ہی جوشِ دُش و دشمن ہمارے دریا کے سے تلاطم تھے  
 دیکھ تیرے آشوبِ زباں کے کر بیٹھے ہیں کنار آج  
 چشمِ چرائی دور سے کروا مجھ کو لگایہ نہتے گیا  
 صید کریں گے کل ہم آکر ڈال چلے ہیں چار آج  
 کل ہی زیاں جیو کن کے کیے ہیں عشق میں کیا کیا لوگوں نے  
 سادگی میری چاہ میں دیکھو میں ڈھونڈھوں ہوں دار آج  
 میر ہوئے ہو بچو کب کے آپ میں بھی تو ظلم آدا  
 ہے دروازے پر اب وہ اک رفتہ شوقِ تمھارا آج  
 شہر سے یار سوار ہوا جو سواد میں خوب غبار ہے آج  
 دشتی وحش و طیر اُس کی سر تیزی ہی میں شکار ہے آج  
 برافروختہ رُخ ہے اُس کا کس خوبی سے مستی میں  
 پی کے شرابِ شگفتہ ہوا ہے اس نوگل پہ بہار ہے آج  
 اُس کا بحرِ حسن سراسر اوج و موج و تلاطم ہے  
 شوق کی اپنے نگاہ جہاں تک جاوے بوج کنار ہے آج  
 آنکھیں اُس کی لال ہوئیں ہیں اور چلے جاتے ہیں سر  
 رات کو دار و پیٹو یا تھا اُس کا صبحِ خسار ہے آج  
 گھر آئے ہو فقروں کے تو آؤ بیٹھو لطف کرو

کیا ہے جان بن اپنے کئے سوان قدموں پہ تار ہے آج  
 کیا بوجھو ہوسا بھجہ تلک پہلو میں کیا کیا تر پاپا ہے  
 کل کی نسبت دل کو ہمارے بارے کچھ تو قرار ہے آج  
 مت چو کہ اس جنس گراں کو دل کی وہیں لیجاؤ تم  
 ہندوستان کے ہندو بچوں کی بہت بڑی سرکار ہے آج  
 خوب جو آنکھیں کھول کے دیکھا شاخ گل پہ نظر آیا  
 ان رنگوں پھولوں میں ملا کچھ مجھ جھلواہ یا رہے آج  
 جذبِ عشق جدھر جا ہے لے جائے ہے محلِ لیلی کا  
 یعنی ہاتھ میں مجنوں کے ناتے کی اُس کے ہمارے آج

رات کا پہنا ہار جو اب تک دن کو اتارا اُن نے نہیں  
 شاید میر جال گل بھی اُسکے گلے کا ہار ہے آج

رنگ یہ ہے دیدہ گریاں سے آج | لو ہو سیکتا ہے گریاں سے آج

سر بفلک ہوئے کو ہے کس کی خاک  
 گر دیک اُٹھتی ہے بیا بیاں سے آج

جو اس ہمیں میں یہ اک طرفہ انتشار ہے آج  
 پر اسکو کیا کریں ادروں کا اعتبار ہے آج  
 غبار گرد پھرے ہو بہت شکار ہے آج  
 اُسی عزیز کو دیکھا ذلیل و خوار ہے آج  
 ہو ہے عشق سے کل زرد کیا ہمارے آج  
 کہ حیرہ تیرہ نمودار یک غبار ہے آج  
 عجب ہے سب کا اسی سفلی پر مدار ہے آج  
 سودر دسر ہے بدن گرم ہر بخار ہے آج

کہوں سو کیا کہوں نے صبر و قناعت  
 سر اپنا عشق میں ہم نے بھی یوں تو پھوڑا تھا  
 گیا ہے جانبِ وادی سوار ہو کر یار  
 جہاں کے لوگوں میں جسکی تھی کل تئیں عزت  
 سحرِ سواد میں چل زور پھولی ہے سرسوں  
 سواری اُسکی ہے سرگردم گشتِ دشت  
 سپہر چھڑیوں میں کل تک پھرے تھا ساتھ  
 بخار دل کا نکالا تھا دیدل کہ سر

کسو کے آنے سے کیا اب کہ غش ہو کل دن  
 ہمیں تو اپنا ہی اے میر انتظار ہے آج

روایت جیم قاری



آج ہمیں بد حالی سی ہے حال نہیں ہے جان کے بیچ  
 کیا عاشق ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے جہان کے بیچ  
 پایہ اس کی شہادت کا ہے عرشِ عظیم سے بالاتر  
 جو انظومِ عشقِ موافق ہے بڑھکر ٹک میدان کے بیچ  
 یونہیں نظر چڑھ رہتی نہیں کچھ حسرت میں تو چشمِ سفید  
 دیکھے ہے ہیرے کی دُک میں اس چشمِ حیران کے بیچ  
 وہ پر کالہ آتش کا ہے صبحِ تلک بھڑکا بھی نہ بھڑکا  
 کیا جانوں کیا پھونک دیا لوگوں نے اُسکے کان کے بیچ  
 وعدے کرو ہو برسوں کے تم دم کا بھروسہ نہ بنیں  
 کچھ کچھ ہو جاتا ہے یاں کپ میں ایک اک آن کے بیچ  
 بیعت سے جو فارسی کی کچھ میں نے ہندی شعر کہے  
 سارے ترک بچے ظالم اب پڑھتے ہیں ایران کے بیچ

بندے خدائے پاک کے ہم جو میر نہیں تو زیرِ فلک  
 پھر یہ تقدس آیا کہاں سے مشتبہ خاکِ انسان کے بیچ

فصل گل میں اسیر ہوئے تھے من ہی کی رہی من کے بیچ  
 اب یہ ستم تازہ ہے ہم پر قید کیا ہے چمن کے بیچ  
 یہ اُبھھاؤ سلجھتا ہمو دے ہے دکھائی مشکل سا  
 یعنی دل اٹکا ہے جا کر ان بالوں کی شکن کے بیچ  
 وہ کرتا ہے زبانِ درازی حیرت سے ہم چپکے ہیں  
 کچھ بولا نہیں جاتا یعنی اُس کے حرف و سخن کے بیچ  
 دشتِ بلا میں جا کر مرے اپنے نصیب جو سیدھے ہوں  
 واں کی خاکِ عمیر کی جاگہ رکھ دیں لوگ کفن کے بیچ  
 کبک کی جان مسافر ہو دے دیکھے خرامِ ناز اس کا  
 نام نہیں لیتا ہے کوئی اُس کا مسیّر وطن کے بیچ  
 کیا شیریں ہے حرف و حکایت حسرت ہم کو آتی ہے

ہائے زبان اپنی بھی ہووے یکدم اُسکے دہن کے پنج  
غم و اندوہ عشقی سے ہر لحظہ نکلتی رہتی ہے  
جان غلط کر مہر مانی ہے گویا تیرے بدن کے پنج  
اس کے رنگ کھلا ہے شاید کوئی پھول بہار کے پنج

شور پڑا ہے قیامت کا سا چار طرف گلزار کے پنج  
رحم کرے وہ ذرہ ذرہ تو دیکھنے آوے دم بھریاں  
اب تو دم بھی باقی نہیں ہے اُسکے کسو سوار کے پنج  
چمن نہ دے گا خاک کے نیچے ہرگز عشق کے ماروں کو  
دل تو ساتھ اسے کاشن گاڑیں اُن لوگوں کے مزار کے پنج  
چشمِ شوخ سے اُسکے یارو کیا نسبت ہے غزالوں کو  
دیکھتے ہیں ہم بڑا تفاوت شہری اور گنوار کے پنج  
کون کسکار رم خوردہ سے جا کے کئے تک پھر کر دیکھ  
کوئی سوار ہے تیرے پیچھے گرد و خاکِ غبار کے پنج  
رومنے سے جو رو دہا تو اس کا کیا ہے یارِ عجب

جذب ہوئے ہیں کیا کیا دریا اپنے حبیبِ کنار کے پنج  
چٹک چمک غمزہ عشوہ گر شمع آن انداز و ناز و ادا  
حسنِ سوائے حسنِ ظاہر مہر بہت ہیں یار کے پنج  
اسے بوسے گل سمجھ کے مکیو پون کے پنج  
دیکھے ہے کیا میں اندر ہی اندر گزار ہوں  
زخمی پڑے ہیں مرغِ ہزاروں چمن کے پنج  
دھوکا ہے ہوں حبابِ مرے پیرن کے پنج

### اردیفِ حائے حلی

اب اُن نے سچ بنائی ہے خوشوارِ بطرح  
کرتا ہے میرے خون پہ اہر از بطرح  
بگڑا پھر سے ہے اب وہ طرحدارِ بطرح  
کہتا ہے بیٹھا متصل اب یارِ بطرح

گھر سے لیے نکلتا ہے تلوارِ سیہ طرح  
جی نیچے کی طرح نظر آتی نہیں کوئی  
چہرہ تو اُن نے اپنا بتایا ہے خوب لیک  
کس طرح جائے پکڑی زبان اُسکی ختم میں

لوہو میں ڈوبے دیکھو دامن حبیب میر  
بپھر اسے آج دیدہ خونبار بے طرح

وہ نوابہ گلشن خوبی سب سے رکھے ہے نرالی طرح  
شاخ گل سا جائے ہے لہا آن نے نئی یہ ڈالی طرح  
مونڈھے چلے ہیں چولی چپی ہے مہری پھنسی ہے بند کسے  
اس اوباش نے پتا دے کی ایسی نرالی نکالی طرح

جبہ نو چائمنہ نو چا سب سینہ نو چا ناخن سے  
میر نے کی ہے غم غصے میں پنے یہ بد حالی طرح

### رویت خائے محبت

جھک سے اُسکے بدن میں ہر ایک جاہ شوخ  
پڑے ہے سیکڑوں جا راہ چلنے میں اُس پر  
برنگ برق سراپا وہ خود نما ہے شوخ  
کسو کی آنکھ تو دیکھے کوئی بلا ہے شوخ  
نظر پڑی نہیں کیا اسکی شوخ جیتی میر  
حضور یار کی چشم غزال کیا ہے شوخ

گلبن چمن کے اُس کو جو دیکھتے ہیں گشتاخ  
کیا تازہ کوئی ابکی نکلی بہار میں شاخ

### رویت وال مہلہ

اُس سے نہ اُلفت ہو بجگو تو ہو دے میرا حیرہ زرد  
ہاتھ نہ رکھوں کیوں میں دل پر رنج و بلا ہے قیامت درد  
لٹنے میں نکلی ہی کرتا وہ کاشکے پہلے چاہ کے دن  
گرمی نہ ہوتی آپس میں تو کھینچتی نہ ہر دم آہ سرد

برسوں میں اقلیم جنوں سے دودیا نے نکلے تھے  
میر آوارہ شہر ہوا ہے قیس ہوا ہے بیاباں گرد

کہتے ہو تم کہ یکسر مجھ میں وقا ہے شاید  
کم ناز سے ہے کس کے بندے کی بے نیازی  
مستروک رسم جو رد ظلم و جفا ہے شاید  
قالب میں خاک کے یاں تہاں خدا ہے شاید

یاں کچھ نہیں ہے باقی اُسکے حساب لیکن  
مچھ میں شمار دم سے اب کچھ رہا ہے شاید  
قید فراق سے تو چھوٹیں جو مر رہیں ہم  
اس درد بے دوا کی مرزا دوا ہے شاید

یہ عشق ہے یقینی حال ایسا کم سنا ہے  
اے میر دل کسو سے تیرا لگا ہے شاید

رکھتا ہے دل کنار میں صبر بارہ درد مند  
تسکین اپنے دل کی جو باتا نہیں کہیں  
اسلامی کفر کی کوئی ہو ہے شرط درد عشق  
قابل ہوئے ہیں سیر کے چشمان خون نشان  
کیا کام اُس کو یاں کے نشیب و فراز سے  
اس کارواں سراسے کے ہیں لوگ رفتنی  
ہر بارہ اُس کا پاتے ہیں آوارہ درد مند  
جز صبر اور کیا کرے بے چارہ درد مند  
دو دنوں طریق میں نہیں ناکا رہ درد مند  
دیکھیں ہیں آنکھوں کو ہو کا فوارہ درد مند  
رکھتا ہے پانوں دیکھ کے ہوا رہ درد مند  
حسرت سے انکا کرتے ہیں نظارہ درد مند

سو بار جو صلہ سے اگر رنج کش ہو میر  
پھر فرط غم سے مر رہے کیا بارہ درد مند

ہے عشق کا فسانہ میرا نہ یاں زباں زرد  
حسرت سے حسن گل کی چچکا ہوا ہوں ورنہ  
نذکور عاشقی کا ہر چار سو ہے باہم  
فرما دو قیس و دامن سراک سے پوچھ لو تم  
ہر شہر میں ہوئی ہے یہ داستان زباں زرد  
ظہر باغ میں ہوں میں خوش زباں زباں زرد  
یعنی نہیں کہانی میری کہاں زباں زرد  
شہر دل میں عشق کے ہوں میں ناتواں زباں زرد

کیا جانے میر کس کے غم سے ہے چپ و گرنہ  
حرف و سخن میں کیا ہی ہے یہ جواں زباں زرد

کیا کہیے ہوئے مملکت ہستی میں وارد  
کچھ ہوش نہ تھا منبر و محراب کا ہم کو  
بے یار و دیار اب تو ہیں اس بستی میں وارد  
صد شکر کہ مسجد میں ہوئے مستی میں وارد

کچھ تدبیر بتاؤ ہم کو دل اپنا ہے درد آلود  
خاک اڑاتے کہاں تک پھر یہ چہرہ سب گراؤد

روایت رائے مہملہ

پنے موئے بھی رنج و بلا ہے ہمسایوں کی جانوں پر  
کیا کیا سینہ زنی رہتی ہے درد و غم کے فسانوں پر

میں تو کیا کیا حرف و سخن تھے میرے جہاں جاتے تھے  
 باتیں درد آگیں ہیں اب تک کیسی کیسی زبانوں پر  
 تو بھی رباط کھن سے صوفی سیر کو چل تک سیر کی  
 ابرسیہ قبلہ سے آکر جھوم پڑ امیخانوں پر  
 آمد و رفت نسیم سے ظاہر بخش بلبل ہے لیکن  
 باد بھی اب تک بھی نہیں گلہائے چمن کے کانوں پر  
 جینے جینے اس کی سی ابرود کش ٹکلی نہ کوئی یان  
 زور کئے لوگوں نے اگر چہ نقش نگار کمانوں پر  
 جان تو یاں ہے گرم رفتن لیت و لعل اں ویسی ہے  
 کیا کیا مجھ کو جنون آتا ہے اس لڑکے کے بہانوں پر  
 بعد مرے سب کو میرے ہاتھوں ہاتھ مل لیں گے  
 سو سو بار لیا ہے میں نے نام اس کا ان دانوں پر  
 دل کی حقیقت عرش کی عظمت سب کچھ ہے معلوم نہیں  
 سیر یہی ہے اکشر اپنی ان پاکیزہ مکانوں پر  
 راہ چلو تم اپنی اپنی میرے طریق سے کیا تم کو  
 آنکھوں سے پروا میں نے کیا پروا پاؤں کے نشانوں پر

عشق عجب زور آور ہے کشتی سب کی پاک ہوئی  
 ذکر میرے کیا پیری میں حرف و سخن ہے جوانوں پر

کہ وے تر کسی زن تھے گلہائے تیر  
 نظریاں جو کی عشق کے شیر زبیر  
 یہ جی جا رہا ہے اُسی رہ گزر پر  
 ہوئے خون یاروں سے اس خاک پر  
 بنا زندگانی کی ہے اب خمیر پر  
 نہیں وصل موقوف کچھ زور و زبیر  
 قیامت کا ہنگامہ ہے اُس کے در پر

کئی داغ ایسے چلائے جگر پر  
 گیا میری وادی سے سیلاب کمر  
 سر رہ سے اُس کے موئے سی ٹھنکے  
 سر اس آستان پر رگڑتے گئے ہیں  
 ہم آتا اُسے شے جیتوں میں آئے  
 اُسے لطف اسکا ہی لاوے تولائے  
 سرکتے نہیں شوق کشتوں کے سر پر

اُتر جو گیا دل سے روکش ہو اُس کا  
بھری تھی مگر آگ ل میں ددوں میں  
گیا پی جو ان آنسوؤں کے تئیں میں  
سر عجز ہر شام تھا خاک پہ سر ہی  
پلک اُسٹے آنار اچھے نہ دیکھے  
طرف شاخ گل کی لچک کے نہ دیکھا

چڑھا پھر نہ خورشید میری نظر پر  
ہوئے اشک سوزش سے اکی شر پر  
سراسر ہیں اب داغِ سلج جگر پر  
تہ دل تھے کیسے ہی آہ سحر پر  
بڑی آنکھ ہر گز نہ روئے اثر پر  
نظر میر کی تھی کسو کی مگر یہ

غزل در غزل صا جو یہ بھی دیکھو  
نہیں عیب کرنا نظر اک ہنر پر

بھروسا اسیری میں تھا بال و پر پر  
سزارانِ شایستہ کشتے ہیں تیرے  
کھلا پیشِ دنداں نہ اُس کا گریہ  
جلے کیوں نہ چھاتی کہ اپنی نظر ہے  
نہ محشر میں چونکا مرا خونِ خفتہ  
کسی زخم کھا کر تڑپتا رہا دل  
ستا تھا اُسے پاس لیکن نہ پایا  
سرشب کہے تھا بہا نہ طلب وہ  
کہو پاس بیٹھا رہے کبتک یوں

سو پرواز ہوئی نہ نفس کی بھی در پر  
نہ بیخ ستم کہ علم ہر نفر پر  
کنھوں نے بھی تھکا نہ سلاک گھر پر  
کسو شوح پر کارر غنا پس پر  
وہی تھا یہ خوابیدہ اس شور و شر پر  
تسلی تھی موقوفِ زخمِ دگر پر  
جلے دور تک ہم گئے اس خبر پر  
گھڑی ایک رات آئی ہوگی پر پر  
کہو ہوگی رخصت گئے اب سحر پر

جہاں میں نہ کی میرِ اقامت کی نیت  
کہ مشعر تھا آنامِ رایاں سفر پر

عشقِ خدائی خراب ہے ایسا جس سے گئے ہیں گھر کے گھر  
کعبہ و دیر کے ایوانوں کے گویے پڑے ہیں در کے در

سج سے کوئی آدمی ہو تو سارا عالم حج ہی کرے  
کئے سے آئے تیغ جی لیکن سے تو وہی ہیں خر کے خر

رنج و تعب میں مرتے دیکھے ہم نے مسک دو لہنتہ  
جی کے جی بھی عیث جاتے ہیں ان لوگوں کے زر کے زر

اسلم و کافر کے جھگڑے میں جنگ و جدل سے رہائی نہیں  
لو تھو پہ لو تھیں گرتی رہیں گی کھٹے رہیں گے سر کے سر

سخت مصیبت عشق میں یہ ہے جائیں چلی جاتی ہیں لیک  
ہاتھ سروں پر ماریں گے تو بند رہیں گے گھر کے گھر

کب سے گرمی عشق نے میرے چشمہ چشم کو خشک کیا  
کپڑے گلے سب تن کے لیکن شے ہیں اتیک تر کے تر

تکے ایک قفس میں شاید کوئی کلی تو نکلی میر  
سارے طیر شگفتہ چمن کے ٹوٹا گئے وہ پر کے پر

ایسے گوئیے بیٹھو ہو تم بیٹھے اپنے گھر جا کر  
اس سب سے تہ نہ صحن چمن میں جان دی چلا جا کر  
مار سیہ کو رشک سے مارا ان بالوں نے بل تھا کر  
گھر رکھی ہیں شہر کی گلیاں پھر ہم نے لا کر  
سُرخ و زرد ہوئے خلعت سے چھوٹے ہا ہا ہا کر  
عشق شہرت دوست نے آخر مارا محجور سو کر

بات کہو کیا چپکے چپکے بیٹھ رہو سو یاں تم کر  
دل کار از کیا میں ظاہر بلبل سے گلزار میں لیک  
جس ساج و تاب پر اپنے بالیدہ تھا و سیاہی  
دھڑکتے تھا اطفالِ خورشید ایک جنوں کی ضیافت میں  
ہا ہا ہے نے شوخ کی میرے تنگ کیا خوش فرائد کو  
چاہ کا جو اظہار کیا تو فرط شرم سے جان گئی

میر یہ کیا روٹا ہے جس سے آنکھوں پر رومال کھا  
دامن کے ہر پاٹ کو اپنے گریو زاری سے دیا کر

ترجہی نگاہیں کیا کرتے ہو دم بھر کے یاں آنے پر  
ایدھر دیکھو ہم نے نہیں کی خم ابرو سر جانے پر

زور ہوا ہے چل صوفی ٹک تو بھی رابطہ کنبہ سے  
ابر قبہ بڑھتا بڑھتا آیا ہے میخانے پر

گل کھائے بے تہ لبلب نے شور قیامت کا سا کیا  
دیکھو چمن میں اُس بن میرے چپکے جی بھلانے پر

سرخچے کر لیت تھا تلوار چلاتے ہم پروے  
ریچھ گئے خونِ نیری میں اپنی اسکے پھر سرنانے پر

لے تو بھی رابطہ کنبہ سے صوفی سیر کو چل ملک بنر سے کی ڈا بر سیہ قبلہ سے آکر جھوم پڑ امیخانوں پر ہا کر

گالی مار کے غم پر میں نے صبر کیا خاموش رہا  
رحم نہ آیا ملک عالم کو اس میرے غم کھانے پر

نادیدہ ہیں نام خدا کے ایسے جیسے قحط تر دہ  
دوڑتی ہیں کیا آنکھیں اپنی بچے کے دانے دانے پر

حال پریشاں سن مجھوں کا کیا چلتا ہے جی اپنا  
عاشق تم بھی میرے ہیں اس صوب کے دیوانے پر

گزرے کا آقا میں عہد شباب کیونکر  
یہ تہ ہے سر نہ کھینچے اکدم حجاب کیونکر  
وہ سوکھ سب گئی ہے شہم شباب کیونکر  
مخل ہو فرش کیوں نہ آویگی خواب کیونکر  
اوسے نہ اس گل سے سرم و حجاب کیونکر  
اب پھر ہے گی ایسی بستی خراب کیونکر  
روز حساب لیں گے عجب حساب کیونکر  
مکھ گے اس طرف سے اب آفتاب کیونکر

روزوں میں رہ سیکھتے ہم بے شراب کیونکر  
تھوڑے سے پانی میں بھی جل نکلے ہے اچھڑا  
چشمے بھرے اب تک ہیں یادگار اس کے  
دل کی طرف کا پہلو سب متصل چلے ہے  
اقل سو رکھنا آخر صبر و حیا کرنا  
اچھڑے مگر کدول کے دیکھوں ہوں جب کو ہوں  
جرم و ذنوب تو ہیں بید و حصر یارب  
میش از سحر آئے ہے آج اُسکے منہ کا پردہ

خط میر آوے جاوے جو نکلے راہ ادھر کی  
کوئی نہیں ہے قاصد لاوے جواب کیونکر

خون بستہ پہنٹی آنکھیں آویگی خواب کیونکر  
مجھ سے اُٹھینگے اُسکے ناز و عتاب کیونکر  
اُبھرا رہے ہمیشہ نقش بر آب کیونکر  
سر پہ نہ خاک ڈالے اپنے سراب کیونکر  
جانی رہی جوانی اپنی شباب کیونکر  
قلب کبد نہ ہو دیں و دونوں کباب کیونکر  
منہ کیا ہے نامہ بر کا نکلے جواب کیونکر  
میں کیا کوئی ہو کھینچے ایسے عذاب کیونکر  
اک حرف اس دن سن کا تو کتاب کیونکر

تر پے ہے غمزدہ دل لاوے گاتاب کیونکر  
پُرنا توں ہوں مجھ پر بھاری ہو جی ہی اپنا  
اس بحر میں ہے مٹنا شکل حباب ہر دم  
پانی کے دھوکے پیاسے کیا کیا عزت مارے  
آب رواں نہ تھا کچھ وہ لطف زندگانی  
سینہ میں میرے کب سے اک سینک سی رہی ہو  
شلاق خواری کی تھی خجالت جو کچھ نہ بولا  
سو زردل و جگر سے چلتا ہے تن بدن سب  
چرو کتابی اُس کا مجموعہ میر کا ہے



ہو چہرہ اسکے لب سے یا قوت تاب کیونکر  
حرف و سخن سے کرے اب اجتاب کیونکر  
تو شہر و شہروں سے نہروں میں آب کیونکر  
دیکھیں خراب ہووے حال خراب کیونکر  
کھا تا رہے نہ انھی پھر بیچ و تاب کیونکر  
تو سیر ہو ہوا پر پھیلے سحاب کیونکر  
لنگین باد سے دیکھوں یہ اضطراب کیونکر

لاوے جھکتے رخ کی آئینہ تاب کیونکر  
ہے شعر و شاعری گو کب سے شوار اپنا  
جوں ابر اگر نہ روویں داوی و کوہ بہیم  
اب بھی نہیں ہے بکولے عشق نا امید ہی  
اڑاڑ کے جاگے ہے وہ تیر مار کا کل  
چشم محیط سے جو ہووے نہ چشم تر سے  
اب تو طیش نے دل کی اودھم چار کھا ہے

رو چاہیے ہے اس کے در پر بھی بیٹھنے کو

ہم تو ذلیل اس کے ہوں میر اب کیونکر

قیامت ہم سے ہر ساعت رہی الفت کے ماروں پر  
نکل چل شہر سے باہر نظر کر تک حراروں پر  
بسان ابر رحمت رو بہت ہم بقیراروں پر  
کہ عرصہ تنگ ہے حصوں بولتے تاجداروں پر  
پر اپنا پالوں پھیلا دشت کے سر تنہا روں پر  
کایک کیا بلا آئی ہمارے غمگساروں پر

منا تم نے جو گزرا سانحہ سچاں میں باروں پر  
کیا ہے عشق عالم کش نے کیا تھڑا لوگوں کا  
ترطیب کر گرم تک چل برق ٹھٹھے بھجواں  
بڑی دولت ہو درویشی جو نہرہ ہو قناعت کے  
سیاحت خوب ہو کویاد ہے ہر گئی وحشت کی  
گئے فر باد و مجنوں ہو کوئی قوبات بھی پوچھیں

مگر ایسا تو ان عشق کے آگے سے پیری مل

سکر و حمی مری اسے میر بھاری ہو نہراووں پر

بیٹھا نہیں میں ابھی ٹھک سارا جہاں ڈبو کر  
کہتے تو تھے کہ ظالم خوریزی سے نہ خو کر  
روتا کہیں نہ آوے ایمان وہیں کو کھو کر  
جب جہاں کوئی لاوے یوں نوتی سے رو کر  
تھیر کرتے ہیں سیلاب انگو مردہ شو کر  
کیا ہم کو جی کی نیٹھے ہم جی سے ہاتھ دھو کر  
جب بیدار غ سے تم اٹھ بیٹھے ہو سو کر  
کاڑھے ہیں بے جا برو دریا کو میں بلو کر

اک آدھ دن کل بیت لے ابرا دھر سے ہو کر  
اب کل نہیں ہے بکولے قتل غم کشوں کے  
کہتے ہیں راہ پائی زاہد نے اس گلی کی  
ہے نظم کا سلیقہ ہر چہ سب کو لیکر  
کیا خوب زندگی کی دنیا میں تیغ جی لے  
گو تیرے ہو ٹھٹھا ظالم آب حیات ہوں اب  
کس کس ادا سے فتنے کرتے ہیں قصہ گردھو کا  
ٹکڑے جگر کے میر سے مت چشم کم سے دیکھو

احوال میر جی کا مطلق کیا نہ سمجھا  
کچھ زیر لب کہا بھی سودیر دیر رو کر

عشق ہمارا خون کرے ہے جی نہیں رہتا یا بغیر  
وہ گھر سے نہیں اپنے نکلتا دم بھری بھی تلوار بغیر  
جان عزیز کی جاں بھی گئے پر آنکھیں کھلی رہا بینگی  
یعنی کشتہ حسرت تھا میں آئینہ سادیا بغیر  
گوندھے گئے سوتا زہر ہے جو سبد میں تھے سو ملاحت سے  
سوکھ سکے کا نٹا پھول ہوئے وے اسکے گلے کے ہاں بغیر  
پھولوں کا موسم کا شے ہو پردے سے ہوا کے چٹک زن  
گل کھائے ہیں ہزار خزاں میں مرغ چین نے ہاں بغیر

دشمنی و طیر سے دشت بھرے تھے صیادی تھی یا رکی جب  
خالی پڑے ہیں دام کہیں میر اسکے ذوق شکار بغیر

چندے بجائے گریہ و اندوہ و آہ کر  
کیا دیکھتا ہے ہر گھڑی اپنی ہی سچ کو شونخ  
رحمت اگر یقینی ہے تو کیا ہے زبد شبنم  
چھوڑا ب طریق جو رو اسے بیوفا سمجھ  
چسپیدگی داغ سے مت کٹھ کو اپنے موڑ  
ما تم کدے کو دہر کے تو عیش گاہ کر  
آنکھوں میں جان آئی ہے ایدھر گاہ کر  
اے بیوقوف جائے عبادت گناہ کر  
نبھتی نہیں یہ چال کو دول میں راہ کر  
اسے زخم کنہہ دل سے ہمارے نباہ کر

اس وقت ہے دعا و اجابت کا وصل میر  
یک قرہ تو بھی پیش کش صبح گاہ کر

شوریدہ سر رکھا ہے جب سے اس آستان پر  
گھائل گرا رہا ہے فزاک سے بندھا ہے  
لطف بدن کو اسکے ہرگز پہنچ سکے نہ  
خاشاک و غار و خس کو کر ایک جا صلا یا  
وہ باغیاں پس کچھ گل گل شگفتہ سے اب  
رکائے آگ کے تھے کیا ناہائے لبیل  
میر اداغ تب سے ہے ہفتم آسمان پر  
کیا کیا ستم ہوئے ہیں اس صید نا توں پر  
جا پڑتی تھی ہمیشہ اپنی نگاہ جاں پر  
کیا صہم شور برق خافت تھی آشاں پر  
یہ اور گل کھلا ہے اک پھولو کلی دکان پر  
شبنم سے آئے ہیں گلبرگ سی زباں پر

دل کیا مکان بھر اس کا کیا معنی میر لیکن  
غالب ہے سہمی میں تو میدان لامکاں پر

کیا پھول مر گئے ہیں اس بن خراب ہو کر  
خنجر تلے ہا میں خجلت سے آب ہو کر  
جانا ہوا لیکن واں سے شباب ہو کر  
غیرت سے رگھے ہیں عاشق کباب ہو کر

آیا نہ پھر ادھر وہ مست شراب ہو کر  
صدی زبور میں میرے یک قطرہ خون نہ نکلا  
دعدہ وصال کا ہے کہتے ہیں حشر کے دن  
وار و پیے نہ ساتھ آخروں کے بیشتریاں

یک قطرہ آب اس بن میں نے اگر پیا ہے  
نکلا ہے میر یانی وہ خون ناب ہو کر

بادہ کشوں کا جھڑپ کچھ شیشہ پر پیمانے پر  
یہی چشمک گل کرتا ہے فصل بہا کے آنے پر  
سنگ نہاں ٹر کے پھرتے ہیں ہر سودا وائے پر  
اینا جی بھی حد سے زیادہ رات جلا پروائے پر

اگر یہ قبلہ سے اٹھ کر آیا ہے میخا ہے پر  
رنگ ہوا سے چمکنے لگا ہے سبرے میخی پھول افلا  
شور جنوں ہے جو انوکھے میں بانگ نہیں بھیریں ہیں  
بتیا بانہ شمع پر آیا اگر دھیرا پھر بسل ہی گیا

قدرِ جان جو کچھ ہووے تو صرف بھی ہم میر کہیں  
مٹھ موڑیں کیا آنے سے اُسکے اپنی جان کے جانے پر

آفریں کرے جنوں میرے کھٹ چالاک پر  
خاک کن کن صورتوں کی صرف کی ہو خاک پر

سہمی سے اس کی ہوا ماہل گرمیاں چاک پر  
کیوں نہ ہوں طرفہ کلیں خوش طرح بعضے کمال پر

ہم کو سٹی کر دیا یا پانی گر دوں نے میر  
وہ نہ آیا ناز کرتا ملک ہماری خاک پر

رویت رائے مجھ

اس بستر افسردہ کے گل خوشبو ہیں مرجھائے ہنوز  
اس نگہم سے موسم گل میں پھول نہیں یاں آئے ہنوز

اچھ زلف دکا کل کو گوندھے دیر ہوئی مشاطہ کو  
سانپ سے اہلتے ہی ہیں پر بال اُسکے بل کھائے ہنوز

آئینہ لگاٹ گزری پا کے عشق جو بیچ میں ہے  
ملتے ہیں معشوق اگر تو ملتے ہیں شرمانے ہنوز

تہ داری کیا کیے اپنی سختی سے اُس کی جیتے ہوئے  
حرف و سخن کچھ کیے لیکن ہرگز منہ پہ نہیں لائے ہنوز

ایسی معیشت کرو گوں سے جیسے تم گمشدہ ہونے کی  
برسوں ہوئے ہیں اٹھ گئے ان کو رونے ہیں ہمسائے ہوئے

راہی بھی کچھ منا نہیں جاتے غمِ ہنوز  
رہتی ہیں میری آنکھیں شب و روز تر ہنوز  
اُس سے کے دل میں کرتی نہیں کچھ اثر ہنوز  
دہ دیکھتا نہیں ہے غلط کر ادھر ہنوز  
بانے چلن سے رکھتا ہوں عنبرِ سفر ہنوز  
تکلی ہے سنگ سنگ سے اکثر شر ہنوز

کب سے گیا ہے آیا نہیں نامہ بر ہنوز  
خونِ جگر کو سوکھے ہوئے برسوں ہو گئے  
ہر چہد آسماں پہ ہماری دعا گئی  
رت سے لگ رہی ہیں مری آنکھیں اسکی اور  
برسوں سے لکھنؤ میں اقامت ہے محکومیک  
تیشہ سے کوہن کے دل کوہِ جل گیا

جل جل کے ہو گیا ہے کبد تو کتابِ میر  
جوں غنچہ ناشگفتہ ہے داغِ جگر ہنوز

کب سے آئے کہتے ہیں تشریف نہیں لائے ہیں ہنوز  
آنکھیں مندی اب جا چکے ہم وے دیکھو تو کتے ہیں ہنوز

کہتا ہے برسوں سے ہیں تم دور ہو یاں سے دفع بھی ہو  
شوق و سماجت سیر کر وہم پاس اُسکے جاتے ہیں ہنوز

راتوں پاس گلے لگ سوتے تنگے ہو کر یہ عجیب  
دن کو بے پردہ نہیں ملتے ہم سے شرماتے ہیں ہنوز

ساتھ کے پڑھنے والے فارغ تحصیل علمی سے ہوئے  
چل سے کتب کے لڑکوں میں ہم دل بہلاتے ہیں ہنوز

گلِ صدفِ نگِ چین میں آئے باخزاں سے بکھر ہی گئے  
عشق و جنوں کی بہار کے عاشقِ میرِ حجازی گھاتے ہیں ہنوز

دلِ بہارِ چین کا ہے گرفتِ ر ہنوز  
ہر گلی جھانکنے پھرتے ہیں طلبکار ہنوز  
وہ تم دل سے کسوکا نہ ہوا یار ہنوز

کب سے قیدی ہیں پہ ہے ناشِ ر ہنوز  
وہ ہم چارہ اس شہر سے کب کا نکلا  
بالا بالا ہی بہت عشق میں مارے گئے یار

سال میں ابرہ ساری کہیں آکر برسا لو ہو برسا رہے ہیں دیدہ خوب رہنوز

ایکلی بالیدین گلہا تھا بہت دیکھو نہ میر

مہر لالہ ہے خار سردیوار ہنوز

سرکش ہے تند خو ہے عجب ہے زباں دراز آتش کا ایسا لاکھ کب ہے زباں دراز

پروانہ تیری چوب لساں سے ہوا ہلاک ہے سمع تو تو کوئی غضب ہر زباں دراز

### ارویت سین مہملہ

نہ جدا ہو کے پھر ملا افسوس  
مجھ میں تباہی کچھ رہا افسوس  
چلتے آں نے نہ کچھ کہتا افسوس  
میں بلا میں ہوں بیتلا افسوس  
وہ نہیں ہم سے آشنا افسوس  
دل کے جانے کا ہے بڑا افسوس  
بے اثر ہو گئی دعا افسوس  
ہائے افسوس کیا کیا افسوس

یار ہم سے جدا ہوا افسوس  
جنتلک آن کر رہے مجھ پاس  
دل میں حسرت گرہ ہو رست کی  
کیا تدارک ہے عشق میں دل کا  
سب سے بیگانگی کی جس کے لیے  
رات دن ہاتھ ملتے رہتے ہیں  
بچھیں بھٹ بھٹ گئیں ہیں گھگھیاٹے  
مجھ کو کرنا تھا احترام اس سے

لوش دارو ہے بیش دارو میر

متاثر نہیں دو افسوس

ناقصوں میں رہے کیا رہے تو صاحبیل کے پاس  
نکلی ہے ہو کر صبا شاید سو گھاٹل کے پاس  
کاسکے مجھ کو بلاؤں حشر میں قاتل کے پاس  
خاک کس کی ہو کہ شقائق تی ہے محل کے پاس  
خال یہ اک اوزر کھانا لہ اس کے تل کے پاس  
مر گئے پر گور میری کرے تو بیدل کے پاس

کوئی دن کرے معیشت جاگو کا دل کے پاس  
بوسے خوں بھک بھک دماغوں میں چلی آتی ہو کچھ  
شورو ہنگامہ بہت دعویٰ ضروری ہے بہت  
گرد سے ہے ناتہ اسلی کو شکل رہ روی  
تل سے تیرے منہ کے دل تھا داغ او بر کا چرب  
دل گداز عشق سے سب ب ہو کر بہ گب

پلے کیونکر نہ کہت افسوس جی جاتا ہے میر

دوبتی ہے کشتی درطہ سے نکل ساحل کپاس

سنتا نہیں اس قافلے میں کوئی جرس بس  
تھک کر کہیں تک بیٹھ رہا ہے ہرزہ کس بس  
جوں گل یہ ہنسی کیا ہے امیروں پہ ہنسن بس  
غش کرنے نہ لگ جاؤ کہیں چھوڑے بس بس

صد پارہ گلا تیرا ہے کر ضبط نفس بس  
دنیا طلبی نفس نہ کر شومی سے جوں سگ  
خنداں نہ مرے قتل میں رکھ تیغ کو پھر سان  
اس زار نے ہاتھ ان کا جو بھیجا لگے کہنے

کیا مفسر اسیروں کو دریاغ جو داہو  
ہے رنگ ہوا دیکھنے کو چاک قفس بس

گل کو دیکھا بھی نہ ہزار افسوس  
تھوئے اُس سے ہکتا افسوس  
ہم ہیں بے یار و بے دیا افسوس  
اس سے بے عمدے قرار افسوس  
مر رہے جی کو مارا افسوس  
وہ نہ ہم سے ہوا دو جا افسوس  
پھر گیا ہم سے روزگار افسوس  
نہ ہوا پار کا گزرا افسوس

آ نکھ کھلتے گئی مہار افسوس  
جسکی خاطر ہوئے کنارہ گزریں  
نہ معرفت نہ آشنا کوئی  
بیقرار رہی نے یو نہیں جی مارا  
خوں ہوئی دل ہی میں امید حال  
چارہ اشتیاق کچھ نہ ہوا  
اک ہی گردش میں اُسکی نکھوئی  
گور اپنی رہی گزر گم میں

منتظر ہی ہم اُسکے میسر گئے  
یاں تک آیا کبھی نہ یارا افسوس

کیا کیا تم نے ہم سے کہا تھا کچھ نہ کیا افسوس افسوس  
کیا کیا کر دیا جی سے مارا تو ہو یا افسوس افسوس

نور چراغ جان میں تھا کچھ یو نہیں نہ آیا لیکن وہ  
گل ہو ہی گیا آخر کو یہ بگھتا سا دیا افسوس افسوس

رخصت میں پاؤں کی سب کی جی جاتا تھا سوان نے  
ہاتھ میں عاشق دارفتہ کا دل نہ لیا افسوس افسوس

میسر کی آنکھیں منہ نے پر وہ دیکھنے آیا تھا ظالم  
اور بھی یہ بیمار محبت تک نہ گیا افسوس افسوس

## ردیفِ شین مجھ

رکھتے رہے بتوں سے مہر و وفا کی خواہش  
 بیماری دلی پر میں صبر کر رہا ہوں  
 شب و صبح کی میسر آئی نہ ایک دن بھی  
 چاہت بہت کسو کی اسے ہمیشہ جبری ہے  
 مشتاق عاشق کا عاقیل کوئی نہ ہوگا  
 عجز و انابت اپنی یوں نہیں بھی صبح گہ کی  
 حیران کا رالفت لے میر چپ ہوں میں تو

رنج و غم آئے بیشتر در پیش  
 مرگ فرما دے ہوا بد نام  
 یار آنکھوں تلے ہی پھرتا ہے  
 خانہ روشن پننگوں نے نہ کیا

راہ رفتن ہے اب گرد پیش  
 ہے محالت سے تیشہ سر در پیش  
 میری مدت سے ہے نظر در پیش  
 ہے چراغوں کو بھی سحر در پیش

غم سے نزدیک مرے گئے ہوئے  
 دور کا میسر سے سفر در پیش

کر کے کہیں ہیں تجوں لعلوں کے ڈھیرے سب گمش  
 صوفیے کو اس مولے بار میں دیتے ہیں آگ  
 تنگ چلی سو جگہ سے کسماتے ہی چلی  
 واسے رسے پروانہ کیسا چپکے جل کر رہ گیا

بیکراں دریا کے غم کے ہیں بلا جوش و خروش  
 میسکد سے باہر آتے ہی تہیں ہی عقل ہوش  
 تنگ و رزی سے کبھی ملتا تہیں وہ تنگ ہوش  
 گری ہوئے کیا اچھلتا ہے سینہ ہرزہ کوئش

کیسا خود کم سر بکھیرے میر ہے بازار میں  
 ایسا بیدار نہیں ہنگامہ آرا و فروش

ادھر آتا بھی وہ سوار اسے کاش  
 زیر دیوارِ خسانہ باغ اس کے  
 کب تلک بے قرار رہے گا  
 راہ نکتے تو پھٹ گئیں آنکھیں  
 اسکی پامالی سرفرازی ہے

اسکا ہو جاتا دل شکار اسے کاش  
 ہم کو جانتی خانہ دار اسے کاش  
 کچھ تو لٹنے کا ہو قرار اسے کاش  
 اسکا کرتے نہ انتظار اسے کاش  
 راہ میں ہو مرنی مزار اسے کاش

پھول گل کچھ نہ تھے کھلی جب چشم اور بھی رہتی اب بہار اے کاش

اب وہی میر جی کھیلتا ہے  
ہم کو ہوتا نہ اس سے پیارا اے کاش

غصہ میں ناخوں نے مے کی ہے کیا تلاش  
صحبیت میں اُسکی کیونکہ رہے مرد آدمی  
تلوآر کا سا گھاؤ ہے جبے کا ہر خراش  
بیرحم نجلو ایک نظر کرنی تھی ادھر  
وہ شوخ و شنگ بے تہ وادب باش و برعاش  
آباد و اجڑا لکھنؤ پچھ دس سے اب ہوا  
کشتے کے تیرے ٹکڑے ہوئے لگے بھی لاش  
شکل ہے اس خرابے میں آدم کی بود و باش

عمر عزیز یا اس ہی میں جاتی ہے چلی  
امید وار اُس کے نہ ہم ہوئے میر کاش

### ردیف صاومملہ

شاعری شیوہ ہے شعایر اخلاص دین نہ ہب مرا ہے پیارا اخلاص  
اب کہاں وہ مودت قلبی ہووے نظر میں یوں ہزار اخلاص

سوئے اخلاص کی پڑھی برسوں  
میر رکھتا نہیں ہے یار اخلاص

### ردیف صاومجہ

عالم علم سے اس عالم میں ہر لحظہ طاری ہے فیض  
ہے معلوم کہ عالم عالم پھریاں وہ خباری ہے فیض  
سنگ و شجر میں پاتے یونہیں غنچہ گل ہیں بار و بر  
عالم ہزدہ ہزار جو ہیں یہ سب میں وہ ساری ہے فیض

### ردیف طاعے مملہ

جس کو ہوا ہے اس صنم بے وفا سے ربط  
گل ہو کے برگ برگ ہوئے پھر ہوا ہوئے  
اُسکو خدا ہی بودے تو ہو کچھ خدا سے ربط  
رکھتے ہیں اس سچن کے جو غنچے صبا سے ربط



ز نہار پشت پا سے نہیں اٹھتی مسکی آنکھ  
شاید اُسی گئے ہاتھ میں دامن ہو یا رکا  
اس چشم سرگمیں کو بہت ہے حیات سے ربط  
ہو جس کسم رسیدہ سے دست دعا سے ربط

کرتی ہے آدمی کو دنی صحبت فقیر  
اچھا نہیں ہے میر سے بے تہ نگار سے ربط

عشق کو جرات و جگر ہے شرط  
بے خبر حال سے شرہ میر سے  
زر دی رنگ چشم تر ہے شرط  
میں کے رکھا ہوں خبر ہے شرط  
عج کو جاوے تو شیخ کو لیجا  
پیسوں پر ریت جگتے ہیں یہ لڑکے  
عشق سیمیں تنوں کو زہر ہے شرط  
نچتہ کاری کے تیں سفر ہے شرط  
غیب کرنے کو بھی ہنر ہے شرط  
خام رہتا ہے آدمی گھر میں  
خست یاروں کا کرفاؤں میں

لعل پارے ہیں میر لخت جگر  
دیکھ کر خون رو نظر ہے شرط

رکھتا ہے میرے دل سے تمہارا غم اختلاط  
ہم دے دے ہی رہتے ہیں مردم کی شکل کیا  
ہر لمحہ لحظہ آن و زماں ہر دم اختلاط  
ان صورتوں میں ہوتا نہیں باہم اختلاط

شیریں لبوں جاں کے نہیں بھوٹ جانتے  
ہوں کو کہ میسر صاحب قبلہ کم اختلاط

روایت طاعے معجمہ

لطف جوانی کے ساتھ گئے پیری نے کیا ہے کیا محظوظ  
کیونکہ جیئیں یارب حیرت ہے بے مزہ ایسے نا محظوظ  
روئے کر دھنے کو عیش کو ہو ہم تو تمہارے دعا گو ہیں

یو نہیں ہمیشہ عشق میں اُسکے رکھے ایسا خدا محظوظ  
زردی مُنہ کی انگ کی سُرخ دندوں ابھورنگ پہیں  
شاید میر بہت رہتے ہو اُس سے ہو کے جدا محظوظ

## روایت عین مہملہ

بے داغ سر پر جو آئی تھی شمع  
پتنگے کے حق میں تو بہتر ہوئی  
نہ اُس بہرے روشن محب نہ میں  
وہی ساتھ تھا میرے شبگیر میں  
پتنگ اور وہ کیوں نہ باہم چلیں  
فروغ اُسکے چہرے کا تھا پردہ در

سحر تک شب بانی گھلائی تھی شمع  
اگر موسم سکی بھی بنائی تھی شمع  
نکا لا تھا اُسکو چھپائی تھی شمع  
کہ تاب اُسکے رخ کی نہ لالی تھی شمع  
کہیں سے مگر اک لگ آئی تھی شمع  
ہو اکیا جو ہم نے بھجائی تھی شمع

قرب دل سے میرا کف خاک ہے  
مری خاک پر کیوں جلائی تھی شمع

کیا بھکا فانوس میں اپنا دکھلاتی ہے دور سے شمع  
وہ منہ تک اودھر نہیں گزرتا داغ ہے اسے غور سے شمع

وہ بیٹھا ہے جیسے بکے چودھویں رات کا چاند کہیں  
روشن ہے کیا ہوگی طرف اس طرح رخ پر نور سے شمع

اُسکے فروغ نہ تھا جلتی تھی کبھی سی مجلس میں  
تب تو لوگ اُٹھائے تھے شبانی اُسکے حضور سے شمع

جلتے کو آتی ہیں ستیاں میرے سنبھل کر جلتی ہیں  
کہا ہے میری رات جلی بے بہرہ اپنی شور سے شمع

آتی ہے مجلس میں تو فانوس میں آتی ہے شمع  
وہ سراپا دیکھ کر پردے میں جلاتی ہے شمع

## روایت عین مجسم

غم کھنچا راگیاں در لعل در لعل  
عشق میں جی بھی ہم گنوا نیٹھے  
سب سے کی دشمنی جنھوں کے لیے  
قطع اُمید ہے قریب اُس سے  
دل گئے پر نہ درو نہ سبج  
اُس نے دیتا نہیں شکستہ دل

ہم ہوئے خستہ جاں در لعل در لعل  
ہو گیا کیا نہ یاں در لعل در لعل  
وہ ہیں ناہریاں در لعل در لعل

تنج ہے در میاں در لعل در لعل  
کہتے ہیں سرزباں در لعل در لعل  
ڈھک گیا کیا مکان دا بے جوئے صبا سے ربط

تب کھلی آنکھ میسر اپنی جب  
جھانکا کارواں دروغ دروغ

ہم کو شہر سے اس مہ کے ہے عزم راہ دروغ دروغ  
یہ حرکت تو ہم نہ کریں گے خانہ سیاہ دروغ دروغ

الفت کلفت کون کے ہے چاہ گناہ کھساکن نے  
بیدردی سے دے رکھتے ہیں یہی گناہ دروغ دروغ

شیخ کو وہ توجھوٹ کے ہے تھوٹھ کو کیونکر تھوٹھ گنیں  
ہل درو جو کوئی ہو تو کہے آہ دروغ دروغ

عشق کے مارے غزدگاں سے اُنس کرے بہتان کذب  
اس بھیر کی ہم لوگوں سے اُفت چاہ دروغ دروغ

کس دلبر کو شوق سے دیکھا میسر غلط ہے تہمت ہے  
منٹھ پہ کسو کے پڑی نہیں ہے گناہ گناہ دروغ دروغ

کیا کیے میاں ابکی جنوں میں سینہ اپنا کیسر داغ  
ہاتھ گلوں سے گلہ تے ہیں شیخ خط ہے سر پر داغ

داغ جلانے فلک نے بدن پر سرو چراغاں ہم کو کیا  
کمال کہاں اب ہم رکھیں جسم ہوا ہے سر سرو داغ

صحبت درگیر آئے اُسکی پر گھڑی ساعت نہ ہوئی  
جب آئے ہیں مہر سے اُسے تب آئے ہیں اکثر داغ

غیر کو دیکھ کے اس مجلس میں غیرت عشق سے آگ لگی  
اُچھلے کودے پسند خط ہم ہو گئے آخر جھکر داغ

جلتی چھاتی یہ سنگ زنی کی سختی ایام سے میسر  
گرمی سے میری آتش دل کی سارے ہوئے تھر داغ

روایت قاسم

یہ نہ ہر دم اے عاشق قابل کی تیغ جگر کی طش  
نی نظر کر عبت آئیں اُس کی ناز واداک طش

چار طرف سے نزدیک حواشی جاؤں کہ میری نگاہیں  
غالب ہے کیا عہد میں میرے اسے دل دینے کی طرف

آؤں زمانہ جب ایسا تو ترک عشق بستان کا کر  
چاہے بندہ قصہ کرے جانے کا اپنے خدا کی طرف

قحط مروت اب جو ہوا ہے کس کو داغ بادہ کشی  
ابر آبا سبزہ بھی ہو اگر تانہیں کوئی ہوا کی طرف

ظلم و ستم سے جو رہ جفا سے کیا کیا عاشق مارے گئے  
شہر حسن کے لوگوں میں کرتا نہیں کوئی وفا کی طرف

شام و سحر ہے عکس سے اپنے حرف و سخن اس گرو کو  
بشت پاس سے نگاہ اٹھائی چھوڑی اسے حیا کی طرف

ہاتھ کسی کا دیکھتے رہے گا ہے ہم سے ہونے کا  
اپنی نظر اسے میرے رہے ہے اکثر دست دعا کی طرف

عشق سے ہم کو نگاہیں کچھ ہائے زلیان جاں کی طرف  
در نہ ہنی دیکھا کرتے ہیں اپنے سود و زبیاں کی طرف

از بس کرد ہاتھ سے یاں کا مریبہ زار لبالب ہے  
یاں سے گئے پر پھر کے منہ دیکھانہ نکھول جہاں کی طرف

صورت کی شیرینی ایسی تلخی زباں کی ایسی کچھ  
منہ دیکھے اس کا جو کوئی پھر دیکھے ہے زباں کی طرف

وہ محبوب تو راہ گیا ہے اپنی لسن دیر تلک  
آنکھیں اہل نظر کی رہیں گی اس کے قدم کے نشان کی طرف

کس سے کہوں جو میر طرف کر اس سے داد دلا دیوے  
چھوٹے بڑے ہر ایک سے ہی ہوں و باش جوان کی طرف

دیکھو کن آنکھوں ہی سے گنگار کی طرف  
مطلق نہیں نظر ہیں ہر بار کی طرف

کیا نیکی آنکھوں دیکھو ہو تلوار کی طرف  
آوارگی کے محو ہیں ہم خانماں خسراب  
ماں سے قبلہ کعبہ خدا فرط شوق سے

شاید متاعِ عشق کھلی ہے کسو کی آج  
عاشق کی اور نازکناں جاوے ہے کبھو  
ہرگز طرف نہ ہو سکی رخسارِ یار کے  
ہنگامہ حشر کا سا ہے بازار کی طرف

کچھ گل صبا کا لاگو نہیں اس جمن میں میر  
کرتے ہیں سب ہی اپنے طرفدار کی طرف

نظر کیوں گئی روو مو کی طرف  
نہ دیکھو کبھی موتیوں کی لڑی  
اگر آرسی میں صفائی ہے لیک  
چڑھے نہ کہیں کو دہیمہ مغز میں  
کھنٹا جائے ہو دل کسو کی طرف  
جو دیکھو میری گفتگو کی طرف  
نہیں کرتی تھہ اسکے رو کی طرف  
نہ کر شانہ تو گل کی بو کی طرف

اُسے ڈھونڈتے میر کھوٹے گئے  
کوئی دیکھے اس صبح کی طرف

بہتے ہی بہتے مار رکھا تھے جو ہم طرف  
بہارِ باغ و گل و لالہ دلربا بن حیف  
اے تجھ لغیر لالہ و باغ و بہار حیف  
ہے یار بھی ہمارا قیامت ستمِ طرف  
بھرے ہیں پھولوں سے حبیب اکنا لیکن حیف  
گل سے جمن بھرے ہوں نہ ہو تو ہزار حیف

### ردیف قاف

مہر قیامت چاہت آفتِ فتنہ فساد بلا ہے عشق  
عشق اللہ صیاد انھیں کیوں جن لوگوں نے کیا ہے عشق  
عشق سے نظم کل ہے یعنی عشق کوئی ناظم ہے خوب  
ہر شے یاں پیدا ہوئی ہے موزوں کر لایا ہے عشق  
عشق ہے باطن اس ظاہر کا ظاہر باطن عشق ہے سب  
اودھر عشق ہے عالم بالا ایدھر کو دنیا ہے عشق

دائرہ سائر ہے یہ جہاں میں جہاں تھاں تصرف ہے  
عشق کہیں ہے دل میں پنہاں اور کہیں پیدا ہے عشق

موج زنی ہے میر فلک تک ہر جگہ ہے طوفاں زرا  
سرتاسر ہے تلاطم جس کا وہ اعظم دریا ہے عشق

ارض و سما میں عشق ہے ساری چاروں اور پھر ہے عشق  
ہم ہیں جناب عشق کے بندے نزدیک اپنے خدا ہے عشق

ظاہر و باطن اول و آخر پائیں بالاعشق ہے سب  
نور و ظلمت معنی و صورت سب کچھ آب ہی ہوا ہے عشق

ایک طرف جبریل آتا ہے ایک طرف لاتا ہے کتاب  
ایک طرف پنہاں ہے دلوں میں ایک طرف پیرا ہے عشق

خاک و باد و آب و آتش سب ہے موافق اپنے تئیں  
جو کچھ ہے سو عشق بتاں ہے کیا کیسے اب کیا ہے عشق

میر کہیں ہنگامہ آرا میں تو نہیں ہوں جاہست تھا  
صبر نہ مجھے کیا جاوے تو صاف رکھو کہ نیا ہے عشق

یتاب ہے دل غم سے نہیٹ زار ہے عاشق  
وہ دیکھنے کو جاوے تو ہنر ہے درگزر نہ

رہتا ہے کھڑا دھوپ میں دود و دھواں کے  
اٹھتا نہیں تلوار کے سایہ کے تلے سے

کیا جا کے دوچار اس سے ہونا چاہے عاشق  
بد حال و تسمیدہ و بیمار ہے عاشق

بجرم سدا اس کا گنہگار ہے عاشق  
یعنی ہمہ دم مرنے کو تیار ہے عاشق

چسپاں ہیں ہوئے میر خریدار سے تنہا  
کیا جنس ہے معشوق کہ بازار ہے عاشق

### ردیف کاف تازی

اب رنج و درد و غم کا پہونچا ہے کام جاں تک  
آواز کی ہمارے غم حزن پر نہ جاؤ

رونا جہاں جہاں تو میں آرزو ہے لیکن  
اکثر صدر غم جو رہتا ہے عاشقی میں

آوارہ ہی ہوئے ہم سر مار مار لینی  
اے دائے بے نفیسی مرے بھی گزرے لیکن

نفع کثیر اٹھایا کہ عشق کی تجارت  
پر جو ملے سے شکوہ آیا نہیں زباں تک

یہ نالہ حزیں تو جلتے ہیں آسمان تک  
رو تا ہوں رو دیا باد کے میرے کنے جہاں تک

تصدیق درد و غم سے چٹنے کوئی کہاں تک  
نوبہ نکل گئے ہیں اپنے سب آشیاں تک

پیشانی تک نہ پہنچی اس خاک آستان تک  
راضی ہیں میرا تو ہم جان کے زباں تک

دل کی تڑپ نے ہلاک کیا ہے دھڑکے نے اسکی اڑائی خاک  
خسک ہوا خون آشک کے بدلے ریگ رواں سے آئی خاک

صورت کے ہم آئینہ کی سے ظاہر فقر نہیں کرتے  
ہوتے ساتے روتے پاتے اُن نے منہ کو لگائی خاک

پہنچ و تاب سے خاک بھی میری جیسے بگولا پھرنے لگی  
سر میں ہوا ہی اُسکے بہت تھی تب تو ہوئی یہ ہوائی خاک

ادب بار کسو کے دل کا کس انداز سے نکلے آہ  
روسے فلک پر بدلی سی تو ساری ہماری چھائی خاک

نمٹ رنگارنگ حق سے بہرہ بخت سید کو نہیں  
سانپ رہا گو گنج کے اوپر کھانے کو تو کھائی خاک

اپنے تئیں گم جیسا کیا تھا یاں سر پہنچ کے لوگوں نے  
عالم خاک میں ویسی ہی اب ڈھونڈنے اُن کی نہ پائی خاک

انس نہیں انسان سے اچھا عشق و جنوں اک آفت ہو  
فرق ہوئے کیا چھوڑے ہے آدم میں اُسکی جدائی خاک

ہو کے فیر گئی میں اس کی چین بہت سا پالہ ہم  
لے کے سر جانے پھر رکھا جائے فرش بچائی خاک

قلب گداز ہیں جھکے دے بھی مٹی سونا کرتے ہیں  
میر اکسیر بنائی اُنھوں نے جن کی جہاں سے اُٹھائی خاک

کیا ہم میں رہا گردش افلاک سے اب تک  
تھے تو خطوں کی خاک سے اجزا جو برابر

ماتر نظر چھار ہے ہیں لالہ صد برگ  
دشمن ہوئی ہے جبکے لیے ساری خدائی

ہر چند کہ دامن تئیں ہے چاک گریباں  
گو خاک سی اُڑتی ہے مرے منہ پہ جنوں میں

اوسے کپڑے تو بڑے ہوئے میر کو کئی دن  
پہنے ہیں کھاروں کے پڑے چاک سے اب تک

ہو سبز نکلتے ہیں تم خاک سے اب تک  
جھکل جھرے ہیں سب گل تریاک سے اب تک

مروط ہیں ہم اس بات بیاک سے اب تک  
ہم ہیں متوقع کعبہ جالاک سے اب تک

ٹپکے ہے ہموں بدہ منناک سے اب تک  
تن پر ہے شکن تنگی پوشاک سے اب تک

<p>دشت دشت لکے ہو گل تریاک یعنی آسودگی نہیں تہ خاک میں گریباں کروں کیونکر چاک میرے مانع ہوں کیا خصلت خاشاک یاں زبردستوں کی ہے کشتی پاک در خدا سے تو اسے بہتہ بیناک</p>	<p>مشاد افونیوں کا دل غمناک تین دن گور میں بھی بھاری ہیں ہاتھ پہنچانہ اس کے دہن تک تیز جاتا ہوں میں تو جوں سیلاب عشق سے ہاتھ کیا ملا دے کوئی بندگی کیشوں پر ستم مت کر</p>
<p>عشق مرد آزما لے آتش کار کیے فرما دو قیس میر ہلاک</p>	
<p>گر ہاتھ ملک ملا کے کوئی پہلوں ہلاک اس نیم جاں کے بدلے ہوا اک جہاں ہلاک ہلکان ہو کے ہو گا کبھو آسمان ہلاک عاشق خدا ہی جانے ہوا ہے کہاں ہلاک</p>	<p>اے عشق کیا جو مجھ سا ہوا ناتواں ہلاک میں چل بسا تو شہر ہی ویران سب ہوا مقصود کم ہے پھر تلہ جو رہتا ہے رات دن اس نظم کیش کی ہے طہر بگاہ ہر کہیں</p>
<p>جی میر نے دیا نہ ہوا لیک وصل یار انسوس ہے کہ مفت ہوا یہ جواں ہلاک</p>	
<p>جب رکھی نوبت تم نے تو گوش ہوش نہ کھولے ملک چپکے چپکے کسو کو چاہا پوچھنے آئے نہ بولے ملک</p>	
<p>اب جو چھاتی جلی فی الواقع لطف نہیں ہے شکایت کا صبر کر دیکھا ہوتا ہے یوں پھوڑیں دل کے پھوسے ملک</p>	
<p>اتھکیں کھولیں حال کے کہتے دیر ہوئی ہے بس یعنی ساری رات کہانی کہی ہے میر اب چل کر سولے ملک</p>	
<p>رولیف کاف فارسی</p>	
<p>رات کی بات کہیں ہم کس سے بے تہ یاں اکثر ہیں لوگ سرگرم بے راہ روی ہیں خود کم بے رہبر ہیں لوگ</p>	
<p>بہتر آپ سے پاؤں کسو کو تو ہیں اس کا عیب کہوں خوب تامل کرتا ہوں تو سب مجھ سے بہتر ہیں لوگ</p>	



لوہے کے ہیں شہر وفا کی راہ درسم کے ہم تو میر  
دل کے کئے جی دینے والے قاطبہ کھر کھر ہیں لوگ

کرتے ہیں دوڑنت ہی تماشائی یار الگ  
کیا ابلی اس جہن سے گئی ہے بہار الگ  
بٹھا ہے میری خاک سے اٹھ کر غبار الگ  
جاتا ہے جوں نکل کے کسو کا خسار الگ  
اب تک تو بارے اپنے ہیں جیب و کنار الگ  
کر لو تمام گوروں سے میری خزار الگ

رہتے ہیں اس سے لاگ پر ہم بھرار الگ  
تھا گرد بوائے گل سے بھی دامن ہو اکا پاک  
یاس اس کا بعد مرگ ہے آداب عشق سے  
ناگاہ اس نگاہ سے میں بھی ہوا نہال  
خونباری سے نہیں پڑی لو ہو کی چھینٹ بھی  
تا جانیں لوگ کشتہ ہجراں ہیں یہ غریب

بچتے نہیں ہیں بوزدگی سے گلوں کی میر  
گو طائران خستہ جگر ہوں ہزار الگ

وہ نہیں ملتا ایک کسو سے مرتے ہیں اودھر جا جا لوگ  
یعنی ضایع اپنے تئیں کرتے ہیں اُس بن کیا کیا لوگ

بھیسے غم ہجراں میں اس کے عاشق جی کھونٹھے ہیں  
برسوں مارے چرخ فلک تو ایسے ہوویں پیدا لوگ

زلحف و خال و خط سے اُسکے جہاں تھاں اب مبحث ہے  
عقل ہوئی ہے گم خلقت کی یا کہتے ہیں سودا لوگ

چار قدم چلنے میں اُس کے دیکھتے جاتے ہیں جو فلک  
فتنے سر کھینچا ہی کریں ہیں ایک قیامت برپا لوگ

دنیا جائے نہیں رہنے کی میر غر در نہیں اچھا  
جو جاگہ سے جاتے ہیں اپنی دے کرتے ہیں بجا لوگ

اردو لیت لام

دل دل لوگ کہا کرتے ہیں تم نے جانا کیا ہے دل  
چشم بصیرت داہودے تو عجائب دید کی جا ہے دل

اوج و موج کا آشوب اُس کے لیکے زیں سے فلک نکسے  
صورت میں تو قطرہ خوں ہے معنی میں دریا ہے دل

صحرا کو جیسے کشادہ دامن ہم تم کو مسنتے آتے ہیں  
بند کر آ نکھیں دکھ دیکھو تو ویسا ہی محسوس ہے دل

گو کہن و جنون و دامن جس سے پوچھو پتا دیوے  
عشق و جنوں کے شہروں میں ہر چار طرف سوا ہے دل

ہاے طیوری دل کی اپنے داغ کیا ہے خود کرنے  
جی ہی جس کے لیے جاتا ہے اُس سے بے پروا ہے دل

مست پوچھو کیوں زبیت کرو ہو مردے سے افسردہ تم  
ہجر میں اُس کے ہم لوگوں نے برسوں تک مارا ہے دل

میر پریشاں دل کے غم میں کیا کیا خاطر داری کی  
خاک میں لتے کیوں نہ پھریں اب خون ہو بھی گیا ہے دل

دل جو کھلا افسردہ تو جوں بے بہار گل  
سو کھٹے ہے دیرہ کے تو ہوتا ہے خار گل

آئی بہار نکلے جن میں مسند ار گل  
بستر سے اُس کے پھول تروتازہ رکھ کے دور

دیکھا کبھو نہ ہم نے سنا ہے نکلندہ میر  
داغ جنوں ہے سر پہ ہمیشہ بہار گل

ہے خزاں میں دل سے لب تک ہل لیا ہے گل  
تھے نہ پشانی میں اپنے سجدہ ہائے پائے گل  
شاخیں پر گل جھک گئیں یعنی بہت شرمائے گل  
اس حدیقے میں نقش پائے اُس کے پائے گل  
گور بردل سوزی سے جوں شمع سر رکھ لائے گل  
خوش زبان عشق کے جب بے پھر کے کھائے گل

صد ہزار افسوس اگر خالی پائی جائے گل  
بے نصیبی سے ہو لے ہم موسم گل میں اسیر  
دعویٰ حسن سرا پا تھا یہ نازاں مجھ کو دیکھ  
کیا گل قتاب دشت ہو گیا سمن کیا استرن  
بجیتے جی تو داغ ہی رکھا موئے پر کیا حصول  
بیدلی بلبل نہ کرتا تیر میں گو تو ہے داغ

اس جن میں جلوہ گر جس حسن سے خوباں ہیں میر  
موسم گل میں سہیل اس خوبی سے کب آئے گل

ہم تو اُس بن داغ ہی تھے سوا اور جی بلکہ کھا دی گل  
طرفہ تو یہ ہے اب منت سے گور یہ میرے لاکھ گل  
داغ جنوں ہو سر پہ ہمارے شمع کے رنگوں جا دی گل

رنگارنگ جہن میں بکے موسم گل میں آئے گل  
ہار نکلے کے ہو کر جیسے یاد رکھا تب عرصے میں  
اُسے شبنم گل میر ہیں کیا صبح بہار سے کیا حاصل

ہر لحظہ سے کمورتِ خاطر سی یار دل  
تر بند ہی خشک بند ہی ہو چکی  
جوں رنگ لائے سیبِ تن باغِ حسن میں  
باہر میں حد و صحر سے کھینچے جو غمِ الم  
لاکھوں عین کیے نہ بھی دل سے یار کے  
اُسکی نگلی میں صبحِ دلوں کا شکار تھا

کیا میسر پھر ثبات سے رو کو دل کریں  
ایسے نہیں گئے ہیں سکون و قرار دل

رکھتا نہیں ہے مطلق تابِ عتاب اب دل  
درو و فراق و لبر وے ہے فشارِ بیڑھب  
بے پردہ اُسکی آنکھیں شوخی جو کرتیاں ہیں  
آتش جو عشق کی سب چھالی ہو تن بدن پر  
جائتا ہے کچھ ڈہا ہی خانہ خراب اب دل  
ہو جائے جلکی خوں شاید ثبات اب دل  
کرتا ہے یہ بھی ترک شرمِ حجاب اب دل  
پہلو میں رہ گیا ہے ہو کر کباب اب دل  
غم سے گداز پا کر امیں بن جو یہ نہ نکلا  
شرمندگی سے ہو گا اسے میسر اب دل

مُرت سے اب وہی ہے مرا ہمکنار دل  
جو کیئے ہے فسرودہ و مہرہ ضعیف و زار  
دو چار دل سے راضی نہیں ہوتے و لبر  
خود غم ہے ناشکیب کد رہے مضطرب  
آزردہ دل ستمزدہ و بقیسار دل  
ناچار دیر ہم رہے ہیں مار مار دل  
شاید نسلی ان کی ہو جو تیں ہزار دل  
بکتک رکھوں گا ہاتھ تلے پر غبار دل

رہے میسر عشقِ حسن کے بھی جاذبہ کے تیں  
بھٹکتا ہے سوکے یار جو ہے اختیار دل

رویتِ میم

عشق ہمارے در پہے جاں ہے آئے گھر سے نکلا کر ہم  
سر پر دکھا یہی تلک ہے جاویں کیدھر چل کر ہم  
بل کھائے ان بانوں سے کب عمدہ برآہوتے ہیں ہزار  
تیکے کا سائل نکلا ہے ٹک جو چلے تھے بل کر ہم

	مست پوچھو کچھ پچھاتے ہیں کیا کہیے گھبراہٹ ہے جی تو لیا ہے پانس نفل میں دل ٹٹھے ہیں ڈل کر تم
بے تنگ دو کیا سیری ہو دیدار کے ہم سے تشنوں کو پانی بھی پی سکتے نہیں تنگ اپنی جگہ سے بلکہ ہم	
	عشق جو ہوتا واقع میں تو سیدھے جاتے تیغ تلے راہ ہوس کی پھرتی ہم نے یعنی چلے ہیں قلندر ہم
ہائے جوانی شور کنناں پا بوس کو اسکے پھرتے تھے اب چپ بیٹھ رہے ہیں کیسو ہاتھ بہت سے ملکر ہم	
	آگے تو کچھ اس کے آپس گرم شعلہ نشانی ہیں اب تو ہوئے ہیں میر اک ڈھیر سی خاکسری جگر ہم
	ڈول لگائے بہترے پر ڈھب یہ سمجھو نہیں آتے تم آنا کیسو کتب دیکھو ہو ایدھر آتے جاتے تم
ہر صورت کو دیکھ رہو ہو ہر کو بچے کو بھانکو ہو آگے عشق کیا ہوتا تو پھر نہ جی نہ کھیلتے تم	
	چاہت آفت الفت کلفت مہر و فنا و رنج و بلا عشق ہی کے سب نام ہیں یہ دل کاش کہیں نہ لگاتے تم
تساقوت ہو مرغان قفس کے آئے گھر صیادوں کے پھول اک دو نسکین کو ان کی کاش چمن سے لاتے تم	
	دو دلوں طرف کش رہتی تھی نیا نیا عشق اپنا دھوپ میں آتے داغ ہوئے تو گرمی سے گل کھاتے تم
کید مراب وہ کیرنگی جو دیکھ نہ سکتے دستنگی رکتے پاتے تنگ جو ہیں تو دیر تلک گھبراتے تم	
	کیا کیا شکلیں مجبولوں کی پردہ غیب سے نکلی ہیں منصف ہو تنگ لے نقاشاں ایسے چہرے بناتے تم
	نشاہ شب مستی میں تھاری گرم ہوئی تھیں آنکھیں کہیں

پیش از صبح جو آئے ہو تو آئے راتے ماتے تم

کب تک یہ دردیدہ نگاہیں غم آ آنکھیں جھکا لینا  
دلبر ہوتے فی الواقع تو آنکھیں یوں نہ پھیپاتے تم

بعد نماز دعائیں کیں سو مسکیر فقیر ہو گئے تم تو  
ایسی سنا جاتوں سے آگے کا شکر ہاتھ آٹھاتے تم

چاہ بھی بے پردہ ہوئی اب یارب کیدھر جاویں ہم  
کاش اجل ہیوقت ہی پہونچے ایک طرف مر جاویں ہم

اُسکی نگہ کی اچیلوں سے غش کرتے ہیں جگر داراں  
کیا بھر ننگا دل اپنا جو بجلی سے درجاویں ہم

صبر و قرار جو ٹک ہوئے تو بہتر ہیں بی طاقت بھی  
ہاتھ رکھے دل ہی پر کبتک او دھر اکثر جاویں ہم

خاک برابر عاشق ہیں اس کو چے میں ناچاری سے  
گھر ہوں خانہ خراہوں کے تو اپنے بھی گھر جاویں ہم

میر اپنی سب عمر گئی ہے سب کی بُرائی ہی کرتے  
سر پر آ یا جاتے کا موسم اب تو بھلا کر جاویں ہم

کیا کہیئے نہ مہارسی سنی اب بیٹھے رنج اٹھاؤ تم  
ہاتھ چلے تو عاشق زار کو خاکِ خوں میں لٹاؤ تم  
کس کو یاں پردا ہو کس کی ٹھہرو آؤ گجاؤ تم  
کیا مرزائی لالہ و گل کی پھر خاطر میں نہ لاؤ تم  
گل نے کہا جو خوبی سے اپنی پھر تو نہیں فرماؤ تم  
کیا کرے جو بیدست پانہ سوں کے ہاتھ آؤ تم  
بیٹھے ناز و غرور سے بکھرے بال اپنے بنناؤ تم  
قشے چھینو پوٹھی پڑھو زنا رکھے سے بندھاؤ تم

ہم تو یہی کہتے تھے ہمیشہ دل کو کہیں لگاؤ تم  
جھوٹھ کہا کیا ہمنے امیں طور جو اس ظاہر کی  
صبر کرو بیتاب رہو خاموش پھر و یا شور کرو  
ناز و غرور و بخت سارا چھو لوں پر نہ چین کا سو  
دالے کہ اُس بحر ال کشتے نے باغ سے جاتے ٹکٹ سنا  
دست پا بہتر سے مارے سر بھی پھوٹے صبر سے  
غم میں کھالے صورتِ خوش کی سیکڑوں کی سیکڑوں  
در پہ حرم کے کشود نہیں تو دیر میں جا کر کافر ہو

بود و ثبات رکھے تو یہ بھی اک بابت ہے میر  
اس صفحہ میں حرف غلط ہیں کاشکے ہو ٹھاؤ تم

کیونکر اڑ کر ہو چیں اس تک طربے پر ہیں ہم  
ہو گا ایک ہنگامہ بر یافتہ زیر سر ہیں ہم  
یاں کسے ڈھونڈو ہو ہم کیا جانے کیدھر ہیں ہم  
بیدل و بی طاقت و بیدین و بے دسبر ہیں ہم

کیا کریں کہیں میں ہم بے بس ہیں ہم بے گھر ہیں ہم  
سر نہ پالیں سے اٹھادیں کاٹے بیار عشق  
سوط لے جاتی ہے ہکھر پریشاں خاطر  
گمر نہ روئیں کیا کریں ہر جا سو ہے سیکسی

وہ جو رنگ بہ کبھی اس راہ سے نکلا نہ میر  
ہم نہ رکھتے تھے ستارہ یعنی بد اختر ہیں ہم

نہ جاتے اس طرف تو ہاتھ سے اپنے نہ جاتے تم  
کدھر وہ ناز جس سے سرخ و سرگز نہ لاتے تم  
گھڑی کے روٹھے کو دو و ہر تک کب جاتے تم  
لیکن ہوتیں نہ آنکھیں تو نہ آنکھوں کو پھیلاتے تم  
کسو کا بار منت بے علاقہ کب اٹھاتے تم  
کسو سے دل لگا جو پوچھتے ہوتے جاتے تم

کہا سنتے تو کا ہے کو کسو سے دل لگاتے تم  
شکیبائی کہاں جواب ہے جاتی ہوئی رحمت  
یہ حسن خلق تم میں عشق سے پیدا ہوا ورنہ  
نظر و دیدہ رکھتے ہو بھکی رٹھتے ہو پلوں کو  
یہ ساری خوبیاں دل لگنے کی میں مت براناؤ  
پھر کرتے تھے جب غم وراپنے حسن پر آگے

جو ہوتے میر سو سر کے نکر تے اک سخن اُن سے  
بہت تو بان کھاتے ہو ٹٹھ غصے سے جاتے تم

پھر ہو چکے وہیں کہیں گھر جا سکے نہ ہم  
اس تنگ نایس پاؤں بھی پھیلا سکے نہ ہم

اس کی گلی میں غش جو کیا آسکے نہ ہم  
سوئے تو غنیم ہو کسو گھن کے آس پاس

حال آنکہ ظاہر اُس کے نشان شش مت تھے میر  
خود گم رہے جو پھرتے بہت پاسکے نہ ہم

ہم نہ کہا کرتے تھے تم سے دل نہ کسو سے لگاؤ تم  
جی دینا پڑتا ہے اس میں ایسا نہ ہو پھیتاؤ تم

سو نہ نشی تم نے تو ہماری آنکھیں لگوں لگ پڑیاں  
رو رو کر سر دھتے ہو اب بیٹھے سرخ آٹھ اؤ تم

میر کہاں جو تسکین ہو دے بتابی سے چین کہاں  
ایک گھڑی میں سو سو بار او دھر سے ایدھر جاؤ تم

خواہش دل ہے چاہ کسو کی یہی سبب ہے کاش کا

ناحق ناحق کیوں کہتے ہو حق کی طرف دل لاؤ تم

ہر کوچے میں کھڑے رہ رہ کر ایدھر اُدھر دیکھو ہو  
ہائے خیال یہ کیا ہے تم کو جانے بھی دو اب آؤ تم

ناش نہ کرے راز محبت جانیں اس میں جاتی ہیں  
درد دل آنکھوں سے ہر ایک کے تاملہ ور چھپاؤ تم

قدر و قیمت اس سے زیادہ میر تمھاری کیا ہوگی  
جسکے خواہاں دونوں جہاں ہیں اُسکے ہاتھ بکاؤ تم

ماہیت

تنظیم کہ کھینچے الم برالم  
علم بازی آہ جاناکاہ سے  
جو سوسرے ہو اوانوں میں  
کئی بار آیا دھڑلطف سے  
ترحم کہ مت کرستم برستم  
سے ٹوٹتے ہی غم بر غم  
عبث کھاتے ہو تم قسم بر قسم  
عطا پر عطا ہے کرم پر کرم

خطرناک تھی وادی عشق میر  
گئے اس پہ بھی ہم قدم بر قدم

## روایت نون

اُس بے نشان کی ایسی ہیں چندیں نشانیاں  
کس رنج و غم میں گزری ہیں اپنی جوانیاں  
بر باد کیا گئی ہیں مری جانفشانیاں  
خوش آگئیں ہیں اُسکی مجھے بد زبانیاں  
دل ہی میں خوں ہوا کیں مری نکتہ دانیاں  
تجکو جو اُن سے عشق تھا میری نمانیاں  
پھر اور ہے اُٹھتی نہیں سرگزینیاں  
عالم تو کاروان ہے ہم کاروانیاں

تاروں کی جیسے دیکھی ہیں آنکھیں ٹانیاں  
پیری ہے اب تو کیسے سو گیا کیسے سہنیں  
قسم و قسم سے خون کیا پھر دبا دیا  
میں اک چھپر چھپر کے کھاتا ہوں گالیاں  
سنا نہیں ہے شعر بھی وہ حرف ناشنو  
باتیں کوٹھ قیب کی ساری ہو میں قبول  
مجلس میں تو خفیہ ہوئے اسکے واسطے  
عالم کے ساتھ جائیں چلے کس طرح نہ ہم

سرفرتہ سخن نہ میر کا قصہ خواب ہے  
نیندیں اچھلتیاں ہیں سنے یہ کہانیاں

مزا میں ہے لوگے کیا کم تر میں  
کسو کا نگر دل رکھا تھا جس میں  
نہ دشمن بھی ہو دوستی کے تو میں  
دعا سے یہ بہتوں کی کھینچے ہر قسم  
ہوئی ابھی برسات تب اس بر میں  
بھولے عمر عشق اک ایک نس میں  
اٹھا دی ہیں سے تنے اب اسی میں  
نہ کھایا کرو چھوٹی چھوٹی تو قسمیں

ساتے ہو آتے ہوا ہل موس میں  
درا میں کہاں شور ایسا و ہر اٹھا  
ہمیں عشق میں بے بسی بے کسی ہے  
نہ رہ مطلقن تشنہ باز فلک سے  
بہت روئے پر دے میں جب دیدہ تر  
تن زار لاغریں ظاہر کریں ہیں  
محبت و فاجر کرتے تھے باہم  
تھیں ربط لوگوں سے ہر قسم کی ہے

ہوا ہی کو دیکھے ہیں یہ میر اسیرال  
لگا دیں مگر انکھیں چاک قفس میں

طرف گلزار کے آیا حیل میں  
چمن میں غنچہ پیشانی رہا میں  
ہوا تھا اس ٹھٹھی آن سے جدا میں  
ہوا ہوں ایک مدت میں رہا میں  
بہت کرتا رہا دار و دوا میں  
ہوا تھا شہرہ جب نام خدا میں

غم حیراں میں بھرا کر اٹھا میں  
شگفتہ خاطری اس بن کہاں تھی  
کسو سے دل نہیں ملتا ہے یارب  
تعارف ہم صغیروں سے نہیں کچھ  
گیا صبر آخر آزار دہی پر  
نہ غنقا کا کہیں نام و نشان تھا

ہوا تھا میر مشکل عشق میں کام  
کیا پتھر جگر تب کی دوا میں

رہتی ہے غلش نالوں سے میری دل شب میں  
جاتے ہیں چلے آگے سے آتے نہیں دھب میں  
کو تا ہی نہ کی دلیروں کے ہم نے ادب میں  
چلتے ہیں تر و خشک بھی مسکین کے غضب میں

فریاد سے کیا لوگ ہیں دن ہی کو عجب میں  
حسرت کی جگہ ہے نہ کہ سبز ان گل ادم  
اُفتادگی پر بھی نہ چھو ادا سن اُنھوں کا  
سرخوت نکل نشت کی جو سرخ ہوا چھیں

پایا نہ کنھوں نے اسے کشش کی بہت میر  
سب سا لک و مجذوب گئے اسکی طلب میں



<p>اے اس گھر پہ جاں دیتے ہیں ہم آنکھوں کو زبان دیتے ہیں ملنے رخصت کے پان دیتے ہیں بدلے اسکے جہان دیتے ہیں یہ سمجھو انگ و ان دیتے ہیں نہیں اس کا نشان دیتے ہیں</p>	<p>اُس کو دل سا مکان دیتے ہیں کیونکہ خوشنواں ہوویں اہل چین نہ خطاں پھیریں ہیں منہ یعنی جان کیا گو ہر گرامی ہے ہندو بچوں سے کیا معیشت ہو یہ عجب گم ہوئے ہیں جسکے لیے</p>
<p>اگل خواباں میں میسر نہیں ہم کو غیروں میں ان دیتے ہیں</p>	<p>پلیں پھری ہیں کھنچی بھویں ہیں ترکھی تیکھی نگاں ہیں اس ادبش کی سادگی دیکھو شوخی سے ہم حیا ہیں ہیں</p>
<p>کیا ہنسا و خوش آتا ہے ان لڑکے جیساں پوشوں کا موندھے چسے ہیں چولی پھنسی ہو پیرھی ٹٹھی ٹٹھا ہیں ہیں</p>	<p>ضبط گریہ دل سے ہو تو کوزے میں دریا کرنا ہے حوصلہ داری جکی ہو ایسی عشق میں انکو سرا ہیں ہیں</p>
<p>جب سے جدا میں اُن سے ہوا ہوں حال عجب افسردہ چشم تر سے پلکیں ہیں آنسو خشک لبوں پر آہیں ہیں</p>	<p>دل ہے داغ جگر ہے ٹکڑے رہ جاتے ہیں چپکے سے چھاتی سرا ہے اُن لوگوں کی جو چاہت کو تباہ ہے ہیں</p>
<p>دل اگلے ان بالوں میں تو آخر سودا ہوتا ہے کو بچے کو زنجیر کے یعنی زلفوں سے دو راہیں ہیں</p>	<p>یہ بھی سماں خوش ترکیبوں کا میرتا اپنے دل سے گیا سوئے سے اٹھکر آنکھیں ملی ہیں لے انکڑائی جہاں ہیں</p>
<p>صبر کیا ہے برسوں ہم نے رات سے بے طاقت سے ہیں اور گزارا کب تک ہو گا کچھ اب ہم رخصت سے ہیں</p>	<p>رہیم لطف نہیں ہے مطلق شہر خوش محبوباں میں</p>

دیکھے کم جو کرتے کسو پر عاشق ہم مدت سے ہیں

عشق کے دین اور مذہب میں مرجانا واجب آیا ہے  
کو کمین و مجنون مو سے اب ہم بھی اسی ملت سے ہیں

لنا نفروں سے اُن کا پھوٹا کر مسیری صحبت میں

پھر متفر بھی یہ بے تہ مجھ سے کی صحبت سے ہیں

فرصت اُن کو کم ہے اگرچہ پر ملتے ہیں قیاب پر  
برسوں میر سے مل دیکھا ہے کچھ و کم فرصت ہیں

پر اس قسم سے بامزہ لطف و کرم نہیں  
اب قابل اعتماد کے قول و قسم نہیں  
آئینہ رکھ کے سامنے دیکھا تو دم نہیں  
یاں بار غم سے خم ہوواں بھونوں غم نہیں  
یا لو ہو روتے رہتے تھے یا چشم نم نہیں  
یہ التفات اُن نے جو کی ہے سو کم ہیں

ہر چند میر سے حق میں کچھ اسکا قسم نہیں  
درویش جو ہوئے تو کیا اعتبار سب  
حیرت میں سکتے سے بھی مر حال ہوئے  
مستثنیٰ کس قدر ہیں فقیروں کے حال نے  
شاید جگر کا کام تمامی کو کھینچ گیا  
غم اُس کا کچھ نہیں ہیں گولوں کو کہیں

کہنے لگا کہ میر تھیں بچوں کا کہیں  
تم وہ بچو نہ کہیں غلام اُسکے ہم نہیں

دل جلتے کچھ بن نہیں آتی حال گرہ تے جاتے ہیں  
جیسے چراغ آخری شب ہم لوگ نرہ تے جاتے ہیں

رنگ ثبات چمن کا اڑایا باد تندر خزاں نے سب  
برگ و بار و نورس گل کے غنچے جھڑتے جاتے ہیں

طینت میں ہے نیاز جھنوں کے سجود اُن کی سب آریں  
خاک جو یہ پامال ہے اُس سے سرگور گرہ تے جاتے ہیں

راہ عجب دریش ہے ہم کو یاں سے تنہا جانے کی  
یا روہدم و ہمرای ہر کام بچھڑتے جاتے ہیں

ضعف دماغ سے اُفتاں خیزاں چلتے ہیں ہم راہ ہوس  
دیکھیں پیش آوے اب تو گرہ تے پڑتے جاتے ہیں

قد کو اپنے حشر خرام کے ایک نہیں لگ سکتا ہے  
سرور وان باغ جہاں ہر چند اکڑتے جاتے ہیں

میر بلانا ساز طبیعت لڑکے ہیں خوش ظاہر بھی  
ساتھ ہمارے راہ میں ہیں پھر سے لڑتے جاتے ہیں

مشق نے ہم کو مار رکھا ہے جی میں اپنے تاب نہیں  
دل کو خیال صبر نہیں آنکھوں کو میل خواب نہیں

کوئی سبب ایسا ہو یا رب جس سے عزت رہا دے  
عالم میں اسباب کے ہیں پر پاس اپنے اسباب نہیں

خط نہیں ہے دل کا اب من مارے تم کیوں پھرتے ہو  
لینے والا چاہیے اس کا ایسا تو کیا اب نہیں

خط کے جواب نہ کہنے کی کچھ وجہ نہ ظاہر ہم پہ بھولی  
دیر ملک قاصد سے پوچھا منہ میں اُسکے جواب نہیں

روتاروت شمار کا مجھ کو آٹھ پہر اب رہتا ہے  
یعنی میر گناہوں کو کچھ حصہ و حد حساب نہیں

زنگ شکستہ دل ہے شکستہ سر پہ شکستہ مستی میں  
حال کسو کا اپنا سا اس میخانے میں خراب نہیں

مٹھیں میر کسو جاگہ ہم دلو قرار جو تک آدے  
ہو کے فقیر اس در پر بیچیں سکے بھی ہم باب نہیں

کیا کچھ نہ ہم بھی دیکھ چکے ہجر بار میں  
جو ہے رواروی ہی میں ہی اس دیار میں  
انگڑایاں ہی لیتے ہیں اُنیک نما میں  
لگ لگ اٹھی ہے آگ سفن کو مزار میں  
مٹتے ہیں دم نہیں کسی تیرے شکار میں  
باقہ ہے ایک نیلی کا سوکس قطار میں  
ایک عندلیب کیا ہے کہوں میں تہا میں

آنکھیں سفید دل بھی جلا انتظار میں  
و نیا میں ایک دو نہیں کرتا کوئی مقام  
دیکھی تھیں ایک روز تری مست آنکھوں میں  
اٹک تھا دل نہ تھا مرا جس سے تیرے زیریں  
بیدم ہیں دا نگاہ میں اکدم تو چلکے دیکھ  
محل کے تیرے گرد ہیں عمل کنی ہزار  
شوراب چین میں میری غزنی کا ہی میر

طلب ہے کام دل کی اسکے بالوں کی سیری میں  
گم غزلت میں اس ابرو کماں کی بواصر یعنی  
نظیر اسکی نظر آئی نہ سیاحت عالم کو  
حزینہ واز ہے مرغ چمن کی کیا جنون اور

جوانی میں نہ رسوائی ہوئی تا مہیہ عزم کتنے  
ہوئے اطفال تہ بازار گاہک ہی کے سیری میں

دل کی تہ کی کمی نہیں جانی کیے تو جی ماریں ہیں  
رنگ کر بھٹ ہمیں جو آنکھیں رد کی ہی دو دھاریں ہیں

حسرت شناس نہ تھے جب تم تو بے پریش تھا بوسہ لب  
ایک اک بات کی مشاقوں سے سو سواب تکراریں ہیں

عشق کے دیوانے کی سلاسل ملتی ہے تو ڈریں ہیں ہم  
بگڑے پیل مست کی سی زنجیروں کی جھلکاریں ہیں

وے بھولوں جید ہر ہوں خمیدہ اور دھڑکا ہے خدا حافظ  
یعنی جو ہر وار جھکی خونریز کی دو تلواریں ہیں

دے دے جن لوگوں کو پھرتے آنکھوں پہنے دکھا ہے  
مہ نظر تک آج آنکھوں کی گرد شہر مزاریں ہیں

بیچ و تاب میں بل کھا کھا کر کوئی مے یاں ان کو کیا  
داں وے لیے مشاہدہ کو کیسواں ہی اپنے سوار ہیں

برے بڑے تھے گھر جن کے یاں آمار انکے ہیں اب  
مہر شکستہ دروازے میں گری ٹری دیواریں ہیں

عزلی شہر کے بازار میں آئیٹھے ہیں  
روشن عاشق و مشتوق جدا آئیٹھے ہیں

تین خوشوار تلے یار کے جا بیٹھے ہیں  
دل سا گھر آنتی آہوں سے جلا بیٹھے ہیں

اور سب خیر سے ہم ہاتھ اٹھائیٹھے ہیں

حسن کیا جنس ہے ہی آسپہ لگا بیٹھے ہیں  
ہم وے ہر عند کہ ہچانہ ہیں دونوں لیکن

ان ستم کشوں کو ہے عشق کہ اٹھ کر کیا  
کیونکہ یاں اُس کا خیال آئے کہ آگے ہی ہم

پیش رو دست و عا ہے وہی شے خواہیں ہر

ساری رات آنکھوں کے آگے ہی مرے رہتا  
باغ میں آئے ہیں برکس گل تر بن کیسو  
گو کہ وسے چاند سے کھڑے کو بھپا بیٹھے ہیں  
غنچہ پیشانی دولنگ و نصف بیٹھے ہیں  
کیا کہوں آئے کھڑے گھر سے تو اک شوخی ہے

قافلہ قافلہ جاتے ہیں چلے کیا کیا لوگ  
میسر غفلت زدہ حیران سے کیا بیٹھے ہیں

نغمہ کیے اور دھڑدھڑ ہوئے جاتے ہیں ڈر سے سبکداریاں  
کیونکہ بیٹھے اس رستے میں ہم سے آہ گراںباراں  
جی تو بھٹا دیکھ آئینہ ہر لوح مزار کا جامہ نما  
پھاڑ گریباں تنگدلی سے ترک لباس کیا یاراں  
کی ہے عمارت دل کی جنہوں نے اُنکی بنا کچھ رکھی رہی  
اور تو خانہ خراب ہی دیکھے اس بستی کے مساراں

مینا نے میں اس عالم کے لغزش پرستوں کی نہ جا  
سکر میں اکثر دیکھے ہم نے بڑے بڑے یاں ہشیاراں  
کیا ستھراؤ شفا خانے میں عشق کے جا کر دیکھیں ہیں  
ایہ مراد و صریکڑوں ہی برداشت بام تھے بیماراں

بعد صبحی گھگھکاتے گھگھکاتے باچھیں پھٹ بھی گئیں  
یار بھوگی قبول کبھو بھی دعاے صبح گنہگاراں  
عشق میں ہم سے تم سے کہیں تو کھپ جاویں غم کسکو ہے  
مارے گئے ہیں اس میدان میں کیا دل والے جگر داراں

حاکم شہر حسن کے ظالم کیونکہ ستم ایجاد نہیں  
باری ہماری کیا باری خاطر سے فرشتوں نے کی  
خون کس کا کوئی کمرے والی داؤ نہیں یا نہیں  
ذکر ہمارا اُس سے کیا سو کہنے لگا کچھ یا نہیں  
عالم عشق خرابہ ہے واں کوئی گھر آباؤ نہیں  
کوہ رہیں گونا لال برسوں لیکن بن فرماؤ نہیں  
عشق کوئی ہمدرد کہیں مت میں پیدا کرتا ہے

لڑنا کا داکے سے فلک کا پیش پا افتادہ ہے  
میسر طلسم غبار جو یہ ہے کچھ اُس کی بنیاد نہیں

جینے کی اپنے ہم بھی کوئی طرح کا لیں  
حیران کار یارب ہم کیا ڈول ڈالیں  
واں لگ چلے ملک کو اسکو بھی یہ لگالیں  
ان شکر میں لبوں کے ہونٹھوں کچھ فرالیں  
وزر دیدہ دیکھنے میں دل دیکھتے چرالیں  
دستِ مطلق اپنے سر سے مرے اٹھالیں  
یوں چاہئے کہ ویر دیوئیں سے دعا لیں  
آئیں نہیں سمجھ میں ان دیروں کی چالیں

تدبیر کوئی تباہی جو آپ کو سنبھالیں  
قالب میں جی نہیں ہے اس بن ہمارے گویا  
عشر میں داد خواہاں چاہیں کس سے چاہیں  
طالع نہ ذائقے کے اپنے کھلے کہ ہم بھی  
خوش چشم خبر ویاں دیدہ دریاں ہیں کتنے  
عشق و جنوں سے جی تو تنگ گیا ہر کاش اب  
خونریزی سے ہماری اچھا ہے ہاتھ اٹھانا  
چلتے ہیں ناز سے جب بھوکے گئے دل کو

منت ہزار کرے مانے منے نہ ہر گز

میرا یہ درد کو ہم کس طرح سے سنالیں

میکشی صبح و شام کرتا ہوں  
کوئی اکام یوں ہے کتنا

فاقہ مستی مدام کرتا ہوں  
میں بھی اب یک کام کرتا ہوں

یا تو لیتا ہوں داد دل یا اب

کام اپنا تمام کرتا ہوں

ملنے کے دن جب یاد آتے ہیں سدھ بدھ بھوے جاتے ہیں  
بخود ہو جاتے ہیں ہم تو دیر بخود پھر آتے ہیں

### رویت واو

میں خوش ہوں اسی شہر سے میخانہ جہاں ہو  
وسک جمع ہوئے پر میں بلا شانہ جہاں ہو  
اب جا کے رہو وال کہیں رسوا نہ جہاں ہو  
غش آتا ہے لوگوں کو یہ افسانہ جہاں ہو  
اس بزم میں جاسم سا پروانہ جہاں ہو  
ہے جی میں وہیں جا بیوں ویرانہ جہاں ہو

دل کھتا ہے وہاں حجت زندانہ جہاں ہو  
ان کھڑے ہوئے بالوں سے خاطر ہی پریشاں  
رہنے سے مرے پاس کے بدنام ہوئے تم  
کچھ حال کہیں اپنا نہیں بخود می تحب کو  
کیوں جلتا ہے ہر جمع میں مانند دیے کے  
ان اجڑی ہوئی سبتیوں میں دل نہیں لگتا

وحشت ہے خرومندوں کی صحبت مجھے میر

اب جارہوں گا وال کوئی دیوانہ جہاں ہو

پاس تو ہے جسکے دے ہی کل کہیں گے دور ہو  
پانوں اسکے آنکھوں پر رکھ لیوں جو منظور ہو  
اسکو ویرانہ نہ کہیے جو کبھو متصور ہو  
شیشہ مے پاس ہووے اور وہ مخمور ہو

اپنے حسن عارضی پر کج مت مغرور ہو  
دیکھ کر وہ راہ چلتا ہی نہیں ٹھک ورنہ ہم  
شہر دل کی کیا خرابی کا بیاں باہم کریں  
ہم نفل اس سنگدل سے کا شکے اسدم ہو

عشق دلکش ذبح ہی پر کھیل قدرت کا ہی میر  
صرف کرے اس میں اپنا جب قدر مقدور ہو

دوستی جس کو لوگ کہیں ہیں جان سے اسکو خصوصت ہی  
ہو جاوے جو تم کو کسی سے تا مقدور چھپاتے رہو

عاشق ہو تو اپنے تئیں دیوانہ سب میں بناتے رہو  
چکر مارو جیسے بگولا خاک اڑاتے آتے رہو

دل گلنے کی چوٹ بری ہے اس صدمے سے خدا حافظ  
بارے سخی و کشش کو کشش سے جی کو اپنے بچاتے رہو

آلی بہار جنوں ہو مبارک عشق اللہ ہمارے لیے  
نعل جڑے سینوں پہ پھر و تم داغ سروں پہ جلاتے رہو

شاعر ہومت چکے رہو اب چہ میں جانیں جانی ہیں  
بات کرو ابیات پڑھو کچھ بیتیں ہم کو بتاتے رہو

ایر سیہ قبلے سے آیا تم بھی شیخو پاس کرو  
تحقیقی تلک لٹ پٹی باندھو ساختہ ہی مروتاتے رہو

کیا جانے وہ مائل ہووے کب ملنے کا تم سے میر  
قبلہ و کعبہ اُس کی جانب اکشر آتے جاتے رہو

کہیں اپنے رونے سے فرصت ہے مجکو  
مگر کو چہ گردی سے الفت ہے مجکو  
ترے عشق میں دم غنیمت ہے مجکو  
کہاں بات اٹھانے کی طاقت ہے مجکو  
جیا اب تلک کیونکہ حیرت ہے مجکو

کیا فرض ہستی کی رخصت ہے مجکو  
پھروں ہوں ترے عشق میں کو چہ کو چہ  
کہاں زندگی مدت العمر ظالم  
نہ کر شورناصح بہت تا تو اں ہوں  
ہیں سباب مرنے کے سب تیرے غم میں

دل اتنا ہے آشفۂ خورشید رو کا کہ اپنے بھی سائے سے وحشت ہے محکو

کڑھوں ہوں گا من مانا میر صاحب

نعم یار میں کیا فراغت ہے محکو  
کیا غیرت سے دل پر تنگ رنج و غم نے دنیا کو  
رہا ہر ایک عالم اور دنیا داروں میں اُس کا  
ہمیشہ رونا کڑھنا سینہ کو بی ہر زماں کرنا  
منسا میں نے کہ آخر ہاتھ اٹھایا اُس نے دنیا سے  
بس تو مٹھل گئیں میں آنکھیں دیکھا ہم نے دنیا کو  
کیا ہے بیوفا معلوم سب عالم نے دنیا کو  
عزا خانہ کیا دل کے مرے ماتم نے دنیا کو  
اگر پایا بھی محنت کر کسو ہمد نے دنیا کو

ز میں سے آسمان تک میر ہے شور جنوں میرا  
تہ و بالا کیا دونوں میں اسل و دم نے دنیا کو

کیا کچھ ہم سے ہمد ہے تم کو بات ہماری اڑا دو ہو  
لگ پڑتے ہیں ہم تم سے تو تم اوروں کو لگا دو ہو

کیا روویں قدر و قیمت کو ہمیں سے ہے معلوم ہیر  
کام ہمارا پاس تمہارے جو آتا ہے بہا دو ہو

اتنی تو جا خالی رہی ہے نرم خوش میں تمہارے سوا  
جن کو کہیں جاگہ نہیں ملتی پہلو میں اُن کو جا دو ہو

از تنگ تو جاوے دل سے ہمارے غیر سیہ رو بدگو سے  
کھینچے نا ایسی ایک لگاؤ تیغ ستم کی جا دو ہو

صحبت گرم ہماری تمہاری شمع پینگے تکی سی ہے  
یعنی ہو دلسوز جو کوئی اُس کو تم تو جلا دو ہو

رنگ صحبت کس کو دکھاویں خوبی اپنی قسمت کی  
ساغرے دشمن کو دو ہو ہم کو زہر منگا دو ہو

بند نہیں جو کرتے ہو تم سینے کے سوراخوں کو  
جی کے رکن میں ان رخنوں سے شاید دل کو ہوا دو ہو

آنکھ جھپک جاتی نہیں تنہا آگے چہرہ روشن کے  
ماہ بھی بیٹھا جاتا ہے جب منہ سے نقاب اٹھا دو ہو



غیر سے غیریت ہے آساں لیکن تہ کچھ ہم کو نہیں  
بات بتاویں کیا ہم تم کو تم تو ہم کو بتا دو ہو

میر حقارت سے ہم اپنی چپ رہ جاتے ہیں جان چلی  
طوں ہمارے گھٹنے کو دے کر جیسے چراغ بڑھادو ہو

کہتے نہ تھے ہم تم سے دل ہاتھ سے مت دیجو  
اُن پلکوں کی کاوش سے زخمی ہو چکا سارا  
کیا جان لیے جبکہ جانا سے چھپنا نہ تھا  
دل غمت شکستہ دل دل بے غم زخمی دل

اس راہ سے کرتا ہے دل کسب ہوا کا ہے  
میرے پھٹے سینے کو زہن سار نہ تم سیجو

بات کہوں کیا چپکے چپکے دیکھو ہو آئینے کو  
دیکھتے ہو تو دیکھو ہمارے جلتے تو سے سینے کو

کیا جانو تم قدر ہماری مسرود وفا کی لڑکے ہو  
لو ہو اپنا ویں ہیں تمہارے گرتے دیکھ پسینے کو

پھر ایام غم کا مجھ کو بہت کڑھ صبا آتا ہے نظر  
تم بھی غنیمت جانو میاں دس دن کے میرے جینے کو

وہ جو غیرت مہ لٹا ہے غیر سے ہم میں غیرت کش  
نشال ہمارے جی کا ہو گا ظاہر کوئی نہیںے کو

نحس دل آنکھوں سے گرا سو ٹکڑا عمل کا تھا گویا  
نصیب کروں گا میر جگر پر خوش رنگ ایسے بگینے کو

ابراہیم یا زور غیرت تم بھی ٹھک پیدا کرو  
پائے کو باں دست افشاں آن کر سودا کرو  
ایک جا تو جی لگاؤ دل کے تئیں بجا کرو  
خرقہ صد چاک پہنو آپ کو رسوا کرو  
کچھ ہمیں پروا نہیں ہے تم اگر پروا کرو

صوفیاں غم وا ہوئے ہیں ہائے آنکھیں واکرو  
مستی و دیوانگی کا عہد ہے بازار میں  
ہر جگہ دلکش ہے اُسکی برگ گل سے جسم میں  
ہے تکلف ہے تعین اس قصب پوشی کی قید  
گرچہ ہم پر لبتہ طائر ہیں پرے نکھائے تر

موسم گل آیا ہے یا رو کچھ میری تدبیر کرو  
یعنی سایہ سرد گل میں اب مجھ کو زنجیر کرو

پیش سعایت کیا جائے ہے حق ہے میری طرف سو ہے  
میں تو چپ بیٹھا ہوں کیسو گر کوئی تفسیر کرو

کان لگا رہتا ہے غیر اس شوخ کہاں ابرو کے بہت  
اس تو گناہ عظیم پہ یار و ناک میں اُس کے تیر کرو

پھر دیے ہیں دل لوگوں کے مالک نے کچھ میری طرف  
تم بھی ملک اسے آہ و نالہ قلوب میں تائید کرو

آگے ہی آزدہ ہیں ہم دل میں شکستہ ہمارے سب  
حرف رنجش پنج میں لا کر اور نہ اب دلگیر کرو

کیا ہو غوغا رت منعم اے معا خیرانی ہے  
بن آوے تو گھر دیراں درویشوں کے تمہید کرو

عاشق ہو ترسا بچکاں پر تا کیفیت حاصل ہو  
اور کشود کار جو چاہو پیسہ مغاں کو پیسہ کرو

شعر کیے موزوں تو ایسے جن سے خوش ہیں صاحب دل  
رویں کر ٹھہیں جو یاد کریں اب ایسا تم کچھ میر کرو

کیونکر مجھ کو نامہ خط ہر حرف پہ پنج و تاب نہ ہو  
سو سو قاصد جان سے جاویں ایک کو ادھر سے جانتے ہو

گل کو دیکھ گئے نکاشن کے دروازے ہی سے پھر آیا  
کیا دل نیٹھے اُس سے بھلا جو صحبت ہی کا باب نہ ہو

مستی خرابی سر پر لائی کعبے سے اٹھ دیر گیا  
جس کو خدا نے خراب کیا ہو پھر وہ کیونکر خراب نہ ہو

خلع بدن کرنے سے عاشق خوش رہتے ہیں اس خاطر  
جان و جاناں ایک ہیں یعنی پنج میں تن جو حجاب نہ ہو

۱۔ میر تقی میر سے تیر اٹھ بت کہ سے سے کہنے گیا کیا کرے جو خدا خراب کرے +

اشتم و خطاب و چین بر چین تو حسن ہے مگر خساروں کا  
وہ محبوب خشک ہوتا ہے جس میں ناز و عتاب نہ ہو

میں نے جو کچھ کہا کیا ہے حد و حساب سے افزوں ہے  
روز شمار میں یارب میرے کہے کیے کا حساب نہ ہو

صبر لائے عشقی پر جو جہلہ والے کرتے ہیں  
رحمت ہے اُس خستہ جگر کو دل جس کا بیتاب نہ ہو

اجس شب نکل دیکھا ہے ہم نے صبح کو اُسکا منہ دکھا  
خواب ہمارا ہوا ہوا ہے لوگوں کا سا خواب نہ ہو

نہیں چین کی بھر رکھیں ہیں گویا بادۂ لعلیں سے  
بے عکس گل و لالہ اتنی ان بویوں میں آب نہ ہو

اُس دن میں تو متانہ ہوتا ہوں کوئی کو حیر گدا  
جسدن کا سہ چوبیس میں میرے یک جرعہ بھی شراب نہ ہو

تہ داری کچھ دیدہ تر کی میر نہیں کم دریا سے  
جوشاں شور کناں آ جاوے یہ شعلہ سیلاب نہ ہو

تم کو ہم سے آگ لگی ہے روتے ہیں تو سنتے ہو  
ہم نے کمر کو کھول رکھا ہے اپنی کمر تم کرتے ہو

رج گو ہر مال نہیں کچھ دیں دیر بستہ مصرگر  
تو بھی ایسی قیمت یر تم آگے ہمارے سستے ہو

رستے راہ میں دیکھ لیا ہے بستی میں سے نکلے تمھیں  
کیا جانیں ہم روز و شب تم کیدھر رستے بستے ہو

ایر کرم کی راہ تکو اب رحمت حق پہ نظر رکھو  
گو کہ تم اسے متاں مجرم اس غم سے دل خستے ہو

پیری میں بھی جوان رکھا ہے دختر تہک کی صحبت نے  
یعنی پی پی کے انگوری میر ہوئے کٹ مستے ہو

راہیں رُکے پڑاں سے ملاقات ہو تو ہو  
خاموشی ان لبوں سے کوئی بات ہو تو ہو

ان سے بچاؤ اس کی عنایات ہو تو ہو  
ان راتوں ہی میں ملنے کی بھی رات ہو تو ہو  
حُسنِ عمل کی داں بھی مٹا فات ہو تو ہو  
شیخوں کی کالیوں میں کرامات ہو تو ہو  
مسجد ہو یا کہ کعبہ خرابات ہو تو ہو  
رنج و غنا کہ دشمنِ جانِ عزیز ہیں  
نوسید و صل و دل نہیں شہائے ہجر میں  
اُمید ہے کہ اُس سے قیامت کو پھر ملوں  
تحقیقی سبیلے پس رہن و کنگھی اور کلام  
ساقی کو چشمِ مست سے او دھڑے دیکھنا

منکر نہیں ہے کوئی سیادت کا میر کی  
ذات مقدس اُن کی ہی ذات ہو تو ہو

مرہ واکر و تمہیں غش ہے کیا کبھو حال پر بھی نظر کرو  
یہی حال ہمیشہ رہا کیا تو مال پر بھی نظر کرو  
کہیں دل بھی ان کے آگے نہیں شوق میں ہر کمال کچھ  
ہوئے ہو جو زفتہ خرام کے تو جمال پر بھی نظر کرو

نہ بنے جو دلبر سادہ تو نہ بھلا گئے مری آنکھوں میں  
نہیں سادگی ہی میں لطف کچھ خط و خال پر بھی نظر کرو

### رویت ہائے ہوز

ہائے ستم ناچار معیشت کرنی پڑی ہر خار کے ساتھ  
جان عزیز گئی ہوتی کاش ابکی سال بہار کے ساتھ  
کس آوارہ عشق و جنوں کی اک مٹھی اب خاک اُڑی  
اُڑتی پھرے ہے پس محلِ جوارہ کی گرد و غبار کے ساتھ  
وہ غلط نہیں جاتا جی سے آنکھ لڑی تھی جب اس سے  
چاہ نکلتی تھی باتوں سے چتون بھی تھی پیار کے ساتھ

جی مارے شبِ مہ میں ہمارے قمر کیا مشاہد نے  
بل کھائے بالوں کو دیابل اُسکے گلے کے ہار کے ساتھ

کیا دن تھے جو سکو تنہا کہیں کہیں بل جاتا تھا  
اب تو گئے ہی رہتے ہیں اغیار ہمارے یار کے ساتھ

ہم ہیں مریض عشق و جنوں سختی سے دل کو مت توڑو  
نرم کرے ہیں حرف و حکایت اہل خرد بیمار کے ساتھ

دیدہ تر سے چشمہ جوشاں ہے جو قریب اس نے واقع  
تو ہی رود چلے جلتے ہیں لگ کر جیب و کنار کے ساتھ

دیر سے میں بیمار محبت ہم سے قطع اُمید کرو  
جائیں ہی جاتی دکھیں ہیں ہم نے آخر اس ناز کے ساتھ

روئے سے سب سر بر آئی خاک ہمارے سر پر میسر  
دلت میں ہم تک لگ بیٹھے تھے اُس کی دیوار کے ساتھ

آب اُس کے پوست میں ہے جوں سیوہ رسیدہ  
دنبالہ گردی تیری اسے آہوئے رسیدہ  
وے کس فرے کے ہو گئے بہائے ناکیدہ  
مفسور کا ہے پر ہے شمشاد قد کشیدہ  
جلتے ہوئے زمیں پر رکھ پاؤں دیدہ دیدہ  
منہ پر ترے چمن میں گلہائے نو دیدہ  
ہو وقت کیا ہے طاعت قذاب ہوا خمیدہ  
خاموش رات کو تھی شمع زباں بریدہ  
بولا کی میرے منہ پر کیا کیا دہن دریدہ  
وہ اس شمع کشی پر ہم سے ہوئے کبیدہ

اب کچھ فرے پر آیا شاید شوخ دیدہ  
آنکھیں ملا کھو تو کب تک کیا کروں میں  
پانی بھرا یا منہ میں دیکھے جھونکے یارب  
سائے کو اس پر ہی کے لگنا نہ تھا جمن میں  
آنکھیں ہی کچھ رہی ہیں اہل نظر کی سیکر  
چل سیر کرنے تو بھی تا صبح آنکھیں کھولیں  
حراب میں رہو نہ سجدہ کیا کرو نہ  
پردانہ گرد پھر کر جل بھی بکھا و لیکن  
دیکھا مجھے شب گل بسمل نے جو چمن میں  
قلب و کبد تو دونوں تیروں سے چمن ہے ہیں

اشعار میسر سب نے جن جن کے لکھ لیے ہیں  
رکھیں گے یاد ہم بھی کچھ بیشیں چیدہ چیدہ

لے جاتے دل کو خاک میں اس رود ساتھ  
سر چھوڑتے رہا کیے اکثر سب کے ساتھ  
آنکھیں چلی گئیں ہیں لگی آج جو کے ساتھ  
رکھتا ہے لطف ناز بھی زوئے نگو کے ساتھ  
بالیدگی نہ خلتی ہوئی اس نو کے ساتھ

ہم جانتے تو عشق نہ کرتے کسو کے ساتھ  
مستی میں شیخ شہر سے صحبت عجب رہی  
تھا عکس اُس کے قامت و کش کا باغ میں  
نازاں ہو اُس کے سامنے کیا کل کھلا ہوا  
ہم زرد کاہ خشک سے نکلے ہیں خاک سے

گردن بلند کرتے ہی ضرب اٹھا گئے  
ہنگامے جیسے رہتے ہیں اُس کو چے میں سدا  
خنجر رکھے ہے اُس کا غلاقہ گلو کے ساتھ  
ظاہر ہے حشر ہوگی نہ ایسے غلو کے ساتھ

مجرورج اپنی چھاتی کو بخیہ کیا بہت  
سینہ گتھا ہے میر ہمارا رنو کے ساتھ

جان چلی جاتی ہے ہماری اسکی نظر کے ساتھ  
شاہد عاشق کے دل دونوں پاس ہی حاضر ہیں  
ابنا اسکا ظاہر ہے پڑ مرہ لایا پان نہ کھرو  
کیا روماء دغور کو لیکن جھکا اسکا دکھا دول ہوں  
یعنی چشم شوق لگی رہتی ہے شگافت در کے ساتھ  
پہروں پہروں خشک لبی رہتی ہی چشم ترک کے ساتھ  
جی ہی نکل جاو گیا اپنا پونہیں ذوق خبر کے ساتھ  
روز و شب کچھ ضد سی ہوئی ہر جگہ کوشش کے ساتھ

سینہ خالی آج پڑا ہے میر طرف سے پہلو کے  
دل بھی شاید نکل گیا ہے روتے خون جگر کے ساتھ

گل گل شگفتہ سے ہوا ہے نگار دیکھ  
اب وہ نہیں کرم کہ بھرن پڑنے لگ گئی  
آ نکھوں کو تیری عین کیا سب نے دیدنی  
محتاج گل نہیں ہو کر سب ان غم کشاں  
آ نکھیں اُدھر سے موند لیں ہیں بتو شرط ہو  
خالی پڑا ہے خانہ دولت و زبر کا  
یک جرم ہدم اور پلا پھر ہمار دیکھ  
جوں بر آگے لوگوں کے دہن ہمار دیکھ  
تو سب سے ٹاک تو پھیرے آنکھوں کو ہمار دیکھ  
گلزار اشک خونیں سے جیب و کنار دیکھ  
پھر دیکھو نہ میری طرف ایک بار دیکھ  
باور نہیں تو آصف آصف پکار دیکھ

خواہش نہ ہوئے دل کی جو حاصل تو موت ہے  
احوال میر دیکھ نہیں جی تو مار دیکھ

پیدا ہے یا خدا نہیں اس ولہر با کے ساتھ  
لمتار ہا کشادہ جہیں خوب وزشت سے  
گو دست لطف سر سے اٹھائے کوئی شفیق  
تدبر ووتاں سے ہے بالکس فائدہ  
کی کشتی اسکی پاک زبردست عشق نے  
اوباش لڑکوں سے تو بہت کر چکے معاش  
کیا جانوں میں جن کو لیکن تھیں پہ میر  
دیرو حرم میں ہو کہیں ہو ہے خدا کے ساتھ  
کیا آئینہ کرے ہے بسریاں حیا کے ساتھ  
دل کا لگاؤ اپنا ہے دست دعا کے ساتھ  
ہے درو عاشقی کو خصوصیت ووا کے ساتھ  
جن نے ملائے ماٹھ ٹاک یکاں ہا کے ساتھ  
اب عس کاٹے گا کو میرزا کے ساتھ  
آتا ہے برگ گل کھجو کوئی صبا کے ساتھ

عز و وقار کیا ہے سو خود تما کے ہاتھ  
بٹھلا دیا فلک نے ہمیں نقش پا کے رنگ  
ہم نکھول میں آشنا تھا مگر دیکھا تھا کہیں  
دیکھ اُسکو مجھ کو یاروں نے حیران ہو کسا

دل کی گرہ نہ ناخن سیر سے نکھلی  
آئینہ کھلے گا میری شکل کشا کے ہاتھ

### رولیت یا عے تختانی

رات کو تھا کعبہ میں بھی شیخ حرم سے لڑائی ہوئی  
سخت کدورت بیچ میں آئی صبح تلک نہ صفائی ہوئی

تمت رکھ مستی کی مجھ پر شیخ شہر کئے لایا  
وہ بھی بگڑا حد سے زیادہ شکر بات بتائی ہوئی

شیشہ اُن نے گلے میں ڈلو اشتر میں سب تشہیر کیا  
ہائے سیر و عاشق کی عالم میں کیا رسوائی ہوئی

کیسی شکلیں سامنے آویں مڑگاں دا او دھرنہ کروں  
حور پری پر آنکھ نہیں پڑتی ہے کسو کی لگائی ہوئی

حوصلہ داری کیا ہے اتنی قدرت کچھ ہے خدا ہی کی  
عالم عالم جہان جہاں جو غم کی ہم میں سمائی ہوئی

دیکھ کے دست و پائے بگاریں چپکے سے رجحان کیوں  
منہ بولے ہے یارو گویا منہ دی اس کی رچائی ہوئی

دل میں درد جگر میں طعین سر میں شور آشفتنہ دماغ  
کیا کیا رنج اٹھائے گئے ہیں جب سے اُن جلتی ہوئی

ہفتم چرخ سے او دھرنہ ہو کر عرش کو پہنچی میری دعا  
اور رسائی کیا ہوتی ہے گو کہ کہیں نہ رسائی ہوئی

دو دو مل سوزناں محبت تھو جو ہو تو عرش پر ہو

دور بچھے گی یعنی جا کر عشق کی آگ لگائی ہوئی

یہ یہ بلائیں سر پہ ہیں تو آج موئے کل دوسرا دن

یاری ہوئی بیماری ہوئی درویشی ہوئی تنہائی ہوئی

اتنے لوگوں میں چشمِ کسو کی قہر قیامت آفت ہے

تم نے دیکھی نہیں ہے صاحبِ آنکھ کوئی شرابی ہوئی

جب موسم تھا واہونے کا تب تو شگفتہ تک نہ ہوا

اب جو بہت افسردہ ہوا ہے دل ہے کلی مرجھائی ہوئی

اُسکی طرف جولی ہم نے ہے اپنی طرف سے پھر عالم

یعنی دوستی سے اُس بت کی دشمن ساری خدائی ہوئی

ہم قیدی بھی موسم گل کی کب سے توقع رکھتے تھے

دیر بہار آئی ابھی پہ اسیروں کی نہ رہائی ہوئی

کہنا جو کچھ جس سے ہو گا سامنے میرا کہا ہو گا

بات نہ دل میں پھر گئی ہو گی مُنہ پر میرے آئی ہوئی

مچکوا مارا بھلا کیا تو نے پروفا کا بُرا کیا تو نے

حسرتیں سکی سرِ شکستی ہیں مرگِ فر باد کیا کیا تو نے

وہ جو کہتا تھا تو ہی کر یو قتل

میر کا سو کہا کیا تو نے

آنکھوں کی طرف گوش کی درپردہ نظر ہے

یہ راہ و روشِ سرو گشتاں میں نہ ہو گی

یہ راویہ عشق ہے البتہ ادھر سے

وہ ناوکِ دل دوزخ ہے لاگو مرے جی کا

میں پھیل پڑی مدتِ ہجراں کہ یہ پوچھو

کیا جان کہ جسکے لیے مُنہ موڑتے تم سے

تجھسا تو سوار ایک بھی محبوب نہ نکلا

شبِ شور و فغاں کرتے تھی مجکو تو اب تو

کچھ یار کے آنے کی مگر گرم خبر ہے

آتشِ قامت و لحیپ کا اندازِ زگر ہے

بچکر بھل اے پیل کہ یاں شیر کا ڈر ہے

تو سامنے ہو بہم اگر تجکو جگر ہے

میر سال ہو ایک گھڑی ہو پہر ہے

تم او چلے داعیہ کچھ تم کو زگر ہے

جس دُشمن خود کام کو دیکھا سو غر ہے

دمِ شش پہ لکھا ہی مرے چہرے قہر ہے



اب لکھتے ہیں اس میں تو جی ہی کا مہر ہے  
کیا ساتھ نزاکت کے رگ گل ہی مہر ہے  
اے آہ سحر گاہ اگر تجھ میں اثر ہے  
ہر حرف میاں دار پیمبر و سپر ہے

سوچے تھے کہ سودا محبت میں ہو کچھ سود  
شانے پہ رکھا مار جو پھولوں کا تو بچکے  
کر کام کسود میں گئی عرش پہ تو کیا  
پیغام بھی کیا کرے کہ او بانش ہے ظالم

ہر بیت میں کیا میر تری باتیں گتھی ہیں  
کچھ اور سخن کر کہ غزل سلاک گتھی ہیں

گھر ہے کسو گوشے میں تو کڑی کا گھر ہے  
کیا جائیے اب لے دل یار کو مہر ہے  
روشن ہے ترے پھر سے تو گرم مہر ہے  
دنداں بچکر دست بدل دلغ بسر ہے  
جو آنسو مری آنکھ سے گر رہا ہے شر ہے  
ہم خانہ خراہوں کو تو یاں گھونو نہ در ہے  
ظاہر ہے کہ بیمار اجل روز بستر ہے  
بد خیم کسو شخص کی شاید کہ نظر ہے  
کچھ شورش ہنگامہ محشر میں خبر ہے

کیا خانہ خرابی کا ہیں خوف و خطر ہے  
میلان نہ آئینہ کا آسکو ہے نہ گل کا  
لے شمع اقامت کدہ اس بزم کو مت جان  
اس عاشق دیوانہ کی مت پوچھ معیشت  
کیا آگ کی چنگاریاں سینے میں بھری ہیں  
ڈرجان کا جس جا ہے وہیں گھر بھی ہو اپنا  
کیا پریش احوال کیا کرتے ہو اکثر  
دہشتی ہیں المناک ہی تھے آنکھیں جو ابھی  
دیدار کے مشتاق ہیں سب جبکہ اب انکی

سب چاہتے ہیں رشد مرالوں تو بڑے میر  
شاید نہیں اک عیب ہے مانع کہ نہر ہے

کیا کہنے کچھ بن نہیں آتی جنگل جنگل ہو آئے  
پھا نہ میں جا کے پھولوں کی ہم عشق و جنوں کو رو آئے  
دل کی تلاش میں اٹھ کے گئے تھے شاید یاں پیدا ہو شو  
جان کا اپنے گرامی گوہر اس کی گلی میں کھو آئے

آہوئے عرفاں صید آنھوں کا گر نہ ہو انقصان کیا  
اُس عالم سے اس عالم میں کسب کمال کو جو آئے

کچھ کہنے کا مقام نہ تھا وہ داہوتا تو کہتے کچھ  
آہانہ آنا کیسا تھا وال ہوتے ادھر ہم گواہ آئے

سب کہتے تھے چین کرے گا کچھ بھی نہ دیکھا جس نہ سستی  
پتھر رکھ کے سر ہانے ہم تک اُنکی گلی میں سو آئے

کیا ہی دامنگیر تھی یارب خاک بسمل گاہ وفا  
اُس ظالم کی تیغ تلے سے ایک گیا تو دو آئے

سردینا ٹھہرا کر ہم نے پاؤں کو باہر رکھا تھا  
ہر سو ہو دشوار ہے پھر نامیہ را دھرا تو آئے

بر سے ہر عشق اپنے دیوار اور در سے  
حفظ رکھ الہی اسکو نظر گزر سے  
گردہ اُنکی دیکھیں کھ جلتی ہے کوھر سے  
ہوتی نہیں ہے اتوں تکین دل خبر سے  
وہ رو سے خوب ہرگز جاتا نہیں نظر سے  
بے لاگ میر سے جی کو اُس شوخ کی کر سے  
کوئی رکھی نہ تھی مرغا چمن کے پر سے  
سیراب ابر ہوئے دیکھے ہیں چشم تر سے  
کیا طائر گلستاں ہیں نالہ کش اثر سے  
رجھوار ہو تو پوچھے کوئی ہیں ہنر سے

جوں ابر بکیا نہ روئے اُسے ہیں گھر سے  
جمہور راہ اُس کی دیکھا کرے ہے اکثر  
وحش اور طیر اکھیں ہر سو لگا رہے ہیں  
شاید کہ وصل اُسکا ہووے توجی بھی ٹھہرے  
دُرت سے چشم بستہ بیٹھا رہا ہوں لیکن  
گو ہاتھ وہ نہ کوئے دل غم سے خون کرنا  
یہ گل نیا کھلا ہے بے بال تو نفس میں  
دیکھو نہ چشم کم سے یہ آنکھ ڈبڈبائی  
گلشن سے رقص تک واز ایک ہی ہے  
ہر ایک خراش ناخن جیسے صد تک ہی

یہ عاشقی ہے کیسی ایسے جو گے کب تک  
ترک و فاکر و ہو مرنے کے میسر ڈر سے

ہووے پیوند زیں یہ رستی  
سمع گے او پر پھری ہے مردنی  
مجھے اک دم کے لیے کیا مر سنی  
ہر زمان کرتا رہا ہوں جاں نسی

بسکہ ہے مگر دونوں پروردنی  
نرم میں سے اب تو جلانے رشک صبح  
میں حیدر اغ صبح کا ہی ہوں نیم  
مجاہد کش محبت میں نہیں

کچھ گدا شاعر نہیں ہوں میر میں  
تھا مرا سر عشق دیوان غنی

۱۔ مرزا جو طائر غنی خط کشیر کا عظیم المثال کمال فارسی زبان شاعر ہیں نے عالم جوانی میں بحالت شور و سرگشتہ میں  
انتقال کیا۔ ۱۲

لے دل شرط ہی جواب لاوے  
مبادا محب کو بھی گڑا بناوے  
ہوا کھاوے کہا آنے نہ پاوے  
لکھے گہڑی کل تیوری چڑھاوے  
وہی جاوے جو لوہوں میں نہاوے  
جو اہل ل ہو تو آنکھیں بچھاوے  
بہت مت کرو تو جی چلاوے  
عجب کیا ہی جو پاس اپنے بلاوے

بسان برق وہ جھپکے دکھاوے  
اڑا تا گڈی وہ یا پر نہ آوے  
صبا سے میں جو لگ چکر گیا ہاں  
نزاکت سے بہت سے کم دماغی  
یز نگاہ اس کشدے کی کلی ہے  
نہ پوچھو فرش رہ کیا ہوئے اسکا  
بلا غور سپہ آتشیں خو  
پڑا تر پا کیا میں دوپہر دن

بتان دیر سے ایسی نہیں لاگ  
خدا ہی ہو تو کہے میسر جاوے

لکھتا ہوں تو پھر سے ہے کتابت ہی ہی  
تھی اپنے خاندان تمنائیں اک یہی  
قاعدے جا کے یار سے کچھ اور ہی کسی  
کنے لگا کہ مارو اسے یہ تو ہے وہی

کیا خط لکھوں میں نے سے فرصت نہیں ہی  
میدان غم میں قتل ہوئی آرزو سے وصل  
اپنا لکھا ہے یاد مجھے میری بات بھول  
شب شور کرنے میں جو ساجت کی تنگ ہو

مت نہ نکھرام تو داغوں سے ساز کر  
اسے زخم کہنے میسر کی خاطر ہی ہیں سی

کہاں رحمت حق کہاں بیگناہی  
تزارنگ شعلہ مرارنگ کماہی

ذبح شیخ اتنا بھی وہاں ہی تھا ہی  
لوں کیونکہ ہر رنگ ہو تجھے لے لے

مجھے میسر تاکو رکھنا دیا تھا  
تمنا سے دل نے تو یاں تک نباہی

عجب ہیں لوگ جو کہتے ہیں وہ اسارا تا ہے  
ہیں بھی آج روزا درد دل پرواز آتا ہے  
کہہ توں کہ جسکے اوپر وہ سہرا پانا آتا ہے  
اُڑے ہے تو بھی ہاتھوں ہی میں سرور آتا ہے  
کوئی مغرور وہ شوخی سے اپنی باز آتا ہے

ادھر طرب کا عود ہی رنگ کب طناز آتا ہے  
خبر ہے شرط اتنا مت برس لے ابر بارندہ  
اُٹھے سے گرد مشوقا نہ اس ترب سے عاشق کی  
عجب رنگ خاطر ہے دست آموز خوابان کا  
وہی نازاں خراماں کبک سا آیا مری جانب

رہاں یہی ہے دشوار کب صیا دھوڑے ہے  
اسیر دام ہو طائر جو خوش آواز آتا ہے

اگر مسجد سے آؤں میر تو بھی لوگ کہتے ہیں

کہ میخانے سے پھر دیکھو وہ شاہ بازار آتا ہے

اُس کے رنگ چین میں شاید اور کھلا ہے پھول کوئی

شور طیور اُٹھتا ہے ایسا جیسے اُٹھے ہے بول کوئی

یوں پھرتا ہوں دشت و دریں دور اس سے میں گزشتہ  
غم کا مارا آوارہ جوں راہ گیا ہو بھوں کوئی

ایک کہیں سر کھینچے ہے ایسا جسکی کریں سب پاؤسی

ہو ہر اک کو قبول دلہا یہ نہ کرے گا قبول کوئی

کس اُمید کا جگر اسے دل چاہ میں اُسکی حصولِ خواہ

شوخی و شلا میں خوش زبیاں سے رہتا ہے مامول کوئی

لپٹنے اس کے بالوں کا میں وصف لکھا ہے دور تک

طرف مار تو طولانی تھا پھر بھی دے ہے طول کوئی

مستی حسن پرستی زندگی یہی عمل ہے مدت سے

پیر کیسے ہوئے تو کیا ہے چھوٹے ہے معمول کوئی

حشر و حکایت شکر و شکایت تھی تو اک وضع و تیرہ پر

میر کو جا کر دیکھا ہم لے ہے مرد معقول کوئی

پتا پتا بڑا بڑا محال ہمارا جانے ہے

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

گلنے نہ دے بس ہو تو اُس کے گوہر گوش کو بانے تک

اُسکو فلک چشم ہم و خور کی پتلی کا تارا جانے ہے

آگے اُس مشکبہ کے ہم خدا خدا کیا کرتے ہیں

کب موجود خدا کو وہ مغرور خود آرا جانے ہے

ماشق سا تو سادہ کوئی اور نہ ہو گا دنیا میں

جی کے زیاں کو عشق میں اُس کے اپنا دارا جانے ہے

چارہ گری بیماری دل کی رسم شہرِ حسن نہیں  
ورنہ دبیر ناداں بھی اس درد کا چارا جانے ہے

کیا ہی نیکار فریبی پر سرور ہے وہ صیادِ بحیرہ  
طاہر اڑتے ہوا میں سارے اپنی اسارا جانے ہے

مہر و وفا و غنایت ایک سے واقف نہیں نہیں  
اور تو سب کچھ طنز و کنایہ رمز و اشارا جانے ہے

عاشقِ نورِ مردہ ہے ہمیشہ جی اٹھتا ہے دیکھے اُسے  
یار کے آجانے کو بیکارِ یک عمر دوبارا جانے ہے

کیا کیا فتنے سر پر اس کے لاتا ہے مشوق اپنا  
جس بیدلِ بیتاب و توں کو عشق کا مارا جانے ہے

رشتوں سے دیوارِ چین کے منہ کو لے ہے چھپا یعنی  
ان سوراخوں کے تک رہنے کو سو کا نظار ا جانے ہے

آتشِ غول ہے اپنا کتنا میسر بھی نادانِ تلخی کش  
و مدارِ آبِ تیغ کو اُس کے آبِ گوارا جانے ہے

چال ایسی چلا جس پر تلوار چلا کی ہے  
چسپاں مری چھاتی سے دن رات رہا کی ہے  
اس تیغ کی جدول بھی کیا تینر بہا کی ہے  
مہر میں مرے ہر دم اک آگ لگا کی ہے  
یہ لطف نہ ہوا کسی رنگینی ہوا کی ہے  
گو اُن نے جفا کی ہے ہم نے تو وفا کی ہے  
اس درد کی مدت تک ہم نے بھی دوا کی ہے  
ہو موم جو تھپھر تو تائیدِ خدا کی ہے

جب جل گئے تب اُن نے کینے کی ادا کی ہے  
خلقت مگر اُلفت سے ہے شورشِ سینہ کی  
ہم لوگوں کے لوہو میں ڈوبی ہی رہی اکثر  
عشاقِ مونے پر بھی بھراں میں معذب ہیں  
صد رنگ بہاراں میں ابکی بوکھلے ہیں گل  
مرنے کو رہے حاضرِ سوارے گئے آخر  
مایوس ہی رہتے ہیں بیمارِ محبت کے  
آنا دھر اُس بت کا کیا میری تشش سے ہے

وامان دراز اس کا جوں صبح نہیں ٹھینچا  
اسے میریہ کوتاہی شب و دستِ دعا کی ہے

۱۰ میرہ کسکو لاگی کہ نہ لوہو میں ڈوبیا کسکو؟ اسکی شمشیر کی جدول بھی مہا کیا کیا کی +

کہاں ہم کہاں تم کہاں پھر جوانی  
مری سرگزشت اب ہوئی ہے کہانی  
کھینچے صورت ایسی تو یہ ہم نے مانی  
ہی ہم سے ہے جب نہ تب اینچا تانی

ہو ان دنوں ہم سے اک رات جانی  
نہایت کردوں ہوں تو سونے لگے ہے  
اداکھینچ سکتا ہے ہر سزا اُس کی  
ملاقات ہوتی ہے تو کشمکش سے

بستی قبا پر ترے مر گیا ہے  
اکفن مسکرت کو دیکھو زعفرانی

عاشق کہیں شتاب تو ہووے خدا کرے  
پریش کش سوتے حال کی تیری بلا کرے  
لازم ہے تلو ان ہی کا پانی بھر کرے  
مرغ نہیں اگر حق صحبت ادا کرے

بے اُسکے تیرے حق میں کوئی کیا دعا کرے  
اے سرد مہر کوئی مرے رہ تو گرم ناز  
داغ بہت وسیع ہے آنکھوں کالے حجاب  
اگر کچھیرے پھول مری مشت خاک پر

پتھر کی چھاتی چاہیے ہے میر عشق میں  
بھی جانتا ہے اُس کا جو کوئی وفا کرے

دریاد ریاضہ تاہوں میں صحرائے وحشت ہے  
بیکھڑا کر وہ دیکھتے تو یہ بھی اُسکی مروت ہے  
دیکھتے اُسکی اور نہیں پھر عشق کی یہ بھی غیرت ہے  
یعنی بلبلان سے ہیں ہم دم بھی اپنا غنیمت ہے  
بائے کھونا کام ہی ہوا کام کی بھی کچھ صورت ہے  
اسی صورت حال اُسکی اپنے ان دونوں کو حیرت ہے  
قدر نہیں کچھ اس بندے کی یہ بھی خدا کی قدرت ہے  
آج کس کو ہمیش کی شاید دل سے ہمارے رخصت ہے  
وہ غم و یہ رنج کشیدہ آہ سہرا یا حسرت ہے

عالم عالم عشق و جنوں ہے دنیا دنیا تہمت ہے  
ہم تو عشق میں کس ٹھہرے کوئی نہ ایدھر دیکھتے کا  
ہائے غیور ہی جسکے دیکھے جی ہی نکلتا ہے اپنا  
کوئی دم رونق مجلس کی در بھی ہر اُس دم سے ساتھ  
خطائے ظاہر ہے پھر بکڑی بھی اٹھی صورت نشی  
ایک ورق پر تصویریں میں بھی ہیں ملی جنوں کی  
خاک کو اوم کر کے اٹھایا جسکے دست قدرت نے  
صبح سے آئینہ دیدار جیسے ودا اے آٹا کھتا  
کیا دلکش ہر نرم جہاں کی چاہیے جیسے کچھو

جب کچھ اپنے کئے رکھتے تھے تب بھی صرف تھا لڑکھٹا  
اب جو فقیر ہوئے چہرے یہ میر نہیں کی دولت ہے

عشق کیا سو جان چلی ہے افست تھی یا لفت تھی  
کوئے کئے ہیں سب انصاف یہ محبت تھی یا محنت تھی

	اب تو نڈھال ٹپے رہتے ہیں ضیعت ہی اکثر رہتا ہے آنے لگے اُس کے کوچے میں جبک جی میں طاقت تھی
اب حیات وہی نہ جس پر خضر و سکندر مرتے رہے خاک سے بنے بھرا وہ چشمہ یہ بھی ہماری سمیت تھی	آنسو ہو کر خون جگر کا میتا بانہ آیا تھا شاید رات شکیبائی کی جلد بہت کچھ رخصت تھی
	جب سے عشق کیا ہے میں نے سر پر میرے قیامت ہے ساعت دل گلنے کی شاید غس ترین ساعت تھی
	یاری کرے جو چاہے کسو سے غم ہی غم یاری میں ہے بے موقع یاں آہ و فغاں ہے بے اثری زاری میں ہے
ہاتھ لیے آئینہ تجھ کو حیرت سے رعنائی کی ہے بھی زمانہ ہی ایسا ہر کوئی گرفتاری میں ہے	باغ میں شب جو روتا پھرتا ہوں اُس بن میں سوچ تلک دانہ اشک روش شبنم کے گل پر ہر کیاری میں ہے
صورتیں بگڑیں کتنی کیوں نہ اُسکو توجہ کب ہے وہ سامنے رکھے آئینہ مصروف طر حداری میں ہے	میر کوئی اس صورت میں اُمید بھی کی کیا رکھے ایک جراحت سینے کی میرے ہر زخم کاری میں ہے
کیا جانوں میں ڈوگا کیسا دریا چڑھتا آتا ہے بیگانے تو میں ہی ہم سے ناؤ کا چاہ کا ناتا ہے	دل بھی بھرا رہتا ہے میرا جی بھی زندہ کچھ جاتا ہے صبح ہو وہ جو کہا کرتا ہے کون ہی تو کیا تجھے نہیں
رہج کش افقت ہے عاشق جی ایسا بہلاتا ہے اندزی اندر سینے میں میرے دل کو کوئی کھاتا ہے	تو بلبل زردہ نہ ہو گل بھول سے باغ بہاراں میں عشق و محبت کیا جانوں میں لیکن اتنا جانوں ہوں
	عاشق اپنا جان لیا ہے اُن نے شاید میرا نہیں دیکھ بھری مجلس میں اپنی ہم ہی سے شرانا ہے
جس کو شہ ہو وہ نہ ہرگز جی کے ہمارے جالے سے	اُس مغرور کو کیا ہوتا ہے حال شکستہ دکھائے سے

کیا پوچھو کہ کئی قیامت سر پر رکھے لگائے سے  
وحشتِ نیر خورشیدِ غم اپنے بھی مجھ کو سائے سے  
یا اب تنگ آئے آتا ہو پاس ہمارے آئے سے  
شاید دل ہو تسلی اسکا زخم دگر کے کھائے سے  
کلفت اُلفت جاتی رہی کیا جو دم کے اٹھائے سے  
نیچی آنکھیں کیے پھرتے ہو مجلس میں شرائے سے

کیسا کیسا ہو کے جدا پہلو سے اُس بن تر ہے  
میں تجر دے میں اپنے روزِ جہاں سے گزرتا ہوں  
ہر کوئے و ہر بزن میں یا ہر پردہ جو یاں تھا  
ایک جرات کیا تسکین دے موت کے صید تین  
ریخ و عنابر درو بلا پر صبر کیے ہم بیٹھے ہیں  
اول تو آتے ہی نہیں ہو اور کچھ جو آتے ہو

بھگڑا تاز و نیاز کا سن کر بے مزہ ہم سے تم تو ہوئے  
میر سخن کو طول نہ دو بس بات بڑھے ہی بڑھائے سے

روزے رکھے غریبوں نے تو دن بڑے ہوئے  
ایسا نہ ہو کہ اکھڑیں کہیں دل گڑے ہوئے  
پھرتے ہیں نقل سینوں پر اپنے جڑے ہوئے  
بچھ پھیرا دھڑ سے پھیر ہو جیسے لڑے ہوئے  
دروازے ہی کی اور تکیں ہیں پڑے ہوئے  
رہتے ہیں جیسے صورتِ دیوار اڑے ہوئے

گردشِ دلوں کی کم نہ ہوئی کچھ کڑے ہوئے  
نرمی سے کوئے یا میں جاوے تو جانسیم  
آہن دلوں نے مارا ہے جی غم میں اُنکے ہم  
آئے ہو بعد صلح کچھ تاڑے تو یاں  
بیارِ امید وار سے بستر پہ اپنے ہم  
بار اُس کی نرم میں نہیں ناچار در پر ہم

ہم زیرِ تیغ بیٹھے تھے بروقت قتل میر  
وئے ملک ہمارے پاس نہ آکر کھڑے ہوئے

ابرِ بہاری وادی سے اٹھکر آبادی پر آیا ہے  
نائے اسکے فلک تک پہنچے کن نے استو شایا ہے  
اد و تم میرے درت و سخن نے جاوے اور بجا یا ہے  
کام کی صورت بگڑی ہماری منہ کیوں تنے بنایا ہے  
لوگ جو پریش حال کریں ہیں جی تو انھوں نے کھایا ہے  
ہمنے تو کل بخت کیا ہے نامِ خدا سراپا ہے  
ناموں کی سکی کیونکہ ہے پرِ داجن نے اٹھا یا ہے  
جیسا نہال لگایا ہمنے ویسا ہی بھل پایا ہے

عہدِ جنوں ہے موسمِ گل کا اور شگوفہ لایا ہے  
سنگِ میرے شورِ شب کو جھنجھلا کر وہ کہنے لگا  
دکھن اتر پورٹ کچھ بنگا نہ ہے سب جاگہ  
بے چشم و رو ہو بیٹھے ہو وجہ نہیں ہے ظاہر کچھ  
ظلم و ستم سہل ہیں اسکے مجھے اُٹھتے ہیں کہ نہیں  
ہو کے فقیر تو داں بیٹھے ہیں تہ ہیں تراف جہاں  
ہوں ہم درویش ہے پردے میں زیاداری کے  
دھوڑ پھر نکالا تھا جو اسے سو اچھو بھی ہم ٹھو بیٹھے

سلا ایں دغیاں دریشِ بختِ نازند : آنکہ خبر شد خبرش باز نیامد ۱۲



	میر غریب سے کیا ہے معارض گوشے میں سواہی کے ایک دیا سا بجھتا اُن نے داغ جگر پہ جلایا ہے
	دل کی لاگ بری ہوتی ہے رہ نہ سکے ٹھک جائے بھی اے نیٹھے اٹھ بھی گئے بیتاب ہوئے پھر اُٹھے بھی
دل کی مصیبت کیسی کیسی کیا کیا رنج اٹھائے بھی	آنکھ نہ ٹھک مٹلی ہوئی اپنی مطلق دل بیجا نہ ہوا
	ٹھنڈے ہوتے نہ دیکھے ہرگز ویسے ہی جلتے رہتے ہیں تلوے خالی ہم نے اُس کے آنکھوں سے سہلائے بھی
ازگ نہیں ہے ٹھنڈے کسی کے بادخزاں سے گلستاں میں	ازگ و بارگرے بکھرے ہیں گل غنچے مرجھائے بھی
	نفع کبھو دیکھا نہیں ہم نے ایسے خسرج اٹھانے پر دل کے گداز سے لوہو روئے داغ جگر پہ جلانے بھی
عشق میں اُس کے جان مری مشاق پھرے گی بھٹکی ہوئی	شوق اگر ہے ایسا ہی تو چین کہاں مرجائے بھی
	حسرت ترک فقیر ہوئے اب شاعر عالم کامل ہیں پیش گئی کچھ میر نے اپنے سوانگ بہت سے لائے بھی
کہ بیتاب دل کی بنا صبر ہے ہوئے پر پر آش مری قبر ہے ہمارا سطرف اُس طرف ابر ہے تو پھر عینہ شیر ہے بر ہے	کوئی نام اس کا نہ لوجبر ہے نہ سوزہ جگر خاک میں بھی گر ا گلستاں کے ہنؤنوں پہ بھرے جو درویش پہنے ہے بری لباس
	دار کعبہ پر کفر بکثرت میر مسلمان نہیں وہ کہن گبر ہے
اب وہ دل میں تاب نہیں جوب تک آو سرد کھنچے	علم سے ہیں داغ ہوئے ہیں رنج اٹھے ہیں درد کھنچے جیتے جی میت کے رنگوں عشق میں اُس کے ہو بٹھیا

بعد مرے نقاش سے شاید صورت میری زرد کھینچے

خاک ہوئی تھی سرکشی اپنی جوں کی توں اپنی طبیعت میں  
میر عجب کیا ہے اس کا تاگر دوں جو یہ گرد کھینچے

یکسر ان نامردوں کو جو ایک ہی تک تکلی میں اٹھائے  
چاروں ورنادوں کر یے کوئی کسی سے دل لگائے  
اپنی دیکھیں موسم گل کا کیسے کیسے شکوے لائے  
بے ذوقی میں ذوق کہاں جو کھانا پینا کج کھائے

عشق اگر ہے مرد میدان مرو کوئی عرصے میں لائے  
کام حالت شمر کا ہکو اکدن دو دن ہووے تو پھر  
پیر کے اسیر دام ہوئے تھے نکلے ٹوٹی شکن کی راہ  
بھوکے مرتے مرتے منہ میں تلخی صفر پھیل گئی

گھر سے نکل کر کھڑے کھڑے پھر جاتا ہوں میں یعنی میر  
عشق و جنوں کا آوارہ حیدران و پریشاں کید پھر جائے

وہ ہی ناز و عتاب ہے سو ہے  
جان کو اضطراب ہے سو ہے  
حال اپنا خراب ہے سو ہے  
چشم لیکن پرآب ہے سو ہے  
دل جلا سا کباب ہے سو ہے  
وہ گراں بجو خواب ہے سو ہے  
اسکو ہم سے حجاب ہے سو ہے  
دوستی کا حساب ہے سو ہے  
ہکو بھی بیچ و تاب ہے سو ہے  
اُن کی عالی جناب ہے سو ہے

ہم یہ چشم و خطاب ہے سو ہے  
گرچہ گھبرائے لب پہ آئی وے  
بس گئی جاں خراب بخت کی  
نفس کی لب کی ہے تری کیسی  
خاک جل کر بدن ہوا ہے ب  
کر گئے کار و انیاں شبگیر  
یاں تو رسوا ہیں کیسا پردہ شرم  
دشمن جاں تو ہے دلوں میں ہم  
زینیں اُسکی ہوا کریں برہم  
خاک میں ل کے پست ہیں ہم تو

شہر میں در بدر پھرے ہیں عزیز  
میر دولت تاب ہے سو ہے

اس قافلے میں ہم بھی تھے افسوس راہ گئے  
وہ اٹھ گیا تو یہ بھی گرے بیٹھ ڈھک گئے  
بے طور ہم بھی جا کے لے بے جگہ گئے  
جب آئی موجِ حادثہ تنکے سے بہ گئے

چلتے ہوئے تسلی کو کچھ یار کہ گئے  
کیا کیا مکان شاہ نشین تھے وزیر کے  
اس کجروش سے ملنا خرابات میں نہ تھا  
دے زور و رجول جنہیں کہئے پہاڑ تھے

وہ یار تو نہ تھا تہہ دل سے کسو کا  
ناچار اُس کے جور و ستم ہم بھی سہ گئے

ہائے جوانی وصل میں اُس کے کیا کیا لذت پاتے تھے  
بوسہ کج لب سے پھر بھی ذائقے اپنے بناتے تھے

کیا کیا تم نے قریب کئے ہیں سادگی میں دل لینے کو  
میر صحری کر کے کلاہ آتے تھے مے ناخوردہ مانتے تھے

ہائے جدائی ایک ہی جگہ مار کے ہم کو توڑ رکھا  
وہ دن یاد آتے ہیں اب جب اُن کے آتے جاتے تھے

غیروں کی تم سننے رہے سو غیریت ہم سننے رہے  
وہ تو تم کو لگا جاتے تھے تم آہم کو جلاتے تھے

رنج و الم غم عشق ہی کے اعجاز سے کھینچتے تھے ورنہ  
حوصلہ کتنا اپنا جس میں یہ آزار سماتے تھے

وہ دن کیسے ساتے ہیں جو آکر سوتے پاتے بکھو  
آہ نکھوں سے ہم سہلا سہلا تلوے اُس کو جگاتے تھے

چاہت روگ بڑا ہے جی کا میر اس سے پر سیر بھلا  
اگلے لوگ سنا ہے ہم نے دل نہ کسو سے لگاتے تھے

وحشت پر جب آتا ہو تو جیسے بگولا جاتا ہے  
کہتے ہیں بے تہہ جگو کیا اچھا بھولا جاتا ہے

بات ہماری یاد رہے جی بھولا بھولا جاتا ہے  
تھوڑے سے پانی میں میں سرچو کی جی جیسے جاتا ہے

گام کی صورت کیا ہے اُسکی راہ چلے ہے میر اگر  
دیکھنے والے کہتے ہیں یہ کوئی ہنس بولا جاتا ہے

عاشق اُسکے قامت کے بالا بالا مارے گئے  
جیسے یکا یک سطح ہوا پر بدلی آئی تارے گئے

اس تک شمش سے بھتی ہوئے بچے جاکر اُخر سارے گئے  
اُسکی روئے خمے کردہ بر نقاب لئے وہ صورت ہے

رفتہ شاید باز می سکے جی بھی اپنا ہارے گئے  
یار بستے تھے جو باں سے لوگ کہاں بجا کر گئے

ایسے ہماری سے دل کو لگا کر جیتے رہنا ہونہ سکا  
چارہ گر اس شہر کے ہوں تو فکر کریں آبادی کا

آئے ہمتو سہولت سے وہ بوجھ اٹھا کر لے گئے

شکل میر نظر آتا تھا اٹھنا بار امانت کا

رہتے ہیں انکے گلے گلتے کے برسوں سے گلے  
بے تہی کرنے لگے دریادلوں کے جوصلے  
اب جو گل سا بکھرا ہوں کیوں کر کیا گل کھلے  
ایک ہم تم ہی نہیں معلوم ہوتے وہ دلے

عیدیں آئیں بارہا لیکن نہ وے آکر لے  
اس زمانے کی تری سے لہر بھر اگلی کہاں  
غنچگی میں دیکھتے ہیں صدر رنگ جو آسماں  
سارے عالم کے حواس غم میں ہے انتشار

سیر طے ہوگا بیابان محبت کس طرح

راہ ہے پر خار میرے یا توں میں ہیں آبلے

اس گھر میں کوئی بھی نہ تھا شہزادہ ہو ہم جانے سے  
شوق کی میں جو نہایت بو جھی جان چلے روانے سے  
لنگ لگا سے لگنے انھیں اب بات بہاری لانے سے  
گھر سے اٹھ کے چلے جانے ہونے سے بھی ہلانے سے  
کس دن میں عدول کیا ہے صاحب کے ہونے سے  
کچھ نہیں رہتا انسان میں ہر لحظے کے غم کھانے سے  
غشقی ہے باد صحر گویا لگتی خاک اڑانے سے  
یہ بھی شرارت یاد رہے گی کہ نہ جانا جانے سے  
دو دنوں کان بھرے ہیں پنبے تہ پائے فسانے سے

کیسی کوشش کوشش سے کہے گئے تھانے سے  
اس پر فائوس تھا کچھ لوں ہی نشاں خاکستر کا  
ٹنگے سامنے آتے تھے تو کیا کیا جو اٹھاتے تھے  
پاس غیرت کو نہیں کچھ دریا پر سن غم کو تم  
تم نے کہا مر رہی جا کر بندہ جا کر مر رہی رہا  
سو کھ کے ہوں کھڑی سے کیوں زر و زبول کم عاشق زاد  
جیت بکھو تب تربت عاشق بکھرے سے ہر تر لزل میں  
برسوں میں پہچان ہوئی تھی سو تم صورت بھول گئے  
کتنی سنا کی بات تھے اں کی کب جیتے ہیں ہم غافل

میر کی تیری کیا سمجھے گی حرف و سخن میں گنگلاب ہے

کوئی بھی عاقل الجھ پڑے ہے ناصح ایسے دیوانے

گلے سے ہمارے لموعید ہے  
جہاں جگہ ہے مج کو تحریر ہے  
خدا میں کہیں ہیں یہ توحید ہے  
خدا کی طرف ہی کی تائید ہے

گے روزِ حجاب دیدار دید ہے  
گمراہ ہوں سائے سے خورشید ساں  
تصوف میں جب ال دیتے ہیں بات  
جو آویں تباں جذب سے یاں تو یہ

لیٹا ہے میں بوریائے نماز

نہی میر جانے کی تمہید ہے

دل نے پہلو تھی کیا ہم سے  
چاہیے عشق اس بھی عالم سے

ہجر میں نوح ہوا تھا سب تم سے  
عالم حسن ہے عجب عالم

<p>نکلے تلوار ابرو کے خم سے دیر میں میرے حالِ درگم سے</p>	<p>طرح پھریں کی پلوں سے ڈالی نسبت اُن بالوں کی درست ہوئی</p>
<p>در پئے خون میر کے نہ رہو ہو بھی جاتا ہے جسمِ آدم سے</p>	<p>اٹھ کھیلوں سے چلے طفلی میں جان مارے اپنی نیاز تم سے اب تک بتاں وہی ہے</p>
<p>نام خدا ہوا ہے اب وہ جوان بازے تم ہو خدائے باطل ہم بندے ہیں تمہارے تم سے بھی کوئی پوچھے تم کیوں ہوئے پیارے بلبل لئے ہیں گویا گلزارِ سب اجارے مٹھ جو کوئی پیارے ایسے کئے پیارے سننے کے زخم اب تو غائر ہوئے ہیں سارے کس کو ویاغ اتنا بلبل کو جو پکارے مارے گئے سیاہی جتنے ہوئے اُتارے کیا جانے کہاں تو پھرتے ہیں مارے مارے رہنے ہیں سماں میں سارے نہیں ستارے</p>	<p>ٹھکے ہوئے ہیں تو مجرم ملکِ پیار کر کے تم کو کل میں جو سیریں تھا کیا پھول پھول بیٹھے کرتا ہے ابر نیساں پر در دہنِ صدف کا اے کاش غور سے وہ دیکھے کبھو تک آکر چپکا چلا گیا میں آزر وہ دلِ چین سے سیدانِ عشق میں چڑھ گھوڑے کون نکلا جو مر رہے ہیں اُس پر اُنکا نہیں ٹھکانا کیا بر چھیاں چلائیں ہوں نے نیم شب کی</p>
<p>ہوتی ہے صبح جو یاں ہے شام سے بھی بدتر کیا کیئے میرِ خوبی ایام کی ہمارے</p>	<p>کیا کیئے ویسی سورت کا ہے نظر نہ آئی روٹھے جو تھے سوہم سے روٹھے ہوئے وہی</p>
<p>ایسے گئے کہ اُن کی پھر کچھ خبر نہ آئی کیا روئے ہیں تو منت بھی کر نہ آئی چاروں طرف پھر آئی لیکن ادھر نہ آئی اپنے خیال میں تو اُس کی کمر نہ آئی</p>	<p>طالع کا مکث دیکھو آئی صبا جو واں سے جی میں جو کچھ کسو کے اُسے سو باندھ جاوے</p>
<p>کیا رات دن کہے ہیں ہجراں کی بچو دی میں سُدھ اپنی میر اُس بن دو دو پہر نہ آئی</p>	<p>داؤ فریادِ جا بجا کر کے اب سلگنے لگی ہے چھاتی بھی</p>
<p>شاید اُسکے بھی دل میں جا کر گئے یعنی مَرت بڑے جلا کر گئے</p>	<p>لے میر تقی ہ پیار کرنے کا جو خواہم یہ رکھتے ہیں گناہ : اُن سے یہ پوچھنے کوئی تم اتنے کیوں پیارے ہوئے</p>

<p>بدی یاروں کی کیا کیا کرے گالیاں کھائیے دعا کرے کیونکر اظہار مدعا کرے ناز و انداز کو جدا کرے صبح اسکے گلے لگا کرے منتظر کب تک رہا کرے سیکڑوں کیونکر خدا کرے یوں کہانی سی کیا کہا کرے دل کی بیماری کی دوا کرے</p>	<p>چشمِ دل جان مائل خواہاں دیکھیں کب تک ہے یہ صحبت کچھ کہیں مگر تو وہ کہے نہ کہو اتفاقِ ان کا مار ڈالے ہے عید ہی کاش کے رہے ہر روز راہ نکلنے کو بھی نہایت ہے ہستی موہوم و یک سر و گردن وہ نہیں سرگزشتِ شفا میر مسترب ہو نفع جو کچھ ہے بھی</p>
<p>سو تو ہر روز ہے بُرا احوال متحیر ہیں آہ کیا کرے ہجراں کا غم تھا تہ میں سختی سے جان ٹوٹی یا نیز مٹی چمن میں کیا کیا بھسا ر ٹوٹی</p>	<p>دو چار روز آگے چھاتی گئی تھی کوئی کلیاں بھڑی ہیں کچی بکھرے ہیں پھول سارے سیرچمن میں کچھ توجہ سے ہو س نکلتی موسم میں گل کے بیل افسوس ہے نہ بھولی</p>
<p>کب وعدے کی رات یہ آئی جو اُس میں نہ لڑائی ہوئی آخر اُس اویاس نے مارا کب رستی ہے آئی ہوئی چاہت میں اُس بے الفت کی گھبراہٹ دل ہی کو نہیں سارے حواسوں میں ہر تشنت جان بھی ہے گھبراہٹ ہوئی</p>	<p>گرچہ نظر ہے پشتِ پاپر لیکن قبر قیامت ہے گر جاتی ہے دل میں ہمارے آنکھ اسکی شرابی ہوئی جنگل جنگل شوق کے مارے ناتھ سوار بھرا کی ہے مجنوں جو سحر الی ہو اتو لیلی بھی سودا لئی ہوئی</p>
<p>جیتوں کے انداز سے ظالم ترکِ مروت پیدا ہے اہلِ نظر سے چھپتی نہیں ہو آنکھ کس کی چھپائی ہوئی</p>	<p></p>

دردِ دل سوزِ این محبتِ محو جو ہو تو عرش نہ ہو  
دور نہ کھے گی یعنی جا کر عشق کی آغوش لگائی ہوئی

میر کا حال نہ پوچھو کچھ تم کہ نہ رابطہ پسیری سے  
رقصِ کناں بازار میں آئے عالم میں رسوائی ہوئی

لکڑے پہ جان دیتے تھے سارے فقیر تھے  
موم گلوں کا جب تھیں تھا ہم اسیر تھے  
لڑکے سے بھی تھے تم توقیامت شری تھے  
جاگہ اتو کی جائے یہ نقشِ حصیر تھے

کیا کیئے اپنے عہد میں جتنے ابر تھے  
دل میں گرہ ہوں رہی پروازِ باغ کی  
بزنائی ہی میں تم سے شرارت نہیں کی  
آرائش بدن نہ ہوئی فقر میں بھی کم

آنکھوں میں ہم کسوی نہ آئے جہاں میں  
از بیکہ میر عشق سے خشک و حقیر تھے

جی چکا وہ کہ یہ بے طرح کی بیماری ہے  
جبکہ ہاں دیکھتے ہیں چلنے کی تیاری ہے  
سارے عالم میں حقیقت تو وہی ساری ہے  
صورتوں سے آئے ہم لوگوں کی بیزاری ہے  
جان کا دینا محبت کی کننگاری ہے  
آنکھ وہ دیکھے کوئی شوخی میں کیا پیاری ہے  
عشق کرنے کے تئیں شرطِ جگر داری ہے  
شوقِ گلگشتِ گلستاں میں گرفتاری ہے  
اس شکرِ جفا جو سے ہمیں یاری ہے  
یہ بھی اُس سادہ دُپر کا رکھی ہنسیاری ہے

جو کوئی خستہ جگر عشق کا آزاری ہے  
کارواں گاہ جہاں میں نہیں رہت کوئی  
چیزِ دنا چیز کا آگاہ کو رہتا ہے لحاظ  
آنکھیں رو بہ ورکھنے کو بھی اب جائے نہیں  
مر گئے عشق میں نازک بدنوں کے آخر  
پلیں مے اسکی پھری جی میں کبھی جاتی ہیں  
بیقراری میں نہ دلبر سے اٹھا ہرگز ہاتھ  
واسے وہ طائر بے بال ہوں ناک جبے  
ظلم بے مہینچے نہیں رہتی ہے جبکی شمشیر  
آنکھ مستی میں کسو پر نہیں پڑتی اسکی

واں سے جز ناز و تبخیر نہیں کچھ بھیاں سے میر  
عجز ہے دوستی ہے عشق ہے عجزِ آری ہے

یہ صنوبرت کب تلک کوئی اٹھائے  
دل فروشی کوئی مجھے سیکھ جائے  
دیکھیں میں لیکن خدا جو کچھ دکھائے

دردِ غم سے دل کبھو فرصت نہ پائے  
طفل تہ بازار کا عاشق ہوں میں  
زارِ رونا چشم کا کب دیکھتے

کب تلک چاک قفس سے جھانکیے کب سے ہنکو ہے تلاش دست غیب اس کی اپنی بنتی ہی ہرگز نہیں جو لکھی قسمت میں دلت ہو سو ہو داغ ہے مرغ چین پائیز سے زخم سینہ مسیر اس کے ہاتھ کا	گر گل بیاں بھی صبا کوئی تو لائے تا کمر چرخ اس کا اپنے ہاتھ لائے بجھڑی صحبت ایسی کیا کوئی بنائے خط پیشانی کوئی کیونکر مٹائے دل نہ ہو جلت جو اس کا گل نہ لائے ہو کوئی رنجھو ار تو اس کو رنجھائے
--	--

میر اکھتر عمر کے افسوس میں  
زیر لب بالائے لب ہے اپنے دلے

نہ نوشتہ نامہ آیا یہ کچھ ہمیں لکھا ہے کا فر کا بھی روئے ہوتا نہیں ہے ایسا دنیا میں دیر رہنا ہوتا نہیں کسو کا بندے کا دل بجائے جاتا ہوں شاد و سرخ پائے ثبات کس کا ٹھہرا ہے اسکے دیکھے ہر جا بدن میں اسکے افراط سے ہے دلکش مرنا تو ایک دم ہے عاشق مرے ہے ہر دم خط اسکو لکھ کے فم سے خود ہوا ہوں یعنی شونہ سے اس کی درہم بہم جہاں سے سارا ہم عزیز گزری سب سے بڑائی کرتے	اس سادہ رو کے جی میں کیا جا کہ کیا ہے ٹھوکر لگا کے چلنا کس دین میں روا ہے یہ تو سرائے فانی اک کلواں سرا ہے جب سے سنا ہو میں نے کیا غم ہو جود ہے ہے ناز اک قیامت انما زاک بلا ہے میں کیا دل ملک بھی اٹکے اگر بجھا ہے وہ جانتا ہے جس کو پاس دل وفا ہے قاصد کے بدلے یاں سے ہی مر جاتا ہے ہنگامہ قیامت اس کی کوئی ادا ہے اب کر جلو ہلا کچھ شاید یہی بھلا ہے
---	--

جو ہے سو میر اس کو میر لکھتے ہیں  
کیا خاص نسبت اس سے ہر فرد کو جدا ہے

دل پہلو میں ناواں بہت ہے ہر آن شکیب میں کمی ہے مقصود کو دیکھیں پتو ہے کبتک جی کو نہیں لاگ لامکاں سے گوفاک سے گور ہوئے کیاں	بیمار مرا گراں بہت ہے بتابی زماں زماں بہت ہے گردش میں تو اماں بہت ہے ہنکو کوئی دل مکاں بہت ہے گم گشتی کا نشان بہت ہے
--	--

پہنچیں

سہ کار رواں گا جہاں میں ہیں رہتا کوئی جس کے ہاں دیکھتے ہیں پتے کی تیاری ہے۔ میر تقی میر



جگو یہی نیم جاں بہت ہے	جاں بخشی غیسر سی کیا کر
اکثر پوچھے ہے جیتے ہیں میر	ابو کچھ ہسراں بہت ہے
موقوف دم پر ہیں دشوار کام سارے یہ عشق بے محابا تا چند جاں مارے موج و حباب اٹھکر لگ جاتے ہیں کنارے ہم بقیار ہو کر چاروں طرف سر پکارے صبر و قرار دونوں یکساں کی سدا رہے چشمک کریں ہیں ہر شب اسکی طرف تارے	صاحب ہو تم ہمارے بندے ہیں ہم تمہارے ہو الفت کہ ہم بھی جیتوں میں آویں چند سے آشوب بھر سستی کیا جانیئے ہے کب سے کوئی تو تھا طرف پر آواز دی نہ ہم کو بیٹاقتی سے کیونکر سہارا دے رہیں نہ کوئی تو اہ پارہ اس بھی رواق میں ہے
دنیا میں میر کر کھولا ہے بار ہم نے اس رنگز میں دیکھیں کیا پیش آوے بارے	
چین نہیں دیتا ہو ظالم جب تک عاشق مرنے ہے دل تو پریشاں تھا ہی میرا رات ہی بھی کھرتا ہے ہو نہ اپنے بھائی بھی کہیں پانی میں نقش اُبھرتا ہے جی سے اپنے گزر جاتا ہے جو اس راہ گزرتا ہے ٹھک جو ہو دنیا کی لگی تو یہ کم ظرف اُبھرتا ہے صدالہ غم دیکھے اس خوش چشم مدد کی بستر ہے ابر سیاہ سفید جو ہو سو پانی ان کا بھرتا ہے زردی عشق سے بے الفت یہ رنگ کس کو کھرتا ہے	عشق ہمارا دیے جاں کو کیسی خدمت کرتا ہے شاید بے بال اس مہ کے بکھر گئے تھے باؤ چلے صورت اسکی دیدہ تر میں بھرتی ہو ہر فرد و شب کیا دشوار گزر رہے طریق عشق مسافر کش بارو حال کسو بے تہ کا یاں مانا ہے حباب دریا سے یاد خدا کو کر کے کوٹھک پاس ہمارے ہو جائے دامن دیدہ تر کی دست دیکھے ہی بن آوے گی دل کی لاگ نہیں جھپتی ہے کوئی چھپا کے ہتیرا
کھینچے تیغہ اپنا ہر دم کیا لوگوں کو ڈراتے ہو میر جگر دار آدمی ہے وہ کب مرنے سے ڈرتا ہے	
دل کلیجے کے پار ہوتا ہے عشق کو جس سے پیار ہوتا ہے پار جب ہمکنار ہوتا ہے ایک عالم شکار ہوتا ہے	نالہ جب گرم کار ہوتا ہے مار رہتا ہے اس کو آخدا کار سب فرسے درکنار عالم کے واہگہ کا ہے اس کے عالم اور

<p>ہمدگر کچھ قسار ہوتا ہے دل جو بے اختیار ہوتا ہے اس کا جب انتظار ہوتا ہے جلوہ گریوں ہی بار ہوتا ہے دیریاں اعتبار ہوتا ہے</p>	<p>بقراری ہو کیوں نہ چاہت میں جبر ہے قہر ہے قیامت ہے راہ تکتے ہی نکھیں ہیں آنکھیں شاخ گل لچکے ہے تو جانوں ہوں کسکو پوچھے ہے کوئی دنیا میں</p>
<p>آہ کس جائے بار کھولا میسر یاں تو جینا بھی بار ہوتا ہے</p>	
<p>میری خوزیری ہی کا مال ہے یاں جنوں کا ابھی اوائل ہے نہ تو طلحہ نہ حذب کامل ہے ہائے کیا شکل کیا شامل ہے کیا بیگہ کا بہت یہ گھائل ہے وہ ہمارا خدا ہے باطل ہے پر بڑا واقعہ ہمسہ باطل ہے یار مسیرا جوان جاہل ہے سیل اسی در کا کب سے سائل ہے جسکو دریا پہ سیل ساحل ہے</p>	<p>سخت بے رحم آہ قاتل ہے دور محنوں کا ہو گیا آخر نکلے اس راہ کس طرح وہ ماہ مثل صورت ہیں جلوہ کے حیراں باتھ رکھ یوسے تو کہے کہیں اب حق میں سب کے کیا کہیں کہیں سیح ہے راحت تو بعد مرنے کے تیغ اگر درمیاں رہے تو رہے رو نہیں چشم تر سے اب رکھئے حال ہم ڈوبوں کا کیا جانے</p>
<p>میسر کب تک بجاں مرگ جئیں کچھ بھی اس زندگی کا حاصل ہو باز خواہوں نہ تھا مارے گئے مارے گئے گر تے پڑتے ہم بھی عجز آج ولں بارے گئے استخوان بائے انکب گرم سے دھارے گئے صبح تک ہم رات دیواروں سے سہارے گئے</p>	<p>بیکسان عشق تھے ہم غم میں کھپ سارے گئے بارگاہ تک ناتوانوں کو نہ تھا ایں بزم میں چھائی میری سرد آہوں سے ہوئی بھی سب کرخت سخت جانی ہے نہ تک جو ہو خبر گھر میں اُسے</p>
<p>میسر مین و کو کھن ناچار گزرے جان سے دو جہاں حسرت لیے ہمراہ بچارے گئے</p>	

بے یار ہوں بیکس ہوں آگاہ نہیں کوئی کیا تنگ محو ہے اس نیستی کا رستا موجوم ہے ہستی تو کیا معتبری اس کی فرہاد کو بچنوں کو موت آگئی ہے آگے	بہیم کرد و خور زری خوخواہ نہیں کوئی تنہا پڑا ہے جانا ہمراہ نہیں کوئی ہے گاہ اگر کوئی تو گاہ نہیں کوئی کس سے کہیں درد دل بآہ نہیں کوئی
میر امتی سماعت جو بندوں سے تو گڑباہی	دنیا میں مگر تیرا اللہ نہیں کوئی

دیدہ گریاں ہمارا تہسہر ہے آندھی آئی ہو گیا عالم سیاہ دل جو لگتا ہے تڑپنے ہر زبان بہ نہیں ہوتا ہے زخم اسکا لگا	دل خرابہ جیسے دلی شہر ہے شور نالوں کا بلائے دہر ہے اک قیامت ہو غضب تہر ہے آپ تیغ یار یکسر زہر ہے
--	---

عشق بلا انگیز مغتین یہ تو کوئی قیامت ہے موسم گل میں تو بہ کی بھی واعظ کے میں کہنے سے شیخ کی دنی حرکت بھی میں قیامت جانوں ہوں ایک طرف میں عشق کیا تھا سوائی یہ کہاں سے ہوئی تو ہی کر انصاف صبا تک باغوں باغوں پھر سے ہو تو صبح کو خورشید اُسکے گھر پر طالع ہو کر آتا ہے	یاد زلف یار جی مارے ہے میر سانپ کے کاٹے کی سی یہ لہر ہے جس سے پیار رکھے یہ کچھ بہ اس کے سر پر شامت ہے اب جو رنگ بھار کے دیکھے شرمندہ ہیں نازت ہے مسجد سے میخانے آیا یہ بھی اس کی کرا امت ہے اج گھر سے نکل آتا ہوں چاروں طرف سے نازت ہے رو گل اسکا ساروی سر کا ایسا قیامت ہے دیکھ لیا جو اُن نے سمجھو تو اس سادہ کی شامت ہے
---	---

چھوڑو اس ادب اس کا لٹا ورنہ سر کٹو اؤ گے جاہ رہو گے بہتروں کو سر جو میر سلامت ہے	
---	--

اے پریشاں ربط و کیوں کب تلک یہ دور ہے بال بل کھائے ہوئے بچوں سے گڑھی کے گتھے ہم سے یہ انداز او باشانہ گزنا کیا حفسہ طبع درہم وضع برہم زخم غائر چشم تر کیا شکایت کرے اُس خود شد چہرہ یار کی وصل کی دولت گئی ہوں تنگ فقر چہرہ میں	ہر گلی کوچے میں تیرا اک دعا گوار ہے طرز کیں چتون کی پائی سر میں شور جو رہے آہ کچھ پیڑھی خم ہے ابرو طوی کچھ بطور ہے حال بد میں بیکسوں کی سبھ تھیں بھی خود ہے مردہ برسوں نہیں کرتا شتم فی الفور ہے یا الہی فضل کر یہ خود بعد الکود ہے
--	--

اسکے دیوانے کے سر پر داغ سودا ہے جو میر  
وہ تخیل عاشقوں کا اس سبب سرور ہے

سلطان عصبر تیری گلی کا فقیر ہے  
وہ طفل شوخ چشم قیامت شریر ہے  
اب تنگ کیا فقیر جو سب میں حقیر ہے  
ہے چشم تر کہ فقیر تیرا بر مہیر ہے  
بہ زنج جال کیسوں کا جس گہ گیر ہے  
شش می کا نہ جانیے اپنا خمیر ہے  
سورت تلک تو میر کی وہ بے نظیر ہے  
پیغام مرگ عاشقوں کو اس کا تیر ہے  
آہ آفتاب ہمدرد روشن خمیر ہے  
شائستہ فلک ہے مگر حیرت پر ہے  
دیکھو تو اس بلا کو یہ شاید کہ میر ہے

گردن کش زمانہ تو تیرا سیر ہے  
چنگ کرے ہے میری طرف تو نگاہ کر  
تنگ ساہو رہا ہے تن آگے ہی سوکھ کر  
چھڑا تہہ دے ہے رونے جو گلتا صبح کو  
اک دو اجل رسیدہ جو صید آئے کب کھنچا  
جوں جوں بڑھایا آتا ہے جاتے ہیں پٹھنے  
اس خوبصورتی سے نہ صورت نظر تیری  
پر جو ہر اس کی تیغ ہے نامہ برائے قتل  
یو چھو اسی سے مضطرب الحال کی کچھ  
جوں طفل شوخ و تنگ و جوان بلند طبع  
افریاد شب کی سن کے کہا بیدار ہو

عشق ہے فقر ہے جدائی ہے  
ہم بھی چلنے کو ہیں کہ آئی ہے  
عشق نے آگ یہ لگائی ہے  
آئیکھ ہم نے کہاں ٹرائی ہے  
کچھ تعجب نہیں خدا کی ہے  
کیونکہ کہنے کہ واں رسائی ہے  
سب نے اک بات یہ بنائی ہے  
کچھو جھنجھلاہٹ آہ آئی ہے  
جیسے تلوار منہ پہ کھائی ہے  
جگو لبس پکار آئی ہے  
شام سے صبح تک ٹرائی ہے  
گاہ ہیگہ غمزل سرائی ہے

ان بلاؤں سے کب رہائی ہے  
دیکھیے رفتہ رفتہ کیا ہو دے  
استخوان کا پ کا پ جتنے ہیں  
دل کو کھینچے ہے شہنشاہِ انجم  
اس صنایع کا اس براہ کا  
نہ تو جذب رسا نہ بخت رسا  
ہے تھن کہ اسکے لب ہیں لعل  
کیا کہوں خیم عشق سے جو کچھ  
ایسا چہرے پہ ہے نموں کا خراش  
میں نہ کہا تھا بارغ میں اس بن  
آئی اس جنگ جو کی گرشٹ لعل  
اور کچھ مشغلہ نہیں ہے ہمیں

کہ ہمیں صورتِ آشنائی ہے  
 ہو کہ پھر کر بہارِ آئی ہے  
 تہ کسو نے نہ اُس کی یابی ہے  
 دوستی یا رسی آشنائی ہے  
 عشق کرنے کی کیا منائی ہے  
 عشق کی زور آزمائی ہے  
 حبلی تلوار تو صفائی ہے  
 ہکمو ترکیب اُسکی بھائی ہے  
 یہی بے طور بے ادائی ہے  
 یہی بد عہدی ہے وفائی ہے  
 شاید اس سی میں کچھ بھلائی ہے

برسوں میں میسر سے ملے تو کہاں  
اس سے پوچھو کہ یہ کجائی ہے

اغلال و سلاسل تک اپنی بھی ہلا جاوے  
 ہنگامہ قیامت کا شورشن سے اٹھا جاوے  
 ہو میل بھلا سا تو منہ موڑ چلا جاوے  
 جوں جوں ہو میدہ وہ توں توں یہ لگا جاوے  
 ہو رو رہو رائیہ وہ منہ کو چھپا جاوے  
 کس طرح کھامیر کوئی آکے مٹا جاوے  
 اس راہ سے آوے تو ہم سے نہ رہا جاوے  
 وہ بات نہیں سُنا کیا اس سے کہا جاوے  
 کھاتا ہوا یاں آکر باتوں کو چبا جاوے  
 کہے کا ہمیں رستا خضر آکے بتا جاوے  
 کیونکر کوئی اب ان سے دل میر و لا جاوے  
 ملک ہو ٹھہ ہے تو وہ تہ بات کی یا جاوے

ہر چار طرف لگے ہوں بدر گھڑن اجا دے  
آلودہ خاک آوے لوہو میں نہا جا دے

کس سے یہ ستم در نہ اے میر سہا جا ہے  
خدا جانے تو ہم کو کیا جانتا ہے  
جسے ذوق ہے وہ مزا جانتا ہے  
مرے قتل کو وہ بجا جانتا ہے  
غرض خوب وہ منہ چھپا جانتا ہے  
دعا کو بھی میری دغا جانتا ہے  
جنھیں یار اہل وفا جانتا ہے  
جسے منہ چھپا پارسا جانتا ہے  
یہی اچھے منہ کو بتا جانتا ہے  
اسی طرز کو خوش نما جانتا ہے  
مجھے یار جیسا حبلا جانتا ہے  
یہیں کشتہ خوں کی مزا جانتا ہے  
جو کچھ دل کا ہے مدعا جانتا ہے  
وہ اس جنس کو کیا بلا جانتا ہے

یوں خط کی سیاہی ہے گرد اُس رخ روشن کے  
کیا اُسکی گلی میں ہے عاشق کسو کی روت

ہے حوصلہ تیرا ہی جو تنگ نہیں آتا  
ترے بندے ہم ہیں خدا جانتا ہے  
نہیں عشق کا درد لذت سے خالی  
ہمیشہ دل اپنا جو بیجا ہے اس بن  
لگے زیر برقع لگے گیسوؤں میں  
مجھے جانے ہے آپ ساہی فریبی  
جفا اُس پہ کرتا ہے حد سے زیادہ  
لگا لے ہے جھکے دکھا کر اُسی کو  
اُسے جب نہ تب پہننے بگڑا ہی پایا  
بلا شور انگینہ ہے چال اُس کی  
نہ گرمی جلاتی تھی ایسی نہ سردی  
یہی ہے سزا چاہنے کی ہمارے  
مرے دل میں رہتا ہے تو ہی تو ہی تو  
پری اُسکے سایہ کو بھی لگ سکے نہ

جہاں میر عاشق ہوا خوار ہی تھا  
یہ سودا کی کب دل لگا جانتا ہے

کہ جاناں سے جی بھی ملا جانتا ہے  
بیرا کرنے کو وہ حبلا جانتا ہے  
کسو اور ہی کا کس جانتا ہے  
وہی خوب طرز جفا جانتا ہے  
لکھے کو ہمارے مٹا جانتا ہے  
سو غم و کرب آشنا جانتا ہے  
ہمیں یار سے جو جدا جانتا ہے

یہی عشق ہے جی کھپا جانتا ہے  
برسی میں بھی کچھ غولی ہو دیگی تب تو  
مرا شعر اچھا بھی والنتہ صند سے  
زمانے کے اکثر شمع کا رد کیجھے  
نہیں جاتا حزن خط کیا ہیں تجھے  
تہ جانے جو بیگانہ تو بات یو چھے  
نہیں اتھاو تن و جاں سے دقت

# بوان ششم

میر تقی میر دہلوی

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فلک نے پیس کر سر مرہ بنایا  
زمانے میں مہرے شور جنوں نے  
بلا تھی کو فت کچھ سوز جگر سے  
تکامی عسیر جس کی جستجو کی  
نہ تھی بیگانگی مسلم اُس کی  
قریب دیر خفسر آیا تھا لیکن  
حق صحبت نہ طردوں کو رہا یاد  
غرور حسن اُس کا دش گنا ہے  
عجب نقشہ ہے نقاش زں نے

نظر میں اس کی میں تو بھی نہ آیا  
قیامت کا سا ہنگامہ اٹھایا  
ہیں تو کوٹ کوٹ اُن تے جلایا  
اُسے پاس اپنے اکدم بھی نہ پایا  
نہ سمجھے ہم اُسی سے دل لگایا  
ہیں رستا نہ کہے کا بتایا  
کوئی دو بھول اسیرن تکٹ لایا  
ہمارا عشق اُسے کین نے جتایا  
کوئی ایسا نہ چہرہ پھر بنایا

علاقہ پیر تھا خجھر سے اُسکے  
نردان اپنا گلا ہم نے کٹایا

اپنے ہوتے تو با عتاب رہا  
ہو کے بے پردہ ملتفت بھی ہوا  
نہ اُٹھ لطف کچھ جوانی کا  
کارواں ہائے صبح ہوتے گیا  
ہجر میں جی ڈبا گرے ہی رہے  
گھر سے آئے گلی میں سو بارے

بے دماغی سے با خطاب رہا  
ناکسی سے ہمیں حجاب رہا  
کم بہت موسم شباب رہا  
میں ستم دیدہ سحر خواب رہا  
ضعف سے حال دل خراب رہا  
یار بن دیر اضطراب رہا



	<p>جان کو اپنی پہچ و تاب رہا واں سدا چہرے پر نقاب رہا خاک میں بھی نہیں عذاب رہا</p>	<p>ہم سے سلجھے نہ اُسکے اُچھے بال پردے میں کام یاں ہوا آخسر سوزشِ سینہ اپنے ساتھ گئی</p>
	<p>حیف ہے میر کی جناب سے میاں ہم کو ان کے اجتناب رہا</p>	
	<p>اندوہ دردِ عشق نے بیمار کر دیا حیرت نے عشق کی مجھے دیوار کر دیا دیوانہ محب کو جیسے پریدار کر دیا بہجسم اُن نے محب کو گنہگار کر دیا نایاب کس گھر کا طلب گار کر دیا لوگوں کو میری زاری نے بزار کر دیا یاروں نے رفتہ رفتہ خبردار کر دیا یعنی کہ ایک وار ہی میں پار کر دیا پایان کار آنکھوں کو خوبار کر دیا</p>	<p>بیطاقتی نے دل کی گرفتار کر دیا دروازے پر کھڑا ہوں کئی دن کے سائے کو اُسکے دیکھ کے وحشت بلا ہوئی نسبت ہوئی گناہوں کی اربسِ بلیٹ دُرات اُسکو ڈھونڈھے ہر دل شوق نے مجھے دور اُس سے زار زار جو روتا رہا ہوں میں خوبی سے بخت بد کی اُسے عشق سے مرے جسکے لگائی جی میں نہ اُس کی ہوس رہی پہلو میں لے لوں گے آتش سے شوق کی</p>
	<p>کیا جانوں عشق جان سے کیا چاہتا ہے میر خونِ زہری کا مجھے تو سزاوار کر دیا</p>	
	<p>تہ جانا اُن نے تو یوں بھی کہ کیا تھا مرضِ ہی عاشقی کا لا دوا تھا خود آرا خود پسند و خود ستا تھا ہمارے ذوق میں اب تک فر تھا نہ جانا تجھے یہ کن نے کہا تھا گسو سے دل ہمارا پھر لگا تھا ہمارے زعم میں وہ آشنا تھا ہمارا طور عشق اُن سے جدا تھا انھیں سناہٹوں میں جی چلا تھا</p>	<p>موسے ہم جس کی خاطر بیوفا تھا سواج کی نہیں تقصیر ہرگز نہ خود سر کیوں کہ ہم ہوں یار اپنا رکھا تھا منہ کبھو اس کنبج لب پر تہ لیو چاہنے والے سے اپنے پریشاں کر گئی فریادِ لبیل لے برسوں وہی بیگانگی تھی نہ دیوانے تھے ہمے نہیں و فراد بدن میں صبح سے تھی سنسناہٹ</p>

صنم خانے سے اٹھ کھینے گئے ہم  
کوئی آخر ہمارا بھی خدا تھا  
ہم میں اس کے ہے ہر جانے کوش  
جہاں اٹکا کسو کا دل بجا تھا  
کوئی غفا سے پوچھے نام تیرا  
کہاں تھا جبکہ میں رسوا ہوا تھا  
چڑھی تیوری جن میں میر آیا  
حسن آج شاید کچھ غفا تھا

سوز دروں سے مجھ پر ستم بر ملا ہوا  
نکڑا جگر کا آنکھوں سے نکلا ہوا  
بر حال ہو کے چاہ میں نے کالطف کیا  
دل لگتے جو ہو کوئی عاشق بھلا ہوا  
نکلا گیانہ دام سے پر بیچ زلفت کے  
اسے واسے یہ بلا زدہ دل مبتلا ہوا  
کیا اور لکھیے کیسی محال تھی ہوئی  
سر کو جھکائے آیا جو فاسد چلا ہوا  
رہتا نہیں ترش پن سے تھک باقہ کے تلے  
کیا جانوں میں دل کو مرے کیا بلا ہوا

جمع اس کے نکلے عالم ہو گیا  
جست ملک ہم جا میں اودھم ہو گیا  
گو پریشاں ہو گئے گیسوے یار  
حال ہی اپنا تو درمسم ہو گیا  
کیا کہوں کیا طرح بدلی یار نے  
چاؤ تھا دل میں سواب غم ہو گیا  
کیا کہوں شکل ہوئی تحریر حال  
نظ کا کاغذ رونے سے نم ہو گیا  
دم دیے بہترے یاروں نے دے  
خشک نے سا شیخ بے دم ہو گیا  
کیوں نہ در ہم بر ہم اپنا ہو فرج  
بات کہتے یار بہم ہو گیا  
باغ جیسے راع دشت گاہ ہو  
یاں سے شاید گل کا موسم ہو گیا

کیا تازے میر اس اوقات کی

جب کہ قد عراب سا غم ہو گیا

وہ دیکھنے میں تک بیماری میں نہ آیا  
سوار آئے نکھیں کھولیں بالیں سے سر اٹھایا  
گشت کے طاروں نے کیا بیرونی کی  
یک بر گل قفس میں ہم تک نہ کوئی لایا  
بے بیج اس کا غصہ یارو بلائے جاں ہے  
ہرگز مست نہ ہم سے بہتیرا ہی سنایا  
قد بلند اگر چہ بے لطف بھی نہیں سے  
سروچن میں لیکن اندازہ نہ پایا  
لے میر تھی یہ حق صحبت نہ یارو کو پایا  
کوئی دو پھول اسیر دل تک نہ لایا +

ایٹھا پھرے ہے ہر سوجب اس پری کا سایا  
مطبوع ایسا چہرہ کوئی نہ پھر بنایا  
اس مست نے جھنکایا یعنی بہت جھکایا  
نجات نگوں کو ہم نے سو بار آزمایا

انگڑاتے غوبریاں حسرت سے پیش ہیں  
نقشہ عجب ہے اس کا نقاش نے ازل کے  
شب کو نئے میں باہم تھی گفتگو سے درہم  
دل لنگی میں کھلنا اس کا نہ اس سے دیکھا

عاشق جہاں ہوا ہے بے ڈھنگیاں ہی گئی ہیں  
اس مہر بخرد نے کبٹھ سے دل نکلیا

پڑھتے کسو کو سنیے گا تو دیر تک سر دھنیے گا  
صحبت میں علما فصلا کی جا کر پڑھئے گئے گا  
آگ پھیلے گی غم کی بدن میں اس میں جلے جھنیے گا

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں السی نہ سنیے گا  
سسی و تلاش بہت سی رہے گی اس انداز کے کہنے کی  
دل کی تسلی جبکہ ہوگی گفت و شنود سے لوگوں کی

گرم اشعار میر درود نہ داغوں سے یہ پھر دیں گے  
زرد و شہر میں پھرے گا گلیوں میں نکل چنیے گا

تھا اندوہ گرہ دت سے دل میں توں ہو درو ہوا  
چاہ نے بدلے رنگ کئی اب جسم سراسر زرد ہوا  
وعدہ خلافی اس ظالم کی کھا گئی میری جان غمیں  
گرمی کرے وہ مجھ سے جب تک تب تک میں ہی سرد ہوا

گرد و غبار و دشت و وادی گریے سے میرے کیسو میں  
رونے کے آگے ان کے تو دریا بھی میرا اب گرد ہوا

مرزا تمام ہو نہ سکا نیم جاں ہوا  
بیمار عشق چار ہی دن میں گراں ہوا  
خوناب میری آنکھوں سے منہ پر دواں ہوا  
سینے کے اب مکان مرا لاکھاں ہوا  
مشیشہ ہوا نہ کیف کا پیر معاں ہوا  
صیاد کے کرم سے نفس آشاں ہوا  
اُن نے جواک نگاہ کی اُس کا زیاں ہوا  
بس میرے دل کا یار ہی اب امتحاں ہوا

میں رنج عشق کھینچے بہت ناواں ہوا  
بستر سے اپنے اٹھ نہ سکا شب ہزار حیف  
شاید کہ دل تر پنے سے زخم دروں پھا  
غیر از خدا کی ذات مرے گھر میں کچھ نہیں  
مستوں میں اُس کی کیسی تعین سے ہو نشست  
ساتے میں تاک کے مجھے رکھا اسیر کر  
ہم نے نہ دیکھا اُس کو سو نقصان جاں کیا  
تک رکھ لے ہا تھرتن میں نہیں اور جا سے زخم

وے تو کھڑے کھڑے مرے گھر کے پھر گئے  
گردش نے آسمان کے عجائب کیا سلوک  
مرغِ یمن کی نالہ کشی کچھ خنک سی تھی  
وہ بھول لا کے پھینک دیے میری گور پر  
سرکھینچا دو در دل نے جہاں تیرہ ہو گیا  
میں بے دیار و بیدل و بے خانماں ہوا  
پیر کبیر جب میں ہوا وہ جواں ہوا  
میں آگ دے یمن کو جو گرم فغاں ہوا  
یوں خاک میں ملا کے مجھے مہرباں ہوا  
دم بھر میں صبح زیر فلک کیا سماں ہوا

کہتے ہیں میر سے کہیں او با شہ گئے  
ہنگامہ ان سے ایسا الہی کہاں ہوا

جس رفتی کو عشق کا آزار ہو گیا  
نسبت بہت گناہوں کی میری طرف ہوئی  
حیرت زدہ میں عشق کے کاموں کا یار کے  
پھیلے شکاف سینے کے اطراف درو سے  
بازار میں جہاں کے بہ چین کیا متاع  
دل لے کے میری جان کا یمن ہو اندان  
عاشق کو اسکی تیغ سے بے لاگ کھینچے ہی  
مرے سوار ہا نہ ہوا تنگ ہی رہا  
دو چار دن میں برسوں کا بیمار ہو گیا  
ما کردہ جسم میں تو گھنگار ہو گیا  
دروازے پر کھڑے کھڑے دیوار ہو گیا  
کو چہ ہر ایک زخیم کا بازار ہو گیا  
سو جی سے جس نے دیکھا خدیار ہو گیا  
جس ہونا سے اپنے تئیں پیار ہو گیا  
یہ کشتی بھی مرنے کو تیار ہو گیا  
پھندے میں عشق کے جو گرفتار ہو گیا

کیا جرم تھا کہ سو پہ نہ معلوم کچھ ہوا  
جو میر کشت و خون کا سزاوار ہو گیا

دشمن ہو جی کا گاہک ہوتا ہے جس کو چاہا  
جی ہے جہاں قیامت درو عالم رہا وال  
نازہ جھمک تھی شب کو تاروں میں آسمان کے  
نہیازہ کش ہوں اُسکی نیت سے اس ادا کا  
جانا کہ منہ کھلا ہے آتشکدے کا شاید  
آنکھیں مری لگو ہیں بیجا نہیں لگیں ہیں  
میں راہِ عشق میں تو آگے ہی دو لا تھا  
کرنا وفا نہیں ہے آسان عاشقی میں  
کی دوستی کہ یار واک روگ میں بسا ہا  
بیمار عاشقی میں شب صبح تک کرا ہا  
اس آسیا کو شاید پھر کر کسو نے را ہا  
لگ کر گئے سے میرے انگوٹھی بے جلا ہا  
سینے کے زخم کا جو سر کا ہے ٹک بھی بھا ہا  
دیکھا ہے جن نے اُسکو آنے تجھے سرا ہا  
پر پیچ پیش آیا ان زلفوں کا دورا ہا  
تھکر کیا جگر کو تب چاہ کو نبا ہا

<p>کتنے تو تھے نہ دیکھو اُس سے گئے نہ جاؤ</p>	<p>سمجھے نہ دیدہ و دل اب کیا کروں آگیا</p>
<p>یا مرتضیٰ علیؑ ہے تیرا گدا کے در یہ</p>	<p>کر حال میر بر بھی ملک التفات شاہا</p>
<p>بلبل کا شور سن کے نہ مجھ سے رہا گیا لوگوں نے پائی راکھ کی ڈھیری مری جگہ چہرے پہ بال بکھرے ہے سب شہاں چلنا ہوا تو قافلہ روزگار سے کیا بات رہ گئی ہے ہرے اشتیاق سب زخم صدر اُن نے کھنکھنہ خود کئے سائے جو کس میرے پریشاں ہیں عشق میں بادل گردِ گرج کے مٹاتا ہے یعنی یاں وے مخونا ہی رہے آئے نہ اس طرف</p>	<p>میں بیدار غ باغ سے اٹھ کر چلا گیا اک شعلہ میرے دل سے اٹھا تھا جلا گیا یعنی کہ بیرونی سے منہ چھپا گیا میں جوں صد اجڑس کی اکیلا جدا گیا رقعہ کے لکھتے لکھتے ترسل لکھا گیا صحبت جو بگڑی اپنے میں سارا مزا گیا اس راہ میں یہ قافلہ سارا لٹا گیا نوبت سے ہر کوئی نئی نوبت بجا گیا میں منتظر توجی سے گیا ان کا کیا گیا</p>
<p>دل دے کے جان میر نے پایاں کا ردی</p>	<p>یہ سادہ لوح طرح نئی دل لگا گیا</p>
<p>عشق بھی اُس کا ہے نام اک پیار کا میں ہوں خواہاں لطف تہ بازار کا کشتہ و مردہ ہوں اس اسرار کا حال ابتر ہو گیا گھر بار کا کب وفاداری ہو شیوہ یار کا رنگ دیگر ہے درود یار کا غم کشوں کے دیدہ و خوبار کا اس میں کچھ نقصاں نہیں سرکار کا</p>	<p>میں ہوں خاک افادہ جس آزار کا بیچتا سر کیوں نہ گلیوں میں پھروں خون کر کے ملک نہ دل اُن نے لیا گھر سے وہ مہمار کا جو اٹھ گیا نقل اس کی بیوفائی کی ہے اصل سچو دے دے مارتے گھر میں پھرے اک گدا کے در ہے سیلاب بہار دلبراں دل جنس ہے تنجائشی</p>
<p>عشق کا مارا ہے کیا پیچے کا میر</p>	<p>حال ہے بد حال اس بیمار کا</p>
<p>جو تو ہی صنم ہم سے سینہ اڑ ہوگا</p>	<p>تو جینا ہمیں اپنا و شوار ہوگا</p>

ہیں کڑھتے کڑھتے کچھ آزار ہوگا  
کوئی دن میں برسوں کا بیمار ہوگا  
بکھو تو تیرے دل سے بھی یار ہوگا  
کہ اس سنگدل سے ہمیں پیار ہوگا  
خدا جانے کیا آخر کار ہوگا

غمِ مجسم رکھے گا بیتا بیدل کو  
جواںِ طراغت ہے ایسا تو عاشق  
چلتی ملاقات کب تک سنبھلے گی  
تجھے دیکھ کر لگ گیا دل نہ جانا  
لگا کرنے ہجران سختی سے سختی

یہی ہو گا کیا ہو گا میری نہ ہونگے  
جو تو ہو گا بے یار غمخوار ہو گا

دور سے دیکھتے ہی پیار آیا  
اتو اسکے تئیں قسار آیا  
میری آنکھوں ہی پر غبار آیا  
میں جہن میں بہت پکار آیا  
وہ قمار سی گلے کا بار آیا  
غیب سے ہاتھ نہ نکال آیا

دیر بد عہد وہ جو یا آیا  
بہتر اری نے مار رکھا ہیں  
گردہ ہسکی اب اٹھو نہ اٹھو  
اک خزاں میں نہ طیر بھی بولا  
بار کر میں تو کا تانتا تھا نکلا  
طاہر قمر کو قفس میں رکھ

موسم آیا تو نخل دار میں میر  
سرمسور ہی کا بار آیا

ہزار مرتبہ منہ تک مرے جگر آیا  
وہ انتظار کشوں کو نہ ٹھک نظر آیا  
لاپ جس سے ہو ایسا نہ یک ہزار آیا  
کہ خوفِ میر ہے مخدوم یاں کو ہر آیا  
محیط اس مرے رونسے کو دیکھ کر آیا  
کہ نگر لٹا چکے جب یار اپنے چھ آیا  
کہ جی کے رنہ مٹنے سے جوں ازل بھی آیا  
ستم کی مشق کی پر خون اُسے نہ شکر آیا

زمانہ مجسم کا آسان کیا بسر آیا  
ار میں جو منتظر آنکھیں غبار لائیں ولے  
ہزار طرح سے آوے گھڑی جدائی میں  
لا جو عشق کے جنگل میں خضر میں نے کہا  
یہ لہر آئی لگی زور کا لے پانی تک  
نثار کیا کریں ہم خانماں خراب اسیر  
نہ روؤں کیونکہ علی الاقوال میں ہیں  
جوان بائے ہیں بڑھ چکی ہی سے اُن نے بہت

لجک کر کی جو یاد آوے اُسکی یہ آوے  
سنہ پانی میر کے اشکوں کا تانتا سر آیا

<p>آشنا رہ بر سوں جو اکدم میں ہونا آشنا پھر نہیں ملنے کا تم کو کوئی سہا آشنا بھڑکے پت بھڑیں ابی ہائے کیا کیا آشنا آشنا سے فرق ہوتا ہے بہت تا آشنا آشنائی یا نہ کرے ہو جیسے یا آشنا معفرت ہو اسکو وحشی ہم سے بھی تھا آشنا پھر نہ ہو گا تم کو ایسا کوئی پیدا آشنا</p>	<p>ہو کوئی اُس بیوہ دلدار سے کیا آشنا قدر جانو کچھ ہماری ورنہ پچھتاؤ گے تم باغ کو بے لالہ و گل دیکھ کہتے تھے طہور اب تو لڑکا نہیں عشق جہوس میں کرتے سیر ملتے ملتے منہ پھپھانا بھی لطیفہ ہے نیا تھا جنوں کا لطف مجنوں سے سو دنیا سے گیا اب جو ہا تھا آئے ہیں ہم مت ہفت نکو دیکھو ہیں</p>
<p>کیسا ہی پانی سو اس کو پیری میں جا رہا ہے پیر تھا جوانی میں گھر تو میرا دانا آشنا</p>	<p>گئے تھے سیرچن کو اٹھ کر گھوٹوں میں تک جی لگا نہ اپنا تلاش جوش بہار میں کی نگار گلشن میں تھا نہ اپنا</p>
<p>ملا تو تھا وہ بخوابش دل مزہ بھی پاتے ملے سے لیکن پھر میں جوستی میں اُس کی آنکھیں سو ہوش بہو رہا نہ اپنا</p>	<p>جہاں کا دریا ہے بیکراں تو سرب پایاں کا رکھلا جو لوگ تہ سے کچھ آشنا تھے اُنھوں نے لب ترکا نہ اپنا</p>
<p>نکالی سرکش نے چال ایسی کہ دیکھ حیرت سے رہ گئے ہم دلوں میں کیا کیا ہمارے آیا کریں سو کیا بس چلا نہ اپنا</p>	<p>کے بھی کوئی تو اس سے جس میں سخن کسو کا اثر کرے کچھ بکائے ہم ہمیشہ مانا کسو دن اُن نے کہا نہ اپنا</p>
<p>نہ ہوش ہم کو نہ صبر دل کو نہ شور سر میں نہ زور یا میں جو روویں کس کس کو روویں اب ہم وفا میں گیا کیا گیا نہ اپنا</p>	<p>جہاں میں رہے کو جی بہت تھا نہ کر سکے میرے کچھ توقف بنا تھی ناپا ملہ اس کی اسی سے رہنا نہ اپنا</p>
<p>۱۔ صاحب سے تاجاں ماہر ہم ونا بمنزل دیگران : فرق باشد جان ما از آشنا ما آشنا : ۲۔ میر تقی سے داغ ہے تاباں علیہ الرحمہ کا چھاتی یہ سیر : ہونجات اسکو بچا را ہم سے بھی تھا آشنا :</p>	

پڑا تھا شور جیسا ہر طرف اُس لابی کا  
رہے بد حال صوفی حال کرنے دیر مجلس میں  
نظر بھر دیکھتا کوئی تو تم آنکھیں جھپا لیتے  
یکم یا قوت کی چلتی ہے اتنی دور کا ہے کو  
پھر بستی میں دیت کچھ نہیں فلاس سے اپنی  
دماغ اپنا تو اپنی فکر میں ہی ہو چکا یکسر  
ذلیل و خوار ہیں ہم آگے غویاں کے ہمیشہ سے  
دُرو چو کو جو چسپاں اختلاطی تم سے ہو مجھ کو

رہا و سیاہی ہنگامہ مری بھی زار زانی کا  
معنی سے سنا مصرع جو میرے شعر حالی کا  
سماں اب یاد ہو گا کب تمہیں وہ خورد سالی کا  
چنبا ہے نظر بازوں کو ان ہونٹھو کی لالی کا  
انہی ہووٹھ کا لاشتا لباس دست عالی کا  
خیال اب کس کو ہے اے ہشتین زنجیری کا  
پرکھیا کچھ نہیں ہے ہم کو ان کی جھڑکی گالی کا  
تشت کیا ہے میری دور کی اس کھجھالی کا

نہ پوسنے جو دعا کے میر داں تک عجب کیا ہی  
عسل مرتبہ ہے بسکہ اس درگاہ عالی کا

دل جو ناگاہ بے قرار ہوا  
شب کا پہنا جو دن تلک ہے مگر  
گرد سراس کے جو پیراں بہت  
بستر خواب سے جو اُسکے اٹھا  
نچھے لینے لگے ہیں عبرت لوگ  
روز و شب روتے کرتے گزرتے ہو

اس سے کیا جانوں کیا قرار ہوا  
یار اُسکے گلے کا بار ہوا  
رفتہ رفتہ مجھے دوار ہوا  
محل تر سوکھ سوکھ خوار ہوا  
عاشقی میں یہ اعتبار ہوا  
اب یہی اپنا روزگار ہوا

روؤں کیا اپنی سادگی پر میر  
میں نے جانا کہ مجھ سے یار ہوا

جس ستم دیدہ کو اس عشق کا آزار ہوا  
روز بازار میں عالم کے عجب تھے ہے حسن  
دھوپ میں گئے کھڑا اسکے جلا کرتا ہوں  
ہوش کچھ بچنے سروں میں تھا شابی چیتے  
ہو بخود تو کسو کو ڈھونڈتے کالے کوئی  
مرغ دل کی ہی رہائی سے مراد لب بھیج  
پیار کی دیکھی جو جیتوں کس کی میں جانا  
اے حیف صد حیف کہ نادیر ہزار شہیم

ایک دودن ہی میں وہ زار و زول ہوا  
بک گیا آپ ہی جو اس کا خرم یار ہوا  
چاہ کر اُسکے تئیں میں تو گنت گار ہوا  
حیف صد حیف کہ میں دیر حیرت ہوا  
وہی خود گم ہوا جو اُس کا طلب گار ہوا  
برشکن بالوں میں وہ اُسکے گرفتار ہوا  
کہ یہ اب سادہ دیر کا مرار ہوا



لہجہ میں شوق کی افراط سے بیمار ہوا	تھکے اس پر جو کیا تھا سو گرا بستر پر
کیونکہ سب عمر صوبت میں کمی تیری میر اپنا جینا تو کوئی دن ہمیں و شوار ہوا	
آج اُس خوش پر کار جو ان مطلوب حسین نے لطف کیا پیر فقیر اس بے دندان کو اُس نے دندان مُردہ دیا	
آتش کی بوند آنکھوں سے دونوں بتو نکلتی ایک نہیں دل کی طہیدن روز و شب نے خوب جگر کا لوسو پیا	
مرتے جیسے صبر کیا تھا ویسی ہی بے صبری کی ہائے در تن افسوس کوئی دن اور نہ یہ بیمار جیا	
باتھ رکھے رہتا ہوں دل پر برسوں گزرے ہجرال میں ایک دن اُن نے گلے سے مل کر باتھ میں میرا دل نہ لیا	
حیرت سے آفتاب جہاں کا تھاں رہا کیا جانئے غبار رہا رہا کہیں رہا سیلاب ان ہی رخنوں سے مدتوں رہا اب کیا رہا ہے مجھ میں جو میں نیم جاں رہا سو آپ ایک رات ہی واں میہماں رہا وہ دیر میرے حال پہ بھی حسدیاں رہا موت خرابہ گرد وہی بے خانماں رہا کیا ہے گلے پہ جان کے گوہر جہاں رہا	اب یار دو پہر کو کھڑا تک جو یاں رہا جو قافلے گئے تھے اُنھوں کی اُٹھی بھی گزرا سو کھی پڑی میں آنکھیں مری دیر سے جواب اعضا گداز عشق سے ایک ایک بہ گئے منعم کا گھر تما دی ایام میں بنا اُسکے قریب لطف پہ مت جاکہ سمنشیں اب در پہ اُس کے گھر کے گڑھوں گزرتے ہیں ہے جان تو جہاں سے مشہور ہے مثل
ترک شراب خانہ ہے پیری میں ورنہ میر ترسا بچوں ہی میں رہا جب تک جوان رہا	
بہت عالم کرے گا غم ہمارا رہے گا دیر تک تاہم ہمارا کہ ہسر جاتا ہے قدیم ہمارا نہیں کم حشر سے اودھم ہمارا	سخن مشتاق ہے عالم ہمارا پیر صیغے شرور و لوگ بیٹھے نہیں ہے مرجع آدم اگر خاک زمین و آسمان زیر و زبر ہے

نیز جو کلام لکھا ہے کہ بدتر ہے

لے زندہ و عشق چہاں بود یعنی مجھوں پہ پیش ازین عشق مگر اینہم و شوار بود (لہجہ) اگلے دندانہ

کسو کے بال درہم دیکھتے میر  
ہو اسے کام دل پر ہم ہمارا

ردیف بائے موحّدہ

مر جائے کوئی خستہ جگر تو ہے کیا عجب  
اڑتی سی ہنکو آوے خبر تو ہے کیا عجب  
شب بھر کی بھی ہو وہ سحر ہے کیا عجب  
س آہ کا ہو اس میں اثر تو ہے کیا عجب  
وے ادھر بھی اسکی نظر تو ہے کیا عجب  
عاشق سے جو بندھے نہ کر تو ہے کیا عجب  
کر جائے کوئی رفتہ سفر تو ہے کیا عجب  
ہو وہ بھی تیسے دستا بسر تو ہے کیا عجب  
ہوئے ہے اس سے ہنکو سفر تو ہے کیا عجب  
اب آوے وہ کچھ مرے گھر تو ہے کیا عجب

ہے عشق میں جو حال تیر تو ہے کیا عجب  
لیجائے نامے کتنے بکو تر ہوئے ہیں فریح  
شبنائے تار و تیرہ زمانے میں دن ہو میں  
جیسے ہے رخنہ رخنہ یہ چرخ اشیر سب  
باقی ہے چشم شوق کسو کی ہزار عیا  
غرض ملک سے ہو وہ چک اس کم کی دیکھ  
تیرک وطن کیا ہے عزیزوں نے چاہ میں  
برسوں سے ہاتھ مارتے ہیں سر پہ اس بغیر  
علوم سود مندی عشاق عشق میں  
گھر بار میں لٹا کے گیا گھر سے بھی کل

ملتی نہیں ہے آنکھ اس آئینہ رو کی میر

وہ دل جو لے کے جاوے مگر تو جو کیا عجب

کرنا جو کچھ ہو تم کو سو کر و شباب اب  
پایا قرار یہ کہ رہوں میں خراب اب  
تو تو ہو اسے کھلو بہت سا ثواب اب  
دل رگیا ہے پہلو میں ہو کر کباب اب  
رہتا ہے میری خاک کو ہر عذاب اب  
دیکھیں جو لے دوس با کوئی کیا جواب اب  
میں خود حسابی میری تو ہے بحساب اب  
نزدیک شاید آیا ہے ہنگام خواب اب  
کرنے لگو گے ورنہ عتاب خطاب اب

آیا ہے شیب سر پہ گیا ہے شباب اب  
بگڑا بنا ہوں عشق سے سو بار عاقبت  
خونریزی عاشقوں کی ہے ظالم اگر ثواب  
بھڑکی دروں میں آتش سوزندہ عشق کی  
ہوں اس ہشتی رو سے جدا میں جحیم میں  
خا صبر و آیا چپ سے نشان خط کا کچھ نہیں  
کیا رنج و غم کو آگے ترے میں کروں شمار  
بھسکی گاس آنکھیں اور چھکی آتی ہیں بہت  
آرام کرے میری کہانی بھی ہو چکی

	<p>جانا سمجھوں نے یہ کہ تو معشوق میر ہے خلع العذار سے یہ کیا ہے حجاب اب</p>	
<p>لکھا دے گا آفتابہ کوئی خود سر آفتاب بارگاہ ہے شام و سحر جگر آفتاب بھڑائی بھانکتا اُسی کو گھر آفتاب بھاگے بولنے سائے سے بھی خوشتر آفتاب ہوتا ہے دوپہر کے تنیں سر آفتاب نکلے ہے کوئے یار سے بیچ جگر آفتاب ہر چند سب ستاروں سے تھا بڑا آفتاب مہر گم کہ صحر سوا ہے گیا کیدھر آفتاب جسکی اٹھا سکانہ کبھی سیر آفتاب</p>	<p>منہ دھوئے اُسکے آتا تو ہے کتر آفتاب سر صد تے تیرے ہونے کی خاطر بہک گم نجانہ کیوں صبح جہاں میں ہو پر سرور تھرید کا فراغ ہے اک دولت عظیم مازک مزاج ہے تو کہیں گھر سے مت نکل پیدا ہے زور مشرق نو کی نمود سے ہو بیت اُس کے نور کا زیر میں گیا سرخ کی روشنی میں معلوم کچھ ہوا س زور کش کی توں قریح کی گمان نک</p>	
	<p>روشن ہے یہ کہ خوف ہے اُس غصہ و رکامیر نکلے ہے صبح کا بیتا جو تھر تھر آفتاب</p>	
<p>بیمروت اس زمانے میں ہمہ حیرت ہے اب دو تہی ہے دشمنی اُلفت نہیں کلفت ہے اب سود ماغ اپنا ضعیف قلب بھلاقت ہے اب عالم عالم بھر رہا ہے عشق کی نھت ہے اب</p>	<p>آئینہ سا جو کوئی یاں آشنا صورت ہے اب گیا کوئی یاری کو سے کر کے ہووے شاد کام چاہتا ہے درد دل گزرا کسوں سے دل دماغ کیونکہ دنیا دنیا رسوا کی مری موقوف ہو</p>	
	<p>اسک نو میدانہ پھرتے ہیں مری آنکھوں کے بیچ میر یہ دے ہے دکھائی جان کی نھت اب</p>	
<p>ساقد میرے دل عطر اتو آچکا مرنے کا خواب باکہ نھت گل کی تھا آیا گیا عمر شباب ہو گیا مجھ پر ستم اُچھا نہ ٹھکتی میں خواب یا انہی دے زمانے سے اٹھا رسم نقاب دل بدن میں آدمی کے ایک ہو خانہ خراب نچ سے اٹھ جائے تو ہووے ابھی رنج حجاب</p>	<p>مارے ہی ڈالے ہے جبکا زندگی میں اضطراب کھٹکھٹا بھی تو کہتے تھا کسو بجلی کی تاب کی نماز صبح کو کھو کر تمازا اشتراق کی دیکھنا منہ یار کا اس وجہ سے ہوتا نہیں سعت ہو اُسکے مرض اور اُسکے غم سے الغرض دریں ہم میں پراپر وہ جو ہے ہستی ہے یہ</p>	

لہ منہ دھوئے وقت اُسکے اکثر دکھائی دے ہے نور شیدہ رہا ہے ایک روز آفتابہ میر تقی میر

پیر کبھو صحبت میں اُسکی ہم ہوئے نہ بار بار  
ہم پہ شیخ شہر برسوں سے کہے ہے حساب

صورت دیوار سے مدت گھڑے دیر رہے  
مے سے تو بہ کرنی ہی معقول اگر ہم جانتے

جمع تھے خواباں بہت لیکن پسند اس کو کیا  
کیا غلط میں نے کیا اسے میر دقت انتخاب

بذربانی بھی کی اُن نے تو کہا بسیار خوب  
بیکسوں کے قتل میں اتنا نہیں صراخ خوب  
چاہ کا اپنی نہ کرنا ان سے تھا اظہار خوب  
بچھ مریض عشق کے کب سے نہ تھے آشنا خوب  
ورنہ مفلس غم زدوں کے کچھ نہ تھے کردار خوب  
ظلم تب کرتا ہے جب ہو کوئی منت دار خوب  
جب لٹا یا مالی سے میں تب ہوا ہوا خوب  
کم ہو چتا ہے ہم دنیا میں یارو یار خوب

منزل ترا سے بھی ہر بات کی تکرار خوب  
لگ نہیں پڑتے ہیں لیکر ہاتھ میں شمشیر تیز  
آخر ان خواباں نے عاشق جان کر مارا کچھ  
آج کل سے مجھ کو بتیابی و بد حالی ہے کیا  
کیا کریم کی اُسکی کیئے جنت درستہ دی  
مختصر عہد و شتم میں بھی ہوا وہ نوجواں  
دہر میں سستی بلندی برسوں تک کبھی ہے میں  
کیا کسو سے آشنائی کی رکھے کوئی اُمید

کہتے تھے نس کے سے لے میر مت کھا بیج و تاب  
آخر اس کو پے میں جا کھالی نہ تو نے بار خوب

### رویت تائے فوقانی

وہ شکر اس شمشک کو ستا ہے بہت  
جامہ کبرتی کسو کا جی جلاتا ہے بہت  
سوریشاں تب جو شب مجھ میں آتا ہے بہت  
اسے جاتا ہوں تب جب وہ بلاتا ہے بہت  
وہ کبی سے سیدھیاں بجھو سنا ہے بہت  
شاغری سے جو کوئی باتیں بناتا ہے بہت  
ناز و انداز اس ہی کا جو بجھو بھاتا ہے بہت  
اب خیال کی طرف ہر خطہ جاتا ہے بہت  
بکہیں شگامہ آرا میر آتا ہے بہت

جو کوئی اس ہوفا سے دل لگاتا ہے بہت  
اُسکے سونے سے بدن کس قدر چپاں ہے ہائے  
کیا پس از چندے مری آوارگی منظور ہے  
چاہ میں بھی بنیتر جانے سے کم موتا ہے دہر  
گرچہ کم جاتا ہوں پر دل پر نہیں کچھ اختیار  
بھول جاؤ گا سخن پر دازنی اُسکے سامنے  
باغزہ معشوق کیا کم ہیں پراسکو کب کر دل  
وہ نہیں ہجراں میں بن خواباں میں ہے مجھے  
کیا کر دل کہنے لگا ایدھرنہ آنے پائے وہ

<p>بہت سے کرتا ہے وہ حجاب بہت کم رہا موسم شباب بہت عمر جاتی رہی شباب بہت دل نے ہکو کیا غراب بہت جان کسے ہوا بضراب بہت گو کرے شیخ احتساب بہت ہر بانی ہے کم عقاب بہت تو ہوا ہے اسے ثواب بہت</p>	<p>منہ پر رکھتا ہے وہ نقاب بہت چشمک گل کا لطف بھی نہ اٹھا دیر بھی کچھ لگی نہ مرتے ہمیں دھوڑ دھوڑے اسکو کوچے کوچے پھر چلنا اپنا قریب ہے شاید توبہ سے بہار میں نہ کروں اس غصیلے سے کیا سو کی تھکے کشتن مردمان اگر ہے ثواب</p>
<p>دیر تک کہے میں تھے شب یہوش پی گئے میسر جی شراب بہت</p>	
<p>کر دھتے ہیں دن رات اس پریم بہت اور دے بھی سکے ہیں برہم بہت باطھ بھی رکھتے ہیں دل پریم بہت دل جگر کر لے ہیں پتھر بہت</p>	<p>کیا کہیں ہو حال دل درخشم بہت رہتا ہے ہجرال میں غم غصہ سے کام بضراب اس کا نہیں ہوتا ہے کم اس گلی سے جی اچٹا ٹھک نہیں</p>
<p>میسر کی بد حالی شب مذکور مہی کڑھ گئے یہ حال سن کر ہم بہت</p>	
<p>دستی روشن لیر کئے ہیں ہونے میرے شکار بہت خیل لالٹیاں بھی ہونے اس کے خاطر دار بہت جو دیکھے ہوئے ہوئے نے کھینچا ہے آزار بہت کہنے لگا جانبر کیا ہو گا یہ تو ہے بیمار بہت ٹھہر گیا عاشق بیکس یاں چلتی ہے تلوار بہت سیکڑوں سے بھینکے گئے اور ٹوٹے ہیں زار بہت اس پہ نہ جانا آہ برا ہے الفت کا آزار بہت کم گلزار میں اس بن جا کر آتا ہوں زیار بہت</p>	<p>چلے بن باہر آبادی سے کر نہ توافن یار بہت دعویٰ عاشق بیچارے کا کون نے کاغذ میں خسکی لب کی زردی رخ کی غما کی دو آنکھوں کی جسم کی حالت جی کی طاقت جن سے سر معلوم طبیب چار طرہ برہ کے اشارے اس ظالم کے زمانے میں پیش گئی نہیں کچھ چاہت میں کا مہولم دونوں کی جی کے لگاؤ سے عین جی ہی جلے دیکھ ہیں کسکو دماغ بھر چن ہے کیا ہجر میں اشد ہو</p>
<p>سے میرے عزیز میاشقوں کی ہے ظالم اگر ثواب : نو لو ہوا ہے تجھ کو بہت سا ثواب اب +</p>	

میر دعا کر حق میں میرے تو بھی فقیر ہے مدت سے  
اب جو کچھ دیکھوں اُسکو تو مجھ کو نہ آوے پیار بہت

## رویت جیم فارسی

رنج ویسے ہی ہیں نباہ کے پنج  
دھوم رکھتے تھے دامگاہ کے پنج  
جو صبحی کے ہے گناہ کے پنج  
اُٹھے آشوب خفا نقاہ کے پنج  
دیکھ اُس رشتہ کو راہ کے پنج  
کتنے جی راستہ اک رنگاہ کے پنج  
کچھ اثر نہ لے پچاہ کے پنج  
رکھ لے انی خدا پناہ کے پنج  
بھائیں ہوتی ہر روز ماہ کے پنج

لطف جیسے ہیں سکی چاہ کے پنج  
ذوق صید اُسکو تھا تو خیل ملک  
کب مزہ ہے ناز صبح میں وہ  
اُس غصیلے کی سُرُخ آنکھیں دیکھ  
جان و دل دونوں کر گئے تھے عشق  
اُسکی چشم سیر ہے وہ جس نے  
سایہ ہی رہتی پھر انگر ہوتا  
کیا رہیں جو رستے بتوں کے ہم  
مُتھ کی دو بھائیوں سے مدت شراب

میر پیار ہے کہ فرق نہیں  
متصل اُسکے آہ آہ کے پنج

جو کہوں ہیں کوئی بے خبر ہے بھی غواروں کے پنج  
جوں مہ تابندہ آتا ہے کچھ تاروں کے پنج  
اس سے پیدا ہو میں ہی ہوں گنگاؤں کے پنج  
ایسے مرنے جینے کی اُن عشق کے ماروں کے پنج  
کیا جیے گا یہ ستم دیدہ ان آزاروں کے پنج  
دیدنی تھے لوگ اس عالم کے بیاہوں کے پنج  
سم بھی تھے اس ناز میں کے ناز برداروں کے پنج  
تنگ ہوں محو زہ دنیا کی دیواروں کے پنج

دانش و فراہ و خمیں کون ہے یاروں کے پنج  
جمع خواب میں مرا محبوب اس اندر ہے  
جو جفا عاشق پہ ہے سوا در لوگوں پر نہیں  
مر گئے بہتر سے صاحبیل ہوس کس کو ہوئی  
روزا کثر معاشق میں دیکھا مزاجن نے کب  
منتظر برسوں رہے افسوس خس مر گئے  
خاک تربت کیوں اپنی دلبرانہ اٹھ چلے  
صاف میدان لامکان سا ہو تو میرا دل کھلے

باغ میں تھے شب بگل جتنا ب میرے آس پاس  
یار بن یعنی رہا میں سیرا نگاروں کے پنج

کاش یہ آفت نہ ہوتی قالب آدم کے پنج  
نعل سینوں پر چڑے جاتے ہیں ماتم کے پنج  
یعنی صورت اس ہی کی بھرتی ہو چشم نم کے پنج  
دل زدہ ہم شیب میں رہتے ہیں اپنے غم کے پنج  
سو بلائیں میں یہاں نہ بدول کے خم کے پنج  
کون سنتا ہے کس کی بات اس اودھم کے پنج

دل ہی نہ جھکوں کہتے ہیں اس عالم کے پنج  
چھائی کٹی سنگ ہی سے دل کے جانے میں نہیں  
نقشہ اسکا موم دیدہ میں میرے نقش ہے  
شاد دے جواب جو اتنا زہ ہوئے میں شرم میں  
دل نہ ایسا کر کہ پشت و چشم وہ نازک کرے  
حد سے افزوں اس گلی میں شور ہے عشاق کا

رونق و آبادی ملک سخن ہے اس ملک  
ہوں ہزاروں دم اتنی میر کے ادم کے پنج

### روایت رائے مہملہ

پنج  
نا

یہ فسانہ ربا ز باقوں پر  
رکھ گئے ہاتھ سو تو کانوں پر  
ہیں داغ ان کے آسمانوں پر  
ظلم کرتے ہیں کیا جانوں پر  
سیر رہتی ہے ان مکانوں پر  
بھیر رہی رہتی ہے دکانوں پر  
بار کے پاؤں کے نشانوں پر  
ڈالے پھر تار ہی بن نشانوں پر  
مہر کی تھی مگر دیوانوں پر  
جسے جسے ماروں میں تھاروں پر  
بھانسا کرتے ہیں نکو آؤں پر  
اب نشیت ہر ان ہی کھانوں پر

دل گئے آفت آلی جانوں پر  
عشق میں ہوش صبر سنتے تھے  
گرچہ انسان ہیں زمیں سے ولے  
شہر کے شہنشاہ سادہ رولر کے  
عرش و دل و دونوں ہے پایہ بلند  
جست بازار میں تہہ بھسی خراج  
لوگ سر دینے جاتے ہیں کب سے  
کچی او بانش کی ہو وہ در بند  
کوئی بولانہ قتل میں میر سے  
یاد میں اس کے ساق سپہیں کے  
تھڑلے میں خیر جی جنکی روپے  
غم و غصہ ہے جھٹے میں میر سے

فقتہ دنیا میں میر بہت سنے

نہ رکھو گوش ان فسانوں پر

لے میر تقی میر سے تھوڑے میں دور کھینچے ہو کیا آدم آکھو اس مشت حاک کا ہے داغ آسمان پر

اُس نے ہونٹوں سے اُٹھ کر میرے مکان کے اوپر  
پھولوں سے اُٹھ نکاہیں کھڑے پاؤں سے ٹھہریں  
برسات ابکی گزری خوت و خطر میں ساری  
رخسار ساکس کے کاہیکو ہے خسرو زراں  
بے سدھ پڑا رہوں ہوں بستر پہ رات دن میں  
عشق و ہوس میں کچھ تو آخر تیز ہوگی  
انفت کی کلفتوں میں معلوم ہے ہوئی وہ  
موجود تھا اکشر غیرت سے لیک گیا ہے  
وہ جان دل کی خواہش کیا نہیں جہاں میں  
کیا لوگ ہیں مجھ سے سودائے عاشقی میں  
غیرت سے اُسکے رو کی چپ لگ گئی ہو ایسی

کی تم نے ہر بانی بے خاتاں کے اوپر  
وہ کلفروش کا جو آیا دکاں کے اوپر  
چشمک زباں رہی برق آسماں کے اوپر  
ہر چند ماہ تاباں ہے آسماں کے اوپر  
کیا آفت آگئی ہے اس نیم جاں کے اوپر  
آئی طبیعت اس کی گرا امتحاں کے اوپر  
تھا اعتماد کلی تاب و تواں کے اوپر  
آیا نہ نام اُس کا میری زباں کے اوپر  
آئی ہو اک قیامت الٰہی جہاں کے اوپر  
غماض کرتے ہیں سب جی کے نیل کے اوپر  
گو یا کہ مہر کی ہے میرے ویاں کے اوپر

ہو راہ دوستی میں اسے میر مر گئے ہیں  
سردیں گے لوگ انکے پاس کے نشان کے اوپر

ہو یا جو اپنے گھر سے وہ شوخ پاں نکھ کر  
شاید کہ منہ پھر ہے بندوں سے کچھ خدا کا  
کان اُس طرف نہ رکھے اُس حرف ناشنوائے  
کہتے تھے ہم کہ اُسکو دیکھا کرو نہ اتنا  
آگے ہی مر رہے ہیں ہم عشق میں تباں کے  
وہ بیوفانہ آیا بالیں پر وقت رختن  
چلتے تھے ہوئے ہوئے ہم یوں عاشقی میں  
ہوتے نہ لگ جل اس سے لے باز تو نے ظالم  
موت ہوئی نہیں ہے ویاں سے جو بے مطلق

کی بات اُن نے گوئی سو کیا چاہا کر  
نکلے ہے کام اپنا کوئی خدا خدا کر  
کہتے رہے بہت ہم اُس کو سنا سنا کر  
دل خوں کیا نہ اپنا لکھیں لڑا لڑا کر  
تلوار کھینچتے ہو ہم سکو دکھا دکھا کر  
سو بار ہم نے دیکھا سر کو اُٹھا اٹھا کر  
پران کے جی ہی مارا آخر جلا جلا کر  
بہت سیدوں کو سلا یا اُس کو جگا جگا کر  
دفتر کے روانہ لکھ لکھ لکھا لکھا کر

کیا دور میر منزل مقصود کی ہے اپنے  
اب تھک گئے ہیں او دھر قاصد جلا جلا کر

لے میر تقی سے کچھ ہو رہے کا عشق و ہوس میں ہی، قیاز نہ آیا ہے اب مزاج تیرا امتحان پر +



صوفی ہو کو دیکھ کے کاش آوے راہ پر  
ہوتے ہیں خون پیچھی بھی اُس کی نگاہ پر  
واجب ہے خون کرنا کہاں اس گناہ پر  
ہے اس گلی میں حسرت سخن عزشاہ پر  
جاگہ سے تم گئے اُنھوں کی واہ واہ پر  
آنکھ اس دلی کی دوسے ہر اک برگ کاہ پر  
اُس کی نظر گئی نہ شب مہیں ماہ پر  
موقوف ایسا جانا ہے اب ایک آہ پر

کہتے تو ہیں کہ ہم بھی تھیں چاہتے ہیں میر  
پر اعتماد کس کو ہے خواہاں کے چاہ پر

دیتا ہے جان عالم اُس کی جفا کے اوپر  
پر آنکھیں مسکی دھوپیں پشت پاس کے اوپر  
ہوتے ہیں خون تیرے رنگ جنا کے اوپر  
شاید برات اپنی لکھی ہوا کے اوپر

بندوں سے کام تیرا ہے میر کچھ نہ نکلا  
موقوف مطلب اپنا اب رکھ خدا کے اوپر

دل کوئی لے گیا ہے تو میر ملک جگر کر  
آنکھوں میں پھر نہ آئی جی سے مرے اتر کر  
ذلت جو ہو وطن میں تو کوئی دن سفر کر  
مجھ کو مری زبانی سو بار اب خبر کر  
کرتا ہے بات کوئی دل کی تو چشم تر کر  
یار شب جدائی عاشق کی بھی سحر کر  
جو بچھ گئی ہیں زلفیں اس جہرے پر بھر کر  
جاتے ہیں غش کیے ہم مشتاق منہ اوھر کر  
حال تبہ میں میرے تو بھی تو ٹھک نظر کر

آیا ہے ابر قبلہ چلا خافتا ہ پر  
وہ آنکھ اٹھا کے شرم سے کب کیے ہوئے  
بالغرض چاہتا ہے گنہ لیک میری جاں  
کیا بحث میرے دفرے میں ہوں فقیر محض  
تہ سے سخن کے لوگ نہ تھے آشنا عبث  
ڈر چشم شور چرخ سے گل بھول کھٹوت  
دیکھی ہے جن نے یار کے رخسار کی جھمک  
ہم جاں بلب پنگوں کی سدھ لیمو شباب

میلان دلر با ہو کیو مکر و فنا کے اوپر  
کشتہ ہوں اس جیا کا کٹوالے بہتوں کے سر  
منہدی لگا کے ہرگز گھر سے تو مت نکلیو  
ہوں کو بکھو صبا سا پر کچھ نہیں ہے حاصل

زانو پہ سر ہے اکشمت فکر اسقدر کر  
خورشید و ماہ دونوں آخرتہ دل سے نکلے  
یوسف عزیز دہا جا مصر میں ہوا تھا  
اے مہنیش غشی ہے میں ہوش میں نہیں ہوں  
کیا حال زار عاشق کر لیے بیاں نہ پوچھو  
دیتے نہیں ہیں سونے ٹھک آہ ماے آستے  
اتنا ہے منہ چھپا یا شوخ اُسکے عزموں نے  
کیا پھر پھر گردن باتیں کری ہیں سب میں  
بن دیکھ تیرے میں تو بیمار ہو گیا ہوں

رہنے کیے جو تو نے پتھر کی سل میں ٹوکیا | اے آہ اس صنم کے دل میں بھی ٹک اثر کر

مارے سے گل کیے سے جانا نہیں ہے ہرگز نہ  
نکلے گا اس گلی سے شاید کہ میرا مگر

جو حادثہ فلک سے نازل ہوا میں پر  
ہوتا ہے شوق غالب اس کی نہیں نہیں پر  
سیرچن کے شایاں اپنے رہے نہیں پر  
ہے ہر خسراش ناخن رخسارہ جبین پر  
بندے کے کام کچھ کیا موت ہنس تھیں پر  
تلوار کھینچتا تھی اس کی جبین کی چیں پر

باندھے کمر سحر گہ آیا ہے میرے کیں پر  
اقرار میں کہاں ہے انکار کی سی خوبی  
کتع قفس میں جوں توں کا میں گئے ہم ہیراں  
جوں ابگیری کردہ شمشیر کی جبراحت  
آخر کو ہے خدا بھی تو اے میاں جہاں میں  
فہمے میں عالم اس کا کیا نظر پڑا ہے

تھے چشم خوں نشان پر شاید کہ دست و دامن  
ہیں میرا داغ خوں کے پیرا ہن آستیں پر

ہم پھینک دیں اُسے ترے منہ پر نثار کر  
دریائے حسن اس کا کہیں ہم نہ مار کر  
رحمت سفر کو اپنے شتابی سے بار کر  
تو اختیار گریہ بے اختیار کر  
پشتے لگائے اُن نے جوانوں کو مار کر  
روح القدس کو مار رکھا ہے شکار کر  
دشمن کا کام دار میں پہلی ہی بار کر  
کچھ ملنے کا نہ ملنے کا تو بھی قرار کر

گل کیا جسے کہیں کہ گئے کا تو ہار کر  
وغوشین جیسے موجیں اٹھی کشادہ ہیں  
یاں چلتے دیر کچھ نہیں لگتی ہے میری جاں  
مختار رونے پہننے میں عجب کو اگر کریں  
مشق ستم ہوئی ہے بہت صاف یاہ کی  
صیادری میں علو تقدس تو اس کا دیکھ  
بہنے لگی ہے تیغ کی جدول تو تیری تیز  
میں بقید ار خاک میں کب تک ملا کروں

میں رفتہ میرا مجلس تصویر کا گیا  
تو بیٹھا میرا حشر تک اب انتظار کر

رولف کاف تازی

جب کہتے تھے تب تم نے تو گوش ہوش نہ کھولے ٹک  
چپکے چپکے کسو کو چاہا پلو چھا بھی تو نہ بولے ٹک  
اے ایسے کئی شریک کے آچکے ہیں جس میں جہد دل تیغ کی روانی کا ذکر ہے ۱۱

اب جو چھاتی جلی فی الواقع لطف نہیں ہے کایت کا  
 صبر کر دیکھا ہوتا ہے یوں پھوڑے دل کے پھینکے ٹک  
 نالہ کشی میں مرغ چمن بکنا ہے پر ہم جانیں تب  
 نعرہ زناں جب صبح سے آکے ساتھ ہمارے بولے ٹک  
 اس کے قامت موزوں سے کیا سرو برابر ہو گیا  
 ناموزوں ہی بھلے کا سنجیدہ کوئی جو بولے ٹک  
 نکھیں جو کھولیں سوتے سے تو حال کے کہتے مجھ کو کہا  
 ساری رات کہانی کہی ہے تو بھی اٹھ کر سوتے ٹک  
 مشکل ہے دل داری عاشق وہ برسوں بیتاب رہے  
 بے طاقت اس دل کو میرے ہاتھ میں اپنے تو لے ٹک

ایسے درد دل کرنے کو میر کہاں سے جگر آوے	اگر غم سخن لوگوں میں ہو کوئی بات کرے تو رولے ٹک
سوزِ زخم پہونچا ہے شاید جگر تک	رہے ہے غش و درد و درد و بہر تک
خبر کچھ تو آئی ہے اس بیخبر تک	ہوئے ہیں حواس اور ہوش خسرو گم
ستارے فلک کے رہے ہیں ادھر تک	زین گرد اس مہ کی میرے ہیں عاشق
پہونچنا ہے شکل نہیں اس کے گھر تک	قیامت ہے مشتاق لوگوں کی کشت
نہ پہونچا مرا ہاتھ اس کی کمر تک	کہاں تک اسے سر سے مارا کروں میں
نہ آئی اسیران بے بال و بر تک	بہار آئی پر ایک پتی بھی گل کی

بہت میر پھر ہم جہاں میں رہیں گے	اگر رہ گئے آج شب کی سحر تک
آشوب نالہ اب تو پہونچا ہے آساں تک	وہ تو نہیں کہ اودھم رہتا تھا آشاں تک
ساری ہے وہ حقیقت جاوے نظر ہاں تک	برزخ جلوہ اس کا سارا جہاں ہے یعنی
صبر اس کی عاشقی میں کوئی کہے کہاں تک	بجراں کی سختیوں سے تھکے دل و جگر ہیں
ہم راضی ہو رہے ہیں اپنی زیاں جاں تک	سو دائے عاشقی میں نقصاں ہے ہی کا لیکن
دستوار ہے پہونچنا اب اپنا کارواں تک	واماندہ نقش پا سے یک دستا ہم ہیں بے کس

حرف و فافہ کیا اپنے کھوڑاں تک  
پہونچے مبادا میرے خاشاک آگیاں تک  
پہونچا نہ میرا راجیہ اسکے آستان تک  
گلبرگ و خیمے پہونچیں کب لب و دہاں تک

جی مارتے ہیں دبیر عاشق کا اس خطر سے  
دل و دھڑکے ہے جو بجلی چمکے ہے سونے گلشن  
دیواروں سے بھی مارا پتھروں سے پھوڑ ڈالا  
یہ تنگی و نزاکت اس رنگ سے کہاں ہے

ان جلتی ہڈیوں پر ہرگز ہما نہ بیٹھے  
پہونچی ہے عشق کی تباہی میرا ستون تک

وہ بیچارہ ہے گا خریدار کب تلک  
جیتے رہینگے طالب دیدار کب تلک  
آنکھیں سنہری دیکھیں خیار کب تلک  
بیجرم ہم رہیں گے گنہگار کب تلک  
صوفی رہینگے حال سے ہیار کب تلک  
یاں خاندادوں کے رہیں آئنا کب تلک  
ظاہر ہے حال سے کہ یہ بیار کب تلک  
اک ٹھینچ کر نہ مارو گے تلوار کب تلک

اُسکی رہے گی گرمی بازار کب تلک  
عہد و عہد و حشر قیامت ہے دیکھیے  
دل کا جگر کا لو ہو تو غم نے سکھا دیا  
نسبت بہت گناہوں کی کرنا ہی سہی سطر  
اشکی نگا دوست سے اکثر سوئے رباب  
دیوار و در پڑے تھے جہاں ان نشان نہیں  
مہمان کوئی دم کا ہے وارفتہ عشق کا  
ترسا کے مارنے میں عذاب شدید ہے

صیاد اسیر کر کے جسے اٹھ گیا ہو میر  
وہ دام کی شکن میں گر فنا کب تلک

### روایت لام

کم و داعی ہے بہت جھکو کہ ہوں بیمار دل  
اب کوئی سنہلے ہو مجھے حشت بیمار دل  
عقل میں آتے نہیں ہیں طرفہ طرفہ کا ردل  
ہم اسیرانِ نفس کے تالہائے تار دل  
زندگی اب یار بن اپنی ہوئی ہے بار دل

چپ رہا تالوں سے لے بیل نکر آزار دل  
ابتداءے جھٹ میں ہوتا تارک کچھ تو تھا  
یک توجہ میں رہو ہے میرا کی عرش پر  
باغ سے لے حشت تک رکھتے ہیں ایک رعب  
اس سبکو دھوپ چوں باد سحر در در پھر سے

تنگی و دوست سے اسکی ہے عبارت ساز فہم  
میر کچھ سمجھے گئے نہ معنی اسرار دل

چڑھ جائے مغز میں نہ کہیں گرد بوئے گل

زہار گلستاں میں نہ کر منہ کو سونے گل

کی شوق کشنگاں نے عیبت جستجوئے گل  
جادے کی ساتھ جی کے مگر آرزوئے گل  
سے بیوفائی کرنے کی ہر حال خوئے گل

موسم گئے نشاں بھی کہیں پئے کا نہ تھا  
بڑے خزان میں اتنے کہ مر گئے طہور  
کے نظر بہار میں پائیز میں گئے

موت ہوئی کہ دیکھا تھا سیر زمین میں  
پھرتا ہے اب تاک مری آنکھوں میں رو گل

پہیر دل ہے قبلہ دل تھا دل  
موتے پر بھی مرا میں رہا دل  
کہ آخر خون ہو ہو کر بہا دل  
ہمارا طرفہ ظالم سے لگا دل  
خرام ناز و لب سے گیا دل  
بجا بجا ہوا ہے جا بجا دل  
کہیں ٹھہر نہ دنیا سے اٹھا دل  
رہا تھمیں ہوا جب سے رہا دل  
گرہ یہ درد ہے پہلو میں یا دل  
بھرے ہیں لب لیکر شکوے تا دل  
نہ سمجھا اسکے کہنے کی ادا دل  
کر گیا اس طرح کبتک و فاد دل

طریق عشق میں ہے رہنا دل  
قیامت تھا موت آشنا دل  
رکھا اتنا خفا اتنا ہوا تھا  
جیسے مارا اسے پھر کرنے دیکھا  
نہ تھی سہل مشق اس کی لیکن  
بدن میں اس کے ہو جانے لکھیں  
لگے وحشت سے باغ و راغ ہیں بھی  
اسیری میں تو کچھ دلاش کچھ بھی  
ہمہ تن میں الم تھا سو نہ جانا  
خوشی بچہ کو حیرت سے ہے ورنہ  
نہ پوچھا ان نے جس بن خوں ہوا  
ہوا پیر مردہ دے صبر و بے تاب

ہوئے پروانہ واں دلبر کو یا میر  
اٹھا کر ہو چکا جو روحنا دل

### رویت میم

وہاں گئے کیا ہو کچھ نہیں معلوم  
جذب ناقص ہے اور طالع شوم  
صبر مغفور و طاقت مرحوم  
دیر رہتی ہے آندھی کی سی دھوم  
بچو اسی ہے ہلکوں جوں مسموم

کھا گئے یہاں کے فکر سو ہو موم  
وصل کیونکر ہو اس خوش اختر کا  
نہ ہوئے تھے ابھی جوان فوس  
جب غبار اپنے دل کا نکلے ہے  
بھنگی اسکی مسوں کی خوبی سے

ہے عیش و تر و تشویش  
 پونچے ہے وقت پر جو ہر قسم  
 ہاتھ سے وہ گئی جو ہیں ساق  
 ہم رہے سر نہ انود منہ موم  
 صاحب اپنا ہے بندہ پرور میر  
 ہم جہاں سے نہ جا کینگے محروم  
 عشق کیا ہے اُس گل کا یافت لائے سر پر ہم  
 جھانکتے اُس کو ساتھ صبا کے صبح پھریں ہیں گھر گھر ہم  
 روز و شب کو اپنی یارب کیونکہ کریں گے روز و شب  
 ہاتھ رکھے رہتے ہیں دل پر بتیابی میں اکشر ہم  
 پوچھتے راہ شکستہ دل کی جانکے تھے کعبے میں  
 سوچ وہاں تو گزرا جی میں آئے کدھر سے کیدھر ہم  
 شام سے کرتا منزل آکر گھر کو ہمارے صدر نشین  
 رکھتے ستارہ اُس ہوش کی چاہ میں گر بدختر ہم  
 برسوں خس و خاشاک پہ سوئے مدت گلشن تابی کی  
 بخت نہ جاگے جو اُس سے ہوں ایک بھی شب بہتر ہم  
 روز بتر ہے حالت عشقی جیسے ہوں جیا راجل  
 ہے نہ دوائے کوئی معالج کیونکر ہوں گے بہتر ہم  
 اُس کی جناب سے رحمت ہو تو جی بچتا ہے دنیا میں  
 اُس جانب سے تو نیٹھے ہیں مزا کر کے مقدر ہم  
 اب تو ہماری طرف سے اتنا دل کو پھیر مت کر  
 سختی سے ایام کی ابتک جیتے رہے ہیں مر مر ہم  
 آہ محبت روز و شب کی ساتھ اندوہ کے ٹھہری ہے  
 روتے کڑھتے رہا کرتے ہیں غم سے ہوئے ہیں خوگر ہم  
 شعلہ اک اٹھا تھا دل سے آہ عالم سوز کا میر  
 ڈھیری ہوئی ہے خاکستر کی جھکی لپٹ ہیں جل کر ہم  
 کڑھتے جو رہے ہجیر میں بیمار ہوئے ہم  
 بستر پر گرے رہتے ہیں ناچار ہوئے ہم

چلانے لگی لہیسی کہ سینہ دار ہوئے ہم  
عاشق نہ ہوئے اُسکے گنہگار ہوئے ہم  
دشنام کی اب اُسکے سزاوار ہوئے ہم  
تھی چوٹ جو دل پر سو گرتا رہوئے ہم  
افسوس بہت دیر خبردار ہوئے ہم  
بیجا لگی میں اُس کے خریدار ہوئے ہم  
اُس دشمن جانی سے عبث یا رہوئے ہم

بھلانے کو دل باغ میں آئے تھے سوبیل  
جلتے ہیں کھڑے دھوپ میں ججاتے ہیں اور دھیر  
اک عمر دعا کرتے رہے یار کو دن رات  
ہمدم بہت وحشی طبیعت تھے اُسکے سب  
نصیحتے ہوئے لوگوں کی بھلی یا بُری گزری  
کیا کیا ستوئل گئے بک دیکھتے اُس پر  
کچھ پاس نہیں یاری کا ان خوش بسروں کو

گھٹ گھٹ کے جہاں میں رہے جب میرے لئے  
تب جا کے یہاں واقعہ اسرار ہوئے ہم

آفت گزیدہ مردم کلفت کشیدہ مردم  
رہتے ہیں دم بخود ہم آفت رسیدہ مردم  
آزادہ دل شکستہ خاطر کبیدہ مردم  
اہل جہاں ہیں سارے صحبت نذیرہ مردم  
مثل کمانِ حلقہ قامت خمیدہ مردم  
دیکھ اُسکو ہو گئے ہیں کیا کیا کشیدہ مردم  
جاگیں کہیں نہ سوسنے یہ آرمیدہ مردم  
مخرو سے ہمارے پر خوش چیدہ مردم

وے ہم ہیں جن کو کہیے آزار دیدہ مردم  
ہے اپنا جی ہی در ہم تیر ہم عشق کا خم  
وہ دیکھے ہکو آ کر جن نے نہ دیکھے ہو دیں  
جو ہے سو نہو مائل بے طور اور سب اہل  
جاتے ہیں اُسکی جانب مانند تیر سیدھے  
او باش بھی ہمارا کتنا ہے میٹر صبا ہنکا  
مت خاک عاشقان پر پھر آب زندگی سا  
لے لے کے ہتھ میں تنکا لیتے ہیں عاجزانہ

تھے دست بستہ حاضر خدمت میں میر گویا  
سیمیں تنوں کے عاشق ہیں زر خریدہ مردم

شہرہ عالم تھے اُسکے ناز برداروں میں ہم  
تنگ لے ہیں بہت ان چار دیواریں میں ہم  
زندگی سے بے توقع ہیں ان آزاروں میں ہم  
کب سے ہیں رشتہ فانی اُسکے بیماروں میں ہم

کیا زمانہ تھا کہ تھے دلار کے یاروں میں ہم  
اُجڑی اُجڑی بستی میں دنیا کی جی لگتا نہیں  
جو یہی ہے غم الم رنج و قلق ہجراں کا تو  
شاید اُدسے حال پرسی کرے اسل میں یہ

دھوپ میں جلتے ہیں بہروں آگے اُسکے میر جی  
زندگی سے دل کی ٹھہرے ہیں گنہگاروں میں ہم

## رویت نون

مشعل شمع سے روتے ہیں گلے جاتے ہیں  
دم بدم مرتبے سے اپنے چلے جاتے ہیں  
ہلکی بھی باؤ میں تھکے سے ہلے جاتے ہیں  
جی بچے جاتے ہیں ل اپنے بے جاتے ہیں  
آپ سے جاتے ہیں ہم بھی تو بھلے جاتے ہیں  
خاک میں اہل نظر اس سے لے جاتے ہیں

سر سے ایسی لگی ہے اب کہ چلے جاتے ہیں  
اس گلستاں میں نمود اپنی ہے جوں آپ رواں  
تن بدن ہجر میں کیا کہیے کہ کیسا سوکھا  
رہتے دکھلائی نہیں دیتے بلاکش اس کے  
پھر بخود آئے نہ بد حالی میں بخود جو ہوئے  
خاک یا اُسکی ہے شاید کسو کا سر نہ چشم

گرم ہیں اُسکی طرف جانے کو ہم لیکن میسر  
ہر قدم ضعف محبت سے ڈھلے جاتے ہیں

بھوٹے سیتے ہیں کتنی سستے نہیں  
خواہشیں جی کی ایشی جی میں ہیں  
نشیں میں آنکھیں نی زوہیں  
ہم بھی مارے گئے نذران وہیں

ایسے دیکھے ہیں اندھے لوگ کہیں  
مر گئے نا اُمید ہم مجبور  
دیر دریا کسار اگر تار رہا  
مرتے تھے اُس لگی ہیں لاکھوں جہاں

دیر سے میسر اٹھ کے کھبے گئے  
کہیے کیا نکلے جا کیس کے کہیں

پھر زمانے میں کہاں تم ہم کہاں  
کچھ نہیں پیدا کہاں میرا نشان  
ہے فلک کرنے کی قابل آسماں  
وہ نگاہ تند کرتا ہے جہاں  
اسپہ ہے وہ بیدارغ و بدگماں  
بار امانت کا گراں میں تاواں  
نکھنچ رہا ہے ہم سے وہ ابرو کہاں  
داستاں درو داستاں ہے وستاں  
دل لگا ہے جس سے سونا مہرباں

راہِ باہم ہے کوئی دن کا یاں  
غم ہوا ہوں یاں سے جا کر میں جہاں  
پیری میں سے طفل کتب سا ہوں  
تو کہے داں ناگماں تجبلی گری  
بھولے بھی میں یک نظر دیکھا نہیں  
عشق نے تکلیف کی مالا بلاق  
کام کچھ آئی نہ دل کی بھی کشش  
کیا چھپی ہیں باتیں میرے عشق کی  
عشق میں کیونکر بسر کرے گا عمر

لے نسخہ کلمہ میں شمس اس طرح کی نسخہ تھی میں مطلع یہ جو سے ربط باہم جو زمانے میں کہاں نہ کوئی دم کے جہاں میں ہم جانا



جو زمیں یا آفریں ہے شاید کہ میر  
ہو وہیں مسجود اُس کا آستان

دل کی پھرد میں لیے چپکے چلا جاتا ہوں  
ریخ سے عشق کے میل پہنی کھپا جاتا ہوں  
اس فریبندہ عشاق کی پا جاتا ہوں  
بدبر اتنا بھی نہ ہو مجھ سے بھلا جاتا ہوں  
ضعف سے عشق کے دہتا ہوں گرا جاتا ہوں  
ورود یوار کو احوال سُتا جاتا ہوں  
دور سے رنگ شکستہ کو دکھا جاتا ہوں  
مثل آواز جس سب سے جدا جاتا ہوں  
بگڑی صحبت کے تئیں رفتہ بنا جاتا ہوں

اُس سے گھر کے جو کچھ کہنے کو آجاتا ہوں  
سعی دشمن کو نہیں دخل مری ایدا میں  
گرچہ کھو یا سا گیا ہوں یہ تہ جیت و ستغن  
خشم کیوں بیزگی کا ہے کوئے لطفی کیا  
استقامت سے ہوں جوں کوہ قویٰ لے لیکن  
مجلس یار میں تو بار نہیں پاتا ہوں  
گاہ باشد کہ سمجھ جائے مجھے زہت و عشق  
یک بیاباں ہی مری ہے کسی دہسائی  
تنگ آوے گا نہاں تک نہ مرا قلب سلیم

گر مری عشق سے ہلکی بھی جو ہمدوم دل میں  
روز و شب شام و سحر میں تو جلا جاتا ہوں

یہ یہ خم ہی میں بھی سر راہ ہوں  
نہ خوندار ہوں میں خوشخوار ہوں  
انھوں کے بھی خم میں ہیں راہ ہوں  
تہ دل سے لوگوں کے آگاہ ہوں

تری راہ میں گرچہ اے ماہ ہوں  
مرے درپے خونِ ناتق ہے تو  
تری دوستی سے جو دشمن ہیں سب  
نہ سمجھو مجھے بے خبر اس قدر

مری بگردی سادگی سے ہے میر  
بہت اس رویے پہ گمراہ ہوں

جوانوں کو اٹھیں ایام میں زنجیر کرتے ہیں  
مسلمانوں کی یارائے ہی میں تکبر کرتے ہیں  
کہ اسکی نعش کو اب شہر میں تشہیر کرتے ہیں  
غیافت مدعی کس کس طرح فقر کرتے ہیں  
کہ چپشکی خاک کو بے ہاتھ میں کسیر کرتے ہیں  
سو نذر دستے کے دستے ہم اب تحریر کرتے ہیں

ہمارائی مزاجوں کی سبھی تدبیر کرتے ہیں  
برہمن زادگان ہند کیا پرکار سادے ہیں  
موسے پر اور بھی کچھ بڑھ گئی روائی عاشق کی  
ہماری حیرت عشقی سے چپ جانے کی اس سے  
تا شادیکھنا منظور ہو تو مل فقیروں سے  
نہ کہتے تھے کبھو کیرت اسکو ہاتھ سے اپنے

درود یوار افتادہ کو بھی کاشلک نظر دیکھیں  
خدا ناکرہ رک جاؤں جہاں رک جائیگا سارا

اسے اہل راز و خونیازی پہ ہوتا چار میں اس میں  
وگر نہ عجز تابی تو بہت سی میسر کرتے ہیں

طلب ہے کام دل کی اسکے بالوں کی اسیر ہیں  
لگہ عزت میں اس پر و کمال کی تھی ادھر تھنی  
نظیر اسکی نظر آئی نہ سیاحان عالم کو  
خرین آواز ہے مرغ چین کی کیا جنوں در

جوانی میں نہ رسوائی ہوئی تا میسر غم کھینچتا  
ہوئے اطفال تہ یازار کا بک جی کے پیری میں

اب دیکھیں آہ کیا ہو ہم سے جدا ہوئے ہیں  
غیرت سے نام اس کا آیا نہیں زباں پر  
اہل حق سے کیونکر اپنی ہو و شناسی  
بے عشق خبر دیاں اپنی نہیں گزرتی  
جانا کہ تن میں ہر جانازک ہے اور دلکش  
تھے غنچے جتنے زیر دیوار باغ طائر  
خرقہ قمیض کیا ہے کیا و قراس گلی میں  
خاموش اس کے در پر ہو کر فقیر بیٹھے  
عہد شباب گزرا شرب مدام ہی میں

اظہار کم فراغی ہر دم کی بے دماغی  
ان روزوں میں صاحب کچھ میسر ہوئے ہیں

بیگار مجھ کو مت کہہ میں کار آمد ہوں  
بیگانہ وضع تو ہوں پر آشنائزاد ہوں

میں منہ نہیں لگا یا بنت العنب کو لگا ہے  
تب تھا جوان صالح اب پیر مسکدہ ہوں

اسرار دل کے کہتے ہیں پیر و جوان میں  
مطلق نہیں ہے بند ہماری زبان میں

سوزنگ بٹے جاتے ہیں یاں ایک آن میں  
زنجیر کی سی آتی ہے جھنکار کان میں  
طاقت تعب کی کم ہو بہت سیری جان میں  
آئی ہے کسر شہد مصفا کی شان میں  
خورشید و ماہ آتے ہیں کبھی وہ جان میں  
آگے جو رسم دوستی کی تھی جہان میں  
سوراخ پڑ گئے ہیں تمام آسمان میں

رنگینی زمانہ سے خاطر نہ جسبج رکھ  
شاید بہار آئی ہے دیوانہ ہے جوان  
بے وقفہ اس ضعیف پہ جو دستم نہ کر  
اس کے لبوں کے آگے کھنکھنات کی  
چہرہ ہی بار بار ہے ہے جیت جیت ہمارا  
اب میرے اسکے عہد میں شاید کہ اٹھ گئی  
نارے تو یہ نہیں مری آہوں سے رات کی

ابرو کی طسرح اسکی ٹرمی ہی رہے ہے میر  
نکلی ہے شاخ کیا کوئی تازہ کمان میں

پیشانی پر ہے قسقہ تر تار ہے بکر میں  
جان اُس کے تن کے آگے آتی نہیں نظر میں  
سوراخ پڑ گئے ہیں سارے حوسے جگر میں  
مطلق اثر نہ دیکھنا لیدن سحر میں  
آتا ہے ہوش مجھ کو اب تو پھر پھر میں  
ہے ایک سوکھی لکڑی جو بونہ ہو اگر میں  
اک شیرہ خانے کی ہے دیوار میرے گھر میں  
رہتا ہے کچھ جھلکتا خوشتاب چشم تر میں  
اسباب گھر پر ہے سارا مرا سفوف میں

آئے ہیں میر کا فر ہو کر خدا کے گھر میں  
نازک بدن ہے کتنا وہ شوخ چشم دلبہ  
سینے میں تیرا اسکے ٹوٹے ہیں بنے نہایت  
آئینہ شام کو ہم رویا کر چھا کریں گے  
بے سندھ بزار ہوں ہوں اس بہت نازین میں  
سیرت سے گفتگو ہے کیا معتبر ہے صورت  
ہمایہ مفاں میں مدت سے ہوں چنانچہ  
اب صبح و شام شاید گریہ پر رنگ آوے  
عالم میں کب گل کے کیونکر نباہ ہوگا

آنکھ لگی ہے جب سے اُس سے آنکھ لگی زہار نہیں  
فیند آتی ہے دل جمعی میں سو تو دل کو قسرا نہیں

دھل میں اُسکے روز و شب کیا خوب گزرتی تھی اپنی  
ہجران کا کچھ اور ہے سااں اب وہ لیل و نہار نہیں

خالی پڑے ہیں دام کہیں یا صید دستی صید ہوئے  
یا جس صید اقلن کے لیے تھے اُسکو ذوق شکار نہیں

ہائے کس بیوہ سے آنکھ لگی نہ لگی آنکھ جب سے آنکھ لگی ۱۳ لا اعلم

سبزہ خط کا گرد گل رو بڑھ کانوں کے پار ہوا  
دل کی لاگ اب اپنی ہو کیونکہ وہ اس منہ پہ ہار نہیں

لطف عظیم اس کا ہے ہدم کیوں نہ غنیمت جائیں ہم  
رابط خاص کسو سے اس سے ہو یہ تو طور یا نہیں

عشق میں اس بے چشم و رو کے طرفہ رویت پیدا کی  
کس دن اودھر سے اب ہم پر گالی بھڑکی مار نہیں

مشتاق اسکے راہ گزر پر برسوں کیوں نہ ٹھہیں میر  
اُن نے راہ اب اور نکالی ایدھر اسکا گزار نہیں

وار جب کرتے ہیں منہ پھیر لیا کرتے ہیں  
چھائی پھری ہے انکی جو وفا کرتے ہیں  
ہم نظر باز بھی آنکھوں کی حیا کرتے ہیں  
یار عقد و رنگ اپنی دوا کرتے ہیں  
شیعہ تصویر سے دن رات جلا کرتے ہیں  
اول وعدہ دل و حسان فدا کرتے ہیں  
ہر طرف اسکو تودو چار دھا کرتے ہیں  
میرے صاحب جو بندے سے جدا کرتے ہیں  
روز و شب ہم بھی کہانی سی کہا کرتے ہیں  
یاں سے طومار کے طومار چلا کرتے ہیں  
اپنی بدخواہی جو کرتے ہیں بھلا کرتے ہیں  
ہر ستم ظلم پہ ہم صبر کیا کرتے ہیں

طرفہ خوشرو دم جو نریر ادا کرتے ہیں  
عشق کو تانیں اہان بہت مشکل ہے  
شوخ چستی تری پر دے میں ہو جیتک تب تک  
نفع بیماری عشقی کو کرے سو معلوم  
آگ کا لالچہ ظاہر نہیں کچھ لسیکن ہم  
اسکے قربانیوں کی سبک جدا ہے رہ درم  
رشتک ایک آدھ کا جی مارتا ہی عاشق کا  
بند بندان کے جہاد نکھوں الہی میں بھی  
دل کو جانا تھا گیا رہ گیا ہے افسانہ  
داں سے یک حرف و حکایت بھی نہیں لایا کوئی  
بود و باش ایسے زمانہ میں کوئی کیونکہ کرے  
حوصلہ چاہیے جو عشق کے آزار چھینیں

میر کیا جانے کسے کہتے ہیں واندوے تو  
عقہ خاطر ہی نکستاں میں رہا کرتے ہیں

اس حور اس طرح کے ایسے کم آشنا ہیں  
سب ہیں نغمین اپنی ہم عالم آشنا ہیں  
یکجا فقیر کب سے ہم سب غم آشنا ہیں

نا آشنا کے اپنے جیسے ہم آشنا ہیں  
باہم جو یاریاں ہیں اور آشنا ہیں  
اتم کرہ ہے تکیہ کیا تازہ کچھ ہمارا

تجربہ راز دل کی شکل سے کیونکہ کرے کاغذ قلم ہمارے کب محرم آشنا ہیں

یاری جہانیوں کی کیا میر مقبر ہے  
آشنا ہیں یکدم یہ اکدم آشنا ہیں

دم ہر مہلت شیب میں جائیگا اب یہ غم کہاں  
عالم عالم جمع تھے خواباں جہاں صافا ہوا  
نہی بلا شوخی شرارت یار کی ہنگامہ ساز  
کیا جنوں ہے مگو جو تم طالب ویرانہ ہو  
جس دم میں شیخ جو کرتا نہیں حرف و سخن  
تم ہوئے رعنا جواں بالفرض لیکن ہم کہاں  
گرچہ عالم اور ہے ابناں پہ وہ عالم کہاں  
شوریوں تو اوروں کا بھی ہے یہ وہ دم کہاں  
جسکو فردوس بریں کہتے ہیں واں آدم کہاں  
حق طرف سے آئے اُس پہنہ دو گوں دم کہاں

ہو سو ہو میں میراب تو دم بخود ہوں بھری  
کیا لکھوں تہ دل کی باتیں کاغذ و محرم کہاں

گر روزگار ہے یہی حیران یار میں  
کچھ ڈر نہیں جو داغ جنوں ہو گئے سیاہ  
کیا بقرار دل کی تسلی کرے کوئی  
بتاب دل نہ دفن ہوا ہے کاش میرے ساتھ  
وہ سنگدل نہ آیا بہت دیکھی اُس کی راہ  
قہمتا نہیں ہے رونا علی الاطلاق کا  
مروٹو کیسے کیسے کہے ریتختے دے  
تھی نرم شرارت کو شاعر بہت تھے جمع  
دنبالہ گردی قیس نے بہتری کی دے  
اب ذوق صیدا سکو نہیں ورنہ پیش ازیں  
منہ چاہیے جو کوئی کسو سے حساب لے

گنتی کے لوگوں کی وہاں صفنا ہو و گلی بھری  
تو میر کس شمار میں ہے کس قطار میں

لے ہی شر و سری غزل میں میر صاحب نے اس طرح کہا ہے کہ کس کس اداسے ریتختے میں لکھے دیے  
سمجھانہ کوئی میری زباں اس دیار میں ہا آتی

بخد ابا خدا رہا ہوں میں  
میں رہا ہوں سو کیا رہا ہوں میں  
ایر تیر ہوں کہ چھا رہا ہوں میں  
برسوں تک آٹھا رہا ہوں میں  
دیر سے سر اٹھا رہا ہوں میں  
انکھیں ہر سو لگا رہا ہوں میں  
اُسکے ہمسائے آ رہا ہوں میں  
بے دوا کچھ بھلا رہا ہوں میں  
یا شقائق ہے یار رہا ہوں میں

گو کہ تجھ نے جا رہا ہوں میں  
سب گئے دل دماغ تاب توں  
برق تو میں نہ تھا کہ جل بجھتا  
اسکی بجائے وضعی ہے معلوم  
دیکھو کب تنہا اسکی آئے تھے  
اُس کے گرد سمند کا مشاق  
دور کے لوگ جن نے ایسے قریب  
مجھ کو بد حال رہنے دیں ایکاش  
دل جلوں کو خدا جہاں میں رکھے

کچھ رہا ہی نہیں ہے مجھ میں میر  
جب سے اُس سے جدا رہا ہوں

### ارولیت واؤ

سلا یا مرے خوں میں تلوار کو  
کہاں خواب مشاق دیدار کو  
کوئی جیسے لاوے گنگار کو  
نجاتے سنا سہل آزار کو  
بجو دم لینے دیں دل کے بیمار کو  
کہ واں نیچتے تھے خسریا کو  
ہزار آفریں چشم خونبار کو  
مگر جب کروں رخت و دستار کو

زمانے نے دشمن کیا یار کو  
کھلی رستی ہے چشم آئینہ ساں  
مجھے عشق اُس باس یوں لے گیا  
محبت میں دشوار دینی ہے جان  
کوئی دن کرے زندگی عشق میں  
یکام میں تو بازار خوبی میں حیا  
مرے منہ پر رکھا ہو رنگ اب تک  
تب اک جرم ہی دیں مجھے منہ

کر دمت درنگ اٹھتے اس منہ میں

چلو مولو میر بازار کو

منت بھی میں کروں تو نہ ہرگز منا کرو  
اس سے بھی تم خصوصیت جانی رکھا کرو  
تم دور ہی سے نام کو میرے سنا کرو

کن نے کہا کہ مجھ سے بہت کم ملا کرو  
بند سے سے کی ہے جن نے یہ جسمی خدا کرو  
غنا سا شہر ہوں یہ حقیقت میں کچھ نہیں

<p>اب دوستی سے صلیحت کچھ دوا کرو تم بیٹھے انتظار بہارا کیا کرو جینا جو سیرا چاہو تو ان کو جدا کرو بو لاکہ عشق ہی میں پڑے اب جلا کرو اب بیٹھے دور سے یہ کہانی کہا کرو</p>	<p>بیماری جگر کی شفا سے تو دل ہے جمع ہم بخود ان مجلس تصویر اب گئے جی مارتے ہیں ناز و کرشمہ بالاتفاق میں نے کہا کہ پھنک رہی ہوں بدن میں دل جانے کا فسانہ زبانوں پہ رہ گیا</p>
<p>اب دوستی سے صلیحت کچھ دوا کرو تم بیٹھے انتظار بہارا کیا کرو جینا جو سیرا چاہو تو ان کو جدا کرو بو لاکہ عشق ہی میں پڑے اب جلا کرو اب بیٹھے دور سے یہ کہانی کہا کرو</p>	<p>اب دوستی سے صلیحت کچھ دوا کرو تم بیٹھے انتظار بہارا کیا کرو جینا جو سیرا چاہو تو ان کو جدا کرو بو لاکہ عشق ہی میں پڑے اب جلا کرو اب بیٹھے دور سے یہ کہانی کہا کرو</p>
<p>دہ چوڑ پالے گیا آسودگی و خواب کو پانی کر آتکھوں میں لایا دیکے خون تاب کو چشم کم سے دیکھو مت اس دیدہ پر اب کو اک ٹکڑے سے مار رکھا ان نے شیخ و شاب کو جسکے ٹھکے رونہ تھا کچھ پر تو حباب کو دخل اس عالم میں کیا ہے عالم اسباب کو</p>	<p>کیونکہ نیچے ہاتھ کے رکھا دل بیتاب کو کم نہیں ہے سحر سے یہ بھی تصرف عشق کا تھا یہی سرمایہ بھر بلا پھیلے دنوں تو کئے تھی برق غافل ناگہاں کر گری کیا سفیدی نکھی اُسکی آستیں کے چاک سے چاہتا ہے جب سبب پ ہی ہوتا ہے سبب</p>
<p>دہ چوڑ پالے گیا آسودگی و خواب کو پانی کر آتکھوں میں لایا دیکے خون تاب کو چشم کم سے دیکھو مت اس دیدہ پر اب کو اک ٹکڑے سے مار رکھا ان نے شیخ و شاب کو جسکے ٹھکے رونہ تھا کچھ پر تو حباب کو دخل اس عالم میں کیا ہے عالم اسباب کو</p>	<p>دہ چوڑ پالے گیا آسودگی و خواب کو پانی کر آتکھوں میں لایا دیکے خون تاب کو چشم کم سے دیکھو مت اس دیدہ پر اب کو اک ٹکڑے سے مار رکھا ان نے شیخ و شاب کو جسکے ٹھکے رونہ تھا کچھ پر تو حباب کو دخل اس عالم میں کیا ہے عالم اسباب کو</p>
<p>ہے کہ ہم خانہ جلاہوں حبابہ احرام کو ہے کام ہم لوگوں سے کیا اس لئے خود کام کو کیا تھک لگا دے اب کوئی اس رویہ بزم کو صبر و سکون جب سے گئے پاتا نہیں آرام کو میں عمر بھر کھینچا کیا رنج و غم و آلام کو</p>	<p>چھوڑا جنوں کے دور میں رسم و رسم اسلام کو مرا مرد جیتا جو آؤ کوئی حاد کوئی جس خود نہ تھکاؤں ہوں اسے سنوں میں دور دور بے چین بستر پر راجا خواب خاکستر پہ ہوں اسا کش و راحت سے جو پوچھے کوئی تو کیا کہوں</p>
<p>ہے کہ ہم خانہ جلاہوں حبابہ احرام کو ہے کام ہم لوگوں سے کیا اس لئے خود کام کو کیا تھک لگا دے اب کوئی اس رویہ بزم کو صبر و سکون جب سے گئے پاتا نہیں آرام کو میں عمر بھر کھینچا کیا رنج و غم و آلام کو</p>	<p>ہے کہ ہم خانہ جلاہوں حبابہ احرام کو ہے کام ہم لوگوں سے کیا اس لئے خود کام کو کیا تھک لگا دے اب کوئی اس رویہ بزم کو صبر و سکون جب سے گئے پاتا نہیں آرام کو میں عمر بھر کھینچا کیا رنج و غم و آلام کو</p>
<p>کچھ تمہیں پیار میں کرتے جفا ماروں کو وہ نہیں آتا کبھو دیکھنے بیماروں کو</p>	<p>اگلے سب چاہتے تھے ہم سے وفاداروں کو شہر تو عشق میں ہے اس لئے شفا خانہ تمام</p>
<p>میر تقی میر دعا کرتی میں میرے تو بھی فقیر تو دلت سے باب جو کھو دیکھوں سکون تو مجھ کو نہ اسے پیار بہت</p>	

مستی میں خوب گزرتی ہے کہ غفلت ہو نہیں  
 فکر سے اپنے گزرتا ہے زمیں کا دی میں دن  
 خوب کرتے ہیں جو خوباں نہیں رو دیتے ہیں  
 حسن بازار جہاں میں ہے متاع دلکش  
 دانت و کوہن و تیس نہیں ہے کوئی پھنگ  
 شکل اس مصیبت میں کام ہے شیاروں کو  
 رات جاتی ہے ہمیں گنتے ہوئے تاروں کو  
 منہ لگاتا ہے کوئی خوں کے نزاروں کو  
 صاحب اسکا ٹھکے جاتا ہے خریداروں کو  
 دس گیا عشق کا از در سے غواروں کو

زندگی کرتے ہیں مرنے کے لئے اہل جہاں  
 واقعہ میر ہے درپیش عجب یاروں کو

ہاتھ بے سجدہ رک رہا نہ کبھو  
 کیونکہ عرفان ہو گیا سب کو  
 روز دفتر لکھے گئے زیاں سے  
 گو شکستہ چمن چمن تھے گل  
 طور کی سی تھی صحبت اسکی مری  
 غیرت اپنی تھی یہ کہ بعد ساز  
 ابتدا ہی میں مر گئے سب یار  
 دل کا منکا دے پھر نہ کبھو  
 اپنے ڈھب پر تو وہ چرھانہ کبھو  
 اُن نے یک حرف بھی نہ کھانا کبھو  
 غنچہ دل تو دا ہوا نہ کبھو  
 جھکی دکھلا کے پھر ملا نہ کبھو  
 اس کا لے نام کی دستانہ کبھو  
 عشق کی پائی انتہا نہ کبھو

وہ سخن گو فریبی چشم یار  
 ہم سے گو یا تھی آشنا نہ کبھو

ملک نقاب الموت عتاب کرد  
 آنکھیں غمت میں ہو گئی ہیں لال  
 فرصت بود و باش یاں کم ہے  
 محو صورت نہ آرسی میں رہو  
 جھوٹے اسکا نشان نہ دو یارو  
 منہ کھیلے اسکے چاندنی چھٹکی  
 کھو لو منہ کو کر پھر خطاب کرد  
 سر کو تھپاتی پر رکھنے خواب کرد  
 کام جو کچھ کرو شتاب کرد  
 اہل معنی سے ملک حجاب کرد  
 ہم خرابوں کو مت خراب کرد  
 دوستو سیر ماہتاب کرد

میر جی راز عشق ہو گا فاش  
 چشم ہر لحظہ مست بر آب کرد

لے میر تقی میر غمت سے نام اسکا آیا نہیں زباں پر آگے خدا کے جب ہم محدود ما ہوئے ہیں +



<p>گر ہی ہو کے بیہوش مشاطہ کیسو کیا اس کو بدخویت کر نکورد کہ میں بوریا پوش وہ آتشیں خو کریں ساز ہم برگ عیش لب جو رہیں باغ میں کاش اس رنگ ہم تو</p>	<p>بس اب بن چکے ہوئے دموئے سخن بو نہ سمجھا گیا کھیل قدرت کا ہم سے نہ درگیر کیونکر ہو آپس میں صحبت ہوا ابرو سبزے میں خشک ہے گل کی بہار آئی گل پھول سر جوڑے نکلے</p>
<p>رہے ابرو میر تو ہے غنیمت کہ غارت میں دل کی ہے ایلکے ابرو</p>	
<p>برات عاشقاں بر شاخ آہو لگا بستر سے پھر اپنا نہ پہلو پھر ہے آہ جس کا داں سے گل رو اودھر ٹپکے ہیں اتک میرے آنسو</p>	<p>لکھے ہے کچھ تو کج کر چشم و ابرو گیا وہ ساتھ سوتے لے کے کروٹ اڑی ہے خاک سی سارے چین میں ابد صحر پھرتے تھے جیتے پھول سننے</p>
<p>جدا ہوتے ہی گل خنداں ہوا میر کیا تھا اس کا گل تنک یہ جو بازو</p>	
<p>بی تاب دل کا مرگ کہیں مد عانہ ہو کیا کھیلے وہ جو جسے کچھ آسرا نہ ہو یو لاکہ اس فقیر کے دل میں غانہ ہو یارب اسیر ایسا نفس سے رہا نہ ہو دبر سے اپنے کوئی الہی حبدانہ ہو غالب کہ میری آئینے کی اب صفانہ ہو سُدھ ہم نشیں لے دل کی کہیں وہ جلا نہ ہو بے دید کی اودھر سے نظر آستانہ ہو</p>	<p>چاہت میں خو برویوں کے کیا جانے کیا نہ ہو بے لاگ عشق بازی میں مغس کا ہے ضرر کرتے دعا مجھے وہ دغا باز دکھیکر آزاد پر شکستہ کو صدر رنگ قید ہے دوری ہم سے کبک ہیں کہسار میں خراب کھولے ہے آنکھ اسکی گل رو پہ ہر عذر آہوں کے میری دود سے گھر بھر گیا ہر سب ہم گر جگر نکال رکھیں اُس کے زیر یا</p>
<p>رہتے ہیں میر بے خود و وارفتہ ان دلوں یو چھو کنایہ کسو سے دل لگا نہ ہو</p>	
<p>اردو لیت پائے ہوتو</p>	
<p>ہر خود گم ایسا میں نہیں جو ہل چھک پائے وہ</p>	<p>ہر حید جذب عشق سے تشریف یاں بھی لائے وہ</p>

خوبی و رعنائی اُدھر بد حالی و خواری اُدھر  
مارا ہوا چاہت کا جو آوارہ لکھنئے اپنے ہو  
جی کتنا محو رفتہ کا جو ہو طرف دیکھئے  
اُفت نہیں مجھے اُسے کلفت کا میری غم نہیں  
ماشوق کا کتنا حوصلہ یہ معجزہ ہے عشق کا

یو اے ہم ایو اے سمجھے لائے وہ لے لائے وہ  
حیراں پریشاں پھر کے پھر کیا جانے کیدھر جائے وہ  
تو کچ کرے ابرو اگر یل مارتے مر جائے وہ  
پائے غرض ہو درمیاں تو چل سکیاں بھی آئے وہ  
جو خستہ جاں پارہ جگر سوداغ دل پر کھلے وہ

مشکل عجائب میرے دیدار جوئی یار کی  
دکھے کوئی کیا اسکو جو آنکھیں لڑے شرائے وہ

اب دل خزاں میں رہتا ہی جی کی کرن کے ساتھ  
کب تک خراب شہر میں اُس کے پھرا کر میں  
ہم باغ سے خزاں میں گئے پر ہزار حریف  
کنٹ سے کیا نکلتی تھیں اُس کے مُنہ سے بات  
جی خواب مرگ لے گئے حسرت ہی میں ندان  
جی بھٹ گیا ہے رشک سے چیاں لباس کے

جانا ہوا تھا ہمیں بھی یہ سارے چین کے ساتھ  
اب جا دیں یاں سے کوئی غریب وطن کے ساتھ  
جانا بنا نہ اپنا گل و یا سمن کے ساتھ  
چپکا ہے صوف یار کے شیریں مہن کے ساتھ  
اک شب نہ سوئے ہم کسو گل پیرن کے ساتھ  
کیا تنگ جا رہے ہیں اس کے بدن کے ساتھ

کیا جانیں لوگ عشق کا راز و نیاز میر  
اک بات اُس سے ہو گئی دود و بجن کے ساتھ

مرتے ہیں ہم تو اُس صنمِ خود نما کے ساتھ  
دیکھیں تو کارِ بستی کی کب تک کھلے گھر  
اے کاش فصلِ گل میں گئی ہوتی اپنی جان  
میت ہوئی گئی ہوئے ہکو پر اب تلک  
ہم رستے اُس کے محوہ کرتا ہے ہم کو سہو  
کیفیت اُشنا نہیں اُس مست تاز کے  
مُنہ اپنا اُن نے عکس سے اپنے چھپا لیا  
کُھرا ہے رونا آٹھ میر کا مرا علاج

جیتے ہیں دے ہی لوگ جو تھے کچھ خدا کے ساتھ  
دل لگی ہے یار کے بسندِ قبا کے ساتھ  
مل جاتی یہ ہو کوئی دن اس ہوا کے ساتھ  
اُڑتی پھرے ہے خاک ہماری صبا کے ساتھ  
ہرگز دفنانہ کرنی تھی اُس بیوفا کے ساتھ  
مستوق ورنہ کون ہو اب اس ادا کے ساتھ  
دیکھنا نہ کوئی آئینہ روا اس حیا کے ساتھ  
نسکین دل سے یعنی کچھ اب اس دوا کے ساتھ

تھا جذبہ آگے عشق سے جو ہر نفس میں میر  
اب وہ کشش نہیں کہ سحر کی دعا کے ساتھ

<p>پھر چھپا خور سا اپنے نور سے وہ نہیں لکھتا کبھو غور سے وہ تنگ ہے جانِ ناصبور سے وہ کہ سر کرتا نہیں حضور سے وہ خوبتر ہے پری دحور سے وہ دے گیا جی ہی اک سرور سے وہ</p>	<p>نظر آیا تھا صبح دُور سے وہ جز برادرِ عزیز یوسف کو دیکھیں عاشق کا جی بھی ہے کہ نہیں کیا تصور میں پھیرے ہے صورت خوبی اس خوبی سی بشریں کہاں دل لیا جس غمیں کا تو نے شوخ</p>
<p>خوش ہیں دیوانگی میر سے سب کیا جنوں کر گیا سحر سے وہ</p>	
<p>آزادہ دل کس کا بیمار ہے ہمیشہ یکرہ دو چہار ہو کر ناچار ہے ہمیشہ کام اپنا اس پر اے بن و شواریں ہمیشہ اسوجہ سے اب اسکا دیدار ہے ہمیشہ با آنکہ کام دل کا اظہار ہے ہمیشہ اُس کی تو لا آباہی سرکار ہے ہمیشہ اقرار ہے ہمیشہ انکار ہے ہمیشہ</p>	<p>آزار کش کو اس کے آزار ہے ہمیشہ مختار عشق اُسکا مجبور ہی ہے یعنی کب سہل عاشقی میں وقت گزرے ہے یاں حالم کا عین اُسی کو معلوم کر چکے ہیں اس سے حصولِ مطلب اپنا ہوا نہ ہوگا پروائے نفع و نقصان مطلق نہیں ہے اُسکو ملنا نہ ملنا ٹھہرے تو دل بھی اپنا ٹھہرے</p>
<p>آما دہ فنا کچھ کیا میر اب ہوا ہے جی مفت دینے کو وہ تیار ہے ہمیشہ</p>	
<p>اور ہر پارہ اُس کا آوارہ رفقہ ثابت گزشتہ سوارہ کی ہے ہوا رہم نے ہوا رہ سیج کارہ بھی ہے وہ ناکارہ کرتے ان رنجوں ہی سے تظارہ عشق میں مرگ بن نہیں چارہ</p>	<p>دل ہی میری نعل میں صد پارہ عرق شرم رو سے دلبر کے خوار ہی عشق اپنی عزت ہے کام اس سے کیڑ کمر نہ لیا ٹوٹیں پھوٹیں نہ کاش آنکھیں گو مسیحا مزاج آوے طبیب</p>
<p>کیا بنے اس سے میر میں مسکین وہ جفا پیشہ و ستم کارہ</p>	

<p>مکتوب دیر بھیجا ہر دو طرف سے سادہ جب میکہ سے گئے ہیں پلوں ہی کیا ہے سائے میں تاک کے تم خوش بیٹھے ہیں اپنا دل اس قدر نہ رگڑا کھسکا تا جی نہ اپنا شیشہ کنار جو ہے پنبہ دہان و رعنا پڑتی ہیں اُس کی آنکھیں چاروں طرف نشے میں جو شہرہ نامور تھے یارب کہاں گئے دے مت دم کشی کر اتنی ہنگام صبح طبل کیا خاک سے اُٹھوں میں نقش قدم سا بیٹھا</p>	<p>کیا شوخ طبع ہے وہ پرکار سادہ سادہ ہے منجھ ہمارا گویا کہ پیر زادہ اس سلسلے میں سمیت کرنے کا ہے ارادہ چھاتی لگا جو رہتا وہ سینہ کشادہ مینائے مے چین میں اک سرو ہے پیادہ جوں راہ میں بہکتے ہوں ترک مست بادہ آباد کم رہا ہے یاں کوئی خانوادہ قریاد خوچکاں ہے منہ سے ترے زیادہ اب مٹ ہی جانا میرا ہے پیش یافتادہ</p>
--	--

حالات عشق رنج و درد و بلا مصیبت  
دل دادہ میر جانے کیا جانے دل ندادہ

### روایت یائے تختانی

<p>کہتے ہیں مرنے والے یاں سے گئے دم میں دم جب تلک تھا سوچ رہا آنکھ کھلتے ہی گھر گئے دسے تو واں گئے کرتے دے خرام تاز</p>	<p>سب یہیں رہ گئے کہاں سے گئے سانس کے ساتھ سائے سانسے گئے ہم تہم دیدہ خاندان سے گئے یاں جواں کیسے کیسے جاں سے گئے</p>
---	---

اس گلی سے جو اُٹھ گئے بے صبر  
میر گویا کہ دے جہاں سے گئے

<p>کچھ نہ کی اُن نے جس کو چاہا ہے سدھ خبر اپنے غمزدے کی لے</p>	<p>جوں جوں اپنا کیا نباہا ہے صبح تک رات کو کراہا ہے</p>
--	---

یاعلیٰ ہے گا میر پیر فقیر  
اب سزاوار طفت شاہا ہے

<p>عشق میں ہم نے جاں کنی کی ہے کیسی شرف و سفید نکلی تھی</p>	<p>کیا محبت نے دشمنی کی ہے مگر رخترا منی کی ہے</p>
---	--

<p>دیر محنوں سے ہم غمی کی ہے یار نے حج افگنی کی ہے یہ بھی بہت اسی دلی کی ہے یاں خرابی بہت غمی کی ہے</p>	<p>بید سکیوں نہ سوکھ جاؤں میں اس پریشان کو نشانہ نہ کر کر دیا خاک آسماں نے ہمیں تکلیہ دیراں فقیر کا بھی نہ ہو</p>
<p>قافلہ لٹ گیا جو آنسو کا عشق نے میر رہزنی کی ہے</p>	
<p>سفک دم میں میرے اب کیا دیر ہے ہر قدم خود دم خوف شیر ہے پر وہی اتک بھی یاں اویر ہے اپنے جینے ہی سے وہ اب سیر ہے گھر میں قسمی رنگوں کے اندھیر ہے ہرزبردست اُس جواں کا زیر ہے سانے پھولوں کا گو یا ڈھیر ہے گر چہ جامہ یار کا کم گھیر ہے</p>	<p>میں ہوں تو ہے درمیاں شمشیر ہے خضر دشت عشق میں مت جا کہ واں راہ تک تک کر ہوئے ہیں جاں بلب جو گر سنہ دل تھا اس دیدار کا کچھ نہیں جان اُن کی پیش تار مو پاک ہی ہوتی رہی کشتی خلیق ظاہروں نے محل نشاں کی میری گو آشنا ڈبے بہت اس دور میں</p>
<p>آپٹل اس دامن کا ہاتھ آتا نہیں میر دریا کا سا اسکا پھیر ہے</p>	
<p>سو نہ یاں قسم شیر نے زنجیر ہے گل ہمارا اب گریباں گیر ہے دلربا اُٹھ نہ رو تصویر ہے حلقہ حلقہ زلف وہ زنجیر ہے کس قدر خوشکار اس کی تیر ہے سیرے طول عمر کی تقصیر ہے دفتروں کی انکشاں اب تحریر ہے</p>	<p>جو جنون عشق کی تدبیر ہے وصف اُس کا باغ میں گزنا نہ تھا دیکھ رہتا ہے جو دیکھے ہے اُسے پائے گیر اُسے نہ ہوں کیوں درند صيد کے تن پر ہیں سب گلیاں زخم مدت ہجراں نے کی ہے کچھ کمی خط نہ لکھتے تھے سوتا ب دل کمی</p>
<p>۱۔ میر تقی میر سے ملا جو عشق کے جھل میں خضر میں نے کہا پڑ کہ خوف شیر ہے خود دم یاں کو ہرایا + ۲۔ ۔ ۔ ۔ بلبوں نے کیا گل افشاں میر کا مرقہ کیا + دور سے آیا تو پھولوں کا اک ڈھیر تھا +</p>	

<p>اے کہ تجھ کو کچھ غم تمہیر ہے مسلموں کی اُن کے ہاں تکفیر ہے ہر سخن کی اب مرے تقریر ہے اس مرے بھی شعر میں تاثیر ہے شہر میں اینٹیں بھی تشہیر ہے ذبح کرنے میں مرے تاثیر ہے</p>	<p>رکھ نظر میں بھی خراب آبادیاں سخت کافر ہیں برہمن زادگاں گفتگو میں رہتے تھے آگے خموش نظم عشق کی رہی سرشت ویر مرگے پر بھی نہ رسیوائی مگنی کیا ستم ہے یہ کہ پوچھو تیغ و طشت</p>	
	<p>میر کو ہے کیا جوالی میں صلاح تب تو سارے میکے کا میر ہے</p>	
<p>جان امید وار سے شرمندگی ہوئی گو یا کہ روز اس سے نئی بسندگی ہوئی سیلاب کو بھی دیر سرائی ہوئی پانچوں حواس کی توہ پراگندگی ہوئی</p>	<p>دل غم سے خوں ہوا تو بس اب زندگی ہوئی خدمت میں اس صنم کے کٹی عمر پر سہیں گر یہ کامیرے جوش جو دیکھا تو شرم سے تھا دودلا وصال میں بھی میں کہ ہجر میں</p>	
	<p>اب صبر میر ہو نہیں سکتا فراق پر ایک عمر جان و دل کی فریبندگی ہوئی</p>	
<p>وصل کی رات میں لڑائی کی اب توقع نہیں رہائی کی میں دوا کی بہت شفا کی دھوم ہو اُس کی رہگہرائی کی برق بے اپنی جگہ ہنسائی کی دیکھ کر کتب یہ آشنائی کی شب نہ آخر ہوئی جدائی کی میں جوانی میں پارسائی کی عمر نے سخت بیوفائی کی عشق نے زور آزمائی کی</p>	<p>یار نے ہم سے بے ادائیگی باں و پر بھی گئے بہار کے ساتھ کلفت رنج عشق کم نہ ہوئی طرہ رفتار کے ہیں رفتہ سب خندہ یار سے طرف ہو کر کچھ لطافت نہ تھی اُن آنکھوں میں وصل کے دن کو کار جاں نہ کھنچا منہ نگار یا نہ خستہ رز کو جور اس سنگدل کے سب کھنچے کو بہن کیا پس کڑ توڑے کٹا</p>	
<p>حسن تاثیر شعرا سی کے ایک مشہور شاعر گزرے ہیں تذکروں میں اکا مفصل حال دیکھ کر ہی شاہد ہو</p>		

<p>دیرِ داں ہم نے بینوئی کی ساحسری کی کہ دلربائی کی برسوں تک ہم نے جہہ سائی کی</p>	<p>چپکے اُس کی گلی میں پھرتے رہے اک نگہ میں ہزاروں مارے نسبت اُس سناں سے کچھ نہ ہوئی</p>
<p>میر کی بندگی میں جا بارے سیرسی ہو گئی خدائی کی</p>	
<p>تب آنا کا نا سماں اور ہے جہاں وہ نہیں یہ جہاں اور ہے یہ خلق اور انکی زباں اور ہے مری اور اک مہرباں اور ہے</p>	<p>زمین اور ہے آسماں اور ہے نہ وہ لوگ ہیں اب نہ اجماع وہ نہ ان لوگوں کی بات سمجھی گئی تجھے گو کہ صد رنگ ہو تجھے کیس</p>
<p>ہوا رنگ بدلے ہے ہر آن میر زمین و زماں ہر زماں اور ہے</p>	
<p>کہ دیکھا جب تجھے تب جی کو مار رہے کہ میرے پاس بھارا بھی یادگار رہے اتھی اپنا ہمیں کب تک انتظار رہے کوئی دن اور اگر موسم بہار رہے ہزار مرغ گلستاں تجھے پکار رہے جو ہم ستم زدوں سے یار کچھ بھی یار رہے جو بیقرار مرے دل کو بھی قرار رہے جو نکل کے سینے میں ایسا ہی خار رہے نہ کیونکہ دونوں مری آنکھوں میں غبار رہے</p>	<p>کہو تو کب تیں یوں ساتھ تیرے پیار رہے اداؤں ناز سے دل سے چلا تو ہنس کے کہا ہم آپ سے جو گئے ہیں گئے ہیں مدت سے ہوس اسیروں کے ملک دل کی نکلے کچھ شاید اٹھا جو باغ سے میں بیدار غ تو نہ بھرا لیا تو جاوے بھلا نام مجھ سے یاری کا ہو حال ہجر ٹھہر جاوے کچھ نہ کچھ آخر کر نیلے پھاتی کو گلزار ہم جلا کر دار غ مکوں ہوں ایک سائیں گرد راہ کو اُس کی</p>
<p>نہ کر لے گریہ اختیار ہرگز میر جو عشق کرنے میں دس پر کچھ اختیار رہے</p>	
<p>سو کوئی دن جو ہے تو پھر ساہا نہیں ہے جا کا ہ اس مرض کی شاید وہا نہیں ہے اُس آنکھ کو جو دیکھو اب آشنا نہیں ہے</p>	<p>یہ لطف یار ہم کو کچھ آسرا نہیں ہے سن عشق جو اطمینان کرتے ہیں چشم پوشی جس آنکھ سے دیا تھا اُن نے قریب دل کو</p>

بے چشم و رو شو اس سے شرم و حیا نہیں ہے  
فقر تکب سے لیکن برگ و نوا نہیں ہے  
اس تلخ زندگی میں اب کچھ مرا نہیں ہے  
ہجراں میں اس کے بچھ میں بکچھ رہا نہیں ہے  
کیا جانو تم کسو سے دل ٹٹک لگا نہیں ہے

جب دیکھو آئینے کو تب رد و بد ہے اُسکے  
میں برگ بند اگرچہ زیرِ شجب سر رہا ہوں  
شیریں نمک لبوں میں اسکی نہیں حلاوت  
اعضا گداز ہو کر سب بہ گئے ہیں میرے  
سُن سانحات عشقی منہں کیوں نہ دو پائے

دل خوں جگر تے مکرے جب میر دیکھتا ہوں  
اب تک زباں سے اپنی میں کچھ کہا نہیں ہے

بچے نہ نا اُمیدی کیونکر مری نظیر سے  
روا گیا ہے ہر اک جوں ابر میرے گھر سے  
دیکھا نہ اُن کو اب کے آئے جو ہم سفر سے  
جب سے سنا ہے ہم نے جنت ہی اس خبر سے  
علم ایکباریاں تک آئے نہ اپنے گھر سے  
اُٹھنے لگا دھواں اب میرے دل پہ جگر سے  
اپنا تھاں خواہش برگ و گل و نمر سے  
ٹٹک ابر قبیلہ آکر آگے ہمارے بر سے  
خط جاکل ٹٹے بھریں میں سکی گلی میں بر سے  
ٹٹک دیکھنے کو اس کے برسوں مہینوں تر سے  
منزل پہنچ رہیں گے ہم ایسی دہکڑ سے

لاکھوں فلک کی آنکھیں سب منگدیں دھرتے  
بر سے ہے عشق یاں تو دیوار اور در سے  
جو لوگ چلتے پھرتے یاں چھوڑ کر گئے تھے  
قاصد کسو نے را خط راہ میں سے پایا  
سو بار ہم تو تم بن گھر چھوڑ چھوڑ سکے  
چھائی کے جلنے سے ہی شاید کہ آگ سلگی  
بکلا ہے سو جلا ہے نو امید ہی چلا ہے  
بھڑباندھنے کا ہم بھی دیں گے دکھا تا ہے  
سو نامہ بر کبوتر کر ذبح اُن نے کھائے  
آخر گر نہ چشم نظر راہ ہو سکے ہم  
اپنا وصول مطلب اور ہی کسو سے ہو گا

سردے دے مارے ہیں ہجراں میں میر صاحب  
یارِ چھڑاؤ اُن کو چاہت کے درد سر سے

ہو مختلط جوان سے تو ایمان کیا رہے  
ایسی لگی ہے ایک تو ارمان کیا رہے  
جا تا رہے جو سر ہی تو سامان کیا رہے  
منزل خراب ہووے تو مہمان کیا رہے  
دلت میں ہو غاپ تو پہچان کیا رہے

کافر بتوں سے مل کے مسلمان کیا رہے  
ششیر اُس کی حصہ برابر کرے ہے دو  
ہے سر کے ساتھ ماں دمنال آدمی کا سب  
ویرانی میں سے ہرجا بھی ہے اُداس  
اہلِ مہن میں میں نے نہ جانا کسو کے تیں



حال خراب جسم ہے جی جانے کی دلیل	جب تن میں حال کچھ نہ رہے جان کیا رہے
جب سے جہاں ہے تب سے جرابی ہی ہو میر	تم دیکھ کر زمانے کو حیران کیا رہے
وہ اب ہوا ہے اتنا کہ جو رو جفا کرے ہجران یا ر ایک مصیبت ہے ہم نشین صورت ہو ایسی کوئی تو کچھ میری تدبیر ہو مرزا قبول ہے نہیں زہار یہ قبول مستی شراب کی ہی سی ہے آمد شباب یار ب نسیم لطف سے تیرے کہیں کھلے میں نے کہا کہ آتش غم میں جلے ہو دل رہ گئے سے میرے رات کے سالہا جہاں کا برسول کیا کرے مری تربت کو گلشن	فسوس ہے جو عمر نہ میری وفا کرے مرنے کے حال سے کوئی کبتک جیا کرے مشتاق یا ر کو بھی کسو کا خدا کرے منت سے آن کر جو معالجہ دو اکرے ایسا نہ ہو کہ تم کو جو انی نشا کرے دل اس چین میں غنچہ سا کب تک با کرے وہ سرد مہر گرم ہو بولا جلا کرے آئے نسیم صبح کہ اک دم ہو اکرے مرغ چین اگر حق صحبت ادا کرے
عارف ہے میر اس سے ملا بیشتر کرد	شاید کہ وقت خاص میں نکو دعا کرے
مرت سے تو دلوں کی ملاقات بھی گئی کتنے دنوں میں آئی تھی اسکی شبہاں کچھ کہتے آئے ہمتو سنا کرتے دے غموش ننگی جو تھی تو بنت عبتا صمہ ہی بھی عمامہ جانماز گئے لے کے منہ	ظاہر کا پاس تھا سودا رات بھی گئی باہم ہی لڑائی سو وہ رات بھی گئی اب ہر سخن پہ بحث ہے وہ بات بھی گئی اب تو خراب ہو کے خرابات بھی گئی واغظ کی اب لباسی کرامات بھی گئی
پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں	اس عاشقی میں عرت سادات بھی گئی
گل نے بہت کہا کہ چین سے نہ جاسیے میں بیداغ کر کے تغافل چلا گیا صحبت عجب طرح کی پڑی اتفاق ہائے رنجیدگی ہماری تو پیر ہسل ہے دے	لگشت کو جو آئیے آنکھوں پہ آئیے وہ دل کہاں کہ ناز کسو کے اٹھائیے کھو بیٹھیے جو آپ کو تو اس کو پائیے آزردہ دل کسو کو نہ اتنا ستائیے

اپنا ہو بس تو دل نہ کسو سے لگائیے  
طبع شریف اپنی نہ ایدھس کو لائیے  
آنکھیں لڑائیے ہیں آنکھیں دکھائیے  
سو تا پڑا ہو کوئی تو اس کو جگائیے

خاطر ہی کے علاقے کی سب ہی خرابیاں  
اسے ہدم ابتدا سے ہے آدم نشی میں عشق  
اتنی بھی کیا ہے دیدہ درانی کہ غیر سے  
مچلا ہے وہ تو دیکھ کے لیتا ہے آنکھیں موند

جان غیور پر ہے ستم ساستم کہ میر  
بگڑا جنھوں سے چاہیے اُن سے بنائیے

خالی ہوا جہاں جو گئے ہم جہان سے  
نیکلا نہ ایک حرف بھی میری زبان سے  
بستر نہیں مکان کوئی اس مکان سے  
جو عادتہ نزول کرے آسمان سے  
تم مار ڈالیو نہ مجھے اس گمان سے  
تم باز نہیں ہو کتے مرے آٹھان سے  
اب لگ چلیں گے اور کسی مہربان سے  
وے ہم ملک نہ آئے کچھ کسر شان سے

لے عشق میں گئے دل پُر اپنی جان سے  
دل میں سو دے تھے بہت چصفور یار  
لگ لگ کر دل سے آؤ آنکھوں میں ہو دیدہ کی جگہ  
اول زمینوں میں ہو مال مری طرف  
یہ وہم ہے کہ آنکھیں مری لگ گئیں کہیں  
کھل جائیں گی تب آنکھیں تو مری جاوے گا کوئی  
نا مہربانی نے تو تمھاری کیا ہلاک  
زبور خانہ چھاتی غم دوری سے ہوئی

اثر کیا کرے سخن میر یار میں  
جب دیکھو لگ رہا ہے کوئی اُسکے کان سے

کہو سو کرے علاج اپنا پلیدن دل بلائے جاں ہے  
نہ شب کو مہلت نہ دن کو فرصت دادم آنکھوں کے خوں رواں ہے  
تلاش دل کی جو دلبری سے ہمارے پاس آتھیں رہے ہے  
ستم رسیدہ شکستہ دل گیا بھی خوں ہو کے یاں کہاں ہے

کڑھاکریں ہیں ہوا ہے مورد جہان جسم جب سے اپنا  
غم جُدا کی جہاں جاں کا ہمارے دل میں بہاں جہاں ہے

نہیں جو دیکھا ہے ہم نے اُسکو ہوا ہے نقصان جان اپنا  
ادھر نہ دیکھے ہے وہ کچھ تو نگہ کا اُسکی گزریاں ہے

لے ہر بلائے کز آسمان آید بگر پیر دیگران تھا باشد  
بر زمین رسیدہ ہی پرسد پڑ خانہ انوری کجا باشد  
(انوری)

بجا بھی ہے جو نہ ہو دے مائل نگار سیرِ حین کا ہسر گز  
گلوں میں ہدم ہو کوئی اُس کا سوکس کا ایسا لبِ دہاں ہے

کسے ہے رنج و غم و الم سے داغ سر کے اٹھانے کا اب  
مصیبت اُسکی زمانے میں تو ہمارے اد پر زماں زماں ہے

نہیں ہے اب میر یہ اتنا جو ذکرِ حق سے تو منہ چھپا دے  
پگاہِ لغز زنی کیا کر ابھی تو نامِ خدا جواں ہے

بھلا کب تلک سبقراری رہے  
کہاں تک ستارہ شماری رہے  
کہ میری بھی یہ یادگاری رہے  
لہوِ منہ پہ تا چند جاری رہے  
ہو ایسی ہی تن کی نزاری رہے  
ہمیں سا لہا سہکناری رہے  
فقیروں کی گرگوش داری رہے  
کہ ٹپتے ہنی ویرات ساری رہے  
بلا شور و سرِ یاد و زاری رہے  
کہاں تک بے اعتباری رہے

سیرِ راہ چند منتظاری رہے  
راہ ہی کیے آنسو لکوں پہ شب  
کہا بوسہ دے کہ سحر جب چلا  
کہیں خشک ہو چشمِ چشم بھی  
بس اب رہ چکی جانِ غناک بھی  
تسلی نہ ہو دل اگر یار سے  
ترے ہیں وہ آگوستا خوب ہی  
شبِ وصل قی یا شبِ تیغ تھی  
کریں خواب ہمسائے کیونکر کہ یاں  
پھر کرتے ہیں خوار گلیوں میں ہم

کج ابروان اطفال میں ہے عجب  
جو میر آبرو بھی تمھاری رہے

پھولا پھرے ہے مرغِ جمن باغِ باغ ہے  
جی تن میں اپنے بھٹا سا کوئی چراغ ہے  
خوبی سے اُسکی لالہ صد برگِ داغ ہے  
سوزِ دروں سے ہائے بدن داغِ داغ ہے  
کھٹھنے سے رات و کج ہمیں کب فراغ ہے  
پردے میں کوئی ہی کہ یہ اُس کا مٹراغ ہے

کیا منہ لگے گلوں کے سنگِ گفۃ داغ ہے  
وہ دل نہیں رہا ہے نہ اب وہ داغ ہے  
قامت سے اُس کی سزگوں رستے ہیں سروں  
یارِ لب رکھیں گے پنبہ و مرہم کہاں کہاں  
مدت ہوئی کہ زانو سے اٹھتا نہیں بے سر  
گھر گھر پھرے ہیں بھانکتے ہم نسجِ جوں نسیم  
لے تن مہ داغِ دارشد پنیہ کجا کجا نہم +

صدمت فقیری کی نہ گئی مر گئے یہ بھی  
لگے نکلی ہے کسو کی مگر بکھری زلف سے  
باجردی سے مرغ دل ناتواں پر مسیر

طبیعت نے عجب کمال یہ ادائی  
تہا لاش داغ سودا کی ہے سر سے  
نہ ہو گشتن ہمارا کیونکہ لب لب  
مجھی کو ملنے کا ڈھب کچھ نہ آیا  
گئے جل حرّ عشقی سے جگر دل  
انہیں نے پردے میں کی شونخ خشمی  
ہوا اطلاع جہاں نور شید دران ہے  
پیام اُس گل کو پہنچا پھر نہ آئی  
سبب حیرت کا ہی اُس کا توقف  
جفا میں سیئے گا کہتے تھے اکثر  
جواں ہونے کی اُسکے آرزو تھی  
لگیا تھارات دروازے پہ اُسکے  
لگا کہنے کہ یہ تو ہمنشیناں  
راہ تھا دیکھ پہلے جو نگہ کر

اب چشم شیر گور کا میری چراغ ہے  
آئے میں باد صبح کو یاں اک دماغ ہے  
اُس شمع رٹکے سے مجھے باہم جلتا ہے

کر ساری رات وحشت ہی رما کی  
ہمارا اب ہے جنوں کی ابتداء کی  
ہمیں گلزار میں قوت ششما کی  
نہیں تقصیر اس تا آشنا کی  
رہی تھی جان سو برسوں جلا کی  
بہت ہم نے تو آنکھوں کی حیا کی  
تردد کیا ہے سستی میں خدا کی  
نہ خوش آئی میاں گیری صبا کی  
سکپاواں یہ اب تک کیا کیا کی  
ہماری عمر نے پھر گر و فانی  
سواب بارے ہیں یہ یہ جفا کی  
فقرانہ دعا کرو خدا کی  
صدا ہے دلخراش اس ہی گدا کی  
ہمارے میر دل میں اُن نے جلا کی

ملا اب تو نہ وہ ملنا تھا اُس کا

تہ ہم سے دیر آنکھ اُسکی ملا کی

ہم رو روئے درد دل دیوانہ کہیں گے  
سودا کی ورسوا و شکستہ دل و خستہ  
دیکھے سوکے کوئی نہیں جسم کسو کا  
ہوں در بدر و خاک بسر چاک گریباں

۱۷ شاید اُس زلف سے لگی ہے میرا باؤ سے اک داغ بچے ہے + ۱۷ اسی سے گزرتا ناخ بنائے۔ زمانہ ہو  
باہم پہنچا ہونا اور میر کی مراد یہاں اسی قسم کی ہے ۱۷ میاں گیری شامی قاسم دی ۱۷ ۱۷  
میں جو بولتا تو بولے یہ آواز ۱۷ اُسی خانہ خراب کی سی ہے + میر

دیرانے کو مدت کے کوئی کیا کرے تھسیر	اُجڑی ہوئی آبادی کو ویرانہ کہیں گے
میں رو دیا کرٹھا کرتا ہوں دن رات جو درویش	من بعد مرے تیکے کو غم خانہ کہیں گے
موقوف غم میر کہ شب ہو چکی سہم	کل رات کو پھر باقی یہ افسانہ کہیں گے
مدت سے پائے چنار رہے ہیں مدت گلشن تابی کی	برسوں ہوئے ہیں گھر سے نکلے عشق نے خانہ خسرابی کی
دہ تہیں سننا سچی بھی میری تین میں ہوں نہ تیرہ میں	دہ تہیں سننا سچی بھی میری تین میں ہوں نہ تیرہ میں
گنتی میں کچھ ہوں تو میری قدر ہو حسن حسابی کی	دیر جوانی کچھ رہی تو اُس کی جفا کا اٹھتا مزا
جام گلوں کے خزاں میں گلوں ہیں نکمت خوش بھی عین سے گلی	عمر بنے میرے گزر جانے میں ہائے دریغ شبابی کی
نئے شاید کہ تمام ہوئی ہے ہر غنچہ کی گلابی کی	جیتے جاگتے اب تک تو ہیں لیکن جیسے مردہ ہیں
اچھی ہی ہے یہ جنس و قایاں لیک نہ پانی پینے کہیں	یعنی بیدم سُست بہت ہیں حسرت سے بجا ابی کی
دارغ ہوئی ہے جان ہماری اس سے کی نایابی کی	جیب و دامن تر رہتے ہیں آٹھ پہرے کے رونے سے
ننگ خلق کیا ہے ہم کو آخر دست خالی نے	قدر نہیں ہے ہکو ہر گز اپنے جہانم ابی کی
عالم میں اسباب کے ہے کیا شورش بے اسبابی کی	عشق میر کسو سے اتنا اب تک ظاہر ہم پہ نہ تھا
حرف یار جو منہ سے نکلا اُن نے بلا بے تابی کی	ختم ہوا قد کماں سا پیر ہوئے
ختم ہوا قد کماں سا پیر ہوئے	سو ہم اُس کے نشان میر ہوئے

اب نہ عسرت رہے گی مرنے تک  
میں ہی درویش خوار و زار نہیں  
ہے شرارت کا وقت عہد شباب  
گھر کو اس کے خراب ہی دکھیا  
شور جنکے سروں میں عشق کا تھا  
یاں کی خلقت کی ہے زباں کٹی  
نہوئے ہم نظر شیریں سے یوں تو

موسم گل میں ہم اسیر ہوئے  
عشق میں بادشہ فقیر ہوئے  
تم لڑکین ہی سے شیر ہوئے  
جسکے یہ چشم و دل شیر ہوئے  
وے جواں سارے بائے گیر ہوئے  
کہتے ہیں اندھوں کو بصیر ہوئے  
شعر کے فن میں بے نظیر ہوئے

بات کا ہم سے انکو کب ہے رمانع  
میر درویشی میں امیر ہوئے

اؤ کبھو تو پاس ہمارے بھی ناز سے  
پھرتے ہو کیا درختوں کے سائے میں در در  
بجراں میں اُس کے زندگی کرنا بھلا نہ تھا  
ماتند سچہ عقدے نہ دل کے کبھو کھلے  
کرنا ہے چھید چھید ہمارا حشر تمام  
دل پر ہوا اختیار تو ہرگز نہ کرے عشق  
اگے بچھا کے نطع کو لاتے تھے تیغ و پشت  
مانع ہوں کیونکہ گریہ خونیں کے عشق میں

کرنا سلوک خوب ہے اہل نیاز سے  
کر لو موافقت کسو بے برگ و ساز سے  
کو تا ہی جو نہ ہو وے غیر سردراز سے  
جی اپنا کیونکہ اچھے نہ روزے نماز سے  
وہ دیکھنا ترا مژدہ نیم باز سے  
پر ہنر کرے اس مرض جانگداز سے  
کرتے تھے یعنی خون تو اک امتیاز سے  
ہے ربط خاص چشم کو افائے راز سے

شاید شراب خانے میں شب کو ہے تھے میر  
کھیلے تھا ایک منہ نماز سے

رنگ شیریں برو کا خم ہے  
تم کرو شاد زندگی کہ مجھے  
جب سے عالم میں جلوہ گر ہے تو  
جس دم پر نہ جایوں ان کے  
زال دنیا کو جس نے چھوڑ دیا

تیر و شتر سے کیا پلک کم ہے  
دل کے خوں مونیکا بہت غم ہے  
ہمکے میں تمام عالم ہے  
شیخ صاحب کا یہ بھی اکدم ہے  
وہی نزدیک اپنے رستم ہے

ایہ نظریہ تخلص محمد حسن نیم۔ فارسی کا سلم الشوق شاعر۔ ہندوستان چلا آیا تھا عبدالرحیم خاں اسکو بہت عزیز رکھتا تھا۔ عہدہ مرین اختیار کیا۔

سرد و طوبی کا ناز ہے عجیب اُس کے قد کا سا کج و چم ہے

کچھ تو نسبت ہے اُسکے بالوں سے

یوں ہی کیا حال میر درہم ہے

جو لوگ آسمان نے یاں خاک کرا ڈالے  
رہنے کی کوئی جاگہ شاید نہ تھی اُنھوں کی  
لڑکے برہمنوں کے صندل بھری جبینیں  
ہر اک صنم کدے کی کافر جگہ ہے ہم نے  
یاں لوگ کیا کیا آگے ہوئے ہیں تم سے  
کیا گھورتے ہو ہر دم ڈرتے نہیں ہیں کچھ ہم

آہ شر ز فشان جو نکلے ہے مُنہ سے ہر دم  
روشن ہے میر غم نے قلب و کبد جلانے

ہم کچھ غم سے آہ کرتے تھے  
اے خوشا حال اسکا جب کا رہے  
برسوں رہتے تھے راہ میں اُسکے  
نیچی آنکھیں ہم اسکو دکھایا کیے  
ہے جوانی کہ موسم گل میں

کیا زمانہ تھا وہ جو گزرا میر  
ہندو لوگ چاہ کرتے تھے

وے سیہ مولیٰ و گرفتاری  
ابکی دل اُن سے بچ گیا تو کیا  
اچھا ہوتا نہیں مریض عشق  
کیوں نہ ابر بہار پر ہوزنگ  
شور و فریاد و زاری شب سے  
چلے جاتے ہیں رات دن آنسو  
مر رہیں اس میں یار ہیں جیتے

دزد و غمزوں کی وہ سی عیاری  
چور جاتے رہے کہ اندھیاری  
ساتھ جی کے ہے دل کی عیاری  
برسوں دیکھی ہی میری خوناری  
شہریوں کو ہے مجھ سے بیزاری  
دیدہ تہ کی خمیر ہے جاری  
شیوہ اپنا تو ہے وفاداری

<p>جرم مجید سے ہے گرا تباری یاں سے اخلاص مدد ستی یاری</p>	<p>کیونکہ راہ فنا میں بیٹھیں گے داں سے شتم و خطاب تاز و عتاب</p>
<p>میر چلنے سے کیوں ہو غافل تم سب کے ہاں ہو پری ہے تیاری</p> <p>کس مرتبے میں ہوگی سینوں کی غتہ حالی دیوانگی یہ اتنی وہ اتنا لاابالی جب صورت ایسی تیری نقاش نے نکالی ترکیب اسکی گویا سانچے میں گئی سو ڈھالی اب تک مزاج کی میں پاتا نہیں بجالی وے ختم آسمان پر اُن کا دماغ عالی ماند برق خالط تیغ اُن نے جب نکالی پھر بھی زمین سر پر یاروں نے آج اٹھالی پگڑی ہی بھیر رکھی اُن نے جو سدھ سنبھالی</p>	<p>جمع انگنی سے اُن نے ترکش کیے ہں خالی درگیر کیونکہ ہوگی اس سفلہ تو سے صحبت بے اختیار شاید اُس سے بھنچ گئی ہو اتنی سڈول دیہی دیکھی نہ ہم سنی ہے وصل و فراق دونوں بجالی ہی میں گزرے میں خاکسار اُن تک پہنچی دعا نہ میری آنکھیں فلک کی لاکھوں تپ جھپٹیاں بنی دین کل فتنے زیر سر تھے جو لوگ کٹ گئے سب طفلی میں ٹیڑھی سیدھی ٹوپی کا ہوش کب تھا</p>
<p>معقول اگر سمجھتے تو میر بھی نہ کرتے لڑکوں سے عشق بازی ہنگام کہنہ سالی</p> <p>آہ اُس دشمن نے یہ عاشق نوازی خوب کی اس سپاہی زادے نے کیا ترک تازی خوب کی لے سراپا ناز تو نے بے نیازی خوب کی خاک بھی برباد کی دامن و رازی خوب کی اس کشدے رٹے نے بے امتیازی خوب کی ہم جہاں آب و گل میں خانہ سازی خوب کی</p>	<p>دوستی نے تو ہماری جانگدازی خوب کی گور پر آ یا سمند ناز کو جو لاں کیے عاشقوں کی خشکی بد حالی کی پروا نہیں تنگ چولی نے تو مارا تنگ ورنی سے نہیں سان مارا اور کشتوں میں مرے کتے کو بھی چھوڑ کر سمورہ دُنیا کو جنگل جا بے</p>
<p>کھیل لڑکوں کا سمجھ کر چاہ کو آجڑے گئے میر پیری میں تو تم نے عشق بازی خوب کی</p> <p>ایک حسن کی طرف ہو کیا کیا جوان مارے مرغان باغ سارے گلہاں اسکے مارے</p>	<p>اے عشق بے حجاب تو نے تو جان مارے طار فریب کتنا ہے وہ شکار پیٹ</p>



بات رہ جائے تہ یہ دن رہیں نے رات ہے  
اُسکے سگ سے جو ملاقات مساوات ہے  
شیخ کی میکدے میں کیونکہ کرامات ہے  
گر گرہیاں درسی کا کام مرے ہاتھ ہے  
عالم خاک میں برسوں تئیں وہ بات ہے  
دن کو طامات رہے شب کو متاجات ہے

اُس سخن رس سے اگر شب کی ملاقات ہے  
فخر سے ہم تو کلمہ اپنی فلک پر چھینکیں  
بہنچے لے گئے سجادہ و عمامہ اُچک  
دھجیاں جامہ کی کرد و نگاہوں میں اب کے  
خاک کا پتلا ہے آدم جو کوئی اچھی کسے  
بات واعظ کی موثر ہودلوں میں کیونکہ

تنگ ہوں میری بیٹا قتی دل سے بہت  
کیونکہ یہ ہاتھ تلے قبہ حاجات رہے

میدان بزن گہوں کے کشوں سے بھر رہا ہے  
مستابی ہی رخ اس کا پیش نظر رہا ہے  
کیا مارتا ہے اس کو یہ آپ ہی مر رہا ہے  
تو بھی جدا کسو سے اے گل مگر رہا ہے  
دریا ہمیشہ میری گریے سے تر رہا ہے  
اُلفت رہی ہے جس سے اُس کی ڈر رہا ہے  
دل اب تڑپ تڑپ کر اک ظلم کر رہا ہے  
ہر صبح یاں سے ہم کو عزم سفر رہا ہے  
رذروں کا چاند پیدا سب بخیر رہا ہے

کیا عشق بے محابا ستھراؤ کر رہا ہے  
غیرت سے دلیری کے ڈر چاندنی نہ دیکھے  
خونریز تاتواں میں امتنا نہ کوئی بولا  
پائیر کب کرے ہے افسردہ خستہ اتنا  
خجلت سے آجکل کیا اُن نے کیا کتنا را  
میں اک نگاہ گاہے خوشرو کوئی نہ دیکھا  
رہتا نہیں ہے رکھے تھمتا نہیں تھمائے  
یہ کارواں سراقورہنے کی گوں نہ نکلی  
بعد از نماز سجدہ اس شکر کارووں ہوں

کیا پھر نظر چڑھا ہے اے میری کوئی خوشرو  
یہ زرد زرد و خیرہ تیرا تر رہا ہے

بات جتنی کہتے ہو فہم سے جھنجھلائے ہوئے  
اور خوابان چنناں کے گل ہیں مرجھائے ہوئے  
حیف بخود ہوئے ہم پھر بخود آئے ہوئے  
آئے ہوشانہ کس قہقہہ کے ہکائے ہوئے  
دور جاتے ہیں کل ہجران سے گھبرائے ہوئے  
ہیں گلے کے ہارے بال بل کھائے ہوئے

کیا طرح ہے یاں جو آئے ہو تو شرائے ہوئے  
اس مرے نوابوہ گلزار خوبی کے حضور  
چھپکے دیکھا ہماراں نے اُسکو سو غش آگیا  
ہر زماں لے لے اٹھو ہوتیج بیجا محکودیکھ  
گھر میں جی لگتا نہیں میں تو ہم ہو کر اداس  
ایک دن موئے دراز اُسکے نہیں اُنہم تھیں

دشمنی سے سایہ عاشق کو جو مارے ہے تیر  
اُس کماں ابرو کے جا کر میرے مہا گئے ہوئے

ایسی طرح روزگار دیکھئے کب تک رہے  
گر یہ گلے ہی کا بار دیکھئے کب تک رہے  
غش یہیں ابکی بار دیکھئے کب تک رہے  
جان کو یہ اضطراب دیکھئے کب تک رہے  
دل ہے مل بقرار دیکھئے کب تک رہے  
ان بھی گلوں کی بہار دیکھئے کب تک رہے  
شام و سحر انتظار دیکھئے کب تک رہے  
بیزہ ہے ہم سے یار دیکھئے کب تک رہے  
شعر ہے میر اشعار دیکھئے کب تک رہے

چرخ پر اپنا مار دیکھئے کب تک رہے  
سہرے کماں تک پٹریاں سوؤں کے چہرے پر  
ضعف سے آنکھیں مندی مل نہ کیں بھرتاب  
لب پہ مرے آنکر بار بار پھر پھر بھی  
اُس سے تو عہد و قرار کچھ بھی نہیں درمیان  
اُس سے اس سے دلغ ہی میں ہیں  
آنکھیں پھر اُنکیں تکتے ہوئے اس کی راہ  
آنکھ ملانا نہیں ان دنوں وہ شوخ ملک  
رو سے سخن سب کا ہے میری غزل کی طرت

گیسو و رخسار یار آنکھوں ہی میں پھرتے ہیں  
میر یہ لیل و نہار دیکھئے کب تک رہے

کہ یہ پیرانہ سر جاہل جواں ہے  
ہماری خاک کیا جاں میں کہاں ہے  
ہمارے حال پر کچھ مہرباں ہے  
وہیں شاید کہ اُس کا آستان ہے  
خمیدہ بھول جو زویریں کہاں ہے  
زبونی پر مری خاطر نشان ہے  
میں سے کہتے ہیں جاں رواں ہے  
بدن میں نے جب تک نیم جاں ہے

فلک گرنے کے قابل آسمان ہے  
گئے ان قافلوں سے بھی اٹھی گرد  
بہت تاحر باں رستا سے سینے  
ہیں جس جائے کل غش اُگیا تھا  
ثرہ ہراک ہے اُسکی تیر ناوک  
اسے جیتک ہے تیر اندازی کا شوق  
چلی جاتی ہو دھڑکوں ہی میں ابھی  
اسی کا دم بھرا کرتے رہیں گے

پڑا ہے پھول گھر میں کاہیکو میر  
جھمک ہے گل کی برق آشیان ہے

مستی کی دیر میں قسم اقسام کر چکے  
دستا و زحمت سب مگر دجام کر چکے

ہم رہیں بارہ جامہ احرام کر چکے  
جامہ ہی وجہ نے میں ہمارا نہیں گیا

ترک نماز و روزہ و اسلام کر چکے  
نفر اختیار کرنے میں ابرام کر چکے  
عاشق ہوئے سو آپ کو بدنام کر چکے  
سوار اضطرار سے پیغام کر چکے

زنا رہنا سچہ کے رشتے کے تار توڑ  
جب کرنے بیٹھے مالا لیے پیش رو بہت  
صندل کے قشتے دیکھ برہمن بچوں کے پنج  
واسوختہ ہوویر سے کہے کو پھر گئے

شکر و گلہ صنم کے کا حشر حشر میر  
کہے کے رہنے والوں کو ارقام کر چکے

وہی جی مارے جسکو یار کرے  
دیکھیں کبتک یہ گل بہار کرے  
وہ ہی جانے جو انتظار کرے  
دیر میں اُس کو کوئی یار کرے  
صيد لاغر کو بھی شکار کرے  
بھوٹے وعدوں کو اعتبار کرے

عشق کیا کوئی اختیار کرے  
غنیجہ ہے سر پہ داغ سودا کا  
آنکھیں پھرائیں چھاتی پھر ہے  
سہل وہ آشنا نہیں ہوتا  
رنج میں داگہ کے ہوں شاید  
کبھو سچے بھی ہو کوئی کب تک

پھول کیا میر جس کو وہ محبوب  
سر چڑھاوے گلے کا بار کرے

جب نام اُس کا صبح کو تا نام بھی چلے  
شاید کہ اب ہمارے ایام بھی چلے  
سو اُسکو اتوں لوگوں کے پیغام بھی چلے  
وہ کیا جو آگے یار کے دو گام بھی چلے  
جب راہ دو قدم وہ گل اندام بھی چلے  
اک عمر ہم تو ہاتھ سے دل تھام بھی چلے

سب کام سوچ اس کو جو کچھ کام بھی چلے  
گل نکھرے لال میرے قفس پر خزاں کے بد  
خطہ نکلے پر بھی یار نہ لکھتا تھا کوئی حرف  
سایہ سی اُسکے پیچھے لگی پھرتی ہے پری  
پھر معوہ کے خرام کی بے لطفی دیکھو  
اب وہ نہیں کہ تھا بے تھے منظر ار سے

یہ راہ دور عشق نہیں ہوتی میرے  
ہم صبح بھی چلے گئے ہیں شام بھی چلے

آنکھیں ہماری لگ رہی ہیں آسمان سے  
دھڑکے ہے جی قفس میں غم آشیان سے  
میں ہر طرف گیا ہوں جدا کاروان سے

اب دشت عشق میں ہیں یہ تنگ لے جانے  
بڑتا ہے پھول برق سے گلزار کی طرف  
نکدست جوں حد لے جس سبکی کے ساتھ

اب ہم لیں گے اور کس مہربان سے  
انماض ہم کو اپنے ہے جی کے زبان سے  
قامت حمیدہ ان کی اگر ہیں کمان سے  
صورت گئی نہ اُسکی ہمارے دھیان سے  
تو مار ڈایو نہ مجھے اس گمان سے  
جاتا ہے کوئی دیر کے ایسے مکان سے

لکھو تو انفات نہیں حال زار پر  
تم ہم سے صرف ایک نگہ کا کیا کیے  
جاتے ہیں اُسکی اور تو عشاق تیر سے  
دلکش قد اُسکا آنکھوں تلے ہی پھر کیا  
آتا نہیں خیال میں خوش و کوئی کبھی  
آنکھوں میں آ کے دل سے نہ پھڑا تو اکدم

دیں گالیاں انھیں نے وہی بیدار ہیں  
میں میر کچھ کہا نہیں اپنی زبان سے

سب جیسے اڑ گئی ہے رنگینی گلستاں کی  
بیوجہ کچھ نہیں ہے یہ گردش آسماں کی  
انصاف سے یہ کہنا یہ رسم ہے کہاں کی  
جوں بھگتی میں ہوں کوئی سرفروجاں کی  
جب چاہا تب مٹایا بنیاد کیا جہاں کی  
آواز بھی نہ آئی کانوں میں اذال کی  
شکل اُن نے دیکھتے ہی غصہ کیا زباں کی

خبر گری زبان سے لبس نے کیا فتاں کی  
مطلوب کم کیا ہے تب اور بھی پھر سے ہے  
ماں ستم کے ہونا جو رجعت بھی کرنا  
ہے سبز لب جو اس لطف سے چمن میں  
ہیں گھر جہاں میں اپنے لڑکوں کے بنائے  
صوم و صلوة کیسو بیجانے میں جو تھے ہم  
جب سامنے گئے ہم ہم نے اُسے دعا دی

دیکھیں تو میر کیونکر ہمراں میں ہم جیسے ہیں  
ہے اضطراب دل کا بیضاقتی ہے جاں کی

# فرویات

میر تقی میر دہلوی

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

### فرویات

دل نام قطرہ خون یہ ناحق تلف ہوا  
لب ساغریہ مسخر رکھ رکھ کے شیشہ بہکتا تھا  
شعلہ آہ دل گرم محبت سے اٹھا  
رام صنیا دکا ہوتے ہی خدا یاد آیا  
وحشت میں جو سیا سو کھین کا کہیں سیا  
دماغ کسکو ہر محشر کی داد خواہی کا

کیا کیے عشق حسن کی آپہی طرف ہوا  
نئے نگلوں کی بوسے بسکہ میخانہ مہکتا تھا  
جبکہ تابوت مرا جائے شہادت سے اٹھا  
گرچہ اُمید اسیری پہ یہ ناشاد آیا  
کیا رہ جیب کا بھی بجا میں نہیں سیا  
مٹھون خاک سے کشتہ میں کم نگاہی کا

دل گیا رسوا ہوئے آنسو کو سودا ہو گیا

اس دور روزہ زلیست میں ہم پر بھی کیا کیا ہو گیا

پر بے مزہ ہے مزاج میرا  
نرگس کا جس سے رنگ شکستہ بھی اڑ چلا  
اب آئے تم تو فائدہ ہم ہی نہیں رہے  
پراس روش کو تیری یہ لوگ کیا کہینگے  
ہم کو دیکھو کہ لگے چلنے تو جاتے ہی رہے  
وہ اسکندر گیا یاں سے تو دونوں اٹھ خالی تھے

بے لب نکلیں علاج میرا  
کس طور تو نے باغ میں نکھوں کے تیل ملا  
آنے کے وقت تم تو کہیں کہیں رہے  
ناچار ہم تو تجھ بن جی مار کر رہیں گے  
دعائے ہر روز رہے اور تم آتے ہی رہے  
مہیا جس کئے اسباب ملکی اور مالی تھے

	کلاہ کج سے غنچہ کی پیدا ہے گلستاں میں کہ کیا کیا اس چین میں دہروں کے لا اُہالی تھے	
	ہوئے آدم کو بھی بہشت نصیب	کھا کے دانہ یہ دام بکھوایا
	تری زلفِ نسیم کی یاد میں آنسو جھمکتے ہیں	
	اندھیری رات ہے رسات ہے جنگلوں چمکتے ہیں	
	خاتہ بختانہ در بدر شہر بہ شہر کو بہ کو	جیسے نسیم ہر تحریر کی کر دیں ہوں جستجو
	دل بھر رہا ہے خوب ہی دُؤنگا دیکھو	نورِ نظر کو نکھو کے میں سوؤنگا دیکھو
	میرے دنیا میں دل جمعی سے جو انسان جانا ہے	
	مفر کا بھی رہے خطرہ کہ اس منزل سے جانا ہے	
	بیتاب کر کے خاک میں ہم کو ملا گئے	مردت ہوئی کہ تاب و تواں ہی چھپا گئے
	وے دن گئے کہ آٹھ پیر اسکے پاس تھے	
	اب آگئے تو دور سے کچھ غم سنا گئے	
	تیرا بیمار آج تو خوش ہے	صلح سے بن علاج دو خوش ہے
	ملکِ دل اُن نے صاف ٹوٹا ہے	کیا کہوں اُس سے کچھ بھی چھوٹا ہے
	حاک سے میر کیوں کیساں ہوں	
	بکھ پہ تو آسمان ٹوٹا ہے	
	ہاں دلوں میں تمہارے خدا کا ڈر بھی ہے	سو اے سنگدلی اور کچھ ستر بھی ہے
	نئے فراق میں کچھ کھا کے سو رہو گائیں	
	تو کس خیال میں تھے تجھ کو کچھ خبر بھی ہے	
	معتشوق بھی ہمارا کیا خوب آدمی ہے	ہنس دے دیکھتے ہی کیا خوب آدمی ہے
	انسان ہو جو کچھ ہے اور اک نہ سُر لو لاک	
	ہاں تریں زماں سے مطلوب آدمی ہے	
<p>۱۰ یہ شعر قدیم نسخے میں بھی ایسا ہی ہے۔ اگرچہ اس کے قافیہ صحیح نہیں ہیں کیونکہ جانا جانا دونوں میں ایطائے جلی پیدا کرتا ہے ۱۲ ۱۰ اس شعر کے قافیہ سے بھی ایطائے پیدا ہوتا ہے۔ معلوم نہ ہو سکا کہ اصل میں کیا تھا۔ نسخہ ہائے قدیم میں یونہی ہے ۱۲</p>		

کیا خط لکھوں کہ رونے سے فرصت نہیں رہی  
 لکھتا ہوں تو پھر ہے کتابت بھی یہی  
 سبھوں کے خط لیے پوشیدہ قاصد آج جاتا ہے  
 چلا ہے یار کے کوچے کو پھر مجھ سے چھپاتا ہے  
 وصل کی جب سے گئی ہے چھوڑ دلا رہی مجھے  
 ہجر کی کرنی پڑی ہے ناز برداری مجھے  
 میں گریباں پھاڑتا ہوں وہ سلا دیتا ہی میر  
 خوش نہیں آتی نصیحت گو کی غنچواری مجھے  
 حیران اس ٹھہروے کے سب دوش ہو گئے  
 شمع و چراغ بزم میں خاموش ہو گئے  
 عمر گزری کہ ترے کوچے کے آنے سے گئے  
 دور سے ایک نظر دیکھ کے جانے سے گئے  
 کیوں گردن ہلاں بھی سے ڈھلک چلی  
 ابرو تراک طرف پلک اسکی نہیں ہلی  
 مہت دے یاد مند کو ایسی کہ بعد مرگ  
 مشت غبار میرا بخت ہو بچے یا علی  
 یکدم تو خون سوکھا مرگاں پہ ہو کے جا رہا  
 شوخ عاشق قد کو تیرے سرو یا طوبی کہے  
 کچھ تھہرا ہی نہیں کوئی کہے تو کیا کہے  
 مرنے رنگ شکستہ پر نہیں ہیں مڑیاں سارے  
 ہوا ہوں زعفران کا کھیت تیرے عشق میں پیارے  
 عرق گرتا ہے تیری زلف سے جو دل سہتا ہے  
 کہ شب تاریک ہے پھر ٹوٹتے ہیں دمدم تارے  
 جو سیل سرشک کا چلے ہے  
 دریا کے جی ہو ٹھہ جا لے ہو  
 نظر کر کے وہ سلک دندان یار  
 ہوئے پانی پانی دریا ہوار  
 اس ستم دیدہ کی صحبت سے جگر لوبو تو  
 آب ہو جائے کہ یہ دل خلعت پہلو ہے  
 ابرج مجھ خاک پر سے ہو گیا  
 ایک دو دم زار باراں رو گیا  
 کیا کہوں میں میر اپنی سرگزشت  
 ابتدا ہی قصے میں وہ سو گیا  
 فردوس سے کچھ اس کی گلی میں کمی نہیں  
 پر ساکنوں میں واں کے کوئی آدمی نہیں  
 تو گل باغ پر نہ بیل بھول  
 وہ بھی ہے گا اکملاب کا سا پھول



نسبت یہ ہے دور اس گل سے  
کس رو سے اس کے ہو کا تو نقطے سے مقابل  
مہر نہ زلف کا نہ پایا بیچ  
کو چہ یار سے نہ جاویں گے  
ترے لب جا بخش کو ہم نے بتلا  
ایک عام ہے کشتہ اس لب کا  
دل سمجھتا نہیں مہار آہ  
پیر کٹھاں سے گیا جب درد عشق  
والبستہ دلبروں کے خاموش ہیں ہمیشہ  
ہم سنے نگا مری فتاں پھر تو  
ارسی آرسی وہ ہے وہ ہے  
بخت دشمن لب نہ تھے ورنہ  
جو ترے لب سے کام رکھتے ہیں

دل تاب تک بھی لاتا تو کہنے میں کچھ آتا  
اس تشنہ کام نے تو پانی بھی پھر نہ مانگا

ماتق نہیں تمھارے مژگان خوش نگاہاں  
غم میں دل صبر و ہوش اے پیارے  
لٹ گئی اسکو دیکھ گل کی فصل  
مگر نظر اک دور سے تجھ داغ میں  
ان نے دیکھا جو اٹھ کے سوتے سے  
کیسہ نیر زر ہو تو جفا جو یاں  
دیکھتا ہوں تو کام میرا میر  
پائے پر آبلہ سے مجھ کو نبی گئی ہے  
بس نہ لگ جل نیم مجھ سے کہ میں  
چشم ہر گل پر اس کے جا دیکھی

وہ شگفتہ ہے یہ گرفتہ ہے  
اے آفتاب تیرا منہ تو طباق سا ہے  
شاعروں نے بھی فکر کر دیکھے  
کیسے ہی ہونگے ہم گئے گزرے  
کیا آپ حیواں کو پانی سے پیتا  
بالغرض اس پہ دانت ہے سب کا  
زلف اُسکی ہے ایک مار سیاہ  
گو مثل ہوا نکھ بھوٹی پیر گئی  
ان ساحروں نے ایسے منہ عاشقوں کے بازے  
ہیں ترے کان کھول رکھتا ہوں  
یہ نہ منہ دیکھے کی سی میں نے کی  
کو کہن نے بھی سر کو پھوڑا تھا  
پہنی کو دسے نام رکھتے ہیں

مخروج دل کو میرے کانٹوں میں مست گھسیٹو  
اتھ کانوں پہ رکھ گئے سارے  
سارے گلبن تھے تو کسے بے صل  
نکھیں نیچی کر گیا گل باغ میں  
اڑ گئے آئینے کے توتے سے  
تم سے کتنے ہماری جیب میں ہیں  
اول عشق ہی میں آخر ہے  
صحرا میں رفتہ رفتہ کانٹوں نے سر اٹھایا  
رہ گیا ہوں چراغ سا بجھ کر  
جیسی کی بارغ میں ہوا دیکھی

عشق میں مرگ ابتدا ہے تو	جو نما تو تو انتہا لے تو
تری ہچکچم نرگس کیا صنم ہے	لکھا ہے گر کہیں سہو القلم ہے
تجھ بن چین میں جو تھا دل کو ٹوٹتا تھا	گل منہ نہ کھولتا تھا بلبل نہ بولتا تھا
نقد دل پھوڑتے تہیں خوبیاں	اس پہ گویا کہ قسرض کھایا ہے
میاوس وصل اُس کا چٹوں میں منت کہو تم	جو ہو شمار دم میں اُس کی اُمید کیا ہے
خضر رہ عشق میں نہ ڈھونڈھ کہیاں	راہ کی باٹ کھولے دیتی ہے
غالب ہے کوئی دن کو ڈھونڈھو تو بھرتہ پاؤ	دل رفتہ رفتہ غم میں آدھا نہیں رہا ہے
فاتحہ کو نہ آیا بعد از مرگ	میسر کے یار کی طرح دیکھو
گر صرف دید عمر پھر ہے تو یاں کہاں	ہے سیر مفت میسر بچھے پھر جہاں کہاں
راہ آنسو کی کب تلک تکیے	خون دل ہی کا اب فرا چکھیے
بید سا کا بیٹا تھا مرتے وقت	میسر کو رکھو مجنوں کے تکیے
پہلی جانی ہے جاں ہی اب بھلا تیر کیا کرے	تداوی سے مرض گزرا کہو اب میسر کیا کرے

# تضمین

میر تقی میر دہلوی

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

### تفصیلین مطلع خود با مطلع استاد

یہ بیت امال ملک ہو قابے وارثہ مگر ہے  
 بیاساتی کہ اس دیرانہ از بسا کس ماندہ  
 وہ نہیں ہے اب جو تم نے پیش آریں دیکھا تھا میر  
 داشتہ خبرے کہ من بودم زیادہ رفتہ است  
 کہ اہ بھٹاں تیں پہونچا ہوں کس خرابی سے  
 بہر دو گام زمانے ستادہ آمدہ ام  
 القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم  
 عالم جمہ افسانہ مادر و ما، سیچ  
 تب سلی جہلات ہی گئی ہنگامہ تھا ہر ترے  
 تلخے بگو شکے بن تیغے کیش کارے بکن  
 کہ صبیح شاخ پہ یہ بیت پڑھتی تھی بلبل  
 زمانہ بام بدست و بنارہ بردوش ست  
 کہ پھر پانی نہ بانگا تم لگانا ایک ہی ایسی  
 خدا جبرے دہر در کشن ماقاتل مارا

نہ اسکندر نہ دارا ہے نہ کسریٰ ہے نہ قیصر ہے  
 جہان کہنہ خلقے را بدل غم ہوس ماندہ  
 خود بخود دکھو یا گیا ہے کتنے روزوں سے فقیر  
 دوستاں ظلمے بجال نامرادم رفتہ است  
 نہ اپنے در سے مجھے دور کر شتابی سے  
 ضعف دست بدلو اور دادہ آمدہ ام  
 مشہور ہیں عالم میں تو کیا ہیں بھی کہیں ہم  
 عنقا سر و برگیم سپر زلف فراتج  
 میں رہ گیا تھا ناجرم شکوے سے جب اے تہمتے  
 اکوں کہ تنہا دیدت لطف ارثہ آرات بکن  
 چین میں دھبہ کے ہنستانہ رہ بزرگ گل  
 دریں حد لقیہ بہار و خزان ہم آغوش ست  
 رہے ہم تشنگان سے ذمے منت یا رک کی کسی  
 ہامید کے بگواشت بیدادش دل مارا

دوری ہی میں طاقت نہ رہی بات کی آخر  
 زہرِ غم بھیر تو جہاں کا رگڑا افتاد  
 آشنائے کفر و دیں عاشق نہیں ہوتے ہیں میر  
 کعبہ و تہخانہ را بجگانہ میدانیم  
 تھے خوش وہ کہ پاں سرنگریاں ہی رہا ہے  
 بسیار زد تشنگی خود غنچہ نمبین است  
 متاع دل نہ لیجاؤں جو واپس کیا کروں جاناں  
 بسودائے ہوس عمرے دریں بازار گردیم  
 حواس و ہوش بخرد بان دل شکست تو ان  
 ز رفتن تو کسے باز پس نمی ماند  
 کہاں کرنے میں خون تیزی نہیں کی  
 سرش گردم کہ ہر جا جلوہ گر بود  
 اس آستانے کے سنگ کے نہیں برابر ہم  
 میان ما و سگ یا فرق بسیار است  
 محرم کیا کہوں میں اپنے نوشتے کی بری  
 دل کہ طو مار و فابو دمن محروں را  
 کہتے نہیں خلوت میں تو بار دے عالم کو  
 تا چند نہاں باشی جاناں نفسہ نبھا  
 نہ لاگے و ہم جس جا کچھ وہاں ہوتا در اندازی

روزی نہ ہوئی رات ملاقات کی آخر  
 امید وصال تو بجز دگر اقدام  
 جانتے ہیں طور میرے سب چنانچہ خور و پیر  
 یادِ دل یادِ میخانہ میدانیم  
 اس باغ میں دامونے کو بدین کہا ہے  
 غافل کہ شگفتن نفس باز پسین است  
 خریداری نہ کی تو نے رہا میں دیر سرگرواں  
 کنوں گرد سرم گرداں کہیں بسیار گردیم  
 چلے ہیں عزم سفر کرنے سے ترے سبیاں  
 تو میروی و دریں شہر کس نمی ماند  
 یہیں کچھ اُن نے خون تیزی نہیں کی  
 سر بازار او بازار سر بود  
 کہیں زیادہ سخن اپنے منہ سے کیونکر ہم  
 چرا کہ ماسک اویم و اسگ بارست  
 بخت نے آہ مری بات تنک کہنے ندی  
 پارہ گردند اتمہ بیان مضمون را  
 یا آئینہ ساہو سے دیدار ترا ہم کو  
 دیوانہ شدے تہا خود را کیے بنما  
 ہدف ہونا خدنگ جو رکایتے نہیں بازی

زشت صاف اے ابرو کمان ز بس خط و دم  
 تومی بینی بسوئے تیرو من فکر و گم دارم

عکس

دام بابو سکسینہ

## مثالث

ٹک یہ بھی رکھو سن تم اسے ارباب تعلق | اوقات خوش آں بود کز اسباب تعلق  
 آزرده دے داشتیم آنهم دگرے داشت | کیا کہوں میں عاشق و معشوق کا راز و نیاز  
 سارباں در رہ حدی میخواند و میخوانست | مر ہی جاؤں کسی گلشن میں جو میں غم سے بھرا  
 کہ بدوران تو از گلشن عالم چیدم | اکل تک تو فریبندہ ملاقات تھی پہلی  
 امروز تعلق شد کہ نداری سراہی | بیچارہ ز لطف تو بدل داشت تھما نہا  
 چوں سبا بیہودہ سرگردان این گلشن مباش | اسے وقائے گل کے عاشق سب میں ہی تیرا نشان  
 من چہ گل چیدم کہ عمرے باغبانی کردہ ام | میر اس وادی سے بیدروانہ گزرا تو بدوق  
 گردت میداشت شورے چوں ہوں راہ شوق | ہر کف خاک کہ طے میگشت جائے نالہ بود  
 یاب ذلت رہوں کہاں تک میر | یابا سر نہم کہ چوں زنجبیر  
 ہر درے حلقہ در دگرست | انا لہ بلبل غنچہ غم شمشاد آہ و فگار  
 باغبان جاروب و گل خیازہ وین انتظار | ہر کسے چیزے بیاد در گلستان میکشد  
 آئی تھی ملاقات کی راہ اسکے وے سود | تاجشتم کنم باز شب وصل سحر سود  
 ہر گز راں بر سر انصاف نیامد | جہاں سے اے کہ تناب ہے تجکو مجھ سے سن  
 ایکے بگور غریبان شہر سیرے کن | نہ میں کہ نقش بلا باچہ باطل افتادہ است  
 اگر چہ ام ابم آخر ہی لیکن اسے غمخوار | ہجر زندہ ام آئینہ پیش من مگزار  
 جدا از یار بخود رو برو شدن ستمست | ہے بھی جو کوئی یاں سو نہیں کے ہے وہ مانند  
 ٹک و بد عالم ہمہ عنقا صفا نند | یعنی جبر از ہر کہ گرفتہ خبر سے بود

محشم

یہ بات جھوٹ نہیں صدق کی صفا کی قسم عبث جو قسمیں ہے دیوے تو مصطفیٰ کی قسم	ترے ہی لطف کا وابستہ ہوں وفا کی قسم جناب پاک بتوں و شہ ولا کی قسم
تراہوں خوار تری شان کی مجھے سوگند تجھی کو چیتا ہوں ایمان کی مجھے سوگند	قسم حسن کی حسین ابن مرتضیٰ کی قسم مردوں ہوں تجھ پہ تری جان کی مجھے سوگند
رستہ ہے مد نظر تری زلف و کامل و خال شبوں تو تیرا قصور دنوں کو تیرا خیال	تجھی سی بندگی رکھتا ہوں میں خدا کی قسم پھر کرے ہے مرگم کی آنکھوں میں تری ہی چال
تجھے میں دیکھ تماشے کا کیا ہمت ہوں نصیب لطف نہ باقر کا ہو جو جھوٹا ہوں	اسی ستمزدہ بیمار ہے دوا کی قسم خدا سے وی میں تجھے آنکھیں کیا میں اندھا ہوں
جو رو و مو ہو نظریں تو صبح و شام کی سوں کلام ہو کسی سے تو مجھے کلام کی سوں	امام بیچن اس اپنے پیشوا کی قسم پر راہو بانوں کہیں تو ترے خرام کی سوں
کرے ہے لطف جو ملک تو بحال آتا ہوں ترے ہی واسطے یہ غم یہ غصہ کھاتا ہوں	خبر رہ ہوں ترا اس کے خاک پاک کی قسم و گرنہ آپ سے مل لمحہ لمحہ جاتا ہوں
جو بیکو خوش نہیں پاتے تو جان کھوتے ہیں کبھو ہی آٹھ پر میں ٹک ایک سوتے ہیں	سیح اس کو مان تجھے اسکی ہی ولا کی قسم ہلاک ہونے پہ تجھ ہی سے راضی ہوتے ہیں
گدائے در ہوں تقی کا تقی کا ہوں مملوک طریق ہمدی ہادی کا رکھت ہوں سلوک	امام ضامن ثامن علی رضا کی قسم رکھوں ہوں عسکری کے لطف سے مسدوک
قسم جو کھائیے ان چار باد شا کی قسم	جہاں کے لوگ ہیں مفلوک سارے یہ ہیں ملوک

نہ اپنی تیری بنی ہر زبان بگڑتے رہے  
سرشک آنکھوں سے جیسے شاعر بھڑتے رہے  
لے جو دن کو یہی پنج میں رہا کی قسم  
گناہ پہونچے جو اثبات کو تو رکھے معاف  
کد درت اپنی عجب ایک بار کر چک صاف  
ہر ایک رات کہانتک سان روز مصاف  
درنگ کیا ہے مگر کھائی ہے جفا کی قسم  
چمن میں میں جو پھرا ہوں تو سوکھوں جیسے پتا  
سیاہ روز ہوں میں گر کہیں رہا ہوں رات  
جو کچھ خیال ہو سر میں تو تیرے پاکی قسم  
جفاؤ جو ہزاروں طرح کے شہتا ہوں  
گدا از غم سے ہو سب آنسوؤں میں بہتا ہوں  
کھو ہو یہ جو کچھ خواہش اپنی کہتا ہوں  
ابھی تو کھائی تھی اظہار مدعا کی قسم  
جلوں ہوں شمع کے مانند بجھ کو پروانہ  
خبر تجھے مری مالت سے کچھ بھی ہے یا نہ  
کے تو تیل میں میں ہاتھ ڈالوں جو شانہ  
جو تیج ہو تو ترے کا کل دو تا کی قسم  
سرشک میر میں جس جائے نقب گہ جاوے  
تو محو آئینہ ہو وہ جفا میں سم جاوے  
بجھ اس کے منہ سے حیا کر تجھے حیا کی قسم

### لقنین و محسن و مگر

کیا کہوں مجھ پہ جو گز رہے ہے جفا کا ریل  
ایک شب ہو تو کروں شرح غم و زاری ل  
در پے دشمنی جاں ہے یہی یاری دل  
دوستان چند نغم نالہ ز تبیاری دل  
کس گرفتار مبادا بگرفتاری دل  
آتی ہے ایک نہایت ہی جگر سوز صدا  
ہر خاموشی چولب پر ہے مرے اسپہ نجی  
یعنی پھر رات سے پھاتی میں ہی درد اٹھا  
اے کہ بر زاری دل می کنی انکار بیا



<p>گوشت بر سینہ من نہ بشنوزاری دل ایسے قضیے سے چکوکاں میں بھی چکوں صبر و آرام کے نیست آریں ہر دو گنوں</p>	<p>آہ مت پوچھ کہ کیوں پیچھے ہٹاں لکھوں نہیں میں مصیبت زدہ حیران ہوں کیا فکر کروں</p>
<p>کہ دریں واقعہ کعب کنڈیاری دل اسیلیے جان پہ میں کی ہے یہ بیداد گری گر ہمہ نیزہ بیارو کہ من از بے پیری</p>	<p>سیل سی پار گزر جاتی تھی آہ تحسری ہو سو ہو اس کو ہنر جانے یا بے ہنری</p>
<p>دادم اکنوں جگرے را بسپرداری دل ایک مدت رہی ہیں میرے عین لوک زباں خواندہ ام قصہ عشاق بسے بیت دراں</p>	<p>خود بخور کی یہ جگر خواری و بتیابی کہاں تلمہ من لیلے و مجنوں لے جو ہیں شنوایاں</p>
<p>بجز جفا کاری دلدار و وفاداری دل مذہب عشق میں لازم ہے اتے کزنا حسد کوئے تو منزل دہلاست کسے چوں گزرد</p>	<p>یاں چلے گر کوئی آنکھوں سے بھی با ماچہ رسد جی سے جی میں تو نہ جاؤنگا عبت مت کرکد</p>
<p>کہ نیاید بنمیں یائے زبیاں ری دل کوئی آوارہ کوئی خستہ کوئی جی سے گیا عمر باشد کہ نشان نیست ز جائے پیدا</p>	<p>میر اس دل سے ستم لوگوں پہ کیا کیا نہ ہوا آؤ خاموش ہو کوئی کہ نہیں سہرود ترا</p>
<p>کہ کند با تو دے شرح دل ازاریں</p>	
<p>محمس دیگر</p>	
<p>آج کہتا ہوں کہ ہے ٹھکدہ دل میں جوش سر خوش از کوئے خرابات گزر کروم و دوش</p>	<p>بنجودانہ ہیں کئی حرف زباں پر کر گوشت پائے رفتن تو نہ تھے لیک تجھے تھا کچھ ہوش</p>
<p>بہ طلبکاری تر سا بجیہ بادہ فروش میں تھا سو مجھ میں تو کچھ تھا نہ ستم کے مارے پیشم آمد بہ سحر کو چہ پیری زحارے</p>	<p>ہوش و صبر و خرد و دین گئے بے سارے بعد یک چشم زدن پھر جو میں دیکھا بارے</p>
<p>کافر نے عشوہ گرے زلف چو زنا رہدوش بارے پھر پھر گیا دل بھی مرا بے کم و کاست</p>	<p>ایک ساعت تو رہا محو شست و برخواست</p>

درمیاں جس گھڑی آئے سخن راست برست	اگفتم این کو چہ چہ کو لیست و تراخانہ کجاست
اے مہ نو نیم ابروئے ترا حلقہ بگوش	
تار اس دشمن ایمان کی زلفوں کی سمند	پارسائی کو میں صد جان سے واں پایا بند
آنکھیں سختی سے دکھا مجھ کو آواز بلند	گفت تسبیح بجا کنگن و زنا رہ بند
سنگ بر سینہ تقویٰ زن و پیمانہ نبوش	
رہو ہیشیا کہ ہے ضعف سے بیگانہ طلب	تو ت باہمی تلک رکتی ہے یارانہ طلب
جا کے کر پیر مغاں سے کوئی مخخانہ طلب	تو یہ کیسو بنہ و ساعتی رستانہ طلب
خرقہ بیروں قلن و کسوت زندانہ نبوش	
بسکہ نقاد ہیں یاں لکھوئے ہیں سب ترے فکرے	قابل خدمت مستان نہیں تو رہو پورے
پہلے یہ باتیں ہیں ان پر تو عمل کرے اے	بعد از اس سنے من آتا ہو گویم خبرے
راہ بنائیم اگر بر سخنم داری گویش	
مجھکو بھر کا کے جلاواں سے وہاں کرکش	یادوں سے لیکے گئی سرتیں حلقی آتش
لاٹھ سے جاتا ہی تھا گو بھتی مجھے حالت کش	دیں بر آفتادہ بہودہ دویدم بہ پیش
اے رسیدم بمقامے کہ نہ دیں ماند و نہ ہوش	
جائے بے خدشہ غیرے کہ نہ تھا غیر نمود	قسط باطل سے لکھا دکھا ہے واں صف نمود
تو بھی واں ہو تو ہی مجھ سے نکلیجائے زود	محو گشت از ورق کون و مکان حرف وجود
اے پری ماند و نہ آدم نہ طیور و نہ وحوش	
بہودہ بے خبر و مستے صاف است	آتش مے سے برافروختہ کچھ بادہ پرست
یکدگر پاؤں کی نغمش کے سبب دست بست	دیدم از دور گروہم ہمہ دیوانہ و مست
از لعل بادہ شوق آمدہ در جوش و خروش	
گر چہ ظاہر تھا خراب انکا وے سب معمور	کاسہ سر پہ ہوئے پھرتے تھے سارے فقہور
بے لباس طرب و جامہ اندوہ سے عور	بے دف و مطرب و ساقی ہمہ دلش و ہرور
اے مے و جام و صراحی ہمہ در نوشا نوش	
نام و ناموس کا دفتر تھا سب ان کا رسم	دیکھ کر پہلے کیا میں نے تا تل یک دم
پھر جو دیکھا تو مجھے بد کہیگا کیا عالم	چوں سر رشتہ ناموس برفت از دستم

	خواسم تا خبر سے پرسم از دگفت نهوش	
یاں فراغت ہے دو عالم کی ہر اک کام میں بند ایں خرابات مغان است دروستانند	عقل رکھتا ہے تو ملک رہو ادب کا باند یہ وہ جا ہے کہ نہ فردوس ہو اسکے مانند	
	از دم صبح ازل تا بہ قیامت مدہوش	
کیونکہ یہ زسیت بہت ہووے تو وہ روز کہ نسبت اگر ترانیریاں فرقتہ سریر کنگی ست	میر ان مستوں میں کوئی نہیں بابتہ نسبت جتنے بے ہمت نظر آتے ہیں سب ہیں نسبت	
	دین و دنیا بہ یکے جرعہ عصمت بفروش	
محسوس مگر بغیر خود		
یاں تن ہو اسے پانی ہو کر گداز سارا سنے رفرنے کنایہ ایما ہے نے اشارا	واں آن نے دل کیا ہو مانند سنگ خارا کیا پوچھتا ہے ہدم احوال تو ہمارا	
غم میں نہ ہووے کچھ تو اک تن میں جان تو ہو سو بار دیکھ صورت ہو ہسربان تو ہو	اسکے تعافلوں نے ان روزوں ہو کو مارا ہو شہر پاکہ صحر ابارے مکان تو ہو حالت تغیر ہو کر منہ میں زبان تو ہو	
ہم لوگ ان کے رہ کے گرد و غبار ہونگے اب کہتے ہیں کہ یارب کیونکر دوچار ہونگے	اپنے نہیں نہیں ہے اب گفتگو کا یارا یہ چشم تھی کہ ترکاں اکشر سوار ہونگے یہ جانتے نہ تھے ہم اسطور خوار ہونگے	
	اس بھی طرف کو ہو گا ان کا کبھی گزارا	
بوئے وفانہ پائی دل میں داغ میں ہم یہ لطف کچھ جو دیکھا سینے کے داغ میں ہم	بجراں میں ٹک نہ پرے کوہ اور داغ میں ہم مدت رہے اگر چہ گلشت باغ میں ہم	
	اُس بن جو گل چنے تھے آنکا کیا نظارا	
ہووے طیب گھر خضر اسکو بھی یاں نہ لاؤ اب برندہ اُس کی شمشیر کا پلاؤ	تشنے ہیں اپنے خوں کے اے حمد و نہ آؤ اب ٹھانی ہم سو ٹھانی گو اس میں جان جاؤ	
	اب حیات اپنے جی کو نہیں گوارا	
جو آذر و کرب پھر اٹھنے کی حشر کو تب	تنگ اس قدر نہیں ہیں اس زندگی سے ہم اب	

ہو توں پہ یہ دعا ہے ہر روز اور ہر شب	یک حرف کا شکے ہو روز جزا بھی یارب
کس کو دماغ اتنا جو پھر جیسے دوبارا	
ہوش دل اورایاں یہ تو گئے تھے سارے	موجب تو زندگی کا اپنا نہ تھا پیارے
بچھ سے کہیں سو کیا اب کہ ہم ستم کے مارے	آنسو سے پونچھتا تھا کچھ جو کبھو ہمارے
سو صبر ظلم دیدہ کل رات سے سدھارا	
اب دل اٹھا تو منعم تمہیں خاماں سے	کیا فائدہ رہا ہے گر کچھ نشاں مکاں سے
رہنے تجھی کو دینگے جانا گیا کہاں سے	آواز بھی نہ آئی اک در جواب دال سے
کسے کے در پہ جا کر کل میں بہت پکارا	
موت اسکے ہاتھ سے ہو اس سے تو کیا ہے بتر	پر جی میں حسرتیں بہتیں گئے ہے یہ جی پر
غیروں سے ملک کہو یہ کاسے مدعیو اکثر	تلوار اُس کو دیکھ بھینجا کرو نہ ایہ ستر
جی جائے ہے ہمارا کیا جائے ہو تمھارا	
اب وہ نہیں کہ ہر سوطافاں کا خطر ہے	یا مہر سیل آیا ابرسیاہ تر ہے
مست پوچھ رو کوئی آتا جو یاں نظر ہے	اُس گرے ہی کا اب تک کچھ کچھ کہیں اثر ہے
دریائے تو جہاں سے کب کا کیا کنارہ	

باعیات

میر تقی میر دیوی

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## سربلندی

دامن عزلت کا اب لیا ہے میں نے  
تھا چشمہ آب زندگانی نزدیک  
دل مرگ سے آشنا کیا ہے میں نے  
برخاک سے اُسکو بھردیا ہے میں نے

رباعی

اے تازہ نہال عاشقِ پامالی  
سب تجھ سے جہاں بھرا ہے سکے ادب  
یہ تو نے طرح ناز کی کیسی ڈالی  
دیکھیں ہیں کہ جاے ہے گی تیری خالی

ایضاً

افسوس ہے عمر ہم نے یوں نہیں کھولی  
جھنجھلا کے گلا چھری سے کاٹا آخر  
دل جس کو دیا اُن نے نہ کی دلجوئی  
جھل اسی بھی عشق میں کرے ہو کوئی

ایضاً

طاقت میں جواں ہوتے تو کرتے تقصیر  
اب کی روزوں میں یہ سنا ہے ہم نے  
وہ سر میں نشہ نہیں ہوئے پہا ب پیر  
میخانے میں بیٹھے معتکف ہو کر میر

ایضاً

پردانہ اُٹھاؤ بے حجابی نہ کرو  
عالمِ عالم بے خصلتِ عالم  
ہوے گی قیامت اک شبانی نہ کرو  
برباد نہ دو ابھی خیرانی نہ کرو

رباعی

رووے کوئی کیا گئی جوانی یوں کر  
پیری آندھی سی میسر تاجہ آئی  
جاتی ہے نسیم و گل کی محبت جوں کر  
ہم برگ خزاں سے اسیں ٹھہریں کیوں کر

ایضاً

کیسا احسان ہے خلق عالم کرنا  
تھا کار کرم ہی اسے کریم مطلق  
پھر عالم ہستی میں مکرم کرنا  
ناچیز کف خاک کو آدم کرنا

ایضاً

اللہ کو زائد جو طلب کرتے ہیں  
دکھلانے کو لوگوں کے دنوں کی ہجو ملوۃ  
تظار تقوے کو کس سبب کرتے ہیں  
پیشیں انجم نماز شب کرتے ہیں

ایضاً

اُمّ ترا تھا غریبانہ کنارے اُکر  
تر خلق دم آب سے اُسکا نہ ہوا  
لب خشک ہوا سو نور چشم حیدر  
اے آب فزات خاک تیرے سر پہ

ایضاً

بتجانے سے دل اپنے اُٹھائے نہ گئے  
طور مسجد کو برہمن کیا جانے  
کعبے کی طرف مزاج لائے نہ گئے  
یاں مدت عمر میں ہم آئے نہ گئے

ایضاً

یو یار سنگمر نے لڑائی کی ہے  
اس کو چے کی راہ عشق میری جاے  
ایک ہی تلوار میں صفائی کی ہے  
واں میسر بہت میں نے گدائی کی ہے

ایضاً

ملنا دلخواہ اب خیال اپنا ہے  
آزار بہت کھینچے ہیں میں نے  
جی تن میں رہا ہے سو وبال اپنا ہے  
ہجران ہی شاید کہ دصال اپنا ہے

ایضاً

دل جان خجگر آہ جلائے کیا کیا  
ان آنکھوں نے کی ہے ترک دم داری  
دروغ و غم و آزار کھنچا ئے کیا کیا  
دیکھیں تو ہمیں عشق دکھائے کیا کیا

ایضاً

صلح

کیا حرف د سخن عیب ہے کچھ محرم سے اے میر کوئی بات کیا کر ہم سے	چیکا چیکا پھر نہ کر تو غم سے آخر کوڑے رہتے جنوں ہوتا ہے
رباعی	
جو دل زدگاں پہ یہ جفا ہوتی ہے اک وقت نماز بھی قضا ہوتی ہے	✓ کیا کہیے ادب توں سے کیا ہوتی ہے یہ کیا کہ سجود میں نہ دیکھا بگڑے
ایضاً	
پیر سوچ کے غفلت کے تیئں رو دگے جاگو ملک میسر پھر بہت سو دگے	اب وقت عزیز کو تو یوں کھو دگے کیا خواب گراں پہ میل روز و شب ہے
ایضاً	
دارفتہ نہ رہ اُس کا دلا بیگہ و گاہ جا ملتی ہے یہ کو چہ زنجیریں راہ	پیر تیج بہت ہے شکن زلف سیاہ دیو آنکی کرنے کی جگہ بھی ملک دیکھ
ایضاً	
جو ہم نے کہا سودہ نہ مانا افسوس آیا نزدیک جی کا حبا مانا افسوس	جاناں نے ہمیں کبھی نہ جانا افسوس تب آنے میں دیر کی قیامت اب سو
ایضاً	
ہر آن ستاتا ہے کھیلاتا ہے مجھے بولا ترا آزار خوش آتا ہے مجھے	ہر لحظہ رلاتا ہے کڑھاتا ہے مجھے کل میں جو کہا رخ سے حاصل میرے
ایضاً	
شکل اپنی بگاڑ کر کڑھایا تو نے اپنا یہ خال کیا بنا یا تو نے	اے میر کہاں دل کو لگایا تو نے جی میں نہ ترے حال کٹھ پر کچھ رنگ
ایضاً	
کہتے ہیں اُسے شافی و کافی و حکیم یہ بات مکرت ہے اللہ کریم	گو میر کہہ احوال نہایت ہے سقیم وہ غیر کرم بندے کے حق میں نہ کرنے
ایضاً	
آرام خوش آتا ہے سہاتی ہر خواب	دل جن کے بجا ہیں نکو آتی ہر خواب



میر می تو جہاں شب ہوئی جاتی ہو	میں غمزدہ کیا اپنے دنوں کو روؤں
رباعی	
دق آگئے ہیں جی سے بھی نہ رحمت ہے کی خوب وفا تم نے تھیں رحمت ہے	دنیا میں بڑا روگ جو ہے الفت ہے کہتے تھے کہ میر بیو فاقہم کو جہان
ایضاً	
کب آپ میں آکے کوئی پاتا ہے ہیں رہ رہ کے یہی خیال آتا ہے ہیں	دن فکر دہن میں اُسکے جاتا ہے ہیں ہرگز وہ مکر وہم میں آتی ہی نہیں
ایضاً	
اب درد لگا رہنے ہمارے دل میں کیا جانیے وہ کیا ہے تھارے دل میں	اندوہ پکھے عشق کے سارے دل میں کچھ حال نہیں رہا ہے دل میں اپنے
ایضاً	
برحسب یہ افسوس سے سر کو دھنے آؤ تھک میر کی کہانی سن نے	سُن سوز دروں کو اُسکے جلنے ٹھٹھنے کیا کیا اب سا بچھ سے کے کا عالم
ایضاً	
پھر ہم سے جنوں میں ضعف سے دم ہی نہیں اب وہ تو نہیں شام سحر ہم ہی نہیں	کیا کیا ہیں سلوک بد فقط غم ہی نہیں اک عمر چلی گئی جھٹائے شب و روز
ایضاً	
دیکھا یہ بھی گو کہ سب کی نظروں سے گئے جب نام ترالیں تو زباں اپنی پھرے	کیا کیسے خراب ہوتے ہم کیسے پھرے چپ ایسے ہیں گویا کہ نہیں کٹھنیں زباں
ایضاً	
آیا دل داغ کر گیا جس تسکا کیا جانے اُس نے گھر جلایا تسکا	شب ایر کہ پیش رو ہو دریا جس کا اس سے ناگاہ ایک بجلی چمکی
ایضاً	
میں کھیل کے ٹک چین سے بھی سوا کر کڑھ کڑھ کے عبت جان کو مت کھو کر	ہم میر سے کہتے ہیں نہ تو رو یا کر پایا نہیں جانے کا وہ درنا یا ب

رباعی

ہونٹھوں سے ترے لعل نے کب دم مارا  
اک جھج کو ان دو توں نے برہم مارا

ابرو سے مہ نو نے کہاں خسم مارا  
زلفوں کو تری ہم بھی پریشاں دکھیں

ایضاً

یا کیزہ ہے تیری طبع و خو ہے نازک  
نخل سے تو ہزار پردہ تو ہے نازک

جاں سے ہے بدن لطیف درو ہے نازک  
بلبل نے سمجھ کے کیا تجھے نسبت دی

ایضاً

رکھتی نہیں حد اہل وفا کی خواہش  
معلوم نہیں کیا ہے خدا کی خواہش

پوچھو نہ کچھ اس بے سرو پا کی خواہش  
جاتے ہیں چلے جی ہیبتوں کی خاطر

ایضاً

غیرت نے ہمیں عشق کی مارا اللہ  
کہتے ہیں چنانچہ سب ہمارا اللہ

دل غم سے ہوا گداز سارا اللہ  
ہے نسبت خاص تجھ سے ہر اکے تیں

ایضاً

اُس شوخ کی تکیں نے تو جی ہی مارے  
کہہ میسر گئی ہے رات کیونکر بارے

وصف اپنے دلوں کے کس سے کہیے ساکے  
بالوں میں چھپا منہ نہ بکھویوں پوچھا

ایضاً

سُکس گھاٹِ حُب نے اُتارا سکو  
جاں بخش لب یار نے مارا سکو

آبِ حیاں نہیں گوارا سہم کو  
دریا دریا تھا شوقِ بوسہ لیکن

ایضاً

پر بات مری سُن کہ نہیں بے تاثیر  
منکے کی طرح دل نہ پھرے جتنک میر

ہر چند کہ طاعت میں ہوا ہے تو میر  
تبلیغِ کبف پھرنے سے کیا کام چلے

ایضاً

جو اُس بتِ سنگدل سے کی تھی یاری  
پر ہیز کرے جس سے خدا کی ساری

کیا میر تجھے جان ہوئی تھی بھاری  
بیمار بھلا کیا کوئی ہووے اُس کا

ایضاً

غفلت سے نہیں نگاہ تجھ کو پیارے  
سو جھگی کبھی بھی آہ تجھ کو پیارے

در پیش ہے میرا تجھ کو پیارے  
آتے ہیں نظر جاتے یہ سارے اسباب

رباعی

ان روزوں نہیں پاتے کہیں اپنے تئیں  
جادیں ہم چھوڑ کر نہیں اپنے تئیں

کچھ میر تکلف تو نہیں اپنے تئیں  
اب جی تو بہت ہی تنگ آیا ہے کاش

ایضاً

مائل دل کو تنگ قضا پر رکھے  
سب کچھ موقوف اب خدا پر رکھے

راضی ملک آپ کو رضا پر رکھے  
بندوں سے تو کچھ کام نہ نکلا ہے میر

ایضاً

ہمرازدانیں وقت و ہمدن تیرا  
جوں آئینہ منہ نکا کریں ہم تیرا

حیرت ہے کہ ہو رقیب محرم تیرا  
یوں عکس ترے سامنے اکثر وہ ہو

ایضاً

وہ طرزِ کلام اس اداسی باتیں  
کیا ان سے کہیں یہ ہیں خدا کی باتیں

ہم سے تو بتوں کی وہ حیا کی باتیں  
دیکھیں قرآن میں فال غیروں کے لیے

ایضاً

حسرت سے گلے لگنے کی چھاتی میں ہے درد  
آ نکھوں میں تمام آبِ منہ پر سب گرد

دل خوں ہے جگر داغ ہے رخسار ہے زرد  
تنہائی و بیکسی و فحش اگردی

ایضاً

اُٹھ جائیں گے یہ بیٹھے ہوئے یکبارگی  
افسانہ ہے پل اترتے مجلس ساری

کچھ خواب سی ہے میر یہ صحبت داری  
کیا آ نکھوں کو کھولا ہے تنگ گوش کو کھول

ایضاً

ہم ہو ہی چکے دکھوں کے بھرتے بھرتے  
بھر آ نکھ نہ دیکھیں نہ مرتے مرتے

دل خون ہوا ضبط ہی کرتے کرتے  
اے مائے زندگی ستم ہے یہ اگر

ایضاً

دامان بلند ابر تھوڑا رکھ تو پاک

مستی نہ کر اے میر اگر ہے ادراک

ہے عارتی حسانہ ہستی تیرا	ہشیار کہ اس پر نہ پڑے گرد و خاک
کیا تم سے کہوں میرے کہا تک روؤں	روؤں تو زمیں سے آسمان تک روؤں
جوں ابر جہاں جہاں بھرا ہوں غم سے	شایستہ ہوں رونے کا جہاں تک روؤں
میرا اس سے بلے کہ جو ملا بھی نہ کبھو	جی یوں ہی گیا وہ آ بھرا بھی نہ کبھو
چپ جسکے لئے لگ گئی ایسی ان کو	اُن نے کچھ زیر لب کہا بھی نہ کبھو
کیا کوقت سے تحت دل کے کوٹے نکلے	نکلے جو ہوئے جگر کے کوٹے نکلے
چھاتی جو بھنی ندان جلتے جلتے	اُس میں کے پیچھوئے سارے بھوئے نکلے
تم تو اے مہرباں انوٹھے نکلے	جب ان کے پاس بیٹھے روٹھے نکلے
کیا کیئے وفا ایک بھی وعدہ نہ کیا	سچ یہ ہے کہ تم بہت ہی بھوئے نکلے
کیا کیا اے عاشقی ستایا تو نے	کیسا کیسا ہمیں کھپایا تو نے
اول کے سلوک میں کہیں کا نہ رکھا	آخر کو ٹھکانے ہی لگایا تو نے
کیا میرے کندھوں پر سب ہے جمل	بایا ہم نے اُسے نہایت ہی سہل
ایسوں سے نہیں مزاج اپنا مانوس	وختی بیضور بد زبان و نا اہل
حیرت کی یہ معرکے کی جا ہے بارے	کیا پوچھتے ہو مرتے ہیں عاشق سارے
مشہور ہے عشق نے لڑائی ماری	اس پر کہ گئے لوگ سب اسکے مارے
بلے اُس شخص سے جو آدم ہووے	ناز اسکو کمال پر بہت کم ہووے
ہو گرم سخن تو گرد آوے یک خلق	ناموش رہے تو ایک عالم ہووے

<p>رباعی</p> <p>خوننا بہ کشتی مدام کی ہے ہم نے مرمر کے غرض تمام کی ہے ہم نے</p>	<p>۱</p> <p>ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر</p>
<p>ایضاً</p> <p>خاطر پہ جہاں جہاں ملال آتا ہے رہ رہ گئے ہیں یہی خیال آتا ہے</p>	<p>موت کے جو بعد جی بحال آتا ہے وے دن گئے جان یوں چلی جاتی ہوا</p>
<p>ایضاً</p> <p>پھر جھٹی کے کوئی سیانا مجھ کو سجدہ کو خدا کے بھی بچانا مجھ کو</p>	<p>ہے تجھ سے مجال جی اٹھانا مجھ کو سر میرا لگا ہے نقش پاسے تیرے</p>
<p>ایضاً</p> <p>پرچی سے نہ جائیں گی تھاری باتیں یاروں کی نظریں ہیں یہ ساری باتیں</p>	<p>میں گو کہ سبھی تھاری پیاری باتیں اتکھیں ہیں دھروئے سخن اور طرف</p>
<p>ایضاً</p> <p>یاسیر بہار و باغ و وادی کی ہو غالب ہے یہی کہ نامرادی کی ہو</p>	<p>ایسا نہ ہو کہ ہم نے شادی کی ہو شر مردہ کلی کے رنگ اس گلشن میں</p>
<p>ایضاً</p> <p>کا ہے کو غم و الم سے روتے رہتے بہتر تھا یہی کہ وہ ہیں سوتے رہتے</p>	<p>اتنے بھی نہ ہم خراب ہوتے رہتے سب خواب عدم سے چونکنے کے ہیں بال</p>
<p>ایضاً</p> <p>متروک جہاں ہم ہیں وہ سب کا محبوب ہے کچھ بھی مناسبت کا با ہم سہلوب</p>	<p>ہم میر بڑے اتنے ہیں وہ اتنا خوب ہم ممکن اُسے وجوب کا ہے رتبہ</p>
<p>ایضاً</p> <p>مرات بدن نما سے وحدت ہم ہیں معنی محبوب ہے تو صورت ہم ہیں</p>	<p>گور و کش ہفتاد و دولت ہم ہیں بے اپنے نمود اسکی اتنی معلوم</p>
<p>ایضاً</p>	<p>ایضاً</p>

ہنگامہ سب اک لیٹ میں برہم ہوگا  
ورنہ وہ باغ بھی حبشہم ہوگا

عشر میں اگر یہ آتشیں دم ہوگا  
تکلیف بہشت کاش بجگو نہ کریں

رباعی

ہر شام نئی ایک مصیبت گزیری  
یوں خاک میں ملتے ہمکو مدت گزیری

ہر صبح مرے سر پہ قیامت گزیری  
پامال کدورت ہی رہا یاں دن رات

ایضاً

مٹھ خون جگر سے دم بدم دھو رہے ہیں  
عالم عالم جہاں جہاں روتے ہیں

اب شہر کی گلیوں میں جو ہم ہوتے ہیں  
یعنی کہ ہر ایک جاے پہ جوں ابر بہار

ایضاً

ٹکڑے ہے جگر جیسے لباسِ رویش  
پھر کل تو ہمیں ہے اک قیامتِ دریش

اندیشہ مرگ سے ہے سینہ سبارش  
ہاتھوں سے جو آج ہو سکے کرے بجے

ایضاً

خرقہ برسوں گلے میں ڈالا ہم نے  
سجادہ گرور رکھنے نکالا ہم نے

تبلیج کو مدتوں سنبھالا ہم نے  
اب آخر عمر میرے کی خاک طر

ایضاً

اب درو و ظائف سے کیا استغفار  
اسمائے الہی بھی پڑھے سنو سو بار

اب صوم و صلوة سے بھی جی ہے بیزار  
عقدے نہ کھلے دل کے بسانِ سبج

ایضاً

ہر کو چہ میں سو جو ان رعنا دیکھا  
ان آنکھوں سے سہنے آہ کیا کیا دیکھا

ہر روز نیا ایک تماشا دیکھا  
ولی تھی طلسمات کہ ہر جا کہ میر

ایضاً

کرتے نہ سنا ہمچہ تاسف تم کو  
ہم سے اب تک بھی ہے تکلف تم کو

آئی نہ سمجھو رسمِ تلمطف تم کو  
مرتے ہیں ہم اور اُنھ چھپاتے ہو تم

ایضاً

اسباب گیا جینے کا سارا آخر

ہجسراں میں کیا سب نے کنا را آخر

نے تاب رہی نہ صبر و پار آخر	آخر کو ہوا کام ہمارا آخر
رباعی	
میر اس کے ہوئے تھے ہم جو بار خاطر	سو یاری بخت سے ہیں بار خاطر
وہ خاک میں آپ کو ملا کر اول	آخر کو ہوئے ہیں یوں غبار خاطر
ایضاً	
بس حرص و ہوا سے میرا بتم بھاگو	غفلت کبتک کے ہمارے لاگو
چلنے کی خبر ہے سفیدی ہو کی	ہونے آئی ہے صبح اب تو جاگو
ایضاً	
حاصل نہیں دنیا سے بجز درویشی	رکھتی نہیں اعتبار یاری غویشی
توفیق رفیق ہو تو سب کر کے ترک	ہے جی میں کہ کچھ نہ کریں درویشی
ایضاً	
ہر چند کہ اسے ہم اب تاملی ہے گی	پر ہم جو گلہ کریں تو خامی ہے گی
بندے ہیں ترے کیونکہ کریں سترالی	خدمت تیری ہیں غلامی ہے گی
ایضاً	
زانو پہ قدم خم شدہ سر کو لایا	جائے دنداں کو ہم نے خالی پایا
آنکھوں کی بصارت میں تفاوت آیا	پیری نے عجب سماں ہمیں دکھلایا
ایضاً	
اوقات جوانی کے گئے عشرت میں	ایام لطیفین کے گئے غفلت میں
پیری میں جزا فسوس کیا کیا جائے	یکبارہ کمی ہی آگئی طاقت میں
ایضاً	
تا چند تلف میرا حیا سے ہوگا	شایستہ صدمہ ستم و فاس سے ہوگا
کر ترک ملاقات بتاں کعبے حیل	ان سے ہوگا سواب خدا سے ہوگا
ایضاً	
وہ عہد گیا کہ جو اس کے سینے	وہ بات نہیں رہی کہ چپکے رہے
جب جی ہی چلا گیا تو صرف کیا ہے	بصرف جو کچھ کہ ٹھنڈ میں آئے کیے

## رباعی

حسنِ ظاہر بھی ہے ہمارا دلخواہ  
باغِ عالم کو چشمِ کم سے مت دیکھ  
محسوسات بھی ہوں ہیں معنی آگاہ  
کیا کیا ہیں رنگ بھال بھی اللہ اللہ

## ایضاً

جس وقت شروع یہ حکایت ہوگی  
احوال و فاکا اپنے ہر گز تجھ سے  
رنجیدگی یکہ گرتہ سائیت ہوگی  
مت پوچھ کہ کہتے میں شکایت ہوگی

## ایضاً

گزار یہ کہ مشکوہ و شکایت کیجے  
خوب اتنی تو اب مجھ پر رعایت کیجے  
یا آگے سخن اور حکایت کیجے  
دل میرا مرے تئیں غایت کیجے

## ایضاً

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دکھا  
اک گوشہٴ عافیت جہاں میں ہم نے  
میخانے میں جوشِ بادہ نوشاں دکھا  
دیکھا تو مسدّدِ خموشاں دکھا

## ایضاً

کا ہے کو کوئی خراب خوار می ہوتا  
دلخواہ ملاپ ہوتا تو تو ملتے  
کا ہے کو ہیں یہ جان بھاری ہوتا  
اے کاشٹے عشق اختیار می ہوتا

## ایضاً

اک مرتبہ دل پہ اضطرابی آئی  
کبھرا جاتا ہے ناتوانی سے جی  
یعنی کہ اجل مری شتابی آئی  
عاشق نہ ہوئے کہ اک خرابی آئی

## ایضاً

اک وقت تھے ہم بھی خوش عاشق کرتے  
آتے جو کبھو ادھر کو ٹھنٹے اُس کو  
ہر نالہ سے اپنے دلخراشی کرتے  
ہم گرے سے اپنے آبپاشی کرتے

## ایضاً

مت مال کسی کا یا رتل کر رکھت  
آیا تو قمار خانہٴ عشق میں تو  
تو داؤ نہ یاں بہت سا جگر رکھتا  
سربازی ہے یاں قدم سنبھل کر رکھتا

## ایضاً



منہ دیکھو کہ شکل یا رکھنیے کا میر  
نقاش بہت خمار کھنیے کا میر

اغلب ہے وہ غم کا بار کھنیے کا میر  
بیٹھا ہے بنائے اُسکی چشم میگوں

رباعی

یا خوب طرح سے زندگانی کرے  
تاکو چے کی اُس کے پابانی کرے

کیسو یہ کہ عیش و کامرانی کرے  
سگ کا نہ ہوا ہیں تو رتبہ حاصل

ایضاً

دن عمر کے حیرے غم میں گزرتے سارے  
پنپا ہی نہ میں تو ان دکھوں کے مارے

کیا کرے بیاں مصیبت اپنی پیارے  
رنج و ضعف و بلا اذیت محنت

ایضاً

جی اور منتقص اپن کر تا ہے گا  
افسوس کہ وہ جوان مرنے ہے گا

پھر عشق میں میر پاؤں دھرتا ہے گا  
سب ملے چلو بلا سے سمجھا آویں

ایضاً

یاں تھکو تو قہ ہے کہ لانا ہے جواب  
کر کھائے بھی نامہ بر کو تر کے کباب

دل تجھ پہ جلے نہ کیونکہ میر ایتاب  
واں ان نے شراب پی کے مستی میں میر

ایضاً

بنیش نہیں رکھتے کیا جواں ہوں کیا میر  
سوچے نہ جسے اُسے یہ سکتے ہیں بصیر

کتا ہے یہ اپنی آنکھوں دیکھیں گے فقیر  
اندھے ہیں جہاں کے لوگ سارے لے میر

ایضاً

مورج ہے کمترین یا یا اُس کا  
کل حشر کو سب یہ ہوگا سایا اُس کا

پنمبر حق کہ حق دکھایا اُس کا  
سایہ جو اُسے تہ تھا یہ باعث ہے کا

ایضاً

بولو چالو کس مہار امانو  
چلے کو زبان کے غنیمت جانو

چکے رہنا نہ میر دل میں ٹھانو  
اک حرف نہ کہہ سکو گے وقت رفتن

ایضاً

خوبی نہ رہی نہ میر زالی آخر

کی حسن نے تجھ سے بیوفائی آخر

ردق نہ رہی غبار خط سے منہ پر اس بنر قدم نے خاک اڑالی آخر

رباعی

یاروں کو کدورتیں ہیں اب تو ہم سے  
اُس روز کھلے گی صاف سب پر یہ بات  
جس روز کہ ہم جائیں گے اس عالم سے  
اس نرم کی رونق تھی ہمارے دم سے

ایضاً

کوچے میں ترے آن کے اڑ بھی بیٹھے  
حاصل کہ ہمارے تیرے ہر گز نہ بنی  
بے بیج ہر اک بات پر لڑ بھی بیٹھے  
سو سو طرحوں سے ہم بگڑ بھی بیٹھے

ایضاً

تیرا بے دل غم فرو بھی ہو گا  
کھانے کو دیا ہے حق نے تجھ کو  
اندیشہ رزق کم کبھو بھی ہو گا  
کل بھی دیو گیا کل جو تو بھی ہو گا

ایضاً

کو غم ہے کہ اب فکر امیری کرے  
اُسکے مرنے کے خاک ہو جائے میر  
بن آوے تو اندیشہ امیری کرے  
یعنی کہ کوئی روز فقیری کرے

ایضاً

ہیں قید قفس میں تنگ یوں تو کب کے  
اس موسم گل میں میسر دکھیں کیا ہو  
رہتے تھے گلے ہزار نیچے لب کے  
ہے جان کو بے کلی نہایت اب کے

ایضاً

بخش کی کوئی اُس کی روایت نہ سنی  
تھا میر عجیب نقیر صابر شاہ کر  
بھرنے کو سو وقت حکایت نہ سنی  
ہم نے اُس سے کبھو حکایت نہ سنی

رباعیات مستزاد

دلی میں بہت سخت کی اب کی گزران  
غیبت نہ رہی عاقبت کا نہ شان  
دل کو کرسنگ  
کھینچا پینگ  
یاروں میں نہ تھا کوئی مروت جو کرے  
تا نہ نظر صاف پڑے تھے میدان  
اُجڑے تھے مگر  
عرصہ تھا تنگ

رباعیات مستزاد

بہا ب چہ رہ  
ایذا ہی سہ  
جو ہوا خسہ  
آگے مت کہہ

تک میر زمانے سے نہ کرتا مقال  
ہر چند خموشی ہے سخن گو کو وبال  
ایسا نہیں یہ قصہ کا ہش انرا  
اُٹھ سوئے ہو چکا ہے پھلوں کا حال

ایضاً

اب تو ہے وبال  
سوہم و خیال  
تب ہی سب  
غنائے مثال

ہستی کا یہ ہنگامہ تمام اُس کا ہے  
شہرت کہ جواب جہاں جہاں برجا ہے  
جھوٹے میں اُڑے باد فنا کے جب اب  
پھر نام سوا جہاں میں رہتا کیا ہے

ایضاً

تھا عہد شباب  
ہے کچھ کھٹی حساب  
یہ کیا ہے خیال  
اے خانہ خراب

منعم جو نبھے ترے بناتے تھے در  
پیری میں بنا وہم پر رکھنا کشر  
اب جی ہی لگا ضعف سے ڈھنے تیرا  
طاقت صرف عمارتِ دل ہی کر

ایضاً

ہو ہو کر تنگ  
اسنا ہے تنگ  
ہو جی میں کہ اب  
پر تو ہے تنگ

تا چند غم دل سے حکایت کر لے  
کس کس سے شب و روز شکایت کر لے  
سخنی کوئی اے صنم کہاں تک کھینچے  
ہو ناہ ترے دل میں سرایت کر لے

ایضاً

کیا کہیے کہ آہ  
غم ہے جانکاہ  
چھپ چھپ کر  
سبحان اللہ

کیا کیا آتی ہے اپنے جی میں لیکن  
محراب میں سرار ہے کب تک تجھ بن  
تو مست گزارہ ہووے غیروں کی جبا  
ہم پھیرتے تسبیح پھریں سارے دن

## قطعات

جی ہی گیا ندان رضا میں حسینؑ کا  
خون تھا سبیل راہ خدا میں حسینؑ کا

اللہ کیا جگر تھا جفا میں حسینؑ کا  
اُس تشنہ لب عرش سے برتر ہے مرتبہ

قطعہ

تو کہتو جب چلا ہوں میں تب سکا جی نکلتا تھا  
تڑپتا تھا ادھر میں یار ادھر ہاتھ نکولتا تھا

جوائے قاصد وہ پوچھے میر بھی ایدھر کو چلتا تھا  
سماں افسوس بتیابی سے تھا کل قتل میں میرے

قطعہ

بے درد سر بھی صبح تلک سر دھنا کیا  
جس پر نہ چھوڑا دل کو میں تنکے چنا کیا

قصہ تمام میر کا شب کو سنا کیا  
لشچم بھی نگہ نے دھتورا دیا مجھے

—:—:—

ترکیب بند

میر تقی میر دہلوی

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ترکیب بند

سو نہ رہے اس پر گر نظر ہے  
ہر کام پہ جان کا خطر ہے  
پتھر کے جگر میں بھی شر ہے  
زاہد تو تو بسوز خسر ہے  
عاشق میں تو ایک پھر نہ رہے  
تیری سمشیر میرا سر ہے  
ہم ہیں دشمن ہے اور جگر ہے  
خواباں یہ تو تھارا گھر ہے  
ہونٹھوں پہ نہ حرف کا اثر ہے

میری تو بساط چشم تر ہے  
اس دشت میں زندہ ہوں جس میں  
گر می تو کر اے صنم کہ آخسر  
پیری میں بھی بوجھ ملک نہ پکڑا  
موتا ہوں جو میں تو عیب مت کر  
کیا ہوتا ہے قتل گاہ میں دیکھیں  
کہہ تو ہی کہاں ملک کریں صبر  
آنے سے ڈرو نہ دل میں میرے  
برنیر گلہ ہوں گرچہ تسکین

چپ ہوں گویا ہوں بے زباں میں

رکھتا ہوں عجب لب دہاں میں

مارا جاتا ہوں درمیاں میں  
فارغ ہوا دے کے امتحاں میں  
مارا کا ہے کو یہ جواں میں  
کوئی دم کا ہوں میماں میں

تقصیر ہے بوالہوس کی اور مفت  
اُکسا بھی نہ تیغ کھا کے بارے  
اے طفل کے گا بعد میسر  
ہوں میں تو چراغ اخیر شب کا

<p>ہونے تئیں صبح کے کہاں میں پھرتا ہوں ڈبائے خانہاں میں بیچارہ غریب ہونگیاں میں کچھ غم میں ہوا ہوں وضع خواں میں غیر بال تمام کر کہاں میں</p>	<p>دوسوزی مری کرے صبا تک رونے ہی کو رہتا ہے گاتا صبح کوئی نہیں شہر غم میں مسیرا غم کہہ کے روتا ہوں میں سب کو پانی نہ وفا کسی میں دیکھا</p>
<p>بارے میں یہ سب دیار دیکھا ہر کو چہ کو بار بار دیکھا</p>	
<p>اپنے دل کا غم بار دیکھا تو نے نہ ادھر کو بار دیکھا جاناں ترا اعتبار دیکھا اے جان اُمید وار دیکھا ہم نے جی کو نگار دیکھا صحرا میں جدھر کو خار دیکھا یار وہ جہاں کا پیار دیکھا طرز و وضع و شعار دیکھا</p>	<p>شب ہی عالم میں ہو گئی تھی آنکھیں گئیں روتے روتے لیکن اب وعدہ فکر زیادہ بس ہم کہتے تھے یہ ہم نہ کرتے دامن میں گرا ہو ٹکڑے ٹکڑے آنکھوں سے اٹھایا آبلوں کے پوچھا نہ ہمارے بعد ہم کو ندرت تئیں دید کر کہاں کا</p>
<p>دیکھا تو طمانہ کوئی ہم فن دیکھے یہاں شیخ اور بہمن</p>	
<p>نکلا سو معارفے میں کو دن ہونٹھوں پہ دھرا ہے ہوشیون یاں سے کچھ سیکھ مرغ گلشن چھتا ہے جگر میں ہو کے سوزن ہر خوشے میں شعلوں کے ہیں نحرین اشک گلگوں سے طرت دامن ہوویں ابھی موم سنگ دامن گر خود دوزرہ نہ ہو نہ جو شن</p>	<p>عقل اوّل کو اک سنا تھا آنکھوں میں ٹھہر رہے ہیں آنسو شیوہ ہے ہمارا نالہ کرنا تجھ بن نہیں سانس اور کچھ ہے اے برق ادھر نہ آ ہمارے ہم دے ہیں کہ باغ کر دکھائیں سختی آیام کی جو کہیں کیا تجھ سے سپہ گری جتا دیں</p>

مجرد و نہ سینگے ہم جو اڑ جائیں بھاگے ابھی جان لے تھمتن

ایسے تو ہیں پروفا میں ویسے  
خواباں تم ہو جھٹ میں جیسے

پھر جاتے ہیں غیر اس سے ملنے  
ہم رستم عشق ہینگے کیونکر  
سرخش نہ ہو زیرِ سرخ ان  
ہے بندہ تو اولیٰ سلم مجھ پر  
گو موسم دے خاک ہو مجھ سے  
ہلک دیکھ فلک نے شاہ خواباں  
سرنیچے سو عشق میں رکھے پا  
ہاتھوں میں مرے ہیں غلاباں  
کیا تجھ سے کہوں معاش اپنی

آتے نہیں باز ایسے تیسے  
مٹھ موڑیں نہاروں پا ایسے سے  
پامال کیے ہیں کیسے کیسے  
ہم نالہ نہ کر تو مجھ کو نے سے  
دل گرمی ہے مجھ کو زور سے  
کیا کچھ کیے خاندان کیسے  
واقف نہیں دل تو پاں کی پیسے  
کہتے ہیں کہ اس کئے ہیں پیسے  
یارے گزرے ہے جیسے تیسے

رہتا ہے غرض ہمیشہ سودا  
کو چہ کو چہ ہوا ہوں رسوا

وہ تشنہ دہن ہوں دل جلا ہوں  
کہتے ہو جسے فلک ہوا ہے  
کھلتا تو سہی کبھی بلا سے  
اب جان سے جاتا آ رہا ہے  
ہو جس کی خراب عاقبت بھی  
میں ہوں کہ سر آمد جنوں ہوں  
وہ خستہ ہوں میں ہی جس کو کہیے  
یہ کچھ جو میں کہ تمباستاں میں  
یا یو نہیں بکا میں کچھ تو بولو  
سودا نہیں کچھ دگر نہ مجھ کو

لب حش جس کا نہ ہو وہ دریا  
میرے ہی غبارِ ول سے پیدا  
دل میرا ہی کاش غنچہ ہوتا  
موقوف اشارہ تقاضا  
وہ میں ہوں کہ دین ہے نہ دنیا  
مجنوں کو خلیفہ میں کیا تھا  
رونق افزائے کوہ و صحرا  
خاطر میں تھاری بھی کچھ آیا  
خواباں ہو تو خامشی ہے یہ کیا  
کرتا ہے کوئی زیان جی کا



گراتنے پہ دل بُرا ہے میرا  
موقوف کر د خدا ہے میرا

پراس میں بہاں بھلا ہے میرا  
جی دینا تو مدعا ہے میرا  
مُدت سے یہ سر لگا ہے میرا  
گلتا صنم اس میں کیا ہے میرا  
ٹھک دیکھ کہ یہ بہا ہے میرا  
کٹ کٹ کے جگر گرا ہے میرا  
کچھ ہوشیہ و فنا ہے میرا  
دل زور ہی من چلا ہے میرا  
مرگاں پہ جب گر رہا ہے میرا

تم کو تو ہے کیا مرے لئے سے  
مرنے سے ڈرنا نہ محب کو قاتل  
زہنا رحمت کہ اُس کے پاپ  
سودا برضا ہے مل ہر اک سے  
یک نیم نگہ سے مول لے چک  
میں ہوں کہ ہلا ہل الم سے  
جاؤ کہ رہو یہ جی جفا سے  
کاکل کو نہ کھول اُجھنے کو  
جوں توں کر کے طیش سے شب کو

کل تک تو مرا یہ دل بجا تھا  
اپنا دلخواہ مدعا تھا

اقبال مرا کوئی بلا تھا  
کیا جانوں نکل کے جی میں کیا تھا  
آخر کوئی میرا بھی خدا تھا  
سو سو طرفوں سے خوں بہا تھا  
اندوہ تنک مجھے ہوا تھا  
جس جاگہ مرا عسرق گرا تھا  
بیگانہ ہے جو کہ آشنا تھا

تھے جن و ملک جلو میں میری  
تھاروئے زمیں پہ شاد و خرم  
ایسا ہی نہ تھا بتو میں آگے  
ہوتے جو شہید یک تمنا  
اک روز چنانچہ ہول دل سے  
لو ہو دیا اپنا دوستوں نے  
ہوں اب جو بلا میں مبتلا میں

یہ رنج و بلا و درد و محنت  
اے وائے حواس صبر و طاقت

ہم سے بھی ضرور ہے مروت  
آخر کو نہ بھیجے تاخالت  
دیتا ہے زمانہ کس کو فرصت

ایدھر بھی کھوٹک ایک چشمک  
مت فرصتِ وقت سے ہو غافل  
ہر آن میں اپنی تربیت کمر

غیروں کے رہو گے دیر تک تم کیا تم سے کہیں سلوک تجھ پر اس قطرہ تو ہے پر نہ ہاتھ اٹھاؤ خالی دل پیر کو ہم بھی کرتے بس میرا ہو تو کروں منادی	ہم کو تو سویرے کرے نصرت دل میں نہ رکھی ہمارے حسرت دریا کو کرے ہے یہ کھنایت افسوس نہ دی اجل نے فرصت کوئی نہ کرے کہیں محبت
---	--

گردن ماریں شاہی اس کو  
رکھے جو کسی سے میر الفت

### ترکیب بند دیگر

عمر گزری ہو چکا آسودگی کا روزگار محرکہ ہے یکطرف دونوں ہوئے ہیں سامنے بجملہ ہے گتہ رہے یکطرف ہیں کتے جو یہ عاشقی جب کی تھی میں نے تبتغیں بیخواریاں سینہ دیکھو چاک مٹھناخن سے سب نوجا ہوا	رنج و محنت کے تیل آں رام سے ہینگ عار زخیم دل کی یہ سنسنی وہ گریہ بے اختیار صبر سے بے طاقتی دل اور در بے شمار کیا کہوں کیا کچھ دکھاتا ہے مجھے اب بھاریاں آنکھیں دیکھو دوہلی خونیں جی کو دیکھو بیکراں
---	---

ایک گفنی عشق را دریاں بہجراں کردہ اند  
کاشک سگفتی کہ جبرائیل را چہ دریاں کردہ اند

اک کنارے دے تو جو ہنگے زمیں کے زیریاں وہ قدم پر ہے یہ ہنگامہ ترے کپے کے زنج مٹھ نہ کھانے والے تلواروں کے بھوکے موت کے دھڑ نہیں سر ہی پڑا ہے سر نہیں تو دھڑی بڑ غز دے بے خاتماں بیارے بے کس غریب	خاک پر سہل پڑے ہیں کیسے کیسے شیریاں آشابی کچھ نہیں لگنے کی تجھ کو دیریاں سیکڑوں بکجا ہیں دے جینے ہے جو تھے سیریاں ہیں زیارت کردنی صد کشتہ ہمیشیریاں زخموں کے دامن کے مٹھ پر ہے ہیں پھیریاں
---	--

گر تو ہم آئی ہے طوف شہیداں دور نیست  
گر یہ می آید درخیا راہ چنداں دور نیست

لپٹ اک آن میں وحشت سے یہ سارا جہاں تیرہ کر عالم کو رہ سہرا یہ گرد و غبار	خاک اڑا ہر ایک دم میں کارواں رکاوٹاں پیشیم مارویشن تو ہو آوارہ کون بکاں
---	--

کھینچنا سر کا مبارک ہو تجھے تا آسمان  
پیش رو رکھتے ہیں سارے خاطر و انداز  
کوئی دم وقفہ کرے یا دیر ہو دے تجھ کو یاں

یک قدم اے گرد باد امن صحرایا بیست  
در قفا ماندہ است مشت خاک تا تنہا یا بیست

یمن بخشے طے کیا کرنا زمین کا تیرے تئیں  
لیکن اتنا ہی برا شفق نہ ہو جانا کہیں  
سو خدا نا کردہ ہم کہتے نہیں براہ سے

گرچہ ہجر میں ترے جانا تھا جی میرا چلا  
وصل خاطر خواہ تو معلوم تھا میرے تئیں  
گاہ با شدرم کو بھی رحم فراوے وہ شوخ  
ایک ساعت پاس بیٹھے درد دل میرا نے  
سو تو یہ سب ہو چکا ہے کاشکے ملنا نہ تو

یہ یہ تھا دل میں کہ شاید دیوے تو داد و وفا  
آس دل کو لگ رہی تھی جتنا کہ تھا میں جدا  
دیکھ مجھ ناکام کو یکدم کرے ترک جفا  
کر کے غنچواری کرے یہ تیرے تئیں کیا ہو گیا  
ایسے آجانے کا تیرے کون یاں مشتاق تھا

آمدی و حسرت وصل از دلم برداشتی  
حسرتے بود از وصال آن ہم یمن نہ گزاشتی

ہیں خرابے آج جتنے کل یہ تھے لوگوں کے گھر  
طاق کسریٰ تو سنا ہو گا کہ کیا تھا محل  
گھر کا صاحب تو اڑا کر کے کیسا خاک سے  
خط باطل سے لکھا ہے صفحہ کون و مکان  
کیسے کیسے خانوادے خاک میں یاں مل گئے

میت بنائے خانہ میں منسم رہا کر اس قدر  
اب کہیں اس طاق کا کسریٰ کے پیدا ہے اثر  
اینٹ ماریں اینٹ سے یہ کچھ ہوا اس گھر اوپر  
کیوں دماغ اتنا جلتا ہو رہے ہو تو کدھر  
جائے عبرت ہے یہ معمورہ جہاں کا بے خبر

سر کجا افتادہ بینی خشت ویرانہ  
ہست فرد دستہ احوال صاحب خانہ

کم بہت سنے میں آتا ہے کوئی رنجور ہے  
روشنی آنکھوں کی ہے منظور ساری خلق کو  
ہم کہنے بھی تھے یہ دو آتش کے پر کا لے کھو  
ایک نے مارا جھڑک کر جی سے ہم کو آب داغ  
ہم کو حیرانی ہے اس میں جھک سکتے ہیں اسے  
اسر شک گرم واکو اتشیں یدیم و بس

یا کسی مجروح کا زخم جگر ناسور ہے  
قوت دل کا جھڑک دیکھو تیرے مہر مذکور ہے  
ان سے ہم ایذا جو کھینچی ہے کسے منظور ہے  
ایک نے جیسا جلایا اب تلک مشہور ہے  
ان ہی دونوں آفتوں کی بردش منظور ہے

بہر گز چشم و دل یدیم این یدیم و بس

<p>گفتنی ہو تو کہوں لے میر میں کچھ اسکا حال چاہتا ہے سیم وزر یا کوئی دلبر خوش جمال عشق بازی مفلسی آزدگی ریخ و مال نے کسی کے چاند سے اکھڑے کاجکوہ و بال نے غم درد جدائی ہے نہ اندر وصال</p>	<p>دل نہیں مجھ کو ملا یہ کوئی جی کا ہے و بال خود بخود جاتا ہے کہتا آرزو کیا ہے اسے یاد میں میری ہوا ہو کچھ سبب تو ہے بجا نے گسو کے گیسو کا کل کا وابستہ ہوں میں کیا کر دل ایذا ہے بے موجب غرض تھو سے بیا</p>
--	--

<p>نہیں عاشر نطا ہر لیک میکا ہر دلم عمر بگزشت و نیند ام چہ می خواہد و لم</p>
--

# نعت و منقبت

میر تقی میر دہلوی

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## پرسد سن در لغت پیرو رکائات صلعم

جرم کی کھوشتر مگینی یا رسول  
کھینچوں ہوں نقصان دہی یا رسول  
اور خاطر کی حسدینی یا رسول  
تیری رحمت ہے یقینی یا رسول

رحمتہ للعالمینی یا رسول  
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

لطف تیرا عام ہے کرم رحمت  
محرم عاجز ہوں کر ملک تقویت  
ہے کرم سے تیرے خیم مکرمت  
تو ہے صاحب تجھ سے ہے یہ مسئلت

رحمتہ للعالمینی یا رسول  
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

کیا سیہ کاری نے منہ کالا کیا  
رحم کر خاکِ مذلت سے اٹھا  
بات کرنے کا نہیں کچھ منہ رہا  
میرے عفو جرم کی تخصیص کیا

رحمتہ للعالمینی یا رسول  
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

اب ٹھہرا تک نہیں پائے ثبات  
جرم کیا ہیں میری کتنی شکلات  
دشگیری کرم کہ پاؤں میں نجات  
ہے کفایت ایک تیری التفات

رحمتہ للعالمینی یا رسول  
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

دہر زیر سایہ لطفِ محسیم	خلق سب وابستہ رُحُلِ عظیم
تجھ سے جو یائے کرم غاصمِ اہم	سخت حاجت مند ہیں ہم تو کریم
رحمۃ للعالمین یا رسول	ہم شفیع المذنبین یا رسول
ہو رہے ہیں ہم جو دین کے حطب	سر پہ یہ اعمال لائے ہیں غضب
رکھتے ہیں چشم غنایت تجھ سے سب	تجھ سوا کس سے کہیں حوال اب
رحمۃ للعالمین یا رسول	ہم شفیع المذنبین یا رسول
نیک و بد تیرے ثنا خوان ہم	لطف تیرا آرزو بخش ام
ملفت ہو تو تو کا ہے کا ہے غم	تو رحیم اور مستحقِ رحم ہم
رحمۃ للعالمین یا رسول	ہم شفیع المذنبین یا رسول
روؤں ہوں شرم گنہ سے زار زار	بے غنایت کچھ نہیں سلوب کار
دل کو جب ہوتا ہے آکر اضطراب	زیر لب کہتا ہوں یہ میں بار بار
رحمۃ للعالمین یا رسول	ہم شفیع المذنبین یا رسول
سب پر پام ہو گا جب تیرا نشان	آفتاب حشر میں بہسراں
ہو و گی انواع خلقت جمع وال	کیوں نہ ہو سالیے میں اسکے وہاں
رحمۃ للعالمین یا رسول	ہم شفیع المذنبین یا رسول
رو سیاہی جرم سے ہے بیشتر	رو سفیدوں میں خجل مجھ کو نہ کر
ایک کیا آنکھیں میں سیری ہی دھر	تجھ سے راجی بے بصراہ نظر
رحمۃ للعالمین یا رسول	ہم شفیع المذنبین یا رسول
کچھ بھی جو ہیں واقف راز و نیاز	عام تجھ انعام پر کر چشم باز

شعریہ مشہور سب وے دگداز | پڑھتے ہیں جائے دعا بعد از نماز

رحمۃ للعالمین یا رسول  
ہم شفیع المذنبین یا رسول

جب تلک تاثیر کا تھا کچھ گماں | گم قرآن خواں میرے تھے کہ سبہ خواں  
وقت یکساں تو نہیں اور دوتاں | اب یہی ہے ہر زماں و روز باں

رحمۃ للعالمین یا رسول  
ہم شفیع المذنبین یا رسول

## قصیدہ در تقبوت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

رنگ گل بھیکے ہے ہر بات ہرے کے اچھل  
خوبی دلکش گل دیکھنے کو ہوا حول  
لالہ و زنگس و گل سے ہیں بھرے دشت و جبل  
سبزہ غلطاں ہے لب جو یہ کہ خواب محفل  
زنگس و گنتی ہے جہاں بولی تھی دہقان بصل  
خشک بھی شاخ نے اب سبز نکالی کوہل  
دونوں نکلے ہیں تہ خاک سے اب دست بقل  
آگ کی گر کمیں سلگا کے رکھے ہیں نقل  
کسو گلبن کے تنے آپ بھی اب پڑھیں غزل

جب سے غور شد ہوا ہے چین افروز محفل  
وقت وہ ہے کہ زبس شوق سے چشم لبیل  
جوش گل یہ ہے جہاں تک کرے ہے کام نظر  
لطف روئیدگی مت بوجھ کہ میں شبے میں ہوں  
چشم رکھتا ہے تو چل فیض ہو اکو ٹک دیکھ  
سیر کر تازگی و خسرمی و شادابی  
خون خیازہ کش عاشقی و پنبہ گل  
برگ گل فیض ہو اکرتا ہے ہر خشک کو  
بیت بجنی کے تنیں مرغ چین آئے ہزار

### مطلع ثانی

آتش محفل سے جلا کر ہے سارا جنب محفل  
آفتاب آوے ہے یاں کو جلا کر شعل  
مارے ڈالے ہے یہ برسات ہماری کی کہل  
یوں بھی کر دیکھا ہے دل عقدہ ہے مالا نخل  
کیسی محبوب گئیں صورتیں مل خاک میں رنل

نکلے ہے لالہ زبس چاک کر اب سینہ تل  
تیرگی اپنے تارے کی ہے سب پر روشن  
آدگر یہ قیامت ہے آگن میں جی کی  
غنیچہ خام کو جوں پھونک کے کھوے ہے طفل  
تویوں ہی کھینچے ہے یہ نقش بآب اے مستم  
لہ غزل :- اکل از فیض ہما سبز شور و منتقل +



جنس دل مفت ہے سینے میں عجب کیا ہو  
شیخ کے قد کی درازی کے تئیں حال میں دیکھ  
کو دے کو جو اٹھا سر پہ اٹھالی مجلس  
پر دے میں دوستی کے میر کا جی تک تولیا  
کیا میں اندھیر فلک کے کہ نہیں ملتی داد  
جو ہے سود ست بدل خاک بسر ہے اس سے  
موتے سرتک تو عدد ویدہ شور اُس کا ہے  
پنچہ خور کہ زرا ندو کیا اُن نے جسے  
سُرخ رہتی ہے مڑہ خط شاعری سخی ہنوز  
در دہریس ہے جو موجود ہے دور اسکے میں  
وقت ہے اپنے تفسیری کی مدد کا یا شاہ

غزے سے زرد ہوا نکھوں سے چرائیں کا جل  
یاد آتا ہے جوانوں کے تئیں رقصِ جمیل  
دیکھے بیٹھے جو پھر اونٹ تو بیٹھے کس کل  
مدعی کتنے تھے اُس کے یہ محبت بیتل  
روزِ خورشید نکلتا ہے حبلِ اکرم مشعل  
میں بھی نکلوں ہوں سدا منہ پہ کفِ خاکِ کفل  
آج دیکھے کسو سر پر تو اُسے چاہے کل  
مرتعش باندھے ہیں اکثر شعرا بعضے شل  
چشمِ خورشید سے کھولی نہ کھجوں نے سبل  
صبح آنکھ سے سدا ماتھے کو ملکر صندل  
روز و شب رہتی ہو اُس موی ہی سے جنگ و جدل

### مطلع ثانی

اے کہ اک تو ہی ہوا عالمِ اسرار ازل  
تیری وہ ذات مقدس ہے کہ لیتے ہوئے نام  
تیری درگاہ میں جبریل کے پر کیوں نہ طیں  
دور از بسکہ کھنچا عرش سے رتبہ تیرا  
مرجا شاہی تری سلِ علیٰ حباہ ترا  
فیرش ہونا ترے زائر کا سعادت تھی ولے  
وہ تختیں جسے دے عالمِ اسرار آلہ  
آخرا بآکے ترے درس میں نکتہ یہ سکھلا  
جی میں گزرے بھی تو نکلتے ہے ترے درس سے  
رفعِ بدعت پہ جب آوے تری طبعِ اقدس  
لقمہ ظلم نہیں پچتا عدالت میں تری  
حالتِ نزع میں گر نام زباں پر ہو ترا  
بسکہ غالب ہے ترے اسرار اسے عجب

اے کہ سو جان سے عاشق ہو ترا حسنِ عمل  
منہ سے ناخو استہ بھی صلِ علیٰ جائے مکمل  
یہیں ہے نورِ جلالی خدا عزمِ دل  
حرف تیرا ہے ترے شیعوں کو دوحی منزل  
کہ ہوا تحتِ ترا ددش نبی مرسل  
کیا کرے چادرِ متاب کہ تھی متعل  
مانتے جسکو گئے دہر کے کاملِ اکل  
ناقص محض چلا جائے تھا عقلِ قل  
معنی تازہ سے بدلا ہوا لفظِ مکمل  
کیا عجب شعلہ آواز سے جل جائے نرسل  
باز نگلی ہوئی چڑیا کے تئیں دے ہو اگل  
یک رنق جانِ حیاتِ ابدی سے ہو بدل  
ہو بچے گر حشر تلکِ نوبتِ شاہی زحل

کیا ترے کشف بیاں کرنے کی کہئے تاثیر  
تو غضب ہوئے مبادا کسو اور پر کہ شہا  
تب ہوا دین محمدؐ کا بزدل شمشیر  
حق سے یہ نسبت کہ رہی بھی موقوف  
سن کے یہ نظم و نسق دہریوں جو تو نے کیا  
کوئی یوں سرکشی سے اپنی کہئے کچھ لیکن  
جی میں ہے اور بھی مطلع کے تئیں کہیے نمود

طبع گویندہ پہیاں حال ہواستقبل  
مرگ ملتی بھی ہے پر طلتی نہیں یہ کھول  
تو نے برہم کیے جب کتنے ہی ادیان و مل  
بھی پر مصلحت کا یہ خداوند اجل  
جمع ہو جاتے ہیں شاعر کے حواس مختل  
سجدہ ہی کیجئے تجھے یہ ہے ترا قدر و محل  
دل کو تسکین نہیں بخشتا و صعب مجمل

### مطلع رابع

اے کہ طاقت ہے زمانے میں تری ضربِ نعل  
یکطرف میں نے کیا فرض ترے بندے کو  
کشتنی مدعی کی اور کی میں کیسے کہوں  
میان سے جبکہ گھسیٹی اُدھر اُن نے تلوار  
درہمی آگئی یک بار صفِ اعدا میں  
تیرگی بخش جہاں بسکہ ہوا سرِ گرد  
رستم و سام جسے فرض کرے تو دل میں  
کھل گیا دوش سے لے تا کمر اللہ اللہ  
برہمی کا رگہ رزم کی مت پوچھ کہ تھا  
جمع ہو آیا تھا اسلحہ پر اک جم غفیر  
کر کے سرگوشی جسے پوچھتے ہیں بھاگے ہوئے  
یہ ہے یا خالی ہے میدانِ گمراہی کی تیغ  
کیا بیاں کیجیے اب لشکرِ اعدا کی مواش  
پھوٹے ہیں زخم سے ہر ایک کے قوارہ نوں  
سُرخ تر چیم شجاعاں میں نظر آتی ہے

بیخبرِ زور کے آگے ترے یہ سپرِ بھل  
دوسری سمت کیا جمع عدد کا ڈنگل  
ہر جواں برج سا پھر کوہ کے مانند اجل  
باعثِ تیرگی چشمِ حق وہ برقِ اجل  
ایک دو ہاتھ کے چلنے میں بڑی یہ باطل  
چشمِ خورشید فلک پر تھی مثالِ مکمل  
نفسہ کر سامنے آواز کیا جب اُٹھل  
ایک ہی زخم ہے دشمن کے گلے کی ہیکل  
کوہ پر کوہ فلک پر تھی زمیں دل پر دل  
اکثر اس میں سے گئے مارے کچھ اک بھاگے دہل  
آتی ہے غیب سے آواز ہوا وہ فیصل  
اُڑد با بھی کہ گئی خلق کو یکدم میں بھگل  
مخرجِ خوں ہے دہاں زخم کا بیگا نخل  
ہر طرف دشت میں جاری ہو لہو کی جدول  
خون سے مسلخِ قصاب کی خاکِ مقتل

### قطعہ

ادہم خامہ بھی لکھتے ہوئے جاتا ہے اچھل

کیا لکھوں اس سب سبیر کی اسکے تریف

جب غناں اُسکی اُچک لیتا ہے اُسکا کب  
اس نلک سیر کا سید ان مقبر رہ گیا  
اُگیا اس میں نظر جانا کسو شخص کو تو  
قابو پانے کے لیے اسکے سوار اُس پہ سدا  
راکب اُس کا کرے ہے نکلے تبسم یہ بات  
جان یہ ہے ترے گھوڑے میں تار و زجزا  
اک مصوّر نے اُسے دیکھ کے دوڑایا خیال  
سرو سینہ کو کمر تک تو بنایا رکھ ہاتھ  
آبلے جیسے ستارے ہیں مرے دل کے پنج  
آج تجھ نیر انظم کی خلافت کا ہے روز

جلدی پویر میں دکھلاوے ہو کیا کیا چھل بل  
تنگ و پوکے لیے اثنائے ابد اور ازل  
مارتے بل کے گیا اُس کو جھلاوا سا چھل  
کہتے ہیں ندی اس اسپ کے تئیں مارے جل  
یعنی ان ٹگید یوں کے کچھ ہے داغوں میں تھل  
گر دکو اُسکے نہ ہوئے گی کبھو اُس کی جل  
دیکھوں اس بادی مجھ سے بھی سکے شکل بکل  
اُڑ گیا صفحہ کا غد پہ سے چھوٹے ہی کفل  
بس کہ اس چرخ سیہ رو سے رہا ہو کس جل  
داد دے میری کہ دیکھوں میں اسے مشاغل

صاف ہو زنگ دل میر کہ احباب میں ہے  
داسطے تیرے مخالف کے ہیں تنہا ضیق

### قصیدہ درج حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

اک شب کیا تھا یا رتری زلف کا خیاں  
میں مر گیا فراق میں پر اب یہ کیا ہے ظلم  
جنش ہوئی مرثہ کو ادھر گر گئی سناں  
آیا ہے یاد قیس بہت اب کہ ہوں تنگ  
خوشوقت ملک تو ہوں یہ کہیں کا نہیں ہوں پھر  
رنگ اُڑ گیا تبھی کہ ہوا تجھ سے چہرہ گل  
دورخ ہو میرے سرم کتہ کی عرق میں غرق  
خوشقامتی کو آہ کے کب پہونچتا ہے سرور  
حیرت بسا ہی جان کو اپنی تمام غم  
یک روز بے نقاب ہوا تھا تو صبح کو  
تھی سیر ترے کو یہ میں عشاق کی معاش

اب تک ہے دشمنی میں مری میرا بال بال  
جیتی گڑھی ہے ساتھ مرے حسرت وصال  
ابروں پہ ترے کہ ادھر کٹ گیا ہلال  
اسکے بھلاوے محکو نہیں چھوڑتے غزال  
آزردہ ہوئے مجھ سے اگر خاطر ملال  
رکھے ہے اب نسیم کی سیلی سے منہ کو لال  
لیکن نہیں ہنوز مجھے ملک بھی انفعال  
ہے یہ تو باغ رنگ شکستہ کا نو نہال  
ملک چشم آئینہ نے ترا دیکھ کر حمال  
اب تک ہے آفتاب چہاں تاب پر زوال  
کتنے شکستہ دل تھے بہت تھے خراب حال

جتنے غرض تھے سب کو قیں تھا کہ مرچے  
کبتک صفت تہوں کی خدا سے تو خوف کر  
پڑھ منقبت یہ شاہ کی جس سے نجات ہو  
بخشش سے جسکی حرف طلب محو ہو گیا  
ہے معن اُس کے مطیع عالی کا کا سہ لیں  
آوے اگر عطا و کرم پر وہ ایک دم  
کہتا ہوں اب میں مطلع ثانی کہ ہوں تنگ

کوئی نہ تھا کہ جسکو ہو جینے کا احتمال  
اے طبع رہ نہ اتنی بھی پابند خط و خال  
وہ شاہ جسکے ایک گدا کو ہے یہ کمال  
کم اُسکے وقت میں ہر بہت نوبت سوال  
دستار خواں کا اُسکے ہے حاتم اک اشمال  
خسر کی ہفت گنج تو پھر کیا ہیں چیز مال  
وسعت رکھے ہے بسکہ یہ میدان قیل قال

### مطلع ثانی

دے مشورت شریک خداوند لایزال  
اُٹھ جائے دفعہ ہی مزاجوں سے احتمال

اے نائب مصاحب دادار بہیال  
تو ہے کہ تیرے عدل کی نظم و نسق کو سن

### قطعہ

تو منحرف مقام سے ہو خط اعتدال  
سنگیں ہو فوج دشمن اگر کوہ کی مثال  
ہے اُسکو اپنے زور شجاعت سے یہ کمال  
بھو میں دوسار ہو ویں اگر آہنیں جبال  
جو اُسکے سامنے ہو رے اڑکے لاٹھے بھال  
سنہ دیکھو مدعی جو رکھے اپنے تئیں سنہال  
جیسے کہ سانپ بیٹھے ہے باہی سے سرنکال

جاسے خدا نخواستہ اس کا اگر تو ر غم  
شاہ ترا غلام ہو ایک اور ایک طرف  
تیر و کماں کو ہاتھ میں لے جب ہو سامنے  
جسدم کہ زور بازو سے آکر لگا دے تیر  
چٹکی سے اُسکی ہو کے جدا تیر پر لگائے  
اچھل کی جسکے سینے میں مارے ہو تیر بخش  
پشت عدو کی اور ہو پیکان یوں نمود

### قطعہ

خالی دے اُسکے دار کو دیوئے زمین بڑال  
گردن گدا دے مفت گربے بسکہ ہو بڑھال  
دست شکستہ اپنی ہی گردن کا ہے دبال

بالقرض اُس پر چوٹ کرے آکے مدعی  
اس جھوک ہی میں ہاتھ مع بیخ لڑ جائے  
سننے تھے وہ مثل سوہیں ہوتی ہر درست

### قطعہ

تہا ترا غلام لے تلوار اور ڈھال  
زیر زمین پہ جسکو کپڑ کر کر دھال

جو کوہ آہنی بول ترے مدعی شہا  
وہ ہاتھ ایت گڑکے کرے بکو دے اُکھاڑ

تختِ اشراف سے گرنے پرے جائے بنگال  
میدانِ کارزار سے رستم بزمِ زوال  
اس زلزلے میں گاؤں میں سیکھ جائے چال

ٹھہرے درے پرے تو نہایت غریب ہے  
یوں دیکھ ایک دو کو کٹا کرے شتاب  
شیرِ فلک کو راہ بھلا دیوے وہ دھمک

قطعہ

کر جمع ان کو زورِ شجاعت سے پیل پاں  
نفرہ کرے تو تن سے کرے روح انتقال  
جتنوں کے ہو گئے میں زرہ انکا ہو یہ چال  
بھاگیں ہیں جیسے شیر کی آواز سے شغال  
گزرے نہ ایک دم بھی کہ قصیدہ ہوا انصال  
مٹ جائے کائنات مگر تب ہو اندام

من بعد اور باقی رہیں جتنے کشتنی  
تو ارے پھرے وہ تو پھر جائے روزگار  
اہلِ سلاح ترس سے گر گر پڑیں بہت  
نفرے سے اُسکے لیویں بہت یوں رہ گزیر  
حصہ رسد کوئی ہو وہ رکھ جائے ایک تیغ  
زخم اُسکے ہاتھ کا جو لگے یہ نہ ہو کبھی

قطعہ

گر خشک ہو دے خاک کہیں بعدِ اہل  
اڑتا ہے جیسے ہوئی کے ایام میں گلال  
تاخیر پر قصیدہ غم کا ہو مال

تر ہو گئی ہے بسکہ لہو میں جھل زہر  
ہو پھر گزار بارِ صبا سے یہ وال کا رنگ  
میلانِ طبع مطلعِ ثالث کی اور ہے

مطلعِ ثالث

آشفٹہ طبعِ شاعرِ حسرت کی کیا حال  
جس شخص کو نہ آوے الفت بے تل ڈال  
کرتے ہیں وال تو وقف بھی طرز کے مقال  
پھر بحث اُس سے عقلِ فلاطون پر ہر دال  
پاتے ہیں تیرے در سے شہا کنت و جلال  
ہوں سر سے تیرے زائرِ درگاہ کا پائال  
جاگہ مری ہو حشر کی تیری صفتِ نعال  
ہو جائے سرد آتشِ دوزخ کی اشتعال  
ہے تیری منقبت سے نہٹ اُسکو اشتعال

لائقِ تری حفت کے صفت میری ہو حال  
تو وہ درِ مدینہ علمِ علیم ہے  
اُسے تری جنابِ مقدس میں ایک دم  
عالم ہوا اس قدر کہ بیاں کیا کرے کوئی  
لیتے ہیں تیرے گھر سے گداپوستِ تحتِ فقر  
جب تک جیوں میں ل میں مرے آرزو ہے یہ  
پھر بعدِ مرگ حوضِ پہ کوثر کے پانی  
جب ہوں میں گرم راہ ترے سامیں شہا  
جب تک جے کا نحو ثنا ہی رہے گا میر  
ہوئے حرام تیرے محبوبوں کو دردِ غم

شمیر دوتاں پہ ہو خونِ عدوِ صلال

## قصیدہ درج حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

پہونچے ہو دل پر آتے ہیں اندر وہ اب مدام  
اسے کجروش تو نامہ نہ لکھ بھیج مت پیام  
دل میں نہیں ہے قطرہ خون نکھیں ہیں گی تر  
نا کامیوں سے کام رکھا میں تمام عمر  
اسے رشک ماہِ عید نہ کر انتظار کش  
زنجیر پا ہے اُس کی تری زلف غالباً  
چلتا ہے تو تو جاتے ہیں کتنوں کے جی چلے  
آوارگی سے دل ہی کی آسودگی کو پھوڑ  
گر جاتا مرہ کو تری تیغ کیں تو میں  
رونے کا تار باندھ تفرج نہیں ہو خوب  
اکدم تری گلی میں گیا تھا میں سیر کو  
صیاد نے اسیر کیا مجھ کو پر عبث  
آنکھوں سے اُسکی چشم وفا میرے غلط  
چشم طمع کو سی لے ہوا تو کہ جیتے جی  
اے طبع اتنی ہرزہ درالی جس کی طرز  
یعنی امیر شاہ نجف کی صفت پر آ  
وہ شاہ ہے کہ بعد نبی کے وہی ہے پھر  
گر جا ہے دل گرفتہ جہاں میں ہو کوئی  
ورنہ شگفتگی یہ بلائے عظیم ہے

مطالعہ ثنائی

شاہان سرفراز ہیں سب اُسکے پائے نام

قطعہ

میدان کارزار میں اوسنے ترا غلام

شاہ ترے گرا کا ہے مشہور احثام

ہوا سپہ سوار کرے عزم جنگ اگر

اڑ جائے خاک اُدھر کی جدھر کو پھرے لگام  
افراسیاب کون ہے رستم ہے یاں کد ام

جولاں کرے جدھر کو رہے اُس طرف نہ خاک  
پامال اس قدر ہوں کہ محسوم بھی نہ ہوں

قطعہ

اُدے گرا سکے ہاتھ میں یک لحظہ بے نیام  
بے سر ہیں پھر تو مد نظر تک بدن تمام  
گرا آسمان پہ جائے تہ خاک ہے مدام  
گو پہاڑاں ہزاروں لیے آئے اس پہ سام  
افسانے اُسکے زور کے کرتے ہیں صوم و صدام  
تحت الشرے کو جائے مع اپنے اژدحام  
چنداں عجب نہیں کہ ہوا ہووے تیرہ فام  
جانتے ہیں کو چشم تماشا نی ہو عوام  
تا ہو بخیر خوبی نصیب دے کا اختتام

شمیر اس کے خرمن انداز ہے جو برق  
ہل جائے اور تک صفت انداز کی اور کو  
یہ بات میں کہوں ہوں نظر کر کے مایوں  
شاہاترے غلام کے تھے کی لس کو تاب  
وہ سام بن نریاں کہ اب تک جہاں کے بیچ  
اک ایک کو زمین میں دے گا اُس سمیت  
طبقتہ زمین کا جائے اُٹھرا سکے زور سے  
از اس اڑے ہے خاک جدھر دیکھو تس طرف  
مطلع کروں ہوں اور بھی موزوں میں اس جگہ

مطلع ثالث

وے اڈ لیں امام و منراوار استرام  
رسم کھینچے نخت اگر چاہے ارتسام  
گنتی نہیں ہے باز شکاری کی اعتصام  
تو ہے کہ سار بھی خلق پہ تیرا ہے فیض عام  
محفوظ آفتاب قیامت سے ہوں امام  
مشکل یہ ہے کہ ہووے فلک کا نہ انہدام  
ایک ہی ہوا ہے پھر تو جہاں میں علی لدوم  
تہ کر کے شب اُٹھا ہی رکھے پردہ ظلام

اے بعد فوت ختم رسل صاحب اہتمام  
از بسکہ تیرے نقش سے گم ہیں مستمات  
عصفور کس شمار میں پر تیرے عدل سے  
تو ہے کہ تجھ کو ذات خدا سے ہے ربط خاص  
تو ہے کہ تیرے ہر کے سائیں روز حشر  
ہیں سہل تیرے چشم کے آگے خرابیاں  
چاہے تو اعتدال زانیہ تک ایک اگر  
چاہے اگر تو یہ کہ نہ رو پوش ہووے روز

قطعہ

آجائے بختگی پہ مرا یہ خیال خام  
معلوم ہے سوائے تیرے حاصل کلام  
ہووے تمام تیرے محبوب پر غم ظلام

گرمی کرے تنک بھی اعانت تری تو پھر  
یعنی کہ دیکھوں حضرت دہلی کی جان و اح  
ہرگز نہ ہو حلال عدو پر تیرے خوشی

## قصیدہ درمچ حضرت امام حسین علیہ السلام

فلک کے جو رد جفانے کیا ہے محکوشکار  
 خراب کوہ و سیا بان بگیسی ہوں میں  
 بغیر خوردین خوں کب نہاڑوٹے ہے  
 لگین داغ سوکیوں پھیکے میرے سینے پر  
 سودہ بھی دیکھنا ملتا نہیں ہے گھر بیٹھے  
 سوائے نالہ جانسوز کون ہے دلسوز  
 جنوں میں جب سے خوش آیا لباس غلامی  
 ہمیشہ ساتھ ہے دامن سوار لڑکوں کے  
 عجب ہے مجھ کو جو تو دیکھنے نہیں آتا  
 ہوا ہوں جو رد فلک سے بٹ ہی زار و زار  
 شہا غلام کو تیرے پیر بار و ہے  
 اگر مہاڑ ہو دشمن تو اُسکے سینے میں  
 لگا دے پھر وہیں دو چار ایسی پے در پے  
 کرے ہے فخر بہت اور ج پر فلک شام  
 کہ افعال مولات و گزشتہ سے اُس کو  
 مگرے ہے جو ہر اول نگاہ جس ساعت  
 امام ہر دو جہاں جس کی آستان کی خاک  
 زہے وہ روئے جہاں دیدہ ملک ہیں فرش  
 اگر طہوع ہو خورشید سامنے اُس کے  
 کوئی کہے کہ یہ کیا شوخ چشم شیر ہے  
 لیا ہے روزیہ نے بہت اُسے گھبرا  
 شعاع ردھنے کے تھے کی ہے گی عالمگیر  
 بصائے کہ یہ اتنا شیاں ہیں سب اُس کی

ہزار کوس پہ ہے جائے اک پیدیں وار  
 برنگ صوت جس ہر طرف ہے میرا گزار  
 سوائے گریہ صبح اب کہاں ہے آبِ خمار  
 نمک نہیں نظر آتا بجس زرخ و دلار  
 مگر ہوں ہند میں سوائے کوچہ و بازار  
 بغیر آہ سحرگاہ کون ہے غمخوار  
 نہیں ہے دامن صحرائیں تب سے مجھ کو قرار  
 مگر کہ خاک و فاسے بنا ہے میرا غبار  
 رہا ہوں ایک تری آنکھ یوں ٹا میں بیمار  
 پہو بچو یا خلعت الصدق حمید رکھ کر  
 کہ وقت جنگ جو لیکر کہاں کو ہوئے سوار  
 کہاں سے چھوٹے ہی تیر بند ہو سوار  
 کہ ایک کا ہونشاں دوسرے کی جائے قرار  
 رضا جو ہو تو کروں تیرے روئے کا بشار  
 زمیں ہے صحن کی جسکے یہ گنبد و دار  
 تو ایک ہاتھ سے تھامے ہے سر اوپر دستار  
 رکھے ہے رتبہ کحل جواہر الالبصار  
 قدم کو رکھتے ہوئے اُنہی آتے ہیں زوار  
 ہر ایک ذرے کو داں کے ہے یہ لب گفتار  
 کوئی کہے کہ یہ ہے موش کو رنا ہوار  
 چلی ہے چھوڑ کے حیراں ہو رختہ دیوار  
 پھر بچا سایہ شباب جہاں میں ہوتا خوار  
 زمیں ہو یا ہو فلک یا حجر ہوں یا اشجار



با حمد سے کہ نبوت ہوئی ہے اس پر ختم  
 ہر نفسے کہ ولایت مستخرآن نے کی  
 ہاں امام کہ کشتہ ہے زہر قاتل کا  
 ہاں شہید کہ تشذب و شکستہ دل  
 کہ جب ہلال محرم نمود ہوتا ہے  
 بسینہ سوزی داغ و زخمش ہجراں  
 بسر دھری شیریں کبینہ خسرو  
 بعشق ویر بطوف حرم بسعی تمام  
 آب و رنگ ٹھکناں بہ بکسی اسیر  
 بساغر برے گلگوں بہ توبہ سنگیں  
 بہ شگری چاک و بہ بے قراری جیب  
 بحیرت رخ جاناں بحشم و اماندہ  
 بہ قلقل و بہ سب و بلغزش ہر دم  
 بہ پوچ گوئی بیتابی و بہ بے خوابی  
 بہ ویر و برہمن و کفر و یاسم گوئی  
 بسیل خانہ خراب و بوادی مجنون  
 بخوشہ خوشہ سرشک و بداربت مرہ  
 بضعت جسم نزار و بہ طاقت سرکش  
 بنچاک عاشق بے خائناں کہ باد صبا  
 باضطراب چیراغ و بدشمنی نسیم  
 بدور گردی رنگ قبول و یاس دعا  
 بنجیل خیل خرابی بگوشہ صحرا  
 بشوق و نکل نگار و بجان مایوسی  
 بسینہ کوئی زخم جگر باقم مسرہ  
 قسم ہے میرے تئیں ان تمام قسموں کی

بغا طمہ کہ وہ ہے جنت سید مختار  
 بہادری ہے غلاموں کی جسکے فن و شعار  
 گرے ہیں نخت دل کے زیں پہ کنگے ہزار  
 موا ہے دشتِ بلایں ہیں اب تلک آثار  
 جہاں میں کرتے قیامت ہیں کے ماتم دار  
 باہ سرد سحر گاہی و ہنالہ زار  
 بگرم جوشی فریاد و سختی کسار  
 بلوچ شہید عاشق بسوزِ شمع مزار  
 کہ اسکو کینہ نفس میں رہے ہے باد بہار  
 بدلتوا ز می ساقی با بر و دریا بار  
 بسینہ کا دی دشمنہ زخم دامن دار  
 بسعی باطل ناخن بعقدہ دل کار  
 بہ مستی مے ناب و بخاطر ہشیار  
 بکم زبانی صبر و بدیدہ بیدار  
 بشیخ و مسجد و تسبیح و رشتہ زئار  
 بچگرہ جگرہ غمرا لاں بدیدہ خونبار  
 بقطرہ قطرہ شراب و بجام دست یار  
 بجان عاشق مسکین کہ یار پر ہے نثار  
 بنہیں دکھاتی اسے بعد مرگ کوچہ یار  
 بخاطر دم آخسر کہ اس کے ہے ہزار  
 باعث نزار اجابت بجلتہ اذکار  
 بخوش سواد می شہر و بقصر و بیدار  
 باز و سے ہم آغوشی و بہ نخت کتار  
 بجاں کتنی گلگوگیر و حسرت و دیدار  
 کہ تجھ کو علم ہے ان سب کالیا کروں میں شمار

یہ آرزو ہے مرے دل میں مدلوں سے شہا اڑا دے اسکو صبا یا تلک کہ لے ہو نچے	رہے نہ بعد مرے ہند میں میشت غبار تجھ آستان کے آگے کہ ہے فلک کردار
رہے ہمیشہ ترے دوستوں کے ساتھ اقبال	ند کو تیرے نہ دے فرصت یکدم اوبار

### مسدس در منقبت

چیدہ خواروں میں شہ روم ترے صبح و شام حبشی ہندی صفا ہانی بخارا لئی تمام	رہزہ چینی سے تری بادشہ چیں کا قیام ہیں ترے دست نگر بیجے کس کس کا نام
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	تو جو دعوت کرے تو آویں فرشتے تصف صفت ہر دمہ دیکھتے میں تیرے ہی ہاتھوں کی طن
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	سایہ گستر و جہاں کا ہے ترالطف کریم تجھ سے مامول عطا سب تو کریم ابن کریم
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	مردی کا ترے دریا نہیں رکھتا ہے کنار کاڑھے طوفان بلا سے تری مہمت نے بار
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	اہل عالم متمتع رہیں ہیں تجھ سے مدام من دسلوی تھا فرستادہ کبھو بہر انام
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	

ہے بکھا شرق سے تا غرب ترادسترخوان	جسہ مہمان ہے ہر شام و سحر خلق جہان
آسمان یاں کی گدائی سے بھرے دیوانان	ماہ و خورشید کو ملتی ہیں یہاں سے دو تان
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست	
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	
سر شاہان زمانہ ترست خاک در گاہ	کج رکھیں تیرے بھروسے پہ فقیر اپنی کلاہ
منہ ترا سکتے رہیں عارف و کامل آگاہ	نقشے سب پہونچے ہیں مقصود کو قصہ تو ماہ
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست	
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	
نام حاتم کا خنک جیسے لطیفہ مستور	معن زائد کا ترے نرم میں زائد مشہور
رنگ رنگ اطعمہ میں بدل پھر اس درجہ نور	کیا خداوندی ہے اللہ خدا کی مشکور
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست	
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	
لطف ہے عام تر اسب بھی سے پاتے ہیں	تیری دولت ہے جو یہ شاہ دگر لکھاتے ہیں
شکر نعمت یہ نہیں تیرا جال سے ہیں	اس جہاں سے بھی یہی کہتے ہوئے جاتے ہیں
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست	
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	
ارض میں اور سموات میں سب تیرا مال	جسکا گھر چاہے تو کر دیوے اُسے مالا مال
روز بہبود کا ہتھ سے سرگردن میں خیال	اپنی خوبی کو ز میں رات کرے تجھے سوال
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست	
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	
فی الحقیقت تیری مہمان خلایق سے سب	تیرے دروازے سے محروم کوئی آوے ہو کب
رتبہ جسے ہی کی ہو گویا تیری مروت کا ہر طبق	جاؤں ناکام اگر میں تو نہایت ہے عجیب
یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست	
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست	
کا سہ کیسی ترے مطیع کی کریں خور و کبیر	ہاتھ پھیلائے رہے آگے ترے جم غفیر

ظرف ہیں جن کے بڑے سبب ہیں کہ ہیں فقیر آدم جن و ملک شاہ و گدا میر و وزیر

یا علی کیست کہ شرمندہ احسان تو نیست  
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست

### مسدس و منقبت

درویش جو ہیں مقصد دلخواہ کہیں ہیں سالک جو ہیں وسے راہ راہ کہیں ہیں  
اک واقف اسرار دل آگاہ کہیں ہیں اک چرخ حقیقت کا بچھ ماہ کہیں ہیں

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں  
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

مذکور کہیں نام ترا کام روا ہے مشہور لقب ایک جگہ راستا ہے  
ہر ایک نے کچھ حسب خرد اپنی کہا ہے سمجھا نہ کوئی یہ کہ حقیقت میں تو کیا ہے

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں  
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

من بعد نبی باعث بہبود تو ہی ہے نزدیک خرد مندوں کے مسجود تو ہی ہے  
کچھ کوئی کو خلق سے مقصود تو ہی ہے پہونچیں جو حقیقت کو تو مسبود تو ہی ہے

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں  
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

جس روز سے تو تھانہ کوئی غرضے میں آیا فتنے کو ترے شور نے تاحشر سلایا  
بالفرض فلک سے بھی اگر ہاتھ ملایا اک روز میں کر خاک برابر ہی دکھایا

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں  
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

اس بات کو جانتیں ہیں سب آگاہ تہ کار ایوب نے جب مالہ کیا کھینچ کے آزار  
قدرت نے کیا حق کی ترے پرے میں ظہار صورت سے شفا کی تو ہوا آ کے نمودار

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں  
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

آدم کی انابت تھی شب و روز تری اور قابل ہیں ترے لے کے سیماں سے نامور	جیتے ہیں ملک نام ترا چرخ پہ کر شور اللہ تری تری شوکت و احسنت ترا زور
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں	سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
ہستی ترا جلوہ ہے ترا شور عدم میں ہوتا نہ ترا دست حمایت کا جو ہم میں	تیرا ہی تصرف ہے حدوث اور قدم میں یونس کی توقع نہ تھی اسی کے شکم میں
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں	کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں
پردے میں صدا تھی ترے دُؤ کا الحان جاں بخش دم عیسوی میں تو ہی تھا پیمان	شہ تھ تھ تری چشم کا اک نوح کا طوفان تھا با تھ ترا مجنہ موسیٰ عمران
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں	کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں
یعقوب کا تھا کلبہ احزاں میں تو غنچوار رحمت کا فرشتہ ہو ترے لطف نے پر بار	یوسف کا ملک ہو کے ہوا چہ میں مردگار کی آتش نمرود براہِ سیم پہ گلزار
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں	کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں
اٹا ہے دو انگشت سے دروازہ خیر کیا با تھ تھا جس سے کہ گیا جان سے غتر	چیرا ہے کس انداز سے گہوارے میں زور ظاہر ہے کہ یاں تھا وہی ظاہر وہی مظهر
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں	کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں
ثانی ترا پاتے نہیں تسلیم و رضا میں مشہور سخاوت ہے تری شاہ و گدا میں	ایوب سے ہو صبر ترا سانسہ بلا میں تیں خود کے تئیں بخش دیا راہ خدا میں
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں	کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں
اسے وہ کہ تو ہے جان و جہاں سارا ہر قالب در پر ترے اکٹھے ہیں ترے سیکڑوں طالب	در پر ترے اکٹھے ہیں ترے سیکڑوں طالب در پر ترے اکٹھے ہیں ترے سیکڑوں طالب

اک پل میں دو اکروے تو ان کے مطالب	سم عاجز و عاجز ہیں تو ہے غالب و غالب
کیا مدح ہے یہ جو تجھے سم شاہ کہیں ہیں	سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں
ہے میسر پریشاں دل و آوارہ و مضطر	کیا تیری صفت کر سکے یا حیدرِ صفدر
ہے وصف ترا جیتر امکان سے باہر	کہتے ہیں خرد و تری قدرت کو نظر کر
کیا مدح ہے یہ جو تجھے سم شاہ کہیں ہیں	سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

### مسدس و منقبت

جاتی ہے شب تارے گنتے دن کو پھر تاہو خراب	کتلک اس خاکداں میں جوں بگو لا بیج و تاب
دل تڑپتا ہے جداجی کو جدا ہے اضطراب	ہر گھڑی تازہ تعب ہر دم نیلے اک عذاب
یا علی یا ایلیا یا بواحسن یا بوتراب	حل مشکل سرور دیں شافع یوم الحساب
اب گر آجا ہوں حشم خلق سے لے تک بنجھال	دیکھ مت اس سے زیادہ خوار زار و خستہ حال
مرحمت کر کمر مت کر رنج سے مجھ کو نکال	کتلک مجزوں رہوں میں تاکجا کھینچوں ملال
یا علی یا ایلیا یا بواحسن یا بوتراب	حل مشکل سرور دیں شافع یوم الحساب
کیا لکھے اعجاز تیرے خامہ جاد و شوار	تو وہی ہے نیک لیکن نام تیرے ہیں ہزار
وقت جب ہوتا ہے تنگ سے قدرت پروردگار	نام لے لے کر ترے کہتا ہے ہر اک یوں پکار
یا علی یا ایلیا یا بواحسن یا بوتراب	حل مشکل سرور دیں شافع یوم الحساب
حاجت اہل جہاں وابستہ تجھے ہے مدام	سہل ہیں یاں شکلیں آسان ہیں دشوار کام
عارف و عامی بھول کا ہے وظیفہ تیرا نام	زیر لب ہر اک کے رہتا ہے یہی ہر صبح و شام
یا علی یا ایلیا یا بواحسن یا بوتراب	حل مشکل سرور دیں شافع یوم الحساب

تنگ ہے عرصہ نہایت دم رکھا جاتا ہے آہ  
لیتے ہیں آنکھیں پھپھائے جن پر جاتی ہو نگاہ  
یاس سے جانا بھی نہیں آتا ہے بن لے خضرہ  
آستان بن تیرے دکھلائی نہیں دیتا نیاہ

یا علی یا ایلیا یا ابوالحسن یا بوترا ب

حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

حرف زن ہوتا ہوں سب میں تنگی نوال سے  
لطف بن تیرے چھوڑا دے کون تن جنال سے  
صفہ صفہ در و کرتا ہے تراوش قال سے  
آئی ہے سر پر قیامت شامت اعمال سے

یا علی یا ایلیا یا ابوالحسن یا بوترا ب

حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

آسمان بے تیز و بے تہ و دشمن کمال  
یعنی سر سہلا کے بھیجا بھگا گیا کیسز نکال  
دوستی کے پردے میں کرتا ہوں تجھ کو پا کمال  
اب تلک جیتے تو ہیں پر زندگانی ہو و بال

یا علی یا ایلیا یا ابوالحسن یا بوترا ب

حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

خاک سے یکساں ہوا ہوں ہو کرم سے ہستیار  
دل کو میرے جس گھڑی ہوتا ہے شاہنشاہ قرار  
ہوں گدا اس آستان کا کر ٹیک اک امداد کار  
بار بار آوے ہے ہنسنے پر اس گھڑی بے اختیار

یا علی یا ایلیا یا ابوالحسن یا بوترا ب

حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

سارے عالم سے کرے ہے بخودی چرخ تیزند  
غم فرد کن کچھ نہیں میرا ہے یہ شعر بلند  
لغافہ ہے تنگ از بس اسن کی راہیں میں بند  
پرٹھتے ہیں سب شیخ و شاہ ناتوان و درند

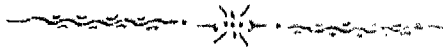
یا علی یا ایلیا یا ابوالحسن یا بوترا ب

حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب

غائباً ہوئے بھم اب میر کو بھی بگ ساڑ  
شام کہتا ہے یہی رکھ خاک پر روئے نیا سر  
آبلہ یک بن گیا ہے جملہ تن ہو کر گداڑ  
ان پر چڑھتا ہے یہی جلے دعا بعد از نماز

یا علی یا ایلیا یا ابوالحسن یا بوترا ب

حل مشکل سرور دین شافع یوم الحساب



## محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

یاد علی رفیق علی رہنما علی  
مرشد علی کفیل علی پیشوا علی

یاد علی رفیق علی رہنما علی  
مرشد علی کفیل علی پیشوا علی

جو کچھ کہو سوا اپنے تو ہاں مرتضیٰ علیؑ

ایمان کی علیؑ کی ولا پر اس سے  
بیگاہ و گاہ ناد علیؑ اپنے پاس ہے

نور حق علیؑ سے ہمیں اقتباس ہے  
یوم التناد میں بھی علیؑ ہی کی اس سے

قبلہ علیؑ امام علیؑ مقتدا علیؑ

انہم اس کا تب ہو روح قدس جب کہے مد  
کہ احمد اس کو سہتے ہیں نکاہے اسے احد

ذیو انکان شوق کامت پوچھو معتقد  
ظاہر اس ایک شان سے شائیں ہیں لائق

شایان حمد و قابل صل علیؑ علیؑ

نے اعتقاد شیخ سے نے کچھ فقیر سے  
ہے لاگ اپنے جی کو اسی اک امیر سے

لے شہ سے کچھ غرض ہے ہیں نے وزیر سے  
رکھتے نہیں ہیں کام صغیر و کبیر سے

امول علیؑ و کیل علیؑ بادشاہ علیؑ

کیا سمجھ شیخ حال کو فطرت ہے اسکی نسبت  
ستین علیؑ نگر ہے مرا میں علیؑ پرست

پہونچے ہے تیرے ہاتھ تک کب سو کا دست  
ہوں جوں نصیری ساتی کو شر کا نحو و مست

پیغمبر اس جگہ کا علیؑ ہے خدا علیؑ

پر اس کو سن رکھ اے کہ تو کچھ درد مند ہے  
دل جمع کر کہ ہمت مولے بلند ہے

شیوہ اگر چہ اپنا نہ یہ و غلط و پند ہے  
کیا ہے جو عرصہ تنگ ہوا کام بند ہے

یعنی گرم شہار ہے مشکلا شاعریؑ

کس طور جیتے رہتے نہ ہوتا جو دہ کریم  
اس کا دہی ہے شافی و کافی وہی حکیم

اپنی بساط تو ہے علیؑ ہے وہی علیم  
بو نکھیں ہیں سکے اور جو ہم ہوتے ہیں تقیم

اعراض ہو کوئی درد نہیں ہے دوا علیؑ

بے لطف اس تجیر ہے کیا موت کیا حیات  
کیا ان مولیوں کے تئیں ہے غم نجات

ہے دوستی علیؑ کی تمنائے کائنات  
یعنی کہ ذات پاک ہے اسکی خدا کی ذات



مرتے ہوئے جنھوں کے دلوں میں رہا علیؑ	یہ کس طرح سے راز کھوں میں زبان سے
حالات اس روض کے پرے ہیں بیان سے	یک شب نبی جو نکلے زماں لامکان سے
ذاتِ مبارک آئی نظر اور شان سے	تھا بزمِ لامکان میں بھی رونقِ فرا علیؑ
گرتا ہے کب قبول اُسے عاقل تمام	خواہشِ مردکی غیر سے یہ ہے خیال خام
لا ریب اُس یہ آتشِ دوزخ ہوئی حرام	کافی ہے دو جہان میں مومن کا میرے نام
اک بار بھی زبان سے جن نے کہا علیؑ	سزا قدم ثباتِ دل و بے گلی ادب
صورتِ پیکر کے سامنے آیا تھا لطف رب	نظارہ ہوئے تھوڑ جہاں میں عجب عجب
محراب میں نہ گرم بکا تھا کد امِ شب	سنتا رہا نہ کون سے روزِ غزا علیؑ
اثرِ در کو چیر ایک ہی دم میں کھیا دیا	عنتر کو نارِ خشم نے اُس کی جلا دیا
ہنگامہ کفر و شرک کا اگر مٹا دیا	خورشید کو نکال دو بارہ دکھا دیا
تھا جانشینِ ختمِ رسل کا بجا علیؑ	گو چشمِ دل کھلے نہ کسی رو سیاہ کی
اُس تک مجال کب ہے کسو کی نگاہ کی	اللہ رسی بلند تری قدر و جہاہ کی
مر مر کے جبریل نے درباں سے راہ کی	شاہِ ملک سیاہ جہانِ صفاء علیؑ
قدرت سے اُسکی قدرت حق ہوتی ہے عیاں	دشمن کو آگئی ہے کب شبنم کہاں
کچھ بھی نہیں ہے پھر یہ جو سب کچھ ہی دیاں	زورِ آدری مزاج میں آوے تو الاماں
ارض و سما کے دیوے قلابے ملا علیؑ	دی تیغ ایسی کس کو کہ جیسی ہو ذوالفقار
مرکب کہاں ہیں کے سے ویسے کہاں سوار	گزرے ہیں گرچہ مردمِ خوب آگے بھی ہزار
پر یہ شرفِ خدا کی طرف سے ہے یہ وقار	خلقت تو دیکھ کہے میں پیدا ہوا علیؑ
کہتی تھی ساری خلق خدا کی اُسے ولی	تھی حق کے ہاں سے احمدِ رسل کو سروری
لطف و سخا و ہمت و حلم و حیا نبی	نسبتِ بنیہر ہوتے ہیں بے اتحاد بھی
جود و عطا و جرات و ہر دو فاعلیؑ	

نزدیک سب کے اُسکو ہے درجہ قبول کا  
کب معتبر ہے حشر کسبو الفضول کا  
ایک غدیہ ہے سید و شیخ و مغول کا  
باطن علیؑ ہے ظاہر خوب رسول کا

خاک اُس کے فرق پر جو کسے تھا جدِ اعلیٰ  
ہر فرد کی زباں پہ علیؑ کی ہے گفتگو  
عالم کو ہے علیؑ کی تو لاسے آرزو  
اپنا ہی کچھ علیؑ کی طرف کو نہیں ہے رو

مقصود خلق و مطلب ارض و سما علیؑ

اک شوق ہے علیؑ کا مرے قلب میں نہاں  
اب زیر لب ہے زبیت میں ہر ہر زباں  
شاید یہی غبات کا باعث بھی ہو وہاں  
اُسوقت میں کہ جان ہو یکدم کی سیماں  
اُمید ہے کہ یو نہیں لبوں پر ہو با علیؑ

### منقبت

ہر اس روزِ محشر کیا محمدؐ مصطفیٰؐ بس ہے  
شفیع جرم سوزِ سینہ خیر اندا بس ہے  
اکرمِ منسلات و فاسیرت علیؑ مرتضیٰؑ بس ہے  
نہ ٹکڑے دل کے کہ مسموم امامِ مجتبیٰؑ بس ہے

لہو مت رو شہید نشہ کام کر بلا بس ہے  
رکھے کوئی تو قہر رکھے آلِ پیمبرؐ سے  
اللب ہو دے سہی گو کچھ تو ہو و لا وحید سے  
دس اپنا بیچ کر دو رقم کے شور و شر سے  
بہت ہے گر چہ ہنگامہ دے زینِ عباسؑ سے

ولا باقر کی غرض عین ہے حیدر پرستی میں  
غرض رہ جو اس کا دشت میں ہو تو سہی میں  
جیا کر نام کو اُسکے تو ہشیاری و مستی میں  
عجب ہے نو نہاں اک سایہ اس باغِ سہی میں  
اکرم اُسکا پئے ہر شخص بے برگ و نو بس ہے

محبت چاہئے صادق جناب پاک جعفرؑ میں  
وہ دم بیاں بھی نشان ہی تھا جو کچھ ساقی کوثر میں  
اسی کا شوق دس میں ہو اسی کا شور ہو سڑ میں  
غنایت کی اسی سے چشم رکھا شوبِ محشر میں  
بلا قصد رنگ ہو دے کیوں ایک سکل و ما بس ہے

رکھے کا نظم کو جو سر پر غم و غصہؑ ت کیا اُس کو  
بیک چشمک زدن حاصل ہو ایسا مرتبہ اُسکو  
ندیشے یہ امام دیں بلا میں مبتلا اُس کو  
کہ رکھے نقش اُس کے سر پہ دکھو بادشاہ اُسکو  
توجہ گو نہ مونسے پئے بہر مدعا بس ہے

جسے اے مجلس آریاں دیں بہرہ وریاں سے  
اُسے اک بندگی خاص ہے شاہِ خراسان سے  
نگہ سال چشم سے آتی ہے خلقِ ایران و تواریں  
گزر جاتے ہیں اُسکے نام پر جنسِ خوش جاں سے  
جو سودا اس سے بجائے تو ہوا رضی رضا ہے

جو وہ دن ہو کہ نکلے آفتاب اُس روزِ کیم سے  
مواکل درمیاں لاویں سخنِ جنتِ بہنم سے  
کریں پرسش بد و نیک عمل کی خلقِ عالم سے  
مخاطب ہم کسوئے ہوں نہ یارب کوئی ہم سے  
تقی تقی ہم کو امامِ اقیاب سے

تقی پاک کا آکر علم سن وقتِ برپا ہو  
الہی ہم سبہ کاروں کی اُسکے سلے میں جا ہو  
وہ حامیِ لطف سے ہو تو کچھ اپنا کام بچا ہو  
وگر نہ زنتی اعمال سے کیا جانے کیا ہو  
دو میں ہوتے تو بس لہا اور یوں ہو تو کیا بس ہے

نہو لشکر کشی سے نم کی ایدل اس قدر درہم  
کر چکا عسکری انبوہ اس اندوہ کا برہم  
عدو مجروح ہے اس کا استبا کا ہے وہ درہم  
رہیں گے نا امید رستگاری اس سے کیونکر ہم  
وسیلہ ہم گنہگاروں کا وہ روزِ جزا سے ہے

اگر چہ اشک آنکھوں میں بول پڑا ہے رستے میں  
وے مستغنیانہ ہر گم و بیگاہ رستے میں  
کبھو ہیں شہر میں جا کر کبھو درگاہِ رستے میں  
کرم پر مہدی ہادی کے ہم گمراہ رستے میں  
ہیں اس وادی پر خوف میں وہ رہتا ہے

کہا تک بت پستی میں جفا و جور کا سہنا  
کہا تک آئینہ سے رخسار پر ہر دم لہو بہنا  
کہن سانی میں کس کا چاہیے جو کچھ نہت  
وے تشقہ صغخانے میں کب تک روزِ خوب رہنا  
گیا دقتِ مہوس کعبہ کو چلیے اب خدا سے ہے

نہیں مشتاق ہم کچھ مال کے اسباب کے زر کے  
انچھے فرش کے طالب نہ پاکیزہ کسوٹھ کے  
تجھے درویش سب کہتے ہیں لوگ چہرے کے ادھر کے  
ہمارا خشر ہووے مرگئے پر ساتھ حیدر کے  
یہی کہ میر تو بھی حق میں اپنے یہ دعا ہے

### منحش و منقبت علی ابن ابی طالب

زرد و ثبات و تاب و تو اں میر تقی علیؑ  
امید گاہِ خورد و کلاں مرتضیٰ علیؑ  
مقصود خلق و خواہش جاں مرتضیٰ علیؑ  
ذکر روان و دردِ زباں مرتضیٰ علیؑ

جو کچھ کو سوا اپنے ہیں ہاں مرتضیٰ علیؑ	
اسکی ولاہی شرط پڑی ہے پئے نجات واہو جو چشم دل تو نماشا ہے اسکی ذات	اس کی ولاہی باعث بہبود کائنات کیا کیا نمود کرتے ہیں اتنے عجائبات
یکسا ہے عرصہ دو جہاں مرتضیٰ علیؑ	
اس راز کو سمجھ بوسکے توارے سمجھ عقل غنست سے بھی اسے کچھ پرے سمجھ	ہر چند کام ایسی جگہ کیا کرے سمجھ یعنی نہ ذات پاک سے اتنا ورے سمجھ
ہے آنسوئے خیال دگماں مرتضیٰ علیؑ	
اس پردے میں جو تھاپس پردہ عیاں ہوا پیر زمانہ دیدہ عالم جواں ہوا	موجود اُسکے ہونے سے روشن جہاں ہوا فرمان شاہ بحر بر آن پر رواں ہوا
چشم و چراغ کون دگماں مرتضیٰ علیؑ	
اس قدر سا تھا کون بغیر از شہ نجف دریائے موج خیز تھا اُسکے کرم نکافت	شخصیت ایسی کسکی تھی کسکو تھا یہ شرف اللہ سے زور کوئی نہ اُسکا ہوا طرف
ابن عم رسول زماں مرتضیٰ علیؑ	
یاران رفتہ کے بھی تردد میں یادگار نکلی نہ ویسی تیغ کہ جیسی تھی ذوالفقار	ہر چند ہے یہ عرصہ ہمیشہ سے پُر غبار لیکن کہاں یہ حربے کہاں ایسے مردگار
دیکھا نہ کھا وہ جیسا جواں مرتضیٰ علیؑ	
ازدیک اہل عقل کے رتبہ ہے اسکا دور ہے جملہ تن منزہ و مستراقدم ہے نور	پا مال راہ اُسکے ہیں سراپائے پر غور شائستہ سجود سمجھتے ہیں ذی شعور
اس بے نشان سے دے ہیں نشان مرتضیٰ علیؑ	
لایا ہے اُسکو شوق ہی اس کا وجود میں کہ سر فرد نہ لادے گئے ہو سجود میں	آیا ہے یہ جو شاہ غیبی شہود میں انداز کیسے کیسے ہیں اُس کی نوید میں
ہے خلوتی راز نہاں مرتضیٰ علیؑ	
کاہیکو اس طریق پہ ہیں محو گمراہی قربان اُسکے در کے گدا پرست کی سہی	کب گفتگو انھوں سے ہے جن میں ہے بے تہی ختم رسل کو قدر سے ہے اس کی آنگہی
نور شید چرخ عزت دشاں مرتضیٰ علیؑ	

بارے چپا ہو کوئی تو اُس کو جتائیے	جو بے بصر ہیں اُن کے تئیں کچھ سمجھائیے
خورشید کو اشارہ دل سے کبتک بتائیے	روشن ہے سب یہ باتیں عبث کیا پنائیے
حاجت نہیں بیاں ہے عیاں مر قنوی علیؑ	
وہ جانے جسکو اور کسوتے کچھ ہووے کام	شام و سحر یہاں تو وظیفہ اُسی کا نام
میلان دل ہے میر غرض اُسطرف تمام	سرمایہ دو جہاں کا ہے اپنا یہی امام
یاں مر قنوی علیؑ ہے وہاں مر قنوی علیؑ	
محشم و منقبت حضرت علیؑ	
یا علی شاہِ ادب ہے تو	محرم راز انسا ہے تو
زور بازو ہے مصطفیٰ ہے تو	منظر قدرتِ خدا ہے تو
علم کس کو ہے یہ کہ کیا ہے تو	
گر جہ آخر کیا ہے تو نے ظہور	پر ترے قرب کا ہے رتبہ و نور
ہے تو اللہ کا مجسم نور	جانے ہیں جن کو کچھ ہے عقل و شعور
اگلے پھیلوں کا پیشوا ہے تو	
تیرے پردے میں حق ہوا موجود	تجھ سے کیا کیا عجب ہوئے مشہود
جانتے ہیں تجھی کو سب معبود	تھا زمین و زماں سے تو مقصود
آرزو تو ہے دعا ہے تو	
اس زمانہ میں آہ دکھ ہے عظیم	ہے مری جان پر عذاب الیم
مستحقِ کرم ہوں میں تو کریم	ملفت ہو بہت ہے حال تقیم
تیرے ہر درد کی دوا ہے تو	
فرصتِ وقت جوں جوابِ حکم	حال مانند موج ہے درہم
دوب جاتا ہے جی مرا ہر دم	جوش زن گو کہ ہو محیطِ غم
انہم نہیں کچھ جو آشنائے تو	
تجھ سے ظاہر ہوئے چھپے سب بھید	جلوہ تیرے ظہور کا جاوید
دُڑے دُڑے کو تجھ سے ہے امید	ون ہو طالع ہوا جہاں خورشید

سب پر روشن ہے کیا چھپا ہے تو  
میر کو کب تک یہ رنج و غم  
اس بھی اندوہیں کو خستہ  
نسب ہے ترا حساب کرم  
یعنی سایے میں ہے ترے عالم  
سارے عالم میں چھپا رہا ہے تو

### مجنس و منقبت

ہے حقیقت سے تو اگر ہم گہ  
یاد میں روز و شب علی کی رہ  
کعبہ اُس کا ہی در ہے لے بلہ  
میرے موٹے کی ذات پاک ہر وہ  
اجسکو کہتے ہیں لا شریک لہ  
اک تظن میں خاک ساری زر  
اک توجہ میں قطرہ آب گہر  
اک نظر میں نہال خشک ہو تر  
اک سخن میں تمام یہ بہتر  
عسجد داعی ابرص داکہ  
ہاتھ پکڑے دم مصائب یہ  
یار ہر دوسے گم نواب یہ  
ہے غرض منظر عجائب یہ  
مستقل ہے نبی کا نائب یہ

جو کہے یہ سو کچھ کرے سو یہ  
ہر نفس لب پہ گفت گو اُس کی  
برزخاں جی کو جستجو اُس کی  
پوچھت کچھ ولا سے تو اُس کی  
مطلب و مدعا و مقصد وہ  
نشان اس رفع تری فلک کردار  
ایکے تو برابر و حصار  
اللہ اللہ ترا ثبات و سراز  
حلم سے تیرے کہتے تھے کہسار  
میکے ایک درسی ہے اوقتیہ

دیکھے لوگ پھر کے چاروں ہم  
مردنی یاں کی جو عجائب سوانگ  
شخص مہمت کی اُنکے ہاتھ نہانگ  
مانگے ہے تو جو کچھ خدا سے مانگ  
جو کہے سے سو تو علی سے کہہ  
نشا داس نام سے جو خوگر ہے  
اسم اعظم ہی مقرر ہے

انس کرنا اسی سے بہتر ہے	یہی جنت ہی تو کوثر ہے
اس میں تو پھر بگاہ یا بیگہ	
خلق سب دیکھے اسکے ہاتھ کی اور	لے سلیمان سے منتقر تا مور
کھن بہت کی اسکے دھوم ہے زور	ظرف ہوتا تو یوں نہ کرتے شور
بہر و عمارت نکل گئے بے تہ	
ہے وہ امید گاہ خلاق خدا	روز محشر اسی سے سب کو رجا
وہ مروت شمار و جملہ حیا	بحر و خار جو دو کان عطا
اُس سے نفع گد امتع شبہ	
مرتبہ کچھ نہ پوچھو اس گھر کا	زندگی یاں کی فخر قیصر کا
شاہ چین پیش دست قنبر کا	آسمان سے گدا اسی در کا
دیکھتے ہیں ادھر ہی مہر و مہ	
مسلکی بہت اُسی کو بن آوے	دولت اُسکی جہاں سے سبھاوے
بار اُس در پہ جو گدا پاوے	ایک آواز کر کے لے جاوے
مال و اسباب ملک و تاج و کلمہ	
میر عازم ہوئے ہو کیدھر کے	جو تلاشی ہو یا ردیاور کے
رنگر دوستی حسد کے	نہیں محتاج ہوتے زہر کے
ہے اسی راہ میں خدا ہمرہ	
مخمس و منقبت	
قدر کو میری بہت ہے برتری	لب مری خورشید سے ہو ہمسری
حکم بزرگھے ہے یاں شیر مری	کر مخالف سوچ کر ملک اژدہری
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
منقبت خوانی سے میری سب ہی شن	اس سوا مجھ میں نہیں ہے کوئی گن
ساتھ سر کے ہے علی گولی کی دھن	مدعی اس کان یا اُس کان شن
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	

ستوں کامل سے تعجب ہے یہ کیا	جو بدن ہو خاک سب بعد فنا
اور اُس سے نے اُنکے نبرے کی جا	برگ برگ اُسکا کرے پھر یہ صدا
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
تھا کبھو عاقل مجب طعنا کبھو	گاہ کرتا گفت گو گم جستجو
اب اخیر عمر سے یہ آرزو	ایک دو دن ترک کر میں اور تو
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
کل منافق ہو کے آیا بہبہا	پھاڑے اپنے منہ کو جیسے اڑوا
غار سا منہ کھولے بھیجکٹ رہا	محرکہ میں میں نے جو آکر کہا
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
دل میں میرے ہے تنائے کہن	ہو میرا بے خدائے ذوالمنن
جنگھڑی ہوویں جدا جان اور تن	ہو میرے ہونٹھوں کے اوپر یہ سخن
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
ہے دلائے الہیت اپنا شعار	جانے ہے اسکے تئیں سارا دیار
زیر لب کہتا ہوں میں پر ابکی بار	تو نے جو میں کہوں سب میں پکار
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
رشت ہستی جائے رستم بار کر	ماروں اک جگی اگر تیرا کر
چپ رہیں موزی دلوں کو مار کر	روزی سداں گر کہوں تلکار کر
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
اے مخالفت بحث مت کرنا بکار	بات ایسی سے ہے جگو ننگ عار
بس کہا اس آستان کا ہوں غبار	کیا کہا تجھ سے کروں میں بار بار
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
شیخ کو نسبت نہیں تجبرید سے	ہے یہ خر جکڑا ہوا تقید سے
یہ عقائد ہوتے ہیں تائید سے	گو کہا اُن نے مربی تقید سے
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
اس عقیدے ہی پر اپنے میں رہوں	گو خوارج کے ستم اس میں سہوں



بے ولا حیدر کے ہوں میں تو نہ ہوں	لب لہیں جب تک یہی تب تک کوں
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
اب ہوا پیری سے ٹک میں مصحح	در نہ تھا یہ شور تاپسین و چگل
شوق میرا کچھ نہ تھا بے حد دل	رات دن رہتا تھا کہمت متصل
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
اے مرے سر پایہ ہر دو جہاں	عشق تیرا ہے مرے ہمراہ جاں
ہو اگر تن پر مرے ہر موز باں	بیگماں سرزد ہو اس سے ہزباں
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
ہوں اگر یار گدا و شاہ میں	پر ہوں سرکار سے آگاہ میں
دل وہیں ہے گو چلوں سوراہ میں	میر جی باور کرو و الشد میں
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری	
<b>مخمس در مشقت</b>	
عقل ہے تو مرا کہا کرتو	محو یا دغلی رہا کرتو
اک طرح یہ بھی ہے رہا کرتو	اشک رخسار پر بہا کرتو
یا علی یا علی کہا کرتو	
نہیں ورد و وظیفہ کچھ درکار	سمجھ کر دانی سے کر استغفار
اُسکو چینا ہے عاقلوں کا شمار	چپکے چپکے ہو یا پکار پکار
یا علی یا علی کہا کرتو	
مستحق اس پہ ہیں خواص و عوام	کہ ولا اسکی معرفت ہے نام
ہو نماز سحر کہ طاعت شام	سرفرو کر پس از ورد و سلام
یا علی یا علی کہا کرتو	
لحظہ لحظہ جدا ہے اسکی شان	اسکی عادت مروت و احسان
دوستی اسکی عین ہے ایمان	چلے جب تک زباں غنیمت جان
یا علی یا علی کہا کرتو	

ایسے مظہر کا فہم ہے دشوار  
ہے یہ وہ ایک جسکے نام نہارا  
گرم قبیح اُس کے ہیں ابراہا  
اللہ اللہ کی جا بھی سو سوار

یا علی یا علی کہا کرتا تو

وہی احیا کن عظامِ رحیم  
وہی روحاں وہی رُوحِ رحیم  
دمِ بخشش وہی رسولِ کریم  
گر جرات وہی علیِ عظیم

یا علی یا علی کہا کرتا تو

جو انواع دشمنوں کے سہ  
پر نہ کر یا رگفت گو بے تہ  
دوستی میں علی کی بیخود رہ  
بات یہ ہے گی اور کچھ مت کہہ

یا علی یا علی کہا کرتا تو

اسم یہ ایک جو مکرم ہے  
یہ سب اوراد پر مقدم ہے  
سب کے نزدیک اسمِ عظم ہے  
غرض اسے نقشیں جو آدم ہے

یا علی یا علی کہا کرتا تو

رہ دلائے علی کا خواہشمند  
ہے یہ شیوہ خدا رسول پسند  
دب کے ہرگز نہ رکھ زبان بند  
پست کرنے کو مدعی کے بلند

یا علی یا علی کہا کرتا تو

بدر آسا علی تمام ہے نور  
بھول مت اسکو گرنے پر شعور  
ذات پاک اسکی ہے علیم صدور  
یاد خاطر رب ضرور ضرور

یا علی یا علی کہا کرتا تو

سو پ رکھا اسکو نئی نوت و حیات  
بس ہے اسکی دلا برائے نجات  
رحمت صرف ہے علی کی ذات  
باتیں یوں سوتیں پر یہی حیات

یا علی یا علی کہا کرتا تو

شوق تیرے تیں نہیں ہی سنونڈ  
اس طرح جیسے طفل نو آموز  
ورنہ سینہ رہا کرے بر سوز  
سیکھے جو حرف وہ کے تہذیب و نز

یا علی یا علی کہا کرتا تو

ورد اوراد کا نہ لے تو نام  
شغل و اشتغال چھوڑ بیٹھ تمام

ذکر اذکار سے تجھے کیا کام	ایک دو دم ہمیشہ صبح و شام
یا علی یا علی کہا کرتا تو	
خوف عشرے میں حال ہے کیا	یہ حواسوں کا اختلال ہے کیا
اُس سے محسوس رہا مال ہے کیا	ہے علی تو یہ پھر خیال ہے کیا
یا علی یا علی کہا کرتا تو	
<b>محسوس در مقبوت</b>	

اے نائب مصاحب ذی القوۃ المستیں	دے دست زور خلوتی قدرت آستیں
چاہے تو ایک کر دے ابھی آسمان میں	ٹھوکر لگے تری تو اڑے کوہ آہنیں
پایا نہ جائے جیسے پر کاہ پھر سہیں	
تو ہے کہ تیری قدر نہ آئے بیان میں	قدرت تری نہ گزرے کسو کے گمان میں
شانیں ہزار قسم ہیں اک تیری شان میں	شہرت ہے تیرے زور کی دونوں جہان میں
نکلا نہ شہر بند عدم سے تراقیریں	
غیب و شہود دونوں میں مشہود ہے تو تو	ہستی ہماری وہم ہے موجود ہے تو تو
حاصل کہ وہ جہان کا مقصود ہے تو تو	موجود تجھ کو جانے ہیں مہبود ہے تو تو
ناجی ہیں دے ہی لوگ جنھوں کا ہو یہ نقیبیں	
احوال خوش انھوں کا جنھیں تجھے ہے دلا	اعداء تو آسمان نے دیے خاک میں ملا
آئینہ ہے کہ دین کو تجھ سے ہوئی جلا	برباد وہی رہے گا جو تجھ تک ہے سلسلا
یاروں نے جتنی رہیں بھائیں تھیں ٹھہریں	
فتنے کو تیرے عہد میں سوتے گزر گئی	آشوب کی خطر سے تری سدھ بسر گئی
آفت کہاں کہ کب کی کنارہ بھی کر گئی	آوازہ تیرا نکلے بلا جیسے مر گئی
یوں مٹ گئے فساد کہ مذکور بھی نہیں	
داؤد ہوا جو تو تو ملی بیگیوں کی داد	تلوار مارنے سے ترے مٹ گئے فساد
اٹھے نہ گرد زندہ و کفر پر عباد	زنا روٹے مہرے جلے مٹ گئے بباد
برہم ہوئے ٹھٹھی میں ہزاروں برکے دیں	

سہنگائے گرم یاروں کے سب سرد ہو گئے  
چہرے منافقوں کے ودھیں زرد ہو گئے  
سرد رنقاب خاک بڑے مرد ہو گئے  
جن سے تھا پر غبار جہاں گرد ہو گئے

گلوں میں بکریوں کے چھپے شیر ختم گئیں  
بھاگے پھرے پتنگ غم ہانپنے لگے  
روکش جو ہونے کو تھے سوئے دھانپنے لگے  
لہنے لگے پہاڑ فلک کا نپنے لگے  
رستم ہو جو اس زمیں نا پنے لگے

رکھا گیا ہے پیٹھ پہ مرکب کے تیرے زیں  
لہو اتر تیری برق تھی آنکھیں جھپک گئیں  
گھوڑوں کی باگیں ہاتھ سے سب اچک گئیں  
لاشوں کی سیر کرتے ہوئے آنکھیں تھک گئیں  
بھاگیں جو اضطراب سے فوجیں بہک گئیں

لو ہو کی بر جہا رط نریاں ہمیں  
نفرہ کیا ہے تو جو کھو ہاتھ بھاڑ کر  
نکلا ہے پردہ گوش فلک کا بھی بھاڑ کر  
قوت جو تو نے کی ہے کھو پاؤں کاڑ کر  
کوہ گراں کو پھینک دیا ہے اکھاڑ کر

ہو چا ہے ملک قدس تلک شور آفریں  
رکھا ہے پائمال حادثہ یہ تم سماں  
جاگہ نہیں رہی کہ کریں داد جائے اں  
ہو دستگیر لطف ترا تو ملے اماں  
تیری طرف نہ آویں تو پھر جاویں تم کہاں

اے عرش تحت داد گر لامکاں کمیں  
تو ہے کہ تجھ کو کہتے ہیں حلال شکلات  
تو ہے کہ تجھ سے دید میں آئے عجائبات  
تو ہے کہ حلقہ زن ہے ترے در پہ کائنات  
ہر گے سے ترے سیکڑوں بھیڑیں سر گئیں

قدغن ہوا جورج کا بدعت کی ایک بار  
پر دوں میں مطربوں نے رکھی دف طمانچہ مار  
نغمہ یہ سن کے یاروں نے چھیڑ اکھو نہ تار  
نالہ ہوا نہ لبس طنبہ رسے دو چار

آواز نے کی بند ہوئی ہو گئی حسرتیں  
ترو امنوں کے دیکھے تو لب خشک ہو گئے  
احوال میگردے یہ بہت بر رو گئے  
معتادے جنہوں کی تھی سب جان کھو گئے  
مختور بکھینچ بکھینچ کے خمیازہ سو گئے

کیا کیا حسرتیں ابیاں نہ خرابات پر رہیں  
لاشکل اس کی دل میں وہی نہ صف کو دیکھ  
اُس رخ کا کر تصور نور خد اکو دیکھ

گجستان میں دلبروں نے نہ پھر انکھڑیاں ملیں

حاکم یک آ شمال ہے یا معن برنہ چلیں

مسجد دہو جو صبح سادگی وہ تمہیں

رونی فزائے کعبہ محمدؐ کا جانشین

ہے قسم شوق عینک شفاف دور میں

سیری و لاہے داخل ایمان مومنین

خوش مت گراہ اس سے زیادہ نہ کریں

بر سے انھوں نے اوس کی جاگہ در تھیں

## پنجمں در منقبت

پارساہیں جو جواں پیر ہدی کہتے ہیں  
ساکب مسلک دل را ہنما کہتے ہیں  
جو ولایت رکھے ہیں شاہ ولا کہتے ہیں  
ایک مولا کہیں ہیں ایک خدا کہتے ہیں  
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

آفتاب فلک عز و علا تو ہی تھا  
جانشینی پیغمبر کے سزا تو ہی تھا  
چہرہ آراے زمیں اور سما تو ہی تھا  
قالب خاکی کے پردے میں خدا تو ہی تھا  
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

ہے تری قدر سے بے ختم رسل کون آگاہ  
زور سے تیرے اڑے کوہ بساں پر گاہ  
عجۂ اشان تری صل علی تیری عباہ  
وہ ثبات اس قد و قامت پر یہ قدرت ہو واہ  
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

تجکو وہ خسلوتی راز نہاں پاتے ہیں  
افسرو تخت ترے در سے شہاں پاتے ہیں  
بسکوا بخلق میں سر جائے عیاں پاتے ہیں  
مترے سجدے کا شائستہ کہاں پاتے ہیں  
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

پاشکستوں کی ہوئی کامروائی تجھ سے  
گھٹتی آئیں کی گئی ملک نہ اٹھائی تجھ سے  
بستہ کاروں کی ہوئی عقدہ کشائی تجھ سے  
رہ گئی دین محمد کی بڑائی تجھ سے  
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

خشمگینی تری دشمن کے سر آفت لالی  
روکشی ہمدیں از در سے نہ ملک بن آئی  
عمر و عنتر نے سنبھلنے کی نہ فرصت پائی  
زور قدرت نے تری قدرت حق دکھائی  
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

مشور و منجمانہ تھا کیسا ہی مٹایا تو نے  
در خیبہ کو دوا نکشت سے ڈھایا تو نے  
صنچ عشرتیں فتنے کو سلایا تو نے  
کارٹھ خورشید کو دوبار دکھایا تو نے  
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

عالم کون و فساد آکے کیا تو نے پاک  
زیو سرکش ہوئے آوازہ ترا سے ہلاک  
دہر گلزار ہوا جھڑ گئے خار و خاشاک  
پردہ قاف تلک پہونچی تے زور کی ہلاک

یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں	
بھیڑ بکری کی طرح خون سے رہتے تھے دیر تو نے سلاں کے لیے توڑ دیا پنجہ شیر	تھے تو ی پنجہ ترے زور شجاعت سے شیر ہرزبردست زمانے کا رہا تیرا زیدیر
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں	
ہے فضیلت تیری قرآن سے ثابت سب پر جس جگہ تو ہے تو وہاں جلتے ہیں جبریل کے پر	تجھ سے پایا نہ گیا بعد نبی فاضل تر قرب کیا تیرا بیاں کیجیے اسے فخر بشر
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں	
خاتمہ حق سے دیا شرک کی صورت کو مٹا عرش اعظم سے بھی تھی در نہ پرے تیری جا	دوش پر رحمت عالم کے رکھا تو نے پا عالم خاکی میں تھا مصلحتاً جلوہ بنا
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں	
ایک رتبے کے تئیں پہونچی ترے جلو سے خاک پر کہاں عالم خاک اور کہاں عالم پاک	اسے ترا مرتبہ بالا تر فہم و ادراک ہیں ترے شوق میں گزشتہ شب روز افلاک
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں	
در نہ کن نے تجھے جوں چاہیے پہچانا ہے ایک نے ذات مقدس بھی کو جانا ہے	اپنے اسرار کا تو آپ ہی کچھ دانا ہے ایک فرقتے نے تجھے روح خدا مانا ہے
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں	
یعنی مداح ترا کیونکہ ہوا کن ہے میر تین فقیروں کے تئیں بخش دیے تلج و میر	شان و شوکت تیری کیا کر سکے عاجز و فقیر زیب دیتی ہے تجھی کو شہی کل امیر
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں	
<b>محش و میگر</b>	
ذی عز و اسوای خدا خویش مصطفیٰ بُت توڑ توڑ شرک کی صورت دیے مٹا	اے مرتفع نشین علی العرش استوا تو تھا کہ تو نے دوش نبی پر قدم رکھا
الا یا زور در عرصے میں کیتا لی خدا	
افضل ہوئی سب سے ترے خلقت بشر	کہتے ہیں تجھ سے چشم کرم صاحب نظر

تو جس کمال ہے تو مصداقِ منہر ہے مورد قبول دعا تیرے گھر کا در

ہے مولدِ شریف ترا خانہ خدا

ہر موزبان ہو تو کریں وصف ہم ترا  
گردن ہوئی جہان میں آیا قدم ترا  
اگر تار با ہمیشہ مسجائی دم ترا  
بر پانہ ہووے روزِ حسرت اگر علم ترا

انور شید حشر سایے میں کسکے ہو پھر کھڑا

تو وہ ہے نام لیتے ترا بھیجتے درود  
شخص کرم کے وقت دہش تیرے کیا نمود  
گزرے اگر تو دل میں تو کر بیٹھتے سجود  
تو گرم جود ہووے تو پھر کیا بلا ہے جود

تیری سخا کے روبرو کیا چیز ہے سخا

آگہ ہیں تیری قدر سے کا ہے کو بے تہاں  
تجھ سا کریم عرصہ میں آفاق کے کہاں  
جائیں ہیں فخریاں کی گدالی کے تیں نہاں  
ہے در ترا وہ کان عطا و کرم جہاں

ہوتی ہے سیر آن کے حرص شہ دگدا

مقدور والے عہد کی گھٹی سہاگے  
دور یا گھر کے ہاتھ سے تیرے بہاگے  
افسانے تیری جود کے ہر دم کساگے  
احساں پہ تیوسے سیکڑوں احساں رہاگے

ہمت نے تیری ہمت عالی سے کچھ بیا

دکھلاوے چند چرخ نشیب و فراز کو  
کرناز ایک لطف سے میرے نیاز کو  
پیوند کر زمین کا غم جہاں گداز کو  
تو وہ امام ہے کہ جب آوے نماز کو

پیشینیاں تمام کریں تجھ سے اقتدا

ہر اک کو اس تقدس ذاتی سے کیا خبر  
نہ تقصیر دلوں کو نہ یاری کرے نظر  
پہچائیں تجھ کو کیونکہ عسکرِ یزدان بے خبر  
پر علم ہو رہے گا کہ تھا حق ہی جلوہ گر

پردہ یہ بیج سے بشریت کا جب اٹھا

جاگہ ہر ایک دل میں تیری ہی ولا کی تھی  
تجھ سے شہانِ عہد کو نسبت گدا کی تھی  
تیرا ظہور آرزو ارض و سما کی تھی  
قدرت جو دیکھی تیری سو قدرت خدا کی تھی

اگر آسمان حریف ہو خاک میں ملا

زور آوری جہاں میں تری داستاں ہوئی  
کتنوں کی جان سانسے تیرے رداں ہوئی  
عرصہ کے پہلو انوں کی قدرت عیاں ہوئی  
کتنوں کی روزِ نشیبت ہی خاطر اشاں ہوئی



سیس تری کماں کی نہ کوئی اٹھاسکا  
فرضا ہوا غلام سے تیرے اگر بگاڑ  
دشمن سب آئے سامنے ہر ایک جوں بہاڑ  
مارا نہ ایک دوسری کو میدان میں کھچاڑ  
جس کی طرف کو آن جھکا بھر جھکا دیا  
ایا ڈپٹ کے گھوڑے کو جوت بھڑچیر  
خرگوش تھے بہیر کے گویا جوان و پیر  
سرگرم و زرم جب کہ ہو اکہ کے گیر گیر  
اُسکی کماں کے ساتھ تھا پیغام مرگ تیر  
تلوار اُسکے ہاتھ میں تھا نامہ فنا  
بہترے کوہ و دشت کو بھاگے کدھب گئے  
جوترا اوھر سے تیرا دھر سہم سب گئے  
جھکی اوھر سے تیغ اوھر سر جدا ہوا  
ہے کون داد رس جو کہوں اس سے اپنا بھید  
جو زفلک سے پھاتی میں سب پر گئے ہیں چھید  
کم بخت بھی پھر نہ ترے در سے نا اُمید  
از بسکہ وقف کرتے ہیں دن طالع رسا  
ہر شب یہ دل خفا ہے یونہیں عمر ہو گئی  
ہر روز اکب جفا ہے یونہیں عمر ہو گئی  
جی پر غرض بلا ہے یونہیں عمر ہو گئی  
ہر صبح خون دل ہے جھبے آب و ناشا  
آوارہ گرد باد و دشت میں دت پھرا ہوں میں  
یعنی برہنگی سے تو طک بچ رہا ہوں میں  
تہ گرد کی جو بیٹھے ہے تن پر سو ہے قبا  
اس شہر میں ہوں دیر سے آوارہ بے وطن  
القصہ حال بد سے کروں تا کجا سخن  
مرنا بتا نہ اُس سے کہ پیدا نہ تھا کفن  
احوال میرا تجھ پہ ہویدا ہے من و عن  
اظہار اس پہ پھر ہے طبیعت کا مقتضا  
پھوڑا سا یک رہا ہوں سبھی در زناک ہوں  
یہ جی میں آرزو ہے کہ جب مر کے خاک ہوں  
لاوے بخت کی اور اڑاتی ہوئی صبا

امداد کر کہ پہونچوں ترے آستانِ ملک  
لے جاوے اشتیاق مجھے کھینچ وائے ملک  
ہر در پہ اضطراب پھر اے کہاں ملک  
یوں اتفاق پیدا کروں صرف جاں ملک

مقصد یہی ہے دل کا یہی جی کا مدعا

یوں کشتہ چند مرتبہ و صباہ کار ہوں  
کب تک ہلاک مطلب دلخواہ کار ہوں  
جی چاہتا ہے خاک ہو اس راہ کار ہوں  
پامال ترے زائر درگاہ کار ہوں

الحاج شرف ہو سر پہ مرے عاقبت کوتا

بے اختیار روؤں ہوں ہر صبح اور شام  
یعنی کہ شوق در کا ترے دل کو ہے تمام  
مقصد اسی کو جانوں ہوں سمجھا یہی ہوں کام  
اے جد پاک حضرت موسیٰ رضا امام

اپنی تو آرزو ہے یہ آگے تری رضا

سیتہ سیتہ سیتہ سیتہ سیتہ سیتہ

## ہفت بند

السلام اے رازدارِ داورِ جان آفریں  
قوات تیری جوں خدا کی ذات ہے والا صفات  
یہ شرافت یہ سیادت یہ تقدس یہ کمال  
تو ولی ہے تو وحی ہے تو علی ہے تو وہ ہے  
کیا تعقل کیا تحمل کیا تجتہ کیا دثار  
سید برحق شریف النفس شہرِ روزگار  
پیشوائے پیشوایاں سجدہ گاہ مومنوں  
مظہرِ سداً عجائب مسدودِ لطف و کرم  
مقصدِ دلِ آغشایاں مدعا ہے عاشقان  
دارتِ دینِ داورِ عادل شفیعِ روزِ حشر  
مالکِ ملک و لایت ساکینِ عالم پسند

السلام اے لامکاں کے حاکمِ سند نشین  
بے شریک و بے عدیل و بے نظیر و بے قرین  
یہ تنزہ یہ تفسلی یہ تفوق ہے کہیں  
جس سے بالا تر تصور کیجئے تو کچھ نہیں  
طفلِ کتب درس گمہ کا ترے عقلِ اولیں  
باغِ عزتِ سپہرِ موجبِ دستِ یزین  
زمینتِ بطنِ ادیبِ ربِ رونقِ اسلام و دین  
زیبِ منبرِ جانشینِ رحمتِ للعالمین  
آرزو ہے اہلِ عرفانِ مطلبِ اہلِ تقیہ  
حافظِ عرشِ برین و حامیِ شریعِ کتبیہ  
بادشاہِ صاحبِ استقلالِ امیرِ المومنین

نعمتِ تیرا عدل ہے سب ملک تیرا ہے سرور

مجرم و اندوگہیں ہوں ملقت ہونا ضرور

## بند دوم

سے مرے مولے مرے صاحب دھر بھی کر  
مکرمت یک گونہ کر یہ خاک ہو جاتی ہے زر  
نے مجھے کچھ مکر اوے ہے نہ مجھ میں کچھ ہنر  
ہے دماغ بے دماغان محبت عرش پر  
میل کلی دل کا ہوتا ہے تری جانب مگر  
گوشت زود تیرے ہو فریاد تو ہے بے اثر  
دیکھنے کو بھی نہ آتی تھی میر حشیم تر  
اپنی پلکوں سے سئیں عشاق کے زخم جگر  
قدر تیری ایسی والا حاجت اپنی کس قدر  
خاک بر سر زندگانی کب تلک کرے پسر  
ایک شاخ آرزو انہی نہیں لاتی ثمر

اسے مرے سرمایہ دنیا و عقبی لطف کر  
لطف تیرا مس سے میری کمی سازی کرے  
رحم پر موقوف ہیں سب کام اس ناکام کے  
سرفرد لانے کو جی کب چاہتا ہے سب کا پس  
وقت جب ہوتا ہے خاص سے خاص العین  
تو نہ پہونچے داد کو تو ہائے کیا بیداد ہے  
وقت خوش وہ تھا مسرت بخش کتنا خلق کا  
شاہ عدل آنکھ میل کر کرے تو خوب رو  
کیا بیاں اب کرے شرم آتی ہو عرض حال سے  
تو وحشت ہے طبیعت میں لبان گرد باد  
آبیاری تیری یہ اور باغ سب سرسبز ہے

بار بے برگ کی گراں ہے اور میں ہوں توان  
بے نسیم فیض تیرے اس چمن میں میں کہاں

## بند سوم

جہلہ تن عزت سرا یا دوسر و کسیر اعتبار  
را تجھنے کی جائے حشمت سیر قابل اقتدار  
نوع انسان کا تمامی تیرے اوپر افتخار  
ہیں فسانے زور کے تیرے جہاں میں باہکار  
لافتی إِلَّا عَلٰی لَا سَیْفَ إِلَّا ذُو النِّفَارِ  
جسکے نکلنے نے حس و خاشاک نے گرد و غبار  
تو ہوا ہے اُس روش اس بادِ سپا کا گزار  
پھر کھلے پر آنکھ کے رہ جائے میں حیران کار  
روز میدان سایہ شمشیر میں ہنسنا شعار  
بہ ترے اوصاف سے ہیں قریب و شہر و دیار

سے شہ خوبی نسب والا حسب عالی تبار  
اللہ زور بازو قدر و قدرت دیدنی  
قدس کے باشندہ گاہ کا ناز تیری ذات پر  
قلع خیمہ مرگ اژدر کھینچنا خورشید کا  
جھک گئے گردن کشوں کے جہاں میں نے کہا  
تو کسے جار و بھٹی میدان کیں کی تیری تیغ  
تو نے چھڑا ہے اگر مرکب کو اپنے کسکے ہاں  
جوں کوئی بجلی چمک جاتی ہے گاہے پیش چشم  
گوشتہ محراب میں راتوں کے ٹہکے نے سے کام  
کیا چھپی ہے کچھ یہ شخصیت جو نیاں ہر کردوں

ہے گہر بخشی سے تیری ابر نیساں بیکٹنہ

مہر باں ہو یک نظر اس چشم نیم کی اور دیکھ  
دیکھ مت میری طرف اپنے کرم کی اور دیکھ

بند چہارم

کیا گد کیا شاہ دونوں تیرے در سے کامیاب  
کوئی بیگانہ تری تقلید کیوں نہ کر کر سکے  
حیف وہ بے تہ نہ رکھے جو کہ تیری دوستی  
عقل کا معقولہ تو ہے خلق کا مقبول تو  
بجھ سے روئے بخت کس کو غیر علام الغیوب  
جب کوئی ساقی کہیں تجھ سا ہشتی روئے  
غیر کی گیسو ترے داموں تو کھلیا تا ہے جی  
تو تو قلع کی جگہ سب کی بھی سے چشم داشت  
لطف بے پایاں ہے تیرا سایہ گستر خلق کا  
ہے جہاں تیری سخاواں بحر و بر کا کیا شمار  
شرح و سعت دامن دولت کی تیرے کیا کروں

تیری بہت تیری جرات تیری طاقت تیرا زور  
تو ہی رہے تو ہی ہو جھے تو ہی دیکھے اپنی اور

بند پنجم

اے بسان کو تیرے طوف میں دو جانب  
جوش بارے فیض کا چشمہ ترا تو بحر ہے  
آب شرم رشک سے تیرے ستارہ صبح کا  
کیا بلندی قدر کی اللہ کیا شان رفیع  
زور الیسا کا ہے کو بالقوۃ انسان ہے  
گرچہ عالم دیدہ حضرت خضر بھی ہیں آدمی  
تجہ پہ نطل اللہ کا اطلاق شاہانہ مست ہے

نام تیرا حاکمان عرش کا در و زباں  
زمزم تنیم پھر میں ایک دو چکر کہاں  
خاک تیرے آستانے کی جبین راستاں  
جس جگہ تو ہے نہیں ہرگز رہ و ہم گیاں  
بے مزہ ہو تو ملا دیو سے زمین آسمان  
پر نہیں ہوں کو مطلق یاں کی صحبت کا دھیاں  
چتر ہے خورشید تیرا چرخ تیرا ساں باں

شیر ہو نا تیر کیا سمجھ بڑا حش ہے شیخ  
سُن طلسمات جہاں کے سبیاں ہیں بچہ پیر از  
نور سے تو بارہ کا بل قدر سے چرخ بریں  
کیا تسلط کیا تحمل کیا تمول کیا شکوہ

شیر ہو نا تیر کیا سمجھ بڑا حش ہے شیخ  
سُن طلسمات جہاں کے سبیاں ہیں بچہ پیر از  
نور سے تو بارہ کا بل قدر سے چرخ بریں  
کیا تسلط کیا تحمل کیا تمول کیا شکوہ

یہ طرح پاتے ہیں تجھ میں سب رسول اللہ کی  
رشتہ ہے نام خدا تو اب رسول اللہ کی

### بند ششم

اے مرے والی مرے مقصود ہم نام خدا  
دیکھ کر اندیشہ تجھ کو عرش پر جاتا رہا  
قدر تیری ہے جہاں وہاں گفتگو کو قدر کیا  
ہرزماں میں ہر نکاں میں شان تھی تیری جدا  
تو ہماری آرزو ہے تو ہمارا اندعا  
عشق تیرا دوستی تیری فقط تیری ولا  
تو ہی یاں حاجت روا ہو تو ہی یاں مشکل کشا  
کس سے کہئے کس کے لیجائے بھر التجا  
اپنے ہاں جو ہے سو تو اسے شافع روز جزا  
ہوں زباں و دل موافق جگہی ہو نچے قضا  
ہے رضا مندی تو اپنی اسمیں آگئے جو رضا

اے چراغِ جہلہ نور خدا ندان مصطفیٰ  
ہے تو تو مخلوق لیکن عقل میں آتا نہیں  
تو جہاں ہے اُس جگہ کیا آسمان کی قدر سے  
کاہ احمد گم احمد کا ہے علی پایا تجھے  
قرط عشق اپنے سے کیا حرف و سخن ای کام جاں  
مطلب اپنا مقصد اپنا حاصل اپنی رست کا  
تجھے ہم خواہاں مطلب تجھے ہم جوئے کام  
تجھسا حاکم تجھ ساد اور تجھ سایا ور چھوڑ کر  
تو ہے وارث تو ہے مالک تو ہی صاحب تجھے ہم  
اعتقاد اپنا یہی یارب ہے ہنگام مرگ  
دم بدم ہو نچھوں کے اوپر یا علی ہو یا علی

ہم ہی فردوس سمجھ ہی اسی کے تیئں نجات  
رزق گان شوق سے بس اور کیا بوجھو بوبات

### بند ہفتم

اے نرائے عزت و مسجد انبوہ امام  
تیری قدر و منزلت میں ہر کسی کو کیا کلام  
شہر گرد ایسے بہت دیکھے ہیں پھرتے نام  
قیصر و فقور رواں ہوں بندگی میں جوں غلام

اے امام واجب التظیم و باب احترام  
تیری قدر و منزلت ختم رسل سے پوچھیے  
تجھ نسخ پر نور سے نسبت نہیں ہی بدر کو  
دے جہاں عرض تکرار حشمت و شوکت تیری

سام کو تب پوچھتا ہے کون رستم ہے کلام  
تو لیک مقدر ہے تو عزیز ذی انتقام  
تو ہی اپنا پیشوا ہے تو ہی اپنا پیش امام  
لیک حسان عرب سے کم نہیں کچھ میرا نام  
اس فصاحت سے عبارت اس بلاغت سے کلام  
یہیں مدحت سے ترے پڑھتا ہر عالم صبح و شام  
یعنی ہووے جس کا مد کا قبول خالص عام

جب تری زور آوری کی عمر کے میں دھوم ہو  
تجھ سوا جو رفلک کا کس سے بدلا جائے  
دست بستہ اقتدا ہم سے کس کی کب ہوئی  
گرچہ کہتا ہے زبان ہند میں یہ منقبت  
اس ادا سے گفتگو اس حسن سے طرز سخن  
ہیں متاع نیک یاں اشعار مولانا حسن  
تو خریداری کرے ٹکد بھی تو قیمت ہو و چند

سو خدا ناکر وہ ہمیشہ نہیں کرتا فقیر  
آزاد ہوتی نہیں ہے غیبت ایمان میر

### ترجیح بند در نقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ

باب لعظیم ہے علی کا گھر  
ہے علی افتخار نوع بشر  
نزالت ہے علی کی بالا تر  
مصدر صد ہزار فضیل و ہنر  
کر دیے خاکوں میں بھوسے سر  
زور اچنبھا عجیب زور آدر  
یہ جو کہتے ہیں پاس ظاہر کر

قابل سجدہ ہے علی کا در  
ہے علی ہی کا نام موجودات  
فرش رہ عرش ہو نہیں سکتا  
نبج لطف و مظهر احسان  
تھا پر آشوب جسکے شور سے در  
قدرت اُس کی خدا کی قدرت  
اعتقاد اپنے کو چھپا یا ہے

ہم علی کو خدا نہیں جانا  
پر خدا سے جدا نہیں جانا

جان بھی اپنی ہے علی کی نیاز  
حرمت کعبہ آبرو سے حجاز  
ہوویں یاد و جو طالع ناساز

ہے علی جملہ عزت و اعزاز  
غم شریک محمدؐ عربی  
خاک دروازہ علیؑ رہے

لے حسان عرب اور حسان بن ثابت انصاری سے جو حضرت علیؑ علیہ السلام کی مدح نظم کرتے تھے ۱۲  
۱۳ م۔ ان سرکاشی انکی تصنیفات سے بہت بند کاشی منقبت حضرت علیؑ میں مشہور و معروف نظم ہے ۱۲

یہ اس ترجمہ بند در نقبت حضرت علیؑ کا ۱۲۳۱ھ تک کسی مخطوطہ میں نہیں ملے بلکہ غیر مخطوطہ نسخوں سے ملے گئے ہیں ۱۲۳۱ھ

<p>روحی کی طرف ہی رکھ اس میں ہو سکے تو علی پرستی کمر ہے علیؑ وہ کہ چرخ و باہ و مہر محو یاد علیؑ ہیں جو اُن کو ہے علیؑ سے علی طلب شد و دُر قبہ کعبہ خدا رسول علیؑ</p>	<p>در فردوس منہ پہ ہو گایار تو میر اسلامیوں میں تو ہمتا ز اس کی قدرت پہ سب کہیں نیا ز نے سر سجدہ نئے و مانع نماز و دوستی کشتگان قلب گداز گفتگو شوق کی بہت ہو دراز</p>
<p>ہم علیؑ کو خدا نہیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا</p>	
<p>ہے علیؑ جانفیں پیہر کا زور بازو سے اُسکے کیا کہئے کر گیا گم ٹبروں ٹبروں کے حواس جذب خورشید کس طرح سے کیا سرکشان جہاں نے جھاڑے کان تیغ اُس کی تھی برق ابر بہار بارش ابر طوف بن اُس کے کیا ہمارا شعور جو سمجھیں عقل کل پر بھی کرنا شکل ہے</p>	<p>زیب مسجد ہے حسن منبر کا ہے زباں زود فسانہ خمیر کا چیز نا کو دکی میں اژدر کا وقت کم تھا نماز و نیکی کا سُن کے احوال عمر و عنتر کا کٹ گیا جس سے رنگ اکثر کا رفع کیا ہو غبار دل پر کا مرتبہ اس سبھوں سے بزرگ کا فرق ظاہر سے ایسے منظر کا</p>
<p>ہم علیؑ کو خدا نہیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا</p>	
<p>ذات پاک اُسکی ہے خدا کی ذات علم و قدرت نہ بابت مذکور وہ نہ ہوتا سب تو پھر کیا تھا نہ تو دس عقل و نہ فلک مچتے حال روشن نہ روز کا ہوتا اُس کے مقدم سے نور ہے و نہ</p>	<p>جمع واجب کے اسمیں سب ہیں صفات دم زدن یہ نہ جائے حلم و ثبات کیسے ہم تم کہاں کے موجودات نہ ستارے نمود کرتے سات رہتی تاریکی عدم سے رات سو جھٹاکس کو ہاتھ سے پھرات</p>

وہ مقوم سمجھوں کا وہ سب کچھ | یہی کہنے کی ایک ہنگی بات

ہم علی کو خدا نہیں جانا  
پر خدا سے جدا نہیں جانا

ہے سبب کہیں کہیں ہے سبب  
ہے علی قابل پرستیدن  
عشق ہے ہم جو لیتے ہیں یوں نام  
دم الطاف سبز روئے زمین  
داب یکبار کے لیے دشمن  
تو بنا پائے خاک میدان پر  
بارہا اسے سوار شایستہ  
تو ہے بندہ تو اسے مرے مہبود  
ہے تقن کے طور پر یہ شعر

ہے وہی لطف بے نہایت اب  
ہے علی مظہر ہزار عجیب  
ورنہ سجدہ بھی یاں ہوتی رکاب  
جگر چرخ چاک وقت غضب  
دب کیا تو نے جگمگاتی مرکب  
استخوان ہزار کار طلب  
الیق چرخ مظلومت سے رب  
پر خدا کے سے میں تیرے صاحب  
اشنا اپنا تیرے روز و شب

ہم علی کو خدا نہیں جانا  
پر خدا سے جدا نہیں جانا

ہے علی حامی و مقوم دیں  
ہے علی برگزیدہ عالم  
اسکی بہت سے اس گلستاں میں  
اسکی جرات سے شعر برہ ہے  
خولی انکی کہاں تک کہنے  
اللہ اللہ تیری عزت و قدر  
جیتے جیتے ہمارے قلب پر اب  
کبریا اسکی ہے ورائے قیاس  
انویہ بات اسکی قدرت سے  
ہم علی کو خدا نہیں جانا  
سجدہ کرنے کے ہے علی قابل

ہے علی پیشوائے اہل یقین  
ہے علی اشرف زبان و زمین  
جیسے شبنم پڑے ہیں در شمن  
ان کو جو ہیں گے شیشہ کین  
خوب جانے جتے رسول امین  
مجلس انبیاء ہجرت انشیں  
نام اُس کا ہے جیسے نقش نگین  
وہم اپنا گیا کہیں سے کہیں  
تہیں با بقوۃ آدمی کا نہیں  
پر خدا سے جدا نہیں جانا  
قبلہ پناہ میں شرف یں

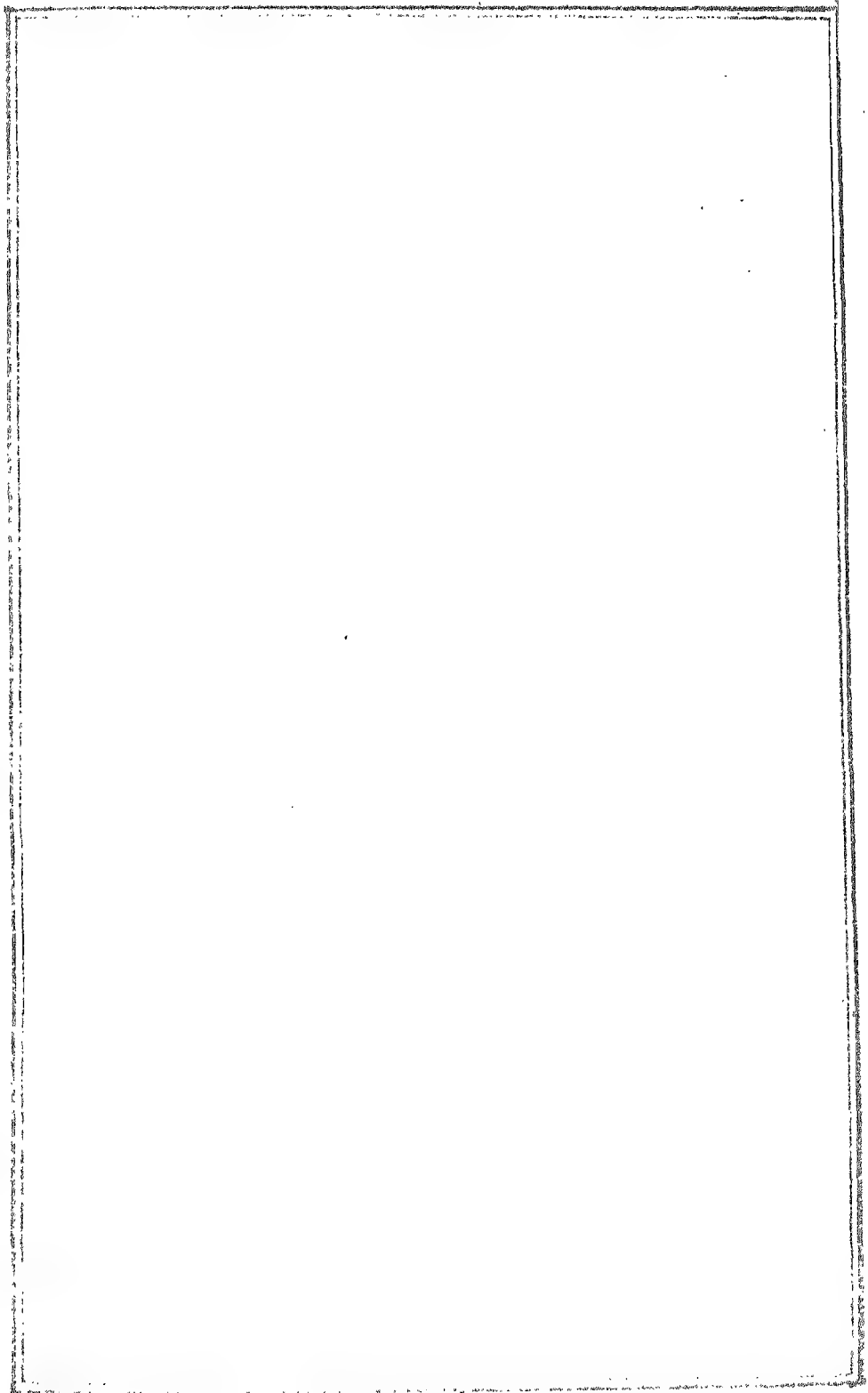


<p>سبے والا اسکے رست کیا حاصل پیر عقل ایک کو رک جابل کہ مکر رہے لب سابل راہ مطلوب کو ہے یہ واصل کھت ہمت محیط بے ساحل دیکھ کہ تیری قدرت کا بل عقل وادراک و فہم سب قابل کہتے ہیں سارے بالغ و عاقل</p>	<p>مرگ ہے مصلحت سے دشمن کو درس میں تیرے اے شہہ علام تیری ہمت قبول یہ نہ کرے اصل مطلب کو دوستی تیری دست بخشش سحاب بارندہ سیر کر جمع کمال تجھے طفل و بزرگ و پیر سارے مقرر یہ عقیدہ نہیں ہے اپنا ہی</p>
<p>ہم علی کو خدا ہمیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا</p>	
<p>دیوے خورشید حشر سے وہ اماں ہے علی خلوتی راز نہاں چھتے رہتے ہیں اہل عالم جاں نہیں ہے بے نہیں ہی ہمایاں کام کرتے نہیں قیاس گماں عقل کا درک وہاں ہو کیا کہاں حیف صد حیف وہ دہان و زباں ایسی شمشیر ہے نہ ایسا جواں قدر اسکی کہاں سپر کہاں</p>	<p>ہے علی سایہ گستر و دجھاں صورت ظاہر علی پہ نہ جا وہ علی کی ہے ذات پاک جسے کیا کر بھی کی ہے صفت اللہ شان ارفع ہے اپنے صاحب کی ہے جہاں رتبہ و جوب اس کا خوگر اس نام لینے سے جو نہیں دونوں کیتا ہیں و الفقار و علی سب ہیں حیران منزلت اس کے</p>
<p>ہم علی کو خدا ہمیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا</p>	
<p>وہی مشہور ہے وہی موجود لینے نام اسکا بھیجتے ہیں درود کی علی کے لیے سبھوں نے نمود کیا ہے اسباب اگر ہوئے مفقود</p>	<p>ہے علی اللہ عاقل مقصود ہے علی وہ کہ سارے صاحب دل کیا زمین کیا سپر کیا مہر و مہر جمع رکھ دل علی سبب ہوگا</p>

<p>ہے یہ صاحب ہمارا تو معبود لیک آگاہ راز ہیں مسدود یعنی سب اُسکو جاتے ہیں مسجود کیا ہے واں کا ہمیں غم بہبود گوش کر اُسکو تو اچھل یا کود</p>	<p>بندگی کے مقام ہیں معلوم مصطفیٰ مرتضیٰ خدا ہے ایک جھک ہی جاتے ہیں سر سرنگا نام حشر ہو گا علیؑ کے ساتھ اپن عند یہ اپنا اپنا ہے اے شیخ</p>
<p>ہم علیؑ کو خدا نہیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا</p>	
<p>ہے علیؑ دانی ہی خدا دانی ہے دلائل غشی مسلمانانی پوں ٹھپا تو بساط ایمانی کہ جہاں میں کرے سلیمانی تا کہیں بھٹکے باہ کفانی ہے وہی شاہ سلیمانی چہرہ پرداز نور یزدانی بات اُس کی کلام ربانی گو بڑا مانے کوئی مردانی</p>	<p>گاہ بیک گاہ کر علیؑ خوانی مہر کا اس کی رہ سر اشفا فرش راہ علیؑ کر آنکھوں مور بے زور ہو علیؑ کا تو چاہ میں اُسکی آپ کو گم کر ہے وہی مہر چرخ عرفاں کا قامت آرائے کبریا حق کا ہاتھ اُسکا وہی خدا کا ہاتھ شوق مفرط سے ہے طرز سخن</p>
<p>ہم علیؑ کو خدا نہیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا</p>	
<p>آگہ کار واقف اسرار کچھ چھپا ہوتا کیجیے انظار ہے علیؑ غویش سید برابر اُسکی برأت کا کسکو ہے انکار اشراف و شرف و سید و سردار خوبی بنم و گرمی مضار وہی قنار ہے وہی جبار</p>	<p>ہے علیؑ یاں کا مالک و مختار ہے علیؑ آفتاب ساروشن ہے علیؑ بہترین خلق خدا کون اُس کا مقرر جو نہیں یہ شرف کس میں جمع ہوتے ہیں عہد کا فرق وقت کا سلطان تیغ بر کف اگر نمود کرے</p>

عشق پیشوں کو اُسکے کیا و سوس	برودہ پوش و غفور ہے شارب کہتے ہیں اور پھر کہیں سوار
ہم علی کو خدا نہیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا	
سے علی وہ بلند قدر امیر اُسکی کیتانی میں تر و در کپ خاک در ہوشہر ولایت کا یوں ہے در زیر دست جو اُسکا صاحب ایسا ہی ہو تو صاحب سمسے بندوں کی ورنہ کیونکہ بچے کچھ محبوبوں کا مقتدر مت پوچھ شان سے کہتے ہیں محیط کل تو مولیٰ علی پرست نصیر	دے دے ڈالے ہیں جسے تاج و تیر جسکا نکلا نہیں عدم سے نظیر شاہیاں لے گئے ہیں یاں سے فقیر جیسے بر سے ہے کوئی ابر مٹیر گنہ آمرز اور عذر پذیر و مبدم جن سے ہوتی ہو تقصیر ہو علی ہی کو انکلی کبیر قدر سے قادر و خدا سے قدیر چاہے سو ہر گم لے ابے میر
ہم علی کو خدا نہیں جانا پر خدا سے جدا نہیں جانا	
— — — — —	

244



# مدحیات

میر تقی میر دہلوی

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### قصیدہ در مدح نواب آصف الدولہ بہادر

سیہ ہے کاغذِ مشقی کے رنگ لونی ضمیر  
مری خرابی میں اُن نے نہ کی کچھو نقصیر  
دل شکستہ کو میرے کیا نہ بھگ نصیر  
تو رو سیاہ نے اُس کلام میں بھی کی تاخیر  
حکومِ نون دیا اُن نے جائے کاسے شیر  
کہ اس جہن میں رکھا اُن نے غنچہ ساں دگر  
پھرا یا عرش سے نائے کو میرے بے تاثیر  
ہمیشہ اپنا ہی حیران کار جوں تصویر  
لال دار کیا سارے شہر میں تشہیر  
کہ اسے جو ان ستم کشتہ پہر پہر  
مستی نہ ہم نے کوئی آشیانہ سوزِ نصیر

ہوا کیے ہیں زبس شکوہ فلک تحریر  
گروں نہ شکوہ جفا ہائے آسماں کیونکر  
دیا ہزاروں کو دست اُن نے خانہ سازی کا  
جو میں نے چاہا کہ جلد اپنا کام کرے تمام  
سیا تھا چشمِ طمع کو میں اک سحر اس پر  
داغِ رفتہ شگفتن سے آشنا نہ ہوا  
در قبول سے ناسید بہو بچی میری دعا  
نہ دیکھا صفحہ عالم کو میں کہ اُن نے رکھا  
برائے یک لبناں مجھِ ضعیف کو اُن نے  
فلک کے شکوہ میں تھا میں کہ ہمیشہ بدلا  
غزل نہ لطف کی اک تو نے میرے صاحب کی

یہ سن کے فکر نے کی مطلع غزل کی فکر  
فلک نے صفحہ کاغذ پہ جو کیا تحریر

مطلع ثانی

ہماری یار سے صحبت ہو کس طرح و گریہ  
گرہ میں نالہ آتشِ فشاں سو بے تاثیر

سمجھ کے زلف کے کوچہ میں بانوں کھنڈیم  
ہزار قافلے یوں مصر سے چلے لیکن  
کھلانہ منہ پہ ہمارے کہ سپہ زباں پر آہ  
جگر ہے رشک کی جا اس شکار کا تیرے  
جہاں میں اہل جہاں کو پوچھمکش بن گیا  
سفر ہے دور کا درپیش اکٹک اکینہ رو  
نہیں تو دیر محبت کی رسم سے آگاہ  
تمام نالہ ہوں اُس بن گھر کہ روزِ نخست  
غزل کو سن کے کہا ہنشیں نے جھساخص  
وہ آستانہ کہ گویا ہے راستوں کی جبین  
شرف ہے جس سے یہ اس آستان کو کیا ہو

کہ کئی ہے یہیں سے راہ خانہ بن خبیر  
کیا نہ ایک نے گناں کی سمت کو شبگیر  
بزرگ خامہ شخرف خوچکاں قنبر  
کہ صید گاہ میں پہلے ہی آگیا ستر  
کہ ایک تنگ قفس اور جس میں اتنے اسیر  
کہ زاد راہ عدم ہو نگاہ وقتِ اخیر  
کرے ہیں کہے کے کسکاک کی بھی یہاں تکفیر  
کیا تھا تن کا مرے سودہ جگر سے حمید  
بجا ہو خاک ہو گر پیش آستان وزیر  
کرے ہے سجدہ جسے آن کر صغیر و کبیر  
وزیر کہے کہ فرماں روا ہے کوئی امیر

غرض جلیں سے شکو کہ غم شریک جو تھا  
ہر شن کے اے گنہ آمرزا اور عذر پذیر

### مطلع ثالث

خلل پذیر ہوا ہے و ماغ خامہ مسیر  
تمام قدرت و آصف صفت سلیمان جاہ  
فلک شکوہ ستارہ چشمِ خدیو جہاں  
زہے یہ حشمت و جاہ و جلال و قدرت و زور  
ترے محرابِ دفتر کا ہے سدِ محتاج  
زہے علو مراتب کہ در پہ بار نہ پاسے  
شریکِ مشورہ کا رخسانہ عالم  
رواں ہو صبح کا گر مرکبِ ظفر پیکر  
کف سخا کی تری ریزش کرم کے حضور  
ہم کو تیری بیاں کیا کروں کہ اے مدوح  
کروں میں عرض سو کیا بفت گنج خسرو کو

کہ تیری مدح میں کھو لا زبان کو کر فقیر  
سوار دولت و گنجینہ بخش و دشمن گیسر  
ترے جلال کو کن لفظوں میں کروں تبیر  
کہ تیرے حکم کے آگے ہے سہل مخطیر  
جہاں میں شہرہ عطار و جو ہے فلک کا مسیر  
ہزار بار اگر چرخ مارے چرخِ آشیر  
کیا ہے تجھ کو قضا و قدر میں تیرے مشیر  
تو تا بشام کرے روم و شام تنگ تنخیر  
کیا ہے قطرہ زناں شریک میں ہو مطلق  
ہوئے ہیں خلقِ ترے بخشے کو تاج و سریر  
کہ تیرے بخش دیے کے نہیں ہیں عشر عشر

الکھوں سو گیا ترے خدام کی سخاوت کو  
ثباتِ حرف کو تیرے قلم کی کیا لکھیے  
براتِ روزی کسو کی شرف کو دستخط کے  
نہیں ہے شہر میں نام و نشانِ منہیات  
مزانجِ رفیع پہ بدعت کے یہ تو پھر نہ اُٹھے  
نسق کو کام تو فرما دے ایک آن اگر  
کیا ہے شورِ ترے عدل کا جو گردوں تک  
بغیر غزٹا خوں یاں رہا نہیں اب ایک  
جو چاہے تو کہ رے فرش چاندنی دن کو  
کرنے ہے قطع امید آپ سے وہیں دشمن  
جو نکلے میان سے تو نامہ فنا کہنے  
رہے تو زخم لگا اس کا بہ نہ ہو دے مگر  
نہیں ہے فیل کہ زرقبت پوش کو ہودہ  
رواں رکاب میں ہے آسمانِ زر گویا  
کمیتِ خامہ مرے ہاتھ کے ہے ران سے  
کسو کی آنکھ نہ بڑھ سکتی تھی چھلاوے میں  
نظر جو ایک مصور کی آگیا جاتے  
خیالِ دور سے دور ا کے رہ گیا آخر  
سُن اس تماش کی محنت کو مت سمجھو یہ  
غرض یہ ہے کہ تری خاک آستانِ زب  
وہ آستان کہ گداوغنی کا ہے مسجد

نہ پاوے وقتِ دہش رتبہِ قلیل و کشید  
کہے تو خامہِ نو لاد سے کیا تحسیر  
پہنچتی ہے تو نہیں مٹی جوں خطِ نفدیر  
رہی ہے نے کوئی جھگل میں سو برائے صبر  
صدائے نے کا تو کیا ذکر ہے قلم کی صریر  
تو پھر زمانہ قیامت تلک نہ پاوے تغیر  
کتاں سے آنکھ جھپکتا رہے ہے ہر منیر  
جہاں کے پردے پہ ادبِ فانیہ جنگِ شریہ  
اُٹھا کے تہ کرے پردے ظلام کے شبِ قیر  
سُنے ہے مجھ سے تری جبکہ سولتِ شمشیر  
کہ پہونچے جسکو اُسے مٹنے سے نہیں ہو گریہ  
فلکِ زمیں سے ملے تب ہو اندھاںِ نذر  
گردوں شکوہ کو اُسکے سوکس روشِ تبلیہ  
ستارے جھول کے ایک ایک آفتابِ نظیر  
صفتِ کردوں میں سمند و زیر کی تحسیر  
پھرے قفا سطحِ زمیں پر وہ یوں سپر سیر  
یہ ان نے رکھ کئے جا کہ کھینچے نقسیر  
ہو انہ گرد میں گردا بھی اُس کا شکلِ نذر  
کہ ہے غرضِ خرد و بیا و پر نیاں و حریر  
کہ اُسکے رتبے کو ہرگز نہ پہونچے پھر کسیر  
بقیہ عمر کرے صرف اُسپہ یہ بھی فقیر

ہمیشہ ساتھ ترے دوستوں کے ہواقبال  
ترے عدد کی سدا بہ تری کرے تدبیر



## قصیدہ درج آصف الدولہ بہادر

رات کو مطلق نہ تھی یاں جی کو تاب  
 ٹوٹا تھا سوزِ غم سے نہ آگ میں  
 ہر ماں تھی ساتھ اپنے گفتگو  
 تھا کرم شیو اجڑوں کا اٹھ گئے  
 جانیے کس کے در اوپر کون ہے  
 لے جوانی سے پھرے پیری تلک  
 ناگماں مجھ سے لگا کہنے سروش  
 ہے کریم اب بھی وزیر ابن وزیر  
 آسماں رتبہ ہے جس کا آستان  
 اُس کی بہت سے سخن کیا سرکروں  
 اُسکے دستِ دول کے رشکِ شرم سے  
 جم چشمِ انجم سپہ گردوں شکوہ  
 دستِ بہت اُسکا گر مور بار ہو  
 مال کیا ہے ہفت گنج خسرو می  
 فخر سام و رستم اُس کی بندگی  
 جس سحرِ جرات سے پہنچی اُن نے تیغ  
 رزم کے عرصہ میں ہل چل پر گئی

آشنا ہوتا نہ تھا آنکھوں سے خواب  
 دل جگر شکستے تھے دونوں جوں کباب  
 کیا کروں شہرِ ادب میں دونوں خراب  
 بیٹھے بیٹھے کھینچے کب تک غدا  
 لیے کس سے کون ملنے کا ہی باب  
 امتحاں میں آگئے سب شیخ و شاب  
 رنگد ر سے لطف کی کر کر خطاب  
 آصف الدولہ فلکِ قدر و جناب  
 ناز کر طالع پہ جو ہو بارِ یاب  
 بات کہتے دے دو دو یا تو ت تاب  
 خون ہے دل کا کج دریا ہے آب  
 مرجعِ خرو و کلاں عالم ماب  
 پانی پانی شرم سے ہوئے سحاب  
 اک ہی کو نواب بخشے ہے ثواب  
 داخلِ خدام یاں انفراسیاب  
 دھال رکھے منہ پہ نکلا آفتاب  
 آسماں کے نیچے کی کا پنی طناب

۱۵ نواب آصف الدولہ یحییٰ علیخان ہنرِ جنگ نواب شجاع الدولہ کے بیٹے تھے۔ نواب امہ الزہرا  
 بہو گیم بنت نواب محمد اسحاق خاں شوشتری ان کی والدہ تھیں۔ ۱۱۰۰ھ میں نواب شجاع الدولہ کی وفات کے  
 بعد رونقِ بخش مسندِ وزارت ہوئے۔ سات برس تک فیض آباد میں آ اور اُسکے بعد لکھنؤ کو آباد دار الحکومت بنایا۔  
 نواب موصوف خورشید شاعر و شاعر کے نہایت قدردان تھے۔ میر سوز و بلوی اُنکے اُستاد تھے۔ میرزا رفیع سودا اور میر تقی میر بھی  
 ان کے وابستگانِ دربار اور زمرہ مصاحبانِ خاص میں سے تھے۔ مرزا رفیع سودا کو چھ ہزار روپیہ سالانہ کی  
 جاگیر مرحمت کی تھی اور میر تقی میر کو تین سو روپیہ ماہوار دیے جاتے تھے۔ اس دربارے کے علاوہ اکرام و انعام  
 کی کوئی حد نہ تھی۔ ۱۱۲۰ھ میں بغاوتِ استقلال کیا۔ لکھنؤ کی ایک مشہور عمارت امام بارہ آصف الدولہ کی بہترین دکان

۱۵ گروہِ دل و دستِ بحر و کلاں ہندوستان (درج آصف الدولہ)

در زمیں تھاپے سکوں پایا شتاب  
چل پڑی جو اسکی تیغ برش تاب  
ایک اٹھرا ہو مت ابل کیا حساب  
راجا پر جا آن کر داہیں رکاب  
ملک داروں سے کہیں ان سر حساب  
کفر ہے حرف و سخن سے اعتبار

مدعی گر کوہ تھا مارا اکھڑ  
خرمن آسا جل گیا انبوہ خصم  
دیو تھے گو معرکے میں بے شمار  
زین رکھا جائے مرکب پر اگر  
تر لزم پڑ جائے سارے ملک میں  
مطلع ثانی کی اب مائل ہے طبع

### مطلع ثانی

دشمنوں کو رو بہا نہ اضطراب  
لشکر ہی اس فوج کا ہر ایک عقاب  
بستیاں اس سمت کی جیسے حباب  
پھر زمین و آسماں میں بے حجاب  
وقت گرگ و میش لے منہ پر نقاب  
چھوڑ دیں عشاق پر کرنا عتاب  
اُنہ کے جو نعمت چنگ درباب  
جو نکلے سے شے کے اترے شراب  
کوہ تیرے حلم کا کیا دے جواب  
تب کیا صانع نے تجھ کو انتخاب  
یا لکھوں پاکیزہ اس صحبت کا داب  
چاندنی کی جائے بھتی ماستاب  
پر نہیں ہوتی ہے یہ رائے صواب  
حرف ہر یک تیرے منہ کا کتاب  
تو کہے جو کچھ کرے حق مستجاب  
تا قیامت وہ رہے ملک رقاب

اسے ترے ڈر سے جگر شیروں کے آب  
مدعی کی صفت ہے کوخوں کی قطار  
موج زن جید صحر ہو وہ دریا سے فوج  
گرد اس لشکر کی گر ہو دے بلند  
جاوے دشمن جوں سبک پا سوختہ  
داوری و منصفی سن دلبر راں  
رفع بدعت چاہے تو پھر کیا محال  
منع مے ہووے تو پھر قدرت ہے کیا  
بحر کیا ہے جو کرے تہ سے سوال  
خوبیاں ہی خوبیاں سرتاقدم  
لطف طبع صاحب محاسن کہوں  
نکلی ستمل نہایت ورنہ شب  
گر نہ ہو ممدوح علم ظاہری  
جو کہے تو چاہے وہ کچھ رکھیں  
مرد عا پر مسر اب ختم سخن  
زیر دست سنگ رس گر و نکشان

دوست اُسکے جوش زن جیسے محیط  
خاک پر سرمدی جیسے مراب

## قصیدہ محبت شاہ وقت

مرے ہاتھ میں دامن آسمان ہے  
ہمیشہ مرے حال پر مہرباں ہے  
یہ دل گرو کلفت کا ایک کارواں ہے  
تو آنسو کا سیلاب رنگ رواں ہے  
زباں میری دل کی مگر ترجاں ہے  
حوادث کے تیروں کا سینہ نشاں ہے  
یہ مفلوک ایسے کے گھر میہاں ہے  
اُسے قصداً تک مرا امتحاں ہے  
جو دل میں ہے میرے ٹخنہ پر عیاں ہے  
ہکاری خرد ہوش تیرا کہاں ہے  
کہ اندوہ و غم آفت ناگہاں ہے  
کہ اُنکی زباں بیخ سحر بیاں ہے  
کہ ہر طرف سے جسکے لوہور داں ہے

جو پہونچی قیامت تو آہ و فغاں ہے  
کوئی آج سے بے فلک مدعی کیا  
کہ درت بیاں کیا کروں میں کسے تو  
جو روتا بھی ہوں میں غبارِ دلی سے  
جو دل میں ہے آتا ہے کہنے میں بھی وہ  
عجب شخصے میں ہوں جو ز فلک سے  
سحر جامِ نول ہو جو منہ دھو چکوں ہوں  
رقت ایک جی ہے سو ایک آدھ دم کا  
اس احوال کا رنگ رو بس ہے شاہد  
بہ شکوہ تھا درپیش مجھ کو کہ ناگہ  
تو مرجا گیا یوں تو رکتے ہی رکتے  
غزل لطف کر میر صاحب کی کوئی  
کہا میں نے مطلع غزل کا یہ سن کر

### مطلع ثانی

شکارِ زبوں کی بھی خاطر نشاں ہے  
مرا جسم اس لطف سے ناتواں ہے  
مرا نامہ تنوشتہ ہر استخاں ہے  
کہ اس آشکارا میں کیا کیا نہاں ہے  
کہیں مشت پر ہے کہیں اشیاں ہے  
نہ اس بوئے خوش سا گل کا وہاں ہے  
جو تر سا بچہ ہے سو پیرِ میناں ہے  
خراہ ہی ہے جب تک یہ جہاں ہے  
ہماری گرو میں تو اک نیجاں ہے

ترے ہاتھ جب تک کہ تیرو کہاں ہے  
کسے تو کہ شکلِ مثالی ہوں اپنی  
ترے اور اے سادہ رو بعد میرے  
نہ پوچھ اس طلسماتِ عالم کی صنعت  
خوشامرگِ بلبیل کہ سائے میں گل کے  
لگے ہے نہ اب غطرواں اُسکے منہ کو  
غرورِ خرابات چل شیخ دیکھیں  
نہ کہ خانوادے تھے یاں کیسے کیسے  
دم امتحاں میر ہم کیا کر سکتے

کہ غم انکا دل میں مرے یک جہاں ہے  
 کہ ذکر خدا سے کہ وصفِ بتاں ہے  
 زباں غنچہ گلِ کسکے زیرِ زباں ہے  
 تری محنت اے کوہن راہِ بکاں ہے  
 کہے تو کہ یہ آتش کا رواں ہے  
 کہ مجھ پاس یکسُغِ دس سوں بھیاں ہے  
 مگر خاک مرغِ چمن پر فشاں ہے  
 دل شب سے ہر دم صدا لاماں ہے  
 یہ گویا خزاں دیدہ اک گلستاں ہے  
 اودھر بھی اک ابر بہاری سماں ہے  
 نہ سمجھائیہ ناداں کہ ہندوستان ہے  
 دل اس بے ثباتی پہ خندہ زناں ہے  
 ہزار آئی ایدھر کہ فصلِ خزاں ہے  
 کہ ہر اک فلاں بن فلاں بن فلاں ہے  
 مری جاں تر اوہم ہے یا گماں ہے  
 خرابی مسجد یہ جو ہے ازاں ہے  
 مری خاک کے گمبوں دا من کشاں ہے  
 تو کہتا ہے کیا یاں سخن درمیاں ہے  
 رہے شاد وہ غمزدہ دل جہاں ہے  
 گل اس غم سے اپنا گریباں دراں ہے  
 وظیفہ ترا کیا یہ ذکرِ بتاں ہے  
 فراغت کا عرصہ یہی اک زماں ہے  
 یہ مطلع کہ مطلب سے جو تو اماں ہے

چل اے طبعِ مشتاق و صفِ بتاں پر  
 یہی شغل ہیں خوب پیشِ فقیراں  
 نہ جا سکے خاموش رہنے پہ بلبل  
 نہ دے جان شیریں کو تلخی سے ناحق  
 میں پس ماندہ قافلہ دل صلا ہوں  
 جو ہو راہِ گم گشت بھلاں ہو کے جاؤں  
 سموم آوے ہے سایہ برگ گل میں  
 مری آہ کیا بر چھیاں مارتی ہے  
 جگر پر جو ہیں داغِ ہجراں پریشاں  
 رنجِ زرد پر اشکِ سرخ آگئے ہیں  
 خط و رُلف و کاکل میں ل جا کے اٹھیا  
 چمن زارِ عالم کی خوبی پہ مت جا  
 کہ یک رنگ یاں کا نہیں ہے تفری  
 حقارت سے مت دیکھ یہ پھولی گوریں  
 خیال اور مت کر کہ مجھ میں نہیں کچھ  
 اٹھی رسمِ صوم و صلوٰۃ اسکے دیکھے  
 گر کیاں کفن کا تو رہنے دے ثابت  
 رگ گل رگ جاں کر سے نہیں ہو  
 خطِ کینچ لب گوشہِ چشم و کاکل  
 نہیں فرصتِ وا شدن اس چمن میں  
 بہت ہرزہ خواں ہے گالے میر تو بھی  
 جو مکرِ خاطر ہے سیر بھی آج  
 سن اسے ہنشیں شخصِ غائب کی خاطر

مطلعِ ثانی

کہ پھر بات کہنے کی فرصت کہاں ہے

قلم چل ابھی چلتی تیری زباں ہے

کہ مدوح اب شاہ ہندوستان ہے  
کہ کل رات ہے اور یہ داستان ہے  
ترے شکر نعمت میں قاصر زبان ہے  
گنگا رسا ایک غسم موشاں ہے  
مگر اصدق سچ کا یہ خاندان ہے  
ترا جہہ راستاں آستان ہے  
جہاں صبح اس خوان پر میاں ہے  
کہ مشرق سے تا غرب ستار خواں ہے  
فلک پاس کیا ہی یہی ایک ناں ہے  
خجالت سے یہ ابر قطرہ زناں ہے  
ترا دست ہے فرق خرد و کلاں ہے  
کتاں تھا سو بہ ہو بہ تھا کتاں ہے  
اگر چہ یہ نیر خسر و کارواں ہے  
کہ مدوح کے زور کا اب بیاں ہے

لیکن تجا ورنہ ہووے ادب سے  
و باغ اب نہیں ہے جو تہید کرے  
بھٹی تیری سبجے یہ ذل چاہتا ہے  
ترا عہد تیسر خوشی ہے جو ہے بھی  
ترے یاں ہے سب راستی و درستی  
زیارت کیے صدق آتا ہے جس کی  
لکھے کیا شہا کوئی بہت کو تیری  
زیادہ ہو یہ وسعت رزق تیری  
کرے ہمہ سہری کیا وہ خورشید اوپر  
ترے ہاتھ کی ریزش جو آگے  
نچھے مزج کل کیا ہے جہاں کا  
ولی نعمتا عدل سے ترے اب یاں  
ترے ہوش کے آگے ہے طفل ناداں  
حسن اسے خامہ آ مطلع جاری لکھ

### مطلع رابع

کہ بزم جسکی قوت سے شیر زباں ہے  
گل اشرفی غنچہ ہمسرو کاں ہے

ترے زور بار کی طاقت عیاں ہو  
ترے زور کا سکہ ہے اس حین میں

### قطعہ

جہاں میں وہ مشہور کیا پہلوں ہے  
وہ اس عرصے میں یک سنگ گراں ہے  
جہاں جا کے گر جائے سنگ نشاں ہے  
یہ افسانہ ہر شہر کا امناں ہے  
کمیت قلم ہاتھ کے زبیراں ہے  
یہ نام خدا سپ کیا خوش عنان ہے  
پھر اس فرہی پر تخت رواں ہے

ترا ہاتھ پڑ جائے گھر رستم اوپر  
اٹھاتا نہیں اسکو سن کوئی گردن  
تو یوں پھینک دے جیسے سنگ فلاخن  
کہ جو کوئی اس راہ نکلے سو دیکھے  
ننا کے ترے عرصے میں کرے جولاں  
اچک لے جہاں باگ کیا کیا فرے ہیں  
سبک سیر کی تیرے کیا کہیے جلدی

قدم ایک یاں ک قدم اُسکاواں ہے  
ارادے میں اُسکے ابھی حرف ہاں ہے  
کہ یہ بادِ پیا کہاں کا کہاں ہے  
تو ٹھوڑا نہ کہیو کہ پیل دماں ہے  
فلک صد سے آنسوئے لاسکاں ہے  
کہاں تک کہوں تو خیر ہے جہاں ہے  
کہ جو دوست تیرا ہے تو شاداں ہے

ازل سے اب تک ہو جولاں کہ اُسکی  
جو اس میں سوار اُسکا چاہے کہ دے  
نہ پہونچے وہ ہنٹھوں تلک اُسکے ہرگز  
جو میدان میں جنگ کے ہو یہ اسب  
لگی گر کہیں اُپ طبعِ زمیں پر  
دعا پر کر دوں ختم اب یہ قصیدہ  
رہے وقت ایسا ہی روز جزا تک

ترہی عمر ہو میرے طول اہل سی  
کرم کا سرشتہ اک تیری ہاں ہے

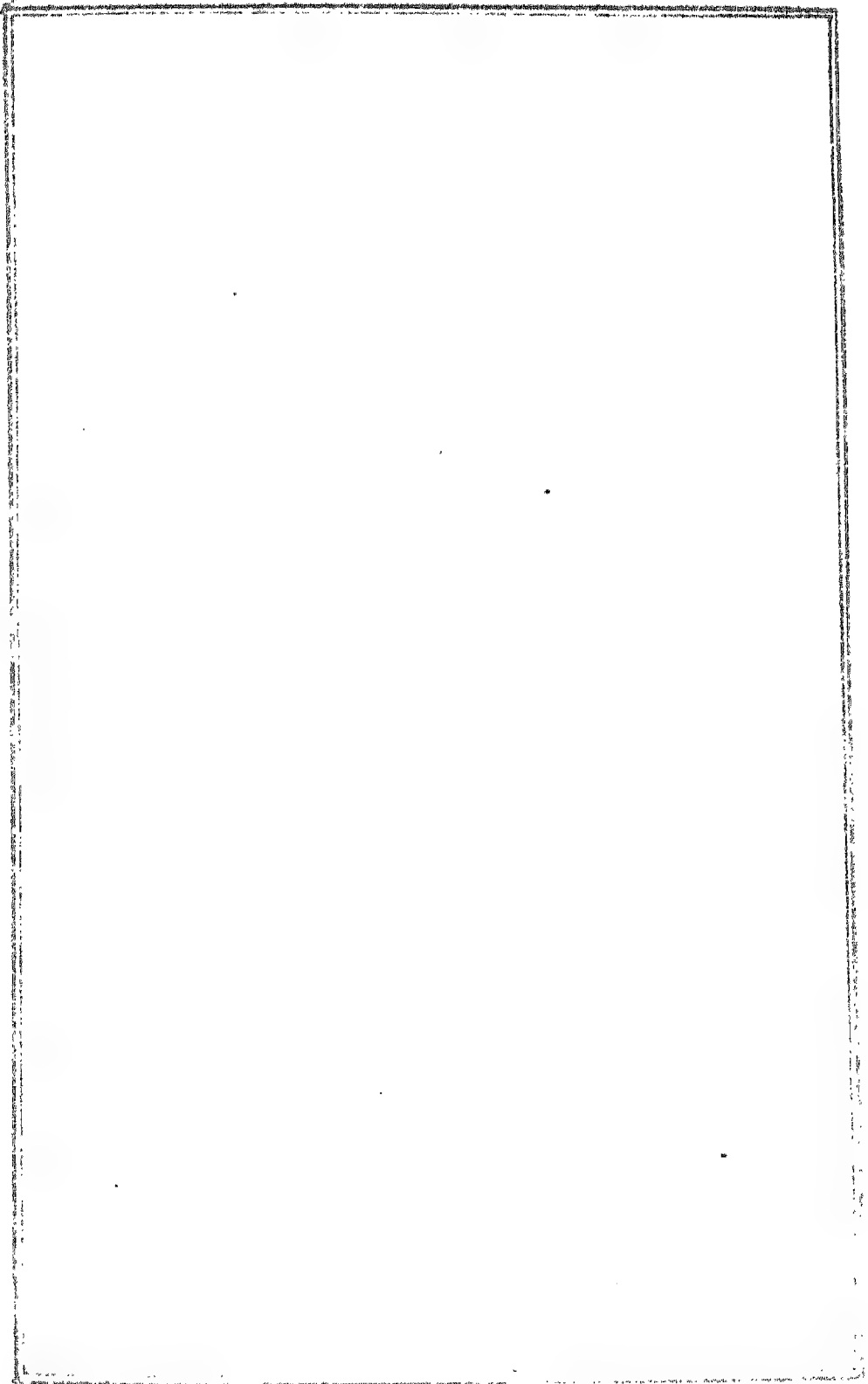
## دعوتِ غارِ شید کہ خطاطِ بوبقرایش میاں عزالدین کہ فقیر و خوشنویس بوند

لیکن آغا سے لوگ کم دیکھے  
خوشنویسی کی جن نے دی ہو داد  
صفوہ روزگار یہ ہے رنگ  
شکل نقاش رنگ بھرتا ہے  
مشقی اُسکی ہے قطعہ تصویر  
ہم حلاوت بہت اٹھاتے ہیں  
مدرجہاں ہے کسو کی ابرو ہے  
خط ہے خواب کی پشتِ نگاہ  
ہے جلی بھی تو ایک بابت ہے  
اُس کا کب نقطہ مقابل ہو  
کون ایسی صفا سے لکھتا ہے  
لام ہے زلفِ سلسلہ مویاں  
جیسے جھلکتے ہیں مست ہو محبوب  
دہن تنگ موشاں کب ہو

میر خطاط ایک فلم دیکھے  
یعنی عبدالرشید تھا استاد  
خط کی خوبی کا اُسکی اتک جھنگ  
وہ تصرف کہیں جو کرتا ہے  
حیرت افزا سے شن ہر سر پر  
خط شیریں جو اُسکا پاتے ہیں  
لگ گئی ہے فلم تو جادو ہے  
سطر لکھتا نہیں خفی کی وہ  
ایسا لکھنا کسو کی طاقت ہے  
خط میں کیسا ہی کوئی کامل ہو  
حرف کس کس ادا سے لکھتا ہے  
ہے الف قاست لکھو رویاں  
دال کا خم رہے ہے ایسا خوب  
میم جس لطف سے لبالب ہو

دائرہ دور و امن خواباں کہ خط و لیراں پہ خط کھینچا	ہے کشش فائزہ تن خواباں دائرہ نون اس نمط کھینچا
مدعی کو جو خط دکھا دیں ہم جیسے حزن غلط اٹھا دیں ہم	
قطعہ در تہنیت صحت	
مہوا جو فضل آئی سے تندرست و چیت دل شکستہ جہاں تھا وہ خود بخود ہی درست	مزاج شخص جہاں تھا ترے مرض سے خبر جو گرم ہے اب تیرے غسل صحت کی
رہے جہاں میں بہت تاب جہاں صحیح رہے سلامت ہمہ آفاق در سلامت تست	
<p style="text-align: center;">— ❦ —</p>	

44A





# ستائشہائے گوناگون

میر تقی میر دہلوی

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### مثنوی در بیان کدخدائی نواب آصف الدولہ بہار

ہے جہان کمن تہا شاگاہ  
اُو ساقی کہ کدخدائی ہے  
دل خوش احباب شاد بہر دہر  
نئے سر سے جواں ہوا ہر جہاں  
ہر طرف شہر میں ہے آرائش  
شیشہ باز فلک ہے آتش باز  
ماہ سے ماہتاب کی ہے طرح  
نہیں رستوں میں روشنی کے دیے  
کیا ستاروں کا چھوٹنا کہیے  
شب شادی کی دھوم کی کیا بات  
دو طرف چھوٹتے جو سینکے آثار  
اُو ساقی کہ جمع ہیں احباب  
لاوہ جوں آفتاب ساغسر زر  
آج جھوماسے ابرخشش زور  
دست و ستور ابر نیماں ہے

آصف الدولہ کا رچا ہے بیاہ  
طبع نواب ادھر کو آئی ہے  
بستہ آئیں دور راستہ سے شہر  
عیش و عشرت کے مخمور دکھان  
رہرواں کی نہیں ہے گنجائش  
کھکشاں سے ہوا ہوائی سباز  
سکس سے ہوا لطف روشنی کی سرچ  
نجم سے چشم روشنی کے لئے  
آسمان کی طرف ہی تہک رہیے  
روز و روشن تھی روشنی سے رات  
راہ درست ہوئے ہیں باغ و بہار  
سب مہیا ہیں عیش کے اسباب  
آب گل رنگ سے لبالب کر  
کچھ نظر ہے تجھے ہوا کی اور  
یعنی یک دست گو ہر افشاں ہے

کمر چین زار دست و دل کی سیر  
 گل نم خط دل شکستہ سب کے کیے  
 لاکھاں ہے وہ لالہ رنگ شراب  
 آہو مطرب لیے رباب و چنگ  
 ہر طرف رقص میں ہیں گل دیاں  
 شاو مانی سے ہو نوا پر داز  
 گل و لالہ سے چشم باز کرے  
 چھپر ساز طرب نوا کے تئیں  
 وجد میں لاوے پرستوں کو  
 آہو ساقی کہ روشنی ہے خوب  
 کاغذیں باغ کیا تماشا ہے  
 بکے سی مشعلوں کا ہوں بندہ  
 شیشہ شیشہ شراب ہو درکار  
 لالہ رنگ رخ نگو یاں کو  
 اس پر ہی کو نکال شیشے سے  
 ہوئے سُرست ہو تماشا ئی  
 چھوڑ آئین بردباری کا  
 چل گلابی کو ہاتھ میں لے لے  
 ہے سواری کے فیل کی وہ دھوم  
 آئے دولت سر سے ہو کے سوار  
 اک عبادت کے ساتھ فیل نشان  
 اور ہاتھی ہیں جھومتے جاتے  
 جل زر بفت کی ہوساری شب  
 پلٹیں جاتی ہیں برابر یوں  
 بال بسترہ کا بین ہیں سُرنگ

ہیں نہال آج آشنا و غمیر  
 خلعتِ فاخرہ سبھوں کو دیے  
 جس سے مست گزارہ ہوں اجبا  
 کاڑھو منہ سے نوائے سیر رنگ  
 پائے گویاں ہیں سلسلہ مویاں  
 دے بہار گزشتہ کو آواز  
 رنگ صحبت کو دیکھ ناز کرے  
 باندھ آواز سے ہوا کے تئیں  
 یاد دے ٹھک سرود مستوں کو  
 محو آرائش آج ہیں محبوب  
 پھول کترا کہ گل تراشا ہے  
 نور کا ماہ نے کیا چندا  
 صحبت عیش کو چھکا ٹیکبار  
 مایہ ناز خود برویاں کو  
 رنگ مجلس میں ڈال شیشے سے  
 حکم کش ہے سپرینائی  
 سیر کرے ترک سواری کا  
 ایک دم جام متصل دے لے  
 جیسے ابر بہار آوے جھوم  
 لعل ناب و گہر ہیں صرف نشانہ  
 آگے مانند کوہ زکر کے رواں  
 جیسے آویں جوان بڑھاتے  
 روکش انجم فلک ہیں سب  
 صف ہو مژگان لبروں کی جوں  
 جگہ دیکھ کیت چرخ ہے رنگ

<p>باگ اچکی تو پھر نہ ٹھہری نگاہ ہے جلو میں بعد شام گل رہ گیا دیکھ کر انھوں کی حیاں آنکھ پھیر تو گل سے مڑ جاویں ہاں کے جیسے وہم جالائے چل سواری کا ٹھک صلوں بجاؤ کہ رکھیں گوش اس صدا سب دکشاں آواز گائے جاؤ تو نہیں رہ گزریں ہیں رستہ رستہ گل خوشہ خوشہ گھر دیا جاوے شادی ایسی بھی اتفاقی ہے دور گردوں بکاغمیش بدام کچھ مزے سے بھی آشنا لی کر</p>	<p>خوش سواری و خوش جلو خوش راہ گردنوں میں پڑی حائل گل تھا بہت تیز کام اس خیال تھے پری زاد چھیرے اڑ جاویں کسمانے میں باد سے آگے نوبتی اب طبیعتوں کو رخصاؤ چوب نقارے پر لگا اس صعب ایک دو دم بجائے جاؤ تو نہیں پھینکتے ہیں جو دستہ دستہ گل وہ جو دیوے تو کیا لیا جاوے ساقیادے وہ مے جو باقی ہے مومبارک یہ جشن خوش انجام آ مغنی غزل سرائی کر</p>
---	---

پڑھ غزل میر کی جو ہوئے یاد  
ان کو تو اس میں کہتے ہیں شاد

### غزل

<p>گل ہو گلشن ہوا تو بھی ہو منہ ترا اس طرف کبھی ہو تجید ہم تب جب ایسی ہو بھی ہو شرط یہ ہے کہ جست ہو بھی ہو ناز کرنے کو ویا رو بھی ہو ہو تو گل ہی کی گفت کو بھی ہو</p>	<p>موسم ابر ہو ہو بھی ہو کبتک آنے کا یہ حسن قبول ہو جو تیرا سارنگ گل گاہے ہے غرض عشق صرف ہو لیکن سرسخی گل کی خوش نہیں آتی کسکو بلبل ہے دم کشی کا داغ</p>
---	--

دل غنا کدہ تو ہے پر میر  
ہو تو اس کی ہی آرزو بھی ہو

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### شہنوی درشن ہولی و تختائی

شور سا ہے جہاں میں گوش کریں  
 ہولی میں کتنی شادیاں لائی  
 کوچے سو شہر کے برابر ہیں  
 پھر جہاں کہن ہوا ہے جواں  
 تازہ کاری شہر و گلش ہے  
 سارے رنگیں ستوں لگائے ہیں  
 شہر ہے یا کوئی تماشا ہے  
 یہی مقصد ہے ملکستی سے  
 کہ کسودل کی لاگ ایدھر ہے  
 کاغذیں گل سے گلستاں ہے دہر  
 راہ رستے ہوئے ہیں باغ و بہار  
 جن میں سستی متاع فعل و گھر  
 گل خوش رنگ بوے چیدہ بہت  
 لیں صغیر و کبیر بہر نثار  
 چنے رستوں میں بے چین چنیاں  
 تو کہے آئی ہے بہار اے یار  
 سارے لوگوں میں جام مے کو بھرا  
 وردہ شیشے کی شیشے میں دکھانے  
 کون دیکھے گا لطف آرائش

اوسا قی شراب نوش کریں  
 اوسا قی بہار پھر آئی  
 شادیاں بے شگوں سرسریں  
 دست دستور ہے جوزرافشاں  
 دونوں رستے عمارت خوش ہے  
 اور بازاری رنگ لائے ہیں  
 جس طرف دیکھو مگر کہ سا ہے  
 چشم بد دور ایسی بستی سے  
 لکھنؤ دئی سے بھی بہتر ہے  
 آئیں بستہ ہوا ہے سارا شہر  
 ایسے گل بھول ہیں جو صرف کار  
 بستہ آئیں دکانیں ہیں یکسر  
 میوہ نورس و رسیدہ بہت  
 شب شادی کو لڑکے ہوں جو پور  
 تخت بہر زناں قص کنناں  
 گل کا عقد سے شہر ہے گلزار  
 سا قیاعیش کا ہونہم آرا  
 جس میں تہہ پاوے اس بری کودے  
 ہوگی مجلس جو مست آسائش

آؤ ساقی قرار ہے باہم  
 زن رقا ص پر بنگا ہ کریں  
 کسو دبر کے پھینچ لیوں ہاتھ  
 کسو خوش رو کے منہ پھنکھ رکھیں  
 خوش تنوں سے کریں ہم آغوشی  
 کہیں دو جام سے سے ہوں مست  
 مجھے بن جائینگے کسو کو دیکھ  
 اب گلابی کو لیں گے بھر بھر ہم  
 کہیں آرائش آکے دکھیں گے  
 کسو ہوش سے ہو دینگے گلزار  
 آؤ ساقی تے دو آتشہ دے  
 گرم ہو جو داغ انساں کا  
 جس طرف دیکھیے چاہاں  
 باغ سے روشنی ہوئی ہے زیاد  
 شمع و فانوس کا بہت ہی جوم  
 لوٹے اُن گلوں کی اب تو بہار  
 اتوار و صہم ہی مح گیا ہر سو  
 تارے سے ہیں چراغ چار طرف  
 غنچہ غنچہ دیوں کو دیکھیں بہاں  
 کہیں نوبت کو پلکے سننے لگا  
 نوبتی خوش سلیقے سارے ہیں  
 آج نوبت کے بچنے پر ہے رنگ  
 جھانکھ کے سننے کی رہی ہے جھانکھ  
 بیچ میں ہوئی آئی ہے ساقی  
 شیشہ شیشہ شراب اب پیجے

کہ تماشا گناں پھر میں خسرو  
 کسو سادے سے چل کے راہ کریں  
 کسو محبوب کو اٹھالیں ساتھ  
 کچھ لب کا کہیں مزا چکھ لیں  
 کسو نازک بدن سے ہمدوشی  
 جائینگے تھوڑی دور دست بدست  
 پھر شینگے کسو کے رو کو دیکھ  
 باقی ساقی نہیں گئے پھر کر ہم  
 کاغذیں باغ جا کے دکھیں گے  
 کھینچینگے ایک دو دم اُس کے تار  
 اسی سے کاغذ میں شیشہ لے  
 لطف آدے نظر چراغاں کا  
 شیشہ شیشہ ہی نمایاں ہے  
 یہ ہے ہنگامہ تاجاں آباد  
 شیشی رنگوں نے کر رکھی ہے جوم  
 گو کسو کے گلے کا ہو جیسے ہار  
 دار و پی کر پھر میں چلیں ہم تو  
 آسماں پر زمیں رکھے ہر شرف  
 کسو نوگل سے رکھیں صحبت وال  
 نے کے بچنے پر سر کو دھنیے لگا  
 نے نو تاروں نے جان لائے ہیں  
 عقل ہوتی ہے سن ٹکوری رنگ  
 صبح جوں یوں کے ہم کریں ساںچہ  
 پھیرے سرخوش ہو تائے باقی  
 بلکہ خرم منہ لگا کے سب پیجے

سیر کرے کنارہ سرگشت  
 اُنھیں پھولوں کے انکاس سے آب  
 سب گلی ہوئی ہے ہر کیا ری  
 درمیاں یک شجر نہیں بد برگ  
 جوش لالہ سے تا اولہ لہج و سنگ  
 تخت کیونکر نہ ہو دماغ خاک  
 پھر لبالب ہیں آب گیر رنگ  
 پاس آتے ہیں مرغ گلشن بھول  
 زعفرانی لباس تھے سب کے  
 گپڑیاں جامہ بھیگی سو سو ہیں  
 چھڑیاں پھولوں کی دہروں کا تھق  
 فقے جو گلال کے مارے  
 خوان بھر بھر عبیر لاتے ہیں  
 جشن نوروز ہند ہولی ہے  
 عشق ہے اے گردہ آتش زرن  
 ٹھاٹھ کیا روشنی کے باندھ دیے  
 دور دو تھے خیال سو اُنک لے  
 روشنی وار سے ہی پار تلک  
 در دولت سے لے کے تاسر آب  
 پھر سرسبز سے تا عمارت نو  
 ہاتھی رنگے گئے پڑی ہے دھوم  
 خیمہ استادہ کر چکے شب باز  
 یاں کی صحبت کا تھا نمونہ سب  
 آئے شکلیں بنا کے صورت باز  
 نقل معقول کی سو حاجی اپنے

لالہ و گل کھلے ہیں تاسر دشت  
 تو کے لالہ رنگ سب ہر شراب  
 ایک ہے گل زمین زمین ساری  
 ہے ہزارہ کہ لالہ صد برگ  
 شفقی ہو گیا ہو اکا رنگ  
 دشت در دشت ہو گل تر یک  
 اور اڑے ہے گلال کس کس ہنگ  
 تھے دے دہر گلاب سے پھول  
 رسم سے آئے صبح کو شب کے  
 ان کو گلہائے ترکہیں تو ہیں  
 سیکڑوں پھولوں کی چھڑی ساتھ  
 ہوشاں لالہ رخ ہوئے سائے  
 گل کی پتی ملا اڑاتے ہیں  
 راک رنگ اور بولی ٹھولی ہے  
 دونوں رستے چراغ ہیں روشن  
 شہر میں نام روشن اپنے کیے  
 گھوڑے دامن سوار کیا لائے  
 گل کا کاغذ ہے فرق خاتلک  
 ہے چراغ اور شمع ہی کی تاب  
 جلتے ہیں مجمع دیے سو سو  
 جیسے ابر سیاہ آئے بھوم  
 تیلیوں نے کیا خرام ناز  
 شاہ دستور حکم و کار ادب  
 دھوم ڈھاڑی بنے بجا کر ساز  
 سچ کے عملے سر پہ کتے جنے

کوئی جوگی کوئی فقیر بنا  
کوئی بنیا کوئی اوباش  
کوئی شاعر بنا نہ جس کی نظیر  
کچھ سپاہی بنے تھے کچھ خبار  
جس کی تقلید کی سو وسی طرح  
کر کے سہی و تلاش چاروں انگ  
آؤ ساقی نہ رکھ خراب احوال  
چل سواری کا سیر بھی ہے بڑا  
مجل ز رفعت پوش فیل نشان  
کہ خدا ہونے کو چلا دو لہسہ  
گل کی پاکھر ٹپری ہوئی کیلبار  
زری پوشوں کا پیش پس نبوہ  
توریں کتنے سونے کتے سے نہاڑ  
موتی کرتے تھے ہر طرف سے تار  
ہیں جلو میں زمینیاں حاصر  
عمدہ سب ساتھ ہیں ذریعہ سمیت  
تازی ترکی عراقی و عسری  
رہیں رکھ لو جہاں کہ منہ کے نرم  
آؤ ساقی بلا شراب سہیں  
روشنی بھی ہے کوئی جنگامہ  
گرمی سے مشعلوں کے آئے تنگ  
دو طرف سیم بندی کر دی ہے  
شمعیں لاکھوں کنول میں ہیں روشن  
دہ آتش زماں آتش و ست  
تو میں کیا ڈھالیں ہیں تار و کی

کوئی داڑھی لگا کے پیر بنا  
نقل کر ٹی تھی ان سبھوں کی مشا  
جیسے مستغرق خیال تھا میر  
کوئی زاہد ہو کوئی خسار  
اصل ہوتی نہیں ہے ایسی طرح  
خوب دیکھا تو ہے عالم سوانگ  
دیے جا جا ہم بارہ مالا مال  
ایک عالم ہے دونوں رستہ کھڑا  
کوہ زرسا ہے پیش پیش رواں  
بال و گو پاں عظم سے جوں شہ  
ہاتھی آیا برنگ ایر ہبار  
اللہ اندری انکی شان و شکوہ  
آگے روپے کی روشنی کے بھاڑ  
تھا مگر فیصل ابر کو عسری بار  
جاہ کے آسمانیاں حاصر  
شاعراں مع خواں ہیں میسمیت  
کوئل آگے تھے خوش جلو میں سہی  
چھپرے باد سموم سے ہوں گرم  
روشنی کی نہیں ہے تاب ہمیں  
سیر میں گرم ہو گیا حجامہ  
دو و مشعل ہے جائے کاہی رنگ  
سونے روپے سے راہ بھر دی  
زور پھولا ہے کاغذی گلشن  
دار و دی کر پھر ہو کیسے مست  
کھوئی رونق فلک کے تاڑوں کی



تارے موتوف کچھ سما پہ نہیں  
 ماہ بھی چشم روشنی کے لیے  
 گنج چھو لے ہیں یا کہ باڑ چھڑی  
 گل نشاں ہیں پڑی جو پھل پھریاں  
 چھوٹے ہیں انار و مستابی  
 باؤسے دوویے ہوئے گر ماند  
 آو اے مطربان سیر آہنگ  
 بوغز لخواں نرم عیش و طرب  
 منعقد مجلس شہانہ ہے  
 آو ساقی مجھے قرابہ دے  
 بحر بخش کی لہریں ابائیں  
 ہے بلند اس کرم کا کیا پایہ  
 طرہ ہائے زری و بادلتاں  
 بہت اُن میں سے بہت نہ سے  
 خاص بلبوس نوع نورع تمام  
 کیا بچھا ہے فراخ دسترخوان  
 تورہ بندی ہوئی کسکلف سے  
 لطف کے ساتھ نعمتوں کا وفور  
 عام تھا ان لطافتوں سے طعام  
 کس کو اسباب یہ میسر ہیں  
 ہیں جو مہمان بادشاہ و گدا  
 عمر و دولت ہو اُسکی حد سے زیاد  
 آو ساقی غزل سرا بھی ہو

تو میں چھو میں مگر ہوا پہ نہیں  
 ہے چراغاں تارگاں سے سکے  
 یا ہوائی ہے جگنیوں کی چھڑی  
 گھلتیاں ہیں دلوں کی کلچھڑیاں  
 رنگ ہیں دبڑوں کے مہتابی  
 دغیں مہتابیاں کہ نکلے چاند  
 ساتھ اپنے لیے رباب و چنگ  
 پر نہ کر پو خیال ترک ادب  
 ادب آصف زمانہ ہے  
 ورنہ شیشہ ساتھ اپنے لے  
 زرو گوہر کی کشتیاں لائیں  
 دیتے ہیں خلعت گیر انما یہ  
 تختہ ہائے دو شالہ تحفہ لباس  
 ایک دم میں سبھو کو بخش دے  
 لے گئے شاد و بھر کے مردم عام  
 جیسے ہے تعلق یک جہاں مہماں  
 کھانے نکلے نئے تہفے سے  
 زیر پر جبہ قاب ہے پر نور  
 دیتے لیتے تھے ہر سحر سر شام  
 ظرف سین جعبہ زر ہیں  
 حرص دونوں کی سیر سے بکجا  
 ہے اُسی سے جہاں نشاط آباد  
 لذت شعر سے مزا بھی ہو

غزل

بہار کیا کیا دریا پہ رنگ لائی  
 اک شہر نکلے لالہ پھراس میں ہونی آئی

کوئی جو گوی آواز غیب آئی  
کوئی بندہ اپنی ہوئی دو جہاں  
کوئی تہنہیں ادھر ہیں اُنکی  
کچھ سہ بلبل کے آہ و تالے  
گل تہہ جسے بلبل نہ بولی ہر گز  
ہم بھی رہے ہوا وہ جتنک جوان حباہل  
انہو زماں کے تو کیا جانیں دل لگی کو  
ہے دامگاہ دنیا ہر جا فریب اس میں

گزری جو کچھ سو گزری یاری میں دلبروں کی  
میراب کسو سے تم تو کر یونہ آشنائی

### قطعہ در تعریف سپہ یوزماں صفت و اوصاف صفت لدولہ بہار

وزیر زماں نے لیا ایک اسب  
نظر پوسے اُسکے آتا ہے خون  
اُڑ کر اُسے بار باسیہ کی  
کروں اُسکی کیا تیز گامی کی شرح  
ہلک اک کسمسا ہے جو رکب تو پھر  
جہاں باگ اچک جائے محبوب کی  
کرے عزم ابد کا ازل سے اگر  
کئے اُسکو ملک چھڑے کر کہ ہاں  
کہ پہلے قدم گرد جو اٹھ چلے

کہ ہے رشک گلگوں باد بہار  
کیا جلد پر اُسکے گل کو نثار  
نہ نکلا کچھو ابلق روزگار  
ہر اُسپہ شمشیر سے ہو شکار  
نہیں اُسکوراںوں میں ہر گز قرار  
حنان دل اُسکے ہے پھر اختیار  
وہ جاننا ز جو اُس نہ ہو سوار  
تو یہ باد پیا کرے یوں گزار  
نہ پھرنے تک اُسکے وہ بیٹھے غبار

غرض اسب ہے یا چنبھا جو میر  
رہیں زیر راں اُسکے ایسے ہزار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مثنوی در بیان ہولی

ہولی کھیلا آصف الدولہ وزیر  
جشن نوروزی اہل ہند سب  
شیشہ شیشہ رنگ صرف دوستان  
اس حین میں باغ پر گل سرخ درخ  
پھول گل آویں نظر دیکھو جہر  
دستہ دستہ رنگ میں بھیکے جوان  
زعفرانی رنگ سے رنگیں لباس  
رنگ نشانی سے پڑتی ہو پھار  
پرغ گلشن گلخان کو جان پھول  
قیمتے جو مارتے بھر کر گلال  
برگ گل ملو الٹا تے تھے عبیر  
روشن الدولہ نے کی تھی روشنی  
وہ چراغاں گرہ تھے درگاہ تک  
راہ میں ترپوئیے مینار تھے  
گرم کچھ ہنگامہ یہ بھی کم نہ تھا  
اتبوہفت اقلیم کا عالم ہے یاں  
ٹٹیاں دریا کے بانہوں طرف  
تھا جہاں تک آب دریا کا بہاؤ  
ایک عالم دیکھتا تھا دور سے  
کوچہ و بازار و بام و دربنے

رنگ صحبت سے عجب ہیں خرد و پیر  
ہے یہی تب محو عشرت سینکے اب  
صحیح و لتخا نہ رشک بوستان  
نکمت گل جھاڑینگے واں کے گنہ  
لالہ و صد برگ سب باغ نظر  
جیسے گلستانہ تھے جوؤں پرواں  
عطر مالی سے سبھوں میں گل کی با  
رنگ باراں تھا مگر آبر بہار  
بیٹھتے ہیں پاس کر پھول پھول  
جسکے گلتا آن کر پھر منہ بولال  
تھی ہوا میں گرد و تاجرخ اشیر  
کب ہوئی تھی لیکن انسی روشنی  
تھے تماشائی گداؤ شاہ تماک  
روشنی کے کوچہ و بازار تھے  
اس روش کی دھوم کا اودھم نہ تھا  
دیکھو تو جنس کا آدم ہے یاں  
کیا چراغاں آسمان کی موطن  
واں شلک تھا اس چراغاں کا پھول  
رات دن تھی روشنی کے نور سے  
روشنی کے دونوں رستہ گھر بنے

سوانگ کیا کیا بنے آگے دریاں  
آگے کس کس رنگ سے دریاں  
ہاتھی آگے کوہ پیکر کیا بنے  
کبھی کبھی دیکھی شکلیں تازیاں  
اُن دیوں کے عکس سے دریا کا آب  
کشتیوں میں جو دیے بھر کر چلے  
منہکس تھے جو چراغاں تہ تلک  
کیا ہوائی چھوٹنے کا ہے بیاں  
جہاں جو ہی چھوڑنا ہے یاد بود  
گنج چھوٹے ایک سے روشن چھاڑ  
اس روش سے تھے تارے چھوٹے  
دیکھے جاتے تھے چراغاں اب میں  
ہر دو جانب چُن گئے ناری ازار  
ماہتابی لک طرف سے جو دغی  
آفریں صنّاع لوگو آفریں  
گل کتر کر پھول گل ہی کر دیے  
مستقل تو ہیں ستاروں کی دغیں  
دیکھیاں کیا کیا نہ شعلہ خمیریاں  
تذکر کو آب کی اہل فزنگ  
عرصہ گلر نری سے گلشن ہو گیا  
دغیاں تو ہیں ہوائی ایک بار  
کیا ہوائی اُدیں لہر لگتی  
کیا ہی آتش دستیاب دگر گئے  
رحمتاے آتش زباں کیا لاگ ہے  
لکھ غزل اب میر رنگیں تو کوئی

پکھنے کا سوانگ تھا سارا جہاں  
باد کے رنگوں جنھوں کا تھا گزار  
جیسے مدہ ماتے جواں ہوں انھنے  
سحر کرتے تھے نہ صورت بازیاں  
آئینہ کے سطح کی رکھتا تھا تاب  
پانی میں شعلوں کے بیٹے ہی چلے  
آب کی دست تھی برہم فلک  
ذو ذنب جیسے تارے ہوتے عیاں  
روشان ذو ذوا آب تھے نمود  
و د طرف جسطرح سے بھرتی ہو باڑ  
تا کہاں جو ہودیں تارے ٹوٹتے  
شعلے تھے لہروں کی بیج و تاب میں  
گلفشانی سے اُنھوں کی تھی ہمار  
بیانہ سلا نکلا ہوئے حیراں سبھی  
کیا لگایا باغ آکر کاغذیں  
رنگ تارے کاغذوں میں بھر دیے  
لوگوں کی آنکھیں فلک سے جاچیں  
تھیں ہوا میں سے ستارہ رنیاں  
لیکے آتش بازی آگے رنگ رنگ  
چرخ اُن تاروں کے روشن ہو گیا  
پھیلے تارے آسمان پر بے شمار  
ناری ساہو کے سے من پھیلائی  
شعلوں سے پانی کی لہریں بھر گئے  
تہ بای آب دریا آگ ہے  
شعلے ہو محفوظ جبکو ہر کوئی

## غزل

اُٹھتی نہیں ہیں آنکھیں دیکھو دگر کہیں سے  
ہو وائے تورنگ پٹکے جیب اور آستین سے  
صدبرگ وائے طرف ہنر خورشید کی جبین سے  
کب ہاتھ کھینچتے ہیں معشوق کی نہیں سے  
اس قطعہ چین کے محبوب خوش نشین سے  
اُچھے ہیں ہاتھ کیسو کیسو کے نازین سے

لالہ کنار دریا نکلا ہے کیا زمیں سے  
بالیدگی سے پونچے گل آدمی کے سترنگ  
خوش رنگ تر ہے ہر گل رخسار سے پری کے  
منہ پر عبیر عاشق اصرار سے ملے ہیں  
صندل بھری جبین سے کیا صبح چہرہ ہوئے  
کیسو گلال منہ پر خوباں کے مل رہے ہیں

جب میر جان دینا بوسے کے بدلے تھمرا  
تب خوف کیجیے کیا پیشانیوں کی چین سے

## مثنوی دیگر

باش و بود اُس کی بھی دریش پاس  
نیچے اُس کو نکالا لاغلاج  
مول ٹھہرا تھا جو کچھ سو لا دیا  
عزت افزا بندا بن شہر کا  
شوخی اُسکی ہر کمین مذکور ہے  
قابلِ وصفت اُسکے حضرت بوحمید  
اُسکی جد مادی تھی بوالعجب  
ایک دم لا بہ میں لٹکا پھونک دی  
ہاتھ رہ جائے تو پاس گرہ کار  
پست اُس کی جست کا لنگور ہے  
ہو معلق زن تو آدم تک رہے  
محرکوں میں چوک کے اک دھوم ہے  
چیلی اس کی رہے ہے یاد دیر  
پر ضروری ہے کہ ہاتھوں میں ہو خوب

تھکاپی کا بچہ اک درویش پاس  
اس قلندر نے بحسب احتیاج  
میں نے اُس کو ایک جادو دیا  
بوز نہ یا کوئی تحفہ دھر کا  
نام منوا اس کا اب مشہور ہے  
ہے ہنومانی نسب یہ باب دید  
ہے جو کچھ بندری مشہور اب  
اُس کے پردادائے ہی یہ حرف دی  
ایک چنچل ہے بلائے روزگار  
ہے تو نیچے ساو لیکن ددر ہے  
کیا کوئی انداز شوخی کا کہے  
اچھا ہٹ اُسکی سب معلوم ہے  
ہوتے ہیں ترادکب دیکھے سے سیر  
حرکتیں دلکش ہیں سب انداز خوب

کٹھنٹا پٹنہا ہے کڑے پھاڑ ہے  
ڈر سے اکثر لی جوں کے دل گداز  
رسی ڈوری لو ہے کی زنجیر کیا  
مار کھانے پر بھی اُس کو ضبط ہے  
بٹو چھوٹا بٹو چھوٹا سب کہیں  
بند روں سے ناچتے پھرتے ہیں لوگ  
آدم و حیواں میں یہ برزخ ہیں بند  
جو کرے انسان تو بوزینہ بھی  
سارے اُسکے آدمی کے سے میں دل  
عکس سے اپنے اسے ہے گفتگو  
آرسی بندر کا ہے مشہور ربط  
گاہ آگاہیں موندنا گمہ کھولنا  
جاں سے اُس کی نکلتا امتیاز  
یہ اسی فتان کا داماد ہے  
رہتے ہیں چانول پڑے اُسکے کنے  
ہے یہ اپنے نوع کا خضر و شرف  
نام اس دلکش کا منوایاں سے ہے  
ورنہ آدم ہے جوانی میں بھی پیر

ورنہ یوٹا سا جو قد ہے بھاڑ ہے  
نوٹری باندی سب کو اس سے احتراز  
یہ جو چاہے چھوٹے تو تدبیر کیا  
ربط اسے جس سے تو اُس سے ربط ہی  
جب وہ چھوٹے شور و ہنگامے میں  
چھوٹتا ہے گر پڑے کوئی بچوگ  
ہوتے ہیں اس غش میں بھی ذی خرد  
ظن ہے یہ بات اگر چہ ہے کہی  
لیکن اس جاگہ تو صادق ہے یہ قول  
ہے تماشا آئینہ کے ردبرہ  
دیکھنا جھک جھک کے اس کا ہونہ ضبط  
گاہ بوسہ گاہ غبر غبر بولنا  
آگے تھا اک بوزینہ شطرنج باز  
کہنہ قراروں سے ہم کو یاد ہے  
جان دیں بندر اگر دیکھیں چنے  
آنکھ کب دوڑے ہے اُسکی ہر طرف  
اغرض منو عبارت جاں سے ہے  
خوش رہے منو خوش احوال میر

وہر میں یارب نہ یہ محذوں رہے  
جسکا منو ہے اُسے میموں رہے

### مثنوی دیگر

آن نے میرے گھر کیا آکر مقام  
کم بہت جانے لگی اُٹھ کر کہیں  
دکھتی رہنے لگی میرا ہی ہاتھ

ایک بلی موہنی تھا اُس کا نام  
ایک دوسے ہو گئی الفت گزریں  
ربط پھر پیدا کیا میرے بھی ساتھ

آئے ہے مجھ پاس یہ اٹھ کر سویر  
یعنی وقت گرگ ویش آئے ہی پاس  
چھپ چھپ اٹکڑا جو کچھ پایا کرے  
بختوں سے ٹوٹا ہے پھینکا بھی اگر  
داخل کیا ہے جھانکے یہ پھینکے کی اور  
اس مردت پیشہ سے کیا ہے گلا  
ایک بلی کچھ گئی تھی آ کے چکھ  
برسوں یاد آدے گی یہ پاکیزہ خو  
لانگھے ہو جو گھر سے جاتے تدریوں  
تھی جو ظاہر جو کڑا ہی تیرہ رنگ  
شوق میں ہمسائیاں اُس کے رہیں  
پھرنے کو تو پھرتی کیا دلی نہ تھی  
رفتہ رفتہ کو ٹھوں پر جانے لگی  
حاملہ ہو کر کئی بچے دیے  
متصل ایسا ہوا جو اتفاق  
حفظ اس کی کو کھ کا لازم ہوا  
نذرین بانیں نقش لائے ڈھونڈھ کر  
چھپ چھپوں پر بعضوں نے افسوں رکھے  
لی بلانی سے بہت کی انتخاب  
گوشت کی چیلوں کو پھینکیں بڑیاں  
لڑکیاں بٹھلائیاں کھاؤں تنے  
دیتے ٹکڑا منہ کو ہراک کھولتے  
صدقے اترے چھپ چھپے جو ڈھیر تھیر  
کیں مناجاتیں دل شب لاقد  
بوہرہ کے تئیں مانا بہت

گر بُر زرد فلک نکلے ہے دیر  
پھر مراہروں کیا ہے اُن نے پاس  
فقر میرا دیکھ کر کھایا کرے  
اُن نے ادھر کی نہیں مطلق نظر  
ٹکڑے کو دیکھ نہ گو بھوکی ہو زور  
خوف سے آپھی گئے چوہا ملا  
یہ لڑی تو منہ پہ پنجہ اپنے رکھ  
آگے آئی ہی نہیں چلتے کبھو  
چلتے پھینکا ہو کبھو تو کچھ کہوں  
پر تماشا کر دنی تھے اُس کے ڈھنگ  
جو گئی بھی ٹک تو مانگے سے کہیں  
پر جلے پانوں کی یہ بلی نہ تھی  
پہروں پہروں میں یہ پھر آنے لگی  
ایک دو بھی سو نہ ان میں سے جیسے  
مرگ ان بچوں کی گزری سب شاق  
جھاڑے پھونکے کا ہراک عازم ہوا  
نیل کے ڈوزوں میں باندھے بیٹ پر  
بعضوں نے تعویذ لے کر خوں رکھے  
گر بُر محراب سے چاہی دعا  
ماش کی موٹی پکائیں روٹیاں  
اس طرح جوں دیکھی بلی کم ہے  
اور بولی بلیوں کی بولتے  
گر بُر لاوہ نے کھائے ہو کے سیر  
گر بُر تراہر سے بھی چاہی مدد  
بلیوں کو بھی دیا کھانا بہت

مدح جس بی کی کرتا تھا عیب سے  
 خواجہ عصمت کرتے تھے طاعت جہاں  
 صبح دم ہوتی وہی گرم سجود  
 چاہی بہت اس سے اٹھ کر ہر سحر  
 پانچ بجے اُس نے اس نوبت دیے  
 کیوں نہ ایسی ہو دوسرا دوا شرگ  
 اک توجہ رکھے تھے ظاہر کی اور  
 اپنی ماں کے رات دن سینے لگے  
 دودھ کتنا جو کہ بس ہو سب کے تئیں  
 دودھ پی کر گائے بکری کا چیلے  
 دیر میں میں نے جو یہ تک غور کی  
 دو تھینے تک بہت تھی احتیاط  
 کوئی تکتا آگیا اچھڑا اگر  
 در سے نکلیں سب ہوئے بازی کے گرم  
 کچھ رشیم کے سے چندیں رنگ خال  
 آنکھ لٹی تھیں جدھر یہ پانچ چار  
 ایک عالم عاشق دیتا تھا  
 لے گئے ایک ایک کر سب تین تو  
 مٹی کی پھر ایک صاحب نے پسند  
 مالی کچھ بھاری تھی نکلی بردبار  
 پورے پر میرے اس کی خواجگاہ  
 میں نہ ہوں تو راہ دیکھے کچھ نہ کھائے  
 سب سے آگے آن ہوئے ورنہ تک  
 آنکھ سے معلوم ہو مشتاق ہے  
 بنیاں ہوتی میں انہی ہر کسیں

تھی دعا گوئی میں وہ بے مکرو شدید  
 ایک بی بی بھی تھی آکر وہاں  
 کہ قیام اُس کے تئیں تھا کہ قیود  
 کچھ تو باطن نے کیا اُس کے اثر  
 بارے سب نے قدرت حق سے جیسے  
 بی بلانی بوہریہ سب بزرگ  
 آرزو برائے یہ باطن کی زور  
 پانچوں بچے دودھ کچھ پینے لگے  
 میں بھی منگوانے لگا کچھ شب تئیں  
 روز دشب لوگوں کی آنکھوں کے تے  
 بتیاں پانچوں میں یہ اک طور کی  
 کتے بی سب سے موقوف استلاط  
 لوگ دوڑے شیر سے ٹھنڈ بھار کر  
 زرد زرد آن کی دین منہ نرم نرم  
 کچھ سفید و کچھ سیاہ زرد دلال  
 وہ طرف ہو جاتی تھی بارغ و بہار  
 اُن کی خاطر بے خور و بے خواب تھا  
 مٹی مانی رہ گئیں مجھ پاس دو  
 تھی بھی نازک ایسی ہی طالع بلند  
 رہ گئی یاں نقسہ کو کر اختیار  
 دل سے میرے خاص سکو ایک راہ  
 جان پاوے سن مری آواز پائے  
 دیکھے میرے پاؤں سے لے تر تک  
 بی یا عجوبہ آفاق ہے  
 یہ تماشا سا ہے بی تو نہیں

لہذا میرزا کاظمی کی تصنیف اسی قسم کی موجود ہے جس میں بیانیہ انداز میں لکھا گیا ہے۔  
 میرزا کاظمی کا ایک غرض اور نثری شاعر تھا ۱۲



گرد رو باندھے تو چہرہ حور کا  
گرم شوخی ہو اگر یہ منسل برق  
پری اس پردے میں ہے جلوہ گر  
کیسی ہی بلی ولایت کی ہو زور  
رہے اپنے بھی جی کو اُسکے ساتھ  
ایک دن جا کر کہیں ٹنک سو گئی  
بلی کا ہوتا نہیں اسلوب یہ  
دیکھے حسد یک ذرا کوئی اسکو گھور  
حسن کیا کیا مانی کے کرے بیاں  
خوبی مٹی کی نہ کوئی کہہ سکے  
داغ گلزاری سے اُسکے تازہ باغ  
کیا داغ اعلیٰ طبیعت کیا نفیس  
یہ نفاست یہ لطافت یہ تمیز  
اسکو گر کعبے میں یہ ہو شوخ و چست  
جو باجڑیاں اُن نے کچھ کھا یا نہیں  
محب ہرہ جو کہ ہے ایمان میں  
تھا بہت مٹی کا جستا آرزو  
خال ہیں ان پر بھی اس کے سے عیاں  
موسنی اور سوہنی ہے ان کا نام  
نیلے دھاگے گردنوں میں ہیں پڑے  
حفظ ابھی بلوں سے انکا ہے ضرور  
دیکھے اُن کی اور جو ٹنک کر کے چشم  
قصہ کوتاہ موہنی آگے موٹی  
صبر بن چارہ نہ تھا آخر کیا  
شاد وہ جسکے رہیں قائم مقام

چاندنی میں ہو تو مہکا نور کا  
بجلی میں اُس میں کچھ کر سکے فرق  
اٹھتی اودھر سے نہیں ہرگز نظر  
خوب دیکھو تو ہے اُسکے صدقے حور  
بیٹھے ہی تو پیٹھ پر میرا ہے ہاتھ  
مانی مانی سارے گھر میں ہو گئی  
ہے کہو دی چشم یک محبوب یہ  
چشم شور آفتاب اس دم ہو کور  
ہو جہاں جتنک یہ ہووے درمیاں  
دیکھے اُس کو تو نہ اُس بن رہ سکے  
س زمان تیرہ کی چشم و چراغ  
کیا مصاحب بے بدل کیسے جلس  
آنکھ دوڑے ہو نہ ہو کیسی ہی حسد  
ہے کہو تر مارنا واں کا درست  
جج کو جانا اُسکے تئیں آ یا نہیں  
ہے اسی بلی کی شاید شان میں  
سوختی دو بلیاں یہ ماہر و  
پر وہ خوبی اور محسوبی کہاں  
پھرتی ہیں بھند ناسی دونوں صبح شام  
نوگ آنکھوں میں ہی رہتے ہیں کھڑے  
رہو ان دونوں سے چشم شور دور  
کاڑھ کر دیں بلیوں کو اُسکی چشم  
یک قیامت جان پر اس بن ہوئی  
بلی ماروں میں اُسے گڑ دا دیا  
دائے اسپر جس کسو کا لین نام

## مثنوی در تعریف سنگ و گریہ در نہ فقیر بود نہ باہم ربط و اشتراک

سنگ و گریہ ہیں دو ہمارے ہاں  
 رنگ گریہ سے تیر نہ ہے داغ  
 کھائے نہ جونہ ہو وہ مادہ سنگ  
 کب مردّت سے چلے کھانا چکھ  
 سارے ہمایوں پر ہے یہ سلوم  
 جو ہاکیا ہے جو سامنے آوے  
 اُن نے جو ماریاں ہیں گھونٹیں صھونس  
 گھونس جب فکر ہی میں مرقی ہو  
 کوئی پھچھوندر جو بستی میں یاں ہے  
 ایک دن گھر میں ایک گھونس لئی  
 گھونس کیسی تباؤں غیرت سونس  
 یا کوئی مادہ خوک آبستن  
 پھرتی پھرتی جو صحن میں خوشحال  
 کہیں اودھریہ شیر جاتا تھا  
 پڑ گئی اس کی اس پر چشم کہود  
 پنجہ جھنچھلا کے اُن نے گزرا نا  
 پر اُسے خوب جاں نہ آیا کچھ  
 ٹھک ٹھکا یا پھر اُن نے جانا تو  
 پھر تو بگڑی ہے دونوں میں آکر  
 غصہ خر موش کو بھی آن چڑھا  
 دونوں لڑتے ہوئے گرے اُسہیں  
 ناخن اُس شیر کا کچھ ایک گڑا  
 شور کیا اٹھے چوتک اٹھے

دو ہیں قالب اور اُن کی ایک ہی جا  
 آنکھیں سکی اندھیرے گھر کا چراغ  
 بھوکھا بیٹھا رہے قیامت لگ  
 لڑے بھی ہے تو منہ پہ پنجہ رکھ  
 موش کی نسل ہو گئی مفرد دم  
 گھونسوں سے بھی یہ شیر بھڑ جاوے  
 موش دشتی موائے کوئے کھونس  
 موش دشتی یہ کیا گزرتی ہو  
 سو وہ جو ہوں کی مرثیہ خواں ہے  
 اپنے پاؤں اجل سے بلائی  
 طاق ہے جسکے آگے طاقت سوس  
 یا کسو کچھوے کی برادر زن  
 پائے دیوار بیٹھی سر کو نکال  
 پھیرتا منہ پہ نیچے آتا تھا  
 نیلا پیلّا ہوتاؤ کھا جوں دود  
 بارے کچھ گھونس نے اُسے جانا  
 غالب آیا نہ اُس کا سایہ کچھ  
 کیونکہ تھا یہ تو شیر کا خالو  
 چوٹ ہوتی تھی داؤ پا پا کر  
 اتفاق اُس جگہ تھا ایک گڑھا  
 کیچ کا گاستے پھرے اُس میں  
 شور مچر گڑھے کے بیچ پڑا  
 سگ بازاری بھونکتا تھا اٹھے

گھونس بی نے بھیچرے کر دی  
شیر کلا گر ٹھہرے گھبرا تا  
کیونکہ سر سے بلا بڑی طالی  
کہ قدم کو رکھیں وہ حتی الباب  
کہ تری لاش خوار ہوتی ہے  
سو اٹھایا ہے زخم دامن دار  
بل کے بل اب خراب ہو دینگے  
جن نے گھونسوں کے گرد دکھائے دھیر  
وہ جو ہے گامبید کا حصہ  
لگتی تھی اسکی وہ سگی نانی  
صدید او یک بدے بسالانا  
کہ شدہ مومن و مسلانا

یاں تو گھر بیچ کیا ہے کیا ہے پری  
کھڑے موچکوں کے بال انچڑاتا  
لیک جی سے تھا سب بدن خالی  
گھونس کے وارثوں کی کیا تواب  
کوئی پچھوندر اب اس پر روتی ہو  
تو جو بھی ساری قوم کی سردار  
ہم بہت غم میں ترے روئیں گے  
فخر ہے اپنی نسل کا یہ شیر  
سنا ہے موش گر بہ کا قصہ  
جسکو باندھا عبید زاکانی  
گر بہ تا بود فاسق و فاحس  
ایں زماں بیخ بیخ می گیرد

### در تعریف مادہ سگ

دوڑ پڑنے کے وقت باشا ہے  
سگ اصحاب کھف کی خالا  
ہے سگوں میں عزیز خاں کے یہ  
ہے گایاں سگ لوند کیا گتا  
استخوان سگ شکاری ہے  
اسکے مارے ہوئے ہیں ہاے سب  
طرفہ دم لا بہ کرتی ہے چیل  
سگ لیلے کے ہے قبیلے سے  
کوئی دیکھے نہ ہووے اس سے ضبط  
لگی رہتی ہو اسکی چھت سے نظر  
اسکی یہ باؤلی روانی ہے  
سگ گر بہ کی چال رہتے ہیں

ہے جو وہ مادہ سگ تماشا ہے  
کسی کے لقمے پہ نہ منہ ڈالا  
نہیں کتوں سی خواریاں کے یہ  
دے ہرن کو بھی جلدی میں بٹا  
اُڑتی چڑیا انھیں نے ماری ہو  
یہ جو غصے میں دے تو ہے غضب  
منہ میں تپتے ہیں بکے جب مشعل  
منہ میں بنے لیے فتیلے سے  
باہم اس کتے بلی کا یہ ربط  
کبھو جاتا جو ہے یہ کوٹھے پر  
اور سے دشمنی حبانی ہے  
دونوں شوخی سے مار رہتے ہیں

## مرخسہ روس کہ درخانہ فقیر بود

کئی برس سے ہمارے کئے تھا ایک برس  
 پھر جو اُس سے یکایک زمانہ کچ باز  
 دیا کرے وہ اذال دونوں وقت صبح و شام  
 نہیں ہے مرغ چین میں جہاں کے ایسا آج  
 جو بیٹھے چھاٹھ میں پرواز پر سے مرغ خیال  
 کبھی جو صحن میں گھر کے وہ اشرف الطیار  
 نہ بطحیں میں ثنا گستری میں اُس کے دم  
 رہا ہمیشہ سے وہ مرغ مستعد جنگ  
 جب اُن نے گناٹھ کے اگلات حلق پر پاری  
 نہ اُس کے سامنے کوئی کھڑا رہا مرغا  
 بجز کنارا نہ سیم مرغ کو بنا جبارا  
 ہمیشہ گریہ و سنگ سے تھی روک ٹوک اسے  
 خصوصیت اُس کی تھی یک مادہ سنگ سے شام و سحر  
 قضا جو پہونچی تھی نزدیک وہ بھی بھلائی  
 یہ بھبھاٹھا نہ سمجھا ادا کو کہنے کی  
 بلائی اُن نے بھی گردن لگی کہیں تیکل  
 جھٹکا جو خاک کی جانب کو کیس بجاں کا  
 ہوا کے مرغ ہوئے داغ اس کے نام سے  
 وہاں جو نوخستہ مرغان قدس باز  
 قفس کے مرغ نے سن ترک ب ورنہ کیا  
 ہوا رہا کہ پر اگندہ یہ غسم جانسوز  
 روس عرش ہی اس بن نہیں دینہ نگار  
 زمانہ جب تئیں ہے اُس کے دردائے مائے

خروس عرش کی اولاد سے دے افسوس  
 قضائے اُس کو کیا ایک بار مرغ انداز  
 بجائے مرغ مصلی رکھیں گراں کا نام  
 برنگ کلمہ تاج خروس سر پر تاج  
 گھڑا ہو دھوپ میں رشک مرغ زیریں بال  
 پھر ہے کیس کو ڈالے تو مرغ آتش خوار  
 بزرگداشت کریں مرغ سبز و اتر نام  
 ظرف نہ اُس کے ہوئے بنگی میں قاز و کلنگ  
 شتر دل کی شتر مرغ نے کئی باری  
 حواصل اس سے بگڑتا تو تھا وہ کیا مرغ  
 کہ فیل مرغ کو کبری کی طرح سے مارا  
 جہاں سے لے گئی آخر یہ نوک جھوک اسے  
 کبھی وہ لات اسے مارتا کبھی شہسپر  
 حریف ہو کے دیرانہ سامنے آئی  
 لگائی سامنے ہوتے ہی ایک سینے کی  
 کہ ایک دم میں گئی وہ اُس کی گردن وصل  
 تریں یہ تاج گراں بد سلیمان کا  
 سیاہ پوش سے ظاہر خرم غم سے  
 کہ مرغ قبلہ نما کا بھی دل گداز ہوا  
 طور نے بھی نہ پھر قصد آشیانہ کیا  
 وہ اس رہنے لگے مائے مرغ دست آموز  
 ہزار مرغ کا اب گھر خروس پر سے بار  
 رہینے خاک نشان مرغ خانگی سارے

خجوش میر تجھی کو نہیں یہ رنج و تعب  
کباب آتش غم میں ہیں مرغ و ماہی سب

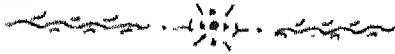
### شعری در بیان نر

کہتے ہیں جو غم نداری نر بخبر  
شعر زورِ طبع سے کہتا ہوں چار  
دزد ہے شایستہ خونریزی کا یاں  
میں پڑھوں ہوں اُسکے آگے شر گم  
بکروں کی داڑھی کے تئیں جانے میں سب  
رنگ سر سے پاؤں تک اُس کا سیاہ  
چار پستاں اُس کے آگے وید میں  
ایک ہیں اُن میں سے تھا مطلق تہ  
اسہ کالے بکرے دو خیدا جئے  
چارہ بیٹھے کھاتے اک انداز سے  
دودھ ہو جو جی میں تو بچا پئے  
بھوک سے گرمِ نظم دے ہوئے  
دودھ منگوایا اسکے بازار سے  
گھاس دانہ بارے کچھ کھانے لگے  
پرورش سے حق کی بائے جی گئے  
اب جوانی پر جو ہیں وہ شیرست  
ستی اپنی ماں پہ کرتے شاد ہیں  
زور و قوت سے حرفیوں کے ہیں مہینگ  
ٹکرا ان کی کیا جگر میڈھا آٹھائے  
سر زنی میں شہرہ آفاق ہیں

سوہی لی میں ایک بکری ڈھونڈھکر  
دزدی بڑگیری نہیں اپنا شعار  
بلکہ بابت ہے نر آؤ نر ہی کا یاں  
اپنے ماں کو یا نر اخفش ہے یہ  
تک زبانی بکری کی ہے بواجب  
چکنی ایسی جس پہ کم پھڑکے نگاہ  
دو جہاں ہوتے ہیں دو ہیں جید ہیں  
ایک کو کہتے ہیں اندھو خرد و پیر  
ناز خڑے سے رہے پھر اٹھنے  
دیتی بیٹھے تو ہوتے خوش اس ناز سے  
بیٹھا دیکھے اس طرف گھنڈ کو کئے  
اپنی شایان ترحم دے ہوئے  
پھو ہوں سے دینا کیا انفار سے  
گرتے پرتے پاس بھی آنے لگے  
آج دانہ دوڑ کر کھاپی گئے  
کو دتے ہیں ہر زماں ہر دم میں جیت  
عاقبت بکرے ہی کی اولاد ہیں  
آہوئے جنگی کو دکھاتے ہیں سہینگ  
قوچ سر زنی سامنے ہرگز نہ آئے  
لوگ نر گدھی کے سب مشتاق ہیں

<p>رنگ کو اس جنگ کا کیا ڈھنگ ہے ہوتے ہی استادہ طاری ہو غشی نہیں اُن کی دھاک سُن کر مر گیا گو وہ ٹکڑ کھا جو ڈکراتا رہا مارے پانی پانی کر بکرے اکیل پاس جانا اُن کے اب مسدود ہے</p>	<p>دیتے ہی میداں کا عرصہ تنگ ہے کیا بزرگوں ہی سے ہو میداں کشی غسم گوزنوں کو انھوں کا چر گیا بزدلی سے گرگ بھی جاتا رہا لکھنؤ سے غل ہے تا بکرے کی جھیل ذبح کرنے کو ہر اک موجود ہے</p>
---	---

اس ادا سے جائیں گے چھروں تلے  
کا شکے ہوتے نہ ہاتھوں میں پلے



# چویات

میر تقی میر دہلوی

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ہجویات

### منہس

سنو یا رو بلاں راے کا حال | ایک لچا ہے وہ عبا ئب مال  
کام لینا ہے اُس سے امر حال | شور بھی جا اڑیں تو دیوے مال

پیر کو اپنے دے نہ ..... کا بال | جو نہ  
لے جو کچھ اُس سے ایسا ویسا ہو | در نہ کیا دخل کوئی کیسا ہو  
کہتا ہے دوں جو پاس پیسا ہو | ہوتے جو دے نہ ایسا تیا ہو

خلق ناحی ہے میرے جی کا وبال | خلق ناحی ہے میرے جی کا وبال  
ایک عمدہ کے ہاں ہے اہل کار | فوج کے لوگوں کا سب اس پہ مدار  
طرحد سو یہ بڑ بڑ ایسا خوش قرار | کسے ہر اک کو دینے سو سو بار

پھر نہ دے جز فریب تا دہ سال | پھر نہ دے جز فریب تا دہ سال  
یامینوں تلک رہے رو پوش | یا لے ہے تو بے حواس وہوش  
لوگ کرتے پھر نہ جوش و خروش | یہ چھری میں بیٹھا ہے خاموش  
نہنگ رہے رو بھیجا ہے گویا لال | گویا لال

جب سے یہ ہے محسوس ہوا | تب سے ہنگامہ ہی رہا اکشر  
ہو دے پر چھا جو دے کسو کو زر | سو یہ پی پڑھا نہیں ہے پھر



	سب سے اُس کو ہے ایک جنگِ خیال	
لات مکی ہے گھر رہیلوں سے	کو کھول چھوڑ ہے گاہ چیلوں سے	کم نہیں ہے پھر سی میلوں سے
	ہلکے ہو تیغ کھڑکے ہے وال ڈھال	
ان دلوں آگیا ہے از پس و پیش	آج کم بھی ہے اُس کا سبک پیش	شان میں اپنی گوہر بد کیش
	ایتم جانے ہے یہ قبا و شال	
کیا کوئی جھاڑ جی کی خوبی کے	اس زیادہ سری کو کون ہے	چاٹے اُس کے نہیں درخت رہے
	بات کہتے ہیں تو کریں ہیں نہال	
لو کیھو منہ تو خدا ہی خیر کرے	ایک ہو شہر جو کہیں یہ مرے	کب تک ایسے غص سے کوئی بھرے
	جن نے دیکھے نہ ہوویں خرس جوال	
ایک صف خاک دھول اُڑاتی ہے	سنگ و خشت ایک صف چلاتی ہے	لو ہے پتھر کی اُسکی چھپاتی ہے
	ہلکے ہے گھر سے جبکہ یہ دھال	
مردہ شو خصم جان اہل سیر	جس کسو دن رہے ہے اپنے گھر	پڑتے ہیں سیر زانی پر تھپیر
	جوں کفن چور کوئی رکھے کدال	
نے حیا ہے نہ کچھ مروت ہے	نے کچھ اس خریں آدمیت ہے	کیا خدا جانے بھڑوے کی مروت ہے
	کہیں غتیر کا سر میں کچھ ہے خیال	
جور و گھر میں رکھے ہے اک ستارہ	کہیں چشمک کرے کہیں وہ نگاہ	آتے جاتے ہر ایک اُس سے راہ
	واہ رے رے جی کی غیرت واہ	
	طرفہ دیوث ز غلب چنڈال	

یہ مکر باندھ کر گئے دربار  
آنے دروازہ پر لگی سو بار

وہ ہوئی گرم جستجوئے یار  
سر پہ رکھ بانگی پگڑی کھڑکی دار

پھر ہوئی حیرہ بند بوڑھی پھنال  
کچھ حمیت نہ زنجلب کے تنیں

ساتھ لیجائے گھر میں سبکے تنیں  
نہ تو پاتے ہیں اُسکے ڈھبکے تنیں

نہ سمجھتے ہیں اس پھنال کی چال  
قصہ کوتاہ بعد چند میں ماہ

میری اس بھڑوے پر ہوئی تنخواہ  
جائے آدم لگا نگہ دبے گاہ

منفردی کاذب و سفیہ و سنلال  
سہل سا مجھ کو بھی سمجھ کے فقیر

رکھنے وعدوں ہی میں لگا بے پیر  
یہ نہ جانا نہیں ہے اُس کی نظیر

دور تک پہنچنے کی یہ قبل وقال  
اُسکی خاطر کہیں گے خورد و کلاں

سسی اس میں کرینگے عمدت بجاں  
دوست اُسکو رکھیں ہیں پیرو جواں

رکھنا ان پیسوں کا ہے کس کی مال  
آپ نواب سن کے اُس کا نام

کے گا دو یہ پیسے جلد تمام  
یاں نہ زہنہار کیجو صبح و شام

ہو نہ ایسا کہ پاوے طول کلام  
ایک سے دس روپے ہیں کچھ بھی مال

نکا ہے کو اپنے پر دے اٹھواتا  
ہوتا اشرف تو یہ تہہ پاتا

کبھو نیچے تھا بڑھیا کا کاتا  
سو جلا ہوں سے اُسکے تنیں ناتا

کبھو ہوتا تھا سوت کا دلال  
کبھو ہوتا تھا سوت کا دلال

ایک عمدہ کے گھر دخیل ہوا  
اب ترقی ہوئی وکیل ہوا

مجھ سے اڑ کر عبث ذلیل ہوا  
فوج کے لوگوں کا کفیل ہوا

جہل پر اُس کے ہے یہ صحبت دال  
جہل پر اُس کے ہے یہ صحبت دال

تک نہ یہ کس کباب شرمایا  
جو گیا آدمی سو داغ آیا

جب تقاضے سے اُس کو گھبرا یا	پھر منہ لب پہ یہ سخن لایا
تم تو کاٹو ہو پہلے جو مے گال	یوں تو سو بار آؤ عباؤ گے
اور اُس پر بھی جو ستاؤ گے	اپنے پیوں سے ہاتھ اٹھاؤ گے
بو جھ میں اپنے سر سے دنگاٹاں	یاں کھڑا دو دو دن رہے دوا ب
منہ تکا دیر کرتے ہیں نواب	کس کا اللہ میاں کہاں کا ثواب
بے زری سے ہے زیست نچ و نکال	کام جوں توں کے میں چلاتا ہوں
سوجھی سو سو دکاں پہ جاتا ہوں	قرض کچھ بنگیا تو لاتا ہوں
جیسا میں نے کیا ہے پاتا ہوں	منتصدی گری ہے یا بنگیاں
باز آتا نہیں ہے نفس شوم	در نہ کس سے اٹھے ہے اسی دھوم
ہر سحر روز والوں کا ہے ہجوم	ہے نکھیں حال یاں کا کیا معلوم
تم تو سوٹا لیے کر دو سو سوال	ایک دن جا کیا لفر نے شور
ان نے دیکھا نہ مطلق اُسکے اور	ہے غرض صحبت اپنی اُسکے زور
وہ تو مجھ کی جھول کا ہے چور	میں بھی کھینچوں گا خوب اُسکی کھال
اس پہ تنخواہ جو کہ سر لادے	سودہ اپنا کیا ہی پھر پاوے
پاشکتوں کو برسوں دوڑا دے	ایسے سے ہاتھ خاک کیا آوے
جس سے دل ہوں تہ غبار ملال	باز بانی نہیں ہے اتنی خوب
بات اچھی نہیں ہے بے اسلوب	گفتگو اس طرح کی ہے معیوب
مل رہے گا جو کچھ کہ ہے مطلوب	بس قلم اب زبان اپنی سنبھال

## محنت و مگر در ہجو لشکر

جس کسو کو خدا کرے گمراہ  
اُسے لشکر میں رکھ اُمیدِ زناہ  
یاں نہ کوئی وزیر ہے نے شاہ  
جسکو دیکھو سو ہے بحال تباہ

طرفہ مردم ہوئے اکھٹے آہ

جائیے جسکے یہاں وہ روتا ہے  
یا کہے جو بدار سوتا ہے  
جو مقدر ہے سو تو ہوتا ہے  
کون وقت عزیز کھوتا ہے

میں تو تھو کوں نہ ایسوں پڑا اللہ

فوج میں جس کو دیکھو سو ہے اُداس  
بھوکھ سے عقل گم نہیں ہیں حواس  
بچ کھا یا ہے سب نے ساز و لباس  
چیتھڑوں بن نہیں کسو کے پاس

یعنی حاضرِ ریاقت ہینگے سیاہ

خاک اُڑتی ہے صبح سے تا شام  
شام سے صبح تک ہے فکرِ طعام  
رحم کی جا ہے حال تنگِ اناں  
ایک دو ہوں تو لوں کسو کا نام

سیکڑوں کے نہیں جگر میں آہ

مفلسی سے رہا ہے کس میں حال  
خورش و خواب ہینگے خواب و خیال  
چارون عمر کے ہوئے ہیں ویاں  
زندگی اپنے طور پر ہے محال

مرگ ملتی نہیں ہے خاطر خواہ

جاؤ کرنے تلاش جس کے گھر  
پہونچنا اُس تک بہت دد بھر  
راہ مطلق نہیں نکلتی اودھس  
باعثِ صد فساد و شور و دھس

دس تلنگے ہیں در پہ بے گہ و گام

دیکھے میں نے مصاحبانِ شب  
نکلے سب بے حقیقت و بے تہ  
گھسری آخر کو اُن سے کچھ کہہ  
رہ سکے ہے کسی طرح تو رہ

ورنہ لشکر سے جاخذِ امراہ

فقروفاۃ کی ہر طرف ہے وھوم  
دو تلنگے جہاں ہیں واں ہے ہجوم  
شکر اک ہے خسر ابہ مردم بوم  
زندگی کرنے کی طرح معلوم

کہ رہے جوں خدا ہی ہے آگاہ

قصہ گو تم کہاں نہ رو گزرا  
کوئی مثل میں نہ ہو گزرا  
آبر و رفتہ رفتہ کھو گزرا  
یاں گزرتا تھا ظلم جو گزرا  
اس پہ جبکو ہو قصہ بسم اللہ

### قطعہ در ہجو خواجہ سرا کے

دو دنوں دے آپس میں ہوئے ہنگام  
مردے حکیموں کا ہوا زندہ نام  
اسکی میں پامالی میں ہوں صبح و شام  
خواب و خورش مجھ پہ ہوئی ہے حرام  
کیونکہ یہ ناکام کام ہے اتنا کام  
مجکو یہی کام رہے ہے مدام  
اور نہ دے درد سرائے تلخ کام  
کر تو اسے جا کے اذیت تمام  
بچتے تھے جانا تھا نکلا تو خام  
چپ نہ ہنسیں سن کے کہیں مدام  
بچھ سے تو دانا بمراتب عوام  
خوجوں میں ہوتا نہیں ہوش یکدم  
رات کو خوجے کو ہوا اختلام  
بہ کے گئی اُسکی دُبر پر تمام  
دے گیا تکلیف ہی یہ لاکلام  
کیا کموں میں کیسی ہوئی دھوم دھام  
ایک حویلی میں ہوا ارد حسام  
پوچھ چکے لوگوں کالے لے کے نام  
اپنی طرف دیکھ تو طمک تیرہ فام

ایک جو خوجے سے ملا ایک حکیم  
خوجے نے یوں اُس سے کہا تجھے سی  
کتنے دنوں سے ہے تجھے دردِ سر  
نیند نہیں رات کو نے دن کو چین  
تیری توجہ ہے ضروری ادھر  
کہنے لگا سن کے وہ حاذق طبیب  
تیرے تعلق کی نہیں احتیاج  
نسخہ میں پاشوئے کالکھڈن تجھے  
مجھے تعجب سے کہا خوجے نے  
کچھ بھی ہے سراپاؤں تری بات کا  
پاؤں کہاں سرکہاں داں کہ ہیں  
سخت تر آشفقت ہو بولا طبیب  
نقل ہے اک یاد چننا بچھ مجھے  
آلت جنبش تو منی کی نہ تھی  
اُسکو کہا زعم نے لوطی کوئی  
صبح کو اٹھ قینچی کھڑی گھری کی  
ٹھہرے امین آسے کئی معتبر  
بانس تلک ٹوٹ چکے نفروں پر  
نسبت پاسر سے ہے کیا پوچھ مت

خوجے کے اپنے ہی سے کر لے تیاں ریش کج کجا اے غلام

سمجھ نہ سمجھ تو مرے ..... سے  
میں تو نظیر اسکی کہی والسلام

### مثنوی در بیان مرغ بازاں

گرم بر خاش مرغ یاں پائے  
مرغ قصویر کا بھی حیدراں ہے  
قاز و سارس سے جنگ جبکانگ  
ذکر کیا کر گس شتر دل کا  
نسر طائر کا رنگ اڑ جاوے  
شب نہ سووے ہراس سے شراب  
کب شتر مرغ سے ہوا چارہ  
مرغ مارے بغل میں آتے ہیں  
ہیں ثنا گستر ایسے تھے کب مرغ  
مت سن اس ہرزہ چاگلی کے تئیں  
حیدر آباد تک پڑی ہے دھوم  
نسر واقع کا واقعہ ہووے  
مرغ عیسیٰ ہیں مدح خواں ہر شب  
اس کے آگے کنیل بھیکا ہے  
ہوں پر افشاں تو ہو خروس عرس  
کی صدا مرغ دوست نے ہی دوست  
جوں گلستاں میں ہو دین تاج خروس  
کبک کا گھر خروس پر ہے بار  
حسن لاکھے کا سمجھ مرغ خیال  
مرغ آمین کو دعا گوئی

دلی سے ہم جو کھنڈ آئے  
پر و پیرا درست کیساں ہے  
مرغ ہے ایک ایک جیسے کلنگ  
حوصلہ کس قدر حواصل کا  
لات کی گھات کر جو مڑ جاوے  
زہرہ قفس کا اس خطر سے آب  
بکری سافیل مرغ کو مارا  
آدمی جو بڑے کہاتے ہیں  
سرخ و سبز وار کے سب مرغ  
ہو جو کیں مرغ خانگی کے تئیں  
لات ماری جو کاٹ کر حلقوم  
کھا کے سینے کی مدعی سووے  
نے ثنا سے بطیں ہی ہیں تر لب  
ٹینی کے سر پہ آج ٹینکا ہے  
کیا عجب ان کی رہنمرا کا فرش  
اڑ گیا حلق کا جو بڑتے پوست  
کیس اس رنگ ہوتے ہیں محسوس  
شور جنگ آوری کا تا کہسار  
کب ہیں پہلے سے مرغ زین بال  
کر سکے وصف مرغ کیا کوئی

و قسرتنا کہ دیر نکے لیں  
 مرغ بازوں سے ساز کر دیکھا  
 ربط رکھا بہت اُٹھوں کے ساتھ  
 مرغ کا مرغ ہووے مرغ انداز  
 یعنی اپنا حریف جب پاوے  
 سینہ کیا سینہ بال کیا پرو بال  
 بازی بند بند کے جب ٹراتے ہیں  
 آ یا حلقوم کے کہ حلق کے پار  
 ہاتھ جس مرغ باز کے ہٹا وہ  
 کچھ تو ٹھہرا تو دم ویا ان نے  
 اور جو سست ہو ہو اٹھیل  
 دم سے کیا ہو یہ بیدم و مجروح  
 ہو چکا ہو چکا ہوا یہ شور  
 پھیلا پانی میں وہ غم جانسوز  
 جانور رنگ باختہ سب ہیں  
 مرغ قبلہ نما کو وحشت ہے  
 ورنہ اڑ کر کہیں چلا جاتا  
 جمعے منگل کو پالی کی ہے دھوم  
 مرغ بازوں کو ہے قیامت جوش  
 مرغ لڑتے ہیں ایک دولا میں  
 اُن نے پر بھاڑے یہ پھر کہنے لگے  
 وہ جو سیدھا ہوا تو یہ نہیں کج  
 مرغ کی ایک پر فشانی ہے  
 ایک بولے کہ کاری آئی چوٹ  
 جھٹکتے ہیں آپ کو تراتے ہیں

جان دے کوئی تخم مرغ نہ دیں  
 درالطاف باز کر دیکھا  
 ایک پر مرغ کا نہ آیا ہاتھ  
 مرغ ایسا ہو تو بجا ہے ناز  
 پر ہلانے نہ دیوے کھا جاوے  
 جیسے چشم خردس آنکھیں لال  
 کانٹے لپٹے کے باندھ لاتے ہیں  
 پھوٹا چھاتی میں ایک لگ کے سار  
 پانی گرنے لگا تر آ کر وہ  
 تقبیہ کر کے رکھ لیا اُن نے  
 دونوں بازو کے پر دیے پھیلا  
 قصد پرواز میں تھا مرغ روح  
 ڈھلکی گردن گیا وہ سارا زور  
 دل زدہ پھر ہیں مرغ دست آموز  
 یعنی حیدر ان ناختہ سب ہیں  
 بال کھولے ہیں پر نہ طاقت ہے  
 دیر اپنے مقبام پر آتا  
 گلیوں میں روز حشر کا ہے ہجوم  
 جس کو دیکھو تو مرغ در اغوش  
 سیکڑوں ان سفیدوں کی باتیں  
 اُن نے کی نوک یہ کٹر کہنے لگے  
 ساتھ اس کے بدلتے ہیں سب درج  
 ان کی صدر رنگ بدزبانی ہے  
 ایک کہتا ہے بس گیا اب لوٹ  
 لائیں گویا کہ یہ ہی نکھاتے ہیں

ایک کے لب پہ ناسر گفتار  
 تیکھی نظروں سے سبکو تیکنے لگے  
 بعد نصف النہار رخصت ہے  
 لے گئے جیتے ہارے سارے مرغ  
 نالہ مرغ سحر سناوے گا  
 گرم شگامہ ہو گا ایسا ہی

ایک کے منہ میں مرغ کی منقار  
 منہ پہ آیا جو کچھ وہ کہنے لگے  
 طر فہ ہنگامہ طرفہ صحبت ہے  
 کھانچے سر ریشل میں مارے مرغ  
 پھر جو روز معین آوے گا  
 عالم آوے گا گرد و سیاہی

میران کا نہ ہووے گو قائل  
 مرغ معنی پہ وہ بھی ہوائل

### ثنوی در رجوع خانہ خود

اس خراے میں میں ہوا یا مال  
 سخت دلتنگ یوسف جاں ہے  
 کو ٹھہری کے حباب کے ٹپے ہنگ  
 تر تنگ ہو تو سوکھتے ہیں ہم  
 آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی  
 چھت سے آنکھیں لگی رہیں ام  
 راکھ سے کب تلک گرٹھے بھرے  
 ہے چکش سے تمام ایواں کیج  
 کیونکہ پردار سے گایا رب اب  
 گھر کی دیواریں ہنگ جیسے بات  
 ان پہ رڈار کئے کوئی کیونکر  
 چھو یا کا ہے کو بلکہ تھو یا کر  
 ٹوٹا اک بوریا سا ڈالو کہیں  
 یا ہمارے لیے بھیا رنگو  
 سو شکستہ تر اند دل عاشق

کیا لکھوں میر اپنے گھر کا حال  
 گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے  
 کو چہ ہونج سے بھی آنکھ تنگ  
 چار دیواری سو جگہ سے خسم  
 لونی لگ لگ کے جھڑتی ہو مائی  
 کیا تھے مینہ ستف چھلنی تمام  
 اس چکش کا علاج کیا کرے  
 جانیں بیٹھنے کو مینہ کے بیج  
 آنکھیں بھرا کے یہ کہیں ہیں بے  
 جھاڑ ہاندھا ہے مینہ نے ذرات  
 باؤ میں کا پتی ہیں جو تھر تھر  
 کیچے لے لے کے جوں توں چھو یا کر  
 تس کو پھر پہچتی بھی کسی نہیں  
 ڈھانکو دیوار یا اٹھار تھو  
 ایک حجرہ جو گھر میں ہو دانش



کہیں سورخ ہے کہیں ہے چاک  
 کہیں گھونسوں نے کھو ڈالا ہے  
 کہیں گھر ہے کسو چھو ندر کا  
 کہیں مگڑی کے لٹکے ہیں جالے  
 کونے ٹوٹے ہیں غلاق پھوٹے ہیں  
 اینٹ چونا کہیں سے گرتا ہے  
 رکھ کے دیوار ایدھر اودھر سے  
 چار پالی باب اس میں بچھو آلی  
 سام ابرس کہ ہے دولے خراج  
 یکا اپنی نہ آنے رکھی ہے  
 آگے اس نجرے کے سواک ایوان  
 کڑی تختے بھٹی دھوئیں سے سیاہ  
 کبھو کوئی سپو لیا ہے پھرے  
 کوئی تینتہ کہیں سے ٹوٹا ہے  
 دیکے مرنا ہمیشہ مد نظر  
 مٹی تودہ جو ڈالی چھت پر ہم  
 مضطرب ہو کے جو بچھائی بہت  
 پر سے اس مینھ میں کڑختی ہے  
 ہو میں اڑاڑیں پھر جو جد سے زیادہ  
 اینٹ مٹی کا در کے آگے ڈھیر  
 جیتے ہیں جب تک نہیں پہونچے  
 گنگنی دیوار کی نیٹ بے حال  
 طوطا مینا تو ایک بابت ہے  
 کیونکہ ساون کٹے گا اب کی بار  
 ہو گیا ہے جو اتفاق ایسا

کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیر سی ہے خاک  
 کہیں جو ہے نے سر بکا لایا ہے  
 شور ہر کونے میں ہے مچھر کا  
 کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے  
 پتھر اپنی جگہ سے پھوٹے ہیں  
 جی اسی حجرے ہی میں پھرتا ہے  
 لاکے یارب بناؤں کس گھر سے  
 پہلے چلیا سہ ہی نظر آئی  
 ہر جگہ یاں سے ہے نمایاں آج  
 ڈانس ایک ایک جیسے لکھی ہے  
 وہی اس تنگ تعلق کا ہے مکان  
 اُس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ  
 کبھی چھت سے ہزار پائے گرے  
 کوئی داسا کہیں سے چھوٹا ہے  
 پھر کہاں صاف موت ہی کا گھر  
 تھے جو شتیر جوں کہاں ہیں ختم  
 ہر کڑی نے کڑی اٹھائی بہت  
 تختے تختہ ہوئے یہ سختی ہے  
 چل ستوں سے مکان دے ہے یاد  
 گرتی جاتی ہے ہوئے ہوئے منڈیر  
 ورنہ کیا بس ہے جو نہیں پہونچے  
 پڑی کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال  
 پودنا پھد کے تو قیامت ہے  
 تھر تھر اودے بھنبھیر سی دیوار  
 شاق گزرے ہے کیا کہوں کیسا

ہو کے مضطر لگے ہیں کہنے سب  
تیری یاں جو کوئی آتی ہے  
نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ  
ایک دن ایک کو آ بیٹھا  
چیل سے لوگ دوڑے کرتے شور  
ہو نہ ایسا کہ اپنی چال چلے  
نہیں وہ زاغ چار یا توں پھرا  
مٹی اُس کی کہیں کہیں بھسکی  
سان کر خاک لگ گئے دو چار  
اچھے ہوئے کھنڈ بھی اس گھر سے  
اکھڑے پکھڑے کو اڑ ٹوٹی و صید  
خاک لوہے کو جیسے کھاوے پاک  
بندر رکھتا ہوں درجو گھر میں رہوں  
گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور  
جس سے پوچھو اُسے بتا دے شباب  
ایک چھپر ہے شہرہ دلی کا  
بانس کی جادیے تھے سرکندے  
گل کے بندھن ہوئے ہیں بھیے سب  
مینہ میں کیوں نہ بھیگئے یکسر  
مٹی ہو کر گرا ہے سب والا  
واں پہ پیکا تو یاں سرک بیٹھا  
حال کس کو ہے اولتی کا یاد  
کہیں صحنک زکھوں کہیں پیلا  
ٹپکے دو چار جا تو بند کروں  
یاں تو جھانکے ہزار میں تنہا

اور بھینھیری کہ ساون آیا اب  
جان مخروں نکل ہی جاتی ہے  
کہیں کھسکی تو ہے قیامت ننگ  
بیگماں جیسے ہوا آ بیٹھا  
کہ نہ حایط میں کچھ رہا تھا زور  
دوڑے اچھلے کہ ہاں ہاں چلے  
ایک کالا پہاڑ آن گرا  
جی ڈھا اور چھاتی بھی دھسکی  
بارے جلدی درست کی دیوار  
بر سے ہے اک خرابی گھر در سے  
زلفے زنجیر ایک کہنہ حدید  
چھپر لیجے تو پھر نرمی ہے خاک  
قدر کیا گھر کی جبکہ میں ہی نہ ہوں  
ہے خرابی سے شہر میں مشہور  
ساری بستی میں ہے ہی تو خراب  
جیسے روغنہ ہو شیخ چلی کا  
سووے مینہوں میں سب کھنڈے  
پاکھے رہنے لگے ہیں گیلے سب  
پھونس تو بھی نہیں ہے چھپر پر  
وہ رہے ہاں جو ہو کو ڈھب والا  
یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا  
مگر می اس جھگڑے میں لگی بر باد  
کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لالا  
بیچ کوئی لڑاؤں فند گردوں  
کچھ نہیں ہائے مجھ سے ہو سکتا

بسکہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی  
 کوئی جانے کہ ہولی کھیلنا ہوں  
 مجھ سے کیا واقعی ہوا چارہ  
 بان بھینگر تمام چاٹ گئے  
 تنکے جاندار میں جو بیش و کم  
 ایک کھینچے ہے چوتھ سے کر زور  
 پوچھ مت زندگانی کیسی ہے  
 کیا کہوں جو جفا چکش سے سہی  
 بوریا پھیل کر بچھا نہ کبھو  
 ڈیڑھی کی ہے یہ خوبی در ایسا  
 جنس اعلیٰ کوئی کھٹو لا کھاٹ  
 کھٹلوں سے سیاہ ہے سو بھی  
 شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں  
 کپڑا ایک ایک پھر کوڑا ہے  
 ایک چٹکی میں ایک چھنگلی پر  
 گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا  
 ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں  
 ہاتھ تکیے پہ گہ بچھونے پر  
 سلسلایا جو پابنتی کے اور  
 تو شک ان رگڑوں ہی میں سب بھاٹی  
 جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان  
 نہ کھٹولا نہ کھاٹ سونے کو  
 جب نہ تب پنڈے پر لیے پائے  
 سو یہ تنہا نہ بان میں کھٹمل  
 کہیں پھر کا کبھی سے تاب گئی

کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی  
 کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلنا ہوں  
 آسمان جو بھٹے تو کیا چارہ  
 بھینگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے  
 تن پہ چڑیوں کو جنگ ہے باہم  
 ایک نگری پہ کر رہی ہے شور  
 ایسے چھپر کی ایسی تیزی ہے  
 چار پائی ہمیشہ سر پہ رہی  
 کونے ہی میں کھڑا رہا یکسو  
 چھپر اس چو نچلے کا کھڑا ایسا  
 پائے پٹی رہے ہیں جتکے پھاٹ  
 چین پڑتا نہیں ہے شکو بھی  
 سر پہ روز سیاہ لاتا ہوں  
 سانچے سے کھانے ہی کو دوڑا ہے  
 ایک انگوٹھا دکھاوے انگلی پر  
 پر مجھے کھٹلوں نے مل مارا  
 ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں  
 کبھو چادر کے کونے کونے پر  
 وہیں مسل کراٹریوں کا زور  
 اٹریاں یوں رگڑتے ہی کاٹی  
 ساری کھاٹوں کی چولیں کلی ندان  
 پائے پٹی لگائے کونے کو  
 سیتلا کے سے دانے مرجھائے  
 آ نکھہ منہ ناک کان میں کھٹمل  
 آ نکھہ سے تا پگاہ خواب گئی

ایک ہتیلی پہ ایک گھائی میں  
ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہئے  
یہ جو بارش ہوئی تو آخر کار  
آہ پھینچی خسرا کی کیا کیا نہ  
ایسے ہوتے ہیں گھر میں تو بیٹھے  
دو طرف سے تھا کتوں کا رستا  
ہو گھڑی دو گھڑی تو دھنکاروں  
چار جاتے ہیں چار آتے ہیں  
کس سے کتا پھروں یہ صحبت نغز  
وہ جو ایواں تھا حجرے کے آگے  
کوٹھا بوجھل ہوا تھا بیٹھ گیا  
کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا  
میں تو حیران کار تھا اپنا  
اینٹ پتھر تھے مٹی تھی یکسر  
چرخ کی کجروی نے پیسا تھا  
لگتے اک لوگ اس طرف دھائے  
مٹی لے لے گئے وہ ہاتھوں میں  
صورت اس طرح کی نظر آتی  
آہ کچھ کھولی ادھر ادھر دیکھا  
قدرت حق دکھائی دی آ کر  
داشت کی کوٹھری میں لا رکھا  
موسمیائی کھلائی کچھ ہلدی  
نغم ہوا سن گئے دوستداروں کو  
کہ مری بود و باش یاں نہ رہے  
شہر میں جاہم نہ پہونچی کہیں

سیکڑوں ایک چار پائی میں  
کب تک یوں ٹٹولتے رہے  
اس میں سی سالہ وہ گری دیوار  
تھے جو ہسائے دے ہیں پہچانہ  
جیسے رستے میں کوئی ہو نیٹھے  
کاش جنگل میں جا کے میں بستا  
ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں  
چار عفت عفت سے منہ کھاتے ہیں  
کتوں کا سا کہاں سے لاؤں منہ  
اسکے اجڑا بکھرنے سب لاگے  
پانی جڑ جڑ میں اُس کے پیٹھ گیا  
ناگہاں آسمان ٹوٹ پڑا  
کوئی اس دم نہ یا رہتا اپنا  
خاک میں مل گیا تھا گھر کا گھر  
پر خدا میرا مجھ سے سیدھا تھا  
یا ملک آسمان سے آئے  
کام نے شکل پکڑی باتوں میں  
ہم جو مڑے تھے جان سی پائی  
اس خسرا کی کو بھر نظر دیکھا  
یعنی نکلا درست وہ گوہر  
گھر کا غم طاق پر اٹھا رکھا  
فرصت اُس کو خدا نے دی جلدی  
پھر بندھا یہ خیال یاروں کو  
گو تصرف میں یہ کہاں نہ رہے  
چارا چار پھر رہا میں وہیں

ور میں ہوں وہی فرومایہ  
خواب راحت ہے یاں سو کو س  
رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں

باد ہی گھر ہے بے سرد سایہ  
دن کو ہے دھوپ رات کو ہواؤں  
قصہ کو تر دن اپنے کھوتا ہوں

لہ اثر بام کا نہ کچھ در کا  
گھر ہے کا ہے کا نام ہے گھر کا

## شعری در بچو خانہ خود کہ بہ سبب شدت باران خراب شدہ بود

اس طرح خانہ ہم پہ زنداں ہے  
زندہ در گور رسم کمی تن ہیں  
واں سے بھاٹکو تو ہے اندھیرا غار  
اس کے معار نے اُدھر ڈھالے  
دن کو ہے اپنے ہاں اندھیری رات  
کو چہ موج ہے کہ نالا ہے  
ہم غریبوں کے ہوتے ہیں سر پہ  
سو دے چڑیوں کے کھولوں کو گئے  
کہ جنھوں نے کیے ہیں جھانکے بند  
بانس کو جھینگروں نے چاہا ہے  
ہے جو بندھن سو کڑھی کا جالا  
ہم پہ گویا وہ بانس ٹوٹا ہے  
بندھتا ہوں مچان رہنے کو  
یاں تو اک آسمان ٹوٹا ہے  
سر پہ ٹھٹھریے کھڑے ہیں ہم  
بہتی پھرتی ہیں صحن میں گھر کے  
خاک سے ابھی زندگانی میں  
سر پہ گٹھری ہے تسپہ ہے چھپر

جسم خاکی میں جس طرح جاں ہو  
ظلمتیں اسکی سب پہ روشن ہیں  
ہے جو سر کو ب اک بڑھی دیوار  
یخت بد دیکھ سارے پر نالے  
اب جو آیا ہے موسم برسات  
صحن میں آب نیزہ بالا ہے  
ہنڈ میں گھر کے پانچ چھ چھپر  
پر تلک تینکے تھے کچھ ایک نئے  
دل سے کچھ کڑیوں کا احسان مند  
بھوس کچھ ہے کہیں سو اٹا ہے  
اُدگئی گھاس مٹی ہے والا  
اپنے بندھن سے جو کہ بھوٹا ہے  
کیا کہوں آہ گھر ہے کہنے کو  
بندھتا ہوں کو کیجئے تاکے  
ٹھٹھریے دینے کو جاڑے ہیں ہم  
مٹیاں تھیں جو آگے چھپر کے  
تاگلے سب کھڑے ہیں بانی میں  
اتو اپنا بھی حال ہے بدتر

پانی بہ کر جھکا جو ہے والاں  
چاک اس ڈول سے ہے ہر لوار  
متصل ٹپکے ہے نہ باراں ہے  
گھر کی صورت جو اور ہوتی ہے  
مینہ یکبارگی جو ٹوٹ پڑا  
واسے پانیان کار ٹوٹ گئے  
بہ گئے غولے تختے ڈوب گئے  
موج خستی ستون میں بیٹھی  
لے گیا تیج و تاب پانی کا  
یوں دھنسا گھر کہ بارہ خاطر تھا  
آکھڑی دہلیز سب منڈیر گری  
ساری بنیاد پانی نے کاٹی  
جھک گئے سب ستون در بیٹھا  
جب اجارے پہ آکے چھت ٹھہری  
آؤ اب چھوڑ کر یہ گھر نکلیں  
دکے مرنے سے ڈوب مرنار خوب  
لٹکے ہرک کے جی میں در آیا  
گٹھری کپڑوں کی میں اٹھالی تھی  
جو جھک پڑوں کا جن نے باز دھا تھا  
ساتھ کوئی چیراغ لے نکلا  
چھانج کی کر کے کوئی اوٹ چلا  
ٹنہ پہ چھلنے کو ایک نے روپا  
ایک نے پھینکے حال حال لئے  
ایک نے بوریا لپیٹ لیا  
بنا اسباب گھر سے ہم لے کر

نہرو کا

سر پہ رہتا ہے طسروہ ایوان  
جیسے چھاتی ہو عاشقوں کی نگار  
گر یہ زار سوگواراں ہے  
چھت بھی بے اختیار روتی ہے  
کر می تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا  
طاقتی بھر رہے تھے پھوٹ گئے  
غرض اجزائے سقف خوب گئے  
جان غمناک خون میں بیٹھی  
کو ٹھہری تھی حباب پانی کا  
آہ کس کا غبار خاطر تھا  
ہر پانی کی جھاڑ و دیتی پھری  
اینٹ کے گھر کو کر دیا مانی  
وہی چھپر کھڑا ہے گھر بیٹھا  
ہم سبھوں میں یہ مصلحت ٹھہری  
کسوٹسی پہ بیٹھ کر نکلیں  
ہے کنار اہاں سے کرنا خوب  
خاطروں میں یہ حسرت ٹھہریا  
سر پہ بھالی کے جبار پائی تھی  
اس کا سارا فکار کا نہ دھا تھا  
کوئی سر پہ اجاغ لے نکلا  
مینہ کے مارے کوئی لوٹ چلا  
ایک نے سر کی کا کسیا گھوپا  
پائے پٹی گلے میں ڈال لے  
اور پایا جو کچھ سمیٹ لیا  
اشنی سب کے ہاتھ میں دے کر

صفت کی صفت نکلی اس خرابی سے میر جی اس طرح سے آئے ہیں جن نے اس وقت آنکھ کو کھولا نہیں اس بات کو نہ اے ہم تب سے رہے کو اب تک میں اب	تاکہ پونچیں کہیں شتابی سے جسے کنجر تمہیں کو جاتے ہیں نہیں بے اختیار وہ بولا بارے اک بھائی کے گھر آئے ہم نہیں ملتا ہے گھر بقدر حجاب
جس میں خوش کیف سوحاش کریں طور پر اپنے بود و باش کریں	

### ثنوی در مذمت بر شکال کہ باراں دراں سال بسیار شدہ بود

کیا کہوں اب کی کیسی ہے برسات بوند بھتی نہیں ہے اب کی سال وہی یکساں اندھیر برے ہے ماہ و خورشید اب نکلتے نہیں اب میں کوئی بولتا ہی نہیں چرخ تک ہو گیا ہے پانی جو لے زمین سے ہے تافلک غرقاب شک بن اب کی بار بزم ہوئے ابر کس کس سیاہ مستی سے لڑکوں نے کی زمانہ سازی ہے ابر کرتا ہے قطرہ افشانی شک آبی سے جان مت اغراق عقل مینہوں نے سب کی کھوئی ہے کیسا طوفان مینہ چھایا ہے اٹھتے نہیں ہیں بام و در سقف آماج بوند پیکاں ہے	جوش باراں سے بہہ گئی ہے بات چرخ گویا ہے آب و در غربال آسماں چشم واکو تر سے ہے تارے ڈوبے ہوئے اچھلے نہیں آسماں دیدہ کھوتا ہی نہیں ماہ و ماہی ہیں ایک جہاں و چشمہ آفتاب ہیں گرداب موش و شتی کے خار سبز ہوئے ہوتے جا ہیں بلند و پستی سے خاک بازی اب آب بازی ہے پانی پانی رہے ہے بارانی ڈوبے پر ہے کشتی آفاق بات باراں نے یاں ڈوبی ہے زخم دل نے بھی آب اٹھایا ہے یہ خرابی ہے شہر کے اندر مینہ ہے یا کہ تیر باراں ہے
---	--

جیسے دریا اُبلتے دیکھے ہیں  
ابرِ رحمت ہے یا کہ زحمت ہے  
لے گئے ہیں جہان کو سیلاب  
نہ ہے جلسہ نہ ربطِ باراں ہے  
روز و شب یاں ہمیشہ جھمکا ہے  
ٹہری بوندوں کی چوٹ سے ڈریے  
پڑھتے ہیں یارِ درسِ حیرانی  
آدمی ہیں سو کب نکلتے ہیں  
کتے ڈوبے گئے کہاں ہیں اب  
دستِ آبِ بوجھِ مت کچھ یار  
معبد اب سارے گرتے آتے ہیں  
تھا ٹھہرنا برا بر اُن کے شاق  
ہنہ تو یاں اب لگے ہی رہتے ہیں  
غرق ہے چڑیا اور گمیری ہے  
ہنہ از بسکہ بہہا ہے گا  
شعر کی بحر میں بھی ہے پانی  
لانی پارِ ندگی کی چالاسی  
ہے زراعت جو پانی نے ماری  
آب ہے گا جہاں کے سرتاسر  
مست ہو ہو گئے ہیں مستِ شراب  
مستی ہے اب جو چاہیں سیرِ آبی  
دستِ غم اس قدر بے طغیاں ہے  
سیل دیکھے ہے کوہِ ساراں کی  
جزر و مد جس کا تالک جا ہے  
ہر طرف ہیں نظر میں ابرِ سیاہ

یاں سو پرنالے چلتے دیکھے ہیں  
ایک عالمِ غریبِ رحمت ہے  
نقشہ عالم کا نقش تھا بر آب  
شہر میں ہے تو باد و باراں ہے  
اندنوں رنگِ برق چمکا ہے  
سنگباراں جہاں ہواں مرے  
آر سی کے بھی گھر میں ہے پانی  
مردمِ آبی پھرتے چلتے ہیں  
سگِ آبی ہی ہیں جہاں ہیں اب  
کو چے موجوں کے ہو گئے بازار  
راہِ خشک ڈوبے جاتے ہیں  
سجدوں میں کیا ہے استغراق  
سارے عالم کے کان بہتے ہیں  
مٹکی کا جانور بھی بھری ہے  
اک جہاں کو ڈوب رہا ہے گا  
ہستی بھرتی ہے اب غزلخوانی  
آبِ خشک گھر پہ منت کی  
ہو گئی آنجست ترکاری  
خوف سے سوکھتا ہے میوہ تر  
غوطے کھاتے پھرے ہیں عالمِ آب  
قطرے تو ہوئی ہے مرغابی  
کہ ہر اک گوشہ بیچ طوفاں ہے  
یہ کشتی گداہیں باران کی  
جو ہے تالابِ قہرِ دریا ہے  
انی ہے جس طرف کو کرے نگاہ



چشم تا کار میکند دریاست  
خشک مغزوں کا مغز تر ہے گا  
آب حیاں میں پانی مرتا ہے

سیلہا در رکاب دیدہ ماست  
پانی عالم کے تاب سر ہے گا  
حضر کینکر کے زیت کرتا ہے

لکھ کیا سیرینہ کی طغیا نی  
ہو گئی ہے سیاہی بھی پانی

### شعوی در ہجوت اہل مسمی بہ زبانِ زرد عالم

چھپتا ہے مجھ کو اک تخمِ حرام  
دہم میں شہباز کا ہم سیر ہے  
بلکہ اس بھی طرز سے اس طور سے  
نم چنانچہ سب تجھے ہو مانتے  
کن دنوں تھا ہجو کا کرنا شعار  
ہجو اس کی ہو گئی اس کا کہ  
پڑتی ہے اُن سب کے منہ پر دین پاک  
مدعی بے بیج ہے یہ رو سیاہ  
درد مند و عاشق و دلریش تھا  
غصے کے مارے چڑھی ہی مجھ کو تب  
مدتوں یہ لونڈے آئے مجھ کئے  
اک نظر سے شہرہ عالم ہوا  
اس دوانے کی کنھوں نے عقل لی  
دور سراپیر و مرا رہنے لگا  
مستند ہے سیرا فرمایا ہوا  
کوئی سر پھینچو ہے میرا مستفید  
پائیں ہے پائیں آخر صدر صدر  
ہاتھ کب آوے بزرگی زور سے

سنیو اے اہل سخن بعد از سلام  
پر تہیں مرغی کا گرم طیسر ہے  
نکام مجھ کو کچھ نہیں ہے اور سے  
شاعری کو میری ہو گئے جانتے  
میں ہمیشہ سے رہا ہوں باوقار  
گر کنھوں نے کچھ کہا میں چپ رہا  
کیا ہو اگر چاند پر پھینکے ہیں خاک  
رہو شاہ کچھ نہیں میرا گناہ  
تھا تحمل مجھ کو میں درویش تھا  
پرکروں کیا لا علاجی سی ہوا  
ایسے کہتے ہیں جواب شاعر بنے  
ایک باتوں سے مری آدم ہوا  
ایک نے دیواں کی میر نے نقل لی  
ایک میرے طرز پر کہنے لگا  
سارے عالم میں ہو نہیں چھایا ہوا  
دور سے کرتا ہوں بیٹھا سبکی دید  
کوئی بے تہ گو نہ جانے میری قدر  
ہے گی شخصیت خدا کی اور سے

ایک مچا دے جو اک عمدہ کو بھوگ  
جو بڑے ہیں مے ہی آخر میں بڑے  
شہر میں آیا میں بعد از بہت سال  
کسب جو کرتے تھے یہ فن شریف  
کتنے اک نو مشق تھے گرم سخن  
مدعی میرا ہوا یہ بے ہنر  
کاسہ لیس مایہ خبث و حسود  
آتے اچھا ہے جو اس کو روک دو  
باپ اس کا سخت ناداں نادارست  
ایک جا آیا شتر قد گھر گیا  
رہ گیا میں پی کے لو ہو کا سا گھوٹ  
اس محل پر نہ کی مطلق نظر  
جب لگا ہے ناچنے مستی سے خوب  
مستی اسکی ساری اب چھڑ جائیگی  
جب بڑوں سے مارنا ہوا رکھائیں  
راہ سیدھا ہو کے چلتا ہے بے  
اونٹ کی خلقت پہ ہے قدرت کو ناز  
ہست اسکی مضحکہ ہے سوانگ ہو  
سر کے تیل اس کے جو دیکھوں کر گاہ  
تیرہ رو مضحک سرا پا زور ہے  
شکل و صورت دیکھ کر حیراں رہو  
بیٹھے تو بیٹھا ہے گویا بوتھیاں  
چال جب چلنے لگے سر جھڑ کر  
بال و پر رکھتا نہیں بے پاؤں سر  
ایک دن بیٹھے تھے یاں ات شریف

تو اسے کیا کچھ طرف جا بیگے لوگ  
ایسے بچے بہت پھرتے ہیں بڑے  
گم تھایاں سر رشتہ اقبال و مقال  
ان میں سے کوئی نہ تھا میرا حریف  
سو بچا رہے آپ ہی نا آگاہ فن  
مردہ صد سال سا بے نور تر  
قلیہ وہ روز سے بھی بد نمود  
ورنہ منھ دیکھو تو وہاں وک و  
کوڑی کی سی گندی ملی فاق و مست  
واں شتر غمزہ سامجھ سے کر گیا  
یعنی دیکھوں بیٹھے ہو کس ملٹ اونٹ  
خار پہلو کا ہوا ہر جا کچر  
تب لیا میں نے قلم کے زیر حجب  
دھوم ساری گلیوں میں پڑ جائیگی  
کچ خرامی سے تب اپنی باز آئیں  
اونٹ جب آیا پہاڑوں کے تلے  
اسکی خلقت کم ہے کیا لے بے نیاز  
جید عوج بن عنق کی ٹانگ ہے  
بائیں پر ایک ذمہ بانڈی سیاہ  
رُم اگر ہو دے تو پھر لنگور ہے  
بیگیاں سب ملے لگ لگ ہی کہو  
آتے جاتے جاویں اسکو جوئے مار  
پانوں کو پہلے رکھے منھ بھاڑ کر  
ورنہ تھا یہ بھی عجائب جانور  
دار داس ن ہو گئے کتنے ظریف

ایک بولا دیکھ کر حیدر ان ہو  
 یاں تو ایسا جانور دیکھا نہیں  
 ایک کے آیا کوڑا ہسم میں  
 ایک نے ہنس کر دیا اسکو دھکیل  
 کیسا عجوبہ نیا ہو بچا ہے یاں  
 ایک بولا کر کے چٹھک میری اور  
 ایک دن باہر تو ہو لیکن کھڑے  
 جائے اُس وحشی کا ٹک سوس بھی  
 اسکو یاروں نے غرض کیا کیا کہا  
 یہ جو ہے مویشک دو ان بہور چشم  
 بے سبب سرگرم کیں مجھے ہوا  
 چل قلم اب ہے ارادہ جنگ کا  
 یاں زبردستوں کو دعویٰ کھا گیا  
 ناقباحت فہم کو دعویٰ نے بڑا  
 ہاتھی کی لکڑ کو ہاتھی ہی اٹھائے  
 جنگ ہاتھی کی ہو گو اُس کو ہوس  
 ایک دھکے میں کہاں وہ کامنی  
 میں نے پاس اس کا کیا حد سے زیاد  
 قید کہتے کہتے ہاجی ہو گیا  
 رشک شہرت سے مری مرنے لگا  
 لگ گئی چپ اس کو میرے شور سے  
 یہ قبول خاطر لطف مستحق  
 ایک دو ہی ہوتے ہیں خوش طرز و طور  
 نقصی وہ کرے کہ ہو مقبول خلق  
 ہمنی تھی اُس کو مجھ سے کیا ضرور  
 یہ جسندار کا کوئی حیوان ہو  
 سر کہیں ہے پانوں اسکے ہیں کہیں  
 ایک کے مور سواری فہم میں  
 اور بولا اسے ترمی قدرت کے کھیل  
 چوچ ہو تو ہے شتر مرغ کلاں  
 واہ صاحب جانور پالا ہے زور  
 یہ اچھے یوں نہیں رہتے پڑے  
 چوک بھی ہے پاس یہ نسانا بھی  
 لیک یہ حسد نا شخص ہی رہا  
 مویشی شہی چہرہ و شبکو ر چشم  
 مستحق لعنت عالم ہو ا  
 پاس کتک کیجے نام و ننگ کا  
 یہ چھپا رستم کہاں سے آگیا  
 ہو کے تنکا سا پہاڑوں سے اڑا  
 چوینٹی کا کیا جگر جو منہ پہ آئے  
 پر اسے ہے موت کا ریلہ ہی بس  
 پودنے کی سی ہے اُس کی ضامنی  
 پیر کی کرتا ہے یہ ابن زیاد  
 پاس ظاہر چھوڑ ہاجی ہو گیا  
 میری عزت کا حسد کرنے لگا  
 یہ نہ سمجھا ہے خدا کی اور سے  
 دے ہے کب سیکو خدائے ذوالنن  
 اب چنانچہ سیر و مرزا کا ہے دور  
 نے اُنہوں سے جو کہ ہو مقبول خلق  
 حیف ایسی عقل لعنت یہ شعور

ایک بولا دیکھ کر حیدر ان ہو  
 یاں تو ایسا جانور دیکھا نہیں  
 ایک کے آیا کوڑا ہسم میں  
 ایک نے ہنس کر دیا اسکو دھکیل  
 کیسا عجوبہ نیا ہو بچا ہے یاں  
 ایک بولا کر کے چٹھک میری اور  
 ایک دن باہر تو ہو لیکن کھڑے  
 جائے اُس وحشی کا ٹک سوس بھی  
 اسکو یاروں نے غرض کیا کیا کہا  
 یہ جو ہے مویشک دو ان بہور چشم  
 بے سبب سرگرم کیں مجھے ہوا  
 چل قلم اب ہے ارادہ جنگ کا  
 یاں زبردستوں کو دعویٰ کھا گیا  
 ناقباحت فہم کو دعویٰ نے بڑا  
 ہاتھی کی لکڑ کو ہاتھی ہی اٹھائے  
 جنگ ہاتھی کی ہو گو اُس کو ہوس  
 ایک دھکے میں کہاں وہ کامنی  
 میں نے پاس اس کا کیا حد سے زیاد  
 قید کہتے کہتے ہاجی ہو گیا  
 رشک شہرت سے مری مرنے لگا  
 لگ گئی چپ اس کو میرے شور سے  
 یہ قبول خاطر لطف مستحق  
 ایک دو ہی ہوتے ہیں خوش طرز و طور  
 نقصی وہ کرے کہ ہو مقبول خلق  
 ہمنی تھی اُس کو مجھ سے کیا ضرور

ہوں جو میں پر تو فگن تو ہے یہ کیا  
خون دل آشام ہیں جو صبح و شام  
یہ مری رہ کا نہ حاصل ہو سکے  
میں نے اُلٹی اجگروں کی دم میں صفت  
رکھتی ہے میری شرافت اشتہار  
ہجو کی جو اُن نے میں کیا دب گیا  
ننگ ہے میری توجہ اس طرف  
دار و دستی سے ہے اُسکے مجھ کو شرم  
ان عزیزوں کا نہایت پاس ہے  
جو نہ سمجھا تیغ خاے کی ہے پاس  
جب سے لے آیا قدم اپنا یہ شوم  
ایک بدیمینی ہی ہے گی بوم میں  
ویدنی ہے قدرت رب و دود  
کیا کسی ہے یہ جو عزت کم کرے  
کرتی ہے تعظیم میری کائنات  
یا بلا ہے یہ سچ ..... گزرت  
میری ہیبت سے مکمل جاتا ہو موت  
بیت کہنا چاہتا ہے سو ہنر  
نامبارک ہی نہیں سادہ بھی ہے  
عقل سے کس طرح ہووے بہرہ ور  
پروہ حافظ جو ہو قرآن خوان قبر  
چھڑ گیا ہو دے داغ اُس کا تمام  
وہ خیرت جو روے جا یک جا ہوا  
دیکھ کر اُن کے خرامی ہائے مرد  
کو دگر چلنے لگا آخسر کو راہ

خور کے اُسکے ذرہ کب ٹھہرا رہا  
دے بھی لیتے ہیں ادب میرا نام  
یہ مولیٰ جوں کیا مقابل ہو سکے  
ادھ مولیٰ سی پھیل گیا ہو طرف  
گو یہ ناسید کہے ہے کیا ہمار  
بھونکنے پر سنگ کے ہاتھی کب گیا  
حیف ہے میلان و ریاسوئے کف  
تب تو میں باتیں کروں ہوں نرم نرم  
ورنہ یہ ملعون کیا کتا سس ہے  
کاٹوں گایوں جسطرح کشتی پر تھام  
تب سے دیراں ہو گئی یہ مرز بوم  
لطف وہ پاتے ہیں ہم اس شوم میں  
ایسی اچسچ کم ہی ہوتی ہو نمود  
گو نہ شیطان سجدہ آدم کرے  
لعنت اس پر ہوتی ہے دن و رات  
میرے دتکارے گئے چھڑے دیک  
دشمنی کی اُن نے اپنی ما .....  
شاعری سمجھا تھا کیا خالہ کا گھر  
اٹو ہے اور اٹو کی مادہ بھی ہے  
ہے کسو حافظ کا لطفہ پاچہ خر  
اس سے لیں کار ملاوت گو بہ جبر  
پڑھتے پڑھتے شور سے ہر صبح و شام  
ایسا اٹو ماخسر پیدا ہوا  
ایک کوڑے نے کی تقلید تدرو  
اپنی بھی رفتار بھولا و سیاہ

چھوٹے سے منہ جو پارے کیا ہر باب  
آگے میرے ..... کا سا بال ہے  
ایسی ..... سیکڑوں ڈالی ہیں بھار  
کیا ہے یاں شیش بچہ انداختہ  
کیا بلا ہے مادہ خوک حاصلہ  
غول صحرائی کا بچہ ہے مگر  
اس فن مشکل کا ماہر ہو گیا  
ہیں کہاں ایسے سعادتمند پوت  
جانتا ہے اس کو پیری کا عصا  
تب تو ٹھہرایا ہے اسکو رازدار  
پہلے ان کا راز ہی رسوا کیا  
یار ماں کے باپ کو دکھلا دیے  
اس مجازی کا کیا اس سے کلا  
یاں کسی تقریب آ پیدا ہوا  
اس حرف کی وارہی اُسکے ہاتھ ہی  
ہے داغ بحث پاجی اب کسے

کا شے ہوویں مخدر شیخ و شاب  
گو کہ یہ لچھن کرے کیا مال ہے  
چاہوں گا جب پھینک ہی دنگا کھا  
بدنمائی اُس کی ہے بیاختہ  
دیکھ اسے یاد آوے قدرت کاملہ  
گرگ گردن خوک چشم و غوک سر  
چار سکھیاں کہہ کے شاعر ہو گیا  
باپ کو اُن نے بنا رکھا ہے اوت  
کم ہوا ہے گا جو اُس کا زور پا  
کچھ نہیں معلوم اس کو سرکار  
اس زنا زادے نے جوب واکیا  
ایک ہی شب کے تیکں جلوادیے  
پھر حقیقی باپ سے جبا کر ملا  
پیے اُسکے کھا کے جب کٹا ہوا  
تب سے روز و شب اسی کے ساتھ ہی  
بس قلم نفریں ہے پیری بس اُس سے

رکھ زباں کیدھر گیا تیرا مزاج

پوچ گو بہتیرے پھرتے ہیں پواج

ہجو عاقل نام تا کسے کہ لیسگاں ان سے تمام دشت

تنگی کی حوصلے نے تو رجعت سی ہو گئی  
چھڑی کی طرح شام د سحر کتوں کی تلاش  
کتا بغل میں بارے لگا پھرنے ہر طرف  
ہے اُس کی استخاں شکنی کتوں کے لیے  
یا کتوں سے چٹایا ہے اب اپنے منہ کو بھی

اک جو لچر کو رزق کی دست سی ہو گئی  
کتوں کے ساتھ کھانے لگا کتوں سے کماش  
یا کیزگی طبع و لطافت وہ برطرف  
دیکار و کتے کو تو لہو اپتا وہ پیے  
یا جھوٹے ہاتھ کتے کو مارا نہ تھا کبھی

کتے ہیں پاس کتے ہیں جیب و کنار میں  
آیا جو ایک روز وہ بے تہ حیلہ ہوا  
ایک سنگ گزیدہ کی سی طرح جھوٹے لگا  
ایسی بھی ہم نے دیکھی نہیں کتوں کی ہو  
ٹکڑا ہو جس کے ہاتھ میں یہ اُسکا یا رہے  
کتوں کی جستجو میں ہوا روڑا پاٹ کا  
تھکتا ہے پھر جو کرتے ہوئے دوڑا اور دھپا  
جو پڑیوں پہ لڑتا رہا ہو بیان سنگ  
انسان کو اس کتے سے اتنا ہوا ہے کب  
اصحاب کہف کا بھی جو سنگ ہو تو ہو وہ سنگ  
گر سنگ تخلص اپنا جو آیا بروئے کار  
رہتے نہیں نفور تو سگیاں بے شعور  
کیا جانیے کہ یہ گمہ سنگ کیا متاع ہے  
آدم گری اڑا رکھی حرف و سخن گیا  
دم لاہ جو دے تو لگے کرنے بدصال  
کجخت یہ غریب جو مردہ سا پائے یہ  
در مدعی ہو ملک بھی قوی دل قوی نصیب  
رہتا ہے سخت شفیق کتوں کے بال کا  
کتوں کی لے کے زرد و سیاہ و سپید شہم  
کتوں کے شوق میں جو یہ آتش جو زیر پا  
اسکی پلیدی شہرہ ہر شہر ہی رہی  
دلی میں تین کتیاں کہیں لے کے پالیاں  
وہ مرگئیں تو دیر رہا روتا غمزدہ  
لوئی کا گرم غم جو رہا سوکھ نہج ہوا  
بلی جو پالت تو بھلا ایک بات تھی

کتے ہیں آستینوں میں کتے ازار میں  
کتا ازار اُسکے سے نکلا بندھا ہوا  
پھر کھول اُسکے مُنہ کے تئیں جو بنے لگا  
گردن میں اپنے ڈالے پھرے روز و شب  
جیسے سگ سرائے سگ بہ سوار ہے  
دھوبی کا کتا ہے کہ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا  
لیتا ہے بے دماغ ہو لوگوں کے کپڑے پھا  
ہوا دمیت اسکو بھلا کس مقام لگ  
نا پاک اس کو جانیں ہیں پاکیزہ لوگ سب  
نجم الدین کے بھی کتے کو کتا کہے ہے جگ  
اکراہ سگ لوند سے کرنے لگا دیار  
کھاتے میں وہ بھی کہتے ہیں کتے کو دور  
بازار میں جو دیکھے ہے سگ کو سلع ہے  
دیکھا جو خوب تو سگ دیوانہ بن گیا  
دوڑے و گرنے کاٹنے کو کتے کی مثال  
مرگھٹ کے کتے کی سی طرح پھاڑ کھائے یہ  
پھر آگے اُسکے سوکھی سی بلی ہے یہ غریب  
پلا یہ ہے کہے تو کسی کتے و ایل کا  
کس کس طرح سے دیکھتا ہو دب و اُتھم  
کہتا ہے اس کو اب سگ یا سوختہ بنا  
کتے کے کاٹے کی سی اسے لہری رہی  
ہمسایوں کی جنھوں کے بے کھائیں گناہ  
پشتی کے پیچھے پھر نہ ہنسنا تک ستمزدہ  
برہنہ کی تعزیت میں سگ روئے نہج ہوا  
آئیں میں اسکی دوستی ایسا ساتھ ہی

کتا تو کشتی ہے سب اسلامیوں کے ہاں  
کیونکہ زبان نکالے نہ جوں سگ پھر کرے  
مر جائے گا یہ بھونکتے ہی بھونکتے ندان  
تو شے میں اسکے ہو گا نہ کچھ غیر سگ سنی  
یہ سب ہے اسلئے کہ ہر اک جائے شور ہو  
بہرہ ہے جنگو عقل سے وے کیوں ہوں شہنشاہ  
بہترے ایسے کتے نچاتے پھرے ہیں یاں

توراں کے لوگ ہوویں کہ ہوں اہل صفہاں  
جسکو خدا خراب کرے پھر وہ کیا کرے  
آواز دے دے کتوں کو توڑے ہر اپنی جان  
ہے بسکہ سگ پرست مرے گا جو یہ دنی  
کشتوں کے پیچھے پھرتا ہے گلیوں میں ویر ہو  
اس وضع ساختہ کے ہوں احمق فریفتہ  
ہے اس طرح کے معرکہ گیروں سے پر جہاں

### مشوئی مسمیٰ بہ تنبیہ الجہال

کسب کرتے جنگی طبعیں تھیں لطیف  
خار و خس سے کیا یہ عرصہ صاف تھا  
کچھ بتاتے تھے بھی سوا شراف کو  
ناگسوں سے دے نہ کرتے تھے سخن  
کوئی حاجت اُس سے وابستہ نہیں  
ٹوٹے بھوتے کو کہاں لے کر پھر دو  
کوڑیاں دے جوتی گٹھو انا پڑے  
جو نہ ہو شاعر تو کچھ نقصاں نہیں  
دین کا اس فرتے کے پوچھو نہ حال  
واں کی دینداری رکھو اور در لکھو جمع  
کو یقین ایمان کیسا دیں کہاں  
یعنی جن کے ہوتے تھے ذہن سلیم  
ان کے ہوتے رہ سب راہ سخن  
شاعری کا ہے کو تھی ان کا شمار  
شعر سے ہزاروں ندا فوں کو کیا  
جو کوئی آیا اُسے دی پاس جا

صحبتیں جب تھیں تو یہ فن تریف  
تھے میز درمیاں انصاف تھا  
دخل اس فن میں نہ تھا اجلاف کو  
تھے جو اس ایام میں استاد فن  
پھر حصول اس سے نہ دنیا پر نہ دین  
گر چہ اس کا رخا نہ میں نہ ہو  
چار و ناچار اس کئے جانا پڑے  
حاجت اس فرتے سے مطلق یاں نہیں  
یہ تو دنیا میں ہے اس فن کا کمال  
کذب ہو جس جائے رونق بخش سمع  
جھوٹ اُسے اس قدر جب درمیاں  
سم تلک تھی بھی وہی رسم قدیم  
پیار کرتے تھے انھیں استاد فن  
بلطف واں زہن ہار پاتے تھے نہ بار  
نکتہ پردازی سے اجلافوں کو کیا  
الغرض یاروں نے قیدیں دیں اٹھا

کچھ نہ رکھی شاعری کی آبرو  
پھر اُسے مجلس میں لائے اپنے ساتھ  
کرنے لائے شاعری سے حرفِ گپ  
دہن اُن کا تیزی رکھتا ہے کمال  
اور ہم سے بھی اُنھیں نفرت رہی  
سب نے جانا اسکو شاگردِ رشید  
آگے اُستادوں کے ہو کر مہمن  
صاحبانِ فن کے مُنہ چڑھنے لگا  
جاؤ بیجا سر کے تین ڈھننے لگے  
ہم سے تم سے کرنے لگا اعتذار  
میر و مرزا کا ہوا آخر حریف  
آفریں شاگرد و رحمت اُستاد  
کا ہے کو یوں شکر مانتا تھا ہر ایک  
اُن کے ہاں کرتے تھے جا کر پوداں  
اُن کے تئیں ہرگز نہ ہوتا اعتبار  
ہاتھ گر لگ جاتے تھے شلاق تھی

ملک نہ استعداد سے کی گفتگو  
چار سکھیاں کہہ کے دینا کس کے ہاتھ  
آپ بیٹھے صدر میں وہ دست چپ  
بولے ان کو آج کل سے ہے خیال  
ہو رہیں گے کچھ اگر صحبتِ زمی  
جب ہوا ثابت وہ ان کا مستفید  
کی اشارت تاکہ وہ کھولے دہن  
اُن کے ایسا سے وہ کچھ پڑھنے لگا  
نیم قد اُٹھ اُٹھ کے یہ سننے لگے  
وہ سراپا جسل ناگہ وقت کار  
سر میں رکھ کر دعویٰ طبع لطیف  
کیسی کیسی یوں گئیں طبعیں بیاد  
جب تلک یہاں تھی تمیزِ زشت و نیک  
اہلِ فن کی رستی بھی سبکو تلاش  
جو کہ خود سر رکھے اُستادوں سے عار  
زندگی بلکہ اُنھوں پر شاق تھی

### حکایت

ایک دن آیا ہلالی اُس کے ہاں  
کی اشارت تا اُسے دیں گھر میں بار  
پاس لے مسند پہ بیٹھا شاد شاد  
بیٹھے بیٹھے رات جب آئی بہت  
کرنے لگا شاعری کا امتحاں  
سننے ہی بھر کا وہ شدہ کی نمط  
کھینچ لا میدان میں کی شلاق خوب

شائقِ فن تھا وزیرِ اصغر ان  
حاجبانِ در سے ہو آگاہ کار  
عزت و تقسیم کی حد سے زیاد  
ان نے کھینچی اُس کی مرزائی بہت  
شعر کی تقریب لاکر درمیاں  
شعر خوانی کی پڑھا سو تھا غلط  
غصہ ہو بولا کہ ہاں فرماں و چوب

۹۳۶ ہلالی استرآبادی انکا کلام فصیح و عجم خوانی میں خراسان چلے گئے تھے عبداللہ خان ازبک کے زمانہ تسلط میں



اسقدر مارا کہ بے دم ہو گیا  
 کھینچ کر ڈلوادیا ہر بار میں  
 درت اس کے لے گئے ارات کو  
 یعنی دستور زماں دشمن نہ تھا  
 غالباً پایا غلط اشار کو  
 ورنہ شیوہ اس کا ہے لطف و کرم  
 مجھ کو کیوں شلاق کرتا اتنی شب  
 پس مجھے ہے تربیت اپنی ضرور  
 صحبت اکثر رکھوں اس استاد سے  
 پہونچے اک رتبہ کو میری قیل و قال  
 اُنھ کے آیا سولوی جامی کئے  
 جب ہوا کچھ شعر کا رتبہ بلند  
 پھر گیا اک دن در دستور پر  
 کاے امیر اس روز کا شلاق حوار  
 کی اشارت سدرہ کوئی نہ ہو  
 سامنے آیا تو کی نیچی نظر  
 بر ازاں ایساے ابرو کی کہ ہاں  
 پھر وہیں سے دے صلہ نصرت کیا  
 اگلی صحبت کی تھی عزت اسقدر  
 ابکی اس کو جائزہ دیکر گراں  
 میں نہ سمجھایا کہ وہ کیا تھا یہ کیا  
 ایسی ہی ہوتی ہیں تصحیک سلف  
 اسقدر اس کا تنبہ تھا ضرور  
 جوئے سو خود سری سے باز آئے  
 ورنہ کرتا پوچ گوئی ہر و تنگ

سو ج دست و پا ہر اک تھم ہو گیا  
 یہ خبر پہونچی جو ہر بار زار میں  
 جب بخود آیا تو پایا بات کو  
 یا وہ کچھ نا آشنائے فن نہ تھا  
 خوش نہ آیا اُس کرم کردار کو  
 جائزے میں دے ہے دینار و درم  
 کا ہے کو بدنام ہوتا بے سبب  
 جا کے بیٹھوں اک سر آمد کے حضور  
 شاید اس کی دولت ارشاد سے  
 ہو مجھے اس فن میں یک گونہ کمال  
 مشق کی یک چند اس نامی کئے  
 اور مولانا لگے کرنے پسند  
 حاجب در گاہ نے کی جا خبر  
 آج در اوپر ہے پھر خواہاں بار  
 قصد ہے بر خورد کا تو آنے دو  
 دھوپ میں جلتا رہا تو اک پہر  
 صحن ہی میں سے ہوا وہ مدح خواں  
 اک مصاحب نے جگر کر کر کہا  
 سو ہوئی شلاق حد سے بیشتر  
 تو نے فرمایا مرخص واں سے واں  
 در جواب اس برگزیدہ نے کہا  
 دست ہو تو اُن کے تئیں کریے تلف  
 تاکہ پہونچے یہ خبر نزدیک دور  
 تربیت ہونے کو استادوں کی جا  
 رفتہ رفتہ شاعری ہو جاتی تنگ

اب جو آیا لائی انعام تھا  
تنگ ہے گرم مزابیل پر بھی بھیاں  
جسکو دیکھو خود نکائی خود سری  
اسپہ ہے ہر ایک سجاں بیان  
چپ کہ دوران سخن سازی ہیں  
بات کی نغمہ گاہے کسکو ہوش  
ہے دماغ حرف ہکو بھی کہان

تب جو میں شلاق کی یہ خام تھا  
قصہ کوتاہ تھی میسر در میاں  
بے تمیزی سے ہے رائج ابتری  
نے بیاں کا ہے سلیقہ نے زباں  
بس قلم وقت زباں بازی نہیں  
کون حرف خوب کو کرتا ہے گوش  
بے تمیزوں سے بھرا ہے سب جہاں

### مثنوی اثر و زنامہ

نئی نائیں جنکے ٹیکوں پہ پھن  
زبانہ ہے آتش کا سیہ سی نگاہ  
گیا جس سے خضم قوی من کو بار  
دم دم کشی لب پھیلیں ہیں ناگ  
عصا سے چلے راہ واں مار و مور  
جلا آگے میرے کبھو کب دیا  
کہاں کیچو سے یہ کہاں اژدہا  
طشہ مجھ سے ہو جو تک کیا ادھڑی  
تو کیا اجگر وں کا رہے اعتبار  
حریف اُسکے سوکھی سی چلباسہ ہو  
کس اژدہ پہ ایسی قیامت پڑی  
وے ایسے کپڑے کڈرے ہی چٹ  
کوئی کنسلانی سے نکلے سے کام  
وے ہوں گے انکے بیوں کے وبال  
وہ شیشہ جو کیدم تو چنکا میں با  
سر راہ کتا تھا جو اک فقیر

یہ مودی کئی ناخبرہ دار فن  
نہیں جانتی ہوں میں مار سیاہ  
نفس ہے مرا فعی پچیدار  
جدھر بھر نظر دیکھوں بچائے آگ  
جہاں میں ہوں چاہے پر شور و شور  
مری آنکھ سے زہر ٹپکا کب  
سُن اس ماجرے کو بھوں نے کہا  
نہ خصمی مری اژدروں سے ہوئی  
اگر شور زرافاں سے ڈر جائے مار  
نہ کس طور اژدہ کو تلو اسہ ہو  
کہاں چھپکلی اژدہ ہے سے لڑی  
ہزار اجگر اندوہ سے جائے لٹ  
جہاں شور اژدہ سے ہے دھوم دھام  
بہ ظاہر یہ لائے تو ہیں پر نکال  
حریفی انھوں سے ہو اژدہ کی کب  
حکایت بعینہ یہ دل سے ہے میسر

کہ تھا دشت میں ایک اثر درمقیم  
 نکلتے نہ تھے اُس طرف ہو کے شیر  
 جہاں شیر کا زہرہ ہوتا ہو آب  
 وہ صحرا تھا اس کے سبب ہوناک  
 نکلتا تھا جب بہر برگ و نوا  
 کہاں سایہ اس جاو سبزہ کہاں  
 صدا جب مہیب اُس کی ہوتی بلند  
 درندوں کے ہو جانہ رہتے جو اُس  
 وحوش اُس بیاباں میں جاتے نہ تھے  
 کبھو اُس کی رہ میں جو اٹھتا غبار  
 پہونچتا تھا گردوں تلک شور و شر  
 رہا کرتی کو سوں تلک اسکی دھوم  
 ہوئے ساکنان بیاباں بنگ  
 گئے جان لے لے وحوش و طیور  
 گئی کوٹری ایک سوکھی ہوئی  
 گلی میں جو یاں کے کھلے اُسکے لب  
 تحراطین و خر موش و موش و شغال  
 رواں ساتھ اُسکے شبانہ ہوئے  
 رعونت سے میڈھک اُچھلتے چلے  
 قریب اُس بیاباں کے جدم گئے  
 قضا راوہ آفت تھی سرگرم سیر  
 اُس آشوب سے دست دپاکم گئے  
 لگا ڈرنے خر موش سا پسو ان  
 وہ گرگٹ کہ جس کو تھی گردن ششی  
 قدم غوک سے گرد کا جسل گیا

درندوں کے بھی دل تھے اُس سے نیم  
 پلنگ و مرواں نہ رہتے تھے دیر  
 شغال اور روبہ کا واں کیا حساب  
 دم اس کے نے واں کی اڑادی تھی  
 شجر کے شجر ہوتے تھے تب ہوا  
 درخت اُسکے چائے رہے تھے واں  
 جگر چاک گرتے ہوا سے پرند  
 چرندے مکاؤں سے ہوتے اداس  
 طیور آشیاؤں میں آتے نہ تھے  
 تو وہ دشت تھا ایک تاریک غار  
 ہوا صاف ہوتی نہ دور و پسر  
 نہ اُس راہ آتا کوئی جُز سموم  
 اُٹھے کوہ و وادی سے شیر و پلنگ  
 کوئی رہ گیا موش و میڈھک ساوڈ  
 کسو اور جنگل میں بھوکی ہوئی  
 ہوئی واں کی اعیان گرم غضب  
 اس اثر در کو کر جنس اپنی خیال  
 کسی گرگٹ آگے روانہ ہوئے  
 بلوں میں سے چوہے نکلتے چلے  
 اُنھوں میں سے آگے بہت کم گئے  
 چلے آتے تھے بھاگتے وحش و طیر  
 فراموش سب نے سرودم گئے  
 ہوا مضطرب کیچو اساجوان  
 ہوئی خوف سے اُسپہ طاری غشی  
 بھروسا تھا گیدڑ پہ سول گیا

لگا کرنے سید ان میں بل تماش  
یہ تشویش یکدم فراموش ہو  
کہ ہو خوف جاں سے کوئی متروی  
کہ گو بجی بلائے سید کوہ میں  
جو ثابت قدم تھے بیل ہی گئے  
ہوئے مدعی جان سے نا ا سید  
کہ پایا اس انبوہ کو نیم جاں  
وہی دشت خالی وہی اژدہا  
ہو اگر م ویسی ہی ویسا ہی شور  
اُسی ہولناکی سے وہ دشت ددر  
رہی سدھ نہ کچھ داں کے کُنگان میں  
نہ پھر نام اس اژدہ ہے کا لیا  
طرف ہوں مری اُنکی طاقت ہے یہ  
تو یہ مارگیری کریں کیا محال  
ہوں اپنی جگہ شاد و سرور میں  
جو رتبہ ہے میرا مرے ساتھ ہی  
گیا سانپ پیٹا کریں اب لکیر

جہاں پہلوں موش رستم معاش  
کہ سوراخ پاوے تو روپوش ہو  
وے چھوڑ تا کب ہے خصم قوی  
پر گندگی تھی انس انبوہ میں  
اس آواز سے جی نکل ہی گئے  
سید جب ہوا ہو گئے مُنہ سفید  
بھرا ایک دم اُن نے وا کر دہاں  
دم دیگر اُن سے نہ کوئی رہا  
زبانہ وہی آگ کا چار اور  
وہی دم کشی شام سے تاحسہ  
گئی یہ خبر جس بیابان میں  
کنھوں نے کبھی مُنہ نہ ایدھر کیا  
مری ان گزندوں کی صحبت ہے ہم  
جو مجھ کو ہو کچھ بھی اُنھوں کا خیال  
تو کیا ہوا اُنھوں سے بہت دوریں  
مری قدر کیا اُن کے کچھ ہاتھ ہی  
کہاں ہو نہیں مجھ تک یہ کڑے حقیر

### نشوی و رندت آئینہ وار

جب سے نکلے بال تب سے ہے یہ حال  
مدعی شعر میں محبام اب  
جلف اشراقوں کے ہمسر بھی نہیں  
دو دو ہو جانے لگے سوئے دماغ  
در نہ یوں بیوہ کب نکلا ہے دم  
ہے حامت اس بھی فرقہ کی ضرور

آج سے مجھ کو نہیں رنج و ملال  
موشگانوں کا نہیں ہے نام اب  
ان سے کین اک موبرا بھی نہیں  
یہ ہوئے سر چڑھ کے یہ ہوئے دماغ  
ہوئے گرم سخن تب تو قلم  
ایسے منڈے میں نے کتنے بے شعور

ہاں نہ سید کچھ ہے نے نائی ہے شرط  
 سنگ کو نجم الدین کے سرداری ہوئی  
 میر و مرزا میں حکم ہو دے خرد  
 سبجھے مرزا میر کو مرزا کو میر  
 مجھ میں مرزا میں تفاوت ہے بہت  
 جس جگہ میں نے رکھی منہ میں زباں  
 اترے کانوں میں اپنے باندھ کر  
 ان کینوں کا گلہ کیا کیجئے  
 کہتے ہیں سرگرم بیباکی ہے یہ  
 لکھئے اس فرقہ کے اب تاجندم  
 مگر چہ ان کو کہتے ہیں آئینہ دار  
 صاف فتنہی پرا غصیں چڑھو ایسے  
 بیا ہو مواس قوم کی کیا شرح حال  
 اک سفید ان کو نہیں چننے کی تک  
 کیا کہوں کیسے ہیں اوندھے یہ پھر  
 گھر چیں ایسا سرکہ کر دیں پائمال  
 معتبر انکے جو حجابی ہیں اب  
 کوئی لے جائے جو حاجت غسل کی  
 لعنتیں کرتے ہی گزرے اسکو واں  
 بیٹھے جامے خانے میں کیا غسل کر  
 ایک پھر اجرت کے اوپر جنگ ہے  
 اس ستادے میں گیا تھا اک حرف  
 دھو کے پا جامہ منانے بھی گیا  
 غسل کے نیچے جو سنہ گھر کو کیا  
 ہانے نے یو مچھا کہ پیسا یا کسا

ہو کسو کسوت میں دانائی ہے شرط  
 نوح کے بیٹے کی وہ خوار ہی ہوئی  
 نے کی نائی جن پہ سب دست رد  
 نے وہ رگ زن جو نہ سمجھے سیر شیر  
 یاں تباہی واں عجالت ہے بہت  
 ہوتے اُس جاگہ جو مرزا بیگماں  
 کب کے اب تک ٹھسٹے ہوتے دھر  
 ایسے دس پیدا ہوں گے نہ لیجئے  
 ہوں تو ہوں ناپاک کیا پاکی ہے یہ  
 خط بناویں ایسا کرے کھٹ تلم  
 لیک انکا منہ نہ دیکھیں کاش یار  
 گر نمد مواس میں پھر ہو جائے  
 آگے ہی آویں گے جتنے ہونگے ہاں  
 ہوتے ہیں دشمن یہ کالے ہاں تک  
 سبجھے اصلاح عاید ہو دے شر  
 سیدھیاں جب بس تب لیں لے ہاں  
 ہند میں وہ تیرہ روشامی ہیں اب  
 چلو چلو پانی پر دیتے ہیں جی  
 غسل میں فرصت تشریف کی کہاں  
 جیب شاگردوں نے واں رکھی کتر  
 لات ہے گالی ہے پھر سر جنگ ہے  
 اسکی فی الجملہ طبیعت تھی ظریف  
 کی طرف پھر پانچنا نہ بھی گیا  
 اتھ نائی کے سوا پیسا دریا  
 و مڑی یہ کیسی ہے میں قرباں گیا

سُنکے بولے تو نہ بدلے جابو  
چوڑے نائی ہیں سارے ایکذات  
آیا اک نائی زانا سا نظر  
میں کہا آتا ہے نلوا کام کیا  
..... اس میں لوطیوں کی ڈال کر  
ہاتھ میں رکھئے تو ..... ہوا نہیں  
عذر اگرچہ وانتک بھی یاں نہیں  
وہکے چڑھ جاویں نہ جانے کیسے کے  
سُنکے اس سے ایسی اجرج بات کو  
کاٹئے اُن کے تئیں منسل گزیر  
بعضے بعضے ان میں سے جارج ہیں  
زرد و زنگاری کوئی ڈبا ہے ساتھ  
موم ڈالیں تیل میں مرہم کریں  
پھیر پگڑی بیچیں ایسی شان سے  
باپ سے اپنے اگر پیسے نہ پائیں  
بعضے بعضے ان میں رعنا ہیں اگر  
زڈھی گت ناچے یہ اُسکا منہ دکھائیں  
روشنی لے دوڑتے ہیں وقت شام  
تیل کی کپی لیے خوش ہیں کھڑے  
لگ چلیں تو تنگے جیسے موبچے  
چھیڑو تو مغز بھی لے جائیں گے

یاں ہنگا بھی ہے اُسے اُٹھوا سکو  
ان میں ہے بذات جو ہونیکذات  
ہاتھ میں نلوا لیے بے پا و سر  
بولتا ہے آگے سے بدنام کیا  
مونڈتے ہیں ..... اک اک بال کر  
ضبط کی شاید نہ طاقت ہوا نہیں  
لیک اک دن اس میں پی جاں نہیں  
جی بھی جاوے واسطے دو پیسے کے  
میں کہا لعنت تری اوقات کو  
پنڈے کے لگے ہیں اکثر پاچہ خر  
بحر خون و ریم کے ملاح ہیں  
حیف کے سے ایک دولتے ہیں ہاتھ  
پھر مسجانی کا دم اس پر بھریں  
آئے ہیں گویا ابھی ایران سے  
داغ کو اُس کے جراحت کر دکھائیں  
سو مشعلی ہیں بھگت کے بیشتر  
بابا مشعل لیے مجلس میں جائیں  
ٹھوڑتے ہیں کر کے اندھارا دام  
ایک بھڑوے ہوتے ہیں چلنے کھڑے  
کھائیں جب سر میں لگیں توت جئے  
سر کے تئیں سہلا کے بھیجا کھاٹنگے

بے حقیقت ہیں نہیں شایان کار  
صحبت ان سے بگڑی ہے پایان کار

## مثنوی درمحوکول

سینہ سوراخ جس سے ہو کف گیر  
نفس اڑو پاس ہے دم اُس کا  
وانت اُس کا ہے ہاتھی کا سادانت  
مُنہ ہے گو یا کہ زخم دامن دار  
مُنہ ہے چھپیوں سے جیسے مٹی جلی  
کاسے سر ہے جیسے اوندھا کڑا ہ  
آہنیں ہے تنور اُس کا پیٹ  
چاٹ جاتا ہے دیچوں تک بھی  
کترمی گئی اُس کے چوڑوں پر پیاز  
چیل ٹوٹے ہے گوشت پر جیسے  
قاب پر نان پنچ کش گویا  
اک نوالا ملا ہے دو پیاز  
ہنڈیاں گویا تھیں اُسکی خشتک میں  
دیکھ کر شبکو نان ہالہ ماہ  
مُنہ ہے مَنہ بیٹھا گر چہ کھائے گھاؤ  
لاٹھی پاٹھی بھی کھائے جاتا ہے  
ٹریوں پر پڑے ہے جیسے سگ  
لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ہے  
جائے گھل بل اگر سنے ہے حلیم  
اس میں گو بوسرا نکل جاوے  
کچھ نہیں خفتیں ہی کھاتا ہے  
بزرگوں ہی کی طرح بھنچھلاوے  
چنے لوہے کے بھی چبا جاوے

ایک ہے پر خور آشنا بے پیر  
صد منی دیک ہے شکم اُس کا  
آنت شیطان کی ہے اُسکی آنت  
خستہ جو غ وہ جو آوے نہار  
شکل مست پوچھ کھانے کا ہے بلی  
کمال کچے سے پھر توڑے سے سیاہ  
توند کالی جو کھول جائے لیٹ  
راہ مطبخ میں پاوے ہے جو کبھی  
کھینچے باورچیوں کے کیا کیا ناز  
کھانا نکلے پر آوے ہے کیسے  
وقت کھانے کے ہاتھ سے اسکا  
کیا وہ دو پیازہ کھا کے ہوتا رہ  
گوشت ہانڈی بھرا ہے خٹک میں  
خام طعمی سے اک کرے ہے آہ  
نہ ٹلے دیکھ کر وہ قاب پلاؤ  
کھانے پر جب وہ جی چلاتا ہے  
نہیں پہنچے جو کھانا کھانے لگ  
بھوکھ کا باؤ لا جو آتا ہے  
دہوں میں دشمنوں سے بھی وہ لیم  
آتش بزاہ مار بھی کھاوے  
کسی مفلس کے گھر جو جاتا ہے  
بھوکھ سے جب کہ غصے میں آوے  
ٹھڈیوں کو نگہ نہ کھا جاوے

بھوک اُسکی جے تو میں سب انوں  
 سر ہی پھوڑے ہے دیکھ کر تر بوز  
 تیشگر پر وہ بانس کھاتا ہے  
 کرتے ہیں سودوں کی خسریاری  
 کوئی لاوے بلا گزرباں کو  
 تکتے ہیں بنیے داؤ گھات اپنا  
 سودے یکسو ہمیں نہ کھا جاوے  
 الغرض پیٹ اپنا بھر جاوے  
 لیک پیٹ اُس کو مارے رکھتا ہے  
 گوہ تک کا بھی جیف کھاتا ہے  
 کھا گئی اس کی میزبانی جان  
 کھانا اُس کے لیے میں پکوا یا  
 جس پہ سو میہاں کروں بچھ سے  
 خوب کھانا تو تجھ پہ ہے روشن  
 رہ منی دیگ بیج دلیہ تھا  
 جس کو دو چار سال کھاؤں میں  
 مدد روح اشٹ طاع  
 میں رہا کتا کھا گیا وہ سمیٹ  
 سارے منہ دیکھتے رہے اُسکا  
 روح توشے کی روٹی میں ہوگی  
 مر گیا ہووے تو بھی اٹھ بیٹھے  
 وہ مرے بھوک اُسکی مرتی نہیں

دوسر کا جلنا آگ سے مانوں  
 نکلے بازار میں وہ جب حیر بوز  
 کھاس پات اور کانس کھاتا ہے  
 اُسکے آنے کی سن کے بازاری  
 کوئی تختہ کرے ہے دوکان کو  
 کنجڑے ڈھانکے ہیں ساگ پات اپنا  
 کہ مبادا دوسر کو آ جاوے  
 اینٹ پتھر بھی کھا گزرجاوے  
 کیا کیا جینے کی کہیے چکھتا ہے  
 پیٹ اپنا بڑا جو پاتا ہے  
 وہ قصدا ہوا مرا مہیاں  
 گھر میں جو کچھ تھا بیچ منگوا یا  
 کتنا کھانا بیاں کروں تجھ سے  
 مجھ سے تھی روزگار سے ان بن  
 چار من گاجروں کا قلیہ تھا  
 روٹیاں کس قدر بتاؤں میں  
 چاہ کر کے گرا جو وہ بلاع  
 تھی ابھی روٹیوں کی جیٹ کی جیٹ  
 کھانا کوئی اور کیا کہے اُس کا  
 جب مر گیا وہ بھوکھ کا روگی  
 کھانے کی بوجو ناک میں بیٹھے  
 عقل باور اگر جیہ کرتی نہیں

بھوکے اس کا جو جی بھل جاوے  
 گور میں بھی کفن بھل جاوے





## مشوخی دیگر بیان کتب

اے جھوٹے آج شہر میں تیرا ہی دور ہے  
 اے جھوٹے تو شعار ہوا ساری خلق کا  
 اے جھوٹے تجھ سے ایک خرابی میں شہر ہے  
 اے جھوٹے رفتہ رفتہ ترا ہونگیا رواج  
 اے جھوٹے کیا کہوں کہ بلا ریزہ سر ہے تو  
 اے جھوٹے کب ہے عرصہ میں تجھسا حرفت  
 اے جھوٹے تیرے شہر میں ہیں تالیں بھی  
 کہنے سے آج ان کے کوئی دل نہ شاد ہو  
 وعدے گھڑی کے پہروں کے سب تالچکے  
 اے جھوٹے رنگ تیرے کرے کوئی کیا بیاں  
 یوسف کہ تھا نبی و صداقت شعار تھا  
 پایاں کار تیرے سبب چاک پیر بہن  
 اے جھوٹے تو تو ایک دلاؤ نہ ہے بلا  
 کس جانکنی سے کو کہنی کو کہن نے کی  
 نزدیک جب ہوا کہ وہ مطلوب سے ملے  
 دلالہ کے تو پردے میں آ کام کر گیا  
 اے جھوٹے تجھ سے فتنے ہزاروں اٹھائے  
 اے جھوٹے راستی سے نہیں گفتگو کہیں  
 اے جھوٹے اس طرح ہیں بہت جی سے جاچکے  
 اے جھوٹے اس زمانے میں کیونکر چلے سکیں  
 سردار جس سے سب متعلق ہے کار بار  
 پھر سب مدار کار دروغی و مفتدی  
 جھوٹا سوار دولت ابھی کا ہے یہ امیر  
 مشکل حصول کام ہے یاں حاصل کلام

شیوہ یہی بسھوں کا یہی سب کا طور ہے  
 کیا شہ کا کیا وزیر کا کیا اہل و لق کا  
 اے جھوٹے تو غضب ہی قیامت ہی قہر ہے  
 تیری متاع باب ہے ہر چار سو مل ج  
 اے جھوٹے سچ یہ ہے کہ عجب فتنہ گر ہی تو  
 تیرے ہی حکم کش ہیں وضع و شریف اب  
 مر جائے کیوں کوئی وے سچ بولیں گے بھی  
 فردا کہیں تو اس سے قیامت مراد ہو  
 برسوں تک انتظار کیا جی ہی جا چکے  
 رکھتا ہے جیسے غنچہ زباں تو تہ زباں  
 پھر حسن ظاہری سے بھی باغ و بہار تھا  
 زنداں میں جا کے برسوں رہا چھوڑ کر وطن  
 آشوب گاہ تجھ سے زمانہ رہا سدا  
 تصویر رکھو و شیریں کی پیش نظر رکھی  
 اب صبح و شام غنچہ مقصود دل کھلے  
 دو باتوں میں وہ عاشق دل خستہ مر گیا  
 ہنگامہ و فساد ہی ہر سو رہا کیسے  
 کہنے کو ہاں کہیں ہیں حقیقت میں ہے نہیں  
 وعدوں میں آہ لوگوں کے وعدے ہی آچکے  
 ہے تنگ جھوٹے بولنے سے عرصہ تلاش  
 سچ بولنا ہے اُسکے تئیں سخت تنگ و عار  
 صدق و صفا و راستی کے عیب سے بری  
 ورنہ قسم کسو کی بھی تھی حرف بار گیر  
 باتوں ہی باتوں کام ہوا خلق کا تمام

اے جھوٹے دل مرا بھی بہت دردناک ہے  
 اک فرد ستخطی تھی مری ایک شخص پاس  
 تھا میں فقیر پر نہ گیا شاہ کے حضور  
 آداب سلطنت سے نہیں محکورا بطہ  
 مرزائی مجھ سے کھینچتی نہیں ہر سہنری کی  
 صحبت خدا ہی جانے پڑے کیسی اتفاق  
 میں مضطرب گھر اُس کے گیا اٹھ کے پانچ بار  
 تقصیر میری اس میں نہ کرئیگا کچھ خیال  
 لیکن یہ حرف اس بھی سہ روکار رکھئے یاد  
 بہتیری ایسی فردیں یہ رکھتے ہیں جیب میں  
 دکھلاؤں گا چلا ہوں سوال آپ کا لیے  
 بولانہ ہوگا سستی میں ایدھر سے کچھ تصور  
 اک آدمی ایسی بات بنا کر کھسک گیا  
 یہ عرضیاں حضور کو بھیجیں میں صبح و شام  
 یعنی وہ ابھی ان کے کچھ دیو یگا شتاب  
 دو چار بار آیا بھی وہ پر نہ سمجھہ ہوا  
 مدت مدید گزری مجھے کرتے انتظار  
 اس فرد ستخطی کو ہے یہ ماہ ہفتہ میں  
 آیا جو وہ لطیفہ فیبی اب اپنے گھر  
 بارے نہ اتفاق ہوا یہ کہ ہو ملاپ  
 گھر آ کے ایک بھائی کو بھیجا پیام دے  
 حضرت سے کہیو پہلے بہت بندگی مری  
 دو چار دن میں بھیجیگا کچھ گھر ہی آپ کے  
 تیرے بھائی جاتے ہیں ہر روز صبح و شام  
 دن دیکھتے ہیں عدے کے بھی ہیں بہت قریب  
 ہر سول ہو مہینوں کے وعدے ہوئے عہد

ان کا قبول سے صبح نہ جیب چاک ہے  
 دیکھا جو خوب اُسکو تو مطلق نہیں جو اس  
 اتنے لیے کہ رتبہ عزت مرا ہے دور  
 حرکت نہ ہوئے مجھ سے کوئی غیر سنا بطہ  
 پھر شعر و شاعری بھی نہیں ہے تیر کی  
 کیا بات آوے بیچ میں بے رنگی ہر شاق  
 کہنے لگا زباں سے یہ ہوتے ہی وہ دو چار  
 صاحب کہیں خموشی کروں میں کیا مجال  
 انداز سے یہ لوگ سخن کرتے ہیں زیادہ  
 رکھتے ہیں یہ ہیں لوگوں کو برسوں قریب میں  
 میں نے کہا تقصیر کہو کس طرح بھیجے  
 پھر دیکھیے کہ پردے سے کرتا ہی کیا ظہور  
 دل اس خبر کے سننے سے میرا دھڑک گیا  
 دستخط جو ہو کے آئے کوئی سوسلی کے نام  
 دل جمع رکھیں کا سیکو کرتے ہیں اضطراب  
 مجھ کو جو اضطراب تھا میں بے اجل ہوا  
 نجلت ہوئی جو حال لکھا میں نے بار بار  
 سخاوت کا نہیں ہے ٹھکانا ابھی کہیں  
 میں مضطرب ہوا آپ گیا ملنے اُسکے گھر  
 لکھو یا تھا اضطراب سے عز و وقار آپ  
 آئے دے اُسکے پاس سے جو کچھ جواب دے  
 پھر کہیو اب اُترتی ہے شرمندگی مری  
 درپے نہ اتنے ہو جئے میرے ملاپ کے  
 اب تک تو ملتوی سے زمانے زوے کا کام  
 پھر ترک شہر کیجئے گا کہہ کے بالنبی  
 بیچ کہتے ہیں کچھ نہیں ان جھوٹوں کے بید

# واسوخت

میر تقی میر دہلوی

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## وَأَسْفُحْتُ

طرز اسے رشک چین اب تری کچھ تازی ہو  
 وارغ رکھنے کو مرے اُن ہی سے نگہ بازی ہو  
 ساتھ غیروں کے مرے حق میں سخن سازی ہو  
 ہدی اُن سے انھیں سب ہم آوازی ہو  
 گوش کر میرے بھی تسکوع کی طرف گل کو رنگ  
 رکتے رکتے روش غنیچہ ہوا ہوں ل تنگ

ایک مدت ہوئی بدنامی و رسوائی ہے  
 صبح جب دی ہے دعا گالی تری ٹھائی ہے  
 ہلکیسی بیدلی درویشی و تنہائی ہے  
 ابتدا سے مری ذلت کچھ خوش آئی ہے

خلق کیا کیا تری بیطور یوں سے کہتی نہیں  
 میں بھی ناچار ہوں اب تمہیں زباں سنی نہیں

متنت حال پر رہتا ہے مرے اب موقوف  
 سے فریبندہ سخن را بطے کے سب موقوف  
 بات گردن کو کوئی ہو گئی تو شب موقوف  
 مہر و الطاف و غنایات و کرم سب موقوف

مہربانی سے کبھو کوئی کی ایدھر کی نگاہ  
 سو بھی اسطور کہ کیا جانے کیدھر کی نگاہ

میں جو صحبت میں ہوں بیٹھا تو رکے بولچہ ہو  
 آنکھیں ایدھر سے جو روندو ہو سو کم گھو لو ہو

نام لیتے ہو کراہت سے مراجو لو ہو	لگ چلے غیر تو تابع اسی کے ہو لو ہو
روے حروف اسکی طرف چشم حمایت اودھر	ابر و اودھر کو جھکے لطف و عنایت اودھر
پیار تجھ کو نہ کیا کرتے اگر جانتے ہم	کاشکے تیری روش پہلے ہی پہچانتے ہم
جھوٹے جھوٹے ترے وعدے نہ کھواتے ہم	جی میں اب ٹھانی ہو جو کچھ سو بھی ٹھانتے ہم
اسقدر تجھ سے نہ لگ چلتے نہ آتے اس راہ	تو پہری ہوتا تو کرتے نہ تری اور نگاہ
یہ فریبندہ سخن گوش نہ کرتے ہرگز	خواہش کنج دہن دل پہ نہ دھرتے ہرگز
بے شب وصل دن اس طور نہ بھرتے ہرگز	لعل جاں بخش یوں تیرے نہ مرتے ہرگز
اتفاقات سے ہو جاتی ملاقات تو خیر	دل تجھ پر رکھا جب نہ کوئی یار نہ غمیر
عشوہ و ناز و داد سے کسو کو پھر کیا کام	جی نہ بیچیں رہا کرتا نہ دل بے آرام
ہو گیا یوں تو کبھو ہو گیا آپس میں کلام	بے رخ و زلف رکن کا ہے کوہ صبح و شام
جس اچھی تری پر گرمی بازار کہاں	سرگر اں تو تو بہت ہو یہ خریدار کہاں
تجھ سے بے پروا دل کا لگانا تھا غلط	آپ کو حوت غلط رنگ مٹانا تھا غلط
خط دے قاصد کو ترے اور چلانا تھا غلط	آتش غم سے مرے جی کا جلانا تھا غلط
اپنی نادانی نہ سمجھے کہ تو کیا نسخہ ہے	آدمی بھی کسو دانا کا لکھا نسخہ ہے
غم نہیں تجھ کو مری یاری و وفاداری کا	نہ خیال آوے ہے بندے کی گرفتاری کا
طور چھوڑا نہ تنک تو نے شمگاری کا	وہی عشوہ ہے شب و روز دل زاری کا
پرسش حال کا بھی مجھ کو نہ ممنون رکھا	ہے یہ خاطر کہ حزیں دل کے تئیں خون رکھا
ترک اخلاص کیا سب سے تجھے پیار کیا	رحم دل پر نہ کیا جان کو آزار کیا
چاہ سے اپنی عبث تجھ کو خبردار کیا	کیا کیا ہم نے کہ اس معنی کا اظہار کیا

جو کہ الفاظ نہ نمایاں تھے سو تو کہنے لگا	
وجہ بیوجہ تو درپوش ہی اب رہنے لگا	
طرز یہ سرمہ کشی کی نہ سمجھاتے تجھ کو	اُرسی کی کبھی صورت نہ دکھاتے تجھ کو
کیوں بگڑتا تو جو ایسا نہ بنا تے تجھ کو	دلربائی کے نہ انداز بتاتے تجھ کو
مستی چشم سے ہوتی نہ اگر تجھ کو خبہ	
ایسی ہشاری سے کرتا نہ تو ایدھر کو نظر	
اسکی محبوبی و غبی ہی کا مذکور ہے اب	اور مہ پارہ بھی اس شہر میں مشہور ہے اب
صرت اسپر کروں گا اپنا جو مقدر ہے اب	دیکھنا کچھ ہو اسی کا مجھے منظور ہے اب
اس کئے ضد سے تری شام و سحر جاؤنگا	
گھر سے جدم اٹھوں گا اُسکے ہی گھر جاؤنگا	
مختلط لطف و عنایت سے ہوا چاہے ہے	وہ بھی سن شور و فاجح سے ملا چاہے ہے
کام دل لوں ہوں اسی سے جو خدا چاہے ہے	کوئی دن راتوں کو مجھ پاس رہا چاہے ہے
باؤ کا رخ تجھے بتاؤں دم اس مہ کا بھروں	
خط تری بندگی کا کاغذ باؤ اس کا کروں	
قصہ رکھتا ہوں کہ اس شہر میں ہرگز نہ رہوں	میں بھی ناچار ہوں تا چند جقائق یہ سہوں
خوبیاں اور ترے حسن و سلوک اس سے کہوں	یا اُسی ماہ سنے جا رہوں گو اس میں نہ ہوں
کیں تیرا جرمی دونوں ہیں اسپر معلوم	
اسکے معلوم ہوئے رد سے دل و دھڑ معلوم	
راہ و منزل میں پھروں گا اُسی کو ست افشاں	پھر توجہ کی کو میں کروں گا اُسی مہ پر قرباں
اس قدر مجھ کو داغ اب ہے کہاں لہجہ کہاں	بس بگولا سا ہوا تیرے لیے سرگرداں
کہ رہوں بیخود و بیخواب شبوں کو روتا	
کاش مشتاق تیرے منہ کا نہ اتنا ہوتا	
اسکے دروازے پہ درویش ہو جا بیٹھوں گا	اب تو جو کچھ ہو دل اس ساتھ لگا بیٹھوں گا
اُدوں گا بھی تو ترے پاس نہ آ بیٹھوں گا	ساتھ واسوختہ ہو تجھ سے لگا بیٹھوں گا
دور سے ایک نظر کر کے چلا جاؤں گا	

<p>سو بھی کتنے دنوں پھر کا ہے کو میں آؤں گا</p>	<p>لاگ ہے جس سے نئی اُس سے رکھوں قافل</p>
<p>دلنشیں اُسکے کروں خوب طرح کہنہ مقال بعد ازاں ترک کروں کھا کے قسم تیرا خیال</p>	<p>ساری مجلس کے تئیں اُسکی کروں وقت خال</p>
<p>پھر کبھو وہم میں بھی گزرے نہ ملنا تیرا جب نہ تب در پہ اُسی کے رہے ماتھا میرا</p>	<p>لگ چلوں اس سے صبا کی سی طرح شام و صبح</p>
<p>اُسکے پانوں تلے کی خاک کروں کل بصر چکے اُسکے لب شیریں سے رہیں دیدہ تر</p>	<p>روئے گل رنگ سے اُسکے نہ اٹھے میری نظر</p>
<p>درہی حال کی اُس کیسوئے برہم سے رہے جی کو بیٹا تھی اُس قدر کے چم و خم سے رہے</p>	<p>ناز بیجا ترے دل پھر نہ اٹھاوے ہرگز نہ</p>
<p>بات یہ تیری فریبندہ نہ بھاوے ہرگز نہ آہ کھ خوبی کی طرف تیری نہ جاوے ہرگز نہ</p>	<p>طرز رفتار تری جی میں نہ آوے ہرگز نہ</p>
<p>وہ جو سادہ ہے تو پر کار بھی ہو جاوے گا اب جو بیگانہ سا ہے یار بھی ہو جاوے گا</p>	<p>فن مشوقی میں تیار کروں گا اُس کو</p>
<p>شانہ و آئینہ سے یار کروں گا اُس کو ہند سے میں تیری بہت پیار کروں گا اُس کو</p>	<p>حسن سے اُسکے خسر دار کروں گا اُس کو</p>
<p>فرش رہ دیدہ نمناک کروں گا واں کے پلکوں سے خار و خشک پاک کروں گا واں کے</p>	<p>ہو گیا مجھ سے جو مانوس تو مرزا ہو گا</p>
<p>پوشش تنگ کا مصروف مہیا ہو گا پلٹے بندوں کا برو دوش پہ چٹھا ہو گا</p>	<p>گھیر جائے گا نہ سو گز سے کم اُسکا ہو گا</p>
<p>چلتے دامن کے تئیں لگتی رہے گی ٹھوکر ہو گا ہنگامہ ادھر نکلے گا جیدھر ہو کر</p>	<p>کس و ناکس اُسی مہ پارے کا مفتوں ہو گا</p>
<p>ایسی سیج سے تو اُسے دیکھ کے مخروں ہو گا دل نازک تر ادھر کے گا جگر خوں ہو گا</p>	<p>رشک سے اُسکے ترا حال دگرگوں ہو گا</p>
<p>شرم سے ہو گا نہ اک نہ کھ اٹھانا مشکل بلکہ ہو جاوے گا اس کو چے میں آنا مشکل</p>	<p></p>

طنز و تعریض و کنائے سے بہ تنگ آویگا	ناز کا طور فراسوش ہی ہو جاوے گا
رابطہ و اخلاص میں ویسا نہ مجھے یاویگا	یہ سخن یاد رہے دل میں تو پھینکا دے گا
آہ آشنا جتنے ہیں بیگانہ بیکل جاویں گے	
سر جھکانے اُسی کے اور چلے آویں گے	
اب بھی گھر سمجھے تو مجھ کو ہے وہی تجھے پار	چھپر کا رنگ نہیں تیری نہ کالی کا ہے مار
وہی غلص ہوں قدیمی وہی میں تیرا یار	بندگی گیش و فاشیوہ و اخلاص شعار
چوٹ مجھ کو بھی تو غیروں کی ملاقات کی ہے	
چھوڑے یہ تو تو پھر آزدگی کس بات کی ہے	
جی نہ تڑپے گا مرا پھر نہ مری چھپاتی جلے	دل نہ سینے میں مرے شام و سحر کوئی لے
شکوہ ناک کی سے زباں منہ میں نہ نہار لے	آہ چلتے کہیں ت تو لے لگ تیرے لگ
زور سے بازو پہ اپنے ترے سر کو رکھا	
دست گستاخ پہ لے تیری کمر کو رکھا	
بس ہوس کیوں سے مل کے تو بدنام ہوا	بسکہ راتوں کو رہا شہرہ اُنام ہوا
کاسہ لیسوں کے گئے مرگلب حجام ہوا	شوخی و شلتاقی و بدوضع دئے اُنام ہوا
طور پر میرے معیشت کوئی دن اچھی ہے	
ایسے بدکار سے صحبت کوئی دن اچھی ہے	
آہ اگر غمیر کے ملنے کی قسم کھاتا ہے	میر بھی حرف و رشتانہ سے شرما ہے
ذوق ویسا ہی ہے اُسکا تو اُسے بھاتا ہے	دل کی داسوز سے گھد پر یہ سخن لاتا ہے
ورنہ مشتاق ہے سو جی سے جگر نہ ترا	
کشتہ و مردہ ترا رفتہ و دل بستہ ترا	



## منسک و گیکر

سچ کہو شہر میں صحرائیں کہاں رہتے ہو  
ان دنوں یاروں کی آنکھوں سے نہاں رہتے ہو  
یاں بہت رہتے ہو خوش باش کہ واپس رہتے ہو  
خوش رہو میری جان جہاں رہتے ہو

اک طرف نیٹھے ہوئے ہم بھی لہو پیٹے ہیں  
عشق کی جان کو دیتے ہیں دعا جیتے ہیں

دل خوشی ہوتا نہیں برے سے یا بدل سے  
ہمنشیں آگ کھلے دل پر مرے سب گل سے  
یعنی اب عشق نہیں مجکو خط کا کل سے  
اچھن زار میں گل بازی کروں بلبل سے

شاخ گل پر تو وہ ہوا اور لب جو پر میں  
داغ کو دل پر وہ لے گل کے تیل رو میں

ہے زمیں خشک مرے دیدہ تر سے نایاب  
ہر طرف اشک سے میرے ہیں دل صد کیا  
شہر و کسار و بیابان سبھی ہیں شاداب  
کام کرتی ہی جہاں تک کہ نظر اب ہے آب

ہے عبت جیتے جی میرے تجھے بارش کا خیال  
میں تو روتا ہوں ترے غم میں علی قدر حال

زیرے الماس کے ہیں مشت نمک شکر کی بو  
لذت درد سے مقدور ہو جب تک کر خو  
کس کو یہ سارے ہم پہونچے ہیں ان سے مل تو  
دیکھو زہنہار نہ دے مریم بد رو کو رو

ننگ و ناموس کو مجروحوں کو رکھ مد نظر  
سندھ بھرائی میں مری جان لے لے زخم نظر

مہر تیں گزریں کہ لے شوخ یہ خواری ہو مجھے  
درد و شب درد و غم و نالہ و زاری ہو مجھے  
تجھ سے ہر دم سنگار سے یاری ہے مجھے  
بلکہ ہر روز کی شب ہجر میں بھاری ہے مجھے

اہل دل جان سے رکھتا ہے تجھے عشق یہ تنگ  
کاشکے دل کے عوض کوئی ملا ہوا سنگ

عاقبت کا نظر آیا نہ یک آن ہاں ہمیں  
حیف صد حیف میرے ہوا یا رہیں  
دل کی بیباکی نے ہر چند رکھا خوار ہیں  
تیرے کوچے میں کہیں سایہ دیوار ہمیں

تاکہ واں نالہ و فریاد کیا کرتے ہم

کب تک ہاتھ سے خواب جفاکاری دیں	اک طرف بیٹھ سمجھ یا دیکھا کرتے ہیں
تم کہو کب تک یہ داد وفاداری دیں	اس وفاداری کے بدلے یہ ہمیں خواری ہیں
	عشق بے جرم جو کچھ ہو تو گنہ گاری ہیں
	قصہ قریاوستے گریا تک انصاف کریں
	پھر فے گوشت کے کدورت سے ہمیں فکریں
مست برس خاک پہ عشاق کی ہم کیا کم تھے	حرف دیر دزدہ ہے یہ دیدے ہمارے ہم تھے
موج سیلاب پہ آنسو کے گئے عالم تھے	یعنی اسے اب کسی عہد میں ہم بھی ہم تھے
	عزم کر رونے کا آبادی سے گڑھ تھے
	بیٹھ کر دشت میں طوفان ہی کر اٹھتے تھے
کون تھایاں کہ مجھے دیکھ نہ امت رکھے	یا مرے سر پہ نصیحت سے قیامت رکھے
میر صد سال خدا تجھ کو سلامت رکھے	تو نہ ہووے نہ مجھے کو کے سلامت رکھے
	ورنہ اب تک تو مری خاک بھی ہو جاتی ہوا
	لیگئی ہوتی تبرک کی طرح باد صبا

### مسدس بطر زو اسو

یاد ایام کہ خوبی سے خبر تجھ کو نہ تھی	سرمہ و آئینہ کی اور نظر تجھ کو نہ تھی
نکدہ آراستگی شام و سحر تجھ کو نہ تھی	زلف آشتی کی سدھ دو دو پہر تجھ کو نہ تھی
	شانہ تھا نا بلد کو پہ گیسو تیرا
	آئینہ کا ہے کو تھا حیرتی رو تیرا
آگہی محسن سے اپنے تجھے زہار نہ تھی	اپنی مستی سے تری آنکھ خبر دار نہ تھی
پائوں بیڈول نہ پڑتا تھا یہ قرار نہ تھی	ہر دم اس طور کر میں ترے تلوار نہ تھی
	خون یوں کا ہے کو کو پے میں ترے بچے تھے
	دل زدے کب تری دیواروں تلے روئے تھے
خو آہش دل کی ملا کرتی تھی ہر ساعت واد	طبع میں تیرے تصرف تھا ہمیں حد سے زیاد
مطلقاً تجھ سے نہ مربوط تھے ارباب عناد	کاہیکو رہتے تھے کو ہمیں ترے ثور فساد

طور پر اپنے ترے پاس ہم آ جاتے تھے  
 حسب خواہش مجھے ہر شام و سحر پاتے تھے  
 بند جا بے کا جو دا ہوتا تھا وار ہوتا تھا  
 قہوڑی ریشم میں گلے ہی سے لگا رہتا تھا  
 بے تکلف مرے گھبرات کو آ رہتا تھا  
 ملک جدار تھے تو دیر آنکھ ملا رہتا تھا  
 اس قدر قدر نہ تھی اپنی تری آنکھوں میں  
 حسب و بازی میں بھی رہتا تھا مری آنکھوں میں  
 آستینوں میں نہ تھے چاک نہ زہ دامن میں  
 یہ طرح کبھی دوپٹے کے تلے بتوں میں  
 بھرتے کس روز تھے یوں کپڑے بہن نکل میں  
 بند لپٹے ہوئے ہر دم نہ کھڑے رہتے تھے  
 ہج بگڑی کے گلے میں نہ پڑے رہتے تھے  
 کس دن اتنا تھا پر اگندگی مو کا خیال  
 محل جاں بخش نہ رہتے تھے کبھو اتنے لال  
 دو دو دن چہرے پہ کبھو ہی رہا کرتے تھے بال  
 خوبی خندہ نہ لوگوں کی جیوں کی تھی وبال  
 پان سے شوق نہ تھا کیسا مسی کا مذکور  
 غصے ہو جاتے تھے سن ایسی کسی کا مذکور  
 تنگ جا بے جو یہ جاتے تو کھڑاتے تھے  
 لپٹے دامن سے اٹھ کر ہی میں پھر جاتے تھے  
 یا تو اب کہنی پھٹی مونڈھے چسے رہتے ہیں  
 باہر اندر ہو کہیں بند کسے رہتے ہیں  
 شوق زینت سے نہ تھا ربط نہ عنائی سے  
 اب سو بار کمر بند تھی ہے اکالی سے  
 دل نہ اتنا تھا لگا خوبی مرزائی سے  
 دیکھتے رہتے ہو ترکیب ہے خود رائی سے  
 رو سیہ آئینہ سے تم کو فراغت ہی نہیں  
 سرمہ تیرہ دروں کے کہیں فرصت ہی نہیں  
 نشانہ اب ہاتھ میں ہو زلف بنا کرتی ہے  
 پاس سرمے کی سلائی بھی رہا کرتی ہے  
 مستی و انتوں میں کئی بار لگا کرتی ہے  
 آنکھ رعنائی یہ اپنی ہی پڑا کرتی ہے  
 جان آنکھوں میں کسی کی ہو نظر کو نہیں

غش کرے کوئی کستمدیدہ خبر تم کو نہیں  
 کب گلی کو چوں میں پھرتے تھے لیے تم تلوار  
 پرتلا کا سیکور بتا تھا گلے کا یوں ہمار  
 ساتھ خوشخوار نہ پھرتے تھے نہ تم تھے خوشخوار  
 دم میں ناحق کبھیوں جان نہ رکھتے تھے مار  
 مایہ فتنہ و پر خاش ہوئے ہو اب تو  
 شوخ دشت تاقی وادباش ہوئے ہو اب تو  
 پیشتر ہم سے کوئی تیرا طلبکار نہ تھا  
 جنس اچھی تھی تیرے ہی لیک خریدار نہ تھا  
 ایک بھی زنگیں بیمار کا بیمار نہ تھا  
 ہم سو کوئی ترا رونق بازار نہ تھا  
 تکتے سوداوی جو تھے دل نہ لگا سکتے تھے  
 آنکھیں یوں موند کے شے جی نہ چلا سکتے تھے  
 یا تو ہم ہی تھے کہ اب ہم سے نہیں کچھ یاری  
 بار خاطر ہے اب ہم کو بھی ہے بیزاری  
 مفت براہو گئی عزت و حرمت ساری  
 یعنی اس شہر سے اٹھ جانے کی جوتیاری  
 رتبہ غیر نہیں آنکھوں سے دیکھا جاتا  
 طاقت اب یہ دل بیتاب نہیں ٹک لاتا  
 کوئی نادیدہ محب سادہ لگا لینگے ہم  
 بوس آغوش کا آمادہ لگا لینگے ہم  
 سادہ نامرتکب بادہ لگالیں گے ہم  
 بند خود رانی سے آزادہ لگالیں گے ہم  
 اُس کو آغوش تمنائیں اب اپنی لینگے  
 اُس سے داد دل ناکام سب اپنی لینگے  
 اُسکی کھینچیں گے علی الرغم ترے مرزائی  
 مجلسوں میں اُسے لادیں گے بھندریائی  
 اُسکو کھلائیں گے طرز و روش غنائی  
 صحبت اسے دشمن جان اسے اگر برائی  
 تو تجھے دیکھو کس طور پر کھاتے ہیں ہم  
 چھڑیں کیا رکھتے ہیں کس تھبتاتے ہیں ہم  
 چہرے کو اُسکے کراستہ و خواہ کریں  
 راہ خوبی کی بتا کر اُسے گمراہ کریں  
 آرسی اُسکو دکھا حسن سے آگاہ کریں  
 تو سہی ضد سے ترسی ایسا ہی شاہ کریں  
 کہ تجھے سدھ نہ رہے خوبی و غنائی کی  
 دھجیاں لے تھی اس جامہ زیبائی کی

دست افشاں ہو تو عزت تری اب ہاتھ سے جا بار ٹھوکر چپے دامن کو تو تو سر نہ ہلائے	چشم کھول کو دکھلائے تو تو آنکھ چھپائے حبس طرف اسکا گزر ہووے تو او دھر کو نہ جائے
چھترے گالی دے اشارت کرے چمکنا سے عشوہ و غمزہ و انداز بھلا دے سارے	
زندگانی ہو تجھے ہاتھ سے اُسکے دشوار پہونچیں ہر آن میں اُن سے تجھے سو سوار	کوئی دن تو بھی پھر سے جان سے اپنی ہزار ظن و تعریض کنائے کی رہی اک بو چھپا رہ
دل واسوختہ کو اپنے لیے جاتے ہیں اپنی جاغیروں کو ناجار دیے جاتے ہیں	جا کے ٹمک سامنے اُسکے تو بہت تر آوے عرق شرم میں ڈوبا ہو اسب گھر آوے
آوے گا تو بھی منانے کو نہ آوینگے ہم جان سے جاوینگے پیاں سے نہ جاوینگے ہم	غصے سے خون جگر اپنا پیسے جاتے ہیں اکے یوں جاتے نہیں عہد کیسے جاتے ہیں
بارگشت ابکی کسو طرح نہیں ہے منظور جانا ٹھکانا تو پھر آنے کا یہاں کیا مذکور	آوے گا تو بھی منانے کو نہ آوینگے ہم جان سے جاوینگے پیاں سے نہ جاوینگے ہم
میں اعراض بھی لوگوں نے کیا ہی آگے خلق عالم سے کنارہ بھی کیا ہے آگے	گو کہ درپیش ہیں آوے رہ دور از دور جی سے اپنے بھی گزر جائیے پر تا مقدور
پر کنھوں نے نہیں اس صفت زبان بازی کی یہ بھی ظالم ہے کوئی طرز سخن سازی کی	منہ ادھر کرے نہ جس جاسے بنے اُٹھ جانا قدر رکھو دیوے ہے ہر بار کا آنا جانا

## مسدس بطرز واسخت

ایک دن دے تھے کہ تم کو نہ فریب تے تھے ادنیٰ سونی بھی مرے آگے اٹھ جاتے تھے  
مدعی کا ہے کو مجلس میں جگہ پاتے تھے چھوٹے تھے بانوں تو پھر سر میں مٹھاتے تھے

یا تو اب شام و عصر پاس لگے رہتے ہیں  
کر کے سرگوشی جو کچھ چاہتے ہیں کہتے ہیں

شکو بھی آٹھ پھر حرف و حکایت ان سے بازو جانو ہوا انھیں چشم حمایت ان سے  
شکر ان کا ہے جو ہے بھی تو شکایت ان سے ہر طرح کوئی چلی جا ہے رعایت ان سے

باتھ کا نہ رہتے پر کبھو کبھو کثرت ہوتے ہو  
کبھی منت کرو ہو ملک جو کرستہ ہوتے ہو

پاس ان کا ہے تمھیں خاطر انھیں کی منظور ان سے ملنے میں نہیں کرتے کسی طور قصور  
ان سے اک دن میں کسی بار ملاقات ضرور ان سے لگ بھگتے ہو تب لگتے ہو ہم سے دور

جن کا شیوہ ہے حرمزدگی انھیں سے صحبت  
بندگی کیشوں سے پر خاش خدا کی قدرت

وے جو آزرہ ہوں ملک بھی تو منانے جاؤ ملک کر بیٹھ رہیں گھر تو بلائے جاؤ  
الغرض کر کے اودھر سو سو بہانے جاؤ ان کو دریا یہ جو سن پاؤ نہانے جاؤ

سہم اگر خاک ملیں ٹھہر نہ بولو چالو  
سہم اگر لو ہو لگیں رونے تو نہیں کر ٹالو

ان سے آزار دہی کی مری کنکائیش ہے ہر دم ان سے مری خونریزی کی فرمائیش ہے  
ان کی دلجوئی ہے یا چہرہ کی آرائش ہے فارغ ان دنوں سے ہوتے ہو تو آسائش ہے

دو دو دن مست سے تاب پڑے سوتے ہو  
رہتے ہو بے مزہ بیدار اگر ہوتے ہو

خوبی رعنائی سے کم تجکو بہت فرست ہو اپنی ترکیب بنانے سے کہاں ہمت ہے  
چہرہ آرائی شب و روز ہے یہ سورت ہے شانہ و زلف گتھی نہتی ہیں یہ صحبت ہے

سرے سے اکٹھا اٹھاوے تو ارادہ کیجئے

آر سی چھوڑے تجھے ٹمک تو ادھر دیکھے تو  
 جو کس روز تجھے پاتے تھے رعنائی کا  
 ذوق رہتا تھا تجھے کاہیکو خود رانی کا  
 کب کب آپل رہے تھا ہاتھ میں کلانی کا  
 اتنا دل بستہ نہ تھا جامہ زیبائی کا  
 سُرخ سجاوت نہ لگتی تھی نہ ہوتے تھے جاک  
 خون سے عشق کے ماروں کے دامن تھاپاک

ایسے اوباشوں کی تقلید میں کب تھی تک دو  
 پاٹ دامن کے نہوتے تھے ترسے ساٹھ کے سو  
 تیگٹ چولی کے نہ رہتا تھا کبھی اتنا گرو  
 اتنوسے قبر جو ڈھیلی ہو کر ایک بھی جو

دزدنی کا نیا ہی کرے ٹھیک نہ جنگ سی لے  
 کاڑھے ہاکے میں سوئی کے کرے ٹانگے ڈھیلے

خط بھی آیا پر مری تیری صفائی نہ ہوئی  
 اپنی سچ دیکھنے سے تیکو رہائی نہ ہوئی  
 کس گھڑی آن کے بیٹھے کہ لڑائی نہ ہوئی  
 اک بلا جی کی ہوئی تنگ قبائی نہ ہوئی

رک گئے دیکھتے دس جاتے تھے منڈھے جیسے  
 چولی مسکی ہوئی سب ہزبون میں ہونچے ٹھیسے

بند لنبے نہ سمجھواتے سے جاتے تھے  
 زہ سراسر نہ گریبان میں لگواتے تھے  
 شانے پر ڈالے ہوئے کھجے سے کہتے تھے  
 گھیر دامن کا بہت ہوتا تو گھبراتے تھے

اب تو پوشاک ہے کچھ تازہ نکالی تم نے  
 طرح داری کی طرح اور ہی ڈالی تم نے

کن دنوں ساتھ کسی یار رکھا کرتے تھے  
 کس گھڑی ہاتھ میں تلوار رکھا کرتے تھے  
 کن شبیوں غیر سے یہ پیار رکھا کرتے تھے  
 کسکویوں میری طرح مار رکھا کرتے تھے

میان سے اب تو لیے آٹھ پہر رہتے ہو  
 گھر سے جب نکلو ہو تب خون ہی کرتے ہو

بال واں سنو ریں ترے یاں تجھے جی چنجال  
 ہو جگر داغ مرا منہ پہ بنے تیرے خال  
 میں لوں خاک میں منظور تجھے اپنی چال  
 ہندی پانوں سے لگے گھل کے رہوں میں پال

سر نہ آنکھوں میں جگہ تیری کرے شام و سحر  
 مطلق احوال مرا تجھ کو نہ ہو مد نظر

<p>دامن و جب پٹے یاد میں ان کی سارے چھاتیاں کوٹتے ہی کوٹتے آخر بارے</p>	<p>تھیں فریب انگلی نگاہیں وہ تھاری بارے شوق کے ہاتھ شب و روز سروں پر بارے</p>
<p>رہے اتنا کہ جگر میں نہ رہی بومو کی بوند اب سماں وہ ہے کہ دیکھو گے میاں تکھیں بوند</p>	<p>تنگ اب حد سے زیادہ ہوئے ہیں یاد رہے کب تک اس طور کوئی اسے تم ایجاد رہے</p>
<p>بس بہت ہی ترے اطوار سے ناشاد ہے ون کو بیدار رہے رات کو فسر یاد رہے</p>	<p>ہے قریب اب کہ ترے کوچے سے اٹھ کر جاؤں بے حمیت ہی ہمیں کہیں اگر پھر آؤں</p>
<p>ہزماں ہر کسو سے حال کہا کیا کریے میر کے طور ترا شکوہ لکھا کیا کریے</p>	<p>اک طرف مر رہے گئے جا کے بھلا کیا کریے سرگرمیاں میں یوں ڈال رہا کیا کریے</p>
<p>جی نہ نکلا اگر اس میں تو کڑھاکریے گا مرثیہ اپنا کہیں بیٹھے کہا کریے گا</p>	<p></p>



# تنویات شکارنامه

میر تقی میر دہلوی

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### شکار نامہ اول

چلا آصف الدولہ ہر شکار  
روانہ ہوئی فوج وریا کے رنگ  
ظہور آشیانوں سے جانے لگے  
سن آواز شیرانِ نر و گئے  
جہاں بر آیا نظیرِ صید تھا  
گئے مست ہاتھی مکانون کو چھوڑ  
نہ دیکھا نہ ہم نے سنایہ شکار  
پلنگان صحرا کے دل خوں کے  
کہاں سہل مارے گئے نرہ شیر  
ہوئے لشکر ہی جبکہ سرگرم گشت  
گئے جانور دشت خالی رہے  
عجب تر ہے یہ صید کر نیکاؤ و شکار  
نہ چیتل نہ پاڑھا نہ ارتانہ شیر  
دزدوں کا پیدا نہ نام و نشان  
بکھوفیل دشتی نہ جکڑے گئے

نہاد بیاباں سے اٹھا غبار  
لگا کانٹے ڈر سے شیر و پلنگ  
وحوش اپنی جانیں بھپانے لگے  
پلنگ و نمرخون سے مر گئے  
بیاباں اُسی پہن سے قید تھا  
دیے پنجہ شیریلیوں سے توڑ  
کہ بکری سا ہاتھی کو لیتے ہیں مار  
نہنگان دریا ہوئے مرجے  
لگے بکریوں کو پکڑتے بھی دیر  
مقتیہ ہوئے مست فیلان وشت  
بیابان بھاڑے گئے تو کہے  
کہ چور تک باقی ہوئے بید رنگ  
ہوئے گونیاں کھا کے یک ٹوٹھیر  
نہ شیرشان و نہ پسبل دماں  
نہ یوں بھیر بکری سے پکڑے گئے

چنانچہ طرف فیل دشتی کا میل  
 اگر ٹھک بھی اٹکا تو مارا گیا  
 مگر سرکشی سے کی استادگی  
 پہاڑ ایک ہاتھی مقابل ہوا  
 جے دونوں دے دیو میدان میں  
 یہاں دونوں فیلوں کی بھی سرزنی  
 جو اس مار کھانے پہ اکڑا رہا  
 رہے کس طرح پھٹ گیا تھا جگر  
 مگر سرکشی سے نہ اپنی ہٹا  
 اشارہ ہوا اُس کے چورنگ کا  
 برسنے لگا مینھ تیروں کا زور  
 لگی پڑنے بجلی سی تیغ سپاہ  
 نہایت وہ ہاتھی ہوا تخت لخت  
 رکھا لاکے لشکر میں اٹائے راہ  
 رہے کہتے اس دن عجب سب ہو یہ  
 اگر دیو ہیں سرگراں کے ساتھ  
 وہاں خشکیں جیسے آتش یہ تھا  
 گوزن اور ہرنوں کی کیا دیجے شرح  
 گیا دشت در دشت شور و شکار  
 ہرن جھلکتیوں میں رہے گھومتے  
 برابر رہے گور و شیر زیاں  
 گئے بیشتر چھوڑ پھینکے  
 اس اوقات سے جو کہ بیہوش تھے  
 اگر بچھ نکلا تو تھا سو بسو  
 قلندر سپاہی پے جاں ہوئے

رواں فوج اُوھر کو ہوئی سیل سیل  
 پڑے سیکڑوں پھانڈ چار اگیا  
 تو پیش آئی اک طرفہ افتادگی  
 بزور آمد و شد کا حائل ہوا  
 اٹھا شور محشر بیابان میں  
 شتر مرغ سے واں نہ ہو پر زنی  
 کسی روز رسوں سے جکڑا رہا  
 مواد و پیر میں نہو موت کر  
 نہ میدان میں ٹھک دیا ٹک گھٹا  
 سمجھوں کو ارادہ ہوا جنگ کا  
 ہوا فیل باران جنگل میں شور  
 پر نشان ہو جیسے ابر سیاہ  
 گرا یوں کہ جیوں پارہ کوہ سخت  
 سر اس کا کٹا جیسے برج سیاہ  
 فریل ہے یا سرشب ہے یہ  
 نہ اس تیرگی و کلانی کے ساتھ  
 مگر فیل سر دیو سرکش یہ تھا  
 گئے شیر مارے سوکتوں کی طرح  
 ہوئے گرگ آہو کے اوپر سوار  
 کچھے فیل بیلوں ہی میں جھومتے  
 برابر تھا دونوں کو دسواں جاں  
 شتالوں کی رو باہ بازی تھی یہ  
 بہیر و بہنہ نجا کہ خسرو گوش تھے  
 بہت مضطرب تھا وہ آشفقہ مو  
 لیے اسکو سر در گریباں ہوئے

غلت آب گوں تیخ کا پھر ہوا  
 موئے اس طرح حضرت بوحمید  
 گرے پشت سوئے فلک خاک پر  
 گئے لادنے فیل پر لشکر ہی  
 کروں صید ماہی کا کیا میں بیاں  
 پڑے سیکڑوں دام تالاب میں  
 نہ تیر نہ طاؤس صحرا کے بیچ  
 رہے گوشت ہی پکتے ہر صبح و شام  
 ہوا حائل راہ بحسب عمیق  
 قریب آئے اُتر ہی یہ خائف تھی موج  
 مہیب اور آلودہ خاک آب  
 غضب لچہ خیزی بلا جوشش پر  
 چلے بس تو کچھ کوئی چارہ کرے  
 تردو میں ہر اک کہ ہوں کیونکہ پار  
 رواں آب ایسی روانی کے ساتھ  
 لگے پانوں چلنے جہاں شور تھا  
 تامل سے اقبال نواب دیکھ  
 پھر اُس پار جا کر اشارہ کیا  
 شباشب اُترنے لگے لشکر ہی  
 وہ سوتا جگاتا تھا جس کا خطر  
 نشہ اُسکے سر سے اتر سا گیا  
 کچھ اک ناویں لے کچھ شجر کاٹ کر  
 اُترنے لگا لشکر بیگراں  
 سلامت ہوا پار سب اُتر دام  
 شکار اُس کنارے بھی تھا بیشتر

کہیں پانوں اس کے کہیں سر ہوا  
 کہ جوں ہوتے ہیں گئے بڑے سے پید  
 آب انہوہ تھا جسم ناپاک پر  
 یہی ذات تھی لائق برتری  
 کہ فیلوں پر تھے تودہ تودہ رواں  
 نہ چھوٹی تنک خاک اُس ب میں  
 نہ ماہی نہ مرغابی دریا کے بیچ  
 جوں کھائے مرغ و ماہی تمام  
 کہ ہو وہم ساں پہ جکے غرق  
 کہ بیڈول اٹھتی تھی ہر ایک موج  
 بیمنہ چٹنی آنکھ تھہر حباب  
 تلاطم قیامت لیے دوشش پر  
 مگر دیکھ ہی کر کنارہ کرے  
 کنارے پہ سرگشتہ گرداب وار  
 کہ جوں رفتگی ہو جوانی کے ساتھ  
 کہ کم آب میں بھی بڑا زور تھا  
 توقف کیا پہلے تو آب دیکھ  
 کہ لشکر نے دوہیں گزرا کیا  
 نہ جوش آب تا وہ نہ ویسی تری  
 اُٹھا شور سے فوٹ کے چونک کر  
 چڑھائی سے لشکر کے ڈیرا گیا  
 شبابی سے دریا کے تین پاس کر  
 کہراں تاکراں تھی یہ ششریاں  
 رتبہ دانگ خضر علیہ السلام  
 ہوئے صیدیاں کے جگریش تر

ہوا خون جنگل میں ان کا سبیل  
گئے ببر کو سوں تلک بھاگتے  
عصا سے چلے راہ یاں مار و مور  
شکار ایسے دستور سے تھا کہاں  
پہ میرا بھی ہوا ہے یہاں یادگار  
رہے آصف الدولہ اقبال مند  
شکار اُسکے دشمن رہیں صبح و شام

گئے ار نے مارے سو مانند قسیر  
رہے گور راتوں کے تئیں جاگتے  
پکڑ لائے چیتے گوزن اور گور  
بہت ہم نے دیکھے وزیر دشاں  
شکار عمارت سے تو ہیں گئے ہزار  
غرض میرا دور چسپخ بلند  
کرے اُس کا اقبال ہر نخلہ کام

غزل میرا کوئی کہا چاہیے  
فلک اس بھی زمیں پر رہا چاہیے

غزل

اے ترک صید پیشہ کس کا شکار ہے تو  
جوں صید خوں گرفتہ دل بیکار ہے تو  
عسر العبور کیسے دریا کے پار ہے تو  
اے آہوئے بیاباں اچھا گنوار ہے تو  
اے گل دم تبسم باغ و بہار ہے تو  
اے راہ عشق سستی مشکل گزار ہے تو

ہم دہشیوں پر کچھ ہو کا ہے کو یا رہے تو  
ہو بچی قریب شاد رخبر گاہ اُس کی  
دل تجھ تاک سالی منتقل ہے خیم ترے  
شہری ہیں اُسکی آنکھیں کیا تجھ کو اُنسے  
کیا صبح جلوہ گر ہو خوبی کے آگے تیری  
یہاں دو قدم بھی بلنا بن سرو دیئے نہ ہوئے

لیتا ہے تجھ سے عبرت جو کوئی دیکھتا ہے  
کیا میرا اس گلی میں بے اعتبار ہے تو

باز قدم رنجہ فرمودن آصف الدولہ بہادر روز دیگر برائے شکار

اسد باؤ کے گھوڑے پر ہوسوار  
ننگوں کی اس بھینچی جاوگی کھال  
ہوئی گمراہ افواج گردوں قرین  
فلک کو گئے دیکھنے شیر نر  
اُتر ہاتھیوں کی کیس مستیاں

پلا پھر بھی نواب گردوں شکار  
روانہ ہوئی فوج دریا مشال  
گیا شور تا آسمان بریں  
زمین ہو گئی جائے خوف و خطر  
چڑھا بسکہ دریائے فوج گراں

دبی چپ لگا چلنے بھڑوں کی چال  
پلنگوں نے کسار سے راہ لی  
بھیرے جو تھے دام سے بھاگے  
دزدے پرندے چرندے کھپے  
تلف جانور ہیں جہاں کے تہاں  
رہے گور یک شاخ و یک سوغزاں  
شمال اور رو باہ و خرگوش سے  
کوئی شور سن سن کے گھبرائے ہے  
کوئی ڈھونڈھتا ہے بیاباں میں بھاڑ  
کہ شاید یہ اودھرن ہو کل متکل  
پھرے مضطرب ہو کے شیر غریں  
نکلتا ہے گھٹا ریر بے حواس  
کیا کام ڈرتے تھے پھٹ جگر  
اگر خرس تھا مفترو بد معاش  
وگرہ پر ہے پیش دس ہے نگاہ  
مبادا شکاری سگان رکاب  
ہو آب زہرہ وہ سیری گئی  
ہوئی صید بندی کی جنگل میں دھوم  
بیاباں میں چھایا ہے کیا ابر مرگ  
لڑائی نہیں ہوں جو مصروف جنگ  
جو آتا ہے پلٹن کو کچھسہ ولولہ  
اگر جائے تھی اس کی کوہ گراں  
نہ دل مرد ہے ہر و گرم شتاب  
نہ رنجک کے اڑنے کا اچھا ہر طور  
ہوئی گرم آتش زنی سے ہوا

پریشاں ہے گرگ بغل زن کا حال  
نہنگوں نے دریا کی جاتھواہ لی  
کشف نیچے ڈھالوں کے گھبرائے  
گزنہوں کے منہ گرد نیچے ڈھے  
گوزن اور گور اور آمو کھان  
تزلزل میں ہیں کیا شجر کیا نہال  
نہیں بحث کچھ یہ ہیں بیہوش سے  
کوئی کان ڈالے چلا جائے ہے  
کوئی چاہے ہے پھانڈ جاؤں بہاڑ  
کوئی دن جیسے اس بلا سے نکل  
کہ بیشوں میں تھے یاکاں یاکیں  
نہر بر جگر نوار سب ہیں اوداس  
بن آئی ہی مر مر میں ہیں نمر  
لگا موش خانے کی کرنے تلاش  
نہیں سو جھتی جو اسی سے راہ  
گرہیں آکے مجھ تک بھی پوچھ شتاب  
جگر ڈر سے ہے خون دیری گئی  
گرے فیل جیسے ٹھٹھا آدے جھوم  
برستی ہے گولی بیان مگر گ  
اڑیں رنجیں اڑنے دشمن کے رنگ  
چلے ہے کوئی توپ سے زلزلہ  
گیا شیر پھٹکے بھی جاگتے تھے پھاں  
دل شیر برنی بھی ڈر سے ہر آب  
ہو آن ہی میں زمانہ کچھ اور  
رکھا آب میں جا کے تک تک نے پا

موسے مالک الحزن چندیں ہزار  
کھڑے رہ گئے رو دیا کیا رکے  
مگر مجھ نہ جانے کدھر بہ گئے  
تہام ان کے لوہو سے سرخ آب ہے  
کہ تازون کو لیتے ہوا میں سے مار  
سودہ چربی اب پھینک دیں میں حریف  
نہ آوے قسم کھائے بن اعتبار  
کہ یوں پھیلیاں سب نکالیں ایلچ  
کوئی بدوی کیا کھا دے پروردگار  
ہوئے بیچ میں قرقے بھی تلف  
نبرے ویسے ہی گئے کھیتوں میں کھیت  
کہ باز آگئے جبرے کرتے شکار  
نمد مو ہوا گرد سے شانہ سر  
دبا یوں پھرے جیسے دتا ہے چور  
بنوں میں جو دوں تھی گیا جل کوئی

محیط آبگیروں کے تھے مردکار  
بہت دام پانی کی جانب جھکے  
ٹھٹھک سونکس گھڑیاں رہ رہ گئے  
نہ تشقل نہ سلی نہ سرخاب ہے  
محب روغن تاز ملتے تھے یار  
منگاتے تھے بطح کی چربی طریف  
ہوئے کتنے اقسام ماہی شکار  
مگر مرگ ماہی بھی بالوں کے بیچ  
نہ ارنب ہے جنگل میں نے سہارا  
کھنگوں کی اٹھی گئی صف کی صف  
نہ جب سے گئے سبز کھا کھا کے میت  
بیر اور تیر کا ہے کیا شمار  
ہوا زرد سبز بہت دل میں ڈر  
خطر ناک تھا دشت کیا کہئے مور  
نہ پاڑھانہ نیلا نہ چیتل کوئی

کوئی میر صاحب غزل یاں کہو  
پرا ایسی کہ ویسی کسی سے نہ ہو

غزل

ہر جائے پوچھتا ہے کہ یاں کچھ شکار ہے  
صید اجل رسیدہ ہے دل بقرار ہے  
اس ترک صید بند کا یہ انتظار ہے  
جب جائیے تو ختم ہے گالی ہے مار ہے  
تو رہ کے جا کہ راہ ابھی پُر غبار ہے  
یہ وجہ ہے کہ شعر مرا پیچیدار ہے  
کس کشتہ وفا سے بہت اسکو پیار ہے

کیا کشت و خوں پہ اندوں میلان یار ہے  
جاتا ہے اس کشند سے کی جانب چلا ہوا  
آنکھیں جو میری باز ہیں جوں صید سبلی  
عزت جو اس گلی میں ہے اپنی نہ پوچھیے  
جانبیں چلی گئیں ہیں بہت قلب گاہ سے  
بے زلفت درد سے یار سے ہر خط بحث یہاں  
کم افسلاطی کا ہے گلہ یار سے نسبت

کل گل شگفتگی ہے ترے چہرے سے غیاں

ایکچھ آج میری جان قیامت بہار ہے

کیا میری تم کو گریہ شب سے ہے گفتگو

طوفان میری پلکوں کا سرور کنار ہے

نشیب و فرازِ سیلاباں کو سن  
چڑھو آسماں پر جو آوے چڑھاؤ  
جو اس میں کہیں ہووے لغزش تو خیر  
زمین ضیق از بس ہوئی یک بیک  
لے پر سے پر تھے ہوا میں کلنگ  
قیامت تھی آفت تھی ہر ایک چوٹ  
ہوئے خون اُس جمیع کے بید رنگ  
نہ پر تھانہ پیرزا نہ بازو نہ پا  
تیز زبانی کو دیکھنا نہ پایا کبود  
سیکی بلا ترک تازی رہی  
کماندارِ مردم سے چارہ گیا  
نہ جو فیل دشتی کی مستی گئی  
سنانوں کی نوکوں پہ پھر بٹ گیا  
بہت جانور چھوڑ آئے تھکے گئے  
اگر بن ہے گویا بنا ہے اُسے  
مگر نہ در سے کچھ نکلتا ہے کام  
خیر یاد دستارِ سرخسار بن  
کئی گام یوں راہ چلنا پڑے  
تو آگے بیا بان پر خسار ہے  
اگر اس میں پانی نظر پڑ گیا  
ہوا حال اپنا پریشاں بہت  
ترائی جو داں سے گزرنا ہوا

جو ذی ہوش ہیں سے تو ہوتے ہیں سن  
پھر تر تو وقتِ اثری سی کو جاؤ  
کہ در پیش ہے اور عالم کی سیر  
نہ پھیلا سکا پائوں گز یا تنگ  
کہ چلنے لگے یاں سے تیر و تنگ  
لگے جسکے پھر تھا وہیں بوٹ بوٹ  
ہوا کا ہوا در اکدم میں رنگ  
کنھوں نے بھی پوچھا نہ یوں تھا یہ کیا  
نکا لاسے لوگوں نے پانی سے دور  
نہ سارس کی وہ سرفرازی رہی  
کسو کھیت پر مفت مارا گیا  
وہیں مٹ گیا اُس کی ہستی گئی  
وہ کوہ گراں سنگ سب چھٹ گیا  
لگی دود بہت جل گئے مر گئے  
کرے قصد داں کا تو کیونکر تھکے  
بہت رنج کھینچے سے چلتا ہے کام  
زمین پر رکھو پائوں کاٹوں کو چن  
پھر اُس داگم سے نکلتا پڑے  
کہیں جھاڑ بوٹا کہیں غار ہے  
کنارہ پہ اس کے یہ چڑھ کر گیا  
چہرے مضطرب اور سیراں بہت  
کناروں کے سر چڑھ اترنا ہوا



یہی دُرس ہے ڈر کیا دھر کیا دھر  
 اگر سبزہ بھی تھا تو تھوڑا بٹکا بانس  
 لکھوں کیا نیساں ہی تھے یک قلم  
 پڑے رات تو پھر کرے بھائیں بھائیں  
 کوئی شیر غراں کہ پیل دیاں  
 وہ ہاتھی پکڑ لائے بے تاز و تگ  
 ہوا دلکش و جگرہ جگرہ شکار  
 تو وہ ہم بھی رکھ لیتے بیشک و ریب  
 نہ دریا چہ تھا کوئی نہ بھیل تھی  
 نہ دلخواہ تھا واں سے جانا کہیں  
 نہ تھی دخت رزحیف اس دشت میں  
 اسی کی طرف کو پڑی سب کی راہ  
 کہ صد چشمہ کا اس میں پانی رواں  
 سبھی جیسے اداس شفات تھے  
 ہوا بزم گچھی اسکی بزم دی پرند  
 رہا ساری وہ رات طوفاں کا شور  
 سب اسباب لوگوں کا تھا زیر آب  
 نہ چادر رہی خشک نے کوئی پال  
 کھڑے تھے جو کندھے اتر سب گئے  
 اگر فرش بستر تھا تھپلا ہوا  
 کلیجوں کے ہوتی تھی بر بھی ہی پار  
 جگر پھاتیوں میں رہے کمانپتے  
 ہوئے لوگ خیموں کے اندر شکار  
 جوانوں کے بھی دانت بجنے لگے  
 نہ دیکھا مگر روئے جاتاں ہوا

بیابان وحشت اثر پر مخط  
 جہاں تک نظر جائے سوکھی ہو کانس  
 کہیں دل رُکے بند ہو جائے دم  
 چلے باو دن کو تو ہو سائیں سائیں  
 نہ سبزہ نہ کھیتی نہ آب رواں  
 سو وہ شیر مارا گیا مثل سگ  
 کوئی دشت ایسا کہ تھا سبزہ زار  
 اگر آہو گیری کا ہوتا نہ عیب  
 سطح زمیں میل در میل تھی  
 اگر آگیا رودخانہ کہیں  
 بڑا لطف تھا سیر میں گشت میں  
 ہوا اک جبل سامنے سے سیاہ  
 غجب لطف کا تھا وہ کوہ گراں  
 شجر سبز و پتھر بہت صاف تھے  
 ہوا ایک ابر اس جبل سے بلند  
 پیردن سے بارش لگی ہونے زور  
 ہوئے خیمے پانی کے اوپر حباب  
 نہ پوچھ اور اسباب مردم کا حال  
 قنات اور تپو بسر سب گئے  
 بھرا پانی لشکر میں پھیل ہوا  
 ہوا سرد از بس ہوئی ایک بار  
 پھرے باد سے لوگ سنہ ڈھانپتے  
 رہا ایسی سردی میں کیدھ شکار  
 بہت پر جب جی کو تنجے لگے  
 نہ منج خورشید نہاں ہوا

بہت اسپ واشتر موئے پاؤں سپٹ  
غزل میریاں کوئی موزوں کر دے  
لکلا آٹھیں خیمہ گہ سے گھسیٹ  
تاس کرو دل جگر خوں کرو

## غزل

وہ دل شکار آن جو نکلا شکار کو  
چلنا پڑے ہے رکھ کے قدم تیغ تیز پہ  
اُڑنے لگے ہے باد میں تو جانگر ابے پھر  
سوار منتھ چڑھاتے ہو کچھ بولتے نہیں  
آتا نہیں نظر کہ حصول اُمید ہو  
جیتے رہے تو اس سے سم آغوش ہونگے ہم  
کیا سمجھے غولی میری خراش جبین کی تو  
یسے ستم کیے کہ گیا جی سے میں ندان

انداز یک نگاہ سے مارا ہزار کو  
کس ڈھب سے کا میں اس رہ شکل گزار کو  
خجلت ہی اس کی زلف سے ہے تیرا کو  
یہ بات کیا چڑھو ہو کے اپنی بار کو  
کیا تھام تھام رکھے دل بقیہ ار کو  
بہر نیل گل سے دیکھیں گے جیب و کنار کو  
اس کام کو دکھا کسی استاد کار کو  
ہلک منصفی سے دیکھو پھر انصاف یار کو

بولاکہ مجھ کو کرتی ہے بدنام گور میر  
ہے خوب اگر مٹا دے کوئی اس مزار کو

کسبون میں اڑوں کا پاس کہ نشان  
مقابل ہوا آکے جوں فیل مست  
غضب ہے خدا کا کوئی اسکے چوٹ  
نہ خوک اُس کی جنگل میں گھیرے چراہ  
بڑی دیر جنگل میں دوڑا پھرا  
لگی بہنے ششیر جہد دل شمار  
بہت ایسے مارے بہت کٹ گئے  
کسبون میں رونق نہ پائی گئی  
جگر وال کے شیروں کے پھٹ پھٹ گئے  
نہ فیلوں میں سدھ بدھ نہ شیروں میں دور  
نہ بولی کو چھوڑا نہ باقی ہے جھاڑ  
پرندہ جہاں پر نہ سکتا تھا مار

لگی جانے ہر صبح فوج گراں  
اگر فیل تھا تو ہوا اسکا پست  
اگر اسپا شتر ہے تو بوٹ بوٹ  
نہ شیر اُس کی جانب کرے بے نگاہ  
لیا زیر بندوق آخسر گرا  
لگے قیمہ کرنے جو انان کار  
نظر کر کے ہیئت جگر پھٹ گئے  
پھر اس پر جوا سی ادائی گئی  
بیابان سے کر گدن ہٹ گئے  
نہ پیتوں کو جاگہ نہ گوروں کو گور  
پھاڑ دن کوڑا ہوں سے ڈالا کھاڑ  
ہوار سیکے توپ کا وال گزنا ر

مکھل شیر جنگل سے حیراں ہوئے  
 جہاں چلتے پھرتے نہ تھے مار دہور  
 شغال اور خرگوش و ہم روہاں  
 ہوا پر جو تھے مرغ پر واز میں  
 بہت جانور کھا گئے کمر کباب  
 حواسل تھا کیا جو کہوں تھا کہیں  
 بہت مضطرب تھکیتوں میں پھرے  
 اُنھوں ہی میں سیر مرغ بھی تھا مگر  
 نہیں خیل مرغ اور شتر مرغ اب  
 کسو بن میں تھے نیساں اور کانس  
 برس مینہ رو دن میں کھل بھی گیا  
 کر اندھیر تھا جیسے ظاہر ہو دود  
 بلا دھوم سے کوئی گھبرا پڑے  
 ہوا سرد ہو کر گئی حبان مار  
 دل اُس دود تیرہ سے گھبرا گیا  
 یہی چال تھی ایک دو چار کوس  
 کسو کو دے پاس نکلی جو راہ  
 بلند می تھی اُس کوہ کی تان فلک  
 نہ اس رنگ سے صید ہونگے کہیں  
 جہاں دام اور دود کی تھی بود و باش  
 ہوا ایک جنگل میں آ کر گزر  
 تراکم قیامت تھا اشجار کا  
 کہ اس مرتبہ بار دود سرد تھی  
 کوئی غار بن سایل رہ ہوا  
 درختان بے برگ و برہنہ

اڑا ہے جو تھے صاف میاں ہوئے  
 چلے پہروں واں تیر بند و ق زور  
 شکاری سگوں نے کیے نوش جاں  
 گر سے سیکڑوں ایک آواز میں  
 ہوئے آشیانے ہزاروں خراب  
 کہ تعداد کشتوں کی پاتے نہیں  
 سلامت نہ آخر گئے ہر سر سے  
 کہ پر مارتا ہی نہیں رکوہ پر  
 کہ بعضوں کے طعموں کے کام لے سب  
 چلے راہ واں لے نہ سکتے تھے سانس  
 و لیکن ہے کمر الطیف نہا  
 ہوئے ہونٹھ سردی سے سب کے کبود  
 جھنجھیں دیکھو دے کانپتے ہیں ٹھڑے  
 اٹھایا بڑا لطف سیر و شکار  
 کہیں آگ دیکھی توجی آ گیا  
 ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی پڑی اسی اوس  
 گئی کوہ کی تیغ تک کم نگاہ  
 نگہ جاتے ہی جاتے جاتی تھی تھک  
 ہوئی خون کے رنگ رنگیں زمیں  
 لگے چوک لوگوں نے کی واں معاش  
 کسو کو نہ تھی واں کسو کی خبر  
 ستم پھر ہوا اے ستمگار کا  
 ہوئے سن مگر بہت پرورد تھی  
 پھٹے پیر بن ہو عش سب تہ ہوا  
 نہ اک شاخ پر مرغ رنگیں نوا

بہت سر ملائے بہم تھے شجر  
نہ قمری ہوئی نالہ پر دوازہ تک  
یہی کل مکمل تھی یہی کشمکش  
درختوں کے انبوہ سے رُک گئے  
اگر شاخ جاگہ سے اپنی ہلی  
جو اس دشت میں تھا کوئی صید بھی  
رہائی ہی مقصود تھی واں سے یار  
کہوں کیا کہ یکسر تھے اس میں قلم  
نہ چھوٹی تھی جاگہ قدم داغ بھی  
کہ دل کو کسو کے لگے جوں فکرت  
نکلتا ہوا کھینچ کر یہ عذاب  
رواں تھا کسو کی طرف تشدد تیز  
حباب اسکا چشمک زناں موج پر  
طلبکار کرتے نہیں ساوگی  
کنارے پہ اُس کے اُترنا ہوا  
نہ رکھتے تھے جوں زلفلس لباس  
غزل کہنے کی یہ بھی جانوب ہے

ولیکن نہ پایا کھنوں نے مَر  
نہ بلبل کی واں آئی آواز تک  
پھرے ہارتے سر کو دیوانہ دس  
چپے اتنے تھک کے کہ ہم جھک گئے  
تو کانٹے سی ہم رہروں پر پئی  
سو آگے ہی وہ ہو گیا قید بھی  
پڑی اپنی سب کو کہاں کا شکار  
چلے رو سیہ اور سو سو بہم  
نہ اٹھتا تھا اک نالہ نہ اٹھتی  
ہوئے ایسے سناں جنہاں میں تنگ  
لا بیشتر ایک تہ دار آب  
ہوا اس کے چلنے کی تھی پیش خیز  
کہ یوں گرم جاتے ہیں اہل نظر  
نہ ہو جوں گہرا سی استاد گ  
دو بالا ہوئی تھنہ مرنا ہوا  
نہ اُن سے ہوا اپنے جامہ کا پاس  
جو ابھی ہو موزوں تو کیا خوب ہے

غزل

ہم ہیں شکارِ خستہ ہمارے جگر نہیں  
افسوس ہے کہ روئے دل یار ادھر نہیں  
تو بھی ہمارے حال پہ اُسکو نظر نہیں  
گلزار کے تو قابلِ پرواز پر نہیں  
لاگ اُس کی تیغ تیز کو ہم سے اگر نہیں  
یاں پاؤں پیٹ پیٹ کے زمانہ نہیں  
پیرا اُسکو کچھ سہ سفر نہیں

حیف اس شکارِ پیشہ کو ہم سے خبر نہیں  
ہم خاکِ منہ سے لے پھرے جیسے اُرسی  
اُنکھیں نکال اُسکے قدم کے تلے رکھیں  
کیا تیجے جو نہ تیجئے اندازِ دام کا  
نکلی پڑے ہے میان سے کاسیکو ہر گزری  
سر رکھ کے اُسکی تیغ تلے مرجو شتاب  
اُنکھیں نہ لے کی اور پھر وقت پائے

لیے کتنے زوروں میں بانک مہیٹے  
 منگ اس طرف کے بخاروں کے سن  
 غریب اشکم جنگلوں میں رہا  
 گیا سیڑوں کو س شور شکار  
 چلا باز چھاتی کو کھولے جہاں  
 زمیں گرد جڑ ہے کیا تیز بال  
 فلک سیر شاہیں کی پرواز دیکھ  
 نہ جھاڑ الیا نسر طائر سے ستر  
 رواں جس گھڑی ہوتی فوج گزراں  
 زمیں پر قدم کوئی کیوں نہ دھرے  
 کوئی شعبہ آیا اگر درمیاں  
 بلندی و بستی تھی اتنی کدھب  
 کوئی نالہ کھولا اگر آگیا  
 گرے یاں رہے یاں ہی چال تھی  
 ہوا دن تو یوں کھینچتے رنج شام  
 کے بے کوئی کون آتا ہے یہ  
 لگے آنکھ سپروں کے تئیں زور ہو  
 ہوا خیمہ گم دامن کوہ سب  
 قریب ایک ٹپا پہاڑی تھی واں  
 پہاڑی کہ قود آموں خاک کا  
 محاذی تھا اُس کوہ کے ایک دشت  
 ہوا بد بہت اور پانی لگے  
 چلے باؤ تو ایک موش ہر شور  
 نقطہ خار بن گیا کپڑ بھٹا تھا  
 پلو ہی چلو ہے یہ چلتے نہیں

جواں اس سے آگے بھی جا کر ڈٹے  
 پلنگ ان بنوں سے چلے سر کو دھن  
 نہ جھانکا ادھر کوہ سے اڑ رہا  
 رہے ٹھور حیدان یکجا ہزار  
 پرندہ رہا وہم کا بے گماں  
 رکھا جنے اٹھتے ہی مرغ خیال  
 لگے جوں گم جا کے انداز دیکھ  
 گھٹا کر گس چرخ چھوٹا نہ پر  
 بہیرو بنہ ہر طرف سے عیاں  
 بیاباں فراخی سے تنگی کرے  
 ہوا شور لشکر سے محشر عیاں  
 کہ گاہے زمیں گم فلک پر ہے سب  
 تو اپنا کیا پھر کوئی پا گیا  
 جہاں در جہاں خلق پاں تھی  
 گئی رات چوروں کے در میں تمام  
 پکارے کوئی کون جاتا ہے یہ  
 پھر آرام سے رات کو سو رہو  
 رہا آ کے نواب واں تین شب  
 لگا اُس سے کم کم تھا آب رواں  
 کہ انبار تھا خار و خاشاک کا  
 کہ دشوار تھا اُس میں آدم کا گشت  
 قدم راہ چلتے ہوئے دھمکے  
 رکھے بانوں دامن کو کھینچے زور  
 کہ بوتا بھی واں جھاڑ جھنکار تھا  
 کہ استجار آگے سے ٹپتے نہیں

گمراہ چھلے پائوں ہی رہو ہمشیں  
 لکڑے لوگ پیتے ہیں بوہو کے گھونٹ  
 کرے ٹوپہ تل کا عرصہ ہے تنگ  
 ہے کوئی کیا رکھ کے سر پر قدم  
 کہیں مضطرب تھے کہیں کج چلے  
 پہنچتے رہے ہم بحال تباہ  
 فروزا آیا اس بابہ انبوہ بھی  
 اسی سے تھی دال کم سکونت بہت  
 ہوئی بود آدم سے رشتہ بہشت  
 چمن سے بھی شاداب زہ سرزمین  
 کہ تھا رہگرا سرزناں تنگ سے  
 کئی ہاتھ مقدار سے بڑھ گیا  
 دل اپنا ہے لطف سخن کا اسیر

نہ ٹوٹیں نہ سرکیں نہ کاٹے کشیں  
 کہیں ہاتھی آیا ہے بھڑکا ہے اڈٹ  
 کہیں ہیں گے الفار سرگرم جنگ  
 قیامت نمودار ہر ہر قدم  
 کہیں بچ کے بچے کہیں جھبک چلے  
 اسی طور منسرد کو کر قطع راہ  
 شجر جمع تھے کچھ تہ کوہ بھی  
 زمین اونچی نیچی خشونت بہت  
 لیکن وہی خاک زشت و پلشت  
 ہوئی بیلچوں سے برابر زمیں  
 وہ پانی جو چلتا تھا ڈھنگ سے  
 صفا اور خوبی میں کچھ بڑھ گیا  
 غزل اس میں پر بھی کہنی ہے میر

## غزل

ترکش ان پلوں کا ہے بالائے ترکش ترکے  
 پر نہیں آنا ز ظاہر یا رکی تخیل کے  
 ہوئے ہونگے دور تکٹاے مری زخیر کے  
 تو کچھ ٹھک باتھ میں دل کو سود لگیر کے  
 معترف رہتے ہیں عاشق اپنی ہی تعمیر کے  
 مقتدر ہم کیا ہوں آہ صبح کی تاثیر کے

وہ کمان ابرو اگر درپے ہوا ہے میر کے  
 یونٹو کتا ہے گلے کا تو مرے تعویذ ہے  
 میں بھی زنجیری رہا ہوں دیر گلشن کے قریب  
 خون ہی دست خانی سے کیا کرتے ہو ہم  
 بندہ و عاصب میں نسبت ہے ولے نازک کتب  
 و رہی وہ رشتک خور کچھ اب خنک ملنے لگا

روئے دلکش وہ خدا جانے کہس سے کھینچ گیا  
 میر ہم عاشق رہے ہیں ایسی ہی تصویر کے

چلے بس تو کرے سید روئے کوہ  
 کہیں آب میں تھے کہیں کج میں  
 پیسے سے عرصہ نہایت ہے تنگ

پھاڑی سے لشکر چلا سوئے کوہ  
 پڑی وادی سوختہ نرج میں  
 نیستان سے ہے خسرا بہ نژدہ تنگ

کہ ان میں سے جانا ہوا ندوہ سے  
 کہیں پانہ رکھنے دیں سر نیز خار  
 نیستان پھرتے ہی پھرتے موئے  
 نہ آئے نظر دور تک راہ صاف  
 کہ دشوار تھا دو قدم کا بھی گشت  
 کنارے پہ دو دو گھڑی تھے کھڑے  
 چلے دو قدم راہ پائی اگر  
 بہت اسب و اشتر عدم کو گئے  
 ولے ڈرنے ہو فیل کوئی سیاہ  
 ہوئی خیر کوٹے ہوئی راہ دیدہ  
 جو دیکھوں تو گڑھی سنبھالے ہوں  
 سفیدار رکھتے تھے حکم نہال  
 تو لوگوں کے روندوں ہوتا ہے پچ  
 گیا آمد و شد میں ہموار ہو  
 کہ عالم نے ادھر لگائی نظر  
 کہیں سرسوں بھولے دلوں کو ٹھکے  
 یہی رنگ تھا تا اگر میاں کوہ  
 شجر خوشنارم نرمک ہوا  
 دورستہ بکا گوشت بازار میں  
 پھر آگے بیا باں وہ ہے اد کوہ  
 وگر نہ یہی سنگ بے رتبہ ریت  
 نہ دامن میں اُسکے چکارا دواں  
 سیاہی پکڑتے تھے چشم غزال  
 مقام اس طرح کے بھی ہیں یاد بود  
 نہ ظاہر ہیں اُسکے کہیں لالہ زار

شجر جنگل ایسے تھے انہوہ سے  
 کہیں بید کے برگ، خنجر گزار  
 تنک دو درختوں کے ادھر ہوئے  
 اگر بید آئے تو بن بید باں  
 اگر بانس تھے واں تو تھے دشت دشت  
 ہمیں چار نا لے اترنے پڑے  
 راہ قدم گرنے ہی کا خطر  
 بہت لوگ دشت قلم کو گئے  
 گئے ہاتھ فیلان دشتی کی راہ  
 نہ باہی لا کوئی بارے نہ شیر  
 شجر سرکشیدہ بہت کیا کہوں  
 چار اُن درختوں کے تھے پائمال  
 اگر کوئی دریاچہ آتا ہے بیچ  
 تل کوہ رفعت نمودار ہو  
 کوئی گل زمین آئے ایسی نظر  
 کہیں سبز تر سے جی جا لگے  
 نہ تھا برگل زرد دامن کوہ  
 فضا و نکشا آب یکسر صفا  
 چکارے بہت مارے کسار میں  
 یہ انہوہ اشجار تاشش کردہ  
 کناروں میں اُسکے کہیں کوئی ٹھسٹ  
 نہ سبز کہیں تھا نہ آب رواں  
 دکھائی نہ دیتا تھا خوش قد نہال  
 وہی جنگلہ دو طرف بد نمود  
 نہ پھولی تھی سرسوں نہ کچھ تھی بہار

نہ چٹک زتاں دو زرد یک پھول  
 چلے باد ایسے کہ جھکڑ رہے  
 او دھر باد کا شور او دھر آب کا  
 او دھر کے تئیں ایک تھا آبشار  
 وہیں ایک دم تھا دلوں کا نکاد  
 سوائے تئیں تو نہ تھا کچھ داغ  
 بہت شعبہ کوہ مشہور تھا  
 قدم رکھ جو نواب و ہاشک گیا  
 کوٹھب وہ جگہ سیرگم ہو گئی  
 ہوا خیمہ استادہ ایسی جگہ  
 رواں دو طرف اسکے ایک بکم  
 جہاں تک نظر کیجئے مد نظر  
 نظر والوں کے جی بھی ڈھلنے لگے  
 وہ پانی چلاواں سے دریا ہوا  
 بہاوا من کوہ میں سنگ پر  
 کہ لوگ اُن کو ہاتھوں میں کھنے لگے  
 کراڑوں کا کیا عظم کیجئے بیاں  
 انھیں میں سے تھی راہ اسباب کی  
 ہوئے دامن کوہ میں کچھ مقام  
 کوئی روز گھاٹی گی بھی سیر ہے  
 جو اس میں کسو سیر کا دیں نشان  
 تو اور ایک دودن کی ہوتی ہے دیر  
 شکار ایسا دیکھا ہے اس بار کا  
 کوئی دیکھے کب تک پہاڑ اور جھاڑ  
 غرض ہے وزیر جہاں ارجمند

نہ نرمی سے آتی تھی باد قبول  
 ہوا اور پانی میں پھسکر رہے  
 شب در در زندہ کو رکھا خواب کا  
 وہ البتہ شایان سیر و شکار  
 اڑانے نہ دے جو حواسوں کو باؤ  
 کہ حال اپنا تھا جیسا بھٹا چراغ  
 ز بانوں پہ لوگوں کے مذکور تھا  
 سر اس شعبہ کا آسمان تک گیا  
 حضور اس کے فردوس تہ ہو گئی  
 کہ آنے لگی دیر وارا سے نگہ  
 کہ دل کا لیے جائے سنگ نگ غم  
 ہوا موج زن کوہ کے تا کر  
 گرفتہ دل اس جائے کھلنے لگے  
 رواں گرم تر سوئے صحر ہوا  
 کیا سنگ نروں کو بھی رنگ پر  
 جواہر کے رنگوں پر کھنے لگے  
 ہر ابر کھڑے تھے دو کوہ گراں  
 وہیں بیٹھ رہتی تھی اجاب کی  
 سفر کی بھی مدت ہو شاید تمام  
 سمجھوں کی ہے معلوم پھر خبر ہے  
 نظر آئے یا کوئی پسیل ویاں  
 وہ ہاتھی بندھہ کیے گا یا وہ شیر  
 کہ جھاڑا ہوا دشت و کسار کا  
 لے چلاتی پر سے کہیں یہ پہاڑ  
 رئیس کلاں کا رعالم پسند



میں حکم کشا کے زور آوازاں  
جہاں میں سخن ہے مرا یادگار  
غزل کہ زمیں گو کہ ہی سنگلاخ

دراُس کا ہے باب سجود سراں  
سدا وہ رہے یوں ہی دشمن شکار  
بہانے نہ کر میرا بشاخ شاخ

غزل

جراحت نے کیے ہیں چشم پر بند  
پڑا ہے ایک مدت سے یہ نظر بند  
اسیران شکستہ بال و پر بند  
اب آنکھیں رہتی ہیں دود پر بند  
نہیں چنداں ہم ان باتوں کے در بند  
کسو کے منہ پر دروازہ نہ کر بند  
نہ کھلوا یا کبھو اُسکا کر بند  
ہم اُسکے اندوں میں ہیں نظر بند  
لکھوں کیا مدتوں سے ہے خبر بند

نہیں خوں بنگی سے چشم تر بند  
گیا ہے وہ سوزل کھلتا نہیں ہے  
کریں ہیں شوق گل خوں ل میں ناچار  
گئے دن ٹکٹکی کے باندھنے کے  
بہت ہے یار کا کم بولنا بھی  
بھول سے آرسی کے مثل وا ہو  
ہمارے ہاتھ خنجر سے کرو قطع  
رکے ہے یار آنکھیں ہی دکھا کر  
نہ خط آتا ہے اودھر سے نہ قاصد

غزل کا قافیہ تغیر کر میر  
ہنر کچھ اس زمیں میں میر کر بند

دل ان کے دست رنگیں کا ہی پابند  
ہوا کیا آہ باغ و لکشا بند  
رکے ہے دل جو ہوتی ہے ہوا بند  
کسو دشمن نے اُسکا منہ کیا بند  
بہت خاشاک سے دریا رہا بند  
گھلی ہو چشم جوں آئینہ پابند  
سمند عمر ہوتا کاشش جابند  
نیکا لا عشق زور آورنے کیا بند

جگر خوں کن میں خوابان حنا بند  
گرہ بند قبا میں دے ہمیں دیکھ  
رکھ آہ سرد ہی سے گرم جوشی  
ہمیں سے کیا وہ جادو گر نہ بولے  
نہیں تھمتا ہے اب پلوں سے روزا  
ہمیں منظور ہر صورت میں ہے دید  
نہیں کام آتی اتنی تیسر گامی  
زیر دستوں کی کشتی ہو گئی پاک

یہی انداز باندھے ہیں یہی ناز  
قیامت میر صاحب ہیں ادا بند

## شکار نامہ دوم

بیابان پہنا وراپ ہو گئے قید  
گئی چشم خوردشید تک گرد فوج  
گمراہ سراسیمہ میں واں پتنگ  
کریں لوگ شاید فقیری کا پاس  
دلوں میں ہراس کسان دکنند  
نظر ایدھراودھر کرے شیر تیز  
بیابان وطن سارے گرم سفر  
نکل آکھروں سے پریشاں گئے  
نہ گفتار کو تاب رفتار ہے  
کہ دنگل سے جنگل میں کیا بن پڑے  
صدائے تفنگ و صدائے تفنگ  
ہوا میں کھڑکتے ہی پتے کے سب  
ہوا ہی میں پتھری پکھیر دھلے  
کلنگوں کی صف باز نے دی اٹ  
رہے مرغ آبی جہاں کے تماں  
بڑے صید حد سے زیادہ ہوئے  
جہاں دیکھے ہے تیاست ہجوم  
کہیں ہاتھ نکلا ہے اژدر کہیں  
سن اس شیر کو چھوڑ کر بن چلے  
کہ شیروں کو بھی قشعریرہ ہے زور  
اسدوں کے ہتھ کو دک بے سوار  
ہوا میں سے بھانکا عقاب دلیر  
نہ تندر کی لاش اٹھائی گئی

مکر رہے نواب کو قصد صید  
رواں بحسب لشکر ہوا موج موج  
بحار و صحاری پہ ہے عرصہ تنگ  
پہن بیٹھے ہیں شیر بری لباس  
چکارے ہرن دونوں اندیشہ مند  
کہیں گرگ وادی کو فکیر گریز  
بنوں میں ہے آشوب کو ہوں میں ڈر  
کہیں امن ہو تو کہوں واں گئے  
اسد کی نہ شیرانہ ہشکار ہے  
جہاں کے تہاں فکر میں ہیں کھڑے  
ہوا و دباروت سے تیرہ رنگ  
وحوش و بیاباں کو وحشت غضب  
ہزاروں ہی بندوق ہر دم چلے  
گئے باوجو آسماں میں پلٹ  
اڑتے ہاتھ دو چار جبرے کہاں  
پر تیر جس دم کشادہ ہوئے  
بنوں میں مچی دھوم سچا آکے دھوم  
کہیں ارٹنے مارے غضنفر کہیں  
پڑے مست ہاتھی جو تھے من چلے  
نہ تیرہ ہے روز گو زناں و گور  
لب آب جا کر جو کھیلے شکار  
ہوئے قرقرے صید ہو ہو کے طیر  
زغن ان بنوں میں نہ پائی گئی

نثار  
خانو

کہ ہو خانہ آ کر سیہ یاں کہیں  
یہ زہرہ نہیں رکھتے کوہی کلاغ  
نہیں آتے کوہ شمالی کے پاس  
بیابان خوش آئندہ و خوش نصا

سرگرم جلوہ دیکھو پہلو میں یا رہی ہے  
آنکھیں دکھاتے ہیں توجہ میں پیار بھی ہے  
پر کم بغل ہے ببل آسکو قرار بھی ہے  
کچھ اضطراب بھی ہے کچھ انتظار بھی ہے  
دریا کی سیر بھی ہے بوس و کنار بھی ہے  
کنے کو کہتے ہیں توجہ اختیار بھی ہے  
شمع و چراغ و شعلہ برق و شرار بھی ہے  
شکل گزیر ہے رستہ گرد و غبار بھی ہے

ہوا ہے یہی تو یہ ہوتی نہیں  
جگہ کیا کہ پرزن ہوا بنیں  
شتر مرغ سیرغ از بس ہراس  
اغزل کہہ کہ ہے میر لطف ہوا

سیرہ ہے آجو ہے فصل بہار بھی ہے  
یہ تو نہیں کہ ہم پر ہر دم ہے بیدار بھی  
محل بہکنار ہوگا تنہا کر کبھو چین میں  
ہوں وعدہ گاہ میں تو پر میں ہی جاتا ہوں  
جوں موج ہم بغل ہوں نایاب اس گھر سے  
ہم جبر یوں سے کیا ہو بیدست و پا و عاجز  
کون اس بھبھو کے ساہے دیکھو نہ کبھی تو  
جانا مسلم آیا اس خاکداں سے گو بکھر

دل تنگ میر کیوں ہے ہمہ دیر کے تو  
دریا نصا ہوا ہے سیر و شکار بھی ہے

کہ منہ پر تھا خورشید آئینہ دار  
سماں شب کا رکھتا تھا ملک شہود  
تحلیل سے مطلق نہ رکھتی تھی تاب  
جو رکھے قدم و اں تو بھونچال تھا  
ہوا مذہب شیعیان و اعتزال  
عجب مہلکے سے نکلتا ہوا  
ہنر بران خوشنوار بھاگے گئے  
کہ جاتے ہیں کوہوں کے چھوڑ دے  
نہ لیں راہ بر عرب کیا کریں

اٹھا فوج میں سے یہ گرد و غبار  
فلک کمرے سے تھا دھواں سا نمود  
زمین تھی سو تھی فرش بالائے آب  
نہ پوچھو کہ لوگوں کا کیا حال تھا  
رندے گئے چلنے تیزی سے چال  
کسی ڈھب سے جوں توں کے چلنا ہوا  
اُتر لوگ دریا سے آگے گئے  
پلنگان مردم در ایسے ڈرے  
بیابان میں مرنا کہاں سر و دھریں

غزل میریاں کہ اگر ہو دماغ  
رکے دل ہمارے بھی ہوں باغ باغ

کھٹتی

## عزل

پہ کیجیے کیا گل کی صبا بھی ہے ہوادار  
وہ صاحب ناخواہ ہے بندہ ہے وفادار  
اس عرصہ میں آئینہ کو دیکھا ہے ہوادار  
ہے گل کئے زربل بل بے برگ ہے نادار

تھی باد بھی آنے کی چن میں نہ روادار  
شائستہ دیدن ہے مرے یار کی صحبت  
کیا خوب ہو کیا زشت ہو رو دیو سے ہو سکو  
کس طور سے یک رنگ ہوں یہ عاشق و معشوق

کیا بگسی سے میر نے رحلت کی جہاں سے  
رویانہ کوئی اُس پہ نہ کوئی ہے عزادار

نہیں بولتے ڈر سے غرندہ شیر  
گئے کجلی بن یاں سے ڈرمان کر  
سو کٹھ بندوں سے ہوا فیل پا  
پھراڑتے تھے داں جیسے پیلاں مست  
ہے حدود تیز جس طور سے  
بہت آئے شکم میں ہو کر اسیر  
ہوئیں بوجھ سے پشت فیلاں نگار  
کھڑا ہو رہا آگے بھینسوں کے پاس  
چلے جائیں صرصر نط سرسری  
نہ وحشی کپی اور لنگور تنگ  
پڑے بکریوں میں کہن گرگ جیوں  
کہ کاہل سے آگے گئے صدر کردہ  
ہوئے قید یا صید کیا بید رنگ  
اڑا کھا گئے خیل سرخاب کے  
نہ غجوارک آیا نظر گشت میں  
ہوئے صیدیوں جن پہ آیا ترس  
تو گر تانہ کھیتوں میں ہو وہ دلہ  
ادھر لوگ افسوس کرتے گئے

بنوں میں پھر کرتے ہیں ہم تو دیر  
رہے تھے جو فیلاں مست آن کر  
جو ان میں سے آکر لڑا پھر دیا  
گر یوے کہیں تھے بلند اور پست  
بھی تیغ نواب اس طور سے  
بہت رہ گئے زیر شمشیر تیر  
لہرے ہاتھیوں پر جو ہو کر شکار  
کئے گم جو گنڈے نے اپنے حواس  
کہ بھینس اُس کو بھی جان کر لشکری  
نہ چھوڑا ہے طیر ایک عصفور تک  
لگے جا کے شاہین دستوریوں  
کلنگ ایسے بازوں سے آئے ستوہ  
نہیں قویج سرزن نہ ایل نہ رنگ  
غضب کر گئے بھرے نواب کے  
نہ لگ لگ نہ تیر رہا دشت میں  
سبھوں میں جو تھے قاز و سائیں برس  
حوصل کو ہوتا اگر حوصلہ  
کہیں سارے ہاؤس مرتے گئے

<p>نہاں اسکے خوش قد بسیار برگ نظر جائے جس جاتلک سبز تھے کہ سرسوں نے کی تھی قیامت ہمار کہ کہنے لگی بلبل خوش زباں خبر بھی ہے تم کو کہ آئی لبست جلکہ کو غزل کہتے خوں کیجھے</p>	<p>کہیں جی اٹھی تھی زمیں بعد مرگ نہ بستی سے صحرا تلک سبز تھے ہوا دلکش دہر طرف سبزہ زار کھڑے لوگ محو تماشا تھے واں کہ خاطر جنوں سے نہ رکھتے بخت ایہ عمد جنوں ہے جنوں کیجھے</p>
<p>کیا کہہ گئی کہ ہم کو سنتے ہی غش سا آیا ہم تو شوق مغرط واں کا لگا کے لایا پر سحر کے الم نے جنگا بہت بنا یا مستی نے اس نگہ کی مجلس کے تیں چھپا یا رحمت خدا کی تم نے اس رسم کو اٹھایا کس ناز سے زمیں پر پڑتا ہے اس کا سایا یوسف کے طور میں بھی سستا بہت بچایا وہ خود بخود ہی آوے کاش اس طرف خلیا</p>	<p>بلبل کے بولنے سے آزاروں نے پایا پنچیر گم میں اُس کے جاتا نہیں ہے کوئی انواع رنج ہم نے کھینچے تھے عاشقی میں صوفی صاف مشرب بیہوش و بھروسہ میں مہر و نفاذ الفت کرتے تھے لوگ باہم سرا رے تو پیری کو ایسی روش نہ آئے یہ جانتا تو ہرگز بازار میں نہ حسابا غیرت سے عاشقی کے جاتا نہیں ہوں میں تو</p>
<p>مستوق تو ہے پر وہ ادب باش کجروش ہو کیا کہیے میسر جی سے دل کو کہاں لگایا</p>	<p>مستوق تو ہے پر وہ ادب باش کجروش ہو کیا کہیے میسر جی سے دل کو کہاں لگایا</p>
<p>کہ مشکل قدم کا اٹھانا ہوا نہ تھا واں کے ضعیف کو کچھ اور غم تو شاید کہ الحاج ہوتی قبول بہت اپنے زوروں پہ پھولے ہوئے نہ اوقات صلح و نہ ہنگام جنگ بن آئی نہ کچھ مضت مارا گیا نہ شیریں دیریں نہ چہرے پر رنگ نہ جاگہ سے اگسا نہ تلک ہل سکا</p>	<p>کسو ایسے جنگل میں جانا ہوا نظر گرد لشکر پہ تھی دسمدم کوئی ارسلان بھیجتا اگر رسول سو دے خوں گرفتہ تو بھولے ہوئے جیلے ہر طرف اب جو آکر تفنگ لگی آگ جنگل میں چار اکیا ہوا چہرہ کوئی تو جوں شیر سنگ لگی گولی پڑنے نہ پھر چل سکا</p>

چہ ہم جو ہراج سے پشت  
بھرے فزط ہی سے تو دیہات شہر  
گھٹے گولیوں سے مگر بے شمار  
جو کچھ زخم پانی میں لے کر گئے  
لگا کہنے باخہ سراپنا جھکا  
اگر جائیے تہ کو دھس جائیے  
عجب مخلص ہے بچے کیونکہ جان  
جواب اس کا گھڑیاں نے یوں دیا  
پڑی سر پہ بختی ہے فرصت نہیں  
تھل ہو کچھ بھی تو تدبیر ہو  
کوئی دشت یکدست نے زار تھا  
میں سینک یا کاش پانی کی گھاس  
کہیں دوں لگی ہے تمامی ہے دود  
نہ پتا نہ شاخیں نہ کچھ اُن کو بار  
نہ سائے سے ان کے کوئی بہرہ مند  
سیاہی نہ سہروں کی ڈاروں نے کی  
کہیں لپٹے آپس میں دو چار نے  
کہیں سر پتا سر پہ تھا جیسے تیغ  
نہ بلبل غزلخواں نہ طردوں کا شور  
سولن نے غزل سست ہی یہ کی

مہوئے صید دریا کے داں بیشتر  
کسے تو کہ سوتے رہے رود و نہر  
رہے سونس گھڑیاں چندیں نہر  
دہیں ہو کے ناسور مر گئے  
کہ پانی تو جالوں سے سارا رکا  
وگر گارٹے سر تو پھنس جائیے  
یہی موت ہے سو جھتی ہو ندان  
گھڑی ایک دو کا سے قصہ رہا  
پہرا سکو کھینچتے ہیں اب کیا کہیں  
کر دیں کیا اگر یو نہیں تقدیر ہو  
رکھے داں قدم بانوں افکار تھا  
زمین و ہوا آب و آتش اُداس  
کہیں دو شجر ہیں سو کیا بد نمود  
سراپا ہے خشک وزبوں زرد و زار  
نہ دیکھا چرندہ نہ آیا پرند  
نہ چشمک کہیں سے چکاروں نے کی  
کہیں ہاتھی آیا کہیں شیر نے  
رودندوں کے بانوں پہ آیا دریغ  
سبھی دیکھتے میر کے منہ کی اور  
دے دل کو لوگوں کے لگتی رہی

غزل

کسی اسکی تیغ کش پہ ملک کو حسد نہیں  
رہے درد و وحش و طیر کو اب ام و دود نہیں  
تم کدست دیکھو ہو کہ ہیں اسکی کہ نہیں  
ہر چند گل بھی تازہ کھلا اتنا بہ نہیں

ذوق شکار اُسکو ہے اتنا کہ حد نہیں  
خالی پڑے ہیں صید سے وادی و کوہ و ہزار  
بے جد و کد جو اس سے ملاقات ہو تو ہو  
کچھ اور شے ہو خوب جو دیکھو نہ نگار

<p>اس بکیسی سے کون جہاں میں موکہ میں کیا سروگل سے ہووے تسلی کہ اہل شوق بے سزیدل کنھوں نے کہا رنجیتہ تو کیا سوار مست کبے میں کپڑے گئے ہیں</p>	<p>جز داغ سینہ آج چراغ لحد نہیں گل مو نہیں ہے یار کا سرو اسکا قد نہیں گفتار خام پیش عزیزاں سند نہیں رسوالی کے طریق کے کچھ نابلد نہیں</p>
--	--

لطف سخن بھی پیری میں رہتا نہیں ہم میر  
اب شعر ہم پڑھیں ہیں تو وہ شد و مد نہیں

<p>کسو ایسے بن سے نکلتا ہوا کشیدہ قد اس بن کے مائے درخت برابر برابر کھڑے سر بسر پرے چل کر آیا ترا کم بہت کنہیں راہ نکلی تو چلتے پڑے کہ شاخوں نے جھک جھک لے تھے وہی راہ درپیش و کثرت ہوئی سروں پر ادھر توپ آئی چلی کہیں اسپ داشتہ کہیں قیل مست گزر جس طرح اس طرح سے کیا وہیں پنج آ یا مہا نا مرا سواری سے جھکودامت ہوئی لگے کہنے آ یا سرنگی کہاں جسے دیکھو چار اُن نے رکھ کر کہا چلو ہی چلو ہے کہ پنج حسابو روندے ادھر کے ادھر ہیں خراب چڑھے چار کے کا ندھے جیتے ہی جی کہ گھوڑے دیے چھوڑ کیسا رگی نہ اس حال سے اہل دست و خبر</p>	<p>کہ کو سوں تلک اس میں چلنا ہوا چمن کے سے نوباوگاں سبز بخت پھرے دیر او دھر کو جا کر نظر حواس اس میں جا کر ہوئے کم بہت رہے بال و پیر بہت واں کھڑے بہت آگے جا جا کے آئے تھے پھر قیامت کے اوپر قیامت ہوئی پڑی تھی او دھر لوگوں میں کھلبلی زمیں ہر سرگام بالا و پست روندوں نے خون جگر ہی پیا کوئی دیکھتا رنج اٹھانا مرا کہ چاروں طرف سے ملامت ہوئی کہ چوپانی کی رسم چھوڑے ہے یاں لگا ہونے ہر صبح اسپر سوار کہ چوپالے کے پاس تم آؤ یہ جاتے ہیں مجھے کو بھاگے کتاب لیا اٹکل اس سودے میں نفع بھی میا نوں میں کرتے ہیں آوارگی توجہ نہ عمدوں کی کچھ ہے ادھر</p>
---	---

چوپا

وگر نہ ہو قدغن کہ اب اہل کار نہ مانیں تو جو پالے دیویں اُلٹ	نہ رہنے دیں لشکر میں ڈوئی سوار ابھی گھوڑے لیں ڈپٹیں ایک ہی ڈپٹ
اگر دمیر بھر اور اب اختیار جو جو ظلم کئے ہیں تم نے سو سو ہم نے اُٹھائے ہیں	مگر اس سے نکلیں در آب دار
داغ جگر پہ جلانے ہیں چھاتی پہ جراثیم کھائے ہیں	بیخ دریغ نہیں ہے اُس کی بسمل کہ میں کسو سے بھی
ہیں تو شکار لا غرہم پر ایک اُمید پر آئے ہیں	ٹلکے سامنے یوں بھی اب جو تیر شازدہ ہو اُس کا
کیا کیا لو ہوئی کردل کو اس پلے پر لائے ہیں	ختم سے لگی میخانہ کے دیوار بھی اپنے گھر کی ہے
شوق ہے غم میں بے صبری ہے آہ کسو کو کیا کہیے	لطف پر میناں سے عجب کیا ہم آخر مہاسے ہیں
اچھے اپنے جی کو تھپے آپ ہی روگ لگائے ہیں	عکس سخن ہم فکر سخن میں رنہ ہی بیٹھے رہتے ہیں
دیکھیں طرف ہے کون سی جس سے تیغ ناز بلند کرے	آپ کو جب کھو یا ہے ہم نے تب یہ گوہر پائے ہیں
ہم نے بھی تو اس ہی جہت سے فرق نیاز جھکائے ہیں	تب تھے سپاہی اب ہیں جو گی آہ برانی یوں کاٹی
کس کو ایسی بیخبری تھی جس کے بولے تو جو نکلا	ایسی تھوڑی رات میں ہم نے کیا کیا سوانگ بنائے ہیں
سو ٹھو کرنے ان پلکوں کی کتنے نکتے جگائے ہیں	کون وہ ایسا ظالم تھا اُستاد فن عساری کا
اتنے سن میں جن نے جب کو ایسے فریب تنگائے ہیں	اتنے سن میں جن نے جب کو ایسے فریب تنگائے ہیں
سیر مقدس آدمی ہیں تھے سجدہ کبھ میخانے میں	بیخ جو ہم بھی بانٹکے تو دیکھ کے کیا شرانے ہیں



کیا ایک نالے سے ہم نے گزر  
گرے گاڑی چھکڑے پیادے سوار  
گزاراجو فیلوں کا پہلا ہوا  
کمر تک لگے پھنسنے دلدل کے بیچ  
پھنسے گاؤ اشتر گرے باز سر  
اگر چند باندھے تھے وہ جسر خام  
نہ دیکھے تھے آگے کبھو یہ سہیں  
سلامت رہا اپنا اسباب سب  
چلے داں سے آگے بند پلا ملا  
عجب راہ پر خوف مشکل گزار  
خطر شیر کا شور بنگاہ کا  
کہ جاؤ زمین کچھ ہو یہ نہ تھی  
گڑھے غار پائوٹوں کے لغزش بلا  
صداب برگ نے کی نہایت ہمیب  
جنوں پیشہ وہ دشت وحشت شکار  
کہیں اپنی آ یا سو حالت خراب  
نہ ہاتھی نہ اسباب اپنے کئے  
چنانچہ گئے راہی کے کنار  
گھڑے ہم رہے ہاتھ پر رکھکے ہاتھ  
کہار اک میانے میں اپنے دیئے  
چڑھ ان کے سر آنروئے دریا ہوئے  
نہ جانا کہ آتا ہے کس کا قدم  
گوزن ایک دو مار لائے کبھو

ہوئی قائم اس چاہے حشر و گمر  
کہ مقصد تھا سب کا عبور ایک بار  
ملا خاک میں آب چسلا ہوا  
کہ نالے کا پانی تھا یکدمست کیچ  
ہوئے اسپ و اشتر بھی زیر و زبر  
ہوئے ایک ریے میں دونوں تمام  
ولیکن خدا نے اتارا ہمیں  
رہے لوگ لشکر کے کرتے عجب  
کیا ان نے ایک ایک کو وہ دلا  
نہ ہوتے تھے معلوم ہاتھی سوار  
تعب و دل کے جانے کا غم راہ کا  
کہیں اس میں پگڑنڈی پیدا نہ تھی  
جلی باؤ تو نے کی لرزش بلا  
طریق عجیب و مسافر غریب  
کہ فیل اس کے طفلان بازی مدار  
کہ تھا زیر کاہ اس میں ہر جائے آب  
یہی اک میانہ بنے سو بنے  
نہ ربط آشنائی کسو سے نہ پیار  
کہ میں پار جانے کی کس منہ سے بات  
بھرا سکے جو تھے چادروں ہمیں پے  
ہوئے پانی پانی کہ رسوا ہوئے  
کہ صید بیا باں گئے گمر کے رم  
اڑے باز جڑے کہیں ایک سو

نہ صید ایک دیکھا بھرے لاکھ رنگ  
غزل میر نے بھی کہی اور ڈھنگ

## عزل

یوسف نہ راجیف کہ سستا بکا گیا  
کیا دقت رہ گیا تھا کہ وہ مُنہ چھپا گیا  
بیٹھا کہاں چمن میں کہ فتنہ اُٹھا گیا  
کیا کیا سہیں نہ گریہ غنیمت دکھا گیا  
قاصد کے پیچھے دور ملک میں لگا گیا  
جول ابریر سے دل پہ غم عشق چھپ گیا  
صورت پذیر پھر نہیں ہوتا مٹا گیا  
اس شرم سے ندان زمیں میں سما گیا

ایک درج موتیوں کے عوض ہاتھ آگیا  
جانا نہ تھا سرھانے سے مجھ مختصر کے ہائے  
آشفقہ سر میں سرود گریاں دریدہ گل  
گلبرگ سے بھرے تھے کسے تو کتنا حبیب  
خط بھیج کے بھی شوق کی باتیں جاگئیں  
روتا ہوں یوں کہ برس سے ہے شدت سے جیتے  
جو نقش روزگار کے صفحے سے محو ہو  
ہستی مری کہ ہیچ تھی میں منفصل رہا

داغ دل خراب شبوں کو جلے ہے میسر  
عشق اس خرابے میں بھی چراغ اک جلا گیا

تاشکاناں فوج دامنہ کو  
وے راستہ بھی قدیم وار تھا  
پٹیلے پہ شنگامہ آرا تھی اوس  
اگر ہو تو واں شیر کا ہوشکار  
نہ ہاتھی کے پاؤں کا پایا نشان  
پھر آکر وہیں یہ جو دنگل ملا  
بھیراک بلا تھی جہاں آگئی  
سروں پر کھڑے اسپنیل سپاہ  
گئے شیر کے ہر قدم پر قدم  
ہوئے دامن کوہ میں کچھ مقام  
کہ نواب واں سیر کرنے کو جائے  
نخے رود کوہ وز ہے انکے بخت  
کہ تھے پیر ہم واں ہو خوب تھی  
نہ ہو کچھ تو کیونکر ہو یہ دلکی لاگ

چلے صبح کہ دامن کوہ کو  
درختوں میں چلتا تو دشوار تھا  
گزارا ہوا یوں ہی اک آدھ کوس  
نیساں میں پھپھتا تھا ٹھوڑے سوار  
نہ رہتے تھے سو شیر شرزہ بھی واں  
پٹیلے سے کیلے کا جنگل ملا  
عجب کشمکش درمیاں آگئی  
نہ ہلنے کی جاگہ نہ چلنے کو راہ  
خطر فیل دشتی کا ہر ہر قدم  
کنار آب کے لوگ اُترے تمام  
سر کوہ کیونکر نہ ہو چرخ سائے  
رہے آب پر فرش چوکی و تخت  
ہمارا تو جانے کو چاہا نہ جی  
رہی منعقد نرم تھا نایع راگ

کسی اور ہی جبر میں یہ غنم  
مگر میر کو ہے دماغی خلل

غزل

کر لطف عارض مت چھپا عاشق سے اے یار اس قدر  
یک جان کو یہ عارضے یک دل کو افکار اس قدر

جو کچھ ہے سودل کے سبب غم غصہ و رنج و تعب  
تھے چاہنے سے پیشتر کا ہے کو بیمار اس قدر

ہر دم جو اس کے ابروؤں جنبش میں ہیں کانپے ہے جاں  
یعنی ہیں آنکھیں جھپتیاں چلتی ہے تلوار اس قدر

شب نالہ دزاری رہے دن خشکی خواری رہے  
وہ دل نہیں باقی رہا کھینچے جو آزار اس قدر

دے دل زدے ہیں خستہ جاں مرجاتے ہیں جوناگھاں  
در نہ قضا کس شخص کی پہونچی ہے کبیر اس قدر

طرے سے طراری کرے مستی میں ہشیاری کرے  
ایا نظراب تک نہیں طرار و عیار اس قدر

الفٹ کہاں کلفت ہے یاں یہ بھی عجب صحبت ہے میاں  
بیزار وہ اس مرتبہ جس سے ہیں بیمار اس قدر

تم آگے کب تھے بدگماں سب محبت و یکسر زباں  
اب اک سخن پر مہرباں کرتے ہو تکرار اس قدر

آنکھیں کھلی ہیں میر کی جب دیکھو تب آئینہ ساں  
آدم نہیں ہوتے کہیں مشتاق ویدار اس قدر

کہ قدر ان کی جوں قدر باقوت ناب  
کہ ہر شے کا ہے وقت لیل و نہار  
ہیں ساتھ اسکے ہے ربط تمام  
چلے جاتے ہیں جو نہ ہو دے پناہ

بہا سنگ ریزوں پہ اس رنگ ب  
لیے عمدے ہاتھوں میں دکھیں بہار  
اسی آب کارا بتی یاں ہے نام  
کنارے کنارے اسی کے ہے راہ

جہاں تک ہے آب و خوراب جائینگے  
جبل سے ہوئے ظاہر آئنا ر آب  
ہمیں پر نہیں کچھ ہوا کا ستم  
کہیں ایسے سکرے ہیں حیوان دشت  
نہ نکلے ہے ہاتھی نہ بولے ہے تیر  
اسد کی طرف یوز کیسو رہے  
نہ پوچھو ٹھنچا دور کار شکار  
شکار افغاناں راہ کرتے تھے طے  
نہ بیروں کو جنگل میں طاقت رہی  
اسد مارے جاتے تھے سنگ کی نال  
ملا ایک چقتر اگر یا گرٹھا  
بہت شکلوں سے کیا ہے عبور

سین دیکھیں گے جو نظر آئیں گے  
برسنے لگا قطرہ قطرہ سحاب  
کہیں گرگ واری کو بھی جو یہ غم  
کہ مکرے کرو تو نہ ہوں گرم گشت  
کوئی یوز پکڑا ہے سو بعد ویر  
عجب یہ ہے باندھے گئے اڑو ہے  
تہ اب دشت و در میں نمر ہے نہ مار  
لے جاتے تھے خاک میں دشت نے  
نہ گمروں کو پانی میں نصرت رہی  
بندھے آتے تھے یوز و گرگ و غزال  
تو کثرت سے نو نیزہ پانی چڑھا  
کہ یک گام راہ اور سو سو فقور

غزل بحر کمال میں تہ دار کہ  
کہ اڑ جائے میرا سن بھرے کی تہ

غزل

نہ فراغ ہے کہ کسو سے ہم کریں گفتگو نعم یار میں  
نہ فراغ ہے کہ فقیروں سے لیں جائے دلی دیار میں  
نہ چین میں جاتے رہا ہے دل نبوں میں پھرنے لگا ہوں  
وہی بیکلی رہی جان کو رہے سیر میں نہ شکار میں  
کہے کون صیدِ رمیدہ سے کہ ادھر بھی پھر کے نظر کرے  
کہ نقاب اُٹے سوار ہے ترے پیچھے کوئی غبار میں  
ترے شامِ خط کے قریب کی جو صفائیں کہیں میں خوبیاں  
نہ سین پہ گل میں نظر پڑے نہ یہ رنگ صبح بہار میں  
کوئی شعلہ ہے کہ شرارہ ہے کہ ہوا ہے یہ کہ تار ہے  
یہی دل جو لے کے گزینگے ہم تو لگے آگے نزار میں

جھکی کچھ کہ جی میں چھپی سبھی ملی ملک کہ دل میں چھپی سبھی  
یہ جو لاک پلوں میں اُسکے ہے نہ پھری میں نہ نہ گار میں

مرے ایک دل میں جو غم یہ ہی سو فزون ہی میرے شمار سے  
نہ تو دس میں یہ نہ پچاس میں نہ تو سو میں یہ نہ ہزار میں

بند تھے پائے فیلاں سے رو ہوئے  
بجیروں سے رو ہو نکالے گئے  
کہ ہاتھی پہ چڑھنے کی خست ہوئی  
کہ جھینگوں نے کی شرح کشاف  
دیے باز ہروں کو سارے کھلا  
کہ بیچوں میں بے صیدا دھرا گئے  
کہ بازوؤں نے چڑیا سے مار کھنگ  
کہے تو بیا باں میں ہاتھی پڑے  
تو وہ ایک دو کہ ہی لاتے شکار  
ترب اس کے جان بہت دور تھا  
نہ سو فیل دو چار رکھتے ہیں گھیر  
پکڑ لاتے تھے لوگ تب زندہ فیل  
اٹھا کرتے تھے لچے لٹھے ہم  
کنارے پہ گرداب غرقاب تھیں  
درختوں کا انبوہ نے کا اگاس  
اسی بن میں گورو گوزن اور رنگ  
وہیں قوچ سرن اس میں ہرن  
وہیں ایک دو ہم قلندر بھی تھے  
اسی بن میں یہ صید بندی کا چاؤ  
اسی بن میں نسائی اُن کے مرید  
کیا اس سور بن نے لوگوں کو تنگ

پڑے جا تو رخوار کیا کیا ہوئے  
بہت نامے کھولے پکھالے گئے  
مگر کی پس از مرگ عزت ہوئی  
کشف کا ہوا ہے یہ اوصاف اب  
نہ تیر بٹیر اور کہو تر ملا  
کہیں بحری پانی میں یوں جا گئے  
ہو این سے یوں کرتارے کلنگ  
گسو اور ارنوں کو نہ یکھا کھڑے  
جگر کر کے جاتے تھے مردان کار  
وگر نہ بشر کا نہ مقدر تھا  
نہ ان چار شاخوں کا روکش ہے شیر  
مدو کار تھے حضرت زندہ فیل  
بجیرہ نہ دریائے اعظم سے کم  
ہراک موج اس کی سمندر کی لہر  
یہی جنگل اُس جھیل کے آس پاس  
اسی بن میں شیر اور یوز و پلنگ  
اسی بن میں ہاتھی وہیں کرگدن  
اسی بن میں لنگر بندر بھی تھے  
اسی بن میں پاڑھا وہیں نیل کاؤ  
اسی بن میں تھے حضرت بوحمید  
اسی بن میں تھے خوک جاموش رنگ

و میں شام کا شبنم لطف چکا ہ  
ہوئے صید بڑی و بھری بہت  
و لیکن نہ کھاتا تھا ہو کوئی سیر  
کہ جوں آب شمشیر دم دار تھا  
شکاری سگ ان کو اچک لگے

اسی بن میں رہنا اسی بن میں راہ  
اسی بن میں وہ بھیل گہری بہت  
و میں مچھلی بکتی تھی دمڑی کی سیر  
کہ اس آب کا ہضم دشوار تھا  
شغال اور خرگوش جی سے گئے

غزل سے لگا ہے بہت میر دل  
کہ اس شنوی میں کہیں متصل

غزل

مٹھے نہیں بنتی میاں کچھ تو کیا چاہیے  
گر یہ دشور و فغاں کچھ تو کیا چاہیے  
چلنے کو ہے کار داں کچھ تو کیا چاہیے  
وہ بھی لگا کہنے ہاں کچھ تو کیا چاہیے  
لطف و غضب مہرباں کچھ تو کیا چاہیے  
کیا کریں ہم ناتواں کچھ تو کیا چاہیے  
چلتی ہے ابلک زباں کچھ تو کیا چاہیے  
وقت گیا پھر کہاں کچھ تو کیا چاہیے  
نفع ہو پھر یا زیاں کچھ تو کیا چاہیے  
کچھ نہ کیا ہائے میاں کچھ تو کیا چاہیے  
پاس دل دوستاں کچھ تو کیا چاہیے  
میری بھی خاطر نشاں کچھ تو کیا چاہیے

ہے گی طلب شرط یاں کچھ تو کیا چاہیے  
عشق میں اسے سہراں کچھ تو کیا چاہیے  
ہاتھ رکھے ہاتھ پر بیٹھے ہو کیا بیخبر  
میں جو کہا تنگ ہوں مار مرد کیا کروں  
سون کسے رہنے کی کس نے بدی ہے بھلا  
کام اب اپنا ہے یاں کس دن جاں ہزراں  
کیا کروں دل خوں کروں شہر ہی مزدوں  
ہو نہ سکے گر ناز دل کی طرف کر نیاز  
چاہوں کسو سے دعا دل کی کروں اب دوا  
عمر گئی لنو سب وقت بہت کم ہے اب  
یہ تو نہیں دوستی ہم سے جو تم کو رہی  
تو نے کہاں کی ہے زہ پر ہوں یوں صید میں

میر نہیں پیر تم کا ملی اندر سے

نام خدا ہو جو اں کچھ تو کیا چاہیے

سراسر ہری جوں زمر زنگیں  
کہ یک دست واقع لب آب تھی  
و میں دام رست تھے اکثر پڑے

کنارے پہ تھی اسکے اک گل زمین  
جہاں تک نظر جائے شاہ آب تھی  
و میں خیمے سب کے ہوئے تھے ٹھہرے

دہی سیرگاہ و دہی دام گہ  
مقام ایسے ہو دیں تو کرے مقام  
فلک مسائے تھا فرق اس آب کا  
ہوئے جیسے شائستہ سیر نر  
کہ دیں چھوڑنا دین دیے بھر کے سب  
لے جیسے عاشق کی بھاتی کے داغ  
پرے سطح پانی کا آئینہ وار  
چراغوں سے مروجوں کے کوچ بھر  
حبابی تھا آئینہ سب سطح آب  
دلوں سے وہ پھیلاؤ پانی کا سب  
لگا دی سے گویا کہ پانی میں آگ

نواڑوں کی سیر اس میں ہر شام گہ  
وہیں صید ہوں مرغ و ماہی تمام  
ہوا تھیمہ آکر جو نواب کا  
ہوا ہوتا واں کاش و دواب ند  
عجب ڈھب سے کی روشنی صعب  
جدا ہو دیں تو غنچہ غنچہ حیدر ارغ  
درے روشنی سلسلہ انگیز نار  
ہوئیں کشتیاں کچھ درے سے پرے  
حبابوں میں تھی جو چراغوں کی تاب  
نمودار چرخ پر انجم تھی شب  
غرض روشنی کی عجب کچھ تھی لاگ

غزل میر کوئی کہا چاہئے  
کسو تو زمیں پر رہا چاہئے

غزل

ہمارے تو سر پر ابھی ہے قیامت  
کہ تھوڑا بہت یاں ہے وقت اقامت  
نہیں اب تو بندے سے صاحب امت  
کھلے رکھ گلستان میں بند قیامت  
غزال حرم نے اٹھائی ملامت  
کسو ہو فاسے دل اپنا لگامت  
رہے گی یہیں دیر اس کی ندامت  
کہ چہرے کی زردی بڑی ہو علامت

کب آدے گا کیا جانے وہ سرفقت  
نماز سفر ہے اشارت اسی سے  
رہا رابطہ غارت دل تلک بس  
گر بیان کو گل پاک کرنے لگیں گے  
اٹھا کر نہ یک زخم شمشیر اس کا  
بگڑتی ہے صورت علاقے سے دل کے  
کوئی فصل گل میں بھی تو بکرے ہو  
کہیں دل کی لاگیں لگی پھیتیاں ہیں

گئی سو گئی پیشتر تھی جوانی  
رہ عشق میں میرا کتہہ جامت

امید اس سے ہے نام رہنے کی کچھ

زبانے میں ہے رسم کہنے کی کچھ

کہ محمود کا لوگ کرتے ہیں ذکر  
دل شاعراں رشک سے ہے دوزیم  
ہوا کوئی کھانے سے ہم داستان  
کے صید نامے بہت بے نظیر  
گئے پر بھی لوگوں میں مذکور ہو  
سغنور نواز اور عاشق ہنر  
وزیر ابن دستور ابن وزیر  
کھن جو ر خورشید ساز رنشاں  
ہمہ تن مروت سرا سر کرم  
یہ حرف و حکایت بھی بربادگار  
سخن آگے موقوف چکے رہو  
کہ اللہ بس اور باقی ہو بس  
خیریدار لیکن نہ پایا گیا

کسو سے ہوئی شاہ نامے کی فکر  
گیا شبہ جہاں نامہ کہہ کر کلیم  
کنھوں نے کسی عشق کی داستان  
پے آصف الدولہ میں نے بھی میر  
مگر نام نامی یہ مشہور ہو  
زہے آصف الدولہ داوگر  
دش سے جہاں اُسکے رونق پذیر  
کر بھی کرے تو جہاں در جہاں  
سرا پائے احساں تامی ہضم  
ہمیشہ رہے گرم سیر و شکار  
قفائے غزل اک رباعی کو  
بہت کچھ کہا ہے کرد میر بس  
جو اہر تو کیا کیا دکھایا گیا

متاع ہنر پھر لیکر چلو  
بہت کنھوں میں رہے مگر حلو

## غزل

مگر وصال کہ حال ہم میں رہا نہیں ہے غموں کے مکے  
جو کچھ بھروسہ جنھوں پہ تھا سو شکست تاباں سدا ہے

ہوئے ہیں غائر قیامت اب تو گئے جگر تک گئے ہیں تک  
جو تک بھی دیکھے وہ غور سے تو جرات اسکو دکھائیں سارے

ہماری آنکھیں نہیں ہیں اتنی کہ اب ہے دریا محیط عالم  
کہیں کہیں جو رہیں ہیں مردم سو بیٹھے ہیں کیے کنارے

کریں محل سوکا ہے پر ہم مدام بخود ہمیشہ غش ہے  
کسی ہے طاقت دلوں سے شاید نہیں ہے آیا جگر ہارے



<p>کبھو سروں پر ہے تیغ ناکہ کبھو سنانِ فغاں جگر پر کسو سے کہنے کا کچھ بھی حاصل گئے ہیں جوں توں کے قوت بائے</p>	
<p>بھری تھی آتش کہاں کی یارب دل و جگر میں کہ نصف شب کو لگا جو روئے تو جائے آنسو مری مژدہ سے گرے شرارے</p>	<p>قبول عشق و محبت اتنا ہوا ہے اے میر سیر قافل مدام جاتے دکھائی دوں ہوں کبھو نہ اُن نے کہا کہ آ رہے</p>
<p>رباعی</p>	
<p>ل چلنے کے اتفاق بہتیرے پڑے آیا نہ رہے راہ میں ہم دیر کھڑے</p>	<p>چلنے کو ہوئے بادیے سے ہم جوڑے مجنوں نے کہا تھا میں بھی آتا ہوں میر</p>

## مثنوی ساقی نامہ

جو سب میں ہوا ہے جلوہ پرداز  
 ہستی کا نشہ اسی سے پایا  
 طاری ہوئی اُس پر درستی  
 خورشید ہے اُس کا لب پرورد  
 پھر جائے ہے جسکے ساتھ گردوں  
 آخر ہے وہی وہی ہے اول  
 ہے دور سپہر گردش جام  
 بے نشہ جو ہووے تو ستم ہے  
 وہ رفتہ ناز ہے صنم میں  
 روشن ہے تمام خانہ اُس سے  
 صہبا میں جو دل خوشی ہے وہ ہے  
 گل دیدہ نیم باز اس سے  
 وہ ہے کہ جسے ہمیشگی ہے  
 آتی ہے صد اُسی کی نے میں  
 وہ مست گزارہ و سر انداز  
 ہر جلوہ سے دل کو شاد رکھ تو  
 ہر لحظہ اُسے سجد میں ہے  
 جیتا رہے کوئی دن تو خوش جی  
 مینائے دل اورے سے بھرے  
 چو لے میں چمن میں گل ہزاراں

ہے قابل حمد وہ سر انداز  
 اسکوئے حسن نے چھکایا  
 پی اُن نے شراب خود پرستی  
 وہ مست شراب ناز ہے فرد  
 ہے گردش چشم اس سے افسوں  
 ظلمت ہے دلی کی تجھ سے احوں  
 عالم ہے قرائے سے فام  
 مشہور جہاں جو کیفیت و کم ہے  
 وہ مست نیاز ہے حرم میں  
 ہے آب رخ زمانہ اُس سے  
 مینا میں جو سرکشی ہے وہ ہے  
 شمشاد ہے سرفراز اس سے  
 جو گر اسے ناز پیشگی ہے  
 جو عکس پڑا ہے جام میں  
 ہے جلوہ گری میں یاں بعد ناز  
 سو رنگ ہیں اُس کے یاد رکھ تو  
 عالم میں جو کچھ نمود میں ہے  
 کر یاد اُسی کو اورے پی  
 اب روئے سخن چمن کو کرے  
 آئی ہے بہار سے گساراں

ہے لطف ہوا سے گل بداماں  
ہے توبہ بادہ دل پریشاں  
کرتا ہے نوائے سینہ افکار  
مجھ کو بھی ہراسے سیرلالہ  
معدور رکھ اب ہمارا آئی  
دامان بلند ابر تر ہے  
تکلیف کی منتظر دھری ہیں  
اک جرم شراب دے ہوا ہے  
چمکے ہے ہوا سے رنگ مئے کا  
ہر پھول شراب کا ہے پیالہ  
آب رخ کار سبز پوشاں  
تکلیف ہوائے گل شمع ہے  
اٹھتے ہیں بصد سیاہ مستی  
رنگ گل ولالہ زور چمکا  
بلبل کا دماغ بوکشی میں  
نرگس ہے کسو کی نرگس مست  
بھو میں ہیں نہالی جوں شرابی  
لوٹے ہے روش پہ سبز تر  
یعنی کہ ہے دور اب سب کا

آئی ہے ہمارو ہر خیاں  
آئی ہے ہمار نہ ہر کیشاں  
آئی ہے ہمار مرغ گلزار  
لایا ہے بزور اس کا نالہ  
ساتی جو کروں میں بے ادائی  
گل باد صبا کے تاکر ہے  
غنجہ کی گلابیاں بھری ہیں  
ظالم مئے ناب دے ہوا ہے  
ہر سر میں ہے شور فصل دے کا  
اطراف چمن کھلا ہے لالہ  
اتما ہے چمن پہ ابر جوشاں  
تحریک نسیم دمبدم ہے  
ابروں نے بھی کی ہے پریشی  
بونڈوں کا جو لگ رہا ہے جھمکا  
سہ گل کی ہوا سب کوشی میں  
ہر شاخ ہے شوح جام دردست  
ہے رنگ ہوا کا آفتابی  
ہے سرو جوان نشہ در سر  
چشمک کرے ہے حیاں جو کا

ساتی تدھے کہ ذوق مل ہے  
مطرب غزلے کہ فصل گل ہے

غزل

جانا یہ کہ آفتاب نکلا  
جس سے کہ ترا حجاب نکلا  
آنکھوں سے ہو خون ناب نکلا

شب وہ جو پیے شراب نکلا  
قربان پیالہ مئے ناب  
تجھ بن جو پیا تھا قریطے کا

عالم پر تمام خواب نکلا  
پر ہو کے بہت خراب نکلا  
ہر مسخرگی کا باب نکلا

مستی میں شراب کے جو دکھا  
شیخ آنے تو میکہ سے میں آیا  
یک جرعه شراب ہی میں واعظ

تھا غیرت بادہ عکس نکل سے  
جس چوئے چین سے آب نکلا

یہ شیشہ عمر ہے جو باقی  
رکھتا ہے شگول شراب پینا  
سجادہ بھی بابت گرو ہے  
ہر پیر و جوان کو القلا ہے  
لیتے نہیں نام و اس پاک  
ہر گوشے میں عالم دگر ہے  
خوبی خیرام مردانگن  
ہم ہی نہیں قابل خرابات  
کب حلقہ و خانقہ سے اٹھے  
ہے دور تمام بخودی کا  
خورشید کا سر ہے اور دیوار  
دریا دلی شراب نوشاں  
کشتی ہے شہ و گدا کی کف میں  
تاریم خردوری اٹھا دی  
وہ مرتبہ یاں مدام ہے گدا  
اک لغزش پا ہے یاں سے دان تک  
دل یاں سے کہیں شتاب اٹھے  
پاتے ہیں خدا کو بخودی سے  
ہر بادہ فروش کو دعا کہہ  
عبرت ہو جسے خوش سکا احوال

ہو صرف شراب کاش ساقی  
بے ساغرے خنک ہے جینا  
لا بادہ کہنہ سال تو ہے  
دروازہ میکہ کھلا ہے  
ایٹنے ہے ہر ایک مست جو تاک  
ہر منہجہ حجام زیر سر ہے  
مستی بنگاہ غفلت دشمن  
کہتے تھے صاحب کرامات  
جو لوگ کہ اس جگہ سے اٹھے  
یاں پیتے ہیں جام بخودی کا  
مستی سے ہر ایک صبح صد بار  
ہے قابل سیر خسرقہ پوشاں  
ان لوگوں کی ہر کمینہ صف میں  
ہر کو چہ میں رہتی تھی منادی  
از خود شدن اک مقام ہیگا  
گو پر ہے یہ دور ہر کہاں تک  
بخود ہو کہ یہ حجاب اٹھے  
ہو نہیں ہیں فنا کو بخودی سے  
پی حیرت و ہوش کو دعا کہہ  
جوشش میں ہے بادہ کہن سال

اب دل میں مرے بھی جوش آیا  
 کھینچوں میں کہاں تلک دم سرد  
 وہ داروے درد بے حضوراں  
 سرمایہ عمرِ حبا و دانی  
 وہ میوہ خوش رسیدہ بارے  
 آئینہ حسن خود پسنداں  
 وہ رنگ رخ بہارِ مینا  
 یا قوت گداز دادہ عشق  
 وہ لطف ہوا وہ سیرِ مستاب  
 وہ کام دل سپرد و شاں  
 وہ موجب دل خوشی کہاں ہے  
 وہ جس کی طرف سے تہ دل  
 وہ آتش تیز آبِ امینہ  
 وہ مقصدِ جانِ نامیداں  
 وہ رونق کارِ گاہِ شیشہ  
 وہ جس سے ہے توبرِ مورتیاں  
 وہ دامن خشک جس سے چلے  
 وہ سرخی چشمِ خوب رویاں  
 وہ دہرِ خود سر و شرمیں  
 وہ جس سے غبارِ دل سے دھوئل  
 مستی کی مجھے بھی خواہشیں ہیں  
 لا اُس کو جو آستین چھاڑوں  
 بیہوش شرابِ ناب رہیے  
 ہے مستی بخود ہی ضروری  
 دل غم سے بھرا ہے زورِ میرا

وہی

اب وقت وداع ہوش آیا  
 ساقی وہ شراب شدہ پرورد  
 وہ مایہ نورِ چشمِ کوراں  
 یعنی ہے وہ آبِ زندگانی  
 وہ عیشِ دل گزیدہ بارے  
 زینتِ دہِ عنبرین کنداں  
 وہ بادہ خوشگوارِ یعنی  
 یعنی وہ ہے جامِ بادہ عشق  
 وہ شعلہ غوطہ خوردہ در آب  
 یعنی کہ وہ ہے شرابِ جوشاں  
 وہ داروے بے ہشی کہاں ہے  
 یعنی وہ ہے ماہِ شیشہ منزل  
 وہ عربدہ جو وہ فتنہ انگیز  
 وہ رو سیہیِ رؤسِ فیداں  
 وہ شوکتِ بارگاہِ شیشہ  
 وہ جس سے ہو گفتگو پریشاں  
 ثابت قدموں کا پاؤں چل جائے  
 اسبابِ خوابیِ منکویاں  
 وہ رہ زنِ راہِ دین و آئیں  
 مینا کے گلے سے لگ کے روئل  
 اس عقل سے دل کو کاہشیں ہیں  
 پھر ہاتھ چلے تو جیب پھاڑوں  
 یوں تا بہ کجا کباب رہیے  
 کھل جائے مقامِ بے شعوری  
 تاعرش گیا ہے شورِ میرا

شیشہ ہو نعل میں اور تو ہو  
تکلیف شراب دسبدم ہو  
جب کا کل صبح ہو پریشاں  
مگر نعرۃ الصبح ایک رہ  
بے لطف نہیں ہے روسیا ہی  
مستی مجھے باغ میں ٹاؤے  
گر ایسی نگاہ جو چھکاوے  
سر پر مرے ہوش روکے جائے  
بیہوش دُخِرد ہی پھر رہوں گا  
ہو ورنہ قبول عذر میرا

ہے دل میں کہ گل کی اور رو ہو  
ہر گام پہ لغزش قدم ہو  
جب سجدہ کناں ہوں صبح خیزاں  
جب نکلے ستارہ سحر گہ  
ہے ذوق شراب صبح گاہی  
جب ہووے نشہ ترنگ آئے  
شیشہ مرے منہ کو تو لگا دے  
جب بخود ہی تمام آوے  
رخصت ہے تجھے کہ میں نہ ہوں گا  
بیٹھا تو کر دں نکا شکر تیرا

### مقولہ شاعر

بیہودہ یہ گفتگو جو کی ہے  
یہ تجھے عجب کیا ہے تم نے  
کب درگر و شراب تو اٹھا  
مستی سخن پہ ٹھک نظر کر

کیا میسر شراب تو نے پی ہے  
یا اب سیہ ترے قلم نے  
تو کا ہے کو اتنا ہرزہ گو اٹھا  
بس نے سے زبان اب نہ تر کر

ہے نشہ سامعہ دو بالا  
پھر حرف نہ جائے گا سنبھالا

# مثنویات جذبات عشق

میر تقی میر دہلوی

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### مثنوی شعلہ شوق

نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور  
 محبت سے آتے ہیں کارِ عجب  
 محبت سے خالی نہ پایا کوئی  
 محبت سے سب کچھ زمانے میں ہے  
 محبت نے کیا کیا دکھائے ہیں ارغ  
 دلوں کے تیں سوز سے ساز ہو  
 محبت ہے گری آزارِ دل  
 محبت بلائے دل آویز ہے  
 کہ عاشق سے ہوتی ہیں جانبازیاں  
 محبت نہ ہو دے تو پھر ہے دل  
 کلی کے دل تنگ میں بھی ہے چاہ  
 محبت میں جی نعت کھو بیٹھے  
 محبت سے ہے تیغ و گردن میں لاگ  
 محبت سے گردن میں ہے آستیاں  
 محبت سے ہو ہو گیا ہے جنوں

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور  
 محبت سبب محبت سبب  
 محبت بن اس جانہ آ یا کوئی  
 محبت ہی اس کارخانے میں ہے  
 محبت سے کس کو ہوا ہے فراغ  
 محبت اگر کار پر داز ہو  
 محبت ہے آبِ رخ کا ردل  
 محبت عجب خواب خونیر ہے  
 محبت کی ہیں کار پر دازیاں  
 محبت کی آتش سے اگلے دل  
 محبت کو ہے اس گلستاں میں راہ  
 محبت ہی سے دل کو رو بیٹھے  
 محبت لگاتی ہے پانی میں آگ  
 محبت سے ہے انتظام جہاں  
 محبت سے روتے گئے یارِ خون



محبت سے ہو جو وہ ہرگز نہ ہو  
محبت سے بلبل ہے گرم فغاں  
اسی کے لیے گل ہے سرگرم ناز  
زمین آسماں سب میں ہر نیشہ فوق  
دلوں میں محبت سے اٹھتے ہیں درد  
کھپی جان فریاد اس عشق میں  
کیا اس سے لیلیٰ نے خیمہ سیاہ  
تل اس عشق میں کس طرح سے ہوا  
دمن کا بھی احوال مذکور ہے  
سب اس عشق کو عشق کہتے گئے  
یہی درے کی جان نوید میں  
کٹاں کا جگر ہے سرا سر نگار  
گئے شکر کا ہے شکایت کسنی  
اسی فتنہ گر کا ہے عالم میں شور  
نہ ہو اُس سے آشوبِ محشر عیاں  
کہاں خون سے غارہ کاری نہ کی  
غرض ہے یہ اعجوبہ روزگار

محبت سے آتا ہے جو کچھ کہو  
محبت سے پروانہ آتش بجاں  
اسی آگ سے شمع کو ہے گواہ  
محبت ہی ہے تحت سے تاب فوق  
محبت سے یاروں کے ہیں رنگ زرد  
گیا قیس ناشاد اس عشق میں  
ہوئی اس سے شیریں کی حالت تباہ  
منا ہو گا دامن پہ جو کچھ ہوا  
جو عذرا پہ گزرا سو مشہور ہے  
ستم اس بلا کے ہی سہتے گئے  
اس آتش سے گرمی ہو خوشیدیں  
اسی سے دل ماہ ہے داغدار  
نئے اسکے چرچے حکایت سنی  
اسی سے قیامت ہے ہر چار اور  
کوئی شہر ایسا نہ دیکھا کہ داں  
کب اس عشق لے تازہ کاری کی  
زمانے میں ایسا نہیں تازہ کار

### ۳ غارِ قصہ

عجب اہل عالم کو جس سے ہوا  
خوش اندام و خوش قامت خوش خرام  
کھستاں پہ کام اسکی خوبی سے تنگ  
چلے جائیں جی خوش نمائی کے ساتھ  
قد مبسوس کو آتی عمر دراز  
قیامت اُدھر سے نمودار ہو  
کسے تو کہ اُدھر کو بجلی پڑی

عجب کام پٹنے میں اس سے ہوا  
کہ داں اک جواں تھا پر سرام نام  
جوانی کے گلشن کا وہ آب و رنگ  
جدھر نکلے رنگیں ادائی کے ساتھ  
کھلے بال چلتا تھا وہ مردانہ  
جدھر کو وہ ٹھک گرم رفتار ہو  
بگم گرم اُس کی جدھر جا لڑی

تیسر

پیکار

وے کافر بھویں ہودیں ہاں جہاں  
 نگہ پہنچ مجروح جس کے پڑے  
 سیہ چشم اُسکے دوہست تھے  
 رخ اُسکا کھساں اور مہ و خور کھماں  
 دلب لعل کو جن سے شرمندگی  
 دہن کی جو منگی نظر سے کیجیے  
 نہ ہم تم زرخ دیکھ حیراں رہیں  
 سراپا میں اُس کے جہاں دیکھیے  
 خراہاں نکلتا وہ جس راہ سے  
 فدا اُس پہ جی جان ہر ایک کا  
 کئی گرد و پیش اُسکے وارفتگاں  
 بہت رفتگاں اداے کلام  
 کوئی کشتہ شوق رفتار کا  
 کوئی والہ خندہ برق دیش  
 کسو کی نظر میں کمر کی لچک  
 کئی حیرتی طرز گفتار کے  
 کوئی زلف سے اُسکی مجنوں رہے  
 کوئی دل شمع کشتہ اک نگاہ  
 کسو پر فسون گردش چشم کا  
 کوئی دست بردل کوئی بقرار  
 انھوں میں سے اک عاشق زار تھا  
 محبت میں تھا جذب کامل اُسے  
 شب و روز ہم بستر کام دل  
 دم اُسکے میں یہاں تک تاثیر تھی  
 ہم ربط چسپاں ہم اختلاط

کریں سجدہ اس جا پہ اسلامیات  
 پلک سیل جوں دل میں جا کر گڑے  
 نگاہوں سے شمشیر دروست تھے  
 تفاوت زمین آسماں کا ہے یاں  
 دم حرف سر پایہ ز ندگی  
 تو آگے سخن مختصر کیجیے  
 بھی دست زیر غذاں رہیں  
 وہیں روئے مقصود جاں دیکھیے  
 قیامت تھی واں نالہ و آہ سے  
 کہ مقصود دل تھا بد و نیک کا  
 کئی ایدھر او دھر سب گرفتگاں  
 بہت مبتلائے بلائے خرام  
 کوئی نیماں ذوق دیدار کا  
 کسو کے تین جنبش لب سے غش  
 کسو کے جگر میں پلک کی کسک  
 کئی آرزو کش تہ پر کار کے  
 کسو کا بہم سے دل خوں رہے  
 کوئی جاں ہو تھووں یہ موت آہ  
 کسو پر غضب غمزہ و خشم کا  
 کوئی بے جبر کوئی بے اختیار  
 اُس آفت کو اُس سے مرد کا رہا  
 مراد دل اپنی تھی حاصل اُسے  
 ہمیشہ ہم آغوش آرام دل  
 کہ صحبت اس آتش سے دگر تھی  
 نہ کم ہوتی گرمی نہ کم اختلاط

مرد کوئی غم سے کوئی ہو ملک  
کہاں حسن میں تھا وفا کا یہ پاس  
بہت سے بہت اُسکا مالوف تھا  
کہ ناگہ وہ دلبر ہوا کہ خدا  
زن و شو سے اخلاص باہم ہوا  
لگا ہیں ہم دل میں کاوش کریں  
ہو ارتباط چپاں ہم اس قدر  
رہیں دونوں دست و بغل روز و  
دفا نے جو تکلیف سگی ایک روز  
کسی دن میں جا کر جو اس سے ملا  
کہ اسے نازیں آہ کن نے کہا  
مگر سڈرہ تھا کسو کا فریب  
کوئی زلف زنجیر پا ہو گئی  
طرح کس کی چٹون کی دل میں تھپی  
کسو چشم نے تجھ کو حباد کیا  
کہا اُن نے تھی کہ خدائی مری  
رکھ اب مجھ کو معذور ناچار ہوں  
نہ فرصت مجھے صبح ہے اب نہ شام  
اُسے بھی مرے ساتھ اخلاص ہے  
اُسے مجھ سے ہے نسبت عاشقی  
نہیں اُس کو یک لحظہ تاپ فراق  
تکلتا ہوں گھر سے جو میں ایک آن  
نہ دیکھے جو مجھ کو تو مر جاوے وہ  
جو پہونچے مری جھوٹھ اُسے بد خبر  
غرض اُس کو تاب و تحمل نہیں

وہ شعلہ اُسی خس سے رکھتا تپاک  
یہ سُننے کہ ہے کا خلاف قیاس  
اُسی کی تسلی سے مصروف تھا  
ربا اپنے عاشق سے چندے جدا  
اُس نے شفقت سے رابطہ کم ہوا  
سخن سے وفا میں تراوش کریں  
کہ دشوار اُٹھے ہمد گہ سے نظر  
کبھو کبھو یہ سُنھ ہو کبھو لب لب  
گیا اپنے عاشق کے وہ دل فروز  
کیا اُس نے حد سے زیادہ گلا  
کہ تو حال سے میرے غافل رہا  
ملا کوئی تجھ سے بھی دشمن شکیب  
کہ مسدود راہ وفا ہو گئی  
جگر میں پلک شوخ کس کی چھپی  
مرے جامِ عشرت کو لو ہو کیا  
نہ تھی بے سبب یہ جدائی مری  
محبت کا میں لو گرفتار ہوں  
طرف اُس کے ہے دل کو میل تمام  
دلوں کو ہم رابطہ خاص ہے  
وہ رہتی ہے بے طاقت عاشقی  
جدائی مری اُس پر گزرے ہر شاق  
تو پاتا ہوں جا کر اُسے نیجان  
وہیں جی سے اپنے گزر جاوے وہ  
تو کر بیٹھے بیچ اپنے جی کا ضرر  
شکیبائی عجز بالکل نہیں

یہ سن کر کہا اُس دل افکار نے  
 کہ مجھ کو نہیں تیری باتیں قبول  
 وفا کن نے ان ناقصوں میں سے کی  
 یہ ظاہر میں ہر چند ہوں رشکِ ماہ  
 خدا کرے ان کے دے ہے خبر  
 جہاں میں فریب ان کا مشہور ہے  
 بے امتحاں عاقبت یک نفر  
 مجھے غرق دریا ہوا پر سرام  
 گیا تھا منہانے کو وقتِ سحر  
 کیا موج دریا نے سر سے گزار  
 وہ گیسو جو بکھرے تھے بالائے آب  
 پھر میں تھیں جو دے آنکھ پالیاں ہیں  
 تمنا میں تھے جبکہ سب دل افکار  
 نہ سمجھا وہ ناختم اسرارِ عشق  
 کہا غرق دریا ہوا پر سرام  
 کہے تو کہ موجوں کو تھا انتظار  
 گیا بیٹھ پانی میں ایسا شتاب  
 کنارے پہ دریا کے اک شور ہے  
 گرے ہیں کبھی آشنا آب میں  
 کوئی سر پر اس غم سے ڈالے ہے خاک  
 ہمیں داغ وہ دُر تر دے گیا  
 سنا اُس کی ہمسرنے جب یہ سخن  
 نگہ اک طرف در کے ایوس کی  
 وہی بخود ہی رخصتِ جان تھی  
 گری ہو کے بیجان وہ درد مند

ستم کشتہ دوری یار نے  
 یہ مکر زناں میں تو ان پر نہ بھول  
 مواشوں سے کسکا کہ وہ پھر نہ جی  
 ولیکن ہیں باطن میں مارِ سیاہ  
 نہیں اُن سے کوئی فریبندہ تر  
 زبانون پر مکر اُن کا مذکور ہے  
 مقرر ہوا تاکہ جا اُس کے گھر  
 ہوئی زندگانی کی صبح اُسکی شام  
 سو ڈوبا وہ غور شید روشن گہر  
 اٹھا طبع نازک سے اُس کے غبار  
 سواب موج دریا کو ہے پیچ تاب  
 سودے گردِ شیلاب ہیں گردِ آب ہیں  
 سودر یا کو آب ہے وہ بوس و کنار  
 نہ سوچا وہ ناخبر بہ کارِ عشق  
 ہوا کام اُس رشک بہ کا تمام  
 کہ دست و بغل ہو گئیں ایک بار  
 کہ گویا لب آب کا تھا حباب  
 بحالِ خراب ایک جہور ہے  
 کئی آتشِ غم سے میں تاب میں  
 کسی نے کیا ہے گریباں کو چاک  
 بہت آب یہ ناچار لے گیا  
 ہوا موج زن بھر رنج و محن  
 دم سرد کھینچا گیا ڈوب جی  
 وہ اک دم کی تگ و یا کہ بہان بھی  
 ہوا شور نوے کا گھر سے بلند

مولیٰ غم میں اس جملہ تن ناز کے  
 وہ آیا جو تھا دل پریشاں گیا  
 خبر لے گیا اُس کئے زود تر  
 کہ وہ رشک مہ امتحاں لے گئی  
 مواسن پر سرام کے تیں مولیٰ  
 اگرچہ نہ کچھ اُن نے مُنہ سے کہا  
 یہ سن کر وہ نافہم حیراں ہوا  
 گیا ہوش سنگد پر سرام کا  
 اٹھا بخود دے خود بے حواس  
 لگا کئے اے مایہ زندگی  
 کیا جلد رخت سفر تو نے بار  
 نہ میری سنی کچھ نہ اپنی کہی  
 زمیں پر سے آخر اٹھایا اُسے  
 جب اُس کے پیکر پہ چھائی  
 یہ سرگرم فریاد و زاری ہوا  
 جگر غم میں یک نخت خوں ہو گیا  
 گئے ہوش و صبر اسکے اکیبارگی  
 سرا سبگی سے بگولا ہوا  
 نہ جی کو تسلی نہ دل کو قرار  
 کبھو یاد کر اُس کو نالاں رہے  
 کبھو یاں کبھو داں بجاں خراب  
 رہے گھر تو آشوب گہ وہ گلی  
 کبھو متصل ہو ٹھہرا آہ سرد  
 ہوئی رفتہ رفتہ جو وحشت زیاد  
 کچھ اپنے بد و نیک کی سدھ نہیں

گئی جان سہرہ سخن ساز کے  
 کہ اس واقعے سے پشیاں گیا  
 جو تھا درپے امتحاں بے خبر  
 محبت کے ناموس کو لے گئی  
 مرے اک سخن میں قیامت ہوئی  
 دیا جی و لے جی اسی میں رہا  
 خجالت سے سرور گریباں ہوا  
 دوانہ ہوا عشق کے کام کا  
 گرا اُس کے اس پیکر مردہ پاس  
 مجھے مُنہ سے تیرے ہے شرنذر  
 نہ میرا کیا آہ ٹک انتظار  
 مرے تیرے دونوں کے جی میں ہی  
 لب آب جا کر حبلا یا اُسے  
 محبت عجب داغ دکھلا گئی  
 ہو اُس کی آنکھوں سے جاری ہوا  
 رکا دل کہ آخر جنوں ہو گیا  
 طبیعت میں آئی اک آوارگی  
 پھرے اس طرح جیسے بھولا ہوا  
 کف غم میں سر رشتہ اختیار  
 کبھو ٹک جو بھولے توجیراں ہے  
 وہی بقراری وہی اضطراب  
 چمن میں جو لیجائیں تو بے کلی  
 کبھو دست برد کہ دل میں ہر درد  
 لگا بھانے سب سے وہ نامراد  
 نکل جائے تنہا کہیں کا کہیں

کبھو جا کے صحرا سے لاویں اُسے  
 کبھو خاک ملتا ہے منہ پر کھڑا  
 سر شام اک روز دریا گیا  
 کنارے پہ رہتا تھا ایک دام دار  
 کہا اُسکی عورت نے اُس رات کو  
 تجھے فکر کچھ اب ہمارسی نہیں  
 تراشبکو دریا میں پڑتا تھا دام  
 تو جاتا نہیں شب کو جس روز سے  
 نہیں طاقت صبر ہم کو تنک  
 وہ بولا کہ میں بھی پریشان ہوں  
 کہوں کیا کئی روز سے شام کو  
 کہ ایک شعلہ تند پر بیچ و تاب  
 کوئی دم تو رہتا ہے سر گرم گشت  
 ٹھہرتا جو ہے پھر کنارے پہ واں  
 یہ آتش مرے دل کی کیونکر بجھے  
 کیا عشق نے مجھ کو آتش کا باب  
 کیا وہ یہ کہہ کر سوئے آسماں  
 سنا حال شعلہ کا صیاد سے  
 ہوا شعلہ شوق دل سے بلند  
 گئی رات جوں توں ہوئی صبح  
 محبت نے کی اشتعال کہ وہ  
 جہان سے اُٹھی تھی یہ آتش لگ  
 بستم کناں واں یہ اُن نے کہا  
 چلو سیر گشتی کو ہنگام شب  
 ہوا سو ہوا یو نہیں تقدیر تھی

کبھو روتے دریا پہ پاویں اُسے  
 کہیں ہے خرابی میں بے سُدھ پڑا  
 ہوئی رات واں سے نہ آیا گیا  
 رہا رات اُسکے یہ قرب و جوار  
 نہیں تجھے جی چاہتا بات کو  
 تو جاتا نہیں شام سے اب کہیں  
 تو چلتا تھا یا رے معیشت کا کام  
 معیشت ہے اندوہ جاں سوز سے  
 بہت دیر ملتا ہے نان و نمک  
 بہت تنگ دستی سے حیران ہوں  
 اُٹھاتا ہوں میں اس سب کا نام کو  
 فلک سے اُترتا ہے تیرو یکاب  
 کبھی سوئے دریا کبھی سوئے دشت  
 کہے ہے پر سرام تو ہے کہاں  
 عدم میں بھی میں نے نہ پایا تجھے  
 نہ چھڑکا مری آگ پر تو نے آب  
 رہے ہے تجھے رات دن خوب جاں  
 دھواں ایک اُٹھا جانِ ناشاد سے  
 رہا لوٹتا آگ میں جوں سپند  
 زیادہ ہوئی عشق کی تاب و تب  
 سرا سیمہ آیا چلا اس حگم  
 پھر اُسکے جگر کو لگی گھر کو گنگ  
 کہ کلفت میں غم کی بہت میں رہا  
 لب آب خالی کریں دل کو سب  
 جہاں سوز اُلفت کی تاثیر تھی

نہ ہوتے جو دیگر یاں متصل  
 کیاں عقل کی ان نے باتیں جو داں  
 لگا کہنے یہ آرزو تھی مجھے  
 سو یہ دن خدا نے دکھایا مجھے  
 لذت سے ہوں تنگ شاہ ہیں سب  
 نہ نجلت سے رو ہے جو کچھ میں کہوں  
 نہ تقدیر کا میں نے سمجھا فریب  
 ہوا اک سخن میں مرے یہ غضب  
 کروں گا زمانہ میں جب تک عاش  
 مقرر کیا ہے کئی دن سے یہ  
 ہو اس میں ہے خوش تو ہوں میری سائ  
 دل پر کو خالی کریں گے بہم  
 ہوئے عاقبت سوئے دریا رواں  
 کہ اک آگ سلگی ہے واں یک کنار  
 کسو اشتعال کی ہے منتظر  
 ہوئے ناؤ پر شام گہ جب سوار  
 جہاں قفل ہو راہ دریا تو واں  
 اسے سات لو تو بڑی بات ہے  
 لیا آخر الا مرہمہ اُسے  
 تنگ دور چلن کر کیا یہ سوال  
 کہاں شعلہ سرکش آتا ہے یاں  
 کہاں لے ہے دریا پہ اکدم قرار  
 ٹھہرتا ہے کس جاوہ آتش افکن  
 ہ صیاد سے تھا ہی محور سراغ  
 کہ ہو کر فروغ اک سوئے سماں

نہ ہوتی یہ آتش کبھو مشتعل  
 وہ عاشق جو تھا در پئے امتحان  
 کہ اک روز ہشیار دیکھوں مجھے  
 سخن تیرے منہ کا سنا یا مجھے  
 گر قرار ہوں میں بحال عجب  
 نہ قدرت اجل پر کہ مر بھی رہوں  
 نہ جانا کہ اتنی ہے وہ ناشکیب  
 خرابی کا تیری ہوا میں سبب  
 رہوں گا اسی درد سے دلخراش  
 کہ آئندہ رہے تیری خاک رہ  
 رہینگے لب ب ہی آج رات  
 پھرینگے ترے ساتھ خوش کوئی دم  
 نہ پیدا کسو پر یہ راز نہال  
 محبت کیں میں ہے سرگرم کار  
 جہاں سر کو کھینچا قیامت ہے پھر  
 کہا ان نے یاں ایک ہے دام دار  
 کفایت ہے اس گلبدن کی زباں  
 کہ دریا میں پھر تا ہے اور رات ہے  
 بٹھایا قریب اپنے یہ کہ اُسے  
 مجھے ہے ترے حرف شب کا خیال  
 کہ ہر بیچ و تاب آکے کھاتا ہیاں  
 کہ ہر منتظر ہو کر ہے ہو گزار  
 طرف کون سے ہو ہے گرم سخن  
 جگمگ آتش شوق رکھتی تھی داغ  
 تر پنے لگا جسے آتش بحال

کوئی دم میں دریا پہ آیا فرو  
 لب آب دو شعلہ جاں گداز  
 پکارا کہاں ہے پر سرام تو  
 کہ میں جہلہ تن آتش تیز ہوں  
 بھڑکتی ہے جب آگ ل کی مرے  
 مگر سوزش دل ہو کم آب سے  
 سو یہ آب رکھتا ہے روغن کا کام  
 یہ بیتاب سن کہ ہوا بقیہ راز  
 ہوا ہندم اس آتش انگیز سے  
 کہ میں ہوں پر سرام خانہ خراب  
 مرے بھی جگہ میں یہی سوز ہے  
 محبت تری برق خسر من ہوئی  
 سخن مختصر کچھ وہ شعلہ چلا  
 بہم گر جوشی سے یک جا ہوئے  
 وہ شعلہ رہا ایک جا مشتعل  
 یکا یک بھڑک کر وہ جلنے لگا  
 کیا پاس پانی کے آ کر صعود  
 پھر آگے نسو پہ نہ پیدا ہوا  
 جبر دار ہوا اہل کشتی تمام  
 اٹھکے ڈھونڈتے ہوئے سب بوز  
 مجھسا یا کہیں اُس کو حیراں ہوئے  
 جہان آباد بولا کہ دوں میں نشان  
 بستم کناں گ دوڑوں ہوئے ہم سخن  
 چلو سیر گشتی تو یاں سے بھی مد نظر  
 ہوا سو ہوا یونہی سے پہلے ہی داغ

ہوا نیزہ بالا سبھوں کا نمود  
 تڑپ کر بہت بازبان وراز  
 محبت کا ٹمک دیکھ اغسام تو  
 دل گرم سے شعلہ انگیز ہوا  
 لب آب اتروں ہوں غم میں تھے  
 بجھے جی مرا اس تپ و تاب سے  
 کیا عشق نے آہ دشمن کا کام  
 سفینے سے اُتر ابد اضطرار  
 کہا اُس بلائے دل آؤں سے  
 مراد دل بھی اس آگ سے ہو کتاب  
 یہی مجھ کو جلتا شب و روز ہے  
 تری دوستی جی کی دشمن ہوئی  
 کچھ اک اپنی جاگہ سے یہ دل جلا  
 کہ گزری تھی مدت بھی تنہا ہوئے  
 کہ تو تسلی ہوئے حبان و دل  
 پھر ایدھر اُدھر پھرنے چلنے لگا  
 رہی روشنی سہی کوئی دم نمود  
 نجانا کہ وہ شعلہ پھر کیا ہوا  
 لگے کہنے باہم نہیں پر سرام  
 کنارے پہ دریا کے نزدیک دور  
 نہایت ہی خاطر پریشاں ہوئے  
 گیا تھا سوئے شعلہ یہ نوجواں  
 وہ شعلہ ہوا اس پہ آتش نکلن  
 پھر آگے نہاں اسکی مجھ کو خبر  
 چلو اُس طرف کو جو نکلے سراغ



سڑ پتا تھا وہ شعلہ آکر جہاں  
 بکارے بہت پر کہاں پر سرام  
 کہ ہر گز کنھوں نے نہ پایا اسے  
 اسی نیم کشتہ سے رکھتی تھی لاگ  
 عجب طور کا وارغ یہ دے گیا  
 کسی کو تحیر کسی کو عجب  
 کوئی بر لب آب جانے سے تھا  
 ندامت ہوئی یہ جسے متصل  
 ہوا دوسرا اجرائے شگرف  
 کنارے پہ بیٹھا تھا روتا ہوا  
 تو یہ واقعہ کیا کروں گابیاں  
 کھ خاک ہو خاک میں مل گیا  
 ہوئی شہر میں روسیا ہی مری  
 لیے ساتھ جاتا مجھے کاشکے

لگئے مضطرب حال سارے رواں  
 تلاش اُسکی کی اور لے لے کے نام  
 محبت نے ایسا کھپا یا اُسے  
 یقینی ہوا یہ کہ وہ تیز آگ  
 لپٹ اُسکو شعلہ ہی وہ لے گیا  
 پھرے خوار ہو ہو کے ناچار سب  
 کوئی منفصل ساتھ آنے سے تھا  
 خصوصاً وہ عاشق ہوا پر محفل  
 نہ تھا اگلی نجلت ہی سے روئے حرف  
 تفکر کے دریا میں ڈوبا ہوا  
 کہ پوچھیں گے جو اسکے والاندگاں  
 کہوں کیونکہ کیا روہ جل گیا  
 کھنچی جرم کو بے گنا ہی مری  
 وہ شعلہ جلاتا مجھے کاشکے

### مقولہ شاعر

وے مریہ عشق ہے بد بلا  
 بہت گھر لٹائے ہیں اس عشق نے  
 جلانے ہیں اس تند آتش نے شہر

اگر ہے یہ قصہ بھی حیرت فزا  
 بہت جی جلانے ہیں اس عشق نے  
 فسانوں سے اسکے لبالب ہے دہر

محبت نہ ہو کاش مخلوق کو  
 نہ چھوڑے یہ عاشق نہ معشوق کو

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

### مثنوی دریاۓ عشق

ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال  
کہیں سینے میں آہ سرد ہوا  
کہیں سر میں جنون ہو کے رہا  
کہیں ہنسنا ہوا جراثیم کا  
گہہ تپکا چسپاں کا پایا  
یاں تبسم ہے زخم تر کے بیچ  
کہیں یہ خونچکاں شکایت ہے  
ہے کسوں پہ ناتواں اک آہ  
ہے کسوں کو خاطر دہ کی غمناک  
کہیں موجب شکستہ رنگی کا  
سوزش سینہ ایک جاگہ تھا  
کہیں اندوہ جاں گداز ہوا  
تھا کسوں کو مضطرب کی بیخوابی  
کسوں کو محل کی رہ کی گروہ ہوا  
بیتوں میں شرارت پیشہ رہا  
کہیں تیغ و گلوں میں رکھی لاگ  
کبھو قمری کا طوق گردن تھا  
کوئی دل ہو کے پارہ پارہ ہوا

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال  
دل میں جا کر کہیں تو درد ہوا  
کہیں آنکھوں سے خون ہو کے بہا  
کہیں رونا ہوا ندامت کا  
گہہ نمک اُس کو داغ کا پایا  
واں طہیدن ہوا جگر کے بیچ  
کہیں آنسو کی یہ سرایت ہے  
تھا کسی دل میں نالہ حب اکاہ  
تھا کسوں کی پلک کی نمناکی  
کہیں باعث ہے دل کی تنگی کا  
کہیں اندوہ جان آگہ تھا  
کہیں عشاق کی نیاز ہوا  
ہے کہیں دل جگر کی بیباکی  
کسوں چہرے کا رنگ زرد ہوا  
طور پر جا کے شعلہ پیشہ رہا  
کہیں نے بست کو لگائی آگ  
کبھو افغان مرغ گلشن تھا  
کسوں مسلخ میں جاقنارہ ہوا

ایک محفل میں جاسپندی کی  
ایک لب پر سخن سے خون آلود  
اک سہیں میں جگر کی کاہش تھا  
کہیں رہتا ہے قتل تک ہمراہ  
انتظارِ بلا نصیبیاں ہے  
کہیں نوحہ ہے جان پر غم کا  
درد مندی جگر نگاروں کی  
بلکہ یاس مہر کشیاں ہے  
شوق کی یک نگاہ تھا یہ کہیں  
ڈوبا عاشق تو یار بھی ڈوبا  
کہ نہ یار اُس کا پھر جہاں سے گیا  
اں یہ نیرنگ ساز بکا ہے  
ہے وہ مہمان چند روزہ غریب  
کہ وہ ناچار جی سے جاتا ہے

ایک عالم میں درد مندی کی  
ایک دل سے اُٹھے ہے ہو کر درد  
اک زمانے میں دل کی خواہش تھا  
کہیں بیٹھے ہے جی میں ہو کر چاہ  
قار خوارِ دل غسریاں ہے  
کہیں شیون ہے اہل ماتم کا  
آرزو تھا اُسیداروں کی  
نہم زخم سینہ ریشاں ہے  
حسرت آلود آہ تھا یہ کہیں  
کشش اس کی ہے ایک اعجوبہ  
کون محروم وصل یاں سے گیا  
کام میں اپنے عشق بکا ہے  
جسکو ہو اُس کی التفات نصیب  
ایسی تقریب ڈھونڈھ لاتا ہے

### آغاز قصہ جانگداز

لالہ رخسار و سرو بالا تھا  
دل وہ رکھتا تھا موم سے بھی نرم  
اُس رکھتا تھا وضع و کش سے  
رہ نہ سکتا تھا اچھی صورت بن  
صورتِ حال اور ہو جاتی  
رہتا خمیازہ کش ہی لیل و نہار  
دیکھتے اُس کے حال کو درہم  
دل سے بے اختیار کرتا آہ  
عشق ہی اُسکے آبِ دگل میں تھا  
ہاشکیا رہے تھا بے محبوب

ایک جا اک جوان رعنا تھا  
عشق رکھتا تھا اُس کی بھاتی گرم  
شوق تھا اُسکو صورتِ خوش سے  
تھا طرحدار آپ بھی لیکن  
کوئی ترکیب اگر نظر آتی  
دیکھتا گردہ کوئی خوش پر کار  
زلف ہوتی کسو کی گر برہم  
دیکھتا گر کہیں وہ چشم سیاہ  
سہریں تھا شورِ شوقِ دل میں تھا  
الغرض وہ جو ان خوش اسلوب

سیر کرنے کو باغ میں آیا  
 کہیں سبزے میں ایک دم ٹھہرا  
 ایک سائے تلے سے رو نکلا  
 نہ تھا چشم تر سے خون ناب  
 ہر شجر کے تلے بہت سارو  
 مٹھ کیا اُن نے جانب خانہ  
 راہ چلنے میں خیال درہم تھا  
 آفت تازہ سے دوچار ہوا  
 تھی طرف اُسکے گرم نظر وہ  
 پھر نہ آئی اُسے خبر اُس کی  
 وہ نظر ہی وداع طاقت تھی  
 صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ  
 تاب و طاقت نے بے وفائی کی  
 مضطرب ہو کے خاک پر یہ گرا  
 بی طرح ہووے گو کہ حال اُس کا  
 اُٹھ گئی سانسے سے یکبارہ  
 خاک میں مل گئی وہ رعنائی  
 رنگ چہرے سے گر چلا پرواز  
 چاک کے پھیلے پائوں داناں تک  
 اشک نے رنگِ خوں کیا پیدا  
 داغ نے آجگر کو آتش دی  
 درد کا گھر ہوا دل بیمار  
 جاں تمنا کشں بنگار ہوئی  
 تا اسیدی کے ساتھ ہی سر گئی  
 رابطہ آہ آتشیں کے ساتھ

ایک دن بے کلی سے گھبرا یا  
 کسو گل پاس وہ صنم ٹھہرا  
 اک خیابان میں سے ہو نکلا  
 نہ تسلی ہوا دل بیتاب  
 دل کی واشد سے بے توقع ہو  
 دیکھ گلشن کو نا اُمیدانہ  
 دل کے رکنے کا اُسکو اک غم تھا  
 ناگہ اُس کو چہ سے گزار ہوا  
 ایک غرنے سے ایک مہ پارہ  
 پڑ گئی اُس پہ اک نظر اُس کی  
 تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی  
 ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ  
 بے قراری نے کج ادائی کی  
 مٹھ جو اُس کا طرف سے اسکے پھرا  
 وہ تو رکھتی نہ تھی خیال اُس کا  
 بھاڑ دامن کے تیش وہ مہ پارہ  
 وہ گئی اُس کے سر بلا آئی  
 دل پہ کرنے لگا طعید ناز  
 ہاتھ جانے لگا گریباں تک  
 طبع نے اک جنوں کیا پیدا  
 سوزش دل نے جی میں جاگہ کی  
 بستر خاک پر گرا وہ زار  
 خاطر افکار خسار خسار ہوئی  
 اُسکے مٹھ پر پڑی جو اسکی نگاہ  
 سو ہوئی ناہِ حسنین کے ساتھ

ہونٹھ سوکھے تو خون تاب ملا  
 خلق اُس کی ہوئی تماشا  
 کچھ کہا مگر کسو نے شفقت سے  
 جا کے اُس کے قریب در بیٹھا  
 دل نہ سمجھا کہ اضطراب کیا  
 جو کہ سمجھے تھے اُس کو دیوانہ  
 عاشق اُس کو کسو کا جان تھے  
 کیونکہ باہم معاش تھی سب کی  
 وارث اُس کے بھی بد گمان تھے  
 مشورت تھی کہ ماہر ہی ڈالیں  
 پھر یہ ٹھہری کہ ہونگے ہم بدنام  
 کیا گنہ تھا کہ یہ جواں مارا  
 ہووے یہ خون خفتہ گر بیدار  
 کیجیے ایک ڈھب سے اسکو تنگ  
 قسمت ضبط رکھیے اُس کے سر  
 دے کے دیوانہ اُس جواں کو قرار  
 ایک نے سخت کہہ کے تنگ کیا  
 ایک آیا تو ہاتھ میں شمشیر  
 کی اشارت کہ کو دکان شہر  
 گرچہ ہنگامہ اُس کے سر پر تھا  
 محو تھا اُس کے یہ خیال کئے بیچ  
 ہونٹھ پر محسن کا بیان اُس کا  
 ایک دم آہ سرد بھر اٹھنا  
 جی میں کہتا کہ آہ مشکل ہے  
 دوست کو میرے نام سے ہر تنگ

خواب و خور و دونوں کو جواب ملا  
 پر نہ وہ دیکھنے کہہو اُن کی  
 رو دیا اُن نے ایک حسرت سے  
 قصد مرنے کا اپنے کر بیٹھا  
 شوق نے کام کو خراب کیا  
 رحم کرتے تھے آشنا یا نہ  
 سب برا اس ادا کو مان تھے  
 ایک جا بود و باش تھی سب کی  
 درپے دشمنی جان ہوئے  
 دفعتاً اُس بلا کے تئیں ٹالیں  
 سن کے آخر کہیں گے خالص عام  
 کن نے مارا اُسے کہاں مارا  
 کھینچنی ہوئے خفتِ بسیار  
 تانہ عاید ہو اپنی جانب تنگ  
 کیجیے سنگسار اُس کو پھر  
 ہو گئے سارے درپے آزار  
 ایک نے آ کے زیر تنگ کیا  
 ایک بولا کہ اب ہے کیا تاخیر  
 آئے بر نیز غصہ و پر تہر  
 لیک روئے دل اُسکا اودھر تھا  
 تھا گر قمار اپنے حال کے بیچ  
 تھا سرو تنگ آستان اُس کا  
 نالہ گرم گاہ کر اٹھنا  
 اس طرف ایک نگاہ مشکل ہے  
 دشمنوں سے ہے جی پر عرصہ تنگ

چشم تر سے لہو بہا کرنا  
 کاسے نسیم سحر یہ اس سے کہ  
 ان بلاؤں میں کوئی کیونکہ جیسے  
 جان دوں تیرے واسطے سو تو  
 رفتہ رفتہ ہوا ہوں سودا کی  
 نام کو بھی ترے نہ جانا آہ  
 ناامیدانہ گم کروں ہوں نگاہ  
 سخت مشکل ہے سخت ہے بیدار  
 کوئی مشتاق نہیں کہ ہو دے شفیق  
 نالہ ہوتا ہے گہ گہ کے دل جو  
 آہ جو ہمدی سی کرتی ہے  
 چشم رکھتا ہے وصل کی یہ دل  
 ورنہ ترکیب یہ کہاں ہوتی  
 اب ٹھہرتا نہیں ہے پائے ثبات  
 سنگباراں سے سخت ہوں دلتنگ  
 محرم یک نگاہ بیش نہیں  
 کیونکہ کہیے کہ تو نہیں آگاہ  
 کچھ چھپا تو نہیں رہا یہ راز  
 بس تغافل ہوا تر حسم کر  
 کون کہتا ہے رہ نہ مجھ ناز  
 ان بلاؤں پہ ان نے صبر کیا  
 اس طرف کان نہ دیکھنا چھوڑا  
 اور یہ ماجرا ہوا مشہور  
 دیکھ کر اُس کو بخور و بخواب  
 منہ پر اُس کے جو رنگ خون ہیں

صبح کے باد سے کسا کرنا  
 مت تغافل کرا اور فافل رہ  
 جان پہ آہنی ہے تیرے لیے  
 آنکھ اٹھا کر ادھر نہ دیکھے کبھو  
 دور پہونچی ہے میری رسوائی  
 تجھے کیونکر سخن کی نکلے راہ  
 دیکھتا ہوں ہزار روز سیاہ  
 ایک میں خوں گرفتہ سو حبلاد  
 بیکسی بن نہیں ہے کوئی رفیق  
 گریہ آنسو سے پوچھتا ہے کبھو  
 اب تو وہ بھی کئی سی کرتی ہر  
 جی ہے اس سے اسیر ابھول  
 صورت اک معنی نہاں ہوتی  
 ایک میں اور کتنے تصدیقات  
 شیشہ دل نہیں ہے پارہ منگ  
 کم ہے سینے میں جا کر ریش نہیں  
 اک قیامت بپا ہے یاں سراہ  
 اک جہاں اس سے ہے خبر بردار  
 گوش دل جانب ظلم کر  
 پر نہ اتنا کہ جی سے جائے نیاز  
 اختیار اپنے جی پہ جبر کیا  
 اس کے اندوہ سے نہ منہ موڑا  
 شور رسوائیوں کا پہونچا دور  
 جانا ہر اک نے عاشق بیتاب  
 عشق ہے اسکو یہ جنون نہیں

ہے نگہ اُس کی جس طرف مائل  
 جب ہوا ذکر اقل و اکثر میں  
 خشت بے پردہ جب فسانہ ہوا  
 گھر میں جا بہر و نفع رسوائی  
 یاں سے یہ غیرت مہ تابی  
 شب محافے میں اُسکو کر کے سوار  
 یار دریا کے جہلہ رخصت کی  
 گھر تھا اک آشنا کا مدد نگاہ  
 ہو دے جب اس بلا سے خاطر جمع  
 گھر سے باہر محافہ جو نکلا  
 طیش دل سے ہو کے یہ آگاہ  
 واں کے رہنے سے اُسکو کام نہ تھا  
 جس سے ہی کو کمال ہو الفت  
 جنبش اُس کی پلک کو گرداں ہو  
 واں اگر مو شکست کا ہو باب  
 واں اگر پاؤں میں لگے ہے خار  
 یار کو درد چشم اگر ہو دے  
 چاک دامن ہیں واں پے زینت  
 واں دہن تنگ یاں ہے دلتکی  
 دست افشاں وہ پائے کو باں یہ  
 قطرہ زن اشک سا وہ راہ تمام  
 ہر قدم تھا زبان پر حیا ری  
 ہم سہری اُس کی تھی میسر کب  
 شوق مفرط نے بے تہی کی سخت  
 رفتہ رفتہ سخن ہوئے نالے

اُس طرف ہی گیا ہے اسکا دل  
 چاہ ثابت ہوئی اُسے گھر میں  
 مضطرب کہ خدائے حنانہ ہوا  
 پیٹھ کر مشورت یہ ٹھہرائی  
 جا کے چندے کہیں رہے نہاں  
 ساتھ دے ایک دایہ غم زاہ  
 اس طرح فکر رفع تھمت کی  
 واں ہو رو پوش تابی غیرت ماہ  
 نور افزائے خسانہ ہو جوں شیخ  
 اس جواں ہی کے پاس ہو نکلا  
 ہو لیا ساتھ اُس کے بھر کر آہ  
 وہ گلی اس کا کچھ مقام نہ تھا  
 جس سے دل کی درست ہو نسبت  
 دل میں یاں کا دشن نمایاں ہو  
 یاں رگ جاں کو ہوئے بیج و تاب  
 دل سے یاں سر نکالے ہو یکبار  
 چشم عاشق لہو میں تر ہو دے  
 یاں اگر بیاں ہے چاک گل کی  
 حسن اور عشق میں ہے بکری تکی  
 تھا محافے کے ساتھ گرم رہ  
 در پے یار تھا یہ بے آرام  
 خواب ہے پاکہ ہے یہ بیداری  
 ہے مجھے بخت و اثر گوں سے عجب  
 نو شکیبی نے دل سے باندھا خست  
 اُڑنے لائے جگر کے پر کالے

اضطرابِ ولی نے زور کیا  
دل کے غم کو زبان پر لایا  
کامے جفا پیشہ و توافل کیش  
منہ چھپایا ہے تو نے اسپر بھی  
صبر کس کس بلا سے کر گزروں  
منزل وصل دور میں کم پا  
ہے تو نزد یک دل سے لے طناز  
ناز نے یک نفس نہ رخصت دی  
تو تو واں زلفت کو بنایا کی  
تجھ کو تھی اپنے خال رخ پہ نگاہ  
تجھ کو مد نظر تھی اپنی چال  
بسترِ خواب پر تجھے آرام  
واں لبِ لعل تیرے خنداں تھے  
ناز و خوبی نے دل دیا نہ تجھے  
اب توافل نہ کرے تعفف کر  
گوش زردایہ کیے ہوئے یہ سخن  
پس اُس کو بلا سلی کی  
کامے ستم دیدہ غم دوری  
زارِ نالی نہ کرے شکیب ہو  
دل قوی رکھ نہ جی کو کامش کے  
سخت و لتنگ تھی یہ غیرتِ ماہ  
گر چہ یہ حُسن اتفاق سے ہے  
تیرے آنے سے دل کشادہ ہوا  
بزمِ عشرت کریں گے ہام ساز  
دے کر اُس کو فریب سا کھ لیا

ان نے بے اختیار شور کیا  
آفت تازہ حبان پر لایا  
اک نظر سے زیاں نہیں کچھ پیش  
نگہ التفات ایدھسہ بھی  
چارہ اس بن نہیں کہ مر گزروں  
تجھ کو اس مرتبے میں استغنا  
لیک تجھ تک سفر ہے دور واز  
آئیے نے تجھے نہ فرست دی  
جان یاں بیچ و تاب کھایا کی  
دل مرا مبتلائے داغ سیاہ  
میں شکش ہوا کیا پا مال  
محب کو خمیازہ کھینچنے سے کام  
یاں نشردہ جگر پہ دنداں تھے  
رحم سے آشنا کیا نہ تجھے  
حال پر میرے ٹک تاسف کر  
تھی وہ اُستادِ کارِ حیلہ و فن  
وعدہ وصل سے تنفی کی  
ہو چکا اب زمانِ مہجوری  
عشق کا راز تانا رسوا ہو  
چل کوئی دم کو داد خواہش دے  
قطع تجھ بن نہ ہو سکی تھی راہ  
اُسکی بھی جذبِ اشتیاق سے ہے  
نشہ دوستی زیادہ ہوا  
ہو جواب اپنے دوست کا دساز  
دل عاشق کو اپنے ہاتھ لیا



لیک در پر دہ اُن نے یہ ٹھانی  
 یہ تو دل تفتہ محبت تھا  
 وقت نزدیک تھا جو آپہونچا  
 آب کیسا کلاخسر تھا ذخار  
 موج کا ہر کنا یہ طوفاں پر  
 ہلکنار بلا ہر اک گرداب  
 گزیر موج جب نہ تب دیکھا  
 کشتی اک آن کر ہوئی موجود  
 کی کنارے پہ لاکے استادہ  
 اس سفینے میں جسد جا پہونچا  
 بیچ دریا میں دایہ نے جا کر  
 پھینکی پانی کی سطح پر اکبار  
 حیف تیرے نگار کی پاپوش  
 غیرت عشق ہے تو لا اُس کو  
 اُس طرف آب کے اُترنا ہے  
 پائوں اُس کے جو ہیں نگار آلود  
 جس کھ پا کو رنگ محل ہو بار  
 ان پہ نرمی میں گل سے ہوں جھکے  
 یہ روا ہے تو اپنے حال پہ رو  
 جی اگر تھا عزیز لے ناکام  
 سُنکے یہ حرف دایہ مکار  
 بے خبر کاو عشق کی تہ سے  
 تھا سفینے میں یا کہ دریا میں  
 کھینچ گیا قمر کو یہ گوہر ناب  
 کہتے ہیں ڈوبتے اچھلنے ہیں

کیجیے اس سے خصمی جانی  
 سخت وارفستہ محبت تھا  
 تا سر آب پابا پہونچا  
 تند و موج و تیرہ و تہ دار  
 مارے چشمک حباب عیاں پر  
 لچہ سرمایہ بخشش تیرہ سیلاب  
 ساحل اُس کا نہ خشک لب دیکھا  
 ہو فلک سے ہلال جیسے نمود  
 تھا محاذ رکوب آمادہ  
 یہ بھی واں ساتھ ہی لگا پہونچا  
 کفش اس گل کی اسکو دکھلا کر  
 اور بولی کہ او جگر انگار  
 موج دریا سے ہووے ہم غوش  
 چھوڑ مت یوں برسہہ پا اُس کو  
 اس نواحی کی سیر کرنا ہے  
 ظلم ہے ہوویں گر غبار آلود  
 منصفی ہے کہ خار سے ہو نگار  
 آبلہ چشم کو سیاہ کرے  
 مفت ناموس عشق کو مت کھو  
 کیوں عبث عشق کو کیا بدنام  
 دل سے اُسکے گیا شکیب و قرار  
 جست کی اُن نے اپنی جاگہ سے  
 موج زنجیر ہو گئی پابا میں  
 تھی کشش عشق کی مگر تہ آب  
 لیکن ایسے کوئی نہکتے ہیں

ڈوبے جو یوں کہیں وہ جانکے  
 عشق نے آہ کھو دیا اُس کو  
 جبکہ دریا میں ڈوب کر وہ جوان  
 رانیہ حیلہ گر ہوئی دل شاد  
 غارِ خارِ دلی سے فارغ ہو  
 یہ نہ سمجھی کہ عشق آفت ہے  
 خاک ہو کیوں نہ عاشق بیدل  
 وصل جیتے نہ ہو میسر اگر  
 پاں سے عاشق اگر گئے نا شاد  
 قصہ کوتاہ بسد یک ہفتہ  
 کہنے لگی کہ اب تو اسے واپس  
 اب تو وہ ننگ درمیاں سے گیا  
 تھے جو ہنگامے اسکے حد سے زیاد  
 شور فتنے تھے اس تلک سارے  
 دل تڑپتا ہے متصل میرا  
 و حشمت طبع اب تو افزوں ہے  
 بید ماغی کمال ہوتی ہے  
 دل کوئی دم میں خون ہو دیکھا  
 بیکلی جی کو تاب دیتی ہے  
 جی میں آتا ہے ہوں بیابانی  
 مصلحت ہے کہ مجھ کو لے چل گھر  
 گاہ باشد کہ دل مرا وا ہو  
 واپس بولی کہ اے سراپا ناز  
 اب تو میں فتنے کو سلا یا ہے  
 کون مانع ہے گھر کے چلنے کا

غرق دریا لے عشق کیا تھکے  
 منہ آخہ ڈبو دیا اُس کو  
 کھو گیا گوہر گرامی جان  
 واں سے کشتی چلی بربک باد  
 لے گئی پار اُس محل نو کو  
 فتنہ سازی میں اک قیامت ہو  
 کام سے اپنے یہ نہیں غافل  
 لاوے معشوق کو یہ تربت پر  
 خاک خواں بھی اُن نے دی برباد  
 آئی وہ رشک مہ زور رفتہ  
 ہو گیا غرق وہ قسیر واپس  
 آرزو مند اس جہاں سے گیا  
 ساتھ اُسکے گئے دے شور و فساد  
 اب تو بدنامیاں نہیں بارے  
 مرغ بسل ہے یا کہ دل میرا  
 حال جی کا مرے دگرگوں ہے  
 جان تن کے وبال ہوتی ہے  
 آج کل میں جنون ہووے گا  
 طاقت دل جواب دیتی ہے  
 پر کہوں ہوں کہ ہے یہ نادانی  
 ایک دو دم رہیں گے دریا پر  
 ورنہ کیا جائیے کہ پھر کیا ہو  
 حُسن کا در پہ تیرے روئے نیاز  
 اس بلا کے تئیں بٹھایا ہے  
 سدرہ کون ہے نکلنے کا

ہو محاسن میں دلخوشی سے سوار  
 دل سے اپنے پدر کے غم کم کر  
 کر ملاقات ہمدموں سے تو  
 یہ نہ سوچی کہ بد بلا ہے عشق  
 جس کو سے یہ پیار رکھتا ہے  
 جذب سے اپنے جب کرے ہر کام  
 صبح گاہاں وہ غسیرت خورشید  
 پہونچی نصف النہار دریا پر  
 حد سے انزروں جو بقیہ رہوئی  
 حرف زن یوں ہوئی کہ لے دایہ  
 موج سے تھا کہ ہر کو ہم آغوش  
 تجھ کو آیا نظر کہاں آکر  
 مجھ کو دیکھو نشان اُس جا کا  
 ہوں میں نا آشنائے سیراب  
 لہجہ کیا لفظ کس کو کہتے ہیں  
 ہیں میر کہاں یہ سیر عبور  
 کمر میں گر چہ دایہ تھی کا بل  
 یہ نہ سمجھی کہ ہے فریب عشق  
 بیچ دریا کے جا کہ سایہ حشر  
 یاں وہ بیٹھا حباب کے مانند  
 سننے ہی یہ کہاں کہاں کر کر  
 موج ہر اک کند شوق تھی آہ  
 دام گسترہ عشق تھا تہ آب  
 حسن موجوں میں یوں نظر آوے  
 تھیں وہ اُس کی حنائی انگشاں

شاد شاداں کر آب سے تو گزار  
 مادرِ مہرباں کو خسر م کر  
 گرم بازی ہو محرموں سے تو  
 گھٹات میں اپنی لگ رہا عشق  
 عاقبت اُس کو مار رکھتا ہے  
 عاشق مردہ سے بھی لے ہر کام  
 اس جگہ سے رواں ہوئی نو مید  
 روئی بے اختیار دریا پر  
 دایہ کشتی میں لے سوار ہوئی  
 یاں گرا تھا کہاں وہ کم پایہ  
 تھا تلاطم سے کس طرف ہمدوش  
 پھر جو ڈوبا تو کس جگہ جا کر  
 میں بھی دیکھوں خروش دریا کا  
 ناشنا سائے موج و گرداب  
 گھر میں ہم نام سننے رہتے ہیں  
 اتفاقی ہیں اس طرح کے امور  
 لیک تہ سے سخن کے تھی غافل  
 ہے یہ مہ پارہ ناشکیب عشق  
 یاں ہوا تھا وہ ماجراے شکر  
 پھر نہ تھا کچھ سراب کے مانند  
 گر پڑی قصد ترک جاں کر کر  
 لپٹی اُس کو برنگ مار سیاہ  
 جس کے حلقے تمام تھے گرداب  
 نورِ مہتاب جیسے سراوے  
 غیتہ انزائے پنجہ مرجاں

<p> سرخ پانی کا آئینہ سا رہا  لے گئی کھینچتی ہوئی تیر کو  تا بقدر دست و پا مارے  نہ لگا ہاتھ وہ دیر نایاب  تیر میں دریا کے ہمکنار ہوئی  ہو کے دست و بغل کی آغوش  آفت اک لے گئی نئی دایہ  خاک افشاں بسروانہ بلب  ترک آئین کر بختل کا  آتش غم سے دل جگر بریاں  حشر بر پا ہوئی کنارے پر  آخسر ان کو اسیر دام کیا  دونوں دست و بغل ہوئے نکلے  مر گئے پر بھی شوق پیدا تھا  ایک کے لب سے ایک کو تسکین  ایک قالب گمان کرتے تھے  ہمد گھر سے جدا ہوئے دشوار  جان دید سے ہوا ہو جنگا وصل  شکل تصویر آپ میں تھے گم </p>	<p> سرخ چہ جہدم کہ آب ہو کے مہا  کشش عشق آخسر اُس مہر کو  کو دے خواص و آشنا سارے  کھینچ کر کوفت سب ہوئے بیتاب  جاہم آغوش مردہ یار ہوئی  پاک کی زندگی کی آلالیش  سر ٹپکتی جو گھر گئی دایہ  اب و غم مادر و برادر سب  دار و دستہ تمام اُس گل کا  سوئے دریا رواں ہوئے گریاں  خلق یکجا ہوئی کنارے پر  دام داروں سے سب نے کام لیا  نکلے جاہم وے ہوئے نکلے  ربط چسپاں بہم ہویدا تھا  ایک کا ہاتھ ایک کی بالین  جو نظر ان کو آن کرتے تھے  کیا لکھوں مل رہے وہ وصلی دار  کیوں نہ دشوار ہووے انکا فصل  حیرت کار عشق سے مردم </p>
--	--

### مقولہ شاعر

<p> عشق ہے ایک فتنہ معروف  اس سے جو تو کہے سو آتا ہے  کتنی طاقت تری زباں میں ہے </p>	<p> میر اب شاعری کو کر موقوف  قدرت اپنی جہاں دکھاتا ہے  کتنی وسعت ترے بیان میں ہے </p>
--	--

لب پہ اب بھر خاشی بہتر  
یاں سخن کی فسر مشی بہتر

# بسم اللہ الرحمن الرحیم

## مثنوی عشقیہ

الہی زباں دے مجھے مغزدار  
 رہوں عشق کہنے سے میں تر زباں  
 جہاں دونوں اسکے ہیں برہنہ  
 صدف اُلٹی جہاں ایک مارا پڑا  
 دے فتح اس کی ہے یہ طرفہ تر  
 تہ تیغ اس کے تلف ہو گیا  
 وہیں اُس کے تا قتل ہمراہ ہے  
 درونے میں اسکے لگی آگ سی  
 تو نام و نشان اسکا پھروا نہیں  
 پڑا عاشقوں میں عجب اتفاق  
 بہت گھر خرابے ہوئے عشق میں  
 بہت خاک مل مسخ پہ جوگی ہوئے  
 کچھ اک شہر میں پھر کے کیسو ہوئے  
 گئے داغ کسار سے لالہ زار  
 کسو کوہ کن کو جنون ہو گیا  
 کوئی برق ساجل بجھا ہو چکا  
 نئی روز شہروں میں اک گور ہے

چمن سے عنایت کے بادام دار  
 صفت عشق کی تاکروں میں بیاں  
 عجب عشق ہے مرد کار آمدہ  
 جہاں جنگ صفت کی یہ ظالم لڑا  
 اگر لوگ مارے شکرے سرسبز  
 کوئی کشتنی جو طرف ہو گیا  
 جہاں جس کسو سے اسے چاہ ہے  
 کسو سے اگر ہو گئی لاگ سی  
 ہوا ملتفت یہ کسو سے کہیں  
 وفاق اس کا نکلا سرا سرفاق  
 جواں کیسے کیسے ہوئے عشق میں  
 بہت عشق میں لوگ روگی ہوئے  
 گئے دشت میں کچھ ندمو ہوئے  
 نہ مرغ چمن ہی ہے نالان و زار  
 کسو کا جگر غم سے فحش ہو گیا  
 کوئی زار باراں بہت رو چکا  
 غرض عشق کا ہر طرف شور ہے

بہت جان ناکام دیتے گئے  
 بہت اہل اسلام کا فرہم ہوئے  
 بہت جرم الفت پہ مارے گئے  
 ہوئے خاندان کیسے کیسے خراب  
 کیا عشق جس دن سے مرتے ہے  
 کتے عشق نے جی سے مارا نہیں  
 دوا عشق کی سخت نایاب ہے  
 جو ہو عشق عارض تو پھر یاس ہے  
 محبت ہے نیزنگ ساز عجیب  
 کوئی عشق کرنا دھرا تھا ورے  
 نہ واں بکرو نے شید و طامات ہے  
 کہیں عشق نے آرزو کش کیے  
 کہیں سہل تر پار مرنے لگے  
 کہیں کام اُن نے کیے ہیں عجب  
 کہیں بادشہ اس سے درویش ہیں  
 لیا کاہ کا کوہ سے کیں کہیں  
 کہیں پڑ گئے اس سے فتنے فساد  
 یہ عالم کا آشوب ہے دہر سے  
 ہوئے عشق میں زہر کیشاں خراب  
 اٹھا عشق کا شور عزالت گزریں  
 ہوا عشق سے مجلس حال دہر  
 کیا عشق میں ترک صوم و صلوات  
 مسلمان ہوئے عشق میں برہمن  
 نہ سبچہ تنزار نہ کفر و دیں  
 محبت کے ساغر کش اہل صلاح

تنہائے دل ساتھ لیتے گئے  
 بہت ادل عشق آخسر ہوئے  
 جو عشق بازی کا بارے گئے  
 جواں جوں جواں گئے کیا شباب  
 جیون ہی کا اندیشہ کرتے رہے  
 یہی درد ہے درد چارہ نہیں  
 سر عاشقاں سنگ کا باب ہے  
 عبت کوئی دن جینے کا پاس ہے  
 فسانے ہیں اسکے عجیب غریب  
 گئے میکد سے سے بھی صوفی پرے  
 خرابات جانا کرات سے  
 گئے خوش جو عاشق خوش گئے  
 کہیں لوگ دشوار مرنے لگے  
 فسانہ ہوئی بزم عیش و طرب  
 کہیں اس سے درویش درویش ہیں  
 ملائے کہیں آسمان وزمین  
 رہے زیر شمشیر حد سے زیاد  
 مراد خطر گہ ہے اس شہر سے  
 رہے دل شکستہ پریشاں خراب  
 گئے دشت گردی کو ترک وین  
 تو اجد گئے کرنے شیخان شہر  
 گئے اہل مسجد سوئے سومات  
 گئے کعبہ کو چھوڑ دین کہن  
 جہاں رہے عشق اور کچھ بھی نہیں  
 بہ جوش وارو ہے ان کی فلاح

کوئی ہوش میں نہ رہتا نہیں  
 رباطی میں خانہ سیمہ عشق میں  
 ہمہ خاندان تفاوت خراب  
 یہی عشق جس سے کہ حاصل ہو کام  
 اسی عشق سے رو سیہ رو سفید  
 یہی عشق ہے عقدہ دل ہے یہ  
 کہیں اس کو رٹنے سے پایا مٹ  
 کہیں سو مانا اسے درد دین  
 غرض عشق ہے طرفہ ننگ ساز

ہر اک چپ ہے کچھ کوئی کہتا نہیں  
 مھلے ہوئے ان کے تہ عشق میں  
 خرابے سے ہیں بے تفاوت خراب  
 یہی عشق ہے جس سے نکلا ہے نام  
 رکھیں عشق سے نا اُمیداں اُمید  
 یہی عشق حلال مشکل ہے یہ  
 کہیں ان نے میدان بارے میں صاف  
 کہیں کا فسرانہ ہوا بے یقین  
 کہیں ناز یکسر کہیں ہے نیاز

### حکایت

حکایت ہے عشقی حکایات میں  
 جواں خوش تھا پر کار و پر سبز گار  
 یہ صورت یہ طاعت یہ دامن پاک  
 اگر ہووے جو رہتی دوحیار  
 وگر آگے سے ہو پری کا غزر  
 رہے محو پاکیزگی و صلوات  
 تناسب بہت اُسکے اعضا سے خوب  
 زباں نرم طالع وری و صلاح  
 خوش اندام و خوش رو و پاکیزہ خو  
 جوانی کا ہنگام طاعت کا صرف  
 حیا کو سیاہی سے پلکوں کی راہ  
 بہت پاک دامن معیشت ہوئی  
 کہ ناگاہ اس راہ یک زن گئی  
 جواں کی نظر شرکیں جا لڑی  
 نہ دل مستقل نہ شکیا ہوا

کہ انفاں پسرا ایک بکرات میں  
 بہت حُسن کا اُسکے واں اشتہار  
 نہ دامن یہ مانند گل گر و خاک  
 وہ دریا کے حُسن اس سے ڈھونڈ کٹار  
 حیا سے نہ اُس پر کرے ٹک نظر  
 نہ ہوں ترک سہواً کبھی واجبات  
 سراپا میں دیکھو تو ہر جا سے خوب  
 نہ طنز و کنایہ نہ ریز و مزاح  
 کسو وقت رہتا نہ تھا بے وضو  
 لب سُرخ پرو بروں کا نہ حرف  
 ہنکلتی تھی باہر نہ گاہے نگاہ  
 نظافت نرا بہت میں دلت ہوئی  
 جیوں پر خدا جانے کیا بن گئی  
 وہ شرمائی آنکھ اُسکے اوپر پڑی  
 دل طرف ثانی بھی جیبا ہوا

حیا دار تھی زن گئی اپنے گھر  
 کیا چند شرط وفا ہی کا پاس  
 کئی دن میں ہندو دن آنے لگی  
 نگاہیں ہوئیں سہرگر آشنا  
 یہی مدتوں دیکھا دیکھی رہی  
 جیون میں شب و روز مرتے رہے  
 رہے دیر تک دونوں ناکام عشق  
 یہ کیا وصل اظہار الفت کریں  
 گھروں میں نگاہیں تھیں کلفت بھری  
 لبوں پر نہ آیا کبھو حسرت عشق  
 بجایا کیسے پردے میں ساز دل  
 دو انوں میں تو گر محوشی رہی  
 کریں حسرت آگیں نگہ چار اور  
 کس سے نہ حرف و حکایت انہیں  
 کہیں درد دل سو کبھو زیر لب  
 شب و روز دونوں سے صورت مثال  
 پیے جائیں آنکھیں بھری مضبوط  
 کبھو آہ اُٹھتی تو دم سرد ہو  
 دلوں میں جو تھی چاؤ خوں ہو گئے  
 بیاباں کی جانب کھینچے دل بہت  
 ارادے ہوئے یہ دلوں میں ہی خون  
 صبا سے رہے دو طرف کے پیام  
 خیالات ملنے کے جاتے نہیں  
 شب روز رہتا ہے یاں اضطراب  
 کوئی طور ملنے کا ایجا دکر

وفادار تھا یہ ربا دیکھ اُدھر  
 لگے رہے دونوں گھروں میں اس  
 لیے پانی اس راہ جانے لگی  
 محبت کا دونوں نے پانی بھرا  
 دلوں کی کسو سے نہ ہرگز کہی  
 بے پاس نظر ہر کا کرتے رہے  
 نہ آیا لبوں پر کبھو نام عشق  
 یہی بستہ لب شق حیرت کریں  
 درد بام پر پڑتیں حسرت بھری  
 اگرچہ سمجھتے رہے صرف عشق  
 نہ نکلا کوئی نغمہ راز دل  
 دہانوں پر مہر خوشی رہی  
 لب اُن کے یہ ساکت سر نہیں ہو  
 محبت سے شکر و شکایت انہیں  
 وگر نہ سکوت اُن کو تھا جب تب  
 ہم محو خوبی و صرف خیال  
 کہ جانا نہ جاوے یہ آپس کا ربط  
 کہیں منکشف نہ یہ درد ہو  
 گرفتہ رہے سو جنوں ہو گئے  
 کہ تھا شہر میں کام مشکل بہت  
 کیا پھر بھی دونوں نے صبر و سکون  
 کہ اے باد کہیو یہ لہذا سلام  
 قرار و سکون دل تک آتے نہیں  
 کیا شوق نے کام کو کیا خراب  
 نہ جو رحم سے ہو تو بیداد کر



پیام ایک کا یہ کہ اسے بادِ نرم  
 تین زارِ بجان کیونکر سبجے  
 ملاقات کا رکھے کیونکر خیال  
 اگر دیکھیں آنکھیں ہیں اس طرف  
 اسے دیکھنا ہی ہے ارمان بھی  
 کہ اس سے کہ مرتے ہیں تیرے لیے  
 نہیں صبر آتا ترے بن سنے  
 کسو سے کسو کو نہ ہو جائے لاگ  
 کسو کا کسو سے نہ لگ جائے دل  
 کسو کی نہ اچھی لگے کوئی آن  
 کسو کے بعد نہ کھل جائیں بال  
 کسو لالہ رخ کا نہ آٹھے نقاب  
 قد آرا نہ ہوں فتنے در سر کوئی  
 کسو کے نہ چاہ رخ میں گریں  
 کسو کے نہ انداز پر جا سے جا  
 کسو کی نہ آنکھوں کو دیکھا کریں  
 کسو کے نہ ایمانے ابرو پہ جائیں  
 صبا چلتے اس سے یہ کہ آئیو  
 دل زارِ تجھ بن ہے بے کل بہت  
 لگے ہم سے پھر باتھ آتے نہیں  
 انھیں کا نہیں رہتا نام و نشان  
 کہیں یوں فراموش ہوتے ہیں یار  
 ترحم کہ اب بھی گیا کچھ نہیں  
 نہ کریں کہ افسوس باقی رہے  
 گھٹی جان جاتی ہے یوں ہزیاں

کہ اسکو محبت سے کچھ بھی ہے شرم  
 جگر میں نہ ہو خوں تو کیا خوں پیے  
 رہے کیونکہ جانِ نازِ سید وصال  
 دگر نہ منہ ہمارا ہے سوا اس طرف  
 ادھر ہی چلی جائے ہے جان بھی  
 کیا عشق کا جسم ہم نے کیے  
 لبوں سے جگر تک بھرے ہیں گلے  
 کہے تو لگائی ہے سینے میں آگ  
 کہ کہنا پڑے ہائے دل وائے دل  
 کہ جانِ المناک و شبخے ندان  
 کہ ہو دل کے عقدوں کی اشغال  
 کہ ہوں داغ و دونوں مہ و آفتاب  
 کہ سر پر قیامت رکھے ہر کوئی  
 مباد کہ واں سے نہ جیتے پھر میں  
 صبا ہوئے کیا جانیے کیا سے کیا  
 کہ لوگ اس کا آخر پر دیکھا کریں  
 فریب فریبندگان تا نہ کھائیں  
 کہ غافل ہی ہم سے نہ ہو جائیو  
 نہ جی کو مرے بن لے مل بہت  
 یہ گم گشتہ پھر پائے جاتے نہیں  
 کوئی ان کو ڈھونڈھے تو پھر کہاں  
 ہمارا تر عشق ہے یاد کا نہ  
 تلمطف کہ ہم میں رہا کچھ نہیں  
 گل تر پہ چند اوس باقی رہے  
 تلف جیسے ہر دم ہو آبِ رواں

نہ ہو جاتی اسے کاش الفت ہمیں  
نہ آنکھیں لگی ہوتیں ناگاہ کاش  
نہ دل کو ہوئی ہوتی حسپدگی  
نہ پڑتی مری آنکھ گر اسکی اور  
ہوئی آتش عشق آخر بند  
زبانے تھے اس آگ کے کیا دراز  
پڑی آگ وہ دل جگر جل گئے  
ہوا ناگہاں شوہر زن مریض  
تشت ہوا تپ کا دل کے تئیں  
نزاری سے دل ہو گیا زار تر  
بدن کاہ سارنگ کا ہی ہوا  
دموں پر بھی وہ رفتنی کم رہا  
فتا یعنی طاری ہوئی ہو چکا  
جلانے کی تیاری کرنے چلے  
کھلی دعویٰ سوختن میں زبان  
لگی جھلنے چھوڑا نہ اصرار کو  
اٹھاواں سے بیتاب آیا چلا  
جھکا آگ کی اور کر اضطراب  
کہا ہم کو کیا کہتی ہو اس گھڑی  
کہا آئے ہو تو چلے آؤ تم  
یہ بیتاب تھا آگ پر پھر پڑا  
لگے آتے تھے کتنے انفار ساتھ  
چلے ادھ جلا لے کے سب کو گھر  
کیا لوگوں نے اس کے سر پر جوہم  
قدم کتنے چل کر وہ آتش بجاں

اٹھانی نہ پڑتی یہ کلفت ہمیں  
کہ چھاتی کی دل تکت جاتی خراش  
کہ داغوں کو ہوتی نہ بالیدگی  
تو اٹھتا نہ سر سے جنوں کا یہ شور  
جگر دل ہوئے دونوں اسکے سپند  
ہوئی دونوں بیتابوں کی جاں گداز  
جگر دل نہ بل دونوں گھر جل گئے  
نہایت ہوئی تپ طویل و عریض  
کھینچی رفتہ رفتہ دق دسل کے تئیں  
ہوا خشک ہو کر وہ ہمیں رتر  
بہت حال اس کا تب ہی ہوا  
گھر کر گئے دم ہوا ہو گیا  
اسے دار و دستہ بہت رو چکا  
جلی زن بھی تاسا تھا اسکے جلے  
کیا پاس ظاہر سے نقصان جان  
خبر ہو نچی اس نو گرفتار کو  
اسے دیکھ جلتے بہت جی حلا  
کہ جی میں نہ طاقت تھی مطلق نہ تاب  
نظر اسکی جلتے جو اس پر پڑی  
شتابی کر وجوہیں پاؤ تم  
پتنگا سا اس شعلے پر گر پڑا  
وہیں کھینچ لائے اسے ہاتھوں ہاتھ  
ہو اگر ہم ہنگامہ اک یہ ادھر  
ہوئی شہر میں شور محشر کی دھوم  
ہو ایوں سخن زن کہ اے دوستاں

لعب کش ہوں میں آتش تیز کا  
لے آئے مجھے گرمی سے تم نکال  
نہیں متصل راہ چلنے کی تاب  
کہیں جگہ سائے میں ٹھہرایے  
کوئی دم مرا کھینچے انتظار  
تو قف کیا سب نے زیر درخت  
نہ جانا کہ ہے مانع راہ عشق  
نہ آتش نہ گرمی نہ بے طاقتی  
عجب تر نظر آتے ہیں کار عشق  
اٹھانے کو کہنے تو کہلائے تھا  
اگر آنکھیں کھلتیں تو ادھر نظر  
گیا منتظر اس کو وہ دن تمام  
خراں چاں آتی ہے وہ پر ہی  
وہی صورت اسکی ہے جلوہ نما  
اسی طرز و انداز و خوبی کے ساتھ  
گئی اس طرف لے جدھر تھی جلی  
دے انیت کا کس کو جگر  
ہوئے جاتے جاتے نظر سے نہاں  
بہت سے ہوئے لگ کر مر مراغ

اُسے قصد تھا میرے خونریز کا  
کیا گھر بھی لے چلنے کا اب خیال  
کہ ہوں نیم سوز آگ کا میں کیا باب  
جو دم ٹھہرے تو آگے لے جائیے  
کہ گرمی سے ہوں بیخود و بے قرار  
کہا واقعی رنج کھینچا ہے سخت  
رکھے ہے عجب جذب جا بجا عشق  
بہانے ہیں سب جذب ہے افق  
نہیں سمجھے جاتے ہیں اسرار عشق  
دل اسکا ادھر ہی چلا جائے تھا  
ہوئی خاک مشوقہ جل کر جدھر  
نظر کر کے کیا دیکھتا ہے کہ شام  
وہی ناز عشوہ وہی دلبری  
وہی رنگ رو گل کا غیرت فزا  
اٹھایا اُسے ہاتھ میں لے کے ہاتھ  
نظر کرتے تھے واقعی یہ سہی  
کہ حیران سبارہ گئے دیکھ کر  
گیا عشق کیا جانے لے کر کہاں  
کنھوں نے نہ پایا نشان غیر داغ

نہ کر میرا ب عشق کی گفتگو  
قلم اور کاغذ کو رکھ دے بھی تو

فسانے ہیں اسکے ہزاروں ہزار  
بہت خاک جل جل کے یاں ہو گئے  
یہی کشت و خوں کا ہے یہ گرم کار  
رہ عشق میں جی بہت کھو گئے

غرض ایک ہے عشق بیخود ہاک  
کے دونوں مشوق عاشق ہاک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مثنوی معاملاتِ عشق

حق اگر سمجھو خدا ہے عشق  
عشق بن تم کہو کہیں ہے کچھ  
اُن نے پیغامِ عشق پہنچایا  
ہے محمدؐ کہیں علیؑ ہے کہیں  
جبریل و کتاب رکھتا ہے  
عشق ہی منظرِ عجائب ہے  
روز کو رات کر کے دکھلایا  
عشق سے رنگ سبز پاتے ہیں  
زیرِ تیغ ستم شہید ہوا  
عشق ہے ان ہی کو چھین کر عشق  
عشق سے دل میں درد ہوتا ہے  
ہیں دیکھی ہیں آنکھیں سے بھر  
عشق ہے ایک خزانہ آبدار  
اس سے آئیں قیاستیں کیا کیا  
سر پہ فرماو گے سنا جو ہوا  
آگیں کس کس جگہ لگائی ہیں

کچھ حقیقت نہ پوچھو کیا ہے عشق  
عشق ہی عشق ہے نہیں ہے کچھ  
عشق تھا جو رسول ہوا آیا  
عشق حق ہے کہیں نبی ہے کہیں  
عشق عالیجناب رکھتا ہے  
عشق حاضر ہے عشق غائب ہے  
عشق کیا مصیبتیں لایا  
عشق میں لوگ زہر کھاتے ہیں  
عشق سرتاقدم اُمید ہوا  
مجھ سے مت پوچھو یہ کہیں ہے عشق  
عشق سے رنگ زرد ہوتا ہے  
رہتے ہیں عشق ہی میں مڑگاں نہ  
عشق ہی کا خراب ہے کناں  
عشق لایا ہے آفتیں کیا کیا  
قیس کیا رنج کھینچ کھینچ ہوا  
عشق نے چھاتیاں جلائی ہیں

عشق میں ایک جی کو کھو بیٹھے  
 اکیوں کا جیب تا بدمن چاک  
 شان ارفع ہے جنگل خوار ہیں یاں  
 خستہ عشق کچھ نہ میسر ہوئے  
 کوئی دلتنگ ہو کنویں میں گرا  
 جب تنکا ہوا تھا اس سے داغ  
 عشق کی ناختہ شکش ہے  
 عشق باعث ہوا وطن چھوڑے  
 پایہ درد و رنج سب ہے عشق  
 پڑ گئے دل جگر میں آخر چھپید  
 اپنی تیغ ستم جو اسے عشق  
 عشق سے قمری ہے حریف سرد  
 عشق کے دل نگار سارے ہیں  
 کہیں حق، حق ان نے خون کئے  
 کوئی جو گزاف میں اس سے  
 اس سے یک جہنے یا ہی جوگ  
 ایک کے سب پہ آہ ہے اس سے  
 ایک کا شیوہ اس سے نالہ کشی  
 ایک نہت و زنجار گانی سے  
 ایک کے پھول گل پناے ہیں  
 ایک نے کوہ اس سے توڑ دیے  
 چپ لگی ہے کسو کو اس کے سبب  
 کوئی باتیں کرے ہے شوق کیساتھ  
 ہے تو جد کسو کو حال کہیں  
 ایک موباسر عسر یا نی

ایک آنکھوں کو روکے رو بیٹھے  
 ایک ڈالے ہے سر کے ادھر خاک  
 عقل والے جنوں شمار ہیں یاں  
 بادِ غم عشق میں فقیر ہوئے  
 کوئی ڈوبا کوئی گیا نہ پھرا  
 تب دیا جی کو ان نے پیش چراغ  
 عشق سے عندلیب دکش ہے  
 مرغ پکڑے گئے چمن چھوڑے  
 متصل روئے کا سبب ہے عشق  
 کچھ نہ پایا آنکھوں نے عشق کا بھید  
 جاے بہتوں کے خو نہیں کھینچے عشق  
 مہ سے آنکھیں لڑا رہا ہے درد  
 ان نے کیا کیا جو ان مارے ہیں  
 کہیں سر پر کھڑا ہے تیغ لئے  
 کہیں میدان صاف ہل س سے  
 ایک فرقہ کا ہے یہ جی کا روگ  
 ایک کا دن سیاہ ہے اس سے  
 ایک کو بید می ہے جیسے غشی  
 اکیوں کے دل گداز پانی سے  
 ایک کی جان ہی کے لالے ہیں  
 ایک تنکا گرا ان نے چھوڑ دیے  
 بندر تے نہیں کسو کے لب  
 کوئی چپکا ہوا ہے ذوق کے ساتھ  
 کہیں نقصان ہے کمال کہیں  
 ایک سرگرم دامن افشانی

کوئی صابر ہے کوئی شاکر ہے  
عشق کے پہلے مختلف حالات  
سننے کے گوں ہیں ان کے افسانے  
فصل ہو تو افسوں کا حال ہو کیا  
عاشق زار میرا نام ہوا  
کس پہ گزرا ہے یہ ستم یہ غضب

کسو کو فکر کوئی ذکر ہے  
کہیں وسعت کہیں ہے تنگ اوقات  
سیر قابل ہیں اس کے دیوانے  
وصل میں جن کے دل رہیں بیجا  
اس بلا سے مجھے بھی کام ہوا  
قصہ میرا بھی سانحہ ہے عجب

### معاملہ اول

اُن کے عشود نے دل لگا لگا  
نام سے اُن کے حق مجھے اُفت  
گوشت میرے اُدھر رہا کرتے  
اک طرح مجھ سے دے دربار ہو  
دل جگر سے گزر گئی وہ نگاہ  
جی میں کیا کیا یہ کچھ نہ کہتا میں  
پر تصرف میں ایک اور کے تھے  
مجھ سے بھی رکتے امتداد بہت  
میری آرزو کی نہ خوش آتی  
دیکھنا دل کو میرے لئے لگا  
بیدار اور بیگان رہیں  
قسم اقسام مجھ سے لئے گئے  
کہنے لگتے برا کیا کہہ کی قسم بھر  
لطف سے پوچھتے کہو کچھ ہا ہاں  
یا کوئی اشک آنکھ ستیں کیا کیا

ایک صاحب سے جی لگا میرا  
ابتدا میں تو یہ رہی صحبت  
غولی اُن کی جو سب کہا کرتے  
نخت بدگشت پھر جو پار ہوئے  
کیا کہوں طرز و تیجھے کی آہ  
چپکے لٹھے اُن کا دیکھ رہتا میں  
دے تو ہر چند اپنے طور کے تھے  
کرتے ظاہر میں احتیاط بہت  
بات کی طرز میری ہی بھاتی  
پیار چتون سے پھر نکلتے لگا  
کہیں دیکھوں تو بات دیر کہیں  
کچھ کچھ آزار محب کو دینے لگے  
میں جو بھاتا قسم تو ہو ہر ہم  
ایک دو دن میں بعد رف مال  
جو گزرتی تھی مجھ پہ میں کہتا

دیکھ کر روتے آپ بھی روتے  
دل دہی کرتے جب تک سوتے  
سنا جو ہوا  
جگہ لگائی ہیں

## معاملہ و قوم

ایک مدت تک یہ صحبت تھی  
 رفتہ رفتہ سلوک بیچ آیا  
 گاہ بگاہ پانوں پھیلاتے  
 چلکے آتے تھے جب کبھو ایدھر  
 دیکھنے میں تو پائے سالی تھی  
 جلتی چھاتی تو ہوتا میں سائل  
 کھنکھارے پائے یاں تو احساں پر  
 شینکے سینے پر پانوں رکھ دیتے  
 کیا کہوں کیسا قد بالا ہے  
 ایک جاگہ سے ایک جاگہ خوب  
 موئے سرے جی بھی کرے نیازا  
 اس کے کاکل سے حرف سر نہ کر  
 کچھ بھی نسبت ہے تمکو سودا ہے  
 اسکی زلفوں کے دس گئے نہ پھرے  
 اس جبین سے ہے دس کی کجا زب  
 ویسی بھو میں کشیدہ بھی میں کہیں  
 پھری پتوں کی اور سب کی نگاہ  
 کہوں چتوں کے دیکھنے کے طور  
 سطح رخسار آئینے سے صاف  
 لطف بینی کا فہم ہے دشوار  
 کیا جھمکتا ہے اگلے رنگ قبول  
 ہے دہن تنگی سے سخن کو تہ  
 دس سے گل کیا چنے کوئی بہر دم  
 برگ گل سے زباں ہے نازک تر

کبھو آفت کبھو یہ کلفت تھی  
 ہاتھ پانوں کو اپنے لگوا یا  
 میری آنکھوں سے تلوے ملواتے  
 پانوں رکھتے تھے میری آنکھوں پر  
 حسن سے چاں یہ نہ خالی تھی  
 کہ ملک اسے سرو ہو ادھر مائل  
 تیرے پانوں تلے مری جاں پر  
 دل مرا یوں بھی ہاتھ میں لیتے  
 قالب آرزو میں ڈھالا ہے  
 پیکر نازک اس کے سب محبوب  
 بل ہی کھایا کرے یہ عمر دراز  
 کاکل صبح پر نظر نہ کرو  
 کائے کوسوں کی بات کا کیا ہے  
 رہے سنبل کے بیج پاچ دھرے  
 صبح صادق کے دعوے ہیں کاذب  
 یہ کمانیں کسو سے کھنچتی نہیں  
 چشم پر میری تیری چشم سیاہ  
 اس قیامت پر وہ قیامت اور  
 جو نہ ٹھہرے نگہ تو رکھے معاف  
 ایک بار یک بینی ہے درکار  
 جیسے کھڑا گلاب کا پھول  
 کچھ نکلتی نہیں سخن کی راہ  
 غنچہ ناشگفتہ سے بھی کم  
 پھول جھڑتے ہیں بات بات اور

کیا کہوں کم ہیں ایسے شیریں گو  
دبدم سوکے گوش اشارہ صبح  
جب بنا گوش اُن نے دکھلایا  
ان لبوں کا مزا لیا سو بھانت  
تم نہ گلبرگ و نعل ناب کہو  
کوئی جاں بخش یوں کہے سوکے  
کنج لب آرزو سے جان و دل  
اُن لبوں سے جو کوئی کام رکھے  
جو حلاوت اُنھوں کی کہیے اب  
جب وے کھاتے ہیں بیڑہ پاں کو  
ایسی ہوتی نہیں ہے سُرخ بی  
ہو تبسم سے نعل کا دل خون  
نہیں دیکھے مٹی سے دنیاں  
کیسے کیسے چمکتی ہے بے تہ  
بو اگر کیجے اُس رخ کا سیب  
رہے گردن میں ان کی ہر بات  
بس چلے تو گلے لگا ہی رہوں  
اس میں ہر چند جی کا نقصاں ہو  
خوش و پرکار کب پری ان سی  
دیکھے از بس برآمدہ سینے  
کیا نظر گاہ کی کردوں خوبی  
شانہ و دست و ساعد و بازو  
اس کے تو پہلو سے میں ہو کے جدا  
ہائے اُس سے خدا جدا نہ کرے  
نہیں سُرخ اس کی ہر آنکشت

جو

وہ زباں کا ش میرے منہ میں ہو  
گو ہر گوش یا ستارہ صبح  
صبح کا سا سماں نظر آیا  
تکے اوپر ہمارا بھی ہے دانت  
بات جب تک نہ ٹھہرے چمکے رہو  
ہم تو مرتے ہی اُن لبوں پر رہے  
آگے چلنا نگاہ کو مشکل  
قند و مصری کو کیوں نہ نام رکھے  
ہمدگر سے جدا نہ ہو دیں لب  
رو نہیں دیتے نعل و درجاں کو  
رنگ گو یا ٹپک پڑے گا ابھی  
نہتے دیکھا تھا سو مجھے ہی نہیں  
برق ابرسیہ ہے تب خداں  
جگ ہنسائی کرے ہے اپنی یہ  
جائے سر سے جنون کا آسیب  
یہ تو یارب ہے میرے جی کے ساتھ  
تیغ سے پھر جدا کریں تو نہ ہوں  
مدعا اختلاط چسپاں ہے  
اور ہو تو کہاں ہے ہم جنسی  
ایسا معلوم دل جو یوں چھینے  
نظریں اُٹھتی نہیں یہ محبوبی  
دل کشی میں تمام ایک پہلو  
ورد پہلو سے تنگ دل ہی رہا  
دور اس سے جیوں خدا نہ کرے  
دوبلی ہیں میرے خون میں بکشت



وہ کہت دستِ راحت جاں ہے  
 کیا بیاں خوبی شکم کو کرے  
 صدر کے ناچے سے لے تاناں  
 اس سے پھر آگے غنچہ گل ہے  
 پردے میں بھی جو کچھ کہا جاوے  
 حُکمی نظروں سے وہ کمر باریک  
 اور کیا دل زدے کو بات آوے  
 ناز کی اس میاں کی کیا کہئے  
 تلک اگر بچکے تو قیامت ہے  
 کیوں پڑی ران پر نظر تاساق  
 پائے جاناں سے گفتگو ہے اب  
 وہ قدم کاشش نرق سر پر ہو  
 وہ کہت پا قریب ہو میرے  
 پنہنی نازک ہے شاخِ سنبل کی  
 یوں نصیبوں سے ہو خا کا نانو  
 ناخن پامنائی ہیں ایسے  
 ہو خراں تو اس طرف نگہیں  
 گل و مہبل بھی تماشاں  
 رنگ رفتار و کچھ عجبوں ہو  
 سر سے پائوں تلک وہ مجھ پر  
 کہ بہت دن ہے آشنائے رحم  
 اب جو ثابت ہوئی ہے میری چاہ  
 طعن و تعریض بیچ میں آئے  
 راستے میں اک طرف وفا کے لئے  
 نہیں آزار کی رواداری

کاش سینے پر رکھ دے غم یاں ہے  
 دیکھنے سے کبھو نہ پیٹ بھرے  
 چپ کی جاگہ ہے کیونکہ کہیئے صاف  
 یاں سخنِ بابتِ تامل ہے  
 آپ سے تو نہ تلک رہا جاوے  
 ہو نہ آنکھوں میں کیوں جہاں ریک  
 کہیں یارب شتاب ہاتھ آوے  
 بنے تو ہاتھوں میں لیے رہیئے  
 پھر قیامت تلک ندامت ہے  
 اس بن اب زندگی ہوئی ہو شاق  
 خاک میں ملنے کا یہی ہو ڈھب  
 ساقِ سیمیں مری کمر پر ہو  
 ٹھوکر اس کی نصیب ہو میرے  
 پشت پانچ گھڑی سی ہے گل کی  
 در نہ ڈوبے ہیں میرے خوش پانو  
 برگ گل پاسے سر وہوں ایسے  
 گل کفش اسکی لوگ دیکھ رہیں  
 آگئے جسطرف بہار آئی  
 طرزِ گفتار جیسے افسوں ہو  
 ساتھ ان خوبیوں کے یہ خوبی  
 درد مندوں کو جانے جانے رحم  
 اس کو نہ نظر ہے مجھ سے نباہ  
 کچھ نہ خاطر میں دے مجھے لئے  
 چلے جاتے ہیں مجھ پہ لطف کے  
 مہر و رزی ہے یا وفاداری

چھپر رکھنے کا شوق دل میں ہے  
تیرا آزار جی سے بھاتا ہے  
کہ رہے دل شدہ مرا رنجور  
پراس انداز سے کہ جی چاہے

پر جو مشوقی آب و گل میں ہے  
میں کروں تو کہیں خوش آتا ہے  
خواہ تا خواہ وہ نہیں منظور  
یہ بھی شوخی سے ہے گئے گا ہے

### معاملہ سوم

باتیں کرتے تھے وہ بھی میرے ساتھ  
لطف سے درد وہ نہ تھا خالی  
دست نازک سے دیر تک دالی  
گزر رہے ہیں جان غم زدہ پر غضب  
میں جو گستاخ ہو کے کہتا تھا  
متبشم ہو کہتے رہے ہر سہ لو  
آرزو سے محال رکھتے ہیں  
مار کھانے کی باتیں سب ہیں قبول  
کیا کہوں جی ہی بھول جاتا ہوں

ایک دن فرش پر تھا میرا ہاتھ  
پانوں سے ایک انگلی مل ڈالی  
درد سے کی جو میں نے بیتابی  
یاد آتے ہیں ایسے لطف جواب  
تن بدن دیکھ جی نہ رہتا تھا  
کہ یہ جاگہ تم اس فقیر کو دو  
یہ بھی کیا کیا خیال رکھتے ہیں  
پھر گڑھی بھر میں کہتے ہونہ لول  
جب ملوک ان کو یاد آتا ہے

### معاملہ چہارم

سُرخ لب اُن کے بھکو بھاتے تھے  
سُٹھ سے دو تو کرو نہال مجھے  
جھوٹا کھاتے ہیں تھکے کی لالچ  
پھر اُسی رنگ سے اُگال دیا  
تب یہ روکی زندگانی تھی  
خاک کے رنگ میں مجھے پاتا

ایک دن پان و سے چباتے تھے  
کہہ اُٹھائیں اگر اُگال مجھے  
بولے یونہیں ہے میں کہا ہاں سوچ  
ہنسکے اُس وقت مجھ کو ہال دیا  
ایسی صدر رنگ مسد بانی تھی  
اُکے سے رنگ گر فلک لاتا

### معاملہ پنجم

جس کامیں نے سلہ انھیں پایا

منقبت ایک مجھ سے کہو آیا

پھر وہی کرتے میں جو کچھ کہتا  
 دوستی رابطہ و فدا خدای  
 میں تعاضلیٰ ملنے کا رستا  
 میری تسکین تھی ہر زمان منظور  
 وصل کے وعدے ہی رہا کرتے  
 دل تو فقارِ رسم آشنا از بس  
 جانتے تھے کہ ہے یہ دل دادہ  
 دیکھتے مجھ کو جو پریشاں دل  
 دیکھ ہمک تو ہی تیرا حال ہے کیا  
 آفتِ جاں ہے دوستی کرنا  
 میں جو دیوانہ اُن کے روکا تھا  
 کچھ نہ سمجھی گئی کہن اُن کی  
 یاد کرتا ہوں اور روتا ہوں

ایک پردہ سانچ میں رستا  
 ساتھ میرے تھا اُن کو رابطہ خاص  
 غفلت ہونے کو سدا کہتا  
 آپ بھی کرتے ملنے کا مذکور  
 آج کل رات دن کہا کرتے  
 کڑھتے تھے جان کر مجھے سبکیں  
 سیدِ خستہ خاک اُفتادہ  
 کہتے اسے میرے کچھ نہیں حاصل  
 جانے دے اب بھی یہ خیال ہی کیا  
 کب تک گھٹ کے اس طرح مزا  
 شیفۃ پیچدار ہو کا تھا  
 اب جدائی جو ہے کٹھن اُن کی  
 وعدہ بن ہی ہلاک ہوتا ہوں

### معاملہ ششم

مگر وہ بن جگر ت داغ کباب  
 صورت اُن کی خیال میں ہر دم  
 میں تو بسترِ دل شکستہ اداں  
 میں بکھونے پہ بخود بیخواب  
 فرش پر پانوں یہ غبار آلود  
 میں تو اتنا دہ خو عجز و نیاز  
 جلتی آنکھوں کے گلِ رخسار  
 پاس منہ کے دے لال ترنازک  
 فرش اُس گلابن سے سب بویا  
 شب کٹی صورتِ خیالی سے

گیسودن بن ہے جی کو بیچ و تاب  
 خواب میں جو ہوں وہ مزہ باہم  
 چاند سا منہ آنکھوں کا تکیے پاس  
 ایک پیکرِ پری کا سا ہنواب  
 ان میں دے دونوں پانکار آلود  
 بازو میرے کسو کی بالش ناز  
 جس پہ کچھ بکھرے موئے غنبر بار  
 دستِ گستاخ پر سمر نازک  
 پھول میں نے بچائے تھے گویا  
 دن کو ہوں میں شکستہ حالی سے

گرچہ روزانہ بھی تصور تھا  
کہیں تصویر سی نظر آئی  
کبھی دل اُن کے روو میں ہے  
صورتِ حال اور کچھ ہر دم  
میں بھی مقدور تک وفا کی ہے  
برسوں تک میں پھرا ہوں سرگرداں  
نے فقط جان سے جہاں سے گیا  
کیج پانی ہو مینھ ہو یا برسات  
اُن تلک میرے تئیں پہونچ رہا  
آشنا یا ر سارے بیگانے  
رشتہ رُبط اُنھوں نے توڑ دیا  
نظر آتے نہیں ہیں مدت سے  
صبح ہوتے ہی گھر سے چلتے ہیں  
چلے جاتے ہیں دیکھتے ہی راہ  
مل گیا جو کوئی تو رنج نکلے  
شوق سے اُن کے حال دیگرگوں  
رنگ ہر دم مزاج کا کچھ اور  
کیا بیاں کرے بقراری کا  
جی پڑا تر سے ساتھ سونے کو  
پاس اُن کے رہوں تو دل کو قرار  
کئی برباد عزت اُن کے لئے  
کھورے پرست جو اُٹھ نہ سکے تھے  
سفر آیا جو اُن کے تئیں درپیش  
کیا کہوں جو اذیتیں دیکھیں  
جو پڑھے گا بنگ نامہ یاں

لیکن اندوہ سے کمزور تھا  
کہیں ٹنڈ پھیر جیسے شرابی  
کبھی ملنے کی آرزو میں رہے  
گاہ لب خشک گاہ مرگاں تم  
جان غناک پر جنا کی ہے  
روز و شب دونوں تھے مجھے کیاں  
زن و فرزند و خاناں سے گیا  
روز روشن ہو یا نہ صیری رات  
ٹپٹے ٹنڈ دیکھنا نہ کچھ کس  
کہ ہوئے میری تو دیوانے  
ملنا جلتا جھوں نے جھوڑ دیا  
انس پیدا کیا ت وشت سے  
جیسے کھوئے گئے نکلتے ہیں  
پر کہیں کی کہیں پڑے سے نگاہ  
مشرقی جنبی دوئے سج نکلے  
پارہ پارہ دل و سگرست خوں  
نکل کا کچھ اور سج کا کچھ اور  
ذکر کیا جاں بضراری کا  
دل پریشان جمع ہونے کو  
پھر نہ ٹھہرے تک ایک کرے ہزار  
جنت لوگوں نے ٹنڈ پہ ٹنڈ دیے  
یہ بھی کنس پوچ بکت تھے  
ساتھ اس پنج میں بھی تھا درویش  
ہر قدم پر قیامتیں دیکھیں  
ہوگی ساری حقیقت اس پہ عیاں

یاں نہ تفصیل کرنے کا تھا مقام

کہ محبت سے یاں ہے حرف کلام

معاملہ منقسم

بارے کچھ بڑھ گیا ہمارا ربط  
تب ہوا نچ سے یہ رفع حجاب  
ایک دن ہم دے متصل بیٹھے  
شوق کا سب کہا قبول ہوا  
واسطے جبکہ تھا میں آوارہ  
گم گئے دست دی ہم آغوشی  
چند روز اس طرح رہی صحبت  
کچھ کہوں جو انہوں کی ہو تقصیر  
ہو گئے بخت اپنے برگشتہ  
بات ایسی ہی اتفاق پڑی  
گلی کہنے کہ مصلحت ہے یہ  
یوں بھی آتا ہے عشق میں دریش  
میں اٹھایا نہیں ہے تجھ سے ہاتھ  
اس جدائی کا مجھ کو بھی غم ہے  
میں کہوں کیا مجھے نہ اپنا ہوش  
آنسو آنکھوں میں پر پئے جاؤں  
ان سے رخصت ہوئے جو بعد شام  
دل ٹھہرتا نہ تھا ملالت تھی  
یوں ہوا ان کے کو چہرے سے آنا  
اب جو گھر میں ہوں تو سردہ سا  
جی اٹھوں میں فسرہ قالب یاں  
حال دل کا کہوں جو محبدم ہو

ہو سکا پھر نہ دو طرف سے ضبط  
جب بدن میں رہی نہ مطلق تاب  
اپنے دلخواہ دونوں مل بیٹھے  
یعنی مقصود دل حصول ہوا  
ہاتھ آئی مرے وہ مہ پارہ  
بہسری ہمکناری بہر و بستی  
پیارا خلاص رابطہ الفت  
مار سائی تھی طالبوں کی میر  
بھر کیا آسماں نے سرگشتہ  
کہ ہوئی سر بہ فرقت آن کھڑی  
کتنے روزوں جدا تو مجھ سے رہ  
کہ نشان بلا ہوں اُلفت کشش  
کڑھو موت تو ہے میر جی ان ساتھ  
کیا کروں آہر و مقدم ہے  
جیسے تصویر سامنے خاموش  
دے کہیں کچھ تو ہاں کیے جاؤں  
تیرہ دیکھا جہان کو ہر گام  
جان کو رفتگی کی حالت تھی  
جیسے ہو دے جہان سے جانا  
چار پائی پہ ہوں تو مردہ سا  
متحسب ہو کیا تن پنجباں  
کروں پیغام کچھ جو محسوس ہو

دل زدہ چپکا ہو کے بیٹھ رہا	جی میں کچھ آیا رو کے بیٹھ رہا
سو نہ آیا کبھی کبھی آیا	کوئی آیا جو واں سے جی آیا
چاہے ہے کیا ہمارے حق میں خدا	دیکھیے چند یوں رہیں گے جدا
رنگ یہ ہے تو کیا بھیس گے ہم	خون دل کب تلک پیس گے ہم
دل وہی حال پُرسی محسوبی	آہ کیا کیا بیاں کروں غیبی
ملفت حال زار پر رہنا	تند ہو کر نہ بات کو کہت
تازہ ہر دم مروت و احسان	لطف مبدول حال پر ہر آن
لطف سے پوچھنا کہ خوش ہے تو	لب سے جان کش حرف سے دگو
کس طرح کاٹوں ہجر کے اوقات	یاد کر روؤں اُن کی کون سی بات
آئے جیتوں میں جائیے ہم بھی	منا اُن سے ہو پھر گھٹے غم بھی

مدت ہجر اگر تمام ہوئی

ورنہ اپنی تو صبح شام ہوئی

~~~~~

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### شہنوی جوشِ عشق

چل اے خاے بسم اللہ اب  
 ثبت جرمِ سیری زبانی  
 سرتاپا اندوہ دالم تھا  
 بیخود ہو گئی حبان آگہ  
 تاب نے دھونڈھی اکدم رخصت  
 رخصت اس سے ہو گئے بالکل  
 بیتابی نے طاقت پائی  
 کام جگر کا کرنے تباہی  
 پلوں ہی پر رہنے لاگے  
 ایک گھسٹری آرام نہ پایا  
 آنسو کی جگہ حسرت پکی  
 اور پلک خوں نابہ گویا  
 دردِ نقط تھا سارا سینا  
 شیون لب پر یاس نظر میں  
 مر گئے کتنے سر کو دھن کر

ضبط کروں میں کب تک آہ اب  
 کر تک دل کا راز نہ بانی  
 یعنی میر اک خستہ غم تھا  
 آنکھ بڑی اُس کی اک جاگہ  
 صبر نے چاہی دل خستہ رخصت  
 تب دو تان و فکیب و تحمل  
 سینہ نگاری سامنے آئی  
 کرتے آئے داغ سیاہی  
 خون جگر ہو بہنے لاگا  
 خواب و غورش کا نام نہ آیا  
 چاک جگر سے محبت ٹپکی  
 سوز سے پھاتی تابہ گویا  
 آہ سے اُس کی مشکل جینا  
 دل میں تمنا داغ جگر میں  
 نامے شکو اُس کے سن کر

روز ہے اب تک آفت سب پر  
 راغوں سے خوں کے قیامت گنیں  
 کوئی نہ اس گھاٹل تک پہنچا  
 نواہ لوہو کا چھوٹا  
 بر میں تھا اک پکا پھوڑا  
 بجھت نہ جاگے اسکے اک پل  
 تسکین بے آرامی ہی سے  
 دل میں ہو سو منہ پہ عیاں ہو  
 ناخن سے منہ سارا نو چا  
 اور نفس اک تیر خاکی  
 ضعف دلی لے ارا اُس کو  
 خاطر میں غمگینی اُس کے  
 تھا گو یا گل آخسر موسم  
 بی طاقت بے جان رہے وہ  
 کھٹے کو زندہ سیکن مردہ  
 خلق بسمل دیدہ پر خوں  
 گوشہ دامن وقفِ شرکاں  
 ساجل خشک بھی کے سائل  
 خوں باری سے سیل بہاری  
 لب چٹ جس کا بودے نہ دیا  
 شور قیامت نوخیز گری سے  
 داغ جنوں دے جسکو چراغی  
 جاے میں اک تار نہیں تھا  
 صحر اصر خاک اڑا دے  
 اشک کی جاگہ رنگ رواں ہو

آہ و فغاں ہے اُس کے لب پر  
 روئے و جبین پہ خراش ناخن  
 زخم سینہ دل تک پہنچا  
 ابلہ دل کا جب کوئی پھوٹا  
 غم نے تو دل میں کیا ہے پھوڑا  
 سو نہ گیا یکدم وہ بے کل  
 کام رہا نا کامی ہی سے  
 رخساروں پر خون رواں ہو  
 وشنہ غم سے سینہ کو چا  
 دل آماجگہ غمناکی  
 نے طاقت نے پارا اُس کو  
 نالہ دل میں حسرتی اُس کے  
 رنگ اڑے چہرے کا ہر دم  
 دست بدل ہر آن رہے وہ  
 رنگ شکستہ بس کہ فسرہ  
 خونباری سے چہرہ گلگوں  
 جدول جاری چاک گرمیاں  
 دیدہ تر کے دریا قائل  
 ہر دم ہو ہر سمت کو جاری  
 تشنہ لبی اک منہ پر پیدا  
 خاک بس آشفستہ سری سے  
 سرتا پائ آشفستہ دماغی  
 غم سے گرچہ دم بھی کہیں تھا  
 دادی پر جب اپنے آدے  
 کلفت دل جب خاک نشاں ہو



گل اُن نے نازیکہ کھائے  
 دل کے غبار نے راہ جو پائی  
 سر پر اُس کے سنگ ہمیشہ  
 آہ سرد کرے وہ عسریاں  
 گرد کی تہ اس کا پیرا ہن  
 بار دامن تار گر سیاں  
 پامالی میں مثل حبادہ  
 دشت تلک گئی آبلہ پائی  
 اُس کے جو پامال ہوئے سب  
 جن نے دیکھا اُس کو کیدم  
 چندے یہ ناشاد رہے گما  
 جلنا اُس سے کرے نہ کنارہ  
 لو جو پیکے آہ سحر سے  
 رکھتا سدا تھا وہ دیوانا  
 سر فواد ی شقا شقا  
 ہوش خسرو ناشاد گئے سب  
 درد دل سے کچھ نہ کہے وہ  
 حسرت اُس کی ایک اعجوبہ  
 غیر سے بولے نہ یاروں ہی سے  
 سمجھ تو کوئی داد کو پہونچو  
 ورنہ رہے من مار کر اپن  
 کیونکر غم سے ہو آزادی  
 کوئی نہ اس پر سایہ گستر  
 نے کہے نے دیر کے قابل  
 کیسا کہیے کیسا کچھ تھا

پھولوں کی چھڑیاں ہاتھ بنائے  
 شہر میں گویا آندھی آئی  
 جی پر عرصہ تنگ ہمیشہ  
 بید سا کانپے موئے پریشاں  
 دامن صحرا جس کا دامن  
 دامن قرب ہوار گر سیاں  
 نقش قدم سا خاک اُفتادہ  
 دور گھنچی اُس کی رسوائی  
 خار بیا بیاں لال ہوئے سب  
 اُن نے کہا یہ بھول کے سب غم  
 پہ مدت تک یاد رہے گما  
 جیسے چراغِ وقف بچارا  
 لالہ گتھواں لخت جگر سے  
 ورد زباں یہ شعر دانا  
 حقاً حقاً حقاً حقاً  
 دین و دل برباد گئے سب  
 ہر اک کا منہ دیکھ رہے وہ  
 آب دہن کی موج میں ڈوبا  
 بات کہے تو اشاروں ہی سے  
 عاشق کی فریاد کو پہونچو  
 سروے مارے مار کر اپنا  
 جان کے ساتھ اُسکی ناشادی  
 اپنا ہاتھ اپنے ہی سر پر  
 مذہب اس کا سیر کے قابل  
 لقصہ وہ ایسا کچھ تھا

## در صفت و لبر کہ با او علاقه دل بود

جی سے تھا یہ عاشق صادق  
 نگہت گل گرورہ اُس کی  
 نقش قدم تھا یا سمن اُس کا  
 یہ رو گل نے کہاں سے پایا  
 سنبل اک زنجیری موکا  
 ماہ دو ہفتہ شرمندہ ہو  
 کاکل صبح سے خوش آئندہ  
 شمع مجلس پانی پانی  
 اس چہرے کے ہو نہ مقابل  
 شہدہ دیکھو آئینہ مہ کا  
 لیکن اُس کی چشم نظر کر  
 بگس کی بھی آنکھیں کھل گئیں  
 فتنہ اک سوتا نہیں تب سے  
 بلکہ سراپا حبان مجسم  
 ہرگز اُس کو بات نہ آوے  
 چشم اُس کی تھی پشت پا پر  
 شکل تھی واں جائے سخن کی  
 پھیلاوے ہے غنبر سارا  
 شاید شکر تنگ ہو اب کے  
 دست حنائی پنجہ مر جاں  
 برق خسر من مہ پرے میں  
 خود رشید اُس دم ڈوبا حبا  
 کاوش کم کم تنگ مرہ کا

وہ کیسا تھا جس پر عاشق  
 دیدہ گل میں جاگہ اُس کی  
 چشم برہ سارا چمن اُس کا  
 آگے اُس کے کبھو نہ آیا  
 گل آشفٹہ اُس کے روکا  
 جب وہ چہرہ تابندہ ہو  
 زلف اس چہرے پر تابندہ  
 دیکھ اس گل کی نور افشانی  
 ہو چہرہ یہ بدر کا ریل  
 حوصلہ کتنا اُس بے تہ کا  
 رکھتی تھی و عوئی خوش خیمی پر  
 بہتوں کی جب جانیں گل گئیں  
 دور چشم ہے اُس کا جب سے  
 رخ لب سے جاں بخش عالم  
 عیسیٰ کو گر لب دکھلائے  
 کوئی مرد اندازِ حیا پر  
 کچھ مت پوچھو تنگی دہن کی  
 مگر کے شمیم زلف گزارا  
 خط آیا ہے گرد اس لب کے  
 دونوں لب اُس کے گل بختاں  
 تھا دیکھا بیکرہ پردے میں  
 جدم برقع شہدہ سے اٹھاتا  
 پار دلوں کے خدنگ مرہ کا

بھوں کی کشش کا دوامہ عالم  
 تیغ و تبر تھی ہر دُاُس کی  
 ناز کی مے سے مست رہے وہ  
 زلفوں کے سب تار پریشان  
 سایہ سے سکے سرو بنایا  
 ہووے خراباں جب وہ کافر  
 چشم کرشمہ جان تنافل  
 کیا جانے وہ حال کس کا  
 پڑے ہی ہر د کا اشارا  
 جب وہ خسر م ناز کرے ہے  
 رخصت دے گر عشوہ گری کو  
 سننے میں وہ صفائے دنداں  
 رشک سحر کو صافی تن پر  
 وہ صفائی اُس سینے کی  
 شکل چین میں یہ ناز کہاں ہے  
 ایسا خوب جہاں میں کہیں ہے  
 جب وہ شکل نظر آتی تھی  
 رنگیں اس کی اس کلف پڑے  
 چشم کرد انصاف کی گروا  
 کون ہوا اس محبوبی سے  
 بار نزلت کیونکہ عفا ہے  
 ہے گی رگ گل یارگ جاں ہے  
 سید سک قربانی اُس کا  
 اور جو خوب پاویں اُس کو  
 جاویں اس پر جان بھوں کی

تیر نگہ کا نشانہ عالم  
 آتش کشش جو تھی اُس کی  
 اکشر دست بدست رہے وہ  
 سراویدہ دستار پریشاں  
 خاک رہی سے تہو رو بنایا  
 کبک کی ہووے جان مسافر  
 شایاں اُس کی شان تغافل  
 پتھر دل اُس آئینہ رو کا  
 غمڑے نے اک خنجر مارا  
 جی کو جو رنیا ز کرے ہے  
 ایک ہی جلوہ بس ہے پری کو  
 برق خسر من عالم امکان  
 خون صراحی اُس گردن پر  
 غیرت افزا آئینے کی  
 صورت ہے انداز کہاں ہے  
 رحم ہے اسیراب جو نہیں ہے  
 کلفت دل کی بکھل جاتی تھی  
 جائیں نہ کیوں یاں اپنی جا سے  
 یوسف و شیریں لیلیٰ عذرا  
 خوبی تھی یہ اس خوبی سے  
 شاخ گل سا لہکا جاوے  
 پر نازک اسرار میاں ہے  
 یوسف اک زندانی اُس کا  
 ایکد گیر و کھلاویں اُس کو  
 تیغ رہے درمیاں بھوں کی

غصتے ہو تو پھر نہ منے وہ  
کچھ ٹھہرے تو کہنے میں آدے  
آرزو اس کی سب کے دل میں  
بندہ کون رہا ہے خدا کا  
وہ چھپے نہ وہ بیمار کو اپنے  
دشمن حبالی اہل و فانا کا  
واں ہو گئے نہ دعا کے کعبہ  
اٹھ گئی واں سے رسم ترمیم  
سو دل نختے واں کے طائف

تھا بنا جائے کس کے کہنے وہ  
گیا کوئی شوخی اس کی بتا دے  
کیا ہے اس کے آب و گل میں  
سب کو میل اس بت کی ادا کا  
دیکھے نہ عاشق زار کو اپنے  
عاشق ظلم و جور و جفا کا  
کوچہ رفک فرائے کعبہ  
برشب اک فسدا دو نظم  
آہیں جن کی درد و ظائف

### خصت شدہ رفتن یار و بیاب شدن عاشق بمقار

آوے زباں پر جو قسم یار  
سرتاپا اندوہ و الم کا  
حب و وطن کو جی سے دھوکہ  
جلنے کے نہیں اور حسد یا  
سرتے آپ حسرت گزرا  
اس سے آگے آپ لب وہ  
دیکھ اس گل کو لگا یہ کہنے  
جان گئے پر جیتے رہے  
اور فلک آنکھوں سے دعاوے  
آئیے پر پانی ڈالا  
راہ دور سے آوے شبالی

کراے خامہ وہ تحسیر یار  
یعنی میر اس خستہ غم کا  
بارے سفر کا مال موکر  
رفت کو اس پاس بھی آیا  
وقت و داع قیامت گزرا  
اک دم بخود ہو کے راہ وہ  
آنکھیں لگیں ناسور ہو بنے  
ظلم ہے لو ہو پتے رہے  
عمر عزیز چلی یوں جاوے  
آنسو کر کے خدا کے حوالا  
تاکہ رو دکھلاوے شبالی

یار گئے پر میر جو با ہے

جان سے خالی اک قاف ہے

راقم غم ہے وہ دل تفتہ نامہ بر اس کا رنگ رفتہ

قاصدا شک ہمیشہ رواں ہے  
 تر ہو بال کبوتر خوں سے  
 جس سے کباب کبوتر ہووے  
 شعلہ خط میں لپیٹ دیا ہے  
 شعلہ اک جوں شمع زباں پر  
 یار کا اپنے شوق کف پا  
 اور حنائی کا غم نامہ  
 دیکھے راہِ عمر گزشتہ  
 آہ وہ تازہ ظلم رسیدہ  
 ہر دم جی رخصت ہوتا ہے  
 مرنے قریب ہے وہ دوری سے  
 باتوں پر اُسکے رونا آدے  
 پر کالہ پر کالہ جگر ہے  
 ہے یہ گرہ اک دل کی تمنا  
 گل یہ چنے وہ دامن دامن  
 دے پیغام ہمیشہ صبا کو  
 بھولوں ہوؤں کو یاد دلانا  
 شام سحر دن رات یہی ہے  
 پھر بھی ملیں گے جیتے جی ہم  
 تاب نہیں ہے اہل جہاں کو

غم سے فرصت اُس کو کہاں ہے  
 قحط لکھتا ہے اس مضمون سے  
 خط سے اک آتش پر ہووے  
 جب درد دل اُن نے لکھا ہے  
 سوز کے آوے جب وہ بیاں پر  
 جب کرے خونِ جگر سے انشا  
 ہو انگشتِ بربیدہ خامہ  
 راہ پہ بیٹھا وہ سرگشتہ  
 آگے تھا کب تہسراں دیدہ  
 کیا کیا بے طاقت ہوتا ہے  
 حالِ عجب ہے رنجوری سے  
 جب وہ دردِ دل کو جتاوے  
 دستہ دستہ داغِ بسر ہے  
 اشک نہیں آنکھوں سے ٹپکنا  
 داغِ دروں ہے گلشنِ گلشن  
 چھوڑے نہ راہ و رسمِ وفا کو  
 پس اس کے گھر تیرا ہو جانا  
 زہر لب اُس کے بات یہی ہے  
 تھینچیں گے کب تک یہ سختی ہم  
 بس اسے خامہ رکھ لے زباں کو

قصہ غم کو نہایت کب ہی  
 اس سے خوشی اب انس ہے

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

### شہنوی اعجازِ عشق

|                                 |                               |
|---------------------------------|-------------------------------|
| دُنیا میں غیبش کرے کیا مجال     | تھا اُسے جہاں آفریں ہے محال   |
| گرے کوئی مہم اسکی سو کیا بیاں   | کمالات اُسکے ہیں سب پر غیاں   |
| کہ ہے عقل کل یوں پریشان خیال    | کہوں کیا میں اس کی صفات کمال  |
| گماں یوں پریشان پشیمان ہے       | خرد کنہ میں اُس کی حیران ہے   |
| سبہ و غور میں اس سے ہی برتر نور | زمین و فلک سب ہیں اُسکے حضور  |
| کہتے خاک کو آدمی گرد دکھائے     | یہ صنعت گری اس ہی صنم سے آئے  |
| سور کھ جائے وہ اس کف نکمیں      | نہ آوے کسی کے جوا در اک میں   |
| منزلہ ہے وہ جگہ تنزیہ سے        | برہی ہے گامتشیل و تشبیہ سے    |
| کئے اُن نے دُنیا میں خرمن نہاں  | وہی حاصل مزارع آسمان          |
| ورے ہے زانے کی عین دہزار        | سفید و سیہ کو نہیں اُس کی بار |

وَر توحید انشاظر از حسینے کہ فقرہ یکسانی او بجا لَم دویدہ

|                                  |                               |
|----------------------------------|-------------------------------|
| کماں اُسکے ہی ہیں جدِ غمرد بچھنے | سوا اُس کے نقصاں ہے گرد بچھنے |
| وہ شب باز آن پتلیوں کے چہ ساتھ   | سرشتہ بخلق کا اُس کے با تھ    |

یہ قالب ہیں سارے وہی جان ہے  
یہ سب رنگ اللہ ہی کے ہیں یار  
یہ سب طرحیں ہیں ایک نام خدا  
جدھر دیکھو اللہ ہی اللہ ہے  
تہان و عیاں سب میں پیدا ہے وہ  
یہ سب عکس اُسکے ہی پڑتے ہیں یا  
جو اس بن ہیں توحیف ہے کائنات  
وہی ہے گا مبداء وہی ہے معاد  
ولیکن لبالب ہو اس میں رحق  
کہ درپیش ہے نعت احمد مجھے

سبھوں میں نمود اُسکی ہی شان ہے  
محل و غنچہ د رنگ و بود بہار  
اگرچہ سبھوں کی ہیں طرحیں جدا  
سما رنن و نور شید یا ماہ ہے  
نظر کر کے ٹپک دیکھو ہر جا ہے وہ  
بہر صورت آئینہ ہے گا جہاں  
ملک مین و میواں جہاد و نبات  
وجود عدم اس سے دونوں میں شاد  
مجھے ساقی و ست کوئی جام عقیق  
رکھے آپ میں جس کی آمد مجھے

### ورنعت سید المرسلین

درود تحیات احمد کے ترکیں  
زہے حشمت و جاہ صلل علی  
شرف و ودان قضا کا ہے وہ  
پیر اس سے عبارت ہے نور خدا  
اُڑے حشر تک تو پہونچا نہیں  
کہ تھا قاب قوسین ادنیٰ مکاں  
کیا جس کی خلقت پر صانع نے ناز  
حقیقت کو پہونچو تو معبود ہے  
محمد بن اور آل بن اُسکے میر  
توقع شفاعت کی ایک اُس سے ہی  
وہ ہے شافع حشر و خیر الانام  
کہ ہو جائیں سرخ آنکھیں ننگوں  
کراؤ دیرہ گوش گم کچھ ہے ہوش

جتنا جان پاک محمد کے ترکیں  
رسول خدا سر انبیا  
دیا مجلس کبریا کا ہے وہ  
سب اس صفحے میں ہیں ظہور خدا  
جہاں وہ ہے واں جبریل میں  
کروں اُس کی قربت کا کیا میں یاں  
مرا زیر پا اُس کے فرق نیاز  
بصورت اگر عبد مشہود ہے  
نہیں پشت گسٹوں کا اب دستگیر  
گنگھار بنوں چشم ایک اُس سے ہی  
درود آل پر اُسکے ہر صبح و شام  
پنا ساقیا بادۂ وصل گوں  
ہے اب حرفِ مستانہ کا ولین جوش

## مناجات بطور عاشقان زار در پلائے جدائی گرفتار

پس از مرگ صد سال خنداں ہے  
صبا دوست رکھے مری خاک کو  
غم دل بھی مجھ پر نوازش کرے  
مراد دل مجھ پہ عاشق رہے  
وہ آٹھوں پیر ہی رہے سیر پاس  
کہ سیلاب آتش پہ خاک ہو  
کہ فور رشید کی چوٹ جاوے پیر  
اڑے پر لگا کر مراد نگ رو  
شگفتہ رہے یہ گل باغ دل  
مجھے دیکھ رہے کی فرست رہے  
مری ناتوانی قیامت کرے  
مردوں میں تو مرنے کو تیار ہو  
کہیں تو دل پر کہ خالی کر دیا  
دو بودیو سے اشک نہ امت مجھے  
کہ تا جیب دامن ہو قرب و جوار  
بیاباں میں مجھ سے قیامت رہے  
بھلا دے خضر کو مری گر ہی  
تو ہو جائے سرو آتش قافلہ  
کہاں تک ہیں خون دل کی شراب  
حسرت ہم ہمارا کبھو عید ہو

مرا زخم یارب نمایاں رہے  
رہے دشمنی جیب سے چاک کو  
شرہ اشک خونیں سے سازش کرے  
جگر سے طہیدن موافق رہے  
جو نالہ ہو شبگیر کا روشناس  
شرہ گرم افسوس و تمناک ہو  
کرے نیزہ بازی یہ آہ سحر  
خوشی سے مجھ کو رہے گفتگو  
نہ مریم سے افسردہ ہو داغ دل  
سدا ختم حیرت سے نسبت رہے  
اگر ضعف ملک کسب قت کرے  
مری بیکسی ناز بردار ہو  
بیاباں میں آشفستہ حالی کڑی  
کریں دونوں عالم ملامت مجھے  
مرا ہاتھ ہو چاک کا دستیار  
جنوں میرے سر پر سلامت رہے  
بہکنے سے مجھ کو نہ ہو وار ہی  
جو ہو گرم رہ پائے پیر آبلہ  
ارے باقی اسے غیرت آفتاب  
کبھو ساغیر بادہ کا دید ہو

## در تعریف عشق خانماں آبا و آزاوگاں بڑا نہاد

کہ ہے کھیلنا ہی پہ بازی تری

رہے عشق نیزنگ سازی تری



تجھی سے مرے دلیں ٹھٹھا ہے درد  
 تجھے رشتہ نسج وزنا سے  
 تجھی پر ہے قمری بھی خاکستری  
 ترا شور صحر کو رہنے نہ سے  
 تجھی سے مرا سینہ صد چاک ہے  
 تجھی سے نہ برائی میری امید  
 تجھی سے ہے فرماؤ کہ ہوں یہ مرد  
 تجھی سے ہے وابستہ دل بستگی  
 تجھی سے ہے پروانہ آتش کا باب  
 تری ریچھ دیکھی ہیں ناکامیاں  
 تری تیغ سے قیمہ ہیں یار لوگ  
 تجھی پر ہیں موقوف جانبازاں  
 ولین ترا را ز رسوا رہا  
 تر سے جرم پہنچ دیا ہی کئے  
 کہ مرہم سے بیزار ہے زخم دل  
 کہ شکل ہوا ہے تجھے ضبط اشک  
 نہ نفرتش ہے تجھ بن کہ بہکا کلام  
 کوئی کیونکہ اس رنگ ظالم جیے

تجھی سے ہے آپ ربخ زرد زرد  
 تجھے ربط کفار و دیندار سے  
 تجھی سے ہے بلبل کو نوہ گری  
 ترا جذب دریا کو بہنے نہ سے  
 تجھی سے دل شاد و غمناک ہے  
 تمنا کو تو نے کیا ہے شہید  
 تجھی سے ہے بخون صحرا نور و  
 تجھی سے گلو بند ہے خستگی  
 تجھی سے دل عاشقاں ہے کباب  
 ترا کام دینا ہے بدنامیاں  
 تجھی سے سراسیمہ ہیں یار لوگ  
 تجھی میں ہیں یہ کارپردازیاں  
 تجھے اس کے پھینپنے کا سودا رہا  
 ہوا پنا عاشق پیسا ہی کیے  
 ترا ہی نمک خور ہے زخم دل  
 تجھی اک ہی شرکوں سے یہ بظا شک  
 کہ ہرے تو اسے ساتی لالہ نام  
 کہاں تک کوئی خون دل کو پیے

### زبانی درویش جگر ریش کہ اس بلا در سر آمد

کہ درویش سے یہ حکایت ہی اک  
 جواں ایک وال مفت مارا گیا  
 تعجب میں اسکے کہاں تک ہوں  
 مصیبت زدہ بن اجل ہی ہوا  
 پشیمانی اس کی ہے مجھ کو ہسنوز

کہو مستبر سے روایت ہی اک  
 کہ اک ملک میں قضا را گیا  
 وہ جطور مارا گیا اب کہوں  
 سن اب آجو کچھ اسکے جی پر ہوا  
 اٹھا میر کرنے کو میں ایک روز

نظر جا پڑی جو مری ایک سو  
 فقیروں کی سی جھولی ایک سکے پاس  
 سراور تھا ہنگامہ اک اُسکے جمع  
 لقب اُس کا دیوانہ عشق تھا  
 جوانی کے گلشن کا وہ تازہ گل  
 اُسی کی سی مقدور تک سب کہیں  
 وہ اک دو دماں کا تھارون چرخ  
 ولے اُسکے دل میں اک آتش تھا  
 سب آرام چاہیں اسے، نظر  
 نہ کچھ ہوش نگر جانے کا اُسکو تھا  
 نہ طاقت تھی تن میں کچھ جی تیر  
 سر راہ دل قیہ قیہ ہے  
 اُس اُچھو تو کل عشق کی بیگلی  
 دل دھرو ہوش و توان و جو اُس  
 نہ ناموس کا ننگ نے نام کا  
 شب دروز فریاد کرنا اُسے  
 تماشے کا دیوانہ سپہ ہو  
 جو دم لے طیش تو شتابی کرے  
 کرے طرح دانگوں سے وہ باغ کو  
 دل غمزدہ سے نصبت است  
 وہ بیت بیوں سے بہت کم فرخ  
 اُگھٹی اُس کے جی سے نغاں کی  
 وہ ہر جنبہ ہر صبح کو جو بول  
 نہ اُسکو اُس کے تھی اسپر نظر  
 کے رنگ رو کیوں مراد رہت

سر راہ بیٹھا تھا اک خوب رو  
 بدن میں نہایت مکلف لباس  
 چنگے اکٹھے ہوں جوں گرد و شمع  
 کہ شہرت میں فنا نہ عشق تھا  
 کرے جس کی خاک قد مرادہ گل  
 سدا اُس کا نقد دیکھتے ہی رہیں  
 جلاتے تھے سارے اُس پر دماغ  
 کہ دتے جن اُس سے سارہ جہاں  
 سر پہ تک یک دل بقدر  
 نشست نہ مہربانی اُس کو تھا  
 نہ دلیاس نے خبر دیا مہربان  
 یہ کہتا تھا مہربانیت پس اپنے  
 نہ مہربانی نہ سہ مہربانی  
 رہیں اُسکی دشت سے سارے  
 مہربان دست و دشمن تھا آرام کا  
 کئی بار اک دم میں مرنا اُسے  
 زبانی کو چہندے تا شاہوا  
 تسلی دس کی خبر ہی کرے  
 ادنیٰ ہی سے نہ داغ کو  
 قیامت تو سستی سے عدوت ہے  
 کہیں صبر کرنے کا اُس کو داغ  
 وہیں بہ بھیاں سستی آہ صبر  
 لیکن سہا سکی کب ہو قبول  
 نہ آہ صبر میں تھا اُس کے اثر  
 نہ کچھ ہاتھ دس چہ کچھ درد ہے

بدستِ لختِ دل رونے کی کچھ نیاز  
کرے تعزیتِ خانہ دنیا کے تینیں  
بیاں اُس کا کچھ گو گو ہی رہے  
سیہ مستی کا ہم کو بھی ذوق ہے  
کہ پردے میں کبتک بچے سازِ عشق

کرے دیدہ اشکِ افشاں پہ ناز  
وہ کا نہ ہے یہ نقشِ تما کے تینیں  
نئے نہ کسو کی نہ اپنی کے  
ے آسانی مگر ! وہ کا شوق ہے  
کھلا چاہتا ہے گلِ رازِ عشق

### رفیقِ درویشِ کج خلق و دلہی گردن و پیشِ زینش

مجھے بھی سخن کا بہانہ ہوا  
کئی بٹیں پڑھتا تھا وہ سینہ سوز  
حلقے ہیگی تقدیر کر تے زباں  
جگر کیوں نہ جلجائے آتشِ ہریاں  
کہ آنکھوں میں اب آ رہا ہے یہ جی  
ہوا ہوں میں سارے قبیلے کا تنگ  
کہ آہ بلب تارِ سیدہ ہوں میں  
دوایِ دم واپس بھی قریب  
یہ دم بھی ہوا ہے کوئی دم کے بیچ  
کس اُمید پہ میں ہوا ہوں بلاک  
رہیں آفتیں میرے سر پہ نہ  
یہ نہیں ہوتی جاتی ہے حالتِ تباہ  
تماشا ئی مجھ پہ بہت رو گئے  
کہاں ہے تو اے گلِ ہوا پھر گئی  
تصویرِ ترا جی سے جاتا نہیں  
کہ جس سے ہوا جائے ہے رنگِ رو  
دلِ شب سے گزرے ہے فریادِ ہریاں  
کہ ہے نقشِ پاکی طسرحِ پامال

یہ قصہ جہاں میں فسانہ ہوا  
دے گاہ وہ شمعِ مجلسِ فسوز  
کہ جن کا یہ مضمون تھا دوستاں  
بڑی آتشِ عشقِ سرکشِ ہریاں  
نظر آ کہیں جا رہا ہے یہ جی  
زن و مرد کی ہوں زباں سے تنگ  
سدا خونِ دل میں پھیدہ ہوں میں  
ترسی دوری میں پہونچی ہوائِ حبیب  
جگر تو ہو پانی بہا غم کے بیچ  
سمجھنا یہ بھی اے مرے سر پہ خاک  
تو جب سے دراد پر نظر آ گئی  
نہ نامہ نہ پیغام نے رسمِ وراہ  
دل و دیدہ سب ندعی ہو گئے  
کئی بار جاں لب پہ آ پھر گئی  
یہ حیران ہوں صبرِ آتا نہیں  
خزبِ جگر سے ہے چھاتی میں درد  
رہا کرتی ہے وادِ بیدادیاں  
سرور تک آدیکھ یہ خستہ حال

سنا ہی گیا نام ہمدردوں  
 نہ اتنا کہ جاتا رہے جی سے ایک  
 ہزاروں بلائیں میں یاں رد بکار  
 سہراہ تالاں تھیں مثل در  
 خوشی کو پھر مے نے فرمایا کام  
 کہ دے مجھ کو جام سے خوشگوار  
 قلم بخود نہ کرے کچھ رسم  
 کہے تو کہنے میں برہنہ لگی  
 کہا آگے جا کر میں بیتاب ہو  
 کوئی اپنے جی پر کرے سے جفا  
 وگرنہ ہوئے پرے کیا سیرتوں  
 نہیں اس سیلفے سے مرنا کوئی  
 تو مرگان خون بستہ کو کھیں ملک  
 کچھ کد کی: تیر زبان پر بھی  
 یہ ہے عشق کا مہ پنا کر جانے  
 دیا سانہ مجھ جیو اسے جو ان  
 کہ اس مجلس فردوس سے تو جلا  
 تیرا دردوں یہ ہوئے بلند  
 کیا دغ کس شعلے نے تیرے تیں  
 نہ کا بید ہو تو ہے ادا تمام  
 یہ مجھ سے بیاں کر کہ ہوں رازدار  
 کہوں اس سے جا کر نہیں تو نہ رہ  
 کہے کام جو تو جب داؤں میں  
 گروں میں ملک کی حرج واں گزرا  
 کہ یہ میری دجونی ہی جہاں

ترے دور غم میں تو جوں کہیا  
 نہ آنا نظر ہی ادا ہے ولیک  
 ترے غم میں اسے آفت روزگار  
 کہاں ہے تو محل نشین حیا  
 کہہ اس طرز سے حال دل کا تمام  
 کہاں ہے تو اسے ساقی گلزار  
 لکھوں قصہ عشق بے کیف و کم  
 مجھے آہ اک اس کے دل کی لگی  
 گیا زہرہ تاب دل آب ہو  
 کہ اسے تازہ برد در ہمدردوں  
 مثل ہے کہ جی سے تو ہے گاہرا  
 تھک یوں نہیں جان کرنا کوئی  
 تہ دل ہو معلوم تا بول ملک  
 سخن حسرت آلود کہنے یہ آ  
 وگرنہ تو رک رک کے مرجائے گا  
 تو ہے صبر صبر غم سے آتش بجان  
 تو اسے شمع فاش زباں ملک  
 تو کس آتش تند پر ہے سپند  
 جلاتی ہے آتش تری میرے تیں  
 گھٹا پانے میں تجھ کو ہر صبح و شام  
 ترا درد پناہ ہے گو آشکار  
 کہیں دل لگا ہو تو یہ مجھ سے کہ  
 جہاں کو تو بھیجے وہاں جاؤں میں  
 جو حور بہشتی بھی ہو تیری یار  
 خدا جانے کیا جی میں بات آگنی

یہ شکر جو ان زخود رفتہ نے  
کیا سوزِ دل کو لبوں پر نمود  
سخن ہونے لگے نمودار کچھ  
کہ جس سے یہ معنی ہوئے مستفاد  
جو دلجوئی میری ہے مگر نظر  
نہیں اُسکو درکار کچھ جستجو  
زبانِ مری در پہ یہ جا کے کہ  
ترے واسطے خوب رسوا ہوا  
تسلی شکیبائی مطلق نہیں  
ہی جب تلک تن میں تاب و توان  
شبابی سے دے ساقیا جامِ عشق  
ہو آخرا ب دس کا سب خونِ ناب  
لکھے سے جواں کے غرضِ قصد کر  
سُن آوازِ دستک کی اک ٹیکِ حور  
دو چار آ کے مجھ سے ہوئی ایک بار  
ہوئی دیکھے سے جب حقیقتِ علیا  
بشر کیا کہ دیکھ ایسی آفت کے نہیں  
کہا میں نے پیغامِ جو آ یا بن  
مرہِ نختِ عاشق کی بر گشتگی  
قد و قامت اس کا کروں کیا بیاں  
وہ نازاں جدِ صرا آتی تھی اچلی  
میں سودائی اس زلفِ تاریک کا  
شکں اُس کی کاکل کا دامِ بلا  
جسوں کی کمانوں سے لگنے لگا  
اگر ابرو اُس کی جھک جاتی تھی

جگر سوختہ اور دلِ تفتہ نے  
زباں تاب کھانے لگی جیسے دود  
لگا کرنے پیچیدہ گفتار کچھ  
کہ اسے غمگسارِ دل نامراد  
تو یاں اک غلہ ہے ٹک قصد کر  
سرا ایک ترسا کی ہے قبلہ برو  
کہ احوال سے میرے غافل رہ  
مرے سر پہ بنگامہ بر پا ہوا  
پہر اب تابِ تنہائی مطلق نہیں  
اُٹھا یا تحمل کا بارِ گراں  
کہ لکھنے لگا ہوں میں پیغامِ عشق  
پیوں کب تلک اک گلابی شراب  
گیا بندہ ترسا کے دروازے پر  
مہ چاروہ سی نپٹ باشعور  
کیا جسکے دیکھے سے صبر و قرار  
کہا میں کہ تاجِ سر پہ تھا جہاں  
فرشتہ بھی رو بیٹھے عصمت کے تکیں  
یہ غولی سے اس کی کروں کیا سخن  
مگر ایک عالم کی سرگشتگی  
قیامت کا ٹکڑا ہوا تھا عیاں  
قیامت بھی آتی جلو میں چلی  
ہر اک موسیبِ رنجِ باریک کا  
ہر اک حلقہ زلفِ کایمِ بلا  
اٹھتے تھے اڑ اڑ کے جوں تیز مار  
مہ نو کی گردن ڈھلک جاتی تھی

ہے اُس کے ابرو جدھر کر کے ناز  
کمان اُس کے ابرو کی عاشق کمیں  
نہ آنکھوں کی مستی کی اُس کو خبر  
نگہدار تھی سُرخ چشم کی  
شہید اُس کی چشم کے دل خستگان  
مرہ موجب قتل جمع کشمیر  
چھپیں اسکے غم سے میں کتنی سناں  
جبین کھول دی اس پر نیراد نے  
رواں اس شب افروز سے اشک شمع  
وہ مردوں کو زندہ دوبار کرے  
پری منفصل رنگ رخسار سے  
خضر تشنہ اُس کے ہے دیار کا  
سوا اُس کی باتوں کے سب باتیں ہیں  
غرض اور سب یونہیں کہنے کو ہیں  
لب سُرخ اُس کے وہ گلبرگ تر  
بشتم میں اپنے وہ برق ہزار  
دہن غنچہ ناشگفتہ سے کم  
تبشتم تنک گر وہ دلکش کرے  
نہ دیکھا کسی نے جوتن اُس کا صاف  
کمر اُس کی ممکن نہیں ہاتھ آئے  
نہ رنگ صفا ہی فقط تن پہ تھا  
کیا اُن نے پا مال فتنوں کا خون  
ادا اُس کی عاشق کے جی کی پلا  
اگر جلوہ گر ہو وہ معشر خیرام  
خرا ماں خرا ماں جدھر آگئی

کرے اُس طرف ایک عالم نواز  
خندنگ اُس کے ترگاں کی سب دلنشین  
خرا بی نہ عاشق کی تہ نظر  
طردار تھی اپنے ہی چشم کی  
نشانے نگاہوں کے دل بستگان  
غرض سب سے یہ ایک ترکش کے تیر  
نمایاں ہوئے سب پر مرگ جہاں  
کہ چیں مانی خوبان نوا دہنے  
یہیں سے ہے روشن کہ تھی رشک شمع  
سیجا جہاں سے کتا را کرے  
خجل کبک انداز رفتار سے  
سیجا شہید اُس کے بیمار کا  
جسے سکے مردے بھی جی جاتے ہیں  
سیجا کے لب یونہیں کہنے کو ہیں  
پھپھیں جن میں دندان کے سنگ گر  
دم شمر ہوتے گئے آبدار  
سختن رہبر و راہ تنگ عدم  
نواکشن میں گل صدہن غش کرے  
نظر گر نہ ٹھہرتے تو کیجئے معاف  
مگر صاحب دست غیب اُس کو پائے  
کہ مینا کا خون اُس کی گردن پہ تھا  
خنا اُس کے ہاتھوں میں کتنوں کا خون  
نہ میری تمھاری سبھی کی بنا  
تو معلوم ہے پھر جہاں کا قیام  
قیامت ہی گو یا او خسر آگئی

اے لہز شیں پائے ناز سے  
 نہ ہو دے وہ دن جس میں ہو نقاب  
 اسی بت کا ہر اک تیں ذکر ہے  
 چڑھا دے اگر ہاتھ سے آتیں  
 ہو میں طرح اس سے بخا کاریاں  
 تیرم کو پناہوں تلے وہ سنے  
 جو آمد ہو اس کی نصیب چمن  
 گلی اس کی فردوس کا شہ شرف  
 زمین اس کی پیدست گلزار بھی  
 گلی اس کی وہ قشتلگاہ عجیب  
 وہی جائے باش و عاشقان  
 صبا گرڈ دے تنک ر کی خاک  
 کئی نرہ کش وں کئی نعرہ زن  
 کئی بے دھن وں سفر کر گئے  
 ہر اک جان ہر شخص بگام کی  
 پھر دں گرد ساقی نشے میں ترے  
 مجھے مست آپ سیہ دیکھے کر  
 شہادہ بگر سوز پینہ جب  
 پڑھی اک رباعی یہ کر اعتبار  
 کہ جبر میں جو بقیہ رہی کرت  
 نہ سونے دے، نوں سے ہنایہ کو  
 محبت کی رہ میں یہ پہلے کام  
 نہیں شرط الفت میں چین چین  
 جو چھوٹے ہیں پڑتے ہو یوں تہ  
 نہ ہو جو سکے جب ہر پائوں

وہ سب سر انداز انداز سے  
 چلا جائے پردے ہی میں آفتاب  
 خدا کو خدائی کی اب فکر ہے  
 تو پھر دست موسیٰ بھی کچھ ہے نہیں  
 بجالی میں اُن نے دل آزاریاں  
 ستم اس کے کوچے سے بچکر چلے  
 کرے ترک محل حند لب چمن  
 بہشت اک گنہگار سی اک طرف  
 نسیم چمن وں گرفتار بھی  
 شہادت جہاں خضر کو ہو نصیب  
 اسی پر معاش وں عاشقان  
 تو بچے زمیں سے دل چاک چاک  
 کئی خوں گرفتہ کئی بے کفن  
 سسکتے ہیں کتنے کئی مر گئے  
 ہوا دار اس کے لب بام کی  
 گلابی ہی منہ کو لگا دے مرے  
 چلوں جوں قلم پھر بھی مطلب پر  
 کئے آشنا حرف سے لعل لب  
 کہ مضمون جس کا یہ موزوں ہے یار  
 سر راہ فساد ذرا رہی کرے  
 بھلی مرگ ایسے فرد مایہ کو  
 کہ سر سے گزر جائے شاد کام  
 اگر پیش آوے دم دا پس  
 وہ ہے دم میں دامندہ فافلہ  
 تو بہتر ہو نا ہی اُسکا وصال

گیا میں جواب اس سے لیکر ادھر  
حقیقت بیان کی سب اس جانے کی  
کئی ساتھ اس جانے کے اسکی جان  
تکے تھا مگر رہ سفر کر گیا  
نہ دیر اس کو ہوتے ہوئے ہی سے  
مری بات میں خون لبس ہوا  
میں یہ واقعہ دیکھ گھبرا گیا  
نہ سو جھا مجھے اور کچھ اس سوا  
ملاست کروں اسکو میں اک جہاں  
ترسے ناز بجا کا تو کیا گیا  
رہی گھر میں خوبی پہ تجھ کو نظر  
کھٹ خاک اس کی ہوزلت کا باب  
یہ ٹھہرا ادھر میں رونا ہوا  
پلا ساقی ماہ و شش ایک جام  
کہاں ہے وہ خون کیوترسی تے  
غرض جوں توں کر قطع میں رہ کی  
کی آواز دستک کہ بار دگر  
درخانہ پر آئی ایک پیرزن  
کہ کیوں دوسری بار آیا ہے تو  
کوئی رہ گیا تھا سپام جوں  
بیاں کہ جو کہنا ہو تجھ کو شتاب  
کہا میں نے اسے پیرزن کیا کہوں  
پیام اس کا لایا تھا میں اسلئے  
سویاں سے گیا ایسا ہے کہ جب  
نہ تھی تاب حرف و رشت اس کے نہیں

سیر رہ تھا پا پاں غم وہ جسدھر  
جوں نے یہ سنتے ہی اک ہائے کی  
مگر خاک پر ہو کے بیدم جوں  
کہ اک بات کی بات میں مر گیا  
مجھے بات کے کہنے رگی بھی دیر  
دیا سا وہ جلتا جو تھا گل ہوا  
کہ یوں یہ گل تازہ مر جھا گیا  
کہ کرے بیاں طرف ثانی سے جا  
کہ سے لے حقیقت گئی اسکی بیاں  
پر اک بے گنہ اس میں مارا گیا  
سیر رہ گیا ایک ہی سے گزر  
ترتی آستان بن یہ بے گی خراب  
ادھر مرنا اس کا فسانہ ہوا  
گیا کاستن ہی میں ماہ تمام  
کہ پی کر فغاں کیجئے مثل نے  
گیا تھی جہاں ستریں اس ماہ کی  
موتی گھر میں نقصہ میری خبر  
گلی کرنے عشق جوں سے سخن  
شکو نہ مگر اور دایا ہے تو  
جو تو چہر شتابی سے آیا بیاں  
کہ ہے منتظر غیرت آفتاب  
عز و دار میں تو جوں کا میں ہوں  
کہ وہ بے اجل مرتا ہے ملک جیے  
یہ جس سے نکلتا تھا ناز و عتاب  
کیا غم نے حق نیم کشت اسکے تیل



وہ بیتاب بے اختیاری سے تھا  
دکھائی دی عٹوہ گری سکتیں  
کہا ہیزہ ہو کے یوں ناز سے  
شابی سے مرنا ہے اسکا مواب  
یہ اُسکی زباں سے کہا میں سخن  
مفر کر گیا جان سے بھر کر آہ  
خبر اُسکے مرنے کی لایا ہوں یاں  
گیا آخرا نامر جی سے جو ان  
کہ اک شور کانوں میں میرے پڑا  
لگا ہونے آنکھوں میں عالم سیاہ  
کہ یقین وہ دختر ٹھکانے لگی  
کہ ان دونوں مصلوں کو چورا کیا  
کہ میرے سبب دونوں کا جی گیا  
کہ بدے گزرک کے ہے یاں لٹھنا  
برنگ گل اب لوٹے خاک میں

نہ مشغول یونہی وہ زاری سے تھا  
نہ سمجھی یہ رنگ پر سی سکتیں  
چڑھا اُن نے تیوری اک نوازتے  
کہ جس کو نہ ہوتا اب لانے کی تاب  
ہو سناٹے اُسکے میں حوت زن  
جوں سنتے ہی کر کے دیدھر نگاہ  
ہی ناچر کہنے آیا ہوں یں  
کہ اس سے کہے کشتہ غم کی بن  
یہ کہ دست قدموں سے میں تھ چلا  
گزر دئے گئی دل سے آواز آہ  
صد ایک نوے کی آنے لگی  
محبت نے کاہ اپنا پورا کیا  
فقیر آن کر سخت نام ہو  
یہ بھی جائے مگر یہ جو ساقی سنا  
تھوڑی دیر دے نہ یہ تاک میں

### مقولہ شاعر

یہ میر ب جو ہے عشق خانہ خراب  
پھر اس عشق نے شیریں سے کیا کیا  
سیہ فیمہ بلی کا بھی ہے کھڑا  
ہوا خاک عذرا کا سرسنگ سے  
دمن سے گبولہ زمیں کے اوپر  
بہت اُٹھتے جاتے ہیں شعلے نئے  
چراغوں سے اک دو ددل ہے کشاں  
جلے ہے اسی آگ میں آفتاب

عجب کی نہیں جانتی چچو تاب  
سنا ہے کہ فر ہو پیر سب ہو  
عز کا ہے مجنوں کی نوبت چچو  
گلی جون وفاق کی کس رنگ سے  
گئی آہ زباں کی نوبت سے اوپر  
بہت عشق کی رنگ میں جس نے  
گلی جل کے آنسو نیشوں کی بار  
بے بیتاب ذرہ سی سے کباب

|                                                                                                                                                                                                                                                                                         |                                                                                                                                                                                                                                                                                        |
|-----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| <p>دل اس داغ سے مہ کا بھٹا ہی ہے<br/>         سیہ رنگ اُگتا ہے سر و سہی<br/>         بھنور کے بھی جی پر پڑے گل گہی<br/>         کوئی نالہ بلبل سے ہے یادگار<br/>         کہیں ساتی دے اب گل رنگ کو<br/>         گلے لگ کے مینا کے دمک رو پیے<br/>         فسانہ بھی آخر ہے اب سوئیے</p> | <p>لستاں کا صگر چاک سُستا ہی ہے<br/>         وہی رنگ قمری ہے خاکستری<br/>         کنوں کی ٹھلی آہکھ پھر مند گہی<br/>         خزاں اس چمن میں ہر گل کی بہار<br/>         کشادہ بھی کر اس دل تنگ کو<br/>         گلے لگ کے مینا کے دمک رو پیے<br/>         فسانہ بھی آخر ہے اب سوئیے</p> |
|-----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|

# بعض سوانحات میر

میر تقی میر دہلوی

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### مخمس در شہر کا محاسب ال خود

|                                      |                                       |
|--------------------------------------|---------------------------------------|
| قابل ہے میری سیر کے اطوار روزگار     | چالیں عجب طرح کی چلے ہیں عجب شمار     |
| کرتا ہے بدسلوکی سمجھوں سے یہ بہدار   | لاتا ہے روزِ فتنہ تازہ بروئے کار      |
| دل داغ داغ رہتے ہیں اس سے جگر نگار   |                                       |
| کاما سے تلخ کام اٹھایا مرے تئیں      | دلی میں بید لاند پھرایا مرے تئیں      |
| ہچکچشوں کی نظر سے گرایا مرے تئیں     | حاصل کہ پیس سرمہ بنایا مرے تئیں       |
| میں مشت خاک مجھ سے لے اس قدر غبار    |                                       |
| لشکر میں مجھ کو شہر سے لایا پے تلاش  | یاں آگے گزری میری عجب طور سے پیش      |
| پانی کسو سے مانگ پایا کسو سے آتش     | اس واقعہ سے آگے اجل پہنچی ہوتی کاش    |
| ناموس رہتی فقر کی جاتا نہ اعتبار     |                                       |
| موت رہا تھا ساتھ جھوٹ کے خراب حال    | دانستہ ان سمجھوں نے کیا مجھ کو پائمال |
| آخر کو آیا مجھ میں اٹھوں میں نیٹ لال | یہ زندگی سہل ہوئی جان کی وبال         |
| اس جمع میں کسو کو میں پایا نہ دستیار |                                       |
| جانا تھا جہاں مجھے سو بار داں گیا    | ضعفِ قوی سے دست بردوار داں گیا        |
| محتاج ہو کے ناں کا طلبگار داں گیا    | چارہ نہ دیکھا مضطرب و ناچار داں گیا   |
| اس جانِ ناتوان پہ کیا صبر اختیار     |                                       |

|                                           |                                       |
|-------------------------------------------|---------------------------------------|
| در پر ہر اک دنی کے سہا جت مری گئی         | نالایقوں سے ملے لیاقت مری گئی         |
| کیا مفت ہائے شان شرافت مری گئی            | ایسا پھرایا اُس نے کہ طاقت مری گئی    |
| مشہور شہراب ہوں سبکسار و ہوتار            |                                       |
| عرصہ تھا مجھ پہ تنگ اٹھا ہو کے بچاں       | بوجھانہ بھگو یک لبناں سے کنھوں نے یاں |
| کم پائی پر بھی سیر کیا میں نے سبھاں       | نہ شفقت خاطر ہی نے پھرایا کہاں کہاں   |
| برسوں کا راز مجھ سے ہوا اُسکے آشکار       |                                       |
| پرداخت میری ہونہ سکی اک امیر سے           | عقدہ گھلا نہ دل کا دعائے فقیر سے      |
| رہنے ہمیشہ آتے رہے سر پر تیر سے           | ہر چند التجا کی صغیر و کبیر سے        |
| لیکن ہوا نہ رفع مرے دل کا اضطراب          |                                       |
| کرنے کی اپنے حال پہ شفقت سے بیکار         | بکلی ہے کس سے طور پر اپنے سخن کی راہ  |
| بولانہ کوئی ہم سے کہ تم کیوں ہوئے تباہ    | اسلوب اپنے جینے کا ہو کس طرح سے آہ    |
| ہم ایک ناتوان و ضعیف اور غم ہزار          |                                       |
| حاجت مری روادل پر درد نے نہ کی            | تاثر اشک سرج درخ زرد نے نہ کی         |
| تذمیر ایک دم بھی دم سرد نے نہ کی          | دلجوئی میری حیف کسی فرد نے نہ کی      |
| طاقت رہی نہ دل میں گیا جان سے قرار        |                                       |
| ہر ترک شوخ چشم کرے مجھ پہ کب نظر          | ہر چند بند باندھے مرے خوں پہ کیا کمر  |
| ہر دما دار قصد کرے یہ کہاں خبر            | یہ منہ نہیں کسی کا جو منہ کو کرے ادھر |
| ہر کوئی نہ جانتا ہے کسی ممکا ہوں میں شکار |                                       |
| دل سر بسر خراب ہے تعمیر کیا کروں          | نہ شفقتی حال کی تعمیر کیا کروں        |
| خوننا بہائے چشم کی تعمیر کیا کروں         | زردی رنگ چہرہ کی تعمیر کیا کروں       |
| آیا جو میں چین میں خزاں ہو گئی بہار       |                                       |
| حالت تو یہ کہ مجھ کو غموں سے نہیں فراغ    | دل سوزش و رونی سے جلتا ہی جوں فراغ    |
| سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہو داغ          | ہے نام مجلسوں میں مرا میر بید داغ     |
| از بسکہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار        |                                       |

## محمّد و حال لشکر

|                                                              |                                                                 |
|--------------------------------------------------------------|-----------------------------------------------------------------|
| مشکل اپنی ہوئی جو بود و باش<br>آن کے دیکھی یاں کی طرف نہ عاش | آئے لشکر میں ہم برائے تلاش<br>ہے لب نال پہ سو جگہ پر خاش        |
| مرنے کے مرتبے میں ہیں احباب<br>تنگدستی سے سب بجال خراب       | لے دم آب ہے نہ چچہ آش<br>جوشنا سا ملا سو بے اسباب               |
| زندگانی ہوئی ہے سب پہ وبال<br>پوچھ مت کچھ سپاہیوں کا حال     | جسکے ہے فرش تو نہیں میر آش<br>کنجش کے جھینگیں ہیں روتے ہیں بقال |
| جیتے والے جو تھے ہوئے ہیں فقیر<br>ہیں معذب غرض صغیر و کبیر   | بادشاہ و وزیر سب تلاش<br>تن سے ظاہر رکیں ہیں جیسے لکیر          |
| شور مطلق نہیں کسو سر میں<br>بھوکھ کا ذکر اقل و اکثر میں      | دیکھیں محکمہ اگر برابر آش<br>خانہ جنگی سے امن لشکر میں          |
| لعل خمیہ جو ہے سپہ اساس<br>ہے زناد شراب بے وسواس             | نہ کوئی زند ہے نہ کوئی او باش<br>پالیں ہیں زندیوں کی اسکے پاس   |
| جتنے پاں ہیں امیر بے دستور<br>پھر بحسن سلوک سب مشہور         | قصہ کو تہ زمیں ہے عیاش<br>رعب کر شیخے ہمیں سے قیاس              |

|                               |                               |
|-------------------------------|-------------------------------|
| ہو پنچاں تلک بہت ہے دور       | بات کہنے کا واں کسے مقدور     |
| حاصل ان سے نہ دل کو غیر خراش  |                               |
| چار کچے ہیں مستعد کار         | وس تلنگے جو ہوں تو ہے دربار   |
| ہیں وضع و شریف سارے خوار      | لوٹ سے کچھ ہے گرمی بازار      |
| سو بھی قند سیاہ ہے یا ماش     |                               |
| در پہ عمروں کے روز و شب شرور  | صرف یکسر قریب و رشوت خور      |
| بے لیے دیکھیں نے کسو کی اور   | مردہ شوہر وہ سب کفن کے چور    |
| رحمتہ اللہ بر او لیں نباش     |                               |
| یک بہ یک گر کسو کی موت آئی    | اُسکے مردے کی پھر ہے رسوائی   |
| کیونکہ پہونچی ہے جن کو امرائی | سب وہ اولاد حاتم طائی         |
| کون دیکر کفن اٹھاوے لاش       |                               |
| بالضرورت گمانیں جس کے گھر     | آدمی کی نہ جنس تھا وہ خر      |
| بات کرنے لگا تو نیچے نظر      | بیمروت سفیہ پر نظر            |
| قابل صد ہزار شاش و تراش       |                               |
| ہے جنھیں کچھ بھی رویت دربار   | سو فریبندہ گمری و غدار        |
| کاذب و مفت بر ہے دل آزار      | ڈول انکا ہے یہ کہہ کر یے خوار |
| کام انکا ہے یہ خراش و تراش    |                               |
| جس پہ ٹھہرے ہے آکے سرداری     | اُن سے ہمو تھی چشم و لداری    |
| معرفت اُن کے بعد صد خواری     | خرد و سخط ہوئی جو اکباری      |
| جیسے کھینچے لکیریں کوئی نقاش  |                               |
| اس لکھے کا نہیں ٹھکانا کچھ    | وہم میں بھی نہیں ہے پانا کچھ  |
| جس پر دستخط نہ آنے جانا کچھ   | بن نہ آیا مجھے ہرانا کچھ      |
| غیر اس کے کہ لے اٹھوں بپاش    |                               |
| واں سے اٹھ کر میں پال میں آیا | سخت تغیر حال میں آیا          |
| بارہا یہ خیال میں آیا         | کہ زیاں شہ کے مال میں آیا     |

|                                |                               |
|--------------------------------|-------------------------------|
| داسطے میرے سو مرا بہ قماش      |                               |
| آٹھوں آنے ہیں خرچ کی ساعت      | بختہ دوں جامہ تک جو ہو قدرت   |
| منقضی ہو دسے کب مر ہی سمیت     | دس روپیہ دوں گد اکو بے مہلت   |
| صاحبان کرم کے تئیں شائباش      |                               |
| سہم رہ جائیں سب دیکھیں ادھر    | ہو جوان لوگوں میں گد اکا گزور |
| شاہ جی لے خدا سبھوں کی خبر     | میر کے بعد یہ کہیں ہل کر      |
| سو بھی یہ بات ہے پس از نگاش    |                               |
| وہم میں اُن کے بھی جہاں کیا ہے | یاروں کی جو دکابیاں کیا ہے    |
| دیکھتے ہیں کہیں کہیاں کیا ہے   | آشکارا ہے سب نہاں کیا ہے      |
| ایسی صحبت میں ہم نہ ہوتے کاش   |                               |
| خوشنما کب ہے ایسی قال و مقال   | بس قلم اب زباں کو اپنی سنبھال |
| مصلحت ہے کہ رہے ہو کرال        | ہے کد مہذب چرخ رو سیہ کی چال  |
| قائدہ کیا جو راز کرے فاش       |                               |

### مختصر و مگر

|                               |                              |
|-------------------------------|------------------------------|
| بید ماغی ہی میں تو وی تھی ڈال | و سخطی فرد کا سنو احوال      |
| مہربانی سے اُن نے کھوج نکال   | ایک مشفق کو تھا ادھر کا خیال |
| شیخ جی گارٹھے سو عجب مال      |                              |
| تنگ پوشی سے جولی جاوے پس      | شیخ کو اس بھی سن میں سگی ہوس |
| دانت ٹوٹے گیا ہے گلہ دھس      | ہو لیکارین شریف سا ٹھہر بس   |
| دیکھ زندگی کو بہ چلے سے رال   |                              |
| خال رخسار پر بناتے ہیں        | جائے کو خوب سا چھاتے ہیں     |
| ناز کرتے قدم اٹھاتے ہیں       | منہ دی بھی پتلی سی لگاتے ہیں |
| دیکھا کرتے ہیں آرسی میں جال   |                              |



|                                |                               |
|--------------------------------|-------------------------------|
| دل میں دھن جو جو عیش و عشرت کی | پوچھتے ہیں دوائی شہوت کی      |
| باتیں ہیں زندگیوں کی صحبت کی   | دیکھتے ہے کوئی کتاب حکمت کی   |
| مخو رعنالی کتنے ہیں اللہ       | کرتے ہیں بہنیں استقبال        |
| رکھتے ہیں سر پہ اب ہمیشہ کلاہ  | مسی سے کرتے ہیں مسوڑے سیاہ    |
| کپڑے نارنجی سر پہ اودی شال     | شانہ سے کام لے گہ وہ گاہ      |
| قیر و چرکین لباس تنگ مٹاش      | ساتھ رکھتے ہیں ایک موئے تراش  |
| یقینی لیتے ہیں گاہ و گہ منقاش  | ہر سر مو یہ اس سے ہے پر خاش   |
| لوگ کہتے ہیں شیخ ہیں چند ال    | میں دے اک عمر اک ٹھکانے تھے   |
| آشنا میر سے بھی پرانے تھے      | صحبتیں تھیں بہم زمانے تھے     |
| یار تھے دوست تھے یگانے تھے     | روز و شب ہمدگر تھی قال و مقال |
| اب دے مختار کے ہوئے مختار      | ان پہ ٹھہرا ہے سلطنت کا مدار  |
| وہی اس عہد میں ہیں کار برآر    | اس طرف سے مرا ہوا جو گزار     |
| انکے سن نام بہر استقبال        | دستخطی فردیں نے دکھلائی       |
| جب ملاقات درمیاں آئی           | پھر نفر پاس اپنے رکھوائی      |
| لے کے میری تسلی فرمائی         | اور لگے کہنے رکھیے استقلال    |
| فسر و نواب کو دکھاؤں گا        | حال صاحب کا سب بتاؤں گا       |
| ہے مقتدر تو کر ہی لاؤں گا      | لے کے دفتر میں آپ جاؤں گا     |
| آگے میرے کسے سخن کی مجال       | خلق خادم ہے اور تو مخدوم      |
| قدر والا ہمارے ہے معلوم        | ہے یقینی کہ وہ اللغ ہے شوم    |
| اس سعادت سے جو ہے محروم        | حشر کو ہو گا مرکب و حبال      |
| تم بنی فاطمہ ہو ہم ہیں غلام    | ہے غلامی تمھاری اپنا کام      |

|                                    |                                |
|------------------------------------|--------------------------------|
| تم کو مسجود جانتے ہیں انا م        | تم سمجھوں کے ہو پیشواؤ ا مام   |
| تم سے سب کو نجات کا ہی سوال        |                                |
| بارے رخصت کیا بعد اعزاز            | اور کہا تم ہو خلق میں ممتاز    |
| ہے تمنا کہ تم سے ہوں و مساز        | دل بہارا کہو کاش محو نیاز      |
| کر لیے تم پر تار حبان و مال        |                                |
| شیخ نے کر سلوک حد سے زیاد          | قید اندوہ سے کیا آزاد          |
| دہی بھلا روزگار کی بیداد           | جان غمکش ہوئی نہایت شاد        |
| کم ہوا کوئی روز میر سے وہاں        |                                |
| پھر جو دونوں میں گیا اُن پاس       | شیخ جی نکلے ایک اشارت اس       |
| نے وہ تعظیم و تعلق نے وہ پاس       | پوئے کچھ زیر لب اُداس اُداس    |
| رہ گیا چپ میں دیکھ کر یہ حال       |                                |
| میرے تنیں بیدار غ جو پایا          | سر کیا پیچھے یعنی شہر پایا     |
| جب خجالت سے کچھ نہ بن آیا          | تب بہانا صدراع کا لایا         |
| پھر یہ بولا کہ کیوں ہے چہرہ لال    |                                |
| میں کہا وجہ ہے کہ اسکیئے           | میں کہا جو رکب تلک سکیئے       |
| چند پال چہر رخ گج رسیئے            | جی میں ہے اب لگائیے پھیئے      |
| تا کہ مگر دلوں کی کچھ ہو سیدھی چال |                                |
| تھی جو تم سے توقع یاری             | سو تو آئی ظہور میں ساری        |
| ہوتی جو فرد و دستخطی جاری          | تو بھی یہ دن جو ایسے ہیں بھاری |
| کانت ایک طرف فقیر مثال             |                                |
| دستخطی فسر و کا سنا جب نام         | کہنے لگا کہ اب قریب ہی شام     |
| بیٹھنے کا ہوا ہے وقت تمام          | پھر گسی روز کیجئے گا کلام      |
| اب تو میرے نہیں حواس بجال          |                                |
| تھا جو سختی سے فسر کی ناچار        | گھر گیا شیخ جی کے سو سو بار    |
| نہ رہا کوئی فوج شہر میں یار        | نہ کہا جن نے میرا حال زار      |

|                                  |                               |
|----------------------------------|-------------------------------|
| تنگ آیا میں فلسفی سے کہاں        |                               |
| کچھ طرح اور جب نہ بن آئی         | میں ہوا شیخ جی سے مجھ راوی    |
| کھینچی کیا کیا انھوں کی مرزائی   | پر تسلی مری نہ فرمائی         |
| مفت عزت گئی ہوا یا مال           |                               |
| ایک مدت تھی آج کل پر بات         | اب تو ہے صبح اب ہوئی ہرات     |
| ہے بہت شیخ کی غنیمت ذات          | جمع آدم میں اتنے کب ہیں صفات  |
| مقتری دور و غی و محنت ال         |                               |
| ایک دن میں کہا جو مضطر           | کہئے اس در سے جاؤں بکیر       |
| ہنس کے بولے بہت نلطف کر          | سر منڈائے ہو تم بھی اس گھر پر |
| آگے آویں گے جتنے ہو گئے بال      |                               |
| راتوں کے تئیں مصیبتیں گزریں      | اور دنوں کو قیامتیں گزریں     |
| کچھ نہ پوچھو جو حالتیں گزریں     | باتوں باتوں میں بدیں گزریں    |
| وعدہ دو چار دن نہ ماہ و سال      |                               |
| پھر جو اس فرد کا ہوا مذکور       | کہنے لائے کہ نائب دستور       |
| جانتا ہے تمھیں کہ پوشہ شور       | پر کہے ہے رکھو مجھے معذور     |
| جاری مگر نا ہے اس کا امر محال    |                               |
| آٹھ آنے ہیں شاہ پر بھاری         | اس کی لوگوں نے کی سیاب خوری   |
| آپ ہے تو یہ ہے فقر فتاری         | فوج ہے گی تو قحط کی ماری      |
| کیوں نہ جس جا رہے ہیں ان تھا کال |                               |
| عمدے جو ہیں دنوں کو بھرتے ہیں    | سو بھی اسباب گروہی دھرتے ہیں  |
| ہیں سپاہی سو بھوکے مرتے ہیں      | لو ہو پی پی کے زسیت کرتے ہیں  |
| ایک تلوار نیچے ہے اک ڈھال        |                               |
| رگیا میں سوچی چلاتا ہوں          | کچھ کہے کوئی سر ہلاتا ہوں     |
| یعنی ہر اک سے تئیں بلاتا ہوں     | کام سرکار کا چلاتا ہوں        |
| کار پیدا ز ہیں سفیہ و ضلال       |                               |

|                                 |                                    |
|---------------------------------|------------------------------------|
| بادشہ بھیک مانگتا آیا           | روزِ ریفینہ بند فرمایا             |
| مستد اپنا مجھ کو ٹھہرایا        | سو پڑا بیچ میں میں گسلا یا         |
| جس کو دیکھو رکھے ہے مجھ سے ملال |                                    |
| ملکی اور سارے صاحبانِ قبول      | پھرتے ہیں مجھ سے خوار و زار و قبول |
| کئیے حضرت سے کچھ بھی ہو چھوڑا   | کوڑی دینا انھیں نہیں ہی قبول       |
| آپ ہی مرتے ہیں اُنکے اہل و عیال |                                    |
| یاں مرے در پہ یاروں کا ہے ہجوم  | صبح سے شام تک رہے ہے ہجوم          |
| جو یہی ڈول ہے تو ہے معلوم       | ایک دن با قدمِ فرحِ لزوم           |
| بچلے گایاں سے شہِ بجاہ و جلال   |                                    |
| حاجت اک عالم اپنی لاتا ہے       | جو ہے سو جان کھائے جاتا ہے         |
| کون یاں راہِ حرف پاتا ہے        | اور جسے کوئی مُنہ لگاتا ہے         |
| کاٹتا ہے وہ پہلے جو مے گال      |                                    |
| اُنکے اوپر ہے شہِ تماشا ئی      | اور چاہے ہے خرچِ بالائی            |
| ہر طرف پھیلی ہے یہ رسوائی       | کل چن بچہ ہمیں نظر آئی             |
| لال خیمے کے گرد دوسرے پال       |                                    |
| دینے کا ہو کہیں ٹھکانا بھی      | جو د کو چاہیے زانا بھی             |
| یاں نہیں شہ کے گھر میں دانا بھی | کبھو ہوتا ہے پینا کھانا بھی        |
| ورنہ بھوکے رہے ہیں بیٹھے بڑھال  |                                    |
| حال یہ ہے جو اسپہ ہو منظور      | پھر بھی نواب سے کردں مذکور         |
| گاہ باشد کہ ہو انھیں مقدور      | میرے سماجت ہے اب خرد سے دور        |
| لطف کیا میں کہوں مے دیویں ٹال   |                                    |
| میں کہا بس بہت خراب ہوا         | پردے میں وال سے بھی جواب ہوا       |
| دل ہوا داغ جی کباب ہوا          | بارے ہونا جو تھا شتاب ہوا          |
| کٹ رہے گا مرا بھی یہ جنجال      |                                    |
| دل سے اپنے بھی اب بھلا دیجے     | فرد میری مجھے منگا دیجے            |

ان خیالات کو اڑا دے بکے بند چڑیا کی سی چھڑا دے بکے

بس بچھایا بہت فریب کا جال

ہنس کے بولے کہ فرد ہے حاضر جان کا ہوں تھاری میں ناظر  
اور سمجھے نہ مجھ کو بھی قاصر جمع فرماؤ خاطر عاطر

اب نہیں پھر یہ کام تو گنا سنھال

تب سے اب تک وہ فرد لا تا ہوں دقت پاتا ہوں تو جہتا ہوں  
نگاہ بنگاہ ان کے جاتا ہوں پیر جواب ان سے صاف پاتا ہوں

ابکی باری کا ہے یہ قیل و مقال

## نشومی سنگ نامہ

یہ بھی اک سانحہ ہے میر سنو  
جبکہ برسات سرسری پر آیا  
پانی رستوں میں کیچ ساری راہ  
ٹنٹھ اٹھانے کی جی میں ہوتی تاب  
سایہ گستر نہ ابر بن کوئی  
ابر ہی سر کا سایہ ہوتا تھا  
وہ ہیں گاڑی میں جاسوار ہوئے  
بھینس چلے کر تھے مہل کے مہل  
خاک ہے ایسی زندگی کے بیچ  
پانی کے سطح پر بنگاہ پڑی  
باتیں کرتی ہے آسمان سے موج  
دے گرہ تو کہے کہ باندھا تھا  
گوش کرتا تھا کر خمدوش آب  
لہر اٹھتی جو تھی سو خیر بہت  
دیکھ دریا کو سو کھتی تھی جان

پاؤ تو فیتھک تو سر کو دھنو  
ہم کو درپیش تب سفر آیا  
ابر ہونے لگے سپید و سیاہ  
بیچ میں ہوتے کچھ اگر اسباب  
سو تو مکمل نہ پتھر نہ لوئی  
ابر ہی بیکسی پہ روتا تھا  
کیچ پانی میں کپڑے خوار ہوئے  
رہرومی کا کیا جو ہم نے میل  
آسمان آب سب زمیں سب کیچ  
شب کہ دریا یہ ہو سکے راہ پڑی  
لجے لطمے کا کیا نکھوں میں اوج  
واسن ابر پاٹ دریا کا  
مہوش جاتا تھا دیکھ جوش آب  
آب تہ دار اور تیرہ بہت  
پانی پانی تھا شور سے طوفان

سہرہ موج سیکڑوں گرواب  
ناؤں میں پاؤں ہم نے بارے رکھا  
جزر و مدب حواس کھوتا تھا  
جبکہ کشتی رواں ہوئی رواں سے  
موجہ اٹھنے لگا جو طوفاں زرا  
کیا کہیں ڈوب ہی چلے تھے ہم  
بلی گنتی نہ تھی نہ کچھ تھی تھاہ  
ریلا پانی کا جبکہ آتا تھا  
خطر غرق سے تھی طاقت طاق  
بہتا پھرتا تھا خضر کشتی پاس  
بر بلا سے تھے بہکتا رہوئے  
کسو درویش کا تھا یمن قدم  
ورنہ اعمال نے ڈبویا تھا  
اس کنارے کا جو اثر پایا  
اس طرف اترے آب کے جاگر  
شکر لب پر دلوں سے محو گلا  
پار کا گنج تھا جو شاہ درا  
فاصلہ ایک کوس کا تھا بیچ  
تھے بہت بیچ میں نشیب و فراز  
سو نہ جاگہ تھی نہ مکان مہیت  
جا کے حیراں ہوئے کہ صحرایں  
تک دو دہر طرف لگے کرنے  
کوئی میدان میں کوئی چھپر میں  
گھر ملا صاحبوں کو ایسا تنگ  
بیٹھتے دیں نہ جب کہ صاحب کو

ساتھ تھی حد تری کے چشمہ جاب  
خوف کو جان کے کنارے رکھا  
خضر کا رنگ سبز ہوتا تھا  
جسم گو یا کہ تھا نہ تھی جاں سے  
لجہ آ یا نظر سو عیاں زرا  
تا خدائی خدا نے کی اس دم  
عقل گم کردہ لوگ تھے سہراہ  
خوف سے جی بھی ڈوبا جاتا تھا  
بیخودی سے ہوا تھا استغراق  
غوطے کھاتے تھے حضرت الیاس  
تھا خدا ہی تو پلی پار ہوئے  
جا کے پہونچے جو اس کنارے ہم  
گو ہر جاں سے ہاتھ دھویا تھا  
ہم تلاطم کشوں میں جی آیا  
میر اور پیر صاحب و صاحب کر  
کس و ناکس سمجھوں سے خضر ملا  
سب رہنا وہیں کا جی میں دھرا  
راہ یاں سے تھی واں ملک سب کیج  
پہونچے واں شام بھینچ رنج دراز  
چار وکانیں ایک پھولی سہیت  
سرگلہ سیریں جو تک جگہ پاویں  
تسپہ پرستے تھے پینہ کے بھرنے  
کوئی دریں کوئی کسو گھر میں  
جس سے بیت الخلا کو آئے تنگ  
کون پوچھے نفر مصاحب کو

۱۷  
 ڈھونڈ ڈھونڈتے ڈھونڈتے سرابائی  
 رہنا بھٹیاری کے غنیمت جان  
 کچھ پکانے کا جب سوال کیا  
 یاں جو لائے ہیں بھگوانے ساتھ  
 پہونچے ہے انکے روہر سے طعام  
 اور پکوانیے تو زاید ہو  
 جو کچھ آیا سو کھا لیا میں نے  
 سن کے اک دل سے کھینچی اُن تے آہ  
 ہم تو صانا کھا آدمی ہو بڑے  
 کچھ یہ کھا دیں گے کچھ کھلا دینگے  
 سو تو نکلے ہو کورے بالم تم  
 کھانے پینے کی کچھ نہیں ہی بات  
 صدقے ہیں ایسے بھی اُن تے کے  
 میں کہا مسترانی جی کچھ لو  
 بعضے کھاتے ہیں کچھ کھلاتے ہیں  
 بارے جوں توں ہوئی وہ رات تمام  
 یہ بھی دن شب ہو اسحر تھا کوچ  
 راہ طے کر سرائیں جا اُترے  
 صاحب اُترے حویلی میں آ کر  
 بارور تھے درخت سب یہ بھی  
 اس بھی منزل میں ایک روز ہے  
 لوگ جدم سوار ہونے لگے  
 سوہنی اس ردا روی میں گئی  
 وحشت اسکو زبس کہ طاری ہوئی  
 لایہ صراود صر تالاش کر دکھیا

۱۸  
 ویسے گھر چھوٹے ویسی جاپائی  
 جو کہا اُن نے ہم گئے سب مان  
 میں نے اظہار اپنا حال کیا  
 زندگانی مری ہے ان کے ہاتھ  
 صبح کا صبح مجھ کو شام کا شام  
 خاے سے اپنے اور عاید ہو  
 کچھ رہا سو اُٹھا دیا میں نے  
 اور بولی کہ واہ صاحب واہ  
 چارپانچ آدمی ہیں پاس کھڑے  
 ہم کچھ اُن کے سبب سے پاوینگے  
 ہو گدا جیسے شاہ عالم تم  
 دیکھئے کس طرح سے گزرے رات  
 سو گئے بخت گھر ہمارے کے  
 مجھ سے آزرہ دل نہ اتنی ہو  
 بعضے مجھ سے بھی آتے جاتے ہیں  
 صبح کو صاحبوں کا کھٹنہ مقام  
 غازی آباد کو گئے سب کوچ  
 کچھ ستم دیدہ پاس اُترے  
 باغ میں اُسکے سب نفر چا کر  
 پھل و لیکن کنھوں نے پایا بھی  
 گزرے جس طہر کوئی کس سے گئے  
 اور اسباب بار ہونے لگے  
 لوگ تھے مضطرب جگہ تھی نہی  
 سرٹیک کر کسی طرف کو موئی  
 گرم شدہ کو نہ بھر نظر دیکھا

ساری بستی میں جست و جو کو گیب  
جن کی آتی ہے ایسے جاتے ہیں  
مرگ تھی اس کی اس جگہ تقدیر  
رنگ جیسے کہ وقت گرگ و میش  
جن سے الموت تھی وہیں رہتی  
کیا نفاست مزاج کی کہیے  
خال جوں پھول گل کترتے ہیں  
جو ہے چڑیا یہ اُن نے کب کی نظر  
موسنی بھی تو تھی مہن اُس کی  
پاوے جو کچھ سوار کھاوے یہ  
جانور مارنا تو ہے یک سو  
یہ نزاکت اسی کو بن آوے  
ان نے مارے ہیں ایسے کتے ڈھونس  
یہ چھو ندر کے بولتے بھاگے  
چھپکلی سے یہ پھیر مُنڈھ کو لے  
یہ پری سی تھی جو خرام کرے  
کبک اس کی خرام کے عاشق  
غرض افسوس کی صگہ بلی  
ایسی بیگم مزاج بلی کھو  
واں سے میرٹھ سمھوں نے کی منزل  
گرتے پڑتے پورچ گئے سارے  
واں سے لاوڑ تشنگ پھرواں سے  
اک گرٹھی بود و باش کو پائی  
پھوٹی پھاٹی سی چار دیواری  
پھر نہ میدان بھی برابر تھا

دیر تک یہ خیال سب کو رہا  
کہ نہ پھر کھوج ان کا پاتے ہیں  
بلی تھی یا کہ گر بہ تصویر  
یعنی سُرخ تھی کم سیاہی بیش  
ان سے کچھ کچھ نگاہوں میں کہتی  
ستھری اتھی کہ دیکھ ہی رہیے  
یا کہ نقشوں میں رنگ بھرتے ہیں  
ج کا کہنا نہ فرض تھا اُس پر  
نسبت اس کی بھی وہ بہت ٹھسکی  
ایک کیا چار چار کھاوے یہ  
تیر پنجہ کیا نہ اُن نے سمھو  
موش دشتی کو دیکھ ڈر جاوے  
گھونس دیکھی تو ہروے کوئی گھونس  
وہ پڑی سوتی بھی ہو تو جاگے  
وہ جفا کار جیفہ پر جی دے  
وہ جو اُچھلے تو دھوم دھام کرے  
جانور اس کے نام کے عاشق  
اب کہاں گو کہ چھانپے دلی  
بیگم آباد ہم گئے یارو  
کیچ پانی اگر چہ تھا حائل  
ہم جھائے سپہر کے مارے  
جائے واں تنگ آگئے جاں سے  
کچھ نہ کھانے کو جس میں نے کھائی  
اور میدان تھی گرٹھی ساری  
ہر قدم ایک غار و چقتر تھا



کھنڈر سے اس میں تین چار مکان  
وہ گڑھی ساری کھتے ناچ کے تھے  
خاک مٹی سے ان گڑھوں کو بھرا  
خشتی پائے اگر نہ بنو اتنے  
باؤ جنگل کی تنہا کچھ نہ رکاو  
اک گڑھی جس کی سیکڑوں لہریں  
وہ رہے جو رکھے بہت سے لوگ  
ورنہ شکل بہت ثبات قدم  
باؤسی دن کو سائیں سائیں کرے  
مگر شکستہ ہوئی کہیں دیوار  
ہفتہ ہفتہ تک پڑی ہے خراب  
کار پردازوں کو تفتید ہے  
وے بچارے بہانے کرتے ہیں  
کہتے اُن سے تو یہ بے ہے جواب  
ہم کو کھانے ہی کا ترود ہے  
بنیا منہ کو چھپائے جاتا ہے  
حال کب پوچھنے کے ہے قابل  
سوچیں ہیں جب تو جھول جاتے ہیں  
تم کو دیوار پا کھے ہیں گے یاد  
کس کو موسیں کہاں سے کچھ لاویں  
تم کو دال ہش کی ہے زبوں  
تم کو آٹا کر کر ا کھایا  
اور دو چار روز یہ بھی ہے  
فصل ہونے ابھی نہیں پائی  
جس سے جھوٹے ہوئے ہیں ہم دیار

جنگا گرنے پہ سخت ہے میدان  
برسوں سے تھے پڑے ناک کے تھے  
بنگلا اک لاکے اسکے بیچ دھرا  
باؤ میں اس سمیت اُڑ جاتے  
منہ میں چل پڑے تو کانپے جاؤ  
واں ٹھہرنے کو چاہیے باہیں  
یا کوئی جوگی جو کرے واں جوگ  
دل میں اک ہول ہی رہے ہر دم  
رات ہووے تو بھائیں بھائیں گے  
بے زری سے بنانا ہے دشوار  
پر وہ کا ہے کا پھر ہے رفع حجاب  
شور ہے گالی ہے تشدد ہے  
رات دن لوگ چوکی بھرتے ہیں  
کس کے گھر سے بنا دیں کے شباب  
صبح بقیال کا تشدد ہے  
روٹی کا فکڑ کھائے جاتا ہے  
ہم فقروں کے رنگ ہیں سائل  
بات کہتے ہیں بھول جاتے ہیں  
ہم کو کرتا نہیں خدا آزاد  
واں آٹا جو تم کو پہونچا دیں  
یاں ہم پہونچے ہے جگر ہونوں  
یاں کیجھ چھٹا تو ہاتھ آیا  
ایک غم سینہ سوز یہ بھی ہے  
پیشگی سب سے قرض لے کھائی  
چوٹا وہ کہے ہے سا ہو کار

ماش کی دال کا نہ کرے گلا  
 چاہتے ہو تو مول لوراک ہنر  
 بکری لینے کو پیسے ہیں کس پاس  
 ۷۱ جی اگر چاہے کوئی ترکاری  
 بھنڈی بیگن کے نانوں ٹھینڈس تھ  
 جز کدو پائے کلو ٹھوکا  
 دارو گولی کے کچھ نہ تھے اسباب  
 جو گرہ صی میں نہ پھوٹتے یوں گوز  
 گھاس ہی گھاس اس کال میں تمام  
 جیسے زنبور زر و ایسے ڈانس  
 پشہ و کیک اور کتئی تھی  
 ہاتھ بندوں پہ سب چلے جاتے  
 ان کے کانٹے بدن پہ دانا ہے  
 ایک دو دن جلا فساغ ہوا  
 نہ کھجائے کھجائے سارے گھسے  
 دن کو وہ صورت طعام ہوئی  
 ۷۲ کتوں کے چاروں اور رستے تھے  
 دو کہیں تھے کھڑے کہیں بیٹھے  
 ایک نے پھوڑے باسن ایک نے  
 کوئی گھورا گھرے کوئی بھونکے  
 سانچہ ہوتے قیامت آئی ایک  
 گلہ گلہ گھروں میں پھرنے لگے  
 ایک نے آکے دیگچا چاٹا  
 ایک نے دوڑ کر دیا بھوڑا  
 گھورنے اک لگا اندھیرا کر

گوشت پاں ہے کبھو کسو کو ملا  
 ورنہ بیٹھے رہو بنے جز ہز  
 کھاؤ دال اور پادوبے و سوس  
 گول کدو سے بصد خوار سی  
 ابو سی تو رہی بغیر جی بس تھسا  
 یعنی کچھ اوروں تھاکہ رکیا  
 ماش کی دال کھاتے تھے اسباب  
 بھتی رہتی تپک کہاں سے روز  
 تس میں ساع حبانور اقسام  
 کاٹ کھاویں تو اچھلو دو دو پاس  
 جن کے کانٹے اچھلتی پتی تھی  
 شبگروں سے بدن چلے جاتے  
 مریح جدوار پھر لگانا ہے  
 اس کی جاگہ سیاہ داغ ہوا  
 چھٹے چھٹے ہوئے جو دانے پسے  
 رات کو نیند یوں حرام ہوئی  
 کتے ہی داں کھتے تو بستے تھے  
 چار لوگوں کے گھر ہیں بیٹھے  
 کھو دمارے گھروں کے سب کو نے  
 خفتہ خفتہ بھی شور سے چونکے  
 شور عفت عفت سے آفت آئی ایک  
 روٹی ٹکڑے کی بوپ گرنے لگے  
 ایک آیا سوکھا گیا آٹا  
 پھر بیا آکے تیل اگر چھوڑا  
 ایک نے اور ایک پھیرا کر

گھر میں چھینکے اگر تھے توڑ دیے  
 لوگ سوتے ہیں کتے پھرتے ہیں  
 جبکہ تھری پہ چار حصار لڑیں  
 ایک کے پیچھے ایک روز و شب  
 کتے ہی وال دو چار رہتے ہیں  
 جاگتے ہو تو دو بدو کتے  
 سر پہ دربان کے بلا ہی رہے  
 منہ میں کتے دور دور کرنے سے  
 تو کتے کے وہ گلا پھٹا  
 کتوں کی کیا ساجتوں کو کہیں  
 باہر اندر کسان کسان کتے  
 جھڑ جھڑا دے ہے کان کو کوئی  
 ایک طرف ہے چپڑ چپڑ کی صدا  
 ایک چھنے کو منہ میں لے آیا  
 ایک کے منہ میں ہانڈی ہو کالی  
 تیل کی کپڑی ایک لے بھاگا  
 کتے یارو کہ جان کا تھاروگ  
 آدمی کی معاش ہو کیونکر  
 بستی دیکھی سو ایسی تھی آباد  
 چار چھپے کہیں چاروں کے  
 پھر جلو آگے تو نہیں ہے کچھ  
 پھوٹی ٹوٹی کوئی جو ملی ہے  
 ایک دو مردے سے پرے ہیں  
 لوگ ایسے مکان سب ایسے  
 اور جو چار گھر نظر آئے

ہانڈی باسن گرا کے بھوڑ دیے  
 لڑتے ہیں دوڑتے ہیں گرتے ہیں  
 گوشت پر بھیڑیے سے دوڑیں  
 لینڈی سی وال نہ بندھ رہی تھی  
 دو گئے بھی تو چار رہتے ہیں  
 سو کر اٹھو تو رو برو کتے  
 کتا ایک آدھ گھر میں جا ہی رہے  
 حال بیجاں شور کرنے سے  
 باؤ لے کتے نے اُسے کاٹا  
 چپڑی سے رات دن لگے ہی ہیں  
 بام و در چھت جہاں تہاں کتے  
 رووے ہے اپنی جان کو کوئی  
 لینے کتا ہے چپکی چاٹ رہا  
 ایک چوٹھے کو کھو دتا پایا  
 ایک نے چلنی چاٹ ہی ڈالی  
 ایک چکنے گھڑے سے جالاگا  
 جاں بلب ہوں نہ کس طرح سے لوگ  
 کتوں میں بودو بکش ہو کیونکر  
 کہ بیا بان سخت سے دے یاد  
 سو بھی ٹوٹے گرے بچاروں کے  
 دھنڈھ سا اور جو کہیں ہے کچھ  
 سو بھی میدان میں اکیلے ہے  
 زرد ہو ہو گئے ہیں بے لب ناں  
 ایسی جاگہ سے اچٹیں مل کیسے  
 ان کی خوبی کھلے وہیں جائے

وہ بھی کوئی چار سٹھ کوئی  
 صورتیں کالی سوکھے سوکھے سے  
 چار دانوں کے واسطے جی دیں  
 اس سے آگے بڑھے تو دھینور تھے  
 اور آگے گئے تو تھا بازار  
 ایک کے پاس دال کچھ آٹا  
 ایک کے سافواں اور تھوڑے چنے  
 جو تھا باقی رہا سو تھا کنکال  
 اس کا عامل کے یاں اُٹھیا مایا  
 ایک کنجڑے کے چار گھٹی پیاز  
 کیا کہوں مریج تھی نہ ادک تھی  
 ایک دوکان تھی پساری کی  
 اس سے جا کر جو مانگئے ہلدی  
 دیکھ کر کچھ کہو تو وہ یہ کہے  
 یاں جو کچھ ہے چلن سودیتا ہوں  
 مانگو اس سے جو مریج یا دھنیا  
 اُن میں دو دانے اور سب کچھ  
 لونگ چورا نفر سے منگوا یا  
 اور اشیاء ہیں سے کر یہ قیاس  
 اور دس بیس تھم گنداروں کے  
 چھوٹی مسجد خطیب تھا نہ ازاں  
 نہ تھی قید صلوٰۃ و رسم صوم  
 بندے سب جن کا تھا خدا نہ کوئی  
 راہ و رسم و طریق سب بیڈھب  
 کوسوں بھاگا اگر ملا کوئی

فانوں کے زیر بار تھے کوئی  
 سارے کنکال اور بھوکھے سے  
 جان کھا جائیں کچھ نہ جنگ لیں  
 اُجڑے پجڑے اُنھوں کے کچھ گھر تھے  
 اس میں بیویں کی تھیں دوکانیں چار  
 تس کو بھی لکھیوں نے تھا چائنا  
 چھبڑوں میں خاک دھول ایک کئے  
 نانوں کو کہتے تھے اُسے بقال  
 اُن لے جیسا کیا بٹھا سو پایا  
 تس پر اُس کو ہزار غصہ و ناتو  
 اُس پھندہ میں کچھ بھی بھیدرگ تھی  
 اُن نے ہم لوگوں سے بھی یاری کی  
 زرد مٹی کو باندھ دے جلدی  
 بس تم اس بستی میں سیاں جی رہے  
 میں بھی پیسے لگا کے لیتا ہوں  
 دیو سے لجا وہی ستادھنیا  
 دیے کا قد میں ہاتھ لنب کر  
 لال مرچیں گھٹی ہوئی لایا  
 آگے جاتا نہیں کہا مجھ پاس  
 اور دو چار فاقہ ماروں کے  
 یہی خانہ خطیب کا تھا واں  
 اس پہ سید امام واں کی قوم  
 اس طریقے سے آشنا نہ کوئی  
 پہلے گالی تھی نیچے حرف بہ لب  
 صحبت ایسوں سے رکھے کیا کوئی

ایک مکینہ نہ جس میں فرشتہ سواہ  
 ٹکڑے ٹکڑے کی احتیاج اُسکو  
 برسوں جیلا کے نا اُمید ہوا  
 آتے جاتے سے اُن نے جو پایا  
 گرد و جو چار خاک کے سے ڈھیر  
 اپنا تو اعتقاد تھا ہی کسم  
 کچھ نہ دیکھا ہم اُن بھی گوروں  
 کی توجہ جو ٹھک دروں کی اور  
 جس سے چھاتی میں درد ہونے لگا  
 پھر زینداروں میں لُٹاق ہوا  
 دونوں کا اک جدا ہی مطلب ہے  
 آس پاس اُس گڑھی کے آئی بھیل  
 ایدھر اودھر اتر کے پانی جباؤ  
 اُس سے دان کی ہوا بہت مرطوب  
 کتنے روزوں میں ہرتی ہے کھانسی  
 پھر وہ درجہ ہے جس میں ہوسے وق  
 پڑی آفت خطر تھا سکھوں کا  
 اس میں آجاتے تو قیامت تھی  
 نہ کوئی دادرس نہ وقت داد  
 کیا کڑھب چرخ کج نے پھینکا تھا  
 جس نے قدرت نمائی کی اپنی  
 بس قلم ہے صریح تیری تند  
 بد زبانی کا مجھ کو کب ہے داغ  
 ہو چکی صا جہوں کی فسادیش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## مثنوی خواب خیال میر

خوشحال اس کا جو معدوم ہے  
رہیں جان غمناک کو کاہشیں  
زبانے نے رکھا مجھے متصل  
گئی کب پریشانی روزگار  
وطن میں نہ اک صبح میں شام کی  
اٹھاتے ہی سر پہ پڑ اتفاق  
جلاتے تھے مجھ پر پھر اپنا داغ  
زبانے نے آوارہ چاہا مجھے  
رفیقوں سے دیکھی بہت کو نہی  
مجھے یہ زمانہ جدھر لے گیا  
بندھا اس طرح آہ بار سفر  
دل اک بار سو بقیہ اربتاں  
گر قرار رخ و مصیبت رہا

کہ احوال اپنا تو معلوم ہے  
گئیں دل سے نوید سو غماہشیں  
پراگندہ روزی پر اگندہ دل  
رہا میں تو ہم طالع زلف یار  
نہ پہونچی خبر مجھ کو آرام کی  
کہ دشمن ہوئے کسائے اہل وفاق  
دکھانے لگے داغ بالائے داغ  
مری بکسی نے نباہا مجھے  
غریبی نے اک عمر کی ہمسری  
فریبانہ چندے بسر لے گیا  
کہ نے زاورہ کچھ نہ بار سفر  
غبار سیرہ گزرا ربتاں  
غریب دیار محبت رہا

چلا اکبر آباد سے میں گھڑی  
 کہ ترک وطن چلے کیونکر کروں  
 دل مضطرب اشک حسرت ہوا  
 کھنچا ساری رہ دامن چاک دل  
 پس از قطع رہ لائے دلی میں نعت  
 جگر جو رگروں سے خوں ہو گیا  
 ہوا خبط سے مجھ کو ربط تمام  
 کبھو کھن بلب مست رہنے لگا  
 کبھو غرق بحیرہ تختیر رہوں  
 یہ وہم غلط کاریاں تک کھنچا  
 نظرات کو حساند پر گر پڑی  
 مہ چارہ کا ز آتش کرے  
 تو ہم نہا بیٹھا جو نقش درست  
 نظر آئی اک شکل مستاب میں  
 اگر چند پر تو سے مہ کے ڈروں  
 ڈروں دیکھ مائل اسے اسطون  
 رہی فکر جاں میرے احباب کو  
 ہوئے پاس کوئی تفاوت سے ہو  
 کوئی قنط اندزہ سے گریہ ناک  
 جو دیکھوں تو آنکھوں کو پہنچے  
 کے چشم بندی کو ہر بار غصہ  
 وہی جلوہ ہر آن کے ساتھ تھا  
 اکسہ ہوش میں ہوں ولے بے خبر  
 اسے دیکھوں جید صبر کروں میں نگہ  
 نگہ گردش چشم سے فتنہ ساز

دو روام پر چشم حسرت پڑی  
 مگر ہر قدم دل کو پتھر کروں  
 جگر رخصتانے میں رخصت ہوا  
 رہا بر قفاروے غمناک دل  
 بہت کھینچے یاں میں نے آزار سخت  
 مجھے رکھتے رکھتے جنوں ہو گیا  
 لگی رہنے وحشت مجھے صبح و شام  
 کبھو سنگ دروشت رہنے لگا  
 کبھو سر بجیب تفکر رہوں  
 کہ کار جنوں آسمان تک کھنچا  
 تو گو یا کہ بجلی سی دل پر پڑی  
 ڈروں یاں تلک میں کہ جی غش کرے  
 لگی ہونے دسواس سے جان بست  
 کئی آئی جس سے خور و خواب میں  
 ولیکن نظر اس طرف ہی کروں  
 بحدے کہ آجائیں ہنڈھوں پہ کھٹ  
 اڑا دیویں سب گھر کے اسباب کو  
 سر اسیمہ کوئی محبت سے ہو  
 گریباں کسو کامرے غم سے چاک  
 نہ دیکھوں تو جی پر قیامت رہے  
 دے منزل دل میں اس مہ کی سیر  
 تصور مری جان کے ساتھ تھا  
 وہ صورت رہے میرے پیش نظر  
 وہی ایک صورت تیرا روں جبکہ  
 مرثہ آفت روزگار دراز

عجب رنگ پر سطح رخسار کا  
 جو آنکھ اُس کی بینی سے جا کر ٹپے  
 مکاں کچ لب خواہش جان کا  
 دہن دیکھ کر کچھ نہ کہیے کہ آہ  
 سنا ہے جگر اُس کسوٹے لیے  
 گل تازہ شرمندہ اس رو سے ہو  
 سراپاں جس جال نظر کیجیے  
 کہیں مہ کا آنکھ نہ در دست ہی  
 کہیں نقش دیوار دیکھا اُسے  
 کہیں دلبری اُس کو درپیش ہے  
 کہیں جملہ تن مہر صرف تیلوک  
 لطافت سے یک جان ہووے تیر  
 کہیں جلوہ پرداز وہ عشوہ ساز  
 ہر اک جائے ناز سے وہ سبق  
 رہے سامنے اک طرح پر کھو  
 بغل میں کبھو آرمیدہ رہے  
 کبھو صورت و کش اپنی دکھائے  
 کبھو گرم کینہ کبھو مہرباں  
 کبھو یک بیک یار ہو جائے وہ  
 گلے میں مرے ہاتھ ڈالے کبھو  
 کبھو چپ بہ ابرو کبھو ہنسکے بات  
 جو میں ہاتھ ڈالوں وہاں کچھ نہیں  
 ہر اک رات چندے یہ صورت رہی  
 دم صبح ہو گرم رہ سوئے ماہ  
 کہ جھو ماکروں بید مجنوں کی طرز

مگر وہ تھا آنکھ نہ گلزار کا  
 دم تیغ پر راہ چلنی پڑے  
 تبسم سبب کا ہیش جان کا  
 سخن کی بگلتی تھی شکل سے راہ  
 جو سیب ذوق اس کا بو کر جیے  
 نجل مشکناں اس کے گیسو سے ہو  
 وہیں عمر اپنی بسر کیجیے  
 کہیں بادۂ طعن سے مست ہے  
 کہیں گرم رفتار دیکھا اُسے  
 کہیں مائل خوبی خویش ہے  
 کہیں مجھ سے سرگرم حرف سلوک  
 سبک سیر مانند عمر عزیز  
 کہیں ایسا وہ بعد رنگ تاز  
 درو باہم تصویر کا سا ورق  
 رکھے وضع سے پانوں باہر کھو  
 کبھو اپنے بر خویش چیدہ رہے  
 کبھو اپنے بالوں میں گنہ کو چھپائے  
 کبھو دوست نکلے کبھو خصم جاں  
 کبھو دست بردار ہو جائے وہ  
 طرح دشمنی کی نکالے کبھو  
 کبھو بے وفائی کبھو التفات  
 بجز شکل و ہی عیاں کچھ نہیں  
 اُسی شکل وہی سے صحبت رہی  
 کہ درپیش آوے یہ روز سیاہ  
 رہے یاد اس سر و موزوں کی طرز



رہوں زرد میں گاہ بیمار سا  
 پری خوان کو لا کوئی افسوں پر  
 جلیبوں کو آخبر دکھایا مجھے  
 دوا جو لکھی سو خلات مزاج  
 کہ سر رشتہ تدبیر کا گم ہوا  
 دروں خود بخود بخود اسی رہی  
 سروں بیکلی جاؤں تا ہر کہیں  
 قیامت جنوں کا رہے سر میں شور  
 رہے شوق سرور گریبان دل  
 سرا شفقہ زلف گمہ گیر کا  
 جنوں آہ درپے ہوا جان کے  
 کیا بند اک کو ٹھہری میں مجھے  
 لب نان اک بار دینے لگے  
 کہاں علم کا کسب فرصت نہ آہ  
 نہ آدمے کوئی ڈر سے میرے کئے  
 وہ آشفہ سر ہوشندی سے دور  
 وہ حجبہ جو تھا گور سے تنگ تر  
 جو اس میں کبھو میں سنبھل بیٹھتا  
 سر شام بیٹھا تھا میں ایک روز  
 کہ یاروں نے ہر جبتہ تدبیر کی  
 اگر چند کہنے کو خوں کم کیا  
 بڑی ویر تک خون جاری رہا  
 چکا یا سحر مجھ کو اک شور سے  
 وہی دست فساد میں نیشتر  
 وہی لو ہو لینے کا ہنگامہ پھر

پریشاں سخن گم پریدار سا  
 کسو سے کوئی جا کے تعویذ لائے  
 نہ پنا جو کچھ تھا پلایا مجھے  
 کھنچا اس خدابی سے کار علاج  
 دل اوپر ہجوم تو ہم ہوا  
 پریشاں دلی اور ادا سی رہی  
 نہ گھر میں گئے جی نہ باہر کہیں  
 کھنچا جائے دل کوہ و صحر کی اور  
 ہوا کھینچے صحر کو دابان دل  
 قدم حلقہ در گوش زنجیر کا  
 مجوز ہوئے یار زندان کے  
 کہ آتش جنوں کی گہر داں مجھے  
 دم آب و شوار دینے لگے  
 ہوا کا بھی واں گشت روزن کی راہ  
 کہ کیا جانے کیسی صحبت بنے  
 نہیں رابطہ مقتضائے شعور  
 در اس کا نہ بھلنا تھا دو دو پہر  
 تو باہر بھی اک دم نکل بیٹھتا  
 افاقہ نہ آئی تھی مجھ کو ہنوز  
 مرے خون میں کچھ نہ تقصیر کی  
 لیا لو ہو اتنا کہ بیدم کیا  
 میں بیہوش وہ رات ساری رہا  
 کھلی آنکھ میری بڑے زور سے  
 وہی رنگ صحبت کا پیش نظر  
 وہی تر لو میں مرا حبابہ پھر

لگے نشتر ایسے کہ لگتے نہیں  
 ہوا خون سے دامن و جیب تر  
 ٹپکتا راہ دیر تک خون ناب  
 سخن ضعف سے سخت دشوار تھا  
 کئی روز بالیں پہ یہ سر رہا  
 کھڑا ہوں اگر پاؤں نواں ہے  
 چلا جائے سر پاؤں تھر تھر کرے  
 جفا ضعف سے مجھ کو کیا کیا نہ تھی  
 پس از چند آنکھیں ٹھہرنے لگیں  
 بندھانا توانی کا رخت سفر  
 کسے تھا مری زندگانی کا دھیان  
 لگی جان سی آنے اعضا کے بیچ  
 پھر انا توں میں بہت دور سے  
 غلط کاری و ہم کچھ کم ہوئی  
 وہ صورت کا وہم اور دیوانگی  
 پس از دیر آنکھوں میں آنے لگی  
 نہ دیکھے مری اور اس پیار سے  
 کہیں تک تسلی کہیں بقید ار  
 کہیں واسطے میرے روتی ہو خون  
 کہیں دل کو اپنے دکھائے مجھے  
 کہیں دست بردل وہ رشک قمر  
 کہیں بیدار خانہ سرد گرم تاز  
 کہیں چشم گریاں سے دامن پاک  
 کہیں کام دل کی شکایت سے ہے  
 کہیں مجھے کہتی ہے رخت مجھے

چھ جیسے مڑکاں کسو کے تکیں  
 رگ جاں تلک زخم پہونچا مگر  
 مجھے لے گئی بخودی کی شراب  
 پلک کا اٹھانا بھی اک بار تھا  
 خار ایک مدت تلک پھر رہا  
 بدن بید کی طرح لرزاں رہے  
 نسیم سحر کار صرصر کرے  
 افقت گئی یوں کہ گویا نہ تھی  
 بنگا ہیں بھی کچھ کام کرنے لگیں  
 کیا طاقت رفتہ نے منہ ادھر  
 ولیکن نہایت تھا میں سخت جاں  
 کوئی روز رہنا تھا دنیا کے بیچ  
 کہ نزدیک تھا عالم گور سے  
 وہ صحبت جو رہتی تھی برہم ہوئی  
 لگی کرنے درپردہ بیگانگی  
 نہ دو دو پہر منہ لگانے لگی  
 غریبانہ سمرارے دیوار سے  
 کہیں شوق سے میرے بے اختیار  
 کہیں دست زیر زنج ہے ستون  
 مری بیوفائی جتاوے مجھے  
 کہیں حسرت آلودہ مجھ پر نظر  
 کہیں آتش شوق سے جا نگداڑ  
 کہیں سو جگہ سے گریبان چاک  
 کہیں نقش دیوار حسرت سے ہے  
 کہ مطلق نہیں ہم کی طاقت مجھے

کہیں لب پہ وہ شکوہ خوں چکاں  
 کہیں وہ نگہ جس سے یہ پائیے  
 کہیں وہ روش جس سے نکلے نقاب  
 کہیں حرف زن اس طرح ناز سے  
 کہیں وہ ادا جس سے معلوم ہو  
 کہیں وہ سخن جو صبرِ نگوں کرے  
 کہیں وضع ایسی کہ بیگانہ ہے  
 کہسو جا ہے بلوے میں اس آن سے  
 کہسو وقت اس کا یہ اسلوب ہے  
 کہبھو بقراری ہے اس رنگ سے  
 کہبھو بے ادائی و دشنام ہے  
 کہ اسے بیوفا آہ دل نرم کر  
 کہبھو وہ بیشتر کہ پروا نہیں  
 کہبھو یہ سخن جس سے سو استفاد  
 کہ نظاں میں میراب تو آنا گیا  
 غرض نا اُمیدانہ کر اک نگاہ  
 نہ آیا کہبھو پھر نظر اس طرح  
 مگر نگاہ سایا سا متاب میں  
 دل خود پذیر وصال و وام  
 اگر وصل خواب فراموش تھا  
 پلک سے پلک آشنا ہے وہی  
 کھڑا ہوں تو سوتا ہوں کتنی ہیں  
 جو بیٹھا ہوں خواب گراں ہو مجھے  
 خیال اس کا آوے کہ سن ہو رہوں  
 مجھے آپ کو نہیں کھوتے گئی

کہ ٹپکا کرے جس سے آزار جان  
 کہ یہ درد دل ہے تو مٹ جائیے  
 کہیں وہ طرح جس سے رہنے خواب  
 کہ دیکھا گیا دل کس انداز سے  
 کہ جیسے وہ عاشق کہ خروم ہو  
 کہیں طرز ایسی کہ مفتوں کرے  
 کہیں آشنا ہے تو دیوانہ ہے  
 کہے تو کہ بزار ہے جان سے  
 کہ شرم محبت سے محبوب ہے  
 کہ پھرتی ہے سر مارتی سنگ سے  
 کہبھو بار کے ہاتھ پیغام ہے  
 محبت کی بھی منہ سے کچھ شرم کر  
 کہبھو کیونکہ کہیے کہ سودا نہیں  
 کہ اسے بیوفا حرف من یا و باد  
 کہ وہ دوستی کا زمانہ گیا  
 وہ نقش تو ہم کیا سوے ماہ  
 نہ دیکھا اسے جلوہ گر اس طرح  
 کہبھو وہم سا عالم خواب میں  
 رہے خواب میں روز و شب و صبح و شام  
 و لیکن وہی خواب کا جوش تھا  
 زخو و رفتگی کی ادا ہے وہی  
 رگ خواب دل ہے کف شوق میں  
 وہ غفلت جہاں در جہاں ہو مجھے  
 تلے سر کے پتھر رکھوں سو رہوں  
 جوانی تمام اپنی سوتے غمی

|                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                             |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                        |
|-----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| <p>دیکھا نہ اُس نے رو خواب میں<br/>بہت بخود و بجنب ہو چکا</p>                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                               | <p>نہ دیکھا پھر اُس کو کبھو خواب میں<br/>ہم آغوش طالع بہت ہو چکا</p>                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                   |
| <p>نہ دیکھا کبھو میر پھر وہ جمال<br/>وہ صحبت تھی گویا کہ خواب و خیال</p>                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                    |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                        |
| <p>— ❖ —</p>                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                        |
| <p>بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ</p>                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                               |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                        |
| <p>شعوی درندست دنیا</p>                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                     |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                        |
| <p>کہ اس کارواں گہ سے کرنا ہے نقل<br/>سبھوں کو یہی راہ درپیش ہے<br/>نہیں اس سراپنج رست کوئی<br/>کنھوں نے نہ بچتا سنایاں مقام<br/>جہاں جملہ ہے ایک نبرم رواں<br/>یہ منزل نہیں جائے بود اور باش<br/>تہ خاک سب کا ہے دارالقرار<br/>وہ رنگینی باغ کب ہو گئی<br/>پریشاں ہوئے مرغ گلشن کے پر<br/>چراغوں نے بھی خانہ روشن کیا<br/>رہا آب سو بھی روانی کے ساتھ<br/>رکن ہے جہاں باد کی لاگ تھی<br/>گلستاں کو پاویں گے ہو کا مکان<br/>لیٹ جائیں گے آسمان جیسے تاؤ<br/>چلے جاتے ہیں کوہ جیسے سحاب<br/>نہیں جائے تابش اور جا ہے عجب</p> | <p>سُنو اے عزیزانِ ذی ہوش و عقل<br/>پیمبر ہے شہ ہے کہ درویش ہے<br/>کہو گے کہ آگے تھا کہت کوئی<br/>بجا ہی کیا کوس رحلت مدام<br/>یہ نیٹھے جو ہیں سامنے ہیں کہاں<br/>جسے دیکھو چلنے کا گرم تلاش<br/>گدا ہو کہ ہو شاہِ عالی تبار<br/>نہ یک بوئے خوش ہی ہوا ہو گئی<br/>لے خاک میں جھڑ کے کھائے تر<br/>تینگوں نے گر خاک مسکن کیا<br/>گئی خاک دامنِ فشانے کے ساتھ<br/>رہی راکھ ہو کر اگر آگ تھی<br/>نہ جدول رہے گی نہ سرد رواں<br/>زمین کا رہے گا یہی کیا سبھاؤ<br/>سکوں یاں کا دیکھا سرشتاب<br/>جہاں ایک ماتم سرا ہے عجب</p> |

بھلا جی کے جانے کا کیا ہے بیاں  
 جوانی گئی موسمِ شیب ہے  
 ہنسوں کیونکہ ہستی میں دنداں نما  
 گیا شور سر سے جھکا ہے بہت  
 نہ وہ ذائقہ ہے نہ وہ ہے شام  
 کہ میں لمس کیا ہر گھڑی ہر صدرع  
 بلا ارتعاش تن زار ہے  
 ہوا حافظہ بسکہ نسیاں کا صرف  
 ہوئے شعر کیا کیا فراموش ہائے  
 نہ پوچھو لب و لہجہ بے طور ہے  
 نہیں گور کے کام سے کچھ فراغ  
 نہ کچھ یو نہیں عینک نظر چڑھ گئی  
 نہ رکھیے جو عینک نہ آوئے نظر  
 رہیں دیکھ بھو حرف زن ہو حریف  
 صدا فوس لطفِ ساعت نہیں  
 شباب آہ داغِ حب گدے گیا  
 نہ کچھ زور بازو بہت کم ہوا  
 جوانی کی شب کیا بسر ہو گئی  
 بدن زار اعضا بھی ریشہ دار  
 جو یہ چال ہی جا رہے ہیں ہم اب  
 کھڑے ہوں تو تھرائے آنِ دراق  
 جویوں پاؤں چلتے بچتے رہے  
 اگر ضعف سے چپ ہی رہتے ہیں ہم  
 کہے میں نہیں اپنے ٹھک پاؤ دست  
 جو بازو ہیں اپنے وہ بازو نہیں

عیاں ہے کہ کتے ہیں جاں کوراں  
 شہود ایک دو روز کو غیب ہے  
 کہ ہے جاے دنداں ہی دنداں نما  
 گئی داسد اب دل رکا ہے بہت  
 مزا کچھ نہیں ہو چکی صبح و شام  
 نہیں لذت اکل و شرب و وقاع  
 ہر اک عضو چلنے کو تیار ہے  
 نہیں یاد آتا ہے دوشینہ حرف  
 کہوں کیا گزرتی ہو خاموش ہائے  
 سخن کرنے کا ڈھنگ ہی اور ہے  
 کسے ذوقِ صحبت کہاں ہے داغ  
 بصارت کی بیطاعتی بڑھ گئی  
 کہے تو کہ اعمیٰ ہیں ہم بے بصر  
 رہا سننے کے گوں نہ سنج شریف  
 صدا دور سے جیسے آوے کہیں  
 قدِ خم زمیں کی طرف لے گیا  
 جھکا سر سوزانہ کا ہمد ہوا  
 سفیدی ہو سے سحر ہو گئی  
 کرے کون خواباں سے بوس کنار  
 دموں پر غرض آ رہے ہیں ہم اب  
 جئیں بیٹھے کیونکر کہ جینا ہو شاق  
 تو دیکھو گے ہم یاں سے چلتے رہے  
 یہ سوچو تو کیا کیا نہ کہتے ہیں ہم  
 کیا خاک میں مجھ کو پیری نے سخت  
 اگر منہ کو دیکھو تو وہ رد نہیں

رے آنکھیں نہیں دے نہ چتون کے طور  
سخن منہ پر آدے وداعی کے رنگ  
درو بام پر حسرتوں سے نگاہ  
غریزی حرارت میں افسردگی  
مزاجی تھی گرمی سو ٹھہرا گئی  
کہ ہوتا رہے روح کا انتعاش  
پھر اٹھ بیٹھوں تو جی چلا جائے جو  
لکھوں کیا کہ میں جیتے جی مر گیا

بدن کی ہوئی میر جھ صورت ہی اور  
جسد ناتواں جائے مہمان سنگ  
لبوں پر نہایت ضعیف ایک آہ  
شکن جلد میں دل کو پتھر مردگی  
برودت بہت جسم میں آگئی  
چھڑکتا رہوں منہ پہ پیاں بکاش  
وگر نہ دیا سا بکھا جائے ہے  
سیر روئے شیب اک ستم کر گیا

فلم رکھ دے کر میر ختم کلام  
تہام اپنی صحبت ہوئی والسلام

## خاتم الطبع

ہزاراں ہزار حمد اس مبدع کائنات کو کہ جس نے ایک لفظ کن سے تمام کائنات کو  
ہویدا کیا اور درود سلام نازل ہو اُس ہادی اُسی لقب پر جس نے فصحاء عرب و عجم کو  
اپنے کلام معجز نظام سے متحیر و مسحور کیا۔ اما بعد کلام سرآمد شاعرِ نامدار  
یعنی کلیات میر تقی میر بطرز جدید و اسلوب مرغوب مطبع منشی نو لکھنؤ  
واقع لکھنؤ میں حسب الارشاد فیض بنیاد آقائے نامدار عالیجناب  
منشی رام کمار و منشی شیخ کمار صاحبان مالکان مطبع۔ باہتمام سکسیریداس  
سیٹھ پرنٹرز ٹا ہماہ دسمبر ۱۹۵۷ء چھپ کر نصارت بخش دیدہ ناظرینِ الاکملین ہوا۔

# فرہنگ کلیات

(از مصور درد مولانا عبد الباقی آسی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مترجم: مولانا عبد الباقی آسی

آفتابہ ایک خاص طرح کا ٹوا  
جس سے ہاتھ منہ وغیرہ  
دھو تے ہیں۔

آفتابی عالی شان مکانوں  
میں ایک جگہ ماہتابی کی طرح  
بناتے ہیں جو دھوپ میں بیٹھنے  
کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔

۲۔ ماہی مراتب میں چاندی سونے  
کا ایک دائرہ ہوتا ہے جس میں  
ایک ڈنڈی لگی ہوتی ہے بادشاہوں  
کے جلوس میں ساتھ ہوتا ہے اور

اسی کا سایہ چتر کی طرح سر پر ہوتا  
ہے۔ (دور اللغات) ایک قسم کی  
آتشبازی۔ ایک قسم کی چھوٹی پنکھیا۔

تھا۔ بعض نے خوارزم کا بادشاہ  
بتایا ہے۔ اس کے بنانے کی  
ترکیب یہ بتائی گئی ہے کہ کاغذی  
سیو کے برابر یا اس سے کچھ چھوٹی

ہین کی گولیاں بناتے ہیں اور  
اس کو شور باد سے کرک پکاتے ہیں  
آئین اکبری میں لکھا ہے کہ ایک  
قسم کا بلاؤ ہے جو گوشت بین  
گھی۔ شکر۔ سرکہ۔ گاجر وغیرہ سے  
تیار کیا جاتا ہے۔

آتشمال خوشامدی۔ آتشمالی وہ  
خوشامد جو اکثر شکم پرست اپنے  
پیٹ بھرنے اور کھانا ملنے  
کے لیے کرتے ہیں۔

آنکشت ترکاری وہ ترکاری  
یا پھل جو اندر سے خواب اور ترش  
ہو گئے ہوں۔ یا پانی کی وجہ سے  
خراب ہوں۔

آجکل بتانا بھوٹے وعدے  
کرنا۔ روز چیلے حوالے کرنا۔

آدمی گری آدمی بنادینا۔ مجازاً  
تمیز سکھانا۔ فارسی لغت میں بمعنی  
ایجاد کردن آدم لکھا ہے۔ یہ لفظ  
اکثر طنزاً مستعمل ہوتا ہے۔

آتش بھرا۔ آتش ہر رقیق غذا  
کو کہا جاتا ہے نیز کہا جاتا ہے کہ  
آتش بھرا بھرا خاں کی ایجاد ہے  
جو ترکستان کے سرداروں میں سے

|                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                        |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                     |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                       |
|--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|---------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| <p>آگے ڈالتے ہیں۔<br/>استحاله۔ ایک حال اور صورت<br/>میں تبدیل ہونا۔<br/>استفراق۔ کسی خیال یا نگاہیں<br/>دوبہ جانا۔ مجربہ۔<br/>استخوان شکنی۔ محنت برداشت کرنا۔<br/>اسکے چائے درخت بھی<br/>نہیں رہے۔ کسی چالاک<br/>شخص کی نسبت کہا جاتا ہے۔<br/>اسلامی۔ مسلم۔ مسلمان۔<br/>استعناک دینا۔ اگسا نا کسی<br/>بابت پر بھڑکانا۔<br/>اشکم۔ تندی۔ غلبہ۔ زور ظلم۔<br/>اشب۔ ایک لالچی آدمی کا نام۔<br/>اصواب قیل۔ ابرہہ بادشاہ<br/>اور اس کے ساتھی جو کعبہ<br/>ٹھانے کے لیے کعبہ پر چڑھے<br/>جن کا قصہ کتب تفاسیر وغیرہ<br/>میں مندرج ہے۔<br/>اخراج۔ لنگڑا۔<br/>اغلی۔ اندھا۔<br/>اغلاں۔ غل کی جمع طوق۔<br/>اغراضی۔ چشم پوشی کرنا۔<br/>اگر۔ اگر۔ نئی انوکھی بات۔</p> | <p>غور کرنا۔<br/>اتارنا۔ وریا سے عبور منسل۔<br/>صدقہ جو چوراہے وغیرہ پر رکھیں<br/>گھاٹ۔<br/>ات گت۔ بچہ۔ بے انتہا۔<br/>بہت زیادہ۔<br/>ایقیت۔ ایک قسم کے ہندو<br/>فقیر گشتائیں۔<br/>اٹنا۔ گرد وغیرہ سے کسی چیز<br/>کا بھرنا۔<br/>اجارا۔ ٹھیکہ۔ کرایہ۔<br/>اجار غارت چوٹھا۔ آتش دان۔<br/>اچیل۔ اُردو میں شوخ کے<br/>معنے میں مستعمل ہے لیکن ہندی<br/>میں الف تھی کی وجہ سے اس کے<br/>معنے یہ ہیں جو شوخ نہ ہو۔<br/>اچیلی۔ شوخی۔<br/>اوتھ۔ سیاہ رنگ کا گھوڑا۔<br/>اڑاٹا۔ بھاڑ جھنکار۔ کوڑا کبار۔<br/>اڑاٹ۔ وہ لکڑی جو پرانی پھٹ<br/>کے تھے رہنے کے لیے اس کے<br/>بچے لگا دیتے ہیں۔ ٹیکن۔<br/>ارنا۔ جنگلی بھینسا۔<br/>ارنپ۔ خرگوش۔<br/>اسارا۔ پھیر جو والاں وغیرہ کے</p> | <p>آلا۔ ہرا۔ تازہ۔ زخم آسے ہیں<br/>یعنی زخم ہرے ہیں۔ اکثر جمع<br/>کے ساتھ مستعمل ہے۔<br/>آنکھ چکنا۔ آنکھ گنا بھلنا<br/>آنکھوں سے کاجل خیرا۔<br/>انتہائی چالاک اور صفائی سے<br/>جو رہی کرنا۔ آنکھوں کے سامنے<br/>کی چیز خیر لینا۔<br/>آنکھوں میں رکھنا۔ جھٹ<br/>میں مبالغہ کرنا۔<br/>آنکھیں موندنا۔ آنکھیں بند کرنا<br/>آواز کی رسن۔ گھبرہٹ سے<br/>آواز کا کرنا۔<br/>آپو گیری۔ عیب جوئی۔<br/>آئی۔ مجاز موت۔<br/>ایستام۔ بستم۔ ہلکی ہنسی۔<br/>ایرام۔ کسی کو عاجز کرنا۔ ضد کرنا<br/>ہٹ کرنا۔ مستحکم کرنا۔<br/>اپنی ٹکی جانا۔ اپنے کام کمانے<br/>کی کوشش کرنا۔ اپنا رنگ جمانا۔<br/>اپنی وادی پر آنا۔ اپنی بات<br/>پر زعم جانا۔ اپنی بات پر اصرار<br/>اب اپنی والی پر نا بھی بولتے ہیں<br/>اچھڑنا۔ ریاح وغیرہ سے پیٹ<br/>پھولنا۔ مجازاً تھوڑی حیثیت پر</p> |
|--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|---------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|



|                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                               |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                |                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                                         |
|-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|
| <p>انگڑا نا۔ انگڑائی لینا۔<br/> انگڑا۔ اُداس۔<br/> اُن نے۔ اُس نے۔<br/> انگڑا۔ انوکھا۔ وہ کھانے<br/> کی چیز جس میں سے کسی نے<br/> کچھ کھایا نہ ہو۔<br/> اور۔ بر وزن مور۔ طرف۔ جانب۔<br/> اوک دینا۔ تے کرنا۔<br/> اجاز۔ اختصار۔<br/> اقتیاس۔ ایک کلمہ جو تحقیق<br/> کے لیے۔ غصہ اور آزر دگی<br/> کی حالت میں کہتے ہیں۔<br/> ایک اور ایک گیارہ۔<br/> چونکہ ایک کے ہند سے پر<br/> ایک اور بڑھانے سے گیارہ<br/> کا ہندسہ بن جاتا ہے۔ اس لیے یہ<br/> نقحرہ اس جگہ بولتے ہیں جہاں<br/> دیکھنا مقصود ہوتا ہے کہ ایک<br/> سے دو کی طاقت زیادہ ہوتی ہے<br/> ایکوں بجائے ایک استعمال<br/> کیا ہے۔<br/> اٹل۔ بڑوہی۔ گوزن۔ بارہینگا۔<br/> اٹینٹ کا گڑھی ہونا کناٹہ<br/> تباہی۔ بربادی۔ کیا کرنا سب<br/> خاک میں لچانا گھر برباد ہونا۔</p> | <p>سبزہ زار کے معنی میں ہے۔<br/> اور یہ یہاں موزوں اور<br/> درست ہے۔ اسی طرح<br/> اور لُج اور رنگ کا بدل ہے۔<br/> نیز انگ اس دیوار کے معنی<br/> میں ہے جو لشکر کی محافظت<br/> کو بناتے ہیں۔<br/> اگڑا۔ بھڑکا۔ بھڑکا۔<br/> اٹینٹ۔ کوئی رقیق شے<br/> یا پانی کسی جگہ سے نکال کر<br/> پھینکنا۔<br/> انابت۔ برے کاموں سے<br/> باز آنا۔ خدا کی طرف متوجہ ہونا<br/> کسی کو نائب بنانا۔<br/> انتعاش۔ بھڑک۔ صحت<br/> اٹھنا لینا۔ تھکا لینا۔<br/> اندرون۔ مجاز آدل۔<br/> اندھیرا یا کھ۔ ہر<br/> قمری مہینے کے دو پاکھ<br/> ہوتے ہیں۔ پہلا اندھیرا<br/> پاکھ اور دوسرا جالا پاکھ<br/> کہلاتا ہے۔<br/> انگ۔ ان حیم کا دان حیم<br/> کی زکوٰۃ اور صدقہ۔</p> | <p>اکراہ۔ زبردستی۔ فارسی ہوالے<br/> کراہت کے معنی میں بھی استعمال<br/> کرتے ہیں۔<br/> اکلائی وہ اوڑھنے کا کپڑا<br/> جو اکرا ہو۔ دولائی۔ روہرا۔<br/> المہ۔ تادر زاد اندھا۔<br/> اگاس۔ اگنا۔ اگنے کی<br/> حالت۔<br/> اٹ پلٹ۔ پتیرہ بازی۔<br/> داؤ پنچ۔<br/> انجھاؤ۔ جھگڑا۔ بکھیرا وقت۔<br/> فشل۔ اُجھنا۔<br/> انجارج۔ رونادھونا۔ عاجزی<br/> کرنا۔ گر کرنا۔<br/> اَقْناسُ لَا حَیْثُ الْقَامَسُ۔<br/> قصہ گو قصہ گو کو دوست نہیں رکھتا<br/> مراد یہ کہ دو ہم پیشہ باہم صاف<br/> نہیں رہتے ہیں۔<br/> النج۔ کلام تیر میں یہ لفظ ایک<br/> سانی نامہ میں آیا ہے<br/> جوش لالہ سے تالنج و سنگ<br/> شفقی ہو گیا ہوا کا رنگ<br/> لیکن اُلنج نعت میں مجھے نہیں<br/> لا۔ غالباً یہ انگ برفرن کلنگ<br/> کا بدل ہے۔ جو مرغزار اور</p> |
|-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------|

## باے موحده

|                                     |                                    |                                  |
|-------------------------------------|------------------------------------|----------------------------------|
| باب - حق - بارہ معاملہ متعلق        | لباس کرنا - سو گھنا۔               | ہوتا ہے۔ بعض کے نزدیک ہلی        |
| لائق - قابل - دروازہ -              | باسن - برتن - ظرف -                | کے برابر کا ایک جانور جس کے      |
| بابت - نسبت - بارہ حق معاملہ        | باش و پود - رہنا - سہنا -          | دم نہیں ہوتی -                   |
| جیسے میری بابت - لائق -             | باشہ - باز سے چھوٹا ایک کاری       | سیری لباس - مراد ببر کی          |
| باب وید - لائق دید -                | پرنہ جس کی آنکھیں زرد              | کھال کا لباس - ایسے لباس         |
| باب ہونا - کسی امر کے               | ہوتی ہیں -                         | اکثر نفرا پہنتے ہیں -            |
| لائق ہونا -                         | بالا - کسن - کم عمر -              | پھینا - جوش میں بھرا غصہ         |
| باٹ کاروڑا - اینٹ وغیرہ             | بان - آلات جنگ میں سے              | ہونا بھلنا -                     |
| کا وہ ٹکڑا جس سے راہ چلنے           | ایک آتشیں ہتھیار جو رائے قدیم      | بچلنا - خراب ہونا - بگڑنا - جیسے |
| میں رکاوٹ پیدا ہو - وہ شخص          | میں مستعمل تھا - اور مولیٰ جو      | کام بچلنا - لغزش ہونا - دکھانا - |
| جس کی وجہ سے کسی کام میں            | ایک آتش بازی ہوتی ہے               | بکیرہ - بھڑکی تصنیف چھوٹا سمندر  |
| رکاوٹ ہو -                          | اس سے مشابہ تھا -                  | جو چاروں طرف خشکی سے مکر ہوتا    |
| باوی چور - زبردست چور -             | باندھن - وہ بند جو گرہ زیر چہرے پر | بدایت - شروع کرنا -              |
| مشاق چور -                          | مختلف رنگ دینے کے لیے              | بدیر - شریر - بد باطن -          |
| بار - دیر -                         | باندھتے ہیں - یہ بندش بعض          | بد شراب - وہ شرابی جو شراب       |
| بار پانا - رسائی ہونا - داخل ہونا   | کپڑوں، صافے یا دوسرے وغیرہ         | پینے کے بعد بدست ہو جائے         |
| بار خیز - گدھے بھر کا بوجھ -        | میں بھی ہوتی ہے -                  | اور اپنے قابو میں نہ رہے -       |
| بازار مند ہونا - بازار میں          | باندھن باندھنا - افسترا -          | بدوی - جنگل کا رہنے والا -       |
| اجناس کا سستا ہونا - مجازاً بیدری - | شمت لگانا - منصوبہ باندھنا -       | بیرات - حصہ - فرمان - حکمانہ     |
| باز خواہ خون - خون کا دعویدار -     | باوہنا - ہوا چلنا -                | وہ حکمانہ جس کے ذریعہ سے         |
| خونہا کا خواستگار -                 | سیر - ایک قسم کا شیر - بعض کے      | تخوہ و ہانید کرائی جائے -        |
| باس - بو - عموماً بدبو کے معنی      | نزدیک ایک اور جانور جو شیر کا      | بیرات ہوا پر لکھی جاتا - کنایت   |
| میں بولا جاتا ہے -                  | دشمن ہوتا ہے اور شیر سے مشابہ      | مردم ہونا - کچھ حاصل نہ ہونا -   |

بھدرک۔ لطف۔ نرو۔ خوبی۔ کت۔  
بھرنے بھرنے۔ منہ کاتیری اور  
بڑی بڑی بوندوں کے ساتھ برنا۔  
اسی کو بھرن کہتے ہیں۔

بھڑ۔ دلدل کی زمین۔  
بھس۔ چلی ہوئی چیز جو خاک ہو جائے  
بھسنت۔ جگہ رکھ ہوئی چیز۔  
بھگت۔ مقدس آدمی امور  
نہی کا پابند۔ ایک فرقہ جو اپنے  
گانے والے کو کو تعلیم دیتا ہے  
بھلاوا۔ دھوکا۔ مغالطہ۔

بھیر۔ نہ۔ لشکر کے ساتھ کے شاگرد  
اور سودا سلفا پیچنے والے لوگ۔  
بھیک۔ حیران۔ بھوچکا۔  
بیہ۔ رچا۔ شادی کی خوشی  
منانا۔ شادی کے سامان ہونا۔  
بیت بختی۔ بچوں کا شر خوانی  
میں باہمی مقابلہ۔

بیل۔ بیل۔ بہت زیادہ کڑھ  
بے۔ بے۔ اصل بے۔ حوصلہ  
ممولی لیاقت والا۔ بات کی  
اصل کو نہ پہنچنے والا۔  
بے۔ بات کی تہ کو نہ پہنچنا  
بہ۔ بچوں۔ ایک قسم میڈی۔  
بے۔ بچ۔ کم مایہ۔ فرومایہ۔ بہت

بغل پروردہ طوفان۔ وہ کہ  
جس نے طوفان میں آنکھ کھولی ہو  
جس نصیب میں پرورش پائی ہو۔  
بکنا۔ بکنا۔

بکرے کی اولاد۔ غیر صحیح نسب  
جو حلالی نہ ہو۔  
بکرے کی جھیل۔ لکھنؤ کے  
کسی محلہ یا مقام کا نام تھا۔  
بکھڑا۔ پرگندہ کرنا۔ پریشان کرنا۔  
بلات۔ بہت زیادہ نکلنے والا۔  
مراد ہے پر غور سے۔

بکونا۔ وہی کو ستھانی یا رہی سے  
متھنا۔ مجازاً گھنگھولنا۔  
بلی۔ طاقتور۔ زوردار۔  
بٹنا گوش۔ کان کی کو۔  
بند راسن۔ ایک مقام کا نام  
جو متھرا کے قریب ہے۔  
بٹنا۔ جھکی سور۔

بٹکا۔ منزل مکان۔ نقد جنس  
و اسباب رکھنے کی جگہ۔  
بٹکار۔ بٹکار۔  
بٹکار۔ بٹکار۔  
بٹکار۔ بٹکار۔  
بٹکار۔ بٹکار۔  
بٹکار۔ بٹکار۔

براقا دھوتا۔ دور ہونا۔ محو ہونا  
ناپید ہونا۔

برخورو۔ ملاقات۔

براق۔ نہایت چمکدار۔

برخویش حیدہ۔ وہ شخص  
جسکی وضع اپنی حیثیت و مقدر  
سے زیادہ ہو۔ مغرور و متکبر۔

برخویش۔ مراد ادبی نجد سے۔

برخویش۔ اٹا لٹکانا۔ مراد  
سنرا سے۔

برخویش۔ انفس جو علم صرف

نحو کا ایک عالم تھا اس نے ایک  
بکرا بال رکھا تھا جب انفس دیرک

سبق حفظ کرتا رہتا تو وہ بکرا بولت  
تھا۔ انفس اسکو اپنے حفظ کی تصدیق

سمجھ کر اسوقت خاموش ہو جاتا تھا  
برخویش۔ کنا تیا چوری۔

برخویش۔ قتل گاہ۔

برخویش۔ ایک پرند آبی۔

برخویش۔ مول لینا خریدنا۔ لگانا  
جیسے روگ بسا ہونا۔

برخویش۔ پھیلاؤ۔

برخویش۔ آرام۔

برخویش۔ بھولنا مجازاً بکڑا خراب ہونا۔

برخویش۔ پیاز۔



## مائے فوقانی

تنگہ ریشی - تنگہ ریشی - تنگہ ریشی - ریش  
داڑھی - بکرے کی داڑھی -  
تنگہ ریشی - اولہ -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

صفہ کا ابتدائی کلمہ جو اس سے  
پہلے صفحے کے آخر میں گوشہ پر

اس غرض سے لکھے ہیں کہ اس کے  
بعد کے صفحے کا پتہ چل سکے کہ

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تاج خروس مرغ کیس  
ایک بٹا جس پر مرغ کے

کیس کی طرح پھولتا ہے -  
دیر - ڈھیل -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

تنگہ ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -  
ریشی - ریشی - ریشی - ریشی -

زیادہ دور پہنچتا ہے۔  
تیر مارا اڑ کر کاٹنے والا  
سانپ۔

تیر ماہ۔ سال شمسی کے مہینوں  
میں سے چوتھے مہینے کا نام۔  
تیس۔ وہ بکر جو گٹھے  
میں بکریوں کے گاہن کرنے  
کے لیے رہتا ہے۔ اردو میں  
بوک کہتے ہیں۔

تیر۔ چھوٹی چوڑی دھار  
والی تلوار۔ ۲۔ دروازے  
کو اینٹوں وغیرہ سے چھنا  
اور بند کرنا۔

تیس۔ بجائے تو۔  
تیول۔ جاگیر جو دو محاش  
کے طور پر بادشاہوں سے  
ملتی ہے۔

ٹھسک۔ ناز و انداز۔ ایک  
قسم کی لچک۔ چلنے کا ایک  
انداز خاص۔

ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔

ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔

ہر چند کی حد۔ گہرائی کی حد  
ٹھٹھکانا۔ چوروں کے  
چھپنے کی جگہ۔ کمیں گاہ۔

تہ داری۔ وزن ہونا بہتر  
ہونا۔  
تہ دل۔ مجازاً راز دل۔  
ٹھٹھکانا۔ مٹاپے سے گوشت  
کا ہلنا۔

ٹھٹھکانا۔ ستون۔  
ٹھٹھکانا۔ بروزن قلمز۔ ستم  
کا لقب۔ اس کے معنی بڑے  
جسم والا۔

تیر خش۔ ہوائی جو ایک  
قسم کی آتش بازی ہے۔  
تیر خاکی۔ ایک قسم کا تیر  
جس کا بیگان ہڈی کا ہوتا  
ہے اور سب تیروں سے  
حرف۔

ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔

ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔

ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔

ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔

ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔

ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔

ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔  
ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔ ٹھٹھکانا۔

## حرف جیم عربی

|                                    |                                   |                                    |
|------------------------------------|-----------------------------------|------------------------------------|
| جاذبہ - جذبہ -                     | جرگہ - حلقہ - گھیرا - صف - وہ     | جوں جوں - جیسے جیسے -              |
| جاگہ - جگہ -                       | گھیرا جو شکاری اسلئے باندھتے      | جوہر اوّل - حضرت جبریل علیہ السلام |
| جام داری - ساتی گری                | ہیں کہ شکار باہر نہ جائے - اکھاڑا | جھاڑا ہونا - جھڑ جھڑ کرنا          |
| جامہ خانہ - وہ جگہ جس میں          | بندیدہ - دفتر - تنہا -            | ہونا - خالی ہونا - صفایا ہونا      |
| نئے ہوئے اور بے سے                 | جسد - جسم - بدن -                 | جھاڑ جھنکار - اُچھے اُچھے          |
| کپڑے رکھے جاتے ہیں اور             | جسم پنج فرسا - وہ جسم جسے         | درخت بھاڑیاں وغیرہ                 |
| جہاں لباس بدلتے ہیں -              | رنجوں نے لاع کر دیا ہو -          | لے ہوئے اُگے ہوں -                 |
| جامہ کبریتی - زور و نگاہ پڑا       | جلاب لک جانہ - دست آنا -          | جھا جھجھ - ایک قسم کا باجہ         |
| جان پر آنا - جان پر مٹنا -         | جلف - بیوقوف - حق بُرا آدمی       | بڑے بھرے کی قسم کا ہونا            |
| جاہی جوہی - ایک تباہی              | جما ہنہ - جاہی لینا -             | اور ڈھول کے ساتھ بجا جاتا ہے       |
| کا نام -                           | جمل - نراوٹ -                     | ہے غصہ - جھجھا ہٹ -                |
| جائے گور و وار - گور کے            | جناح - زناخ مرغ یا کبوتر کے       | جھانکا - سوراخ - رخنہ -            |
| قابل جگہ -                         | سینے کی ہڈی جو دو شاخ ہوتی        | جھپکا - پھرتی تیزی جلدی            |
| جہاں - جبل کی جمع بہت              | ہے - اسی سے زناخ توڑنا            | جھڑ ٹوٹ مارنا - پڑے سے سر          |
| سے پہاڑ -                          | بولا جاتا ہے - دو عورتیں سینہ     | سے پاؤں تک جسم کو چھینا -          |
| جہاد - جہد کی جمع - پیشانیاں -     | مرغ کی ہڈی کو باہم مل کر          | جھمک - بینہ کا بھاری پھینکا        |
| جسبہ - تہب - وقتاً فوقتاً -        | توڑتی ہیں - اور وہ دونوں          | چک دمک - زور کی روشنی              |
| وقت بیوقت - مراد زمانے کے          | ایک دوسری کو زناخی کہتی           | جھم جھما ہٹ -                      |
| غیر متعین ہونے سے -                | ہیں - زناخی سے مراد ہزار          | جھو جھرا - بال پر اسوار بننا       |
| جتن - تدبیر - ترکیب -              | ہم نوالہ و ہم پیالہ سہیلی ہوتی ہے | جھوک - دھچکا یا جھکولانا           |
| چٹنا - بھڑنا - گھٹنا - باہم لڑنا - | جنگل -                            | میں جو ایک خمیدگی یا چک کی         |
| بجائے جب -                         | جواو - جیدار - دلیر -             | سی صورت پیدا ہوتی ہے جھکنا         |
| چندول - نوی - خط -                 | جواکا - لائق - قابل -             |                                    |

چھینکا۔ چھوٹی پھلی کی ایک قسم۔  
 جھپٹ۔ شے اوپر سے بھی ہوئی  
 بہت سی روٹیاں۔ روٹیوں  
 کی تھئی۔  
 جی جانہ مر جان مال اسباب۔  
 جی رہا جانانا۔ جی پامال  
 ہوا جانا۔  
 جھپٹ۔ گردن کی درازی۔ گردن  
 کی جگہ۔ مجازاً گردن  
 شام کچھ۔  
 جی رہا جانانا۔ جی پامال  
 ہوا جانا۔  
 جھپٹ۔ گردن کی درازی۔ گردن  
 کی جگہ۔ مجازاً گردن  
 شام کچھ۔

### جیم فارسی

چاروں دانگ۔ چاروں  
 جاؤ۔ اُڑو۔ ارمان شوق لاٹھی  
 پچا چپا کے باتیں کرنا۔  
 صاف صاف بات نہ کرنا۔  
 چپ۔ چاپ۔ قدم کی آہٹ  
 پاؤں اٹھانے اور چلنے کی  
 آواز۔  
 چرخانا۔ کسی مخدوش جگہ  
 سے شے تکرار کرنا۔  
 چت۔ چٹھنا۔ دل نشین ہونا  
 دل میں بیٹھنا۔  
 چیر۔ استانبول پتیل چاندی وغیرہ  
 کے برتن ل کر صاف کرنا۔  
 چٹ۔ چوٹ کا مخفف۔  
 چٹھا۔ خون کی گرمی اور جوش  
 سے بدن پر ابھار پیدا ہو کر  
 داغ سا پڑ جانا۔  
 چڑا۔ کسی مزار کی کسی قبر  
 کے یہاں جو نذرانہ چسراغ  
 کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے مجازاً  
 نذرانہ جو نذرگوں کو دیا جاتا ہو  
 چرخ اتر۔ کرہ اترشیں  
 جو عناصر اربعہ میں سے اعلیٰ  
 کرہ ہے۔ بعض نے کہا ہے  
 کہ فلک الافلاک کو کہتے ہیں۔  
 چرخ زن۔ چکر مارنے والا۔  
 چرخ۔ چرخ۔ چرخ۔ چرخ۔  
 چرخیں لباس میلے لباس والا۔  
 حسیاں اختلاط۔ محبت میں  
 تکرار مجوسی دکھانے والا۔  
 چشم خروس۔ گھنگلی۔  
 چشمداشت۔ اُمید۔  
 چشمک زنی۔ آنکھ سے  
 اشارہ کرنا۔ سین مارنا۔  
 چشم کم سے دیکھنا۔  
 حقارت سے دیکھنا۔  
 چھڑ۔ گردن کی درازی۔ گردن  
 کی جگہ۔ مجازاً گردن  
 شام کچھ۔  
 چھڑا۔ گردن کی درازی۔ گردن  
 کی جگہ۔ مجازاً گردن  
 شام کچھ۔  
 چھڑا۔ گردن کی درازی۔ گردن  
 کی جگہ۔ مجازاً گردن  
 شام کچھ۔



چھلا والا گیا بیتاں - غول بتائی  
چھل دل - شوخی - طساری  
چالاک - حیلہ گری -

چھلنا - فریب دینا -  
چھوٹا - مٹی گارا وغیرہ دیوار  
پر تھوینا -

چیتا - بڑے قسم کا سانپ  
چوڑا - بے کے قریب ہوتا ہے -  
چیتا - ہوشیار ہونا -

چیرا - وہ بازاری عورت  
جس کی تھن نہ اُترتی ہو -  
چپن مائی - ہار مانی -

چوکی بھڑا - اپنی اپنی باری  
چوکی پرا دینا - ایک قسم کی نذر و نیاز -  
چوستے ہی گال کاٹنا - ابتدا

کار ہی میں نقصان پہونچانا -  
چوٹا - سایہ - چھاؤں -  
چوٹا - ٹوکرا - جھوٹا -

چوٹا - پردہ -  
چال - فریب بکر - حیلہ -  
چوٹا - اکیلا - تنہا -

چوٹا - ایک میلہ جو مدار کی  
پھریوں کے نام سے مشہور ہے -  
چھلا کیچڑ -

## حائے حلی

حیرت ان میں کچھ دیرت وغیرہ کے ہوں -  
حیلہ - ایک قسم کا کھچڑا -

حیلہ - ایک طرح آسانی کا نام -  
حیلہ - آفتاب میں داخل ہو کر  
تو وہی دن نوروز کا ہوتا ہے -

حیلہ - دماغی خلل -  
حیلہ - ایک پرند جو اکثر دوائوں  
وغیرہ کے کنارے پر پایا جاتا ہے -

حیلہ - لکڑی نقصان بعد  
فرزنی - مجازاً دشواری بعد آسانی  
حیلہ - لکڑی کے ایک محلہ کا نام -

حیلہ - بوجی بوجی کیے ہوئے  
جانور کی تڑپ - چونکہ یہ حرکت خفیہ  
اور زاپا دار ہوتی ہے اسلئے مجازاً اسکے

یہ معنی لیے جاتے ہیں کسی کام کے  
تمام ہونے پر حالت اضطراب میں  
کچھ ایسے کام کرے کہ جن سے

فائدہ متصور نہ ہو -  
حیلہ - اچھے کام -  
حیلہ - بویا -

حیلہ - آستانہ - بارگاہ -  
حیلہ - درگاہ -  
حیلہ - قبرستان جسکے چاروں طرف دیوار

کے آگے آگے چلتے ہیں بیسوں  
کے محل کا دربان مجازاً پاسی -  
چوٹا - ایک قسم کی سواری جسے

کہاڑ اٹھاتے ہیں - اور اکشرہ  
چوٹا کہتے ہیں -  
چوٹا - بڑا - بڑا -

مجازاً فریب کھانا - جو انگنا -  
چوٹا - بڑا - بڑا -  
مطلب یہ کہ ابھی موقع محل قتی ہے -

یا بد آدمی موقع پا کر بھڑکی کر رہی -  
چوٹا - تلوار کے خاص  
قسم کے وار سے مارا جانا -

حالت زور - صوفیانہ وجد  
جو کسی غمہ وغیرہ سے ہو -  
حالت - پلٹا - آہستہ آہستہ

چلنا -  
حالت - دیوار -  
حالت - ایک کلمہ تحسین -

حالت - فقیروں و برجیوں  
کا ایک محل - جسے پرانا یا مہی  
کہتے ہیں -

حالت - دروازے تک  
حالت - باغ -

## خا کے معجم

خاصی قاطبہ پوری دشمنی۔  
خط اعتدال منقطہ اعتدال  
خلطہ میل لاپ۔  
خلع بدن اپنی روح دوسرے  
کے جسم میں ڈالنا۔  
خلع العذار آزاد۔ بے پردہ۔  
خلف الصدق۔ لائق بیٹا۔  
باب کا صحیح جانشین مہیا۔  
خمیار کشت بجار اشتاق آرزو  
خور آفتاب۔  
خوش ظاہر۔ ظاہر پرست۔  
دنیا دار آدمی۔  
خیل اعرابی میں غرور اور اردو میں  
پھوٹا اور بے شوری عورت کو کہتے ہیں

خیر آبد۔ ویرانہ۔  
خیراج۔ دُل۔ پھوڑا۔ زخم۔  
خیرس۔ ریچھ۔ بھالو۔  
خیرس خوال۔ گون جو ریچھ  
کے بالوں سے بنی گئی ہو۔  
خیر موش۔ گھونس۔  
خیر و س عرش۔ مشور ہے  
کہ آسمان پر ایک مرغ ہے  
کہ پہلے صبح کو وہ بانگ دیتا  
ہے اور اُس کے بعد دنیا  
کے مرغ اذان دیتے ہیں۔  
خشک۔ پا جامہ کار و مال۔  
خصمی۔ دشمنی۔

خار لشت۔ یہ۔ سہلی کا چہرہ  
بدن پر کٹتے ہوتے ہیں۔  
خار خار۔ دغذغہ۔ خواہش۔  
خاطر نشان۔ نشین۔  
خاکدان۔ عالم دنیا۔ زمین۔  
خانہ باغ۔ وہ باغ جو گھر  
میں لگا ہو۔  
خانوادہ۔ خاندان۔ بزرگ  
خاندان کے بھنے میں اکشر  
ستعل ہے۔  
خایہ گزک۔ چھری۔ کیلی۔ کلی۔  
خیر عطر۔ خیر خبر۔  
خدمت نالکی۔ رونے اور  
اتم کرنے کی خدمت۔

## وال مہمل

در انداز۔ گمانی بھائی کرنے  
والا۔ دو آدمیوں میں لڑائی  
کرانے والا۔  
در لست۔ تمام وکال۔ بالکل  
در وازے کی مٹی لیجانا  
بار بار پھیرے کرنا۔  
در وخت۔ باطن۔ دل۔

جسے دیوار پر رکھ کر اس پر کڑیاں  
رکھتے ہیں۔  
واعیہ۔ خواہش۔ سبب  
وال۔ ولایت کرنے والا۔  
وانتوں زمین پر نہانہ برد  
اور مہبوط گرفت کرنا۔  
وب۔ دباؤ۔

داب۔ ادب۔  
دار نسبت۔ انگوڑ وغیرہ کی  
بیل چڑھانے کے لیے جو  
ٹٹیاں باندھتے ہیں۔ کھڑکی کی  
پاڑ جس پر مہار کام کرتے ہیں۔  
داڑھ مارنا۔ چنچ کر رونا۔  
داسا۔ وہ کھڑکی یا پتھر کا ٹکڑا

دست بیچ - بکا ہوا - یا بکنے کی  
مکریں ہونا -

دست و غلبہ - ملا ہوا - ایک سرے  
کی من میں ہاتھ ڈالے ہوئے -

دست یا گم کرنا - گھبرا جانا -

دور یا چہ چھوٹا دورا - بڑا عوض -

دور یا ست اندر وار - وہ دریا  
جس کا پانی ٹھہرا ہوا ہو -

دکھنا دکھائی دینا -

دل بڑائی ضخامت - بھیر - بڑوہ

دل بجا ہونا - مجازاً مضطرب ہونا

دلزدہ - وہ شخص جس کا دل  
مر گیا ہو - رنجیدہ - ملول - غمگین -

دل شب نصف شب -

دل گزیدہ پسند -

دم لا بہ تعلق - چالوسی - دم لانا

دموں پر آنا لب دم ہونا -

دندان - دقتیں وغیرہ کو کھانا

کھلانے کے بعد کچھ نقد بطور خیرات دینا

وند پڑنا - شور مچنا -

دو آب - وہ جگہ جہاں دو دریا

ہوں یا دو دریا کسی سچ کی زمین -

دو آب - چو پائے -

دوار سر میں چکر آنے کا مرض -

دوڑ دھماڑ - دوڑ دھوپ -

دوس - آئرام - قصور -

دوکان تختہ کرنا - دکان بند کرنا

دول گنا آگ لگنا - درختوں

کی رگڑ سے جنوں اور جنگلوں میں

آگ لگنا - پتار وغیرہ میں جھانک

لگاتے ہیں کہ وہ اور نہو پائے -

دو یا محرم کا مشروہ -

دھانا - دوڑ پڑنا - ڈھل پڑنا -

دھانہ - نمہ - دریا کے گرنے یا

ختم ہونے کی جگہ - مشک

وغیرہ کا منہ -

دھبہ بیضا سمیت ہارنا - صبر کر بیٹھنا -

کوشش کر کے بیٹھ رہنا -

وہ دل - کنایتاً متلون مزاج -

دھپ دھپ چلنا - شعلہ زنی کے

## وال ہندی

ہونا - زرقہ ہونا -

وال - ہنسک - الوب - طور طریقہ

وال - ویرانہ - کھنڈر -

وال - قبر -

ساتھ جلنا -

دھم - دم بخود - گرم -

دھماک - قلندر فقیروں کی اچھل کود

قلندروں کا ایک خاص وضع

کے ساتھ کودنا - شور و غل -

دھما چو کڑی - غل شور کرنا -

قلندروں کا آگ میں کودنا -

دھولا نا - چیتنا -

دھیر بندھنا - آس بندھنا

امید ہونا -

دھیری ہی ہے بے دھیری ہی -

رڑکے پتنگ بازی میں شکست

دینے والے کیلئے یہ نقطہ کہتے ہیں -

دھینگ - ہٹاٹا - مٹھٹا -

دھینور - دھم - کماروں کی ایک قسم

ویا چراغ -

دیر خواہی - دیر تک سونا -

دلوٹ - وہ شخص جو اپنی ہوی

سے کسب کرے - بھڑوا -

دیہی - جسم - بدن -

دھینڈھ - کدو کی قسم کی ایک

تیکا ری کنایتاً عضو مخصوص -

دھڑ - اینٹ کی مسجد بنانا -

جداً طور طریقہ ایجاد کرنا -

ڈاگ - انگریزی میں گتا - اُردو

میں بھوؤں کی قسم کی ایک

معدنہ چیز بر نظر

دال - بڑا بچہ -

## ر اے مہملہ

راتا ماتا۔ رات کا جاگا ہوا۔  
 راکب۔ سوار۔  
 رامنا۔ چکی یا سل وغیرہ میں  
 دندنے نکالنا۔  
 رباط۔ مسافر خانہ۔ مہاسر۔  
 رجبوار۔ قدروان۔  
 رشام۔ نقش بنانے والا  
 نقاش۔ مصور۔  
 رسالتے۔ آئنا میں بھرے آنا۔  
 رستم۔ خلاف۔ برعکس۔  
 رفع۔ اٹھادینا۔ روک دینا۔  
 روکن۔ رکنہ۔  
 رجب۔ بارود جو بندوق یا  
 توپ کے پیالے میں آگ دینے  
 کے لیے رکھی جاتی ہے۔  
 رند باغاتی۔ باغات اصفہان کا  
 ایک محلہ ہے وہاں کے اکثر  
 لوگ رند وادباش ہوتے ہیں۔  
 میر نے بھی اپنے دیوان میں  
 ایک جگہ بلبل کو رند باغاتی  
 بطریق ایہام کہا ہے۔  
 رنگ۔ بڑا کوہی۔ پہاڑی بکر۔  
 رواق۔ مکان کا چھایا مکان۔  
 دیوان۔  
 روٹ مار کے حال تیر چلا گیا  
 روٹ مار کے متوجہ ہونا۔  
 روز بازار گمری بازار۔ رواج  
 روضہ خوان۔ وہ لوگ جو  
 محرم کے زمانے میں نعت الشہد  
 پڑھتے ہیں۔  
 روم روم۔ رواں رواں۔  
 رویاں رویاں۔  
 روندان۔ پامالی۔  
 روہت۔ پھرے کی نازگی

## ز اے مجملہ

زبان سرخ زبان جرب۔  
 زبان کرنا۔ زبان درازی  
 کرنا وعدہ کرنا۔  
 زراں۔ سوئے کاٹل کیا ہوا۔  
 زرخیز۔ چیل۔  
 زلف۔ زلفین۔ دروازے کا  
 گنڈا جہیں گنڈی کو اکٹاتے ہیں۔  
 زمین دیکھنا۔ تے کرنا۔  
 زخمل۔ بھڑوا۔ اپنی عورت  
 سے کسب کرانے والا۔ دلوٹ۔  
 زنجیر کرنا۔ زنجیر میں مقید کرنا  
 زنجیرہ دامن۔ دہ زنجیرہ جو

ساتھ کھینچی جائے۔  
زہ گریباں۔ گریبان کا دور  
گریبان پر ٹکی ہوئی ڈوہری۔  
زیادہ سری۔ خود پسندی عروہ

زخ زن۔ شرمندہ۔  
زندیق۔ کافر۔ مرد۔  
زوار۔ زائر کی جمع۔  
زوریں کش۔ جو چیز زور کے

دامن میں کاڑھا جاتا ہے۔ یا  
حلقہ دار لکیر کاڑھتے ہیں۔ یا  
کوئی بنا ہوا گاگا کاتے ہیں۔  
زنجیری۔ بستہ زنجیر۔ دیوانہ۔

## سین مملہ

سہان۔ عرب کے ایک  
فاضل کا نام۔  
سحری۔ سحری کھانا۔ سگری  
(سحر گئی)۔  
سخن رس۔ بات کو سمجھنے والا  
سُدھ لبرنا۔ سُدھ جاتی ترنا  
عقل خراب ہو جانا۔  
سہا ہنا۔ تعریف کرنا۔  
سہرنا۔ سینٹھا۔ سر کر ایتا اور۔  
سہر جوڑنا۔ جمع ہونا مشور کے  
کے لیے اکٹھا ہونا۔  
سہر جوڑ کر بٹھنا۔ مشور کے  
کے لیے جمع ہونا۔  
سہر نہ۔ ایک پرند کا نام۔  
ایک جگہ کا نام۔  
سہر دوبا۔ غرقاب۔ سر  
سے پاؤں تک بھیکا ہوا۔  
سہر زوہ آنا۔ بے طلب۔  
بے اجازت۔ ناگاہ آنا۔

کے نزدیک ایک دوسری  
چڑیا ہے۔ بعض کا خیال ہے  
کہ وہ نیل کنٹھ ہے۔  
سہرہ۔ ایک پرند کا نام بعض  
کے نزدیک ہریل بعض کے  
نزدیک ہریوا۔  
سہرہ بیگانہ۔ سہرہ خود رو۔  
سہری۔ بھنگ۔  
شکوتی۔ لطافت۔ شگفتگی۔  
بے تکلفی۔ سادہ مزاجی۔  
سب کو چار مہنا۔ سب کو  
دھوکا دینا۔ سب سے غور  
کے ساتھ پیش آنا۔  
سہاؤ۔ عادت۔ طعنہ قاعدہ  
ستارہ۔ ایک آتش بازی۔  
ستارہ۔ نیک ستارہ۔  
سج۔ بناؤ۔ زینت۔  
سجادہ محرابی۔ وہ جانا ساز  
جس پر محرابی شکل بنی ہو۔

سارا۔ اعتبار۔ بھروسہ۔ ساکھ۔  
ساگرا کرنا۔ ساگھا کرنا۔ چند  
آدمیوں کا یکدل اور متفق ہو کر  
کوئی کام کرنا۔ کوئی بڑا کام کرنا  
سال۔ سانا کا حاصل مصدا  
رنج۔ تکلیف۔  
سالنا۔ لکڑی میں چھید کرنا۔  
مجازاً تکلیف دینا۔  
سام۔ رستم کے دادا کا نام۔  
سام ابرص۔ پھپکی۔  
سانچہ۔ شام۔  
سانشا۔ فکر۔ اندیشہ۔ خوف  
جھگڑا۔  
سانشا شہم کرنا۔  
سانواں۔ ایک باریک دانے  
کا غلہ۔  
سبز باغ دکھانا کوئی امید  
دلاکر دھوکا دینا۔  
سبزک۔ جنگلی کوآ۔ اور بعض

|                              |                               |                              |
|------------------------------|-------------------------------|------------------------------|
| سرسے گزر جائے۔ یعنی          | سنگ دم۔ خون بہانا۔            | رفتہ بودی۔                   |
| سر کی پروانہ کرے۔            | سرفیدار۔ ایک درخت کا          | سلی۔ ایک آبی پرند۔           |
| سرفرو لانا۔ سر بھکانا۔       | نام جس پر پھل نہیں آتا۔       | ایک قسم کی مرغابی۔           |
| سر کنڈا۔ سنٹھا۔ سر پتا۔      | سفید۔ بیوقوف۔                 | سما۔ وقت۔ سمجھ۔              |
| سکھئی۔ کمال محنت۔            | سقاوہ۔ وضو وغیرہ کے لیے       | سمج۔ زشت۔ بُرا۔              |
| سر کی تسووں۔ سر کی قسم۔      | پانی رکھنے کی جگہ جو مسجدوں   | سمن۔ مالا کے ایک ٹکے         |
| سرگوشی۔ کان بھوسی۔           | درسوں وغیرہ میں بنا دیتے      | دانہ کا نام۔ مجازاً مالا۔    |
| سرسین۔ جو شخص قافلے          | ہیں۔                          | سمن۔ ایک قسم                 |
| میں چھڑا اونٹ پر سوار ہو     | سکر۔ نشہ۔                     | کی مرغابی۔                   |
| خواہ مرد ہو یا عورت۔ میر نے  | سکھیاں۔ سکھی کی جمع۔          | سنا ہٹا۔ دیرانی۔ خاموشی۔     |
| اس شعر میں اس لفظ کا         | ایک قسم کی پہیلیاں جس میں     | ۲۔ سہناک آواز۔ دھڑکن         |
| استعمال کیا ہے۔ سرسین        | بات کہہ کر گرتے جاتے ہیں۔     | خون۔ غشی۔                    |
| رو میخانہ ہوں میں کیا جانوں  | سنگات۔ میر نے اس شعر          | سنا ہٹا گز رنا۔ جسم میں      |
| رسم مسجد کے تسلیں شیخ کو     | میں بطور عربی از راہ تفنن     | سسنی پیدا ہوا۔               |
| آیا نہ کیا + یہاں یہ منے بھی | طلع سنگ کی جمع لکھی ہے۔       | سنبولیا۔ سانپ کا بچہ۔        |
| صحیح ہیں۔ یا یہ منے ہو سکتے  | بھونکا کریں رقیب              | سندان۔ سنا۔                  |
| ہیں کہ میں میخانے کے سر راہ  | پڑے کوئے یا میں بکس کے        | سنگارنا۔ اشارے سے            |
| نیتھنے والا ہوں۔ مگر اس      | تیس داغ عفت ہے سنگات          | بلانا۔ اشارہ کر کے کسی کے    |
| صورت میں تعقید ہوگی۔         | کا + اور اسی طریقہ سے عفت     | سر کر دینا۔ اکسا دینا۔       |
| چراغ ہدایت میں پیچھے چلنے    | کو عفت لکھا ہے۔               | سنگارنا۔ پتھروں کی           |
| وائے کے منے بھی لکھے ہیں۔    | سنگ کوئہ۔ غم صفویہ            | بارش۔                        |
| بے محل و کجاہ سوار ہونے والا | کے ایک شاعر کا مخلص           | سنگسناں۔ جہاں بہت            |
| سر راہ۔ درد سر۔              | جس کا یہ شعر ہے۔              | سے تھہ سوں۔                  |
| سر ویش۔ غیبی فرشتہ۔          | آدم بہ کویت نہ سکار رفتہ بودی | سنگسناں۔ اُڑتی سی            |
| سفر می۔ مسافر۔               | تو کہ سنگ نہ بردہ بودی بچہ کا | خبر۔ کوئی خفیہ خبر۔ لینا اور |

سیرِ ریاں سنانا - سخت

کلامی کرنا -

سیر - کمان کا وہ فیتہ جس میں

تیر رکھ کر پھینکتے ہیں -

سیلی - بالوں یا سیاہ ریشم کی

ڈوری جو ہندو فقیر گلے میں

ڈالتے اور اکثر حسین بھی ہم

پر پہنتے یا گلے میں ڈالتے ہیں -

سیم بندی - چراغاں

کہ شمعوں اور چراغوں کو

تار میں باندھ کر لٹکایا جائے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیم

کے مجازی معنی یہاں تار

کے لیے گئے ہیں -

سیم کا سہ - کنایتاً

مسک - بخیل -

شیر دل - کنایتاً بزدل

ڈر پوک -

شرف مکہ - مکہ کے حکمران

کا خطاب -

شعبہ - شاخ - اور وہ چیز جو

دو شاخوں کے درمیان ہو -

بفتح گھائی ہیاڑ وغیرہ کی -

شوہمار - گوج ایک جانور ہوتا

ہے اور زمین کے سوراخوں

میں رہتا ہے -

سوں - قسم کی جگہ بولتے ہیں

سوں کنا - جان بوجھ کر

غافل اور سوتا ہوا بنانا -

سنانا - بے خبری سانس

لے لے کر سونا -

سوکھنا - خشک ہونا - مجازاً

ڈرنا -

سوئی کا ناکا - سوئی میں ناک

ڈالنے کی جگہ -

سہل - بے وقوف - بیکار -

معمولی - آسان - نرم خو -

سہو القلم - کتابت کی غلطی

سیان - ہوشیاری -

شین معجبہ

شب پوتہ -

شبگیر - ہوام اور وہ کیر

چرات کو ستاتے ہیں کھٹیل -

شبگیر کرنا - آخر شب اور قبل

صبح سفر کرنا -

شہادہ - (عربی میں شطاح)

بیجا - بے شرم - بدچلن عورت -

بانہ کے ساتھ بولا جاتا ہے -

شکھ - مقابلہ و پروا آتے ساف

سواو - سیاہی - وہ نقطہ

سیاہ جو دل پر ہوتا ہے سواو

شہر وہ سیاہی جو کسی باہر سے

آنے والے کو قریب شہر

نظر آتی ہے اور فضا تاریک

سی معلوم ہوتی ہے -

سوچنا - انتظام مینیا -

سورہ - دلیر - بہادر -

سوس - ایک آبی جانور جسے

خوک آبی بھی کہتے ہیں -

سو سر کا ہو کر آنا - ترمذ

اور سرکشی پر آمادہ ہو کر آنا

پہلے سے بہت زیادہ تیار

ہو کر آنا -

شان - شہد کا چھتہ -

شانہ میں - ایک قسم کے

فال دیکھنے والے چونکہ یہ

استخوان شانہ ہڈ کے ساتھ

مخصوص ہے اس واسطے مجازاً

شانہ میں نام ہوا -

شانہ سر - ہڈ -

شقائق - ایک قسم کا لالہ -  
 شکل مثالی - ایسی شکل  
 جس کا خارج میں وجود نہ ہو -  
 شکل - نجما -  
 شقائق - تھپڑ - سرچنگ سیلی -  
 شقائق کرنا - ترکی زبان  
 لشی میں بید مارنا -  
 شقی زنگ - کنایتا شرح  
 زنگ -  
 شور شرابا - شور شغب -  
 شہر غریب - مسافر -  
 شہزادہ سہاں - وہ شہر  
 جس میں کوئی کسی کا پرسان  
 حال نہ ہو اور نہ کوئی کسی کی  
 داؤ فریاد سنے -  
 شیر برقی - ولایت فارس  
 اور اُن جگہوں میں جہاں برف  
 گرتی ہے اور جم جاتی ہے -  
 لڑکے اُس سے شیر اور دوسرے  
 جانوروں کی شکل بنا دیتے  
 ہیں کہ آنے جانے والے  
 اُس کو دیکھ کر ڈر جائیں -  
 شیرہ خانہ - شراب خانہ -  
 شیشہ جان - نازک مزاج

### صا و مہملہ

صاحبی کرنا - تمکنت اور  
 غرور - امیرانہ سے پیش آنا -  
 صار وادی شقائق -  
 میرادل چاک چاک ہو گیا -  
 صافی شست - جبکی چٹکی  
 تیر جلانے میں صاف ہو -  
 صبح شام بتاتا - مال موٹل  
 کرنا - اور چھوٹے وعدے کرنا -  
 صحابی - صحرا کی جمع -  
 صحبت برابر ہونا - صحبت  
 درگیر اور موافق ہونا -  
 صحبت بگڑنا - دوستی کے  
 بعد بد مزگی پیدا ہونا -  
 صحنک - رکابی - چھوٹا طباق  
 صداع - درد سر -  
 صرفہ - فائدہ - مضائقہ -  
 صعب - سخت -  
 صغورہ - ممو لا -  
 صفایا - صفائی -  
 صفت فعال - محفل کی وہ  
 جگہ جہاں جو تہ اُتار اچالے -  
 صورت بازار - سوانگ بھرنے  
 والے لوگ جو مختلف شکلیں بنا کر  
 محفلوں میں تماشے دکھاتے ہیں -

### ضاد و محبہ

ضامینی - ضمانت -  
 ضربت - ضرب - وار -  
 ضامنی - پیش ہونا - غش آنا -

### طا و مہملہ

طارم - بلند مکان - بالا خانہ -  
 طاویر - چھوٹا طاق -  
 طائر سدرہ - کنایتاً حضرت جبریل  
 طرح - بنیاد -  
 طرف - مقابل -  
 طرہ - زلفت - پیشانی کے



طیر نو پیر۔ وہ پرند جن کے  
نئے نئے پر نکلے ہوں۔

بازاری لڑکے جن کے گھردہ  
نہ ہو۔

بال۔ چھو۔  
طفلان تہ بازار۔ آوارہ اور

## عین مملہ

عقل۔ ول۔ کنا یا حضرت جبریل  
عقدہ۔ نالائجل۔ دہشتی  
جو سلجھ نہ سکے۔

غلف۔ گھاس۔

علی اللہ وام۔ ہمیشہ۔

عمدہ۔ اعلیٰ عمدہ دار۔  
معتد۔

عور۔ ننگا۔

عہدے سے پر آنا۔

کسی ذمہ داری سے  
سبکدوش ہونا اور اُس کو  
انجام تک پہنچانا۔

عجول۔ جلد باز۔  
غذرا۔ ایک حسینہ کا نام جس پر  
وامق عاشق تھا۔ دوشیزہ  
لڑکی۔

غرابہ۔ گاڑی۔

عرض۔ عزت۔ آبرو۔

عشق اللہ عشق ہے۔

آزاد فقیروں کا سلام۔

عصفور۔ چڑیا۔

عقدہ نایل۔ ایک قسم کی

منون گنتی جو انگلیوں پر  
گنی جاتی ہے۔

عالم جان۔ عالم ارواح۔  
عالم دنیا۔ فاضل ربیعہ۔

عالم کون و قساو۔ دنیا۔

عالم۔ کارندہ۔ ہلکار سرکاری۔

عقیدہ۔ عقیدہ کا کافی فارسی

کا ایک مشہور شاعر جو آخر میں

ظرافت اور نہرل کہنے لگا تھا

اور اس کی ایک کتاب ش

وگرہ کے متعلق بھی ہے۔

عبیر۔ ایک خوشبو خشک جو

کپڑوں پر چھڑکتے ہیں ایک  
پوڈر جو ہولی میں منہ پر لگاتے ہیں

## عین معجمہ

غنیچہ پشانی۔ بیدارغ ترشہ  
غنیچہ خاطر۔ افسردہ دل  
تنگدیں۔

غضنفر۔ شیر۔

غل۔ طوق۔

غمنخوارک۔ بگلا۔

غربال کرنا۔ چھانتا۔

غصلا۔ غصہ ور۔

جھلے مزاج والا۔

## حشر فا

فسانہ اصحاب فیل الی گون کا قصہ  
اصحاب فیل وہ لوگ جنہوں

یا اور سامان کے باندھنے کے  
لیے لگا ہوتا ہے۔

فتر اک۔ شکار بند۔ وہ قسم  
جو زین کے رادہ ہر آتش شکار

نے خانہ کعبہ پر حکم ابرہہ  
بادشاہ حملہ کیا تھا۔  
فقیر اللہ کا۔ آزاد فقیر آزاد  
فقیروں کی بولی۔

فقیروں کی اللہ ہی اللہ  
یعنی فقیر اللہ ہی اللہ  
کہہ سکتے ہیں۔  
فلاخن۔ وہ آہ جس میں تھم

یا ڈھیلارکھ کر پھینکتے ہیں  
گوبھن۔  
فندہ۔ کر۔  
قبلیا قبیل کر نیوالا۔ مکار۔

## حرف قاف

قاق۔ تیلاد بلا سوکھا آدمی۔  
قاقم۔ ایک جانور کی بالدار  
کھال۔ اور اُس کی کھال  
کا پوستین۔  
قبر پوش۔ وہ چادر جو قبر پر  
پڑی رہتی ہے۔  
قوانہ۔ بڑا شیشہ۔  
قراو۔ بندر بنانے یا بندر  
کا تماشہ کرنے والا۔  
قدغن۔ تاکید۔ روک۔ ٹوک  
مانعت۔  
قرآن کا جامہ پہن کر آنا  
مراد یقین دلانے کی بہتر سے

بہتر تدبیر کرنا۔  
قیرقرا۔ ایک آبی پرند۔  
قشقرق۔ پھر پھر پھر پھر  
قشون۔ فوج۔ لشکر۔ فوج  
کا دستہ۔ چھاؤنی۔ کیمپ۔  
قشقل۔ ایک آبی پرند۔  
قصیدہ غزل۔ قصیدہ روشن  
یعنی عمدہ اور اعلیٰ قصیدہ۔  
قطرہ افشانی۔ ترود کرنا۔  
دور دھوپ۔ برسا برساتیز حلیا۔  
ققش۔ ایک جانور کا نام۔  
جس کی آواز سے علم موسیقی کا  
استخراج کیا ہے۔ اسکو آشن

بھی کہتے ہیں۔  
قلعہ۔ قلعہ کا کہنے والا قلعہ دار۔  
قمار۔ جواری۔  
قنارہ۔ وہ میخ جو قصائیوں  
کی دکانوں کی دیواروں یا  
مسلخ کی دیواروں میں گاڑ دیتے  
ہیں اور ذبیحہ کو اس میں لٹکاتے ہیں۔  
قوچ۔ مینڈھا۔  
قور۔ ناخن کی کور۔ ہتھیار۔  
۳۔ فیتہ جو کپڑوں کے حاشیہ  
پر لگاتے ہیں خاصے کا ہتھی۔  
قر۔ ایک قسم کا سیاہ روغن جو  
پائش وغیرہ کے کام آتا ہے۔

## کاف تازی

کارگہ۔ کام کرنے کی جگہ۔  
کارخانہ۔  
کاسہ لیس۔ جھوٹے برتن  
چانے والا۔ لالچی خوشامدی۔

کاغذ افشانی۔ وہ کاغذ  
جس پر افشاں چھڑکی ہو۔  
کاغذ باد۔ کنکوا۔ تنگ۔  
کاغذ کا تاو۔ کاغذ کا تختہ۔

کاغذ میں باغ۔ وہ پھول  
پتیاں اور سہکی جو کاغذ سے  
تیار کرتے اور باراتوں وغیرہ  
کے ساتھ لیجاتے ہیں۔

کسی چیز کی محبت میں اُس کا خواہشمند ہونا۔  
 کشتی کشتی پاک ہونا۔ کشتی ختم ہو جانا۔  
 کشتی لگ جانا۔ کشتی بندہ جانا۔ جوڑ بدی جانا۔  
 کشتارہ ایک جانور جو بچہ کو کھا جاتا ہے۔  
 کفیل مسرین۔ چوڑ۔  
 کل مسخ ہو۔  
 کلال بکھار۔ کلوار۔  
 کلید چھوٹا سا تنگ و باز۔  
 کل مکمل۔ بے چینی کشیش۔ شور و غوغا۔  
 کلول مصیبت۔ پریشانی۔  
 کلید تیر۔ رقعہ یا خط کو اس طرح پھینکتے ہیں کہ وہ بصورت کلید معلوم ہو۔  
 کمان پاک۔ بھاری اور زوردار کمان۔  
 کما پیشی جیسا چاہئے۔  
 کما حقہ۔

کٹکٹنا۔ کاٹنے والا۔  
 کٹ مست۔ سخت مست۔ یہ لفظ کٹ ملّا کے طرز پر ہے۔  
 کٹیل۔ کاٹنے والا۔  
 کجدار و مرند۔ ناممکن کام۔  
 کجلی بن۔ وہ جھگڑ جس میں ہاتھی رہتے ہوں۔  
 کجی نرد۔ وہ نرد جو کچھ کے خانوں میں گھوم کر ہنوز اپنے اصلی گھر تک نہ پہنچے ہو اور اس کے پٹنے کا ہنوز اندیشہ نہ کرے۔  
 کراڑا۔ دریا کا کنارہ۔ دریا کے کنارے کا بلند ٹیلا۔  
 کر بندھنا۔ کسی کام کا سر پڑنا کہ خواہ مخواہ وہ کرنا ہی پڑے۔  
 کر جانا۔ کسی دھار دار آلہ کی دھار گر جانا۔  
 کرکس۔ خراب رس والا۔  
 کرل۔ ایک خاردار اچھاڑی (درخت) کا نام۔  
 کسالا۔ محنت۔ مشقت۔ تکلیف۔  
 کسکسا۔ کرکرا۔  
 کسی پر دانت ہونا۔

کاکا۔ باپ کا چھوٹا بھائی۔  
 چچا۔ بڑا بھائی۔  
 کال۔ قحط۔  
 کالا چور۔ زبردست چور۔  
 نامی چور۔  
 کالے بال۔ بونے زیران۔  
 کانٹا سا بھل جانا۔  
 کھٹکا جانا رہنا۔  
 کانس۔ ایک گھاس جس سے بان وغیرہ بٹے جاتے ہیں۔  
 کان طلق۔ ابرک کی کان۔  
 کان ہونا۔ ہوشیار ہو جانا۔  
 متنبہ ہو جانا۔  
 کانوں میں آسترے۔  
 ماندھ کر گھس جانا۔ گالی کے مقام پر متعل ہے اور اس کے ساتھ ایک غیر مندرجہ جملہ بھی ہے۔  
 کاؤ کاؤ۔ کاوش۔ محنت۔ خلش۔  
 کبد۔ جگر۔  
 کبریت۔ گندھک۔  
 کپڑا پھاڑ کپڑا پھاڑنے والا۔  
 کپڑی۔ بندر۔  
 کتابت۔ تحریر۔  
 کتہ وال۔ کتے پالتے والا۔

کولا - دروازے کے ادھر  
آدھر کی دیوار -

کولی - دونوں ہاتھوں سے  
کسی چیز کو دبانا - بھرتا گے سا  
ستعل ہے -

کوہ کی کمر - درمیان کوہ -  
کھیا بچا - ایک قسم کا ٹاپا -  
کھتا - ایک قسم کا کنواں

چس میں غلہ بھرا جاتا ہے -  
کھولا - غار - گرٹھا - نالہ -  
کیکر - بول کا درخت -

کین لینا - مخاصمانہ بدلہ  
لینا -

بانوں ہوتے ہیں -

کنکاش - مشورہ - شوری -  
کنکاشی - دیوار کی منڈیر پر  
جو اینٹیں باہر کو نکال کر  
رکھتے ہیں -

کنیل - مرغ کی ایک قسم -  
کوچک دل - خوش خلق -  
وہ شخص جو کہ ہر شخص سے ہمدردی  
برستے - دردمند دل والا -

کوچہ زخم - زخم کو کوچے سے  
استعارہ کیا ہے -  
کو دن - کندوزین اجماع چاہیں

کو رے باکم - مراد بیکار  
اور از کار رفتہ -  
کو کتار - ایفون کی بوڑھی -

### کاف فارسی (ک)

کسو کرنا -  
کڈمی - ایک قسم کی کنکلیا -  
کمر بند - مکار - حیلہ گر -  
کمر بوند - ٹیلہ - پشتہ -

کمر آڑ - گزیر -  
کمر دان کبوتر - وہ کبوتر  
جو تہ کا سچا ہو -  
کمر و باد - گولا -

کے لیے بیلوں کو پھرانا -  
کمر بند ہونا -  
کمر بند ہون - دو چیزوں  
میں تعلق ہونا -

کمر بوند - پیاز لسن وغیرہ  
کی مجموعی ہیئت کو گٹھی کہتے  
ہیں -  
کمر اٹھانا - کنایتاً بدنام و

کم بجل - کم ایہ - فرومایہ  
آدمی -

کم پاپ - دیر میں چلنے والا -  
کو تہ قدم - کم ٹھہرنے والا -  
کم پائی - کم فرصتی -

کمیت - کتنا - مقدار ہونا  
کس قدر -  
کن - کس کی بجائے -

کنار دھونڈھنا - علیحدگی  
اختیار کرنا -  
کناس - ہتھ بھنگی -

کن رس - آواز کے کن کو  
بچانے والا -  
کنسلائی - ایک برساتی

کیڑا جس کے بہت سے

گاتی - کندھے پر پڑا ہوا  
دوپٹہ یا چادر جو سینے پر  
بندھا ہو -

گاوزمین - وہ گائے جو  
زمین کے نیچے بتائی جاتی ہے  
اور ساری دنیا کا بوجھ وہ اپنے  
سینگ پر اٹھائے ہے -  
گاہنا - کھلیان پر دانہ کالنے

گھر۔ خانے جو بساط اور پی  
و غیرہ میں ہوتے ہیں۔  
گھر گیا۔ خانہ برباد۔  
گھر ہونا۔ گھر آباد ہونا۔  
گھسکی۔ گھنٹکے یا بھسکی  
قسم کا ایک اڑنے اور کاٹنے  
والا کٹر۔ اس کو لٹکی بھی  
کہتے ہیں۔ بھولی۔ بیل ڈرپوک  
گھسپاٹا۔ عاجزی کرنا۔  
گڑ گڑ آنا۔  
گھویا۔ ایک قسم کا جھوپڑا  
جو بھونٹس وغیرہ سے  
بانگوں اور کھیتوں میں بناتے  
ہیں۔ کٹی۔  
گئی گریا۔ درگزر کرنا۔  
گیدی۔ مکار۔ فیلیا۔ لالچی  
بے عزت۔ فسادی۔ جھگڑاؤ

پر ڈالتے اور ملتے ہیں۔  
گل تریاک۔ پوتے کا  
پھول۔  
گلا توڑنا۔ گلا بھاڑنا کی جگہ  
چلاتا۔  
گلاڑھی۔ گتھی۔ گرہ۔  
گلستان۔ سرسبز و شاداب زمین  
گلستانہ۔ کسی جگہ کا نام۔  
گنجائی۔ گنجائش۔  
گور۔ گور خرو ایک بلی جانور۔  
ہوتا ہے۔  
گور گڑھا۔ کفن و دفن تخمینہ  
و تخفین۔  
گوزن۔ پاڑھا۔  
گوں۔ قابل۔ لائق۔ کام کا۔  
گھٹیا۔ وہ شخص جو گھٹات  
میں لگا رہے۔

گرگ آشتی۔ وہ صلح جو  
دکھا دے کی ہو اور دراصل  
دل میں بغض و نفاق ہو۔  
گرمائی۔ رونا۔  
گرمیان کوہ۔ پہاڑ کا  
درمیانی حصہ جس کو کمر کوہ بھی  
کہتے ہیں۔  
گڑھی۔ جھوٹا قلعہ۔  
گڑیا۔ ایک بستی مانگوں والا  
پرند۔  
گلانی۔ ایک طرف جس میں  
کلاب یا شراب وغیرہ بھرتے ہیں  
گل اشرفی۔ ایک پھول  
جو زرد رنگ ہوتا ہے۔  
گل افشاں کرنا۔ پھول کھینچنا  
گال۔ ایک سرخ پودہ جو  
ہولی میں اہل ہندو ایک سرے

## حرام

ٹٹ جانا۔ کمزور ہو جانا۔ ڈبلا  
لاغر ہو جانا۔  
ٹٹھ۔ دریا کا دھارا۔  
ٹٹاکا۔ فسادی۔ لڑاک۔  
ٹٹا۔ ٹٹک مارنے والے  
کیڑے کوڑے۔

لب حبش۔ ذائقہ وغیرہ معلوم  
کرنے کے لیے کسی چیز  
کو چکھنا۔  
لب گزری۔ ہنٹ چھانا۔  
غٹے۔ شرم۔ جیا۔ یا کسی امر  
کے افسوس یا مانعیت کے لیے

لاکھی۔ لاکھ کے رنگ کا۔  
لاگا۔ لگا۔  
لاگو۔ آرزو مند۔ مشتاق۔  
لاچھے۔ پرنے والا دشمن۔ وہ  
جانور جسے خون کا چمکا کر گیا ہو  
لاٹھ۔ لپٹ بٹلہ۔

لہر وہ اعضا کی جنبش جو سانپ  
یا گتے کے زہر چڑھنے سے  
جسم میں پیدا ہوتی ہے۔  
**لیٹ و لعل** - بہانہ - وعدہ  
وعید - امروز و فردا۔

اطراف میں فصل زریع میں  
پایا جاتا ہے۔ لق لق۔  
لگو۔ لگو۔ آرزو مند۔ شاق۔  
لوٹھ۔ لاش۔  
لوٹی۔ منعم۔ غلام کرنیوالا۔

**مطب** - بانی کا تھپڑا۔ طمانچہ۔  
**معل** - خوش۔ لب خاوش۔  
**لگ** - جانا۔ بک جانا۔  
**لگ لگ** - یہ ایک  
قوی الجشتہ پرند ہے۔ جو ان

## حزیم

پڑنے کی جگہ۔ گھوڑا۔ کوڑی۔  
**مستاحیل** - جڑ سے اکھڑا ہوا  
مستجاب۔ مقبول۔  
مست طافح۔ بدست۔  
مسلخ۔ فدیج۔ جہاں جانور  
ذبح کیے جائیں۔  
مسیت مسیح کا بگڑا ہوا لفظ۔  
مسیں بھینکا۔ ہونٹوں  
پر روئیں کا سیاہ ہو کر مچھول  
کا آغاز ہونا۔

مچھند۔ بڑی بڑی مچھلیوں  
والا۔ مجازاً یہودہ۔ بدعاش۔  
مخادی۔ المتقابل۔ روبرو۔  
مدھما۔ ماتا۔ مست شیرابی۔  
مہینب۔ گناہگار۔  
مقش۔ رعشہ دار۔  
مرجیا۔ مرنے کے زندگی بسر  
۲۔ جو مرنے کا مرنے لگا ہو۔  
مزرانی۔ مجازاً تکر۔ تمکنت۔  
مرس۔ رسی۔

**ماب** - جائے بازگشت۔  
**ماگیری** - حیلہ گری۔ بکاری۔  
**مالک الحزن** - بگلا۔  
**مالک رقاب** - گردنوں  
کا مالک۔  
**مایلول** - انجام کار۔  
**مبیت** - رات گزارنے  
کی جگہ۔  
**مصدی گری** - پیشکاری  
ماب۔ گماشتہ۔ محاسب۔  
مہ۔ بھیر۔ آمناسانا۔  
مچھ۔ جوڑا بندھ ہوئے بال۔  
مچھلہ۔ بفتح اول و سوم۔ سبب  
ناوانی۔ و جسرا دل و ذرین  
جس میں کسی کو راہ نہ ملے۔  
مچھل کی مچھل کا چور۔  
اونی چیزوں کا چرانوالا۔ کیا چور۔  
مچھلاپن۔ دھٹائی۔ گراپن۔

میشک۔ جالیدار۔  
مشتقی۔ وہ کاغذ جس پر  
خوشنویس شق کرتے ہیں۔  
مشیر۔ صلاح کار۔  
مصطبہ۔ چوتھرہ۔ ٹھیا۔  
جس پر بیٹھ کر سودا بیچیں۔  
مطبوع۔ پندیدہ۔  
مطالع۔ غزل یا قصیدہ

مرغ اندازہ کرنا۔ بغیر چاہے  
بگل جانا۔  
مرغ شوق کش۔ وہ چیریا  
جسے شوق نے مارا ہو۔  
مرغ پکلیسی۔ چمکا ڈر شب پر  
مرغ مصلیٰ۔ بانگ دینے والا  
مرغ۔  
مزابیل۔ مزہ کی جمع۔ کوڑا

مچھل۔ گماشتہ۔ محاسب۔  
مچھ۔ بھیر۔ آمناسانا۔  
مچھ۔ جوڑا بندھ ہوئے بال۔  
مچھلہ۔ بفتح اول و سوم۔ سبب  
ناوانی۔ و جسرا دل و ذرین  
جس میں کسی کو راہ نہ ملے۔  
مچھل کی مچھل کا چور۔  
اونی چیزوں کا چرانوالا۔ کیا چور۔  
مچھلاپن۔ دھٹائی۔ گراپن۔

نباش کفن چور۔  
نیل مکزور کم طاقت۔

نیٹ بہت زیادہ۔ بالکل  
پوری طرح۔

نوجوت۔ وہ جگہ جہاں حضرت  
علی کرم اللہ وجہہ کا مزار ہے  
واقع ہے۔

نچنا۔ نوچنے والا۔ نچ جانا۔  
نچ۔ ایک قسم کی ڈور ہیں  
سینم بھی شامل ہوتا ہے۔

نشین۔ عروہ کنایہ حضرت  
جبریل سے عقل اول۔

نہ ان آخر کار۔  
نہ اس نا امید۔

نہی زن چمک زن۔  
نہ شانہ جو جلد کہنے  
میں آجائے۔

نہیاں۔ ستم کا پرداد۔  
نہی سیونی۔ سیونی کا  
پھول۔

نہار۔ ایک ستارہ جو  
اڑتے ہوئے گدھ کی طرح ہے۔

نطیہ

نسواقع۔ ایک ستارہ جو گدھ  
ہوئے گدھ کی طرح ہے۔

نسائس۔ ایک حیوان جس کا  
نصف بدن آدمی کا سا ہوتا

ہے۔ اور اس کے ایک ہاتھ  
ایک آنکھ ایک پاؤں ہوتا ہے  
اور اس کے متعلق مختلف قول

ہیں۔  
نشائین۔ دونوں جہان۔  
دنیا و آخرت۔

نیش۔ وباغت دیے ہوئے  
چمڑے کا فرش۔ قاعدہ تھا کہ  
ایسا فرش واجب القتل آدمی  
کے لیے بچھایا جاتا تھا۔

نظم۔ لٹری۔ اشعار و نوزوں۔  
نظم کوئی۔ انتظام۔  
نفل۔ بچائی پر جو بچہ پھرنا

سینہ پر داغ کھانا۔ نفل برید  
بر سینہ و جگر کا ترجمہ ہے۔  
نہر۔ آدمی۔ نوکر۔ ملازم۔

نہاد۔ پیر ہیز گاری۔  
نگاہ کا سوت بندھنا۔

خرف (واو)

واو۔ وادی نجد

نگاہ کا تار بندھنا  
نگر۔ گاؤں۔ چھوٹی بستی۔

نہر۔ بلیک۔ تیندوا۔  
نوار۔ آکشی۔

نونا۔ جھکانا۔  
نوجہ۔ جوان نوجوان۔ امرو

نوسفر۔ جسے نیا نیا سفر کیا ہو۔  
نوشاد۔ حسنینوں کا ایک شہر تھا۔

نوک۔ کرنا مراد بڑھ کے باتیں کرنا  
نہ۔ ناخن۔

نہ لینا۔ ناخن ترشوانا۔  
نہاد۔ ذات۔ مرث۔ خلقت۔

نہار۔ صبح کو ہر کھانے  
سے قبل کچھ کھانا کھانا۔ یہ  
نہارستان کا ترجمہ ہے۔

نہایت۔ انتہا۔  
نہر۔ عظیم۔ آفتاب۔

نیل۔ نیل گاؤں۔  
نہر۔ نرس۔ نرس کا تہہ

جس پر پھول کھلتا ہے۔  
نہو۔ چلنا۔ جھک کر چلنا۔

نہو۔ جھکانا۔

جس میں کج حالت و یوانگی

آتا ہے تو وہ منہ میں تنکا  
وایتا ہے۔ اوزیہ غلامت  
عاجزی کی ہے۔  
میر میں گریہ مرنے اڑنا۔  
لطف اٹھانا۔

مورہ لاس کنایا بتلائے  
ریخ و مصیبت۔  
موسس کسی کا ماں و اسباب  
بوٹ لینا۔

موش کورہ بچھو نہر۔  
موزنا۔ بند کرنا۔  
موزنا فریہ کیر چلانا۔ ٹوٹنا۔  
مہابت۔ دہشت۔ خوف۔  
مہتری بھٹیا۔

مہر و تر۔ محبت قبول کرنیوالا۔  
میاں گری درمیان میں پڑنا۔  
میانہ۔ ایک سواری۔  
میلان۔ رغبت خواہش۔  
مایل۔ انجام کار۔

ملاذ۔ جائے پناہ۔  
ملکت۔ مملکت۔  
مل۔ ریت کی جمع۔  
منادی۔ مانعت۔  
منائی۔ مانعت۔  
منت۔ خوشاد۔

منحرف۔ پھرا ہوا۔ برگشتہ۔  
منہر۔ پیرانا۔ کہنہ۔ بوسیدہ۔  
منقاش۔ مویچا۔ بال چنے  
کا آلہ۔

منکا ڈھلنا۔ مرنے کے قریب  
کی حالت۔  
منہ ایلنا۔ منہ آنا۔ منہ میں  
وانے پڑنا۔

منہ دکھائی۔ وہ نذرانہ جو  
دھن کا پہلی مرتبہ منہ دیکھنے  
پر دیا جاتا ہے۔  
منہ میں تنکا لینا۔ دوزخ  
میں سے جب ایک عاجز

کا پہلا شعر۔  
معارضہ۔ جھگڑنا۔ بدلا دینا۔  
برطرف ہونا۔  
معدا و۔ خوراک روزانہ۔ وہ کم  
جس کی عادت ہو۔

معلق زن۔ تلا کرتا ہوا۔  
معمورہ۔ ابادی۔ آباد جگہ۔ بستی۔  
معن۔ معن زایدہ عرب کے  
سختی کا نام۔

مقتن۔ فتنہ پرداز۔  
مقال۔ گفتگو۔  
مقام بچنا۔ قافلہ کے ٹھہرنے  
کے وقت جو نقارہ وغیرہ

بجایا جاتا ہے۔  
مقامرخانہ۔ جہاں جو اٹھیا جائے  
ملکت۔ ٹھہنا۔ دیر کرنا۔  
مکھل۔ سرمہ دانی۔  
مگری۔ پھیر کا وہ حصہ جو ب  
سے اوپر ہوتا ہے۔

## حرفون

دعا کنندہ ہوتی ہے۔  
ناگ۔ پیر۔  
وینا۔  
ناہم۔ نام مشہور ہونا۔

بات کرنے کی گنجائش پیدا کرنا۔  
ناغہ استہ۔ بغیر چاہے۔  
ناو علی۔ ایک دعا کا نام۔  
یشب وغیرہ کی تختی جس پر یہ

نااہل۔ تاواقف۔ نا آشنا۔ نا جان  
ناخی۔ نجات پانے والا۔  
ناحہ۔ طرہ۔ سمت۔ کنارہ۔ ملک  
ناخن بندی تعلق بہم پہنچانا۔



مجنوں کا رہنا بتایا جاتا ہے۔  
واشد کھلنا۔ کھلنا۔  
وامق۔ ایک شخص کا نام جو  
عذرا کا عاشق تھا۔  
وحب۔ بالشت۔  
وحی مختزل۔ وحی نازل شد۔

ور۔ زبردست۔ برتر۔  
ورے۔ اِدھر۔ اس کنار  
پس۔  
وصال۔ چٹ بندی  
کرنے والا۔ کتاب چوڑنے والا۔  
وصید۔ ڈیوڑھی۔ دہلیز

پیش گاہ مکان۔  
وقل۔ ہم صحبتی۔ کجائی  
وقت گرگ میش۔  
صبح صادق کا وہ وقت کہ ہنوز  
آسمان پر سیاہی موجود ہو۔  
وے۔ وہ کی جمع۔

### ہائے ہوڑ

ہاتھ لگانا۔ وار کرنا پھپھر  
وغیرہ مارنا۔  
ہابی۔ ہجو کرنے والا۔  
ہامای ہی۔ خوشامد لجاجت  
ہر بانی ہر فن مولا۔ ہر فن  
میں دخل رکھنے والا۔ ہر فن  
کا ماہر شاطہ۔ چالاک۔  
ہرزہ چاکلی۔ فضول اور

لا یعنی باتیں کرنا۔  
ہرزہ درانی فضول باتیں کرنا  
ہزار پایہ۔ کھنکھجور۔  
ہفت گنج خسرو خسرو  
پر دیز کے سات خزانے  
جن کے نام یہ ہیں۔ گنج عروش  
گنج باد آورد۔ گنج آبہ۔ گنج  
افراسیاب۔ گنج شونختہ۔ گنج

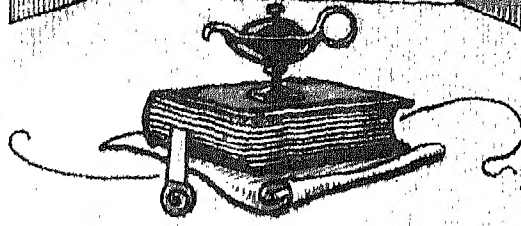
خضر۔ گنج شاد آورد۔  
ہسلانا۔ نریش ہنوز جیش  
دینا۔ ہلانا۔  
ہنکار۔ ہوں ہاں کی داز  
پشتی۔ حمایت۔ شیر کی  
آواز۔  
ہولے ہولے۔ آہستہ  
آہستہ۔

### یائے تحتانی

نشانی۔ یادگار۔  
ایک مقوی قلب  
مرکب دوا۔  
سناٹا کفر  
تن و توش۔  
سلمان جنگ۔ اور کھی  
مطلق سلمان کے معنی میں بھی آتا ہے۔

یقان۔ ایک جگر کی بیماری  
جس میں جسم اور آنکھیں زرد  
ہو جاتی ہیں۔ کانور۔ کمل باؤ۔  
پیردی پوند۔ پرند ایک سنی  
پیرا۔ یزد کا نہایت اچھا  
اور مشہور ہوتا ہے۔

یکار۔ فرد۔ یکتا۔  
یکے پیکے۔ ایک قسم کی ہلکی  
اور چھوٹی سی پگڑی۔  
یکس رہ۔ ایک بار۔  
یکون برکت۔ مبارکی۔  
یوز۔ ایک شکاری جانور۔  
یوم النوا۔ قیامت۔ روز محشر



## طبیعیات عام

تمام علوم و فنون کی بہتر بہتر اور اعلیٰ سے  
اعلیٰ کتابیں نہایت ارزاں قیمت پر آپ کو تول کثور  
پیرس سے ہر وقت مل سکتی ہیں اس دیواں کے علاقہ  
اور اساتذہ قدیم کے دواوین بھی نہایت عمدہ طبع کرائے  
گئے ہیں جن کی قیمت پر طلب کرنے پر ہر شائق کو بلا قیمت  
ردانہ ہوتی ہے

فیجینول کثور پیرس صیغہ بکھڑو لکھنؤ



م. م. م. م.  
ن. م. م. م.

1915

DUE DATE

1915

1915

1915

1915

1915

| ۲۲۲   |      | ۸۹۱۵۲۳۱۳ |     | ۲۱۱ |
|-------|------|----------|-----|-----|
| ۲۲۲۵  |      | ۳۲۲۲۶    |     |     |
| ۲۲۲۲۲ |      |          |     |     |
| Date  | No.  | Date     | No. | No. |
| ۲۲۲۲  | ۱۱۶۵ |          |     |     |